علم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ

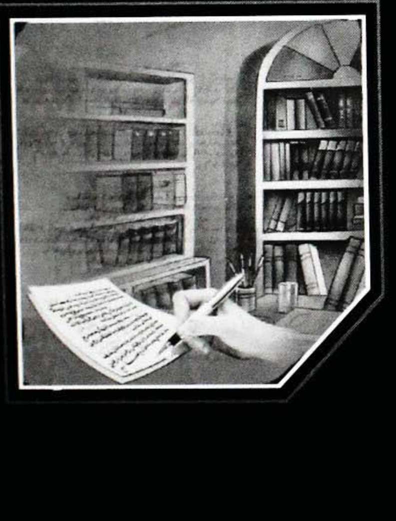
جدید فقہی مباحث

مع تقاریظ علمائے کرام

۲

- نواقض صوم سے متعلق نئے مسائل
- حج وعمرہ، موجودہ حالات کے پس منظر میں
- رمی جمار کے اوقات اور اس سے متعلق شرعی احکام

تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا



زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

تاثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا محمّد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم

دارالاشاعت
اردو بازار ۰ ایم اے جناح روڈ ۰ کراچی پاکستان

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ

جدید فقہی مباحث

مع تقاریظ علمائے کرام

جلد 2

نواقض صوم سے متعلق جدید اہم مسائل و مباحث

حج وعمرہ ـ موجودہ حالات کے پس منظر میں

رمی جمار کے اوقات اور اس متعلق شرعی احکام

تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

تاثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

ہمارے اس ایڈیشن میں 80 میں سے تقریباً 58 مباحث پہلی مرتبہ صرف پاکستان میں طبع ہوئے ہیں۔ہم اسلامی فقہ اکیڈمی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے تمام مسودات وکمپوزنگ بذریعہ ای میل مرحمت فرمائے ۔جزاك الله

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی

طبع اول: نومبر 2017ء

تعداد: 500

طباعت: عابد پرنٹنگ پریس غریب آباد کراچی

﴿.........ملنے کے پتے.........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم اردو بازار کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔انارکلی لاہور و اردو بازار کراچی

مسٹر بکس جناح سپر مارکیٹ اسلام آباد

دارالاخلاص صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین سلسلہ جدید فقہی مباحث

نواقض صوم سے متعلق نئے مسائل

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے دارالاشاعت کراچی کو پاکستان میں 1949ء سے تمام موضوعات پر اسلامی کتب کی طباعت اور اشاعت کی سعادت حاصل رہی ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل، تمام بزرگوں کی دعاؤں اور اکابر کی خدمات کا ثمرہ ہے، اسی محنت ولگن اور جذبے سے یہ خدمت تیسری نسل یعنی موجودہ ذمہ داران بھی کررہی ہے اور اب چوتھی نسل کے نمائندے بھی ماشاء اللہ اس کام میں شریک ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو مکمل اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے جو کمی کوتاہی اس میں رہ جاتی ہے اس پر معاف فرمائے۔ (آمین)

تمام قارئین جو ماشاء اللہ ذی علم حضرات ہیں ان کے تعاون اور دعاؤں سے ہی یہ کام انجام پاسکا ان سب حضرات سے بھی دونوں جہاں میں کامیابی کی دعا کی درخواست ہے۔

زیر نظر مجموعہ ''سلسلہ جدید فقہی مباحث'' کا موجودہ ایڈیشن جو بڑے سائز کی 26 جلدوں میں طبع ہوئی ہے اس میں تقریباً 70 مختلف مستقل موضوعات پر کتب جو ہندوستان میں قائم ادارہ ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' کی طویل کوششوں سے وجود میں آئیں، فقہ اکیڈمی کے سرپرست حضرات مدظلہم کی بصیرت اور کوششوں سے بڑے بڑے نامور اکابر علماء کے مقالے ان جدید فقہی موضوعات پر جمع ہوکر علمی تحقیقات کرنے والوں کے لیے بڑا زبردست ذخیرہ جمع کردیا ہے، جسے نامور اکابر ملت نے بڑی خدمت قرار دیا ہے، آئندہ صفحات میں ان بزرگوں کی تقاریظ شامل ہیں۔

ہمارے اس ایڈیشن سے قبل اس کتاب کا تقریباً چوتھائی سے بھی کم حصہ طبع ہوا تھا، جس کا معیار بھی مناسب نہ تھا اور اس کی دستیابی بھی مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اہل علم پریشان رہتے تھے، ضرورت تھی کہ نہ صرف معیار بہتر ہو اور مستقل فراہمی بھی رہے۔ ''منتظمین اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی انڈیا'' کی خواہش تھی کہ پاکستان میں کوئی ایسا ادارہ ہو جو ان کے مقاصد کو بھی پورا کرتا ہو اور مکمل اشاعت بھی کرسکتا ہو، تاکہ اس علمی ذخیرہ کی پاکستان میں اشاعت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔

اس مقصد کے لیے تقریباً اب سے سات سال قبل انہوں نے دارالاشاعت کراچی کو تحریری اجازت مرحمت فرمادی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر ہماری طرف سے اس میں تساہل یا کوتاہی کی گئی تو وہ کسی اور ناشر کو خدمات سونپ دیں گے۔ ارادے کے باوجود بعض مصالح اور حکمتوں کے سبب اسلامی فقہ اکیڈمی سے اپنے عذر کو واضح کردیا گیا اور اس کی اشاعت کا ارادہ ترک کردیا گیا۔

2015ء میں اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے سابقہ داعیہ کے ایک صاحب علم نے پیغام دیا کہ پاکستان میں اس کتاب کی مکمل اور مستقل اشاعت نہ ہونے کے سبب وہ پھر چاہتے ہیں کہ اس کا کوئی مستقل انتظام ان کے مطلوبہ معیار و مقاصد کے مطابق ہوجائے

بہر حال! پھر دوبارہ ایک مفصل تحریری اجازت نامہ ان حضرات نے پاکستان کے لیے ہمیں جاری فرمایا اور تمام مطبوعہ وغیر مطبوعہ کمپیوٹر کمپوزنگ یا جس شکل میں بھی یہ ذخیرہ تھا انہوں نے مذکورہ صاحب علم صاحب کے ذریعے ہمیں فراہم کیا، ان دو سالوں میں طویل محنت واخراجات کر کے اب اسے طبع کرنے کے لیے تیار کرلیا گیا ہے۔ اب پاکستان میں اس ذخیرہ کی اشاعت کے حقوق قانونی طور پر بھی دارالاشاعت کراچی ہی کے پاس ہیں، تقریباً 22 کتب اس میں سے پہلے شائع ہوئی تھیں، ان کے علاوہ تمام ذخیرہ پہلی مرتبہ طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ ذخیرہ پہلے انڈیا میں شائع نہیں ہوا تھا۔

ہم نے اپنے اس جدید ایڈیشن میں ترتیب یا جن دیگر خصوصیات سے اسے مزین کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱...... اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے پرانے شائع شدہ نسخوں میں کسی بھی بحث کے نتیجے میں جمع ہونے والے مقالے شائع کر دیے جاتے تھے، پھر بعد میں ان میں یہ اضافہ کیا گیا کافی جگہ اکیڈمی نے ان بحثوں کے نتیجے میں جو فیصلہ کیا اس کا اضافہ اس موجودہ نسخے میں شامل ہے۔

۲...... پورے علمی ذخیرے کو از سر نو بڑے سائز میں کمپوزوسیٹنگ سے آراستہ کیا گیا ہے بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے بات ادھوری رہ گئی ہے تو قدیم نسخوں اور اصل مسودے میں بھی اسی طرح نامکمل ہے۔

۳...... پورے علمی ذخیرے کی نئی ترتیب یا جلد بندی اس طریقہ پر کی گئی ہے کہ ممکنہ طور پر ایک جیسے موضوعات پر مباحث ایک جلد میں آجائیں، پہلے طبع شدہ نسخے میں یہ صورت نہ تھی۔ مثلاً اسلامی بینکنگ کے عنوان سے ایک موضوع چوتھی جلد میں ہے تو اسی عنوان سے دوسرا موضوع ۱۳ نمبر جلد میں ہے، اب یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایک جیسے موضوع ایک ہی جلد میں آجائیں۔

۴...... ممکن ہے کہ استفادہ کرنے والے حضرات کو ایسا محسوس ہو کہ کمپوزنگ بہت جلی نہیں ہے اسے ذرا بڑا بھی رکھا جاسکتا تھا لیکن اس سے مجموعہ کے صفحات اور جلدوں میں بہت اضافہ ہو رہا تھا اور اس کی قیمت بھی قارئین پر ایک بوجھ ہوتی۔ مزید یہ کہ گزشتہ طبع شدہ نسخوں کا قلم بھی تقریباً اس جیسا ہی تھا۔

5...... بحمد اللہ! اب ''سلسلۂ جدید فقہی مباحث'' کا سائز بھی دیگر فقہی کتب کی طرز پر ہو گیا، کاغذ، طباعت اور جلد سازی کا معیار بھی بہت نمایاں اور بہتر ہو گیا۔

۶...... اس ذخیرہ کی قیمت بھی بازار میں دستیاب کتب کے مقابلے میں معیار وغیرہ کو دیکھتے ہوئے بہت مناسب رکھی گئی ہے۔

امید ہے کہ اہل علم حضرات، یونیورسٹیاں، لائبریریاں، اس علمی ذخیرے کی پذیرائی کریں گی اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ درخواست اور دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت دونوں کے لیے نافع بنادیں (آمین)

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

مدیر کتب خانہ دارالاشاعت

اردو بازار کراچی

8/7/2017

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی ہند

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ العالی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ صحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی پاکستان

''مجھے بے انتہا مسرت بھی اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علمائے کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانے پر یہ کام شروع نہ کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہل قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا۔

تقدیم

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

بمناسبت خطبہ صدارت چوتھے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۲ء حیدرآباد (دکن)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى: اما بعد!

میرے لیے یہ بات بہت بڑے اعزاز اور خوشی ومسرت اور یادگار کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم سے مجھے اس عظیم الشان علمی ادارے کے چوتھے فقہی مذاکرہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اپنے محترم بزرگ جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم کا اور اس اسلامک فقہ اکیڈمی کے تمام منتظمین کا تہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا اور نہ صرف ایک سامع اور شریک کی حیثیت میں بلکہ اس افتتاحی اجلاس کی صدارت کی ذمہ داری بھی مجھ ناچیز کو سونپی۔ اس سے پہلے اگرچہ اکیڈمی کی طرف سے ہر سال مجھے دعوت موصول ہوتی رہی لیکن میں اپنے بعض مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے، لیکن میں ان کو ایک فقیہ، ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم وفضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کرکے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کرکے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض ومقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت میں ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر ليس فيه أمر و لانهي فما ذا تأمرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں، ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ حضرت نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه برای خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھو۔

یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لیے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہوگیا ہے، اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین

کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی: ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں، دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگادی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لیے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنالے، اس کے حکم بیان کردے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے، بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ یہ بات فرمایا کرتے تھے:

"کہ اگر میرا علم بمعنی جان لینا کوئی کمال کی بات ہوتی تو شاید ابلیس سے بڑا صاحب کمال اس کائنات میں کوئی نہ ہوتا۔"

اس لیے کہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے صرف جان لینے کا، علم حاصل کرلینے کا، تو ابلیس کو علم بہت بڑا حاصل تھا، بہت کچھ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اور عقل کے اعتبار سے بھی آپ دیکھیں تو عقل، خالص عقل، جو وحی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس عقل کے اعتبار سے اس نے جو دلیل پیش کی، سجدہ نہ کرنے کی، کہ اے اللہ! تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھ کو آگ سے پیدا کیا، تو میں افضل ہوں، اس لیے کہ آگ افضل ہے مٹی کے مقابلے میں، تو اگر عقل کو وحی کی رہنمائی سے آزاد کردیا جائے تو خالص عقل کی بنیاد پر اس کی دلیل کا توڑ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس سارے عقل اور اس سارے علم کے باوجود وہ پراندۂ درگاہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نکالا گیا، اس لیے کہ وہ علم نرا علم تھا، دانستن کے معنی میں اس پر عمل نہیں تھا۔ اس کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہیں تھا، آپ کو معلوم ہے کہ آج ہمارے اس دور میں جتنے مستشرقین ہیں، اگر آپ ان کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں تو ان میں اسلامی کتابوں کے ڈھیر ملیں گے۔ اتنی کتابوں کے حوالے ملیں گے کہ بسا اوقات ہمارے عالم دین اتنی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن سارا علم اور ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس علم کا اتنا فائدہ نہیں اٹھاسکے کہ ایمان کی دولت حاصل کرلیتے۔ یہودی تھے یہودی، عیسائی کے عیسائی رہے۔ تو معلوم ہوا کہ صرف فقہ کا عالم ہوجانا کافی نہیں، اور صرف فقہ کے عالم ہوجانے سے وہ مقام حاصل نہیں ہوجاتا جو نبی کریم ﷺ نے نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے تجویز فرمایا بلکہ قید لگادی کہ فقہاء کے ساتھ عابدین ہونے چاہیے، عبادت گزار ہونے چاہیے۔ یہ حدیث میں نے اس وجہ سے سنائی کہ آج کثرت سے یہ آواز بلند ہوتا رہتا ہے، مختلف حلقوں کی طرف سے کہ صاحب دین کی تفہیم اور دین کی تعبیر کا حق صرف علماء ہی کو کیوں حاصل ہے۔ ہر مسلمان بہ حیثیت ایک مسلمان وہ دین کی تفہیم وتشریح کیوں نہیں کرسکتا۔ ہر آدمی کھڑا ہو کر یہ آواز بلند کہتا ہے کہ میں قرآن کریم سے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکتا ہوں۔ یہ دین کی تفہیم وتعبیر کا سارا حق اٹھا کر علماء کی جھولی میں کیوں ڈال دیا گیا۔ علماء کی اجارہ داری کیوں قائم کردی گئی۔

تو جواب دیا نبی کریم ﷺ نے کہ یہ تشریح وتعبیر کا حق صرف فقہاء عابدین کو حاصل ہے، صرف فقہاء کو بھی نہیں بلکہ فقہاء عابدین کو، اس کے سوا کوئی قرآن وسنت کے احکام کی صحیح تفسیر وتشریح نہیں کرسکتا۔

یہ عجیب واقعہ ہے کہ دنیا کے ہر علم وفن میں کوئی ذمہ دارانہ بات کہنے کے لیے ساری دنیا میں یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ اس فن کا اس نے علم حاصل کیا ہو، اس کی ڈگری حاصل کی ہو، کوئی شخص آج تک ایسا پیدا نہیں ہوا جو کہتا ہو کہ انگریزی جانتا ہوں، میڈیکل سائنس کی کتابیں مطالعہ کرکے میں علاج کرسکتا ہوں، اگر میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر، محض مطالعہ کرکے ڈکشنریوں کے ذریعہ اس کے ترجمے دیکھ کر آدمی علاج کرنا شروع کردے تو سوائے قبرستان آباد کرنے کے اور کوئی خدمت انسانیت کی وہ انجام نہیں دے سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دین کے اندر بھی یہ راستہ رکھا ہے کہ جب کتاب بھیجی تو نبی کریم ﷺ کو ساتھ بھیجا تا کہ آپ اس کی تعلیم دیں، اس کی تربیت دیں، اس کے معانی سکھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سالہا سال کی محنت کرکے قرآن کریم کی ایک سورۃ سرکار دوعالم ﷺ سے پڑھی۔ اس لیے یہ نعرہ جو لگایا جاتا ہے کہ ہر شخص قرآن وسنت کے بارے میں جو چاہے کہہ سکتا ہے اس کا جواب اس مکمل حدیث کے اندر موجود ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا مجمع الفقہ الاسلامی اسی حدیث کی

تعلیم معلوم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس حدیث پر عمل کرنے کا صحیح نور، اس کی صحیح برکت اور اس کا صحیح فائدہ مجمع کو عطا فرمائے۔

جیسا کہ مجھ سے پہلے کئی حضرات اس پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ اس مجمع (اکیڈمی) کے قیام کا اصل مقصد ان نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے جو اس امت مسلمہ کو درپیش ہیں اور کوئی شک نہیں کہ علماء کے نقطۂ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے کہ علماء باہم سر جوڑ کر ان مسائل کا حل امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں جو آج امت مسلمہ کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ وقت کا بہت بڑا تقاضہ ہے کہ علماء یہ کام کریں تو مجھے چند وہ جملے بھی یاد آتے ہیں جو بسا اوقات مختلف حلقوں کی طرف سے بار بار اٹھائے جاتے ہیں کہ علماء کو وقت کے تقاضے کے پیچھے چلنا چاہیے۔علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کرنا چاہیے۔اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے۔یہ جملہ جس اجمال کے ساتھ بولا جاتا ہے اس کا صحیح مطلب بھی ہوسکتا ہے اور غلط مطلب بھی ہوسکتا ہے وقت کے تقاضہ کا مفہوم بسا اوقات لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب میں جو ہوا چل کر آوے، مغرب سے جو فکر، جو فلسفہ جو نظریہ، جو طرز عمل ہمارے ملکوں میں درآمد ہوگیا، بجائے اس کے کہ اس کو بدلا جائے، اس کے بجائے اسلام کو بدل کر اس کے مطابق کیا جائے، اسے وقت کا تقاضہ قرار دیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ سود، ربوا کا چلن ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ صاحب اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان سود کو جوں کا توں قبول کرلیں......ایک زمانہ آیا کہ اشتراکیت اور سوشلزم کا ڈنکا بجا، اور انہوں نے دنیا کے اندر اپنے نظریات کو پھیلانا شروع کیا، دنیا کے مختلف ملکوں اور سلطنتوں میں ان کا نظام رائج ہوا۔اس کا شور شرابہ ہوا تو اس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ سوشلزم کو، اشتراکیت کو اسلام کے مطابق ڈھال دیا جائے وقت کا تقاضہ یہ ہے۔غرض جو نئی وبا مغرب سے درآمد ہوا اسلام کو اس کے مطابق بنانے اور اس کو اسلام کے اندر داخل کرنے کے لیے وقت کے تقاضہ کا عنوان استعمال کرلیا جاتا ہے۔

لیکن یہ مجمع الفقہ الاسلامی درحقیقت ایسے وقت کے نام نہاد تقاضوں کے پیچھے نہ ہے اور نہ ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ...... یہاں وقت کے تقاضوں سے مراد یہ ہے کہ بے شمار مسائل آپ کی زندگی کے اندر سے پیش آگئے ہیں کہ ہمیں ان کا صریح حکم کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں یا فقہاء کرام کے کلام میں نہیں ملتا، جسے آپ اصلاحی اعتبار سے اجتہاد فی المسائل کہہ سکتے ہیں۔تو اجتہاد فی المسائل کے ذریعہ ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور وسعتِ نظر کے ساتھ کیا جائے۔پورے اسلامی مزاج کے ساتھ کیا جائے، اس کے اندر کسی اجنبی نظریہ اور فلسفہ سے مرعوب ہوکر نہیں، بلکہ حقیقی اسلامی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا حل اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہ کر تلاش کیا جائے اس سے باہر نہ جایا جائے، یہ ہے اس مجمع (اکیڈمی) کا اصل مقصد اور اسی لیے اس میں الحمد للہ مختلف الخیال، مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور پچھلے دنوں جو تحقیقات سامنے آئی ہیں اللہ کے فضل وکرم سے ان میں ان بنیادی اصولوں کا لحاظ نظر آتا ہے۔امید ہے کہ یہ اکیڈمی ان راستوں پر چلے گی، تو انشاء اللہ اس امت کے لیے بہترین مسائل کا حل پیش کرے گی......لیکن میں آخر میں اس سلسلہ کے ایک اہم نکتہ کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، بلکہ توجہ دلانا تو بے ادبی کی بات ہوگی۔سارے حضرات اکابر علماء ہیں۔محض تذکیر اور تکراز کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ چوں کہ ہم ایک ایسے معاشرہ میں جی رہے ہیں جس میں مغرب کا سیاسی اور فکری تسلط قائم ہے۔سیاسی اور فکری سیاسی اعتبار سے پوری دنیا کے اوپر مغرب مسلط ہے۔فکری اعتبار سے بھی مغرب کے افکار اور ان کے نظریات وفلسفے مسلط ہیں۔اور یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" جس کے پاس ہتھیار، جس کے پاس قوت ہو تو لوگوں کو بات بھی اسی کی سمجھ میں آتی ہے اور جلدی سے سینے میں اتر جاتی ہے۔تو اس واسطے مغرب نے جو افکار ہمارے یہاں پھیلا دیئے اور صدیوں کی محنت کے بعد پھیلائے۔ہمارے نظام تعلیم کے اندر وہ افکار پھیلا دیئے۔ان کی موجودگی میں اس بات کا بڑا قوی اندیشہ ہے کہ بعض ایسی چیزوں کو وقت کی ضرورت قرار دیا جائے جو درحقیقت وقت کی ضرورت نہیں ہے۔محض مغرب کے پروپیگنڈہ نے اسے وقت کی ضرورت قرار دے دیا۔یہ وقت کی ضرورت ایک ایسا مجمل لفظ ہے جس کے اندر بہت کچھ سما سکتا ہے اس لیے وقت کی ضرورت کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے ان کی دو دھاریں اپنے ذہن میں رکھنی ضروری ہے۔یہ دو دھاریں ہتھیار ہیں، اس سے امت مسلمہ کے مسائل بھی حل ہوسکتے ہیں اور اس سے امت مسلمہ کا کام

بھی تمام ہوسکتا ہے۔اس لیے ہم جب وقت کی ضرورت کا لفظ استعمال کریں تو یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیے کہ محض پروپیگنڈہ کے شور وشغب سے مرعوب ہو کر ہم یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ بھی وقت کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے اپنے اصول، ہمارے اپنے قواعد کے لحاظ سے یہ ضرورت ہے یا نہیں؟

اسی ضمن میں یہ سوال بہ کثرت اٹھتا ہے کہ کیا ان مسائل کو طے کرتے وقت کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کرنی چاہیے یا مختلف فقہی مذاہب کو سامنے رکھ کر اور اس میں جو ضرورت کے مطابق معلوم ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔

میں خاص طور پر آپ حضرات سے باادب عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خاص طور پر اس دور میں معاملات کے شعبہ میں چوں کہ معاملات پیچیدہ ہوتے ہیں، بے شمار مسائل سامنے آگئے ہیں، لہٰذا اگر یہ شخص حنفی مذہب کا پیروکار ہے اور وہ کسی ضرورت کی وجہ سے، عموم بلویٰ کی خاطر، وہ مسائل وقت کو حل کرنے کی خاطر دوسرے کسی امام کے قول کو اختیار کر لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ جائز ہے اور نہ صرف جائز ہے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو باضابطہ یہ وصیت فرمائی تھی کہ اس دور میں جب کہ معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں، اگر آئمہ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی بھی فقہی مذہب میں کوئی گنجائش مل جائے تو اس دور کے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

لیکن اس میں ادق ترین جو نکتہ ہے جو بسا اوقات افراط وتفریط کا شکار ہو کر فراموش ہو جاتا ہے وہ یہ کہ مختلف مذاہب میں سے علوم بلویٰ کی خاطر کوئی قول اختیار کر لینا اور بات ہے اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر مذاہب کو گڈمڈ کرنا بالکل جدا شئے ہے یعنی اگر کوئی شخص محض اس بنیاد پر کہ میری خواہش نفسانی میرے مفاد ایک مذہب سے پورے ہو رہے ہیں دوسرے سے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو اس بنیاد پر اگر وہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر تو اس کی کسی کے نزدیک اجازت نہیں، یہ اتباعِ ہویٰ ہے۔ یہ خواہشات نفسانی کی اتباع ہے۔اس کو تشہی کہا گیا ہے، یہ شہوت پرستی ہے، یہ خواہش پرستی ہے، محض اپنے ذاتی فائدہ یا ذاتی سہولت کی خاطر ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے اس کی مثال آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

آج جب کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ عام رجحان پیدا ہوا۔ پورے عالم اسلام میں خاص طور پر عرب ممالک میں یہ رجحان بہت پیدا ہوا کہ ان معاملات کو حل کرنے کے لیے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے۔ جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے بعض اوقات یہ صورت اختیار کر لی کہ محض ضرورت کی خاطر نہیں، بلکہ محض ذاتی مفاد، ذاتی سہولت کی خاطر "جمع بین المذاہب" اور تلفیق بین المذاہب کا راستہ اختیار کر لیا...... اتباعِ ہویٰ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ فتاویٰ کے اندر لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص ذاتی خواہش کی خاطر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔"

حالانکہ علامہ ابن تیمیہ تقلید کے سخت مخالف ہیں۔ اتباعِ ہویٰ کو وہ بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ اس کی چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔

ایک صاحب سے میری ایک بار ملاقات ہوئی میں اور وہ دونوں سفر پر تھے اور دونوں سفر کے عالم میں مقیم تھے۔ ہفتہ دس دن ایک جگہ ٹھہرنا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ "جمع بین الصلوٰتین" کر رہے ہیں۔ دو نمازوں کو جمع کر رہے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمع حقیقی جائز نہیں ہے۔ جمع صوری کو جائز کہتے ہیں۔ تو وہ جمع کر رہے تھے، انہوں نے امام شافعیؒ کے قول پر عمل کیا ہوگا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ ہفتہ بھر مقیم رہے اور جمع بین الصلوٰتین کرتے رہے، تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے شافعی مسلک کو لے لیا تاکہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی گنجائش مل جائے، میں نے عرض کیا کہ شافعی مسلک یہ بھی ہے کہ چار دن سے زیادہ ان کے یہاں قصر نہیں ہوسکتی۔ ان کے نزدیک مدتِ قصر صرف چار دن ہے۔ تو چار دن سے زیادہ مدتِ سفر نہیں ہوتی اور آپ تو ہفتہ بھر سے مقیم ہیں۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اس معاملہ میں حنفی مسلک کو لے لیا۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ دلائل کے نقطۂ نظر سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک زیادہ قوی ہے اور اس معاملہ میں شافعیہ کا مسلک زیادہ قوی ہے۔ کہنے لگے کہ دلیل کے اعتبار سے تو میں نہیں سمجھتا لیکن میں نے دیکھا کہ یہ

میرے لیے زیادہ سوٹ کرتا ہے تو اس واسطے میں نے اس میں حنفی کا مسلک لے لیا اور اس میں شافعی کا مسلک لے لیا...... تو میری گزارش یہ ہے کہ محض ذاتی سہولت اور ذاتی مفاد، ذاتی راحت کے پیش نظر ایک مسئلہ میں ایک قول کو لے لینا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے قول کو لے لینا، یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو اس سے دین کا حلیہ بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس واسطے کہ ہر مذہب میں جو قول اختیار کیا گیا اس کے کچھ شرائط ہیں اس کے کچھ حدود ہیں۔ آپ نے ان شرائط کو مدنظر نہیں رکھا چھوڑ دیا اور ان شرائط کو مدنظر رکھے بغیر اور اس طرح سے "تلفیق بین المذاهب" کا سلسلہ شروع کر دیا تو اس کا نتیجہ سوائے اتباع ہویٰ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، اس لیے میری گزارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب خاص طور پر معاملات کے اندر دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے لیکن یہ اس وقت جب کہ واقعی کوئی ضرورت داعی ہو اور واقعۃً اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکالنا مقصود ہو اور اس کا مقصد اتباع ہویٰ، تشہی اور ذاتی منفعت کو حاصل کرنا نہ ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علماء کا مجمع ہے، ان کے سامنے کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ اس لیے میں نے تذکیراور تکراراً عرض کر دی کہ جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو...... یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس میں اس کا خیال رکھنا ہے کہ وقت کی ضروریات پوری ہوں، مسلمانوں کے مسائل حل ہوں اور دوسری طرف اس بات کا لحاظ رکھنا ہے کہ آپ مغرب کے اس جھوٹے پروپیگنڈے سے مرعوب نہ ہوں جو ہر نئی وبا کو وقت کی ضرورت کہہ کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس واسطے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم اس کام کو انجام دیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس شریعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آنے والے ہر بڑے سے بڑے مسئلہ کا حل رکھتی ہے اور جب یہ تصور آپ کے سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں گے تو ان شاء اللہ امت کے مسائل حل ہوں گے ...... جیسا کہ مجھ سے پہلے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہم نے فرمایا کہ عالم کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ حرام ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اگر کسی چیز کو حرام کہا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہے تو اس کا متبادل حلال طریقہ بھی بتائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی کہ بادشاہ نے خواب دیکھا ہے کہ:

"انی اری سبع بقرات سمان یا کلھن سبع عجاف..."

جب یہ پوچھا تو یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بعد میں بتائی کہ قحط آنے والا ہے لیکن اس قحط سے بچنے کا راستہ پہلے بتادیا:

"تزرعون سبع سنین دابا... فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ..."

تعبیر تو بعد میں بتائی کہ قحط آنے والا ہے اور پہلے قحط سے بچنے کا یہ راستہ بتایا کہ سات سال تک خوب جم کر زراعت کرو، اور خوشہ کے اندر گیہوں کو چھوڑ دو۔ تو بچنے کا طریقہ پہلے بتادیا اور خواب کی تعبیر بعد میں بتائی...... تو عالم کا کام محض حرام قرار دے کر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ متبادل راستہ بتانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ اکیڈمی درحقیقت اسی لیے قائم کی گئی ہے۔ اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی بھی ضرورت ہوگی۔ متبادل طریقوں کے سمجھنے اور اس کے تعین کے لیے وہ طریقے تجویز کئے جا سکیں جو قابل عمل ہیں۔

الحمد للہ! دیکھتا ہوں کہ مجمع الفقہ الاسلامی نے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگر علوم وفنون کے ماہرین سے بھی استفادہ کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے اس اکیڈمی کو اپنے مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے، قدم قدم پر اس کی نصرت ودستگیری فرمائے، اس کے راستے کی دشواریوں کو دور فرمائے اور دین کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اخیر میں ایک بار پھر اس کانفرنس کے منتظمین کا اور تمام حاضرین کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز کی گزارشات کو غور و توجہ کے ساتھ سنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ
جدید فقہی مباحث

نواقض صوم سے متعلق نئے مسائل

تحقیقاتِ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدرالحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مولانا محمد عبید اللہ اسعدی

ابتدائیہ

شریعت اسلامی کے امتیازی اوصاف میں سے ایک اس کی جامعیت بھی ہے، یعنی وہ زندگی کے تمام شعبوں میں ایسے طریقہ کار کی رہنمائی کرتی ہے، جو انسان کے لئے دنیا میں بھی فائدہ مند ہو اور آخرت میں بھی، وہ جس عبادت کا طریقہ سکھاتی ہے، معاشرت کا سلیقہ بتاتی ہے، معاملات کے لئے منصفانہ اصول کی رہنمائی کرتی ہے، جرائم اور سزاؤں سے متعلق ایسے متوازن قوانین سے اس نے نوازا ہے جس میں عدل بھی ہے اور اعتدال بھی، اور وہ ہمیں اجتماعی اور بین قومی زندگی کے ایسے آداب بھی سکھاتی ہے، جو امن و آشتی اور انصاف کے لئے نسخہ کیمیا کا درجہ رکھتے ہیں۔

تاہم قانون شریعت کے بعض حصے وہ ہیں جن کی بنیاد زیادہ تر مصلحتوں پر ہے، حالات کی تبدیلی کے لحاظ سے ان کی تطبیق ہر عہدہ کی ضرورت کے لحاظ سے بعض اوقات مختلف صورت میں ہوتی ہے، اس لئے ان کے سلسلہ میں طریقہ کار میں اجمال برتا گیا ہے، اور اصول و مقاصد کو پوری طرح واضح کردیا گیا ہے، کیونکہ اصول و مقاصد تبدیل نہیں ہوسکتے، ان کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، اس کے برخلاف عبادات میں مقصد اور طریقہ کار دونوں متعین کردیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کا مقصد بھی بتایا ہے کہ: "إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر" (العنکبوت: ۴۵)، اور "أقم الصلاة لذكري" (طہ: ۱۴)، یعنی نماز کا مقصد برائیوں اور بے حیائی کی باتوں سے روکنا نیز بندوں کے ذہن میں اپنے رب کی یاد کو تازہ رکھنا ہے۔ اور نماز کا پورا طریقہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادیا، نیت سے لے کر سلام تک نماز کے تمام افعال کے لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ملتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو عملی طریقہ بتایا اور ہدایت بھی فرمادی کہ تمہیں اسی طرح نماز پڑھنی ہے، "صلوا كما رأيتموني أصلي"۔

جن اعمال کو عبادات کی فہرست میں رکھا گیا ہے، ان میں چار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج، ان کو ارکان اسلام میں شامل رکھا گیا ہے، اور ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت لیتے تو توحید و رسالت کا اقرار کرانے کے ساتھ ساتھ ان عبادات پر بھی عہد لیا کرتے تھے، عبادات کے باب میں نئے مسائل نسبتاً کم پیدا ہوتے ہیں، تاہم جدید آلات و وسائل کی پیدائش اور بعض دوسرے اسباب کے تحت ان ابواب کا دامن بھی ایسے مسائل سے خالی نہیں جو صراحتاً قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں، یا ہمارے فقہاء کے اجتہادات میں واضح طور پر ان کا تذکرہ نہیں آیا ہے، ظاہر ہے ایسے مسائل کو حل کرنا اور شریعت کے اصول و نظائر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا علماء و ارباب افتاء کی ذمہ داری ہے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا تقریباً گذشتہ بیس سالوں سے اسی فریضہ کو انجام دیتی آرہی ہے۔

چنانچہ زکوۃ، عشر، حج اور عبادات کے منجملہ اوقاف کے موضوعات پر مستقل سمینار ہوچکے ہیں، ان سمیناروں کے علاوہ بھی ضمنی طور پر حج کے بعض مسائل زیر بحث آتے رہے ہیں، لیکن روزہ کے مسائل پر اب تک غور و فکر کا موقع نہیں ملا تھا، اس پس منظر میں اکیڈمی کے سترہویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم شیخ علی متقی برہان پور (ایم پی) بتاریخ ۵-۷/ اپریل ۲۰۰۸ء مطابق ۲۸-۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں روزہ کے مسائل کو خاص طور پر بحث اور اجتماعی غور و فکر کے لئے منتخب کیا گیا، روزہ کے بیشتر احکام منصوص ہیں اور حسن اتفاق ہے کہ بمقابلہ نماز اور حج کے روزہ کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلافات بھی کم پائے جاتے ہیں، لیکن یہ بات کہ روزہ کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟ کے سلسلہ میں قرآن و حدیث میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں، قرآن میں کھانے، پینے اور بیوی سے مخصوص تعلق کو منع کیا گیا ہے اور حدیث میں فرمایا گیا: کہ روزہ جسم میں داخل ہونے والی چیزوں سے ٹوٹتا ہے، لیکن کھانے پینے کا اطلاق کس کیفیت پر ہوگا اور کن راہوں سے جسم میں داخل ہونے والی چیزیں روزہ کے لئے ناقض ہوں گی؟ اس کی وضاحت کتاب و سنت میں نہیں ملتی، کیونکہ آلات و وسائل کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی مختلف صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں، لہٰذا یہ فقہاء و ارباب افتاء کے غور و فکر کا میدان ہے۔

ہمارے قدیم فقہاء نے اس سلسلہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ نواقض صوم کا تعلق جسمانی ساخت سے بھی ہے، ناک، کان، آنکھ، منہ اور شرمگاہیں کس حد تک معدہ میں کسی چیز کے پہنچانے میں معاون ہیں؟ کیا پیٹ کی طرح دماغ میں بھی کوئی جوف ہے اور کیا کان میں ڈالی جانے والی چیز دماغ کے اندر تک پہنچ جاتی ہے؟ ان کا تعلق "علم الابدان" سے ہے، اس فن سے یہ سوال بھی متعلق ہے کہ انجکشن وغیرہ کے ذریعہ رگوں اور ہڈیوں میں جو دوائیں

پہنچائی جاتی ہیں ان کی آخری منزل کہاں ہوتی ہے؟ قدیم زمانہ میں اس علم نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی، جتنی ترقی آج ہو چکی ہے، آج انسان نہ صرف جسم کے اندرونی راستوں سے واقف ہو چکا ہے، بلکہ وہ باریک ترین شریانوں یہاں تک کہ خلیات اور کھلی آنکھوں نظر نہ آنے والی جین سے بھی آگاہ ہو چکا ہے، اس لئے ان مسائل کے سلسلہ میں صورت مسئلہ سے آگاہ ہونا پہلے کے مقابلہ زیادہ آسان ہے۔

چنانچہ اس سمینار میں اسی موضوع پر گفتگو ہوئی، میڈیکل ماہرین نے بھی شرکت کی اور انہوں نے صورت مسئلہ بتائی، اور علماء نے کتاب وسنت اور فقہاء کے اجتہادات سے استفادہ کرتے ہوئے ان پر احکام شرعیہ کو مرتب کرنے کی کوشش کی، خوشی کی بات ہے کہ اس موضوع پر اہل علم کے مقالات بڑی تعداد میں آئے، اور جب کمیت بڑھتی ہے تو اس سے مجموعی کیفیت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اس لئے یہ بڑے چشم کشا ثابت ہوئے، چنانچہ اس سمینار کے مقالات، جوابات کی تلخیص، ماہرین کی طبی معلومات پر مشتمل خطابات اور سمینار کے درمیان ہونے والے مناقشات کا یہ مجموعہ قارئین کے سامنے ہے، اس پورے مجموعہ کا اصل لب لباب اور خلاصہ وہ تجاویز ہیں جو سمینار میں منظور کی گئی ہیں۔

اس مجموعہ کو محب عزیز جناب مولانا صفدر علی ندوی صاحب رفیق شعبہ علمی نے بڑی توجہ اور خوش سلیقگی سے ایڈیٹنگ اور ترتیب کا کام انجام دیا ہے، ادارہ ان کا شکر گذار ہے، اکیڈمی کے سارے علمی کام اس کے سکریٹریٹ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، رفیق محترم حضرت مولانا محمد عبید اللہ اسعدی سکریٹری برائے سمینار، محب گرامی حضرت مولانا عتیق احمد بستوی سکریٹری برائے علمی امور، نیز اکیڈمی کے انتظامی امور کے مدار المہام حضرت مولانا محمد امین عثمانی ندوی صاحب سکریٹری برائے انتظامی امور کی عملی کاوشیں علمی کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ حقیر اپنے ان تمام دوستوں کا بے حد شکر گذار ہے، امید ہے کہ فقہی سمینار کے مقالات کا یہ مجموعہ بھی پہلے مجموعوں کی طرح اہل علم کی بارگاہ میں پذیرائی حاصل کرے گا، واللہ ھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۱/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ/۹/جنوری ۲۰۰۹ء

خطبہ صدارت

بموقع سترہواں فقہی سمینار برہانپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. أما بعد!

ہم اللہ تعالی کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، کہ اس کی توفیق اور مدد سے ہم سب یہاں احکام شریعت پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، جو یقینا علماء کی بنیادی ذمہ داری اور ان کا منصبی فریضہ ہے اور جس سے بے اعتنائی برتنا علماء کے حق میں اپنی ذمہ داری سے تغافل کے مرادف ہے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام کرتے تھے، ان کا تزکیہ بھی فرماتے تھے، ان کے مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے، ان کی دینی ضروریات کی تکمیل فرماتے تھے، ان کے استفتاءات کے جوابات دیتے تھے، اور کوئی نئی بات پیش آتی تو شرعی نقطہ نظر سے اس کے حل کی رہنمائی کرتے تھے، اس لئے امت کی ہمہ جہت فکر علماء دین کی ذمہ داری ہے اور انبیاء کی میراث میں داخل ہے، ان ذمہ داریوں میں ایک اہم ترین حصہ ان مسائل کے متعلق رہنمائی کرنا ہے جو مختلف زمانوں میں پیش آئیں، کیونکہ نبی کی بعض ذمہ داریاں تو ایسی ہیں کہ اس میں امت کے عام افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں، لیکن مسائل شرعیہ کو حل کرنے کے لئے گہرے علم، دین پر استقامت، حالات زمانہ سے باخبر ہونا اور شریعت کے اصول ومقاصد کے سلسلہ میں بصیرت کا حامل ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ علماء ہی کی جماعت ان صلاحیتوں کی حامل ہوتی ہے۔

حضرات! ‑

اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کے چپہ چپہ میں مدارس اسلامیہ کا جال بچھا ہوا ہے، اللہ تعالی بے حد جزا عطا فرمائے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء گرامی کو؛ کہ انہوں نے مستقبل کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے تحریک مدارس کی بنیاد رکھی اور اس تحریک کا آغاز دیوبند سے فرمایا، جہاں مدرسہ دیوبند قائم ہوا جو آج دار العلوم دیوبند اور ''ازہر ہند'' کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ صرف ایک مدرسہ کی بنیاد نہیں تھی، بلکہ ایک تحریک کی بنیاد تھی، ایک ایسی تحریک جو اپنے بانیوں کے اخلاص اور دردمندی کی وجہ سے نہایت تیزی کے ساتھ پھیلی، اور آج ہندوستان بلکہ برصغیر کے جس محلہ میں چلے جائیں، وہاں اسلام کے یہ قلعے موجود ہیں اور ان کی حیثیت پاور ہاؤس کی ہے، جہاں سے اساتذہ بھی ملتے ہیں، قضاۃ ومفتیان کرام بھی فراہم ہوتے ہیں، مصنفین اور محققین بھی وجود میں آتے ہیں، ائمہ وخطباء بھی مہیا ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی نکلتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو دعوت دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ بہت سی جگہیں وہ ہیں کہ اگر مدارس نہ ہوتے تو ان کا فتنہ ارتداد سے بچنا دشوار ہو جاتا، گویا یہ مدارس مسلمانوں کے دین وایمان سے لے کر ان کی معاشرت اور ان کے قومی وملی حقوق کی حفاظت تک تمام ہی فرائض کو انجام دے رہے ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے جہاں اور میدانوں میں کام کیا ہے، وہیں ہمیشہ احکام شرعیہ کی حفاظت اور مسائل فقہیہ کی رہنمائی ان کی توجہ کا خصوصی مرکز رہا ہے، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ، حضرت مفتی سہول احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحبؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے شریعت اسلامی کی وضاحت یا اس کے تحفظ میں نمایاں ترین کردار ادا کیا ہے۔

مگر یہ بات محسوس کی جارہی تھی کہ علماء کی نوجوان نسل میں جذبہ تحقیق کم ہوتا جارہا ہے، جو محنت انہیں کرنی چاہئے اس میں کمی ہوتی جارہی تھی، ایک جمود سا پیدا ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ بہت بہت اجر خیر عطا فرمائے محب گرامی قدر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو، جو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند تھے اور امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کا جوہر شناس مزاج ان کو مدرسہ کی دنیا سے ملّی خدمات کے وسیع میدان میں لایا تھا، کہ انہوں نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد رکھی، اکیڈمی نے نہ صرف نئے مسائل کا حل پیش کیا، بلکہ نوجوانوں میں فقہی موضوعات پر محنت کرنے کا جذبہ بھی بیدار کیا، ان میں حوصلہ پیدا کیا اور ان کو خواب غفلت سے جگایا، اللہ کا شکر ہے کہ اب ملک میں نوجوان فضلاء کی ایک بڑی جماعت ہے جو ان موضوعات پر مطالعہ کرتی اور لکھنے کی کوشش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی کسی توقف کے بغیر اکیڈمی کا قافلہ آگے بڑھ رہا ہے، اس پر ہم اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، یہ یقیناً آپ حضرات کے علمی تعاون اور اکیڈمی کے ذمہ داروں کی مخلصانہ محنتوں کا نتیجہ ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس بوڑھے بیمار شخص پر اس اہم علمی اور تحقیقی ادارہ کی جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اپنے فریضہ کو آپ سبھوں کے تعاون کے بغیر ادا نہیں کرسکتا۔

ہم مبارک باد بھی دیتے ہیں اور شکریہ بھی ادا کرتے ہیں برہانپور اور اس کے مضافات کے مسلمانوں، دار العلوم شیخ علی متقی کی انتظامیہ، اساتذہ وطلباء، بالخصوص عزیز گرامی مفتی رحمت اللہ قاسمی اور ان کے رفقاء ومعاونین کا، کہ آپ حضرات نے بڑی محبت کے ساتھ اس سمینار کے لئے دعوت دی اور شایان شان انتظام فرما کر ہم سبھوں کو مطمئن کیا، اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو خوب خوب ترقی عطا فرمائے، اس کو ظاہری اور معنوی اعتبار سے آگے بڑھائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے اس کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد ظفیر الدین مفتاحی

(صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، مفتی دارالعلوم دیوبند)

۱۶۰۸۵۸

اکیڈمی کا فیصلہ

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (قائم شدہ ۱۹۸۹ء) کا سترہواں فقہی سمینار ہندوستان کی وسطی ریاست مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر برہانپور کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم شیخ علی متقیؒ میں منعقد ہوا، اس سمینار میں تقریباً چار سو ارباب افتاء اور بعض ماہرین نے شرکت کی، جہاں کشمیر سے لے کر آسام اور کیرالا تک ہر علاقہ کی نمائندگی رہی، وہیں ہندوستان کی تمام اہم دینی درسگاہوں اور مکاتب فکر کے علماء نے بھی شرکت فرمائی، خلیجی ریاست قطر کے علاوہ ایران سے بھی فقہاء کے وفود نے شرکت کی، یہ سمینار ۵-۷/اپریل ۲۰۰۸ء مطابق ۲۸-۳۰/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ منعقد ہوا، جس میں مجموعی طور پر آٹھ نشستیں ہوئیں، اس سمینار میں ماحولیات کے تحفظ، تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم، روزہ میں بعض جدید طریقۂ علاج اور سفر سے متعلق بعض احکام پر بحث ہوئی، ایک مسئلہ میں اختلاف رائے کے ساتھ اور بقیہ مسائل میں متفقہ طور پر فیصلے ہوئے، جو حسب ذیل ہیں:

۱- امراض قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے اور اس کے اجزاء یا اس دواء کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۲- تنفس وغیرہ کے مرض میں انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۳- جو دوا بھاپ کی شکل میں منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچی جائے، خواہ مشین کے ذریعہ کھینچی جاتی ہو یا کسی اور طریقے سے، ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۴- انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، خواہ اس سے محض دوا کی ضرورت پوری کی جائے یا غذا کی، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضرورت کی تکمیل اور تقویت کے لئے بلا ضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے۔

۵- گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ چونکہ یہ ایک درجہ میں انسان کی غذائی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے، اس لئے بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔

۶- (الف) روزہ کی حالت میں موضع حقنہ (فضلات کے اخراج کی نالی کا آخری حصہ، جہاں سے بڑی آنت شروع ہوتی ہے) تک اگر دوا پہنچا دی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ دوا سیال ہو یا جامد۔

(ب) بواسیری مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، تاہم بلا ضرورت شدیدہ روزہ میں اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

(ج) امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستہ سے محض آلہ داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر اس آلہ میں کوئی دوا یا تر چیز لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۷- (الف) عورت کی شرمگاہ کے باہری حصہ میں دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اندر کے حصہ میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(ب) مرد کی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(ج) مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک آلات پہنچائے جائیں اور ان آلات پر دوا یا کوئی اور شی لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆☆☆

سوالنامہ:

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن روزہ ہے، روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک اکل وشرب اور جماع سے رکے رہنے کا نام ہے، اکل وشرب کا لفظ معروف ہے اور عام آدمی بھی اس کے متبادر مراد و مفہوم سے واقف ہے، کھانے اور پینے میں بنیادی طور پر حلق کے راستہ سے قابل خورد ونوش اشیاء انسان کے معدہ تک پہنچتی ہیں، فقہاء نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد سے کام لے کر اکل وشرب کے دائرہ کو وسیع فرمایا ہے اور کسی بھی چیز کے فطری منافذ کے ذریعہ جوف معدہ یا جوف دماغ تک پہنچنے کو ناقض صوم قرار دیا ہے۔

اس پس منظر میں قدیم فقہاء نے ناک، کان، آنکھ اور آگے اور پیچھے کے راستہ سے جسم میں داخل ہونے والی اشیاء سے روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا ذکر کیا ہے، نیز ان میں سے بعض صورتوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے، فقہاء نے عام طور پر فطری منفذ اور غیر فطری منفذ کے درمیان فرق کیا ہے، اس بات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ داخل ہونے والی شئ کسی جوف میں جا کر قرار پذیر ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ نیز اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ مجوف اعضاء سے کون سے اعضاء مراد ہیں؟ اس موضوع کا تعلق ایک حد تک طب اور علم التشریح سے بھی ہے، مثلاً دماغ کو قدیم اطباء جوف مانتے تھے، غالباً اسی پس منظر میں فقہاء نے جوف دماغ اور جوف بطن کا ذکر کیا ہے، لیکن موجودہ دور میں سائنسداں جوف دماغ کے قائل نہیں ہیں، یعنی وہ دماغ کے اندر کوئی ایسا مجوف حصہ نہیں مانتے جس میں داخل ہو کر کوئی شئ ٹھہر جائے اور قرار پذیر ہو۔

میڈیکل سائنس کی ترقی اور طریقہ علاج میں بعض اختراعات نے کچھ نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، جن پر قرآن وحدیث کے ارشادات اور سلف صالحین کے مقرر کئے ہوئے اصول واجتہادات کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح کے چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال کیا جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا، یہ مفسد صوم ہوگا یا نہیں؟

۲- جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہو انہیں بعض اوقات انہیلر استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا- جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے- کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، گویا یہ جاتا تو حلق کے راستہ ہی سے ہے، لیکن معدہ میں نہیں جاتا بلکہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، کیا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست ہوگا؟

۳- بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، کیا اس طرح بھاپ کا لینا درست ہوگا؟

۴- موجودہ دور میں جسم کے اندر دواؤں کے پہنچانے کی ایک صورت انجکشن کی اختیار کی گئی ہے، جو جسم کے مختلف حصے میں لگائے جاسکتے ہیں،

انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے، تا کہ خون کے ساتھ پورے جسم میں اس کی رسائی ہوجائے، پھر بعض انجکشن محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو جسم کی غذا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، پس انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا یا جسم کی غذائی ضرورت کو پوری کرنا مفسد صوم ہے یا نہیں یا اس سلسلہ میں کچھ تفصیل بھی ہے؟

۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے ''گلوکوز'' چڑھایا جاتا ہے، یہ چونکہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے، اس لئے اس سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، روزہ کی حالت میں کیا اس طرح گلوکوز کا استعمال درست ہوگا، جبکہ یہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا، لیکن اس کی وجہ سے ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت بھی انسان کے اندر متحقق نہیں ہوتی۔

۶- بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں، یہ صورتیں روزہ کے لئے مفسد ہوں گی یا نہیں؟

۷- آگے کی راہ سے بھی بعض اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض امراض میں خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یہ صورتیں ناقض صوم ہیں یا نہیں؟

☆☆☆

تلخیص مقالات

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

مولانا صفدر زبیر ندوی[1]

اسلامک فقہ اکیڈمی کے ہونے والے سترہویں فقہی سمینار کا ایک موضوع ''مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل'' رکھا گیا ہے، جس پر اب تک اکیڈمی کو کل ۸۷ مقالات موصول ہو چکے ہیں۔ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اپنے مقالہ کے شروع میں صوم کے لغوی و اصطلاحی معنی و تعریف مختلف کتب کے حوالوں سے درج کی ہیں، اسی طرح منافذ و مخارق اصلیہ فطریہ و منافذ و مخارق غیر اصلیہ غیر فطریہ کی مختلف قسموں اور ان سے متعلق احکامات و مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، پھر بعض حضرات نے اس کے اصول و قواعد کو بھی ترتیب وار پیش کیا ہے، لیکن تلخیص طویل نہ ہو جائے اس اندیشہ سے ان مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے اصل سوالات کی تلخیص ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

سوال نمبر ۱: امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال کیا جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا، یہ مفسد صوم ہوگا یا نہیں؟

امراض قلب کی دواؤں کے استعمال سے روزہ پر اس کا اثر:

۱- مفسد صوم نہ ہونے کے قائلین:

امراض قلب کی بعض دوائیں جنہیں زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اس سلسلہ میں اکثر مقالہ نگار حضرات کا کہنا ہے کہ روزہ کی حالت میں اگر زبان کے نیچے دوا اس طرح رکھی جائے کہ عین دوا یا اس کے اجزاء لعاب کے ساتھ مل کر حلق میں نہ جائیں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا رشید احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد مقصود رامپور، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا محمد اعظمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

ان حضرات نے جن دلائل کو اپنا مستدل بنایا ہے انہیں ذیل میں اجمالاً درج کیا جا رہا ہے:

حدیث:

۱۔۔۔ ''قالت عائشة: دخل عليّ رسول الله ﷺ فقال: يا عائشة! هل من كسرة؟ فأتيته بقرص فوضعه في فيه فقال: يا عائشة! هل دخل بطني منه شيء، كذلك قبلة الصائم، إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (ملتقى الأبحر ۱/۱۹۹، مجمع الزوائد ۳/۱۶۷، مسند ابو يعلى الموصلي بحواله نصب الرايه ۲/۴۵۴) (مقالہ: مفتی محمد فیاض قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

[1] رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

۲...''الفطر مما دخل وليس مما خرج'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۵۱، المحلی بالآثار ۴/۳۵۰، السنن الکبری للبیہقی ۱/۱۱۶) (مقالہ: مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

۳...''الصوم مما دخل وليس مما خرج'' (بخاری، باب الحجامة والقئ ۱/۲۶۰) (مقالہ: مولانا شوکت ثنا قاسمی)۔

۴...''من وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه ألا وإن لكل ملك حمى ألا وإن حمى الله محارمه'' (مشکوۃ ۱/۲۴۱) (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

۵...''عن إبراهيم قال: لا بأس أن تمضغ المرأة لصبيها وهي صائمة مالم تدخل حلقها'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۰۶) ''وعنه أنه رخص في مضغ العلك للصائم مالم يدخل حلقه'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۷) (مقالہ: مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۶...''لا بأس أن يتطاعم الصائم بالشيء يعني المرقة ونحوها'' (السنن الکبری للبیہقی، باب الصائم یذوق شیئا) (مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۷...''عن عمر رضي الله عنه أنه سأل النبي ﷺ عن القبلة للصائم فقال: لومضمضت من الماء وأنت صائم قلت: لا بأس، قال: فمه'' (ابوداؤد بحوالہ الموسوعة الفقهیہ ۲۸/۴۷) (مقالہ: مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

فقہی عبارتیں:

۱...ابن نجیم فرماتے ہیں: ''وفي الولوالجية والظهيرية ولو مص الهليلج وجعل يمضغها فدخل البزاق حلقه ولايدخل عينها في جوفه لايفسد صومه'' (البحر الرائق ۲/۴۷۷، نیز الخانیہ علی الهندیہ ۱/۲۱۳، الفتاوی الهندیہ ۱/۲۰۳، بدائع الصنائع ۲/۱۵۰، ردالمحتار ۳/۳۶۷) (مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی وغیرہ)۔

۲...علامہ عبد الحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں: ''يكره تنزيها للصائم ذوق شئ و مضغه بلاعذر فإن كانت هناك ضرورة يجوز كما في إطعام الصبي'' (عمدة الرعاية على شرح الوقایہ ۱/۲۴۸) (مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مفتی محمد مقصود رامپور)۔

۳...''ومن ذاق شيئا بفمه لم يفطر ويكره ذلك لما فيه من تعريض الصوم على الفساد'' (ہدایہ ۱/۲۰۰، قدوری /۵۳) (مقالہ: مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

۴...''إذا ذاق شيئا بفمه وإن كره لم يفطر'' (شامی ۲/۱۰۱) (مقالہ: مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی ظہیر احمد قاسمی، مولانا نیاز احمد بناری، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۵...''قيد بقوله بلاعذر... لأن الذوق بعذر لا يكره، كما في الخانية فيمن كان زوجها سيئ الخلق أو سيدها لا بأس بأن تذوق بلسانها، وليس من الأعذار الذوق عند الشراء'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹، نیز دیکھئے: ہدایہ ۱/۲۰۲، درمختار ۲/۴۱۵، فتاوی خانیہ ۱/۲۰۴) (مقالہ: مولانا عبد العظیم قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶...''والمضغ بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها من حائض أو نفساء أو غيرهما ممن لا يصوم ولم تجد طبيخا ولا لبنا لا بأس به للضرورة، ألا ترى أنه يجوز لها الإفطار إذا خافت على الولد فالمضغ أولى'' (البحر الرائق ۲/۴۸۹، شامی ۲/۱۱۳) (مقالہ: مولانا عبد العظیم قاسمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا شاہد علی قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۷...''لأن العادة مضغة خصوصا للنساء لأنه سواكهن، كما يأتي، فكان مضغه عدم الكراهة في الصيام للتوهم أن

ذلك عذر'' (شامی ۲/۱۱۲)۔ (مقالہ: مولانا عبدالعظیم قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی)۔

۸..."ولا بأس للصائم أن يستاك، سواء كان السواك يابسًا أو رطبًا، مبلولًا أو غير مبلول" (بدائع الصنائع ۲/۲۶۶) (مقالہ: مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۹..."وكره مضغه بلا عذر كالمرأة إذا وجدت من يمضغ الطعام لصبيها، أما إذا لم تجد بدا منه فلا بأس بمضغها لصيانة الولد" (مراقی الفلاح /۲۵۶. نیز بدایہ، فتاوی سراجیہ ۱/۱۷۳) (مقالہ: مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

۱۰..."ولو مضغ حبة حنطة لا يفسد صومه لانها تتلاشى" (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۳) (مقالہ: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی)۔

۱۱...ويكره للصائم أن يذوق العسل أو الدهن ليعرف الجيد من الردئ عند الشراء (فتاوی قاضی خاں) (مقالہ: مولانا رشید احمد)

۱۲..."وقيل لا بأس به إذا لم يجد بدا من شرائه أو يخاف الغبن كذا فی الزاهدی" (فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۹) (مقالہ: مولانا رشید احمد)

۱۳..."وإذا ذاق الصائم بلسانه شيئًا ولم يدخل حلقه لم يفطر، لأن الفطر بوصول شئ إلى جوفه ولم يوجد، والفم في حكم الظاهر" (المبسوط للسرخسی ۳/۹۴) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عامر ظفر مفتاحی)

۱۴..."وفي الكافي و في السمسمة قال: إن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه... وهذا حسن جدا، فليكن الأصل في كل قليل مضغه" (فتح القدیر ۲/۲۵۹) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا شمس الدین مظاہری)۔

۱۵...عائشة في مضغه، وبه قال عطاء، لأنه لايصل منه شئ إلى الجوف، فهو كالحصاة يضعها في فيه، ومتى مضغه ولم يجد طعمه في حلقه لم يفطر، وإن وجد طعم في حلقه ففيه وجهان أحدهما يفطره كالكحل إذا وجد طعمه في حلقه والثاني لا يفطر، لأنه لم ينزل منه شئ، ومجرد الطعم لا يفطر" (المغنی ۴/۳۵۸) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۱۶..."قال ابن عباس: لا بأس أن يذوق الطعام الخل والشئ يريد شراءه، والحسن كان يمضغ الجوز لابن ابنه وهو صائم ورخص فيه إبراهيم، قال ابن عقيل: يكره من غير حاجة، ولا بأس به مع الحاجة فإن فعل فوجد طعمه في حلقه أفطر وإلا لم يفطر" (المغنی ۴/۳۵۹) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۱۷..."وكره له ذوق شئ وكذا مضغه بلا عذر ككون زوجها أوسيدها سئ الخلق فذاقت وفي كراهة الذوق عند الشراء قولان، ووفق في النهر بأنه إن وجد بدًّا ولم يخف غبنًا كره، وإلا لا" (درمختار ۲/۱۱۲. نیز فتاوی ہندیہ ۱/۱۹۹، کنز الدقائق ۲/۳۸۹) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبد اللطیف پالن پوری، مولانا عبد العظیم قاسمی، مولانا رشید احمد، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی عبد الرحیم قاسمی وغیرہ)۔

۱۸..."إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد... وإن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه" (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۳) (مقالہ: مولانا محمد حذیفہ، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی)۔

۱۹... فتاوی ولوالجیہ میں ہے: "ويكره للصائم مضغ العلك ولا يفطر اما الكراهة لأنه تعريض للصوم على الفساد من غير حاجة ولأنه تشبه بالأكل وكل من يراه يتهمه بذلك وأما عدم الفطر لأن شيئا منه لم يجاوز حلقه قال

مشائخنا المتأخرون: هذا إذا كان العلك أبيض وقد مضغه غيره فأما إذا لم يمضغه غيره أو كان أسود مضغه غيره أو لم يمضغه غيره يفطر لأنه إذا لم يمضغه غيره يفتت فيجاوز شئ منه حلقه وإذا مضغه غيره لا يفطر إلا أن الأسود يذوب بالمضغ فيجاوز شئ منه حلقه فأما الأبيض لا يذوب'' (فتاوی ولوالجیہ ۲/۲۲۸) (مقالہ: مولانا محمد حذیفہ)۔

۲۰...''كطعم أدوية اى لو دقّ دواء فوجد طعمه فى حلقه زيلعى وغيره وفى القهستانى طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد فى حلقه لم يفطر كما فى المحيط'' (رد المحتار ۳/۳۶۷) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی ظہیر احمد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)

۲۱...''وإذا أوجر (جعل الدواء فى فمه) فما دام فى فمه لا يفسد صومه. فإذا وصل إلى الجوف يفسد صومه'' (الفتاوی التاتار خانیہ ۲/۳۶۵) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا بدر احمد مجیبی)۔

۲۲...''ولو مصّ سكرا حتى وصل الماء حلقه فعليه الكفارة كذا فى محيط السرخسى'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۲) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۲۳...''وكره أبوحنيفة أن يمضغ الصائم العلك لأنه لا يؤمن أن ينفصل شئ منه فيدخل حلقه فكان المضغ تعريضًا لصومه للفساد فيكره ولوفعل لا يفسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۲۴، نیز فتاوی قاضی خاں ۱/۱۰۴، مختصر القدوری/۳۵) (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۲۴...''ويكره للمرأة أن تمضغ لصبيها طعاما وهى صائمة لأنه لا يؤمن أن يصل شئ منه إلى جوفه إلا إذا كان لابد لها من ذلك فلا يكره للضرورة'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۲۴) (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی)۔

۲۵...''ولو شدّ الطعام بخيط وأرسله فى حلقه وطرف الخيط فى يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل'' (البحر الرائق ۲/۳۰۰) (مقالہ: مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

۲۶...''اى كره مضغه فى ظاهر الرواية لما فيه من تعريض الصوم على الفساد و لأنه يتهم بالإفطار'' (البحر الرائق ۲/۲۸۰) (مقالہ: ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی)۔

۲۷...''وكذا إذا ذاقت شيئا بلسانها لأن فيه تعريض الصوم للفساد'' (بزازیه علی الهندیه ۴/۲۰۴) (مقالہ: مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

۲۸...''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر'' (شامی ۳/۳۶۷) (مقالہ: مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا محمد عثمان گورینی)۔

۲۹...''ويكره للمرأة أن تمضغ لصبيها الطعام إذا كان لها منه بدّ'' (مختصر قدوری /۵۳) (مقالہ: مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۳۰...''من لطخ باطن قدمه بالحنظل وجد طعمه ولا يفطر'' (المغنی ۳/۴۵) (مقالہ: مولانا محمد اعظمی)۔

۳۱...''دخول الدخان أو الغبار لو كان غبار الطاحون، أو الذباب، أو طعم الأدوية إلى الحلق الخ'' (الفقه الاسلامی وأدلته ۳/۱۷۱) (مقاله: مولانا محمد اعظمی)۔

۳۲...''وأما مضغ العلك والزفت والمصطكى فروينا من طريق لايصح عن أم حبيبة أم المؤمنين: أنها كرهت العلك للصائم، وروينا عن الشعبى أنه لم ير به بأسا...وقد قلنا: إن مالم يكن أكلا ولا شربا ولاجماعا ولا معصية فهو مباح فى الصوم، ولم يأت به نص ينهى الصائم عن شئ مما ذكرنا، وليس أكلا ولاشربا'' (المحلی لابن حزم ۶/۲۱۷) (مقالہ: مولانا محمد اعظمی)

۳۳...''والفم والأنف وإن لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز إلا أن الشارع اعتبرهما فى الصوم ومن

الخارج" (رد المحتار ۳۲۲/۳) (مقالہ: مولانا بدر احمد مجیبی)۔

۲۴... "فإن مضغها لا يفسد صومه لأنها تلزق بأسنانه فلا يصل إلى جوفه شئ" (فتاوی قاضی خان ۱۰۱/۱) (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

۲۵... "أما الواصل إلى الحلق من المسام فالظاهر أنه مثل الريق فلا يفطر وإن وجد طعمه في جميع فمه" (شامی ۳۸۰/۳) (مقالہ: مولانا محمد عثمان گورینی)۔

فتاوی:

۱- مولانا ظفر احمد تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

سنوف تمباکو اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقینا نہ اترے مفسد صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سنوف کا استعمال بحالت صوم بلا ضرورت مکروہ ہے (امداد الاحکام ۱۲۸/۳) (مقالہ: مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا منور سلطان ندوی)۔

۲- مولانا عبد الرشید صاحب نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

اگر زبان سے لنافہ کا گوند چاٹ کر تھوک نگل گیا تو روزہ فاسد ہوگا، اور چاٹ کر تھوک دیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، بلکہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔

وفي الشامية الظاهر أن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهي۔

نیز ایک دوسرے سوال میں کہ "روزہ کی حالت میں دانت نکلوانا اور منہ میں دوا لگانا جائز ہے یا نہیں؟" جوابا نقل فرماتے ہیں کہ: بوقت ضرورت شدیدہ جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے، اگر دوا یا خون پیٹ کے اندر چلا جائے اور تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو یا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں (احسن الفتاوی ۴۲۳/۴) (مقالہ: مولانا عبد العظیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۳- فتاوی دار العلوم میں ہے کہ منجن کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (مگر منجن مل کر فوراً منہ دھولے اور کلی کرلے تا کہ اس کا اثر پیٹ میں نہ جائے، اور منجن ایسا ہو کہ عادۃً پیٹ میں نہ پہنچتا ہو، مگر بچنا اچھا ہے) (فتاوی دار العلوم جدید ۴۰۳/۶) (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۴- مفتی عبد الرشید صاحب فرماتے ہیں:

روزہ میں منجن، ٹوتھ پیسٹ یا عورت کو مسی یا دندانہ لگانا بکراہت جائز ہے، اگر کوئی چیز حلق سے نیچے اتر گئی تو روزہ فاسد ہوجائے گا (احسن الفتاوی ۴۳۹/۴) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی)۔

۵- سوال (۱۹۸) اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو اس کے دفعیہ کے لئے کوئی دوا استعمال کریں بایں طور کہ وہ دوا حلق کے اندر نہ جائے، یا پان کھانے والا پان گلوری منہ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے، یا نسوار (یعنی ناس) جو تمباکو کو پیس کر بناتے ہیں اور پنجاب کے لوگ اکثر منہ میں ڈالتے ہیں اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں اس کو یعنی نسوار کو صرف منہ میں رکھ کر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

جواب: في الدر المختار وكره له ذوق شئ وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما الخ ثم عد عذرا مست إليها الحاجة في الحال ككون الزوج سئ الخلق و خوف الغبن في الشراء۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ عنہا سب مکروہ ہیں

لا سيما وقد أيد الكراهة الحديث من قوله عليه السلام أفطر الحاجم والمحجوم، وقوله عليه السلام من وقع حول الحمى أوشك أن يقع فيه (امداد الفتاوی ۱۳۷/۲) (مقالہ: مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا منور سلطان

ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی)۔

تمام مقالہ نگاروں کے مستدلات وہی ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں، البتہ بعض حضرات نے کچھ قیود کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس دوا کے استعمال سے روزہ فاسد تو نہ ہوگا لیکن مکروہ ہوگا۔

مولانا محمد فاروق بارڈولی لکھتے ہیں کہ اگر اس کا اثر حلق میں معلوم ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

مولانا اشتیاق احمد قاسمی کا کہنا ہے کہ لعاب میں ملے ہوئے مزہ کا دیر تک منہ میں باقی رکھنا اور حلق تک نہ پہنچنے دینا بہت دشوار بلکہ عادتاً محال ہے، ایسی صورت میں روزہ ٹوٹنے کا حکم لگانا ہی احوط ہے۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی کا کہنا ہے کہ ایسی دوا کا استعمال مکروہ ہے، مزید لکھتے ہیں کہ اگر خدشہ ہو کہ اس دوا سے پیدا شدہ لعاب حلق میں جاسکتا ہے تو اس کا استعمال مفسد صوم ہوگا، اور اس کی تائید میں الکفایہ (۳۴۸/۲) کی یہ عبارت دی ہے:

''لأن الجاذبة قوية إذا كان صائمًا فلا يأمن من أن تجذب شيئًا منه إلى الباطن''۔

مفتی محمد ممتاز خاں ندوی کی رائے میں روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اس کے باوجود دوا کا اثر لعاب کے ساتھ حلق میں جانے کا خاصا امکان ہے اس وجہ سے احتیاط بہتر ہے۔

مولانا شمس الدین مظاہری اور مولانا عبداللہ خالد (گجرات) کے بقول اس دوا کے اجزاء کو بلا تکلف شدیدہ حلق کے اندر داخل ہونے سے بچانا ناممکن ہے، اس لئے حتی الوسع روزہ کی حالت میں اس کے استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔

مولانا عامر ظفر مفتاحی لکھتے ہیں کہ زبان کے نیچے دوا رکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ علاج پائے جانے کی صورت میں مع الکراہت جائز ہوگا، لیکن اگر مریض دوا کا مزہ حلق پر محسوس کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، جبکہ آگے لکھتے ہیں کہ عدم امکان تحرز کی بنا پر حلق میں غبار، مکھی یا دھویں کے چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس طرح اگر مریض لعاب کے ساتھ اس دوا کو تھوک دے پھر اس کی کڑواہٹ ہلکی سی حلق پر چلی جائے تو یہ مفطر صوم نہیں کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں۔

مولانا راشد حسین ندوی اس بات کے حق میں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے بحالت صوم اس گولی کا استعمال نہ کرے۔

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی لکھتے ہیں کہ احتیاط اولی ہے کہ اس صورت میں اپنے روزہ کو خواہ مخواہ معرض فساد میں لانا ہے کہ ہر مریض اس کا خیال نہیں رکھ سکتا، اور اگر اس کے اجزاء لعاب میں مل کر نیچے چلے جاتے ہیں تو یہ مفسد صوم ہے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی کے بقول اگر بحالت صوم دوا کا استعمال ناگزیر صورت میں غایت درجہ احتیاط کے ساتھ کیا جائے کہ اس کا کوئی جز لعاب دہن کے ساتھ حلق کے نیچے نہ جانے پائے تو بلا کراہت درست ہے، اور اگر اس کے بغیر کام چل سکتا ہو تو مذکورہ شرطوں کے ساتھ مع الکراہت جائز ہے۔

مفتی انور علی اعظمی کا کہنا ہے کہ ایک صحت مند آدمی لعاب کو اندر جانے سے نہیں روک پاتا تو مریض آدمی کیسے روک سکتا ہے، جبکہ روزہ کی حالت میں پیاس کی وجہ سے اس کا تقاضا اور زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ صرف ایک مفروضہ ہے کہ دوا زبان کے نیچے رہے گی اور اس کے اجزاء اندر نہیں جائیں گے، لہذا احقر کی رائے یہ ہے کہ ایسا مریض اپنی جان بچانے کے لئے دوا کا استعمال کرلے اور بعد میں قضا کرے، دلیل کے طور پر موصوف نے فتاوی عالمگیری کی یہ عبارت درج کی ہے:

''عمل عمل الابريسم فأدخل الابريسم في فيه و خرجت منه خضرة الصبغ أو صفرته أو حمرته واختلط بالريق فصار الريق أخضر أو أصفر أو أحمر فابتلعه وهو ذاكر صومه ففسد صومه هكذا في الخلاصة'' (فتاوی عالمگیری ۱/۱۰۲)

مولانا عبدالعظیم قاسمی صاحب ایک ڈاکٹر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ زبان کے نیچے دو رگیں ہوتی ہیں جس کو CAYA اور YENA کہتے ہیں، یہ ٹکیہ زبان کی رگ سے جونہی متصل ہوتی ہے برقی کرنٹ کی طرح کام کرتے ہوئے دل کی منجمد رگوں کو کھول دیتی ہے اور انسان راحت کی سانس لینے لگتا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف کی رائے ہے کہ اگر ٹکیہ اور اس کے لعاب کو باہر گرایا جائے تو روزہ فاسد نہ ہونے کی طرف گمان ہوتا ہے۔

فسادصوم کے قائلین:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دوا کے اجزاء کالعاب کے ذریعہ حلق میں جانے کا قوی امکان ہوتا ہے لہذا اس دوا کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا عبدالباری وغیرہ)۔

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی نے اپنے قول کی تائید میں یہ عبارتیں ذکر کی ہیں:

۱...''لم يفطر... إلا أن يكون مصبوغا، وظهر لونه في ريقه وابتلعه ذاكرا'' (درمختار ۲/۴۰۰، نیز الدر المنتقی ۱/۲۴۷، فتاوی تاتار خانیه ۲/۳۷۰، البحر الرائق ۲/۲۸۰)۔

۲...''إلا أن يجد الطعم حلقه كما مرّ، واستحسنه الكمال قائلا: وهو الأصل في مضغه، قوله: (وهو) اى وجود الطعم في الحلق'' (درمختار مع الشامی ۲/۳۹۴)۔

۳...''الأصل عند أبي حنيفة أن الشئ إذا غلب عليه وجوده يجعل كالموجود حقيقة وإن لم يوجد، كالحدث من النائم المضطجع، لأنه غلب وجوده، فجعل كالموجود وإن لم يوجد'' (تأسيس النظر للدبوسی/۵)۔

مزید لکھتے ہیں کہ احکام کے باب میں غالب گمان یقین کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس سے مستفاد حکم واجب العمل ہوتا ہے (دیکھئے: الاشباہ لابن نجیم ۱/۷۶، بدائع الصنائع ۲/۱۰۵)۔

مولانا محمد ابوذر قاسمی کا کہنا ہے کہ باہر سے لے جانے والی دوا عرف وعادت میں بھی کھانے سے تعبیر ہوتی ہے اور اس سے مقصود بھی اصلاح بدن ہے، اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا، ان کے مستدلات درج ذیل ہیں:

۱...''إذا أكل أو شرب غذاء و دواء عمدا... قضى وكفر'' (شرح الوقایه)۔

۲...''ولو أكل أو شرب ما يتغدى به أو يداوى به فعليه القضاء والكفارة'' (هدايه)۔

۳...''الصائم إذا أكل ما يتداوى به وما يوكل عادة إما مقصودا بنفسه أو تبعا لغيره تلزمه الكفارة'' (فتاوی تاتار خانیة)۔

مولانا غیاث الاسلام ندوی کہتے ہیں کہ کسی بات کے پائے جانے کا قوی امکان ہو اور عملاً اس کی تحقیق دشوار ہو تو امکان کو واقع کا درجہ دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نیند کو ناقض وضو مانا گیا ہے، یہی صورت اس میں پائی جاتی ہے لہذا اس دوا کے استعمال کو مفسد صوم شمار کیا جائے گا۔

'لأنه لا يخلو عن وصوله إلى الحلق والجوف عادة والعادة محكمة''۔

مولانا ابوبکر قاسمی نے اس دوا کے استعمال سے روزہ کے ٹوٹ جانے کی دلیل یہ دی ہے:

۱...''إنما الإفطار مما دخل'' (مجمع الزوائد ۳/۱۶۷، نصب الرايه ۲/۴۵۳)۔

۲...''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (شامی ۲/...)۔

مولانا عبدالباری نے فتاوی دارالعلوم (۶/۴۲۸) کی یہ عبارت نقل کی ہے: تمبا کو منہ میں رکھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

''إمساك النتن في الفم لا يجوز في الصوم لأنه لا يخلو عن وصوله إلى الحلق والجوف عادة والعادة محكمة فالحذر من أن يأكل التنبالك بهذه الوسوسة في نهار رمضان كيف وقد قالوا في مضغ العلك كما في الشامي''۔

مولانا ریاض احمد قاسمی کہتے ہیں کہ دوا کا استعمال مفسد صوم ہے، اور بدرجہ مجبوری استعمال کی گئی ہو تو صرف قضا واجب ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل دلیلیں دی ہیں:

۱...''قال الحصكفي: ولو أكل مثل سمسة من خارج يفطع ويكفر في الأصح إلا إذا مضغ بحيث تلاشت في خمسه، إلا أن

يجد الطعم فى حلقه كما مرّ استحسنه الكمال قائلا: وهو الأصل فى كل قليل مضغه'' (ردالمحتار ۲/۳۹۴)۔

۲...''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية، كالأنف والأذن والدبر، بأن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع)۔

۳...''وقال فى الدر: وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم وإلا فيفطر. وقال ابن عابدين: قوله (أبيض الخ) قيده بذلك، لأن الأسود، وغير الممضوغ، وغير الملتئم، يصل منه شئ إلى الجوف، وأطلق محمد... المسئلة. وحملها الكمال تبعا للمتأخرين على ذلك للقطع بأنه معلل بعدم الوصول، فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن'' (ردالمحتار ۲/۳۹۵)۔

۴۔ امارت شرعیہ کے مفتیان کرام تمباکو اور گل استعمال کرنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں (فتاوی امارت شرعیہ ۳/۱۷۷)۔

موصوف نے آگے چل کر اس دوا کے مفسد صوم نہ ہونے کے قائلین کی دو دلیلوں کا تجزیہ کیا ہے، وہ دو دلیلیں یہ ہیں:

۱...''قال الحصكفي: أو ادهن أو اكتحل أو احتجم، وإن وجد طعمه فى حلقه، قال الشامي: وكذا لو بزق فوجد لونه فى الأصح، بحر، وقال فى النهر: لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن. والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (ردالمحتار ۲/۳۶۷)۔

موصوف کا کہنا ہے کہ مذکورہ جزیئے میں سرمہ یا تیل کا استعمال آنکھ یا سر میں کیا جاتا ہے، جو اشیاء کے اندر تک پہنچنے کا فطری منفذ نہیں ہے، اس لئے وہاں سے جو اثر حلق میں جائے گا وہ فطری منفذ سے جانے والا نہیں کہلائے گا، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں دوا کا اثر حلق میں فطری منفذ کے ذریعہ پہنچنے والا کہلائے گا۔

۲...''قوله ومص إهليلج أى بأن مضغها فدخل البصاق فى حلقه، ولا يدخل من عينها فى جوفه لا يفسد صومه كما فى التاتارخانية وغيره'' (ردالمحتار ۲/۳۶۷)۔

اہلیلج جسے ہندی میں ''ہرّ ہ'' کہتے ہیں ایک ٹھوس دانہ ہوتا ہے، اس کو چبانے سے دانہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن مذکورہ دوا کی طرح لعاب میں مل کر لعاب نہیں بن جاتا ہے، لہذا اس ٹھوس چیز پر اس سیال چیز کا قیاس درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲: جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہو انہیں بعض اوقات انہیلر استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا- جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے- کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، گویا یہ جاتا تو حلق کے راستہ ہی سے ہے، لیکن معدہ میں نہیں جاتا بلکہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، کیا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست ہوگا؟

انہیلنگ (Inhaling) یا انہیلیشن (In halation) کے معنی ہی سانس اندر کی طرف کھینچنے اور کش لگانے کے ہیں، گویا انہیلر (inhaler) ایسے آلہ کو کہتے ہیں جو سانس لینے میں معاون ہو (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)۔

انہیلر ایک ایسا آلہ ہے جسے منہ کے پاس لے جا کر پچکاری کی طرح دبایا جاتا ہے، اس کو دبانے سے اس سے ہوا یا گیس اور دوا سفوف کی شکل میں نکلتی ہے، جو سانس کی نالی کے راستے سے پھیپھڑے تک جاتی ہے، اس طرح اس کے ذریعہ سانس کی تکلیف میں کمی آجاتی ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا خالد حسین قاسمی، مولانا عبداللہ خالد وغیرہ)۔

فساد صوم کے قائلین:

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا، چونکہ دوا کے اثرات بلکہ سفوف کے کچھ اجزاء حلق کے ذریعہ پھیپھڑے میں داخل ہوتے ہیں، خواہ اس کے اجزاء یا اثرات جوف معدہ تک نہ پہنچیں (دیکھئے مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا ابو البقاء ندوی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا رشید احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا شیر علی گجراتی، مفتی محمد جعفر ملی،

مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبدالباری، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا خالد حسین قاسمی)۔

مذکورہ حضرات نے اس سلسلہ میں جن عبارتوں کو اپنا مستدل بنایا ہے وہ درج ذیل ہیں:

قرآن:

۱۔۔۔''فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر ''(سورۂ بقرہ/۱۸۴) (مقالہ: مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی)۔

حدیث:

۱۔''الفطر مما دخل''(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۵۱) (مقالہ: مولانا محمد جمال الدین قاسمی)۔

۲۔''ان النبي ﷺ قال لقسط بن صبرة: بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائما ''(ترمذی، ابواب الصیام)''فالنهي عن المبالغة التي فيها كمال السنة عند الصوم دليل على أن دخول الماء في حلقه مفسد لصومه''(المبسوط ۳/۶۶) (مقالہ: مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا غیاث الاسلام ندوی)۔

۳۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج''(مجمع الزوائد ۳/۱۶۷، نصب الرايه ۲/۴۵۴) (مقالہ: مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی)۔

فقہ:

''إنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أيّ دخان كان ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه، قوله ''إنه لو أدخل حلقه الدخان''أي بأيّ صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه الخ و به علم حكم شرب الدخان(شامی ۲/۱۰۶،۱۹۷، نیز مجمع الأنهر ۱/۲۴۵)

(مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبدالباری، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبداللہ خالد)۔

۲۔''من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبرا أو عودا أو غيرهما ''(مراقی الفلاح علی الطحطاوی /۳۶۱، حاشیة الطحطاوی /۳۷۰) (مقالہ: مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا شیر علی گجراتی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا عبداللہ خالد)۔

۳۔''لو دخل دمعه أو عرق جبينه أو دم رعافه حلقه فسد صومه... علقه بوصوله إلى الحلق''(فتح القدير ۲/۳۳۷) (مقالہ: مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۴۔''وكذا لو خرج البزاق من فمه ثم ابتلعه''(الدر المختار ۲/۳۸۷) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۵۔ ''أو دخل حلقه مطر أو ثلج بنفسه لإمكان التحرز عنه بضم فمه'' (درمختار ۳/۳۷۸) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد عثمان گورینی)۔

۶۔ ''أكل سمسمة من خارج يقطع و يكفر فى الأصح إلا إذا مضغ بحيث تلاشت فى فمه إلا أن يجف فى حلقه كما مر'' (درمختار مع الشامی ۳/۳۹۴) (مقالہ: مولانا محمد حذیفہ، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی)۔

۷۔ ''إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد... وإن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعما فى حلقه'' (فتاوی ھندیه ۱/۲۰۲، نیز ھدایه مع الفتح ۲/۲۵۹) (مقالہ: مولانا محمد حذیفہ، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی)

۸۔ ''لأنهم ذكروا أن الكفارة لا تجب إلا بالفطر صورة ومعنى، نفي الأكل. الفطر صورة هو الابتلاع. والمعنى كونه مما يصلح به البدن من غذاء أو دواء'' (شامی ۳/۳۸۷) (مقالہ: مفتی شیر علی گجراتی)۔

۹۔ ''وحاصله أن الإفساد منوط بما إذا كان بفعله أو فيه صلاح بدنه ويشترط أيضا استقراره داخل الجوف (شامی ۶/۳۶۶)... والضابط وصول ما فيه صلاح بدنه لجوفه'' (شامی ۶/۳۰۷) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۱۰۔ ''أو أوجر بصب شئ فى حلقه على الأصح، وجه الصحيح أن الكفارة موجب الإفطار صورة ومعنى، والصورة الابتلاع كما فى الكافى وهى منعدمة، والنفع المجرد عنها يوجب القضاء فقط'' (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح ۱/۶۷۲) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۱۱۔ ''وأما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفة وعندهما لا يفسدہما اعتبرا المخارق الأصلية. لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرہا مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك، ولأبي حنيفة أن الدواء إذا كان رطبا فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ إلى الجوف فيبنى الحكم على الظاهر'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳) (مقالہ: مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی)۔

۱۲۔ ''فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن'' (شامی ۲/۱۱۲) (مقالہ: مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۱۳۔ ''لو استخدم مريض الرئة بخاخة الهواء عند ضيق النفس فإنه يفطر لأن ما يعفى عن جنسه كالتراب والهواء مقصود على حالة الابتلاء العام فإن كان الشئ خاصا كتعمد ابتلاء رائحة شواء لحم فيفطر لسهولة الاحتراز عنه ...ومثل ذلك تناول حب تصلب الشرائين عند الاحساس بالضيق'' (الفقه الاسلامی وأدلته ۳/۱۷۱۹) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی)۔

۱۴۔ علامہ عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

''دخان التنباك المروج فى زماننا بعضهم يشربونه نفعا وبعضهم يشربونه قضاء لحاجة البطن ودفعا لشهوة النفس فتجب الكفارة بشربه فى الصوم'' (حاشیہ ہدایہ ۱/۲۱۹) (مقالہ: مولانا محمد جمیل اختر ندوی)۔

۱۵۔ ''والمطر والثلج إذا دخل خلقه يفسد صومه وهو الصحيح كذا فى الظهيرية'' (فتاوی ھندیه ۱/۲۰۳) (مقالہ: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۱۶۔ ''قال النووی: جعلوا الحلق كالجوف فى بطلان الصوم بوصول الواصل إليه وقال الإمام: إذا جاوز الشئ الحلقوم أفطر'' (الموسوعة الفقهيه ۲۸/۳۰) (مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۱۷۔ ''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر

فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳) (مقالہ: مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی)۔

۱۸۔ ''إذا أکل متعمدا ما یتغذی به أو یتداوی به یلزمه علیه الکفارة وهٰذا إذا کان مما یؤکل للغذاء أو للدواء'' (فتاوی ہندیہ ۱/۳۸۶) (مقالہ: مولانا منور سلطان ندوی)۔

۱۹۔ ''ولا یتوهم أنه کشم الورد وماءه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله'' (شامی ۳/۳۶۶) (مقالہ: مولانا منور سلطان ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی)۔

۲۰۔ ''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر'' (شامی ۲/۹۶) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی وغیرہ)۔

۲ ۱- علامہ عبدالحئی لکھنوی نے رسائل الارکان سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے:

''لو أدخل الدخان یعتاده الیوم أکثر الناس فینبغی أن یفسد به الصوم، خصوصا دخان التنباك، لأنه یورث الفرح ویحصل التسکین للمعتادین'' (مجموعة الفتاوی ۱/۳۸۰) (مقالہ: مولانا ریاض احمد قاسمی)۔

فتاوی:

۱- مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بغیر نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دھوئیں کے داخل ہونے کا باعث ہو باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا (امداد الفتاوی ۲/۱۳۸) (مقالہ: مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

۲- مفتی محمود الحسنؒ لکھتے ہیں: ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر چہ پمپ سے پہنچائی جائے جبکہ اس میں کوئی اور چیز نہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ پمپ کے اندر اگر دوا ہے تو روزہ فاسد ہوگا (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۵۴، نیز خیر الفتاوی ۴/۹۸) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی)۔

۳- اٹلوس ایک دوا ہے جس کو ناک میں لگا کر سونگھا جاتا ہے، اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے، فتاوی دار العلوم (۶/۴۱۸) میں اسے مفسد صوم قرار دیا گیا ہے (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)، اسی طرح اگر کوئی شخص حقہ پیتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے (حوالہ بالا) (مقالہ: مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۴- فتاوی محمودیہ میں ہے:

(سوال نمبر ۴۸۲۲) ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے، جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

جواب: محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، فی الهامش: ''أو دخل أثر طعم الأدویة فیه فلا یفسد الصوم فیها'' (مراقی الفلاح /۶۶۱) (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۵۵) (مقالہ: مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۵- ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے متعلق سوال ۴۸۲۰ میں وضاحت کے ساتھ مفتی محمود الحسنؒ فرماتے ہیں:

الجواب: محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر بتی، عطر، دوا سب کا حکم ایک ہے، البتہ اگر بتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا مفسد صوم ہے (فتاوی محمودیہ) (مقالہ: مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۶- خیر الفتاوی (۴/۹۸) میں ہے: انہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا (مقالہ: مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۷- مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' (۳/۲۱۴) میں انہیلر کے بارے میں مفطر صوم ہونے کی ہی رائے اختیار فرمائی ہے (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی)۔

۸- روزہ کی حالت میں اس دوا کا استعمال صحیح نہیں، اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی)۔

۹- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

انہیلر میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہو، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے (مقالہ: مفتی عبد الرحیم قاسمی)، البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے، اس لئے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے، تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کر دے (مقالہ: ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی)۔

۱۰- انہیلر کے ذریعہ اجزاء دوا حلق کے نیچے پہنچتے ہیں یا یہ گیس میں تبدیل ہو کر حلق سے نیچے جاتی ہیں، بعض ڈاکٹروں سے گفتگو میں یہ بات واضح نہ ہو سکی اس لئے راقم الحروف یہ رائے دیا کرتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے کہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہو جائے اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کر دیں کہ اگر روزہ کافی نہ ہو تو فدیہ سے اس کی تلافی ہو جائے (کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۴) (مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد وغیرہ)۔

بعض حضرات نے اس صورت کو قصداً حلق میں دھواں داخل کرنے سے بھی مشابہ قرار دیا ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے (مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا شبیر علی گجراتی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا خالد حسین قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد وغیرہ)۔

جبکہ بعض حضرات نے کچھ دوسرے وجوہات بیان کئے ہیں:

مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول انہیلر کے استعمال سے صرف روزہ ہی فاسد نہیں ہوگا بلکہ مذہب حنفی کی رو سے اس پر کفارہ لازم آئے گا، چونکہ پھیپھڑے بھی جوف کا حصہ ہیں۔

مولانا محمد شعیب اللہ خاں لکھتے ہیں کہ انہیلر کے استعمال میں دوا کے کچھ اجزاء کا پھیپھڑوں کے بجائے معدے میں چلا جانا عین ممکن ہے، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ روزہ کو فاسد قرار دیا جائے، اس لئے کہ بدائع میں ہے: ''إن السبب يقوم مقام المسبب في موضع الاحتياط'' (بدائع ۱/۱۴۶)

مولانا رحمت اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ انہیلر کا استعمال اسی صورت میں درست ہوگا جبکہ اس کے بغیر کام نہ چل سکتا ہو، اگر بلا ضرورت ہو تو احتیاط نہ استعمال کرنے میں ہے۔

مولانا محمد حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ بات بعید از امکان ہے کہ اس دوا کا کوئی نہ کوئی جز کسی درجہ میں کھانے کی نالی میں اور پھر وہاں سے معدہ میں نہ جائے، اس لئے انہیلر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، البتہ اضطرار اور سخت مجبوری کی وجہ سے کفارہ معاف ہو جائے گا۔

مولانا شبیر علی گجراتی فرماتے ہیں کہ منہ سے داخل ہونے والی چیز کے لئے پیٹ تک پہنچنا ضروری نہیں، بلکہ اگر صرف اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی کہتے ہیں کہ اگر سال بھر انہیلر کے بغیر چارہ نہ ہو تو انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے تا کہ اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہو جائے، اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کریں، اور اگر صاحب استطاعت نہ ہوں تو انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لینا کافی ہوگا، (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا خالد حسین قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد، ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی)۔

ایسے مریضوں کے لئے رخصت ہے کہ مرض کی تخفیف کی صورت میں اگر استطاعت ہو تو دیگر ایام میں روزہ کی قضا کر لیں (مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا خالد حسین قاسمی وغیرہ)۔

مولانا محمد اعظم ندوی لکھتے ہیں کہ صرف اس وجہ سے کہ دوا کے اجزاء پھیپھڑے میں جاتے ہیں معدہ میں نہیں مسئلہ کی نوعیت میں فرق نہیں آئے گا، چونکہ روزہ ہر ایسی چیز جس سے بدن کو فائدہ پہنچ رہا ہو، منافذ اصلیہ سے داخل ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے، مزید آگے لکھتے ہیں: روزہ میں انہیلر کے استعمال سے قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہونا چاہئے، چونکہ معنوی طور پر تو حلق کے اندر ایک روزہ کو توڑنے والی چیز گئی ہے لیکن صورۃً کوئی چیز نہیں گئی، اور کفارہ صورۃً اور معنیً کسی مفطر چیز کے اندر پہنچنے سے واجب ہوتا ہے۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ دوا معدہ تک نہیں جاتی ہے یہ محض ظن ہے اور ظن پر احکام شرعی کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ الیقین لا یزول بالشک۔

صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا (مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

مولانا اقبال احمد قاسمی کی ایک رائے ہے کہ انہیلر کو بظاہر ہومیو پیتھک کی دوا کے مشابہ قرار دے کر اس کو سونگھنے سے روزہ نہ ٹوٹنے کا حکم لگانا راجح ہے۔

مولانا محمد شاہد قاسمی نے فقہاء کا یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس حکم کی علت امر مخفی ہو وہاں پر اس حکم کا مدار اس حقیقی علت پر نہیں رکھا جاتا بلکہ دلیل ظاہر پر اس حکم کا مدار ہوتا ہے، روزہ ٹوٹنے کی حقیقی علت جوف میں کسی چیز کو پہنچانا ہے، مگر یہ امر مخفی ہے، اس لئے اس کی دلیل ظاہر یعنی حلق سے نیچے اتارنے کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے۔

مولانا افتخار مفتاحی نے یہ مشورہ دیا ہے کہ انہیلر کے بجائے اس انجکشن کو استعمال کرنا چاہئے جو سانس کی تکلیف میں مفید ہوتا ہے، کیونکہ انجکشن کی دوا براہ راست معدہ یا دماغ میں نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری نے لکھا ہے کہ اگر یقینی طور پر یہ محقق ہو جائے کہ وہ دوا سیدھے پھیپھڑے میں جاتی ہے، اور پھیپھڑے سے معدہ تک کوئی منفذ نہیں ہے اس لئے معدہ میں اس کے اجزاء نہیں پہنچتے تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

عدم فساد صوم کے قائلین:

۱- ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی اس سلسلہ میں یہ تفصیل بیان کرتے ہیں:

ترجمہ شرح اسباب ۲/ ۴۴۰-۴۴۹ سے چند اقتباسات بالترتیب پیش ہیں:

''مری کی رفتار بالکل سیدھی نہیں ہے بلکہ پہلے گردن پر سیدھی خط وسطانی میں ہوتی ہے، گردن کے زیریں حصہ میں کسی قدر بائیں طرف مڑ جاتی ہے، پھر لوٹ کر خط وسطانی پر آجاتی ہے، اور اس کے بعد حجاب حاجز کے سوراخ میں داخل ہونے کے لئے سامنے کی طرف بڑھتی ہے پھر بائیں طرف مڑ کر معدہ سے متصل ہو جاتی ہے، اس کے پیچھے ریڑھ ہے اور سامنے گردن میں ہوا کی نالی، سینہ میں ہوا کی نالی اور قلب اور غلاف قلب ہے''۔

''ابو مسہل مسیحی کا قول ہے کہ پیٹ کی ساری تجویف دو حصوں میں منقسم ہے، ایک اوپر والا حصہ (جوف صدر) جو پھیپھڑے و دل وغیرہ کو محیط ہے (دل دونوں پھیپھڑوں کے درمیان ہوتا ہے)، اور دوسرا نیچے والا حصہ (جوف بطن) جو غذا کے اعضاء (معدہ، امعاء، جگر، گردے، طحال وغیرہ) کو گھیرے ہوئے ہے، اور ان دونوں جوفوں (سینہ و شکم) کے درمیان حجاب حاجز حائل ہے، حجاب حاجز سینہ کی ہڈی کے سرے سے شروع ہو کر ترچھے طور پر دونوں طرف سے نیچے اور پیچھے کو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پشت کے بارہویں مہرہ تک پہنچ جاتا ہے، اور زیریں حصہ کے متعلق اوپر ہی معلوم ہو چکا کہ وہ حجاب حاجز سے حاصل ہوتی ہے جو بالکل بند رہتی ہے''۔

''غشاء الصدر و غشاء الریہ و غشاء الاضلاع: اس جوف کے اندر جو جھلی استر کرتی ہے اس کو غشاء الصدر (سینہ کی جھلی) کہتے ہیں، یہ جھلی نہ صرف سینہ کی تمام دیواروں پر استر کرتی ہے بلکہ یہی جھلی لوٹ کر پھیپھڑے پر آجاتی ہے اور پھیپھڑے کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے، یہی جھلی قلب کے غلاف پر حجاب حاجز کی بالائی سطح پر اور پھیپھڑے کی زیریں سطح پر استر کرتی ہے''۔

اب یہ عرض کرنا ہے کہ اس طرح کے مریضوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ رخصت پر عمل کریں ''فعدۃ من أیام أخر'' کیونکہ جن مریضوں کے لئے افطار کی اجازت دی گئی ہے ان میں سے وہ مریض بھی ہے جو مشقت شدیدہ کا شکار ہو جائے یا اسے ہلاکت کا خوف ہو یا ازدیاد مرض یا دیر سے صحت ہونے کا امکان ہو،

وضابط المرض المبيح المفطر هو الذى يشق معه الصوم مشقة شديدة أو يخاف الهلاك منه إن صام أو يخاف بالصوم زيادة المرض أو بطء البرء أى تأخره (الفقه الاسلامى وادلته ۲/۱۶۸۹).

انہیلر والا مریض ہلاک تو نہ ہوگا مگر مشقت شدیدہ کا شکار ہوگا اس لئے اسے دوسرے ایام میں قضا کر لینی چاہئے، کیونکہ دمہ کی بیماریاں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں، ڈاکٹروں سے رجوع کرنے نیز شرح اسباب کے مطالعہ اور اس طرح کے مریضوں سے گفتگو کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہیلر کا کام صرف سانس کی

نالیوں کی تنگی کو ختم کرنا ہے، پھر بھی اگر کسی طرح کا شبہ ہو تو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ کی رائے پر عمل انسب معلوم ہوتا ہے۔

۲- مولانا عبد القیوم پالنپوری اپنی رائے کا ذکر یوں کرتے ہیں:

اگر روزے کی حالت میں پمپ یا انہیلر کے ذریعہ ہوا کے ساتھ دوا کا مختصر سفوف بھی حلق کے راستہ صرف پھیپھڑے تک پہنچایا جائے اور اس بات کا پورا یقین ہو کہ یہ دوا جوف معدہ میں بالکل نہیں پہنچتی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ فقہاء کرام کی حسب ذیل عبارات اور حضرت مفتی محمد شفیع کی تحریر سے سمجھ میں آتا ہے:

عالمگیری میں ہے: ''في دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على العبرة للوصول الى الجوف والدماغ ''۔

اور علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''قوله أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه و دماغه'' (الدر المختار) ''قلت: ولم يقيدوا الاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلى الجوف لظهوره (أى الوصول إلى الجوف) فيها وإلا فلابد منه (أى الوصول إلى الجوف والدماغ) حتى لوبقي السعوط في الأنف ولم يصل إلى الرأس لا يفطر ويمكن أن يكون الدواء راجعا إلى الكل تأمل'' (ردالمحتار مع الدر ۲/۱۴۰)، ''في الدر المختار أو خرج الدم من بين أسنانه و دخل حلقه، يعني ولم يصل إلى جوفه، أما إذا وصل فإن غلب أو تساويا فسد وإلا لا، إلا إذا وجد طعمه، بزازيه'' (الدر المختار ۲/۱۳۲)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ کسی چیز کا محض منہ کے اندر پہنچ جانا مفطر نہیں، کیونکہ دوسرا جزیعنی ابتلاع کا فساد صوم کے لئے موقوف علیہ ہونا قابل غور ہے، کیونکہ بتصریح فقہاء مدار فساد صوم یہ ہے کہ کوئی مفطر چیز جوف دماغ یا جوف معدہ میں پہنچ جائے، خواہ ابتلاع (نگلنے) کے ساتھ یا بغیر ابتلاع...... الخ (امداد المفتیین سوم چہارم/۷۱)، نیز حضرت مفتی شفیع صاحبؒ دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: ''فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ میں یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً (بدن) کے کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے'' (امداد المفتیین سوم و چہارم/۶۸، امداد الفتاوی ۲/۱۴۵)، اور بدائع میں ہے: ''ولو وصل إلى الرأس ثم خرج لا يفسد، بأن استعط بالليل ثم خرج بالنهار لأنه لما خرج علم أنه لم يصل إلى الجوف أو لم يستقر فيه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

۳- مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں کہ تنفس کے مریض کے لئے آج کے مروجہ انہیلر کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

۴- مولانا شاہین جمالی صاحب نے انہیلر کے استعمال سے روزہ کے فاسد نہ ہونے کو بھپارہ لینے کی کیفیت سے مشابہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیلر دوا کے اثرات کے ساتھ آکسیجن لینے کے ہم معنی ہے، اس میں سفوف کی قسم سے جو دوا پائپ میں ہوتی ہے وہ ہوا میں مخلوط ہو کر حلق کے راستے معدے کے بجائے پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، اس میں دوا کے کثیف اجزاء ہوا میں پگھل کر لطیف بن جاتے ہیں اور پھیپھڑوں میں اثر انداز ہوتے ہیں، اور دوسری وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ غیر مرئی لطیف جز سے متکیف ہوا کے جوف بدن میں داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور غالباً انہیلر میں یہی صورت ہے۔

۵- مولانا محمد فاروق بارڈولی لکھتے ہیں کہ اگر واقعی معلوم ہے کہ سفوف کا قدرے حصہ صرف پھیپھڑے تک پہنچتا ہے معدہ تک نہیں پہنچتا، تو اس صورت میں مفسد صوم نہیں۔

۶- مفتی محمد مقصود رامپوری دونوں منفذوں آمہ اور جائفہ کی تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھیپھڑے کا تعلق جائفہ سے نہیں ہے، پس اگر چہ انہیلر کے ذریعہ وہ دوا حلق سے پھیپھڑے تک پہنچائی جاتی ہے مگر جائفہ سے الگ رہتی ہے اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۷- مفتی سید باقر ارشد قاسمی ضرورت شدیدہ کی شرط لگاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ معدہ میں نہیں بلکہ سانس کی نالی سے ہوتے ہوئے پھیپھڑوں میں پہنچتی ہے، لہٰذا انہیلر کا استعمال مفسد صوم نہیں۔

۸- مولانا محمد اعظمی نے ہوا اور دوا کا سفوف پھیپھڑے تک پہنچائے جانے کو مباح قرار دیا ہے، آگے چل کر اسی ضمن میں ایک بات یہ لکھتے ہیں کہ فقہاء نے منافذ جسم کو فطری اور غیر فطری تقسیم کر کے ان کے درمیان فرق کیا ہے، اور اس کو شرعی حکم کا معیار بنایا ہے، یہ تقسیم و تعبیر خلاف عقل و نقل ہے، اس لئے کہ جسم

کے جتنے منافذ ہیں ان کو شرعی اور علمی اصطلاح میں خلقی کہا جاتا ہے، ان کو فطری اور غیر فطری سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے، البتہ منافذ کو مفتوح (جیسے منہ اور ناک وغیرہ) اور غیر مفتوح (جیسے مسامات جسم) سے تعبیر و تقسیم کرنا موافق عقل وواقعہ ہے، لیکن ہر مسئلے میں اس فرق کو معیار حکم بنانا محل نظر ہے۔

اسی طرح مجوف اعضاء اور جوف دماغ و جوف معدہ کی تشریح خالص طبی ہے، اس کا تعلق کسی شرعی اصل سے نہیں ہے، اس لئے مجوف اعضاء کا سراغ لگانا اور ان میں داخل ہونے والی چیز سے روزہ کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا حکم لگانا شرعی مسئلہ نہیں ہے۔

۹- مولانا حفیظ الرحمن اعظمی کا کہنا ہے کہ انہیلر کے ذریعہ دوا اور ہوا صرف پھیپھڑے تک پہنچتی ہے جو جوف دماغ اور بطن دونوں سے خارج ہے، اور فساد صوم کے لئے جوف تک پہنچنا شرط ہے، جو کہ مفقود ہے، لہذا مفسد صوم نہیں ہوگا (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا عامر ظفر مفتاحی)، مولانا مفتاحی اس کی نظیر میں شامی کے حوالہ سے یہ کہتے ہیں کہ مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۱۰- مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کے بقول آلہ تنفس کا استعمال، یہ صورت نہ عین اکل وشرب ہے اور نہ ہی اکل وشرب کے حکم میں ہے اور نہ اس صورت میں جوف معدہ تک ہوا یا دوا پہنچ رہی ہے، اس کی نظیر میں الاقطار فی الاحلیل کو پیش کرتے ہیں، یعنی مخرج البول میں کچھ ٹپکایا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۱۱- ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی اطباء کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ انہیلر میں جو دوا ہوتی ہے وہ منجمد یا سفوف کی شکل میں ہوتی ہے جس کا صرف اثر حلق میں داخل ہو کر پھیپھڑے میں پہنچتا ہے نہ کہ بعینہ دوا، اس کا اثر معدہ میں جاتا بھی ہے تو اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے جس کا وہاں کوئی اثر نہیں ہوتا، اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

۱۲- مولانا عبد التواب اناوی اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے بھی ایک مرتبہ انہیلر کو منہ میں لگایا اور بٹن دبا دیا، بس اتنا محسوس ہوا کہ منہ میں ایک زوردار ہوا کا دخول ہوا اور بس، نہ کوئی ذائقہ محسوس ہوا نہ کوئی جسم، جبکہ حقہ، بیڑی، سگریٹ کے دخان میں جسم بھی ہوتا ہے اور ذائقہ بھی، پھر اسی طرح جب کسی چیز کا جوف معدہ میں نہ پہنچنا یقینی ہو جیسا کہ سوال میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، اس کو مفطر صوم قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی چیز دھاگے میں باندھ کر حلق میں داخل کی جائے اور پھر اسے کھینچ لیا جائے تو وہ مفطر صوم نہیں ہوتی، اسی طرح آگے لکھتے ہیں کہ اگر یقین ہو جائے کہ کوئی چیز جوف دماغ میں داخل ہو کر وہیں رک جائے گی اور جوف معدہ میں نہ جائے گی تو اس صورت میں دخول الی جوف دماغ کو بھی مفطر صوم نہیں کہا جائے گا۔

سوال نمبر ۳: بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، کیا اس طرح بھاپ کا لینا درست ہوگا؟

فساد صوم کے قائلین:

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں جو دوائیں بالقصد بھاپ کی صورت میں کسی بھی ذریعہ سے ناک اور منہ کے اندر کھینچی جاتی ہوں اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا عبد الباری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا عبد القادر عبد اللہ قادری، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شبیر علی گجراتی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا رشید احمد، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا محمد ارشاد اعظمی، مولانا ابو البقاء ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

ان حضرات نے اس سلسلہ میں عام طور پر ان ہی عبارتوں کو اپنا مستدل بنایا ہے جو جواب نمبر ۲ کے تحت آتے ہیں، چند دلائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

حدیث:

۱۔ ''الفطر مما دخل و لیس مما خرج'' (ہدایہ اول، باب ما یفسد الصوم) (مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

فقہ:

۱۔ ''من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأی صورة کان الادخال فسد صومه حتی لو تبخر ببخور ولا یتوهم أنه کشم الورد و مائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه، وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله'' (شامی ۲/۱۳۲، مراقی الفلاح /۶۶۰) (مقالہ: مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا رشید احمد)۔

۲۔ ''لو أدخل الدخان فسد صومه'' (مجمع الأنهر ۱/۲۴۵) (مقالہ: مولانا عبداللہ خالد)۔

۳۔ ''أو ادهن أو اکتحل أو احتجم وإن وجد طعمه فی حلقه'' (درمختار)۔ ''لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للإتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر'' (شامی ۲/۹۸) (مقالہ: مولانا عبداللطیف پالنپوری)۔

۴۔ ''لو أدخل حلقه الدخان بأی صورة کان الادخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاکرا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه'' (ردالمحتار ۲/۱۰۶، نیز مراقی الفلاح /۶۶۰، مجمع الأنهر ۱/۲۴۵) (مقالہ: مولانا عبدالباری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد ارشاد اعظمی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبداللہ خالد)۔

۵۔ ''وفی التحقیق أن بین الجوفین منفذا أصلیا فما وصل إلی جوف الرأس یصل إلی جوف البطن کذا فی النهایة والبدائع'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹) (مقالہ: مولانا نیاز احمد بنارسی)۔

۶۔ ''(أودخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان) ولو ذاکرا استحسانا لعدم إمکان التحرز عنه ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أی دخان کان، ولو عودا أو عنبرا، لو ذاکرا، لإمکان التحرز عنه'' (درمختار مع شامی ۳/۳۶۶) (مقالہ: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مفتی سعید الرحمن قاسمی، مولانا شیر علی گجراتی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری)۔

۷۔ ''بخار القدر متی وصل للحلق باستنشاق أوجب القضاء لأن دخان البخور و بخار القدر کل منهما جسم یتکیف به الدماغ ویتقوی به'' (الموسوعه الفقهیه ۲۸/۳۶) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۸۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

''إن إدخال دخان التنباك المتعارف فی زماننا مفسد لأنه إدخال لا دخول ویمکن الاحتراز عنه'' (حاشیہ ہدایہ ۱/۱۹۸) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

فتاوی:

۱- امداد الفتاوی (۲/ ۱۳۸) میں ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بغیر نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دھوئیں کے داخل ہونے کا باعث ہو، باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا (مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۲- فتاوی دار العلوم (۶/ ۴۱۸) میں رد المحتار کے حوالہ سے بحالت روزہ دوا سونگھنے کو مفسد قرار دیا گیا ہے (مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

بعض حضرات نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

۱- بھاپ دھواں کے مانند ہونے کی وجہ سے اور اس میں پانی کا کچھ نہ کچھ حصہ ہونے کی وجہ سے اور اس کے شرب کے دائرہ میں آجانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا (مقالہ: مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد اعظمی، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

۲- ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال کر بشکل بھاپ منہ اور ناک سے کھینچنا تو درست معلوم نہیں ہوتا، البتہ بھاپ کو سامنے رکھ کر معمول کے مطابق سانس لینا جس سے بھاپ اور دوا کا اثر اندر پہنچ جائے درست ہونا چاہئے (مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

۳- ناک کی نالیوں کا تعلق جوف معدہ سے ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان ایسا منفذ موجود ہے جس کے ذریعہ دونوں طرف سے چیزیں آجا سکتی ہیں اور بھاپ کی شکل میں دوا جوف معدہ تک پہنچتی ہے، لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا (مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی)۔

۴- مولانا عبد اللطیف پالنپوری ایک رائے یہ دیتے ہیں کہ اگر مسامات کے ذریعہ بھاپ اندر پہنچائی جاتی ہو جس سے دوا کے اثرات بھی اندر پہنچتے ہوں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵- مولانا عزیر اختر قاسمی لکھتے ہیں کہ بھاپ لینے کی صورت میں ایک شئ کو خارج سے جوف معدہ یا جوف دماغ میں داخل کرنا لازم آتا ہے، لہذا بپھارہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا (موسوعہ فقہیہ ۲۸/ ۳۶، جدید فقہی مسائل/ ۱۸۷)، یہی وجہ ہے کہ اگر بتی کا دھواں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (فتاوی دار العلوم)۔

۶- مولانا ریاض احمد قاسمی فساد صوم کے لئے قصد وارادہ کے ساتھ دھواں کے داخل کرنے کو ضروری مانتے ہیں، اگر بالقصد نہیں بلکہ از خود داخل ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اس کی نظیر میں مولانا ظفر احمد تھانوی کا یہ فتوی پیش کرتے ہیں:

سوال: حالت روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت پاس ہی عود اور اگر بتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، ہاں اگر بتی کو پاس رکھ کر اس کے دھوئیں کو سونگھا جائے اور حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۷- مولانا نیاز احمد بنارسی لکھتے ہیں کہ جوف دماغ اور جوف بطن کے درمیان ایک منفذ اصلی ہوتا ہے، اس منفذ اصلی کے ذریعہ جو چیز جوف دماغ میں پہنچتی ہے وہ جوف بطن میں بھی لازماً پہنچ جاتی ہے، لہذا انہیلر اور بھاپ کے استعمال کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور مفسد صوم تصور کیا جائے گا۔

۸- مولانا محمد حذیفہ کا کہنا ہے کہ اس میں دوا کا اثر ہونے کی وجہ سے صلاح بدن بھی ہے اور آدمی کے اختیار کو بھی دخل ہے اس لئے قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہونا چاہئے، اگر اضطرار اور سخت مجبوری ہو تو پھر کفارہ نہ ہوگا۔

۹- مفتی محمد فیاض قاسمی لکھتے ہیں کہ دوا کا بھاپ جوف دماغ یا جوف معدہ میں منفذ اصلی کے ذریعہ اندر تک پہنچتا ہے جو کہ مصلح للجسم بھی ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۱۰- ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی کی رائے ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوائیں ڈال کر بھاپ لینا مفسد ہوگا، ''وفی حکم الماء البخور و بخار القدر إذا استنشقهما فوصلا إلى حلقه'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/ ۱۷۱۴) (نیز دیکھئے مقالہ: مفتی محمد مقصود رامپور)۔

عدم فساد صوم کے قائلین:

بعض مقالہ نگار حضرات بپھارہ لینے کو ہوا اور آکسیجن پر قیاس کرتے ہوئے مختلف اسباب کی بنیاد پر روزہ نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں، ان کی آراء درج ذیل ہیں:

۱- مولانا اقبال احمد قاسمی اور مولانا ناز کاء اللہ شبلی کا کہنا ہے کہ بپھارہ یا بھاپ کے ذریعہ مریض کا علاج کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، دلیل کے طور پر فتاوی محمودیہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بپھارہ دیتے ہیں، جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں، اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستے امراض باہر آجاتے ہیں، اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے، غرضیکہ جو فائدہ حلق کی راہ سے دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے، وہی بپھارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۴۹) (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبد التواب اناوی)۔

۲- ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی کی رائے میں آج کل کے مشینی طریقے آکسیجن وغیرہ ہو سکتی ہے، آکسیجن تو ایک طرح کی ہوا ہی ہے اس کو گیس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اور گیس کو بالقصد سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بھی گیس سے عدم فساد کے قائل ہیں (دیکھئے: کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۷)۔

۳- مولانا سلطان احمد اصلاحی کے نزدیک روزہ کی حالت میں بھاپ کے ذریعہ دواؤں کا لینا درست اور بلا کراہت جائز ہے، موصوف نے کہرے پر اسے قیاس کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت روزہ سخت کہرے میں گھر سے باہر نکلے تو کہرہ اس کی ناک اور حلق سے اس کے پھیپھڑے اور پیٹ میں لگا تار داخل ہوگا، اس سے روزہ ٹوٹنے کی رائے کسی صورت نہیں دی جاسکتی۔

۴- مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی صاحب فتاوی محمودیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ دھواں اور بپھارہ لینے کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے، اور وہ یہ کہ کسی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر ہوا میں شامل کر کے اتنا لطیف بنا دینا کہ وہ ہوا میں گم ہو جائے اور ہوا کا حکم اختیار کرلے جیسا کہ بپھارہ میں ہوتا ہے، جبکہ دھواں میں یہ شکل نہیں ہوتی، اس کا مادہ کثیفہ ہوا میں بعینہ موجود رہتا ہے، لہذا دھواں کے ادخال فی الحلق سے روزہ فاسد ہو جائے گا لیکن بپھارہ میں دوا کے لطیف اجزاء مسامات کے راستے اندر داخل ہوتے ہیں، بنا بریں اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵- مفتی محمد مقصود کا کہنا ہے کہ کسی مشین کی مدد سے دوا کا اثر حاصل کرنا اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ مشین سے اثر لینے سے بھاپ کا وجود ہوتا ہے، دوا کا وجود نہیں ہوتا، اس صورت کو موصوف نے خوشبو پر قیاس کیا ہے، اور ولا یتوھم انه کشم الورد.....کو اپنا مستدل بنایا ہے۔

۶- مفتی سید باقر ارشد قاسمی کے بقول دوا کی تاثیر لئے ہوئے جو بخارات اٹھتے ہیں وہ گیس کی صورت میں ہوتے ہیں، اور یہ ناک اور منہ کے مسامات کے ذریعہ اندر پہنچتے ہیں، راست معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچتے لہذا عند الضرورت اس طریقہ سے دوا لی جاسکتی ہے۔

۷- ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی کے مطابق پانی کا بپھارا لینے سے بھوک و پیاس کی شدت زائل نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بھاپ میں اس طرح کی صلاحیت نہیں ہوتی، موصوف نے مراقی الفلاح کی عبارت: لو أدخل دخانا بصنعه اور شامی کی عبارت: دخل حلقه غبار أو ذباب ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان جزئیات میں بلا ضرورت دھواں کو اندر داخل کرنے کی بات کہی گئی ہے جبکہ یہاں بغرض علاج دوا کی ضرورت سے بپھارا لینے کا مسئلہ ہے، ان دونوں صورتوں میں اس کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہوگا، لہذا پانی کا بپھارا کسی دوا کے ساتھ لینے کی صورت میں بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، اور بلا کراہت جائز ہوگا۔

۸- مولانا عبد التواب اناوی کہتے ہیں کہ بھاپ میں دوا کے ذرات نہیں ہوتے بلکہ اس کا اثر ہوتا ہے، اور کسی چیز کا اثر معدہ میں داخل ہونا مفطر صوم نہیں ہوا کرتا جیسا کہ مسامات یا نسوں کے ذریعہ کوئی چیز جوف معدہ میں پہنچ جائے تو افطار کا حکم نہیں ہوتا، لہذا صورت مسئولہ میں خواہ ضرورت شدیدہ ہو یا غیر شدیدہ بپھارہ کے ذریعہ طریقہ علاج کو مفطر صوم قرار نہیں دینا چاہئے۔

سوال نمبر ۴: موجودہ دور میں جسم کے اندر دواؤں کے پہنچانے کی ایک صورت انجکشن کی اختیار کی گئی ہے، جو جسم کے مختلف حصے میں لگائے جاسکتے ہیں، انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے، تاکہ خون کے ساتھ پورے جسم میں اس کی رسائی ہو جائے، پھر بعض انجکشن محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو جسم کی غذا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، پس انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا یا جسم کی غذائی ضرورت کو پوری کرنا مفسد صوم ہے یا نہیں یا اس سلسلہ میں کچھ تفصیل بھی ہے؟

عدم فساد صوم کے قائلین:

اکثر مقالہ نگار حضرات اس کے قائل ہیں کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا جسم میں داخل کی جاتی ہے چونکہ وہ براہ راست جوف معدہ یا جوف دماغ میں منفذ اصلی کے ذریعہ یا بطریق معتاد نہیں پہنچتی ہے، لہذا اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (مقالہ: مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا رشید احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا عبد القادر عبد اللہ قادری، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا ابو بکر قاسمی، مولانا عبد الباری، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا محمد اعظمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری وغیرہ)۔

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں بھی ان دلائل کو اپنا مستدل بنایا ہے جن میں سے اکثر پیچھے گزر چکی ہیں، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

حدیث:

۱۔ ''رأیت رسول اللہ ﷺ بالعرج یصب الماء علی رأسہ وھو صائم من العطش أو من الحر'' (موطا امام مالک: باب ماجاء فی الصوم فی السفر، ابوداؤد: ۲۳۶۵) (مقالہ: مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی)۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ: ''أنہ کان یبلّ الثوب ویتلفف بہ وھو صائم'' (بدائع الصنائع ۲/۲۷۰) (مقالہ: مفتی خالد حسین قاسمی)۔

فقہ:

۱۔ ''أو وصل من غیر الفم دواء إلی جوفہ أو دماغہ بأن داوی آمۃ وھی الشجۃ التی تبلغ أم الدماغ من غیر المسام قید بہ لأنہ لو وصل إلی جوفہ من المسام لا یقضی کما لو اغتسل بالماء البارد ووجد بردہ فی کبدہ وکما لو ادھن فوجد أثر الدھن فی بولہ أو اکتحل فوجد طعم الکحل فی حلقہ أو لونہ فی بزاقہ'' (شرح النقایہ ۱/۲۱۵) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی)

۲۔ ''وما وصل إلی الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلیۃ کالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنہ فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومہ، وأما إذا وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من غیر المخارق الأصلیۃ بأن داوی الجائفۃ والآمۃ فإن داواہا بدواء یابس لایفسد لأنہ لم یصل إلی الجوف ولا إلی الدماغ ولو علم أنہ وصل یفسد فی قول أبی حنیفۃ'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴، ہدایہ ۱/۲۰۰) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا عبد الباری، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

۳۔ ''لو أدھن الصائم رأسہ أو شاربہ لا یضرہ ذلك وکذا لو اختضب بحناء فوجد الطعم فی حلقہ لم یفسد صومہ ولا یجب علیہ القضاء إذ لا عبرۃ بما یکون من المسام وھذا قول الجمھور'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۶۸) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی)۔

۴۔ ''أو ادھن أو اکتحل أو احتجم وإن وجد طعمہ فی حلقہ'' (درمختار)، ''لأن الموجود فی حلقہ أثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن والمفطر إنما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنہ أنہ لا یفطر'' (ردالمحتار ۳/۳۶۷) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا رشید

احمد، مولانا محمد حذیفہ گجرات، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا محمد مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا ابو بکر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد)۔

۵۔ ''لأن الواصل إليه ليس من منفذ وانما من المسام، وقد روى البيهقي انه ﷺ كان يكتحل بالاثمد وهو صائم فلا يكره الاكتحال للصائم'' (الفقه الاسلامي وادلته ۱۷۲۰/۳) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی)۔

۶۔ ''أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه و دماغه'' (درمختار) ''أشار إلى أن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبني على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطرى لم يفسد'' (شامی ۱۴۰/۲، كنز الدقائق /۶۹) (مقالہ مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شعیب اللہ خاں، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی)۔

۷۔ ''والداخل من المسام لا من المسالك فلا ينافيه كما لو اغتسل بالماء البارد ووجد برده في كبده وإنما كره الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر في إقامة العبادة لأنه قريب من الافطار كذا في فتح القدير'' (البحر الرائق ۴۷۶/۲، ردالمحتار ۳۶۷/۳) (مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا ریاض احمد قاسمی)

۸۔ ''وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا في شرح المجمع'' (ہندیہ ۲۰۳/۱) (مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا رشید احمد، مولانا محمد جمال الدین قاسمی)۔ ''وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبًا أو يابسًا'' (ہندیہ ۲۰۳/۱) (مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۹۔ علامہ عبد الحی لکھتے ہیں:

''والمفطر إنما هو وصول شئ بعينه من منفذ إلى الباطن ولذا لا يفطر شم العطر ونحوه'' (عمدۃ الرعایہ ۲۴۸/۱) (مقالہ: مفتی محمد اکبر مظفر پوری)۔

۱۰۔ ''والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل من الماء البارد'' (ہدایہ ۱۹۷/۱)، ''والمفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذي هو خلل البدن للاتفاق فيمن شرع في الماء يجد برده في بطنه ولا يفطر'' (فتح القدیر ۲۵۷/۲) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبد اللہ خالد)

۱۱۔ ''لو أوصل الدواء إلى داخل الساق أو غرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلاخلاف. لأنه لا يعد عضوا مجوفا'' (شرح مہذب ۳۱۴/۵) (مقالہ: مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

۱۲۔ ''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر'' (ہدایہ ۲۰۰/۱، حاشیہ ابن عابدین ۳۳۶/۳) (مقالہ: مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی)۔

۱۳۔ ''ولو وضع في عينه لبنا أو دواء مع الدهن (الأولى مع الكحل) فوجد طعمه في حلقه لا يفسد صومه إذ لا عبرة بما يكون من المسام'' (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی /۶۵۹) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۱۴۔ ''أن الدواء إذا كان رطبا فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ إلى الجوف فينبني الحكم على الظاهر'' (بدائع الصنائع ۱۵۰/۲، مراقی الفلاح /۶۷۲) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا عامر ظفر مفتاحی)۔

۱۵۔ ''وإن أقطر في إحليله لا يفسد صومه في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله. وقال ابويوسف عليه القضاء. وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة إذا صب في إحليله دهن فوصل إلى المثانة كان عليه القضاء. واضطرب قول محمد. قال الفقيه أبوبكر البلخي الخلاف فيما إذا وصل إلى المثانة. أما ما دام في قصبة الذكر لا يفسد صومه بالاتفاق.

لأبي حنيفة أن المثانة ليس لها منفذ، وإنما يخرج البول منها بطريق الترشح وهذا الكلام يرجع إلى الطب''
(فتاوی قاضی خاں ۱/۲۱۱) (مقالہ: ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

فتاوی:

۱- ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے وہ مفسد صوم نہیں ہے (امداد الفتاوی ۲/۱۴۵) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۲- فتاوی دار العلوم میں بدائع الصنائع کی عبارت: ''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ . . . '' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انجکشن اور ٹیکہ لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے (فتاوی دار العلوم ۶/۴۰۸) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں مفتاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۳- مفتی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:

روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے اس لئے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/۴۲۲) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۴- مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

عام انجکشن جو رگوں میں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے، جس کے ذریعہ غذا یا دوا بعینہ قعر معدہ میں پہنچ جائے جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن، اس لئے جو انجکشن رگوں اور گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان کا لگوانا بلا کراہت درست ہے، اور یہی حکم خون اور گلوکوز چڑھوانے کا ہے (نظام الفتاوی ۱/۱۳۳) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد شاہد قاسمی)۔

۵- آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور کان میں ڈالنے سے فاسد ہو جاتا ہے، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ دوا یا غذا کی کوئی چیز جب بعینہ جوف معدہ میں پہنچ جائے گی خواہ کسی راستہ معتاد یا غیر معتاد سے ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں (نظام الفتاوی ۱/......) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی)۔

۶- مفسد صوم وہ چیزیں ہوتی ہیں کہ جوف معدہ میں دوا یا غذا بعینہ پہنچ جائے چاہے منفذ معتاد سے پہنچے چاہے منفذ غیر معتاد سے پہنچے، اور اگر دوا یا غذا بعینہ جوف معدہ میں نہ پہنچے بلکہ دوا یا غذا بعینہ صرف رگوں اور پٹھوں تک رہ جائے اور صرف اس کا اثر و نفع جوف معدہ تک پہنچے تو جب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، پس ان تمام انجکشنوں میں جو شرائین ہوں یا وریدی یا استعمال سلائینی ہو، دوا یا غذا بعینہ جوف معدہ میں نہیں پہنچتی، لہذا ان میں سے کوئی مفسد صوم نہ ہوگا (منتخب نظام الفتاوی ۲/۱۲۵) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۷- مولانا ظفر احمد تھانوی اپنی کتاب ''امداد الاحکام'' میں ایک تمہیدی مقدمہ قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مفطر صوم نہیں ہے (امداد الاحکام ۲/۱۳۲) (مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

۸- مفتی محمود حسن صاحب ایک طویل سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب: روزے کی نقل کردہ تعریف، کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا ہے۔

انجکشن سے چاہے وہ ۵۰ سی سی کا ہو یا اس سے کم زائد کا اس تعریف میں خلل نہیں آتا، کھانا پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا وہ فائدہ گو پورا نہ سہی، لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایر کنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سبز و شاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی کو ختم کرنا تھا جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے، یونانی اطباء بعض امراض

کے علاج میں بپھارہ دیتے ہیں جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں، اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے، غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بپھارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں، مگر اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا، آج سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا موید بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جانثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے، یہی یقین واعتقاد بہت زیادہ قوی ہے، سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائے گا۔

غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: "أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیہ"۔

اور بعض کے متعلق تجربتہً قے کرا کے مشاہدہ کرنا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے، کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۂ اکل وشرب ہے مگر مقصد اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا پھر بھی وہ مفسد صوم ہے، مثلاً کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہو گیا، اور اگر بھول کر کھا پی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پا گیا اور مقصد بھی پورا ہو گیا لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہو گئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی مگر روزہ فاسد ہو گیا، مثلاً کسی روزے دار کے تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ فاسد ہو گیا، سونے میں احتلام سے مقصد جماع حاصل ہو گیا، مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہو گیا روزہ فاسد نہیں ہوا، سفر میں علۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازت افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافر سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کرے گا یا اس کو رخصت افطار سے محروم کر دیا جائے گا یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کر دی گئی ہے، اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کر کے اپنے تجویز کردہ مقصد قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا، اور جو صورت حدود قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصد قانون کے خلاف قرار دے کر حدود جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا، سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا بلکہ ۲۵ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصد قانون یہ ہے کہ ۲۵ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں، سو میں نے ۲۵ پیسے خرچ کر دیئے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔

(مقالہ: مولانا شاہین جمالی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۹- مولانا رحمانی لکھتے ہیں:

اب غور کیجئے تو انجکشن وگلوکوز کے ذریعہ معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی، بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم پر پھیل جاتی ہیں اسی لئے انجکشن وگلوکوز کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، اس لئے انجکشن وگلوکوز کی وجہ سے روزہ نہ ٹوٹے گا، آگے لکھتے ہیں: ''البتہ میرا خیال یہ ہے کہ جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو محض تقویت کی غرض سے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے اور گلوکوز چونکہ غذا کی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا غذائی ضرورت کو پورا کرنا ہے، اس لئے محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے'' (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۲) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۱۰- مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں: کسی بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

عذر کی وجہ سے رگ میں بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

صرف طاقت کا انجکشن لگوانے سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے، گلوکوز کے انجکشن کا بھی یہی حکم ہے (آپ کے مسائل اوران کا حل ۳/۲۸۹) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی)۔

۱۱- مفتی محمد شفیع عثمانی فرماتے ہیں:

انجکشن کے ذریعہ بلا شبہ دوایا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصے میں پہنچ جاتا ہے، مگر یہ پہنچنا منفذ اصلی کے راستے سے نہیں، بلکہ عروق (رگوں) کے راستے سے، یہ منفذ اصلی نہیں، اس لئے گرمی کے موسم میں کوئی شخص اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو پیاس کم ہوجاتی ہے، کیونکہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستے سے اندر جاتے ہیں، مگر اس کو کسی نے بھی مفسد صوم نہیں قرار دیا، اس سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ گلوکوز وغیرہ کے انجکشن ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ بدن کو غذا جیسی قوت پہنچ جاتی ہے، اس لئے ان کا حکم غذا جیسا ہونا چاہئے؟ جواب واضح ہے کہ قوت پہنچنا مطلقاً مفسد نہیں جیسے ٹھنڈک پہنچنا مفسد نہیں، بلکہ منفذ اصلی کے راستے سے کسی چیز کا جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسد ہے، وہ انجکشن میں نہیں پایا جاتا اگرچہ کہ قوت اس سے پہنچ جائے (جواہر الفقہ ۵/۱۵۶)۔

۱۲- انجکشن کے ذریعہ سے اگر دوا کا جسم جوف بدن میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اگرچہ دوا کا اثر سارے جسم میں سرایت کرجاتا ہو (کفایت المفتی ۶/۲۴۰)، (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۱۳- بذریعہ انجکشن جسم میں دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/۳۹) (مقالہ: مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

۱۴- روزہ کی حالت میں انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (فتاوی امارت شرعیہ ۳/۱۶۷) (مقالہ مفتی محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۱۵- علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک کھانے پینے اور جماع کے معروف طریقہ کے علاوہ کسی چیز کے اندر داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے انہوں نے انجکشن کے علاوہ حقنہ، تقطیر اور زخم کے ذریعہ پیٹ تک پہنچنے والی دواؤں کو بھی غیر مفسد قرار دیا (فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۲۳۴) (مقالہ: مولانا منور سلطان ندوی)۔

بعض حضرات نے احتیاط برتتے ہوئے کچھ قیود کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

۱- مولانا عبدالتواب اناوی یہ کہتے ہیں کہ "البتہ وہ انجکشن جو بلا واسطہ شرائین یا مسام کے دوا یا غذا جوف میں پہنچاتے ہیں وہ مفطر صوم ہیں، جیسے کتے کے کاٹے کا انجکشن کہ اس میں بلا واسطہ دوا جوف میں جاتی ہے (اسی طرح ہرٹ کے مرض میں ہوتا ہے)" (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا جمیل اختر ندوی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی وغیرہ)۔

۲- مولانا سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ انجکشن اگر غذا کے مقصد سے ہو تو روزہ اس سے فاسد نہ ہوگا لیکن یہ مکروہ ہوگا (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا جمیل اختر ندوی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا محمد عثمان گورینی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا محمد قمر عالم قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی)۔

۳- وہ انجکشن جو جسم کی غذائی ضرورت پوری کرے اگر وہ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسد صوم ہوگا (مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۴- مولانا محمد شعیب اللہ خاں لکھتے ہیں کہ انجکشن خواہ رگوں میں دیا جائے جیسے عام بیماریوں میں ہوتا ہے، یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے جیسے ذیابیطس کے مریضوں کو انسولین پوست میں لگاتے ہیں، یا پیٹ میں لگایا جائے، جیسے کتا کاٹے ہوئے کو پیٹ میں لگاتے ہیں، سب کا حکم ایک ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۵- مولانا محمد حذیفہ گجرات کے بقول اگر کسی انجکشن سے دوا پیٹ میں پہنچتی ہے تو پھر اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اب تک تو کوئی ایسا انجکشن یہاں نہیں آیا ہے جس سے دوا پیٹ میں جاتی ہو، کتا کاٹنے کے وقت پیٹ پر ناف سے قریب جو انجکشن لگایا جاتا ہے اس میں دوا پیٹ میں نہیں جاتی، بلکہ چمڑی کے نیچے کی پرت میں جاتی ہے، اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

۶- جبکہ مولانا شیر علی گجراتی لکھتے ہیں کہ جو انجکشن براہ راست پیٹ میں لیا جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ براہ راست دوا معدہ تک پہنچ رہی ہے "أو داوی جائفة أو آمة فوصل الدواء حقیقة إلی جوفه و دماغه" (شامی ۳/۳۷۶)۔

۷- مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ ایسے انجکشن سے حتی الامکان بچنا بہتر ہے جس سے غذا کی ضرورت پوری ہو رہی ہو، اس وجہ سے کہ یہ روزہ کے تعلق سے شریعت کی منشا و مزاج کے خلاف ہے۔

۸- مفتی محمد ممتاز خاں ندوی کی رائے یہ ہے کہ محض بھوک اور پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے ڈرپ لگوانے سے زجرا روزہ فاسد ہو جانا چاہئے، کیونکہ ڈرپ لینے سے روزہ کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

۹- مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں کہ چونکہ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے، لہذا احتیاطا ضرورت شدیدہ کے بغیر روزہ کی حالت میں دن میں نہ لگوانا چاہئے۔

۱۰- مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی لکھتے ہیں کہ جو انجکشن جسم کی غذائی ضرورت کے لئے کافی ہو اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ انجکشن اکل و شرب کے حکم میں ہے (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۱۱- جو انجکشن غذائیت و طاقت کا فائدہ دیتی ہے وہ مفسد صوم ہوگی (مقالہ: مولانا محمد اعظمی)۔

۱۲- مولانا منور سلطان ندوی "ادارۃ الاوقاف والبحوث دبئ" کے فتوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انجکشن اگر محض طاقت حاصل کرنے کے لئے یا روزہ کے نتیجہ میں پیدا کمزوری کو دور کرنے کے لئے لیا جائے تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور محتاط قول یہی ہے۔

روزہ کے فاسد ہو جانے کے قائلین:

بعض حضرات نے انجکشن سے روزہ کے فاسد ہو جانے کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱- مفتی محمد مقصود رامپوری کی رائے ہے کہ اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ مقام آمہ یا جائفہ تک پہنچے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ مزید اس بارے میں ہمیں فقہ کا کوئی جزئیہ نظر نہیں آیا۔

۲- مولانا ابوالبقاء ندوی لکھتے ہیں کہ اگر انجکشن کے ذریعہ دوا رگوں میں پہنچائی جائے تو وہ مفسد صوم ہے، ہاں اگر گوشت میں انجکشن لگایا جائے تو وہ مفسد نہ ہوگا، وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو دوا رگوں میں پہنچائی جاتی ہے وہ چند منٹوں میں تمام اجزائے جسم تک پہنچ کر استقرار حاصل کر لیتی ہے، اس کے بعد موصوف نے استاذ عبدالحمید کی کتاب "الفقه الحنفي في ثوبه الجديد" (۱/ ۴۱۳) سے ایک طویل عبارت فساد صوم کے بارے میں نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل اعتبار دوا کے یقینی طور پر جسم کے اندر پہنچنے اور نہ پہنچنے کا ہے، اور ظاہر ہے کہ دوا جسم میں داخل ہو کر تمام اجزائے جسم میں پھیل جاتی ہے، اور وہ جسم میں استقرار بھی کرتی ہے، اور اس میں صلاح بدن بھی موجود ہے، لہذا انجکشن کو مفسد صوم ہونا چاہئے۔

۳- مولانا ارشاد احمد اعظمی کا کہنا ہے کہ اگر انجکشن کے ذریعہ دوا رگوں تک پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، دلیل کے طور پر المغنی (۴/ ۳۵۳) کی یہ عبارت: "وكذلك لو جرح نفسه أو جرحه غيره باختياره فوصل إلى جوفه" نقل کی ہے، اور کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اسی بنیاد پر پیٹ کے گہرے زخم میں تر دوا کے استعمال سے روزہ ٹوٹنے کے قائل ہیں۔

۴- ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی کی رائے ہے کہ انجکشن کے استعمال کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے تاکہ روزہ کی روح برقرار رہ سکے، موصوف نے درج ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

"مگر جو (انجکشن) انٹروینس یعنی نسوں میں لگتا ہے وہ تو براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچتا ہے، شریعت کے بے شمار مسائل کا مدار گمان غالب پر ہے، اس لئے یہاں گمان غالب سے آگے ایک تجربہ اور مشاہدہ موجود ہے، اس لئے علماء کو اس مسئلہ پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر ناک، کان اور سرین کے ذریعہ جس طرح دوا یا تیل وغیرہ کا اثر پہنچتا ہے، اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے، اسی بنا پر فقہاء کان میں تیل ڈالنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں اور کان میں پانی چلے جانے کو نہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ولو أقطر في أذنيه الماء أو دخلها لا يفسد صومه لانعدام المعنى والصورة بخلاف ما إذا أدخله الدهن"

پانی اور تیل میں فرق کیوں ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ: "اى صب فى أذنه دهنا ونحوه مما فيه صلاح البدن" یعنی پانی اگر

کان میں ڈالا جائے تو بدن کو کوئی تقویت نہیں ہوتی، برخلاف تیل کے کہ اس سے بدن کو تقویت ملتی ہے، اگر کوئی شخص سرمہ لگائے اور اس کا اثر حلق تک محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان براہ راست کوئی منفذ نہیں ہے، اس کے سلسلہ میں مولانا عبدالحئی صاحب لکھتے ہیں:

''والمفطر إنما وصول شئ بعينه من منفذ إلى الباطن'' (مفطر صوم وہ چیز ہے جو بعینہ ظاہری منفذ سے باطنی منفذ تک پہنچ جائے)

ظاہر ہے کہ نسیں پورے جسم اور دماغ ومعدہ سب کے لئے نہ صرف منفذ ہیں بلکہ براہ راست ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے، اس لئے جو دوا انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے وہ اپنی اصلی حالت میں معدہ اور دماغ تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کا اثر بھی جلد ہوتا ہے، ان وجوہ سے راقم الحروف کو انجکشن کے مسئلہ میں خاص طور پر جو انجکشن نسوں میں لگتے ہیں ان کے بارے میں برابر خلش رہی ہے، جب اس سے کم تر موثر چیزوں سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے تو پھر انجکشن سے کیوں نہ ہو؟ یہ حکم گلوکوز یا خون وغیرہ چڑھانے کا بھی ہے، یہ مسئلہ فن طب وڈاکٹری کا ہے، ہمارے قدیم فقہاء کو اپنی طبی تحقیقات کی بنا پر دماغ ومعدہ تک پہنچنے کی جو صورتیں مشاہدے سے معلوم ہوئیں ان پر فتوی دیا اور اب معدہ ودماغ تک پہنچنے کی صورتیں بدل گئی ہیں (اسلامی فقہ: مولانا مجیب اللہ ندوی: ۱/ ۳۹۴)۔

علامہ یوسف القرضاوی سے جب اس مسئلہ کے سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں فقہاء کی دو متضاد رائیں ملتی ہیں، جواز اور عدم جواز کی، گرچہ میری رائے علماء کے ان گروہ کے ساتھ ہے جو جواز کے قائل ہیں، تاہم اس سلسلہ میں ان باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے:

روزہ کی حالت میں اس قسم کے انجکشن سے پرہیز کرنا چاہئے، رمضان کی راتوں میں یہ انجکشن لئے جاسکتے ہیں، اگر دن کے وقت اس انجکشن کا لگانا ضروری ہو تو اللہ تعالی نے ویسے ہی مریض کے لئے روزے معاف کئے ہیں، اس قسم کے انجکشن سے معدہ میں براہ راست کوئی غذا تو نہیں پہنچتی، البتہ ان کے استعمال سے بدن میں ایک قسم کا نشاط اور قوت آجاتی ہے اور یہ باتیں روزہ کے منافی ہیں (فتاوی یوسف القرضاوی (اردو) ص/ ۱۶۸)۔

سوال نمبر ۵: جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے ''گلوکوز'' چڑھایا جاتا ہے، یہ چونکہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے، اس لئے اس سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، روزہ کی حالت میں کیا اس طرح گلوکوز کا استعمال درست ہوگا، جبکہ یہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا، لیکن اس کی وجہ سے ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت بھی انسان کے اندر متحقق نہیں ہوتی۔

روزہ فاسد نہ ہونے کے قائلین:

اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ گلوکوز بھی چونکہ براہ راست جوف معدہ میں بذریعہ منفذ اصلی نہیں دیا جاتا ہے تو اس کو چڑھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (مقالہ: مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عبدالباری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا رشید احمد، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا عبدالتواب اناوی)۔

تمام حضرات کے دلائل تقریباً وہی ہیں جو جواب نمبر ۴ کے تحت گذر چکے ہیں اس لئے یہاں صرف چند دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے:

فقہ:

۱۔ ''لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها شكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك'' (بدائع الصنائع ۲/۲۹۳) (مقالہ: مولانا محمد ابوذر قاسمی)۔

۲۔ ''المقصود من الصوم معناه وهو كونه وسيلة إلى الشكر والتقوى و قهر الطبع الباعث على الفساد ولا يحصل شئ من

ذلك إذا وصل الغذاء إلى جوفه'' (بدائع الصنائع ۲/۶۰۱) (مقالہ: مولانا ابوالبقاء ندوی)۔

۳۔ ''كما لو اغتسل بالماء البارد فوجد برودته في كبده لكن ينبغي أن يكون مكروها'' (مجمع الأنهر ۱/۲۴۵) (مقالہ: مولانا عبداللہ خالد)۔

۴۔ فلا يضر وصول الكحل من العين أو الدهن أو ماء الاغتسال وإن وجد له أثر باطن بتشرب المسام (وهي ثقب الجسد) لأن ذلك ليس من منفذ مفتوح انفتاحًا ظاهرًا محسوسًا، لأن انفتاح المسام لا يحس (حاشیہ الشیخ البیجوری علی متن ابی شجاع ۱/۴۲۳) (مقالہ: مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۵۔ ''وإنما كره أبوحنيفة ذلك أعني الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر في إقامة العبادة لا لأنه قريب من الإفطار'' (فتح القدير ۲/۲۵۷، درمختار ۲/۳۶۷) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

فتاوی:

۱- مولانا رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میرا خیال یہ ہے کہ جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو محض تقویت کی غرض سے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہیت سے خالی نہیں، کیونکہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے، اور گلوکوز چونکہ غذائی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا غذائی ضرورت کو پوری کرنا ہے، اس لئے محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے۔ (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۲) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۲- مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا- ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں: گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

بعض حضرات اس مسئلہ میں اپنی رائے دینے میں تفصیل سے کام لیتے ہیں، مثلاً:

☆ مولانا عامر ظفر مفتاحی کہتے ہیں کہ اگر کوئی عارضہ لاحق ہو جیسے کمزوری، بلڈ پریشر میں کمی، اور اس کی وجہ سے گلوکوز چڑھایا جائے تو روزہ فاسد بلکہ مکروہ بھی نہ ہوگا (نیز دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ بلا ضرورت استعمال کرنا خلاف احتیاط ہے چونکہ اس سے روزہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے (مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

☆ ''يا معشر الشباب... ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء'' (مسلم) اس حدیث کے اشارۃ النص سے معلوم ہوتا ہے کہ تقوی اور وجاء کا تحقق بھوک اور ترک جماع پر موقوف ہے، لہذا ہر وہ بات جس سے بھوک وترک جماع کی حقیقت ختم ہو جائے اس کو مفطر صوم قرار دیا جائے گا (مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

☆ روزہ فاسد تو نہ ہوگا مگر بلا ضرورت نہ چڑھائے (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد جمیل اختر ندوی)۔

☆ ایسے گلوکوز کے استعمال سے حتی الامکان احتراز اولی ہے جس سے غذا کی ضرورت پوری ہو رہی ہو (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

☆ بلا شدید عذر کے روزے کی حالت میں گلوکوز نہیں چڑھوانا چاہئے کیونکہ یہ روزے کی حکمت کے خلاف ہے (مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

☆ مفسد صوم تو نہیں ہے لیکن احتیاط یہ ہے کہ اسے مغرب تک مؤخر کیا جائے تا کہ روزہ عزیمت کے ساتھ مکمل ہو (مولانا محمد اعظم ندوی)۔

☆ محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے (مولانا محمد جمال الدین قاسمی)۔

☆ بلا ضرورت گلوکوز چڑھانا جائز نہیں ہوگا (مولانا محمد شعیب اللہ خاں)۔

☆ محض بھوک و پیاس کا احساس کم کرنے کے لئے اس کے استعمال سے بچنا بہتر ہے (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ غذائی قوت حاصل کرنے کے لئے گلوکوز چڑھانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد فیاض قاسمی)۔

☆ بلا ضرورت گلوکوز چڑھانے سے احتراز کرنا مناسب ہے (مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

مکروہ ہونے کے قائلین:

☆ گلوکوز سے روزہ تو فاسد نہ ہوگا لیکن کراہت سے خالی نہیں (ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی)۔

☆ بلا عذر اور بلا ضرورت بحالت صوم گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے (قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا قمر عالم قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

☆ نشاط اور تقویت حاصل کرنے کے لئے چڑھوائے تو مکروہ ہوگا (مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا نیاز احمد بناری، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

☆ مفسد صوم تو نہیں ہے لیکن یہ روزہ کی روح اور مقصد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا (ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ)۔

☆ روزہ فاسد تو نہیں ہوگا البتہ ضرورت شدیدہ کے بغیر اس کا استعمال مکروہ ہوگا (مفتی شاہد علی قاسمی)۔

فساد صوم کے قائلین:

☆ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قوت و غذائیت کے حصول کے لئے گلوکوز چڑھانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ یہ اکل و شرب کے دائرہ میں آتا ہے۔ (مقالہ: مولانا محمد اعظمی، مولانا مظاہر حسین قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی)۔

☆ کیونکہ مصلح بدن چیز بدن کے اندر قرار پاتی ہے، اور یہ کہ روزہ کے بنیادی مقصد یعنی نفس امارہ اور شہوات نفسانیہ کو مغلوب و مقہور کرنا ہے، کے منافی ہے (مولانا ابوالبقاء ندوی)۔

☆ عام حالت میں بلا عذر گلوکوز لینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا (مولانا منور سلطان ندوی، مفتی محمد مقصود)۔

☆ گلوکوز چڑھانا روزہ دار کے لئے مکروہ تحریمی ہے (مفتی محمد خالد حسین قاسمی)۔

☆ بغیر کسی عذر کے گلوکوز لینا بحالت صوم مکروہ ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبداللہ خالد)۔

☆ گلوکوز صرف معنیً اکل و شرب ہے صورۃً نہیں لہذا روزہ فاسد ہو جائے گا لیکن صرف قضا لازم آئے گی (مولانا ارشاد احمد اعظمی)۔

☆ گلوکوز چڑھانے کے بعد پیشاب آتا ہے، اور پیشاب کا آنا دلیل ہے کہ گلوکوز معدہ تک پہنچتا ہے، لہذا گلوکوز سے روزہ ٹوٹ جائے گا (مفتی شیر علی گجراتی)۔

سوال نمبر ۶: بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں، یہ صورتیں روزہ کے لئے مفسد ہوں گی یا نہیں؟

اس سوال کے تحت تین مسائل آتے ہیں: پیچھے کے راستے سے دوا ڈالنے کا مسئلہ، بواسیری مسّوں پر دوا لگانے کا مسئلہ، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستے سے آلہ کے داخل کئے جانے کا مسئلہ۔ سب سے پہلے پیچھے کے راستہ سے دوا ڈالنے کے مسئلہ پر مقالہ نگاروں کی آراء درج کی جارہی ہیں:

فساد صوم کے قائلین:

مقعد کے اندر سیال یا غیر سیال دوا ڈالنا دوصول إلی الجوف ہونے کی وجہ سے مفسد صوم ہے (مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا رشید احمد، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا شیر علی گجراتی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا

محمد مصطفی قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی ظہیر احمد کانپور، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق قاسمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبدالباری، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مفتی محمد مقصود رامپور، مولا ، ارشاد احمد اعظمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عامر ظفر مفتاحی)۔

عدم فساد صوم کے قائلین:

انسانی جسم کے پیچھے کے راستے سے جو چیز بھی اندر داخل کی جائے اگر وہ مقام حقنہ کے نیچے نیچے تک ہو اور شک ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، ڈاکٹر شیم اختر قاسمی)۔

بواسیری مسّے پر دوا لگانے کے سلسلہ میں فساد صوم وعدم فساد صوم کی رائے:

☆ بواسیر کے مسّے مقام حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں اس لئے اندرونی مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ برقرار رہے گا، البتہ حقنہ کے منہ تک دوا لگانا فساد صوم کا سبب ہے۔ (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی سعید الرحمن قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری)۔

☆ اگر بواسیری مسّوں پر اس حد تک دوا یا پانی پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لے یا وہ خود معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا (مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا شیر علی گجراتی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا جمیل اختر ندوی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا عبداللہ خالد)۔

☆ بواسیری مسّوں پر لگی دوا کے اندر پہنچ جانے کا مظنہ ضرور ہے، اس لئے احتیاط کر لینا بہتر ہے (مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مفتی محمد مقصود رامپور)۔

☆ بواسیر کے اندرونی مسّوں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر خلاف احتیاط ہے (مفتی ظہیر احمد کانپور)۔

☆ اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جائے تو اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا (مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

☆ بواسیر کے اندرونی مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا (مفتی محمد اکبر مظفر پوری، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ابوالبقاء ندوی)۔

☆ کانچ کو تر کرنا اور اس پر دوا لگانا مفسد صوم ہے (مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی)۔

☆ بواسیر کے اندرونی مسّوں پر مرہم لگایا جا سکتا ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

☆ اگر یہ یقینی ہو کہ بواسیری مسّوں پر لگائے جانے والے مرہم کا کچھ بھی حصہ معدہ تک نہیں پہنچتا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (مفتی محمد خالد حسین قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی)۔

☆ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر مرہم لگانا ضروری نہ ہو تو دن کے وقت اس کو استعمال کرنے سے پرہیز کرے (مولانا منور سلطان ندوی)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے آلات داخل کئے جانے کا روزے پر اثر:

☆ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستے سے آلات داخل کئے جائیں اور ان کا استقرار داخل جسم یا جوف بدن میں نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا رشید احمد، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مفتی محمد مقصود رامپور، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا عامر ظفر مفتاحی)۔

☆ اگر ان آلات پر پانی یا تیل لگا کر داخل بدن کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا چونکہ اس طرح موضع حقنہ تک پہنچنے کا خدشہ ہے (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆ اگر آلات خشک ہوں اور مقام حقنہ سے آگے جوف میں بھی پہنچ جائیں تو روزہ فاسد نہ ہوگا (مولانا عبدالتواب ندوی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا شیر علی گجراتی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری)۔

☆ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر مقعد میں داخل کئے جاتے ہیں اگر اس کا دوسرا سرا باہر رہتا ہے تو وہ مفسد صوم نہیں ہوگا (مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا جمیل اختر ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبداللہ خالد)۔

☆ اگر آلہ کو اندر داخل کرنے کے بعد کل یا بعض حصہ نکال کر پھر اندر داخل کر دیا جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی)۔

☆ پچھلے راستہ میں آلات کے داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ آلات پر کچھ لگا ہوا نہ ہو (مفتی ظہیر احمد کانپور)۔

☆ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات اندر داخل کئے جائیں اور وہ اندر چھپ جائیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا (قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

☆ اگر آلات معدہ تک پہنچ جائیں تو روزہ ٹوٹ جائے گا (مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

☆ آلات وغیرہ کا داخل کرنا اصلاح بدن کی غرض سے ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی مفسد صوم ہے (مولانا عبدالباری مئو، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی)۔

ان تینوں مسائل پر ذکر کئے جانے والے دلائل یکجا طور پر ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

فقہ:

۱۔ ''حتی لو علم أن الرطب لم یصل لم یفسد ولو علم أن الیابس وصل فسد صومه'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

۲۔ ''وقیل إن المرأة إذا حشت فرجها الداخل فسد صومها'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

۳۔ ''کذا لو أدخل إصبعه فی إسته أو أدخلت المرأة فی فرجها هو المختار إلا إذا کانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن

فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۴۸۷) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری)۔

۴۔ ''إذا أدخل الطبيب آلة جافة طبية إلى جوف الصائم ثم أخرجها لا يفطر'' (الفقه الحنفی ۱/۴۱۱) (مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۵۔ ''ولو شد الطعام بخيط وأرسله فى حلقه وطرف الخيط فى يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل ولو أدخل خشبة أو نحوها وطرفا منها بيده لم يفسد صومه، قال فى البدائعوهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط لفساد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۴۸۷) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی شاہد علی قاسمی)۔

۵۔ ''قال فى الفتح والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة التى هى آلة الاحتقان، وعلى الأول فالمراد الموضع الذى ينصب منه الدواء إلى الأمعاء قلت وثبور البواسير التى تخرج وقت الاستنجاء إنها تكون داخلة قدر الإصبع والقدر الذى يصل إليه رأس المحقنة هو خمسة أصابع إلى ستة لا يكون أقل من ذلك كما أفاده الطبيب الحاذق القاضى بشير الدين اللكنوى'' (شامی ۳/۲۹۷) (مولانا عبدالتواب اناوی)۔

۶۔ ''ولو أدخل إصبعه فى إسته أو المرأة فى فرجها لا يفسد هو المختار'' (ہندیہ ۲/۱۰۴) (مولانا عبدالتواب اناوی)۔

۷۔ ''لايفسد صومه لو أدخل ميزان الحرارة فى دبره بشرط أن يكون جافًا لان قسمًا منه يبقى فى الخارج وكذلك إذا أدخل إصبعه الجافة فى دبره أو أدخلتها فى فرجها ويفسد الصوم إذا كانت الإصبع مبتلة لبقاء البلة فى الداخل'' (الفقه الحنفی ۱/۴۱۲) (مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوالبقاء ندوی)۔

۶۔ ''أو أدخل عودا ونحوه فى مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد'' (شامی ۲/۹۹)... ''أو ادخل إصبعه اليابسة فيه اى فى دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد لبقاء شئ من البلة فى الداخل'' (شامی ۲/۹۹) (مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۷۔ ''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فى أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه هكذا فى الهداية'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴) (مولانا رشید احمد)۔

۸۔ ''ومن ابتلع لحما مربوطا على خيط ثم انتزعه من ساعته لا يفسد وإن تركه فسد كذا فى البدائع'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴) (مولانا رشید احمد)۔

۹۔ ''إذا أدخل خشبة فى المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة، وهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط لفساد الصوم'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۷) (مولانا رشید احمد، مولانا محمد شعیب اللہ خاں)۔

۱۰۔ ''ولم يقيدوا الاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلى الجوف، لظهوره فيها وإلا فلابد منه، حتى لو بقى السعوط فى الأنف ولم يصل إلى الرأس لا يفطر ويمكن أن يكون الدواء راجعا إلى الكل'' (شامی ۳/۳۷۶) (مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی)۔

۱۱۔ ''لو خرج سرمه فغسله فان قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا لا، لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة'' (شامی ۲/۱۰۸) (مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی)۔

۱۲۔ ''ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسدوهذا قلما يكون، ولو كان فيورث داءً عظيمًا'' (شامی ۲/۱۰۸) (مولانا محمد جمال الدین قاسمی)۔

۱۳۔ ''وإذا احتقن يفسد صومه'' (تاتار خانیہ ۲/۳۶۵) (مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۱۴۔ ''فإن داواها بدواء يابس لايفسد، لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ'' (بدائع ۲/۹۳) (مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

۱۵۔ ما دخل فى الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالإستقرار وإن لم يغب بل بقى طرف منه فى الخارج أو كان

متصلا بشئ خارج لا یفسد لعدم استقرارہ (شامی ۲/۱۰۷) (مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

فتاوی:

۲- مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں:

استنجے میں تری کا اندر پہنچنا اس وقت مفسد صوم ہے جبکہ تری قدر محقنہ پر پہنچ جائے، اس سے کم مقدار میں تری کا اندر پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے، اور ہم کو ایک طبیب حاذق وثوق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد ہے معلوم ہوا کہ حالت احتقان میں راس محقنہ پانچ چھ انگل اندر پہنچایا جاتا ہے، تب احتقان ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت میں اندر پہنچنا قدر محقنہ تک تری پہنچنے کو مستلزم نہیں، لہذا اس حالت میں روزہ فاسد بھی نہ ہوگا (امداد الاحکام ۲/۱۲۹) (مولانا عبد التواب اناوی)۔

۳- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

پانی سے بواسیری مسوں کو دبا کر اندر کرنے والے کا روزہ قائم رہے گا، روزہ میں کسی طرح کا نقصان نہ آوے گا، اس لئے کہ محل مسوں کا جو کنارہ دبر ہے اس جگہ پر پانی پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، نہ معذور کا نہ غیر معذور کا (فتاوی رشیدیہ باب الصوم) (مولانا عبد التواب اناوی)۔

۴- مولانا عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:

بواسیری مسے پر دوا لگانا مفسد نہیں، کیونکہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے یا مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۲/......) (مولانا عبد التواب اناوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۵- روزہ کی حالت میں اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جاتی ہے تب تو اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ ہی جائے گا کہ قوی امکان دوا کے معدہ تک پہنچنے کا ہے، لیکن اگر صرف بواسیری مسوں پر یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو میرا خیال ہے کہ معدہ میں چونکہ ایک حد تک جذب کرنے کی صلاحیت ہے لہذا اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے، تاہم محض شک کی وجہ سے ظاہر ہے کہ روزہ ٹوٹ جانے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا (جدید فقہی مسائل ۱/۱۸۵) (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۶- مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں: بخلاف مسہ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہوجاتے ہیں، کبھی باہر، کبھی اندر، وہ موضع حقنہ تک عادۃً نہیں پہنچتے، اس لئے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی، اس لئے مفسد صوم نہیں (حاشیہ امداد الفتاوی ۲/۱۶۱) (مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی)۔

سوال نمبر ۷: آگے کی راہ سے بھی بعض اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض امراض میں خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یہ صورتیں ناقض صوم ہیں یا نہیں؟

اس سوال میں بنیادی طور پر تین قسم کے مسائل آئے ہیں: مرد کی اگلی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے کا مسئلہ، عورت کی اگلی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے کا مسئلہ، اور مرض کی تحقیق کے لئے رحم میں آلات داخل کئے جانے کا مسئلہ۔ ذیل میں ان تینوں مسائل پر علماء کی اہم آراء درج کی جارہی ہیں:

مرد کی اگلی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالے جانے کا روزہ پر اثر:

مرد کی اگلی شرمگاہ میں جامد یا سیال دوا یا نلکی کے ذریعہ مثانہ میں پہنچائی جانے والی دوا مفسد صوم نہیں ہے (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد فیاض قاسمی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا نیاز احمد بناری)۔

☆ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مرد کے عضو تناسل کی جڑ میں مثانہ ہوتا ہے جو معدہ اور عضو مخصوص کے درمیان حائل رہتا

ہے، اور پیشاب کی تھیلی سے پیشاب کا ترشح ہوتا ہے، جو منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں، بلکہ مثانہ کے مسامات کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔

☆- اور مولانا ارشاد احمد اعظمی و مفتی محمد مقصود وغیرہ کی رائے ہے کہ مرد کے عضو میں ڈالی جانے والی دوا جب تک مثانہ تک نہیں پہنچتی بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆- جبکہ مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری کہتے ہیں کہ مرد کے مثانہ تک اگر نلکی یا پائپ ڈالی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆- اور مولانا راشد حسین ندوی کا کہنا ہے کہ دوا کے بغیر صرف نلکی مثانہ تک ڈالی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

عورت کی اگلی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالے جانے کا روزہ پر اثر:

فرج مرأۃ کے اندرونی حصے میں دوا لگانے یا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا منور سلطان ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مفتی محمد مقصود، مولانا عبداللہ خالد، مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا شیر علی گجراتی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا رشید احمد، مفتی محمد فیاض قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی عبدالرحیم قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا بدر احمد مجیبی)۔

☆ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ نے اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ عورتوں کی اگلی شرمگاہ سے معدے تک منفذ اصلی موجود ہوتا ہے (نیز دیکھئے: مولانا حفیظ الرحمن اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆ بحالت صوم خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاسکتی ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

☆ فرج خارج میں دوا رکھنا مفسد صوم نہیں (مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا محمد شاہد قاسمی)۔

☆ اگر دوا جامد ہو تو روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆ آگے کی راہ سے مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچانا ناقض صوم نہیں (مفتی سید ارشد باقر قاسمی، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی)۔

☆ جبکہ مولانا منور سلطان ندوی کہتے ہیں کہ فرج کی راہ سے کوئی چیز داخل کی جائے اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ مولانا ریاض احمد قاسمی عورت کے مخرج بول اور فرج داخل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کے مخرج بول کے راستے مثانے تک نلکی یا دوا پہنچائی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ جس طرح مرد کے مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں اسی طرح عورت کے مثانہ اور جوف کے درمیان بھی کوئی منفذ نہیں۔

☆ مولانا عثمان گورینی لکھتے ہیں کہ عورت اور مرد کے مثانہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں، البتہ اگر عورت کے مثانہ میں کوئی نلکی یا دوا کے پہنچاتے وقت دوا کے ذرات واجزاء فرج داخل میں چلے جائیں تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا۔

☆ خواتین کی شرمگاہ میں رحم یا مثانہ تک کوئی پانی سے تر دوا یا سفوف لگا ہوا آلہ یا نلکی پہنچائی گئی تو روزہ فاسد ہوجائے گا (مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ریاض احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد شعیب اللہ خاں، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا جمیل اختر ندوی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

☆ ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی کا کہنا ہے کہ ڈاکٹروں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اس طرح کوئی چیز ڈالنے یا ٹپکانے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے کہ اس کا اثر

معدہ میں نہیں پہنچتا اور نہ اس سے کوئی جسمانی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

☆ داخل کیا جانے والا خشک آلہ یا نلکی کا ایک حصہ باہر رہے اور دوسرا حصہ فرج داخل میں ڈالا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا (مولانا بدالقیوم پالنپوری، مولانا منور سلطان ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ریاض احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابوعاصم اعظمی)۔

☆ خشک آلہ یا نلکی داخل کر کے پورا یا کچھ حصہ باہر کھینچ کر پھر اندر کر دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا (مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شیر علی گجراتی، مولانا عبدالتواب اناوی)۔

☆ پورا آلہ اگر اندر غائب ہو گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا (مولانا ریاض احمد قاسمی)۔

رحم میں آلات داخل کئے جانے سے روزہ پر اس کا اثر:

☆ مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک جو آلات داخل کئے جاتے ہیں اگر ان پر دوا نہیں لگی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا (مولانا منور سلطان ندوی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ)۔

☆ جبکہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مرض کی تحقیق کے لئے آلات رحم تک پہنچائے جاسکتے ہیں چونکہ یہ علاج کے قبیل سے ہے (مفتی سید ارشد باقر قاسمی، مفتی محمد مقصود رامپور، مولانا سلطان احمد اصلاحی وغیرہ)۔

ان تینوں مسائل پر ذکر کئے جانے والے مستدلات اجمالی طور پر ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

فقہ:

۱۔ ''إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله، وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلاخلاف وهو الصحيح'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا محمد ابوذر قاسمی، مولانا عبداللہ خالد)۔

۲۔ ''ولو أقطر في إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة وقال أبويوسف: يفطر، وقول محمد مضطرب فيه، فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه و بين الجوف منفذا، و لهذا يخرج منه البول، ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه، وهذا ليس من باب الفقه'' (ہدایہ مع الدرایہ ۱/۲۲۰) (ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی، مولانا عبداللہ خالد)۔

۳۔ ''الحقنة في الإحليل أي ثقبة الذكر ولو بمائع؛ لأنه لا يصل عادة للمعدة، وأما في قبلها فمفسد إجماعا، لأنه كالحقنة'' (درمختار مع شامی ۳/۳۷۲) (ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی)۔

۴۔ ''أو أقطر في إحليله ماءًا أو دهنًا، وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (درمختار) ''قوله على المذهب أي قول أبي حنيفة و محمد معه في الأظهر، وقال أبويوسف: يفطر، والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطباء، زيلعي. وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا'' (شامی ۳/۳۷۲) (ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا محمد جمال الدین قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عامر ظفر مفتاحی وغیرہ)۔

۵۔ ''ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن. فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (فتاوی ہندیہ) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری وغیرہ)۔

۶۔ ''ولو مبتلة فسد لبقاء شيء من البلة في الداخل'' (شامی ۲/۱۳۸) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری وغیرہ)۔

۷۔ ''أو أدخل عودًا ونحوه فی مقعدته و طرفه خارج (ای لا یفسد) وإن غیبه فسد'' (شامی ۲/۱۳۸) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری وغیرہ)۔

۸۔ ''أو أدخل إصبعه الیابسة فیه أی فی دبره وفرجها ولو مبتلة فسد'' (شامی ۲/۱۳۸) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری وغیرہ)۔

۹۔ ''والإقطار فی إقبال النساء قالوا: أیضا هو علی هذا الخلاف، وقال بعضهم: یفسد بلا خلاف؛ لأنه شبیه بالحقنة. قال فی المبسوط: وهو الأصح'' (فتح القدیر ۲/۲۴۸) (مولانا منور سلطان ندوی وغیرہ)۔

۱۰۔ ''المرأة إذا جعلت القطنة فی قبلها إن انتهت إلی الفرج الداخل وهو رحمها انتقض صومها؛ لأنه تم الدخول'' (فتاوی تاتارخانیه ۱/۲۱۸) (مولانا منور سلطان ندوی)۔

۱۱۔ ''وعلی هذا لا یفسد عندهم الصوم بالفحص النسائی بإدخال آلة منظار وبقاء طرفها خارجًا'' (الفقه الاسلامی وادلته ۳/۱۷۸) (مولانا منور سلطان ندوی)۔

۱۲۔ ''إن ما دخل فی الجوف إن غاب فیه فسد هو المراد بالاستقرار، فإن لم یغب بل بقی طرف منه فی الخارج أو کان متصلا بشئ خارج لا یفسد لعدم استقراره'' (ردالمحتار ۲/۱۰۷) (مفتی محمد خالد حسین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۱۳۔ ''فأما فی قبلها فمفسد إجماعا'' کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں: ''بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بینهما وبینه، فهما فی حکمه، وهذا بخلاف قصبة الذکر، فإن المثانة لا منفذ لها علی قولهما...'' (شامی ۲/۱۳۸) (مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی)۔

۱۴۔ ''(أو أدخل قطنة) أو خرقة أو خشبة أوحجرا (فی دبره أو) أدخلته (فی فرجها الداخل و غیبّها) لأنه تمّ الدخول'' (مراقی الفلاح/۳۷۰) (مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

۱۵۔ ''لو أدخلت قطنة، إن غابت فسد، وإن بقی طرفها فی فرجها الخارج، لا'' (شامی ۲/۳۶۹) (مولانا اشتیاق احمد اعظمی وغیرہ)۔

فتاوی:

۱- مولانا رشید احمد لدھیانوی فرماتے ہیں: فرج میں خشک انگلی داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا...... البتہ انگلی گیلی ہو یا خشک انگلی فرج میں ڈال کر پوری یا کچھ حصہ باہر کھینچ کر پھر اندر کر دی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا (احسن الفتاوی ۴/۴۵۵) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری)۔

۲- ایک سوال کہ روزہ کی حالت میں عورت کو اپنی شرمگاہ میں ٹیوب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں: اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ فرج داخل میں دوا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اوپر کے مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرج داخل شروع ہوتا ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۴۸) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۳- عورتوں کی شرمگاہ میں کسی بھی قسم کی دوا ڈالنا مفسد صوم ہے (جدید فقہی مسائل ۱/۸۷) (مولانا راشد حسین ندوی)۔

۴- علامہ ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی عورت منع حمل کے مقصد سے مباشرت سے قبل اپنے اندام نہانی میں کوئی دوا رکھے اور غسل کے بعد بھی اس کا کوئی حصہ اس کے اندر باقی رہ جائے تو اس کے باوجود بھی نماز کی طرح اس کا روزہ رکھنا درست ہوگا؟

''فأجاب: أما صومها وصلاتها فصحیحة وإن کان ذلك الدواء فی جوفها الخ''

(فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۲۷۱) (مولانا سلطان احمد اصلاحی وغیرہ)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

مولانا خورشید انور اعظمی [1]

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سترہویں فقہی سمینار کے سنہرے موقع پر مجھ بے بضاعت وکم مایہ کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے کہ "مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل" کے تعلق سے عرض مسئلہ پیش کروں، اس موضوع پر ۵۶ مقالات موصول ہوئے، ماشاء اللہ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے موضوع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، اور بہت ہی محنت وجانفشانی اور تحقیق وتدقیق کے ساتھ مقالات مرتب کئے ہیں، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

مولانا فیاض احمد قاسمی، مولانا ابوالبقاء ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محمد ممتاز خان ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا رشید احمد مئوی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ابوذر قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد جعفر ملی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا عبداللہ خالد، مولانا شوکت ثناء، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا سلمان منصور پوری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی جمال الدین قاسمی، مولانا عبدالباری مفتاحی، مفتی محمد اکبر مظفر پوری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی، مولانا عامر ظفر مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مفتی مقصود احمد رامپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی جمیل اختر ندوی، مولانا منور سلطان ندوی، مولانا محمد عثمان، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبدالقادر عبداللہ قادری، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی نیاز احمد بنارسی، راقم سطور خورشید انور اعظمی۔

سوال:۱-امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال کیا جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس کا کیا حکم ہے، یہ مفسد صوم ہوگا یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مفتی انور علی اعظمی، مولانا غیاث الاسلام ندوی، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مولانا عبدالباری مفتاحی، مولانا ابوذر قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی نے اس طریقہ پر مذکورہ دوا کے استعمال کو مفسد صوم قرار دیا ہے۔

مفتی انور علی اعظمی کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں مریض دوا استعمال کرے اور بعد میں قضا کرے، فقہاء کے یہاں باہر سے داخل کی جانے والی اشیاء کا یہی حکم ہے، ایک صحت مند آدمی لعاب کو نہیں روک پاتا تو مریض کیسے روک سکتا ہے، جب کہ پیاس کے سبب اس کا تقاضا زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ صرف ایک مفروضہ ہے کہ دوا زبان کے نیچے رہے گی اور اس کے اجزاء اندر نہیں جائیں گے، آپ نے فتاوی عالمگیری کے اس جزئیہ سے استدلال کیا ہے:

"من عمل عمل الإبريسم فأدخل الإبريسم في فيه وخرجت منه خضرة الصبغ أو صفرته أو حمرته واختلط بالريق فصار الريق أخضر أو أصفر أو أحمر فابتلعه وهو ذاكر صومه فسد صومه" (عالمگیری ۱/۱۰۲)۔

مولانا غیاث الاسلام ندوی نے کہا: شریعت میں جہاں کہیں کسی بات کا قوی امکان پایا جاتا ہے اور عملاً اس بات کی تحقیق دشوار ہوتی ہے کہ وہ بات واقع ہوگی یا نہیں تو وہاں امکان کو واقع کا درجہ دیدیا جاتا ہے، امراض قلب سے متعلق دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تب بھی قوی امکان ہے کہ وہ حلق تک پہنچ جائے، اور عملاً اس بات کی تحقیق دشوار ہے کہ حلق تک دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء پہنچے یا نہیں، لہذا مفسد صوم ہے۔

تقریباً یہی بات مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی نے بھی کہی ہے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا ایک اصول بھی نقل کیا ہے:

"والأصل عند أبي حنيفة أن الشيء إذا غلب عليه وجوده يجعل كالموجود حقيقة وإن لم توجد كالحدث من

[1] صدر مدرس مدرسہ مظہر العلوم بنارس۔

النائم المضطجع لأنه غلب وجوده فجعل كالموجود وإن لم يوجد'' (تاسيس النظر/۵)۔

مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی اور مولانا عبد الباری مفتاحی صاحبان کے مستدلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اکل وشرب کا درجہ دیا ہے۔

مولانا ذکاء اللہ شبلی کی رائے ہے کہ اجزاء دوا لعاب کے ذریعہ حلق کے راستے سے اندر جاتے ہیں، اس لئے مفسد صوم ہیں۔

مولانا ابوذر قاسمی کا خیال ہے: دوا کا استعمال اس کے اثرات کو پہنچانے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کا عرق پہنچے گا جس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، نیز باہر سے جانے والی دوا عرف وعادت میں کھانے سے تعبیر ہوتی ہے اور اس کا مقصد اصلاح بدن ہوتا ہے۔

بقیہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال مفسد صوم نہیں ہے، لیکن بعض حضرات نے دوا کے مزہ کو حلق میں محسوس ہونے کو مفسد صوم مانا ہے، اور بعض حضرات نے اسے مفسد نہیں قرار دیا ہے، بیشتر حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، اور عذر کے سبب بلا کراہت درست ہے، چونکہ حلق میں دوا یا لعاب میں ملنے والے اجزاء کے چلے جانے کا احتمال ہے اس لئے حتی الامکان اس سے بچنا بہتر ہوگا، ان حضرات کے مستدلات حسب ذیل ہیں:

''عن رزين البكري قال: حدثتنا مولاة لنا يقال لها سلمى من بكر بن وائل أنها سمعت عائشة تقول: دخل عليّ رسول الله ﷺ فقال: يا عائشة! هل من كسرة؟ فأتيته بقرص فوضعه في فيه وقال: يا عائشة! هل دخل بطني منه شيئ؟ كذلك قبلة الصائم، إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (رواه أبويعلى الموصلي في مسنده وقفه عبد الرزاق في مصنفه على ابن مسعود) (نصب الرايه ۲/۳۰۶)۔

''إذا ذاق الصائم بلسانه شيئًا لم يدخل حلقه لم يفطر، لأن الفطر لوصول شئ إلى جوفه ولم يوجد والفم في حكم الظاهر'' (مبسوط ۳/۹۳)۔

''من ذاق شيئًا بفمه لم يفطر ويكره له ذلك لما فيه تعريض الصوم على الفساد'' (هدايه ۱/۲۰۰)۔

''في الدر المختار: كطعم أدوية ومص اهليلج وقال رد المحتار: بأن مضغها فدخل البصاق حلقه ولا يدخل من عينها في جوفه لا يفسد صومه كما في التاتارخانيه وغيره'' (رد المحتار ۲/۳۶۷)۔

''لأن الذوق بعذر لا يكره كما في الخانية فيمن كان زوجها سئ الخلق أو سيدها لا بأس بأن تذوق بلسانها'' (البحر الرائق ۲/۲۸۹)۔

''كره مضغه بلا عذر كالمرأة إذا وجدت من يمضغ الطعام لصبيها أما إذا لم تجد بدا منه فلا بأس بمضغها صيانة الولد'' (مراق الفلاح/۲۵۶)۔

''المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذي هو خلل البدن'' (فتح القدير ۲/۲۵۷)۔

راقم سطور کے خیال میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پیاس یا گرمی کے سبب حالت صوم میں اپنے سر پر پانی بہایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بحالت روزہ خارج سے تقویت حاصل کی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے بذل المجہود میں آپ کے اس فعل کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا ہے، وہ یہ کہ جب گرمی کی شدت سے افطار کا اندیشہ ہو، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر افطار کا اندیشہ ہو تو خارج سے مدد لی جاسکتی ہے۔ امراض قلب کے مریض کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ اگر بوقت ضرورت فوری طور پر یہ دوا استعمال نہ کرے تو قوی امکان ہے کہ اس کا مرض بڑھ جائے اور نتیجتاً اس کو روزہ توڑنا پڑے، اس لئے ایسا مریض اگر بحالت صوم زبان کے نیچے دوا دبا لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس میں روزہ اور روزہ دار دونوں کی حفاظت ملحوظ ہے۔

مولانا تھانوی نے بھی دانت کے درد کی دوا کو منہ میں رکھنے کو مفسد نہیں لکھا ہے، حتی کہ اندرون حلق نہ چلی جائے (امداد الفتاوی ۲/۱۳۷)۔

اسی طرح مولانا ظفر احمد تھانوی نے منہ میں تمباکو کے سفوف رکھنے کو مفسد نہیں مانا ہے (امداد الاحکام ۳/۸)۔

راقم سطور کی ناقص رائے ہے کہ روزہ کی حالت میں نشہ آور اشیاء کو منہ میں رکھنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ قضائے شہوت کے مسئلے کو اعذار کے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔

سوال نمبر: ۲- جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہو انہیں بعض اوقات انہیلر استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کی دوا- جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے- کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، گو یا جاتا تو حلق کے راستے ہی سے ہے، لیکن معدہ میں نہیں جاتا، بلکہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، کیا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبدالقیوم قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا شکیل انور، مفتی مقصود احمد رامپوری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ابوذر قاسمی نے روزہ کی حالت میں تنفس کے مریض کے لئے انہیلر کے استعمال کو درست قرار دیا ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ فساد صوم کے لئے کسی چیز کا جوف معدہ تک پہنچنا ضروری ہے، اور انہیلر کے ذریعہ دوا سانس کی نالی کے توسط سے پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، نہ کہ معدہ تک، اس لئے اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مولانا عبدالتواب اناوی لکھتے ہیں: مفطر صوم اصلاً دخول شئ فی جوف معدہ ہے، اور حلق میں کسی چیز کا پہنچ جانا علامۃ معدہ تک پہنچنا ہو ہی جاتا ہے، اس لئے کسی چیز کے حلق میں داخل ہونے کو مفطر صوم قرار دیا گیا ورنہ دخول حلق تنہا مفطر صوم نہیں ہے، لہذا انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہئے۔

مولانا عبداللہ خالد کا خیال ہے کہ دھواں اس وقت مفسد ہے جب کہ جوف معدہ یا دماغ میں داخل کیا جائے اور انہیلر کے ذریعہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، اس لئے مفسد صوم نہیں ہونا چاہئے، لیکن چونکہ عموماً فقہاء حلق کے اندر دھواں پہنچانے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں، اس لئے احتیاط یہی ہے کہ روزہ رکھ کر فدیہ دیدیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے کہا کہ اگر کوئی شخص بحالت روزہ سخت کہرے میں گھر سے باہر نکلے تو اس کی ہزار کوشش کے باوجود یہ کہرا اس کی ناک اور حلق سے اس کے پھیپھڑے اور پیٹ میں لگاتار داخل ہوگا، اس سے روزہ ٹوٹنے کی رائے کسی صورت نہیں دی جاسکتی۔

بقیہ مقالہ نگار حضرات نے انہیلر کے استعمال کو مفسد صوم قرار دیا ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

''(أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر) أي بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر بخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (رد المحتار ۳/۳۶۶)۔

''وإذا أكل متعمدًا ما يتغذى به أو يتداوى به يلزم به الكفارة، وهٰذا إذا كان مما يؤكل للغذاء أو للدواء'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۶)۔

''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (نصب الراية للزيلعي)۔

''وإذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۲)۔

''وكذا لو خرج البزاق من فمه ثم ابتلعه'' (الدر المختار ۳/۳۸۲)۔

مذکورہ دلائل کا حاصل یہ ہے کہ دوا حلق سے گذرنے کے بعد مفسد صوم ہو جائے گی، اور اس کو دھاگے اور کہرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اول میں استقرار نہیں ہے اور ثانی میں ادخال نہیں ہے، اسی طرح اس کو خوشبو پر بھی قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

''لا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله'' (رد المحتار ۳/۳۶۶)۔

سوال نمبر: ۳- بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، کیا اس طرح بھاپ لینا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مولانا سید باقر ارشد قاسمی کا خیال ہے کہ دوا لی جاسکتی ہے، بھاپ میں دوا کی تاثیر ہوتی ہے، وہ گیس کی صورت میں ناک اور منہ کے مسامات سے اندر پہنچتی ہے، براہ راست معدے یا دماغ میں نہیں پہنچتی، لہذا بھاپ غذا کے درجہ میں نہیں ہوگی، مولانا عبد التواب اناوی کی رائے ہے کہ یہ دوا کا اثر ہے نہ کہ دوا، بخلاف دھواں کے کہ اس میں دوا شامل ہے، اقبال احمد قاسمی کا خیال ہے کہ جب تک دوا منفذ سے نہ پہنچے فاسد نہ ہوگا، مفتی مقصود احمد رامپوری نے کہا: ابلتے پانی کے دھواں سے بھاپ لینا مفسد ہے، مگر مشین کی مدد سے دوا کا اثر لینا مفسد نہیں وہ بمنزلہ خوشبو کے ہے، مولانا سلطان احمد اصلاحی کی رائے ہے کہ اسے کہرے پر قیاس کیا جائے گا، بلا کراہت جائز ہے، یہی رائے مولانا ذکاء اللہ شبلی کی بھی ہے، ان حضرات کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگار حضرات نے اس طرح بھاپ لینے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، اور اسے ادخال دخان کے درجہ میں رکھا ہے اس لئے کہ اسے اندرون حلق اپنے اختیار سے کھینچا جاتا ہے، اور اس سے احتراز ممکن ہے۔

سوال نمبر:۴- موجودہ دور میں جسم کے اندر دواؤں کے پہنچانے کی ایک صورت انجکشن کی اختیار کی گئی ہے، جو جسم کے مختلف حصے میں لگائے جاسکتے ہیں، انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے، تاکہ خون کے ساتھ پورے جسم میں اس کی رسائی ہوجائے، پھر بعض انجکشن محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو جسم کی غذا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، پس انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا یا جسم کی غذائی ضرورت کو پورا کرنا مفسد صوم ہے یا نہیں، یا اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا ابوالبقاء ندوی اور مولانا ارشاد احمد اعظمی کا خیال ہے کہ اگر انجکشن رگ میں لگے تو مفسد صوم ہے، گوشت میں نہیں، اس وجہ سے کہ رگ میں دوا چند منٹوں میں تمام اجزاء میں پہنچ کر بدن میں استقرار کرتی ہے، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کی رائے ہے کہ بطور غذا انجکشن لگوانا مفسد صوم ہے، اس وجہ سے کہ وہ اکل وشرب کے حکم میں ہے، اکثر مقالہ نگار حضرات نے پیٹ میں براہ راست انجکشن لگانے کو مفسد صوم مانا ہے، جبکہ مولانا محمد حذیفہ کا خیال ہے کہ کتے کے انجکشن میں دوا، از روئے تحقیق ڈاکٹران، پیٹ میں نہیں بلکہ چمڑے کے نیچے پرت میں لگتی ہے لہذا مفسد صوم نہیں، بقیہ حضرات نے انجکشن کو علی الاطلاق مفسد صوم نہیں مانا ہے، اس وجہ سے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف معدہ ودماغ تک فطری منفذ سے نہیں پہنچتی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہے، جو مفسد صوم نہیں ہے:

''لودهن رأسه أو أعضائه فتشرب فيه أن لا يضره لأنه وصل إليه الأثر لا عينه'' (بدائع ۲/۹۳)۔

''للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر'' (رد المحتار ۲/۳۶۷)۔

''الداخل من المسام لا ينافي'' (ہدایہ ۱/۱۹۷)۔

یہ دوا صرف رگ میں گردش کرتی ہے یا گوشت میں تحلیل ہوجاتی ہے، براہ راست معدہ تک نہیں پہنچتی اس لئے دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہوگا، نیز اصولی طور پر فساد صوم کی مقررہ علتیں انجکشن میں مفقود ہونے کے سبب انجکشن سے -خواہ دواء ہو یا غذاء- روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ بلاضرورت شدیدہ اس طرح کا انجکشن لگوانا مکروہ اور خلاف اولی ہوگا۔

سوال نمبر:۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھایا جاتا ہے، یہ چونکہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے، اس لئے اس سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، روزہ کی حالت میں اس طرح گلوکوز کا استعمال درست ہوگا؟ جبکہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا، لیکن اس کی وجہ سے ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت بھی انسان کے اندر متحقق نہیں ہوتی۔

اس سوال کے جواب میں مولانا ابوالبقاء ندوی کا خیال ہے کہ روزہ کی حالت میں گلوکوز کا استعمال درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس میں مصلح بدن کا استقرار فی البدن ہے، نیز مقصد صوم کے منافی ہے، مولانا ارشاد احمد اعظمی کا خیال ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا، اس وجہ سے کہ یہ گلوکوز صورۃً نہ سہی معنیً اکل وشرب کے درجہ میں ہے، مولانا غیاث الاسلام ندوی کا خیال ہے کہ انجکشن سے غذا کی ضرورت پوری کرنا اور گلوکوز سے غذا اور قوت حاصل کرنا مفسد صوم ہے، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی اور مولانا منور سلطان ندوی کی رائے ہے کہ گلوکوز بطور دوا مفسد نہیں ہے، بلاعذر مفسد ہے، اس وجہ سے کہ یہ اکل وشرب کے حکم میں ہے۔

بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ گلوکوز کا استعمال مفسد صوم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ گلوکوز جسم کے اندر فطری منفذ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے پہنچایا

جاتا ہے، جو مفطر صوم نہیں ہے۔

''المفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (رد المحتار ۲/۳۶۷)۔

''المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذى هو خلل البدن'' (فتح القدیر ۲/۲۵۷)۔

''ما يدخل من مسامات البدن من الدهن لا يفطر'' (ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی نے لکھا ہے کہ ایک امریکہ کے پڑھے ہوئے ڈاکٹر سے مراجعت سے معلوم ہوا کہ یہ معدہ تک نہیں پہنچتا، رگوں میں رہتا ہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ گلوکوز مفسد صوم نہیں ہوگا۔ البتہ ضرورت شدیدہ کے بغیر بلاعذر گلوکوز کے استعمال کو بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مکروہ، غیر اولی، خلاف احتیاط، منافی مقصد صوم قرار دیا ہے، اور اس سے احتیاط کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

''وإذا احتقن يفسد صومه'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۳۶۵)۔

سوال نمبر:۶- بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں، یہ صورتیں روزہ کے لئے مفسد ہوں گی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر آدمی کے پیچھے کے راستے میں سیال یا غیر سیال دوا داخل کی جائے اور موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

''والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر الحقنة'' (فتح القدیر ۲/۳۶۶)۔

صرف مولانا سلطان احمد اصلاحی کی رائے ہے کہ پیچھے کے راستے میں دوا استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، فی الواقع آپ کی یہ رائے لفظ احلیل کے معنی کی غلط تعیین پر مبنی ہے، لکھتے ہیں: طرفین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے میں اگر پیچھے کے راستے میں کوئی دوا ٹپکائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''وإن أقطر فى إحليله لم يفطر عند أبى حنيفة ومحمد''۔

بواسیری مسوں پر مرہم کے سلسلے میں مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا شعیب اللہ خان، مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی اور مولانا سلمان منصور پوری کی رائے ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا، ان حضرات کا خیال ہے کہ بواسیری مسے اس درجہ اندر ہوتے ہیں کہ ان پر لگنے والی دوا یا مرہم موضع حقنہ تک پہنچ جائے گا جو مفسد صوم ہے، مولانا سلمان منصور پوری لکھتے ہیں: خارج دبر سے موضع حقنہ کا فاصلہ تقریباً پانچ انچ ہے، لہذا بواسیر کے اندرونی مسوں پر دوا لگانے سے روزہ یقیناً ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اس دوا یا مرہم کا موضع حقنہ تک پہنچنا تقریباً یقینی ہے۔ مولانا ارشاد احمد اعظمی کا خیال ہے کہ وہ جگہ ایسی ہے جہاں سے اندر جذب کی قوت پائی جاتی ہے، اور بواسیر کے مرہم کی ٹیوب خاص طور پر اس انداز سے بنائی جاتی ہے کہ اس کا معتدبہ حصہ آسانی سے اندر چلا جاتا ہے اور اس کے اطراف سے مرہم نکل کر پھیل جاتا ہے۔

بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں، اور ان پر لگنے والی دوا یا مرہم موضع حقنہ تک نہیں پہنچ پاتا اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جب کہ مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/ ۴۱۱)، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (حاشیہ امداد الفتاوی ۲/ ۱۵) اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی (احسن الفتاوی ۴/ ۴۴۰) کی یہی تحقیق ہے، نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مسوں پر دوا لگانے سے روزہ کے ٹوٹ جانے کے قائل تھے، لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

پیچھے کے راستے میں اگر کوئی آلہ داخل کیا جائے اور اس کا ایک سرا باہر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس میں دوا یا کوئی ترشی لگادی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، دخول آلہ کے سبب نہیں بلکہ اس دوا یا ترشی کے سبب جو اندر داخل ہوئی، اور اگر آلہ اندر چلا جائے اور اس کا باہر سے کوئی تعلق باقی نہ ہو تو استقرار فی الجوف کے سبب روزہ فاسد ہوجائے گا۔

تمام مقالہ نگار حضرات کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔

سوال نمبر: ۷- آگے کی راہ سے بھی بعض اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض امراض میں خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یہ صورتیں ناقص صوم ہیں یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مولانا سید باقر ارشد صاحب قاسمی کا خیال ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں سیال وجامد دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، مولانا نے اپنے مدعا پر کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے، ان کے علاوہ بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں اگر سیال دوا عورت کی شرمگاہ میں ڈالی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اگر جامد دوا ڈالی جائے تو مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، مولانا نے ''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد فإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' سے استدلال کیا ہے، جب کہ اس میں عدم فساد عدم غیبوبت کا سبب ہے نہ کہ ادخال قطنہ کا سبب۔ اور بقیہ مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ اگر جامد دوا فرج داخل میں غائب ہوجائے اور اس کا تعلق باہر سے باقی نہ رہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، مولانا راشد حسین ندوی کا خیال ہے کہ اگر یقین ہو کہ فرج خارج میں لگائی گئی دوا فرج داخل میں پہنچ گئی ہے تب بھی روزہ فاسد ہوجائے گا، مولانا عبداللہ خالد شرمگاہ میں دوا داخل کرنے کو مفسد مانتے ہیں مگر اس حکم کو طبی تحقیق پر موقوف رکھتے ہیں۔

ان حضرات کے مستدلات مندرجہ ذیل اور اس طرح کی دیگر جزئیات فقہیہ ہیں:

''الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد فإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (درمختار ۲/۳۶۹)۔

''إن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

مرد کے آگے کے راستے سے دوا وغیرہ پہنچانے کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ دوا ابھی قصبۂ ذکر ہی میں ہے تو روزہ بالاتفاق فاسد نہیں ہوگا، اور اگر مثانہ تک پہنچ گئی ہے تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے، حضرات طرفین کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہوجائے گا، اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ مسئلہ طب سے متعلق ہے اس لئے علامہ شامی نے زیلعی کے حوالے سے اطباء کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے دونوں کے درمیان منفذ نہیں مانا، اور طرفین کے قول کو راجح قرار دیا اور کہا کہ درحقیقت یہ اختلاف ہی نہیں ہے، لکھتے ہیں:

''والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كما يقول الأطباء'' (زیلعی، رد المحتار ۲/۳۷۲)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے قول راجح کو اختیار کیا ہے، اور مرد کے مثانہ تک دوا پہنچانے، نلکی ڈالنے یا کسی اور چیز کے داخل کرنے کو مفسد صوم نہیں مانا ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی کا خیال ہے کہ اگر نلکی تر ہو تو مفسد صوم ہے لبقاء البلة في الجوف، یہی خیال مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی اور مولانا محمد جعفر ملی، مولانا جمیل اختر ندوی کا بھی ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب قاسمی نے مثانہ تک نلکی پہنچانے کو علی الاطلاق مفسد صوم قرار دیا ہے، اور بہت سے حضرات نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ اگر نلکی کا سرا باہر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور عورت کے مثانہ میں دوا یا نلکی ڈالنے کے سلسلے میں مولانا سید باقر ارشد قاسمی اور مولانا ابو البقاء ندوی کا خیال ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، مولانا راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ صرف نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کے ساتھ دوا لگادی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، انہوں نے کہا: مرد وعورت دونوں کے مجری البول کا حکم ایک جیسا ہونا چاہئے، بشرطیکہ طبی طور پر دونوں میں یکسانیت کی تصدیق ہوجائے، مولانا ارشاد احمد اعظمی کا خیال ہے کہ مرد وعورت دونوں کا روزہ ٹوٹ جانا چاہئے، کیونکہ مثانہ تک دوا پہنچ جانے کے بعد مرد وعورت میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، گردوں سے مثانہ تک پیشاب جانے کے راستے دونوں کے ایک جیسے ہیں، مولانا محمد حذیفہ نے کہا کہ جدید طبی تحقیق کی بنا پر منفذ نہیں ہے اس وجہ سے دونوں کا روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے، مولانا محمد عثمان جونپوری کا خیال ہے کہ عورت ومرد کے مثانہ میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ عورت کے مثانہ میں نلکی یا دوا پہنچانے کے وقت دوا کے اجزاء اگر فرج داخل میں چلے جائیں تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اکثر مقالہ نگار حضرات نے عورت کے آگے کے راستے میں خشک نلکی ڈالنے کو مفسد صوم نہیں کہا ہے، بشرطیکہ اس کا ایک سرا باہر ہو، لیکن دوا یا دوا کے ساتھ نلکی ڈالی گئی تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

''أما في الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا: إنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (بدائع ۲/۲۴۱)۔

''أما فی قبلها فمفسد إجماعًا لأنه كالحقنة'' (درمختار ۲/۳۷۲)۔

''وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلاخلاف وهو الصحيح'' (عالمگیری ۱/۱۰۴)۔

''الإقطار فی قبل المرأة یفسد الصوم بلا خلاف علی الصحيح'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

یہ مسئلہ طب سے ضرور متعلق ہے تاہم عبارات فقہاء سے واضح ہوتا ہے کہ مرد وعورت کے درمیان زیر بحث مسئلے میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے، اور ان حضرات نے بھی اپنے وقت کے اطباء سے مراجعت کے بعد ہی یہ رائے قائم کی ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی کی فیصلہ کن رائے سے ظاہر ہے، پھر بھی تحقیق کا دروازہ بہر حال وا ہے۔

عورت کے رحم میں آلات داخل کرنے کے سلسلہ میں مولانا سید باقر ارشد قاسمی کا خیال ہے کہ آلات رحم میں پہنچائے جاسکتے ہیں، یہ علاج کے قبیل سے ہے اور علاج بحالت صوم ممنوع نہیں ہے، مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا سلطان احمد اصلاحی کا خیال ہے کہ اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، مولانا سلطان احمد اصلاحی نے علامہ ابن تیمیہ کے فتوی سے استدلال کیا ہے جس میں رحم میں دوا پڑی رہنے کے باوجود روزہ کو درست قرار دیا ہے، جبکہ زیر بحث مسئلے میں بحالت صوم رحم میں آلہ پہنچانے کی بات ہے، مولانا ابوالبقاء ندوی نے ''إذا أدخل عودًا ونحوه فی مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد'' (ردالمحتار ۳/۳۶۹) اور ''إذا أدخل الطبيب آلة طبية جافة إلى جوف الصائم ثم أخرجها لا يفطر الصائم'' (الفقه الحنفی ۱/۴۱۲) سے استدلال کیا ہے، مذکورہ دلائل میں غیبوبت عود، اور آلہ غیر جافہ کا لحاظ نہ کرنے کے سبب مطلقاً عدم فساد کا حکم لگایا گیا ہے۔

بقیہ مقالہ نگار حضرات نے تفصیل کی ہے کہ اگر امراض کی تحقیق کے لئے کوئی خشک آلہ اندرون رحم داخل کیا گیا اور اس کا ایک سرا باہر ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ استقرار فی الجوف نہیں پایا گیا، اور اگر وہ کسی دوا وغیرہ سے تر کر کے اندر داخل کیا گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل اور اس طرح کی دوسری عبارات فقہاء ہیں، جن سے اس مسئلے میں بھر پور رہنمائی ملتی ہے:

''وكذا لو أدخل إصبعه فی إسته أو أدخلت المرأة فی فرجها لا يفسد هو المختار إلا إذا كانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

''إن الصائم إذا أدخل خشبة فی المقعد لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة'' (بدائع ۲/۲۴۴)۔

''وإذا أدخلت المرأة القطنة فی قبلها إذا انتهت إلى الفرج الداخل هو رحمها انتقض صومها، وفی فتاوى الخلاصة: هذا إذا أدخلت القطنة بالكلية فإن كان طرفها فی الفرج الخارج لا يفسد كما فی الحيطة'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/۳۷۰)۔

هذا ما عندی، والله أعلم بالصواب

☆☆☆

تفصیلی مقالات:

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

مولانا راشد حسین ندوی[1]

صوم کے لغوی واصطلاحی معنی:

روزہ کو عربی میں صوم کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنی: الامساک یعنی روک دینے کے ہیں (المعجم الوسیط، القاموس المحیط)۔

اور فقہی اصطلاح میں علامہ تمرتاشی اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الإمساك عن المفطرات حقيقة أوحكما في وقت مخصوص من شخص مخصوص مع النية'' (حاشیہ ردالمحتار ۲/۸۸)

(یعنی نیت کے ساتھ مخصوص شخص کا وقت مخصوص میں مفطرات سے حقیقۃً یا حکماً امساک کرنا)۔

جبکہ صاحب فتح القدیر نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

''وفي الشرع إمساك عن الجماع وعن إدخال شيء بطنا لوحكم البطن من الفجر إلى الغروب مع النية''

(فتح القدير ۲/۲۳۴)۔

(شرع میں جماع نیز کسی چیز کو اس بطن میں داخل کرنے سے جس کو بطن کا حکم حاصل ہے، نیت کے ساتھ فجر تا غروب امساک کرنا ہے)۔

رہا یہ سوال کہ بطن کے حکم میں کونسی چیزیں داخل ہیں، اسکی تفصیل علامہ کاسانی نے ان الفاظ سے کی ہے:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أواحتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

(منافذ اصلیہ جیسے ناک، کان اور پچھلی شرمگاہ سے جو کچھ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے، بایں طور کہ ناک سے دوا ڈالے یا حقنہ لگائے یا کان میں دوا ٹپکائے اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ صرف کھانا پینا ہی مفطر صوم نہیں ہے بلکہ کسی منفذ اصلی کے ذریعہ جوف یا دماغ تک دوا یا غذا کا پہنچ جانا بھی مفسد صوم ہے۔

اب یہ سوال کہ وہ مخارق اصلیہ کون سے ہیں جن میں داخل ہونے کے بعد کوئی چیز جوف یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے، فقہاء نے ان کی تحدید کی ہے لیکن اس بحث کو ان حضرات نے طب کے باب سے مربوط قرار دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تشریح ابدان کی کوئی اور تفصیل ثابت ہو جائے تو اس میں تبدیلی ممکن ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ مثانہ سے متعلق ہمارے ائمہ کا اختلاف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وهذا ليس من باب الفقه'' (هدايه مع الفتح ۲/۲۶۷) ۔ (اس اختلاف کا تعلق فقہ کے باب سے نہیں ہے)۔

صاحب الفتح فرماتے ہیں: ''وهذا اتفاق منهم على إناطة الفساد بالوصول إلى الجوف، ويفيد أنه إذا علم أنه لم يصل بعد، بل هو في قصبة الذكر لايفسد، وبه صرح غير واحد'' (فتح القدير ۲/۲۶۸)۔

(اور یہ ان کی طرف سے اس پر اتفاق ہے کہ فساد جوف تک پہنچ جانے سے متعلق ہے، اور اس کا فائدہ دے رہا ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ

[1] مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

ابھی تک نہیں پہنچا ہے بلکہ شرمگاہ کی نالی میں ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس کی صراحت متعدد حضرات نے کی ہے)۔

اس تمہید کے بعد ہم اصل سوالات کے جوابات کی طرف رخ کرتے ہیں:

۱- زبان کے نیچے دوا رکھنے کا حکم:

فقہاء نے بلاعذر کسی چیز کو منہ میں رکھنے اور چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی عذر سے ایسا کرے تو کراہت نہیں ہوگی لیکن اگر کوئی ایسی چیز منہ میں رکھی اور چبائی جس کا حلق کے نیچے اتر جانا ظن غالب کے درجہ میں ہے تو یقیناً فقہاء نے اسے مفسد صوم قرار دیا ہے، صاحب الدر المختار لکھتے ہیں:

''وكره له ذوق شيء وكذا مضغه بلا عذر قيد فيما قاله العيني ككون زوجها أو سيدها سيء الخلق فذاقت (إلى أن قال) وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم (قوله أبيض) قيده بذلك لأن الأسود وغير الممضوغ وغير الملتئم يصل منه شيء إلى الجوف، وأطلق محمد المسئلة وحملها الكمال تبعا للمتأخرين على ذلك قال: للقطع بأنه معلل بعدم الوصول، فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن'' (شامی ۲/۱۲۲، فتح القدیر ۲/۲۶۸)۔

(روزہ دار کے لیے بلاعذر کسی چیز کا چکھنا اسی طرح اس کا چبانا مکروہ ہے......، جیسے اس کا شوہر یا آقا درشت خو تھا لہذا اس نے چکھ لیا ہو (آگے فرماتے ہیں) سفید ممضوغ اور ملی ہوئی گوندھ کا چبانا مکروہ ہے، (قولہ ابیض) یہ قید اس لئے لگائی کہ غیر ممضوغ اور غیر ملتئم کالی گوندھ کا کچھ (حصہ) جوف تک پہنچ جاتا ہے، امام محمد نے مسئلہ کو مطلق بیان کیا تھا، اور ابن الہمام نے متاخرین کی تقلید کرتے ہوئے اس کو اس پر محمول کیا ہے، فرمایا: اس لئے کہ قطعی بات ہے کہ یہ معلل ہے عدم وصول سے، لہذا اگر ان چیزوں میں سے ہو جو عادۃً پہنچ جاتی ہیں تو فساد کا حکم لگایا جائے گا، اس لئے کہ یہ مثل متیقن کے ہے)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ:

۱- منہ میں اگر کوئی چیز رکھ لی جائے، تو اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا حلق کے نیچے اتر جانا یقینی یا ظن غالب ہے جیسے مذکورہ بالا گوند تو روزہ ٹوٹ جائے گا، غالباً اسی وجہ سے ہمارے علماء نے پان، تمباکو وغیرہ حلق سے نیچے اتارے بغیر بھی چبانے کو ناقض قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کے اثرات واضح طور پر حلق کے نیچے جاتے ہیں، اور تمباکو کی طلب پوری ہوجاتی ہے۔

۲- اگر حلق کے نیچے اترنے کا گمان نہ ہو تو صرف منہ میں رکھ لینا ناقض صوم نہیں ہے، لیکن بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۳- شوہر بداخلاق اور سخت مزاج ہو تو اس کی بیوی کے لئے نمک وغیرہ کا پتہ لگانے کے لئے چکھنے کو فقہاء نے عذر میں سے قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے ہم آسانی کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ دوا کا منہ میں رکھنا اس سے بھی بڑی ضرورت ہے، اور سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ دوا حلق کے نیچے تو نہیں اترتی؟ اگر احتیاط کے باوجود مخصوص گوند کی طرح دوا کے ذرات حلق کے نیچے اتر جاتے ہوں تو اس کے منہ میں رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور زبان کے نیچے رکھنے کے بعد افاقہ ہوجانے سے لگتا ہے کہ بظاہر یہی بات ہے، لیکن ایک ماہر ڈاکٹر اور مفتی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گولی علک اسود کے بجائے علک ابیض نیز ان عام چیزوں کے قبیل سے ہے جو از خود حلق کے نیچے نہیں اترتی ہیں، چنانچہ مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب M.B.B.S لکھتے ہیں: انجائنا کے مریض اگر روزہ کی حالت میں Angised گولی زبان کے نیچے رکھ لیں، اور اس کا خیال رکھیں کہ لعاب حلق کے نیچے اترنے نہ پائے، تو منہ کی اندرونی تہہ سے اس کے جذب ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر لعاب حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لہذا احتیاط بہتر ہے (مریض ومعالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۴)۔

اور عصر حاضر کے مشہور محقق مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اس گولی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: بوقت ضرورت شدیدہ جائز ہے، اور بلاضرورت مکروہ ہے (نیز دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/ ۱۳۷)۔

خلاصہ بحث:

ان محققین کی تحقیق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے اس گولی کا استعمال نہ کرے، لیکن اسکے استعمال سے روزہ اسی وقت فاسد ہوگا

جب دوا ملا ہوا لعاب حلق کے نیچے اتر جائے، صرف گولی رکھنا مفسد صوم نہیں ہوگا۔

۲- انہیلر کے استعمال کا حکم:

جن لوگوں کو تنفس اور دمہ وغیرہ کی شکایت ہوتی ہے، ان کو انہیلر Inhaler کے ذریعہ دوا کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اس کے ذریعہ جیسا کہ سوالنامہ میں بیان کیا گیا ہے، سفوف کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، راقم کے نزدیک اس طریقہ علاج کے ذریعہ دوا کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مخارق اصلیہ کے ذریعہ کوئی چیز جوف میں پہنچائی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا ہے، اور اس میں بہر حال دوا کا خواہ معمولی حصہ ہی کیوں نہ ہو حلق کے نیچے اتارا جاتا ہے۔

۲- گولی تل کی مقدار میں کوئی چیز نگل لی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر اس مقدار کو منہ میں چلاتا رہے یہاں تک کہ وہ لاشی کی طرح ہوجائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، الا یہ کہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ چلا جائے گا۔

''وإذا ابتلع سمسة بين أسنانه لايفسد صومه لأنه قليل. وإن ابتلع من الخارج يفسد (إلى أن قال) وإن مضغها لايفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه وهذا أحسن جدا'' (ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

معلوم ہوا کہ معمولی مقدار بھی اگر حلق کے نیچے اتر جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور انہیلر کے استعمال میں بہر حال معمولی مقدار ہی سہی حلق کے نیچے جانا یقینی ہے۔

۳- دھویں کو منہ یا ناک سے کھینچ کر حلق کے نیچے کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

''(قوله انه لو أدخل حلقه الدخان) أي بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (شامی ۲/۱۰۶)۔

انہیلر کے ذریعہ دھوئیں سے بھی زیادہ کثیف شئی کا حلق کے نیچے ادخال ہے۔

۴- اوپر شامی اور فتح القدیر کے حوالہ سے آیا ہے کہ گوند کی ایسی قسم کا چبانا جس کا حلق کے نیچے اتر جانا عادۃً عام ہے مفسد ہے (دیکھئے: شامی ۲/۱۲۲، فتح القدیر ۲/۲۶۸)، اور انہیلر میں تو قصداً اس کو حلق کے نیچے اتارا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جزئیات فقہیہ سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ منافذ اصلیہ سے جب کسی چیز کا ادخال کیا جا رہا ہو تو محض ادخال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، لہٰذا انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

۳- بھاپ کی شکل میں دوا کا استعمال:

سوال نمبر ۲ کے جواب میں شامی کی عبارت گزر چکی ہے کہ دھواں اور بھاپ قصداً منہ یا ناک کے ذریعہ اندر پہنچائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بھاپ خواہ کسی آلہ کی مدد سے اندر پہنچائے یا سادہ طریقہ سے دونوں حالتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان، ولو عودا أوعنبرا، لإمكان التحرز عنه (شامی ۲/۱۰۶)

اور ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دونوں سوالوں سے متعلق لکھتے ہیں:

۴- عنبر وعود کا دھواں قصداً اپنے منہ کے اندر لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۵- کسی دوا مثلاً (Tinct benzoico) کی بھاپ لینے اور تنگی تنفس میں Inhaler کے استعمال کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح Menthol وغیرہ سونگھنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے (مریض ومعالج کے اسلامی احکام/ ۱۰۲)۔

۴- روزہ کی حالت میں انجکشن کا حکم:

بعض انجکشن رگوں میں لگائے جاتے ہیں، اور فوری طور پر ان کے اثرات پورے بدن میں محسوس ہوتے ہیں جبکہ بعض مختلف حالات میں مختلف مقامات پر گوشت میں لگائے جاتے ہیں، پھر بعض سے دوا پہنچائی جاتی ہے اور بعض سے غذا - انجکشن کے ذریعہ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، اس سوال کا جواب علماء پہلے ہی دے چکے ہیں، اور اس کے بارے میں میرے علم کی حد تک دو رائیں پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے: بعض علماء کے نزدیک انجکشن جب رگ میں لگایا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، دوسرے انجکشنوں سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ مولانا مجیب اللہ ندویؒ صاحب نے اپنی کتاب اسلامی فقہ، میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱- صاحب ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی رائے نقل کی ہے: ''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر والذى يصل هو الرطب '' (۲۰۰/۱)، اس پر طویل بحث کرتے ہوئے مولانا مرحوم فرماتے ہیں: لیکن اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ فم وفرج کے علاوہ بھی کسی اور ذریعہ سے دوا یا غذا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا گمان غالب ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، (آگے فرماتے ہیں) اس جزئیہ کی روشنی میں آپ انجکشن کے مسئلہ میں غور کریں، تو یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا کا دماغ یا معدہ تک پہنچنا ایک مسلمہ امر ہے (اسلامی فقہ ۱/ ۳۹۴)۔

۲- اس لئے کہ اگر ناک، کان اور سرین کے ذریعہ جس طرح دوا یا تیل وغیرہ کا اثر پہنچتا ہے، اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے (ایضاً ۱/ ۳۹۵)۔

۳- ظاہر ہے کہ نسیں پورے جسم اور دماغ ومعدہ سب کے لئے نہ صرف منفذ ہیں، بلکہ براہ راست ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے، اس لئے جو دوا انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے، وہ اپنی اصلی حالت میں معدہ اور دماغ تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتی ہے، اور اس وجہ سے اس کا اثر بھی جلدی ہوتا ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ انجکشن خواہ کسی بھی قسم کا ہو، خواہ اس سے دوا داخل کی جائے یا غذا، اس کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جمہور علماء ہند اسی کے قائل ہیں (دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۵، اور جواہر الفقہ (۴/ ۷۶) پر مفتی شفیع صاحب کا فتوی مصدقہ حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت میاں صاحب اصغر حسین دیوبندی، نیز احسن الفتاوی ۴/ ۴۲۲، درس ترمذی ۲/ ۶۲۶ تا ۶۲۸، فتاوی امارت شرعیہ ۳/ ۱۶۷، فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۱۶۹، کفایت المفتی ۴/ ۲۳۹، جدید فقہی مسائل ۱۳۸۷، منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۱۲۳، ۲/ ۱۲۵)۔

مفتی شفیع صاحبؒ اس رائے پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے، اور خون کے ساتھ شرائین، یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے (جواہر الفقہ ۴/ ۷۶)۔

پھر اس کے لئے کئی فقہی جزئیات سے استدلال کیا ہے:

۱- فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں قرار دیا، بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا جوف دماغ یا جوف بدن کے اندر پہنچتی ہے، ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسرے قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے (ایضاً)۔

۲- مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ دوا اگر مثانہ تک پہنچ جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، طرفین کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا، اس کی وجہ فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ پیشاب کی نالی میں دوا وغیرہ ڈالی جائے تو جوف بدن میں نہیں پہنچتی، جبکہ مثانہ سے جوف بدن کے درمیان امام ابو یوسف کی تحقیق میں دوا پہنچ جاتی ہے، جبکہ طرفین کے نزدیک نہیں پہنچتی ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ اس اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجوف منفذا، ولهذا يخرج منه البول. ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه، وهذا ليس من باب الفقه''۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: اگر مطلق جوف بدن میں کسی شئے کا پہنچنا مفسد ہوتا، تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے، اور مثانہ بدرجہ اولی جوف ہے، کان اور حلق بھی جوف ہے، ان میں پہنچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں، بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن مراد ہیں (جواہر الفقہ ۴/ ۷۷)۔

پھر کئی کتابوں کے حوالہ کے ساتھ بدائع کی یہ عبارت نقل کی ہے:

''وما وصل إلى الجوف (إلى أن قال) أما إذا وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية. بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس، لايفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ. ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

قائلین فساد کے دلائل پر ایک نظر:

فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے جمہور کے دلائل راجح معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ:

۱- مولانا مجیب اللہ ندویؒ صاحب نے اپنی پہلی دلیل میں فرمایا ہے کہ جس طرح جائفہ اور آمہ میں دماغ اور معدہ میں دوا پہنچ جاتی ہے، اسی طرح انجکشن کے ذریعہ دماغ یا جوف میں دوا یا غذا کا پہنچنا ایک مسلمہ امر ہے، جبکہ ہمارے علم کے مطابق رگوں کے ذریعہ دوا کا اثر پہنچتا ہے اصل دوا کا پہنچنا مسلمہ امر نہیں ہے، بلکہ مفتی شفیع صاحبؒ نے ڈاکٹروں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔

۲- دوسری دلیل کے طور پر ناک کان وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے، جبکہ ان چیزوں پر انجکشن کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ کان ناک وغیرہ مخارق اصلیہ ہیں، اور انجکشن کے ذریعہ جو دوا پہنچائی جائے گی، ظاہر ہے وہ مخارق غیر اصلیہ کے ذریعہ پہنچائی جائے گی، اور بدائع کی صریح عبارت گزر چکی ہے کہ دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

۳- جہاں تک تیسری دلیل کا تعلق ہے تو اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ انجکشن کے ذریعہ اصل دوا معدہ یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے تو سارا اختلاف ہی ختم ہوجائے لیکن دوسرا فریق یہ مانتا ہے کہ اصل دوا نہیں بلکہ اس کا اثر پہنچتا ہے، اور بظاہر انہی حضرات کی بات راجح معلوم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور اس کے قائل ہوئے اور بعض محقق ڈاکٹروں نے ان کی تائید کی، چنانچہ ایک M.B.B.S ڈاکٹر جو ماشاء اللہ مفتی بھی ہیں، یعنی ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب فرماتے ہیں: کسی بھی قسم کا ٹیکہ، خواہ وہ عضلاتی ہو یا وریدی ہو، لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہاں تک کہ اگر کسی طبی ضرورت سے گلوکوز کی بوتل بھی چڑھائی جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا محض روزہ کی مشقت کم کرنے کیلئے Drip لگوانا مکروہ ہے، پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح خون چڑھانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا (مریض ومعالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۴)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ انجکشن سے قوت ونشاط حاصل ہوتی ہے، جو روزہ کے منافی ہے، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: مطلق قوت یا نشاط روزہ کے منافی نہیں ہے بلکہ وہ قوت منافی صوم ہے جو مخارق اصلیہ کے ذریعہ کوئی چیز جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچا کر حاصل کی جائے، اس کے سوا کسی اور عمل سے اگر قوت آئے یا نشاط پیدا ہو یا پیاس مٹے، تو مفسد صوم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ روزہ میں غسل کی اجازت ہے، حالانکہ غسل کے ذریعہ مسامات سے پانی اندر پہنچتا ہے، اور پیاس میں کمی ہوتی ہے (پھر فرمایا) اسی طرح روزہ کی حالت میں کسی ٹھنڈے مقام پر چلے جانا مفسد نہیں، حالانکہ اس سے بھی پیاس مٹتی ہے، یہی معاملہ انجکشن کا ہے (ہدایہ مع الفتح ۲/ ۲۶۶)۔

اگر انجکشن پیٹ یا دماغ میں لگایا جائے:

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ انجکشن چاہے جس قسم کا ہو اس کو لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ علماء نے جو اصول اور جزئیات تحریر فرمائی ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی انجکشن براہ راست پیٹ یا دماغ میں اس طرح لگایا جائے کہ دوا براہ راست جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کے لئے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ''لو داوی جائفة أو آمة بدواء فوصل إلی جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة والذی يصل هو الرطب وقالا لا يفطر لعدم التيقن بالوصول... الخ'' (ہدایہ مع الفتح ۲/۲۶۶)۔

اور جائفہ اور آمہ زخم میں دوا ڈالی جانے والی دوا کے مقابلہ میں انجکشن اگر براہ راست پیٹ یا دماغ میں لگایا گیا ہو تو دوا کا اندر پہنچنا زیادہ یقینی ہے۔

۲۔ ''ولو طعن برمح، أو أصابه سهم، وبقی فی جوفه فسد، وإن بقی طرفه خارجا لا يفسد. كذا فی التبيين'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)

نیزہ کے پھل اور تیر سے اصلاح بدن کے بجائے افساد بدن ہے، اس کے باوجود ان سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم لگایا گیا ہے، تو اگر براہ راست ان مقامات پر انجکشن لگایا جائے تب تو بدرجہ اولی روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اس میں تو اصلاح بدن بھی ہے، اسی لئے مفتی نظام الدین صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے غذا یا دوا بعینہ قعر معدہ میں پہنچائی جائے جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن (منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۱۳۳)۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ یہ کہ انجکشن خواہ کسی بھی قسم کا ہو اگر براہ راست جوف بدن یا جوف دماغ میں نہ لگایا جائے تو مفسد صوم نہیں ہے، لیکن چونکہ علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے لہذا احتیاطاً ضرورت شدیدہ کے بغیر روزہ کی حالت میں دن میں نہ لگوانا چاہیے۔

۵- گلوکوز کا حکم:

گلوکوز کی ڈرپ اپنے عمل میں رگوں میں لگائے جانے والے انجکشن سے مختلف نہیں ہے، لہذا اس کا وہی حکم ہوگا جو سوال نمبر ۴ کے تحت انجکشن کے بارے میں گزر چکا ہے، یعنی اس کے چڑھوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن احتیاطاً دن میں نہ چڑھوائے، نیز اگر صرف نشاط حاصل کرنے اور تقویت کے لئے چڑھوائے گا تو مکروہ ہوگا۔

۶- پیچھے کے راستہ سے دوا پہنچانے کا حکم:

پیچھے سے دوائیں اندر پہنچانا مفسد صوم ہے، اس پر دلالت کرنے والی عبارتیں تمام کتابوں میں موجود ہیں، مثلاً بدائع میں ہے:

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

(اور جو چیز جوف یا دماغ تک مخارق اصلیہ جیسے ناک کان اور دبر سے پہنچ جائے اس طور پر کہ ناک سے دوا اندر لے جائے، یا حقنہ استعمال کرے یا کان میں دوا ٹپکائے اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دوا یا کوئی بھی چیز موضع حقنہ تک پہنچ جائے، چنانچہ علامہ شامی فتح القدیر کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

''والحد الذی يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

(اور وہ حد جس تک پہنچ جانے سے فساد متعلق ہو جائے گا آلہ حقنہ کی مقدار ہے)۔

اور صاحب الدر کے قول: ''ولو مبتلة فسد'' (اگر تر انگلی داخل کی تو روزہ فاسد ہو جائے گا) کے تحت فرماتے ہیں:

''لبقاء شیء من البلة فی الداخل، وهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع المحقنة'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

(اندر تراوٹ کے باقی رہ جانے کی وجہ سے (یہ حکم ہے)، اور یہ اس وقت ہوگا جب انگلی موضع حقنہ تک داخل کر دے)۔

اور جب انگلی کی تراوٹ کے سبب فساد صوم کا حکم لگایا جا رہا ہے، تو ہم آسانی سے قیاس کر سکتے ہیں کہ اگر دوا کا ادخال کیا جائے تو بدرجہ اولی فساد کا حکم لگایا جائے گا۔

بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کا حکم:

ابھی بیان کیا گیا ہے کہ پیچھے کے راستہ سے دوا وغیرہ داخل کرتے وقت فساد صوم کا حکم اس بات پر معلق ہے کہ وہ دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے، یہ موضع حقنہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

''ای قدر ما یصل إلیه رأس المحقنة التی هي آلة الاحتقان'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

(یعنی محقنہ جو کہ احتقان یعنی حقنہ لگانے کا آلہ ہے، کے سرے کے پہنچنے کی مقدار)۔

اور اگر دوا موضع حقنہ تک نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور بواسیری مسے چونکہ موضع حقنہ سے کافی نیچے ہوتے ہیں لہذا ان پر کسی دوا یا مرہم لگانے سے روزہ نہیں جائے گا، چنانچہ صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں: ''بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰، نیز دیکھئے: مریض ومعالج کے اسلامی احکام/۱۲۱، امداد الفتاوی مع حاشیہ ۲/۱۴۹)۔

امراض کی تحقیق کے لئے آلات کا استعمال:

اگر ان آلات پر گریس یا تیل وغیرہ کوئی چیز لگائے بغیر ان کے خشک رہنے کی حالت میں اندر کیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ الدر المختار کی یہ عبارت اس پر صریح ہے:

''أو أدخل عودا أو نحوه فی مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد (قوله وإن غيبه) ای غيب الطرف أو العود بحيث لم يبق شیء منه فی الخارج'' (شامی ۱/۱۰۷)۔

اور ظاہر بات ہے کہ ان آلات کا ایک سرا باہر رہتا ہے۔

لیکن اگر آلہ تحقیق پر کوئی تیل یا گریس وغیرہ لگا کر داخل کیا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ صاحب الدر المختار فرماتے ہیں:

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه ای دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

(اگر مقعد میں یا عورت نے اپنے فرج میں خشک انگلی داخل کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر تر انگلی داخل کی تو ٹوٹ جائے گا)۔

اسی معنی کی عبارات ہندیہ وغیرہ میں بھی متقارب الفاظ سے موجود ہیں، مثلاً ہندیہ میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه فی إسته أو المرأة فی فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن، هكذا فی الظهيرية'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(اگر اپنی سرین میں انگلی داخل کی یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مختار یہی ہے، اور یہ کہ جب انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو اس وقت روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ پانی یا تیل پہنچ گیا ہے، ظہیریہ میں اسی طرح ہے)۔

۷- مثانہ تک نلکی پہنچانا:

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر صرف نلکی ڈالی، اور اس میں کوئی دوا وغیرہ نہیں ڈالی تو مرد کے مثانہ تک نلکی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوگا، اور اگر عورت کے ڈالی تو اگر نلکی میں گریس یا تیل لگا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر نلکی کے ذریعہ دوا پہنچائی اور عورت کی شرمگاہ میں یہ عمل کیا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مرد کی شرمگاہ میں کیا تو اگر دوا مثانہ تک پہنچ گئی تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، طرفین کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

''وإذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد كذا في المحيط سواء أقطر فيه الماء أوالدهن، وهذا الاختلاف فيما إذا وصل المثانة وأما إذا لم يصل بأن كان في القصبة بعد لايفطر بالاجماع كذا في التبيين، وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلاخلاف وهو الصحيح هكذا في الظهيرية (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(اگر مرد نے اپنی پیشاب گاہ میں کوئی چیز ٹپکائی تو امام ابو حنیفہ ومحمدؒ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ اس میں پانی ٹپکائے یا تیل، اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ مثانہ تک پہنچ جائے، رہی وہ صورت جب وہ نہ پہنچے اس طور پر کہ ابھی شرمگاہ کی نالی ہی میں ہو تو بالاجماع مفسد نہیں ہے، اور عورتوں کی اگلی شرمگاہ میں ٹپکانا کسی اختلاف کے بغیر مفسد ہے، اور یہی صحیح ہے، نیز یہ عبارت بھی پچھلے سوال کے تحت گزر چکی ہے)۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أودبره أو فرجها ولو مبتلة فسد الخ'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

مندرجہ بالا تفصیل مفتی بہ قول کے مطابق ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ جو تفصیل مرد کے متعلق ہے وہی عورتوں کی پیشاب گاہ میں بھی ہوگی۔

''والإقطار في إقبال النساء، قالوا أيضا هو على هذا الخلاف... الخ''۔ اس روایت کو اگرچہ مرجوح قرار دیا گیا ہے لیکن بظاہر مرد وعورت دونوں کے مجری البول کا حکم ایک جیسا ہونا چاہئے بشرطیکہ طبی طور پر دونوں میں یکسانیت کی تصدیق ہو جائے۔

عورت کا سامنے کی شرمگاہ میں دوا رکھنا:

عورت نے اگر اپنی سامنے کی شرمگاہ میں دوا رکھی یا لگائی تو اس میں کچھ تفصیل ہے، چنانچہ اگر فرج داخل میں دوا رکھی، یا فرج خارج میں لگائی اور وہ فرج داخل تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، الدر المختار میں ہے:

''أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (ایضًا)۔

(اگر عورت نے شرمگاہ میں روئی داخل کی تو اگر وہ غائب ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر اس کا کنارہ فرج خارج میں باقی رہا تو نہیں ٹوٹے گا)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فرج داخل میں خواہ کسی بھی طرح کی دوا خشک ہو یا تر، داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلاخلاف وهو الصحيح هكذا في الظهيرية'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(عورتوں کی اگلی شرمگاہ میں ٹپکانا بغیر کسی اختلاف کے مفسد ہے)۔

اسی عبارت کا حوالہ دے کر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

''عورتوں کی شرمگاہ میں کسی قسم کی دوا ڈالنا مفسد صوم ہے (جدید فقہی مسائل ۲/۸۷)۔

اور صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں: ''البتہ فرج داخل میں دوا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اوپر کے مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرج داخل شروع ہوتا ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۳۸)۔

رحم تک آلات پہنچانا:

اگر خشک آلات اندر تک داخل کئے تو ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر آلہ پر تیل یا گریس وغیرہ لگی ہے، یا ان آلات کو داخل کر کے نکال لیا اور دوبارہ داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ہندیہ کی یہ عبارت اس پر صراحتاً دلالت کر رہی ہے:

''أو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لايفسد، وهوالمختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أوالدهن لوصول الماء أوالدهن هكذا في الظهيرية'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

الدرالمختار میں ہے: ''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه اى دبره أوفرجها ولو مبتلة فسد'' (شامی ۲/۱۰۷-۱۰۸)۔

شامی میں ہے: ''(قوله و مفاده) اى مفاد ماذكر متنا وشرحا وهو أن ما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أوكان متصلا بشئ خارج لايفسد لعدم استقراره'' (شامی ۲/۱۰۷)۔

(جو کچھ جوف میں داخل ہوا گر اس میں غائب ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، استقرار کا مطلب یہی ہے، اور اگر غائب نہ ہو بلکہ اس کا ایک حصہ باہر باقی رہے یا وہ کسی باہری چیز سے متصل ہو تو اس کے عدم استقرار کے سبب روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں: ''رحم کی صفائی کے لئے اور فم رحم کشادہ کرنے کے لئے جو آلات استعمال کئے جاتے ہیں (Dilators) اور اندرونی رحم کھرچنے کا آلہ (Curette)) اگر ان پر کوئی تیل وغیرہ لگا کر اس کو داخل کیا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ان کو خشک داخل کیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر خشک داخل کر کے، اور ایک مرتبہ باہر نکال کر دوبارہ صاف کئے بغیر اگر ان کو پھر داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا (مریض و معالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۲)۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور عصر حاضر

مفتی محمد شعیب اللہ خاں مفتاحی[1]

۱-روزے میں دوا کا زبان کے نیچے رکھنا:

قلبی امراض میں جو دوائیاں صرف زبان کے نیچے دبانے کی ہوتی ہیں اور حلق کے نیچے اتاری نہیں جاتیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسکی فقہی نظیر مسواک کا روزے کی حالت میں استعمال ہے، جس کو بلا کراہت جائز قرار دیا گیا ہے، فقہاء نے لکھا ہے:

''ولا بأس للصائم أن يستاك، سواء كان السواك يابسا أو رطبًا، مبلولا أو غير مبلول'' (بدائع الصنائع ۲/۲۶۶)۔

نیز اس کی نظیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فقہاء نے عورت کو ضرورت کے موقعہ پر سالن کے چکھنے کی اجازت دی ہے، جیسے اسکا شوہر بد خلق ہو، بشرطیکہ وہ حلق کے نیچے نہ جائے (مراقی الفلاح ۲۵۶، البحر الرائق ۲/۴۸۹، درمختار و شامی ۳/۳۹۵)۔

بلکہ ان سب سے زیادہ واضح نظیر یہ جزئیہ ہے کہ فقہاء نے عورت کو اپنے بچے کی حفاظت کی خاطر کھانا چبانے کی بلا کراہت گنجائش دی ہے، مراقی الفلاح میں ہے:

''وكره مضغه بلا عذر كالمرأة إذا وجدت من يمضغ الطعام لصبيها، أما إذا لم تجد بدا منه فلا بأس بمضغها لصيانة الولد'' (مراقی الفلاح/۲۵۶)۔

اور بحر الرائق اور شامی میں ہے:

''والمضغ بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها الطعام من حائض أو نفساء أو غير هما ممن لا يصوم ولم تجد طبيخًا'' (البحر الرائق ۲/۴۸۹، شامی ۳/۳۹۵) ۔

جب اپنے بچے کی خاطر کھانا چبانے کی اجازت ہے تو خود اپنی حفاظت کے لئے ایسی دوا کا استعمال جو حلق میں نہ جائے، صرف زبان کے نیچے دبالی جائے، جائز ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اسکا کوئی حصہ حلق میں داخل نہ ہو، ورنہ روزہ یقیناً فاسد ہوجائے گا۔

۲-روزہ میں ''انہیلر'' کا استعمال:

تنفس کی بیماری کے علاج کے لئے انہیلر کا استعمال درست نہیں، اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، کیونکہ اس سے ایک دوا (بصورت سفوف جیسا کہ سوال میں ہے یا بصورت سیال چیز جیسا کہ بعض کا کہنا ہے) ہوا کے ذریعہ اندر پہنچائی جاتی ہے، اور یہ اگرچہ ڈاکٹروں کے مطابق پھیپھڑوں میں پہنچتی ہے، معدے میں نہیں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس کو اسی راستہ سے پہنچایا جاتا ہے جس سے معدے کی طرف بھی راستہ جاتا ہے، اور معدے میں اس کے پہنچنے سے کوئی مانع بھی موجود نہیں ہوتا ہے، اس لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے کچھ اجزاء کا پھیپھڑوں کے بجائے معدے میں چلا جانا ممکن ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے روزے کو فاسد قرار دیا جائے، وجہ یہ ہے کہ خود فقہاء کرام نے لکھا ہے:

''إن السبب يقوم مقام المسبب في موضع الاحتياط'' (بدائع ۲/۲۳۱، ۱/۲۳۶)۔

اور یہاں دوا کا بذریعہ ''انہیلر'' پھیپھڑوں میں پہنچانا سبب ہے معدے میں پہنچنے کا، لہٰذا اس کو بھی مسبب کے درجے میں مان کر روزے کے لئے اس کو مفسد قرار دینا چاہئے، اور اسی اصول پر فقہاء کے کلام میں احتیاطًا وجوب کی کئی نظیریں ملتی ہیں، مثلاً:

[1] جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور ۔

۱۔ نوم کا ناقض وضو ہونا اسی سبب سے ہے کہ یہ سبب ہے استرخاء مفاصل کا، اور وہ سبب ہے خروج ریح کا، جو حدث ہے، لہذا اس سبب کو مسبب کے قائم مقام قرار دیکر اس کو ناقض وضو مانا گیا ہے (بدائع ۲/۵۳۵)۔

۲۔ دخول بلا انزال میں وجوب غسل کی وجہ بھی یہی ہے کہ عموما یہ انزال کا سبب ہے، لہذا اگر چہ انزال نہ ہو، مگر دخول ہو جائے تو غسل کو واجب قرار دیا گیا، فقہاء فرماتے ہیں:

"لأنه سبب للإنزال وهو متغيب عن البصر فقد يخفى عليه لقلته. فقيام مقامه لكمال السببية"

(ہدایہ ۱۹/۱. اللباب فی شرح الکتاب/۱۰. بدائع ۱/۱۳۶)۔

۳۔ "ایلاج فی الدبر" کی صورت میں مفعول پر وجوب غسل کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ وجوب احتیاطا ہے (ہدایہ ۱/۱۹، بدائع ۱/۱۳۶، شامی ۱/۲۹۹)۔

۴۔ اسی طرح اس شخص پر روزہ واجب قرار دیا گیا ہے جس نے چاند دیکھا مگر اس کی شہادت قاضی نے رد کردی، تو یہ شخص روزہ رکھے گا، اور اس کی وجہ احتیاط بیان کی گئی ہے (ہدایہ ۱/۱۱۷، البحر الرائق ۲/۴۶۴)۔

الغرض "انہیلر" اگر چہ پھیپھڑوں کے لئے بنایا گیا ہو اور اس سے اصل نشانہ پھیپھڑے بنتے ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے معدے کو جانے والے راستے ہی سے پھیپھڑوں میں یہ دوا پہنچائی جاتی ہے اور معدے میں اس کے اجزاء کا چلا جانا بہت ممکن ہے، لہذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ہاں چونکہ ایسا شخص بغیر "انہیلر" کے رہے گا تو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات یہ بات اس کے لئے خطرہ بھی بن جاتی ہے اس لئے ایسے شخص کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہوگی، اور اگر صحت مل جائے تو قضا، ورنہ فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

۳- روزہ میں بھاپ کے ذریعہ دوا:

بھاپ کے ذریعہ دوا کا اندر پہنچانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ پرانے طریقے کے مطابق ہو یا کسی نئے طریقے کے مطابق کسی مشین کے ذریعہ ہو، اور وجہ ظاہر ہے کہ اس سے بھاپ اور بھاپ کے ذریعہ دوائی حلق کے اندر جاتی ہے، اور اس کا مفسد صوم ہونا معلوم و مسلم ہے۔

۴- روزے میں انجکشن:

روزے کی حالت میں انجکشن کے سلسلہ میں اولاً دو باتیں قابل غور ہیں:

ایک انجکشن کی صورت کے بارے میں کہ اس کا کیا اثر روزے پر پڑتا ہے؟ اور دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ انجکشن کس مقصد کے لئے لگایا جا رہا ہے؟ اور مقصد کے مختلف ہونے کے لحاظ سے اس کے شرعی حکم میں کیا فرق پڑتا ہے؟

۱۔ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے اہل طب نے بھی یہ بات واضح کردی ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ انجکشن میں سے بعض براہ راست گوشت میں اور بعض گوشت و پوست کے درمیان میں اور بعض راست طور پر پیٹ میں اور اکثر رگوں میں لگائے جاتے ہیں، لہذا اب غور یہ کرنا ہوگا کہ ان میں سے کون سے انجکشن کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انجکشن خواہ رگوں میں دیا جائے، جیسے عام بیماریوں کے اندر ہوتا ہے، یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے، جیسے ذیابیطس کے مریضوں کو "انسولین" پوست کے اندر لگاتے ہیں، یا پیٹ میں لگایا جائے، جیسے کتا کاٹے ہوئے کو پیٹ میں لگاتے ہیں، سب کا حکم ایک ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

انجکشن کے بارے میں جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنے فتاوی "امداد الفتاوی" میں اسی کو اختیار کیا ہے، اسی طرح حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب نے "فتاوی دار العلوم دیوبند" میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے "آلات جدیدہ

کے شرعی احکام" میں اور "کلمة القوم فی انجکشن فی الصوم" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب صورةً یا معنیً افطار پایا جائے، صورةً افطار یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نگل کر جوف معدہ میں پہنچائی جائے، اور معنیً افطار یہ ہے کہ جوف میں ایسی چیز پہنچائی جائے جس میں بدن کے لئے فائدہ ہو نفع ہو خواہ وہ غذا ہو یا دوا ہو، پھر جوف تک پہنچانے کی شرط یہ ہے کہ منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچائی جائے، جب یہ باتیں پائی جائیں تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ روزہ باقی رہے گا، یہ تفصیل کتب فقہیہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات فقہاء کے مطابق روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جبکہ روزہ کو توڑنے والی چیز جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچے یا پہنچائی جائے، اور یہ پہنچنا یا پہنچانا بھی "منفذ اصلی" کے ذریعہ ہو، جب یہ دو باتیں پائی جائیں تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں، یعنی اگر روزے کو توڑنے والی چیز جوف معدہ یا جوف دماغ میں نہیں گئی یا گئی مگر "منفذ اصلی" کے ذریعہ نہیں گئی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس اصول پر غور کریں کہ انجکشن میں صورت افطار تو نہیں پائی جاتی، کیونکہ انجکشن میں منہ سے دوا نہیں پہنچائی جاتی، بلکہ جیسا کہ معلوم ہے رگوں یا گوشت سے دوا داخل کی جاتی ہے، ہاں انجکشن میں معنیٔ افطار پایا جاتا ہے، کیونکہ بدن کے لئے فائدہ مند چیز "دوا یا غذا" جوف میں پہنچائی جاتی ہے، مگر اس کی شرط ہے کہ یہ پہنچانا "منفذ اصلی" کے ذریعہ ہو، یہ بات اس میں متحقق نہیں، اس لئے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

فقہاء کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ معنیٔ افطار پائے جانے کے باوجود منفذ اصلی کے ذریعہ جوف میں نہ پہنچنے کی بنا پر اس کو غیر مفسد مانا گیا ہے۔

۱۔ فقہاء نے روزے میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اگرچہ کہ سرمہ کا اثر حلق میں محسوس ہو، کیونکہ یہ سرمہ حلق میں کسی منفذ اصلی سے نہیں پہنچا، بلکہ مسامات سے پہنچا ہے، اور آنکھ اور معدے یا دماغ کے مابین کوئی منفذ نہیں ہے۔

علامہ کاسانی "بدائع الصنائع" میں آنکھوں میں سرمہ ڈالنے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کے جواز کی دلیل اس طرح بیان کر رہے ہیں:

"ولأنه لا منفذ من العين إلى الجوف، ولا إلى الدماغ، وما وجد من طعمه فذاك أثره، لا عينه، وأنه لا يفسد كالغبار والدخان" (بدائع الصنائع ۲/۲۶۷)۔

اور علامہ شامی سرمہ لگانے کے مسئلہ پر وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال في النهر: لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد في باطنه أنه لا يفطر" (شامی ۲/۳۶۷)۔

ان عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ محض جوف میں کسی چیز کا پہنچ جانا مفسد صوم نہیں ہے، بلکہ منفذ اصلی سے پہنچنا مفسد صوم ہے، اسی لئے سرمہ اگرچہ آنکھوں میں ڈالنے کے بعد حلق میں محسوس ہو، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۔ فقہاء نے روزہ کی حالت میں سر میں تیل ڈالنے اور اعضاء بدن پر تیل لگانے کو جائز کہا ہے، حالانکہ اس سے تیل بدن کے اندر پہنچتا ہے، اور اس کی تری اندر محسوس بھی کی جاتی ہے، مگر چونکہ "منفذ اصلی" سے نہیں پہنچتا، اور اصل وعین چیز نہیں پہنچتی بلکہ اس کا اثر پہنچتا ہے اس لئے اس کو مفسد صوم نہیں مانا گیا، چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

"وكذا لو دهن رأسه وأعضاءه، فتشرب فيه أنه لا يضره، لأنه وصل إليه الأثر لا العين" (بدائع ۲/۲۲۷)۔

اور علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

"أو دهن لم يفسد صومه كما لو اغتسل ووجد برد الماء في كبده أو اكتحل ولو وجد طعمه في حلقه أو لونه في بزاقه أو نخامته في الأصح، وهو قول الأكثر..."۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''ولو وضع فی عینه لبنا أو دواء مع الدهن فوجد طعمه فی حلقه لا یفسد صومه إذ لا عبرة مما یکون من المسام'' (مراقی الفلاح/۲۳۶)۔

۳۔ غسل کرنے یا پانی سے بھگویا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، حالانکہ اس عمل سے پانی کی ٹھنڈک وتری داخل بدن محسوس ہوتی ہے، وجہ اس کی بھی یہی ہے کہ اس کا اثر بدن میں محسوس کیا جاتا ہے، وہ دراصل مسامات کے ذریعہ پہنچتا ہے کسی منفذ اصلی سے نہیں پہنچتا۔ علامہ شامی کہتے ہیں:

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد فی باطنه أنه لا یفطر'' (شامی ۳/۳۶۷)۔

۴۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو پیٹ میں یا سر کے اندر زخم ہوجائے اور وہ اس زخم میں اندر دوا پہنچائے تو اس سے اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا لیکن ان کے علاوہ کسی اور جگہ زخم ہو اور وہاں دوائی لگائی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، علامہ نسفی نے کنز الدقائق میں فرمایا:

''داوی جائفة أو آمة بدواء ووصل الدواء إلی جوفه أو دماغه أفطر'' (کنز الدقائق/۶۹)۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ پیٹ کا زخم جس کو جائفہ کہتے ہیں، اس میں دوا ڈالنے سے وہ جوف معدہ میں پہنچ جاتی ہے، اور سر کے اندر دماغ کے زخم میں دوا ڈالی جائے تو وہ جوف دماغ میں پہنچتی ہے اس لئے اس کو مفسد قرار دیا گیا۔

۵۔ مرد کی پیشاب گاہ میں اگر کوئی دوا ٹپکائی جائے، اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو فقہاء میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور جوف بطن میں کوئی منفذ اصلی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی راستہ اور منفذ نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ بات ہر کس وناکس محسوس کرتا ہے کہ پیشاب معدے ہی سے چل کر مثانہ میں آتا ہے، امام ابو یوسف نے اس سے یہ سمجھا کہ دونوں کے درمیان منفذ ہے اس لئے پیشاب معدے سے مثانہ میں آتا ہے، مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نہیں، بلکہ پیشاب کا معدے سے مثانہ میں آنا منفذ سے نہیں بلکہ مسامات سے ہوتا ہے، وہ مسامات سے رس کر مثانہ میں جمع ہوتا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب واپس معدے میں نہیں جاسکتا، اگر وہاں منفذ ہوتا تو جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس بھی جاسکتا، مگر ایسا نہیں ہے۔

ابن نجیم مصری نے ''البحر الرائق'' میں اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

''وهو مبنی علی أنه هل بین المثانة والجوف منفذ أم لا؟ وهو لیس باختلاف فیه علی التحقیق. فقالا: لا، ووصول البول من المقعدة إلی المثانة بالترشح، وما یخرج رشحا لا یعود رشحا، کالجرة إذا سد رأسها وألقی فی الحوض یخرج منها الماء ولا یدخل فیها'' (البحر الرائق ۲/۲۸۸)۔

اور شامی نے کہا:

''والإختلاف مبنی علی أنه هل بین المثانة والجوف أو لا؟ وهو لیس باختلاف علی التحقیق، والأظهر أنه لا منفذ له، وإنما یجتمع البول فیها بالترشح، کذا یقول الأطباء'' (شامی ۳/۳۷۲)۔

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف دراصل جوف بطن ومثانہ میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے، اس سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ اگر امام ابو یوسف کے نزدیک بھی یہ ثابت ہوجاتی کہ ان دو کے درمیان منفذ نہیں ہے تو وہ بھی یہی کہتے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک یہ محقق ہوجاتا کہ دونوں میں منفذ ہے تو وہ بھی یہی فرماتے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا۔

الغرض یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مخارق اصلیہ ومنافذ اصلیہ سے جو چیز ڈالی جائے اور وہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچ جائے وہی مفسد صوم ہے،

بلکہ فقہاء کے کلام سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ کسی چیز کے مفسد صوم ہونے میں اصل جوف معدہ ہے کہ اگر اس میں کوئی چیز پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوگا، اور جوف دماغ میں پہنچنے کو اس لئے مفسد صوم مانا گیا ہے کہ جوف معدہ اور جوف دماغ کے مابین بھی منفذ اصلی موجود ہے، لہٰذا جو چیز دماغ میں پہنچے گی وہ اس منفذ کے ذریعہ معدے میں بھی پہنچ جائے گی۔

علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے:

''وفی التحقیق أن بین الجوفین منفذا أصلیا، فما وصل إلی جوف الرأس یصل إلی جوف البطن'' (۲/۲۸۸)۔

اور شامی نے اسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

قال فی البحر، والتحقیق أن بین الجوفین منفذًا أصلیا فما وصل إلی جوف الرأس یصل إلی جوف البطن (شامی ۲/۳۷۶)۔

الغرض ان سب سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ محض کسی چیز کے بدن میں پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوجاتا بلکہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جبکہ دو باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ وہ چیز جوف بطن میں پہنچے، اور دوسرے یہ کہ ''منفذ اصلی'' کے ذریعے پہنچے۔

اس سلسلہ میں بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی کی ایک عبارت بالکل صاف وواضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أواحتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه، أما إذا وصل إلی الجوف فلاشك فیه لوجود الأكل من حیث الصورة وكذا إذا وصل إلی الدماغ لأن له منفذا إلی الجوف فكان بمنزلة زاویة من زوایا الجوف... وأما إذا وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من غیر المخارق الأصلیة بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواها بدواء یابس لا یفسد لأنه لم یصل إلی الجوف ولا إلی الدماغ ولو علم أنه وصل یفسد فی قول أبی حنیفة'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۷)۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر جو انجکشن لگائے جاتے ہیں وہ رگوں میں دئے جاتے ہیں، اور یہ رگیں نہ تو جوف ہیں اور نہ منفذ اصلی، اسی طرح گوشت میں یا گوشت وپوست کے درمیان جو انجکشن لگائے جاتے ہیں وہ بھی منافذ اصلیہ میں نہیں ہے، لہٰذا مسئلہ صاف ہوگیا کہ انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲- اس کے بعد آیئے انجکشن کے مقصد کے لحاظ سے انجکشن کا حکم معلوم کرتے ہیں، انجکشن کبھی تو بیماری میں ضرورت کی وجہ سے لیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ دوائی بدن میں پہنچائی جاسکے، اور کبھی محض اس لئے لیا جاتا ہے کہ بدن میں قوت وطاقت پیدا ہو، اور اس کے لئے غذا پہنچائی جائے، مگر روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے اس میں وہی بات ملحوظ رکھنی چاہئے جو اوپر عرض کی گئی کہ انجکشن منفذ اصلی سے نہیں دیا جاتا، اس لئے انجکشن کی کسی بھی صورت میں اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، خواہ مقصد دوائی ضرورت ہو یا غذائی ضرورت، کیونکہ روزے کے فاسد ہونے کی علت نہیں پائی گئی جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا۔

ہاں انجکشن لگانے کے مقصد کے پیش نظر اس کے جائز ہونے یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے کہ بلاضرورت روزہ میں انجکشن لینا مکروہ ہوگا اور ضرورت میں لینا مکروہ نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ دوا تو ضرورت ہے مگر غذا روزے کی حالت میں کوئی ضرورت نہیں، بلکہ روزے کی حقیقت کے خلاف ہے، لہٰذا اول صورت مکروہ نہیں اور دوسری صورت مکروہ ہوگی۔

اور اس کی فقہی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرنے، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے، اور سر پر پانی ڈالنے کی امام ابو یوسف نے اجازت دی ہے، مگر امام ابو حنیفہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کرنا گویا بے چینی اور پریشانی کا اظہار ہے، اور یہ بات کراہت سے خالی نہیں۔

امام شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

”وإنما كره الإمام الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيها من إظهار الضجر في إقامة العبادة لا لأنه مفطر“ (شامی ۳۶۷/۲، البحر الرائق ۲/۴۷۱)۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ روزہ میں پانی کا جسم پر یا سر پر ڈالنا، غسل کرنا، جسم پر کپڑا لپیٹنا مفسد و مفطر صوم نہیں، دوسرے یہ کہ امام صاحب نے اس کو مکروہ اس لئے کہا ہے کہ اس عمل سے عبادت سے بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب کوئی بلاضرورت ایسا انجکشن لیتا ہے جو غذا فراہم کرتا ہے تو اس سے بھی اگر چہ کہ روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن روزے سے پریشانی و بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اس لئے یہ مکروہ ہوگا، اس کے برخلاف دوا کے طور پر انجکشن لینا ایک ضرورت ہے اور اس سے روزہ رکھنے میں سہولت ہوتی ہے اور پریشانی سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے، اس لئے دوا کے طور پر لینا بلا کراہت جائز ہے، جیسے پانی سے تر کیا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنا ضرورت پر جائز ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ سے ثابت ہے۔

شامی لکھتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں پیاس کی وجہ سے، یا گرمی کی وجہ سے سر پر پانی ڈالا تھا، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور ابن عمرؓ روزے کی حالت میں کپڑا بھگو کر اپنے اوپر لپیٹ لیتے تھے (شامی ۳/۴۰۰)۔

اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

”عن أبي حنيفة أنه للصائم المضمضة والاستنشاق لغير الوضوء لا بأس به للوضوء وكره الإغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاء في الماء والتلفف بالثوب المبلول لأنه إظهار الضجر عن العبادة. وقال أبو يوسف: لا يكره وهو الأظهر لما روى أن النبي ﷺ صب على رأسه من شدة الحر وهو صائم ولأن فيه إظهار ضعف بنيته وعجز بشريته فإن الإنسان خلق ضعيفا لا إظهار الضجر“ (البحر الرائق ۲/۴۹۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ انجکشن اگر ضرورت کے لئے ہے تو بلا کراہت جائز ہے ورنہ بے چینی کا اظہار ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔

۵- روزہ میں گلوکوز چڑھانا:

گلوکوز بھی چونکہ عروق کے ذریعہ چڑھایا جاتا ہے، لہذا اس کا مسئلہ بھی وہی ہے جو انجکشن کا ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ منافذ اصلیہ سے وہ نہیں پہنچایا جاتا، البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ ضرورت کی وجہ سے دیا جا رہا ہے یا بلاضرورت؟ پہلی صورت میں جائز ہے اور دوسری صورت میں ناجائز و مکروہ، کیونکہ اس میں بھی وہی بات ہے جو اوپر عرض کی گئی کہ اس سے روزہ میں بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے جو کہ عبادت سے بے چینی ہے اور یہ بات مکروہ ہے، پھر بلاضرورت لینا روزے کی حقیقت کے منافی ہے، کیونکہ روزہ کا مقصد اللہ کے لئے بھوکا پیاسا رہنا ہے اور اللہ سے عشق و محبت کا مظاہرہ ہے، اور بلاضرورت گلوکوز چڑھانے سے بھوک و پیاس ختم ہو کر روزہ کی حقیقت بھی ختم ہو جاتی ہے اس لئے بلاضرورت یہ جائز نہیں ہوگا۔

۶- مقعد میں دوائی یا آلات کا روزے کی حالت میں داخل کرنا:

سیال ہو یا جامد کسی دوا کا مقعد میں داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم کی صورت میں ہو یا اور کسی وجہ سے ہو، کیونکہ سرین ایک منفذ ہے جس سے راست طور پر جوف معدہ کو راستہ ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ جوف میں منفذ اصلی سے کسی بھی چیز کا داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ: حقنہ لگانے سے روزہ فاسد ہو جائیگا (بدائع ۲/۲۲۷، شامی ۳/۳۷۶، البحر الرائق ۲/۴۸۶، عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

اور رہا تشخیص و تحقیق کے لئے آلات کا داخل کرنا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے مقعد میں لکڑی یا انگلی داخل کی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ لکڑی کا ایک حصہ باہر ہو، پورا اندر داخل نہ ہو جائے، اور انگلی خشک ہو تر نہ ہو (درمختار مع الشامی ۳/۳۶۹)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وكذا روى عن محمد فى الصائم: إذا أدخل خشبة فى المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة، وهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط فساد الصوم'' (بدائع ۲/۲۲۷)۔

اور عالمگیری میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه فى إسته أو المرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقعد میں کوئی آلہ داخل کیا جائے اور اس میں کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگا نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور اگر اس پر دوا یا پانی لگا ہو تو چونکہ وہ دوا یا پانی اندر رہ جائے گا اس لئے اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۷- پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا:

روزے کی حالت میں پیشاب کے راستے سے دوا یا کسی نلکی و آلے کے داخل کرنے کے بارے میں عورت و مرد کا حکم مختلف ہے، جہاں تک عورت کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ عورت کی فرج کے دو حصے ہیں: ایک داخل اور دوسرا خارج، فرج داخل کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا داخل کرنا مفسد صوم نہیں، کیونکہ یہ جوف نہیں اور نہ اس میں داخل کی گئی دوا وغیرہ جوف میں جاتی ہے، اسی لئے اس حصہ کو داخل بدن نہیں مانا جاتا بلکہ خارج مانا جاتا ہے۔

اور فرج داخل اس کے برخلاف جوف کا ایک حصہ ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے:

قلت: الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما فى حكمه (شامى ۲/۳۷۲)

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں دوا وغیرہ ٹپکانے سے بالاتفاق اس کا روزہ جاتا رہے گا، کیونکہ اس سے جوف میں وہ دوا پہنچ جاتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی نے بدائع میں فرمایا ہے:

''وأما الإقطار فى قبل المرأة فقد قال مشائخنا: أنه يفسد صومها بالإجماع، لأن لمثانتها منفذا، فيصل إلى الجوف'' (بدائع ۲/۲۲۷)۔

بحر الرائق میں ہے: ''لأن الإقطار فى قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح'' (البحر الرائق ۲/۴۸۸)۔

اس لئے عورت کی فرج داخل میں دوا کا داخل کرنا یا کسی اور چیز خواہ وہ نلکی ہو، یا کسی اور آلہ کا داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، بشرطیکہ اس کا کوئی حصہ فرج خارج میں نہ رہے، ہاں اگر اس کا ایک حصہ فرج خارج میں یا باہر موجود ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے جو درمختار میں لکھا ہے:

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقى طرفها فى فرجها الخارج لا'' (درمختار مع الشامی ۲/۳۶۹)۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دوائیاں جب اندر پہنچانا ہوتا ہے تو اس کو پوری طرح اندر داخل کر دیا جاتا ہے، لہذا داخلی فرج میں دوا رکھ دینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح عورتیں جو لوپ لگا لیتی ہیں، اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بھی فرج داخل میں اندر رکھ دیا جاتا ہے۔

لیکن ڈاکٹر لوگ تشخیص و تحقیق کے لئے جو آلات استعمال کرتے ہیں یہ چونکہ فرج میں داخل کر کے نکال لئے جاتے ہیں، وہیں چھوڑ نہیں دئے جاتے، اس لئے ان سے روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ ان آلات پر کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگا ہوا نہ ہو، کیونکہ اندر داخل کی جانے والی چیز کا جوف ہی میں رہ جانا بھی فساد صوم کی شرط ہے۔

علامہ کاسانی نے اسی بات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''هذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم'' (بدائع ۲۲۷/۲)۔

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے:'' ويشترط أيضا استقراره داخل الجوف، فيفسد إذا غيبها لوجود الفعل مع الاستقرار، وإن لم يغيبها فلا، لعدم الاستقرار'' (شامی ۳۶۸/۳)۔

معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کے آلات اگر پانی ودوا لگے ہوئے نہ ہوں تو ان کے عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اور مرد کی پیشاب گاہ میں کسی چیز کا داخل کرنا اگر صرف ''ذکر'' کی حد تک ہو اور مثانہ تک نہ پہنچے تو بالاتفاق اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، شامی نے لکھا ہے:

''وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا ولا شك فيه''

(اگر دوا یا پانی پیشاب کی نالی ہی میں رہ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا) (شامی ۳/۳۷۷)۔

اور علامہ نجیم المصری نے ''البحر الرائق'' میں خلاصہ کے حوالے سے لکھا ہے:

'' وأما ما دام في قصبة الذكر فلا يفسد اتفاقا'' (البحر الرائق ۲/۲۸۸)۔

معلوم ہوا کہ اگر پیشاب کی نالی میں دوا یا کوئی آلہ داخل کیا جائے اور وہیں تک محدود ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر وہ مثانہ تک پہنچے تو اس میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: روزہ فاسد نہ ہوگا، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں: اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

''وإن أقطر في إحليله لا أي لا يفطر، أطلقه فشمل الماء والدهن، وهذا عندهما خلافا لأبي يوسف''

(اگر پیشاب گاہ کے سوراخ میں قطرہ ڈالا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، قطرہ مطلق بیان کیا، لہذا پانی ودوا دونوں کے قطرات کو یہ شامل ہے، اور یہ فاسد نہ ہونا امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک ہے برخلاف امام ابو یوسف کے) (البحر الرائق ۲/ ۲۸۸)، اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور جوف بطن میں منفذ اصلی کے پائے جانے کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی راستہ ومنفذ نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے۔

ابن نجیم مصری نے ''البحر الرائق'' میں اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

''وهو مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذا أم لا؟ وهو ليس باختلاف فيه على التحقيق. فقالا: لا. ووصول البول من المقعد إلى المثانة بالترشح، وما يخرج رشحا لا يعود رشحا. كالجرة إذا سد رأسها وألقي في الحوض يخرج منها الماء ولا يدخل فيها'' (البحر الرائق ۲/۲۸۸)۔

اور شامیؒ نے کہا:'' والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذًا أو لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له، وإنما يجتمع بالترشح. كذا يقول الأطباء'' (شامی ۳/۳۷۲)۔

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف دراصل جوف بطن ومثانہ میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے، اور ترجیح امام ابوحنیفہ کے قول کو دی گئی ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:'' والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشح. كذا يقول الأطباء'' (شامی ۳/۳۷۲)

(اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو کوئی منفذ نہیں ہے، اور پیشاب مثانہ میں رس کر جمع ہوتا ہے، ڈاکٹروں نے ایسا ہی کہا ہے)

لہذا مرد کے پیشاب کے راستے سے کسی دوا یا آلہ کا داخل کرنا مفسد صوم نہ ہوگا، کیونکہ اس سے جوف میں کوئی چیز نہیں پہنچتی، بلکہ وہ جوف سے باہر ہی رہتی ہے، واللہ اعلم۔

روزہ توڑنے والی بعض نئی شکلیں

مولانا خورشید انور اعظمی [1]

روزہ اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے، جس میں صبح صادق سے غروب شمس تک اکل وشرب اور جماع سے بالقصد رکنا ضروری ہوتا ہے، ملک العلماء علامہ کاسانی اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں تحریر فرماتے ہیں:

''وأما ركنه فالإمساك عن الأكل والشرب والجماع''۔ (اور رہا روزہ کا رکن تو وہ اکل وشرب اور جماع سے رکنا ہے)۔

علامہ ابن ہمام اپنی مشہور آفاق تصنیف فتح القدیر میں روزہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''وفی الشرح إمساك عن الجماع وعن إدخال شئ بطنا له حكم البطن من الفجر إلى الغروب عن نية'' (فتح القدیر ۲/۲۳۴)

(اور شریعت میں روزہ نام ہے نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب آفتاب تک جماع سے اور کسی شئی کو ایسے اندرونی حصہ میں داخل کرنے سے رکنے کا جسے حکم بطن حاصل ہے)۔

اسی طرح علامہ ابن رشد مالکی، بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

''تحصيل مذهب مالك أنه يجب الإمساك عما يصل إلى الحلق من أى المنافذ وصل مغذيًا كان أوغير مغذ''

(بداية المجتهد ۱/۲۵۶)۔

(مذہب امام مالک کا حاصل یہ ہے کہ روزے میں حلق تک پہنچنے والی شئی سے رکنا واجب ہے خواہ جس منفذ سے بھی پہنچے، غذا بخش ہو یا غیر غذا بخش)۔

اور اگر کوئی شخص ان چیزوں سے نہ رکے بلکہ کھا پی لے یا جماع کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ کاسانی اس امر کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''لأن انتقاض الشئ عند فوات ركنه أمر ضرورى وذلك بالأكل والشرب والجماع سواء كان صورةً ومعنىً أوصورةً لا معنىً أو معنىً لا صورةً سواء كان بغير عذر أو بعذر وسواء كان عمدًا أوخطأً طوعًا أوكرهًا بعد أن كان ذاكرًا لصومه لا ناسيًا ولا فى معنى الناسى'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۷)۔

(اس وجہ سے کہ رکن شئی کے فوت ہونے سے شئی کا ختم ہو جانا ایک ضروری امر ہے، اور یہ چیز اکل وشرب اور جماع کے ذریعہ ہوتی ہے، خواہ صورۃً اور معنیً دونوں طرح ہو، یا صرف صورۃ ہو یا معنیً ہو، خواہ عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے، عمداً ہو یا خطأً، مرضی سے ہو یا جبراً، جبکہ اسے اپنا روزہ یاد ہو، بھولا ہوا یا بھولنے والے کے حکم میں نہ ہو)۔

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں افطار کی صورت ومعنی کی تشریح کی ہے، لکھتے ہیں:

''لا يثبت الفطر إلا بصورته أو معناه وقد مر أن صورة الابتلاء وذكر أن معناه وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف'' (فتح القدير ۲/۲۶۶)۔

(افطار کا ثبوت صرف اسکی صورت یا معنی سے ہوگا، یہ گزر چکا ہے کہ اس کی صورت نگلنا ہے، اور یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ اس کا معنی جوف تک ایسی شئی

[1] جامعہ مظہر العلوم، وارانسی (یوپی)۔

کا پہنچنا ہے جس میں صلاح بدن ہو)۔

اس طرح اگر کوئی شئی جوف معدہ یا دماغ میں منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچ جائے تب بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بدائع الصنائع میں ہے:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن. والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه" (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(اور جو چیز منافذ اصلیہ جیسے ناک، کان اور دبر کے ذریعہ جوف یا دماغ تک پہنچی، بایں طور کہ ناک میں دوا ڈالی، یا حقنہ استعمال کیا، یا کان میں دوا ٹپکائی اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

المغنی میں ہے: "وأنه يفطر بكل ما أدخله إلى جوفه أو مجوف في جسده كدماغه وحلقه ونحو ذلك مما ينفذ إلى معدته إذا وصل باختياره وكان مما يمكن التحرز عنه" (المغنی لابن قدامہ ۴/۳۵۲)۔

(روزہ ہر اس شئی سے ٹوٹ جاتا ہے جس کو وہ اپنے جوف یا اپنے بدن کے مجوف حصے جیسے دماغ، حلق اور اس طرح کے معدہ تک پہنچنے والے دوسرے منفذ میں داخل کرے بشرطیکہ وہ شئی اس کے اختیار سے پہنچی ہو، اور اس سے بچنا ممکن ہو)۔

عبارات فقہاء سے واضح ہوتا ہے کہ افساد صوم کے باب میں اصل کسی شئی کا مدخل یا مخرج کے ذریعہ جوف معدہ تک پہنچنا ہے، دماغ تک پہنچنے والی اشیاء کو مفطر صوم محض اس وجہ سے مانا گیا ہے کہ دماغ اور بطن کے درمیان ایک منفذ اصلی ہے جس کے ذریعہ دماغ تک پہنچنے والی اشیاء بطن تک پہنچ جایا کرتی ہیں، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ ردالمحتار میں البحر الرائق کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً أصليا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن" (ردالمحتار ۲/۳۷۶)۔

(اور تحقیق یہ ہے کہ جوف راس اور جوف معدہ کے درمیان منفذ اصلی ہے، لہٰذا جو چیز جوف راس تک پہنچے گی وہ جوف بطن تک پہنچے گی)۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے:

"وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

(اور اسی طرح اگر کوئی چیز دماغ تک پہنچی تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس وجہ سے کہ دماغ کا جوف تک ایک منفذ ہے، لہٰذا وہ بمنزلہ جوف کے ایک گوشہ کے ہو گیا)

اسی وجہ سے اگر کوئی شئی سر تک پہنچی لیکن کسی وجہ سے جوف معدہ تک نہیں پہنچ سکی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"لو وصل إلى الرأس ثم خرج لا يفسد بأن استعط بالليل ثم خرج بالنهار لأنه لما خرج علم أنه لم يصل إلى الجوف أو لم يستقر فيه" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

اگر کوئی چیز راس تک پہنچی، پھر باہر آ گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس طرح پر کہ رات میں ناک میں دوا ڈالی پھر دن میں باہر آ گئی، اس وجہ سے کہ جب باہر آ گئی تو معلوم ہوا کہ وہ جوف تک نہیں پہنچی یا اس میں استقرار نہیں ہوا)۔

حاصل یہ کہ کوئی دوا یا غذا منافذ اصلیہ کے ذریعہ جوف معدہ یا جوف دماغ تک پہنچے، اور جوف معدہ میں اس کا استقرار بھی ہو جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر دوا یا غذا صرف منہ میں رہ جائے حلق میں داخل نہ ہو، یا کوئی دوا وغیرہ مسامات کے ذریعہ اندرون بدن میں سرایت کریں، یا جوف معدہ میں داخل ہونے والی اشیاء کا رشتہ باہر سے برقرار ہو تو ایسی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۱- منہ میں دوا رکھنے کا مسئلہ:

اگر امراض قلب کا مریض کوئی دوا اپنی زبان کے نیچے دبا لے، نہ اسے نگلے اور نہ اسکے لعاب کو تو ایسی صورت میں اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ

وہ زبان کے نیچے کی رگ کے توسط سے قلب پر اثر انداز ہوتی ہے، جس کا تعلق حلق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، جبکہ مفطر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ منافذ اصلیہ کے ذریعہ جوف میں جائے مسامات کے ذریعہ اندرون بدن سرایت کرنے سے روزے پر کوئی فرق نہیں پڑیگا، فتح القدیر میں ہے:

''المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذي هو خلل البدن'' (فتح القدير ۲/۲۵۷)۔

(مفطر وہ شئی ہے جو داخل ہو منافذ جیسے مدخل ومخرج سے، نہ کہ مسامات سے جو بدن کے باریک سوراخ ہوتے ہیں)۔

پھر یہ کہ منہ کو ظاہر کا حکم حاصل ہے اس لئے بھی کسی دوا کو صرف منہ میں رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا تاوقتیکہ وہ حلق میں داخل نہ ہوجائے، مبسوط میں ہے:

''وإن ذاق الصائم بلسانه شيئًا ولم يدخل حلقه لم يفطر بوصول شئ إلى جوفه ولم يوجد والفم في حكم الظاهر'' (المبسوط ۳/۹۴)۔

(اور اگر روزہ دار کسی شئی کو اپنی زبان سے چکھ لے اور وہ شئی اس کی حلق میں نہ جائے تو وہ مفطر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ افطار کسی شئی کے جوف تک پہنچنے سے ہوا کرتا ہے، اور وہ یہاں نہیں پایا گیا، اور منہ ظاہر کے حکم میں ہے)۔

''وإذا أوجر فما دام في فمه لا يفسد صومه فإذا وصل إلى الجوف يفسد صومه'' (فتاوى تاتارخانيه ۲/۳۶۵)۔

(اور اگر منہ میں دوا ڈالی گئی تو جب تک منہ میں باقی ہے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر جوف تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

اسی طرح ''مص ہلیلہ'' سے عدم افطار کے سلسلے میں فتاوی تاتارخانیہ میں ایک جزئیہ مذکور ہے:

''وإذا مص إهليلجة يابسة ولم يدخل عينها في جوفه لا يفسد صومه'' (فتاوى تاتارخانيه ۲/۳۶۸)۔

اور اگر کسی نے گیہوں کا ایک دانہ چبایا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ وہ ناپید ہوجاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی شئی کو صرف منہ میں رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''عن رزين البكري قال: حدثنا مولاة لنا يقال لها سلمى من بكر بن وائل أنها سمعت عائشة تقول: دخل علي رسول الله ﷺ فقال يا عائشة هل من كسرة؟ فأتيته بقرص فوضعه في فيه وقال: يا عائشة هل دخل بطني منه شئ؟ كذلك قبلة الصائم. إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' رواه أبو يعلى الموصلي في مسنده ووقفه عبدالرزاق في مصنفه على ابن مسعود'' (نصب الرايه للزيلعي ۲/۴۵۴)۔

(رزین بکری نے کہا: ہم سے بکر بن وائل کی سلمی نامی ہماری آزاد کردہ باندی نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کہا: اے عائشہ کوئی ٹکڑا ہے؟ تو میں ان کے پاس روٹی کی ایک ٹکیہ لے کر آئی، انہوں نے اسے اپنے منہ میں رکھ لیا اور کہا: اے عائشہ کیا میرے پیٹ میں اس سے کچھ گیا؟ ایسے ہی روزہ دار کا بوسہ ہے، افطار تو اس چیز سے ہے جو داخل ہو نہ اس چیز سے جو خارج ہو)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امراض قلب کے مریض کا دوا کو زبان کے نیچے دبانا مفطر صوم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس میں افطار کا تحقق نہیں ہو رہا ہے، نہ صورۃً نہ معنیً، اسی کے ساتھ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاس یا گرمی کے سبب حالت صوم میں اپنے سر پر پانی بہایا ہے (سنن ابو داؤد: باب الصائم يصب عليه الماء من العطش ويبالغ في الاستنشاق) جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت روزہ خارج سے تقویت حاصل کی ہے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بذل المجہود میں آپ کے اس فعل کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا ہے، وہ یہ کہ جب گرمی کی شدت سے افطار کا اندیشہ ہو (بذل المجہود ۱۱/۱۷۴) اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر افطار کا اندیشہ ہو تو خارج سے مدد لی جاسکتی ہے۔ امراض قلب کے مریض کا حال بھی یہ ہوتا ہے، اگر بوقت ضرورت فوری طور پر یہ دوا استعمال نہ کرے تو قوی امکان ہے کہ اس کا مرض بڑھ جائے اور نتیجۃً اس کو روزہ توڑنا پڑے، اس لئے ایسا مریض اگر بحالت صوم زبان کے نیچے دوا دباتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اس لئے کہ اسمیں اس کے روزے کی بھی حفاظت ہے، اور اس کی جان کی بھی۔ مفتی رشید احمد صاحب نے بھی روزہ میں ڈاڑھ نکلوانے اور منہ میں دوا لگانے کو بوقت ضرورت شدیدہ جائز قرار دیا ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۲)، البتہ اگر کوئی شخص حالت صوم میں نشہ آور شئی کو منہ میں رکھتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ قضائے شہوت کے مسئلے کو اعذار کے مسئلے پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

۲- انہیلر کا مسئلہ:

جن لوگوں کو تنفس کا عارضہ ہوتا ہے انہیں انہیلر استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے ذریعہ ہوا اور دوا کے بعض اجزاء حلق کے راستے سے پھیپھڑے تک پہنچائے جاتے ہیں، حالت صوم میں اس کا استعمال درست نہیں ہوگا، اور ایسا کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ خارج سے کسی شئی کو حلق میں داخل کرنا صورۃً افطار ہے، جیسا کہ اگر کسی نے اپنے حلق میں دھواں داخل کیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

''أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، اى بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (ردالمحتار ۲/۳۶۶)۔

(اگر اپنی حلق میں دھواں داخل کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، داخل کرنے کی جو بھی صورت ہو حتی کہ اگر بخور کا دھواں اٹھا، اور روزہ یاد رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف کر کے سونگھ لیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس وجہ سے کہ اس سے احتراز ممکن ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں تحریر فرمایا ہے:

''لو استخدم مريض الربوبخاخة الهواء عند ضيق النفس فإنه يفطر لأن ما يعفى عن جنسه كالتراب والهواء مقصور على حالة الابتلاء العام فان كان الشئ خاصًا كتعمد ابتلاء رائحة شواء لحم فيفطر لسهولة الاحتراز عنه'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/۱۷۱۹)۔

(اگر تنفس کا مریض سانس کی پریشانی میں انہیلر کا استعمال کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس وجہ سے کہ اس طرح کی جو چیز جیسے مٹی اور ہوا معاف ہوتی ہیں وہ ابتلاء عام کی حالت تک محدود رہتی ہے، اور اگر شئی خاص ہو جیسے بھنے ہوئے گوشت کی بو کو بالقصد نگلنا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس وجہ سے کہ اس سے بچنا آسان ہے)۔

رہا یہ مسئلہ کہ وہ پھیپھڑے میں جاتی ہے، معدے میں نہیں جاتی ہے تو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہاں افطار کی صورت یعنی نگلنا پایا جا رہا ہے، جو مفطر صوم ہے۔

۳- بھاپ کا مسئلہ:

روزہ کی حالت میں بھاپ لینا خواہ قدیم طرز پر ہو یا کسی مشین کے ذریعہ بہر صورت درست نہیں ہوگا اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس وجہ سے کہ بھاپ کو اپنے فعل سے ناک اور کان اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے جو بمنزلہ ادخال دخان کے ہے، اور اس سے احتراز ممکن ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ نے کسی شئی کے حلق میں داخل کرنے کو اور داخل ہونے کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمبا کو کو مفسد قرار دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''إن إدخال دخان التنباك المتعارف فى زماننا مفسد لأنه إدخال لا دخول ويمكن الاحتراز عنه'' (حاشیہ ہدایہ ۱/۱۹۸)

(ہمارے زمانے کے متعارف تمبا کو کے دھواں کا داخل کرنا مفسد صوم ہے، اس وجہ کہ وہ ادخال ہے نہ کہ دخول، اور اس سے بچنا ممکن ہے)۔

۴- انجکشن کا مسئلہ:

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا درست ہے، خواہ گوشت میں لگ رہا ہو یا رگ میں، اس سے دوا کی ضرورت پوری ہو رہی ہو یا غذا کی، بہر صورت اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ مفطر صوم وہ اشیاء ہوتی ہیں جو منفذ اصلی کے ذریعہ معدہ یا دماغ تک پہنچیں (بدائع: ۲/۲۴۳)، اور اگر مسامات کے ذریعہ کوئی دوا اندرون بدن پہنچتی ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فتح القدیر میں ہے:

''المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذى هو خلل البدن'' (فتح القدیر ۲/۲۵۷)۔

(مفطر وہ شئی ہے جو داخل ہو منافذ جیسے مدخل مخرج سے، نہ کہ مسامات سے جو بدن کے باریک سوراخ ہوتے ہیں)۔

ہدایہ میں ہے:

"الداخل من المسام لا ینافی" (ہدایہ ۱/۱۹۷) (مسامات سے داخل ہونے والی شئی منافی صوم نہیں ہے)۔

ردالمحتار میں ہے: "المفطر إنما هو الداخل من المنافذ" (ردالمحتار ۲/۲۶۷)۔

(مفطر صرف وہ شئی ہوتی ہے جو منافذ سے داخل ہو)۔

روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے، جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے، لہذا روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/۴۳۲)۔

البتہ ایسے انجکشن سے حتی الامکان بچنا بہتر ہے جس سے غذا کی ضرورت پوری ہورہی ہو، اس وجہ سے کہ روزہ کے تعلق سے شریعت کے منشاء ومزاج کے خلاف ہے۔

۵- گلوکوز کا مسئلہ:

روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھوانا درست ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ یہ منفذ اصلی کے ذریعہ جوف معدہ تک نہیں پہنچتا بلکہ رگوں کے ذریعہ اندرون بدن پہنچایا جاتا ہے، جبکہ یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ مفطر صوم کے لئے دوا یا غذا کا منافذ اصلیہ سے معدہ تک پہنچنا ضروری ہے، مسامات کے ذریعہ پہنچنے والی اشیاء مفطر صوم نہیں ہوتیں (بدائع ۲/۲۴۳)۔

مفتی نظام الدین اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

عام انجکشن جو رگوں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ غذا یا دوا بعینہ تعرمعدہ میں پہنچائی جائے جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن، اس لئے اگر روزہ کی حالت میں انجکشن نہ لگوانے سے مرض بڑھتا ہے تو بلا کراہت یعنی جو انجکشن محض رگوں اور گوشت میں لگائے جاتے ہیں، لگوا سکتے ہیں، یہی حکم خون اور گلوکوز چڑھانے کا ہے (منتخب نظام الفتاوی ۱/۱۳۳)۔

البتہ ایسے گلوکوز سے حتی الامکان احتراز اولی ہے جس سے غذا کی ضرورت پوری ہورہی ہو، اس لئے کہ یہ روزہ کے باب میں مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

۶- الف: حقنہ استعمال کرنا:

روزہ کی حالت میں اگر سیال یا غیر سیال دوا پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی گئی اور وہ جوف معدہ تک پہنچ گئی تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، بدائع الصنائع میں ہے:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه" (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(اور جو چیز منافذ اصلیہ جیسے ناک، کان اور دبر کے ذریعہ جوف یا دماغ تک پہنچی، بایں طور کہ ناک میں دوا ڈالی، یا حقنہ استعمال کیا، یا کان میں دوا ٹپکائی اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

اسی طرح اگر دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے تب بھی روزہ فاسد ہوجائے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل جزئیات سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

البحر الرائق میں ہے: "وذكر الولوالجى أن الصائم إذا استقصى فى الاستنجاء حتى بلغ مبلغ الحقنة فهذا أقل ما يكون ولو كان يفسد صومه" (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

(ولوالجی نے ذکر کیا ہے کہ اگر روزہ دار استنجاء میں خوب مبالغہ کرے یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ تک پہنچ جائے، یہ بہت کم ہوتا ہے، اور اگر ہوجائے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا)۔ ردالمحتار میں ہے:

ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد، وهذا قلما يكون ولو كان فيورث داءا عظيما (ردالمحتار ۲/۲۰۱)

اور اگر استنجاء میں مبالغہ کرے یہاں تک مقام حقنہ تک پہنچ جائے تو اسکا روزہ فاسد ہوجائے گا، ایسا کم ہی ہوتا ہے، اور اگر ہو تو اس سے ایک بڑا مرض پیدا ہوتا ہے۔

اوراگر دوا موضع حقنہ تک نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، فتح القدیر میں ہے:

"والحد الذی یتعلق بالوصول إلیه الفساد قدر المحقنة" (فتح القدیر ۲/۲۶۶)۔

وہ حد جہاں تک پہنچنے سے فساد صوم متعلق ہو جاتا ہے وہ آلہ حقنہ کی مقدار ہے۔

ب-بواسیر کا مسئلہ:

بواسیر میں دوا لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ بواسیری مسّے موضع حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں، اوران پر لگائی جانے والی دوائیں موضع حقنہ تک نہیں پہنچتیں، جبکہ فساد صوم کے لئے دوا کا موضع حقنہ تک پہنچنا ضروری ہے جیسا کہ گزرا۔

نیز مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد صوم نہیں، لہذا مسّوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۴۰)۔

ج-پیچھے کے راستے سے آلات کا استعمال کرنا:

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے اگر کوئی آلہ پیچھے کے راستے میں داخل کیا جائے اوراس کا ایک سرا باہر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

البحرالرائق میں ہے:

"ولو أدخل خشبة أو نحوها وطرف منها بیده لم یفسد صومه" (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

(اوراگر لکڑی وغیرہ داخل کی جبکہ اس کا ایک سرا باہر اس کے ہاتھ میں ہے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

اوراگر وہ آلہ دوا یا کسی اور چیز سے تر کر کے اندر داخل کیا گیا ہو تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، آلہ کے اندر داخل کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دوا کی وجہ سے جو آلہ پر لگائی گئی ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

"وکذا أدخل إصبعه فی إسته أو أدخلت المرأة فی فرجها لا یفسد وهو المختار إلا إذا کانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء أو الدهن" (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

(اسی طرح اگر مرد نے انگلی اپنی سرین میں داخل کیا یا عورت نے اپنی فرج میں داخل کی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہی قول مختار ہے، الا یہ کہ انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو اس وقت پانی یا تیل کے پہنچنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

فتح القدیر میں ہے:

ولو أدخل الإصبع فی دبره أو فرجها الداخل لا یفسد إلا أن تکون مبلولة بماء أو دهن علی المختار (فتح القدیر ۲/۲۶۷)

(اوراگر انگلی اپنی دبر یا عورت کی فرج داخل میں داخل کی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، الا یہ کہ انگلی پانی یا تیل سے تر ہو، مختار قول یہی ہے)۔

واضح رہے کہ عام طور پر اس طرح کے آلات، دوا یا کسی چیز سے تر کر کے اندر داخل کئے جاتے ہیں۔

۷-الف: مثانہ تک نلکی ڈالنا:

اگر روزہ کی حالت میں عورت کے آگے کے راستے سے مثانے تک خشک نلکی اندر داخل کی جائے اوراس کا ایک سرا باہر ہو تو محض اس کے اندر داخل کرنے

سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ استقرار فی الجوف کا تحقق نہیں ہوا جو فساد صوم کے لئے شرط ہے، درمختار ہے:

''إن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد'' (در مختار ۳/۳۶۹)۔

(جوف میں داخل ہونے والی شئی کا استقرار فساد صوم کے لئے شرط ہے)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے استقرار کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''إن ما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالإستقرار وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلا بشئ خارج لا يفسد لعدم استقراره'' (ردالمحتار ۳/۳۶۹)۔

(جوف میں داخل ہونے والی شئی اگر اس میں غائب ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، استقرار سے یہی مراد ہے، اور اگر غائب نہ ہو بلکہ اس کا کچھ حصہ خارج میں ہو یا کسی شئی خارج سے متصل ہو تو عدم استقرار کے سبب روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

اور اگر نلکی کو دوا وغیرہ سے تر کیا گیا یا اس کے ذریعہ دوا اندر پہنچائی گئی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس وجہ سے کہ عورت کے آگے کے راستے میں دوا ڈالنا صحیح قول کے مطابق بالاتفاق مفسد صوم ہے۔

درمختار میں ہے:

''وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (درمختار ۳/۳۷۲)۔

(رہا عورت کے آگے کے راستے میں پانی وغیرہ کا ٹپکانا تو بالاجماع مفسد صوم ہے، اس وجہ سے کہ وہ حقنہ کی طرح ہے)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (فتاوی عالمگیری ۱/۱۰۴)۔

(اور عورتوں کے آگے کے راستے میں پانی وغیرہ کا ٹپکانا بلا اختلاف مفسد صوم ہے، صحیح یہی ہے)۔

اسی طرح البحر الرائق میں ہے:

''الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

(عورت کے آگے کے راستے میں پانی وغیرہ کا ٹپکانا صحیح قول کے مطابق بلا اختلاف مفسد صوم ہے)۔

اور اگر نلکی مرد کے آگے کے راستے سے مثانہ تک ڈالی گئی ہو تو خواہ وہ خشک ہو یا تر بہر صورت مفسد صوم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ظاہر مذہب کے مطابق مرد کے آگے کے راستے میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، درمختار میں ہے:

''أو أقطر في إحليلة ماءً أو دهنًا وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (درمختار ۳/۳۷۲)۔

(یا اپنے پیشاب کے راستے میں پانی یا تیل ٹپکایا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر چہ وہ مثانہ تک پہنچ جائے ظاہر مذہب کے مطابق)۔

اس سلسلے میں امام ابو یوسف کے اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ان کے یہاں احلیل اور جوف کے درمیان منفذ ہے، جبکہ تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان منفذ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ طب سے متعلق ہے، اور اطباء کے بقول منفذ نہیں ہے، علامہ شامی نے زیلعی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

''والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشح كما يقول الأطباء زيلعي'' (ردالمحتار ۳/۳۷۲)۔

(اظہر یہ ہے کہ جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ نہیں ہے، اور مثانہ میں پیشاب بقول اطباء رس رس کر جمع ہوتا ہے)۔

ب-رحم میں آلات داخل کرنا:

اگر امراض کی تحقیق کے لئے کوئی خشک آلہ اندرون رحم داخل کیا گیا اور اس کا ایک سرا باہر ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسوجہ سے کہ استقرار فی الجوف نہیں پایا گیا، اور اگر وہ آلہ تر کر کے اندر داخل کیا گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

''وكذا لو أدخل إصبعه في إسته أو أدخلت المرأة في فرجها لا يفسد هو المختار، إلا إذا كانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

(اسی طرح اگر مرد نے اپنی انگلی اپنی سرین میں داخل کی یا عورت نے اپنی فرج میں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مختار قول یہی ہے، الا یہ کہ انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو اس وقت پانی یا تیل کے پہنچنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

ج-رحم میں دوا رکھنا:

اگر کسی عورت نے کوئی دوا اپنے رحم میں اس طرح رکھا کہ اسکا تعلق خارج سے باقی نہیں رہا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''وإذا أدخلت المرأة القطنة في قبلها إذا انتهت إلى الفرج الداخل هو رحمها انتقض صومها وفي لفتاوى الخلاصة: هذا إذا أدخلت القطنة بالكلية فإن كان طرفها في الفرج الخارج لايفسد كما في الخيطة''(فتاوی تارتارخانیہ ۲/۲۷۰)

(اور اگر عورت نے اپنے آگے راستے میں روئی داخل کی اور وہ فرج داخل یعنی رحم تک پہنچ گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، فتاوی خلاصہ میں ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ روئی پورے طور پر داخل کرے، اگر اس کا کچھ حصہ خارج میں باقی ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ دھاگے میں ہوتا ہے)۔

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (در مختار ۳/۳۶۹)۔

(اور اگر عورت نے روئی داخل کی اور وہ غائب ہوگئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر اس کا کچھ حصہ اس کے فرج خارج میں باقی ہو تو نہیں)، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

مفطرات صوم کے جدید مسائل

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی [۱]

۱- امراض قلب میں جو دوا زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہے وہ سفید رنگ کی ایک ٹکیہ (ٹبلیٹ) ہوتی ہے جس کا سائز چنے کے دانہ سے چھوٹا ہوتا ہے، اس طریقہ علاج میں دوا کے اثرات مسامات کے ذریعہ قلب تک پہنچتے ہیں اور خود دوا کے اجزاء منہ کے لعاب میں شامل ہو کر گم ہو جاتے ہیں، اس صورت میں اگر منہ کی رطوبت اور لعاب میں شامل دوا کے اجزاء کو نگلا نہ جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ جوف بدن میں ایسی چیز داخل نہیں ہوئی جس میں صلاح بدن تو ضرور ہے لیکن صورۃً و معنیً اکل کی حقیقت نہیں پائی گئی جو دراصل مفسد صوم ہے۔

اس کی ایک نظیر وہ جزئیہ ہے جسے قاضی خانؒ نے نقل کیا ہے:

''فإن مضغها لا يفسد صومه لأنها تلزق بأسنانه فلا يصل إلى جوفه شيء'' (فتاوی قاضی خاں ۱۰۱/۱)۔

(اگر تل کے دانے کو باہر سے لیکر منہ سے چبالیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اس کے دانتوں میں چپک گیا اور اس کا کوئی جز جوف بدن میں نہیں پہنچا)۔

دوسری نظیر وہ ہے جسے علامہ ابن نجیم نے ذکر فرمایا ہے:

''وفي الولوالجية والظهيرية: لو مص الهليلج وجعل يمضغها فدخل البزاق حلقه ولا يدخل عينها في جوفه لا يفسد صومه'' (البحر الرائق ۲/۴۷۷)۔

(فتاوی ولوالجیہ اور ظہیریہ میں ہے کہ اگر کسی نے ہلیلہ (ایک دوا کا پھل) کو چوسا اور اسے چبانے لگا تو اس کے حلق میں لعاب (تھوک) داخل ہو گیا لیکن اس کے جوف بدن میں ہلیلہ کا جز داخل نہیں ہوا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

یہاں قابل غور یہ ہے کہ لعاب میں ہلیلہ کے اجزاء چبانے کی وجہ سے شامل ہو گئے لیکن چونکہ جوف بدن میں بعینہ ہلیلہ کا جز داخل نہیں ہوا بلکہ اس کا اثر پہنچا ہے اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

حلق اور منہ میں کسی چیز کے ذائقہ کی موجودگی جبکہ اس شئ کا عین حلق میں نہ اترے روزے کیلئے مفسد نہیں، چنانچہ سرمہ جو دوا کے سفوف کی طرح ہی پتھر کا پسا ہوا پاؤڈر یا سفوف ہوتا ہے، آنکھ میں روزے کی حالت میں لگانے کی وجہ سے اگر حلق میں اس کا مزہ اور منہ کے لعاب میں اس کا رنگ اتر آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ حلق میں اس کا اثر پہنچا ہے نہ کہ عین سرمہ (البحر الرائق ۲/ ۴۷۷)۔

اس مسئلہ کو منجن اور ٹوتھ پاؤڈر یا گل پر قیاس کیا جائے جو دانتوں پر لگایا جاتا ہے اور منہ کے لعاب میں اس کے اثرات شامل ہو کر حلق اور دماغ تک کو متاثر کرتے ہیں اور ان کے استعمال کو روزہ میں مکروہ قرار دینے کے باوجود فقہاء اور مفتیان کرام نے مفسد صوم نہیں بتایا ہے (فتاوی دار العلوم مدلل مکمل ۶/ ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۶، احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۹)۔

اسی طرح ضرورت کی بنا پر اگر کوئی ماں اپنے بچے کو روٹی چبا کر کھلائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

''لا بأس للمرأة الصائمة أن تمضغ لصبيها أو للمريض طعامًا إذا لم تجد منه بدًا'' (فتاوی سراجیه علی ہامش فتاوی

[۱] مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ۔

قاضی خان ۱/۱۸۳)۔

(روزہ دار عورت کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے بچے یا مریض کیلئے کھانا چبا کر کھلائے جبکہ اس کیلئے کوئی چارہ کار نہ ہو)۔

حالانکہ روٹی چبانے سے کھانے کا اثر لعاب میں شامل ہو کر پورے منہ میں پھیل جاتا ہے صرف زبان کی نوک تک نہیں رہتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مریض قلب کسی دوا کی ٹکیہ یا ٹبلیٹ کو زبان کے نیچے دبالے اور لعاب کو حلق میں داخل نہ ہونے دے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن حلق میں اتر جائے تو جوف بدن میں مصلح بدن چیز کے داخل کرنے یا ہوجانے کے سبب روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۲- دمہ یا تنفس کے مریض کو انہیلر کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے، انہیلر دوا کے اثرات کے ساتھ آکسیجن لینے کے ہم معنی ہے، اس میں سفوف کی قسم سے جو دوا پائپ میں ہوتی ہے وہ ہوا میں مخلوط ہو کر حلق کے راستے معدہ کے بجائے پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، اس میں دوا کے کثیف اجزاء ہوا میں گھل کر لطیف بن جاتے ہیں اور متکیف بکیفتیہ الدوا ہو کر پھیپھڑوں میں اثر انداز ہوتے ہیں، اس طرح بھپارہ لینے کی ایک کیفیت بن جاتی ہے، اور فقہاء نے بھپارہ لینے کو روزہ میں مفسد قرار نہیں دیا، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہیلر استعمال کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

ہوا قدرتی طور پر کسی نہ کسی کیفیت سے متکیف ہوتی ہے، اور ہوا میں دوا یا خوشبو اور بدبو کے اجزاء لطیفہ شامل ہوتے ہی ہیں، اور فقہاء نے گلاب اور مشک سونگھنے کو مفسد صوم نہیں لکھا ہے، دھواں کو روزہ دار جس شکل میں بھی حلق میں داخل کرے خواہ انگیٹھی سلگا کر یا اگربتی جلا کر سونگھے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، کیونکہ دھواں کے کثیف اجزاء جوف بدن میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کے برخلاف ہوا میں شامل خوشبو یا بدبو کے لطیف اجزاء کو داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

شامی میں ہے: ''وہذا مما یغفل عنه کثیر من الناس ولا یتوہم أنه کشم الورد وماءہ والمسك لوضوح الفرق بین ہو إتطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله'' (ردالمحتار: باب ما یفسد الصوم ۲/۱۲۲،۱۲۳)۔

(یہ وہ حقیقت ہے جس سے بہت سے لوگ غافل ہیں، اور یہ وہم بھی نہ ہو کہ دھواں داخل کرنے کا معاملہ گلاب یا عرق گلاب اور مشک سونگھنے جیسا ہے، کیونکہ جو ہوا مشک اور اس جیسی خوشبو سے ملا کر پاکیزہ ہوگئی ہو اس میں اور دھواں کے جوہر کے درمیان فرق واضح ہے جو جوف تک روزہ دار کے اپنے فعل سے پہنچ گیا ہو)۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ہوا میں شامل کسی کثیف اور مرئی جز کے ادخال سے روزہ فاسد ہوجائے گا، مگر غیر مرئی لطیف جز سے متکیف ہوا کے جوف بدن میں داخل کرنے سے فاسد نہیں ہوگا، اور غالباً انہیلر میں یہی صورت ہوتی ہے۔

۳- اس سوال کا بالکل واضح جواب حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے دیا ہے جو فتاوی محمودیہ کے حوالہ سے درج ذیل ہے:

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں، اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کردیا جاتا ہے، غرض کہ جو فائدہ حلق کی راہ سے دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ طریقہ علاج قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اسکو مفسد صوم نہیں قرار دیا (فتاوی محمودیہ ۳/ ۱۴۷)۔

کچھ حضرات نے بھپارہ لینے کو حلق میں اپنے ارادہ سے دھواں داخل کرنے پر قیاس کر کے اس کو مفسد صوم قرار دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ دھواں کے اجزاء کثیفہ کا ادخال فی الحلق بصنعہ اور بھپارہ لینے کے درمیان ایک بنیادی فرق موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر ہوا میں شامل کر کے اتنا لطیف بنا دینا کہ وہ ہوا میں گم ہوجائے اور ہوا کا حکم اختیار کرلے جیسا کہ بھپارہ میں ہوتا ہے، جبکہ دھواں میں یہ شکل نہیں ہوتی،

اس کا مادہ کثیفہ ہوا بعینہ موجود رہتا ہے، لہٰذا دونوں کے حکم میں فرق رہے گا، دھواں کے ادخال فی الحلق سے روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ وہ منفذ اصلی سے جوف بدن میں داخل ہوا ہے جبکہ بھپارہ میں دوا کے لطیف اجزاء مسامات یعنی جسم کے باریک شگاف کے راستے اندر داخل ہوتے ہیں، بنا پر یں پہلی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا اور دوسری صورت میں فاسد نہیں ہوگا، اسی باریک وجہ فرق کی طرف ابن عابدین شامی نے اشارہ فرمایا ہے جس کا ذکر پچھلی سطروں میں کیا جاچکا ہے، اسی بات پر انھوں نے یہ تنبیہ فرمائی ہے: "هذا مما يغفل عنه كثير من الناس" اس سے اکثر لوگ غفلت میں مبتلا ہیں۔

۴، ۵-روزہ میں انجکشن اور گلوکوز:

ان دونوں سوالات کے جوابات سوالات کی نوعیت کی مزید وضاحت کے ساتھ حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند نے مدلل مکمل اور مفصل طور پر دیدئے ہیں اس لئے علحدہ سے کچھ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یہی جوابات کافی وشافی ہیں۔

الجواب (۹۴): روزے کی نقل کردہ تعریف کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا ہے۔

انجکشن سے چاہے وہ ۵۰ سی سی کا ہو یا اس سے کم زاید کا، اس تعریف میں خلل نہیں آتا، کھانا پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا، وہ فائدہ گو پورا نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایرکنڈیشن میں داخل ہونے، سبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی کو ختم کرنا تھا جو بظاہر روزہ کے مقصد کے خلاف ہے...... آج سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے، تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ کھانے کا مقصد حاصل کرنے کیلئے مفید ہے، اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے، یہ یقین واعتقاد بہت زیادہ قوی ہے، سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائیگا۔ غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: "أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه... الخ" (سورۂ حجرات: ۱۲)۔

اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے، کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۂ اکل وشرب ہے مگر مقصد اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا پھر بھی وہ مفسد صوم ہے، مثلاً کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا، اور اگر بھول کر کھا پی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی مگر روزہ فاسد ہوگیا، سونے میں احتلام سے مقصد جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا۔ سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازت افطار دی، اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی، اور مسافت سفر تین یوم (تین منزل، تقریباً اڑتالیس (۴۸) میل) مقرر کی، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کیساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کرے گا، یا اس کو رخصت افطار سے محروم کر دیا جائے گا، یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کر دی گئی ہے کہ اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری

صورت تجویز کر کے اپنے تجویز کردہ مقصد قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا، اور جو صورت حدود قانون کے اندر جائز ہے اسکو مقصد قانون کے خلاف قرار دیکر حدود جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے بلکہ ۲۵ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصد قانون یہ ہے کہ ۲۵ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں سو میں نے ۲۵ پیسے خرچ کردیئے، تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا (فتاوی محمودیہ ۳/۱۴۵)۔

۶- انسانی جسم میں پیچھے کے راستے سے جو چیز بھی اندر داخل کی جائے اگر وہ مقام حقنہ کے نیچے نیچے تک ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، بواسیر کے مسّے مقام حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں اس لئے اندرونی مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ برقرار رہے گا، البتہ حقنہ کے منہ تک دوا لگانا فساد صوم کا سبب ہے، کیونکہ اس صورت میں معدہ اسے اندر جذب کرسکتا ہے جو مفسد صوم ہے۔ دراصل اس مسئلہ کا دارومدار دوا کے معدہ میں پہنچ جانے کے یقین پر ہے، دوا خواہ خشک ہو یا تر، جامد ہو یا سیال، اگر اس کے معدہ میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو جائے جو یقین ہی کا ایک درجہ ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف پہنچ جانے کے امکان پر فساد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا مگر احتیاط بہتر ہے، اسی واسطے فقہاء نے استنجاء میں بھی مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

''حتی لو علم أن الرطب لم یصل لم یفسد ولو علم أن الیابس وصل فسد صومه'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷)۔

اگر معلوم ہو جائے کہ گیلی دوا معدہ تک نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر یہ علم ہو جائے کہ خشک دوا اندر پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

ایک سوال کہ روزہ کی حالت میں دن میں عورت کو اپنی شرمگاہ میں ٹیوب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور روزہ تو فاسد نہیں ہوگا جبکہ شرمگاہ میں زخم ہو، شرعاً کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ فرج داخل میں دوا پہنچنے سے ٹوٹ جائے گا، اوپر کے مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرج داخل شروع ہوتا ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۴۸)۔

عورت اپنی اندرونی شرمگاہ میں روئی بھر لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور وجہ وہی ہے کہ اس صورت میں منفذ اصلی کے راستے رطوبت معدہ تک پہنچ جائیگی جو فساد صوم کا سبب ہے۔

رہا معاملہ آلات داخل کر کے تحقیق مرض کا تو ظاہر ہے کہ آلات چاہے قدرتی شگاف بدن، ناک، کان، حلق، شرمگاہ کسی بھی راستے سے داخل کئے جائیں ان کا استقرار داخل جسم یا جوف بدن میں نہیں ہوتا بلکہ محدود وقت کے بعد انہیں نکال لیا جاتا ہے اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن ان آلات پر پانی یا تیل لگا کر داخل بدن کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

''کذا لو أدخل إصبعه فی إسته أو أدخلت المرأة فی فرجها هو المختار إلا إذا کانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷)۔

جہاں تک امراض کی تحقیق کیلئے معدہ تک نلکی یا آلات داخل کرنے کا سوال ہے خواہ منہ کے راستہ سے داخل کیا جائے یا مقعد کے راستہ سے، اگر وہ خشک آلات ہیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ ان آلات کے ذریعہ اندر سے گوشت یا معدہ میں موجود کسی مادہ کو برائے تحقیق نکال لیا جائے روزہ

پر کوئی مضر اثر نہیں پڑے گا، حدیث نبوی میں قے کے تعلق سے جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے اس کے عموم سے اس صورت مسئلہ کا بھی حکم معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''الفطر مما دخل وليس مما خرج'' (رواه أبو يعلى الموصلي في مسنده، البحر الرائق ۲/۴۸۶)۔

(افطار (غذا، دوا) جیسی اندر داخل ہونے والی چیز سے ہوتا ہے، اندر سے باہر نکلنے والی چیز سے نہیں ہوتا)۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اندر داخل ہونے والی چیز جس کا منفعت جسم سے تعلق ہو یا نہ ہو، قلیل وکثیر ہر مقدار میں مفسد صوم ہے، البتہ اس میں ایک شرط اس کے جسم میں ٹھہر جانے کی بھی ہے۔ علامہ ابن نجیم نقل کرتے ہیں:

''ولو شد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل''۔

(اگر کسی شخص نے کھانا دھاگے میں باندھ کر حلق میں اتار دیا اور دھاگے کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن دھاگہ ٹوٹ کر الگ ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

''ولو أدخل خشبةً أو نحوها وطرفا منها بيده لم يفسد صومه''۔

(اور اگر کسی نے مقعد میں لکڑی یا اسی جیسی چیز داخل کر دی اور اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

''قال في البدائع وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۴۸۷)۔

(علامہ کاسانی نے بدائع میں فرمایا کہ یہ (دونوں مسئلے) اس بات کی دلیل ہے کہ جوف بدن میں داخل ہونے والی چیز کا اندر ٹھہر جانا فساد صوم کیلئے شرط ہے)۔

اور آلات یا نلکی ڈالنے والی صورت میں چونکہ جوف بدن میں انکا استقرار نہیں ہوتا اس لئے فساد صوم کی شرط بھی نہیں پائی گئی، بنابریں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ مسئلہ کی مذکورہ بالا دونوں جزئیات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ادخال اوپر کے راستے سے ہو یا نیچے کے راستے سے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

۷- اس مسئلہ میں فقہاء نے مرد وعورت کے درمیان فرق کیا ہے، مرد کی اگلی شرمگاہ میں جامد یا سیال دوا نلکی کے ذریعہ مثانہ میں پہنچائی جانے والی دوا امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں۔ دراصل ان حضرات کے نقطہ نظر سے مرد کے عضو تناسل کی جڑ میں مثانہ ہوتا ہے جو معدے اور عضو مخصوص کے درمیان حائل رہتا ہے، اور پیشاب کی تھیلی سے پیشاب کا ترشح ہوتا ہے جو منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں بلکہ مثانہ کے مسامات کے ذریعہ ہوا کرتا ہے، اس طرح اگر کوئی دوا نلکی کے ذریعہ یا براہ راست قدرتی سوراخ سے معدے میں نہیں پہنچتی بلکہ شگاف بدن کی راہ سے پہنچتی ہے اس لئے وہ مفسد صوم نہیں ہے

البتہ عورتوں کی اگلی شرمگاہ سے معدے تک منفذ اصلی موجود ہوتا ہے اس لئے فرج مرأۃ کے اندرونی حصے میں دوا لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا

''إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله، وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلاخلاف وهو الصحيح'' (فتاوی ہندیہ ۱/۱۳۱)۔

(سوراخ ذکر میں کوئی دوا ڈالے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا..... اور عورت کی شرمگاہ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہی صحیح ہے)۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی بعض جدید صورتیں

مولانا ریاض احمد قاسمی رحمانی [1]

۱- مذکورہ صورت میں وہ دوا مفسد صوم ہے، اور بدرجۂ مجبوری استعمال کی گئی ہو تو صرف قضا واجب ہے۔ فقہاء کے یہاں اس کی دو نظیریں ملتی ہیں:

پہلی نظیر:

"قال الحصکفی: ولو أکل مثل سمسمة من خارج، یقطع، ویکفر فی الأصح، إلا إذا مضغ بحیث تلاشت فی فمه؛ إلا أن یجد الطعم فی حلقه کما مرّ، واستحسنه الکمال قائلا: وهو الأصل فی کل قلیل مضغه" (رد المحتار ۳/۳۹۴)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی تل کے برابر دانہ منہ کے باہر سے لے کر کھائے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) چبائے بغیر یا معمولی چبا کر نگل جائے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

(ب) اس کو منھ میں رکھ کر اتنا چبائے کہ وہ بالکل لعاب میں رل مل جائے، گویا لعاب ہی بن جائے اور حلق میں کسی قسم کا کوئی ذائقہ محسوس نہ ہو، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا

(ج) چبانے کے بعد وہ رل مل کے لعاب تو بن جائے، لیکن اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

انطباق:

ہمارے یہاں ایک صاحب یہ دوا استعمال کرتے ہیں، ان سے تحقیق کرنے پر انھوں نے بتایا کہ دوا رفتہ رفتہ لعاب میں تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کے اثر سے زبان پر ایک قسم کا ارتعاش اور سنسناہٹ محسوس ہونے کے ساتھ ساتھ حلق میں اس کی تلخی بھی محسوس ہوتی ہے، لہذا زیر بحث مسئلہ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے تیسری صورت کے مشابہ ہے۔ پس اس پر قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے، اور عذر کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو صرف قضا واجب ہو۔ خاص طور پر اس قیاس کی تائید علامہ الکمال کے اس قول سے ہوتی ہے: "وهو الاصل فی کل قلیل مضغه"۔

دوسری نظیر:

"قال فی البدائع: وما وصل إلی الجوف، أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة، کالأنف، والأذن، والدبر، بأن استعط، أو احتقن، أو أقطر فی أذنه، فوصل إلی الجوف، أو إلی الدماغ، فسد صومه" (بدائع)۔

"وقال فی الدر: وکره مضغ علك أبیض ممضوغ ملتئم، وإلا فیفطر۔ وقال ابن عابدین: قوله: أبیض الخ: قیده بذلك، لأن الأسود، وغیر الممضوغ، وغیر الملتئم، یصل منه شیء إلی الجوف۔ وأطلق محمد المسئلة، وحملها الکمال تبعًا للمتأخرین علی ذلك للقطع بأنه معلل بعدم الوصول، فإن کان مما یصل عادة، حکم بالفساد لأنه کالمتیقن" (رد المحتار ۳/۳۹۵،۳۹۶)۔

بدائع کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جو چیز فطری منفذ کے ذریعے جوفِ دماغ، یا جوفِ بطن تک بالقصد پہنچائی جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور شامی کی عبارت سے پتہ چلا کہ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن تک پہنچنے کی تحقیق اور قطعی یقین کوئی ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ چیز ایسی ہو جو عادۃً اندر تک پہنچ جاتی ہے، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے بظاہر اندر اترتے وقت محسوس نہ ہو، بی اسی وجہ سے امارت شرعیہ کے مفتیان کرام تمبا کو اور گل استعمال کرنے کو مفسدِ صوم قرار دیتے ہیں (فتاوی امارت شرعیہ ۳/۱۷۷)۔

---

[1] جامعہ رحمانی مونگیر۔

انطباق:

زیر بحث مسئلے میں بھی اگر چہ وہ دوا اندر اترتی ہوئی بظاہر محسوس نہیں ہوتی، لیکن فطری منفذ یعنی منہ کے ذریعے عادۃً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ اندر پہنچ ہی جاتا ہے، جس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے اور جس سے دل کی کیفیت معمول پر آجاتی ہے، اس لیے جس طرح تمباکو، گل وغیرہ مفسدِ صوم ہے اسی طرح یہ دوا بھی مفسدِ صوم ہے۔

بعض شبہات کی تردید:

کتب فقہ میں دو جزیے اور ملتے ہیں، جن پر قیاس کا شبہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔

پہلا جزئیہ:

''قال الحصکفی: أو ادھن، أو اکتحل، أو احتجم، وإن وجد طعمه فی حلقه۔ قال الشامی: وکذا لو بزق، فوجد لونه فی الأصح۔ بحر۔ وقال فی النھر: لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن۔ والمفطر إنما ھو الداخل من المنافذ'' (ردالمحتار ۲/۳۶۷)۔

یعنی جس طرح مذکورہ جزیے میں حلق کے اندر اثر محسوس ہونے کے باوجود تیل یا سرمہ مفسدِ صوم نہیں اسی طرح زیر بحث مسئلے میں بھی حلق کے اندر اثر محسوس ہونے کے باوجود یہ دوا مفسد صوم نہیں، کیونکہ دونوں صورتوں میں اثر مسامات کے ذریعے حلق تک پہنچتا ہے، براہِ راست فطری منفذ کے ذریعے نہیں۔

لیکن یہ شبہ اس لیے درست نہیں کہ مذکوہ جزیئے میں سرمہ یا تیل آنکھ یا سر میں استعمال کیا جاتا ہے، جو اشیاء کے اندر تک پہنچنے کا فطری منفذ نہیں ہے، اس لیے وہاں سے جو اثر حلق میں جائے گا وہ فطری منفذ سے جانے والا نہیں کہلائے گا، جب کہ زیر بحث مسئلے میں وہ دوا منہ کے اندر زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، جو اشیاء کے اندر تک پہنچنے کا فطری منفذ ہے، اس لیے وہاں سے جو اثر حلق میں جائے گا وہ فطری منفذ کے ذریعے پہنچنے والا کہلائے گا، اگر چہ لعاب میں رل مل جانے کی وجہ سے دوا کا کوئی جز باضابطہ داخل ہوتا ہوا محسوس نہ ہو۔

دوسرا جزئیہ:

''قال ابن عابدین: قوله ومص إھلیلج ای بأن مضغھا، فدخل البصاق فی حلقه، ولا یدخل من عینھا فی جوفه، لا یفسد صومه۔ کما فی التاترخانیة وغیرھا'' (ردالمحتار ۲/۳۶۷)۔

یعنی جس طرح اہلیلج (ہڑ ہ) چوسنے کے بعد لعاب حلق میں داخل ہوجائے اور خود اہلیلج کا کوئی حصہ اندر نہ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح یہ دوا منہ میں رکھنے کے بعد جب تک خود اس کا کوئی حصہ اندر نہ جائے اور لعاب وغیرہ بھی نہ نگلے اس وقت تک روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن یہ شبہ اس لیے درست نہیں کہ ''اہلیلج'' ایک ٹھوس دانہ ہوتا ہے، جسے ہندی میں ''ہڑ ہ'' کہتے ہیں، یہ دانہ چبانے کے بعد ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، لیکن مذکورہ دوا کی طرح لعاب میں مل کر لعاب نہیں بن جاتا کہ لعاب کے ساتھ غیر محسوس طریقے پر اندر داخل ہوجائے، اس لیے شرط لگائی گئی کہ اگر خود ''اہلیلج'' کا کوئی ذرہ اندر پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹے گا، ورنہ نہیں جبکہ مذکورہ دوا تھوڑی دیر کے بعد لعاب بن جاتی ہے، جو عادۃً اندر تک پہنچ ہی جاتی ہے، اس لیے محسوس طریقے پر اس کے کسی جز کا اندر داخل ہونا ضروری نہیں، بلکہ روزہ ٹوٹنے کے لیے صرف حلق میں اس کے ذائقے کا احساس کافی ہے۔ اس لیے ٹھوس چیز پر اس سیال چیز کا قیاس درست نہیں ہے۔

۲- روزہ کی حالت میں مذکورہ طریقے پر انہیلر کا استعمال درست نہیں ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کتب فقہ میں اس کی واضح نظیر موجود ہے:

قال الحصکفی: ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان، أفطر، ای دخان کان، ولو عودا أو عنبرا، لو ذاکرا، لإمکان التحرز عنه... ولا یتوھم أنه کشم الورد ومائه، والمسك، لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسك، وشبھه، وبین جوھر دخان وصل إلی جوفه بفعله وبه علم حکم شرب الدخان'' (ردالمحتار ۲/۳۶۶)۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے حلق میں بالقصد دھواں داخل کرلے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے روزہ یاد ہونے کی حالت میں بھاپ لیا اور اسے سونگھا، تو اس کا روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ دھواں یا بھاپ ایک مستقل وجود ہے اور مستقل وجود رکھنے والی کوئی چیز جب اندر داخل ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی روزے کی حالت میں گلاب سونگھے، یا عطریات استعمال کرے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس صورت میں اگرچہ گلاب کی خوشبو اور عطر کی مہک ہوا کے ساتھ اس کے حلق میں داخل ہوجاتی ہے، پس کسی مستقل چیز کا اندر داخل ہونا نہیں پایا گیا اس لیے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

انطباق:

جس طرح مذکورہ مسئلے میں دھواں یا بھاپ حلق میں داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ حلق سے نیچے اترنے کے بعد عادۃً اس کا جوف تک پہنچنا ظاہر ہے۔ اسی طرح انہیلر استعمال کرنے سے ہوا کے ساتھ دوا معمولی مقدار میں سہی، حلق کے راستے پھیپھڑے تک پہنچ جاتی ہے، اس کے بعد عادۃً جوف تک پہنچنا ظاہر ہے، کیونکہ وہ دوا جوف کے فطری منفذ میں داخل ہوچکی ہے، اور حلق سے اترنے کے بعد پھیپھڑے تک ہی محدود رہے کوئی ضروری نہیں ہے، اس لیے حکم کا مدار ظاہر ہی پر رکھا جائے گا اور روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس طرح کے مسائل میں حکم کا مدار ظاہر ہی پر رکھا جاتا ہے۔

انہیلر کی نظیر حقہ ہے، لہٰذا جو حقے کا حکم ہوگا وہی انہیلر کا بھی ہوگا۔ حقے کے بارے میں علامہ عبدالحی صاحبؒ نے ''رسائل الارکان'' سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے:

''لو أدخل الدخان —كما يعتاده اليوم أكثر الناس— فينبغي أن يفسد به الصوم، خصوصًا دخان التنباك، لأنه يورث الفرح، ويحصل التسكين للمعتادين'' (مجموعة الفتاوى ۱/۳۸۰)۔

ایک شبہ کا ازالہ:

کتب فقہ میں اس طرح کا ایک جزئیہ اور ملتا ہے، جس پر اس مسئلے کے قیاس کا شبہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ فقہ کا وہ جزئیہ یہ ہے کہ: روزہ توڑنے والی چیزوں کو شمار کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ نے ''کطعم أدویۃ'' ذکر فرمایا ہے۔ علامہ شامیؒ اس کی تشریح فرماتے ہیں:

''قوله كطعم أدوية اى لو دق دواءً فوجد طعمه فى حلقه۔ زيلعى وغيره. وفى القهستانى: طعم الأدوية، وريح العطر، إذا وجد فى حلقه، لم يفطر، كما فى المحيط'' (ردالمحتار ۳/۳۶۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی دوا کوٹے اور اس کے دوران اس کے حلق میں دوا کا ذائقہ محسوس ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح انہیلر کو سمجھا جائے کہ اس کے ذریعے دوا کی بہت معمولی مقدار حلق کے اندر داخل ہو تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن یہ شبہ اس لیے درست نہیں کہ دوا کوٹنے کے دوران دوا کے ذرات کے ساتھ جو ہوا اس کے حلق میں داخل ہوئی، اس کو اس نے بالقصد اندر داخل نہیں کیا، بلکہ وہ خود بخود اندر داخل ہوئی، جس سے بچنا دوا کوٹنے والے کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے یہ صورت دخولِ غبار و دخان کے مشابہ ہے، جس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جبکہ انہیلر کا استعمال اس نے اپنے فائدے کے لیے اپنے قصد و اختیار سے کیا ہے، اس لیے وہ ادخالِ دخان کے مشابہ ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۳- سوال میں مذکور بھاپ لینے کی دونوں صورتیں روزہ کی حالت میں درست نہیں، ان سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کتبِ فقہ میں اس طرح کا تقریباً صریح جزئیہ موجود ہے۔

''قال الشامي: حتى لو تبخر ببخور، فآواه إلى نفسه، واشتمه ذاكرا لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عنه۔ وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس'' (ردالمحتار ۳/۳۶۶)۔

روزہ ٹوٹنے کی علت یہاں بھی وہی ہے کہ فطری منفذ کے ذریعے خارجی چیز جوف تک پہنچائی گئی، جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چاہے اس کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے بلا واسطہ یا براہِ راست بھاپ لی جائے، یا مشین کے ذریعے لی جائے ہر صورت میں علت متحقق ہوگی اور روزہ ٹوٹے گا۔

اہم ملاحظہ:

واضح رہے کہ جواب نمبر ۲ میں "کطعم أدویة" والے جزیئے سے جو شبہ ہوا تھا وہ یہاں بھی ہوگا، لیکن عرض کیا جاچکا ہے کہ: چونکہ اس صورت میں بلا قصد واختیار دخول ہوتا ہے، اس لیے بالقصد ادخال والی صورتوں کو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ اس فرق کی وضاحت حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے ایک فتوی سے اچھی طرح ہوتی ہے؛ اس لیے ذیل میں ان کا فتوی مع استفتاء نقل کیا جاتا ہے:

الاستفتاء: حالتِ روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت پاس ہی عود اور اگربتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں اگربتی کو پاس رکھ کر اس کے دھویں کو سونگھا جائے اور حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

پھر مولاناؒ نے شامی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے۔

اس سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو ظاہر ہے کہ دھواں کے دخول اور ادخال میں فرق ہے۔ دوسری یہ کہ قصد واختیار کا تعلق براہِ راست اس عمل سے ہے جو مفسدِ صوم ہے، نہ کہ اس کے مقدمات سے؛ جیسا کہ اگربتی کا دھواں حلق میں داخل کرنا یہ مفسد ہے، اور اگربتی جلانا اس کا مقصد ہے، تو روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب دھواں کو بالقصد حلق میں داخل کرے، یا سونگھے؛ لیکن اگربتی تو بالقصد جلائے، مگر اس کا دھواں بالقصد داخل نہ کرے، بلکہ از خود داخل ہوجائے تو یہ ادخال بالواسطہ نہیں سمجھا جائے گا اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح بالقصد دوا کوٹے اور از خود اس کے ذرات ہوا کے ساتھ حلق میں داخل ہوں، تو یہ بالقصد ادخال نہیں سمجھا جائے گا اور روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۴- سوال میں انجکشن کی دو قسموں کا حکم دریافت کیا گیا ہے: ایک یہ کہ انجکشن کے ذریعے دوا کی ضرورت پوری کی جائے تو کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ انجکشن کے ذریعے غذا کی ضرورت پوری کی جائے تو کیا حکم ہے؟

پھر ہر قسم کی دو دو صورتیں ہیں: (الف) دوا یا غذا براہِ راست جوف میں پہنچائی جائے، اگرچہ یہ نادر ہے۔ (ب) دوا یا غذا رگوں یا گودوں میں پہنچائی جائے، جیسا کا رائج ہے۔ ذیل میں ہر ایک کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

(الف) انجکشن کے ذریعے دوا سیدھے جوف میں پہنچائی جائے، جیسا کہ ماضی قریب میں کتے کا انجکشن براہِ راست معدے کے اندر ہی دیا جاتا تھا، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا (حاشیہ جواہر الفقہ از محمد رفیع عثمانی عن المفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

"قال الحصكفي: أو داوى جائفة، أو آمة، فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه، ودماغه" (ردالمحتار ۲/۳۷۶)۔

"وقال الكاساني: وأما ما وصل إلى الجوف، أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية، بأن داوى الجائفة، أو الآمة، فإن داواها بدواء يابس لا يفسد، لانه لم يصل إلى الجوف، ولا إلى الدماغ، ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة" (بدائع ۲/۲۴۳)۔

ان عبارات سے اصولی طور پر دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ روزہ ٹوٹنے کا مدار ادخال من المنفذ پر ہے۔ دوسری یہ کہ منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلا واسطۂ عروق براہِ راست جوف سے ملتا ہو، چاہے وہ اصلی اور فطری ہو۔ جیسے منھ، ناک، کان، پچھلا راستہ یا عورت کا اگلا راستہ، یا عارضی اور غیر فطری ہو بھی جیسے آمہ اور جائفہ کیونکہ یہ بھی امام صاحب کے نزدیک منفذ ہیں، جیسا کہ اوپر گزرا۔

انطباق: جس طرح "آمہ اور جائفہ" کو امام صاحب منفذ مانتے ہیں اور ان کے ذریعے جوف تک پہنچنے والی دوا کو مفسدِ صوم قرار دیتے ہیں (حالانکہ ان میں ایک گونہ تردد بھی ہے کہ زخم کا منھ کبھی کھلتا اور کبھی بند ہوجاتا ہے)، اسی طرح اگر انجکشن کو براہِ راست جوف تک پہنچا دیا جائے تو بلا شبہ وہ بھی ایک منفذ بن جائے گا، اب اس کے ذریعے جو دوا جوف تک پہنچائی جائے گی وہ بدرجۂ اولیٰ مفسدِ صوم ہوگی؛ یہ الگ بات ہے کہ انجکشن کا یہ طریقہ عام طور پر رائج نہیں ہے۔

(ب) انجکشن کے ذریعے دوا رگوں یا گودوں میں پہنچائی جائے، جیسا کہ عام طور پر رائج ہے، تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس صورت کی نظیر کتب فقہ کی مندرجہ ذیل جزئیات ہیں:

''قال الحصكفي: أو ادهن، أو اكتحل، أو احتجم، وإن وجد طعمه في حلقه۔ وقال الشامي: قوله وإن وجد طعمه في حلقه اى طعم الكحل أو الدهن، ... وقال في النهر: لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لايفطر'' (ردالمحتار ۳/۳۶۷)۔

''وقال الحصكفي: أو أقطر في إحليله ماءً ا ودهنًا، وإن وصل إلى المثانة على المذهب۔ وقال الشامي: قوله على المذهب اى قول أبي حنيفة، ومحمد معه في الأظهر، وقال أبو يوسف: يفطر، والاختلاف مبنى على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ، أم لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق'' (ردالمحتار ۳/۳۷۲)۔

ان عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں: پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ مسامات یا عروق کے ذریعے جو چیز اندر داخل ہو وہ مفسد صوم نہیں ہے۔ دوسری عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز منفذ کے ذریعے جسم میں داخل ہو، لیکن جوف تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ منفذ ختم ہو جائے تو وہ مفسدِ صوم نہیں ہے۔

انطباق:

زیر بحث مسئلے میں انجکشن جسم کے ایک حصے میں داخل ہوتا ہے، لیکن وہ جوف تک نہیں پہنچتا، جیسا کہ احلیل کا منفذ جوف تک نہیں پہنچتا، البتہ انجکشن کی دوا کا اثر مسامات اور عروق کے ذریعے جوف تک پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ سرمے اور تیل کا اثر مسامات کے ذریعے حلق تک پہنچتا ہے، پس جس طرح سرمے اور تیل کا اثر مفسدِ صوم نہیں ہے، اسی طرح مسامات اور عروق کے ذریعے جوف تک پہنچنے والا دوا کا اثر بھی مفسدِ صوم نہیں ہے، لہذا مذکورہ طریقے پر انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

ج- انجکشن کے ذریعے غذا کی ضرورت پوری کرنے کے لیے براہ راست جوف تک کوئی چیز پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ دوا والی صورت میں تفصیل کے ساتھ گزرا۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

د- انجکشن کے ذریعے غذا کی ضرورت پوری کرنے کے لیے رگوں یا گودوں میں انجکشن لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

تمام صورتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ براہِ راست جوف میں انجکشن لینا مفسدِ صوم ہے، چاہے وہ دوا کی ضرورت پوری کرے یا غذا کی؛ لیکن رگوں، پٹھوں یا گودوں میں انجکشن لیا تو مفسدِ صوم نہیں ہوگا، چاہے وہ دوا کی ضرورت پوری کرے یا غذا کی۔ گویا دوا اور غذا کی ضرورت پوری کرنے والے انجکشنوں میں حکماً فرق نہیں ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۶۵۳، ردالمحتار ۳/ ۳۶۷، بدائع ۲/ ۲۳۷)۔

۵- سوال نمبر ۴ کے جواب میں سوال کے دوسرے جز میں جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں گلوکوز چڑھانے کا بھی وہی حکم ہوگا جو غذائی ضرورت پوری کرنے والے انجکشن کا ہے، یعنی اگر بالفرض گلوکوز کسی پائپ وغیرہ کے ذریعے معدے تک براہِ راست پہنچایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا؛ کیونکہ منفذ کے ذریعہ براہِ راست جوف تک پہنچنا پایا گیا جو معنیً اکل وشرب ہے۔ لیکن اگر رگوں یا مسامات کے ذریعہ معدے تک پہنچا جس سے غذا کی مطلوبہ قوت فراہم ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اکل وشرب نہ صورۃً پایا گیا نہ معنیً پایا گیا۔ البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

گلوکوز کے بارے میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ (۵/۱۵۶) میں اس حکم کی صراحت کی ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعجاز علی اور مولانا اصغر حسین صاحب رحمہم اللہ۔ جیسے جلیل القدر علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔

۶- اس سوال میں مسئلہ کی تین صورتوں کا حکم دریافت کیا گیا ہے، ذیل میں ہر صورت کا مفصل حکم الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے:

پہلی صورت کا حکم:

سیال یا غیر سیال دوائیں جب پیچھے کے راستے سے اتنی اندر پہنچادی جائیں جہاں سے وہ باہر آنے کے بجائے ازخود اندر چلی جائیں تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اب ظاہر یہی ہے کہ وہ جوف معدہ تک پہنچ جائے گی، اور جب جوف تک کسی چیز کا پہنچنا ظاہر ہو تو اس کے اندر داخل ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: درمختار مع شامی ۳/ ۳۶۹، ۳۷۶)۔

دوسری صورت کا حکم:

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ بواسیری مسے اس جگہ پر نہیں ہوتے جہاں سے دوا خود بخود اندر پہنچ جائے، جسے فقہاء "موضع محقنہ" سے تعبیر کرتے ہیں؛ بلکہ اس سے نیچے ابتداء راستہ میں ہوتے ہیں؛ اس لیے ان پر دوا لگانے سے جوف تک پہنچنا ظاہر نہیں ہے، اس لیے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ البتہ اس کا ایک گونہ احتمال ضرور ہے، اس لیے "تعریضِ صوم للفساد" کے پیش نظر ایسا کرنا مکروہ ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۳/۳۶۹، امداد الاحکام ۳/۱۲۹، فتح القدیر ۲/۳۴۵)۔

تیسری صورت کا حکم:

امراضِ معدہ کی تحقیق کے لیے جو آلات اندر داخل کیے جاتے ہیں ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ جب صاحب واقعہ سے تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ان آلات کے ظاہر پر تو کوئی دوا نہیں ہوتی، لیکن راستے کو نرم اور سہل الدخول بنانے کے لیے ایک مرہم قسم کی دوا کچھ اندر تک لگائی جاتی ہے، جو بذاتِ خود تو راسِ محقنہ کی جگہ تک نہیں پہنچتی؛ لیکن جب وہ آلہ داخل کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اجزاء بھی جوف کے اندر پہنچ جاتے ہیں، اس لیے مذکورہ صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا (دیکھئے: درمختار مع شامی ۳/۳۶۹، ۳۷۶)۔

ایک شبہ کا ازالہ:

"قال الحصكفي: أو أدخل عودًا أونحوه في مقعدته، وطرفه خارج، وإن غيّبه فسد"۔

اس عبارت کی روشنی میں اگر شبہ ہو کہ جس طرح مذکورہ مسئلے میں لکڑی کا ایک سرا باہر رہتا ہے، اسی طرح مذکورہ آلات کو داخل کرنے کے بعد بھی اس کا ایک سرا باہر رہتا ہے، اس لیے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ تو یہ شبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب داخل کیے جانے والے آلے پر کوئی خارجی تری نہ ہو، لیکن اگر خارجی تری ہو تو اس تری کے جوف تک پہنچنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ خود علامہ حصکفی نے مذکورہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"أو أدخل إصبعه اليابسة فيه، اي في دبره، أوفرجها ولو مبتلّة فسد۔ وقال الشامي: اى لبقاء شيء من البلّة في الداخل" (ردالمحتار ۳/۳۶۹)۔

۷- اس سوال کے جواب میں مرد وعورت کا حکم الگ الگ ہے، اس لیے دونوں کی تفصیل الگ الگ کی جارہی ہے۔

مذکورہ مسئلے میں مرد کا حکم:

آلہ تناسل کے راستے مثانے تک چاہے نلکی پہنچائی جائے یا دوا پہنچائی جائے، بہر حال روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، بلکہ مسامات ہیں جن کے ذریعے پیشاب مثانہ میں جمع ہوتا ہے (جیسا کہ سردست جانوروں میں اس کا مشاہدہ احقر نے کیا)، لہذا اگر کوئی چیز مثانے تک چلی جائے، تب بھی آگے منفذ نہ ہونے کی وجہ سے جوف تک بذریعہ منفذ پہنچنا متحقق نہیں ہوسکتا، اس لیے مذکورہ صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

صاحبین کے نزدیک مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ ہے، اور علامہ کاسانیؒ نے اسی کو ظاہر قرار دیا ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں روزہ ٹوٹ جانا چاہئے؛ لیکن علامہ کاسانی کی عبارت: "وهو كيفية خروج البول من الإحليل" (بدائع ۲/۲۴۳) سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ کی تحقیق نہیں فرمارہے ہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسری بات کی طرف چلے گئے ہیں، احلیل سے پیشاب کا خروج کس طرح ہوتا ہے؟ ترشح کے طریقے پر، یا خروج من المنفذ کے طریقے پر؟ ظاہر ہے علامہ کے ذہن میں جب یہ نقطہ ہے، تو ترجیح اسی بات کی ہونی چاہئے، جسے علامہ نے ظاہر قرار دیا ہے کہ "خروج بول من الاحليل" ترشح کے طریقے پر نہیں، بلکہ خروج من المنفذ کے طریقے پر ہوتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے؛ لیکن یہ بات آچکی ہے کہ مسئلہ کا مدار اس کی تحقیق پر نہیں بلکہ جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ کی تحقیق پر ہے، اور اس کے بارے میں علامہ شامی کا قول ہے کہ: "الأظهر أنه لا منفذ له، كذا يقول الأطباء" (ردالمحتار ۳/۳۷۲) اسلافِ عظام نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ہی اختیار فرمایا ہے۔

مذکورہ مسئلے میں عورت کا حکم:

عورت کا مخرج بول الگ اور فرج داخل الگ ہے اور دونوں کا حکم بھی الگ الگ ہے، اس لیے دونوں کی تفصیل ترتیب وار پیش کی جا رہی ہے:

(الف) عورت کے "مخرج بول" کے راستے مثانے تک نلکی یا دوا پہنچائی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیونکہ جس طرح مرد کے مثانے اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں، اسی طرح عورت کے مثانہ اور جوف کے درمیان بھی کوئی منفذ نہیں، لہٰذا احلیل ذکر کا حکم گزرا، "مخرج بول مرأۃ" کا بھی وہی حکم ہوگا۔ اور یہ بات چونکہ ظاہر ہے اس لیے فقہاء نے اس کی صراحت نہیں کی، لیکن خروج کے ساتھ "داخل" کی قید لگانے سے اس جانب اشارہ ہو جاتا ہے، چنانچہ احلیل ذکر اور فرج مرأۃ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"قلتُ والأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لاحاجز بينهما وبينه فهو في حكمه"

(ردالمحتار ۳/۳۶۷)

ایک شبہ کا ازالہ:

"قال في البدائع: وأما الإقطار في قبل المرأة. فقد قال مشائخنا: إنه يفسد صومها. بالإجماع. لأن لمثانتها منفذًا" (بدائع ۲/۲۴۴)۔

یہاں بھی علامہ نے "قبلِ مرأۃ" اور "مخرج بول مرأۃ" کے درمیان فرق نہیں کیا اور عورت کے مثانہ کے لیے منفذ کو ثابت نہیں کیا، حالانکہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں، نہ مردوں میں نہ عورتوں میں؛ البتہ عورت کے قبل اور جوف کے درمیان منفذ ہے، اس لیے علامہ کو "لأن لمثانتها منفذًا" کے بجائے، "لأن لقبلها منفذًا" کہنا چاہئے۔

(ب) عورت کے فرج داخل میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے وہ دوا سیال ہو یا جامد۔

"قال الحصكفي: وأما في قبلها. فمفسد إجماعًا. لأنه كالحقنة۔ وقال الشامي: ولا مخلص إلا بإثبات أن المُدخل فيها—اي الدبر. والفرج الداخل—تجذبه الطبيعة. فلا يعود إلا مع الخارج المعتاد. وتمامه في الفتح۔ قلتُ: والأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف. إذ لاحاجز بينهما وبينه. فهما في حكمه اي حكم الجوف" (ردالمحتار ۳/۳۷۲)۔

(ج) کسی مرض کی تحقیق کے لیے کوئی آلہ عورت کے رحم تک پہنچایا جائے تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- آلہ پر کسی قسم کی دوا لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ اوپر گزرا۔

۲- آلہ پر کوئی دوا نہ لگائی گئی ہو، لیکن پورے آلے کو اس طرح اندر غائب کر دیا گیا ہو کہ اس کا کوئی حصہ فرج خارج میں باقی نہ ہو، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

"قال الحصكفي: ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد" (۳/۳۶۹)۔

۳- آلے پر نہ کوئی دوا لگائی گئی ہو، نہ پورے آلے کو اندر غائب کیا گیا ہو، بلکہ اس کا ایک سرا فرج خارج میں موجود ہو، یا باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

"قال الحصكفي: وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا. اى لا يفسد" (ردالمحتار ۳/۳۶۹)۔

نوٹ:......واضح رہے کہ پچھلے راستے میں آلہ داخل کرنے میں بھی یہی تفصیلات ہیں، مگر وہاں صرف ایک ہی صورت اس لیے بتائی گئی کہ وہ معلوم اور محقق ہے، لیکن رحم تک آلہ داخل کرنے کی صورتیں معلوم نہیں، اس لیے ممکنہ تمام صورتوں کا حکم ذکر کر دیا گیا، واللہ اعلم۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی نئی صورتیں

مفتی عبدالرحیم قاسمی [1]

۱-امراض قلب کی دوا:

امراض قلب کی دوا کو زبان کے نیچے دبا کر رکھا جائے، اس دوا کو یا لعاب میں ملنے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، شوہر یا مالک کے بد اخلاق ہونے اور تجارت میں نقصان و دھوکہ کے اندیشے کو عذر مان کر چکھنے اور چبانے کو بلا کراہت جائز کہا گیا ہے۔

''قال الحصكفي وكره له ذوق شئ كذا مضغه بلا عذر ككون زوجها أو سيدها سئ الخلق فذاقت وفي كراهة الذوق عند الشراء قولان: ووفق في النهر بأنه إن وجد بدا ولم يخف غبنا كره وإلا لا'' (درمختار علی ہامش الشامی ۲/۱۱۲)۔

دل کے مریض کے لئے دوا زبان کے نیچے نہ دبانے کی حالت میں جان کا خطرہ ہے، یہ چیز شوہر کے ظلم وزیادتی اور تجارت کے نقصان کے اندیشے سے زیادہ خطرناک ہے، لہذا دل کے مریض کے لئے اس دوا کے استعمال میں کراہت نہیں ہوگی۔

''قال الشامي: ومن العذر في الثاني أن لا تجد من يمضغ لصبيها من حائض ونفساء أو غيرهما ممن لا يصوم ولم تجد طبيخا'' (یہ بھی عذر ہے کہ حائضہ، نفساء اور بے روزہ کوئی نہ ملے جو بچے کو کھانا چبا کر دے سکے اور کوئی ایسی پکی ہوئی چیز بھی نہ ہو تو روزہ دار عورت کھانا چبا کر اپنے بچے کے منہ میں دے سکتی ہے، اس میں کراہت نہیں ہوگی) (شامی ۲/۱۱۲)۔

قابل غور بات یہ بھی ہے کہ ایک افطار صوری ہوتا ہے اور ایک افطار معنوی ہوتا ہے، کسی چیز کو نگلنا افطار صوری ہے اور بدن کے لئے مصلح ہونا افطار معنوی ہے۔

''ففي الأكل الفطر صورة هو الابتلاع والمعنى كونه مما يصلح به البدن من غذاء أو دواء'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

کھانے میں صورتاً افطار نگلنے سے ہوگا اور معنوی افطار بدن کے لئے اس غذا یا دوا کا مصلح ہونا ہے، لیکن اس دوا کو یا لعاب میں ملے ہوئے اس کے اجزاء کو نگلنا نہیں پایا گیا تو یہ دوا رگوں کے ذریعہ بدن میں پہنچ کر مصلح ہوگی، اور رگوں کے ذریعہ پہنچنے والی دوا سے روزہ نہیں ٹوٹتا جس طرح عام انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اکثر انجکشنوں کی دوائیں رگوں کے ذریعہ ہی بدن میں پہنچتی ہیں، سانپ کے ڈسنے سے زہر پورے بدن میں پھیل جاتا ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، دوا پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

''الرجل إذا لدغته حية فأفطر بشرب الدواء'' (البحر الرائق ۲/۲۹۳)۔

ہاں لعاب میں دوا کے اجزاء ملے ہوئے ہوں اور اس لعاب کو روزہ دار نے نگل لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، علامہ حصکفی کے قول ''فوصل الدواء حقيقة'' کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے: ''فأفسد بالطري حكما بالوصول نظرا إلى العادة'' (تر دوا کے عادتاً پہنچنے پر نظر رکھتے ہوئے اس کے پہنچنے کا حکم لگا کر روزہ کو فاسد قرار دیا گیا ہے) (شامی ۲/۱۰۲)۔

۲-انہیلر کو روزہ میں استعمال کرنا کیسا ہے:

تنفس اور دمہ کے مریض کا دوا آمیز ہوا کو انہیلر کے ذریعہ سانس کے ساتھ کھینچنا روزہ کو فاسد کر دے گا۔ درمختار میں ہے:

''أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه''۔

روزہ کی حالت میں اگر حلق کے اندر دھواں داخل کیا تو روزہ کو توڑ دے گا، کوئی بھی دھواں ہو اگر چہ عود اور عنبر کا دھواں ہو کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے (درمختار)

[1] مدرسہ خیر العلوم، نور محل بھوپال۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے:

''ولا یتوہم أنه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوہر دخان وصل إلی جوفه بفعله''۔

وہم نہ کیا جائے کہ یہ گلاب اور اس کے عرق اور مشک کو سونگھنے کی طرح ہے، کیونکہ اس چیز کے درمیان جو مشک وغیرہ سے ملکر خوشبودار ہوگئی ہو اور دھوئیں کے جوہر کے درمیان جو اس کے فعل سے پیٹ تک پہنچا ہے فرق واضح ہے (شامی ۲/ ۹۷)۔

خیر الفتاوی میں ہے: انہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا (خیر الفتاوی ۴/ ۹۸)۔

کتاب الفتاوی میں ہے: انہیلر میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہو، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے (کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۵)۔

تنفس کے مریض کو سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے، عام ہوا سے اس کو فائدہ نہیں ہوتا، انہیلر کے ذریعہ دوا آمیز ہوا اندر پہنچانے سے اس کو سکون محسوس ہوتا ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ انہیلر کے ذریعہ صرف ہوا اندر نہیں پہنچتی بلکہ دوا بھی پہنچتی ہے، حلق سے نیچے اترنے کے بعد دوا سانس کی نالی میں پہنچتی ہے اور غذا کی نالی میں بھی اس کے اجزاء پہنچنا لازمی ہیں، کیونکہ منہ اور ناک ایسے سوراخ ہیں جن کے ذریعہ کوئی چیز اندر پہنچائی جائے تو پیٹ اور دماغ تک اس کا پہنچنا یقینی ہے۔ جائفہ اور آمہ پیٹ اور دماغ کے زخم میں براہ راست تر دوا لگانے سے روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے لیکن مخارق اصلیہ سے جوف تک دوا پہنچنے کو تو صاحبین بھی یقینی مانتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ تر دوا کو تو غیر مخارق میں بھی مفسد مانتے ہیں، ائمہ ثلاثہ کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر روزہ کی حالت میں انہیلر کے ذریعہ دوا لینے کو غیر مفسد صوم ثابت کرنا درست نہیں ہوگا، فتاوی عالمگیری کی عبارت مجمل ہے، بدائع الصنائع کی عبارت اس سے زیادہ واضح ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وأما ما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواہا بدواء رطب یفسد عند أبي حنیفة وعندہما لایفسد، ہما اعتبرا المخارق الأصلیة لأن الوصول إلی الجوف من المخارق الأصلیة متیقن به ومن غیرہما مشکوك فیه فلا نحکم بالفساد مع الشك ولأبي حنیفة أن الدواء إذا کان رطبًا. فالظاہر ہو الوصول لوجود المنفذ إلی الجوف فیبنی الحکم علی الظاہر'' (بدائع الصنائع ۲/ ۹۳)۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مخارق اصلیہ سے کسی چیز کے پہنچنے کو صاحبین یقینی مانتے ہیں، لہذا مخارق اصلیہ سے پہنچنے والی دوا کے مفسد صوم ہونے میں صاحبین کا کوئی اختلاف نہیں، صرف غیر مخارق سے پہنچنے والی دوا میں ہی انکا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ غیر مخارق میں بھی جائفہ اور آمہ کے درمیان اور جوف کے درمیان منفذ مانتے ہیں اور مخارق تو منافذ اصلیہ ہی ہیں، انہیلر کے ذریعہ سانس کے ساتھ دوا آمیز ہوا کھینچنے سے جوف تک اس کا پہنچنا یقینی ہے، لہذا روزہ فاسد ہو جائے گا، علامہ شامی نے لکھا ہے:

''فإن کان مما یصل عادة حکم بالفساد لأنه کالمتیقن'' (شامی ۲/ ۱۱۲)۔

(جو چیزیں عادۃً اندر پہنچ جاتی ہیں ان میں سے ہو تو روزہ فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ اس کا پہنچنا یقینی ہے)۔

۳-روزہ میں بھپارہ لینا:

جوش دئے ہوئے پانی میں دوائیں ڈال کر منہ اور ناک سے اس کی سانس اندر کھینچنے سے حلق اور سینے تک اثر پہنچتا ہے لہذا اس طرح بھپارہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۸۷)۔

درمختار میں ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر أی دخان کان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاکرا لإمکان التحرز عنه''۔

(روزہ یاد ہونے کی حالت میں اگر حلق میں دھواں داخل کیا تو روزہ کو توڑ دے گا کوئی دھواں ہو اگر چہ عود اور عنبر ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے)۔

اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے:

''بأی صورة کان الادخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاکرا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه''

(دھواں داخل کرنا کسی بھی طریقے سے ہو یہانتک کہ اگر بخور کی دھونی جلائی اور اس کو اپنے پاس رکھ کر سونگھ لیا روزہ یاد ہونے کی حالت میں تو یہ دھواں روزہ کو توڑ دے گا، اس سے بچنا ممکن ہونے کی وجہ سے)۔

۴- روزہ میں انجکشن لگانا:

سر میں انجکشن لگا کر براہ راست دماغ میں دوا پہنچائی جائے یا پیٹ میں انجکشن لگایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، البتہ پیٹ اور سر کے علاوہ بدن کے دیگر حصوں جیسے بازو اور کمر پر انجکشن لگا کر رگوں اور گوشت کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''ادهن أو اکتحل أو احتجم وإن وجد طعمه فی حلقه'' (درمختار)

''قال الشامی: لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر''۔

درمختار میں ہے: تیل لگایا یا سرمہ لگایا یا پچھنا لگوایا اگر چہ حلق میں اس کا مزا پائے، اس پر علامہ شامی نے فرمایا: اس لئے کہ مسامات سے داخل ہونے والی چیز کا اثر حلق میں پایا گیا ہے، اور روزہ توڑنے والی وہ چیز ہوتی ہے جو منفذوں (فطری سوراخوں) سے اندر داخل ہو اس پر اتفاق کی بنا پر کہ غسل کرنے والا اندرون بدن جو ٹھنڈک محسوس کرتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا)۔

بذریعہ پچکاری یعنی انجکشن روزہ دار کے بدن میں دوا چڑھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوا (فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۰۸)۔

انجکشن کے ذریعہ اگر دوا جوف بدن میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگر چہ دوا کا اثر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہو (کفایت المفتی ۴/ ۲۴۰)۔

امداد الفتاوی میں ہے: ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلق کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریبًا بلکہ حقیقتًا اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں: اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقًا مفسد صوم نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے، دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقًا جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لئے اسکو مفطر ومفسد صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مفسد صوم نہیں، دوا مثانہ میں پہنچ جائے اس کو امام ابو یوسف مفسد صوم قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدے کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدے میں پہنچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقًا جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن میں پہنچنا مراد ہے، بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں، وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثر یہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے:

والتحقیق أن بین جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصلیا، الشامی (امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۵، نیز دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۳/ ۱۴۳)۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نے تحریر فرمایا ہے: دوا کا اثر بذریعہ عروق یا مسامات پہنچ جانے سے فساد لازم نہیں آتا جیسے غسل کا اثر اور زہریلے جانور کے کاٹنے کا اثر اکثر بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے مگر وہ باتفاق مفسد روزہ نہیں، اسی طرح انجکشن بھی مفسد روزہ نہیں (امداد المفتین: ۴۸۹)۔

ان تمام انجکشنوں میں جو شرائینی ہوں یا وریدی یا استعمال سلائینی ہو، دوا یا غذا بعینہ جوف معدہ میں نہیں پہنچتی، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی مفسد نہیں ہوگا (نظام الفتاوی ۲ / ۱۲۵، نیز دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۲ / ۳۸، احسن الفتاوی ۴ / ۴۳۲)۔

مفسد صوم وہ چیز ہے جو جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے اور وریدی انجکشن کے ذریعہ جو دوا پہنچائی جاتی ہے وہ رگوں کے اندر رہتی ہے، جوف معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتی، اور اس کو ناک یا منھ میں ڈالی جانے والی دوا پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان میں ڈالی جانے والی دوا براہ راست جوف تک پہنچ جاتی ہے (خیر الفتاوی ۴ / ۷۴)۔

انجکشن اور گلوکوز کے ذریعہ معدہ تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں، اسی لئے انجکشن اور گلوکوز کو دوا، کھانا پینا نہیں کہا جاتا، اس لئے انجکشن اور گلوکوز کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ اصل شئ کے پہنچنے سے ٹوٹتا ہے نا کہ کسی شئ کا اثر پہنچنے کی وجہ سے، غور کیجئے کہ پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن روزہ کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جائے یا حلق خشک ہو رہا ہو تھوک تک نہیں آرہا ہو اور تراوٹ پیدا کرنے کے لئے کلی کی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ حلق میں پانی نہیں پہنچا بلکہ پانی کا اثر پہنچا ہے (کتاب الفتاوی ۳ / ۳۹۲)۔

۵- گلوکوز سے غذا حاصل کرنا:

بذریعہ انجکشن جسم میں دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں (فتاوی رحیمیہ ۲ / ۳۸، نیز دیکھئے: نظام الفتاوی ۲ / ۱۲۵)۔

جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو، محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے، اور گلوکوز چونکہ غذا کی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا جسم کی غذائی ضروریات کو پورا کر دیتا ہے (کتاب الفتاوی ۳ / ۳۹۲)۔

۶- روزہ میں بواسیر کے مسوں پر دوا لگانا:

بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد روزہ نہیں، لہٰذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۴ / ۴۴۰)۔

امداد الاحکام میں ہے: عبارات درمختار اور شامی اور فتح القدیر سے معلوم ہوا کہ استنجے میں تری کا اندر پہنچنا جب مفسد صوم ہے کہ تری قدر محقنہ پر پہنچ جائے، اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا مفسد نہیں، اور ہم کو طبیب حاذق کے قول سے جن پر ہمیں اعتماد و وثوق ہے معلوم ہوا کہ حالت احتقان میں راس محقنہ پانچ انگل اندر پہنچایا جاتا ہے تب احتقان ہو سکتا ہے اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں تو ان پر تری کا لگا رہنا اسی حالت سے اندر پہنچنا قدر محقنہ تک تری پہنچنے کو مستلزم نہ ہوگا لہٰذا اس حالت میں روزہ فاسد نہ ہوگا (امداد الاحکام ۳ / ۱۲۹، نیز دیکھئے: خیر الفتاوی ۴ / ۵۹)۔

روزہ کی حالت میں اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جائے تب تو اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا کہ قوی امکان دوا کے معدہ تک پہنچنے کا ہے، لیکن اگر صرف بواسیری مسوں یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو اس کے بارے میں ڈاکٹروں سے دریافت کر لینا چاہئے کہ یہ دوا معدہ تک پہنچتی ہے یا نہیں، معدہ میں چونکہ ایک حد تک جذب کرنے کی صلاحیت ہے اور اسی لئے فقہاء نے روزہ کی حالت میں استنجاء کی ضرورت سے پانی کے استعمال کرتے وقت زیادہ کشائش کو پسند نہیں کیا ہے لہٰذا اس سے احتیاط و اجتناب بہتر ہے، تاہم محض شک کی وجہ سے ظاہر ہے کہ روزہ ٹوٹ جانے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا (جدید فقہی مسائل ۱ / ۱۸۵)۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ مسوں پر مرہم وغیرہ لگا سکتے ہیں، البتہ جو دوائیں یا آلات موضع حقنہ تک پہنچ جائیں ان سے روزہ ٹوٹ جائیگا۔

درمختار میں ہے: ''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أوفرجها ولو مبتلة فسد، قال الشامي: لبقاء شيء من البلة في الداخل وهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع المحقنة كما يعلم مما بعده'' (درمختار بامش ردالمحتار ۲/۹۹)۔

روزہ دار مرد وعورت کی پیشاب گاہ میں دوا پہنچانا:

۷- مرد کی پیشاب گاہ میں مثانہ تک دوا کی نلکی ڈالنا پڑے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، شامی نے کہا ہے: اظہر یہ ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ نہیں، صرف رس کر ٹپکنے سے پیشاب جمع ہوتا ہے۔

''والأظهر أنه لا منفذ له وانما يجتمع البول فيها بالترشيح'' (شامی ۲/۱۰۰)۔

مرد کے بانسہ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس کی طرف طرفین کے قول پر مثانہ کا منفذ راستہ نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر اگرچہ جوف کی طرف منفذ ہے مگر بانسہ کی طرف والا منفذ راستہ بند رہتا ہے، صرف پیشاب کے وقت ہی کھلتا ہے تو قصبہ کو جوف کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

''وهذا بخلاف قصبة الذكر فان المثانة لامنفذ لها على قولهما وعلى قول أبي يوسف وإن كان لها منفذا إلى الجوف إلا أن المنفذ الآخر المتصل بالقصبة منطبق لا ينفتح إلا عند خروج البول فلم يعط حكم الجوف'' (شامی: ۲/۱۰۱)۔

خواتین کے آگے کی راہ میں سیال دوا پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة، قال الشامي: والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه'' (شامی ۲/۱۰۰)

''وأما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالاجماع لأن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(عورت کے آگے کے راستے میں دوا ٹپکانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا متفقہ طور پر، کیونکہ اس کے مثانہ کا منفذ ہے تو دوا جوف تک پہنچ جائے گی جیسے کان میں دوا ٹپکانے سے)۔

خواتین کی شرمگاہ میں رکھی جانے والی خشک چیز پوری اندر رکھی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر خشک چیز کا کچھ حصہ باہر فرج خارج میں وہ چیز نکلی رہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''قال الحصكفي ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۹۹)۔

خشک چیز کا تو بحال صوم رکھنا اس وقت موجب فطر ہے جب کہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرج خارج میں نکلا رہے تو مفطر نہیں (امداد الاحکام ۳/۱۴۳)۔

نلکی وغیرہ جس کا کچھ حصہ باہر نکلا رہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''أو أدخل قطنة أوخرقة أوخشبة أوحجرا في دبره أو أدخلته في فرجها الداخل وغيبها لأنه تم الدخول'' (مراقی الفلاح/۳۰۰)۔

روزہ کے تعلق سے بعض اہم مسائل

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی[۱]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سائنسی ترقیات نے زندگی کے تمام شعبوں میں مسائل پیدا کردیے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام ہی واحد مذہب ہے جو عصر حاضر کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر طرح کے نت نئے مسائل حل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور لوگوں کو ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی ہر زمانہ میں کرتا رہا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے مفطرات صوم (روزہ توڑنے والی چیزیں) سے متعلق چند اہم مسائل حل طلب ہیں، جو میڈیکل سائنس کی ترقی اور طریقہ علاج میں نئی دریافت نے پیدا کئے ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱-زبان کے نیچے دبا کر دوا کا استعمال:

اگر روزہ دار نے دوا کا مزہ حلق میں محسوس کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، علامہ حصکفیؒ نے رنگین دھاگے چبانے سے روزہ کب ٹوٹتا ہے؟ کے بارے میں لکھا ہے:

''لم يفطر إلا أن يكون مصبوغًا وظهر لونه في ريقه وابتلعه ذاكرًا'' (درمختار مع الرد ۲/۴۰۰، الدر المنتقى بهامش مجمع الانهر ۱/۲۴۷، فتاوىٰ تاتار خانيه ۲/۲۷۰، البحر الرائق ۲/۲۸۰)۔

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا گوشت کا ٹکڑا یا کوئی بھی شئی ہو، اس کو زبان سے نکال کر چبایا اس طور پر کہ وہ منہ میں غائب ہوگئی، پتہ نہیں اندر گئی یا منہ کے کسی گوشہ میں لاپتہ ہوگئی، تو اگر حلق میں اس کا مزہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''وإلا أن يجد الطعم في حلقه كما مر، واستحسنه الكمال قائلًا- وهو الأصل في مضغه. قوله: أو هو. أى وجود الطعم في الحلق'' (درمختار ورد المحتار ۲/۳۹۴)۔

ظاہر ہے کہ دوا زبان کے نیچے دبائے رہنے سے آہستہ آہستہ وہ دوا گلی ہوکر پھیلے گی۔ اس کے اجزاء لعاب میں ملیں گے، اس طرح لعاب کے ساتھ مل کر حلق کے اندر جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اور علامہ ابوزید دبوسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا ایک اصول بیان کیا ہے:

''والأصل عند أبي حنيفة أن الشئ إذا غلب عليه وجوده يجعل كالموجود حقيقة وإن لم يوجد كالحدث من النائم المضطجع، لأنه غلب وجوده، فجعل كالموجود وإن لم يوجد'' (تاسيس النظر:۵)۔

(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جب کسی شئی کے وجود کا غلبہ ظن ہو، تو اس کو حقیقۃً موجود کی طرح بنادیا جاتا ہے، گو نہ پایا جائے، جیسے پہلو کے بل سونے والے کے حق میں حدث کے تحقق کو مانا گیا، کیونکہ اس کے وجود کا غالب گمان ہے، لہٰذا اس کو موجود کی طرح بنادیا گیا، گو حدث نہ پایا جائے)۔

احکام کے باب میں غالب گمان یقین کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس سے مستفاد حکم واجب العمل ہوتا ہے۔

''غالب الظن عندهم ملحق باليقين، وهو الذى يبتنى عليه الأحكام...صرحوا في نواقض الوضوء بان الغالب كالمتحقق'' (الأشباه لابن نجيم ۱/۷۶)۔

''غالب الرأى دليل واجب العمل به، بل هو في حق وجوب العمل في الأحكام بمنزلة اليقين'' (بدائع ۲/۱۰۵)۔

اسی اصول کے مطابق ہر اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا جس میں کسی چیز کا حلق کے اندر جانے کا غالب گمان ہو، جیسے کھینی (تمباکو)، بیڑی، سگریٹ،

[۱] المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

گانجا، حقہ اور پان وغیرہ کے کھانے سے اسی اصول پر روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۲- روزہ میں انہیلر کا استعمال:

روزہ کی حالت میں انہیلر (INHALER) کا استعمال درست نہیں ہوگا، جبکہ اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ اس سے سفید پاؤڈر نکلتا ہے جو کہ دھواں کی طرح صاف نظر آتا ہے، اور فقہاء نے دھواں کے تعلق سے لکھا ہے کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر دھواں یا گرد وغبار ناک یا منہ میں داخل کرلیا یہاں تک کہ وہ حلق کے اندر چلا گیا، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، علامہ حصکفی اور علامہ ابن عابدین کا بیان ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان، أفطر أي دخان كان، ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لصومه، لإمكان التحرز عنه'' (درمختار ورد المحتار ۳/۲۹۵)۔

(اگر کسی نے اپنے حلق میں روزہ یاد رہنے کے باوجود دھواں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ وہ دھواں کسی لکڑی یا عنبر کا ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر'' (رد المحتار ۲/۱۶۶، مراقی الفلاح/ ۳۶۱)۔

(اگر عود وعنبر کا دھواں اپنے قریب رکھ کر اندر کی طرف کھینچا حالانکہ روزہ سے ہونا بھی یاد ہے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

جہاں تک یہ کہنا کہ دوا پھیپھڑے تک جاتی ہے، معدہ میں نہیں جاتی، حقیقت کے آئینہ میں مکمل درست بات معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ دوا حلق کے ذریعہ ہی اندر جاتی ہے، اور حلق کے ذریعہ جو چیز اندر جاتی ہے وہ ہر حال میں معدہ میں ضرور جاتی ہے، اس کے علاوہ پھیپھڑے تک بھی جاتی ہوگی، جیسا کہ سوال میں بھی ظاہر کیا گیا کہ نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، بقیہ اجزاء حلق کے اندر جانے کے بعد کہاں جاتے ہیں؟ ایک سوال پیدا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ معدہ میں ہی جاتے ہوں گے۔

''الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳)۔

نیز فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق کے اندر کوئی چیز چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حتی کہ اگر روزہ دار نے حلق کے اندر ٹھوس چیز کا مزہ محسوس کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جیسا کہ شامی نے لکھا ہے: دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا گوشت کا ٹکڑا تل کے برابر تھا، اس کو زبان سے نکال کر اس طرح چبایا کہ وہ منہ میں لاپتہ ہوگیا، تو دیکھا جائے گا کہ اگر حلق میں اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (درمختار ورد المحتار ۳/ ۳۹۴)۔

جبکہ وہ اتنی مقدار میں ہوتی ہے کہ راستہ ہی میں رہ جاتی ہوگی، معدہ تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج''۔ امام ہیثمی کا بیان ہے:

''رواه أبو يعلى وفيه من لم أعرفه'' (مجمع الزوائد ۳/ ۱۶۷، نصب الرایہ ۲/۴۵۴)۔

''روزہ اندر کوئی چیز داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ نکلنے سے''۔

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عکرمہؓ سے آثار بھی منقول ہیں (بخاری: کتاب الصوم، باب الحجامۃ والقئ ۱/ ۲۶۰، سنن بیہقی ۴/ ۲۶۱)۔

۳- بھپارہ لینا:

روزہ کی حالت میں اس طرح بھاپ لینا درست نہیں ہوگا بلکہ روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ روزہ دار نے اگر ناک کے ذریعہ عمداً دھواں اوپر کی طرف کھینچا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر'' (درمختار ورد المحتار ۲/۳۹۵)۔

۴-روزہ کی حالت میں انجکشن لینا:

اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے:

عام طور پر انجکشن گوشت میں لیا جاتا ہے، لہذا اگر کسی روزہ دار نے انجکشن گوشت میں لیا تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ انجکشن کی دوا گوشت ہی میں تحلیل ہوکر ختم ہوجاتی ہے، اور اگر وہ معدہ تک پہنچتی بھی ہے تو جسم کے مسامات کے ذریعہ رستے رستے پہنچتی ہے، اور جسم کے مسامات سے پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ وہ دوا کا اثر ہوتا ہے نہ کہ خود دوا، جیسا کہ فقہاء نے پانی اور تیل کے بارے میں لکھا ہے:

''لو دهن رأسه أو أعضائه فتشرب فيه أن لا يضره لأنه وصل إليه الأثر لا عينه'' (بدائع ۲/۹۳، البحر الرائق ۲/۲۷۳)۔

اگر کسی نے سر یا دوسرے اعضاء میں تیل لگایا اور وہ جسم میں جذب کر گیا تو کوئی مضر نہیں یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ اندر تیل کا اثر گیا ہے نہ کہ خود تیل۔

''للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر'' (رد المحتار ۳/۳۶۷، طبع زکریا دیوبند)۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص نے پانی میں نہایا اور اپنے اندر اس کی ٹھنڈک محسوس کی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مسامات کے ذریعہ معدہ تک خود دوا کا پہنچنا مشکوک ہے، اور احکام کی بنیاد شک پر نہیں ہوتی، نیز فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے:

''اليقين لا يزول بالشك'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم)۔ یعنی شک سے یقین کا حکم زائل نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ ہذا میں پہلے سے معدہ تک دوا کا نہ پہنچنا یقین سے ثابت ہے، انجکشن لینے کے بعد معدہ تک دوا کا نہ پہنچنے کے بارے میں شک ہے، نیز فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے:

''الأصل بقاء ما كان على ما كان'' (حوالہ سابق)۔

یعنی اشیاء اپنی سابقہ حالت پر باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ اس کے خلاف اس درجہ یقین کی دلیل معارض آجائے۔

بعض مرتبہ دانت اکھڑواتے وقت مسوڑھے میں انجکشن دیا جاتا ہے۔ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ اس انجکشن کی دوا بھی نہ ہی حلق کے ذریعہ اور نہ جسمانی مسامات سے معدہ تک پہنچتی ہے بلکہ مسوڑھوں میں ہی تحلیل ہوکر رہ جاتی ہے، جس کی تاثیر سے وہ جگہ بے حس ہوجاتی ہے، اور دانت اکھڑوانے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

ایک انجکشن ایسا بھی چلا ہے کہ ہاتھ کے گوشت میں دیا جاتا ہے اور حلق میں دوا کا کڑواپن محسوس ہوتا ہے، اس انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ یہ کڑواپن جسم کے مسامات کے ذریعہ حلق تک پہنچتا ہے جو کہ دوا کا اثر ہوتا ہے، اور اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے (نیز دیکھئے: فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۳۶۸، حاشیہ طحطاوی/۳۶۱، البحر الرائق ۲/۲۷۳، جامع الرموز ۱/۱۵۸)۔

اور اگر انجکشن کے ذریعہ نس (VEIN) اور رگوں میں دوا پہنچائی گئی، تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی ہے بلکہ رگوں میں ہی گردش کرتے ہوئے تحلیل ہوجاتی ہے، خواہ یہ دوا علاج کی ضرورت پوری کرتی ہو یا جسم کی غذائی ضرورت پوری کرتی ہو، یا اس سے پیاس کی شدت کم ہوتی ہو، البتہ بلاضرورت اس مقصد یعنی غذائی ضرورت پوری کرنے یا پیاس کم کرنے کے لیے انجکشن لینا مکروہ ہے، کیونکہ روزہ کا مقصد قوت بہیمیت کو کم کرنا ہے، وہ اس صورت میں مفقود ہوجا رہا ہے۔

ہاں اگر راست پیٹ میں انجکشن دیا گیا (جیسا کہ کتا کے کاٹنے سے پیٹ میں انجکشن دیا جاتا ہے) تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ دوا راست معدہ میں پہنچ رہی ہے، اور روزہ ٹوٹنے کے سلسلہ میں اصل اعتبار دماغ و پیٹ تک کسی چیز کے پہنچنے کا ہے (ملاحظہ ہو: ہندیہ ۱/۲۰۴، البحر الرائق ۲/۲۷۹، جامع الرموز ۱/۱۵۸)۔

۵-روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا:

اس سلسلہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

اول- گلوکوز انسانی جسم میں فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا ہے۔

دوم- آیا گلوکوز معدہ تک پہنچتا ہے یا نہیں؟

سوم- گلوکوز بنیادی طور پر غذا کا کام کرتا ہے، اور یہ ایک امر مشاہدہ ہے کہ جن مریضوں کو حلق کے ذریعہ غذا نہیں پہنچائی جاسکتی ان کی غذا کی ضرورت گلوکوز کے ذریعہ طویل عرصہ تک پوری کی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر گلوکوز معدہ تک پہنچتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، البتہ صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں، کیونکہ مذکورہ صورت میں معنوی طور پر کھانا پایا جارہا ہے، اس لیے کہ غیر فطری راستہ سے معدہ تک گلوکوز پہنچایا جاتا ہے اور اس سے بدن کو غذا حاصل ہوتی ہے، فطری راستہ یعنی منہ کے ذریعہ دماغ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس سے بدن کو غذا حاصل ہوتی ہو تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں، اگر دونوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو صرف قضا لازم ہوتی ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''ذکروا أن الکفارۃ لا تجب إلا بالفطر صورۃً ومعنیً، ففی الأکل الفطر صورۃً ھو الابتلاع والمعنی کونہ مما یصلح بہ البدن من غذاء أو دواء'' (رد المحتار ۲/۴۱۰)۔

فقہاء کا بیان ہے کہ کفارہ اکل صوری اور معنوی دونوں کے تحقق سے واجب ہوتا ہے، اکل صوری محض فطری راستہ منہ سے نگلنا ہے اور اکل معنوی غذا یا دوا کا جسم کے لیے باعث صلاح ومفید ہونا ہے۔

اگر تحقیق وریسرچ سے معلوم ہوجائے کہ گلوکوز معدہ تک نہیں پہنچتا ہے بلکہ رگوں میں ہی خون کے ساتھ مل کر رہ جاتا ہے اور تحلیل ہوجاتا ہے، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ غیر فطری راستے سے جسم کے لیے مفید شئی کا معدہ تک پہنچنے سے روزہ ٹوٹتا ہے، جیسا کہ اوپر اصول گذر چکا ہے۔

اس سلسلہ میں میں نے ایک بڑے ڈاکٹر سے رجوع کیا (جنہوں نے اعلیٰ میڈیکل تعلیم امریکہ میں حاصل کی ہے) تو انہوں نے انسان کے جسمانی نظام کو سمجھاتے ہوئے کہا: گلوکوز معدہ تک نہیں پہنچتا ہے بلکہ رگوں میں ہی رہ جاتا ہے، اس لیے زیر بحث مسئلہ گلوکوز کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ روزہ کی حالت میں گلوکوز کا استعمال درست ہوگا، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، تاہم اگر کوئی بلا شدید ضرورت کے گلوکوز چڑھاتا ہے، جیسے معمولی کمزوری محسوس ہوئی اور قوت کے لیے گلوکوز چڑھالیا تو روزہ مکروہ ہوگا، کیونکہ جو روزہ کی روح اور مقصد بہیمانہ قوت کو کم کرنا ہے، وہ فوت ہوجارہا ہے۔

۶- پیچھے کے راستہ سے اندر دوا پہنچانا:

دوا سیال ہو یا غیر سیال، نلکی کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے اپنے پیچھے کے راستہ سے اندر لکڑی ڈالی، اور وہ لکڑی اندر جاکر اندر ہی رہ گئی تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا۔

''أدخل عودًا ونحوہ فی مقعدتہ، وإن غیبہ فسد، قولہ: وإن غیبہ أی غیب الطرفین أو العود بحیث لم یبق منہ شئی فی الخارج.... ما دخل فی الجوف، إن غاب فیہ فسد، وھو المراد بالاستقرار'' (درمختار ورد المحتار ۳/۳۶۹)۔

قدیم زمانہ میں اس مقصد کے لیے حقنہ کا استعمال ہوتا تھا، یعنی اگر کوئی آدمی قبض میں مبتلا ہوجاتا، اجابت رک جاتی، تو اس کے پچھلے راستہ سے بذریعہ حقنہ دوا پہنچائی جاتی تو اجابت آسانی سے ہوجاتی اور پیٹ صاف ہوجاتا تھا، اس کے بارے میں فقہاء کا بیان ہے:

''وإذا احتقن یفسد صومہ'' (فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۳۶۵، نیز دیکھئے: کنز الدقائق ۲/۲۷۸)۔ (روزہ دار جب حقنہ لگوائے گا تو روزہ فاسد ہوجائے گا)

بواسیری مسوں پر مرہم:

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے کے سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یقین کے ساتھ معلوم ہوجائے یا کم از کم غلبہ ظن ہو کہ مرہم کا مادہ پیٹ میں پہنچ گیا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر پہنچنے میں شک ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر مرہم کا اثر پیٹ میں پہنچتا ہے نہ کہ اس کا مادہ تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی رقمطراز ہیں:

''فلا تحکم بالفساد مع الشك... ولو دھن رأسہ أو أعضائہ فتشرب فیہ أنہ لا یفطرہ لأنہ وصل إلیہ الأثر لا عینہ''

(بدائع ۲/ ۹۳، نیز دیکھئے: البحرالرائق ۲/ ۲۷۹)۔

(شک کے ساتھ فساد کا حکم نہیں لگائیں گے..... اگر کسی نے اپنے سر یا دوسرے اعضاء میں تیل لگایا اور وہ جسم میں سرایت کر گیا تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ اندرون جسم تیل کا اثر گیا ہے، نہ کہ خود تیل)۔

انڈواسکوپی:

معدہ کے امراض کی شناخت کے لیے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں۔ اس کی ایک صورت انڈواسکوپی (ENDO SCOPY) کی ہے، یہ پیچھے کے راستہ سے اندر کیا جاتا ہے، اس میں ایک باریک پائپ ہوتا ہے، اس پائپ میں چھوٹا سا بلب لگا ہوتا ہے، اس کے ذریعہ اندرون بطن اور پاخانہ کے راستہ کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور دوا وغیرہ اندر داخل نہیں کی جاتی، معائنہ کے بعد پائپ نکال لیا جاتا ہے۔

ایسا کرنا روزہ کی حالت میں درست ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اندر کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے، اس کی نظیر کتب فقہ میں اس لکڑی اور اس جیسی دوسری چیز کی ملتی ہے، جو پیچھے کے راستہ میں داخل کی گئی، اور اس کا دوسرا کنارہ باہر ہے، تو روزہ نہیں ٹوٹا، اور اگر پوری طرح اندر چھپ گئی، باہر کچھ بھی باقی نہیں ہے تو روزہ فاسد ہو گیا۔

''أدخل عودًا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد. قوله: وإن غيبه أي غيب الطرفين أو العود بحيث لم يبق منه شئ في الخارج... ما دخل في الجوف ان غاب فيه فسد، وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب. بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلا بشئ خارج لا يفسد لعدم استقراره'' (درمختار ورد المحتار ۳/ ۳۶۹)۔

اسی طرح سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے دھاگے میں لقمہ باندھ کر اندر نگل گیا، پھر صحیح سالم باہر نکالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (درمختار ورد المحتار ۳/ ۳۶۹)۔

۷- آگے کی راہ سے اندر اشیاء کا ادخال:

مثانہ تک نلکی پہنچانے کا حکم:

روزہ کی حالت میں مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچانے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہوں گی:

اول یہ کہ اس میں دوا بھی ہو، خواہ سیال ہو یا جامد، اندر چھوڑ دی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، فقہاء نے لکھا ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (فتاوی عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

عورت کی شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا، یہی صحیح رائے ہے۔

علامہ شامیؒ نے دبر (پیچھے کا راستہ) اور فرج (عورت کی شرمگاہ) میں تر انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہونے کی علت ''اندر تری باقی رہنے'' کو بیان کیا ہے۔

''قوله: ولو مبتلة فسد، لبقاء شئ من البلة في الداخل'' (رد المحتار ۳/۳۶۹)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف نلکی مثانہ تک پہنچایا گیا، اس میں کسی طرح کی دوا وغیرہ نہ تھی، پھر نلکی باہر نکال لیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ روزہ ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ کوئی چیز اندر داخل ہونے کے بعد اندر ہی رہ جائے۔

''وحاصله أن الإفساد منوط بما إذا كان بفعله أو فيه صلاح بدنه. ويشترط أيضًا استقراره داخل الجوف'' (رد المحتار ۳/۳۶۸)۔ ''واستقراره الداخل في الجوف شرط فساد الصوم'' (بدائع ۲/۲۴۴)۔

عورت کی شرمگاہ میں دوا یا ہاتھ ڈالنا:

بعض امراض میں خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے، اسی طرح جب بچہ کو ماں کے پیٹ میں نو مہینے پورے ہو جاتے ہیں، تو اس موقع سے شرمگاہ میں ہاتھ ڈال کر ولادت کی قریبی مدت کا اندازہ کیا جاتا ہے، کبھی عورت کے رحم میں تکلیف ہوتی ہے، وجہ تکلیف معلوم کرنے کے لیے بھی طبیبہ شرمگاہ

میں ہاتھ ڈالتی ہے، کبھی عورت رحم دھلوانا چاہتی ہے، اس صورت میں ہاتھ شرمگاہ میں ڈال کر رحم کو مکمل طور پر صاف کیا جاتا ہے، تو کیا ان صورتوں میں روزہ فاسد ہوجائے گا؟

پہلی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ کیونکہ فقہاء لکھتے ہیں:

عورتوں کی شرمگاہ میں کسی بھی قسم کی دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بقیہ صورتوں میں تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر دایہ یا طبیبہ نے پانی یا تیل میں ہاتھ ترکیا، یا پلاسٹک کا دستانہ پانی میں دھویا یا اس کے اوپر کسی طرح کی دوا لگائی پھر شرمگاہ میں ہاتھ داخل کیا جیسا کہ نرسنگ ہوم میں ہوتا ہے، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ واضح رہے کہ ہاتھ داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوا، بلکہ اندر دوا، تیل اور پانی کی تری جانے سے فاسد ہوا، کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت گذر چکی ہے کہ اندر کوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے (مجمع الزوائد ۳/۱۶۷، سنن بیہقی ۴/۲۶۱)۔

اور اگر انگلیاں بالکل خشک تھیں، یا پلاسٹک کا خشک دستانہ پہن کر شرمگاہ میں ہاتھ ڈالا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، فتاویٰ عالمگیری میں صرف روزہ قضا لازم ہونے کی صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف، وهو الصحيح هكذا في الظهيرية ... ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لايفسد. وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن. هكذا في الظهيرية'' (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۰۴)۔

(عورت کی شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائے گا، یہی صحیح رائے ہے، ایسا ہی فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے، اور اگر مرد اپنی سرین میں یا عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، یہی مختار قول ہے۔ سوائے اس کے کہ انگلی پانی یا تیل میں تر ہو، ایسی صورت میں پانی یا تیل پہنچ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، ایسا ہی فتاویٰ ظہیریہ میں ہے)۔

رحم تک آلات پہنچانے کا حکم:

بعض اوقات مرض کی تحقیق کے لیے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں ایسا کرنے سے اس وقت روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ آلات کے ذریعہ رحم کے اندر دوا ڈالی جائے۔

''وأما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشايخنا: إنه يفسد صومها بالإجماع، لأن لمثانتها منفذًا، فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (بدائع: ۲/ ۲۴۴)۔

اور اگر صرف آلات رحم میں ڈال کر نکال لئے گئے، اندر دوا وغیرہ نہیں ڈالی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''روی عن محمد في الصائم إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة'' (بدائع ۲/۲۴۴)۔

علامہ تمرتاشی نے روزہ نہ ٹوٹنے کی صورتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''أو أدخل عودًا في معقدته وطرفه خارج'' (تنویر الابصار مع الدر المحتار ۲/ ۳۶۹)۔

علامہ حصکفیؒ اسی کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''وإن غيبه فسد وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطًا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها بشئ۔ ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد'' (درمختار ۲/۳۶۹)۔

ہاں اگر آلات پانی سے تر تھے، یا اس میں مرہم یا تیل لگایا گیا تھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ تر انگلی شرمگاہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، کیونکہ کچھ نہ کچھ شرمگاہ میں تراوٹ باقی رہ جاتی ہے۔

علامہ تمرتاشی اور علامہ حصکفی کا بیان ہے: ''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد. لبقاء شئ من البلة في الداخل'' (تنویر الابصار والدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۳۶۹)۔

***

صوم اور اس کو توڑنے والی بعض صورتیں

مولانا محمد حذیفہ بن محمود[1]

۱- اس بارے میں اصل الاصول یہ ہے کہ جو چیز دماغ یا بطن کے جوف تک پہنچ جائے جس کا پہنچنا عادی یا یقینی ہو تو اس چیز سے روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے معتاد اور اصل منفذ سے پہنچے یا غیر معتاد اور غیر اصل منفذ سے، اور جو چیز دماغ یا بطن کے جوف تک عادۃً یا یقیناً نہیں پہنچتی اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ پس اعتبار جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنے یا نہ پہنچنے کا ہے، معتاد منفذ اور راستہ سے ہو یا غیر معتاد منفذ اور راستہ سے ہو، یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے، منفذ معتاد جیسے منہ، ناک، مقعد وغیرہ، اور منفذ غیر معتاد جیسے دماغ یا پیٹ کا وہ زخم جو اندر تک گہرا ہو اور وہاں تک اتنا راستہ بن چکا ہو کہ اوپر ڈالی ہوئی دوا اندر تک پہنچ جائے، جس کو جائفہ اور آمہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ اس تفصیل کو علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع (۲/ ۲۴۳) میں بیان کیا ہے۔

احکام القرآن للتھانوی میں ہے:

’’کل ما وصل إلی الجوف واستقر فیه مما یستطاع الامتناع عنه سواء کان وصوله من مجری الطعام والشراب أو من مخارق البدن التی هی خلقة فی بنیة الانسان أو من غیرها‘‘ (احکام القرآن ۱/۱۶۶)۔

تاتارخانیہ میں ہے:

’’والمخارق المعتادة وغیرها سواء عند أبی حنیفة فیما یصل إلی الجوف والدماغ فی الفساد‘‘ (تاتارخانیہ ۲/۱۰۲)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

’’فالمعتبر حقیقة الوصول حتی لو علم وصول الیابس أفسد أو عدم وصول الطری لم یفسد وإنما الخلاف إذا لم یعلم یقینا فافسد بالطری حکما بالوصول نظرا إلی العادة ونفیاه‘‘ (رد المحتار ۲/۳۷۶، کذا فی البحر الرائق ۲/۲۸۸)۔

نیز لکھتے ہیں:

’’ولم یقیدوا لاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلی الجوف لظهوره فیها وإلا فلابد منه حتی لو بقی السعوط فی الأنف ولم یصل إلی الرأس لا یفطر‘‘ (۲/۳۷۶)۔

مذکورہ عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ اعتبار وصول الی الجوف کا ہے، منفذ معتاد سے ہو یا غیر معتاد سے، ورنہ شئی داخل مفسد صوم نہیں۔

۲- کسی چیز کا بعینہ جوف تک پہنچنا مفسد و مفطر ہے، پس اگر کوئی چیز بعینہ نہ پہنچے، بلکہ اس کا اثر و نفع پہنچے تو وہ بھی مفسد نہیں۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

’’وکذا لو ادهن رأسه أو أعضاء فتشرب فیه أنه لا یضره لأنه وصل إلیه الأثر لا العین‘‘ (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

نیز لکھتے ہیں:

’’ولا بأس بأن یکتحل الصائم بالاثمد وغیره وإن وجد طعمه فی حلقه ۔۔۔۔۔ لما ذکرنا أنه لیس للعین منفذا إلی الجوف وإن وجد طعمه فی حلقه فهو أثره لا عینه‘‘ (ایضا ۲/۲۶۸، کذا فی العنایة مع الفتح ۲/۳۳۰)۔

۳- مفسدات صوم کی تعیین کا تعلق ایک حد تک علم طب و تشریح سے بھی ہے۔

[1] دار العلوم بدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین لوناواڑہ، گجرات۔

چنانچہ بعض مسائل کے اختلاف اور وجہ اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے "صاحب ہدایہ" نے لکھا ہے:

"وهذا ليس من باب الفقه" (فی هامش الفتح ۲/۲۴۴)۔

علامہ ابن نجیم" لکھتے ہیں:

"قال في الهداية هذا ليس من باب الفقه لأنه متعلق بالطب" (البحر الرائق ۲/۲۸۶)۔

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

"والأظهر أنه لا منفذ له... وكذا تقوله الأطباء"۔

اس کے ضمن میں "علامہ طحطاوی" فرماتے ہیں:

إنما أسنده إليهم لأن هذا المقام يرجع إليهم فيه لكونه من علم التشريح" (مراقی الفلاح وحاشية الطحطاوی ۳۶۲/)

مرد کی پیشاب گاہ میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے اختلاف کی بنیاد اس بات کو ذکر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کی تحقیق میں مثانہ سے اوپر کوئی منفذ نہیں، جس سے دوا اوپر پیٹ میں جا سکے، لہذا وہ عدم فساد کے قائل ہوئے، اور امام ابویوسف کی تحقیق میں مثانہ سے اوپر منفذ ہے، جس سے اوپر دوا جا سکتی ہے، پس وہ فساد کے قائل ہوئے، ظاہر ہے کہ اگر یہ طبی تحقیق بدل جاتی تو دونوں کے قول بدل جاتے، دونوں کی تحقیق یکساں ہوتی تو دونوں کے نزدیک مسئلہ ایک ہی ہو جاتا اور کوئی اختلاف باقی نہ رہتا۔

"صاحب ہدایہ" نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ولو أقطر في إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة وقال أبو يوسف يفطر وقول محمد مضطرب فيه فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه وهذا ليس من باب الفقه" (۲/۲۴۴ فی هامش الفتح، كذا فی البحر ۲/۲۴۳، المبسوط ۳/۶۸)۔

"صاحب ہدایہ" کے اس بیان کے ذیل میں "محقق ابن ہمام" کی چشم کشا تحریر غور سے پڑھئے:

"يفيد أنه لا خلاف لو اتفقوا على تشريح هذا العضو فإن قول أبي يوسف بالإفساد إنما هو بناء على قيام المنفذ بين المثانة والجوف فيصل إلى الجوف ما يقطر فيها وقوله بعدمه بناء على عدمه والبول يترشح من الجوف إلى المثانة فيجتمع فيها" (فتح القدير ۲/۲۴۴)۔

مذکورہ عبارات بالخصوص "ابن ہمام" کے قول "لا خلاف لو اتفقوا على تشريح هذا العضو" سے واضح ہو رہا ہے کہ مقام بول و غائط اور فرج مرأۃ سے داخل کی گئی دوا کے مفسد صوم ہونے، نہ ہونے میں بنیاد جوف تک پہنچنا اور نہ پہنچنا ہے، اور اس کا مدار طبی تحقیق پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اقطار فی قبل المرأۃ کے مفسد ہونے میں امام صاحبؒ اور امام ابویوسفؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوا، کیونکہ اس سلسلہ میں دونوں کی تحقیق یکساں تھی۔

غرضیکہ اس موضوع کا تعلق ایک حد تک علم طب اور علم تشریح سے بھی ہے، طب و تشریح کے مطابق داخل کی گئی چیز جوف تک پہنچتی ہے تو وہ مفسد ہے، ورنہ مفسد نہیں۔

مذکورہ بالا بنیادی باتوں کی روشنی میں سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- بعض مسلم اور غیر مسلم ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس دوا کو زبان کے نیچے رکھا جاتا ہے، وہ تھوڑی ہی دیر میں پگھل کر منہ کی رال میں مل جاتی ہے، خدا تعالیٰ نے بدن انسانی میں جگہ جگہ باریک رگیں اور مسامات بنائے ہیں، زبان کے نیچے کی ایسی ہی رگوں میں پگھلی ہوئی دوا کا انجذاب ہو جاتا ہے، پھر ان رگوں کے واسطہ سے وہ دوا دل پر اثر انداز ہوتی ہے، گویا یہ دوا حلق سے نیچے نہیں اترتی اور نہ ہی معدہ میں جاتی ہے، الا یہ کہ کوئی مریض دوا ملی ہوئی رال کو نگلے، تو پھر رال کے ساتھ پگھلی ہوئی دوا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گی۔

ظاہر ہے کہ جب دوا حلق سے نیچے نہیں اترتی اور جوف بطن میں نہیں پہنچتی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، تاہم کسی درجہ میں دوا ملی ہوئی رال کے نیچے اتر جانے کا احتمال اور اندیشہ ضرور ہے، گویا کہ اس طرح علاج کرنا روزہ کو فساد کی طرف لے جانا ہے، اس لئے عذر کے بغیر اس طرح دوا کا استعمال مکروہ ہوگا۔

لیکن اگر دوا ملی ہوئی رال حلق سے نیچے اتر جائے، مریض اس کو نگل لے، اور بظاہر یہ بات مشکل ہے کہ دوا ملی ہوئی رال کا کچھ نہ کچھ حصہ منہ میں باقی نہ رہے اور پھر تکلف شدید کے بغیر اس باقی حصہ کو نگلنے سے بچا جا سکے پس اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

ہاں! البتہ اگر اضطرار اور سخت مجبوری کی وجہ سے اس طرح علاج کیا ہے، تو پھر کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

اس مسئلہ کی نظائر یہ چند فقہی جزئیات بن سکتے ہیں:

علامہ سرخسیؒ کا بیان ہے:

وإذا ذاق الصائم بلسانه شيئًا ولم يدخل حلقه لم يفطر. لأن الفطر بوصول شئ إلى جوفه ولم يوجد (مبسوط ۳/۹۳)

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

''ومن ذاق شيئا بفمه لم يفطر لعدم الفطر صورة ومعنى ويكره له ذلك لما فيه من تعريض الصوم على الفساد ويكره للمرأة أن تمضغ لصبيها الطعام إذا كان لها بد منه لما بينا ولا بأس إذا لم تجد منه بدا'' (هدايه مع الفتح ۲/۲٦۷)

''علامہ حصکفیؒ'' فرماتے ہیں:

''وكره ذوق شئ ومضغه بلا عذر'' (در مع الرد ۳/۳۹۵)۔

فتاوی ولوالجیہ میں ہے: ''ويكره للصائم مضغ العلك ولا يفطر أما الكراهة لأنه تعريض الصوم على الفساد من غير حاجة ولأنه تشبه بالأكل وكل من يراه يتهمه بذلك وأما عدم الفطر لأن شيئًا منه لم يجاوز حلقه .''(۲/۲۲۸، كذا في الهداية مع الفتح ۲/۲٦۷، والخانية على هامش الهنديه ۱/۲۰۲، البحر ۲/۲۸۹، المبسوط ۳/۱۰۰)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''ولو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه... ولو مص سكرا حتى وصل الماء حلقه فعليه الكفارة'' (۱/۲۰۳، كذا في البحر ۲/۲۷۷، التاتارخانية ۲/۱۰۲، الولوالجيه ۱/۲۱۸)۔

نیز لکھا ہے:

''إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد... وإن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه'' (۱/۲۰۳، كذا في الهداية مع الفتح ۲/۲۵۹)۔

۲- انہیلر ایک قسم کا پمپ ہوتا ہے، جس کو منہ کے پاس لے جا کر پچکاری کی طرح دبا دیا جاتا ہے، دبانے اور اسپرے (SPRAY) کرنے سے پمپ میں سے ہوا اور اس کے ساتھ دوا سفوف اور پاؤڈر کی شکل میں نکلتی ہے، جو سانس کی نالی کے راستہ سے پھیپھڑے تک جاتی ہے، وہاں سے کہیں نہیں جاتی ہے، چونکہ سانس کی نالی کے قریب متصل ہی کھانے کی نالی ہوتی ہے جس سے چیز معدہ میں جاتی ہے، اس لئے یہ بات بعید از امکان ہے کہ اس دوا کا کوئی نہ کوئی جز کسی درجہ میں کھانے کی نالی میں اور پھر وہاں سے معدہ میں نہ جائے، اسی وجہ سے غالبًا اس دوا کا ذائقہ بھی حلق میں محسوس ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح دوا یا غذا کا معدہ میں جانا مفسد صوم ہوتا ہے، اس لئے انہیلر کی وجہ سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

ہاں! البتہ اضطرار اور سخت مجبوری کی وجہ سے اس طرح علاج کیا ہے، تو پھر کفارہ معاف ہو جائے گا۔

لیکن اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ دوا کھانے کی نالی میں نہیں گئی تو پھر روزہ فاسد نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے: ''أكل سمسمة من خارج يقطع ويكفر في الأصح إلا إذا مضغ بحيث تلاشت في فمه إلا أن يجد في حلقه كما مر'' (مع الرد ۳/۳۹۴)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد ... وإن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعما في حلقه'' (۲۰۳/۱، كذا في الهدايه مع الفتح ۲۵۹/۲)۔

۳- روزے کی حالت میں بھاپ لینا درست نہ ہوگا، بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کا حکم وہی ہے جو دھوئیں کا ہے کہ بالقصد اندر داخل کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی کا بیان ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه''۔

اس کے تحت ''علامہ شامی'' فرماتے ہیں:

''قوله (أدخل حلقه الدخان) أى باى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه ...'' (در مع الرد ۳۶۶/۲، كذا في مراق الفلاح/۳۶۱)۔

مگر چونکہ ساتھ میں دوا کا اثر ہونے کی وجہ سے اس میں صلاح بدن بھی ہے اور حلق کے راستہ سے آدمی کے اختیار سے اس کو داخل کیا جاتا ہے، اس بنا پر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہونا چاہئے، الایہ کہ اضطرار اور سخت مجبوری کی حالت ہو تو پھر کفارہ نہ ہوگا۔

۴،۵- پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ مفسد صوم وہ چیز ہوتی ہے جو بعینہ معتاد یا غیر معتاد منفذ سے بطن یا دماغ کے جوف میں پہنچے، اور انجکشن کے ذریعہ جو چیز اندر پہنچائی جاتی ہے، چاہے وہ دوا ہو یا گلوکوز، وہ رگوں کے خون سے مخلوط ہوکر پورے بدن میں گردش کرتی ہے اور رگوں میں رہتی ہے، جوف بطن یا جوف دماغ میں نہیں جاتی، البتہ اس کا اثر ونفع بدن میں، بالخصوص اس جگہ جہاں تکلیف ہو، وہاں پہنچتا ہے بلی ظاہر ہے کہ جب وہ چیز پیٹ یا دماغ میں نہیں پہنچتی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، عرف میں بھی اس کو کھانا، پینا نہیں کہا جاتا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص غسل کرے یا اپنا سر بھگوئے یا تر کپڑا بدن پر ڈالے اور مسامات کے ذریعہ اس کا اثر بدن میں پہنچے اور ٹھنڈک محسوس ہو، خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا عمل ثابت ہے، غرضیکہ انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا، چاہے اس کے ذریعہ گلوکوز چڑھایا جائے یا غذا کی ضرورت پوری کرنے والی کوئی اور دوا داخل کی جائے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ''والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل بالماء البارد''. وفي الكفاية تحته: ''فوجد برودة الماء في كبده وذلك لا يضره'' (۲۵۷/۲ مع الفتح)۔

''علامہ ابن ہمام'' تحریر فرماتے ہیں: ''لأن الموجود في حلقه أثره داخلا من المسام والمفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذى هو خلل البدن للاتفاق في من شرع في الماء يجد برده في بطنه ولا يفطر'' (۳۳۰/۲، كذا في الشامي ۳۶۷/۲، البحر ۲۷۶/۲، المراقي مع الطحطاوي/۳۶۱)۔

ہاں البتہ عذر وضرورت شدیدہ کے بغیر ایسا انجکشن لینا مکروہ ہوگا جو غذا کی ضرورت پورا کرتا ہو، اسی طرح گلوکوز چڑھانا بھی مکروہ ہوگا، کیونکہ اس کی وجہ سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت متحقق نہیں ہوتی، اور یہ روزے کی روح اور اس کے مقصود کے خلاف ہے، روزہ کا مقصود یہ ہے کہ شہوانی قوت کو توڑا جائے، بہیمانہ طاقت کو کم سے کم کیا جائے، ظاہر ہے کہ گلوکوز چڑھانے سے یا غذا کی ضرورت پوری کرنے والا یا طاقت پیدا کرنے والا انجکشن لینے سے یہ بات حاصل نہ ہوگی۔

لیکن اگر کسی انجکشن سے دوا پیٹ میں پہنچتی ہے تو پھر اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اب تک تو ایسا کوئی انجکشن یہاں نہیں آیا جس سے دوا پیٹ میں جاتی ہو، کتا کاٹنے کے وقت پیٹ پر ناف سے قریب جو انجکشن لگایا جاتا ہے، اس میں بھی دوا پیٹ میں نہیں جاتی، بلکہ چمڑی کے نیچے کے پرت میں جاتی ہے، اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۶- براہ مقعد داخل ہونے والی چیز اس وقت مفسد ہوتی ہے، جب کہ وہ مقام حقنہ تک پہنچ جائے، مقام حقنہ سے وہ جگہ مراد ہے جہاں سے دوا آنت میں چلی جاتی ہے، یہ مقام ڈاکٹروں سے تحقیق کے مطابق چار پانچ انچ اندر ہوتا ہے، جہاں سے دوا بڑی آنت میں جاتی ہے، قدیم طبی تحقیق کی طرح جدید طبی تحقیق

کے مطابق بھی مقعد کے راستہ سے چیز اندر جاتی ہے، جب کہ وہ مقام حقنہ تک یعنی چار پانچ انچ اندر چلی جائے۔لہذا:

(الف) بواسیری مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ بواسیری مسے اندر مقام حقنہ تک نہیں ہوتے، ایک دوانچ ہی اندر ہوتے ہیں، اس وجہ سے اس مرہم کے آنت میں چلے جانے کا احتمال نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے: ''ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسد وهذا قلما يكون ولو كان فيورث داء عظيما'' (درمختار مع ردالمحتار ۳/۳۶۹)۔

(ب) امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلہ مقعد میں داخل کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ مقام حقنہ سے بھی آگے بڑھ جائے گا، پس جو آلہ داخل کر کے نکال لیا گیا، اگر اس آلہ کے ساتھ کوئی دوا یا پانی وغیرہ کی تری لگی ہوئی تھی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر کوئی دوا یا کسی قسم کی کوئی تری نہیں تھی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

درمختار میں ''غیر مفسد صوم'' چیزوں کے بیان میں لکھا ہے:

''أو أدخل عودًا ونحوه فی مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد۔۔۔۔ومفاده إن استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أی فی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (حوالہ بالا۔ کذا فی مراقی الفلاح/۳۶۱)۔

(ج) جو سیال یا غیر سیال دوا مقعد میں ڈالی گئی، اگر وہ مقام حقنہ سے نیچے ڈالی گئی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ دوا اندر نہیں جائے گی، بلکہ جدید طبی تحقیق کے مطابق تو دوا جہاں ڈالی گئی ہے وہیں اس کا انجذاب ہو جاتا ہے، ہاں! اگر مقام حقنہ تک یعنی چار ※ پانچ انچ اندر ڈالی گئی ہے، جیسا کہ حقنہ (پچکاری) میں ہوتا ہے، تو پھر روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ وہاں اندر دوا چلے جانے کا راستہ ہے، جس سے وہ داخل ہو سکتی ہے۔

''علامہ تمرتاشیؒ'' لکھتے ہیں: ''احتقن أو استعط۔۔۔قضی فقط'' (تنویر الابصار مع الدر المختار فی ہامش ردالمحتار ۳/۳۷۶)۔

ہدایہ میں ہے: ''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه لقوله صلى الله عليه وسلم الفطر مما دخل ولوجود معنى الفطر وهو وصول مافيه صلاح البدن إلى الجوف ولا كفارة عليه لانعدامه صورة'' (مع الفتح ۲/۲۶۶)۔

شامی میں ہے: ''ولم يقيد والاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلى الجوف لظهوره فيها وإلا فلابد منه حتى لو بقی السعوط فی الأنف ولم يصل إلى الرأس لا يفطر'' (۳/۳۷۶)۔

مذکورہ بالا تفصیل میں جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان میں صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

۷- تمہید کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ مفسد صوم وہ چیز ہوتی ہے جو عادۃً یا یقیناً منفذ معتاد یا غیر معتاد سے بطن یا دماغ کے جوف میں پہنچ جائے، اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ زیر بحث موضوع کے بعض احکام ومسائل کا تعلق قدیم طبی تحقیق سے ہے۔ ظاہر ہے کہ جن اعضاء سے متعلق احکام ومسائل کی بنیاد قدیم طبی تحقیق پر ہے، اگر جدید طبی تحقیق سے ان اعضاء کی تشریح قدیم طبی تحقیق کی بنسبت مختلف ثابت ہو جائے، تو اس پر مبنی احکام ومسائل بھی مختلف ہو جائیں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدیم طبی تحقیق پر مبنی، پیشاب گاہ اور شرمگاہ سے متعلق بیان کئے گئے احکام اور جدید طبی تحقیق کے مطابق ثابت ہونے والے احکام، دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے۔

قدیم طبی تحقیق کے مطابق مسئولہ صورتوں کے جوابات:

مرد کی پیشاب گاہ سے متعلق قدیم تحقیق یہ ہے کہ مرد کے مثانہ سے اوپر جوف بطن تک کوئی منفذ نہیں ہے، اس لئے مرد کی پیشاب گاہ میں دوا ڈالنا مفسد صوم نہ ہوگا، جب کہ عورت کی پیشاب گاہ میں دوا ٹپکانا مفسد صوم ہوگا، کیونکہ عورت کے مثانہ سے اوپر تک منفذ موجود ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ''قوله (علی المذهب) أی قول أبی حنيفة ومحمد معه فی الأظهر وقال أبو يوسف يفطر والاختلاف مبنی على أنه هل بين المثانة والجوف منفذًا أو لا وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع

البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطباء... فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما وعلى قول أبي يوسف وإن كان لها منفذ إلى الجوف إلا أن المنفذ الآخر المتصل بالقصبة منطبق لاينفتح إلا عند خروج البول فلم يعط للقصبة حكم الجوف'' (۳/۷۲)

''وفي الدر المختار ايضًا: ''وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (۲/۳۷۲ مع الرد. كذا في البدائع ۲/۲۴۳)۔

''وفي البدائع أيضًا: ''وأما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (البدائع ۲/۲۴۴)۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق ظاہر ہے کہ مرد کے مثانہ میں نلکی پہنچائی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، چاہے اس نلکی کے ساتھ کوئی دوا یا تری بھی ہو، اور اگر عورت کے مثانہ تک نلکی پہنچائی گئی تو اگر اس کے ساتھ کوئی دوا یا تری ہوگی تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔

عورت کی شرمگاہ کے متعلق قدیم طبی تحقیق کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ اس میں کوئی دوا وغیرہ ڈالی گئی یا لکڑی یا انگلی داخل کی گئی اور اس کے ساتھ دوا یا تری تھی تو روزہ فاسد ہوگا، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت کے فرج داخل سے اوپر جوف بطن میں کسی چیز کے چلے جانے کا امکان ہے۔

درمختار میں ہے: ''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي في دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الداخل لا'' (۳/۳۶۹)۔

پس اگر عورت کی شرمگاہ میں سیال یا غیر سیال دوا رکھی گئی یا کوئی آلہ اس راستہ سے رحم تک پہنچایا گیا جس کے ساتھ دوا یا تری تھی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

جدید طبی تحقیق کے مطابق صورت مسئولہ کے احکام:

(الف) پیشاب گاہ سے متعلق جدید طبی تحقیق یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں کی پیشاب گاہ سے اندرون کا حصہ یکساں ہوتا ہے یعنی دونوں کے مثانہ سے اوپر کسی چیز کے جانے کا کوئی امکان نہیں ہوتا پس اس تحقیق کی روشنی میں اب حکم یہ ہوگا کہ

''مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، چاہے ساتھ میں دوا یا پانی وغیرہ کی تری ہو یا نہ ہو، کیونکہ وہ دوا یا تری معدہ میں نہیں جاسکتی''۔

(ب) خواتین کی شرمگاہ سے متعلق جدید طبی تحقیق یہ ہے جیسا کہ بعض مسلم اور غیر مسلم ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ سیال یا غیر سیال دوا رکھی جاتی ہے، تو جہاں رکھی جاتی ہے وہاں سے آگے نہیں بڑھتی، بلکہ وہیں باریک رگوں اور مسامات میں اس کا انجذاب ہو جاتا ہے، تاہم اگر اس کو کوشش سے آگے بڑھایا جائے تو وہ آگے رحم میں جاسکتی ہے، اس سے آگے معدہ تک نہیں جاسکتی، نہ شرمگاہ سے معدہ تک چیز کے پہنچنے کا کوئی راستہ ہے اور نہ ہی رحم سے کسی چیز کے معدہ تک پہنچنے کا کوئی امکان ہے۔

پس اس تحقیق کی روشنی میں اب حکم یہ ہوگا کہ:

خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی گئی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ اندر رکھی ہوئی دوا جہاں رکھی گئی ہے اس جگہ سے آگے نہیں بڑھتی، اور اگر اندر دور تک داخل کی جائے تب بھی وہ رحم سے معدہ میں نہیں جاسکتی، اس طرح کوئی آلہ یا ہاتھ شرمگاہ میں داخل کیا گیا یا شرمگاہ سے رحم تک پہنچایا گیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، چاہے ساتھ میں کوئی دوا یا تری ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ دوا یا تری معدہ تک نہیں جاسکتی، واللہ اعلم۔

☆☆☆

افطار صوم اور پیش آنے والے جدید مسائل

مولانا رحمت اللہ ندوی[1]

مفطرات صوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اعتبار اور معیار غذا یا دوا یا کسی ایسی چیز کا نگلنا ہے، جس میں غذائیت چاہے نہ ہو لیکن باہر سے اندر پہنچائی گئی ہو۔

اسی طرح براہ راست مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی چیز معدہ یا دماغ تک پہنچے، تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسے جائفہ (پیٹ کا گہرا زخم) یا آمہ (دماغ تک پہنچنے والا زخم) پر دوا رکھنا، لیکن اگر بالواسطہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے انجکشن وغیرہ، خواہ گلوکوز کا ہو یا خون کا، اسی لئے ان اعضاء میں دوا ڈالنے یا غذا پہنچانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا جن کا منفذ دماغ یا معدہ کی طرف ہے۔ جیسے حقنہ (پچھلے مقام سے دوا پہنچانا) یا ناک میں دوا یا تیل وغیرہ کا ڈالنا۔

روزہ کی حالت میں انجکشن:

روزہ کی حالت میں وہ انجکشن جس سے دوا براہ راست معدہ تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی اس سے مریض کو غذا فراہم ہوتی ہے، علماء کے نزدیک بالاتفاق ایسا انجکشن لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ وہ انجکشن جس کا مقصد مریض کو غذا فراہم کرنا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جب کہ دوسرے طبقہ کی رائے ہے کہ روزہ تو نہیں ٹوٹتا البتہ احتیاطاً اس قسم کا انجکشن نہیں لگوانا چاہیے۔

عصر حاضر کے مشہور فقیہ علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اپنے فتاویٰ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وہ انجکشن جن کی دوائیں معدہ تک نہیں جاتیں یا بالفاظ دیگر جن کا مقصد مریض کو غذا فراہم کرنا نہیں ہوتا، ان کے لگانے میں کوئی حرج نہیں، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

البتہ انجکشن کی وہ قسمیں جن کا مقصد مریض کو غذا فراہم کرنا ہوتا ہے مثلاً گلوکوز کا پانی چڑھانا وغیرہ تو اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی چیزوں کا وجود نہ حضور کے زمانے میں تھا اور نہ سلف صالحین کے دور میں، یہ عصر جدید کی ایجاد ہے۔

علماء کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ اس قسم کے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جب کہ دوسرا طبقہ روزے کی حالت میں مریض کے لیے اس کے استعمال کو جائز قرار دیتا ہے۔

اگرچہ میں دوسرے طبقے کی رائے کو قابل ترجیح سمجھتا ہوں، تاہم احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ روزے کی حالت میں اس قسم کے انجکشن سے پرہیز کرنا چاہیے۔ رمضان کی راتوں میں یہ انجکشن لئے جا سکتے ہیں، اور اگر دن کے وقت اس انجکشن کا لگانا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی مریض کے لیے روزے معاف کئے ہیں۔ اس قسم کے انجکشن سے معدہ میں براہ راست کوئی غذا تو نہیں پہنچتی البتہ اس کے استعمال سے بدن میں ایک قسم کا نشاط اور قوت آجاتی ہے اور یہ بات روزے کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو روزے ہم پر فرض کئے ہیں تو اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم بھوک پیاس کی تکلیف کو محسوس کر سکیں۔ اگر اس قسم کے انجکشن کی عام اجازت دے دی جائے تو صاحب حیثیت حضرات اس کا استعمال عام کر دیں گے تاکہ وہ بھوک، پیاس کی تکلیف کو کم سے کم کر سکیں اور یوں روزے کا ایک مقصد فوت ہو جائے گا (فتاویٰ یوسف القرضاوی ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸)۔

[1] مدرسہ فلاح المسلمین، تیدوہ، رائے بریلی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے ہے کہ انجکشن سے چونکہ عموماً رگوں کے واسطہ سے دماغ یا معدہ تک چیزیں پہنچتی ہیں لہذا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

وہ اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

"انجکشن کے ذریعہ جو چیزیں جسم میں داخل کی جاتی ہیں، وہ عموماً رگوں کے واسطہ سے قلب و دماغ یا معدہ تک پہنچتی ہیں اور ایک ایسی راہ سے گذرتی ہیں جو اس کی راہ اور فقہاء کی زبان میں "منفذ" نہیں ہے" (جدید فقہی مسائل ۱/۱۷۹)۔

حاصل کلام پیش کرتے ہوئے آگے تحریر کرتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ انجکشن کے ذریعہ چاہے خون پہنچایا جائے یا دوا، مفسد صوم نہ ہوگا۔ چونکہ گلوکوز وغیرہ کی نوعیت بھی یہی ہوتی ہے کہ رگوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے، معدہ یا دماغ کے کسی منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچایا جاتا، اس لیے روزہ نہیں ٹوٹے گا، واللہ اعلم" (ایضاً/ص ۱۸۲)۔

مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (فتاوی رحیمیہ ۲/۳۹)۔

مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ صاحب صاف تحریر فرماتے ہیں:

"کسی بھی انجکشن کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور رگ اور بازو دونوں میں انجکشن لگانے کا ایک ہی حکم ہے" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸)۔

ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"انجکشن کی دوا اگر براہ راست معدہ یا دماغ میں نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸)۔

ایک اور استفتاء کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

"گلوکوز کو لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸)۔

مزید لکھتے ہیں: عذر کی وجہ سے رگ میں بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف طاقت کا انجکشن لگوانے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے: گلوکوز کے انجکشن کا بھی یہی حکم ہے"۔

شیخ عبد العزیز محمد سلمان اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما الإبرة فهي تنقسم إلي قسمين: إبرة دوائية، وإبرة غذائية. فإيصال الأغذية بالإبرة حقنا فى الدم أو شربًا أو إيصالها إلى الجوف بأى طريق. فلاشك فى فطره بها. لأنها فى معنى الأكل والشرب من غير فرق"۔

وأما إيصال الدواء بالإبرة فعلى القول الأول يفطر، وعلى ما اختاره الشيخ تقي الدين. فالذى يظهر لى أنها لا تفطر. والذى تطمئن إليه النفس تجنبها" (الأسئله والأجوبه الفقهيه ۲/۱۴۹)۔

اس عبارت کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ انجکشن اگر بطور غذا ہو، خواہ رگوں میں ہو یا خون میں یا کسی اور طریقہ سے تو بلا شبہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ یہ اکل وشرب کے مفہوم میں ہے، لیکن اگر بطور دوا ہو تو پہلے قول کے مطابق روزہ ٹوٹ جائے گا، اور شیخ تقی الدینؒ نے اسے اختیار کیا ہے کہ اس سے روزہ اگر چہ نہیں ٹوٹے گا لیکن پرہیز بہتر ہے۔

اس کے آگے مزید لکھتے ہیں:

"انجکشن کی وہ قسم جو بطور غذا استعمال ہوتی ہے اس سے جسمانی غذائیت کی کمی پوری کی جاتی ہے اور وٹامن حاصل ہوتا ہے جیسے گلوکوز، بلا شبہ اس طرح کے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اطباء کا کہنا ہے کہ ہر غذائی مادہ جسے انسان استعمال کرتا ہے اس سے بدن انسانی کو فائدہ اسی وقت ملتا ہے جب کہ وہ گلوکوز میں تحویل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے اسپتالوں میں ہر اس مریض کو گلوکوز چڑھایا جاتا ہے جس کے لیے از خود کھانا دشوار ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ گلوکوز کھانے کے قائم مقام ہے لہذا کھانے کی طرح مفطر صوم ہے" (الأسئلة والأجوبة الفقهيه ۲/۱۴۹)۔

چونکہ عربی عبارت طویل ہے اس وجہ سے یہاں صرف خلاصہ کلام پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالاعبارت میں شیخ نے جواطباء کا قول نقل کر کے گلوکوز کو اکل کا قائم مقام مان کر اسے مفسد صوم قرار دیا ہے، وہ ناچیز کی رائے میں درست نہیں ہے، کیونکہ یہ غذا براہ راست معدہ کو نہیں پہنچ رہی ہے بلکہ بالواسطہ پہنچ رہی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اصل اور قائم مقام میں حکماً بہت سی چیزیں مختلف ہوتی ہیں، بالکلیہ جو اصل کا حکم ہے، من وعن خلف اور بدل کو نہیں دیا جاتا، ورنہ پھر بدل، بدل نہیں رہے گا بلکہ اصل بن جائے گا۔

درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی طرح کے انجکشن سے روزہ نہ ٹوٹے، البتہ بلا وجہ کے انجکشن کو خواہ غذا ہو یا دوا مستحسن قرار نہیں دیا جائے گا، مجبوری کی صورت میں بلا کراہت جائز ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مریض ہے تو افطار کر کے بعد میں روزہ کی قضا کرسکتا ہے۔ "وإن كنتم مرضى أو على سفر فعدة من أيام أخر" یا روزہ افطار کر کے انجکشن وغیرہ لے سکتا ہے۔ لیکن اگر بیمار نہیں ہے تو بہر صورت اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے روزہ کو ان چیزوں سے بھی بچائے اور احتیاط برتے جن کے مفطر ہونے اور نہ ہونے میں اطباء کا اختلاف ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''دع ما يريبك إلى ما لا يريبك'' (شک وشبہ والی چیز چھوڑ کر غیر مشکوک اور غیر مشتبہ چیز کو اپناؤ)۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مریض اور غیر مریض (جس کو اپنے مریض ہونے کا اندیشہ ہو حالانکہ وہ مریض نہ ہو) کا دارومدار طبیب مسلم پر ہے۔

دماغ، جوف اور معدہ تک پہنچنے والی اشیاء:

براہ راست دماغ، یا جوف یا معدہ میں غذا یا دوا کے پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح ان اعضاء کے اندر دوا یا غذا پہنچانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا جن کا براہ راست ان سے تعلق ہے یا ان کے درمیان منفذ ہے لیکن جس عضو کا منفذ دماغ یا جوف یا معدہ کی طرف نہیں ہے اس عضو میں دوا کے پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اس سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مختلف ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کان اور دماغ یا معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، بلکہ کان کے سرے پر ایک پردہ موجود ہے جو اس راستہ کو بند کردیتا ہے، اس کے برخلاف آنکھ کا حلق کی طرف منفذ موجود ہے، چنانچہ تجربہ ہے کہ کان میں جو دوائیں ڈالی جاتی ہیں آدمی اس کا مزا محسوس نہیں کرتا، اور آنکھ کی دواؤں کا ذائقہ فوراً حلق میں محسوس ہوتا ہے اس لیے آنکھ میں سیال دواؤں کا ڈالنا مفسد صوم ہونا چاہیے، اور کان میں ڈالی جانے والی دواؤں کو بھی از راہ احتیاط ناقض صوم مان لیا جائے گا (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۸۵)۔

امام نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں: ''وأما السعوط فإن وصل إلى الدماغ أفطر بلا خلاف''۔
(نسوار (ناک میں چڑھانے کی دوا) اگر دماغ تک پہنچ جائے تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا)۔
آگے تحریر کرتے ہیں:

''لو أوصل الدواء إلى داخل لحم الساق أو غرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف لأنه لا يعد عضوًا مجوفًا'' (كتاب المجموع شرح المهذب ٦/ ٢٧٢)۔
(اگر دوا پنڈلی کے گوشت میں پہنچائے یا اس میں کوئی چھری وغیرہ چبھوئے اور گودے تک پہنچ جائے تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ عضو مجوف میں شمار نہیں)۔

علامہ محدث سید محمد یوسف بنوریؒ صاحب ''معارف السنن'' میں رقم طراز ہیں:

''كل ما يصل إلى الدماغ أو الجوف فهو مفسد للصوم عندنا'' (معارف السنن ٥/ ٥١٠)۔
(ہمارے نزدیک دماغ یا جوف تک پہنچنے والی ہر چیز مفسد صوم ہے)۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: ''إن التحقيق أن بين الجوفين منفذا أصليا، فما وصل إلى جوف الرأس يصل الى جوف

البطن'' (معارف السنن۵/ ۵۱۱)۔

(تحقیق یہی ہے کہ جوفین کے مابین ایک اصلی منفذ ہے،لہٰذا جوشئی جوفِ راس تک پہنچی ہے وہ جوف بطن تک بھی پہنچتی ہے)۔

شیخ ابوبکر الجزائری اپنی کتاب ''منہاج المسلم'' میں مفطرات صوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ما وصل إلی الجوف بالمبالغة فی المضمضة والاستنشاق فی الوضوء وغیرہ'' (منهاج المسلم/ ۳۱۴)

(وضووغیرہ میں مبالغہ کے ساتھ کلی کرنے یاناک میں پانی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

مزید تحریر کرتے ہیں:

''وصول ما لیس بطعام أوشراب إلی الجوف بواسطة الفم کابتلاء جوهرة أو خیط لما روی أن ابن عباس رضی الله عنهما قال: الصوم لما دخل ولیس لما خرج یرید رضی الله عنه بهذا أن الصوم یفسد بما یدخل فی الجوف، لا بما یخرج کالدم والقیئ'' (منهاج المسلم/ص ۳۱۴)۔

(مفطرات صوم میں منہ کے ذریعہ جوف تک ایسی چیز کا پہنچنا بھی ہے جوکھانے پینے کی چیز نہ ہوجیسے جوہرہ یا کسی ڈورے کا نگلنا۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: روزہ اندر پہنچنے والی چیز سے فاسد ہوتا ہے نہ کہ باہر نکلنے والی چیز سے،اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ روزہ جوف میں کسی شئی کے داخل ہونے سے فاسد ہوتا ہے نہ کہ کسی چیز کے اندر سے باہر نکلنے سے، جیسے خون اورقئی)۔

مؤلف ''کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة''مفطرات صوم کے بیان میں مالکیہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وصول أی شئ إلی المعدة، سواء کان مائعًا أو غیرہ عمدًا بدون عذر سواء وصل من الأعلی أو من الأسفل. لکن ما وصل من الأسفل لا یفسد الصوم إلا إذا وصل من منفذ، کالدبر، فلا یفسد الصوم بسریان زیت أو نحوہ من المسام إلی المعدة'' (کتاب الفقه علی المذاهب الأربعه۱/ ۵۶۳)۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ معدہ تک کسی چیز کا پہنچنا مفسد صوم ہے خواہ وہ شئ سیال ہو یا غیر سیال، خواہ اوپر سے پہنچے یا نیچے سے، جیسے دبر، لہٰذا اگر مسامات سے معدہ تک پہنچے تو مفسد نہیں، جیسے تیل وغیرہ کا مسامات میں سرایت کرنا۔

دھواں یا بھاپ کا حکم:

دھواں یا بھاپ حلق کے نیچے اگر قصداً وارادۃً منہ یا کان یا آنکھ یاناک وغیرہ کے ذریعہ (جن کا منفذ حلق کی طرف ہے) سے پہنچایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر بلا قصد وارادہ ازخود حلق میں داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ جیسے گرد وغبار، مکھی، مچھر وغیرہ، چنانچہ مؤلف ''کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة'' نے مالکیہ کا مسلک اس سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے:

''وصول مائع إلی الحلق من فم أو أذن أوعین أو أنف وفی حکم المائع البخور وبخار القدر إذا استنشقهما فوصلا إلی حلق، وکذلك الدخان الذی اعتادہ الناس شربه، وهو مفسد للصوم بمجرد وصوله إلی الحلق. وإن لم یصل إلی المعدة'' (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه۱/ ۵۶۳)۔

یعنی منافذ کے ذریعہ حلق تک کسی سیال چیز کا پہنچنا مفسد صوم ہےاور سیال کے حکم میں دھونی اور بھپارہ ہے، اگر دھونی یا بھپارہ ناک سے لے اور حلق تک پہنچ جائے اوراسی طرح حقہ، بیڑی وغیرہ کا دھواں ہے جس کے لوگ عادی ہیں۔ یہ چیزیں محض حلق تک پہنچنے سے روزہ توڑ دیں گی خواہ معدہ تک نہ پہنچیں۔

حنفیہ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولا یفطر أیضًا بشم الروائح العطریة کالورد والنرجس ولا یفطر بدخول غبار طریق أو غربلة دقیق. أو ذباب أو بعوض إلی حلقه رغمًا عنه'' (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه۱/ ۵۶۶)۔

(خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے گلاب اور نرگس اور راستہ کا غبار یا آٹا یا مکھی یا مچھر وغیرہ، اگر بلا اختیار داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

صاحب ''معارف السنن'' تحریر فرماتے ہیں:

دھواں اگر از خود داخل ہوجائے تو مفسد نہیں ہے، لیکن اگر قصداً داخل کرے تو مفسد ہے، یہی حکم عود وغیرہ سے دھونی لینے کا ہے۔ البتہ خوشبو سونگھنا مفسد نہیں (معارف السنن ۵/۵۱۱)۔

مؤلف ''مظاہر حق'' تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص قصداً اپنے فعل سے کسی چیز کا دھواں اپنے دماغ یا پیٹ میں داخل کرے گا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا تو بعید نہیں کہ کفارہ بھی لازم ہوجائے، کیونکہ ان کا دھواں نہ صرف یہ کہ قابل انتفاع ہے بلکہ اکثر دواءً استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح سگریٹ، بیڑی اور حقہ کا دھواں داخل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہوسکتا ہے'' (مظاہر حق جدید ۲/ ۶۳۴، نیز مرض و معالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۰)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بھپارہ کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

''بعض یونانی اور آیورویدک دواؤں میں استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو جوش دیتے ہوئے پانی میں ڈال کر اس کا بھاپ لیا جاتا ہے جس کا اثر بلا تاخیر حلق بلکہ سینہ تک پہنچتا ہے، اس کو بھپارہ کہتے ہیں۔ اس طرح بھپارہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قصداً حلق میں دھواں داخل کرے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہی حکم بھپارہ کا بھی ہوگا تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں:

''من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما'' (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۸۸)۔

امام شافعیؒ کے یہاں مبطلاتِ صوم گیارہ ہیں: ان میں سے ایک '' دخول عين إلى ما يسمى جوفا من منفذ مفتوح'' ہے (الیاقوت النفیس/ ۶۶) یعنی عین کا کھلے منفذ سے ایسی چیز میں داخل ہونا جسے جوف کہا جاتا ہے۔ محشی لکھتے ہیں: اگر عین نہیں ہے بلکہ اثر ہے جیسے ذائقہ یا بو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ خواہ یہ جوف میں پہنچ جائے۔

میری رائے ہے کہ بھپارہ اگر بحالت صوم پھیپھڑے وغیرہ کے مریض کے لیے ناگزیر ہو تو دواء بھپارہ لے سکتا ہے۔ لیکن اگر روزہ کی حالت میں نہ لینے سے حالت بہتر رہتی ہے اور طبیعت نہیں بگڑتی ہے تو بلا عذر بھپارہ لینا مفسد صوم ہوگا۔

یوں تو پھیپھڑے کے مریض کو شرعاً روزہ نہ رکھنے اور افطار کرلینے کی رخصت ہے لیکن اگر روزہ رکھنے کی پوزیشن میں ہو لیکن بھپارہ ناگزیر ہو تو آکسیجن اور ہوا کی طرح اس کے لیے بھپارہ کی گنجائش ہونی چاہیے۔ اور سانس کے ذریعہ آکسیجن (Oxygen Inhalation) لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مؤلف ''مریض و معالج کے اسلامی احکام'' ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے بھی دیگر علماء کی طرح بھاپ اور انہیلر سے روزہ ٹوٹ جانے کی رائے ظاہر کی ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نقل نہیں کی ہے۔

وہ تحریر فرماتے ہیں:

''کسی دوا مثلاً (Tinct Benzoin Co) کی بھاپ لینے اور تنگی تنفس میں (INHALER) کے استعمال کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح (MENTHOL) وغیرہ سونگھنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے'' (مریض و معالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۰)۔

حقنہ کا حکم:

حقنہ (مقعد سے دوا معدہ تک پہنچانا) مفطر صوم ہے (ملاحظہ ہو: مرض و معالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۰)۔

امام نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں:

''أما الحقنة فتفطر على المذهب، وبه قطع المصنف والجمهور.......قال أصحابنا: سواء كانت الحقنة قليلة أو

كثيرة، وسواء وصلت إلى المدة أم لا، فهي مفطرة بكل حال عندنا'' (كتاب المجموع شرح المهذب ۶/ ۲۷۲)۔

حقنہ مذہب شافعی کے مطابق مفطر صوم ہے، مصنف اور جمہور کا اسی پر فیصلہ ہے...... ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ خواہ حقنہ تھوڑا ہو یا زیادہ، خواہ معدہ تک پہنچے یا نہ پہنچے، ہمارے نزدیک بہر صورت مفطر ہے۔

مالکیہ کے یہاں اگر حقنہ انجکشن کے ذریعہ بازو یا سرین وغیرہ میں ہو تو مفسد صوم نہیں، اور اگر احلیل (ذکر کا سوراخ) میں ہو تو مطلقاً مفسد نہیں، البتہ اگر معدہ میں ایک کنکری یا ایک درہم پہنچ جائے تو فاسد ہو جائے گا، اگر صرف منہ کے ذریعہ پہنچا ہو، مذکورہ تفصیل کے مطابق معدہ تک پہنچنے والی ہر چیز مفسد صوم ہے۔

''فالحقنة بالإبرة فى الذراع أو الإلية أو غير ذلك لا تفطر أما الحقنة فى الإحليل، وهو الذكر، فلا تفسد الصوم مطلقا، ولو وصل إلى المعدة حصاة أو درهم، فسد صومه إن كان واصلا من الفم فقط، وكل ما وصل إلى المعدة على ما بين يبطل الصوم'' (كتاب الفقه على المذاهب الاربعه ۱/۵۶۳)۔

عند الاحناف مفسد صوم پانی یا دوا پیٹ میں حقنہ کے ذریعہ دبر یا ناک یا عورت کی شرمگاہ سے داخل کرنا بھی ہے۔

''أو أدخل ماء أو دواء في جوفه بواسطة الحقنة من الدبر أو الأنف أو قبل المرأة'' (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة/۵۶۵)

(اگر آدمی اپنی شرمگاہ کے سوراخ میں بطور دوا اور علاج پانی یا تیل ڈالے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

''ولا يفسد صومه لو صبّ ماء أو دهنا فى إحليله للتداوى'' (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ۵۶۶)۔

امام نوودی تحریر فرماتے ہیں:

''وأما إذا أقطر فى إحليله شيئًا، ولم يصل إلى المثانة أو زرق فيه ميلا، ففيه ثلاثة أوجه: (أصحها) يفطر وبه قطع الأكثرون، لما ذكره المصنف، (والثانى) لا، (والثالث) إن جاوز الحشفة أفطر وإلا فلا، والله أعلم'' (كتاب المجموع شرح المهذب للنووى ۶/۲۷۲)۔

(اگر احلیل (ذکر کا سوراخ) میں کوئی چیز ٹپکائے اور وہ مثانہ تک نہ پہنچے یا اس میں سلائی ڈالے، تو اس میں تین وجہیں ہیں: (۱) روزہ ٹوٹ جائے گا، یہی اکثر کا فیصلہ ہے، مؤلف کے ذکر کردہ وجہ سے، (۲) نہیں ٹوٹے گا، (۳) اگر حشفہ سے آگے بڑھ جائے تو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں)۔

مؤلف ''منہاج المسلم'' لکھتے ہیں:

''وصل مائع إلى الجوف بواسطة الأنف كالسعوط، أو العين والأذن كالتقطير، أو الدبر وقبل المرأة كالحقنة'' (منهاج المسلم/۳۱۴)۔

مؤلف ''مظاہر حق'' لکھتے ہیں:

''اگر کسی عورت نے اپنی شرمگاہ میں پانی یا دوا ٹپکائی، یا کسی نے تیل یا پانی سے بھیگی ہوئی انگلی اپنے مقعد میں داخل کی یا کسی نے اس طرح استنجا کیا کہ پانی حقنہ کی جگہ تک پہنچ گیا، اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے یا استنجا کرنے میں زیادتی ومبالغہ کی وجہ سے پانی فرج داخل تک پہنچ گیا تو قضا واجب ہوگی۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر کوئی عورت تیل یا پانی سے تر کی ہوئی انگلی اپنی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں داخل کرے گی، یا کوئی شخص روئی یا کپڑا یا پتھر اپنی دبر میں داخل کرے گا، یا کوئی عورت ان چیزوں کو اپنی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں داخل کرے گی اور یہ چیزیں اندر غائب ہو جائیں گی تو روزہ جاتا رہے گا، اور قضا لازم ہوگی، ہاں اگر لکڑی وغیرہ کا ایک سرا ہاتھ میں رہے یا یہ چیزیں عورت کی شرمگاہ کے بیرونی حصہ ہی تک پہنچیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ڈورا نگل لیا بایں طور کہ اسکا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہو اور پھر وہ اس ڈورے کو باہر نکال لے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس کا ایک سرا ہاتھ میں نہ ہو بلکہ سب نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی'' (مظاہر حق جدید ۲/ ۶۳۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

عورتوں کی شرم گاہ میں کسی بھی قسم کی دواڈالنامفسد صوم ہے،فتاوی عالمگیری میں ہے:

''وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف، وھوا لصحیح''۔

عورت کے شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائیگا،یہی صحیح رائے ہے(جدید فقہی مسائل/۱۸۵)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل فرج روزہ شروع ہونے سے پہلے دوار کھی اور روزہ شروع ہو جانے کے بعد بھی دوا باقی رہی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا،ہاں بحالت صوم دوار کھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا(فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۵)۔

میری رائے یہ ہے کہ فرج خارج میں بحالت صوم دوار کھنا مفسد نہیں ہے،البتہ فرج داخل میں بحالت صوم رکھنا مفسد ہے،لیکن بقاءِ روزہ شروع کرنا مفسد نہیں۔

بواسیری مسّے:

بواسیری مسوں کی ظاہری سطح پر مرہم اور دوالگانے یا پائپ کے ذریعہ اندر تک دوا پہنچانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟اس کا اصل مدار دوا کے معدہ تک پہنچنے اور نہ پہنچنے پر ہے،چونکہ پائپ کے ذریعہ اندر دوا پہنچانے میں معدہ تک دوا کے پہنچنے کا قوی امکان ہے،لہذا اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا،لیکن اوپر کی سطح پر مرہم اور دوالگانے میں یہ امکان نہیں لہذا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے غایت درجہ احتیاط کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور اس کا حکم واضح کیا ہے،وہ لکھتے ہیں:

روزہ کی حالت میں اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جائے تب تو اسکی وجہ سے روزہ ٹوٹ ہی جائیگا کہ قوی امکان دوا کے معدہ تک پہنچنے کا ہے،لیکن اگر صرف بواسیری مسّوں یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو اس کے بارے میں ڈاکٹروں سے دریافت کرلینا چاہئے کہ یہ دوا معدہ تک پہنچتی ہے یا نہیں(جدید فقہی مسائل ۱/۱۸۵)۔

مؤلف مظاہر حق تحریر فرماتے ہیں:

کسی شخص کو بواسیر ہو اور اسکے مسّے باہر نکل آئیں اور وہ ان کو دھوئے تو اگر مسّوں کو اوپر اٹھنے سے پہلے خشک کرلیا جائے،تو ان کے اوپر چڑھ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا،کیونکہ اس طرح پانی بدن کے ایک ظاہری حصہ پر پہنچا تھا اور پھر بدن کے اندرونی حصہ میں پہنچنے سے پہلے زائل ہوگیا،ہاں اگر مسّے اوپر چڑھنے سے پہلے خشک نہ ہوں گے تو روزہ فاسد ہوجائے گا(مظاہر حق جدید ۲/۶۳۴)۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے یہ ہے کہ بواسیر کے مسّوں کو دبانے یا اس جگہ پانی پہنچنے سے روزہ پر اثر نہیں پڑے گا،خواہ معذور ہو یا غیر معذور،کیونکہ مسّوں پر رطوبت جو جوف میں داخل ہوتی ہے اس سے احتراز ممکن نہیں(فتاوی رشیدیہ مکمل/۴۵۹)۔

ان چند اقتباسات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ بواسیری مسّوں پر مرہم یا دوار کھنا مفسد صوم نہیں،کیونکہ معدہ تک دوا پہنچنے کا امکان نہیں ہے،اور جو رطوبت جوف میں داخل ہوتی ہے اس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔البتہ نلکی یا پائپ کے ذریعہ دوا پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا،کیونکہ قوی امکان پایا جاتا ہے معدہ تک پہنچنے کا۔

عِلک (مصطگی) مکروہ ہے:

علک (مصطگی) چبانا بحالت صوم مکروہ ہے،بشرطیکہ اس کا کوئی حصہ جوف تک نہ پہنچے۔

''من المکروہ مضغ العلك، اللبان۔الذی لا یصل منه شئ إلی الجوف''(کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة)۔

فقہ شافعی کی معروف کتاب ''الیاقوت النفیس''میں ''مضغ نحو العلك''کو مکروہات صوم میں شمار کیا ہے(الیاقوت النفیس/۶۶)۔

اس کے حاشیہ میں ہے:

وهو ما يمضغ، ومحله في غير ما تيقنت، أما هو فإن تيقن وصول بعض جرمه عمدًا إلى جوفه أفطر وحينئذ يحرم مضغه

کہ علک وہ ہے جسے چبایا جاتا ہے، مکروہ اس وقت ہے جب ٹکڑے نہ ہوں، اگر اسکے ٹکڑے ہو جائیں اور بعض اجزاء کا عمداً پیٹ میں پہنچنا متیقن ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اسوقت اسکا چبانا حرام ہوگا۔

مؤلف مظاہر حق لکھتے ہیں:

روزہ دار کو مصطگی چبانا مکروہ ہے، خواہ مرد ہو یا عورت کیونکہ اس کے چبانے سے روزہ ختم کرنے یا روزہ نہ رکھنے کا اشتباہ ہوتا ہے، ویسے تو مصطگی مرد کو غیر روزہ کی حالت میں بھی چبانا مکروہ ہے، ہاں کسی عذر کی بنا پر اور وہ بھی خلوت میں چبانا جائز ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ مصطگی چبانا مردوں کے لئے مباح ہے، جبکہ عورتوں کیلئے مستحب، کیونکہ وہ ان کے حق میں مسواک کے قائم مقام ہے (مظاہر حق جدید ۲/۶۳۵)۔

''عن عطاء قال: إن مضمض ثم أفرغ ما في فيه من الماء لا يضيره أن يزدرد ريقه، وما بقي في فيه، ولا يمضغ العلك، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول إنه يفطر ولكن ينهى عنه'' (رواه البخاري في ترجمته)۔

حضرت عطاءؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار کلی کرے اور پھر پانی کو منہ سے (بالکل) نکال دے تو اس کے روزہ کو اس بات سے نقصان نہیں پہنچے گا کہ وہ اپنا تھوک اور وہ چیز جو منہ کے اندر باقی ہے نگل جائے، اور روزے دار مصطگی نہ چبائے، اور اگر روزے دار مصطگی کا تھوک نگل جائے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، البتہ اس سے منع کیا جاتا ہے۔

مصطگی:

علک کا ترجمہ مصطگی ہے، یہ گوند کی قسم سے ایک دوا ہے جو دانت کے امراض میں اور دانتوں کی تقویت کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، پہلے زمانے میں بھی لوگ اسے دانت کی تقویت کے لئے منہ میں رکھ لیا کرتے تھے اور چباتے تھے، چنانچہ روزہ کی حالت میں اسے چبانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ آجکل کے رائج چلغم کی طرح سمجھنا چاہئے۔

البتہ مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ مصطگی کو چباتے ہوئے جو تھوک منہ میں جمع ہو جائے اسکو نگلنے سے روزہ نہیں جاتا، کیونکہ وہ تو منہ میں چپک کر رہ جاتی ہے، اسکا کوئی جز علاحدہ نہیں ہوتا کہ وہ حلق میں اتر جائے اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم بطور احتیاط اس کے تھوک کو بھی نگلنے سے منع فرمایا گیا ہے، لہذا حدیث کے الفاظ ''ولكن ينهى عنه'' میں مذکورہ نہی تنزیہی ہے۔

کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی بھی چیز کو چبانا خواہ وہ مصطگی ہو یا اور کوئی چیز مکروہ ہے، ہاں ضرورت کے وقت کسی بچہ کے منہ میں دینے کیلئے اسکا کوئی ٹکڑا چبانا جائز ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ مصطگی وغیرہ چبانے کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ اس کا یقین ہو کہ اس کا کوئی جز حلق کے نیچے نہیں اترا ہے، اور اگر حلق کے نیچے اتر جانے کا یقین ہو تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی درزی یا کوئی بھی شخص رنگا ہوا ڈورا منہ میں لے اور اس کا تھوک ڈورے کے رنگ جیسا ہو جائے اور پھر وہ اس تھوک کو نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر تھوک پر رنگ غالب نہ آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (مظاہر حق جدید ۲/۶۵۰)۔

علک (مصطگی) کی کراہت معلوم ہو جانے کے بعد جاننا چاہئے کہ امراض قلب میں جو بعض دوائیں صرف زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہیں، اور انکے اجزاء کو لعاب دہن کے ساتھ نگلنے سے احتیاط کی جاتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر بحالت صوم اس کی ضرورت نہ ہو تو بلا ضرورت کرنا مکروہ ہوگا، لیکن بوقت ضرورت بلا کراہت یہ عمل درست ہوگا۔

خلاصۂ بحث:

مفطرات صوم سے متعلق بعض امور پر تحقیقی بحث کے بعد اب سوالنامہ کی روشنی میں جواب پیش خدمت ہے:

۱- امراض قلب سے متعلق بعض وہ دوائیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا رکھا کرجاتا ہے، اگر بحالت صوم ان کا استعمال ناگزیر صورت میں غا

یت درجہ احتیاط کے ساتھ کیا جائے کہ اس کا کوئی جز لعاب دہن کے ساتھ حلق کے نیچے نہ جانے پائے تو بلا کراہت درست ہے، اور اگر اس کے بغیر کام چل سکتا ہو تو مذکورہ شرطوں کے ساتھ مع الکراہت جائز ہے۔ مفسد صوم صرف اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس کے بعض اجزاء حلق کے اندر داخل ہو جائیں۔

۲- امراض تنفس کے شکار لوگوں کا بحالت صوم انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا کا استعمال کرنا اسی صورت میں درست ہوگا جبکہ اس کے بغیر کام نہ چل سکتا ہو، اگر بلا ضرورت ہو تو احتیاط نہ استعمال کرنے میں ہے۔

۳- ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال کر بشکل بھاپ منہ اور ناک سے کھینچنا درست معلوم نہیں ہوتا البتہ بھاپ کو سامنے رکھ کر معمول کے مطابق سانس لینا جس سے بھاپ اور دوا کا اثر اندر پہنچ جائے درست ہونا چاہئے۔

۴- انجکشن خواہ رگوں میں ہو یا بازو میں، اگر بطور دوا ہو تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر بطور غذا ہو اور ضرورۃً ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، لیکن وہ انجکشن جو غذائی ضرورت پوری کرے حالانکہ ایسے انجکشن کی اسے ضرورت نہ ہو تو احتیاط کے خلاف ہے، اس سے مقصد صوم فوت ہو جاتا ہے لیکن مفسد بہر صورت نہیں ہو گا کیونکہ غذا بالواسطہ جسم میں پہنچ رہی ہے۔

۵- گلوکوز کی ضرورت اور نمکیات کی کمی پوری کر کے جسم کو قوت فراہم ضرور کرتا ہے لیکن اسے اکل وشرب کا درجہ دے کر اس کا حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ فطری منفذ سے داخل نہیں، اس لئے گلوکوز کو کسی بھی صورت میں مفسد صوم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلا ضرورت استعمال کرنے کو زیادہ سے زیادہ خلاف احتیاط کہا جاسکتا ہے، چونکہ اس سے روزہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۶- پیچھے کے راستے سے پہنچائی جانے والی دوا خواہ سیال ہو یا غیر سیال اگر معدہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسّوں پر اگر نلکی یا پائپ کے ذریعہ دوا لگائی جائے تو معدہ تک دوا کے اثر پہنچنے کے قوی امکان کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جائیگا۔

لیکن اگر اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ معدہ تک اثر پہنچنے کا ایک تو امکان نہیں، دوسرے اس سے احتراز بھی ممکن نہیں۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے صرف آلات بغیر دوا کے اندر داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا جبکہ اس کا کوئی حصہ باہر ہو۔

۷- اگر مرد اپنی شرمگاہ کے سوراخ میں دوا یا تیل ڈالے تو یہ مفسد صوم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر عورت اپنی شرمگاہ میں کسی بھی قسم کی سیال یا جامد دوا رکھے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر عورت روزہ شروع ہونے سے قبل فرج داخل میں دوا رکھی اور اسی حال میں روزہ شروع ہو جائے تو دوا کے باقی رہنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ہاں روزہ شروع ہو جانے کے بعد ایسا کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مرض کی تحقیق کے لئے آلات رحم تک داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جبکہ ان آلات کے ساتھ دوا نہ ہو اور اس کا کچھ حصہ باہر ہو، یہی حکم مرد کے مثانہ تک نلکی پہنچانے کا بھی ہوگا۔

☆☆☆

صوم اور بعض جدید مفطرات صوم

مولانا محمد فاروق[1]

شریعت نے روزہ کی حقیقت، مفطرات ثلاثہ، کھانے پینے اور جماع سے، نیت کے ساتھ ایک خاص وقت تک رکے رہنے سے بیان کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افطار کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے:

۱- جماع یا اسکے ہم معنی امور کا پیش آجانا۔

۲- جوف میں خورد ونوش یا کسی اور دیگر اشیاء کا داخل ہوجانا۔

چنانچہ جزئیات فقہیہ پر بغور نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن امور سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان سبھوں کا مرجع و مآل یہی مذکورہ دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک ہے، البتہ بادی الرائے میں مسئلہ استقاء سے مذکورہ انحصار پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس میں نہ تو پہلے امور سے تعلق ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور نہ دوسرے امور سے، کیونکہ استقاء میں جوف بدن سے خروج پایا جاتا ہے نہ کہ دخول، اسکے باوجود روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ افطار کا مدار وہی مذکورہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا پیش آجانا ہے جن میں سے دوسرے امور سے گفتگو کرنی ہے، اور ہماری گفتگو کا محور دو امور کی توضیح وتشریح ہے:

۱- ان منافذ کی مراد جو جوف تک وصول کرتے ہیں۔

۲- مجوف اعضاء کی مراد۔

البتہ ان امور کے ضمن میں فساد صوم کی شرطوں اور وصول الی الجوف کے تحقق سے بھی گفتگو ہوگی، پھر خلاصہ جوابات پیش کیا جائے گا۔

واصل الی الجوف منفذ کی مراد:

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ مدار افطار احد الامرین کا پیش آجانا ہے، اور ان میں سے دوسرے امر یعنی جوف میں خورد ونوش وغیرہ اشیاء کے دخول سے بحث کرنی ہے، اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ان منافذ ومخارق کی مراد متعین کی جائے جن کے ذریعہ اشیاء داخل جوف ہوکر مفطر صوم ہوتی ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں جزئیات فقہیہ پر غور کرنے سے تین قسم کے منافذ سامنے آتے ہیں، جنکی تقسیم اس طرح ہے کہ خارجی چیزیں براہ راست جوف تک پہنچیں گی یا بالواسطہ، اگر بلاواسطہ جوف تک پہنچتی ہیں تو جوف تک پہنچنے کے دو راستے ہیں:

۱- منافذ اصلیہ طبعیہ، ۲- منافذ غیر اصلیہ۔

اور اگر بلاواسطہ جوف تک نہیں پہنچتیں بلکہ کسی واسطے سے پہنچتی ہیں تو وہ راستے عروق ومسامات کہلاتے ہیں، اب ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

منافذ اصلیہ:

منافذ اصلیہ ان منافذ کو کہتے ہیں جو منجانب اللہ فطری طور سے بدن انسانی میں بنے ہوئے ہیں جن سے داخل ہونے والی چیز براہ راست جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچتی ہے، جیسے منہ، ناک، کان، دبر وغیرہ، تو یہ وہ منافذ ہیں جہاں سے احد الجوفین تک پہنچنے والی اشیاء بلاواسطہ پہنچتی ہیں، اس لئے اگر کوئی بھی چیز ان منافذ کے ذریعہ احد الجوفین تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ بڑی وضاحت کے ساتھ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن والدبر إن استعط أو احتقن أو

---

[1] جامعہ دار الاحسان بارڈولی، سورت۔

أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه أما إذا وصل إلى الجوف فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان زاوية من زوايا الجوف '' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

منافذ غیر اصلیہ :

منافذ غیر اصلیہ ان منافذ ومخارق کو کہتے ہیں جو بدن انسانی میں فطری طور سے موجود تو نہ ہو، تاہم کسی عوارض کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہوں، اور وہاں سے اشیاء مفطرہ احد الجوفین تک براہ راست پہنچتی ہوں، جیسے جائفہ اور آمہ، جائفہ اس زخم کو کہتے ہیں جو جوف بطن تک پہنچ چکا ہو (شامی ۳/۳۳۶)۔

اور آمہ سر کے ایسے زخم (چوٹ) کو کہتے ہیں جو دماغ کی جھلی تک پہنچ چکا ہو (لغۃ الفقہاء/۳۷)۔

اور چونکہ ان دونوں زخموں میں جوف ودماغ تک بلا واسطہ منفذ ہے، اور بہت ممکن ہے کہ ان میں رکھی جانے والی دوا براہ راست جوف تک پہنچ جائے، چنانچہ اگر دوا وغیرہ ان دونوں زخموں میں سے کسی پر رکھی گئی تو وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ دوا خشک ہوگی یا تر، اگر خشک ہے اور یقین ہے کہ وصول الی الجوف نہیں ہوا ہے تو بالاتفاق مفسد نہیں، لیکن اگر وصول الی الجوف کا یقین ہو جائے، یا دوا تر ہو تو ان دونوں صورتوں میں ہمارے اصحاب احناف کے مابین اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائیگا، اور صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک کسی بھی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ حضرات صاحبین صرف مخارق اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں اور منافذ غیر اصلیہ کا اعتبار نہیں کرتے، اس لئے کہ اس راستے سے وصول الی الجوف یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے، اور شک کی وجہ سے فساد کا حکم لازم نہیں آتا، جبکہ منافذ اصلیہ سے وصول الی الجوف یقینی ہے اس لئے وہ مفسد ہے، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جسطرح منافذ اصلیہ کا اعتبار ہے اسی طرح منافذ غیر اصلیہ کا بھی اعتبار ہے، اس لئے کہ جب منافذ غیر اصلیہ میں منفذ کا جوف تک ہونا مسلم ہے تو دواء رطب کے سلسلے میں ظاہر یہی ہے کہ وہ جوف تک وصول کر چکی ہے، لہٰذا روزہ کے لئے مفسد ہوگی، البتہ زخم اگر پیٹ یا سر پر تو ہو لیکن جائفہ اور آمہ کی حد تک نہ پہنچا ہو یعنی جوف دماغ یا جوف بطن تک نہ پہنچا ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں۔

''لأن المفطر إنما هو الداخل من المنافذ '' (امداد الاحکام ۳/۱۳۲)۔

''وأما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية الخ'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منافذ اصلیہ وغیر اصلیہ دونوں سے جوف تک پہنچنے والی چیز مفطر شمار ہوگی اگر چہ حضرات صاحبین صرف منافذ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں، اور غیر اصلیہ سے جوف تک پہنچنے والی چیزوں کو مفطر نہیں شمار کرتے ہیں۔

عروق ومسامات :

جوف تک چیزوں کی رسائی کے یہ تیسرے منافذ ہیں، ان کے ذریعہ بھی چیزیں جوف تک پہنچ سکتی ہیں لیکن براہ راست نہیں بلکہ واسطہ سے پہنچیں گی، کیونکہ ان مسامات وعروق سے جوف تک براہ راست کوئی راستہ اور منفذ موجود نہیں کہ جس کے ذریعہ بلا واسطہ کوئی چیز جوف تک پہنچ سکے، اس لئے شدت گرمی اور شدت پیاس کیوجہ سے کپڑا بھگو کر بدن پر لپیٹنا، سر پر پانی بہانا خود جناب نبی کریم ﷺ سے اور آپ کے بعض صحابہ سے ثابت ہے۔

''عن بكر بن عبدالرحمٰن عن بعض أصحاب النبي ﷺ قال رأيت رسول الله ﷺ بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر '' (ابوداؤد: باب الصائم يصب عليه الماء من الطعش. رقم: ۲۳۶۰)۔

نیز آپ ﷺ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی بدن پر بھیگے ہوئے کپڑے کو لپیٹنا ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں نقل فرمایا ہے:

''وبلّ ابن عمر ؓ ثوبا فألقاه عليه وهو صائم '' (باب اغتسال الصائم)۔

جبکہ حالت صوم میں اس طریقہ کو اختیار کرنے سے جہاں شدت حرارت سے راحت ملتی ہے وہیں ازالہ تشنگی میں مدد ملتی ہے، اور اس طریقہ سے رگ وپے میں ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات خارجی برودت کثرت پیشاب کا ذریعہ ہوتی ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مسامات کے ذریعہ برودت اندرون بدن میں سرایت کر جاتی ہو بلکہ جوف بطن تک تراوٹ چلی جاتی ہو، لیکن کسی کے نزدیک یہ مفسد صوم نہیں ہے، پتہ چلا کہ مسامات کے ذریعہ جوف تک پہنچنے والی چیز مفسد نہیں، اس لئے کہ براہ راست جوف تک پہنچنے کا کوئی راستہ اور منفذ نہیں ہے۔

اسی طرح عروق میں ٹیکہ لگانے، انجکشن لگانے یا گلوکوز وغیرہ چڑھانے سے تروات اور اسکے اثرات اگر چہ جوف تک پہنچ جاتے ہیں لیکن یہ وصول بالواسطہ ہے بلاواسطہ نہیں، کیونکہ اولاً موضع عمل کے خون میں پہنچتا ہے پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہنچتا ہے، پھر ممکن ہے کہ کچھ خون اس دوا وغیرہ کا اثر لئے ہوئے جوف میں پہنچتا ہو، تو گویا اس طریقہ کا وصول الی الجوف رل مل جانے کے بعد ہے۔

''کما إذا مضغ العلك والسمسم ثم ابتعله'' اور یہ مفسد صوم نہیں (مستفاد از امداد الاحکام ۳/ ۱۳۲)۔

یہ الگ بات ہے کہ بعض علماء اس نوع کو بھی مفطر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افطار کے لئے داخل جسم میں غذا کا پہنچ جانا اور اس سے انتفاع کا حاصل ہونا کافی ہے، اور گلوکوز وغیرہ داخل کرنے میں یہ مقصد بدرجہ اتم حاصل ہے، اس لئے عروق سے گلوکوز وغیرہ داخل کرنے سے روزہ فاسد ہو جائیگا جیسا کہ اس اختلاف مع الوجوہ کو ڈاکٹر قرضاوی اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''وأما الذی اختلف فیه علماء العصر فهو فی شأن الحقن الإبر التی تعطی من طریق الورید و یقصد بها التغذیة مثل الجلوکوز و ما شابهه، فمن العلماء من یری هذا النوع مفطر لأنه یحمل غذاء یصل إلی داخل الجسم وینتفع به، وإذا کان الغذاء عن طریق الفم بالنص والاجماع فینبغی أن یفطر هذا أیضا، لأنه خلاصة الغذاء تصل إلی الدم مباشرة، ومن العلماء من یری أن هذا النوع لا یفطر فهو من ناحیة قواعد الفقهاء لم یدخل إلی الجوف من منفذ طبیعی مفتوح، بل لم یدخل إلی الجوف أصلا لأنهم یقصدون بالجوف المعدة، وهذا الرأی هو الذی أرجحه وأمیل إلیه'' (حاشیه علی الشامی ۲/۳۳۰، مکتبه دار الکتاب)۔

لیکن مذکورہ دونوں رایوں میں سے اکابرین کا مفتی بہ قول وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، اور اسی کو علامہ قرضاوی نے راجح اور قابل میلان قرار دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جن منافذ سے براہ راست چیزیں جوف تک پہنچ کر مفطر صوم ہوتی ہیں ان سے بالاتفاق منافذ اصلیہ مراد ہیں، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منافذ غیر اصلیہ کا بھی اعتبار ہے جب کہ جوف تک پہنچنے کا یقین ہو یا شک ہو لیکن کوئی خارجی یا ظاہری دلیل پہنچنے پر قائم ہو، لہٰذا عروق و مسامات کے ذریعہ جو چیزیں جوف تک پہنچ سکتی ہیں اگر چہ ان سے غذائیت اور انتفاع کا حصول ہو جائے مگر مفطر صوم نہیں، اس لئے کہ یہ وصول بلاواسطہ نہیں ہے بلکہ واسطہ کے ساتھ ہے، اور یہ معتبر نہیں۔

اعضاء مجوّف کی مراد:

جس جوف میں اشیاء خارجہ کا دخول مفطر صوم ہے اس سے مطلق جوف مراد نہیں بلکہ جوف دماغ یا جوف بطن مراد ہے، چنانچہ اشیاء مفطرہ میں سے جو نسی بھی چیز احد الجوفین میں داخل ہو گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا، اور اس موقع پر جوفین میں سے جوف دماغ کی حیثیت اصل کی نہیں بلکہ جوف بطن ہی اصل ہے، لیکن جوف دماغ کو اسی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ جوف بطن اور جوف دماغ کے مابین براہ راست ایک منفذ ہے جس کے ذریعہ جوف دماغ میں داخل ہونے والی چیزیں جوف بطن میں پہنچ جاتی ہیں:

والتحقیق أن بین جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصلیا فما وصل إلی جوف الرأس یصل إلی جوف البطن (شامی ۲/۲۳۶)

گویا جوف دماغ کی حیثیت جوف بطن کے گوشوں میں سے ایک گوشہ کی ہے جیسا کہ صاحب بدائع فرماتے ہیں:

''وکذا إذا وصل إلی الدماغ لأن له منفذًا إلی الجوف فکان زاویة من زوایا الجوف'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

چنانچہ اگر کوئی چیز مذکورہ دونوں جوف کے علاوہ مطلق جوف بدن میں چلی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے قصب ذکر، کان، کہ ان دونوں میں جوف موجود ہے لیکن اشیاء کا صرف وہاں پہنچ جانا مفطر صوم نہیں۔

''وأفاد أنه لو بقی فی قصب الذکر لایفسد اتفاقًا'' (شامی ۲/۲۳۳) أو دخل الماء فی أذنه وإن کان بفعله علی المختار'' (الدر المختار مع الشامی ۲/۲۲۸)۔

اسی لئے وہ دوا جو احلیل میں ڈالنے سے مثانہ تک پہنچ جائے طرفین کے نزدیک مفطر نہیں، جبکہ مثانہ بھی جوف ہے، تو اسکی وجہ یہی ہے کہ مثانہ اور جوف

بطن کے مابین منفذ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوا جوف بطن تک نہیں پہنچی بلکہ جوف مثانہ میں باقی ہے، اور یہ مفطر صوم نہیں، البتہ امام ابو یوسفؒ اس صورت میں فساد صوم کے قائل ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ مثانہ ایک ایسا جوف ہے جہاں اشیاء کا وصول مفسد ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مثانہ اور جوف بطن کے مابین منفذ کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

''أو أقطرفی إحلیله ماء ا ودهنا وإن وصل إلی المثانة علی المذهب ای قول أبی حنیفة ومحمد معه فی الأظهر وقال أبویوسف یفطر والاختلاف مبنی علی أنه هل بین المثانة والجوف منفذ أولا. وهولیس باختلاف علی التحقیق والأظهر أنه لامنفذ له'' (شامی ۲/ ۳۲۲)۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ جس جوف میں اشیاء کا وصول مفطر صوم ہے اس جوف سے جوف بطن ودماغ مراد ہے نہ کہ دوسرا، نیز جوف دماغ کی حیثیت اصل کی نہیں بلکہ جوف بطن کے ایک گوشہ اور جز کی ہے۔

افساد صوم کی شرطیں:

داخل جوف اشیاء کے مفسد صوم ہونے کیلئے حسب ذیل چند شرطوں کیساتھ مشروط ہونا ضروری ہے:

۱- شئی کا وصول الی الجوف منفذ خاص سے ہو، عروق ومسامات سے نہ ہو۔

۲- صائم کے فعل واختیار سے ہو، یا ایسی چیز داخل جوف ہو جسمیں صلاح بدن ہو۔

۳- ذاکر صوم کی حالت میں ہو نسیانًا نہ ہو۔

۴- خارجی شئی کا کوئی جز بقاء عین کے ساتھ داخل ہو، رل مل جانے کے بعد داخل نہ ہو۔

۵- شئی واصل داخل جوف میں مستقر ہو۔

چنانچہ کوئی بھی چیز منافذ خاص کے ذریعہ صائم کے فعل واختیار سے ذاکر صوم ہونے کی حالت میں اپنے بقاء عین کے ساتھ جوف تک پہنچ کر مستقر ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر صائم کے فعل واختیار سے نہ ہو بلکہ مکرہًا یا نائمًا ہو لیکن اسمیں صلاح بدن ہو تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہوجائیگا جیسا کہ فقہاء کی مختلف عبارتوں سے ان شرطوں کا ثبوت ہوتا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

''حاصله أن الإفساد منوط بما إذا کان بفعله أوفیه صلاح بدنه ویشترط أیضا استقراره داخل الجوف فیفسد بالخشبة إذا غیّبها لوجود الفعل مع الاستقرار وإن لم یغیبها فلا، لعدم الاستقرار ویفسد أیضا فیما لو أوجر مکرها أونائما کما سیأتی لأن فیه صلاحه'' (شامی ۳۲۹/ ۲)۔

حاصل یہ کہ افساد صوم ایسی چیز کے ساتھ متعلق ہے جو صائم کے فعل واختیار سے ہو یا اس میں صلاح بدن ہو، نیز افساد کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ داخل جوف میں مستقر ہو، چنانچہ اس لکڑی کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا جس کو جوف میں چھپادیا ہو، فعل مع الاستقرار پائے جانے کی وجہ سے، اور اس لکڑی کو جوف میں چھپایا نہیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، استقرار فی الجوف نہ پائے جانے کی وجہ سے، نیز اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا جبکہ حالت نوم یا اکراہ میں منہ میں کوئی چیز ڈال دی گئی۔

شرائط مذکورہ کے فوائد:

لہٰذا پہلی شرط کے مطابق حالت صوم میں گلوکوز وانجکشن وغیرہ لگانا مفسد صوم نہیں کیونکہ منافذ اصلیہ سے جوف تک وصول ضروری ہے اور اس میں ایسا نہیں۔

دوسری شرط کے مطابق اگر گرد وغبار، دھواں، مکھی وغیرہ حلق سے نیچے اتر کر جوف تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس سے احتراز کرنا صائم کے فعل واختیار میں نہیں، البتہ اگر صائم خود سے دھواں وغیرہ کو داخل کرلیا تو شرط مذکور کے پائے جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائیگا (الدر المختار علی الشامی ۳/ ۳۲۷)۔

تیسری شرط کے مطابق اگر نسیانًا کھاپی لیا یا جماع کرلیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ درمختار میں ہے:

''إذا أكل الصائم أوشرب أوجامع حال كونه ناسيا (إلى قوله) لم يفطر'' (درمختار على الشامي ۳/۳۲۶)۔

چوتھی شرط کے مطابق اگر خارجی شئی کا کوئی جز بقاء عین کے ساتھ داخل جوف نہ ہوا بلکہ تلاشی اور لعاب میں رل مل جانے کے بعد داخل ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسے کہ کسی نے خارج سے تل اٹھا کر اس طرح چبایا کہ لعاب میں رل مل گیا حتی کہ حلق میں اس کا اثر تک باقی نہ رہا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (درمختار علی الشامی ۳/۳۵۲)۔

اسی طرح اگر کسی نے ''ہڑ'' کو اس طرح چبایا کہ وہ لعاب میں ملکر داخل جوف ہوا تو مفسد صوم نہیں، کیونکہ عین شئی داخل جوف نہیں ہوئی بلکہ لعاب کے تابع ہوکر داخل ہوئی۔

''ومص إهليلج اى بأن مضغها فدخل البصاق حلقه ولا يدخل من عينها في جوفه لا يفسد صومه'' (تاتارخانیہ ۳/۳۲۸)

جبکہ خارج سے اٹھا کر عین تل کو کوئی صائم نگل جائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا بلکہ صحیح قول کے مطابق کفارہ بھی واجب ہوگا۔

پانچویں شرط کے مطابق اگر کوئی چیز جوف میں مستقر نہ ہو یعنی مکمل طور سے چھپی نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مثلاً اگر کسی نے مقعد میں لکڑی داخل کی اور اس کا ایک سرا جوف تک پہنچ چکا ہے لیکن دوسرا سرا ابھی خارج میں ہے پورے طور سے اندر چھپا نہیں ہے، یا دھاگہ میں باندھ کر کوئی چیز نگل لیا لیکن منہ کے باہر دھاگہ کو پکڑے ہوا ہے تو ان صورتوں میں چونکہ استقرار فی الجوف نہیں پایا گیا اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا (شامی ۳/۳۹۲)۔

خلاصہ یہ کہ فساد صوم کیلئے منافذ اصلیہ سے کوئی چیز مذکورہ شرطوں کے ساتھ داخل جوف ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا اور چونکہ یہ شرطیں استقرائی ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور طریقہ سے بھی فساد ہوجائے۔

وصول الی الجوف کا تحقق:

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ فساد صوم کیلئے استقرار فی الجوف ہونا ضروری ہے، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جوف تک پہنچنے اور مستقر ہونے کا ثبوت کیسے ہوگا؟ تو اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منافذ جن سے اشیاء کا وصول الی الجوف معتبر ہے اگر کوئی چیز داخل ہوئی اور یقینی طور سے معلوم ہوگیا کہ جوف تک پہنچ کر مستقر ہوچکی ہے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر یقینی اعتبار سے معلوم ہوگیا کہ جوف تک پہنچ کر مستقر نہیں ہوتی ہے خواہ سیال مادہ ہو یا جامد، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ جن صورتوں میں کچھ پتہ نہ ہو کہ جوف تک پہنچی ہے یا نہیں تو ان صورتوں میں دلیل ظاہر فیصل بنے گی، اگر عادۃً وہ چیز جوف تک پہنچ سکتی ہے تو مفسد ورنہ نہیں۔

خلاصۂ جوابات:

تفصیلات مذکورہ کے بعد سوالنامہ میں ذکر کردہ سوالات کے ترتیب وار جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- امراض قلب سے متعلق جو دوائیں زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہیں اگر ان کا عین جز حلق کے نیچے نہیں اترتا اور نہ اس کا اثر حلق میں معلوم ہو تو مفسد صوم نہیں، لیکن اگر عین جز داخل حلق ہو یا اس کا اثر حلق میں معلوم ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا۔

۲- امراض تنفس میں انہیلر کے استعمال سے اگر واقعی معلوم ہے کہ سفوف کا قدرے حصہ صرف پھیپھڑے تک پہنچتا ہے معدہ تک نہیں پہنچتا تو اس صورت میں مفسد صوم نہیں، اور اگر علم نہیں بلکہ شک ہے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، کما مر فی الشرط الاخیر۔

۳- بھاپ لینا خواہ طریقہ قدیم کے مطابق ہو یا مشینی طریقہ سے ہو مفسد صوم ہے، کما مر فی الشرط الثانی۔

۴- انجکشن جو مخارق اصلیہ کے علاوہ میں دیئے جاتے ہیں خواہ غذاء ہو یا دواء ہو، کسی بھی طرح مفسد صوم نہیں، کما مر فی الشرط الاول۔

۵- گلوکوز ایک حد تک غذا کا متبادل ضرور ہے اور اس سے بھوک پیاس کا احساس بھی کم ہوجاتا ہے لیکن اسکے باوجود مفسد صوم نہیں، کما فی الشرط الاول۔

۶- بعض سیال یا غیر سیال دوائیں اگر پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جائیں اور قدر حقنہ یا اس سے آگے پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

قال ابن الهمام والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة قال في الخلاصة وقلما يكون ذلك (فتح القدير

۲/۳۲۷)۔

اسی طرح بواسیری مسّوں پر اگر مرہم لگایا جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ بواسیری مسہ محقنہ کی طرح اندر نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک دو انگلی اندر رہتا ہے جبکہ محقنہ پانچ چھ انگلی اندر رہتا ہے، جیسا کہ علامہ ظفر صاحب تھانویؒ نے طبیب حاذق سے نقل کیا ہے:

قلت: وثبور البواسير التي تخرج وقت الاستنجاء إنما تكون داخلة قدر الاصبع، والقدر الذى يصل إليه رأس المحقنة هو خمسة أصابع إلى ستة ولايكون أقل من ذلك كما أفاده الطبيب الحاذق القاضى بشير الدين اللكنوى فالبلّة الكائنة على تلك الثبور لاتبلغ قدر المحقنة أصلا فلزم القول بعدم فساد الصوم بتلك البلة (امداد الاحکام ۲/۱۲۹)۔

اور امراض معدہ کی تحقیق کیلئے جو آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں اگر کسی دوا یا کیمیکل وغیرہ سے تر کر کے داخل کئے جائیں اور قدر حقنہ تک پہنچ جائے تو مفسد صوم ہونگے ورنہ نہیں۔

''کما لو دخل إصبعه (إلى قوله) ولو مبتلة فسد، قال الشامى لبقاء شئ من البلة فى الداخلوهٰذا لو أدخل الإصبع إلى موضع الحقنة'' (شامی ۳/۳۲۹)۔

۷- مرد کے مثانہ تک خواہ کوئی نلکی پہنچائی جائے یا کوئی دوا رکھی جائے حضرات طرفین کے نزدیک مفسد نہیں، کیونکہ مثانہ اور جوف کے مابین کوئی منفذ موجود نہیں، البتہ حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک بعض صورتوں میں فساد لازم آئے گا،

''أو أقطر فى إحليله ماءاً ودهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (درمختار علی الشامی ۳/۳۳۳)۔

البتہ عورت کے فرج داخل میں کوئی دوا خشک ہو یا تر پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح بعض آلات کو دوا یا تیل وغیرہ سے تر کر کے داخل کیا گیا تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ خشک آلہ ڈالا گیا اور اس کا کنارہ فرج داخل سے خارج ہے مکمل فرج داخل میں چھپا ہوا نہیں ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه اى دبره أو فرجها لا يفسد، ولو مبتلة فسد، وقال ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقى طرفها فى فرجها الخارج لا'' (درمختار مع شامی ۳/۳۲۹)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض نئی قسموں کا حکم

مولانا عزیر اختر قاسمی[1]

۱- زبان کے نیچے کسی دوا کو رکھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا:

اگر کوئی مریض قلب کسی دوا کو اپنی زبان کے نیچے دبا کر رکھتا ہے اور اس دوا کو یا اس کے ان اجزاء کو جو لعاب دہن میں مل گئے ہیں حلق کے نیچے معدہ کی طرف لے جانے سے پورا احتیاط کرتا ہے اور بچتا ہے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور نہ مکروہ ہوگا۔

دلیل: اس وجہ سے کہ روزہ دار کا کسی چیز کو صرف منہ میں رکھنا روزہ کو فاسد نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح رطب و یابس مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، منجن کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۶،۱۷، ہدایہ ۱/۲۰۱)۔

اور مکروہ بھی نہیں ہوتا، کیونکہ یہ فعل ایک ضرورت کی وجہ سے ہے، اور ضرورت کی وجہ سے تو بعض حرام چیزیں بسا اوقات مباح ہو جاتی ہیں، کیونکہ قاعدہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" (الاشباہ والنظائر)۔ نیز فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں یہ جزئیہ بھی لکھا ہے کہ کوئی عورت اپنے بچے کو کوئی چیز چبا کر کھلاتی ہے جب کہ اس کے بچہ کو کھلانے کے لیے کوئی غیر صائم آدمی موجود نہ ہو اور نہ اس کا کوئی متبادل موجود ہو تو اس عورت کا یہ فعل جائز ہے مفسد صوم نہیں اور نہ کراہت کا سبب ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

"وإن كان بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها الطعام من حائض أو نفساء أوغيرهما ممن لايصوم ولم تجد طبيخا ولا لبنا حليبا فلا بأس به للضرورة" (۲/۱۸۵)۔

دوسرے اس وجہ سے کہ منہ کے لیے خارج بدن حکم ہے، چنانچہ غسل میں یہ ضروری ہے کہ تمام ظاہر بدن کو دھویا جائے اور منہ کو بھی دھویا جائے یعنی کلی کیا جائے، اگر کوئی شخص غسل فرض میں کلی نہیں کرتا ہے تو اس کو طہارت حاصل نہ ہوگی جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور خارج بدن میں کسی چیز کے رکھ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لیے مریض قلب اگر کسی دوا کو اپنے منہ میں رکھ کر زبان کے نیچے دبائے رکھتا ہے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا (ترمذی شریف، درس ترمذی ۱/۲۳۵، ہدایہ ۱/۱۲)۔

اور اسی وجہ سے کلی کرنے، مسواک کرنے اور منجن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب کہ ان صورتوں میں منہ میں ایک چیز داخل کی جاتی ہے۔ امام ابوداؤد نے اس کے متعلق ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عمر أنه سأل النبي ﷺ عن القبلة للصائم، فقال: لومضمضت من الماء وأنت صائم؟ قلت: لابأس، قال: فمه

اس حدیث کو الموسوعۃ الفقہیہ میں نقل کرنے کے بعد یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے:

"لأن الفم في حكم الظاهر لاتبطل الصوم بالوصل إليه كالأنف والعين" (۲۸/۴۷)۔

اور اسی وجہ سے فقہ کی تقریباً تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند بد معاش ہو تو اس عورت کے لیے کھانے کی چیزوں کو چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔ علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

"كما قال في الخانية فيمن كان زوجها سيء الخلق أوسيدها لابأس بأن تذوق بلسانها" (۲/۲۸۰،۲۷۹)۔

اور اس وجہ سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کہ اس طرح دوا کے استعمال سے ارکان روزہ میں سے کوئی رکن نہیں چھوٹتا اور نہ اس کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور نہ شرائط روزہ میں سے کوئی شرط فوت ہوتی ہے۔

[1] جامعہ اسلامیہ بالا ساتھ، سیتا مڑھی۔

نیز فتاویٰ ہندیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ہرّے (ہلیلہ) کو منہ میں رکھ کر چوستا ہے اور تھوک اس کے حلق کے نیچے بھی آجاتا ہے تب بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ تھوک کے حلق کے اندر جانے سے ہلیلہ کا کوئی جز اندر نہیں جاتا جو روزہ کے لیے مفسد ہوسکے۔ عبارت اس طرح ہے:

''لو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه'' (الهنديه ۱/ ۲۰۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مریض قلب اگر کسی دوا کو اپنی زبان کے نیچے دبا کر رکھتا ہے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۲-حالت روزہ میں انہیلر کے استعمال کا شرعی حکم:

انہیلر کے استعمال کرنے سے ایک جوہر جو دوا کا سفوف ہوتا ہے وہ براہ حلق پھیپھڑے میں جاتا ہے تو اس سے روزہ دار کا روزہ فاسد ہوجائے گا، خواہ کسی عذر کی وجہ سے استعمال کیا ہو یا بلا عذر۔

دلیل: روزہ کے فاسد ہونے کے لیے کسی شئی کا بذات خود یا روزہ دار کے عمل سے حلق کے اندر معدہ کی طرف چلا جانا کافی ہے، خاص جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچنا ضروری نہیں، اور انہیلر کے استعمال کرنے سے دوا براہ حلق پھیپھڑے میں پہنچتا ہے اور حلق کے نیچے معدہ کی طرف کسی چیز کے چلے جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دھواں اگر حلق میں داخل ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر'' (رد المحتار ۳/۳۶۶)۔

اور علامہ کاسانی نے بھی یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص دانت میں پھنسی ہوئی چیز کو حلق کے اندر بالقصد داخل کرلے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے:

''إن أدخله حلقه متعمدا روى عن أبي يوسف أنه إن تعمد عليه القضاء ولا كفارة عليه'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۲۸)۔

اور علامہ ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر اس کا آنسو یا محبوب کا پسینہ یا نکسیر کا خون اس کے حلق کے اندر داخل ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے:

''ومافي فتاوىٰ قاضي خان لو دخل دمعه أو عرق حبيبه أودم رعافه حلقه فسد صومه'' (۲/۲۵۸)۔

نیز علامہ ابن رشد مالکی نے یہ واضح فرمایا ہے کہ روزہ کے صحیح ہونے کے لیے ان تمام چیزوں سے بچنا ضروری ہے جو حلق کے نیچے جائے خواہ وہ کسی منفذ سے داخل ہو۔ عبارت اس طرح ہے:

''وتحصيل مذهب مالك أنه يجب الإمساك عما يصل إلى الحلق من أى المنافذ وصل الخ'' (الموسوعة الفقهيه ۲۸/۳۱)۔

مذکورہ بالا تصریحات وتوضیحات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اندرون حلق کا حکم معدہ کے جیسا ہے یعنی جس طرح معدہ میں کسی چیز کے پہنچ جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح اندرون حلق کسی چیز کے اندر داخل ہوجانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بشرطیکہ وہ شخص اس کو بالارادہ کیا ہو جب کہ اس سے اجتناب اس کے لیے ممکن تھا۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے کہ پانی کا کوئی قطرہ یا برف کا کوئی ٹکڑا اس کے حلق کے نیچے چلا جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے:

''والمطر والثلج إذا دخل حلقه يفسد صومه وهو الصحيح... الخ'' (الهنديه ۱/ ۲۰۳)۔

اور اس وجہ سے بھی کہ انہیلر کے استعمال سے ایک جوہر جو دوا کا سفوف ہوتا ہے حلق کے اندر جاتا ہے، اور کسی جوہر کے حلق کے اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص حقہ پیتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۴۱۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

۳- بھاپ کے ذریعہ دوا لینا بھی مفسد صوم ہے:

بھاپ کے ذریعہ بعض دوائیں لی جاتی ہیں خواہ اس کا جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

دلیل: وجہ یہ ہے کہ جب کوئی دوا جسم کے اندر اس طرح پہنچائی جائے کہ وہ براہ راست منفذ معتاد سے داخل ہو وہ مفسد صوم ہے، خواہ وہ کسی جوف میں جاکر مستقر ہو۔ اسی طرح وہ چیز جو غیر منفذ سے جسم کے اندر داخل کی جائے اور کسی جوف میں جاکر ٹھہر جائے تو وہ مفسد صوم ہے۔ اس کی کئی مثالیں اوپر آچکی ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں روزہ کا فاسد ہونا اس لیے ہے کہ اس طرح ''اکل'' کی حقیقت کا تحقق ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کھانے کا پہلا مقصد معدہ میں کسی چیز کا پہنچانا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ بھوک کی شدت کو دفع کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درخت کا پتہ اور اس کی کھال اور سڑا ہوا گوشت جو کھانے کی چیز نہیں ہے مگر جب کوئی روزہ دار اس کو اپنے معدہ میں داخل کر لیتا ہے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اور ضابطہ ہے: اشیاء کا اعتبار اس کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، ''الأمور بمقاصدها'' (الاشباہ والنظائر)۔

اور بھاپ کے ذریعہ بھی دوا کا جز ناک یا منہ کے ذریعہ معدہ میں پہنچتا ہے یا دماغ میں پہنچتا ہے۔ اور ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ معدہ میں یا دماغ میں کسی چیز کا پہنچ جانا مفسد صوم ہے۔ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں یہ صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص حلق میں دھواں داخل کر لے خواہ کسی قسم کا دھواں ہو اور جس طرح سے بھی ہو وہ مفسد صوم ہے۔ عبارت اس طرح ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان بأي صورة كان الإدخال... الخ'' (۲/ ۲۴۲)۔

اور اس وجہ سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا کہ بھاپ لینے کی صورت میں ایک شئی کو خارج سے جوف معدہ یا جوف دماغ میں داخل کرنا لازم آتا ہے۔

اور حدیث میں فرمایا گیا: ''الفطر مما دخل وليس مما خرج'' (ہدایہ جلد اول: باب مایفسد الصوم)

اور بدائع الصنائع میں اس طرح روایت مذکور ہے: ''الفطر مما دخل والوضوء مما خرج'' (۲/۲۴۲)۔

رفع اشتباہ: کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ عطورات کے استعمال سے بھی روزہ ٹوٹ جانا چاہئے کہ اس کے ذریعہ بھی ایک چیز ہوا میں تحلیل ہو کر دماغ میں پہنچتی ہے، حالانکہ عطر کے استعمال سے روزہ کے فاسد ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، تو شبہ اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ عطورات کے استعمال میں عطر کا جسم اور اس کا جوہر دماغ میں نہیں پہنچتا ہے، بلکہ اس کا وصف ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے پھر وہ ہوا جو عطر کی صفت یعنی خوشبو کے ساتھ متصف ہو گئی ہے وہی ہوا جاتی ہے، بخلاف بھاپ لینے کے کہ اس صورت میں دوا کا جز گرمی پہنچنے سے بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر وہ جز دماغ میں یا معدہ میں پہنچتا ہے، اس دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے بحوالہ ردالمحتار یہ لکھ آئے ہیں: ''لو أدخل حلقه الدخان أفطر'' (۳/۳۶۶)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بھاپ کے ذریعہ دوا کا جز دماغ میں پہنچ جاتا ہے، اور دماغ میں کسی چیز کا پہنچنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، اس لئے بھپارہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا (الموسوعہ ۲۸ /۳۸، اور جدید فقہی/ص ۱۸۷، ۱۸۸)۔ یہی وجہ ہے کہ اگربتی کا دھواں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند)

ہاں اگر دھواں کو روزہ دار نے داخل نہیں کیا ہے بلکہ از خود داخل ہو گیا ہے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا مثلاً کھانا پکانے والے حضرات کے لئے اس سے بچنا ممکن نہیں یا غبار یا مکمل غیر اختیاری طور پر حلق میں داخل ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۴- انجکشن کے ذریعہ دوا پہنچانا مفسد صوم نہیں:

انجکشن کے ذریعہ دوا جسم کے مختلف حصوں میں پہنچائی جاتی ہے، بسا اوقات وہ مفسد صوم ہو سکتی ہے اس لئے کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

انجکشن کے ذریعہ دوا گوشت یا خون کی رگوں میں پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس لئے کہ روزہ کے فاسد ہونے کے لئے جوف دماغ میں یا جوف معدہ میں یا حلق کے نیچے یا آنت میں دوا یا اور کسی چیز کا داخل کرنا یا اس سے اجتناب ممکن ہونے کی حالت میں اس کا از خود داخل ہو جانا ضروری ہے، اور مذکورہ انجکشن کے ذریعہ دوا مذکورہ چاروں مقامات پر نہیں پہنچتی ہے، بلکہ وہ گوشت میں یا خون کی رگوں میں تحلیل ہوتی ہے خواہ اس کے ذریعہ بھوک و پیاس کی شدت کیوں نہ کم ہو جائے روزہ فاسد نہیں ہوگا (فتاوی رحیمیہ ۶/......)۔

نیز اس وجہ سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا کہ بھوک و پیاس کی شدت کا کم ہوجانا دوا کے اثر سے ہوتا ہے اور اثر کا حلق کے اندر یا معدہ کے اندر یا جسم کے کسی حصہ میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص سرمہ لگاتا ہے اور اس کا اثر حلق میں محسوس کرتا ہے یا تلخ لکڑی کا مسواک کرتا ہے اور اس کی تلخی کا اثر حلق میں محسوس کرتا ہے یا غسل کرتا ہے اور برودت کا اثر اندرون بدن محسوس کرتا ہے یا کلی کرتا ہے اور پانی چھینک کر پانی حلق میں محسوس کرتا ہے یا مرد کے آگے کی شرمگاہ میں کوئی چیز ڈالی گئی اور اس کا اثر مثانہ میں پایا جاتا ہے تو ان تمام صورتوں میں روزہ اسی لئے فاسد نہیں ہوتا کہ کوئی چیز بذات خود داخل نہیں ہوتی، اور روزہ تو داخل ہونے والی شئی سے فاسد ہوتا ہے۔علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ الأصلية للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر''

یعنی روزہ کو فاسد کرنے والی چیز تو وہ ہے جو اصلی منفذ اور قدرتی سوراخ سے داخل ہو (شامی ۲/۹۸ بیروت)۔

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آیا کہ مسامات کے ذریعہ اگر کوئی چیز معدہ میں جاتی ہے یا دماغ میں جاتی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو انجکشن جو گوشت میں رگوں میں لگایا جائے اس کا اثر اگرچہ پورے بدن میں جاتا ہے مگر اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا (فتاوی رحیمیہ ۲/۳۹)۔

اور انجکشن کے ذریعہ اگر دوا جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچائی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ تیر کسی کے معدہ میں لگ گیا اور بعد میں اس کو نکالا گیا تو تیر کا پھل اندر ہی رہ گیا اور لکڑی نکل آئی تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں تحریر فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے:

''ولو طعن برمح فوصل إلى جوفه أو إلى دماغه فإن أخرجه مع النصل لم يفسد وإن بقي النصل فيه يفسد'' (۲/۲۴۴)

اور اگر معدہ، دماغ، حلق کی نالی اور بچہ دانی کے علاوہ جسم کے کسی حصہ میں انجکشن کے ذریعہ دوا پہنچائی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵- حالت روزہ میں اگر کوئی شخص جسم میں پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے جسم کے کسی حصہ میں گلوکوز کا انجکشن لیتا ہے تو اس سے اس شخص کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔فساد روزہ کا شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ گلوکوز کو بذریعہ انجکشن جسم میں پہنچانے کی وجہ سے روزہ کے ذریعہ جسم میں پیدا ہونے والی کمزوری دور ہوجاتی ہے اور بسا اوقات یہ غذا کا متبادل بھی ہوجاتا ہے، بھوک کی شدت اور پیاس کی سختی ختم ہوجاتی ہے اور ترک اکل وشرب کی وجہ سے پیدا ہونے والی کیفیت بھی روزہ دار کے اندر متحقق نہیں ہوتی۔

تو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ روزہ کا حکم دینے سے اللہ تعالی کا یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ بندہ کو بھوک و پیاس کی سختی میں مبتلا کیا جائے بلکہ روزہ کا مقصد اللہ تعالی کی نعمتوں کی شکر گذاری اور اللہ تعالی کے دوسرے بندوں کی غم خواری کا جذبہ بیدار کرنا اور تقوی و تقرب الہی کا پیدا کرنا ہے، ہاں بھوکا پیاسا رہنا اس کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور اسباب میں تخلف ممکن ہے، یعنی ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک خاص سبب کسی شئی کا نہ پایا جائے اور مسبب موجود ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس سبب کا کوئی دوسرا سبب بھی ہو جس کی وجہ سے مسبب کا وجود ہوگیا ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ کا مقصد ہے کہ وہ بھوک و پیاس کی شدت میں گرفتار ہوئے بغیر بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

دلیل: مذکورہ طریقہ پر روزہ فاسد نہیں ہوگا اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ روزہ کے فاسد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شئی دماغ میں پہنچائی جائے جو بذات خود ایک جوہر ہو وصف نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ عطر کی خوشبو دماغ میں پہنچتی ہے مگر چونکہ وہ ایک وصف ہے اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوتا (ردالمحتار ۳/۳۶۶)۔

اسی طرح اگر کوئی شخص سرمہ لگائے اور اس کا مزہ حلق میں محسوس کرے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ سرمہ حلق میں نہیں گیا ہے، بلکہ اس کا وصف اور اثر گیا ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا (البحر الرائق ۲/۱۷۳)، عبارت اس طرح ہے:

''وكذا الاكتحال واطلقه فأفاد أنه لا فرق بين أن يجد طعمه في حلقه أولا''۔

نیز روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز جوف معدہ نہیں کم از کم حلق کے اندر معدہ کی طرف خارج سے پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اندرون حلق کا حکم بھی جوف معدہ کے جیسا ہے، چنانچہ الموسوعہ میں بحوالہ علامہ نووی لکھا ہے کہ حلق جوف کی طرح ہے کہ جس طرح جوف معدہ میں جب کوئی چیز خارج سے داخل کی جائے تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح حلق کے اندر اگر کوئی چیز داخل کی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، عبارت اس طرح ہے:

''قال النووی جعلوا الحلق کالجوف فی بطلان الصوم بوصول الواصل إلیه... الخ'' (الموسوعه ۲۸/۲۰)۔

اور گلوکوز چڑھانے کی صورت میں نہ کوئی چیز حلق کے اندر جاتی ہے اور نہ جوف دماغ میں اور نہ جوف معدہ میں، ہاں اس کا اثر پورے بدن میں سرایت کر جاتا ہے، جو مفسد صوم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرتا ہے تو یقینی طور پر پانی کی ٹھنڈک کا اثر اندرون بدن سرایت کر جاتا ہے، مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چنانچہ ردالمحتار میں بحوالہ ابوداؤد یہ روایت مذکور ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت روزہ میں سر پر پانی ڈالا ہے، اور آگے ابن عمرؓ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ کپڑا بھگو کر اپنے بدن پر حالت روزہ میں لپیٹ لیا کرتے تھے (ردالمحتار ۳۹۹/۳)۔

نیز اس وجہ سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز خارج سے بدن کے اندر فطری منفذ سے داخل کی جائے، یہی وجہ ہے کہ ناک، منہ، پیچھے کی شرمگاہ اور عورت کے آگے کی شرمگاہ سے کوئی چیز داخل کی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صورت مذکورہ میں ایسی صورت پائی نہیں جاتی اس لئے گلوکوز کا چڑھانا مفسد صوم نہ ہوگا۔

۶- حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ روزہ ان چیزوں سے فاسد ہو جاتا ہے جو داخل بدن ہو اور ان چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا جو بدن سے خارج ہو، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''الفطر مما دخل ولیس مما خرج''۔ اس کی بنا پر حیض ونفاس اور جان بوجھ کر بھر منہ بھر قے کرنے کی صورت میں روزہ کے ٹوٹ جانے پر اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ ان چیزوں سے روزہ کا فاسد ہونا خلاف قیاس اجماع امت سے ثابت ہے (البحر الرائق ۲۷۸/۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۷۱۲/۳)۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ ان چیزوں کے اندرون بدن داخل ہونے سے فاسد ہو جاتا ہے جو منفذ سے داخل ہو، منفذ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ منفذ سے کسی چیز کا داخل ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ چیز معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور معدہ میں کسی چیز کا داخل ہونا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا منفذ سے داخل ہو کر معدہ میں پہنچ جانا ایک امر مخفی ہے اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اور جب کوئی حکم کسی امر مخفی پر دائر ہو تو شریعت اس امر مخفی کی تحقیق میں نہیں جاتی بلکہ اس کے سبب پر حکم لگا دیتی ہے، جیسے سفر میں مشقت کے لاحق ہونے پر رخصت کا حکم دائر ہے مگر سفر میں کسی کو مشقت لاحق ہوئی یا نہیں شریعت اس کی تحقیق میں نہیں پڑتی بلکہ اس کے سبب یعنی سفر پر ہی رخصت کا حکم لگا دیتی ہے، ٹھیک اسی طرح کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد صوم ہے، مگر یہ امر مخفی ہے عام طور پر نظر نہیں آتا تو شریعت اس کی تحقیق میں نہیں جاتی بلکہ اس کے سبب پر ہی مفسد صوم کا حکم لگا دیتی ہے اور کسی چیز کا منفذ سے داخل ہونا سبب ہے اس کے معدہ تک پہنچنے کا تو اب حکم فساد صوم اسی پر دائر ہوگا، اور ایسی صورت کے پائے جاتے ہی فساد صوم کا حکم لگا دیا جائے گا۔

لہٰذا اگر سیال چیز خواہ دوا ہو یا اس کے علاوہ کوئی چیز جب کسی روزہ دار کے پیچھے کے راستہ میں داخل کی جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ایک تو اس وجہ سے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ کسی چیز کا منفذ سے داخل ہونا اس کے معدہ تک پہنچ جانے کا سبب ہے اور حکم فساد صوم اسی سبب کے وجود پر لگا دیا جائے گا، کیونکہ اس طرح صورت اکل پائی جاتی ہے اور صورت اکل سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی نے کسی چیز کے معدہ تک پہنچنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے اور علت یہ بیان فرمائی ہے کہ پیچھے کے راستے سے کسی چیز کے داخل ہونے کی صورت اکل پائی جاتی ہے، وہ عبارت اس طرح ہے:

''لوجود الأکل من حیث الصورۃ'' (بدائع ۲۲۳/۲)۔

دوسرے اس وجہ سے کہ حدیث اوپر آچکی ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا: ''الفطر مما دخل'' اور صورت مذکورہ میں دخول پایا جا رہا ہے اور منفذ سے ہو رہا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تیسرے اس وجہ سے بھی کہ حدیث میں استنشاق میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، جبکہ وہ شخص روزہ دار ہو حالانکہ مضمضہ اور استنشاق میں عام حالات میں مبالغہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو حالت روزہ میں مبالغہ فی المضمضہ سے اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ مبادا پانی کا کوئی قطرہ معدہ تک پہنچنے کی راہ نہ اختیار کر لے ورنہ روزہ فاسد ہو جائے گا، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

''عن النبی ﷺ أنه قال للقیط بن صبرۃ بالغ فی المضمضه والاستنشاق إلا أن تکون صائما'' (بدائع الصنائع ۲۲۳/۲)

اس حدیث سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ منفذ سے کسی چیز کا داخل ہونا اس کے معدہ تک پہنچنے کو مستلزم ہے، جو مفسد صوم ہے۔

اور آدمی کے پیچھے کی شرمگاہ بھی ایک منفذ ہے، جو معدہ تک پہنچتا ہے لہذا کسی سیال چیز کا اس راستہ سے داخل کرنا مفسد صوم ہوگا۔

اسی طرح مرہم لگانا بھی مفسد صوم ہوگا، کیونکہ پیچھے کی شرمگاہ سے کسی دوا کا پہنچانا شریعت کی اصطلاح میں حقنہ کہلاتا ہے۔

جو شخص بواسیر کا مریض ہے اور حالت روزہ میں بواسیر کے مسوں پر جو اندر کی طرف ہوتا ہے دوائیں اور مرہم لگائے جاتے ہیں تو جب یہ صورت متحقق ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

دلیل: اگر منفذ معتاد سے کوئی چیز جسم کے اندر داخل ہو یا داخل کی جائے تو اس کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اور مذکورہ صورت میں دوائیں اور مرہم آدمی کے پیچھے کی شرمگاہ سے اندر داخل ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باتفاق فقہاء حقنہ کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، فتاوی ہندیہ کی عبارت اس طرح ہے:

''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه'' (الہندیہ ۱/۲۰۴)۔

یعنی جو شخص پیچھے کی شرمگاہ میں کوئی چیز دوا وغیرہ میں داخل کیا یا ناک میں دواڈالا یا کان میں تیل ڈالا تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا اور اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔

اور اس وجہ سے بھی کہ اس سے داخل ہونے والی شئ جوف معدہ تک پہنچ جاتی ہے مخرج پر رکی اور ٹھہری نہیں رہتی۔ اور جب کوئی شئ معدہ میں پہنچ جائے خواہ منفذ معتاد سے ہو یا غیر معتاد سے، بہر دو صورت روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/ ۳۸، ۳۹)۔

اور اس وجہ سے بھی کہ مذکورہ صورت میں دوا اندر داخل ہوجاتی ہے، اور حدیث میں فرمایا گیا: ''الفطر مما دخل''، اور بواسیری مسوں پر مرہم لگانے سے دوا اندر داخل ہوجاتی ہے۔

نیز حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اگر کسی شخص کا مقعد اپنے مقام سے باہر آجائے پھر اس کو دھو کر کپڑا وغیرہ سے خشک کئے بغیر اندر اس کے مقام پر پہنچا دیا جائے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا، علامہ زیلعی حنفیؒ نے اس کی وضاحت تبیین الحقائق میں فرمائی ہے، عبارت اس طرح ہے:

''ولو خرجت مقعدته فغسلها ثم أدخلها فسد صومه'' (تبیین الحقائق ۲/۱۸۳)۔

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ بواسیر کے مسوں پر جو دوائیں اور مرہم لگایا جاتا ہے وہ پیٹ یعنی جوف معدہ میں نہیں پہنچتا ہے، اس لئے اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔ اور علامہ کاسانی کی تحریر: ''فإن داواها بدواء يابس لايفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ'' کو اس کی نظیر میں پیش نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ علامہ کاسانی کی عبارت اس دوا سے متعلق ہے جو جوف اور دماغ کے زخم پر لگائی جائے اور منفذ معتاد سے اس کا تعلق نہ ہو، اور یہاں بحث اس دوا سے متعلق ہے، جو منفذ کشادہ میں داخل کی جائے، اس لئے یہ قیاس مع الفارق ہوگا جو کسی بھی حال میں قابل احتجاج نہیں ہے۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کا معدہ میں داخل کرنا:

اس سے متعلق کچھ تفصیل ہے، بعض دفعہ کسی آلہ معالجہ کو پیچھے کے راستے سے معدہ میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ معدہ یا آنت میں موجود تکلیف کا سبب معلوم کیا جائے، اس سے بحث نہیں کہ وہ آلہ کیسا ہوتا ہے، بحث یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں اگر ایسا کیا جائے تو کیا روزہ متاثر ہوگا یا نہیں۔

تو جاننا چاہئے کہ وہ آلہ اگر ٹھوس اور جامد ہے اور اس کو بھگو کر یا دوا وغیرہ لگا کر مقعد میں داخل کیا گیا تو بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائے گا، چنانچہ اس کی مثال علامہ زیلعی حنفیؒ نے ''تبیین الحقائق'' میں اس طرح ذکر فرمائی ہے کہ اگر کسی روزہ دار عورت نے اپنی انگلی آگے یا پیچھے کی شرمگاہ میں داخل کی تو مذہب مختار یہ ہے کہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ انگلی پانی یا تیل سے تر ہو، عبارت اس طرح ہے:

''لو أدخلت الصائمة إصبعها فی فرجها أو دبرها لايفسد على المختار إلا أن تكون مبلولة بماء أو دهن'' (۲/۱۸۳، الہندیہ ۱/۲۰۳)۔

اور اگر اس آلہ کو پانی یا تیل وغیرہ سے تر کئے بغیر داخل کیا جائے تو وہ آلہ اگر پورا کا پورا اندرون مقعد داخل ہو کر چھپ گیا اور اس کا کوئی حصہ باہر نہیں رہا تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ اس صورت میں ادخال الشئ فی المقعد مکمل طور پر پایا گیا، اور ہم ماقبل میں یہ واضح کر آئے ہیں کہ منفذ سے کسی چیز کا داخل کرنا مفسد صوم ہے خواہ وہ کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بلا عذر، مفید ہو یا مضر سب سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ نیز اس کی مثال

بھی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ علامہ زیلعی نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے خشک روئی اپنے مقعد میں اس طرح ڈالی کہ وہ بالکل غائب ہوگئی تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے:

''أدخل قطنة فی دبره أو ذكره فغيبها قضاه...'' (تبیین الحقائق ۲/۱۸۳، الموسوعه ۲۹/۳۹، مراقی الفلاح)۔

اور اگر اس خشک اور جامد شئی کو مقعد میں داخل تو کیا مگر اس کا ایک کنارہ باہر ہی ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ نہ تو کوئی چیز غیر محسوس انداز میں معدہ میں پہنچی اور نہ ہی مقعد کی راہ سے کسی چیز کا ادخال مع الغیبوبۃ متحقق ہوا۔ فقہ وفتاوی کی کتابوں میں اس کی صراحت ملتی ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلی اپنی سرین میں یا عورت نے اپنی آگے کی شرمگاہ میں اس طرح داخل کیا کہ نہ تو اس کو پانی سے تر کیا اور نہ ہی اس پر تیل وغیرہ کوئی چیز لگائی تھی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، عبارت اس طرح ہے:

''ولو أدخل إصبعه فی إسة أو المرأة فی فرجها لا يفسد'' (الهنديہ ۱/۲۰۴، تبیین الحقائق ۲/۱۸۳، الموسوعہ ۲۸/۳۹)۔

یہی وجہ ہے کہ اگر بذریعہ منہ بھی کوئی چیز اندر داخل کی جائے اور وہ پوری طرح داخل نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا مثلاً گوشت کا کوئی ٹکڑہ دھاگے میں باندھ کر حلق میں داخل کیا گیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی خشک لکڑی اس طرح داخل کی کہ اس کا ایک کنارہ داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا (البحر الرائق ۲/۲۸۹ مطبوعہ کوئٹہ پاکستان)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی آلہ معالجہ پیچھے کی شرمگاہ میں اس طرح داخل کرے کہ نہ اس کو پانی سے تر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی تیل یا دوا وغیرہ لگائی گئی اور اس کا ایک کنارہ باہر ہی ہے تو اس کی وجہ سے روزہ دار کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۷- مرد کے آگے کی شرمگاہ میں اگر کوئی سیال یا جامد اشیاء داخل کی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ مرد کے آگے کی شرمگاہ سے اگر کوئی چیز داخل کی جائے گی تو وہ زیادہ سے زیادہ مثانہ تک پہنچے گی معدہ میں نہیں جائے گی، اور نیچے کی راہ سے داخل ہونے والی شئی کے مفسد صوم ہونے کے لئے معدہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ اور مرد کے مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ وہ معدہ میں پہنچ جائے، اس لئے حضرات طرفین رحمہما اللہ کا خیال یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ عبارت اس طرح ہے:

''قوله إن اقطر فی إحليله لا أی لايفطر، أطلقه فشمل الماء والدهنوهٰذا عندهما خلافا لأبی يوسف... الخ'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

اور اگر مرد کے آگے کی شرمگاہ میں کوئی ٹھوس اور جامد چیز داخل کی جائے تو بدرجہ اولی یہ مفسد صوم نہ ہوگی (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

عورت کے آگے کی شرمگاہ میں اگر کوئی سیال چیز داخل کی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، البحر الرائق کی عبارت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، عبارت اس طرح ہے:

''وقيد بالإحليل الذی هو مخرج البول من الذكر لأن الإقطار فی قبل المرأة يفسد الصوم بلاخلاف'' (۲/۲۷۹)۔

اور اگر ٹھوس وجامد چیز پانی یا تیل وغیرہ لگا کر عورت کے آگے کی شرمگاہ میں داخل کیا جائے تو بھی باتفاق فقہاء روزہ فاسد ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ پانی یا تیل وغیرہ عورت کی شرمگاہ میں آگے کی طرف چلا جائے گا تو یہ سیال چیز کو داخل کرنے کی طرح ہوگیا۔

اور اگر بغیر دوا وغیرہ لگائے عورت کے آگے کی شرمگاہ میں داخل کی جائے تو اگر اس کا ایک کنارہ باہر ہے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں ادخال من کل الوجوہ متحقق نہیں ہوا۔ اور استقرار فی المعدہ بھی ثابت نہیں ہوا۔ اور اس کے بغیر روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور بعض نئے مسائل

مفتی محمد ممتاز خاں ندوی[1]

صوم کی تعریف:

صوم کے لغوی معنی: إمساک یعنی رکنے کہ آتے ہیں۔

صوم کی شرعی تعریف ہے: ''أما الشرعی فهو الامساك عن أشياء مخصوصة وهى الأكل والشرب والجماع بشرائط مخصوصة'' (بدائع الصنائع ۲/۲۰۹)۔

یعنی شریعت میں روزہ چند مخصوص چیزوں جیسے کھانے، پینے، اور جماع سے مخصوص شرائط کے ساتھ رک جانے کا نام ہے۔

صوم کی لغوی وشرعی تعریف کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔

۱- روزہ دار اگر روزہ کی حالت میں زبان کے نیچے دوا رکھتا ہے اور دوا کا اثر لعاب کے ساتھ حلق میں نہیں جاتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر لعاب کے ساتھ دوا کا اثر حلق میں چلا جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ایم بی بی ایس تحریر فرماتے ہیں:

''انجائنا (Anginapectors) کے مریض اگر روزہ کی حالت میں (Angised) گولی زبان کے نیچے رکھ لیں اور اس کا خیال رکھیں کہ لعاب حلق کے نیچے اترنے نہ پائے تو منھ کی اندرونی تہہ سے اس کے جذب ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر لعاب حلق میں چلا جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا لہذا احتیاط بہتر ہے (مریض ومعالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۴، نیز دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/ ۱۳۷)۔

روزہ کی حالت میں کسی چیز کے منھ میں رکھنے سے متعلق جبکہ اس کا اثر حلق میں نہ گیا ہو فقہ کی کتابوں میں دو طرح کا حکم ملتا ہے:

۱- بغیر کسی عذر کے کسی چیز کا منھ میں رکھنا جبکہ اس کا اثر حلق میں نہ گیا ہو مکروہ ہے۔

''وكره ذوق شئ ومضغه بلا عذر كذا فى الكنز'' (ہندیہ ۱/۱۹۹، شامی ۲/۱۲۲)۔

۲- عذر کی وجہ سے کسی چیز کا منھ میں رکھنا جبکہ اس کا اثر حلق میں نہ جائے تو مکروہ بھی نہیں ہے، جیسے کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہے تو عورت سالن کا مزہ چکھ سکتی ہے۔

''ومن العذر فى الأول مالو كان زوج المرأة وسيدها سئ الخلق فذاقت المرقة'' (ہندیہ ۱/۱۹۹، شامی ۲/۱۲۲)۔

اسی طرح زیر بحث صورت میں امراض قلب کے سبب جو کہ عذر ہے اگر مریض زبان کے نیچے دوا دبالیتا ہے اور لعاب کے ساتھ اس کا اثر حلق میں نہیں پہنچتا ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ روزہ میں کوئی کراہت بھی نہیں ہوگی۔

لیکن اس کے باوجود زبان کے نیچے دوا دبانے میں چونکہ لعاب کے ذریعہ اس کا اثر حلق میں پہنچنے کا خاصہ امکان ہے اس وجہ سے احتیاط بہتر ہے۔

۲- انہیلر (Inhaler) جس کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا حلق میں داخل کی جاتی ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا چاہے دوا پیٹ میں جائے یا پھیپھڑوں میں جائے (مریض ومعالج کے اسلامی احکام/ص ۱۲۰)۔

فقہاء کرام نے روزہ ٹوٹنے کا یہ اصول متعین فرمایا ہے کہ اگر مخارق اصلیہ سے یعنی فطری منفذ سے کوئی چیز داخل ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ظاہر ہے کہ حلق فطری منفذ ہے۔

[1] مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی۔

بدائع الصنائع میں ہے: ''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أواحتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

زیر بحث صورت میں بھی دوا حلق کے راستہ سے اندر جارہی ہے اس وجہ سے اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، بعض فقہی جزئیات ایسی بھی مل جاتی ہیں کہ صرف کسی چیز کے نگل لینے سے اگرچہ وہ بالکل معمولی ہی کیوں نہ ہو محض حلق میں چلی جانے سے فقہاء کرام روزہ ٹوٹ جانے کا قول نقل کرتے ہیں۔

''وإذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد'' (ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

اسی طرح اگر دانتوں میں چنے کے دانہ سے زیادہ کوئی چیز لگی ہو اور روزہ دار اس کو نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وإن أكل ما بين أسنانه لم يفسد إن كان قليلا وإن كان كثيرا يفسد والحمصة مافوقها كثير ومادونها قليل'' (ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

معلوم ہوا کہ اگر روزہ کی حالت میں کوئی چیز حلق کے راستہ سے چلی جائے تو محض حلق کے راستہ سے چلی جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۳- بھاپ جس میں دوائیں ملی ہوں اس بھاپ کو ناک یا منہ کے ذریعہ کھینچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ناک یا منہ کے ذریعہ بھاپ کو نہ کھینچا جائے بلکہ کسی مشین یا آلہ کے ذریعہ کھینچا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے (مریض و معالج کے اسلامی احکام/۱۲۰)۔

اس کی بہت واضح نظیر شامی کی درج ذیل عبارت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر روزہ دار قصداً دھواں حلق میں داخل کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''ومفاده أنه أدخل حلقه الدخان أفطر اى دخان كان عودًا أوعنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه، أى بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا تتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله امداد، وبه علم حكم شرب الدخان'' (شامی: ۲/۱۰۶)۔

زیر بحث صورت کی تائید فتاوی دار العلوم دیوبند کے ایک فتوی سے بھی ہوتی ہے:

سوال: اٹلوس ایک دوا ہے کہ نوسادر اور چونا ملا کر شیشی میں بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے، اس کی تیزی دماغ تک پہنچ جاتی ہے، اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟۔

جواب: اس صورت میں روزہ اس کا ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہے۔ كما في الدرالمختار ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان ولوعودًا أوعنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه (فتاوی دار العلوم دیوبند ۶/۴۱۸)۔

۴-روزہ کی حالت میں انجکشن:

اکثر علماء کرام کا رجحان یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ روزہ کی حالت میں انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس سلسلہ میں چند علماء کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱- حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین اور اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی ہے، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچانا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے خون میں یا عروق و شرائین کے خون میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہذا انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد نہیں'' (جواہر الفقہ ۴/۷۶)۔

۲- حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں: ''انجکشن کے ذریعہ سے اگر دوا کا جسم جوف بدن میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ دوا کا اثر سارے جسم میں سرایت کر جائے'' (کفایت المفتی ۴/۲۴۰)۔

۳- حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں: ''روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو چیز منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی ہے بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے، لہٰذا انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/ ۴۲۲)۔

۴- حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانیؒ فرماتے ہیں: ''روزہ کی حالت میں انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا'' (فتاوی امارت شرعیہ ۳/ ۱۶۷)۔

یہ حضرات درج ذیل فقہی جزئیات سے استدلال کرتے ہیں:

۱- ''وفی دواء الجائفة والآمة أکثر المشائخ علی أن العبرة للوصول إلی الجوف والدماغ'' (عالمگیری ۱/۲۰۲)۔

۲- ''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلية کالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه وأما إذا وصل إلی الدماغ لأن له منفذا إلی الجوف فکان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف (إلی قوله) وأما إذا وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من غیر المخارق الأصلية بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلی الجوف ولا إلی الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد فی قول أبی حنيفة'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ کے نزدیک انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا (اسلامی فقہ ۱/ ۳۹۳)۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- فم و فرج کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دوا یا غذا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا گمان غالب ہوجائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اس جزئیہ کی روشنی میں انجکشن کے مسئلہ پر غور کریں تو یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا کا دماغ تک پہنچنا ایک مسلم امر ہے (اسلامی فقہ ۱/ ۳۹۳)۔

۲- جس طرح دوا یا تیل وغیرہ کا اثر پہنچتا ہے اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے (ایضاً/ ۳۹۴)۔

۳- ظاہر ہے کہ نسیں پورے جسم اور دماغ و معدہ سب کے لئے نہ صرف منفذ ہیں بلکہ براہ راست ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے اس لئے جو دوا انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے وہ اپنی اصل حالت میں معدہ اور دماغ تک پوری سرعت کے ساتھ جاتی ہے اس وجہ سے اس کا اثر بھی جلد ہوتا ہے (ایضا)۔

واضح رہے کہ دلائل کے اعتبار سے ان علماء کرام کا مسلک راجح اور مضبوط ہے جو علماء کرام انجکشن لگوانے سے روزہ کے نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں، اور ان حضرات کا مسلک فقہی جزئیات سے بھی ہم آہنگ نظر آتا ہے، اور حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ استدلال میں کمزور نظر آتے ہیں۔

عروق کے ذریعہ دوا کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا مفسد صوم نہیں:

انجکشن دو طرح کے ہوتے ہیں: بعض انجکشن ایسے ہوتے ہیں جن سے دوا جوف بطن یا جوف دماغ تک نہیں پہنچتی ہے، اگر دوا جوف بطن یا جوف دماغ تک نہیں پہنچتی ہے تو اس سے روزہ کا فاسد نہ ہونا ظاہر ہے۔ بعض انجکشن وہ ہوتے ہیں جن کا اثر جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچ جاتا ہے تو ایسے انجکشن سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ روزہ کے فساد کے لئے ضروری ہے کہ جوف تک پہنچنے والی چیز منافذ اصلیہ کے ذریعہ پہنچے اور غیر منافذ اصلیہ سے کسی چیز کا پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ انجکشن سے جو دوا جوف میں پہنچتی ہے وہ منافذ اصلیہ کے ذریعہ نہیں پہنچتی، لہٰذا روزہ فاسد نہیں ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳ کی مذکورہ بالا عبارت)۔

انجکشن سے بھوک اور پیاس میں کمی ہوجائے اور قوت ونشاط پیدا ہوجائے:

اگر انجکشن کے ذریعہ بھوک اور پیاس میں کمی آجاتی ہے یا قوت ونشاط پیدا ہوجاتی ہے تو یہ چیز روزہ کے لئے مفسد نہیں ہے بلکہ روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو چیز مخارق اصلیہ کے ذریعہ جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچا کر حاصل کی جائے، اس کے سوا کسی اور طرح سے بھوک اور پیاس میں کمی آجاتی ہے یا قوت و نشاط پیدا ہوجاتی ہے تو یہ چیز روزہ کو فاسد نہیں کرے گی، یہی وجہ ہے کہ روزہ میں غسل کی اجازت ہے حالانکہ غسل سے مسامات کے ذریعہ پانی اندر پہنچتا ہے

اور پیاس میں بھی کمی ہوجاتی ہے، لیکن چونکہ پانی منافذ اصلیہ کے ذریعہ اندر نہیں جاتا ہے اس لئے مفسد صوم نہیں، اسی طرح روزہ کی حالت میں کسی ٹھنڈے مقام پر چلے جانا مفسد نہیں، حالانکہ اس سے بھی پیاس مٹتی ہے، یہی معاملہ انجکشن کا بھی ہے، شامی کی درج ذیل عبارت سے بھی اس مسئلہ پر خاصی روشنی پڑتی ہے:

''والمضر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر إنما كره الامام الدخول فى الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر فى إقامة العبادة لا لأنه مفطر'' (شامی ۲/۱۰۶)

انجکشن خاص جوف بطن یا جوف دماغ میں لگایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا:

اگر انجکشن خاص جوف دماغ یا خاص جوف بطن میں لگایا جائے اس طور سے کہ دوا دماغ یا معدہ میں بغیر عروق کے سیدھے دماغ اور معدہ میں پہنچ جائے تو ایسے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی واضح نظیر جائفہ ہے یعنی پیٹ کا زخم، اگر اس میں دوا ڈالی جائے اور دوا جوف بطن میں چلی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

''وفى دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ'' (عالمگیری ۱/۲۰۲)۔

صرف بھوک اور پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے انجکشن لگوانا:

بعض لوگ روزہ کی حالت میں بھوک اور پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے ڈرپ لگوا لیتے ہیں جس کی وجہ سے روزہ کی حالت میں بھوک اور پیاس میں کمی آجاتی ہے، احقر کو اس سلسلہ میں کسی مفتی کا فتویٰ تو نہیں مل سکا، لیکن ڈاکٹر مفتی عبدالواحد ایم بی بی ایس مفتی جامعہ مدینہ لاہور نے ایسی صورت میں ڈرپ کو مکروہ قرار دیا ہے (مریض و معالج کے اسلامی احکام/ ۱۲۴)۔ شامی کے اس جزئیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''كره الإمام الدخول فى الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر فى إقامة العبادة لا لأنه مفطر'' (شامی ۲/۲۰۶)۔

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ محض بھوک اور پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے ڈرپ لگوانے سے زجراً روزہ فاسد ہوجانا چاہئے، کیونکہ ڈرپ لینے سے روزہ کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

۵- روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھوانا:

اکثر علماء کرام کے نزدیک روزہ کی حالت میں انجکشن کا جو حکم ہے وہی گلوکوز چڑھوانے کا بھی ہے اور ان کے دلائل وہی ہیں جو انجکشن کی بحث میں گزر چکے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ''گلوکوز چڑھوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، وجہ یہ لکھتے ہیں: انجکشن کے ذریعہ جو چیز جسم میں داخل کی جاتی ہے وہ عموماً رگوں کے واسطے سے قلب یا دماغ میں پہنچتی ہے، اور ایک ایسی راہ سے گذرتی ہے جو اس کی حقیقی راہ اور فقہاء کی زبان میں منفذ نہیں ہے، کتب فقہ کی مختلف نظائر کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء کرام ایسی صورتوں کو مفسد صوم نہیں قرار دیتے (جدید فقہی مسائل ۱/۸۵)۔

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ کے نزدیک گلوکوز چڑھوانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور ان کے دلائل وہی ہیں جو انجکشن کی بحث میں گذر چکے ہیں۔

گلوکوز سے نمکیات کی کمی کرنا:

اگر گلوکوز نمکیات کی کمی پوری کرنے کے لئے چڑھوایا جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے بھوک میں کمی کا احساس ہوجاتا ہے اور انسان کے اندر توانائی پیدا ہوجاتی ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، گلوکوز سے روزہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹے گا کہ گلوکوز دماغ اور پیٹ کے اندر فطری منفذ سے داخل نہیں ہورہا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۴۳ کی مذکورہ بالا عبارت)۔

اور رہا یہ مسئلہ کہ گلوکوز سے بھوک اور پیاس میں کمی ہوجائے اور اس کے چڑھنے سے توانائی پیدا ہوجائے، تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: ''مطلق قوت یا نشاط روزہ کے منافی نہیں ہے بلکہ وہ قوت منافی صوم ہے جو مخارق اصلیہ کے ذریعہ کوئی چیز جوف بطن

یا جوف دماغ تک پہنچا کر حاصل کی جائے، اس کے سوا کسی اور عمل سے اگر قوت آجائے یا نشاط پیدا ہو یا پیاس مٹے تو مفسد صوم نہیں، یہی وجہ ہے کہ روزہ میں غسل کی اجازت ہے حالانکہ غسل سے مسامات کے ذریعہ پانی اندر پہنچتا ہے (درس ترمذی ۲ /۶۲۸)۔

شامی کی اس عبارت سے بھی اس مسئلہ پر خاصی روشنی پڑتی ہے:

"والمضر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر وإنما كره الإمام رحمه الله تعالى الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر في إقامة العبادة لا لأنه مفطر" (شامی ۱/۲۰۶)۔

اس بحث کی روشنی میں اگر گلوکوز سے بھوک اور پیاس میں کمی کا احساس ہوجاتا ہے یا قوت ونشاط پیدا ہوجاتی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

لیکن اگر گلوکوز صرف بھوک اور پیاس کی شدت میں کمی کرنے کے لئے چڑھوایا جائے تو ایسی صورت میں روزہ فاسد تو نہیں ہوگا لیکن روزہ مکروہ ہوجائے گا۔

گلوکوز خاص جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچانا:

اگر گلوکوز خاص جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچایا جائے، اس طور سے کہ گلوکوز بغیر عروق کے سیدھے جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچ جائے تو ایسی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کی واضح نظیر ہدایہ کی یہ عبارت ہے:

"ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة والذي هو الرطب" (ہدایہ ۱/۲۲۰)۔

روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھوانے کا مسئلہ اختلافی ہے، اس وجہ سے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھوانے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

۶- سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے داخل کرنا:

روزہ کی حالت میں پیچھے کے راستہ سے اگر دوا خواہ وہ سیال ہو یا غیر سیال اندر پہنچائی جاتی ہے اور وہ معدہ میں پہنچ جاتی ہے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر معدہ میں نہیں پہنچتی ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، بدائع میں ہے:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

اسی وجہ سے اگر روزہ دار نے پانی یا تیل میں تر انگلی اپنی سرین میں داخل کرلی تو روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ پانی یا تیل کی تری معدہ میں پہنچ جائے گی۔

"ولو أدخل إصبعه في إسته لايفسد هو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن" (ہندیہ ۱/۱۰۴)۔

اسی طرح اگر روزہ کی حالت میں کانچ نکل آئی اور بغیر خشک کئے ہوئے روزہ دار اس کو چڑھالے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ کانچ کے ساتھ جو تری لگی ہوئی ہے وہ معدہ تک پہنچ جائے گی۔

"خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن تنشف فسد صومه وإلا فلا لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة" (شامی ۲/۱۰۸)۔

بواسیری مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

عام فقہاء کرام کا رجحان یہ ہے کہ بواسیری مسوں پر دوا یا مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ بواسیری مسوں پر دوا یا مرہم لگانے سے دوا اور مرہم معدہ تک نہیں پہنچتا ہے۔

احقر کا رجحان بھی بواسیری مسوں پر دوا یا مرہم لگانے سے روزہ کے نہ ٹوٹنے کی طرف ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہاء کرام کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بواسیری مسوں پر دوا یا مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۱- صاحب احسن الفتاوی مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں: بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں ہے، لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۲- حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: "مسہ بواسیر جو کہ مبرز کے اوپر پیدا ہو جاتے ہیں کبھی باہر اور کبھی اندر، وہ موضع حقنہ تک عادۃً نہیں پہنچتے، اسلئے جو تری ان تک رہتی ہے وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی، اس سے مفسد صوم نہیں (امداد الفتاوی ۲/۱۵۰)۔

۳- مفتی عزیز الرحمان عثمانیؒ فرماتے ہیں: "بواسیری مسوں پر دوا اور مرہم لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر احتیاط بہتر ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۶/۴۱۱)۔

۴- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مسوں پر دوا لگانے سے روزہ کے ٹوٹ جانے کے قائل تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا، اور وہ بھی روزہ کے نہ ٹوٹنے کے قائل ہو گئے۔

فقہی جزئیات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بواسیری مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، مخارق اصلیہ کے ذریعہ کوئی چیز دماغ یا پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے، بواسیری مسوں پر جو دوا یا مرہم لگایا جاتا ہے اس کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا ہے اس وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۱- بدائع میں ہے: "وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو الدماغ" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

۲- ہندیہ میں ہے: "وفى دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ" (ہندیہ ۱/ ۲۰۲)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ بواسیری مسے چونکہ موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس وجہ سے ان پر دوا یا مرہم معدہ کے اندر نہیں پہنچتا ہے اس وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

امراض کی تحقیق کے لئے پچھلے راستہ سے آلات داخل کرنے کا حکم:

پیچھے کے راستہ سے امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات داخل کئے جارہے ہیں اگر ان آلات پر گریس اور تیل یا کوئی دوا وغیرہ لگی ہوئی ہے تو ایسے آلات کے داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر آلات خشک داخل کئے جارہے ہیں، ان میں گریس، تیل یا کوئی دوا وغیرہ نہیں لگی ہوئی ہے تو ایسے خشک آلات داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس سلسلہ میں ہندیہ کی درج ذیل عبارت بہترین نظیر ہے:

"ولو أدخل إصبعه فى إسته والمرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة الماء أوالدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أوالدهن" (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(اگر مرد اپنی سرین یا عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہی قول مختار ہے، سوائے اس کے کہ انگلی پانی یا تیل میں تر ہو، ایسی صورت میں پانی یا تیل پہنچ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

۷- آگے کی راہ سے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچانا:

آگے کی راہ سے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک جو نلکی پہنچائی جاتی ہے، اگر اس نلکی سے دوا وغیرہ داخل کی جاتی ہے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر کسی مرض کے معائنہ کے لئے صرف نلکی داخل کی جاتی ہے، اور اس سے دوا وغیرہ اندر داخل نہیں کی جاتی ہے اور نلکی پر تیل، گریس اور کوئی دوا وغیرہ نہیں لگی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہندیہ کی درج ذیل عبارت اس کی واضح نظیر ہے:

"ولو أدخل إصبعه فى إسته والمرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة الماء أوالدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أوالدهن" (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

امراض کے سبب خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھنا:

عورتوں کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں کوئی دوا رکھی گئی خواہ دوا سیال ہو یا غیر سیال، صحیح قول کے مطابق روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ عورتوں کے اندر یہ فطری منفذ موجود ہے جو بطن تک پہنچتا ہے؛ البتہ مردوں کے عضو تناسل میں کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ معدہ اور اس نالی کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے بلکہ مثانہ کا واسطہ ہے جہاں سے قطرہ قطرہ آکر جمع ہوتا ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد... وفي الإقطار في إقبال النساء ويفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

واضح رہے کہ اگر دوا شرمگاہ کے اندر نہیں رکھی گئی ہے بلکہ باہر کے حصہ میں رکھی گئی ہے اس طور سے کہ دوا شرمگاہ کے اندر نہیں گئی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ روزہ اسی وقت ٹوٹتا ہے جب کہ کوئی چیز فطری منفذ سے معدہ یا دماغ میں پہنچے۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۳)۔

مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم میں پہنچانا:

اگر مرض کی تحقیق کے لئے رحم میں ایسے آلات داخل کئے جاتے ہیں جن پر تیل یا گریس یا کوئی دوا وغیرہ لگی ہوئی ہے تو ایسے آلات رحم میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر آلات میں گریس، تیل یا کوئی دوا وغیرہ نہیں ہوتی ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن خشک آلہ ایک مرتبہ داخل کرنے کے بعد جب تک اس کو صاف نہ کر لیا جائے دوبارہ داخل نہ کیا جائے، اگر صاف کئے بغیر دوبارہ آلہ داخل کیا گیا تو آلہ میں تری ہونے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ایم بی بی ایس فرماتے ہیں:

''رحم کی صفائی کے لئے، رحم کشادہ کرنے کے لئے جو آلات استعمال کئے جاتے ہیں (Dilator) اور اندرونی رحم کھرچنے کا آلہ (curette)، اگر ان پر کوئی تیل وغیرہ لگا کر ان کو داخل کیا گیا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ان کو خشک داخل کیا گیا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر خشک داخل کر کے پھر ایک مرتبہ نکال کر دوبارہ صاف کئے بغیر ان کو پھر اندر داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا'' (مریض و معالج کے اسلامی احکام: ۱۳۳)۔

اس کی واضح نظیر ہندیہ کی درج ذیل عبارت ہے:

''ولو أدخل إصبعه في إسته والمرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة الماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر آلات خشک ہیں، ان پر تیل، گریس، اور کوئی دوا وغیرہ نہیں لگی ہے تو ایسی آلات کے رحم میں داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، مگر یہ کہ خشک آلات ایک مرتبہ رحم میں داخل کرنے کے بعد بغیر صاف کئے ہوئے دوبارہ داخل نہ کئے جائیں۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض جدید قسمیں

مولانا اقبال احمد قاسمی[1]

۱- زبان کے نیچے دوا دبانا مفسد نہیں:

امراض قلب یا کسی اور مرض میں کوئی ایسی دوا روزہ میں استعمال کرنا کہ جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اگر اس احتیاط کے ساتھ یہ دوائیں دانتوں میں یا زبان کے نیچے دبا کر استعمال کی جائیں کہ اس دوا کو یا لعاب میں حل جانے والے اجزاء کو حلق میں نہ جانے دیا جائے تو یہ مفسد صوم نہیں، اور بلا شدید عذر کے ایسا کرنا صرف مکروہ ہوگا۔

''عن إبراهيم قال لا بأس أن تمضغ المرأة لصبيها وهي صائمة ما لم تدخل حلقها'' (مصنف ابن ابی شیبه ۲/۲۶۰)

''وعنه أنه رخص في مضغ العلك للصائم ما لم يدخل حلقه'' (ایضا ۲/۲۹۷)۔

(حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنے بچہ کے لئے روزہ کی حالت میں کوئی چیز چبائے بشرطیکہ حلق میں وہ نہ جائے، نیز موصوف نے علک (گوند) کے چبانے کی رخصت دی ہے روزہ کی حالت میں جب تک کہ حلق میں نہ داخل ہو)۔

ان آثار سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی چیز حلق میں نہ جائے محض چبانے، دبانے، چکھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ امداد الفتاوی میں ایک سوال کے جواب سے یہ مسئلہ مزید منقح ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹۸: اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو، اس کے دفعیہ کے لئے کوئی دوا استعمال کریں بایں طور کہ وہ دوا حلق کے اندر نہ جائے، یا پان کھانے والا پان گلوری منہ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے، یا نسوار (یعنی ناس) جو تمبا کو پیس کر بناتے ہیں، اور پنجاب کے لوگ اکثر منہ میں ڈال کر اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں اسکو یعنی نسوار کو صرف منہ میں رکھکر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب: ''في الدر المختار وكره له ذوق شيء وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما الخ ثم عدّ عذرا مست إليها الحاجة في الحال ككون الزوج سيء الخلق وخوف الغبن في الشراء'' - اس سے معلوم ہوا کہ مسئول عنہا تمام صورتیں مکروہ ہیں، ''لاسيما وقد أيد الكراهة الحديث من قوله عليه أفطر الحاجم والمحجوم، وقوله عليه السلام من وقع حول الحمى أوشك أن يقع فيه'' (امداد الفتاوی ۲/۱۲۷)۔

۲- انہیلر مفسد صوم ہے یا نہیں:

غالب رائے یہ ہے کہ انہیلر میں دوا کا جوہر ہوتا ہے جو ناک اور حلق کے راستہ سے اندر جاتا ہے، فقہاء نے اس خوشبو کو تو سونگھنے کی اجازت دی ہے جس سے کوئی جوہر متصل نہیں ہوتا لیکن لوبان، عود وغیرہ جیسی چیزیں جو سونگھنے سے ان کے مادے حلق یا دماغ تک پہنچ جائیں، انہیں مفسد صوم قرار دیا ہے۔

''من أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأي صورة كان الادخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أوعود أو غيرهما... لايكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه مما لايكون جوهرا متصلا كالدخان (مراقی الفلاح/۶۵۹)

جس نے اپنی حرکت سے حلق میں دھواں داخل کیا خواہ کوئی صورت ادخال کی ہو روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ وہ دھواں عنبر کا ہو یا عود وغیرہ کا...... روزہ دار کے لئے مشک اور گلاب وغیرہ کی خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں، چونکہ ان کا جوہر ان کے ساتھ متصل نہیں ہوتا جیسا کہ دھواں میں ہوتا ہے۔

[1] مدرسہ مظہر العلوم بیکن گنج کانپور۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہیلر کو مفسد صوم قرار دیا جائے کیونکہ جیسے منہ کے راستہ سے کسی چیز کا حلق سے نیچے پہنچانا روزہ کو توڑ دیتا ہے اسی طرح ناک کے ذریعہ بھی کسی چیز کا پہنچانا روزہ کے لئے مفسد ہے، اس لئے انہیلر کا استعمال منہ سے ہو یا ناک سے دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، لیکن یہ فساد صوم کا حکم جب ہی ہے جب کہ انہیلر کے سونگھنے سے اجزاء حلق کے اندر جاتے ہوں، اور اگر اس کے استعمال سے کوئی چیز حلق وغیرہ میں نہیں جاتی صرف دوا سونگھنے سے فائدہ ہوجاتا ہے تو وہ مفسد نہیں، جیسا کہ فتاوی محمودیہ کے ایک سوال کے جواب سے واضح ہے:

سوال (۴۸۲۲): ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب: محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''فی الهامش أو دخل أثر طعم الأدوية فيه فلا يفسد الصوم فيها'' (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۵۵)۔

ایک اور سوال و جواب میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

سوال (۴۸۲۰): ہومیو پیتھک میں ایک اصول معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھ دیتے ہیں، جب گولیاں خشک ہوجائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں، ایک یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے، اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے سے یا قصداً سونگھنے سے خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگربتی، عطر، دوا سب کا حکم ایک ہی ہے، البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا مفسد صوم ہے (کذا فی الطحطاوی/ ۶۶۰)۔

اس مسئلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے فتاوی میں اضطراب اور تردد پایا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں: ''مریض انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فطرہ بھی ادا کرتا جائے'' (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۵)۔ موصوف نے قطعی حکم لگانے سے گریز کیا ہے۔

انہیلر کو بظاہر ہومیو پیتھک کی دوا کے مشابہ قرار دیکر سونگھنے سے روزہ نہ ٹوٹنے کا حکم لگانا راجح ہے۔

۳- روزہ میں بھاپ، گیس، اور پمپ سے منہ میں ہوا لینے کا حکم:

بھپارہ یا بھاپ کے ذریعہ مریض کا علاج کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، فتاوی محمودیہ میں ہے:

یونانی اطباء امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں، جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں، اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں، اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پیلٹس مادہ خارج کردیا جاتا ہے، غرضیکہ جو فائدے حلق کی راہ سے دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۴۹)۔

اس طرح پمپ سے منہ میں ہوا لینے کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ پمپ سے پہنچائی جائے جبکہ اس میں کوئی اور چیز نہ ہو (ص/۱۵۴) لیکن فتاوی کے مرتب محشی نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ: آجکل جو پمپ استعمال ہوتا ہے اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اور ان اجزاء کا معدہ میں پہنچنا یقینی ہوتا ہے لہذا اسکے استعمال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے (فتاوی محمودیہ مع حاشیہ ۱۰/۱۵۵) غرضیکہ بھاپ، گیس اور پمپ کے ذریعہ جب تک دوا کے اجزاء کا منفذ سے جوف میں داخل ہونے کی شکل و صورت نہ پیدا ہو تو یہ چیزیں مفسد نہیں، اسی لئے زنڈو بام وغیرہ لگانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مولانا خالد سیف۔ اللہ رحمانی رقم طراز ہیں:

روزہ اسی وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بعینہ منفذ کے ذریعہ پیٹ یا دماغ تک پہنچے، اگر کوئی چیز مسامات بدن کے ذریعہ جسم میں داخل ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ''وما يدخل فی مسامات البدن من الدهن لا يفطر''۔ نیز اگر اصل شئ کے بجائے صرف اس کا اثر جسم کے اندر پہنچے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، بام وغیرہ لگانے سے جسم کے اندر صرف اس کا اثر پہنچتا ہے نہ کہ اصل شئ، نیز وہ بھی جسم کے مسامات کے ذریعہ اندر جاتا ہے، اس لئے اس کی

وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۶)۔

۴،۵ - روزہ میں انجکشن اور گلوکوز وغیرہ کا حکم:

انجکشن، گلوکوز وغیرہ کے ذریعہ بدن میں جو دوا وغیرہ پہنچائی جاتی ہے، تو وہ جوف عروق (رگوں کے اندر) میں پہنچتی ہے اور خون کے ذریعہ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے تو جس جس جگہ خون کا دوران ہوگا صرف اسی جگہ میں خون کے ساتھ دوا بھی پہنچے گی، اور جو انجکشن گوشت میں لگتے ہیں ان میں رفتہ رفتہ خون تک رسائی ہوتی ہے، بہر حال انجکشن گوشت میں لگے یا نسوں میں لگے وہ منفذ سے جوف معدہ تک نہیں پہنچتا کیونکہ عروق میں کوئی منفذ نہیں جس سے ہو کر دوا وغیرہ معدہ میں پہنچ جائے، البتہ مسامات کے ذریعہ چھن کر دوا کا اثر معدہ میں پہنچتا ہے لیکن چونکہ فساد صوم کے لئے دوا و غذا کا جوف معدہ میں بذریعہ منفذ کے پہنچنا شرط ہے، مسامات کے ذریعہ بدن میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، کیونکہ مسامات کے ذریعہ دوا کا اثر ہی پہنچتا ہے جوہر نہیں پہنچتا، اور اگر جوہر کا پہنچنا ثابت ہو جائے تو بھی مفسد صوم نہیں کیونکہ بذریعہ منفذ نہیں پہنچا، جیسا کہ فقہاء نے ہر زخم پر دوا ڈالنے کو مفسد نہیں کہا ہے بلکہ جائفہ اور آمہ کی قید لگائی ہے کیونکہ ان ہی دو قسم کے زخموں کے ذریعہ دوا جوف بطن اور جوف دماغ میں پہنچتی ہے، اگر جوف عروق میں دوا کا پہنچنا مفسد ہوتا تو جوف عروق کے اندر تو جائفہ اور آمہ کے علاوہ دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔

"أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه (درمختار) أشار إلى أن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبني على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطرى لم يفسد" (شامی ۲/۱۴۰)۔

(سر یا پیٹ کے زخم میں دوا لگائی پس وہ دوا فی الواقع جوف یا دماغ تک پہنچ گئی (درمختار) ظاہر الروایہ میں جو عبارت واقع ہے یعنی فساد صوم کو تر دوا کے ساتھ مقید کرنا وہ عادت پر مبنی ہے کہ وہ عادتاً پہنچ جاتی ہے، ورنہ اعتبار حقیقت وصول کا ہے، حتی کہ اگر خشک کا پہنچنا معلوم ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر تر دوا کا نہ پہنچنا واضح ہو جائے تو فاسد نہ ہوگا)۔

گلوکوز وانجکشن وغیرہ سے روزہ ٹوٹنے پر اشکالات وجوابات:

گلوکوز اور انجکشن وغیرہ کے مسئلہ میں بعض معاصر علماء کی رائے ان چیزوں سے روزہ کے فساد کی ہے، ان کے استدلالات کا خلاصہ مع جوابات ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- بعض انجکشن غذا کا بعض پینے کا مقصد پورا کرتے ہیں، اور جو کھانے پینے سے مقصد ہے وہ سائنس کی ترقی اس طریقے سے پورا کر دیتی ہے، اصول فقہ کا قاعدہ ہے: "الأمور بمقاصدها" لہذا مقصد اور افادیت کے پیش نظر کھانے پینے کے مقصد کو پورا کرنے والی چیزوں پر بھی کھانے پینے کا حکم لگنا چاہئے۔

جواب: روزہ کی صحت یا فساد کا دار و مدار مقصد اکل وشرب کے وجود اور عدم پر نہیں ہے بلکہ حقیقتاً یا حکماً اکل وشرب کے پائے جانے پر ہے یعنی جوف معدہ میں از راہ منفذ کسی چیز کا پہنچ جانا، چنانچہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اکل وشرب کا مقصد بالکل پورا نہیں ہوتا لیکن اکل وشرب بالمشابہ ہونے کے سبب روزہ فاسد قرار پاتا ہے مثلاً کسی نے ایک تل کھا لیا اس سے بھوک کچھ دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا۔ "إن ابتلع سمسمة عن الخارج يفسد" (عالمگیری)۔

اس کے برعکس مقصد اکل وشرب پورا ہونے پر بھی روزہ کو فاسد نہیں کہا گیا مثلاً بھول کر کھا پی لیا تو مقصد بھی پورا ہوگیا حقیقتاً کھانا بھی ہوگیا لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا، "إذا أكل الصائم ناسيا لا يفطر" (درمختار)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار و مدار کھانے پینے کے مقصد کے پورا ہونے نہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ خود کھانے پینے کے تحقق پر ہے، اور انجکشن یا گلوکوز کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا، وہ فائدہ گو پوری نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، ایر کنڈیشن میں رہنے، ٹھنڈی سر سبز جگہ بیٹھنے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے لیکن اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (درمختار)۔

شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (موطا امام مالک: ۲۳۲ باب الصیام فی السفر)۔

ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا جو بظاہر روزہ کے مقصد کے خلاف ہے، اس کے علاوہ یونانی اطباء کے یہاں ایک طریقہ علاج بھپارہ دینے کا پایا جاتا ہے اور جو فائدے حلق کی راہ سے دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتے ہیں وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتے ہیں، بھپارہ کے ذریعہ مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں، اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں، اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے، فقہاء ومجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا، اسی طرح انجکشن وغیرہ سے بھلے ہی اکل وشرب کے مقاصد حاصل ہو جائیں مفسد صوم نہیں کہا جائے گا۔

۲- جس طرح ناک، کان اور سرین کے ذریعہ دوا، تیل کا اثر پہنچتا ہے اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے، اسی بنا پر فقہاء کان میں تیل ڈالنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں، اور کان میں پانی چلے جانے یا ڈالنے کو نہیں، پانی اور تیل میں فرق صلاح بدن ہونے نہ ہونے کا ہے، اس لئے انجکشن کو اس پر قیاس کرنا چاہئے۔

جواب: انجکشن کو حقنہ یا قطور (کان میں دوا ڈالنا) یا سعوط (ناک میں دوا ڈالنا) پر قیاس کر کے اس کو مفسد صوم قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ حقنہ اور سعوط میں دوا معدہ کے اندر بذریعہ منفذ پہنچتی ہے اور اسی پر افطار کا مدار ہے، جب کہ انجکشن کے ذریعہ دوا معدہ میں بواسطہ منفذ کے نہیں پہنچتی بلکہ اس کا اثر پہنچتا ہے اور محض اثر پہنچنا مفسد نہیں، رہا قطور کا مسئلہ یعنی کان میں دوا ڈالنے کا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ کان سے جوف دماغ تک اور وہاں سے جوف بطن تک منفذ ہے اسی لئے کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر پانی خود بخود داخل ہو جائے تو فاسد نہیں ہوتا، اور قصداً داخل کیا جائے تو اس میں اختلاف ہے، ایک قول پر فاسد نہیں اور دوسرے قول پر فاسد ہو جاتا ہے، اور اکثر حضرات نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، کذا فی الدر المختار، وجہ ظاہر ہے کہ نہاتے ہوئے از خود پانی چلے جانے سے احتیاط دشوار ہے، تیل اور قصداً پانی ڈالنے سے بچنے میں کوئی دشواری نہیں، غرضیکہ کان کے مسئلہ پر بھی قیاس مفید مقصد نہیں۔

۳- حدیث میں ہے: ''الفطر مما دخل ولیس مما خرج'' (شرح وقایہ/۱۹۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجکشن بھی ''مما دخل'' کا مصداق ہے لہذا مفسد صوم ہونا چاہئے۔

جواب: اس کے جواب میں مفتی محمود صاحبؒ کی جامع عبارت نقل کر دینا کافی ہے، فرماتے ہیں: ''الفطر مما دخل ولیس مما خرج'' اول تو کلیہ نہیں بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے: ''کما یظھر بأدنی تامل۔ دوسرے حصر کے لئے نہیں۔ تیسری جو منفذ سے داخل ہو وہ مفطر صوم ہے'' والمفطر إنما ھو الداخل من المنافد'' (شامی ۲/۱۳۴)۔ چوتھے مطلقاً داخل بھی مفطر نہیں بلکہ جوف معدہ میں جو داخل ہو وہ مفطر صوم ہے (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۳۵)۔

٦- پیچھے کی راہ سے دوا یا آلات کو اندر پہنچانے کا حکم نیز بواسیری مسوں پر دوا کا حکم:

جو دوائیں خشک یا تر، سیال یا غیر سیال دبر کے راستہ سے اندر اس طرح پہنچائی جاتی ہیں کہ وہ براہ راست معدہ تک پہنچ جاتی ہیں یا موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہیں، ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر پیچھے کے راستہ سے خشک دوا موضع حقنہ سے پہلے ہی حصہ تک پہنچائی یا لگائی جائے جس کی تری حقنہ تک نہیں پہنچی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے بواسیری مسوں پر ہر طرح کی دوا لگانا درست ہے، کیونکہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسّوں پر دوا لگانا یا ان کو پانی سے تر کر کے اندر چڑھانا مفسد صوم نہیں، البتہ کانچ کو تر کر کے اندر چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (کذا فی احسن الفتاوی ۴/۴۴۰)۔

''عن الثوری قال یفطر الذی یحتقن'' (مصنف عبدالرزاق ۴/۱۹۹)
(حضرت ثوریؒ سے منقول ہے کہ جس کے حقنہ لگایا جائے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے)۔

''فی رد المحتار وفی الفتح خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ینشفه فسد صومه وإلا فلا، لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن یصل إلی الباطن بعود المقعدة'' (۲/۲۵۸)۔

اس عبارت سے حضرت تھانویؒ نے بواسیری مسّوں کو تر کرکے اندر دبانے سے مفسد صوم ہونے پر استدلال کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس صورت میں روزہ جاتا رہے گا، پس دن کے وقت ایسا کرنے سے احتراز کرے، البتہ اگر ایسا کرے کہ تر کرکے کپڑے سے پونچھ ڈالے پھر اندر داخل کردے تو روزہ نہ جائے گا (امداد الفتاوی ۲/۱۵۰)۔

لیکن ردالمحتار کی مذکورہ عبارت پر حاشیہ میں جو نوٹ مفتی شفیع صاحب نے لکھا ہے وہ بھی محقق بات معلوم ہوتی ہے، مفتی صاحب لکھتے ہیں: ردالمحتار کی عبارت میں جو جزئیہ بلفظ "خرج سرمہ" مذکور ہے وہ بواسیر کے لئے صریح نہیں، کیونکہ سرم اور چیز ہے مسہ بواسیر اور، سرم حسب تصریح اہل لغت وکتب تشریح "معی مستقیم" کا نام ہے جس کو اردو میں کانچ بولتے ہیں، وہ بعض اوقات باہر آجاتی ہے اور جب چڑھائی جاتی ہے تو موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے بخلاف مسہ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہوجاتے ہیں، کبھی باہر اور کبھی اندر، وہ موضع حقنہ تک عادۃً نہیں پہنچتے اس لئے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی اس لئے مفسد صوم نہیں (حاشیہ امداد الفتاوی ۲/۱۵۰)۔

امراض معدہ یا دیگر امراض کی جانچ کے لئے اگر مشترک حصہ سے کوئی طبی آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں تو اگر وہ خشک ہوں، انہیں معدہ تک داخل کرکے پھر باہر کرلیا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ تر ہونے کی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ اگر کوئی شخص مقعد میں تر انگلی داخل کردے تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے جبکہ خشک انگلی اندر کرنے سے فاسد نہیں ہوتا۔

"إذا أدخل الطبيب آلة جافة طبية إلى جوف الصائم ثم أخرجها لا يفطر... لا يفسد صومه لو أدخل ميزان الحرارة في دبره بشرط أن يكون جافا لأن قسما منه يبقى في الخارج وكذلك إذا أدخل إصبعه الجافة في دبره أو أدخلتها في فرجها ويفسد الصوم إذا كانت الإصبع مبتلة لبقاء البلة في الداخل" (الفقه الحنفي: ۲۱۲، ۲۱۱)۔

(جب طبیب کوئی خشک طبی آلہ روزہ دار کے جوف میں داخل کرے پھر اس کو نکال لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا...... اگر تھرمامیٹر پاخانہ کے مقام میں داخل کیا تو روزہ نہ جائے گا، بشرطیکہ وہ خشک ہو، کیونکہ اس کا ایک حصہ باہر ہی باقی رہ جاتا ہے، اور ایسے ہی جب کہ مرد اپنی خشک انگلی اپنے مشترک حصہ میں داخل کی یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اور جب تر انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ تری اندر باقی رہ جائے گی جو مفسد صوم ہے)۔

۷- پیشاب گاہ سے نلکی یا دوا اور آلات اندر تک پہنچانے کا حکم:

فقہاء کے یہاں اس کی صراحت ہے کہ خواتین کی پیشاب گاہ میں کوئی دوا رکھنا یا تیل وغیرہ رکھنا یا کوئی چیز ڈالنا روزہ کو فاسد کردیتا ہے جبکہ مرد کی پیشاب گاہ کی جگہ سوراخ میں دوا تیل وغیرہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

أو أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب وأما في قبلها فمفسد بالاجماع (شرح التنوير ۲/۱۶۱)

(اپنے ذکر کے سوراخ میں پانی یا تیل ڈالنا مفسد نہیں اگرچہ مثانہ تک وہ پہنچ جائے (صحیح مذہب پر) البتہ عورت اپنے قبل میں ڈالے تو بالاتفاق مفسد ہے)۔

پیشاب کی نلکی ڈالنے کا مسئلہ مشترک حصہ میں انگلی ڈالنے کے مشابہ ہے، فقہاء لکھتے ہیں: اگر کسی ضرورت سے دائی نے یا خود اس نے پیشاب کی جگہ اپنی خشک انگلی ڈالی تو روزہ فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ نکالنے کے بعد دوبارہ نہ ڈالی ہو، اگر انگلی نکالنے کے بعد بغیر خشک کئے پھر داخل کردی تو روزہ چلا جائے گا، یہی مسئلہ مشترک حصہ میں انگلی وغیرہ ڈالنے کا گزر چکا ہے۔

"ولو دخل إصبعه في إسته والمرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن" (فتاوی ہندیہ ۱/۱۳۱)۔

(اگر مرد نے انگلی اپنی سرین میں داخل کی یا عورت نے اپنے فرج میں تو روزہ فاسد نہیں، اور یہی قول مختار ہے، مگر جبکہ انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا پانی یا تیل پہنچ جانے کی وجہ سے)۔

اس مسئلہ پر مثانہ کی نلکی کو قیاس کرنا چاہئے کہ اگر خشک نلکی عورت کی پیشاب گاہ میں ڈالی گئی تو محض نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، بشرطیکہ تر نہ ہو، اور نکال کر بغیر خشک کئے دوبارہ نہ ڈالدی ہو، اس مسئلہ میں مرد کی پیشاب گاہ کی نلکی کا بھی یہی حکم ہوگا لیکن ساتھ ہی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا اختلاف بھی ہے، جیسا

کہ ذکر کی سوراخ میں دواڈالنے کے مسئلہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مفسد نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مفسد ہے، جب کہ عورت کی پیشاب گاہ میں دواوغیرہ ڈالنے کے مسئلہ میں اتفاق ہے کہ یہ مفسد ہے۔

رحم میں آلات پہنچانے کا حکم یہ ہے کہ اگر حالت صوم میں کوئی چیز وہاں اندر ڈال کر چھوڑ دی جائے کہ وہ وہیں رہ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر آلات خشک ڈال کر نکال لے یا اس کا کچھ حصہ باہر باقی رہے کچھ اندر رہے جیسے نلکی میں تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ امداد الفتاوی میں ہے:

عنوان ہے: حکم ادخال ربڑ اندرون فرج در صوم، اس کے تحت میں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: (رحم میں داخلار بڑ کا حلقہ) خود روزہ کی حالت میں یہ چھلا چڑھانا مفسد صوم ہے، لیکن اگر غیر حالت صوم میں چڑھایا ہوا حالت صوم میں داخل بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا (امداد الفتاوی ۲/۱۴۴)۔

''إذا أدخل الطبيب آلة طبية جافة إلى جوف الصائم ثم أخرجها لا يفطر الصائم''
(جب کوئی خشک طبی آلہ روزہ دار کے جوف میں ڈاکٹر داخل کرے پھر اس کو نکال لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

''وهٰذا كله إذا لم يستقر الداخل فى الجوف أما إذا استقر الداخل فى الجوف، ينظر إن لم يكن بفعل الصائم أو لم يكن فيه صلاح بدنه لا يفسد الصوم وإن كان بفعله أو كان فيه صلاح بدنه فإنه يفسد الصوم'' (الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: ۳۱۲)۔

(اور یہ سب جبکہ جوف میں داخل ہونے والی چیز مستقر نہ ہو جائے، بہرحال جب استقرار پکڑ لے تو دیکھا جائے گا اگر روزہ دار کا فعل یا اس کے بدن کی صلاح نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس کا فعل یا اس کے بدن کی صلاح اس میں ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

غرضیکہ رحم کے اندر کسی شئی کے داخل کرنے کے مسئلہ میں تفصیل کی جائے گی، کہ اگر روزہ کی حالت میں کوئی چیز اندر ڈال کر چھوڑ دی گئی جیسے کا پر ٹی وغیرہ تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر کوئی خشک آلہ جانچ کے لئے مکمل داخل کر دیا گیا لیکن پھر باہر بھی نکال لیا گیا یا اس طرح داخل کیا گیا کہ کچھ اندر کچھ باہر جیسے نلکی، تھرما میٹر وغیرہ تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

مفطرات صوم اور اس کا شرعی حکم

مولانا عبداللہ خالد [1]

قرآن وحدیث میں جس چیز سے روزہ کی حالت میں منع کیا گیا ہے وہ کھانا اور پینا ہے، جب انسان کوئی چیز کھاتا اور پیتا ہے تو حلق کے فطری راستہ سے یہ چیز انسان کے معدہ تک پہنچتی ہے، فقہاء نے بطور احتیاط کھانے اور پینے پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا ہے جس میں کوئی چیز انسان کے پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہنچائی جائے، اسی لئے ایسے زخم جو پیٹ اور سر میں ہوں اور معدہ اور دماغ تک زخم کے ذریعہ راستہ بن گیا ہو ان میں دوا ڈالنے کو روزہ ٹوٹ جانے کا باعث قرار دیا گیا، کیونکہ اس طرح دوا براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے زخم کو "آمہ" اور "جائفہ" کہتے ہیں، چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"أو داوى جائفة أو آمة بدواء ووصل الدواء إلى جوفه أو دماغه أفطر" (البحر الرائق ۲/۲۸۶)۔

اسی طرح وہ اشیاء جو معدہ یا دماغ تک منافذ اصلیہ کے ذریعہ داخل ہو وہ بھی مفسد صوم ہوگی۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه" (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

اگر یہ اشیاء منافذ اصلیہ کے علاوہ اگر مسامات کے ذریعہ داخل کی جائیں تو مفسد صوم نہیں ہوں گی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"أو أدهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه فى حلقه وكذا لو بزق فوجد لونه قال فى الأصح قال فى النهر لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر" (ردالمحتار ۲/۹۸)۔

اور جو اشیاء منافذ اصلیہ کے ذریعہ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے ان کا قرار پانا بھی ضروری ہے، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط لفساد الصوم" (بدائع ۲/۹۳)۔

اسی طرح علامہ شامی فرماتے ہیں:

"ويشترط أيضًا استقراره داخل الجوف فيفسد بالخشبة إذا غيبها لوجود الفعل مع الاستقرار وإن لم يغيبها فلا لعدم الاستقرار" (ردالمحتار ۲/۹۸)۔

مفسدات صوم کا تعلق ایک حد تک علم طب سے بھی ہے، پس کسی منفذ کا موجود ہونا یا نہ ہونا، اسی طرح کسی چیز کا استقرار پانا یا نہ پانا علم طب سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے ان میں تحقیق بدلنے سے حکم میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اصل سوالات کے جواب دیئے جاتے ہیں:

۱- فقہاء نے بلا ضرورت کسی چیز کو روزہ کی حالت میں چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ہے تو مکروہ نہیں قرار دیا ہے، یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ حلق کے اندر نہ جائے، اور اگر اس کے اجزاء حلق کے اندر چلے گئے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ فتاوی ولوالجیہ میں ہے:

"الصائم إذا ذاق شيئًا بأسنانه ولم يدخل حلقه لم يفطر لأنه لم يجاوز حده فأشبه المضمضة" (الفتاوى الولوالجيه ۱/۲۱۹)

[1] دار العلوم مدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین لونا واڑہ، گجرات۔

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

''وكره ذوق شئ ومضغه بلا عذر لما فيه من تعريض الصوم لفساد ولا يفسد صومه لعدم الفطر صورة ومعنى قيد بقوله بلا عذر لأن الذوق بعذر لا يكره'' (البحر الرائق ۲/۴۸۹)۔

اسی طرح فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ويكره للصائم أن يذوق شيئا بأسنانه إذا كان له منه بد وأما إذا لم يكن منه بد لا يكره (الفتاوى التاتارخانيه ۲/۱۱۲)

اسی طرح الجوہرۃ النیرہ میں ہے:

''ومن ذاق شيئا بفمه لم يفطر لعدم المفطر صورة ومعنى ويكره له ذلك'' (الجوهرة النيره ۱/۱۴۵)۔

اسی طرح اس دوا کا حکم بھی یہی ہوگا کہ اگر اس کو صرف زبان کے نیچے دبا کر رکھا گیا اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزا کو نگلنے سے بچایا گیا تو اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا، اور مکروہ بھی نہ ہوگا اگر ضرورت کی وجہ سے ہے، لیکن اگر اس کے اجزاء حلق میں داخل ہو گئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لیکن جبکہ دوا کو زبان کے نیچے رکھا جائے تو اس صورت میں دوا کو یا اس کے اجزاء کو بغیر تکلف شدید حلق کے اندر داخل ہونے سے بچانا ناممکن ہے اس لئے حتی الوسع روزہ کی حالت میں اس کے استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔

۲- عمداً دھواں کو ناک سے اوپر کی طرف کھینچنے کو فقہاء مفسد صوم قرار دیتے ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: ''(قوله أنه لو أدخل حلقه الدخان) أى بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (در المختار ۲/۹۸)۔

اسی طرح مجمع الانہر میں ہے:

''وعلى هذا لو أدخل حلقه فسد صومه حتى أن من تبخر ببخور فاستشم دخانه فأدخله حلقه ذاكرًا لصومه أفطر'' (مجمع الانهر ۱/۲۴۴)۔

حلق کے اندر دھواں کو داخل کرنے کو فقہاء اس لئے مفسد صوم قرار دیتے ہیں کہ عموماً حلق کے ذریعہ پیٹ یا دماغ میں چلا جاتا ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی کے قول سے وضاحت ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

أو أدخل دخانا بصنعه متعمدًا إلى جوفه أو دماغه لوجود الفطر وهذا فى دخان غير العنبر والعود (حاشية الطحطاوى/۳۷۰)

ان کے اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس دھواں کو پیٹ یا دماغ میں داخل کیا جائے تو مفسد صوم ہوگا۔

انہیلر کو منہ کے پاس لے جا کر پچکاری کی طرح دبایا جاتا ہے جس سے خشک پاؤڈر کی طرح نکلتا ہے، اسے ناک کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے اور حلق کے راستہ سے پھیپھڑے تک جاتا ہے لیکن معدہ تک نہیں پہنچتا ہے جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر معدہ تک نہیں پہنچتا ہے تو مفسد صوم نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ اصول ہے۔

اور علامہ طحطاوی فرماتے ہیں لیکن چونکہ عموماً فقہاء حلق کے اندر دھواں پہنچانے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں اس لئے احتیاط یہی ہے کہ روزہ رکھ کر فدیہ دے دیا جائے جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا جائے (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۵)۔

اس لئے بندہ کی رائے یہ ہے کہ روزہ رکھ کر فدیہ بھی ادا کرتا رہے۔

۳- اگر اس بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہو تو مفسد صوم ہوگا، اس لئے کہ دھواں کا ناک سے اوپر کی طرف کھینچنے کو فقہاء مفسد صوم قرار دیتے ہیں، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

لو أدخل حلقه بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه ذاكرًا لصومه أفطر(ردالمحتار۲/۹۸)

اسی طرح مجمع الانہر میں ہے:''لوأدخل حلقه الدخان فسد صومه'' (مجمع الانہر۱/۲۲۵)۔

۴- انجکشن مفسد صوم نہیں ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جبکہ کوئی چیز جوف بطن یا جوف دماغ تک منافذ اصلیہ کے ذریعہ پہنچائی جائے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وما وصل إلى الجوف الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع۲/۹۳)۔

لیکن جو چیز منافذ اصلیہ کے علاوہ مسامات یا رگوں کے ذریعہ پہنچائی جائے اس کو فقہاء مفسد صوم نہیں مانتے۔ ہدایہ میں ہے:

''والداخل من المسام لاينافى كما لو اغتسل بالماء البارد'' (ہدایہ اولین/۲۱۷)۔

اسی طرح علامہ شامی فرماتے ہیں:

''قال فى النهر لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق'' (درالمختار۲/۹۸، نیز دیکھئے: مجمع الانہر۱/۲۲۵)۔

اسی طرح تبیین الحقائق میں ہے:

''والداخل من المسام لاينافيه على ما ذكرنا'' (تبیین الحقائق۱/۳۲۳)۔

چونکہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا یا غذا بدن میں داخل ہوتی ہے وہ منافذ اصلیہ کے ذریعہ نہیں داخل کی جاتی بلکہ مسامات یا رگوں کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے اس لئے انجکشن مفسد صوم نہیں ہوگا۔

یہی رائے علماء ہند میں اکثر علماء کی ہے جیسے مفتی شفیع صاحب، مفتی محمود الحسن صاحب، مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب، مفتی تقی صاحب اور مفتی خالد سیف اللہ صاحب کی ہے۔

۵- جو چیز منافذ اصلیہ کے علاوہ مسامات یا رگوں کے ذریعہ داخل کی جائے وہ مفسد صوم نہیں ہوگی اور چونکہ گلوکوز میں کوئی چیز معدہ تک براہ راست نہیں پہنچتی بلکہ پہلے رگوں میں پہنچتی ہے پھر رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ روزہ اصل شئی کے پہنچنے کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے نہ کہ کسی شئی کا اثر پہنچنے کی وجہ سے، جیسا کہ روزہ کی حالت میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن روزہ کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جائے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''والداخل من المسام لاينافى كما لو اغتسل بالماء البارد'' (ہدایہ/ص۲۱۷)۔

اسی طرح شامی میں ہے:''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر'' (ردالمحتار۲/۹۸)۔

گلوکوز کے ذریعہ بھی اس غذا یا دوا کا اثر پہنچتا ہے نہ کہ اصل شئی پہنچتی ہے، اسی وجہ سے اس کو کھانا کھانا نہیں کہتے۔

پھر یہ اشکال کہ اس میں قوت پیدا ہوتی ہے جو روزہ کے لئے منافی ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

مطلق قوت یا نشاط روزہ کے لئے منافی نہیں ہے بلکہ وہ قوت منافی صوم ہے جو مخارق اصلیہ کے ذریعہ کوئی چیز جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچ کر حاصل کی جائے، اس کے سوا کسی اور عمل سے اگر قوت آئے یا نشاط پیدا ہو یا پیاس مٹے وہ مفسد صوم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ روزہ میں غسل کی اجازت ہے حالانکہ غسل سے مسامات کے ذریعہ پانی اندر پہنچتا ہے اور پیاس میں بھی کمی آتی ہے لیکن چونکہ وہ منافذ اصلیہ نہیں ہے اس لئے مفسد صوم نہیں ہے، اسی طرح روزہ کی حالت

میں کسی ٹھنڈے مقام پر چلے جانا مفسد صوم نہیں ہے (درس ترمذی: ۲/ ۶۲۷)۔

لیکن بغیر ضرورت شدیدہ کے گلوکوز چڑھانا مکروہ ہوگا، کیونکہ روزہ کی اصل روح اور مقصد بہیمانہ طاقت کو کم کرنا ہے اور وہ فوت ہو جا رہا ہے، اس لئے کہ مجمع الانہر میں مذکور ہے کہ روزہ کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا مفسد صوم تو نہیں ہوگا لیکن مناسب ہے کہ مکروہ قرار دیا جائے۔

''کما لو اغتسل بالماء البارد فوجد برودته فی کبده لکن ینبغی أن یکون مکروھًا'' (مجمع الانہر ۱/۲۴۵)۔

۶- کان، ناک اور سرین کے راستے سے معدہ یا دماغ تک پہنچنے والی چیزوں کو فقہاء مفسد صوم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وما وصل إلی الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف والأذن والدبر استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/ ۹۳، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۱/ ۳۰۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو دوائیں پیچھے کے راستہ سے داخل کی جائیں اور معدہ تک پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

چونکہ عموماً سیال دوائیں جو پیچھے کے راستہ سے داخل کی جاتی ہیں وہ معدہ میں پہنچ جاتی ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے پانی یا تیل میں تر انگلی کو پیچھے کے راستہ میں داخل کرنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه فی إسته أو المرأة فی فرجها لایفسد وهو المختار إلا ان کانت مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء والدهن''۔

اسی طرح فتح القدیر میں ہے:

''ولو أدخل الإصبع فی دبره أو فرجها الداخل لایفسد الصوم إلا أن تکون مبلولة بماء أو دهن''

(فتح القدیر ۲/ ۲۶۸، نیز دیکھئے: النہر الفائق ۲/ ۲۳)۔

اسی طرح سیال دوا کو پیچھے کے راستہ میں داخل کرنا مفسد صوم ہوگا، اور جو دوا جامد ہے اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ معدہ تک پہنچ گئی تو مفسد صوم ہوگی، اور اگر معدہ تک نہیں پہنچی تو مفسد صوم نہیں ہوگی، اس لئے کہ اصل اعتبار وصول الی الجوف کا ہے، علامہ ابن نجیم مصری اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وأطلق الدواء فشمل الرطب والیابس لأن العبرة للوصول لا لکونه رطبًا أو یابسًا وإنما شرطه القدوری لأن الرطب وهو الذی یصل إلی الجوف عادة'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷)۔

اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر جو مرہم لگایا جاتا ہے اس سے بھی روزہ ٹوٹ جانا چاہئے اس لئے کہ معدہ اس کو جذب کر لیتا ہے، لیکن اگر معدہ تک نہیں پہنچا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

امراض کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر آلات کے ساتھ کوئی دوائی نہ ہو اور اس کا ایک کنارہ باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس کی نظیر فقہاء کی عبارت میں لکڑی اور اس جیسی دوسری چیز کی ملتی ہے جو پیچھے کے راستہ میں داخل کی گئی، اور اس کا دوسرا کنارہ باہر ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر پوری طرح اندر چھپ گئی کہ باہر کچھ بھی باقی نہیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''وإذا أدخل خشبة فی دبره إن کان طرفها خارجًا لا یفسد'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/ ۱۰۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۸۷)۔

مفسد صوم ہونے کے لئے جو چیز پیٹ یا دماغ میں داخل کی جائے اس کا قرار پانا بھی ضروری ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وهذا یدل علی أن استقرار الداخل فی الجوف شرط لفساد الصوم'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

اسی طرح علامہ شامی فرماتے ہیں:

’’أن ما دخل فی الجوف إن غاب فیه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم یغب بل بقی طرف منه فی الخارج أو کان متصلاً بشئ خارج لایفسد لعدم استقراره‘‘ (ردالمحتار ۲/۹۹)۔

۷- عورتوں کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں کسی بھی طرح دوا ڈالنے کو فقہاء مفسد صوم قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ عورتوں کے اندر یہ فطری منفذ موجود ہے جو بطن تک پہنچتا ہے۔ اور مردوں کے عضو تناسل میں کوئی دوا داخل کی جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ معدہ اور نالی کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے بلکہ مثانہ کا واسطہ ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

’’إذا أقطر فی إحلیله لا یفسد صومه عند أبي حنیفة ومحمد وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف هو الصحیح‘‘ (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴)۔

اسی طرح بحر الرائق میں ہے:

’’وإن أقطر فی إحلیله لا یفطر أطلقه فشمل الماء والدهن وهذا عندهما خلافا لأبي یوسف وهو مبنی علی أنه هل بین المثانة والجوف منفذ أم لا... الإقطار فی قبل المرأة یفسد الصوم‘‘ (البحر الرائق ۲/۲۸۸)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

’’وإن أقطر فی إحلیله لم یفطر عند أبي حنیفة وقال أبي یوسف یفطر وقول محمد مضطرب فیه فکأنه وقع عند أبي یوسف أن بینه وبین الجوف منفذا ولهذا یخرج منه البول ووقع عند أبي حنیفة أن المثانة بینهما حائل والبول یترشح منه وهذا لیس من باب الفقه‘‘۔

اس لئے عورت کی شرمگاہ میں کسی طرح کی دوائیں ڈالنا مفسد صوم ہوگا، لیکن مرد کے عضو تناسل میں دوا ڈالنا یا کسی چیز کو داخل کرنا مفسد صوم نہیں ہوگا، اس لئے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے جیسا کہ طرفین کی رائے ہے، اور امام ابویوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ موجود ہے۔

اسی لئے جو طبی اعتبار سے تحقیق ہوگی ویسا حکم ہوگا، یعنی اگر منفذ ہے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اگر منفذ نہیں ہے تو نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ اس مسئلہ کا تعلق طبی اعتبار سے ہے نہ کہ فقہ کے اعتبار سے۔

مرض کی تحقیق کے لئے جو آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر آلات پر کسی قسم کی دوا یا تری لگی ہوئی نہیں ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر پانی یا دوا سے تر ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

’’أو أدخل إصبعه الیابسة فیه أی دبره أو فرجها و لو مبتلة فسد‘‘ (ردالمحتار ۲/۹۹)۔

اسی طرح فتح القدیر میں ہے:

’’ولو أدخل الإصبع فی دبره أو فرجها الداخل لایفسد الصوم إلا إذا تکون مبلولة بماء أو دهن‘‘ (فتح القدیر ۲/۲۶۸)۔

☆☆☆

نواقض صوم اور بعض نئے مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی ؒ

۱- امراض قلب سے متعلق وہ دوائیں جن کو نگلا نہیں جاتا، بلکہ وہ زبان کے نیچے رکھی جاتی ہیں، اگر روزہ دار اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچے، اور حلق میں نہ جانے دے تو یہ دوا مفطر اور روزہ کے لئے مفسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ صورت افطار یعنی ابتلاع یا معنی افطار یعنی وصولی الی الجوف نہیں پایا گیا۔ اور اس لئے کہ منہ کا حکم ظاہر اور خارج کا ہے (ہدایہ ۱/۱۹۸)۔

فتح القدیر میں ہے: ''وإلى باطن فمه وأنفه لا يفسد'' ۲/۲۳۴)۔ اور مبسوط للسرخسی (۳/ ۹۴) میں مذکور ہے: ''وإذا ذاق الصائم بلسانه شيئا ولم يدخل حلقه لم ينظر. لأن الفطر لوصول شئ إلى جوفه ولم يوجد والفم في حكم الظاهر''

نیز ہدایہ (۱/ ۲۰۰) اور شامی (۳/ ۳۹۵) میں اس مفہوم کی عبارتیں موجود ہیں کہ ''وكره ذوق شئ و مضغه بلا عذر و مضغ العلك'' (کنز مع البحر ۲/۴۸۹)۔ یعنی کسی چیز کا چکھنا، اس کا چبانا اور گوند کا چبانا بلا عذر، مکروہ ہے، صاحب بحر اس کے تحت لکھتے ہیں: ''ولا يفسد صومه لعدم الفطر صورةً و معنى'' ''یعنی صورۃً یا معنیً فطر نہ پائے جانے کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور علامہ شامی ''کرہ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''الظاهر أن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية'' (درمختار ۲/۳۹۵)۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ ان اشیاء میں کراہت تنزیہی ہے۔

نیز کتب فقہیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ کوئی روزہ دار عورت اپنے بچہ کے لئے کھانا چبائے اور کوئی دوسرا غیر صائم موجود نہیں جو یہ کام کر سکے، تو ایسا کرنا اس روزہ دار عورت کے لئے مکروہ بھی نہیں ہے ''صيانة للولد'' (ہدایہ ۱/ ۲۰۰)، لہذا یہاں بھی صیانۃ للمریض صرف اس دوا کے منہ میں رکھنے یا لعاب میں مل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے جب تک حلق میں داخل نہ ہو۔

اور فتح القدیر (۲/ ۲۵۹) میں ''الکافی'' کے حوالہ سے مذکور ہے:

''وفي الكافي في السمسمة قال إن مضغها لا يفسد، إلا أن يجد طعمه في حلقه'' (تل کے بارے میں کہا کہ اس کا چبانا فاسد نہیں کرے گا، مگر یہ کہ اس کا مزہ اپنی حلق میں پائے)، صاحب فتح اس کے آگے لکھتے ہیں:

''وهذا حسن جدا. فليكن الأصل في كل قليل مضغه''

(اور یہ بہت عمدہ ہے، لہذا چاہئے کہ اصل ہو ہر اس قلیل شئ کے متعلق جس کو چبائے)۔

اور فقہ حنبلی کی معروف کتاب ''المغنی'' میں ''علک'' (گوند) کے بارے میں لکھا ہے:

''ورخصت عائشة في مضغه، وبه قال عطاء. لأنه لا يصل منه شئ إلى الجوف. فهو كالحصاة يضعها في فيه. ومتى مضغه ولم يجد طعمه في حلقه لم يفطر. وإن وجد طعم في حلقه ففيه وجهان أحدهما يفطره. كالكحل إذا وجد طعم في حلقه والثاني لا يفطر لأنه لم ينزل منه شئ ومجرد الطعم لا يفطر'' (المغنی ۴/۳۵۸)۔

(اور حضرت عائشہؓ نے اس کے چبانے کی رخصت دی ہے، اور حضرت عطاء نے بھی اسی کا قول کیا ہے، اس لئے کہ جوف تک اس سے کوئی چیز نہیں پہنچتی، لہذا وہ کنکری کی طرح ہے جس کو اپنے منہ میں رکھ لے، اور جب اس کو چبائے اور اس کا مزہ اپنی حلق میں نہ پائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس کا مزہ اپنی حلق میں پائے تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مفطر ہوگا، سرمہ کی طرح ۔ جب اس کا مزہ اپنی حلق میں پائے (حنفیہ کے یہاں یہ مفسد نہیں ہے)، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مفطر نہیں اس لئے کہ اس میں سے کوئی چیز (یعنی عین شئ) حلق میں نہیں گئی، اور محض مزہ مفطر نہیں)۔

اور حنفیہ کی کتابوں میں اس کی رخصت ملتی ہے، چنانچہ مذکور ہے:

وفی کراهة الذوق عند الشراء قولان، ووفق فی النهر بأنه إن وجد بدا ولم يخف غبنا كره وإلا لا (درمختار ۲/۳۹۵)

اور خریدتے وقت چکھنے کے مکروہ ہونے میں دو قول ہیں، اور نہر میں یہ تطبیق دیا ہے کہ اگر اس کے علاوہ کوئی صورت ہو اور غبن کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں اور کسی شئ کا مزہ حلق میں محسوس ہونے کے متعلق یہ ملحوظ ہونا چاہئے کہ بعینہ اس شئ کا حلق میں پایا جانا معتبر ہے صرف اس کے اثر کا پایا جانا نہیں، جیسا کہ حالت صوم میں سرمہ استعمال کرنے کی بحث میں علامہ کاسانیؒ نے ذکر کیا ہے: ''لأنه وصل إليه الأثر لا العين'' (بدائع ۲/۲۴۴)۔

یا پھر یہ ممکن ہے کہ تل کے چبانے پر اس کا مزہ حلق میں محسوس ہونے سے فساد روزہ، اور سرمہ کا مزہ محسوس ہونے سے عدم فساد کے حکم میں فرق کی وجہ یہ ہو کہ سرمہ کا اثر غیر منفذ میں پہنچتا ہے، اور تل کا مزہ منفذ سے، حنفیہ کے نزدیک آنکھ کا شمار منافذ جوف میں نہیں ہے، حنابلہ کے نزدیک اس کو منفذ مانا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی شئ حلق میں داخل نہ ہو یا جوف تک نہ پہنچے وہ مفسد نہیں، اس لئے اس قسم کی ادویہ کو صرف منہ میں رکھنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

۲- تنفس کے مرض میں انہیلر کا استعمال ہوتا ہے، جس کے ذریعہ دوا، جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے، حلق میں داخل ہوتی ہے، اگر روزہ دار شخص انہیلر کا استعمال کرے گا تو اس کا روزہ فاسد ہوگا، اس لئے کہ صورۃً مفطر کا وجود پایا گیا، یعنی اس دوا کا ابتلاع اور نگلنا، اگر چہ وہ سفوف جو حلق کے اندر جاتا ہے، قلیل ہو، کیونکہ یہ دوا خارج منہ سے لے جاتی ہے، اور اپنے اختیار سے لے جاتی ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنا تھوک ہی منہ سے باہر نکالے اور پھر نگل جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

''وكذا لو خرج البزاق من فمه ثم ابتلعه'' (الدر المختار ۲/۳۸۷)۔

(اور ایسے (صرف قضا واجب ہے) جب کہ تھوک اس کے منہ سے باہر نکل گیا پھر اس نے نگل لیا)۔

یا اس کی حلق میں بارش کا قطرہ، یا برف خود بخود داخل ہو گیا، تو بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے (دیکھئے: درمختار ۳/۳۷۸)۔

روزہ کی حالت میں دوا یا انہیلر کے استعمال سے بچنا ممکن ہے، اب روزہ دار اس کو اپنے ارادہ واختیار سے استعمال کرتا ہے اور وہ حلق میں داخل ہو جاتی ہے، تو اس کی وجہ سے اس کا روزہ جاتا رہے گا (الدر المختار ۳/۳۶۶)۔

امام مالکؒ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں کسی بھی چیز کے حلق میں پہنچنے سے بچنا اور رکنا ضروری ہے، خواہ وہ شئ غذا دینے والی ہو یا نہ ہو، اور خواہ کسی بھی منفذ سے پہنچے (بدایۃ المجتہد لابن رشد ا/۳۵۶)۔

حنابلہ کے نزدیک بھی اپنے اختیار سے کسی چیز کو نگلنا مفسد صوم ہے۔

''فإن خرج ريقه إلى ثوبه أو بين أصابعه أو بين شفتيه ثم عاد فابتعله أو بلع ريق غيره أفطر'' (المغنی ۴/۳۵۴)۔

(تو اگر اس کا تھوک نکل کر اس کے کپڑے پر آ یا یا اس کی انگلیوں یا ہونٹوں پر آ گیا، پھر وہ لوٹ گیا، اور اس نے نگل لیا، یا اپنے غیر کے تھوک کو نگل لیا، تو روزہ جاتا رہے گا)۔

۳- بھاپ کے ذریعہ منہ یا ناک کے راستہ دوا کا کھینچنا بھی مفسد صوم ہے، اس لئے کہ اس میں بھی اپنے اختیار اور فعل سے منہ یا ناک کے ذریعہ بھاپ کا حلق میں داخل کرنا لازم آیا، جبکہ اس سے بچنا بھی ممکن ہے، لہذا یہ اس غبار، دھواں یا بخور کی طرح ہوا جس کو اپنے فعل سے حلق میں داخل کیا۔

۴- روزہ کی حالت میں انجکشن کے استعمال کی اجازت فقہاء اور مفتیان کرام نے دی ہے، اور اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس لئے کہ روزہ کے فساد کے لئے منافذ ومخارق اصلیہ کے ذریعہ جوف معدہ یا دماغ تک کسی چیز کا پہنچنا ضروری ہے، اور انجکشن کے ذریعہ دوا منافذ اصلیہ کے ذریعہ نہیں جاتی، لہذا انجکشن خواہ کسی بھی قسم کا ہو محض دوا کی ضرورت پوری کر رہا ہو، یا غذا کی کمی دور کر رہا ہو، اور رگ میں لگایا جانے والا ہو یا گوشت میں، مفسد صوم نہیں ہے۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط، أو احتقن، أو

اقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۶)۔

(اور جو کچھ اس کے مخارق اصلیہ جیسے ناک، کان، پیچھے کا راستہ کے ذریعہ جوف یا دماغ تک پہنچے، بایں طور کہ ناک میں دوا ڈالی، یا پیچھے کے راستہ میں دوا کا استعمال کیا، یا اپنے کان میں ٹپکایا اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو گیا)۔

ہدایہ میں ہے:

''والداخل من المسام لا ینافی کما لو اغتسل بالماء البارد'' (۱/۱۹۷)۔

(اور مسام کے ذریعہ داخل ہونے والی چیز (روزہ کے) منافی نہیں ہے، جیسا کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیا)۔

لہذا ان انجکشن کا استعمال روزہ کے منافی نہیں ہے۔

۵- اسی طرح جسم میں نمکیات کی کمی پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز کا چڑھایا جانا بھی چونکہ فطری منفذ سے نہیں ہوتا، اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور ایسے لوگ جن کو روزہ میں بھوک یا غذا کی کمی کی وجہ سے بلڈ پریشر کی کمی کی شکایت ہو جاتی ہے یا کوئی عارضہ لاحق ہوتا ہے، ان کے لئے مکروہ بھی نہیں ہے۔

محض بھوک کا احساس کم کرنے کے لئے اس کے استعمال سے بچنا بہتر ہے، اس لئے کہ روزہ کی منشاء کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

''وإنما کره أبوحنیفة ذلك أعنی الدخول فی الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فیه من إظهار الضجر فی إقامة العبادة لا لأنه قریب من الإفطار'' (فتح القدیر ۲/۲۵۷، درمختار ۲/۲۶۷)۔

(ابوحنیفہؒ نے اس کو ناپسند کیا ہے یعنی پانی میں داخل ہونے کو (صرف تبرد کے لئے نہانے کو) اور بھیگا کپڑا لپیٹنے کو اس لئے کہ اس میں عبادت سے اکتاہٹ کا اظہار ہوتا ہے، نہ کہ اس لئے کہ وہ افطار کے قریب ہے)۔

۶- پیچھے کے راستہ سے جو دوائیں اندر پہنچائی جاتی ہیں، سیال ہوں یا غیر سیال، اگر وہ جوف یا موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہیں تو مفسد صوم ہوں گی، ورنہ نہیں۔

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف والأذن والدبر بأن استعط او احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۶. نیز دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۷۲)۔

(اور جو کچھ بھی مخارق اصلیہ، ناک، کان، دبر کے راستہ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے بایں طور کہ ناک میں دوا ٹپکائے، یا دبر میں دوا کا استعمال کرے، یا کان میں ٹپکائے، اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو گیا)۔

(اور فقہاء نے احتقان، اسقاط، اور اقطار کو وصول إلی الجوف سے مقید نہیں کیا، اس کے (وصول إلی الجوف) اس میں ظاہر ہونے کی وجہ سے ورنہ وہ (وصول إلی الجوف) ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر دوا ناک میں ہی رہ گئی اور سر تک نہیں پہنچی تو مفطر نہیں ہوگی، اور ممکن ہے کہ لفظ دوا راجع ہو ان سب (احتقان، استعاط، اقطار، جائفہ، آمہ میں دوا کے استعمال) کی جانب۔

درمختار یا دیگر کتب فقہ میں جو یہ عبارت مذکور ہے کہ: ''أو احتقن أو استعط فی أنفه شیئا أو أقطر فی أذنه دهنا أو داوی جائفة أو آمة فوصل الدواء حقیقة إلی جوفه و دماغه'' اس میں بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''فوصل الدواء حقیقة.. کا تعلق داوی جائفة أو آمة'' سے ہے مگر یہ بھی احتمال ہے کہ فوصل الدواء کا تعلق اس کے ساتھ ساتھ دبر، ناک یا کان میں بھی دوا کے استعمال سے ہو، اور ان راستوں سے بھی استعمال کی گئی دوا جب تک جوف تک نہ پہنچے مفسد صوم نہیں ہوگی۔

لہذا ابواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر بھی مرہم یا دوا کے استعمال کا یہی حکم ہوگا، کہ اگر اس دوا کے موضع حقنہ یا جوف تک پہنچنے کا یقین ہو تو مفسد ہوگا، لیکن چونکہ یہ مسے موضع حقنہ سے کافی نیچے ہوتے ہیں اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ جوف تک اس دوا یا مرہم کا اثر نہیں پہنچے گا، اس لئے مفسد نہیں ہوگا، چنانچہ مفتی رشید صاحب نے مسوں پر مرہم لگانے کو مفسد نہ ہونے کا فتوی دیا ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰)۔

اسی طرح امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات پیچھے کے راستہ سے داخل کئے جاتے ہیں یا کسی بھی راستہ سے اگر ان آلات پر رطوبت اور تری ہو، ان پر کوئی دوا لگی ہوئی ہو تو اس کے اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر وہ آلات خشک ہیں اور وہ بالکلیہ داخل نہیں ہوتے، بلکہ ان کا دوسرا سرا اور کنارہ باہر رہتا ہے (جیسا کہ یہی متصور ہے) تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''أو أدخل عودا و نحوه فی مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها شئ ومفاده أن استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد بدائع أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (درمختار مع شامی ۲/۳۶۸)۔

علامہ شامیؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

''لبقاء شئ من البلة فی الداخل. وهذا لو أدخل الأصبع إلى موضع المحقنه''

(اندر کچھ تری باقی رہ جانے کی وجہ سے اور یہ تب ہے جب کہ انگلی کو موضع حقنہ تک داخل کیا ہو)۔

لہذا دوا سیال ہو یا غیر سیال، موضع حقنہ تک پہنچے گی تو وہ جوف تک پہنچنے کے حکم میں ہے، روزہ فاسد ہوگا، ورنہ نہیں، اور اسی طرح داخل کئے جانے والے آلات دوا یا کسی مادہ سے بھیگے اور تر ہوں، اور وہ موضع حقنہ تک پہنچ گئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اگر چہ ان کا کچھ حصہ باہر ہو۔

اور اگر آلات خشک ہیں اور ان کا کچھ حصہ باہر ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر چہ وہ جوف تک پہنچ جائیں۔

۷- آگے کے راستہ سے نلکی یا دیگر آلات جو رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، اگر وہ خشک ہیں تو محض ان کے ڈالنے اور نکال لینے سے روزہ پر اثر نہیں پڑے گا، اور اگر وہ نلکی یا آلات بھیگے ہوئے ہیں یا ان کو آگے پیچھے حرکت دی گئی تو عورت کا روزہ فاسد ہو جائے گا، عدم فساد تو اس لئے کہ اس نلکی یا آلہ کا استقرار فی الجوف نہیں ہوا، اور تر ہونے کی حالت میں فساد صوم اس لئے کہ اس کی تری کے اندر باقی رہنے کا امکان ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت گذر چکی ''أو فرجها ولو مبتلة فسد''۔

ایسے ہی عورت کے آگے کے راستہ میں کسی سیال دوا کا استعمال، یا خشک دوا ڈالی گئی اور وہ اندر غائب ہوگئی تو مفطر صوم ہوگی، اس لئے کہ وہ حقنہ اور جوف کے حکم میں ہے۔

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد، وإن بقی طرفها فی فرجها الخارج لا'' (درمختار ۲/۳۶۹)۔

اور مرد کے پیشاب کے راستہ میں کسی بھی دوا وغیرہ کا استعمال مفسد صوم نہیں ہے، درمختار کی عبارت ہے:

أو أقطر فی إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب. وأما فی قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة (۲/۳۷۲)

(یا اپنے پیشاب کے راستہ میں پانی یا تیل ٹپکانا (تو مفطر نہیں) اگر چہ وہ مثانہ تک پہنچ جائے، ظاہر مذہب پر، اور عورت کے آگے کے راستہ میں پانی یا تیل وغیرہ کا ڈالنا بالاجماع مفسد صوم ہے، اس لئے کہ وہ حقنہ کی طرح ہے)۔

نیز یہ وضاحت بھی مذکور ہے:

''أنه لو بقی فی قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا'' (ردالمحتار ۲/۳۷۲)۔

(اگر وہ پانی یا تیل وغیرہ ذکر کی نالی میں ہی رہ گیا تو بالاتفاق مفسد نہیں)۔

☆☆☆

عصر حاضر میں مفطرات صوم کی بعض صورتیں

مولانا محمد اعظم ندوی[1]

روزہ دراصل کھانے، پینے اور عمل زوجیت کے فطری تقاضوں پر کنٹرول رکھنے کا نام ہے، روزہ بڑی جواں مردی اور رجولت چاہتا ہے، صرف بھوک اور گرسنگی سے روزہ مکمل نہیں ہوجاتا، ڈاکٹر مصطفی سباعی نے لکھا ہے:

''الصيام رجولة مستعلنة وإرادة مستعليه'' (احکام الصیام وفلسفیہ) یعنی روزہ کھلی ہوئی مردانگی اور مضبوط ارادہ سے عبارت ہے۔

روزہ چھوٹی بڑی چیز کے اندر چلے جانے یا باہر نکل آنے سے نہیں ٹوٹ جاتا بلکہ اس کا ضابطہ ہے، عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (مجمع الزوائد للهيثمی)۔

یعنی روزہ کسی چیز کے اندر داخل ہونے کی وجہ سے ٹوٹتا ہے، باہر کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

''الفطر مما دخل وليس مما خرج والوضوء مما خرج وليس مما دخل'' (المحلى بالآثار ۲/۲۵۰)۔

روزہ کسی چیز کے اندر داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، باہر آنے سے نہیں، اسی طرح وضو کسی چیز کے باہر نکلنے سے ٹوٹتا ہے اندر داخل ہونے سے نہیں (یہ ایک اساسی قاعدہ ہے، لیکن بعض جزئیات اس سے مستثنی ہیں، جیسے احناف کے یہاں قے کی بعض شکلیں مفسد صوم ہیں، اسی طرح خروج حیض وغیرہ بھی اس سے مستثنی ہیں)۔

اس قاعدہ میں اتنا اضافہ اور ضروری ہے کہ جب کوئی غذا یا دوا معدہ میں فطری راستے سے پہنچے تو روزہ فاسد ہوگا، ورنہ نہیں (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ ۴/۱۰۰)۔

۱-وہ دوائیں جو زبان کے نیچے رکھی جائیں:

صرف دوا کے منہ میں رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ دوا یا غذا کا جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچنا روزہ کے فساد کا باعث ہوتا ہے (دیکھئے بدائع الصنائع: ۲/۲۴۳)۔

چنانچہ اگر زبان کے اوپر اسپرٹ کی شکل میں دوا رکھی جائے اور لعاب باہر پھینک دیا جائے یا زبان کے نیچے دوا رکھی جائے اور لعاب کو نگلنے سے بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مشہور حنفی عالم عالم بن علاء اندرپتی تحریر فرماتے ہیں:

''وإذا أوجر (جعل الدواء فی فمه) فما دام في فمه لا يفسد صومه فإذا وصل إلى الجوف يفسد صومه'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۳۶۵)۔

(اگر کسی نے منہ میں دوا رکھی تو جب تک دوا منہ میں ہے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر جوف تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

ہاں شدید ضرورت کے بغیر منہ میں دوا رکھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ لعاب کو اندر جانے سے بچانا بہت مشکل کام ہے، اسی لئے فقہاء نے مضغ العلک (گوند چبانے) کو مکروہ قرار دیا ہے، اور وہ بھی ایسے گوند کو چبانے کی اجازت مع الکراہت دی ہے جو سفید ہوتا ہے، اور جڑا ہوا ہوتا ہے، سیاہ گوند جس کے اجزاء تحلیل ہوتے ہیں اس کا منہ میں رکھنا بھی درست نہیں چونکہ اس کے اجزاء عادۃً معدہ میں پہنچ جاتے ہیں (دیکھئے: ردالمحتار ۶/۳۳۱، الروض المربع للبہوتی: ۱۶۳)۔

[1] جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''فإذا فرض فی بعض العلك معرفة الوصول منه عادة وجب الحكم فيه بالفساد لأنه كالمتيقن'' (مرقاة المفاتيح ۴/۵۱۴)۔

(اگر کسی گوند کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ عام طور سے اس کے اجزاء معدہ میں پہنچ جاتے ہیں تو فساد کا حکم لگایا جائے گا، چونکہ گویا اس کا پہنچ جانا یقینی ہے)۔

علامہ شامی نے بھی یہی بات لکھی ہے:

''فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن'' (ردالمحتار ۶/۲۳۱)۔

اسی احتیاط کے پیش نظر حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں: ''لا يمضغ العلك الصائم'' (روزہ دار گوند نہ چبائے) (السنن الکبری للبیہقی ۶/۳۲۷)۔

تمام فقہاء نے بلا عذر کسی چیز کے چکھنے یا چبانے کو مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی معقول عذر ہو تو ایسا کرنا جائز ہوگا، علامہ حصکفی فرماتے ہیں: ''وكره له ذوق شئ بلا عذر'' (درمختار: ۶/۳۲۹)۔ (بلا عذر کسی چیز کو چکھنا یا چبانا مکروہ ہے)، مثلاً کسی کا شوہر یا آقا بدخلق ہو تو اس کے لئے پکاتے وقت کھانے کو چکھ لینا جائز ہوگا، یا بچہ کو کوئی چیز چبا کر کھلانا ہو اور کوئی بے روزہ دار اس کام کے لئے میسر نہ آئے تو اس کا چبانا بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔ بلا عذر منہ میں نسوار (تمبا کو پیس کر ایک دوا بنائی جاتی ہے) یا کسی اور دوا کے رکھنے سے یا منجن ملنے سے روزہ کو ہندو پاک کے حضرات ارباب فتاوی نے مکروہ قرار دیا ہے، اور عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے (دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/۱۳۲، احسن الفتاوی ۴/۴۳۷)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

''پس معلوم شد کہ نسوار در دہان دادن بدون آنکہ در حلق داخل شود مکروہ است وبعذر جائز است'' (فتاوی دار العلوم ۶/۴۰۶)۔

اس لئے اگر دوا ایسی ہو کہ مریض روزہ میں اسے صرف چکھتا ہو یا زبان پر رکھتا ہو لیکن وہ اسپرٹ کی طرح اڑ جاتی ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح زبان کے نیچے رکھتا ہو اور عامۃً اس کے اجزاء یا لعاب حلق کے اندر نہیں جاتے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر دوا یا اس کے اجزاء لعاب میں مل کر حلق کے اندر چلے گئے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا، اہلیلج (جسے اردو میں ہڑ یا ہلیلہ کہتے ہیں اور وہ بھی علاج ومعالجہ کے کام میں آتی ہے) کے بارے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اسے نگل جائے تو قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہے، امام کرخی فرماتے ہیں:

''وهذا أقيس عندي لأنه يتداوى بها على هذه الصفة'' (بدائع الصنائع ۲/۱۵۰)۔

میرے نزدیک یہی موقف قیاس کے مطابق ہے، اسلئے کہ ہلیلہ سے اسی طرح علاج کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی نے صرف ہلیلہ کو چوسا ہو اور پانی حلق میں چلا گیا ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''ولو مص إهليلجة فدخل الماء حلقه قال: لا يفسد صومه، ذكره في الفتاوى'' (بدائع الصنائع ۲/۱۵۰)۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صرف چوسنے سے گنے کی طرح کوئی شیرہ نہیں نکلتا ہے، ورنہ قاعدہ کے اعتبار سے روزہ ٹوٹ جاتا، اس کے برخلاف اگر کسی نے جان بوجھ کر روزہ کی حالت میں گنا چوس لیا اور پانی حلق میں چلا گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔

اس بے بساط کے خیال میں دوا بھی اگر لعاب کے برابر ہو یا اس پر غالب ہو اور وہ معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔

۲- روزہ میں انہیلر کا استعمال:

انہیلنگ (Inhaling) یا انہیلیشن (Inhalation) کے معنی ہی سانس اندر کی طرف کھینچنے اور کش لگانے کے ہیں، گویا انہیلر (Inhaler) ایسے آلہ کو کہتے ہیں جو سانس لینے میں معاون ہو، آکسفورڈ ڈکشنری میں درج ہے:

Inhaler: a small device containing medicine that you breath in through your mouth,

used by people who have problems with
h t e
.(Oxford advanced learners dictionary 7th edition)

(دوا پر مشتمل ایک چھوٹا سا آلہ جس کے ذریعہ منہ کے راستہ سے آپ سانس لیتے ہیں، اس کو تنفس کے مریض استعمال کرتے ہیں)۔

دمہ (Asthma) یا تنفس کے مرض میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے، اس سے چونکہ سفوف کی شکل میں دوا اندر جاتی ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی تائید علامہ حصکفیؒ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر'' (درمختار ۶/۲۶۱)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دھواں اپنے حلق میں داخل کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، علامہ شامی نے اس مسئلے کے ذیل میں بڑی باریک بینی سے دھواں اور خوشبو کے فرق کو واضح کیا ہے کہ خوشبو محض ہوا ہے اور دھواں جوہر ہے اس لئے خوشبو سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن دھواں اگر قصداً داخل کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، دوا تو بدرجہ اولی جوہر ہے اس سے روزہ کے فاسد ہونے میں کیا شک ہے۔

''اٹلوس'' ایک دوا ہے جسے ناک میں لگا کر سونگھا جاتا ہے اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے، فتاوی دار العلوم میں اسے مفسد صوم قرار دیا گیا ہے (فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۱۸)۔

صرف اس وجہ سے کہ دوا کے اجزاء پھیپھڑے میں جاتے ہیں معدہ میں نہیں مسئلہ کی نوعیت میں فرق نہیں آئے گا چونکہ روزہ ہر ایسی چیز کے منافذ اصلیہ سے داخل ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے جس سے بدن کو فائدہ پہنچ رہا ہو، شامی میں ہے:

''وحاصله أن الإفساد منوط بما إذا كان بفعله أو فيه صلاح بدنه'' (ردالمحتار ۶/۲۶۶)۔

(حاصل کلام یہ کہ روزہ کا ٹوٹنا اس بات پر منحصر ہے کہ کوئی چیز اس نے خود سے داخل کی ہے یعنی اس کا عمل پایا گیا ہو یا اس سے صلاح بدن وابستہ ہو)۔

اگر انہیلر کے بغیر کوئی شخص روزہ نہ رکھ پاتا ہو اور سانس لینے میں سخت دشواری کا سامنا ہو جو موجب ہلاکت ہو سکتا ہو تو روزہ چھوڑنا جائز ہوگا اور اگر صحت کی امید نہ ہو تو اس کے بدلہ میں فدیہ دینا چاہئے۔

لیکن روزہ میں انہیلر کے استعمال سے قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہونا چاہئے، چونکہ معنوی طور پر تو حلق کے اندر ایک روزہ کو توڑنے والی چیز گئی ہے لیکن صورۃً کوئی چیز نہیں گئی، اور کفارہ صورۃً اور معنیً کسی مفطر چیز کے اندر پہنچنے سے واجب ہوتا ہے (دیکھئے: مراقی الفلاح شرح نور الایضاح/ ۶۷۲)۔

۳- بھاپ کے ذریعہ دواؤں کا اندر لے جانا:

بھپارہ کے ذریعہ دواؤں کا اندر لے جانا روزہ میں درست نہیں ہوگا، اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ قدیم طریقہ پر بھپارہ لیا جائے یا جدید مشینی طریقہ پر، چونکہ مشین تو محض ایک وسیلہ ہے، جو چیز روزہ دار اپنے حلق میں لے جا رہا ہے وہ تو بھاپ یا دھواں ہے جو مفسد صوم ہے، علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

''من تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز من إدخال المفطر جوفه و دماغه'' (مراقی الفلاح/ص ۶۶۰، ردالمحتار ۶/۲۶۱)۔

(جس نے لوبان وغیرہ کی دھونی دی اور اپنے قریب رکھ کر اس کے دھوئیں کو اوپر کی طرف چڑھایا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ ایک مفطر صوم چیز کو جوف یا دماغ میں داخل کرنے سے بچنا ممکن تھا)۔

اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے مالکی فقیہ شیخ محمد علیش مالکیؒ نے لکھا ہے:

''متى وصل دخان البخور أو بخار القدر للحلق وجب القضاء أي لأن دخان البخور و بخار القدر كل منهما جسم يتكيف به الدماغ ويتقوى به أي تحصل له قوة كالتي تحصل من الأكل'' (حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للدردير ۱/۵۱۸)۔

(جب دھونی وغیرہ کا دھواں یا دیگچی کا بھاپ حلق میں پہنچ جائے تو قضا واجب ہوجائے گی، اس لئے کہ دھوئیں اور بھاپ کا ایک جسم ہوتا ہے جس سے دماغ اثر قبول کرتا ہے اور طاقت پاتا ہے یعنی ایسی قوت اس سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ کھانے سے حاصل ہوتی ہے)۔

۴- روزہ میں انجکشن لگوانا:

روزہ کے فاسد ہونے کا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اصلی منافذ سے معدہ میں پہنچی ہو، اگر رگوں کے مسامات سے کوئی شئ معدہ میں پہنچے تو مفسد صوم نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۵۰)، اور انجکشن کے ذریعہ دوا کا اثر مسامات کے ذریعہ ہی معدہ تک پہنچتا ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ایسے انجکشن جو غذائی فائدہ بھی پہنچاتے ہوں اور ان سے بدن کو کچھ توانائی پہنچانا بھی مقصود ہو ان کا بھی روزہ میں لگوانا جائز ہوگا، علامہ شرنبلالیؒ کی اس عبارت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''ولو وضع في عينه لبنا أو دواء مع الدهن (الأولى مع الكحل) فوجد طعمه فى حلقه لا يفسد صومه إذ لا عبرة بما يكون من المسام'' (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوى/ص ۶۵۹)۔

(اور اگر اپنی آنکھ میں دودھ یا تیل (بلکہ سرمہ) کے ساتھ دوا بھی رکھی اور حلق میں اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ مسامات سے داخل ہونے والی چیز کا کوئی اعتبار نہیں)، لیکن چونکہ روزہ کا اصل مقصد قوت بہیمیہ کو گھٹانا ہے، اس لئے اگر اس سے یہ قوت بڑھ رہی ہے تو یہ عمل مکروہ ہوگا (ارکان اربعہ/ص ۲۳۳ بحوالہ إحیاء العلوم وزاد المعاد)۔

وہ انجکشن جو جسم کے کسی اور حصہ کے بجائے بلا واسطہ پیٹ میں دیا جائے جیسے ہڑک کے مرض میں دیا جاتا ہے، تو چونکہ اس سے دوا جوف معدہ میں پہنچ جاتی ہے، اگرچہ منفذ اصلی سے نہیں پہنچتی لیکن ترشح کے ساتھ نہیں بلکہ مکمل طور پر پہنچتی ہے اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ جائفہ (وہ زخم جس کا اثر جوف کے اندر تک پہنچا ہوا ہو) اور آمہ (جس زخم کا اثر دماغ تک پہنچا ہوا ہو) (مراقی الفلاح/ص ۶۷۲) کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں اگر خشک دوا ڈالی جائے تو مفسد صوم نہیں، اس لئے کہ یہ جوف یا دماغ تک نہیں پہنچتی، ہاں اگر بالیقین معلوم ہوجائے کہ پہنچ گئی ہے تو اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر تر دوا ڈالی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:

''أن الدواء إذا كان رطبا فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ إلى الجوف فينبني الحكم على الظاهر'' (بدائع الصنائع ۲/۱۵۰، مراقی الفلاح/ص ۶۷۲)۔

(دوا جب تر ہوگی تو پہنچنا ظاہر ہے چونکہ جوف تک منفذ ہے چنانچہ حکم کا مدار ظاہر پر ہوگا)۔

چنانچہ اگر دوا کے اثر کے ساتھ خود دوا بھی جوف یا دماغ میں پہنچ جائے تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس وقت منفذ اصلی اور غیر اصلی میں فرق نہیں رہ جائے گا، عالم بن علاءؒ فرماتے ہیں:

''والمخارق المعتادة وغيرها سواء عند أبي حنيفة فيما يصل إلى الجوف والدماغ في الفساد'' (تاتارخانیہ ۲/۳۶۷)

، چنانچہ اگر ایسی شکل پائی جائے تو دوا (Drug) کو براہ راست کھانے اور سرنج (Syringe) کے ذریعہ سے اندر داخل کرنے (Inject) میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ شیخ اسعد صاغرجی نے جائفہ اور آمہ کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وعليه فالإبر العضلية لا تفطر الصائم'' (الفقہ الحنفی وادلتہ/ص ۳۷۸، فقہ العبادات) (اس بنیاد پر پٹھوں اور گوشت میں دیئے جانے والے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

صاغرجی نے رگوں میں دیئے جانے والے انجکشن کو مفسد صوم قرار دیا ہے، کہتے ہیں: ''والإبر في العرق تفطر الصائم عنده لوصول الدواء إلى الداخل يقينا'' (الفقہ الحنفی /ص ۳۷۸)، لیکن یہ قیاس درست نہیں معلوم ہوتا چونکہ مذکورہ زخموں میں جوف بن جاتا ہے اور رگوں میں جوف نہیں بنتا اس لئے دوا کا ان سے معدہ میں پہنچنا یقینی نہیں، ہاں اگر پیٹ پر ہی دیا جائے جیسے کتے کے کاٹے کا انجکشن تو چونکہ ڈائرکٹ دوا اندر پہنچائی جاتی ہے اس لئے مفسد صوم ہوگا۔

عام انجکشن کے سلسلہ میں ہندوستان کے بیشتر فقہاء کا نقطہ نظر عدم فساد کا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: کفایت المفتی ۴/ ۲۳۹، ۲۴۰، فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۰۹، فتاوی

محمودیہ ۳/ ۱۶۷، فتاوی رحیمیہ ۲ /۳۸، نظام الفتاوی/ص ۱۳۳ مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وغیرہ)۔

اس مسئلہ کو ختم کرتے ہوئے اس سلسلہ میں پاکستان کے عالم دین مولانا گل حسن صاحب کا ایک دلچسپ استدلال ملاحظہ فرمائیں:

''ما يدل على أن إبرة الأطباء (الدكتور) في نحو العضد والألية غير مفسد للصوم. ونقيسه على لدغ العقرب وعليه الفتوى في زماننا'' (على ہامش رد المحتار ۲/۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

''مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ نہیں، اس لئے اس تک کسی چیز کا پہنچنا مفسد صوم نہیں''، اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(اس سے اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ بازو یا کولہے وغیرہ میں دی جانے والی ڈاکٹروں کی سوئی بھی مفسد صوم نہیں اور ہم اسے بچھو کے ڈنک مارنے پر قیاس کرتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں اسی پر فتوی ہے)۔

۵- روزہ میں گلوکوز چڑھوانا:

روزہ میں گلوکوز چڑھوانے کا حکم بھی وہی ہوگا جو انجکشن کا ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر کیا گیا نظیر کے طور پر ہم ایک دو عبارتیں پیش کر سکتے ہیں:

''وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا في شرح المجمع'' (فتاوى ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

(بدن کے مسامات سے جو تیل داخل ہو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا شرح المجمع میں اسی طرح مذکور ہے)۔

فقہ شافعیؒ کی مشہور کتاب ''متن أبی شجاع'' کی شرح کے حاشیہ پر مذکور ہے:

''فلا يضر وصول الكحل من العين أو الدهن أو ماء الاغتسال وإن وجد له أثرًا باطنًا بتشرب المسام (وهي ثقب الجسد). لأن ذلك ليس من منفذ مفتوح انفتاحا ظاهرا محسوسا، لأن انفتاح المسام لا يحس'' (حاشية الشيخ البيجوري ۱/۳۲۲)۔

ان عبارتوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ گلوکوز چڑھوانا مفسد صوم نہیں، لیکن انجکشن لگوانے، گلوکوز اور خون وغیرہ چڑھوانے میں احتیاط یہی ہے کہ انہیں مغرب تک مؤخر کیا جائے تا کہ روزہ عزیمت کے ساتھ مکمل ہو، صاغرجی لکھتے ہیں:

''والإحتياط في تأخيرها إلى وقت الإفطار مراعاة للخلاف'' (الفقه الحنفي: ۳۲۸)۔

۶- پیچھے کے راستہ سے دوائیں اندر پہنچانا:

پیچھے کے راستہ سے جو سیال یا غیر سیال دوائیں اندر داخل کی جاتی ہیں وہ چونکہ معدہ میں داخل ہوتی ہیں، اس لئے ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا، قدیم کتب فقہ میں علاج کی اسی صورت کو ''حقنہ'' (لسان العرب مادہ: ح ق ن) کہا گیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، صرف قضاء واجب ہوتی ہے، کفارہ نہیں، علامہ عالم بن علاءؒ لکھتے ہیں:

''وإذا احتقن يفسد صومه'' (تاتارخانیہ ۲/۳۶۵) (اور جب حقنہ لگوائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

مشہور حنفی فقیہ امام قاضی خاںؒ فرماتے ہیں:

''والحقنة توجب القضاء... لأنه وصل إلى الجوف ما فيه صلاح البدن'' (فتاوى قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/۲۱۰)۔

(حقنہ قضاء کو واجب کرتا ہے...... چونکہ جوف میں ایسی چیز پہنچ گئی ہے جس سے بدن کو فائدہ ہے)۔ چنانچہ پیچھے کے راستہ سے سیال یا غیر سیال دوا کا اندر پہنچانا مفطر صوم ہے، چونکہ دوا کا جسم اندر پہنچتا ہے، غیر سیال دواؤں کے بارے میں اگر یہ یقین ہو کہ وہ کنارے ہی ہے تو اس کا حکم بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کی طرح ہوگا جو آگے آرہا ہے۔

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر جو مرہم لگایا جاتا ہے وہ اگر اس جگہ تک نہیں پہنچتا جہاں سے وہ خود بخود اندر چلا جاتا ہے یا معدہ اسے جذب کر لیتا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، علامہ شرنبلالیؒ نے تیل یا پانی سے تر انگلی کو پیچھے کے راستہ سے اندر داخل کرنے کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

''والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة'' (مراق الفلاح/ص۶۷۶)

(وہ جگہ جہاں تک پہنچنے سے فساد صوم متعلق ہے وہ موضع حقنہ ہے، اگر وہاں تک دوا نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)، قدر المحقنة کی تشریح شامی میں ان الفاظ میں ہے: ''والمراد الموضع الذی ینصب منه الدواء إلى الأمعاء'' (ردالمحتار ۶/۳۶۸)(وہ جگہ مراد ہے جہاں سے دوا آنتوں میں بہہ کر چلی جائے)۔

علامہ حصکفیؒ نے بڑی صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

''ولو بالغ في الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (درمختار ۶/۳۶۸)۔

(کہ اگر استنجاء خوب اندر تک پہنچادے (مبالغہ کرے) اور موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

بواسیری مسے چونکہ دبر کے بالکل اندرونی حصوں میں نہیں ہوتے اس لئے ان پر مرہم لگایا جائے یا نہیں پانی سے تر کیا جائے تو معدہ سے دور ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اس سوال کا تیسرا جزان آلات سے متعلق ہے جو امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستہ سے اندر داخل کئے جائیں، یہ دراصل ایک قسم کا آپریشن ہے جس میں انڈوسکوپ (Endoscope) نامی ایک آلہ کے ذریعہ جسم انسانی کے اندرون کو دیکھا جاسکتا ہے اور اس طریقہ تحقیق کو انڈوسکوپی (Endoscopy) کہتے ہیں۔

اس طریقہ تحقیق میں چونکہ ایک پتلا پائپ اندر داخل کیا جاتا ہے (غالب گمان یہ ہے کہ اس کا ایک کنارہ باہر رہتا ہوگا، اور حکم اسی اعتبار سے لگایا گیا ہے) اور تحقیق کے بعد نکال لیا جاتا ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اندر پوری طرح نہیں چھپتی بلکہ اس کا ایک کنارہ باہر رہتا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''أو أدخل عودا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج، وإن غيبه فسد... ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد'' (درمختار ۶/۳۶۷)۔

(یا لکڑی وغیرہ اپنے مقعد میں اس طرح داخل کی ہو کہ اس کا ایک کنارہ باہر ہو (تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)، اور اگر اسے پوری طرح اندر چھپادے تو فاسد ہو جائے گا۔ اس کا مستفاد یہ ہے کہ داخل ہونے والی شی کا جوف میں استقرار روزہ کے فاسد ہونے کے لئے شرط ہے ''استقرار'' سے مراد پوری طرح اندر چھپ جانا ہے)۔

چنانچہ انڈوسکوپی سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن ایسی نلکی جس کے ذریعہ دوا پہنچائی جائے اس کا حکم الگ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

۷-مرد وعورت کے جسم میں نلکی پہنچانا:

مرد کے جسم میں آگے کے راستہ سے دوا کے ساتھ نلکی پہنچائی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، چونکہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ نہیں ہوتا، مشہور حنفیہ فقیہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

''ليس بين باطن الذكر والجوف منفذ'' (البحر الرائق ۲/۲۷۸) (آلہ تناسل کے اندرونی حصہ اور مثانہ کے درمیان منفذ نہیں ہوتا)، اور اسی لئے جو چیز اس راہ سے اندر ڈالی جاتی ہے وہ معدہ تک نہیں پہنچتی، علامہ حصکفیؒ نے بڑی وضاحت کے ساتھ رقم فرمایا ہے:

''أو أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (درمختار ۶/۳۷۴)۔

(یا اپنے پیشاب کے راستہ میں پانی یا تیل ٹپکایا ہو، اگرچہ مثانہ تک پہنچ جائے، مفتی بہ قول کے مطابق (روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

عبدالرحمن جزیریؒ لکھتے ہیں: ''ولا يفسد صومه لو صب ماء أو دهنا في إحليله للتداوي'' (الفقه على المذاهب الأربعة ۱/۲۸۰)

(یعنی اگر پیشاب کی نالی میں پانی یا تیل علاج کے لئے ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو اگر دواؤں کے بغیر امراض کی تحقیق کے لئے آلات رحم تک پہنچائے جائیں یا نلکی مثانہ تک پہنچائی جائے تو اس کا حکم انڈوسکوپی کے مسئلہ کا سا ہوگا کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر نلکی دوا کے ساتھ مثانہ تک پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اسی طرح اگر خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوائیں رکھی جائیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ فرج خارج میں رکھی گئی ہیں یا فرج داخل میں، اگر فرج خارج میں دوا رکھی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر فرج داخل میں رکھی جائیں تو فاسد ہوگا۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: ''وأما في قبلها فمفسد إجماعا'' (درمختار ۲/ ۲۷۴) (عورت اگر اپنی اندرونی شرمگاہ میں پانی یا تیل وغیرہ ڈالے تو بالاجماع روزہ فاسد ہوجائے گا)، فقہاء ذکر کرتے ہیں کہ اگر مرد اپنے دبر میں یا عورت اپنے فرج داخل میں روئی، لکڑی یا پتھر وغیرہ داخل کرے اور اسے بالکل اندر لے جائے اور اس طرح چھپا دے کہ باہر اس کا کچھ بھی حصہ باقی نہ رہے تو روزہ فاسد ہوگا، اسی طرح یہ دونوں اپنے انہیں مذکورہ مقامات میں پانی، تیل یا دوا وغیرہ سے تر انگلی داخل کریں تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا (دیکھئے: مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی/ص ۲۷۷)۔

علامہ شامیؒ نے مرد و عورت کے اس نوعیت کے مسائل کے لئے بڑا مفید اصول ذکر کیا ہے:

''قلت: الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف، إلا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه... وهذا بخلاف قصبة الذكر فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما، وعلى قول أبي يوسف وإن كان لها منفذ إلى الجوف إلا أن المنفذ الآخر المتصل بالقصبة منطبق لا ينفتح إلا عند خروج البول، فلم يعط للقصبة حكم الجوف'' (ردالمحتار ۲/۲۷۵)۔

(میں کہتا ہوں: اقرب ہے کہ اس مسئلہ میں خلاصہ کلام صرف اس قدر ہے: دبر اور فرج داخل جوف کے ہی حصے ہیں، اس لئے کہ جوف اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ (فاصل) نہیں، گویا دونوں جوف ہی کے حکم میں ہیں، برخلاف عضو خاص کی نالی کے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ ہی نہیں، امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اگر چہ جوف تک اس کا منفذ ہے لیکن منفذ کا وہ آخری حصہ جو نالی سے ملا ہوا ہے بند ہے، صرف پیشاب نکلنے کے وقت کھلتا ہے تو عضو خاص کی نالی کو ان کے نزدیک بھی جوف کا حکم نہیں دیا جائے گا)۔

چنانچہ عورت کے مثانہ تک دوا کے ساتھ نلکی پہنچانا، یا شرمگاہ میں سیال یا جامد دوائیں رکھنا مذکورہ تفصیلات کی رو سے مفسد صوم ہوگا، جس سے صرف قضا واجب ہوگی، تاہم آلات وغیرہ کی جب تک صحیح کیفیت معلوم نہ ہو کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی بعض جدید قسموں کا حکم

مفتی تنظیم عالم قاسمی[1]

فسادصوم کے لئے دو چیزوں کا ہونا شرط ہے:

۱- جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا۔

۲- راست طریقہ پر پہنچنا۔

دونوں کے بارے میں بالترتیب گفتگو کی جائے گی تاکہ حل مسائل میں آسانی ہو۔

جوف دماغ کو مفسد صوم کہنے کی دو وجہ ہو سکتی ہے: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انسانی بدن کو قوت بخشنے میں جس طرح معدہ کا دخل ہے اسی طرح دماغ بھی بدن کو قوت فراہم کرتا ہے، اگر دماغ تروتازہ نہ رہے تو بدن کی ساری قوت کے باوجود انسان کسی کام کا اہل نہیں رہتا، سائنس سے بھی ثابت ہے کہ بدن کی تمام رگیں دماغ سے ملتی ہیں اور دماغ پورے بدن کو قوت فراہم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی شراب پینے کے بعد جب مست ہو جاتا ہے تو دماغ وقتی طور پر اپنا کام چھوڑ دیتا ہے، اس وقت وہ بدن کی ساری توانائی کے باوجود چلنے پھرنے سے معذور رہتا ہے، گویا معدہ دانہ پانی ہضم کر کے خون تیار کرتا ہے اور دماغ اس خون سے بننے والی طاقت پر کنٹرول رکھتا ہے، اس لئے معدہ کو طاقت پہنچانا جس طرح مفسد صوم ہے ایسے ہی جوف دماغ میں بھی براہ راست طور پر کسی چیز کا پہنچانا مفسد قرار دیا گیا ہے۔ آج تک کسی فقیہ نے اس میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

''والدماغ جوف کما قرروا والواصل إلیه یغذیه فیفطره کجوف البدن'' (المغنی ۳/۳۷)۔

فقہاء کرام نے دماغ کو جوف کہنے کی یہ وجہ بھی بتائی ہے کہ بدن میں معدہ جس طرح غذا اور دوا کو تحلیل کرتا ہے اسی طرح دماغ بھی دوا تحلیل کرتا ہے، دماغ میں فطری طور پر وہ صلاحیت ہے کہ دوا کا اثر قبول کرے اور پورے بدن میں اس کے اثرات کو منتقل کرے۔

''والجوف هو الباطن سواء أکان مما یحیل الغذاء أو الدواء ای یغیرہما کالبطن والأمعاء أم کان مما یحیل الدواء فقط کباطن الرأس أو الأذن أم کان شیئا کباطن الحقل'' (الموسوعة الفقهیه ۲۸/۳۰)۔

اس عبارت میں جوف کے معنیٰ میں وسعت دیتے ہوئے معدہ اور دماغ کے ساتھ کان اور حلق کو بھی جوف قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کان کے اندرونی حصہ اور حلق تک کسی دوا یا کسی بھی چیز کے ایصال کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے۔

جوف دماغ میں کسی بھی چیز کے پہنچانے کو مفسد قرار دینے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دماغ میں جو کچھ بھی پہنچتا ہے وہاں قرار نہیں پاتا بلکہ ڈھلک کر معدہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اسے تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا گیا ہے، سائنسداں کی یہ کوئی نئی تحقیق نہیں ہے کہ دماغ میں کوئی ایسا مجوف نہیں ہے جس میں کوئی چیز جا کر ٹھہرے اور قرار پذیر ہو، یہ پرانی بات ہے، فقہاء کرام کی نظر اور تحقیق میں پہلے سے یہ بات تھی اس کے باوجود صرف اس لئے اس کو فساد کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کے واسطے سے معدہ تک کوئی بھی چیز پہنچ جاتی ہے (دیکھئے: شامی ۲/۷۱۶، جواہر الفقہ ۵/۱۵۵)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے حقنہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد صوم قرار دیا ہے، ہر وہ جگہ جہاں سے معدہ یا دماغ میں بذریعہ منفذ دوا، پانی وغیرہ پہنچتا ہوا سے تبعاً مفسد قرار دیا جائے گا بشرطیکہ معدہ یا دماغ تک منفذ ثابت ہو، جیسے عورت کی شرمگاہ میں دوا ڈالنا مفسد ہے، ناک میں دوا ڈالنا مفسد ہے اس طرح کہ دوا خیشوم سے آگے بڑھ کر دماغ تک پہنچ جائے، یا آمہ اور جائفہ میں دوا کا ڈالنا وغیرہ (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

فسادصوم کے لئے دوسری شرط یہ بھی ہے کہ دوا وغیرہ منفذ کے راستے سے پہنچائی جائے، اگر منفذ کے بغیر کسی سائنسی اور کیمیاوی طریقے سے کوئی چیز جوف دماغ

[1] دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

یا جوف معدہ میں داخل کیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیمیاوی سے مراد رگوں اور مسامات کے ذریعہ دوا پہنچانا ہے، ٹھنڈے پانی کے استعمال کو کسی نے مفسد نہیں کہا ہے حالانکہ اس کا اثر یعنی ٹھنڈک جسم کو محسوس ہوتی ہے، اسی طرح سر میں تیل ڈالنا بھی مفسد نہیں ہے جب کہ دماغ میں اس سے تازگی محسوس ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے منافذ اور مخارق اصلیہ سے پہنچنا ضروری ہے، اگر منفذ کا استعمال نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے انجکشن کے ذریعہ دوا یا گلوکوز وغیرہ کا چڑھانا، انجکشن کے ذریعہ بلاشبہ دوا یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہنچ جاتا ہے مگر یہ پہنچنا منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں ہے بلکہ رگوں اور شریانوں سے ہوتا ہے اس لئے انجکشن کو مفسد صوم قرار نہیں دیا گیا ہے، خواہ انجکشن سے دوا یا خون چڑھایا جائے یا گلوکوز چڑھایا جائے ان تمام کا ایک ہی حکم ہے۔ بعض فقہاء نے انجکشن کے ذریعہ روزہ نہ ٹوٹنے کی نظیر یہ بیان کی ہے کہ سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے زہر معدہ اور دماغ سمیت پورے بدن میں پہنچتا ہے، اور بسا اوقات بدن پھول بھی جاتا ہے مگر اسے کسی نے بھی فساد صوم کا سبب قرار نہیں دیا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ رگوں میں زہر پہنچتا ہے اور رگوں سے پورے بدن میں پھیلتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی انجکشن ایسا ہو جو پیٹ میں براہ راست پہنچایا جائے جیسے کتے کے کاٹنے پر آج کل لگایا جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا (جواہر الفقہ ۵/۱۵۷)۔

مذکورہ اصولی بحث کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوالنامہ میں دیئے گئے تمام جزئیات کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے۔

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اس کے اجزاء کو اگر نگلنے سے بچا جائے تو روزہ کا کیا حکم ہے؟

روزہ ٹوٹنے کی علت جوف دماغ یا جوف معدہ میں کسی چیز کا پہنچنا ہے، اگر زبان پر رکھی ہوئی دوا پگھلنے والی نہ ہو اور اس دوا کا کوئی جز حلق کے اندر نہ جائے بلکہ محض زبان پر قدرتی طور پر پھیلے ہوئے پٹھوں اور رگوں کے ذریعہ بدن میں اس کا اثر پہنچتا ہو تو راقم کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور چوں کہ یہ ضرورت کی بنیاد پر ہے اسلئے ایسا کرنا درست ہوگا اگر چہ خلاف اولیٰ ہے، جیسے شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے عورتوں کے لئے روزہ کی حالت میں سالن چکھنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس کے اجزاء یا سالن ملا ہوا لعاب نگلنے سے مکمل بچا جائے ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا، چکھنے میں پٹھوں اور زبان کی رگوں کے ذریعہ کیفیت معلوم کی جاتی ہے، ویسے یہاں بھی زبان پر دوا رکھنا جائز ہوگا، ''أو ذاق شيئًا بفمه وإن كره لعذر لم يفطر'' (شامی زکریا ۳/۳۷۲)۔

یا اسی طرح دانت سے نکلنے والے خون کو روکنے کے لئے بدرجہ مجبوری منجن کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ منجن کا کوئی حصہ پیٹ میں نہ جائے۔

فتاویٰ دار العلوم میں رد المحتار کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے:

ایسا منجن جو خون کو روکے اور دفع مواد ہو بحالت روزہ جائز ہے، مگر منجن مل کر فوراً منہ دھولے اور کلی کرلے تا کہ اس کا اثر پیٹ میں نہ جائے اور منجن ایسا ہو کہ عادتاً پیٹ میں نہ پہنچتا ہو مگر بچنا اچھا ہے اس لئے کہ کراہت تنزیہی تو بہر حال ہے (۶/۴۰۴)۔

زبان کے نیچے دوا بحالت روزہ رکھنے کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اگر دوا پگھلتی ہو اور اس کا لعاب یا اس کے اجزاء منہ کے اندر یعنی حلق کے نیچے جاتے ہوں تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسے مولانا تھانویؒ نے منہ میں پان لے کر بحالت روزہ سونے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر سوتے وقت منہ میں پان لے کر سوئے اور صبح تک منہ میں رہا تو روزہ جاتا رہے گا، جس کے منہ میں پان نہ پایا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کو نگل گیا ہوگا، اور یہی کہا جائیگا کہ صبح کے بعد نگلا ہے، اور اگر پان سالم بھی پایا گیا تب بھی غالب ہے کہ اس کا عرق حلق میں گیا ہوگا (امداد الفتاویٰ ۱/۱۷۲)۔

زبان کے نیچے دوا رکھنے کو اس پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، اگر دوا منہ میں لے کر سو گیا تو یقیناً اس کے اجزاء منہ سے حلق میں اتریں گے اور روزہ ٹوٹ جائے گا، اور بیداری کی حالت میں لعاب اور اجزاء کے اندر جانے سے پرہیز کرنے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر دوا پگھلنے والی نہ ہو اور اس کے اجزاء بھی علحدہ نہ ہوتے ہوں تو بدرجہ اولیٰ روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۲- جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہو ان کے لئے انہیلر کے ذریعہ دوا پھیپھڑے تک پہنچانا درست یا نہیں؟

تنفس کے مریضوں کو انہیلر کے ذریعہ یہ دوا جو سفوف کی شکل میں ہوتی ہے اگر چہ پھیپھڑے تک ہی پہنچائی جاتی ہے، معدہ تک اس کا کوئی حصہ نہیں جاتا،

لیکن اس کا گزر حلق کے راستے سے ہوتا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا، چونکہ فقہاء نے حلق کو جوف کے درجے میں مانا ہے اور حلق کے نیچے جانے والی تمام چیزوں کو مفسد قرار دیا ہے۔

''قال النووی: جعلوا الحلق کالجوف فی بطلان الصوم بوصول الواصل إلیه وقال الإمام إذا جاوز الشیء الحلقوم أفطر'' (الموسوعة الفقهیه ۲۸/۳۰)۔

جیسے عمداً کسی شخص نے دھواں حلق تک پہنچایا تو اس کا روزہ جاتا رہا یا ہانڈی وغیرہ کا بھاپ حلق تک جان بوجھ کر پہنچایا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ ظاہر ہے کہ دھواں یا بھاپ میں معدہ تک کوئی حصہ نہیں پہنچتا ہے اور اس کی کسی نے شرط بھی نہیں لگائی ہے محض حلق تک پہنچانا مفسد قرار دیا گیا ہے، اس پر انہیلر کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچانے والی دوا کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

۳-بعض مشینی طریقوں سے منہ اور ناک کے راستے سے بھاپ اندر کھینچنا:

ہر ایسی چیز جس سے آدمی کا بچنا متعذر ہو جیسے راستے کی گرد و غبار یا اڑتا ہوا دھواں وغیرہ، اس کے از خود اندر چلے جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

'' فإن لم یمکن الاحتراز عنه کالذباب یطیر إلی الحلق وغبار الطریق لم یفطر وھذا استحسان والقیاس الفساد لوصول المفطر إلی جوفه وجه الاستحسان أنه لا یستطاع الاحتراز عنه فأشبه الدخان '' (الموسوعة الفقهیه ۲۸/۳۰)۔

دھواں یا بھاپ جس قبیل سے بھی ہو عمداً اس کو کھینچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا یہاں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا۔

امداد الفتاوٰی میں ہے: اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بغیر نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دھوئیں کے داخل ہونے کا باعث ہو باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہوجائیگا (۱۳۸/۲)۔

فتاوٰی دار العلوم میں رد المحتار کے حوالہ سے بحالت روزہ دوا سونگھنے کو مفسد قرار دیا گیا ہے (۴۱۸/۶)۔

''فمن أدخل بصنعه دخانا حلقه بأیة صورة کان الإدخال فسد صومه سواء أکان دخان عنبر أم عود أم غیرھما حتی من تبخر بعود فآواه إلی نفسه واشتم دخانه ذاکرًا لصومه أفطر لإمکان التحرز من إدخال المفطر جوفه و دماغه'' (شامی زکریا ۳۶۶/۳)۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ دھواں یا بھاپ جس طرح بھی ہو عمداً ادخال مفسد ہے۔

۴-انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا کا بدن کے اندر پہنچانا کیسا ہے؟

فساد روزہ کے لئے شرط ہے کہ منافذ واسعہ اور مخارق اصلیہ کے ذریعہ جوف دماغ یا جوف معدہ میں کوئی چیز پہنچائی جائے، مسامات یا رگوں کے ذریعہ پہنچانے کا اعتبار نہیں جیسے بحالت روزہ بار بار غسل کرنے سے بدن کو ٹھنڈک بلکہ ایک طرح سے قوت ملتی ہے اسی طرح سر میں تیل لگانے سے دماغ کو قوت ملتی ہے مگر کسی نے اسے مفسد نہیں کہا ہے، اس لئے انجکشن بھی مطلقاً مفسد نہیں ہوگا خواہ اس کے ذریعہ دوا کی ضرورت پوری کی جاتی ہو یا غذا کی، اور اس سے طاقت حاصل کی جاتی ہو۔ حضرت مفتی محمد شفیع ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

انجکشن کے متعلق جہاں تک تحقیق کی گئی ہے یہ معلوم ہوا کہ اس میں بذریعہ مسامات دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے اس لئے ناقض روزہ نہیں، ناقض صوم وہ ہے جو بذریعہ کسی منفذ کے اندر پہنچے نہ بذریعہ مسامات (فتاوٰی دار العلوم قدیم ۶۸/۳)۔

ہاں اگر انجکشن کے ذریعہ براہ راست دوا یا غذا جوف معدہ یا دماغ میں پہنچائی جائے اور ماہر ڈاکٹر اس کی تصدیق کریں تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

۵-جسم میں نمکیات کی کمی پورا کرنے اور قوت کے حصول کے لئے گلوکوز چڑھانا:

ٹھنڈے پانی سے بار ہا غسل سے پیاس کم ہوتی ہے یا بھیگے رومال کو سر پر رکھنے سے بھی پیاس کا احساس ہوتا ہے مگر اسے کسی نے مفسد نہیں کہا ہے، کیونکہ منفذ اصلی کے راستہ سے کسی چیز کا جوف معدہ یا دماغ میں پہنچانا ہی مفسد ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، اسی طرح گلوکوز اگر چہ طاقت فراہم کرتا ہے اور بھوک و پیاس

کا احساس اس سے کم ہوتا ہے مگر منفذ نہ ہونے کے سبب مفسد نہیں ہوگا۔

تاہم عمداً ایسا کرنا بہتر نہیں ہے اس لئے کہ روزے کا مقصد ہے نفس پر قابو اور کنٹرول حاصل کرنا، جس کو تقویٰ کہا گیا ہے، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ بھوکے اور پیاسے صبح سے شام تک وقت گزارا جائے، جب انجکشن یا گلوکوز کے ذریعہ طاقت حاصل کر لی گئی تو پھر یہ مقصد حاصل کہاں ہوا، ہاں بیمار، کمزور اور مجبور افراد کے لئے کراہت نہیں ہے یعنی ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔

۶-اس سوال میں ۳/ اجزاء ہیں:

الف- پچھلے راستے سے دوا اندر پہنچانا، ب-بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر دوا لگانا، ج-اندر آلات داخل کرنا۔

الف- دبر کے راستے سے معدہ تک فطری طور پر منفذ موجود ہے اس لئے اس راستے سے دوا کا اندر پہنچانا مفسد صوم ہوگا۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مقعد میں تر انگلی داخل کی تو روزہ ٹوٹ جائیگا جب کہ انگلی حقنہ تک پہنچ جائے، اسی لئے بحالت روزہ استنجاء میں مبالغہ سے منع کیا گیا ہے چوں کہ اندر پانی پہنچنے کا امکان ہے۔

''أو أدخله إصبعه اليابسة فيه اى دبره أو فرجها لايفسد ولو مبتلة فسد ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد وهذا قلما يكون'' (درمختار مع الشامی ۳/۳۶۹)۔

جب تر انگلی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو دوا کا اندر پہنچانا بدرجہ اولیٰ مفسد ہوگا۔

ب- فساد صوم کی علت جوف معدہ میں کسی شئی کا ادخال ہے لہٰذا ایسی جگہ دوا یا پانی کا پہنچانا جہاں سے معدہ جذب کر لیتا ہو سبب فساد صوم ہے۔ بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر دوا لگانا مفسد صوم نہیں ہے کیوں کہ اندر تک دوا نہیں پہنچائی جا رہی ہے تاہم احتیاط بہتر ہے۔ فتاویٰ دار العلوم میں ہے: روزہ اس کا صحیح ہے مگر احتیاط بہتر ہے (حاشیہ میں ہے کہ صورت مسئولہ میں اندر اس حد تک دوا پہنچ جائے یا پانی جہاں سے معدہ اس کو جذب کر لیتا ہے یا وہ خود معدہ میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہو گیا، اور اسی وجہ سے حضرت مفتی علامہ نے احتیاط کو بہتر کہا ہے، اس لئے کہ اس کا لحاظ و خیال ہر شخص کے لئے ممکن نہیں) (۶/۴۱۱)۔

سائل نے بواسیر کے مسوں پر مرہم یا تیل لگانے کے بارے میں سوال کیا ہے کہ وہ مفسد ہے یا نہیں؟

جواب سے ظاہر ہے کہ احتیاط کے ساتھ اجازت دی گئی۔

ج- فقہی کتابوں میں یہ جزئیہ درج ہے کہ اگر کسی نے پیٹ میں لکڑی یا نیزہ وغیرہ داخل کیا تو صحیح قول کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹتا۔

''أو طعن برمح فوصل إلى جوفه أو أدخل عودًا ونحوه فى مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد''۔

نیزہ کا کچھ حصہ باہر رہا یا نیزہ آر پار ہو گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، دوسرا جزئیہ ہے کہ اگر گوشت یا انگور وغیرہ دھاگے سے باندھ کر اندر داخل کیا اور پھر نکال لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''وعلى هذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخيط ثم أخرجه لا يفسد صومه'' (ہندیہ ۱/ ۲۶۰)۔

تیسرا جزئیہ ہے کہ کسی نے کوئی لکڑی پیچھے کی راہ میں داخل کیا اور اس کا کچھ حصہ خارج میں ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''أو أدخل عودا ونحوه فى مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد'' (شامی ۳/ ۳۶۹)۔

مذکورہ تینوں جزئیات پر آلات کے داخل کرنے کو قیاس کیا جا سکتا ہے، آلات کا کچھ حصہ ہاتھ میں ہوتا ہے اور کچھ اندر، لہٰذا خشک آلات کا ادخال سبب فساد نہیں ہوگا، اور اگر آلات میں پانی ہو تو پانی کے اندر جانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائیگا، جیسے تر انگلی مقعد میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۷-اس سوال میں بھی کئی اجزاء ہیں:

الف- عورت یا مرد کے آگے کی راہ سے اشیاء اندر تک پہنچانا، ب-خواتین کی شرمگاہ میں جامد یا سیال دوا کا رکھنا، ج-تحقیق مرض کے لئے آلات رحم تک پہنچانا۔

الف- ذکر میں پانی یا دوا یا تیل وغیرہ ڈالنے کو امام ابوحنیفہ مفسد نہیں کہتے، کیونکہ ان کی تحقیق میں مرد کی پیشاب گاہ سے معدہ تک منفذ نہیں ہے، البتہ امام ابویوسفؒ منفذ ماننے کے سبب مفسد قرار دیتے ہیں۔

''ولو أفطر فى إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة وقال أبويوسف يفطر فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بنيهما حائل والبول يترشح منه'' (ہدایہ ۱/ ۲۲۰)۔

البتہ عورت کی شرمگاہ میں سیال دوا تیل یا پانی ڈالنا مفسد صوم ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

''وفى الاقطار فى إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (عالمگیری ۱۰۴/۱)۔

وجہ یہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ اور معدہ میں منفذ محقق ہے۔ معلوم ہوا کہ مرد کے آگے کے راستے میں مثانہ تک نلکی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ عورت کی شرمگاہ میں اگرچہ منفذ ہے مگر راقم الحروف کی رائے میں مثانہ تک نلکی یا کوئی چیز پہنچانا جب کہ خشک ہو مفسد نہیں ہے، جیسے خشک انگلی شرمگاہ میں ڈالنا مفسد نہیں ہے، اس لئے کہ فساد صوم کے لئے معدہ تک ایصال یا غالب گمان ضروری ہے۔

''ولو أدخل إصبعه فى إسته أو المرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار'' (عالمگیری ۱/ ۱۰۴)۔

ب- خواتین کی شرمگاہ میں سیال دوا ڈالنا مفسد ہے، کیونکہ منفذ موجود ہے، البتہ جامد دوا ہو تو احقر کے خیال میں روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔

ج- تحقیق مرض کے لئے آلات کا رحم تک پہنچانے سے روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں وہی تفصیل ہے جو مقعد میں آلات کے داخل کرنے میں ہے، چونکہ رحم الگ ہے، معدہ الگ ہے، رحم میں کسی چیز کا پہنچنا جوف معدہ میں پہنچنے کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا بضرورت رحم میں آلات وغیرہ کا محض داخل کرنا جب کہ آلات تر نہ ہوں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر آلات تر ہوں تو ٹوٹ جائیگا۔

''إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (عالمگیری ۱۰۴/۱)۔

☆☆☆

جدید مفطرات صوم اور اس کے احکام

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی[1]

مختلف آیات واحادیث وآثار کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کے ذریعہ فقہاء امت نے روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے لئے یہ اصول نکالا کہ:

۱- جو چیزیں بھی بعینہ فطری منفذ منہ اور پیچھے کے راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچ جائیں وہ چیزیں اکل وشرب کے زمرہ میں شامل ہوں گی اور ان کے ذریعہ روزہ فاسد ہو جائے گا، چاہے ان چیزوں پر عرف میں اکل وشرب کا اطلاق نہ ہوتا ہو اور خواہ وہ چیزیں پیٹ میں پہنچ کر جسم کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہوں یا نہ رکھتی ہوں، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ ترک اکل کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''والمراد بترك الأكل ترك إدخال شيء بطنه أعم من كونه مأكولا أو لا'' (البحر الرائق ۲/۲۵۹)۔

یعنی کھانے کے ترک سے مراد روزہ دار کا پیٹ میں کسی بھی چیز کے داخل کرنے سے پرہیز کرنا ہے، چاہے وہ چیز اشیاء خوردنی کے قبیل سے ہو یا نہ ہو۔

۲- اسی طرح اگر کوئی چیز براہ راست بعینہ دماغ تک پہنچ جائے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ جو چیز دماغ تک پہنچتی ہے وہ لازمی طور پر منفذ کے ذریعہ معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین کاسانی حنفی المتوفی ۵۸۲ھ اپنی معرکۃ الآراء کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں فرماتے ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر أو أفطر في أذنه فوصل إلى الدماغ فسد صومه أما إذا وصل إلى الجوف فلاشك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف'' (بدائع الصنائع: کتاب الصوم ۲/۲۴۳)۔

یعنی جو چیز معدہ یا دماغ تک منفذ اصلی جیسے کان، ناک، سرین وغیرہ کے ذریعے پہنچتی ہے مثلاً کسی نے کان میں دوا ٹپکائی تو وہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، معدہ تک پہنچنے کی شکل میں روزہ اس لیے ٹوٹے گا کہ شکلاً کھانے کی صورت پائی جا رہی ہے، اور اسی طرح دماغ تک پہنچنے کی صورت میں روزہ اس لیے ٹوٹے گا کہ دماغ سے براہ راست معدہ تک ایک منفذ ہے لہٰذا دماغ معدہ کے ایک گوشہ کی مانند ہو گیا۔

۳- کسی چیز کے خارجی استعمال سے اگرچہ اس کا اثر حلق میں محسوس ہو، روزہ نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ بعینہ وہ چیز اندر نہ چلی جائے، مثلاً سر یا جسم میں تیل لگانے اور آنکھوں میں سرمہ لگانے سے جو اثر یا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لیے کہ حلق میں جو چیز محسوس ہو رہی ہے وہ مسامات کے ذریعہ پہنچنے والا اثر ہے، علامہ محمد بن عابدینؒ الشامی تحریر فرماتے ہیں:

''لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر'' (ردالمحتار مع الدر المختار ۲/۳۹۵)۔

یعنی روزہ اس لیے نہیں ٹوٹے گا کہ جو چیز حلق میں پائی جا رہی ہے وہ ایسا اثر ہے جو جسم کے مسامات کے ذریعہ اندر داخل ہوا ہے، اور مفسد صوم وہ چیز ہے جو فطری منافذ سے اندر داخل ہو، چنانچہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص پانی میں غسل کرے اور جسم کے اندر اس کی ٹھنڈک محسوس کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''لو ادهن رأسه أو أعضائه فتشرب فيه أنه لا يضره لأنه وصل إليه الأثر لا عينه وما وجد طعمه فذلك أثره لا عينه وأنه لا يفسد'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

[1] جامعہ رشیدیہ جامع مسجد، بیگوسرائے۔

یعنی اگر کسی شخص نے اپنے سر یا دوسرے اعضاء پر تیل لگایا اور وہ تیل جسم کے اندر سرایت کر گیا تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ اندر جو چیز گئی ہے وہ تیل کا اثر ہے بعینہ تیل نہیں ہے، اور اندر جو مزہ محسوس ہو رہا ہے وہ بھی اثر کا ہے عین شئی کا نہیں، اور اثر کے اندر جانے کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

۴- مفسد صوم ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو چیز معدہ میں داخل ہو رہی ہے وہ چیز یا تو قصداً داخل کی گئی ہو یا اس چیز سے بدن کو قوت اور غذائیت حاصل ہوتی ہو اور وہ چیز داخل ہو کر پیٹ میں ٹھہر جائے، لہٰذا اگر کوئی چیز داخل کرنے کے بعد دھاگے یا پائپ وغیرہ کی مدد سے فوراً صحیح سالم نکال لی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''ولو طعن برمح فوصل إلى جوفه أو إلى دماغه فإن أخرجه مع النصل لم يفسد، وكذا قالوا فيمن ابتلع لحمًا مربوطًا على خيط ثم انتزعه من ساعته أنه لا يفسد وإن تركه فسد'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

۵- جن چیزوں سے بچنا عملاً ناممکن ہے اور وہ چیزیں از خود منہ یا ناک کے راستے معدہ تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ معفوعنہ ہیں اور ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، مثلاً راہ چلتے گرد و غبار حلق کے اندر چلا گیا یا دھواں اندر داخل ہو گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''لو دخل الغبار أو الدخان أو الرائحة في حلقه لم يفطره لما قلنا'' (بدائع الصنائع ۲/۲۳۸)۔

اگر گرد و غبار یا دھواں یا خوشبو روزہ دار کے حلق میں از خود چلا گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں، لہٰذا وہ بھولنے والے کے مشابہ ہو گیا، اور بھولنے والے کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

''من نسي وهو صائم فأكل أو شرب فليتم صومه فإن الله عزوجل أطعمه وسقاه'' (صحيح بخاري: باب الصائم أو أكل أو شرب ناسيًا، رقم الحديث: ۱۹۲۳)۔

کہ جو شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلایا پلایا۔

لیکن اگر روزہ دار جان بوجھ کر گرد و غبار ناک یا منہ میں داخل کرے اور وہ حلق کے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، چنانچہ علامہ حصکفی اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

''ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه'' (الدر المختار: ۲/۳۹۵)۔

اور اس کا حاصل یہ کہ اگر کسی نے اپنے حلق میں روزہ یاد رہنے کے باوجود دھواں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ دھواں کسی لکڑی یا عنبر کا ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔

۶- دھواں اور غبار کے برعکس عطر جیسے گلاب، مشک وغیرہ کی خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ دھواں اور غبار ایک جوہر ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے جب کہ عطر وغیرہ کی خوشبو محض خوش گوار ہوا ہوتی ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۹۵)۔

مذکورہ اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل کا حل اور سوالنامہ میں مذکور سوالات کا بالترتیب جواب درج کیا جاتا ہے:

۱- امراض قلب میں مفید ایسی دوائیں جو عام دواؤں کی طرح کھائی نہیں جاتی ہیں بلکہ محض زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہیں، اگر روزہ کی حالت میں اس طرح کی دواؤں کا استعمال درج ذیل شرطوں کے مطابق کیا جائے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا:

الف- دوا کا استعمال سخت ضرورت کے تحت کیا گیا ہو۔

ب- دوا کے تحلیل ہونے سے حتی الامکان بچا جائے۔

ج- دوا اور لعاب سے ملے اس کے اجزاء کو کسی بھی حال میں حلق کے اندر نہ جانے دے۔ ضرورت شدیدہ کے بغیر ایسی دواؤں کا زبان کے نیچے رکھنا مکروہ ہوگا، اور اگر دوا کے اجزاء یا دوا کے اجزاء سے ملا ہوا لعاب حلق میں گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تحریر فرماتے ہیں: بغیر عذر کے کسی بھی چیز کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں روزہ فاسد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، مگر چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ نہ صورتاً افطار پایا گیا نہ معنًا۔ مصنف نے بلا عذر کی قید لگائی، اس لیے کہ عذر کی وجہ سے چکھنا مکروہ نہیں ہے (البحر الرائق مع کنز الدقائق ۲ /۲۷۹، عالمگیری ۱ /۱۰۲)۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''وكره أبوحنيفة أن يمضغ الصائم العلك لأنه لا يؤمن أن ينفصل شئ منه فيدخل حلقه، وكان المضغ تعريضا لصومه للفساد۔ فبكره۔ ولو فعل لا يفسد صومه۔ وقيل هذا إذا كان معجونا فأما إذا لم يكن يفطره۔ لأنه ...فيصل سئ منه إلى جوفه ظاهرا وغالبا''۔

(کہ امام ابوحنیفہ نے مکروہ قرار دیا ہے روزہ دار کے لئے گوندھ چبانے کو، اس لئے اس کا امکان ہے کہ کوئی چیز گوندھ سے جدا ہو کر حلق میں داخل ہو جائے، لہذا یہ عمل روزہ کو فساد کے دہانے پر پہنچانے والا ہوگا اس لئے یہ مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت ہے جبکہ وہ معجون کی شکل میں ملا ہوا گوندھا ہوا ہو، ورنہ اس عمل سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کے اجزاء جدا ہوں گے تو کچھ نہ کچھ غالبا معدہ تک پہنچ جائے گا)۔

۲- دمہ (Asthama) کے مریض کی راحت اور اس کے نظام تنفس کو برقرار رکھنے کے لئے ان دنوں انہیلر (Inhaler) کے استعمال کا طریقہ رائج ہے، جسے مریض کے منہ کے پاس لے جا کر پچکاری کی طرح دبایا جاتا ہے اور مریض اسے ناک کے ذریعہ اندر کھینچتا ہے، اس طرح دوا کے اجزاء جو دھواں یا گیس کی طرح ہوتے ہیں، حلق کے اندر پہنچتے ہیں، جس سے پھیپھڑوں کو سکون ملتا ہے، اور گیس اندر جا کر پھیپھڑوں کو کھولتی ہے، دمہ کی حالت میں انہیلر لینے کا یہ عمل دھواں اور بخور وغیرہ کے سونگھنے کے عمل سے کافی حد تک مشابہت رکھتا ہے، جس طرح دھویں میں معتد بہ جوہر حلق کے اندر داخل ہوتا ہے اور وہ پھیپھڑوں کے ساتھ ساتھ معدہ تک بھی پہنچتا ہے، اسی طرح انہیلر لینے میں گیس کے ساتھ دوا کا سفوف ایک جوہر کی شکل میں حلق کے نیچے جاتا ہے، اور حلق کے نیچے اترتے ہوئے جس طرح وہ پھیپھڑوں تک پہنچتا ہے، کچھ نہ کچھ معدہ میں بھی پہنچتا ہے، یہ کہنا کہ معدہ میں بالکلیہ نہیں جاتا، شاید خلاف حقیقت ہے، لہذا دھویں اور غبار کے قصداً سونگھنے اور حلق تک پہنچانے کا جو حکم ہے وہی حکم انہیلر لینے کا بھی ہوگا، یعنی انہیلر لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

رہا یہ امر کہ دمہ کا مریض رمضان المبارک میں کیا کرے، تو اس سلسلے میں یہ رائے دی جا سکتی ہے کہ دمہ کا ایسا مریض جسے بار بار انہیلر لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور انہیلر کے بغیر اس پر کھانسی کے شدید دورے پڑنے لگتے ہوں اور جان پر بن آتی ہو، ایسے مریض کے لئے انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھنے اور ہر روزہ کے عوض فدیہ دینے کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے، تاکہ اپنی طاقت و وسعت کے مطابق احکام الہی پر عمل بھی ہو جائے اور انہیلر کی وجہ سے اگرچہ روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن روزہ داروں کی مشابہت برقرار رہے گی، اور فدیہ جو ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ دے کر اس کی تلافی کر لی جائے گی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''أما وجوب الإمساك تشبها بالصائمين فكل من كان له عذر في صوم رمضان في أول النهار...وكذا من وجب عليه الصوم في أول النهار لوجود سبب الوجوب ثم تعذر عليه المضي فإنه يجب عليه الإمساك في بقية النهار تشبها بالصائمين...لقوله عليه السلام: ألا من أكل فلا يأكلن بقية يومه''۔

۳- نزلہ، زکام، کھانسی، سردی اور دیگر امراض صدر میں مریض دواؤں کا بھپارہ لیتا ہے، یعنی کھولتے ہوئے گرم پانی میں جوشاندہ، کیپسول یا اور کوئی محلول دوا ڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ اندر کھینچا جاتا ہے، میڈیکل سائنس کی موجودہ ترقی نے اس کے لئے کچھ اور بھی مشینی طریقے ایجاد کئے ہیں، اس عمل میں چونکہ بھاپ اور دوا کا حصہ حلق کے اندر پہنچتا ہے، لہذا اس عمل سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، چونکہ اس عمل میں بھاپ کو بالقصد اندر پہنچایا جاتا ہے، جس طرح روزہ دار اگر بالقصد دھواں کو حلق کے اندر داخل کرتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اگر بلا ارادہ بھاپ اندر چلی گئی اور روزہ دار نے بالقصد اوپر نہیں کھینچا، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ یہ انسان کا غیر اختیاری عمل ہے، اس سے بچنا ممکن نہیں، علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:

''لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لامكان التحرز عنه'' (مراقی الفلاح/۳۶۱)۔
تفصیل اصول نمبر ۵ میں آچکی ہے۔

۴- موجودہ زمانے میں انجکشن کے ذریعہ دوا جسم کے مختلف حصوں میں پہنچائی جاتی ہے، حالت صوم میں اگر روزہ دار انجکشن لگواتا ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس انجکشن کے ذریعہ دوا براہ راست معدہ یا دماغ تک پہنچتی ہے، جیسا کہ جس شخص کو کتا، بندر وغیرہ کاٹ لے تو اسے ناف میں انجکشن دیا جاتا ہے، تو ایسے انجکشن لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ وہ زخم جو پیٹ اور سر میں ہو اور زخم کی وجہ سے معدہ اور دماغ تک راستہ بن گیا ہو، تو اس میں دوا ڈالنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس طرح دوا براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے، علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر'' (ہدایہ ۲/۲۲۰)۔

اور جامع الرموز میں ہے:

''أو وصل دواء أو نحوه ما فيه صلاح البدن إلى جوفه وهو ذاكر لصومه أو دماغه'' (۱/۱۵۸)۔

لیکن اگر انجکشن رگوں میں لگائی جائے تاکہ دوا خون کے ساتھ مل کر پورے جسم میں پہنچ جائے یا گوشت میں دی جائے تاکہ مسامات کے ذریعہ اس کے اثرات پورے جسم میں پہنچ جائیں تو اس سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ ایسے انجکشن سے دوا معدہ یا دماغ تک براہ راست نہیں پہنچتی، بلکہ پہلے دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں میں پہنچنے کے بعد پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں، اور اس کا کچھ نہ کچھ اثر معدہ اور دماغ تک بھی پہنچتا ہے، لیکن معدہ میں کسی چیز کے اثر کے پہنچنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جس طرح سرمہ لگانے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے، اسی طرح روزہ میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جاتا ہے یا سر اور جسم پر بھگا ہوا کپڑا رکھ کر تازگی حاصل کی جاتی ہے، یا حلق کی خشکی دور کرنے کے لئے کلی کی جاتی ہے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، جیسا کہ ذیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے:

''ان رسول الله ﷺ صبّ على رأسه ماء من شده حر وهو صائم'' (المؤطا للامام مالک ۱/۲۹۴)، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: ''أنه كان يبل الثوب ويتلفف به وهو صائم'' (بدائع الصنائع ۲/۲۷۰)، مزید تفصیل کے لئے اصول نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ اگر کسی شخص کو بیماری میں ڈاکٹری تشخیص کی وجہ سے انجکشن لینا ضروری نہ ہو محض قوت حاصل کرنے کے لئے طاقت کا انجکشن لیتا ہے، تو شرعی نقطہ نظر سے مکروہ ہوگا، اس لئے کہ اس کی وجہ سے روزہ کے مصالح جو کہ قوت بہیمیہ کو کمزور کرنا اور ختم کرنا ہے وہ حاصل نہ ہوں گے، اور اس میں ایک طرح سے ''نظام صوم'' سے بیزاری کا اظہار بھی ہوتا ہے، لہذا اسے مکروہ قرار دیا جائے گا۔

۵- روزے کی حالت میں گلوکوز چڑھانے کا بھی وہی حکم ہے جو طاقت کے انجکشن لینے کا حکم ہے، گلوکوز درحقیقت غذا کا متبادل ہے، اور اس کے ذریعہ غذا سے مطلوبہ قوت جسم کو فراہم کیا جاتا ہے، اور جسم میں پیدا ہونے والی نمکیات کی کمی کو دور کیا جاتا ہے، اس لئے گلوکوز لینے کی وجہ سے بھوک کی شدت بالکل کم ہوجاتی ہے اور انسان کئی دنوں تک کھائے پیئے بغیر محض گلوکوز پر انحصار کرسکتا ہے، لہذا گلوکوز کا چڑھانا روزہ کی روح کے خلاف ہے۔

لہذا قوت کا انجکشن لینا اور گلوکوز چڑھانا روزہ دار کے لئے مکروہ تحریمی ہے، چونکہ ان صورتوں میں دوا منفذ اصلیہ سے معدہ اور دماغ تک نہیں پہنچتی اس لئے اس کو مفسد صوم تو نہیں قرار دیا جائے گا لیکن روزہ دار کو حتی الامکان گلوکوز چڑھانے سے بچنے کی تلقین کی جائے گی، تاکہ اس کی یہ اہم ترین عبادت بے روح نہ ہوجائے۔

۶- امراض معدہ کی تحقیق کے لیے بعض آلات (انڈواسکوپی وغیرہ) جو پیچھے کے راستے سے اندر داخل کیے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ نظام معدہ اور پاخانہ کے راستے کا معائنہ کیا جاتا ہے تو اس عمل کی وجہ سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ اس صورت میں محض ایک پتلا پائپ جس کے سرے پر بلب یا بلیڈ نصیب ہوتا ہے، اندر داخل ہورہا ہے، اس میں کوئی مرطوب دوا وغیرہ اندر نہیں پہنچائی جاتی ہے، اور محض خشک چیز کے اندر داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے فقہ کی کتابوں میں اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے:

''ولو طعن برمح فوصل إلى جوفه أو إلى دماغه فإن أخرجه مع النصل لم يفسد وإن بقي النصل فيه يفسد.

وكذا قالوا فيمن ابتلع لحمًا مربوطًا على خيط ثم انتزعه من ساعته أنه لا يفسد وإن تركه فسد. وكذا روى عن محمد في الصائم إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

بعض سیال یا غیر سیال دوائیں جو پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جائیں تو چونکہ عام طور پر وہ دوائیں معدہ تک پہنچ جاتی ہیں اسی لیے ان دواؤں کے اندر ونی استعمال کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ حقنہ لگوانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

قال في الهداية: ومن احتقن أو استعط أفطر... لوجود معنى الفطر وهو ما فيه صلاح البدن إلى الجوف(۱/۲۲۰)

بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کے سلسلے میں یہ امر قابل غور ہے کہ وہ مرہم کسی درجے میں معدہ تک تو نہیں پہنچتا؟ اگر تحقیق سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ مرہم کا کچھ بھی حصہ معدہ تک نہیں پہنچتا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر پہنچنے کا محض احتمال ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر دوا یا اس کے کچھ حصے کا پہنچنا متیقن ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، عالمگیری میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لايفسد وهوالمختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن هكذا في الظهيرية'' (عالمگیریہ ۱/۱۰۴)۔

کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلیاں سرین میں یا عورت نے شرمگاہ میں ڈالی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، یہی پسندیدہ قول ہے، البتہ اگر انگلیاں بھیگی ہوئی ہوں تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

۷- عورت یا مرد کے پیشاب کے راستے جو نلکی مثانہ تک پہنچائی جاتی ہے تا کہ پیشاب اسی نلکی سے باہر نکلے تو اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''وأما الإقطار في قبل المرأة فقال مشائخنا أنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

اور عالمگیریہ میں ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح''۔

عورت کی شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائے گا۔

مرض کی تحقیق کے لیے جو آلات رحم تک یا اندر کسی اور حصہ تک نلکی وغیرہ کی شکل میں پہنچائے جاتے ہیں جو بعض دفعہ گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اپنے ساتھ لاتے ہیں، اگر یہ آلات اور نلکیاں خشک ہوں، ان پر دوا نہ لگی ہو تو ان آلات اور نلکیوں کے داخل کرنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، علامہ شامی لکھتے ہیں:

''وما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد هوالمراد بالاستقرار فإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أوكان متصلا بشئ خارج لا يفسد'' (ردالمحتار ۲/۳۶۶)۔

جو کچھ بھی پیٹ میں داخل ہوا گر وہ پیٹ میں رہ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، استقرار سے یہی مراد ہے، اگر پیٹ میں ٹھہرا نہیں رہا بلکہ اس کا ایک کنارہ باہر ہے، یا باہر کی کسی چیز سے جڑا ہوا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس شئ کا استقرار نہیں پایا گیا۔

☆☆☆

نواقض صوم سے متعلق بعض نئے مسائل

مولانا نیاز احمد بناری[۱]

۱- شریعت اسلامیہ میں عبادت کی غرض سے مخصوص وقت میں کھانے پینے اور مجامعت سے رک جانے کو روزہ کہا جاتا ہے اور اس پابندی کی مخالفت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ائمہ مجتہدین کی اس سلسلے میں جو تصریحات ملتی ہیں اس سے قدرے مشترک یہ ثابت ہوتا ہے کہ دماغ، پیٹ، آنت، مثانہ، کان، ناک اور حلق کے باطنی حصہ میں کسی چیز کے داخل ہوجانے، یا داخل کر لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ ان تمام اعضاء کا ایک جوف ہوتا ہے، اور جوف میں داخل ہوجانے والی چیز براہ منفذ مفتوح نے داخل ہوتی ہے، البتہ مخرج بول ولبن سے کسی چیز کا دخول امام ابوحنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مفسد صوم نہیں ہے، امام ابویوسفؒ کے نزدیک مفسد ہے، بروایت امام حسن تقاطر احلیل سے اگر وہ قطرہ مثانہ تک پہنچ جائے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

أما الإقطار في الإحليل لا يفطره عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ويفطر عند أبي يوسف رحمه الله (مبسوط ۳/۶۷)

''وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا صب الدهن في إحليله فوصل إلى مثانته فسد صومه'' (مبسوط ۳/۶۸)۔

لیکن جوف میں دخول کے طریقہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف ہیں۔ صاحبین کے نزدیک جوف تک پہنچنے والی چیز کا دخول فطری راستہ سے ہونا چاہیے، اس لیے کہ شریعت کا مقصد اکل وشرب اور مجامعت سے روکنا ہے، اور یہ اکل وشرب کا اطلاق اس صورت میں ہوگا جب کہ یہ عمل فطری راستہ سے واقع ہو، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ناقض شئی مفطر کا باطن یعنی جوف تک پہنچ جانا ہے، گویا اعتبار پہنچنے والی چیز کے دخول کا ہے، راستہ کا اعتبار نہیں ہے۔ جیسا کہ ان حضرات کا اختلاف جائفہ اور آمہ میں منقول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ناقض مانتے ہیں اور صاحبینؒ ناقض نہیں مانتے، اس مثال کو اس سے بہت مماثلت ہے کہ کتے کے زہر سے بچنے کے لیے جو انجکشن براہ راست پیٹ میں لگایا جاتا ہے کہ اس سے صاحبینؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ یہ دوا منفذ فطری سے جوف میں داخل نہیں ہوئی، اور امام ابوحنیفہؒ جوف میں پہنچنے کا اعتبار کرتے ہیں، اور وہ دوا پیٹ میں پہنچ گئی خواہ غیر فطری طریقہ سے کیوں نہ ہو (دیکھئے: المبسوط ۳/ ۶۸)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بدن میں کسی مفطر یعنی روزہ کو توڑ دینے والی چیز نہ منفذ اصلی سے داخل ہوئی اور نہ غیر فطری طریقہ سے داخل ہوئی بلکہ وہ مسامات یعنی جلد کے سوراخوں سے براہ راست خون میں داخل ہوگئی تو یہ صورت باتفاق ائمہ ثلاثہ ناقض صوم نہیں۔ مثلاً سر یا بدن میں تیل لگانا، آنکھ میں سرمہ لگانا، اس لیے کہ یہ تیل یا سرمہ کا بدن میں حلول کر جانا روزہ کے مقصد کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں افطار کا معنی حقیقتاً یا مجازاً پایا نہیں جاتا ہے، بلکہ یہ چیزیں مسامات کے ذریعہ بدن میں داخل ہوگئی ہیں، کسی جوف میں داخل نہیں ہوئی ہیں، لہذا سرمہ آنکھ میں لگا لینے سے اگر حلق میں اس کی سیاہی نظر آجائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چونکہ آنکھ اور حلق کے مابین کوئی راستہ مسلک نہیں ہے، لہذا یہ اثر مسامات کے ذریعہ حلق تک پہنچا ہے منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے لہذا یہ ناقض نہ ہوگا، جیسا کہ روزہ دار اگر گرمی میں غسل کرلے تو پانی اس کے بدن میں حلول کر جاتا ہے اور ٹھنڈک دل تک پہنچ جاتی ہے، جو مسامات کے ذریعہ ہوتی ہے (دیکھئے: المبسوط ۳/ ۶۷)۔

اسی طریقہ سے اگر نمک کا اندازہ لگانے کے لیے زبان پر کسی کھانے کی چیز کو رکھ لیا جائے نگلا نہ جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

''إذا ذاق شيئا بفمه وإن كره لم يفطر'' (شامی ۳/۳۷۳)۔

مسلک احناف کی تنقیح اور ان کے دلائل سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ امراض قلب میں جو دوا صرف زبان کے نیچے دبالی جاتی ہے نگلا نہیں جاتا یا وہ دوا لعاب میں تحلیل ہوئی اور پھر دوا کے اثرات مسامات کے ذریعہ قلب وخون تک پہنچادئے گئے بعدہ لعاب تھوک دیا گیا تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ

[۱] جامعہ مظہر العلوم گول گڈھا، وارانسی۔

لعاب کے ذریعہ دوا نگل لی گئی تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہے۔

میڈیکل سائنس کی تصریحات سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ دوا اگر معدہ اور پیٹ کے واسطہ سے خون وقلب میں پہنچائی جائے تو یہ دیر پا علاج ہوگا اور اس میں موت کا قوی احتمال ہوگا، ایسی صورت میں میڈیکل سائنس نے دوا کو براہ راست قلب وجگر میں پہنچادینے کا یہ راستہ متعین کیا کہ اسے زبان کے نیچے دبایا جائے، اس لیے کہ جو مسامات زبان کے نیچے ہیں وہ بہت سرعت کے ساتھ خون تک دوا کو پہنچادیتے ہیں، ان کی تشخیص میں بھی دوا کو نگلنا نہیں ہے، بلکہ مسامات کے ذریعہ بدن میں دوا کا حلول کرانا ہے، اور اب اس کے لیے دوسرا طریقہ بھی ایجاد ہوا ہے، مثلاً ٹیوب یا مرہم کو قلب کے مقام پر رکھ کر مسامات کے ذریعہ دوا کو جگر تک پہنچایا جارہا ہے، گویا میڈیکل کے مطابق یہ دوا منفذ اصلی یا غیر فطری طریقہ سے جوف تک نہیں پہنچی بلکہ براہ راست یہ خون میں حلول کرجاتی ہے، لہٰذا اسے مفسد صوم نہیں کہا جاسکتا، میڈیکل سائنس کی تصریحات کے لئے مندرجہ ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

None of the long acting nitrates is as effective as sublingual nitroglycerin for the acute relief of angina. These preparations can be swallowed, chewed, or administered as a patch or paste by the transdermal route.

(دیر تک باقی رہنے والے نائٹریٹ (شورہ) ملی ہوئی دواؤں میں سے کوئی بھی دل کے درد میں فوری آرام کے لئے Nitroglycerin سے زیادہ زود اثر کوئی دوسری نہیں ہے۔ یہ دوائیں نگلی جاسکتی ہیں، چبائی جاسکتی ہیں، اور انہیں مرہم کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے)(Harrison's Principles .(13th edition of Internal Medicine

The tablet or pellet containing the drug is placed under the toungue or crushed in the mouth and spread over the buccal mucosa. Only lipid soluble and non-irritating drugs can be so administered. Absorption is relatively rapid - action can be produced in minutes. Though it is some what inconvenient, one can spit the drug after the desired effect has been obtained. The chief advantage is that liver is bypassed and drugs with high first pass metabolism can be absorbed directly into systemic circulation.

(ٹیبلیٹ جو دوا پر مشتمل ہوتی ہے زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، یا منہ کے اندر غشائے مخاطی پر توڑ کر پھیلادی جاتی ہے، اس طرح صرف وہی دوائیں دی جاسکتی ہیں جو ایسے نامیاتی مرکبات پر مشتمل ہوں جو پانی میں حل پذیر نہیں ہوتے۔ جذبیت کا عمل نسبتاً تیز ہوتا ہے، اور چند منٹوں کے اندر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں، اگر کوئی چاہے تو مطلوبہ اثرات حاصل کرنے کے بعد دوا کو تھوک سکتا ہے۔ اس طریقہ کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ دوا جگر کے بجائے تحول کے عمل کے ذریعہ بلاواسطہ طور پر دوران خون کے نظام میں جذب ہوجاتی ہے)۔

(Essencials of Medical Pharmocology: K. D. Tripathi, 4th edition)

۲،۳- تنفس کے مریض کا انہیلر کے ذریعہ دوا کو پھیپھڑے تک پہنچانا یا بھاپ کے ذریعہ دوا کا پھیپھڑے تک پہنچادینا، حلق میں دوا کو داخل کردینا ہے، خواہ انہیلر کے ذریعہ یا بھاپ کے ذریعہ ہو یہ ناقض ہوگا۔

''أنه لو أدخل حلقه ای بأی صورة كان الإدخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وبه علم حكم شرب الدخان'' (شامی ۳/۳۶۶)۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لقیط بن صبرہ سے فرمایا کہ مضمضہ واستنشاق میں مبالغہ کرو، مگر یہ کہ تم روزہ سے ہو۔

''إن النبی ﷺ قال لقیط بن صبرة بالغ فی المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائمًا. فالنهی عن المبالغة التی فیها كمال السنة عند الصوم دلیل علی أن دخول الماء فی حلقه مفسد لصومه'' (مبسوط ۲/۶۶)۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال سنت مبالغہ سے منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حلق میں دخول ماء مفسد صوم ہے، اس لیے کہ حلق میں دخول ماء جوف معدہ میں دخول کا سبب ہوگا، اس طریقہ سے جب انہیلر یا بھاپ کے ذریعہ دوا حلق میں داخل کی گئی تو گویا بھاپ اگرچہ بظاہر جوف معدہ میں نہیں پہنچی لیکن

مثل دھواں کے جوف دماغ میں تو ضرور پہنچی، اور پھر جوف دماغ میں استقرار کے بعد وہ دوا پھیپھڑے تک پہنچی، شرعاً اس طرح بالواسطہ وہ دوا جوف بطن میں پہنچ گئی، اس لیے کہ جوف دماغ اور جوف بطن کے درمیان ایک منفذ اصلی ہوتا ہے، اس منفذ اصلی کے ذریعہ جو چیز جوف دماغ میں پہنچ جاتی ہے تو وہ جوف بطن میں بھی لازماً پہنچ جاتی ہے۔

''وفي التحقيق أن بين الجوفين منفذًا أصليًا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن كذا في النهاية والبدائع'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

ایسی صورت حال میں انہیلر یا بھاپ کا استعمال مفسد صوم تصور کیا جائے گا، اور یہی حکم اس مشینی طریقہ کا ہوگا، فرق صرف یہ ہے کہ دیسی طریقہ میں مشقتیں ہوتی ہیں اور مشین میں سہولت ہوتی ہے کہ بھاپ اور دوا اس مشین میں مہیا ہوتی ہے، صرف بٹن دبا دینے سے وہ بھاپ یا دوا منزل تک مختصر سے وقت میں پہنچ جاتی ہے، لہٰذا دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا، اس لیے شرعاً یہ ادخال بالمقصد ہے، اور شریعت میں دھواں کا ادخال مفسد صوم ہے، اور اگر بالقصد نہ ہو تو یہ مفسد نہ ہوگا۔

۴، ۵- انجکشن کے ذریعہ جسم میں دوا پہنچانا یا کسی خاص حصہ میں پہنچانا خواہ مقصد بدن میں دوا کا حلول کر دینا ہو یا اس کے ذریعہ جسمانی طاقت کی کمی یا ضرورت کو پوری کرنا ہو، مفسدات صوم میں نہ ہوگا، اس لیے کہ مفسد صوم جوف بطن یا جوف دماغ میں کسی چیز کا دخول ہے، جوف عرق میں پہنچانا مفسد نہیں ہے، اس لیے کہ مسامات کے ذریعہ جس طرح دوا یا پانی بدن میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح انجکشن سے براہ راست اندرون جسم دوا داخل کر دی جاتی ہے، انجکشن کے ذریعہ سارے جسم یا بعض جسم میں دوا پہنچا دینے کا مقصد یا تو دوا کی ضرورت کی تکمیل ہوگی یا جسمانی طاقت کی کمی وضرورت کو پورا کرنا ہوگا، خواہ جلد یا گوشت کے ذریعہ بدن میں دوا کا حلول ہوا ہو یا رگ کے ذریعہ ہوا ہو، کسی بھی صورت میں یہ مفسد صوم نہ ہوگا، اس لیے کہ مفسد صوم جوف بطن یا جوف دماغ میں کسی چیز کا دخول ہے، بدن یا عرق کے جوف میں کسی چیز کا دخول یا ادخال مفسد صوم نہیں ہے، فرق صرف یہ ہے کہ روزہ دار کے غسل کر لینے یا تیل لگا لینے سے پانی اور تیل تدریجی طور پر بدن میں داخل ہوتا ہے، جس کا مفسد صوم نہ ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

اسی طرح انجکشن کے ذریعہ دوا بیک وقت بدن یا خون وجگر میں داخل کر دی، لہٰذا یہ بھی مفسد صوم نہ ہوگا، البتہ انجکشن کا مقصد اگر جسمانی طاقت وغذا کا حصول ہے خواہ وہ دوا انجکشن کے ذریعہ گوشت میں داخل کی گئی ہو یا رگ میں داخل کیا گیا ہو مکروہ ہے، اور اگر مرض کی ضرورت کے پیش نظر طاقت پہنچائی جارہی ہے تو اس کی موت کا اندیشہ ہو یا کسی جسمانی ضرر کے پہنچ جانے کا احتمال ہو تو اس میں یہ کراہت ضرورت وحاجت کے پیش نظر رفع ہو جائے گی، اس پس منظر میں گلوکوز کے انجکشن کی شرعی صورت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مفسد صوم نہیں ہے، البتہ محض قوت کے حصول کے لیے گلوکوز کا انجکشن لگانا مکروہ ہوگا۔

۶- شرعاً چونکہ دبر مخارق اصلیہ میں سے ہے، لہٰذا دبر میں سیال دوا ڈالی جائے یا غیر سیال دوا ڈالی جائے، یہ مفسد صوم ہوگی، اس لیے کہ مخارق اصلیہ کے واسطہ سے وہ دوا جوف بطن تک پہنچ جاتی ہے اور پھر بعد حلول اس کا اخراج اسی ساعت ممکن نہیں ہوتا، اور اگر کسی آلہ کو مرض کی ضرورت کے پیش نظر مقعد میں داخل کر دیا جائے اور پھر فوراً اسے نکال لیا جائے استقرار نہ ہو تو یہ صورت مفسد صوم کی نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے اس مسئلہ کی تشریح اس طور پر کی ہے کہ کسی نے لکڑی کو مقعد میں داخل کیا اس طور پر کہ اس لکڑی کے دونوں کنارے غائب ہو گئے تو اس سے روزہ اس لیے ٹوٹ جائے گا کہ دونوں کناروں کی غیبوبیت دلیل استقرار ہے، اور فساد صوم کے لیے دخول کرنے والی چیز کا استقرار ضروری ہے، لہٰذا یہاں استقرار پایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر کسی نے گوشت کے ٹکڑے کو کسی دھاگہ میں باندھا اور اسے نگل گیا پھر فوراً اسے نکال دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، اس لیے کہ اس میں استقرار پایا نہیں گیا، جیسا کہ امام محمدؒ نے اس مسئلہ کو نقل کیا ہے۔

''وكذا قالوا فيمن ابتلع لحمًا مربوطا على خيط ثم انتزعه من ساعته أنه لا يفسد وإن تركه فسد. وكذا روى عن محمد في الصائم إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرف الخشبة وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

اور اگر آلہ اس طرح مقعد میں داخل کیا گیا کہ اس آلہ سے دوا منسلک ہے خواہ سیال ہو یا غیر سیال ہو، یہ مفسد صوم ہوگا۔

۷- مرد کے پیشاب کے راستہ سے کسی چیز کے ادخال کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی روایات مختلف ہیں، کاسانی نے عدم فساد صوم کی روایت امام اعظم سے نقل کیا ہے، اور صاحبین سے فساد صوم کی روایت نقل کی ہے، اور ایک روایت امام اعظم سے مثل صاحبین بھی تحریر کیا ہے۔

''وأما الاقطار في الإحليل فلا يفسد في قول أبي حنيفة وعندهما يفسد قيل أن الاختلاف بينهم بناء على أمر خفي وهو كيفية خروج البول من الإحليل فعندهما أن خروجه منه، لأن له منفذا فإذا أقطر فيه يصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن وعند أبي حنيفة أن خروج البول منه من طريق كترشح الماء من الخذف الجذير فلا يصل بالإقطار فيه إلى الجوف والظاهر أن البول يخرج منه خروج الشئ من منفذه كما قال وروى الحسن عن أبي حنيفة مثل قولهما''(بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

صاحب ہدایہ کی عبارت سے فساد صوم کی روایت امام ابو یوسف سے ثابت ہوتی ہے، امام ابو یوسف کی دلیل فساد صوم کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک مثانہ اور جوف کے مابین ایک منفذ ہے، لہذا جب مثانہ میں کوئی چیز داخل ہوگی تو لازماً وہ چیز منفذ کے ذریعہ جوف تک پہنچ جائے گی، اور شرعاً جوف میں کسی شئی کا دخول مفسد صوم ہوتا ہے، لہذا ان کے نزدیک احلیل کے توسط سے مثانہ تک کسی چیز کا پہنچ جانا ناقض صوم ہوگا۔

''ودليل أبي يوسف أن من المثانة إلى الجوف منفذ حتى لا تقدر المرأة على استمساك البول'' (مبسوط ۳/۶۸)۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ کی روایت عدم فساد صوم کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب رس کر خارج ہوتا ہے، اور جو چیز رس کر خارج ہوتی ہے وہ لوٹتی نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشاب کے راستہ سے کسی شئی کا دخول جوف تک پہنچ جانے کی دلیل نہیں ہے، لہذا یہ ناقض صوم نہ ہوگی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وہ روایت جو عدم فساد صوم کی ہے، وہ دلائل کے اعتبار سے بہت قوی ہے، لہذا ان کی اس روایت عدم فساد صوم کو ترجیح دیا جانا درست ہے کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور کسی آلہ کو احلیل کے ذریعہ مثانہ تک پہنچا دینا اور اسے لوٹا لینا فساد صوم کی دلیل نہ ہوگا، البتہ عورت کی شرمگاہ میں کسی چیز کا ادخال خواہ سیال ہو یا جامد ہو ناقض صوم ہوگا، اس لیے کہ بالاتفاق عورت کے مثانہ کا ایک منفذ ہوتا ہے اور منفذ کے ذریعہ وہ دوا جوف تک لازماً پہنچ جائے گی، جیسے کان میں دوا ڈالنے سے وہ دوا جوف تک پہنچ جاتی ہے، لہذا عورت کی شرمگاہ میں دوا کا ادخال مفسد صوم ہوگا۔

''أما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالإجماع لأن له منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن''(بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

اور اگر کسی آلہ کو اس کے رحم میں ڈال دیا جائے جبکہ اس پر کوئی دوا نہ ہو اور پھر آلہ کو فوراً نکال لیا جائے تو یہ صورت مفسد صوم کی نہ ہوگی، اس لئے کہ جوف تک پہنچنے والی چیز کے لیے استقرار لازمی ہے، اور اس صورت میں استقرار نہیں پایا گیا۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی جدید صورتیں

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی[1]

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دواؤں کے استعمال کا حکم:

مفطرات صوم کی جو علت فقہاء نے بیان کی ہے وہ یہ کہ کوئی خارجی شئے جو عادتاً کھانے پینے اور دوا کے قبیل سے ہو اور ارادی طور پر فطری منفذ کے ذریعہ اسے جوف معدہ میں پہنچائی جائے۔ اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم آئے گا۔ جب کہ ہدایہ اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے:

''ومضغ العلك لايفطر الصائم، لأنه لايصل إلى جوفه''۔(۱)

(اور گوند چبانا روزے دار کو مفطر نہیں کرتا، کیونکہ وہ اس کے جوف تک نہیں پہنچتا ہے)۔

یہاں روزہ کے فاسد نہ ہونے کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ گوند کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا۔ جب کہ دوسرے مقام پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حل ہونے کے بجائے دانتوں میں چپکا رہتا ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چبانے کی وجہ سے تھوک ضرور پیدا ہوگا اور اس کا اثر یا ذائقہ معدہ میں پہنچے گا، باوجود اس کے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی کراہیت کا حکم لگایا گیا ہے تاکہ روزہ دار متہم نہ ہو کہ وہ روزہ سے ہے یا نہیں۔

''ای یکرہ مضغة فی ظاہر الروایة لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد ولأنه یتهم بالإفطار''(۲)۔

اس کے علاوہ فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے تو وہ کھانا پکاتے وقت نمک چکھ لے(۳)۔

اس صورت میں بھی نمک یا کھانے کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے، چہ جائے کہ فوراً تھوک دیا جائے۔ نیز اگر کوئی آدمی بیماری کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے روٹی چبانے کی طاقت نہیں رکھتا اور ڈر ہے کہ اسے بروقت نہ کھلایا جائے تو اس کے مرض میں زیادتی ہوجائے گی یا بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا تو ایسی صورت میں فقہاء یہ اجازت دیتے ہیں کہ روزہ دار روٹی چبا کر اسے کھلا سکتا ہے۔ یہ صورت بچہ کی بھی ہے کہ اس کی ماں روٹی چبا کر اس کے منہ میں رکھے(۴)۔ جس کا کچھ نہ کچھ اثر حلق سے نیچے اترتا ہے، جو مفسد صوم ہے۔ مگر چوں کہ یہ شرعی عذر ہے، اس لیے اس کی اجازت کتب فقہیہ میں موجود ہے۔

امراض قلب سے متعلق جو دوا استعمال کی جاتی ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی ٹکیہ ہے جو زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، تاکہ وہ حل ہوجائے اور وہ عارضی پریشانی جو چند منٹوں یا گھنٹوں کی ہوتی ہے، سے سکون مل جائے۔

دوا کے مؤخر کرنے اور بروقت نہ لینے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اس کی بیماری میں اضافہ ہوجائے۔ ایسی صورت میں امراض قلب سے متعلق دوا کے استعمال سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی اس میں کراہت ہونی چاہیے، جب کہ اس کے لعاب کو نگلنے سے بچا جا رہا ہے، بلکہ اسے باہر نکالا جا رہا ہے۔ ماہرین اطباء یقین سے کہتے ہیں کہ اس دوا کا اثر معدہ میں نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہی حلق سے نیچے اترتا ہے، بلکہ دوا جہاں رکھی جاتی ہے وہیں سے اس کا اثر جلد سے پیوست ہوکر خون کے ذریعہ جسم میں پہنچ جاتا ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں ہماری رائے میں روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اس کے لینے میں یہ احتیاط ضرور برتیں کہ جب شدید ضرورت ہو تو اسے زبان کے نیچے دبا لیا جائے(۵)۔

۲- روزہ کی حالت میں 'انہیلر' کے استعمال کا حکم:

عمر کے کسی حصے میں بعض اوقات اور بڑی عمر میں اکثر وبیش تر آدمی تنفس کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جس کی پریشانی سے بچنے کے لیے انہیلر کا

[1] شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سیال اور سفوف (Solution or Powder) دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ اطباء بتاتے ہیں کہ انہیلر میں جو دوا ہوتی ہے وہ منجمد یا سفوف کی شکل میں ہوتی ہے جس کا صرف اثر حلق میں داخل ہو کر پھیپھڑے میں پہنچتا ہے، نہ کہ بعینہ دوا۔ اس کا اثر معدہ میں جاتا بھی ہے تو اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے، جس کا وہاں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیے۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں جو نظیر ملتی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

''اگر کسی کے حلق میں پیسنے یا کوٹنے کا غبار یا دوا کا مزہ یا خاک کا غبار جو ہوا یا جانوروں کے سم سے اڑتا ہے، داخل ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا (۶)۔

یہی صورت 'وکس' کی بھی ہے کہ اس کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر وہ سفوف کی شکل میں نہیں ہے تو۔ رد المحتار کی مندرجہ ذیل عبارت سے اس کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے:

''أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه'' (۷)۔

اس سلسلے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے بھی قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہو۔ فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے۔ البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے، اس لیے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے۔ تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لیے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کر دے'' (۸)۔

البتہ اس موقعہ پر فدیہ کی جو بات کہی گئی ہے اس کو استطاعت کے ساتھ مشروط ہونا چاہیے۔ استطاعت نہ ہونے پر ایسے شخص کا روزہ بلا کراہت درست ہوگا۔

۳-پانی کے بھپارا کا حکم:

پانی کا بھپارا لینے سے (چاہے وہ سادہ ہو یا اس میں دوا یا وکس ڈالا گیا ہو) بھوک و پیاس کی شدت زائل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے بھاپ میں اس طرح کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کا اثر پوری طرح معدہ میں بھی نہیں پہنچتا۔ غور کیا جائے کہ کسی کے گلے میں شدید خراش ہے، یا سر میں درد ہے، یا پھر نزلہ جما ہوا ہے، جس کی پریشانی تھوڑی دیر میں زائل ہو سکتی ہے اور وقت بھی لگ سکتا ہے۔ اگر اس کے علاج کی تدبیر نہ کی جائے تو یہ شخص صحت کی خرابی کے ساتھ رمضان کے فرض روزے سے محروم رہے گا۔ جب کہ علاج کی اس صورت کو اپنا کر وہ آسانی سے یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ اگر فقہی جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو روزہ کی حالت میں یہ مجبوری بھپارہ لینے کا جواز فراہم ہوتا ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر کوئی آدمی دھواں حلق کے نیچے اتارتا ہے تو روزہ فاسد ہوتا ہے:

''دخل حلقه غبار أو ذباب أودخان ولوذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أوعنبرا لوذاكرا لإمكان التحرز عنه'' (۹)۔

ان جزئیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بھپارہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن گہرائی سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان جزئیات میں بلا ضرورت عود وعنبر کے دھواں کو اندر داخل کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ جب کہ یہاں بغرض علاج دوائی ضرورت سے پانی کے بھپارا لینے کا مسئلہ زیر بحث ہے، جن میں بعض اوقات اسی ضرورت سے وکس جیسی کسی دوا کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن ہر دو صورت میں اس کا معاملہ بلا ضرورت عود وعنبر کے دھواں کو اندر داخل کرنے سے مختلف ہوگا۔ ہماری رائے میں پانی کا بھپارا کسی دوا کے ساتھ لینے کی صورت میں بھی روزہ دار کا روزہ فاسد نہ ہوگا اور بلا کراہت جائز ہوگا۔

۴، ۵-مقوی انجکشن اور گلوکوز چڑھانے کا حکم:

سادہ انجکشن لینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ غیر فطری منفذ کے ذریعہ اس کا اثر گوشت یا خون میں پہنچتا ہے، جسے دفع مضرت کے لیے لگایا جاتا ہے۔ لیکن وہ انجکشن جو جسم کو غذا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، اس کے متعلق سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی نوعیت گلوکوز کی بھی ہے، جو غذا کا متبادل نہیں، بلکہ حاصل ہے۔

یہاں مسئلہ کی دو نوعیت ہے: ایک دفع مضرت اور دوسری کھانے پینے کے ترک سے جو کیفیت روزہ دار پر مرتب ہوتی ہے اس کی تلافی۔ دوسرے لفظوں میں حصول لذت بھی کہا جا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ شریعت اسے قبول نہیں کر سکتی۔ اس مسئلہ میں جو لوگ جواز کے قائل ہیں اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کو اس مسئلہ میں ہمیشہ تردد رہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مگر جو (انجکشن) انٹروینس یعنی نسوں میں لگتا ہے وہ تو براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچتا ہے۔ شریعت کے بے شمار مسائل کا مدار گمان غالب پر ہے۔ اس لیے یہاں گمان غالب سے آگے ایک تجربہ اور مشاہدہ موجود ہے۔ اس لیے علماء کو اس مسئلہ پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ اگر ناک، کان اور سرین کے ذریعہ جس طرح دوا یا تیل وغیرہ کا اثر پہنچتا ہے اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ انجکشن سے ان چیزوں کا دماغ اور معدہ تک نہ صرف اثر پہنچتا ہے بلکہ اس سے اصلاح بدن بھی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر فقہاء کان میں تیل ڈالنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہیں اور کان میں پانی چلے جانے کو نہیں...... ظاہر ہے کہ نسیں پورے جسم میں اور دماغ و معدہ سب کے لیے نہ صرف منفذ ہیں بلکہ براہ راست ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔ اس لیے جو دوا انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہے وہ اپنی اصلی حالت میں معدہ اور دماغ تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کا اثر بھی جلد ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے راقم الحروف کو انجکشن کے مسئلہ میں خاص طور پر جو انجکشن نسوں میں لگتے ہیں، ان کے بارے میں برابر خلش رہی ہے۔ جب اس سے کم تر موثر چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو پھر انجکشن سے کیوں نہ ہو؟ یہ حکم گلوکوز یا خون وغیرہ چڑھانے کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ فن طب وڈاکٹری کا ہے۔ ہمارے قدیم فقہاء کو اپنی طبی تحقیقات کی بنا پر دماغ و معدہ تک پہنچنے کی جو صورتیں مشاہدے سے معلوم ہوئیں ان پر فتوی دیا، اور اب معدہ ودماغ تک پہنچنے کی صورتیں بدل گئی ہیں'' (۱۰)۔

علامہ یوسف القرضاوی سے جب اس مسئلہ کے سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں فقہاء کی دو متضاد رائیں ملتی ہیں۔ جواز اور عدم جواز کی۔ گرچہ میری رائے علماء کے ان گروہ کے ساتھ ہے جو جواز کے قائل ہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں ان باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے:

''روزہ کی حالت میں اس قسم کے انجکشن سے پرہیز کرنا چاہیے۔ رمضان کی راتوں میں یہ انجکشن لیے جا سکتے ہیں، اگر دن کے وقت اس انجکشن کا لگانا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی مریض کے لیے روزے معاف کئے ہیں۔ اس قسم کے انجکشن سے معدہ میں براہ راست کوئی غذا تو نہیں پہنچتی، البتہ ان کے استعمال سے بدن میں ایک قسم کا نشاط اور قوت آجاتی ہے، اور یہ باتیں روزہ کے منافی ہیں'' (۱۱)۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ تاکہ روزہ کی روح برقرار رہ سکے۔ ورنہ پھر اسلامی روزے اور دوسری قوموں کے روزہ میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ لیکن چونکہ نفس انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس بنا پر مقوی انجکشن یا گلوکوز سے بہر حال روزہ تو فاسد نہ ہوگا، لیکن کراہیت کا حکم ضرور لگانا چاہیے، تاکہ اس کا رواج عام نہ ہو جائے۔

۶، ۷- آگے اور پیچھے کی راہ سے دوا پہنچانا اور مثانہ، معدہ ورحم میں نلکی وآلات داخل کرنے کا حکم:

پیچھے کے راہ سے جو دوا اندرون جسم میں پہنچائی جاتی ہے اس سے روزہ کے فساد کے سلسلہ میں تردد ہے۔ فقہاء کی آراء کا ماحصل یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ فطری منفذ کے ذریعہ خارجی شئی اندرون جسم میں داخل ہو رہی ہے۔ نیز معدہ اپنی خصوصیت کی بنا پر دوا کے اثر کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب کہ جدید طبی تحقیق کے مطابق اس قسم کی دوا کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا، کیونکہ معدہ کافی اوپر ہوتا ہے۔ اس کے نیچے آنت بھی ہے اور جو لمبائی میں کم سے کم چھ میٹر کی ہوتی ہے۔ جو چیز پیچھے کی راہ سے اندر داخل ہوگی وہ آنت میں پہنچے گی۔ دوا کا اثر اسی کے اندر محصور ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے۔ پھر فقہی جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خود قدیم فقہاء کے یہاں تردد پایا جاتا ہے اور وہ دوا کے تر اور خشک ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔

یہی صورت بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کی ہے۔ شامی کی عبارت سے تو ایسا ہی پتہ چلتا ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه اى دبره أو فرجها و لو مبتلة فسد'' (۱۲)۔

یعنی اگر کسی نے اپنی تر انگلی چاہے وہ پانی سے تر ہو یا تیل سے، اپنے دبر میں یا فرج میں داخل کیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ فتاوی عالم گیری میں یہ تصریح بھی ملتی ہے:

''اگر کسی کی کانچ باہر نکل آئے اور وہ روزہ دار ہو تو اس کو چاہیے کہ جب تک اس کو کپڑے سے نہ پونچھ لے تب تک جگہ سے نہ اٹھے، تاکہ اس کے اندر پانی داخل ہونے سے روزہ نہ ٹوٹ جائے، اور اسی واسطے فقہاء نے کہا ہے کہ روزہ دار ہو تو استنجا کرنے میں سانس نہ لے۔ اگر روزہ دار استنجا دیر تک کرے، یہاں تک کہ پانی حقنہ کے مقام تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا'' (۱۳)۔

جب کہ بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی نے دوا پہنچائی خشک یا تر تو اس کے پہنچنے کا اعتبار کیا جائے گا۔ خشک اور تر کی کوئی قید نہیں ہے۔ صاحب قدوری نے تر دوا کی شرط لگائی ہے۔ اس لیے کہ اس کا اثر پیٹ تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ تر دوا کا اثر اندر تک نہیں پہنچے گا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور یہی صورت اس کے برعکس ہے (۱۴)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں جو تفصیل ملتی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بواسیری مسوں پر چاہے وہ اندر کی جانب ہوں یا باہر کی جانب دوا یا مرہم لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۱۵)۔

احسن الفتاویٰ میں اسی بات کو زیادہ وضاحت اور یقین کے ساتھ اس طرح بیان کی گئی ہے جس سے مسوں پر دوا یا مرہم لگانے سے روزہ کے فاسد نہ ہونے کی دلیل فراہم ہوتی ہے:

''بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں۔ لہٰذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتے ہیں'' (۱۶)۔

اسی طرح جو چیز آگے کی راہ سے اندر پہنچائی جاتی ہے اس کی بھی دو نوعیت معلوم ہوتی ہے۔ ایک کا تعلق مرد کے پیشاب کے راستہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق عورت کے فرج سے ہے۔ مرد کے آگے کے راستے سے جو چیز اندر پہنچائی جاتی ہے، یا دوا ٹپکا یا جاتا ہے اس کے متعلق علامہ مرغینانی لکھتے ہیں کہ اگر روزہ دار نے اپنے ذکر کے سوراخ میں دوا ٹپکائی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور امام ابو یوسف نے کہا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا، اور امام محمد کا قول اس میں مضطرب ہے۔ گویا کہ ابو یوسف کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ اس کے احلیل اور جوف کے درمیان پہنچنے کی راہ ہے اور اسی وجہ سے اس سے پیشاب نکلتا ہے اور ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ احلیل اور جوف کے درمیان مثانہ ہے اور پیشاب اس سے مترشح ہوتا ہے، اور یہ باب فقہ میں سے نہیں ہے (۱۷)۔

لیکن اس مسئلہ میں طبقہ نسواں کے متعلق فقہاء کی آراء میں شدت پائی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عورتیں اپنے پیشاب کے مقام میں کچھ ٹپکائیں تو باختلاف روزہ ٹوٹ جائے گا (۱۹) حالانکہ مثانہ تو عورتوں کے بھی ناف کے نیچے ہوتا ہے، اس لیے وہی حکم یہاں بھی لگنا چاہیے تھا۔ ہدایہ کی عبارت سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ سے فقہاء کما حقہ واقف نہیں ہیں اور وہ بھی اطباء کی رائے کو قابل ترجیح مانتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹروں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اس طرح کوئی چیز ڈالنے یا ٹپکانے سے روزہ فاسد بایں طور نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا اثر معدہ میں نہیں پہنچتا اور نہ اس سے کوئی جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کیے جاتے ہیں اس کے متعلق فقہاء کے یہاں جو نظیر ملتی ہے اس پر قیاس کر کے بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ صورتیں مفسد صوم ہوں گی یا نہیں۔ بحر الرائق میں ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا دھاگے سے باندھ کر اپنے حلق میں داخل کرے اور اس کا ایک کنارہ اس کے ہاتھ میں ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

''ولو شد طعاما بخیط وأرسله فی حلقه وطرف الخیط فی یده لایفسد الصوم'' (۱۸)۔

جب کہ علامہ کاسانی اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''فیمن ابتلع لحما مربوطا علی خیط ثم انتزعه من ساعته أنه لایفسد وإن ترکه فسد وکذا روی عن محمد فی الصائم إذا أدخل خشبة فی المقعد أنه لایفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة وهذا یدل علی أن استقرار الداخل فی الجوف شرط فساد الصوم'' (۱۹)۔

کسی نے گوشت کا ٹکڑا دھاگے سے باندھ کر اسے کچھ ساعتوں کے لیے اندر داخل کیا اور پھر اسے نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر چھوڑ دیا تو روزہ فاسد

ہوجائے گا۔ اسی طرح امام محمد سے روایت ہے کہ روزہ دار نے اپنے مقعد میں لکڑی داخل کیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ وہ پورا داخل ہو جائے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مفسد صوم وہ چیز ہے جو اندر جا کر ٹھہر جاتی ہو۔

حاصل بحث کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مرد وعورت کے آگے اور پیچھے کے راستے میں سیال یا غیر سیال دوا کا استعمال اگر صرف اوپر کے حصے میں ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ البتہ اگر یہ دوا کسی آلہ کے ذریعہ سے جھٹکے کے ساتھ اندر داخل کی جائے، جس سے کہ اس کے جوف معدہ تک پہنچنے کا امکان غالب ہو، جیسا کہ حقنہ لگانے کی صورت میں ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اس کا روزہ فاسد ہونے کی رائے دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حقنہ کے حوالے سے ہمارے قدیم فقہاء کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے۔ یہی بات مرد وعورت کے آگے اور پیچھے کے راستے سے کسی دوا کے ساتھ آلہ کے داخل کرنے کے سلسلے میں کہی جاسکتی ہے۔ اگر آلہ ایسا ہو کہ اس کے ساتھ لگی ہوئی دوا کے اندر تک پہنچنے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا، دوسری صورت میں آلہ داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مأخذ ومرجع:

۱-ابوالحسن المرغینانی، ہدایہ مع الدرایہ، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارہ، ص:۲۲۰، ج:۱، فیصل پبلیکیشنز، دیوبند۔

ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقدوری، مختصر القدوری، ص:۵۳، یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند۔

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، کنز الدقائق، ص:۶۹، مکتبہ تھانوی، دیوبند۔

۲-زین الدین الشہیر بابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ص:۲۸۰، ج:۲، دار الکتب العربی، مصر۔

۳-فتاویٰ عالم گیری (ترجمہ اردو) ص:۱۱، ج:۲، حامد اینڈ کمپنی، دہلی، ۱۹۸۸ء۔۔۔۔۔۔۔ مختصر القدوری، ص:۵۳۔

۴-فتاویٰ عالم گیری (ترجمہ اردو) ص:۱۱، ج:۲۔

۵-فتاویٰ عالم گیری (ترجمہ اردو) ص:۱۷، ج:۲۔

۶-ردالمحتار علی الدر المختار، ص:۳۲۷، ج:۳۔

۷-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۴-۳۹۵ مکتبہ نعیمیہ دیوبند ۲۰۰۵ء۔

۸-احمد الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصوم، باب یفسد صوم من غیر الکفارۃ ۱/ ۵۵۲، ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۳۲۷۔

۹-مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ ۱/ ۳۹۴-۳۹۶، تاج کمپنی دہلی ۲۰۰۲ء۔

۱۰-یوسف القرضاوی، فتاوی یوسف القرضاوی (ترجمہ اردو) /ص ۱۶۸، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۵ء۔

۱۱-ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۳۲۹۔

۱۲-فتاوی عالمگیری (اردو ترجمہ) ۲/ ۱۹۔

۱۳-المختصر القدوری/ص ۵۲، البحر الرائق ۲/ ۲۷۹۔

۱۴-مولانا رشید احمد گنگوہی: فتاوی رشیدیہ/ص ۴۷۳، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔

۱۵-احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۰۔

۱۶-ہدایہ مع الدرایہ ۱/ ۲۲۰۔

۱۷-فتاوی عالمگیری (اردو ترجمہ) ۲/ ۱۸۔

۱۸-البحر الرائق ۲/ ۲۷۹۔

۱۹-بدائع الصنائع ۲/ ۹۳۔

☆☆☆

جدید مفطرات صوم کا حکم شرعی

مولانا محمد اقبال قاسمی[1]

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دواؤں کا حکم:

سوال واضح نہیں ہے، کیونکہ دوا کی تاثیر کا علم نہیں ہے، کیا اس دوا کو زبان کے نیچے رکھنا اور زبان سے اسکا مس ہونا امراض قلب کیلئے مفید ہے، یا اسکے اجزاء کو بعینہ یا تحلیل ہونے کے بعد لعاب کو نگلنا اس مرض کے لئے مفید ہے؟ اگر شق اول ہو اور وہ شخص دوا کو صرف زبان کے نیچے رکھے اور لعاب کو باہر پھینکتا رہے اور دوا کا کوئی جز اندر نہ جانے پائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور یہ چونکہ عذر کی وجہ سے ہے اسلئے مکروہ بھی نہیں، البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے:

''یکرہ للصائم أن یذوق العسل أو الدھن لیعرف الجید من الردئ'' (فتاوی ہندیہ۱۹۹/۱)۔

(روزہ دار کیلئے شہد یا تیل کو چکھنا تا کہ اچھے یا خراب کا علم ہو سکے مکروہ ہے)۔

اور اگر شق ثانی ہو اور اس دوا کو یا اسکے لعاب کو نگلنا اس مرض کیلئے ضروری ہو تو پھر یہ سوال بیجا ہے کہ اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے، کیونکہ پھر اس دوا کو استعمال کرنے سے فائدہ کیا ہے، اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو مکروہ ہے، کیونکہ علماء نے اس گوند کے چبانے کو مکروہ قرار دیا ہے جس کے اجزاء تحلیل نہ ہوں اور اس کا کوئی جز جوف میں نہ پہنچے۔

''ویکرہ مضغ العلك الذی لا یتحلل منه أجزاء فلا یصل شئ إلی الجوف'' (الموسوعة الفقهیہ بحوالہ حاشیہ الطحطاوی علی المراقی ۲۸/۶۹)۔

اور اس گوند کو چبانا جس کے اجزاء تحلیل ہو جائیں حرام ہے اگر چہ اسکا لعاب نہ نگلے، اور اگر وہ گوند چورہ ہو جائے اور اسکا کوئی جز جوف میں پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر پہنچنے میں شک ہو تو نہیں ٹوٹے گا، حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

''أما ما یتحلل منه أجزاء فیحرم مضغه ولو لم یبتلع ریقه، فإن تفتت فوصل شئ منه إلی جوفه عمدًا أفطر وإن شك فی الوصول لم یفطر'' (حوالہ سابق)۔

اگر اس دوا کا اثر حلق میں چلا گیا یا لعاب میں مل جانے والا اجزا اسکے حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا)

وإن وجد طعم المذوق فی حلقه أفطر (حاشیۃ الطحطاوی:۳۷۱) (اور اگر چکھی ہوئی چیز کا مزہ حلق میں محسوس کیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں بیماری کی وجہ سے کسی خشک دوا کو زبان کے نیچے دبا کر رکھنا اور اسکے لعاب کو باہر پھینک دینا اور اسکے مزہ کو حلق میں جانے نہ دینا مفسد صوم نہیں ہے، اور ایسا کیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ اندیشہ ہے دوا یا لعاب کا یا اسکے مزہ کا حلق میں چلے جانے کا اس لئے ایسا نہ کرنا بہتر ہے، اور اگر دوا یا لعاب میں مل جانے والا اجز یا اسکا مزہ حلق میں گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۲- تنفس کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا:

تنفس یا دمہ کے مریض کا بحالت روزہ انہیلر استعمال کرنا درست نہیں، اور اس کو استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا، انہیلر سفوف کی شکل میں ہو یا سیال صورت میں، کیونکہ انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا کا نہایت مختصر جز حلق کے راستہ سے پھیپھڑے تک پہنچا یا جاتا ہے، اور حلق کے راستہ سے جو چیز بھی

[1] مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھر دارہ، دربھنگہ۔

اندر جائیگی روزہ ٹوٹ جائیگا، کیونکہ حلق کا اندرونی حصہ جوف کے حکم میں ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''إذا جاوز الشئ الحلقوم أفطر (الموسوعة الفقهيه: ۲۸/۳۰)۔ (جب کوئی چیز حلق سے پار ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے)۔

فقہاء نے فساد صوم کیلئے کسی بھی چیز کے جوف میں پہنچنے کی شرط لگائی ہے، اور جوف پیٹ کو نہیں کہتے بلکہ جوف جسم کے اندرونی حصہ کو کہتے ہیں، اور حلق کا اندرونی حصہ بھی جوف میں داخل ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''والجوف هو الباطن سواء كان مما يحيل الغذاء والدواء ... كالبطن والأمعاء أم كان مما يحيل الدواء فقط كباطن الرأس أو الأذن أم كان مما لا يحيل شيئًا كباطن الحلق'' (الموسوعة الفقهيه ۲۸/۳۰)۔

(جوف جسم کے اندرونی حصہ کو کہا جاتا ہے، خواہ بدن کا وہ حصہ ہو جو غذا اور دوا دونوں کو تحلیل کرتا ہو، جیسے پیٹ اور آنت، یا وہ حصہ ہو جو صرف دوا کو تحلیل کرتا ہو، جیسے سر اور کان کا اندرونی حصہ، یا کچھ بھی تحلیل نہ کرتا ہو، جیسے حلق کا اندرونی حصہ)۔

یہ عبارت بالکل صریح ہے کہ جب کوئی چیز حلق سے پار ہوگئی تو وہ جوف میں پہنچ گئی، اب خواہ وہ پھیپھڑے میں جائے یا کہیں اور جائے، رہ گیا یہ سوال کہ وہ نہایت مختصر جز ہوتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑیگا، کیونکہ اگر کسی چیز کو باہر سے منہ میں ڈال کر نگل لے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے دانت میں لگے ہوئے تل کو نگل لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر باہر سے لے کر نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وإذا ابتلع سمسمةً بين أسنانه لا يفسد صومه لأنه قليل وإن ابتلع من الخارج يفسد'' (فتاوی ہندیہ ۲/۲۰۲)۔

اگر دانت میں لگے ہوئے تل کو نگل لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا چونکہ وہ قلیل ہے، اور اگر خارج سے نگلا تو ٹوٹ جائے گا۔

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:

اگر باہر سے کوئی چیز منہ میں ڈال کر نگل لی تو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس سے روزہ جاتا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۲۸۴)۔

۳- روزہ کی حالت میں بھاپ لینا:

بحالت روزہ بھاپ لینا درست نہیں خواہ بھاپ لینے کا طریقہ قدیم ہو یا جدید، مشینی طریقہ سے بھاپ لی جائے یا سادہ طریقہ سے کہ ابلتے ہوئے پانی میں دوا ڈال دی جائے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جائے، شرط یہ ہے کہ بھاپ ناک یا منہ کے ذریعہ لی جائے اور وہ بھاپ ناک یا منہ میں پہنچے اور حلق یا دماغ اسکا اثر محسوس کرے، چونکہ بھاپ ایک مجسم شئی ہے اور اس کے ذریعہ دماغ کو ایک خاص قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور وہ ناک یا منہ کے راستہ سے اندر جاتی ہے اس لئے بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اور فقہاء نے اس کی ایک نظیر پیش کی ہے کہ جس طرح عود اور بخور کا دھواں ایک مجسم شئی ہے اور اس سے دماغ کو ایک قسم کی فرحت اور سکون حاصل ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص عود اور بخور کا دھواں بالقصد حلق میں لے جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''بخار القدر متى وصل للحلق باستنشاق أوجب القضاء لأن دخان البخور وبخار القدر كل منهما جسم يتكيف به الدماغ ويتقوى به كالتي تحصل من الأكل'' (موسوعہ فقہیہ ۲۸/۳۶)۔

(ہانڈی کی بھاپ جب ناک سے کھینچنے کے ذریعہ حلق میں پہنچ جائے تو قضا واجب ہو جائیگا، اس لئے کہ بخور کا دھواں اور ہانڈی کی بھاپ دونوں کے دونوں جسم ہیں جن سے دماغ کو ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے اور تقویت ملتی ہے جیسے کھانے سے ملتی ہے)۔

۴- روزہ میں انجکشن لینا:

انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں پہنچائی جائے یا رگوں میں پہنچائی جائے، پھر وہ انجکشن دوا کی ضرورت پوری کرے یا غذا کی ضرورت پوری کرے

اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ انجکشن کے ذریعہ کوئی چیز براہ راست معدہ تک نہیں پہنچتی بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں، اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں اسلئے روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ تو اسوقت ٹوٹے گا جب کوئی چیز براہ راست جوف معدہ میں پہنچے، مطلقاً کسی عضو کے جوف یا جوف عروق میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ فقہاء نے زخم پر دواڈالنے کو مطلقاً مفسد صوم نہیں کہا ہے بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا دماغ یا بطن کے اندر پہنچتی ہے ورنہ جوف عروق میں تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے انجکشن سے متعلق ایک استفتاء کا جواب مفصل تحریر فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بعینہ نقل کر دیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

مفسد صوم صرف وہ چیز ہوتی ہے کہ جوف معدہ میں غذا بعینہ پہنچ جائے، چاہے منفذ معتاد سے پہنچے یا منفذ غیر معتاد سے پہنچے، اور اگر دوا یا غذا بعینہ جوف معدہ میں نہ پہنچے بلکہ دوا یا غذا بعینہ صرف رگوں، پٹھوں تک رہ جائے اور صرف اس کا اثر و نفع جوف معدہ تک پہنچے تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ پس ان تمام انجکشنوں میں جو شرائینی ہوں یا وریدی یا استعمال سلائینی ہو، دوا یا غذا بعینہ معدہ میں نہیں پہنچتی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی مفسد صوم نہ ہوگا، ہاں اگر کسی تدبیر سے بعینہ دوا یا غذا جوف معدہ میں پہنچادی جائے جیسے حقنہ یا نلکی وغیرہ کے ذریعہ سے بعینہ دوا یا غذا جوف معدہ میں پہنچادی جائے یا پہنچادی جاتی ہے، تو ان صورتوں میں روزہ بلاشبہ ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹ جائیگا (نظام الفتاوی ۲/۱۲۵)۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

وہ چیز جو جوف یا دماغ تک منفذ اصلیہ سے پہنچے جیسے ناک، کان اور پیچھے کی راہ، اس طریقہ پر کہ ناک یا پیچھے کے مقام میں کوئی دوا پہنچائی گئی یا کان میں دوا ڈالی گئی اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ انجکشن کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، متاخرین فقہاء اور مفتیان کرام نے اسکی تصریح کی ہے اور قدیم فقہاء کے یہاں اسکی نظیر موجود ہے۔

۵- گلوکوز چڑھانا:

جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کیلئے گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو انجکشن کا ہے، البتہ روزہ کی حالت میں محض تقویت کیلئے گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے، چونکہ روزہ رکھنے کا مقصد کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے ذریعہ نفس امارہ کو مغلوب کرنا ہے، اور انسان میں صفت تقوی پیدا کرنا ہے، اور گلوکوز چونکہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے اس سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور آدمی بھوک کی وجہ سے پیدا ہونیوالی کمزوری سے بھی محفوظ رہتا ہے اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا جسم کی غذائی ضرورت کو پورا کرنا ہے، اسلئے محض تقویت کیلئے گلوکوز چڑھانا کراہیت سے خالی نہیں، ہاں اگر بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری ہو اور ضعف بہت ہو تو پھر گلوکوز چڑھانے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ روزہ بہر حال افطار سے بہتر ہے، مولانا یوسف صاحبؒ لدھیانوی لکھتے ہیں:

گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۸۸)۔

۶- پیچھے کے راستہ سے اندر دوا پہنچانا:

پیچھے کی راہ سے اندر دوا پہنچانا خواہ سیال ہو یا غیر سیال، جمہور علماء کے نزدیک روزہ ٹوٹنے کا سبب ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: ''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (مجمع الزوائد: ۳/۱۶۷)۔ روزہ ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو جسم کے اندر جاتی ہیں، ان چیزوں سے نہیں جو جسم سے خارج ہوتی ہیں، اور روزہ ٹوٹنے کی علت یہ ہے کہ دوا جوف معدہ تک منفذ مفتوح سے پہنچ رہی ہے۔ بدائع میں علامہ کاسانی قاعدہ کلیہ کے طور پر لکھتے ہیں:

وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر... فسد صومه (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

اور فقہاء اس مسئلہ کو احتقان کے لفظ سے بیان کرتے ہیں، یعنی حقنہ سے علاج کرنا، اور حقنہ ہر اس دوا کو کہتے ہیں جو مریض کی مقعد سے پیٹ صاف کرنے کیلئے چڑھائی جائے۔ اور احتقان کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور صرف قضاء واجب ہوتا ہے کفارہ نہیں۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

''الإحتقان: صبّ الدواء أو إدخال نحوه في الدبر... يفسد الصوم ويوجب القضاء'' (الموسوعة الفقهيه۲۸/۳۸)۔

(احتقان وہ دوا یا اسی کے مثل کسی چیز کو مقعد میں داخل کرنا ہے.....یہ روزہ کو فاسد دیتا ہے اور قضا واجب کرتا ہے)۔

صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو بڑے واضح انداز میں لکھا ہے اور نقلی اور عقلی دلیل بھی دی ہے، نیز یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ کفارہ کیوں نہیں واجب ہوگا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ومن احتقن ..... أفطر لقوله عليه السلام الفطر مما دخل ولوجود معنى الفطر وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف ولا كفارة عليه لانعدامه صورة'' (ہدایہ:۱/۲۲۰)۔

جس شخص کا حقنہ سے علاج ہوا اس کا روزہ ٹوٹ گیا چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ ان چیزوں سے فاسد ہوتا ہے جو اندر جاتی ہیں، اور معنی افطار پایا جارہا ہے، اور وہ اس چیز کا جوف تک پہنچنا ہے جس میں بدن کا صلاح ہے، اور اس پر کفارہ نہیں صورۃً افطار نہ پائے جانے کی وجہ سے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پیچھے کی راہ سے اندر دوا پہنچانا سیال ہو یا غیر سیال روزہ کیلئے مفسد ہے، اور اس پر قضاء واجب ہوگا کفارہ نہیں۔

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانا:

بواسیری مسّے موضع حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں اور مقعد کے راستہ سے داخل ہونیوالی چیز جب تک حقنہ کی جگہ نہیں پہنچے گی روزہ فاسد نہیں ہوگا، لہٰذا صرف بواسیری مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ وہ مرہم اندرونی مسوں پر لگایا جائے یا اوپری سطح پر، ہاں اگر روزہ کی حالت میں بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ اندر تک دوا پہنچائی جائے یا از خود دوا یا پانی اس حد تک اندر پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لیتا ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا۔ امداد الاحکام میں مولانا ظفر عثمانیؒ اس طرح کے سوالوں کا مفصل جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم کو طبیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد و وثوق ہے، معلوم ہوا کہ حالت احتقان میں راس محقنہ پانچ چھ انگلی اندر پہنچایا جاتا ہے تب احتقان ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسّے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگلی اندر ہوتے ہیں تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہنچنا قدر محقنہ تک تری پہنچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہٰذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا (امداد الاحکام:۳/۱۲۹)۔

مفتی رشید احمد تحریر فرماتے ہیں:

بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہٰذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰)۔

مولانا تھانویؒ اگرچہ فساد صوم کے قائل ہیں اور انہوں نے شامی کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے: ''خرج سرمة فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا لا''۔ لیکن تحقیقی بات مولانا ظفر عثمانیؒ کی لگتی ہے جو خود امداد الفتاوی کے تتمہ میں مکتوب ہے۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کا اندر داخل کرنا:

اگر کوئی ڈاکٹر امراض معدہ کی تحقیق کیلئے کوئی آلہ اندر داخل کرے اور وہ آلہ اندر چھپ جائے تو احناف کے نزدیک روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر اسکا کچھ حصہ باہر رہتا ہو اور کچھ اندر تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے کوئی خشک انگلی اندر داخل کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۳۹)۔

درمختار میں ہے کہ کوئی عورت شرمگاہ میں روئی داخل کرے اور وہ چھپ جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (در مختار على هامش رد المحتار ۲/۱۰۸)۔

اگر کسی عورت نے شرمگاہ میں روئی داخل کرلیا، اگر وہ چھپ جائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر اسکا کنارہ شرمگاہ کے باہر کے حصہ میں ہو تو نہیں فاسد ہوگا۔

یہ تفصیل تو اس وقت ہے کہ اس آلہ میں کوئی دوا نہ ہو، اور اگر آلہ میں کوئی دوا لگا کر اندر داخل کیا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ آلہ اندر چھپے یا نہ چھپے، کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر خشک انگلی داخل کی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر پانی یا تیل سے تر انگلی داخل کی گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''أما المبلولة بالماء والدهن يفسده'' (الموسوعة الفقهيه۳۹/۲۸)۔

روئی یا آلہ کے اندر چھپنے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ احناف کے نزدیک داخل ہونے والی چیز کا جوف میں ٹھہرنا روزہ ٹوٹنے کیلئے شرط ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''الصائم إذا أدخل خشبة فى المقعد أنه لا يفسد صومه إلّا إذا غاب طرفا الخشبة وهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط فساد الصوم'' (بدائع الصنائع۹۳/۲)۔

(روزہ دار نے اگر مقعد میں لکڑی داخل کر لی تو اسکا روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر جبکہ لکڑی کا دونوں کنارہ چھپ جائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ داخل ہونیوالی چیز کا جوف میں ٹھہرنا فساد صوم کیلئے شرط ہے)۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا، چنانچہ علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

''لو أدخل الرجل إصبعه أو غيرها دبره وبقي البعض خارجًا بطل الصوم باتفاق أصحابنا'' (الإقناء۲۳۰/۲)۔

(اگر کسی مرد نے اپنی انگلی یا کوئی دوسری چیز اپنے مقعد میں کر لیا اور اسکا بعض حصہ باہر رہ گیا تو روزہ باطل ہو گیا، اس پر ہمارے تمام اصحاب شوافع کا اتفاق ہے)۔

۷-مرد کے پیشاب کی راہ سے دوا پہنچانا:

اگر مرد کے پیشاب کے راستہ سے دوا یا کوئی دوسری چیز اندر پہنچائی جائے تو امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور حضرت امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق روزہ نہیں فاسد ہوگا، چاہے وہ چیز مثانہ تک پہنچے یا نہ پہنچے، کیونکہ مثانہ اور جوف معدہ کے درمیان کوئی منفذ مفتوح نہیں ہے، اور پیشاب معدہ سے مثانہ میں ٹپک کر آتا ہے جیسے مٹی کا کوئی برتن چنک جائے تو اس سے پانی ٹپکنے لگتا ہے حالانکہ کوئی سوراخ نہیں ہوتا، لہٰذا جو چیز پیشاب کی نالی میں ڈالی جائے گی وہ جوف تک نہیں پہنچے گی، اور جوف معدہ میں پہنچنے سے روزہ ٹوٹتا ہے نہ کہ مثانہ میں، یہ بالکل ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص کسی چیز کو منھ میں رکھے اور اسکو نگلے نہیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ الموسوعہ الفقہیہ میں تبیین الحقائق اور فتاوی ہندیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''التقطير فى الإحليل أى الذكر فذهب أبو حنيفة ومحمد ومالك وأحمد وهو وجه عند الشافعية إلى أنه لا يفطر سواء أوصل إلى المثانة أم لم يصل لأنه ليس بين باطن الذكر وبين الجوف منفذ وإنما يمر البول رشحًا'' (الموسوعة الفقهيه۴۰/۲۸)۔

اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا اگر وہ چیز مثانہ تک پہنچ گئی ہو، اور اگر وہ چیز نالی میں رہ گئی اور مثانہ تک نہیں پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''وذهب أبو يوسف إلى أنه يفطر إذا وصل إلى المثانة أما مادام فى قصبة الذكر فلا يفسد بالإتفاق'' (مراق الفلاح:۶۶۱)۔

اور یہ اختلاف مبنی ہے اس پر کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ ہے یا نہیں، امام ابویوسفؒ منفذ کے قائل ہیں جبکہ طرفین کے نزدیک کوئی منفذ نہیں ہے، اگر یہ بات محقق ہو جائے کہ منفذ ہے تو طرفین کے نزدیک فساد صوم متعین جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے، اگر یہ محقق ہو جائے کہ منفذ نہیں ہے تو عدم فساد متعین جیسا کہ طرفین کا مسلک ہے، اسی وجہ سے جو چیز پیشاب کی نالی میں رہ جائے اور مثانہ تک نہ پہنچے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا، چونکہ اسکا جوف میں نہ پہنچنا متعین ہے۔

علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ اطباء کی تحقیق یہ ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، مثانہ میں پیشاب ٹپک کر آتا ہے، علامہ ابن عابدین شامی ائمہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''والاختلاف مبنى على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطبّاء، قال الزيلعي وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقًا'' (رد المحتار ۲/۱۰۹)۔

اور جب مثانہ میں کسی چیز کے پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو آلہ داخل کرنے سے بدرجہ اولیٰ نہیں ٹوٹے گا۔

خواتین کا اپنی شرمگاہ میں دوا رکھنا:

اگر کسی مرض میں خواتین کی شرمگاہ میں کوئی سیال یا جامد دوا رکھی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا، کیونکہ یہ حقنہ کے مشابہ ہے، اور حقنہ کی صورت میں بالاجماع روزہ ٹوٹ جاتا ہے، درمختار میں ہے: ''وأما في قبلها فمفسد اجماعًا لأنه كالحقنة''۔

چونکہ عورت کی شرمگاہ اور جوف کے درمیان منفذ ہے تو جیسے کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح شرمگاہ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

''وأما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار في الأذن'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(رہا عورت کی شرمگاہ میں دوا ٹپکانا تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اس کا روزہ بالاجماع فاسد ہوجائیگا، اس لئے کہ اس کے مثانہ کے لئے منفذ ہے جس سے وہ جوف تک پہنچ جاتی ہے جیسے کان میں کوئی دوا ٹپکانا)۔

اسی طرح اگر مرض کی تحقیق کے لئے کوئی آلہ رحم تک پہنچایا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائیگا بشرطیکہ آلہ چھپ جائے جیسا کہ درمختار میں ہے:

''ولو أدخلت قطنةً إن غابت فسد'' (درمختار ۲/۱۰۸) ورنہ نہیں۔

☆☆☆

مفطرات صوم

مولانا عبدالتواب اناوی [1]

فقہائے کرام کی عبارتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ مفطر صوم صرف اور صرف کسی چیز کا جوف معدہ میں داخل ہونا ہے خواہ وہ راستہ معتاد سے ہو یا غیر معتاد سے ہو، نیز انہیں کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ بطن کا اطلاق بحالت صوم کہاں سے کہاں تک ہوتا ہے اور بطن تک کسی چیز کے پہنچنے کے معتاد اور غیر معتاد راستے کون ہیں اور کن اشیاء کا دخول اور کس طرح دخول مفطر صوم ہے۔

چنانچہ حلق سے لیکر موضع حقنہ تک اور خلیہ دماغ سے لیکر معدہ اور رحم ہوتے ہوئے فرج داخل تک تمام اندرونی حصہ بحالت صوم بطن شمار ہوتا ہے یعنی مذکورہ حصوں میں اگر کوئی چیز داخل ہوجاتی ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

پھر معتاد اور غیر معتاد راستوں کا تعین اس طرح ہوتا ہے کہ حلق، دماغ، فرج داخل اور موضع حقنہ یہ چار راستے معتاد ہیں ان کے علاوہ جو بھی راستے ہوسکتے ہیں وہ سب کے سب غیر معتاد ہوں گے، فقہاء کے یہاں ان کا تذکرہ جائفہ اور آمہ کے عنوان سے ملتا ہے۔

معتاد یا غیر معتاد راستوں سے داخل ہونے والی اشیاء چونکہ مختلف ہیئت کی ہوتی ہیں اور مختلف کیفیت کی حامل ہوتی ہیں اسلئے ان میں قدرے تفصیل ہے:

۱۔ وہ اشیاء جو دخانی ہوتی ہیں یعنی فضا میں اڑتی پھرتی ہیں جیسے دھواں، گرد وغیرہ، ان کے ازخود داخل ہونے سے روزہ مت اثر نہیں ہوتا، البتہ داخل کرنا ممنوع ہے

۲۔ وہ اشیاء جن میں تراوٹ یا دہنیت ہو ان کا ہر طرح دخول مفطر صوم ہے۔

۳۔ وہ اشیاء جو خشک ہوتی ہیں ان کا مکمل دخول یا دوبارہ دخول صوم کو فاسد کردیتا ہے۔

اسی طرح فقہاء کرام کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جسم باطن کا اطلاق کہاں سے ہوتا ہے اور جسم خارج کیا ہے۔

جسم کا ہر وہ حصہ جو کھلا ہوا ہے وہ جسم ظاہر ہے، نیز حدود حلق سے اوپر کا حصہ یعنی پورا فم اور دبر کے اندر موضع حقنہ سے قبل اور قُبل میں حدود فرج داخل سے قبل کا حصہ جسم ظاہر ہے اور مابقیہ جسم باطن۔

غیر معتاد راستوں سے دخول کا مطلب اور قدرے تفصیل:

فقہاء کرام کے یہاں غیر معتاد راستوں کے بارے میں یہ تفصیل موجود ہے کہ کوئی بھی شئ جسم کے کسی بھی حصہ سے داخل ہوکر بلا واسطہ جوف معدہ یا راستہ معتاد میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائیگا ورنہ نہیں۔ اور راستہ معتاد میں کسی شئ کا پہنچ جانا ہی فساد صوم کا سبب کیوں کر ہوا جبکہ شئ جوف معدہ میں نہیں پہنچی، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جو شئ ان چار معتاد راستوں میں پہنچ گئی اس کا معدہ تک پہنچنا گو یقینی نہیں لیکن ممکن ضرور ہے، اس لئے مفطر کے مقدمہ کا حکم بھی مفطر قرار دیا جائے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۲۳، ردالمحتار ۳/ ۳۹۷، شرح النقایہ ۱/ ۴۱۵)۔

اب سوال نامہ میں درج شدہ بعض مسائل کی طرف رخ کیا جاتا ہے:

۱۔ دل کے امراض عموماً پیچیدہ مسائل کے حامل ہوتے ہیں۔ بسا اوقات وقت پر دوا نہ ملنے کی صورت میں مریض کو انتہائی نازک اور خطرناک مراحل سے گذرنے کا اتفاق بھی پیش آتا ہے۔ یہاں تک کہ حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔

صورت مسئولہ میں یہ بات بھی ظاہر کی گئی ہے کہ مریض دوا کو زبان کے نیچے دبا کر رکھے اور اس سے مترشح رطوبت نیز دوا اور لعاب نکلنے سے پرہیز کرے تو ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس کے پیش نظر فساد صوم کا حکم لگایا جاسکے۔ زیادہ سے زیادہ کراہت صوم کا حکم ہوسکتا ہے۔ لیکن

[1] جامعہ اسلامیہ، ہتھورا، باندہ۔

الضرورات تبیح المحظورات کے تحت وہ بھی نہیں ہوگا۔

''قال وکرہ ذوق شئ ومضغه بلا عذر کذا فی الکنز وذکر فی التجنیس قال إن کراهة الذوق فی صوم الفرض وأما التطوع فلا بأس إلی أن قال ولو مص الهلیلج فدخل البزاق حلقه لم یفسد ما لم یدخل عینه'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۲)۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ امداد الاحکام میں رقم طراز ہیں کہ تمبا کو کا مرکب سفوف (یعنی گل منجن) اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے مفسد صوم نہیں ہے، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے تو روزہ فاسد ہے۔ اور اس طرح کے سفوف کا استعمال بحالت صوم بلا ضرورت مکروہ ہے (امداد الاحکام ۲/۱۲۸)۔

مفتی عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ میں منجن، ٹوتھ پیسٹ، یا عورت کو مسی یا دندانہ لگانا بکراہت جائز ہے۔ اگر کوئی چیز حلق سے نیچے اتر گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۹، نیز دیکھئے: فتاوی دار العلوم)۔

مذکورہ بالا روایات فقہاء اور مفتیان عظام کے فتاوی سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر مریض زبان کے نیچے رکھی ہوئی صورت میں لعاب بھی نگلنے سے باز رہے تو روزہ فاسد قرار نہ دینا چاہیے۔

۲- انہیلر کا استعمال:

انہیلر ایک ایسی دوا کا نام ہے جو اپنی رقت ولطافت میں دخان سے کہیں زیادہ آگے ہے، میرے والد صاحب کو تنفس کا مرض ہے جس کی وجہ سے وہ انہیلر کا استعمال کرتے ہیں، بسا اوقات دن میں کئی مرتبہ ضرورت پڑتی ہے، اتفاق سے ایک دن ناچیز نے بھی اسے منہ میں لگایا اور بٹن دبا دیا، بس اتنا محسوس ہوا کہ منہ میں ایک زوردار ہوا کا دخول ہوا اور بس، نہ کوئی ذائقہ محسوس ہوا نہ کوئی جسم جیسا کہ دخان میں ہوتا ہے، حقہ، بیڑی، سگریٹ پینے والے حضرات اندازہ کر سکتے ہیں کہ دھواں کا ایک جسم ہوتا ہے جیسا کہ جب وہ منہ میں یا پیٹ میں نیز ناک اور دماغ میں پہنچتا ہے تو اس کا دخول وخروج نیز اس کا قیام تک محسوس ہوتا ہے نیز اس میں مزہ بھی محسوس ہوتا ہے، انہیلر میں اس طرح کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی، نیز صورت مسئولہ میں خود اس بات کی وضاحت ہے کہ انہیلر حلق کے راستے سے داخل ہوتا ہے لیکن جوف معدہ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کا دخول صرف پھیپھڑے تک ہوتا ہے، اور جس چیز کا جوف معدہ میں نہ پہنچنا یقینی ہو اس کو مفطر صوم قرار نہیں دیا جا سکتا، جیسے کہ کوئی چیز دھاگے میں باندھ کر حلق میں داخل کی جائے اور پھر اسے کھینچ لیا جائے تو وہ مفطر صوم نہیں ہوتی، کیونکہ مفطر صوم اصلاً دخول الشئ فی جوف معدہ ہے، اور حلق میں کسی چیز کا پہنچ جانا علامۃً معدہ تک پہنچنا ہو ہی جاتا ہے، اس لیے کسی چیز کے حلق میں داخل ہونے کو بھی مفطر صوم قرار دیا گیا، ورنہ دخول تنہا مفطر صوم نہیں ہے، لہذا انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اگر یقین ہو جائے کہ کوئی چیز اگر جوف دماغ میں داخل ہو کر وہیں رک جائے گی آگے نہیں بڑھے گی یعنی جوف معدہ میں نہ جائے گی تو اس صورت میں دخول الی جوف دماغ کو بھی مفطر صوم نہیں کہا جا سکتا۔

۳- بھپارہ لینا:

بھاپ کے ذریعہ جو علاج کیا جاتا ہے خواہ اس کا طریقہ قدیم ہو یا جدید، ابلتے پانی میں دوا ڈالکر اسے کھینچا جائے یا کسی مشین میں دوا پانی وغیرہ ڈال کر، کیونکہ بھاپ کے ذریعہ جو کچھ بھی کھینچا جاتا ہے وہ دوا نہیں ہوتی بلکہ دوا کا اثر ہوتا ہے بخلاف دخان کے کہ اس میں دوا کے ذرات بھی ہوتے ہیں، نیز دھواں باضابطہ ناک یا حلق کے راستے جوف معدہ میں داخل ہوتا ہے اور اپنے اندر سموئے ہوئے ذرات معدہ میں داخل کر دیتا ہے، بھاپ میں یہ کیفیت نہیں ہوتی، کیونکہ بھاپ میں اولاً دوا کے ذرات نہیں ہوتے بلکہ صرف اس کا اثر ہوتا ہے، اور کسی چیز کا اثر معدہ میں داخل ہونا مفطر صوم نہیں ہوا کرتا جیسا کہ مسامات یا نسوں کے ذریعہ کوئی چیز جوف معدہ میں پہنچ جائے تو افطار کا حکم نہیں ہوتا۔ نیز قدیم فقہاء کے زمانے میں بھی یہ طریقہ علاج مروج تھا، کسی نے بھی اس طریقہ علاج کو مفطر نہیں کہا۔

جیسا کہ مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں، اور اکثر مسامات کے ذریعہ ہی پسینہ کے راستے امراض باہر آجاتے ہیں۔ اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا بلغم مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔ غرض کہ جو فائدہ حلق کی راہ سے دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہیں بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے جدید انکشاف نہیں۔ فقہاء مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۴۹)۔

لہذا صورت مسئولہ میں بپھارہ کے ذریعہ طریقہ علاج کو مفطر صوم قرار نہیں دینا چاہیے خواہ ضرورت شدیدہ ہو یا غیر شدیدہ۔

۴،۵- انجکشن لینا اور گلوکوز چڑھانا:

انجکشن کے ذریعہ دوا جو جسم کے اندر پہنچائی جاتی ہے وہ معدہ میں بحیثیت جسم کے داخل ہوتی ہے، بحیثیت معدہ داخل نہیں ہوتی یعنی انجکشن سے جو دوا یا غذا جسم کے اندر داخل کی جاتی ہے خواہ اسکا دخول جسم کے کسی خاص حصے کیلئے ہو یا پورے جسم کے لئے ہو، اسی طرح اسکا دخول مسامات جسم سے ہو یا شرائین واوردہ کے ذریعہ، بہرصورت دوا یا غذا جسم کے اندر پہنچانا مقصود ہوتا ہے خواہ پورے جسم میں پہنچانا مقصود ہو یا جسم کے بعض حصے میں پہنچانا ہو لیکن بہرصورت معدہ کا وہی حکم ہوگا جو پورے جسم کا ہے یعنی جس طرح پورے جسم میں بذریعہ شرائین ومسام کسی چیز کا دخول مفطر صوم نہیں ہے، جسم معدہ میں بھی اس طرح کا دخول مفطر صوم قرار نہیں دیا جائے ہوگا کیونکہ افطار کیلئے جوف معدہ میں کسی چیز کا دخول لازم ہے، اورصورت مسئولہ میں دخول فی جوف معدہ ہے نہیں اس لئے دونوں صورتوں میں یعنی انجکشن خواہ دوائیہ ہو یا غذائیہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ روزہ فاسد اس وقت ہوتا ہے جبکہ دخول فی المعدہ راستہ معتاد سے ہو، یا راستہ غیر معتاد سے ہو مگر بلا واسطہ ہو، انجکشن کے ذریعہ جس دوا یا غذا کا دخول الی الجوف ہوا ہے وہ نہ راستہ معتاد سے ہے اور نہ بلا واسطہ ہے بلکہ مسامات بدن اور شرائین وغیرہ کے واسطے سے ہے اس لئے حکم فساد صوم کا نہ ہونا چاہئے (دیکھئے: شرح النقایہ ۱/۴۱۵)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اسکا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی۔ اور فساد صوم کیلئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے۔ مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا نہیں، لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے وہ مفسد صوم نہیں ہے (امداد الفتاوی ۲/۴۵)۔

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

بدائع الصنائع کی عبارت: ''و ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر فوصل إلى الجوف أو الدماغ فسد صومه وأما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية لا يفسد'' کے حوالے سے ہے کہ انجکشن اور ٹیکہ لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند)۔

مفتی عبدالرشید صاحبؒ رقم طراز ہیں کہ روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے اس لیے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی: جلد ۴)۔

مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کھانا پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا۔ رگ کاٹ کر پانی رگوں میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا وہ فائدہ گو پورا نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایر کنڈیشن میں داخل ہونے، سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل جسم کے اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما فی الدر المختار وغیرہ (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۴۸)۔

مفتی نظام الدین صاحبؒ مفتی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ عام انجکشن جو رگوں میں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ غذا یا دوا بعینہ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن۔ اس لیے جو انجکشن رگوں اور گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان کا لگوانا بلاکراہت درست ہے، اور یہی حکم خون اور گلوکوز چڑھوانے کا ہے (نظام الفتاوی ۱/۱۳۳)۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ اپنی کتاب امداد الاحکام میں ایک تمہیدی مقدمہ قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مفسد صوم نہیں ہے (امداد الاحکام ۲/۱۳۲)۔

مذکورہ بالا عبارات اور فتاویٰ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ عام انجکشن سے خواہ وہ گوشت میں لگائے جاتے ہوں یا نسوں میں، اسی طرح خواہ وہ دوا کا کام کرتے ہوں یا غذا کا، اگر دوا بعینہ معدہ میں نہیں پہنچتی تو یقیناً ان سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہئے، اور یہی حکم گلوکوز اور خون کا بھی ہوگا۔

٦-احتقان:

پیچھے کے راستے سے دوا اندر پہنچانے میں اولاً یہ دیکھا جائے گا کہ وہ دوا جس کو اندر داخل کیا جارہا ہے اس کے پہنچنے کی مقدار کیا ہے جیسا کہ معروف ہے کہ حقنہ سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دبر کے راستے داخل ہونے والی ہر شئی حقنہ ہے اور اسی طرح کسی چیز کا دخول فی الدبر ہی حقنہ ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے کسی چیز کا مطلقاً دخول فی الدبر حقنہ نہیں ہے بلکہ اندرون دبر ایک موضع خاص ہے جس کو موضع حقنہ کہتے ہیں جو تقریباً پانچ یا چھ انگل اندر ہوتا ہے، اور ضابطہ یہ ہے کہ احتقان ان ادویہ سے ہوتا ہے جو متدہن ہوتی ہے اور ان دواؤں کا موضع حقنہ تک پہنچنا ہوتا ہے اور جب وہ اپنے مقام تک پہنچ جائیں گے تو بوجہ متدہن ہونے کے ان کا آگے بڑھنا یقینی ہوا جو مفسد صوم ہے، لہذا حقنہ مفسد صوم ہوا۔ لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی چیز دبر میں داخل کی جائے اور وہ مقام حقنہ سے پہلے ہی رہے وہاں تک نہ پہنچے تو یقیناً روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ بواسیری مسہ بھی موضع حقنہ سے قبل ہی ہوتے ہیں لہذا ان پر بھی دوا لگانے سے دوا موضع حقنہ تک نہ پہنچے گی اس لئے اس سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہئے۔

"قال فی الدر المختار (ولو إصبع مبتلة فسد) قید الشامی بما لو أدخل الإصبع إلی موضع الحقنة" (شامی ۲/۳۹۵)۔

اور مبتلة کی قید سے یہ بات از خود صاف ہو جاتی ہے کہ اگر انگلی خشک ہو اور موضع حقنہ تک بھی پہنچ جائے یا اس کے آگے نکل جائے تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

"ولو أدخل إصبعه من إسته او المرأة فی فرجها لا یفسد هو المختار" (ہندیہ ۲/۱۰۴)۔

ظاہر ہے کہ معدہ کی جانچ کے لئے جو آلہ داخل کیا جائے گا وہ یقیناً خشک ہوگا، اس طرح اگر وہ موضع حقنہ سے آگے بھی بڑھ جائے تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، نیز جو آلہ اندر داخل کیا جائے گا اگر وہ موضع حقنہ سے آگے بڑھ کر جوف تک پہنچ بھی رہا ہے لیکن اس کا ایک سرا تو خارج عن الدبر بھی ہوگا اور اس طرح کسی چیز کا دخول مفطر صوم نہیں ہوا کرتا۔

"کما فی الخلاصة و الهندیة و علی هذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخیط ثم أخرجه لا یفسد صومه"۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں کہ استنجے میں تری کا اندر پہنچنا اس وقت مفسد صوم ہے جبکہ تری قدر محقنہ پر پہنچ جائے، اس سے کم مقدار میں تری کا اندر پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے...... (امداد الاحکام ۲/۱۲۹)۔

مولانا عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں: بواسیری مسے پر دوا لگانا مفسد نہیں کیونکہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے یا مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتا ہے (احسن الفتاوی)۔

مذکورہ عبارات اور فتاوی سے مستفاد ہوتا ہے کہ پیچھے کے راستے سے اگر کوئی چیز داخل کی جائے خواہ وہ تر ہو یا خشک اگر موضع حقنہ سے نیچے ہی رہتی ہے تو کسی حال میں روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر موضع حقنہ تک یا اس سے آگے پہنچتی ہے تو اگر تر ہے تو روزہ فاسد، اور اگر تر نہیں تو اگر وہ آگے بڑھ کر معدہ میں داخل ہو جائے اور اس کا کوئی حصہ خارج میں نہ رہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

بواسیری مسے چونکہ موضع حقنہ سے نیچے ہی ہوتے ہیں، اس لئے اس پر مرہم اور دوا رکھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۷-عورت کی فرج داخل میں اگر کوئی چیز داخل کی جائے اور وہ تر ہو تو روزہ فاسد ہوگا، اور اگر تر نہیں ہے تو اگر ایک مرتبہ داخل کر کے پھر کھینچ کر پھر داخل کیا گیا تو فساد صوم کا حکم ہوگا، اور اگر خشک شئی فرج میں داخل ہو مثلاً آلات رحم وغیرہ تو اگر وہ مکمل فرج داخل کے اندر کر دیئے جائیں تو فساد صوم کا حکم ہوگا، اور اگر ان کا کچھ حصہ فرج خارج میں بھی رہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ البتہ فرج خارج میں خواہ جامد شئ رکھی جائے خواہ تر اگر فرج داخل میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا (دیکھئے: مراقی الفلاح/۳۹۴)۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی چیزیں

مولانا محمد عثمان [1]

مفطراتِ صوم:

مفطرات صوم کل تین ہیں: (۱) اکل (۲) شرب (۳) جماع۔

اوران میں سے ہر ایک کی تین تین صورتیں ہیں: (۱) صورۃً و معنیً (۲) فقط صورۃً (۳) فقط معنیً۔

۱- صورۃً و معنیً؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ منھ کے راستہ سے پیٹ تک ایسی چیز پہنچائی جائے جس سے غذائیت ودوائیت مقصود ہو۔ یعنی اس کو عادۃً غذا یا دوا یا تلذذ کے قصد سے نوش کیا جاتا ہو، اور جماع صورۃً و معنیً کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی شرمگاہ کسی زندہ انسان کی شرمگاہ میں داخل کی جائے۔

۲- فقط صورۃً: اس کا مطلب یہ ہے کہ منافذ کے راستہ سے جوف تک کوئی چیز پہنچائی جائے خواہ اس سے غذائیت ودوائیت حاصل ہو یا نہ ہو۔

۳- فقط معنیً: اس کا مطلب یہ ہے کہ منافذ کے راستہ سے جوف تک کسی ایسی چیز کا پہنچ جانا جس سے غذائیت ودوائیت حاصل ہو۔ اور جماع کا مطلب یہ ہے کہ شہوت کو انسانی شرمگاہ کے علاوہ کسی اور محل میں مباشرت کے ذریعہ پورا کیا جائے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۹۳، ۲۴۲، ۲۵۲، حاشیہ تبیین الحقائق ۱/ ۳۲۹، فتح القدیر ۲/ ۳۴۲، شامی ۳/ ۳۷۲، ۳۸۶)۔

مفطراتِ صوم کے شرائط:

مفطراتِ صوم کی کل چار شرطیں ہیں:

(۱) وصول یا ایصال (۲) منافذ (۳) جوف (۴) استقرار۔

۱- وصول یا ایصال:

جوف تک کسی ایسی چیز کے وصول یا ایصال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ جس سے احتراز کرنا ممکن ہو، لہذا ثابت ہوا کہ جن چیزوں سے احتراز ممکن نہیں ہے ان کے اندر چلے جانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسے دھواں، غبار وغیرہ۔

اور جن چیزوں سے احتراز ممکن ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- صالح للبدن، ۲- غیر صالح للبدن۔

۱- صالح للبدن: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء جن کو لوگ غذاءً یا دواءً یا تلذذ کے قصد سے استعمال کرتے ہوں۔

۲- غیر صالح للبدن: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء جن کو لوگ غذاءً یا دواءً یا تلذذ کے قصد سے استعمال نہ کرتے ہوں۔

جوف تک پہنچنے والی چیز اگر صالح للبدن ہے تو خواہ منھ کے راستے سے پہنچے یا اور کسی فطری راستے سے، تو چونکہ افطار کا معنی حاصل ہے لہذا یہ مفسد ہے۔ اور اگر وہ ایسی چیز ہے جو غیر صالح للبدن ہے تو مفسد اور غیر مفسد ہونے میں اختلاف ہے، جیسے تیر برچھے کا پیٹ میں پہنچنا۔

بہر حال اگر ان چیزوں کو بالقصد داخل کیا جائے تو اگرچہ وہ غیر صالح للبدن ہیں پھر بھی مفسد ہیں جیسے کنکر پتھر وغیرہ کا چبانا، لکڑی یا اصبع مبلولہ وغیرہ کا شرمگاہ میں داخل کرنا، کیونکہ اس صورت میں بھی صورۃً افطار موجود ہے اگرچہ معنیً نہیں ہے۔

خلاصہ: "ایصال" بہر صورت مفسد ہے، اور "وصول" بشرط صالح للبدن مفسد ہے، اور "إیصال الماء إلی الأذن" میں اختلاف ہے۔ اور تصحیحات مختلف ہیں۔ لہذا احوط فساد اور اوسع عدم فساد ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۱۲۸، شامی ۳/ ۳۶۷)۔

[1] مدرسہ ریاض العلوم، گورینی جونپور۔

۲-فطری منافذ:

فطری منافذ کل پانچ ہیں:(۱)منھ(۲)ناک(۳)کان(۴)مقعد(۵)فرج۔

یہ پانچوں منافذ ائمہ احناف کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔البتہ مرد کی اگلی شرمگاہ منفذ ہے یا نہیں؟اس میں اختلاف ہے۔اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے بالاتفاق ائمہ ثلاثہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

كما صرح به الشامي حيث قال وأفاد أنه لو ألقي في قصبة الذكر لايفسد اتفاقًا ولا شك في ذلك (شامی ۱۰۲/۲، ومثله فی الخلاصة :۱/ ۲۵۳)

اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی طرفین کے نزدیک مفسد نہیں ہے۔اور حضرت امام ابو یوسف جو مثانہ میں پہنچ جانے پر مفسد قرار دیتے ہیں وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے،جس سے دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے۔ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں قرار دیتے ہیں،اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ جوف اور مثانہ کے درمیان منفذ صالح للوصول الی الجوف ہے،یا نہیں حضرات طرفین کے نزدیک منفذ نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منفذ ہے۔لیکن اس کا تعلق فقہی امور سے نہیں،لہذا اگر اب جدید طبی تحقیق سے یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ ان کے درمیان منفذ صالح للوصول الی لجوف نہیں ہے تو روزہ بالاتفاق فاسد نہیں ہوگا،اور اگر منفذ ہونے کا قطعی علم ہو جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا،ورنہ اختلاف علی حالہ باقی رہے گا،یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مثانہ میں دوا پہنچانے سے فسادِ صوم کا حکم عائد ہوگا،اور حضرات طرفین کے نزدیک عدم فساد کا۔لہذا معلوم ہوا کہ دوا وغیرہ پہنچنے کا تحقیقی حکم تشریح الاعضاء پر مبنی ہے(دیکھئے:جواہر الفقہ ۵ /۱۵۴،فتح القدیر ۲ /۳۴۴)۔

غیر فطری منافذ:

حضرات فقہاء نے مذکورہ فطری منافذ کے علاوہ دو غیر فطری منافذ کا بھی ذکر کیا ہے:

(۱)جائفہ وہ زخم جو جوف تک پہنچ جائے،(۲)آمہ وہ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔

ان دونوں زخموں سے پہنچنے والی دوا وغیرہ کے سلسلہ میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔صاحبین کے نزدیک ان زخموں سے دوا وغیرہ کا جوف تک پہنچنا چونکہ مشکوک ہے،اور کوئی حکم شک وشبہ پر نہیں لگایا جائے گا۔اور امام صاحب کے نزدیک یہ دونوں زخم چونکہ منافذ کی طرح سے وصول إلی الجوف کے سبب ہیں اور جب سبب ظاہر موجود ہو اور مسبب مخفی ہو تو سبب ظاہر پر حکم لگا دیا جاتا ہے،لہذا امام صاحب کے نزدیک ظاہر پر مدار رکھتے ہوئے ان منافذ سے سیال دواؤں کو واصل الی الجوف مان لیا جائے گا۔لیکن خشک دواؤں کو ان منافذ سے واصل الی الجوف نہیں مانا جائے گا۔لیکن یہ اختلاف حقیقت میں تر وخشک دواؤں کا نہیں ہے بلکہ بناء اختلاف واصل الی الجوف ہونے اور نہ ہونے کا ہے،لہذا اگر ان منافذ ہی سے چاہے خشک دوائیں پہنچیں چاہے تر بہر صورت مفسد صوم ہیں،اور اگر نہ پہنچیں تو مفسد نہیں چاہے خشک دوا ہو یا تر(شامی ۳/ ۳۷۶،فتح القدیر مع عنایہ ۲/ ۳۴۳)۔

۳-جوف:

حضرات فقہاء کے نزدیک جوف انسان سے مراد بدن کا ہر وہ حصہ ہے جس کو شریعت باطن کا حکم دیتی ہے۔لہذا منھ میں حلق سے اور ناک میں خیشوم کے اوپر سے لے کر موضع حقنہ اور فرج داخل تک کا حصہ جوف ہے،اور موضع حقنہ کے نیچے اور فرج خارج اور منھ میں حلق تک اور ناک میں خیشوم تک شرعاً جوف نہیں ہے،کیونکہ اگر منفذ اور جوف کے درمیان کوئی حاجز اور مانع موجود نہیں ہے مثلاً فرج داخل اور موضع حقنہ تو شرعاً ان منافذ کا حکم جوف ہی کا حکم ہوگا۔اور اگر مانع اور حاجز موجود ہے تو اس کو جوف کا حکم نہیں دیا جائے گا۔جیسے قصبۂ ذکر،منھ اور ناک میں جوف اور منافذ کے درمیان اگرچہ حاجز موجود نہیں ہے لیکن چونکہ شریعت نے ان کو باب صوم میں خارج بدن کا حکم دیا ہے اس لئے ان کو جوف کا حکم نہیں ملے گا۔لہذا اگر دوا وغیرہ حلق سے نیچے اور خیشوم سے اوپر،اور فرج داخل وموضع حقنہ تک پہنچ جائے تو ان کو واصل الی الجوف مان کر فساد صوم کا حکم عائد کیا جائے گا۔

تنبیہ:.....حضرات فقہاء جوف کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں:(۱)جوف بطن(۲)جوف راس(دماغ)،لیکن درحقیقت دونوں الگ الگ مراد نہیں کیونکہ جوف راس سے جوف بطن تک منافذ اصلیہ موجود ہیں لہذا جوف راس بھی جوف بطن ہی کا ایک حصہ ہوگا(کما قالہ الفقہاء)۔نیز ترمذی وغیرہ کی روایت سے

معلوم ہوتا ہے کہ جوف راس تک پہنچنے والی چیز مفسد صوم ہے۔ لہذا اگر بالفرض مان لیا جائے کہ راس میں جوف موجود نہیں یا راس اور جوف کے درمیان منافذ موجود نہیں تو بھی نص کی وجہ سے فساد صوم کا حکم عائد ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف السنن ۵/ ۵۱۰)۔

"والجوف هو الباطن سواء كان مما يحيل الغذاء أو الدواء، اي يغيرهما كالبطن والأمعاء أم كان مما يحيل الدواء كباطن الرأس والأذن أم كان مما لا يحيل شيئًا كباطن الحلق" (الموسوعة الفقهيه ۲۰/ ۲۸)۔

"قال في البحر: والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا أصليًا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن" (شامی ۳/ ۳۷۶ مطبوعه زکریا، بدائع ۲/ ۲۴۳، الموسوعة ۲۸/ ۲۸. نیز دیکھئے: شامی ۳/ ۳۹۶، بدائع ۲/ ۲۴۳)۔

۴- استقرار:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جوف تک پہنچنے والی چیز اس میں اس طرح چھپ جائے کہ اس کا یا اس سے ملی ہوئی چیز کا کوئی حصہ خارج از جوف نہ رہے۔ لہذا اگر اس کا یا اس سے ملی ہوئی چیز کا سرا جوف سے باہر ہو تو شرعًا استقرار نہیں مانا جائے گا، اس طرح سے پہنچنا مفسد بھی نہیں ہوگا بشرطیکہ جوف میں پہنچنے والی چیز کے اجزاء وغیرہ جوف میں نہ رہ جائیں مثلاً دھاگے وغیرہ میں باندھ کر گوشت کا کوئی ٹکڑا وغیرہ نگلنا اور اس کو باہر کھینچ لینا، اگر پورا گوشت صحیح سالم نکل آئے تو وہ مفسد صوم نہیں ہے، اس کی تصریح تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔

"في ردالمحتار: دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلًا بشيء خارج لا يفسد لعدم استقراره" (شامی ۳/ ۳۶۹، بدائع ۲/ ۲۴۴)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا شرائط اربعہ "(۱) ایصال یا وصول مغذی (۲) منافذ (۳) جوف (۴) استقرار کا ایک ساتھ پایا جانا فساد صوم کے لئے شرط ہے، لہذا اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

جزئیات مسئولہ کے جوابات:

۱- زبان کے نیچے رکھی جانے والی دواؤں کے ذرات اگر حلق کے نیچے نہ پہنچنے پائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۱۳۷)۔

"لعدم الوصول إلى الجوف بالمنافذ وهذا هو شرط لفساد الصوم- وفي الشامية- والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ" (شامی ۳/ ۳۶۷)، وفيه: أما الواصل إلى الحلق من المسام فالظاهر أنه مثل الريق فلا يفطر وإن وجد طعمه في جميع فمه- تأمل" (شامی ۳/ ۳۶۸)۔

۲- حلق بھی حکمًا جوف میں داخل ہے۔ لہذا انہیلر وغیرہ سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر چہ دوا معدہ میں نہ پہنچے۔

"في الدر: أو دخل حلقه مطر أو ثلج، بنفسه لإمكان التحرز عنه بضم فمه- وفي الرد: اعتبر في الخانية الوصول إلى الحلق" (شامی ۳/ ۳۶۸)۔

"وفي الموسوعة الفقهية: والجوف هو الباطن سواءً كان مما يحيل. . . أم كان مما لا يحيل شيئًا كباطن الحلق" (الموسوعة الفقهيه ۲۰/ ۲۸، خیر الفتاوی ۴/ ۹۸)۔

۳- بھاپ کو بالقصد اندر داخل کرنا خواہ منھ کے راستہ سے ہو یا ناک کے راستہ سے ہو مفسد صوم ہے (امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳۹)۔

"في الدر: لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه- وفي الرد: بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس" (شامی ۳/ ۳۶۶)۔

۴- اس میں کوئی تفصیل نہیں، انجکشن خواہ رگ میں لگوایا جائے یا گوشت میں مفسد صوم نہیں، لیکن بلا کسی عذر شدید کے ایسا انجکشن یا گلوکوز لگوانا جس سے بھوک و

پیاس کا احساس باقی نہ رہے اور مقصدِ صوم فوت ہوجائے کراہت سے خالی نہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۴، فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۰۸، فتاوی رحیمیہ ۷/ ۲۵۷)۔

والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر (شامی ۲/۳۶۷)

۵- اس سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، اور اس کا بھی حکم وہی ہے جو انجکشن لگوانے کا ہے۔

۶- الف: موضع حقنہ کو حضرات فقہاء نے جوف کا حکم دیا ہے۔ اور وہاں تک پہنچنے والی ہر دوا وغیرہ کو مفسد مانا ہے جس کی صحیح تعیین اطباء ہی کر سکتے ہیں، لہذا جو دوا وغیرہ موضع حقنہ تک پہنچ جائے وہ مفسدِ صوم ہے (فتاوی دار العلوم ۶/ ۳۶۹)۔

''إن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه (شامي ۲/۳۷۲) في الدر: أو أدخل عودًا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد، وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطًا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها شيء، ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد۔ بدائع، أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أو فرجها لم يفسد، ولو مبتلة فسد، ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا، ولو بالغ في الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (رد المحتار مع الدر المختار ۳/ ۳۶۹)۔

(ب) بواسیری مسّے چونکہ موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس لئے ان پر دوا وغیرہ لگانا مفسدِ صوم نہیں ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۴۴۰، حاشیہ امداد الفتاوی ۲/ ۱۵۰، مفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

(ج) جو آلات معدہ کی جانچ کے لئے اندر داخل کئے جاتے ہیں اگر ان پر کوئی سیال وتر دوا لگی ہو تو اس کا مفسدِ صوم ہونا مصرح ہے۔ کالإصبع المبلولة والمدهونة۔ اور اگر خشک دوا لگی ہو تو اس میں اعتبار دوا کے وصول إلی موضع حقنہ وعدم وصول إلی موضع حقنہ کا ہے۔ لہذا اگر آلہ کے اوپر لگی خشک دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو مفسدِ صوم ہے۔ ورنہ نہیں لعدم الوصول إلی الجوف۔ اور اگر آلہ پر کوئی دوا نہ لگی ہو تو آلہ کا داخل کرنا مفسدِ صوم نہیں لعدم الاستقرار۔

''المعتبر حقيقة الوصول، حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطري لم يفسد'' (شامی ۲/۳۷۶)۔

۷- الف: مرد کا قصبہ ذکر اور عورت کا فرج خارج حضرات فقہاء کے نزدیک جوف نہیں، لہذا مرد کے قصبہ ذکر میں کوئی دوا ڈالنا اسی طرح عورت کے فرج خارج میں کوئی ایسی دوا ڈالنا جو فرج داخل تک بالکل نہ پہنچے مفسدِ صوم نہیں۔ نیز بغیر کسی دوا وغیرہ کے صرف نلکی وغیرہ مثانہ یا رحم تک پہنچانا بھی مفسد نہیں۔

بخلاف قصبة الذكر فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما، وعلى قول أبي يوسف: وإن كان لها منفذ إلى الجوف إلا أن المنفذ الآخر المتصل بالقصبة منطبق لا ينفتح إلا عند خروج البول فلم يعط للقصبة حكم الجوف (شامی ۲/۳۷۲)۔

(ب) مثانہ بذات خود جوف نہیں، لیکن مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ صالح للوصول إلی الجوف ہے یا نہیں؟ یہ حضرات فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے، اسی لئے اس کا حکم بھی مختلف فیہ ہے۔ البتہ یہ اختلاف فقہی نہیں بلکہ طبی ہے۔ لہذا اگر آج کی جدید طبی تحقیق میں مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ صالح للوصول إلی الجوف کا ہونا متحقق ہوگیا ہو تو مثانہ کا وہی حکم ہوگا جو فرج داخل اور موضع حقنہ کا ہے، یعنی اگر کوئی دوا وغیرہ مثانہ تک پہنچائی جائے گی تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ اور اگر اور مثانہ جوف کے درمیان منفذ صالح للوصول إلی الجوف کا نہ ہونا متحقق ہوگیا ہے تو اس کا حکم بھی قصبہ ذکر کا ہوگا، یعنی اس میں دوا وغیرہ کا پہنچانا اور پہنچنا مفسد نہیں۔ عورت اور مرد کے مثانہ کے حکم میں من حیث المثانہ کوئی فرق نہیں۔ البتہ اگر عورت کے مثانہ میں کوئی نلکی یا دوا کے پہنچاتے وقت دوا کے ذرات واجزاء فرج داخل میں چلے جائیں تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۳۴۴)۔

(ج) عورت کے فرج داخل کو فقہاء نے جوف کا حکم دیا ہے، لہذا اس میں کوئی سیال دوا وغیرہ ڈالنا، اسی طرح جامد دوا ایسے طریقہ سے رکھنا کہ اس میں بالکل چھپ جائے، اس دوا یا اس سے متعلق چیز کا سرا فرج داخل سے باہر نہ رہے تو یہ مفسد صوم ہے۔ نیز اگر دوا یا اس سے متعلق چیز کا سرا باہر رہے، لیکن دوا کے اجزاء فرج میں چلے جائیں تو بھی روزہ فاسد ہوجائے گا۔ البتہ دوا یا اس سے متعلق چیز کا کچھ حصہ باہر ہو اور دوا کے اجزاء بھی فرج کے اندر نہ جائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (دیکھئے: رد المحتار ۳/ ۳۶۹، فتح القدیر ۲/ ۳۴۲)۔

☆☆☆

صوم اور مفطرات صوم

مولانا منور سلطان ندوی [1]

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں جنھیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر اس کے اجزاء اندر داخل ہو گئے تو پھر اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقہ کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ روزہ کی حالت میں بلا عذر کھانا یا چکھنا، یا چبانا مکروہ ہے، اور عذر کے ساتھ مکروہ نہیں۔ اس طرح فقہاء نے بعض صورتیں ذکر کی ہیں جن میں سے یہ ہے کہ کوئی چیز منہ میں موجود ہے، اس کو چوسا بھی گیا، مگر اس سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا۔ علامہ حصکفی "علک" (گوند) چبانے سے متعلق لکھتے ہیں:

"وکرہ مضغ علك أبیض ممضوغ ملتئم وإلا فیفطر" (درمختار مع الرد ۳/۳۹۰)۔

(اور سفید چبایا ہوا ملائم گوند (یا اس جیسی چیز) کا چبانا فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، ورنہ بصورت دیگر روزہ ختم کر دے گا)۔

فتاوی ولوالجیہ میں اس کی ایک اور مثال ملتی ہے جو زیادہ واضح ہے:

"الصائم إذا غسل الهلیلجة الیابسة وجعل یمضغها ولا تدخل عینها فی جوفه لا یفسد صومه لأنه لم یدخل عینه فی جوفه والفطر مما دخل ولو فعل هذا بالغا فیه یفسد صومه لأنه یدخل عینه فی جوفه" (الفتاوی الولو الجیہ ۱/۱۲۸)۔

امام نووی نے "علک" والی مثال کی مزید وضاحت کی ہے کہ اس سے پیدا ہونے والا تھوک اندر داخل ہو جائے یا اس کا مزہ بھی داخل ہو جائے تب بھی یہ مفسد صوم نہیں ہے جب تک کہ اس کے اجزاء نہ داخل ہو جائیں، اور اسے جمہور علماء کا مسلک بتایا ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۶/۲۵۵)۔

انٹرنیشنل اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی تجویز بھی یہی ہے (دیکھئے: انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے، مترجم: مولانا ڈاکٹر نعیم اختر ندوی ص/۲۸۲)۔

مولانا تھانویؒ نے بھی دانت کے درد کی دوا کو منہ میں رکھنے کو مفسد نہیں لکھا ہے، جتی کی اندر حلق میں نہ چلا جائے (امداد الفتاوی، جدید مبوب ۲/۱۳۷)۔

منہ میں تمباکو کا سفوف رکھنے سے متعلق اسی طرح کا فتوی مولانا ظفر احمد تھانوی کا بھی ہے (امداد الاحکام ۳/۱۲۸)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ محض منہ میں کسی چیز کو رکھنا یا اس کو چبانا، اور چوسنا مفسد صوم نہیں ہے، لیکن بہ عذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے اجزاء اگر اندر داخل ہوتے ہیں تو اس سے ورزہ ٹوٹ جائے گا، مذکورہ سوال میں یہی صورت پائی جاتی ہے، لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۲- انہیلر میں جو گیس ہوتی ہے وہ دوا کی ترقی یافتہ شکل ہے، نیز اس میں دوا کے ذرات یا سفوف بھی ہوتے ہیں جو فطری منفذ یعنی منہ سے داخل کئے جاتے ہیں۔ فقہاء نے کھانے، پینے میں معروف طریقہ کے علاوہ ظاہری کھانے اور معنوی کھانے سب کو شامل کیا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۲۷)، اسی طرح دھواں سے متعلق مسئلہ ہے کہ قصداً دھواں اندر داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، درمختار میں ہے:

"ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أی دخان کان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاکرًا لإمکان التحرز عنه (۳/۳۶۶)

روزہ کی حالت میں مطلق دوا لینے کو بھی فقہاء نے مفسد قرار دیا ہے۔ اور انہیلر بھی دوا ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"إذا أکل متعمدًا ما یتغذی به أو یتداوی به یلزمه الکفارة وهذا إذا کان مما یوکل للغذاء أو للدواء" (الفتاوی الهندیه ۱/۲۸۶)۔

نیز اس گیس یا ہوا کو خوشبو پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہوگا، علامہ شامی نے دھواں لینے اور خوشبو سونگھنے کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

[1] دار الافتاء، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

''ولا یتوهم أنه کشم الورد وماء ه والمسك لوضوح الفرق بین هواء طبیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله'' (ردالمحتار ۳/۳۶۶)۔

اب رہی بات اس کی کہ انہیلر کی ہوا اور دوا پیٹ کے بجائے پھیپھڑے میں جاتی ہے، تو میرے ناقص خیال میں اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ سگریٹ وغیرہ کا دھواں بھی پیٹ تک پہنچتا ہے، بلکہ پھیپھڑے تک، مگر اس کا مفسد ہونا متعین ہے۔

۳- بھاپ کے ذریعہ جو دوائیں لی جاتی ہیں اس میں بھی دوا گیس کی شکل میں ناک یا منہ کے راستے سے اندر پہنچتی ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی دھواں کی طرح ہے۔ اور اس سے متعلق فقہاء کی عبارتیں اوپر گزر چکی ہیں، ''بخور'' سے متعلق علامہ شامی لکھتے ہیں:

''قوله إنه لو أدخل حلقه الدخان اي بأي صورة کان الإدخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه أو اشتمه ذاکرًا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه وهذا مما یغفل عنه کثیر من الناس'' (ردالمحتار ۳/ ۳۹۶)۔

لہٰذا بھاپ لینے کے لئے پرانا طریقہ استعمال کیا یا جدید طریقہ پر بہر صورت اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ بھول کر ایسا عمل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ فقہی عبارتوں سے واضح وظاہر ہے۔

۴- غیر فطری منفذ سے کوئی چیز اندر داخل کی جائے اور وہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ جائے تب اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ نہیں، فقہاء نے آمہ (سر کے زخم) اور جائفہ (پیٹ کا زخم) زخموں میں دوا ڈالنے کو مفسد قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ دوا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کے زخموں میں دوا ڈالنے سے دوا پیٹ یا دماغ تک نہیں پہنچتی۔ اس بنیاد پر صرف آمہ اور جائفہ میں دوا ڈالنا ہی مفسد صوم ہے۔

جب کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا جسم میں داخل کی جاتی ہے وہ رگوں، پٹھوں یا گوشت کے ذریعہ بدن میں پہنچتی ہے۔ اور پھر وہاں سے پورے جسم میں پھیلتی ہے۔ اس لئے انجکشن خواہ رگوں میں لگائے جائیں یا جلد میں یا پٹھوں میں، بہر صورت اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ بہتر یہ ہے کہ اگر انجکشن لینا ضروری نہ ہو تو اس کو شام تک مؤخر کر لے، اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ میں اس مسئلہ پر بحث وتحقیق ہو چکی ہے۔ اور اس کی تجویز بھی یہی ہے (شرعی فیصلے/ص ۲۸۲)، عام معاصر فقہاء کی رائے بھی یہی ہے۔ ان میں سے اکثر حضرات نے مذکورہ بالا طریقہ پر استدلال کیا ہے۔ معروف فقیہ علامہ قرضاوی نے اس مسئلہ پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ انجکشن لینے کو نہ عرفاً کھانا پینا کہتے ہیں اور نہ لغۃً، جبکہ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بھی یہی رائے ہے، البتہ انھوں نے استدلال کیا ہے کہ روزہ دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ اس سے متعلق معلومات کی ضرورت ہر عام وخاص کو ہے، لہٰذا اگر کھانے پینے اور جماع کے معروف طریقہ کے علاوہ کسی چیز سے روزہ ٹوٹتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرماتے۔ مگر احادیث کی ذخیرہ میں اس سے متعلق کوئی صحیح تو کیا مرسل اور ضعیف روایت بھی نہیں ملتی (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۵/ ۲۳۴)۔

جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور محتاط قول یہی ہے، ادارۃ الاوقاف والبحوث، دبئی کا فتویٰ بھی یہی ہے (فتاوی شرعیہ/ص ۳۸)۔

معاصر فقیہ شیخ صالح بن فوزان کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وأخذ المغذی عن طریق الورید وحقن الدم في الصائم کله یفسد الصوم لأنه تغذیة له ومن ذلك أیضا حقن الصائم بالإبرۃ المغذیة لأنها تقوم مقام الطعام وذلك یفسد الصوم، أما الإبرۃ غیر المغذیة فینبغي للصائم أن یتجنبها محافظة علی صیامه، ولقوله علیه السلام دع ما یریبك إلی ما لا یریبك ویؤخرها إلی اللیل'' (الملخص الفقهی /ص ۲۷۶)۔

رگوں کے ذریعہ طاقت والی دوا لینے اور خون چڑھانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہ روزہ دار کے حق میں غذا کے مانند ہیں، اسی طرح انجکشن کے ذریعہ طاقت کی دوائی لینا روزہ کے لئے مفسد ہے۔ کیونکہ یہ کھانے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ بغیر طاقت والے انجکشن لینے سے بھی بچنا چاہئے اور اس کو رات کے لئے مؤخر کرنا چاہئے، یہ دوسرا قول احتیاط پر مبنی ہے۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جانا چاہئے، ورنہ روزہ کے مقاصد فوت ہو جائیں گے۔

۵- گلوکوز چڑھانے کا وہی حکم ہوگا جو طاقت پہنچانے والی انجکشن لینے کا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ بدن کو قوت ملتی ہے۔اور جب مریض غذا کو قبول کرنے کی صلاحیت کو کھودے تو انسانی جسم میں غذا گلوکوز کے ذریعہ پہنچائی جاتی ہے۔لہذا گلوکوز اگر مرض کی وجہ سے لے رہا ہے تو یہ دوا کے حکم میں ہوگا، اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ورنہ عام حالت میں بلا عذر گلوکوز لینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

۶- الف: پیچھے کے راستے سے اندر دوا پہنچانے کو حقنہ یا احتقان کہا جاتا ہے۔یہ علاج کا بہت پرانا طریقہ ہے، پیچھے کا راستہ بھی پیٹ تک پہنچانے کا منفذ ہے۔اس لئے اس راستے سے دوائیں اندر داخل کرنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔جمہور علماء کی یہی رائے ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۶/۳۲۰، ہدایہ مع فتح القدیر ۲۴۵/۳)۔

اس صورت میں سیال اور غیر سیال کا فرق نہیں ہوگا۔کیونکہ پیٹ تک پہنچنا مفسد ہے، خواہ پہنچنے والی شئی سیال ہو یا غیر سیال۔فقہاء نے حقنہ کو مطلق مفسد قرار دیا ہے۔سیال کی قید نہیں لگائی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سیال اور غیر سیال دونوں یکساں ہیں۔صرف امام مالکؒ کے نزدیک سیال کی قید ہے (دیکھئے :الموسوعۃ الفقہیہ ۲/۸۲، مادہ: احتقان)۔

(ب) بواسیر کے بیرونی مسّوں پر دوا یا مرہم لگانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔اندرونی مسّوں پر مرہم لگایا اور یہ مرہم حقنہ کی جگہ تک پہنچ گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

''قوله: ولو مبتلة فسد لبقاء شيء من البلة في الداخل وهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع الحقنة مما يعلم كما بعد ومحله إذا كان ذاكرًا للصوم وإلا فلا فساد'' (ردالمحتار ۳۶۹/۲)۔

بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم لگانے کی صورت میں اگر حقنہ کی جگہ تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ علامہ شامی نے وضاحت کی ہے، لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحقیق ہے کہ بواسیر کے اندرونی مسّے حقنہ کی جگہ سے پہلے ہوتے ہیں۔لہذا مسوں پر مرہم لگانے سے ضروری نہیں کہ مرہم احتقان کی جگہ پہنچ جائے (امداد الاحکام ۱۲۹/۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بواسیری مسّوں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر مرہم لگانا ضروری نہ ہو تو دن کے وقت اس کو استعمال کرنے سے پرہیز کرے۔

شیخ یوسف قرضاوی کی رائے بھی یہی ہے کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا (دیکھئے: فتاوی معاصرة ۱/۳۰۵)۔

ج- امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں اگر اس میں دوا نہ لگی ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔فقہاء نے پیٹ تک پہنچنے والی اشیاء کے لئے پیٹ میں رکنے کی قید لگائی ہے (دیکھئے: فتاوی ہندیہ/ص ۲۰۴، ردالمحتار ۳۶۹/۳)۔

فقہ وفتاوی کی کتابوں میں اسی طرح کی مثالیں موجود ہیں کہ پیٹ کے اندر ایسی چیز داخل کی جس کا ایک سرا پیٹ کے اندر ہے اور دوسرا سرا باہر، فقہاء نے اس صورت کے بارے میں صراحت کی ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، علامہ ابن نجیم مصری نے اس کی متعدد صورتیں ذکر کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ولو شد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لايفسد الصوم إذا الفصل... وفي الظهيرية: ولو أدخل خشبة أو نحوها وطرف منها بيده لم يفسد، قال في البدائع: وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۲۸۷)۔

الفتاوی التاتارخانیہ میں بھی یہ صورتیں نقل کی گئیں ہیں (دیکھئے: ۱/۲۱۷)، اور انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کی تجویز بھی یہی ہے (دیکھئے :شرعی فیصلے/ص ۲۸۲)۔

۷- الف: عورت کے آگے کی راہ سے کوئی چیز داخل کی جائے اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر مثانہ تک نہ پہنچے تو نہیں ٹوٹے گا۔جمہور علماء کا یہی مسلک ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲/۸۷، فتح القدیر ۲/۳۴۸، فتاوی تاتارخانیہ ۱/۲۱۸)۔

لیکن سوال میں جو شکل ذکر کی گئی ہے وہ اس سے الگ ہے۔عورت کے جسم میں آگے کی راہ سے جو نلکی داخل کی جاتی ہے اس کا ایک سرا ضرور اندر داخل ہوتا

ہے اور مثانہ یعنی اندرونی حصہ تک پہنچتا ہے، مگر اس کا دوسرا حصہ باہر ہی رہتا ہے۔ اور اس طرح داخل ہونے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا ہے جیسا کہ جواب نمبر ۶ کی عبارتوں سے واضح ہے۔ مذکورہ شکل کے متعلق بھی ایک جزئیہ درمختار مع الرد میں ملتا ہے، ذکر کیا جاتا ہے:

''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي في فرجها الخارج لا'' (درمختار مع الرد ۳/۳۶۹)۔

(آگے کی شرمگاہ میں روئی داخل کرے اور وہ اندر غائب ہو جائے تو یہ مفسد ہے۔ اور اگر روئی مکمل غائب نہ ہو بلکہ شرمگاہ کے بیرونی حصہ میں نظر آئے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

ب- مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک آلات پہنچانے کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اگر ان حالات میں دوا نہیں لگی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: ''وعلی هذا لایفسد عندهم الصوم بالفحص النسائی بإدخال آلة منظار وبقاء طرفها خارجًا'' (الفقه الاسلامی وأدلته ۲/۱۷۸)۔

(اس بنیاد پر فقہاء احناف کے نزدیک عورتوں کے مرض کی تحقیق کے لئے خوردبین داخل کیا جائے اور اس کا دوسرا سرا باہر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

نیز شرمگاہ میں دوا رکھنے کا حکم اسی سے ظاہر ہے کہ اگر اندرونی حصہ میں رکھی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ دوا سیال ہو یا جامد، باہری حصہ میں رکھی گئی جامد دوا کے اندر پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

ج- مرد کے آگے کی راہ سے کوئی چیز داخل کی جائے اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ کے نزدیک اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اور امام ابویوسفؒ کی رائے ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس صورت میں اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ مثانہ پیٹ کا منفذ ہے یا نہیں۔ فقہاء حنفیہ کی طرح ائمہ اربعہ کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف رائے ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۸۲)۔

اس تناظر میں صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کی رائے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہ کا نہیں بلکہ طب کا ہے، ڈاکٹر اپنی تحقیق کی روشنی میں طے کرے گا کہ دونوں کے درمیان منفذ ہے یا نہیں (دیکھئے: ہدایہ مع الفتح /۳۴۸)۔

لہذا اس مسئلہ میں جدید طبی سائنس کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور پھر اس کی تحقیق کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔

☆☆☆

مختصر تحریریں:

مفطرات صوم اور بعض نئے مسائل

مفتی شیر علی گجراتی[1]

۱- یہ دوائی ایسی ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے، اور جو فائدہ پہنچتا ہے وہ دوائی کے اجزاء سے ہوتا ہے، یہ مشکل ہے کہ لعاب کے ذریعہ سے ان کا کچھ اثر حلق سے نیچے نہ چلا جاوے ورنہ فائدہ کیسے ہوا، اس لئے بندہ کے خیال میں ایسی دوائی کا استعمال مفسد صوم ہونا چاہئے۔

''لأنهم ذكروا أن الكفارة لا تجب إلا بالفطر صورةً ومعنىً، نفي الأكل. الفطر صورة هو الابتلاء. والمعنى كونه مما يصلح به البدن من غذاء أو دواء'' (شامی ۲/۳۸۷، بیروت)۔

۲- روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال درست نہ ہوگا اور اس سے روزہ فاسد ہوجائیگا، کیونکہ بیان کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دھواں کے مانند ہے، اور دھواں کو بھی منہ کے ذریعہ اوپر کھینچنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ منہ سے داخل ہونے والی چیز کے لئے پیٹ تک پہنچنا ضروری نہیں، بلکہ اگر صرف اندر غائب ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

''وفيما ذكرنا أشارة إلىٰ أنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأى صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما'' (مراقی الفلاح/۳۶۱)۔

۳- بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، یہ دوائی منفذ (ناک، منہ) وغیرہ سے پہنچائی جاتی ہے اور اس میں مفید دوائی بھی ہوتی ہے لہذا روزہ ٹوٹ جائیگا، ہاں اگر بلا ارادہ بھاپ اندر چلا جائے تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''ومفاده أنه لو أدخل الدخان أفطر أى دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه'' (الدر المختار ۳/۳۶۶، بیروت)۔

۴- انجکشن کے مسئلہ میں تھوڑی تفصیل ہے کہ اگر انجکشن گوشت میں لیا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ گوشت ہی میں تحلیل ہوکر ختم ہوجاتا ہے، اور اگر دوائی معدہ تک پہنچتی بھی ہے تو وہ خون کے ساتھ مل کر معدہ تک پہنچتی ہے، لہذا روزہ نہیں ٹوٹے گا، ایک انجکشن ایسا بھی ہے جو ہاتھ کے گوشت میں دیا جاتا ہے اور حلق میں دوا کا کڑواپن محسوس ہوتا ہے، اس انجکشن سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ کڑواپن جسم کے مسامات کے ذریعہ حلق تک پہنچتا ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ ''لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (شامی ۳/۳۶۷)۔

ایک انجکشن براہ راست پیٹ میں لیا جاتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے کہ براہ راست دوا معدہ تک پہنچ رہی ہے (مستفاد من جواہر الفقہ ۴/۷۶)

وفى الشامى: أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه'' (شامی ۳/۳۷۶)۔

۵- گلوکوز سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے کہ یہ معدہ تک پہنچتا ہے اور اس لئے کہ اس سے پیشاب بھی آتا ہے، تو یہ پیشاب کا آنا دلیل ہے کہ گلوکوز معدہ تک

[1] دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات

پہنچتا ہے،لہذا گلوکوز سے روزہ ٹوٹ جائیگا۔

''الفطر معنى كونه مما يصلح به البدن من غذاء أو دواء'' (شامی ۳/۲۸۷)۔

۶- سیال یا غیر سیال کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

''ومن احتقن أو أستعط أو أقطر في أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه هكذا في الهداية'' (الهنديه ۱/۲۰۴)۔

''أو احتقن أو استعط..... قضى فقط'' (الدر المختار ۳/۳۷۶)۔

اور رہی بات آلات کی تو اس پر اگر تیل یا پانی کچھ نہ لگا ہو تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (الدر المختار ۳/۳۶۹)۔

اور بواسیری مرہم کا حکم یہ ہوگا کہ اگر یقین ہو کہ مرہم کا مادہ پیٹ میں پہنچ گیا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور شک ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر مرہم کا اثر پیٹ میں پہنچتا ہے نہ کہ مادہ تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (رمضان کے شرعی احکام/۱۹۹)۔

۷- عورت کے لئے آگے کی راہ سے کسی بھی قسم کی دوائی ڈالنا مفسد صوم ہے۔

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (الهندية ۱/۲۰۴)۔

اور مرد کے لئے آگے کی راہ سے دوا ڈالنا مفسد صوم نہیں ہے۔

''أو صبّ في إحليله ماء أو دهنًا قيد بالإحليل لأنها لو صب في قبلها ذلك تفسد بلا خلاف في الأصح، قاله السيد: والأظهر أنه لا منفذ له أي كما هو قولهما كذا تقوله الأطباء، إنما أسنده إليهم لأن هذا المقام يرجع إليهم فيه لكونه من علم التشريح'' (حاشية الطحطاوی/۳۶۲)۔

اور آلات پر اگر تیل یا پانی کچھ نہ لگا ہو تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن ان آلات کے داخل کرنے کے بعد جب رطوبت وغیرہ کی وجہ سے تر ہو جائیں تو پھر دوبارہ ان کو داخل کرنا چاہے، ان کو باہر نکال کر یا ان کے کچھ حصہ کو باہر نکال کر، پھر اس حصہ کو اندر ڈالتا ہے، ان صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (شامی ۳/۳۶۹)۔

روزہ کو توڑنے والی بعض نئی صورتیں

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی[1]

۱- امراض قلب سے متعلق جو دوائیں زبان کے نیچے رکھی جاتی ہیں وہ انتہائی زود اثر ہوتی ہیں اور تحت اللسان شرائین سے متصل ہو کر خون میں بہت جلد اثر رساں ہو جاتی ہیں، ایسی دواؤں کا استعمال جب کہ اس کے اجزاء کو نگلا نہ جائے مفسد صوم نہیں ہونا چاہئے۔

''ولو مص الهليلج وجعل يمضغها فدخل البزاق حلقه ولا يدخل عينهافي جوفه لا يفسد صومه'' (بحر الرائق ۲/۲۲۷)

(اگر کسی نے ہلیلہ کو چوسا دراں حالیکہ تھوک اس کے حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا)۔

نیز منھ کی بدبو ختم کرنے کی غرض سے مصطگی منھ میں لینا مفسد صوم نہ ہوگا، یہاں بغیر عذر اس کا استعمال کراہت سے خالی نہ ہوگا

''ولكن يستحب للرجال تركه إلا لعذر مثل أن يكون في فمه بخر'' (بحر ۲/۲۸۰)۔

''قلت ولأن العادة مضغه خصوصا للنساء لأنه سواكهن كما يأتي فكان مظنة عدم الكراهة في الصيام لتوهم أن ذلك عذر'' (شامی ۲/۴۱۶) ''ومن ذاق شيئا بفمه لم يفطر''۔ کے تحت ہدایہ کی عبارت پیش ہے:

''وقال بعضهم إن كان الزوج سئ الخلق لا بأس للمرأة أن تذوق المرقة بلسانها''۔

جب شوہر کی بدخلقی کے باعث زبان سے نمک وغیرہ (جبکہ کوئی دوسرا غیر صائم موجود نہ ہو) چکھ کر تھوک دینے کی اجازت ہے، تو اتنی اہم بیماری کے باعث کہ جس سے زندگی سے ہی مایوسی ہو سکتی ہے اس کی اجازت بدرجہ اولی ملنی چاہئے، لیکن اس کا خیال رہے کہ جب سر وغیرہ بھاری ہونے لگے، درد میں کمی ہو جائے، بے چینی وغیرہ رفع ہو جائے (جو نارمل ہونے کی علامت ہے) تو دوا کو فوراً نکال دینا چاہئے، اس پر مزید تاخیر کراہت سے خالی نہ ہوگی، کیونکہ اس کے استعمال کی ضرورت عذر کے باعث ہے۔

۲- اولاً انہیلر کے ذریعہ دوا چڑھانے کی بابت علماء کرام کی آراء پیش ہیں:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ''في بيان ما يفسد الصوم ويوجب القضاء'' کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''لكن لو استخدم مريض الربو بخاخة الهواء عند ضيق النفس فإنه يفطر ومثل ذلك تناول حب تصلب الشرائين عند الاحساس بالضيق'' (الفقه الاسلامی ۳/۱۷۱۹)۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر سے فساد صوم معلوم ہوتا ہے، بعینہ یہی رائے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بھی ہے: ''روزہ کی حالت میں اس دوا کا استعمال صحیح نہیں، اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا'' (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۲۸۸)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں: انہیلر کے ذریعہ اجزاء دوا حلق کے نیچے پہنچتے ہیں یا یہ گیس میں تبدیل ہو کر حلق سے نیچے جاتے ہیں، بعض ڈاکٹروں سے گفتگو میں یہ بات واضح نہ ہو سکی اس لئے راقم الحروف یہ رائے دیا کرتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے کہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہو جائے اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کر دیں کہ اگر روزہ کافی نہ ہو تو فدیہ

[1] دار العلوم مئو۔

سے اس کی تلافی ہو جائے (کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۴)۔

احقر اولاً ترجمہ شرح اسباب ۲/ ۴۴۹ سے چند اقتباسات بالترتیب پیش کرتا ہے:

مری کی رفتار بالکل سیدھی نہیں ہے، بلکہ پہلے گردن میں سیدھی خط وسطانی میں ہوتی ہے، گردن کے زیریں حصہ میں کسی قدر بائیں طرف مڑ جاتی ہے، پھر لوٹ کر خط وسطانی میں آجاتی ہے اور اس کے بعد حجاب حاجز کے سوراخ میں داخل ہونے کے لئے سامنے کی طرف بڑھتی ہے پھر بائیں طرف مڑ کر معدہ سے متصل ہو جاتی ہے، اس کے پیچھے ریڑھ ہے اور سامنے گردن میں ہوا کی نالی اور سینہ میں ہوا کی نالی اور قلب اور غلاف قلب ہے۔

ابو سہل مسیحی کا قول ہے کہ پیٹ کی ساری تجویف دو حصوں میں منقسم ہے: ایک اوپر والا حصہ (جوف صدر) جو پھیپھڑے و دل وغیرہ کو محیط ہے (دل دونوں پھیپھڑوں کے درمیان ہوتا ہے)، اور دوسرا نیچے والا حصہ (جوف بطن) جو غذا کے اعضاء (معدہ، جگر، گردے، طحال، بانقراس وغیرہ) کو گھیرے ہوئے ہے، اور ان دونوں جوفوں (سینہ و شکم) کے درمیان حجاب حاجز حائل ہے، حجاب حاجز سینہ کی ہڈی کے سرے (غضروف خنجری کی نوک) سے شروع ہو کر ترچھے طور پر دونوں طرف سے نیچے اور پیچھے کو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پشت کے بارہویں مہرہ تک پہنچ جاتا ہے، اور زیریں حصہ کے متعلق اوپر ہی معلوم ہو چکا کہ وہ حجاب حاجز سے حاصل ہوتی ہے جو بالکل بند رہتی ہے۔

غشاء الصدر وغشاء الریہ وغشاء الاضلاع: اس جوف کے اندر جو جھلی استر کرتی ہے اس کو غشاء الصدر (سینہ کی جھلی) کہتے ہیں، یہ جھلی نہ صرف سینہ کی تمام دیواروں پر استر کرتی ہے بلکہ یہی جھلی لوٹ کر پھیپھڑے پر آجاتی ہے اور پھیپھڑے کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے، یہی جھلی قلب کے غلاف پر حجاب حاجز کی بالائی سطح پر اور پھیپھڑے کی زیریں سطح پر استر کرتی ہے۔

اب ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس طرح کے مریضوں کے لئے بہتر ہے کہ رخصت پر عمل کریں "فعدة من أيام أخر" کیونکہ جن مریضوں کے لئے افطار کی اجازت دی گئی ہے ان میں سے وہ مریض بھی ہے جو مشقت شدیدہ کا شکار ہو جائے یا اسے ہلاکت کا خوف ہو یا ازدیاد مرض یا دیر سے صحت ہونے کا امکان ہو۔

''وضابط المرض المبيح المفطر هو الذي يشق معه الصوم مشقة شديدة أو يخاف الهلاك منه إن صام أو يخاف بالصوم زيادة المرض أو بطء البرء أي تأخره'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۶۹۸)۔

انہیلر والا مریض ہلاک تو نہ ہوگا مگر مشقت شدیدہ کا شکار ہوگا اس لئے اسے دوسرے ایام میں قضا کر لینی چاہئے، کیونکہ دمہ کی بیماری گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ڈاکٹروں سے رجوع کرنے نیز شرح اسباب کے مطالعہ اور اس طرح کے مریضوں سے گفتگو کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہیلر کا کام صرف سانس کی نالیوں کی تنگی کو ختم کرنا ہے، پھر بھی اگر کسی طرح کا شبہ ہو تو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے پر عمل انسب معلوم ہوتا ہے۔

۳- ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوائیں ڈال کر بھاپ لینا مفسد ہوگا۔

''وفي حكم المائع البخور وبخار القدر إذا استنشقهما فوصلا إلى حلقه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۷۱۴)۔

آج کل کے مشینی طریقے سے آکسیجن وغیرہ ہو سکتی ہے، آکسیجن تو ایک طرح کی ہوا ہی ہوتی ہے، اس کو گیس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، گیس کو بالقصد سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بھی گیس سے عدم فساد کے قائل ہیں (دیکھئے: کتاب الفتاوی ۳/ ۳۹۷)۔

۴، ۵- جب کوئی چیز کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، لیکن صرف صورت مسئولہ میں روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ انجکشن سے دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ رگوں اور مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے۔

''لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ

للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر'' (ردالمحتار ۳/۳۶۷)۔

''لأن الواصل إلیه لیس من منفذ وإنما من المسام وقد روی البیهقی أنه ﷺ کان یکتحل بالاثمد وهو صائم فلا یکره الاکتحال للصائم'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۷۲۰)۔

مولانا رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: اب غور کیجئے تو انجکشن وگلوکوز کے ذریعہ معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں اس لئے انجکشن وگلوکوز کو کھانا یا پینا نہیں کہا جاتا، اس لئے انجکشن وگلوکوز کی وجہ سے روزہ نہ ٹوٹے گا (کتاب الفتاوی ۳/۳۹۲)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی آپ کے مسائل اوران کا حل میں تحریر فرماتے ہیں: گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں: گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے (۳/۲۸۸) مولانا موصوف انجکشن کی بابت رقم طراز ہیں: کسی بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عذر کی وجہ سے رگ میں بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مفتی رشید احمد صاحب کی بھی یہی رائے ہے (دیکھئے احسن الفتاوی ۴/۴۲۲)۔ بندہ کی بھی یہی رائے ہے کہ روزہ کی حالت میں طاقت وغیرہ کے انجکشن نیز غذائی ضرورت پوری کرنے کی غرض سے گلوکوز چڑھانا مفسد صوم تو نہ ہوگا مگر بدون عذر کراہت ضرور پائی جائے گی۔

۶- سیال دوائیں موضع حقنہ تک پہنچ جانے کے بعد مفسد ہوں گی، ''ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسد'' (درمختار علی الرد ۲/۳۶۹) ''أو احتقن أو استعط یوجب القضاء فقط'' (رد المحتار ۲/۳۷۶) اگر دوا یا مرہم بواسیر کے اندرونی مسوں پر وہاں تک نہ پہنچے جہاں سے معدہ اسے جذب کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں وہ مفسد نہیں، اس کے اندرونی مسّوں پر بطریق مخصوص دوا یا مرہم لگایا جاسکتا ہے، ''دخول شیء مادی من منفذ إلی الجوف... والحقنة فی الدبر یوجب القضاء'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۷۲۵)۔ بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہٰذا مسّوں کو پانی سے تر کرکے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے اگر خشک آلات بدون دوا داخل کئے جائیں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، لیکن اگر آلات پانی یا گلیسرین وغیرہ سے تر ہوں تو مفسد ہوں گے۔

''وفی تنویر الأبصار أو أدخل إصبعه الیابسة فیه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (تنویر الابصار علی الرد ۲/۳۶۹)

عورت ومرد کی پچھلی شرمگاہ کے احکام یکساں ہیں:

''ویلحق به ما إذا أدخل إصبعه مبلولة بماء أودهن فی دبر أو استنجی فوصل الماء إلی داخل دبره''

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۷۰۸)۔

اس لئے دونوں کی پچھلی شرمگاہ سے سیال دواؤں کا پہنچانا مفسد ہوگا۔

''ووصول الجامد لها لا تفسد إلا إذا کان المنفذ عالیا'' (الفقہ الاسلامی ۳/۱۷۱۴)۔

اس پر ایک صریح روایت بھی مسند ابویعلی میں حضرت عائشہؓ کی سند سے موجود ہے۔

''إنما الا الإفطار مما دخل ولیس مما خرج'' (نصب الرایہ)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آلات اگر تر نہ ہوں، ان پر دوا وغیرہ لگی نہ ہو، اور ایک بار داخل کرنے کے بعد دوبارہ اس آلہ کو داخل نہ کیا جائے تو ان شرطوں

کے ساتھ مفسد صوم نہ ہوگا۔

۷- مرد و عورت کی اگلی شرمگاہ کے احکام جداگانہ ہیں، اگر مرد کی احلیل میں پانی و تیل وغیرہ ٹپکایا گیا تو مثانہ تک پہنچ جانے کے باوجود روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ مثانہ اور عضو تناسل کا تعلق پیٹ سے نہیں ہوتا: ''أو أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (الدر المختار علی الرد ۳/۳۷۲)۔

''فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما'' (رد المحتار ۳/۳۷۲)۔

لیکن عورت کی اگلی شرمگاہ کے فرج داخل میں دوا وغیرہ پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (الدر المختار علی الرد ۳/۳۷۲)۔

بندہ کے خیال میں اس طرح کے آلات کا ایک سرا تو تشخیص کنندہ کے ہاتھ میں ضرور ہوگا، اگر ایسا ہے تو اسے اس جزئیہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت نے اپنے پاخانہ کے مقام میں یا عورت نے اپنے پیشاب کے مقام میں لکڑی یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز داخل کی اور اس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں رہا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

''وفي الظهيرية ولو أدخل خشبة أو نحوها وطرفا منها بيده لم يفسد صومه قال في البدائع وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

ظہیریہ میں ہے کہ اگر لکڑی وغیرہ جوف میں داخل کیا اور اس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اپنی کتاب فتاوی النوازل (ص/۱۵۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ولو ابتلع سلكة وطرفها في يده لا يفسد''۔

بہر حال مذکورہ دلائل اور آلات کے استعمال کے لئے عاجز نے جو تین شرطیں بتلائی ہیں ان کی روشنی میں امراض معدہ کی تشخیص کے لئے ان کا استعمال صحیح ہونا چاہئے۔

☆☆☆

افطار صوم سے متعلق نئے مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری[1]

۱- روزہ کی حالت میں جو دوا زبان کے نیچے دبا کر رکھی ہو، اگر وہ دوا یا لعاب میں مل جانے والے اس دوا کے اجزاء حلق کے نیچے نہیں گئے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، لیکن مکروہ ہوگا، اور اگر بیمار کے لئے وہ دوا لینا ضروری ہو اور اس کے بغیر سخت پریشانی لاحق ہوتی ہو تو مکروہ بھی نہ ہوگا'' وکرہ له ذوق شیء وکذا مضغه بلا عذر'' (درمختار ۲/ ۱۲۲) (مکروہ ہے کسی چیز کو چکھنا یا کسی چیز کو چبانا بلا عذر کے)۔

۲- دوا یا غذا یا صلاح بدن میں سے باہر کی جو چیز بھی حلق کے راستے اندر چلی جائے گی مفسد صوم ہوگی، لہذا دوا کا جو جز بھی حلق کے راستے سے پھیپھڑے میں پہنچایا جائے گا وہ روزہ کو فاسد کردے گا۔

'' وحاصله أن الإفساد منوط بما إذا كان بفعله أو فيه صلاح بدنه ويشترط أيضا استقراره داخل الجوف'' (ردالمحتار ۲/۱۰۷) اس کا حاصل یہ ہے کہ فساد کا تعلق اس چیز سے ہے جو اس کے فعل سے ہو یا اس میں بدن کی درستگی وفائدہ ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز جوف کے اندر مستقر ہوگئی ہو۔

۳- بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

'' ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه (وفي رد المحتار) حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (درمختار و ردالمحتار ۲/۱۰۶)۔

(اس سے یہ نتیجہ معلوم ہوا کہ اگر خود سے دھواں اپنے حلق سے داخل کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ کوئی بھی دھواں ہو، عود کا ہو یا عنبر کا، بشرطیکہ روزہ یاد ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے، (اور اس کی شرح ردالمحتار میں ہے) یہاں تک کہ اگر کسی بخور کی دھونی لی اور اسے اپنے تک پہنچایا اور روزہ یاد رکھنے کے باوجود اسے سونگھا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس سے بچنا ممکن تھا)۔

۴- انجکشن کے ذریعہ جسم میں دوا پہنچانا خواہ وہ دوا کی جگہ پر ہو یا غذا کی جگہ پر، یہ مفسد صوم نہیں ہے، اس مسئلہ کی بہت تحقیق ہو چکی ہے، مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: امداد الفتاوی (۲/ ۱۴۴)، فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل ومدلل (۲/ ۴۰۸)، احسن الفتاوی (۴/ ۴۲۲)، فتاوی رحیمیہ (۱۰/ ۱۶۹)، فتاوی محمودیہ (۳/ ۱۲۶)، نظام الفتاوی (۱/ ۱۳۲)۔

۵- گلوکوز کا بھی حکم نمبر ۴ والا ہے۔

'' والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (حوالہ مذکورہ)۔
(روزہ کو توڑنے والی چیز وہی ہے جو منافذ سے داخل ہو)۔

۶- بواسیر کے مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد صوم نہیں، لہذا مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۰)، اسی طرح جو دوا بھی سیال یا غیر سیال داخل کی جائے اگر وہ موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے

[1] جامعہ عربیہ عین الاسلام، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

گا، اور نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، درمختار میں ہے:

"ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنه فسد" (درمختار ۲/۱۰۸)۔
(اگر استنجاء میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ موضع حقنہ تک پہنچ گیا تو روزہ فاسد ہو گیا)۔

ردالمحتار میں ہے: "وهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع المحقنة"۔
(یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب انگلی کو خود سے موضع حقنہ تک داخل کرے)۔

یہ تو تر انگلی داخل کرنے کا معاملہ تھا۔ آلات کے داخل کرنے کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، اگر تر آلات ہوں تو موضع حقنہ تک پہنچنے پر روزہ فاسد ہوگا، ورنہ نہیں، اور خشک آلات، موضع حقنہ تک پہنچ جائیں تو بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ پورے اندر نہ چلے گئے ہوں دلیل نمبر ۷ کے تحت درج ہے، درمختار میں روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کے بیان کے تحت ہے کہ:

"(أو أدخل إصبعه اليابسة فيه) اى دبره أو فرجها" (ردالمحتار ۲/۱۰)۔
(یا اگر اپنی خشک انگلی اپنے پاخانہ کی جگہ میں داخل کی یا عورت نے پیشاب کی جلہ میں داخل کیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

۷- مثانہ تک دوا پہنچانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح عورت کی شرمگاہ کے باہری حصہ میں دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اندر کے حصے میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ سیال ہو یا جامد، درمختار میں ہے:

"(أو أقطر فى إحليله) ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب وأما فى قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة" (درمختار ۲/۱۰۹)۔

(یا اپنے عضو تناسل کے سوراخ میں پانی یا تیل کا قطرہ ڈالا اور وہ مثانہ تک پہنچ گیا تو مفتی بہ مذہب کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور عورت کی پیشاب کی جگہ میں ڈالا تو بالاجماع روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ یہ حقنہ کی طرح ہے)۔

لیکن اگر مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک آلات پہنچائے گئے اور وہ آلات اندر غائب ہو گئے، ان کا کچھ حصہ بھی باہر نہیں ہے تو بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر کچھ حصہ باہر ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہ محض آلات کی بات تھی، لیکن اگر آلات میں دوا بھی لگی ہے تو آلات خواہ پورے اندر ہوں یا کچھ حصہ اندر اور کچھ باہر ہو، ہر صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ دوا اندر چلی گئی۔ درمختار میں ہے:

"(أو أدخل عودا) أونحوه (فى مقعدته وطرفه خارج)، وإن غيبه فسد . . . ومفاده أن استقرار الداخل فى الجوف شرط للفساد بدائع" (درمختار مع ردالمحتار ۲/۱۰۷)۔

(یا کوئی لکڑی یا اس کے مثل کوئی چیز اپنے پاخانہ کے مقام میں داخل کی اور اس کا ایک کنارہ باہر ہے تو روزہ فاسد نہیں، اور اگر اسے غائب کر دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا......، اس کا مفاد یہ ہے کہ روزہ کے فساد کے لئے اندر جانے والی چیز کا جوف میں استقرار شرط ہے)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض قسموں کا شرعی حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی[1]

فساد صوم کے سلسلہ میں فقہی نظائر سے چند بنیادی چیزیں سامنے آتی ہیں:

۱-فطری منفذ کا ہونا، ۲-اندر جانے والی چیز کا جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچنا، ۳-اندر جانے والی چیز کا مصلح للجسم ہونا، ۴-داخل ہونے والی چیز کا جوف میں مستقر ہونا۔

ان کلیات کے تناظر میں عصری مسائل کا جو حل مفہوم ہوتا ہے وہ درج ذیل ہے:

۱- وہ دوا جو زبان کے نیچے رکھی جائے اور اسے نگلا نہ جائے وہ مفسد صوم نہیں، اسکی نظیر روزہ کی حالت میں نمک چکھنا اور سخت غذا کو نرم کر کے بچہ کو کھلانا ہے۔

''ولو مضغ حبة حنطة لا يفسد صومه لأنها تتلاشى'' (هنديه ۱/۲۰۲) - ''وقول النبی ﷺ إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (ملتقی ۱/۱۹۹) ''وفی الشامی إذا ذاق شيئا بفمه وإن كره لم يفطر'' (شامی ۲/۱۰۱)۔

۲- روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال مفسد صوم ہے چونکہ اسکا دخول منفذ اصلی (حلق) کے ذریعہ ہوتا ہے، اس کی نظیر حقہ کا دھواں ہے جو مفسد صوم ہے۔

''وإن دخل فی حلقه غبار أو دخان أو ذباب لا يفطر لعدم إمكان التحرز عنه وهذا يفسد أنه لو أدخل الدخان حلقه أفطر أی دخان كان ... فلو تبخر ببخور واستشم دخانه فأدخله حلقه ذاكرًا صومه فسد صومه سواء كان عودًا أو عنبرًا أو غيرهما لإمكان التحرز عنه'' (مجمع الانهر ۱/ ۲۴۵، الشامی ۲/ ۹۷)۔

۳- گرم پانی میں دوا ڈال کر اس کی بھاپ کو مشین کے ذریعہ یا بلا واسطہ منھ ناک کے ذریعہ اندر پہنچانا مفسد صوم ہے ''كما فی الشامی: وبه علم حكم شرب الدخان''۔

۴- جو چیز منفذ اصلی کے علاوہ رگوں وغیرہ کے ذریعہ اندر پہنچائی جائے خواہ دواء ہو یا غذاء اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسے گلوکوز وغیرہ۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر فوصل إلى الجوف أو الدماغ فسد صومه، وأما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية لا يفسد'' (بدائع ۲/ ۹۳)۔

۵- جسم میں نمکیات کی تلافی کے لیے ضرورۃً گلوکوز کا چڑھانا مفسد صوم نہیں۔

''لأنه يدخل من غير المخارق الأصلية''۔

لیکن صرف غذائی قوت کے حاصل کرنے کے لیے گلوکوز روزہ کی حالت میں چڑھانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر چہ اس کے داخل من غیر المخارق الاصلیہ ہونے کی وجہ سے فساد صوم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

[1] جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڈھ۔

۶- دبر کے راستہ دوا کا اندر پہنچانا خواہ سیال ہو یا غیر سیال مفسد صوم ہے، اس کی نظیر حقنہ ہے۔

''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه أفطر'' (البنایہ ۲/۶۷۱)۔

بواسیری مسوں پر لگائی جانے والی دوا مفسد صوم نہیں، چونکہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے دور ہوتے ہیں، اور مقعد کے راستے داخل کی جانے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے روزہ فاسد نہیں ہوگا (احسن الفتاوی ۴/۴۴۰)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات پیٹ میں داخل کئے جاتے ہیں چونکہ اس کا دوسرا سرا باہر رہتا ہے اس لئے وہ مفسد صوم نہیں، اس کی نظیر گوشت کا وہ ٹکڑا ہے جسے دھاگہ میں باندھ کر پیٹ کے اندر داخل کرلیا جائے اور پھر اس کو باہر نکال دیا جائے۔

''ومن ابتلع لحمًا مربوطًا علی خیط ثم انتزعه من ساعته لا یفسد وإن ترکه فسد'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

البتہ اگر وہ آلات پانی یا دوا سے تر ہوں تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

''أو أدخل إصبعه الیابسة فیه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد لبقاء شئ من البلة فی الداخل'' (۲/۹۹ درمع الرد)۔

نیز آلہ کو اندر داخل کرنے کے بعد کل یا بعض حصہ نکال کر پھر اندر داخل کردیا جائے تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا۔

(احسن الفتاوی ۴/۴۵۵)۔

۷- مرد کے اگلے راستہ سے کسی چیز کا اندر پہنچانا مفسد صوم نہیں، البتہ عورت کی شرمگاہ سے کسی چیز کا اندر پہنچانا مفسد صوم ہے۔

''إذا أقطر فی إحلیله لا یفسد صومه عند أبی حنیفة ومحمد وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف وهو الصحیح'' (ہکذا فی الظہیریہ وہندیہ ۱/۲۰۴)۔

عورت کے قبل میں تحقیق مرض کے لئے آلات داخل کرنے کا وہی حکم ہے جو جواب نمبر ۶ کے تحت گزر چکا ہے۔

☆☆☆

روزہ سے متعلق بعض جدید مسائل

مولانا بدر احمد مجیبی ¹

۱- قلب کے مرض کی بعض دوائیں ایسی ہیں جن کو دیگر دواؤں کی طرح حلق میں داخل کر کے معدہ تک نہیں پہنچایا جاتا بلکہ ان کو زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اور اسی سے فائدہ ہوتا ہے، روزے کی حالت میں ایسے ٹیبلٹ کو زبان کے نیچے دبا کر رکھا جائے اور اس دوا کو یا اس کے لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو حلق سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور نہ اس کا مزا حلق میں محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ منہ کی حیثیت خارج بدن کی ہے، حلق کے اندر کسی چیز کے جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے، کسی چیز کو محض منہ میں رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی واضح مثال کلی کرنا ہے، پانی منہ میں جاتا ہے اور کلی کر کے اس کو نکال دیا جاتا ہے، مسواک کر کے کلی کر لی جاتی ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اسی طرح اگر کسی قلیل چیز کو منہ میں رکھ کر صرف چبایا جائے نہ وہ حلق سے آگے جائے اور نہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

فقہائے کرام نے سمسم (تل) اور علک (گوند کے ٹکڑے) کے بارے میں اس کی صراحت فرمائی ہے، البتہ بغیر ضرورت ایسا کرنے میں کراہت ضرور ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی جز حلق سے آگے نہ بڑھ جائے یا حلق تک اس کا مزہ نہ پہنچ جائے، لیکن جب ضرورت اور عذر موجود ہے اور دوا کے طور پر یہ عمل کیا جا رہا ہے تو کراہت بھی نہیں ہوگی۔

''والفم والأنف وإن لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز إلا أن الشارع اعتبرهما في الصوم من الخارج''

(رد المحتار ۲/۲۲۳)۔

''ويكره مضغ العلك للصائم لأنه تعريض الصوم للفساد من غير ضرورة ولا يفسد صومه''

(فتاوی قاضی خان ۱/۲۰۴)

''وفي الكافي في السمسمة قال: إن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه وهذا حسن جدا فليكن الأصل في كل قليل مضغه'' (فتح القدير ۲/۲۲۸، ہندیہ ۱/۲۰۲، حاشیہ تبیین الحقائق للشلبی ۲/۱۷۳)۔

''وإذا أوجر فما دام في فمه لا يفسد صومه وإذا وصل إلى الجوف يفسد صومه... وفي الخانية: لو مضغ حبة الحنطة لا يفسد صومه لأنها تتلاشى بالمضغ كما قلنا في السمسم'' (تاتارخانیہ ۲/۳۷۴)۔

۲- تنفس کے مریضوں کو انہیلر کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، انہیلر کے ذریعہ مختصر سی دوا سفوف کی صورت میں یا گیس کی شکل میں حلق سے ہو کر پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، یہ دوا حلق کے راستے سے ہی جاتی ہے لیکن معدہ میں نہیں جاتی بلکہ پھیپھڑے تک جاتی ہے۔

روزے کی حالت میں انہیلر کے ذریعہ یا کسی بھی ذریعہ سے دوا حلق میں داخل ہوگی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ دوا جسم کے اندر داخل ہو چکی ہے۔ یہ یقینی طور سے کیسے معلوم ہوگا کہ دوا پھیپھڑے تک ہی گئی ہے معدہ میں نہیں پہنچی ہے اس لئے حلق کے اندر جانے سے ہی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۳- بعض بیماریوں میں کچھ دوا بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہے، اس طور سے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے

---

¹ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ جسم کے اندر کھینچا جاتا ہے، یا کسی مشینی طریقہ سے دوا کی بھاپ ناک اور منہ کے ذریعہ جسم کے اندر داخل کی جاتی ہے۔ روزہ کی حالت میں منہ یا ناک سے جسم کے اندر بھاپ کے ذریعہ دوا پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ دوا کا بھاپ ہوتی ہے جس میں دوا کے اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں اور یہ بھاپ منہ کے ذریعہ سے معدہ تک یا ناک کے راستے سے دماغ تک پہنچائی جاتی ہے، اس کی سب سے واضح نظیر دھواں ہے۔ دھواں کے بارے میں فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے روزہ یاد رہتے ہوئے دھواں کو حلق کے اندر داخل کرلیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا (مراقی الفلاح/ ۳۶۲)۔

۴- روزے کی حالت میں دوا کا انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس سے دوا فطری منافذ (ناک، منہ، کان، شرم گاہ) سے جسم میں داخل نہیں ہوتی ہے بلکہ گوشت اور رگوں کے ذریعہ جسم میں داخل ہوتی ہے، فقہاء کرام تحریر کرتے ہیں کہ فطری منافذ سے جسم میں کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے، مسامات سے کوئی دوا وغیرہ جسم میں جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے انجکشن خواہ وہ علاج کے لئے دوا کی ضرورت پوری کررہا ہو یا جسمانی طاقت وتوانائی کے لئے غذا کی ضرورت پوری کررہا ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ روزہ میں غذا کے لئے انجکشن لینے میں کراہت ضرور ہوگی، کیونکہ کھانے پینے سے پرہیز کرنے کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے روزہ میں وہی مطلوب ہے، اور غذا کے لئے انجکشن لینے سے وہ مطلوبہ کیفیت حاصل نہیں ہو پاتی بلکہ بھوک اور پیاس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

''والداخل من المسام لاينافي كما لو اغتسل بالماء البارد'' (هدايه)۔

''والمفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لامن المسام الذى هو خلل البدن للا تفاق فيمن شرع فى الماء يجد برده فى بطنه ولايفطر'' (فتح القدير ۲/۲۵۷)۔

۵- جسم میں نمکیات کو پورا کرنے کے لئے اور غذا کی مطلوبہ قوت حاصل کرنے کے لئے گلوکوز چڑھایا جاتا ہے، یہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہوتا ہے، اس سے بھوک کا احساس کم ہوتا ہے، اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے۔

روزہ کی حالت میں جسم میں گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ گلوکوز فطری منافذ ناک، منہ، کان، شرمگاہ سے جسم میں داخل نہیں کیا جاتا بلکہ رگوں کے ذریعہ جسم میں جاتا ہے، اور مسامات وغیرہ کے ذریعہ جسم میں کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ غذا کی نیت سے گلوکوز چڑھانے سے کراہت ضرور ہوگی، کیونکہ اس کی وجہ سے روزہ میں مطلوب ترک اکل وشرب کی خاص کیفیت حاصل نہیں ہو پاتی۔

''وما دخل من مسام البدن من الدهن لايفطر، هكذا فى شرح المجمع، ومن اغتسل فى ماء وجد برده فى باطنه لا يفطر، هكذا فى النهر الفائق'' (ہندیہ ۱/۲۰۳)۔

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للا تفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لايفطر''
(ردالمحتار ۲/۲۲۷)۔

۶- کچھ بیماری کے علاج کے لئے بعض سیال اور غیر سیال دوائیں سرین کے راستے اندر پہنچائی جاتی ہیں، ان سے روزے کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ اگر یہ دوائیں موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہیں تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر وہاں تک نہیں پہنچتیں بلکہ اس سے نیچے رہتی ہیں تو ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر جو مرہم وغیرہ لگایا جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ مستے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور وہاں پر لگائی گئی دوا موضع حقنہ تک نہیں پہنچتی۔ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات معدہ تک پہنچائے جائیں ان سے روزہ ٹوٹ جائیگا، کیونکہ معدہ تک فطری منفذ سے کوئی چیز پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

الحقنة توجب القضاء... أما الحقنة والوجور فلأنه وصل إلى الجوف مافيه صلاح البدن (فتاوى قاضى خان ۱/۲۱۰)

’’وإذا احتقن يفسد صومه‘‘ (تاتار خانیہ ۲/۳۶۵)۔

۷- آگے کی شرمگاہ سے مثانہ میں ضرورت کے وقت پیشاب کا پائپ لگایا جاتا ہے، عورت کو پیشاب کا پائپ لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، مرد کو پائپ لگانے سے روزہ کے ٹوٹنے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ ان حضرات کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ (راستہ) ہے یا نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک منفذ ہے، اس لئے مثانہ میں کسی چیز کے جانے سے وہ چیز جوف تک پہنچ جائے گی۔ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے، پیشاب ترشح کے ذریعہ آتا ہے، اس لئے مثانہ میں پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن فقہاء کرام تحریر کرتے ہیں کہ یہ اختلاف تشریح الابدان اور طب سے متعلق ہے، طب سے جو بات معلوم ہو جائے اسی کا اعتبار ہوگا، بعد کے فقہاء نے طرفین کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو مذہب قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اطباء کے اقوال سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ نہیں ہے۔

’’قال الفقيه أبوبكر البلخي الخلاف فيما إذا وصل إلى المثانة أما مادام في قصبة الذكر لايفسد صومه بالاتفاق لأبي حنيفة أن المثانة ليس لها منفذ وإنما يخرج البول منها بطريق الترشح وهذا الكلام يرجع إلى الطب‘‘ (فتاوی قاضی خان ۱/۲۱۱، نیز دیکھئے: تبیين الحقائق للزيلعي ۲/۱۸۳)۔

روزے کی حالت میں خواتین کی شرمگاہ کے اندرونی حصے میں سیال یا جامد دوا رکھنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائیگا، اسی طرح کسی مرض کی تحقیق کے لئے کوئی آلہ اس راستے سے رحم تک پہنچانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

’’وتكلم المشايخ في الإقطار في إقبال النساء منهم من قال هو على هذا الخلاف ومنهم من قال يفسد الصوم بلاخلاف كالحقنة وهوالصحيح‘‘ (تاتار خانیہ ۲/۳۶۵، نیز دیکھئے: ردالمحتار ۲/۴۲۳، تبیين الحقائق ۲/۱۸۴)۔

مفطرات صوم کے شرعی احکام

مفتی انور علی اعظمی [1]

۱- امراض قلب کی وہ دوائیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر اس دوا کا استعمال اسی انداز پر کیا گیا اور اس کو یا اس کے لعاب میں ملے ہوئے اجزاء کو نگلنے سے بچا گیا تو بظاہر فساد صوم کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دل کا ایسا مریض لعاب روکنے پر کتنی دیر تک کنٹرول کر سکتا ہے، درد اٹھنے کے بعد ایک پریشان حال بلکہ بے قابو مریض اپنی جان بچانے کی فکر کرے گا یا روزہ بچانے کی؟ دوا لعاب کی وجہ سے گھلے گی اور اس کے اجزاء العاب کے ساتھ اندر جائیں گے، ایک صحت مند بھی بہت دیر تک لعاب کو اندر جانے سے نہیں روک پاتا تو مریض آدمی کیسے روک سکتا ہے، جب کہ روزہ کی حالت میں پیاس کی وجہ سے اس کا تقاضہ اور زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ صرف ایک مفروضہ ہے کہ دوا زبان کے نیچے رہے گی اور اس کے اجزاء اندر نہیں جائیں گے، لہٰذا احقر کی رائے یہ ہے کہ ایسا مریض اپنی جان بچانے کے لئے دوا کا استعمال کر لے اور بعد میں قضا کرے، کیونکہ فقہاء کے نزدیک باہر سے داخل کی جانے والی اشیاء کا یہی حکم ہے۔ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”عمل عمل الابریسم فأدخل الأبریسم فی فیه وخرجت منه خضرة الصبغ أو صفرته أو حمرته واختلط بالريق فصار الريق أخضر أو أصفر أو أحمر فابتلعه وهو ذاكر صومه ففسد صومه هكذا فی الخلاصة“ (عالمگیری ۱/۱۰۴)۔

۲- انہیلر کے ذریعہ دوا کا اندر پہنچانا بھی مفسد صوم ہے، کیونکہ فقہاء کے نزدیک سمسمہ جیسی معمولی چیز بھی اگر باہر سے منھ میں داخل کی جائے اور اسے حلق سے نیچے اتار لیا جائے تو یہ مفسد اور مفطر ہے۔

”(وأكل مثل سمسمه) من خارج (يفطر)“ (درمختار علی ہامش الشامی ۲/۱۵۳)۔

اس لئے انہیلر کے ذریعہ داخل کی جانے والی دوا اگر چہ مختصر ہو اور استعمال کرنے والا اگر چہ اس کو پھیپھڑے میں پہنچانا چاہتا ہو پھر بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ دخان کو اپنے عمل سے داخل کرنا روزہ فاسد کر دیتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور دوا جو اندر جا رہی ہے وہ اسی کے مثل ہے اس لئے روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال مفسد اور مفطر ہوگا، جس مریض کو مجبوری اور پریشانی لاحق ہو وہ اس کا استعمال کر لے اور بعد میں اس کی قضا کر لے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے ”آپ کے مسائل اور ان کا حل میں“ ایک سائلہ کو یہی جواب دیا ہے، سائلہ جو خود انہیلر استعمال کرنے والی ہیں لکھتی ہیں کہ اس عمل سے زیادہ تر دوا سانس کے ساتھ پھیپھڑے میں داخل ہوتی ہے لیکن کچھ مقدار حلق میں چپک جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ بعد میں پیٹ میں جاتی ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۲۱۴)۔

سائلہ جو خود مبتلی بہ ہیں ان کا تجربہ ہے کہ کچھ دوا پیٹ میں بھی جاتی ہے اس صورت میں روزہ ٹوٹنے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں، اور اگر بالفرض دوا معدے میں نہ جا کر پھیپھڑے ہی میں جائے جب بھی روزہ ٹوٹ جائیگا، کیونکہ دخان کی صورت میں فقہاء کے نزدیک یہی حکم ہے۔

۳- ناک اور منھ کے ذریعہ بھاپ کو کھینچنا یا کسی مشینی طریقہ سے بھاپ کو اندر داخل کرنا روزہ کے لئے مفسد ہے، کیونکہ فقہاء کے نزدیک دھوئیں کا خود بخود داخل ہو جانا تو مفطر نہیں لیکن اپنے عمل اور اپنی کوشش سے داخل کرنا مفسد اور مفطر ہے، درمختار (۲/ ۱۳۳) میں مذکور ہے:

[1] دار العلوم مئو۔

''ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه''
اس عبارت کی تشریح میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (شامی ۲/۱۳۳)۔

۴- دوا علاج کی ضرورت سے انجکشن لگوانا مفسد نہیں، چاہے وہ گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں، البتہ غذا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے یا محض طاقت کے لئے انجکشن لگوانا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ عمل مقصد صوم کے منافی ہے، کیونکہ روزہ نام ہے کھانے پینے اور جماع سے نیت کے ساتھ ایک مخصوص وقت تک رکنے کا، اب اگر روزہ دار کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور وہ اس کے ازالہ کی کوشش کرے تو اس کا کوئی عمل روزہ جیسی عبادت کے ساتھ ہرگز میل نہیں کھاتا، روزہ دار اللہ کا حکم سمجھ کر بھوک پیاس کے احساس کو برداشت کرتا ہے، اسی پر وہ اجر کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک روزہ دار اس احساس کو مٹانے کے لئے انجکشن لگواتا ہے تو وہ یقیناً روزہ کی مقصدیت کو ختم کرنا چاہتا ہے، اس لئے محض طاقت کے حصول کی غرض سے یا غذائیت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے انجکشن لگوانا اس کے روزہ کو مکروہ کردے گا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۱۵)۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے کے لئے اور مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھانا اگر چہ روزہ کو فاسد نہیں کرے گا لیکن مکروہ ضرور بنادے گا، چونکہ گلوکوز فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا، انجکشن کے ذریعہ اندر جارہا ہے اس لئے فقہاء کے اصول کے مطابق اس کو مفسد تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن مقصد صوم کے منافی ہونے کی وجہ سے اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ روزہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ کھانا پینا چھوڑنے کی وجہ سے بھوک پیاس کا احساس ہو، اور روزہ دار اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے اس پر صبر کرے۔

جدید فقہی مسائل میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی عبارت سے اس کی اجازت کا رجحان ظاہر ہوتا ہے لیکن روزہ داروں کو ایسی چیزوں کی کھلی اجازت دینا مناسب نہیں، اس سلسلے میں مولانا یوسف لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں: گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۱۵)۔

۶- پیچھے کے راستے سے سیال یا غیر سیال دوا کا اندر داخل کرنا روزہ کے لئے مفسد ہے، اسی لئے فقہاء نے اس مسئلہ میں انتہائی احتیاط کا حکم دیا ہے۔

عالمگیری میں مذکور ہے: ''وإذا خرج دبره وهو صائم ينبغي أن لا يقوم من مقامه حتى ينشف ذلك الموضع بخرقة كي لا يدخل الماء جوفه فيفسد صومه؛ ولهذا قالوا لا يتنفس في الاستنجاء إذا كان صائمًا كذا في محيط السرخسي''
(عالمگیری ۱/۱۰۴)۔

نیز فقہاء کے یہاں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر اپنی مقعد میں لکڑی یا اس طرح کی بے کار چیز بھی داخل کیا اور اس کو غائب کردیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا ''أو أدخل عودًا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد'' (درمختار علی ہامش الشامی: ۲/۱۳۵)۔

عالمگیری میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی انگلی دبر میں یا عورت اپنی شرمگاہ میں داخل کرلے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر انگلی میں تیل لگا ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اس لئے ان جزئیات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ پیچھے کے راستے سے داخل کی جانے والی سیال یا غیر سیال دوا روزہ کے لئے مفسد ہے۔ رہا مسئلہ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کے اندر داخل کئے جانے کا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آلہ پر دوا وغیرہ نہیں لگی ہے اور آلہ کا سرا باہر ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس سلسلے میں بھی فقہاء کے یہاں صراحت موجود ہے۔

''ولو طعن برمح أو أصابه سهم وبقي في جوفه فسد وإن بقي طرفه خارجًا لا يفسد كذا في التبيين'' (عالمگیری ۱/۱۰۴)۔
البتہ اگر آلہ پر دوا لگی ہو تو دوا کا اندر پہنچنا روزہ کے لئے مفسد ہوگا، اس کی تائید درمختار کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''ولو أدخل قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجه الخارج لا'' (درمختار علی ہامش الشامی ۲/۱۳۵)۔

بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور مقعد کے راستے سے اندر جانے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰)۔

۷- فقہاء کی عبارتوں سے مرد اور عورت کے آگے کے راستے کا حکم الگ الگ معلوم ہوتا ہے، مثلاً اگر احلیل میں پانی یا تیل ٹپکا یا جائے اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس لئے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ نہیں ہے، علامہ شامی نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کا طرفین سے اختلاف نقل کیا ہے، اور اطباء کے قول کو بنیاد بنا کر طرفین کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

''(أو أقطر في إحليله) ماءً أو دهنًا وإن وصل إلى المثانة على المذهب الدر المختار قال الشامي: والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا، وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كما يقول الأطباء، زيلعي'' (شامی ۲/۱۳۷)۔

لہٰذا مرد کے مثانہ تک نلکی پہنچانے میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس معاملہ میں عورت کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ نلکی اگر چہ اندر ہے لیکن اس کا ایک سرا باہر رہتا ہے لہٰذا اس کا حکم تشخیص مرض کے لئے آلہ کے داخل کرنے کا ہے، البتہ خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھنے کا حکم الگ ہے، اس لئے کہ فقہاء نے دبر اور فرج داخل کو جوف کے حکم میں رکھا ہے اور اس کے اندر داخل کی جانے والی اشیاء کو مفسد قرار دیا ہے، چنانچہ درمختار میں یہ عبارت مذکور ہے:

''فأما في قبلها فمفسد إجماعًا'' علامہ شامی اس کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں: ''بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه وهذا بخلاف قصبة الذكر فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما'' (شامی ۲/۱۳۸)۔

البتہ اگر مرض کی تحقیق کے لئے کوئی آلہ دوا کے بغیر رحم تک پہنچایا جائے اور اس کا ایک سرا باہر ہو تو یہ مفسد صوم نہیں۔

☆

مفطرات صوم کی نئی صورتیں

قاضی عبدالجلیل قاسمی [۱]

۱- اگر امراض قلب سے متعلق کوئی دوا زبان کے نیچے رکھی جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر ضرورت کی بنیاد پر ہو تو کراہت بھی نہ ہوگی۔ روزہ کی حالت میں منھ میں دوا وغیرہ کے رکھنے کے بارے میں ایک سوال و جواب امداد الفتاوی میں ہے:

سوال (۱۹۸): اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو، اس کے دفعیہ کے لیے کوئی دوا استعمال کرے بایں طور کہ وہ دوا حلق کے اندر نہ جائے، یا پان کھانے والا پان گلوری منھ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے یا نسوار (یعنی ناس) جو تمبا کو پیس کر بناتے ہیں اور پنجاب کے لوگ اکثر منھ میں ڈالتے ہیں اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں۔ اس کو یعنی نسوار صرف منہ میں رکھ کر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ جواب مدلل عنایت فرمائیے۔ بینوا توجروا

"الجواب: فی الدر المختار وکرہ له ذوق شیء وکذا مضغه بلا عذر قید فیهما... الخ ثم عد عذرا مست إلیها الحاجة فی الحال ککون الزوج سیء الخلق وخوف الغبن فی الشراء"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صور مسئول عنہا سب مکروہ ہیں: "لا سیما وقد أید الکراهة الحدیث من قوله علیه السلام أفطر الحاجم والمحجوم، وقوله علیه السلام مَن وقع حول الحمی أوشك أن یقع فیه" (امداد الفتاوی ۲/۱۳۷)۔

۲- منہ کے ذریعہ یا ناک کے ذریعہ کسی چیز کو حلق سے نیچے پہنچانا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، اس لئے اگر انہیلر کے ذریعہ منھ یا ناک کے راستہ سے دوا حلق کے نیچے پہنچائی جائے گی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ یہ کہنا کہ دوا صرف پھیپھڑے تک پہنچتی ہے معدہ تک نہیں جاتی ہے محض ظن وتخمین ہے۔ البتہ جو مریض ایسے ہوں کہ ان کے لیے انہیلر کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو ان کو چاہئے کہ روزہ رکھ لیں اور ساتھ ہی فدیہ بھی ادا کرتے رہیں۔ تاکہ حکم خداوندی پر اپنی طاقت کے مطابق عمل بھی ہو جائے اور روزہ کے فاسد ہونے کی صورت میں اس کی تلافی ہو جائے۔ پھر اگر اللہ تعالی صحت دے تو اس کی قضا کر لیں۔

۳- منہ یا ناک کے ذریعہ حلق کے نیچے تک بھاپ کو پہنچانا بھی روزہ کو فاسد کر دے گا۔

۴- انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵- گلوکوز چڑھانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ بلا ضرورت گلوکوز چڑھانا کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

اوپر کے جوابات کے لیے حضرت تھانوی کی امداد الفتاوی سے ایک فتوی نقل کیا جاتا ہے جس کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا ہے اور حضرت تھانوی نے اس کی تصویب فرمائی ہے:

سوال (۲۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں۔ ادلہ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جائے۔

[۱] دار القضاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

جواب: ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے۔ مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ لہذا انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے، مفسد صوم نہیں، فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوی کی تصریح کرتی ہیں، اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے، ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے دوا پہنچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیات فقہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دوا غیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چوں کہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لیے اس کو مفطر و مفسد صوم نہیں قرار دیا۔ جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۶- سیال یا غیر سیال دوا پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ امراض معدہ کی تحقیق کے لیے بعض آلات اندر داخل کئے جائیں اور وہ اندر چھپ جائیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''أو احتقن... قضى (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد ۲/۳۷۶) وكذا روى عن محمد فى الصائم إذا أدخل خشبة فى المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

۷- اگر مرد کے آگے کی راہ میں کوئی دوا ڈالی جائے یا مثانہ تک نلکی پہنچائی جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اگر عورت کی شرم گاہ میں دوا ڈالی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا

''أو أقطر فى إحليله ماء أودهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب وأما فى قبلها فمفسد اجماعًا لأنه كالحقنة ـ ...لم يفطر'' (الدر المختار على ردالمحتار ۲/۳۷۲)۔

''وأما الإقطار فى قبل المرأة فقد قال مشائخنا: إنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار فى الأذن'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

''كماصرح به الشامى حيث قال: وأفاد أنه لو بقى فى قصبة الذكر لايفسد اتفاقا ولا شك فى ذلك (شامی ۲/۱۰۳) ومثله فى الخلاصة (۱/۲۵۳) نقلا عن أبى بكر البلخى''۔

اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مفسد صوم نہیں۔ امام ابو یوسف جو مثانہ میں پہنچ جائے اس کو مفسد قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ و معدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے۔ اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے:

''فكأنه وقع عند أبى يوسف أن بينه وبين الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع عند أبى حنيفة أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه وهذا ليس من باب الفقه''۔

الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کماصرح بہ فی الدر المختار والخلاصۃ، حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک دھاگے میں باندھ کر نگل جائے اور پھر معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچ لے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

''كما قال فى الخلاصة وعلى هذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخيط ثم أخرجه لايفسد صومه'' (۱/۲۶)۔

’’ومثله في العالمگيرية (۱/۲۰۲):

ومن ابتلع لحما مربوطا على خيط ثم انتزعه في ساعته لا يفسد وإن تركه فسد كذا في البدائع‘‘۔

اگر مطلق جوف بدن میں کسی شئی کا پہنچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجہ اولیٰ جوف ہے، کان اور حلق بھی جوف ہیں، ان میں پہنچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ یا جوف بطن مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں۔

وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے۔ جیسا کہ صاحب بحر کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے:

’’قال في البحر: والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فما وصل إلى جوف الرأس وصل إلى جوف البطن‘‘ (من الشامی ۲/۱۰۶)۔

اس عبارت سے اس مقصد کی بالکل صراحت ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہنچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہنچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے۔ اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔

☆☆☆

مفسدات صوم سے متعلق بعض نئے مسائل

مولانا سید اسرار الحق سبیلی ؏

۱- امراض قلب کی بعض دوائیں:

امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں ایسی ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا، بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ دوا زیادہ مقدار میں ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر یہ دوا تھوڑی مقدار میں ہو اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے، اور حلق میں دوا کا مزہ بھی محسوس نہ ہو تو یہ مفسد صوم نہیں ہوگا، فتاویٰ ہندیہ میں اس طرح کی کئی نظریں پیش کی گئی ہیں، ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

''وإذا ابتلع سمسمة بين أسنانه لا يفسد صومه، لأنه قليل، وإن ابتلع من الخارج يفسد، وتكلموا في وجوب الكفارة، والمختار أنها تجب إذا ابتلعها ولم يمضغها ...'' (الفتاویٰ الهندیه ۲۰۲، ۲۰۳)۔

جب کوئی دانتوں کے درمیان اٹکا ہوا تل نگل جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تھوڑا ہے، اور اگر باہر سے لے کر نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ کفارہ واجب ہونے کے بارے میں کئی اقوال ہیں، مختار قول یہ ہے کہ کفارہ واجب ہوگا جب کہ بغیر چبائے نگل گیا ہو، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ، اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے، یہی زیادہ صحیح قول ہے، جیسا کہ سرخسی کی ''محیط'' میں ہے۔ اور اگر تل کو چبایا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر یہ کہ حلق میں اس کا مزہ محسوس کرے، اور یہ بہت بہتر ہے، اور چاہیے کہ ہر چبائی ہوئی تھوڑی سی چیز کے بارے میں یہی اصول ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور اگر گیہوں کا ایک دانہ چبالیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ وہ معدوم ہو گیا، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

علامہ قاضی خاں نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''فإن مضغها لا يفسد صومه لأنها تلتزق بأسنانه، فلا يصل إلى جوفه شيء'' (فتاویٰ قاضی خاں علی الهندیه ۱/۲۰۹)۔

اگر اس کو چبا گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ وہ دانت میں چپک جاتا ہے، اس کے پیٹ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی۔

۲- تنفس کے مرض میں انہیلر کا استعمال:

تنفس کے مریض کو بعض اوقات انہیلر استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے، کا نہایت مختصر جزء پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، اس صورت میں روزہ ٹوٹ جانا چاہیے، کیونکہ یہ دوا خواہ تھوڑی ہی مقدار میں حلق کے ذریعہ پھیپھڑے میں پہنچتی ہے، فقہاء نے حلق میں کوئی چیز داخل ہونے پر مفسدِ صوم کا حکم لگایا ہے، جب کہ یہ دوا حلق سے آگے پھیپھڑے تک پہنچ جاتی ہے۔

''وإن كان نائما فصب الماء في حلقه فسد صومه عندنا، خلافا للزفر والشافعي رحمهما الله تعالى'' (فتاویٰ قاضی خاں علی الهندیه ۱/۲۰۹)۔

(اگر روزہ دار سویا ہوا ہو اور اس کے حلق میں پانی چلا جائے تو ہمارے نزدیک اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، برخلاف امام زفر اور امام شافعیؒ کے)۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: والمطر والثلج إذا دخل حلقه يفسد صومه وهو الصحيح كذا في الظهيرية (الفتاویٰ الهندیه ۱/۲۰۳)

بارش اور اولے جب اس کے حلق میں داخل ہو جائیں تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، اور یہی صحیح قول ہے، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے:

۳- بھاپ لینے والی دوائیں:

؏ رفیق المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد۔

بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دواڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منھ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، روزہ کی حالت میں اس طرح بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان، ولو عودا، أو عنبرا، لو ذاكرا، لإمكان التحرز عنه'' (الدر المختار على رد المحتار ۲/۳۶۶)۔

(اگر اپنے حلق میں دھواں داخل کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا چاہے کون سا بھی دھواں ہو، اگر چہ عود یا عنبر کا دھواں ہو، جب کہ اس کو روزہ یاد ہو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے)۔

۴-روزہ کی حالت میں انجکشن لینا:

بعض انجکشن محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور بعض انجکشن جسم کی غذائی ضرورت بھی پوری کرتے ہیں، لیکن انجکشن کا اصل مقصود دوا کی ضرورت پوری کرنا ہوتا ہے، اور غذائی ضرورت کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے، اور یہ دوا منفذ معتاد اور فطری راستہ سے نہیں پہنچتی، بلکہ رگوں کے واسطہ سے باطنی حصہ تک پہنچتی ہے، اس لئے روزہ کی حلت میں انجکشن کا استعمال درست ہے، اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی پیش کردہ ذیل کی نظائر سے استدلال کیا جاسکتا ہے، جہاں فقہاء نے دواؤں کے اندرون جسم داخل ہونے کے باوجود مفسد صوم قرار نہیں دیا ہے۔ امام فخر الدین اوزجندی (م ۲۹۵ھ) لکھتے ہیں:

وإن أقطر في إحليله لا يفسد صومه في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ (فتاوىٰ قاضي خان على الهنديه ۱/۲۱۱)

(اگر کسی مرد نے اپنے عضو تناسل کے سوراخ میں کوئی چیز ٹپکائی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولو أقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه في حلقه، وإذا بزق فرأى أثر الكحل و لونه في بزاقه عامة المشائخ على أنه لا يفسد صومه، كذا في الذخيره وهو الأصح هكذا في التبيين'' (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۳)۔

(اور اگر اپنی آنکھ میں کوئی دوا ٹپکائے تو ہمارے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر چہ اپنے حلق میں اس کا مزا محسوس کرے، اور جب تھوک میں سرمہ اور اس کے رنگ کا اثر ہو تو عام مشائخ کا خیال ہے کہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ ''ذخیرہ'' میں ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، اسی طرح ''تبیین الحقائق'' میں بھی ہے)۔

۵-روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا:

جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھایا جاتا ہے، یہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے، اس لئے بھوک کا احساس کم ہوتا ہے، اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز کا استعمال مکروہ ہوگا، کیونکہ یہ روزہ کی روح (ترک اکل و شرب) کے خلاف ہے، لیکن اس سے روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ یہ معدہ کے منفذ سے پیٹ میں داخل نہیں ہوتا، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر، هكذا في شرح المجمع ـ ومن اغتسل في ماء وجد برده في باطنه لا يفطره، هكذا في النهر الفائق، ولو أقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا وإن وجد طعمه في حلقه'' (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۳)۔

(بدن کے مسامات سے تیل اندر داخل ہوتا ہے، وہ مفطر نہیں ہے، اسی طرح شرح مجمع میں ہے، اور جس نے پانی میں غسل کرنے کے بعد جسم کے اندر اس کی ٹھنڈک محسوس کی، تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح النہر الفائق میں ہے، اور اگر اپنی آنکھ میں دوا ٹپکائی تو ہمارے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر چہ اپنے حلق میں اس کا مزہ محسوس کرے)۔

۶-پیچھے کے راستہ سے دوا پہنچانا:

بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے اور

وہ دوا اندر چلی جاتی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"الحقنة توجب القضاء، وإن كان لبنا لا يثبت الرضاع. وكذا السعوط والوجور والقطور في الأذن. أما الحقنة والوجور فلأنه وصل إلى الجوف ما فيه صلاح البدن" (فتاىٔ قاضی خان علی الهندیه ۱/۲۱)۔

(حقنہ یعنی پیچھے کے راستہ سے دوا پہنچانے سے قضا واجب ہوگی، اگر دودھ پہنچایا گیا ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اسی طرح ناک، منہ اور کان میں دوا ڈالنے کا حکم ہے۔ حقنہ اور منہ میں دوا ڈالنے کا حکم تو اس لئے ہے کہ پیٹ میں ایسی چیز پہنچ رہی ہے جو بدن کے لئے مفید ہے)۔

اور درمختار میں ہے: "وفي الفتح خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا" (الدر المختار ۲/۳۶۹)۔

(فتح القدیر میں ہے کہ پاخانہ کے مقام کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا ہو اور اسکو دھو دیا گیا ہو تو اگر اس کو پونچھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن هكذا في الظهيرية" (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۴)۔

(اگر کسی نے اپنے مقعد میں انگلی داخل کی یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہی مختار قول ہے، مگر یہ کہ وہ پانی یا تیل میں بھیگی ہوئی ہو تو پانی یا تیل کے پہنچ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

البتہ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں اگر یہ آلات داخل کر کے نکال لئے جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ولو ابتلع خشبة وطرفها في يده ثم أخرجها لا يفسد صومه ولو ابتلع كلها فسد صومه كذا في الخلاصة" (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۴)۔

(اگر لکڑی نگل لی اور اس کا ایک کنارہ ہاتھ میں ہو پھر اس کو نکال لیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس نے پورا نگل لیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے)۔

۷- مثانہ میں نلکی پہنچانا:

مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچانے سے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس بارے میں درمختار کی ان عبارتوں سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

"(أو طعن برمح فوصل إلى جوفه) وإن بقي في جوفه كما لو ألقى حجر في الجائفة أو نفذ السهم من الجانب الآخر. ولو بقي النصل في جوفه فسد (أو أدخل عودا) ونحوه (في مقعدته وطرفه خارج) وإن غيبه فسد" (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۳۶۹، ۳۶۸)۔

(یا نیزہ مارا اور پیٹ میں پہنچ گیا، اگر چہ اس کے پیٹ میں باقی رہا ہو (تو روزہ فاسد نہیں ہوگا) جیسا کہ پیٹ کے زخم میں پتھر ڈال دیا گیا ہو، یا تیر دوسری جانب سے چھید کر کے پار ہو گیا، اور اگر تیر کا سرا اس کے پیٹ میں رہ گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، یا لکڑی وغیرہ اپنے مقعد میں داخل کیا اور اس کا کنارہ باہر ہو (تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)، اگر لکڑی اندر غائب ہو گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

البتہ نسوانی اعضاء تناسل میں سیال یا جامد دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح هكذا في الظهيرية" (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۴)۔

(خواتین کی شرمگاہ میں قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائیگا، یہی صحیح قول ہے، اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے)۔

☆☆☆

مفطر صوم- چند تحقیق طلب صورتیں

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی [1]

۱- وہ دوائیں جن کے ذرات حلق سے نیچے نہیں جاتے، جیسے امراض قلب کی بعض دوائیں، تو ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہی حکم ان دواؤں کا ہے جو دانت کے درد کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، اور ان کے ذرات حلق سے نیچے نہیں اترتے، پھر چونکہ یہ چیزیں ضرورتاً استعمال کی جارہی ہیں، اس لئے کراہت بھی نہیں ہے، لیکن روزے کی حالت میں کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ان کا متبادل مسواک موجود ہے جو سنت ہے اس لئے روزہ کی حالت میں ان کا استعمال مکروہ ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وکرہ ذوق شئ و مضغہ بلا عذر'' (۱/۱۰۲)۔ (کسی چیز کا چکھنا اور چبانا بلا عذر مکروہ ہے)۔

لیکن حضرت تھانویؒ نے تمباکو سے بنے نسوار (جسے پیس کر ناک سے سونگھتے اور پنجاب کے لوگ منہ میں رکھتے ہیں) اور پان منہ کے اندر رکھنے کو اس صورت میں جب کہ لعاب اندر نہ جائے مفطر صوم نہیں مانا ہے، البتہ اس کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۶ کتاب الصوم)۔

۲- تنفس کے مرض میں جو دوا انہیلر کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچائی جاتی ہے وہ چونکہ حلق کے ذریعہ جاتی ہے اس لئے ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اس کا بیش تر حصہ سانس کی نالی کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچتا ہے، البتہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کا کوئی حصہ جوف معدہ اور جوف بطن تک نہیں پہنچتا، بلکہ دوا کا بعض حصہ غذا کی نالی کے ذریعہ جوف معدہ تک بھی پہنچتا ہے مگر اس کی مقدار کم ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بھی مفطر صوم ہے، اور اس باب میں کہ دوا کہاں تک پہنچتی ہے ڈاکٹروں ہی کی رائے معتبر ہے۔

''وهذا اليس من باب الفقه قال العيني: لأنه متعلق بشتريح الأبدان''۔

۴،۵- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے اندر کسی چیز کے محض داخل ہونے یا کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کا منفذ اصلی کے ذریعہ جوف دماغ یا جوف معدہ تک پہنچنا مفطر صوم ہے اور اس میں بھی اصل جوف معدہ ہے جوف دماغ کا ذکر محض اس لئے کیا جاتا ہے اس کا منفذ جوف معدہ کی طرف ہے۔

شامی میں ہے:

''قال في البحر والتحقيق أن بين جوف الرأس و جوف المعدة منفذًا أصليا ما وصل إلى جوف الرأس وصل إلى جوف البطن'' (۲/۱۶)۔

(واقعتاً جوف معدہ اور جوف راس کے مابین ایک منفذ اصلی ہے، اس لئے جو چیز جوف راس تک پہنچتی ہے وہ جوف معدہ تک بھی چلی جاتی ہے)۔

بدائع میں ہے:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن و الدبر بان استعط أواحتقن أو

[1] امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع ۱۰۱۳۶ /۲)۔

(جو چیز جوف بطن یا جوف دماغ میں مخارق اصلیہ جیسے ناک، کان، اور بول و براز کے راستے سے پہنچے بایں طور کہ اس نے سوٹھ مارا، حقنہ کیا یا کان میں دوا ٹپکائی اور وہ جوف بطن یا دماغ تک پہنچ گئی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

انجکشن کے ذریعہ دوا جوف معدہ میں براہ راست نہیں پہنچتی ہے اور نہ ہی منفذ اصلی کے واسطے سے جاتی ہے اس لئے کسی قسم کے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر چہ وہ جسم کی غذائی ضرورت کو ہی پوری کرتے ہوں جیسے گلوکوز وغیرہ۔ لیکن اگر منفذ اصلی سے نکی وغیرہ کے ذریعہ کوئی دوا یا غذا جوف معدہ میں پہنچائی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بعض حالتوں میں مریض کے منہ یا ناک میں نلکی لگی رہتی ہے، اور انجکشن کے ذریعہ جوس اور کوئی غذا جوف معدہ میں پہنچائی جاتی ہے اس میں چونکہ منفذ اصلی اور ایصال جوف معدہ دونوں پایا جاتا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا، گلوکوز جب رگوں کے ذریعہ چڑھایا جاتا ہے تو اس سے ترک اکل و شرب سے پیدا ہونے والی کیفیت میں کمی آتی ہے، لیکن اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی مثال غسل للتبرید کی طرح ہے، غسل سے پانی مسامات کے ذریعہ اندر جاتا ہے اور اس سے پیاس کی شدت میں کمی آتی ہے مگر روزہ نہیں ٹوٹتا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''بدن کے مساموں سے جو تیل اندر داخل ہو جاتا ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح سے پانی سے نہایا اور اس کی سردی جسم کے اندر محسوس ہوئی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا''۔

۶- بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں میں مرہم لگایا جاتا ہے، یہ مسے اگر موضع حقنہ تک عادتاً نہیں پہنچے ہوں تب تو بواسیر کے مسوں پر یہ دوا لگانا مفسد صوم نہیں ہوگا، اسی طرح مسے باہر نکل آئیں اور ان کو تر کر کے اندر کیا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر یہ تری موضع حقنہ تک نہ پہنچی ہو، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی یہی تحقیق ہے، لکھتے ہیں:

''بخلاف مسہ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہو جاتے ہیں، کبھی باہر، کبھی اندر، وہ موضع حقنہ تک عادتاً نہیں پہنچتے اس لئے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی، اس لئے مفسد صوم نہیں (حاشیہ امداد الفتاوی ۲/ ۱۶۱ کتاب الصوم)۔

فقہاء نے ایک لفظ سرم استعمال کیا ہے یہ بواسیر کے مسوں سے ایک الگ چیز ہے اسے اردو میں کانچ کا نکلنا کہتے ہیں، اس کانچ کو اگر دھویا اور بغیر خشک کئے اندر ڈال دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے، رد المحتار میں ہے:

''وفي الفتح خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه'' (۲/۲۵۸)۔

(فتح میں ہے کہ روزہ دار کو کانچ نکلا اور اس نے اسے دھویا، پھر اسے پونچھنے کے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا)۔

اسی بنیاد پر فقہاء نے روزہ کی حالت میں استنجاء کرتے وقت اگر پانی حقنہ کے مقام تک پہنچ جائے تو اسے مفسد صوم لکھا ہے۔ سیال غیر سیال دوائیں جو پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں یہ جوف معدہ تک منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچتی ہیں اس لئے ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس معاملہ میں اعتبار دوا کے اندر پہنچنے کا ہے، اس کے خشک یا تر ہونے کا نہیں، یہاں تک کہ اگر معلوم ہوا کہ خشک دوا اندر پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر یہ معلوم ہوا کہ تر دوا اندر نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ معلوم ہو اور دوا ترتھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ عادت یہی ہے کہ تر دوا اندر پہنچ جاتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ اندر پہنچنا معلوم نہیں، اور شک میں روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر دوا خشک ہو تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا (فتاوی ہندیہ: کتاب الصوم باب چہارم مفسدات روزہ/ص ۱۸)۔

بعض صورتوں میں امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں اگر یہ آلات تر نہ ہوں اور جوف معدہ تک تحقیق کے لئے کوئی دوا اندر نہ پہنچائی گئی ہو صرف آلات اندر ڈال کر مرض کا پتہ چلایا جاتا ہو تو یہ صورت مفطر صوم نہیں ہوگی، کیونکہ یہ قبل یا دبر میں انگلی داخل کرنے کی طرح ہے۔

(روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر تر انگلی داخل کیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولو أدخل اصبعه فی مسته أو المرأة فی فرجها لا یفسد وهو المختار إلا إذا کانت مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء أو الدهن'' (۱/۱۰۴)۔

(اگر مرد نے انگلی مقعد میں اور عورت نے اپنی شرمگاہ میں ڈالا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور یہی مختار ہے، البتہ اس نے اگر تر انگلی ڈالی خواہ یہ تری پانی کی ہو یا تیل وغیرہ کی تو روزہ پانی یا تیل کے پہنچنے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا)۔

آلات خشک ہی داخل کئے گئے تھے، لیکن انہیں نکال کر دوبارہ اندر کیا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، درمختار میں ہے کہ اگر کسی ضرورت سے دائی نے پیشاب کی جگہ انگلی ڈالی یا خود اس نے اپنی انگلی ڈالی پھر ساری انگلی یا تھوڑی سی انگلی نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کرلیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۷- یہ دوائیں اگر مخرج بول سے اندر تک پہنچائی جائیں تو مرد وعورت میں فقہاء نے اس بنیاد پر تفریق کی ہے کہ مرد کے عضو تناسل اور معدہ کے درمیان براہ راستہ کوئی منفذ نہیں ہے، لیکن عورتوں کی شرمگاہ سے معدہ تک منفذ موجود ہے، اس لئے مرد کے عضو تناسل میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور عورتوں کی شرمگاہ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إذا أقطر فی إحلیله لا یفسد صومه عند أبی حنیفة و محمد... وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف وهو الصحیح'' (۱/۱۰۴)۔

(جب مرد کے پیشاب کے راستہ میں قطرہ ڈالا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر عورت کی شرمگاہ میں کچھ ٹپکائیں تو بلاخلاف روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

بدائع میں ہے:

''واما الاقطار فی قبل المرأة فقد قال مشائخنا انه یفسد صومها بالاجماع لان لمثالتها منفذا فیصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن'' (۲/۲۴۴)۔

(عورت کے مخرج بول میں قطرہ ٹپکانے سے ہمارے مشائخ کے نزدیک بالاجماع روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کے مثانہ سے منفذ موجود ہے، جس کے ذریعہ جوف تک پہنچ جائے گا، تو یہ کان میں قطرہ ڈالنے کی طرح ہے)۔

میں نے تشریح الابدان کے ماہر ڈاکٹروں سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا، ان کے بقول جدید تحقیق کے مطابق مخرج بول کا سرا مرد وعورت دونوں میں مثانہ تک پہنچتا ہے، اور مرد وعورت کے مثانے میں تخلیقی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح مرد کے مثانہ اور جوف میں منفذ نہیں ہے، اور پیشاب تقاطر سے مثانے میں جمع ہوتا ہے، اسی طرح عورتوں میں بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پیشاب بند ہو جائے تو اس کے نکالنے کے لئے نلی مخرج بول میں ڈالتے ہیں اندام نہانی میں نہیں، البتہ عورتوں کے عضو تناسل اور جوف میں منفذ ہے، اگر ڈاکٹروں کی یہ تحقیق صحیح ہے تو مخرج بول میں کوئی دوا ڈالنے کا حکم دونوں مین یکساں ہوگا، یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ عورتوں کے اندام نہانی میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ وہ جوف معدہ تک پہنچ سکتا ہے۔

جن حضرات کے نزدیک عورتوں کے رحم اور مثانہ میں منفذ نہیں ہے، ان کے نزدیک اندام نہانی میں بھی دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی چیزیں اور اس کے احکام

مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی [1]

کتب فقہ میں یہ جزئیہ صراحۃً مذکور ہے کہ روزہ دار کے لئے بلا عذر کسی چیز کو اس طرح چکھنا یا چبانا کہ اس کے اجزاء اور ذرات حلق میں نہ جائیں مکروہ ہے۔ فتاوی کی مشہور کتاب الفتاوی الہندیہ میں ہے: ''وکرہ ذوق شئ ومضغہ بلا عذر'' (الفتاوی الھندیہ ۱/۱۹۹) (روزہ دار کے لئے کسی چیز کو چکھنا اور اس کو چبانا بلا عذر مکروہ ہے)۔ اس کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ روزہ دار کسی چیز کو چبائے گا یا چکھے گا تو پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ذرات حلق میں نہ پہنچے ہوں۔

''وکرہ أبو حنیفۃ أن یمضغ الصائم العلک لأنہ لایؤمن أن ینفصل شیء منہ فیدخل حلقہ فکان المضغ تعریضًا لصومہ للفساد فیکرہ ولو فعل لا یفسد صومہ'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۴۴)۔

اس کے مکروہ ہونے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشک أن یرتع فیہ ألا وإن لکل ملک حمی ألا وإن حمی اللہ محارمہ'' (مشکوۃ المصابیح :کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال ۱/۲۴۱)۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ الدر المختار میں لکھتے ہیں: چبانا یا چکھنا کسی عذر کی وجہ سے ہو تو یہ بلا کراہت جائز ودرست ہے، اور عذر کی مثال دیتے ہیں کہ شوہر یا آقا بدمزاج ہو تو اس کے خوف سے بیوی یا باندی شوربا چکھ سکتی ہے، یہ بلا کراہت جائز ہے۔

''ککون زوجھا أوسید ھا سیء الخلق فذا قت'' (الدر المختار ۲/۱۱۲)۔

''قولہ ککون زوجھا الخ بیان للعذر فی الأول'' (رد المحتار ۲/۱۱۲)۔

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ بدائع الصنائع میں رقمطراز ہیں: روزہ دار عورت اپنے بچے کو کھانا چبا کر دے سکتی ہے جبکہ اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو، اور یہ ضرورۃً بلا کراہت جائز ودرست ہے۔

''ویکرہ للمرأۃ تمضغ لصبیھا طعاما وہی صائمۃ لأنہ لا یؤمن أن یصل شئ منھا إلی جوفہ إلا إذا کان لا بد لھا من ذلک فلا یکرہ للضرورۃ'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۴۴)۔

اس تمہید کے بعد سوال کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

۱- امراض قلب کی بعض دوائیں جو زبان کے نیچے رکھی جاتی ہیں ان کے ذرات حلق میں نہیں جاتے، بحالت روزہ اس کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور چونکہ یہ مرض کی وجہ سے ہے جو ایک عذر شرعی ہے لہٰذا اس کا استعمال بلا کراہت جائز ودرست ہوگا۔

اس کی تائید فتاوی دار العلوم میں مذکور اس جواب سے بھی ہوتی ہے: جائز ہے (مگر منجن مل کر فوراً منہ دھولے اور کلی کرلے تاکہ اس کا اثر پیٹ

[1] دار الافتاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

میں نہ جائے ،اور منجن ایسا ہو کہ عادۃً پیٹ میں نہ پہنچتا ہو مگر بچنا اچھا ہے)(فتاوی دار العلوم جدید ۶ / ۴۰۳)۔

۲- انہیلر کے ذریعہ ناک یا منہ سے جو دوا حلق میں پہنچائی جائے گی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، چونکہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق انہیلر کے ذریعہ جو دوا پھیپھڑے تک پہنچائی جاتی ہے وہ حلق کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، اور منہ یا ناک کے ذریعہ کسی چیز کو حلق سے نیچے پہنچانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، نیز یہ کہنا کہ دوا معدہ تک نہیں جاتی ہے یہ محض ظن ہے اور ظن پر احکام شرعی کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اصول فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے۔ ''الیقین لا یزول بالشك'' (الاشباہ والنظائر /۱۰۰)۔

۳- منہ یا ناک کے ذریعہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال کر اس کے بھاپ کو حلق کے نیچے پہنچانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ یہ فطری طریقہ پر ہو یا کسی مشین کے ذریعہ، لہٰذا بحالت روزہ اسطرح بھاپ لینا شرعاً جائز و درست نہیں ہوگا، اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ کتب فقہ میں یہ جزئیہ صراحۃً مذکور ہے کہ اگر دھواں خود بخود حلق میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر بالقصد اس کو حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

أودخل حلقه غبار أوذباب أودخان ولوذاكرًا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه ومفاده أنه لوأدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولوعودًا أوعنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه'' (الدر المختار ۲/۹۷)۔

روزہ یاد رہتے ہوئے حلق میں خود بخود گرد یا مکھی یا دھواں داخل ہو جائے تو استحساناً اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ روزہ یاد رہتے ہوئے حلق میں دھواں بالقصد داخل کر لیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، گرچہ وہ دھواں عود یا عنبر کا ہو، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن ہے۔

۴،۵- فقہاء کرام نے روزہ کے فاسد ہونے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ کوئی چیز منفذ اصلی (منہ، ناک، کان، دبر، عورت کی شرمگاہ) کے ذریعہ جوف معدہ یا جوف دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أواحتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۱۴)۔

اسی طرح دو قسم کے زخم ہیں جن میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا: ایک آمہ، دوسرے جائفہ۔ آمہ سر کے اس گہرے زخم کو کہتے ہیں جو اصل دماغ تک پہنچ گیا ہو۔ جائفہ پیٹ کے زخم کو کہتے ہیں جو معدہ تک گہرا ہو۔ اس طرح گویا یہ دونوں زخم براہ راست معدہ اور دماغ تک پہنچنے کے لئے منفذ پیدا کر دیتے ہیں اس لئے ان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

''ولوداوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أودماغه أفطر عند أبي حنيفة والذي يصل هو الرطب'' (ہدایہ ۱/ ۲۰۰)

الحاصل مذکورہ بالا تمہید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ منفذ اصلی کے علاوہ سے کوئی دوا یا غذا جسم میں داخل ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا گرچہ وہ جوف معدہ یا جوف دماغ تک پہنچ جائے، لہٰذا عام انجکشن جو گوشت یا رگوں میں دیا جاتا ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۲ / ۱۵۴، جواہر الفقہ ۴ / ۶۷، درس ترمذی ۲ / ۶۲۶، کفایت المفتی ۴ / ۲۳۹)۔

البتہ خاص قسم کا انجکشن جو پیٹ میں دیا جاتا ہے جس سے دوا براہ راست معدہ میں پہنچتی ہے جیسے کہ کتا کے کاٹنے پر جو انجکشن لگایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں احقر کا رجحان جائفہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

بحالت روزہ گلوکوز چڑھانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ بلا ضرورت کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

اس کی تائید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کے جواب سے بھی ہوتی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: بذریعہ انجکشن جسم میں دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا

نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۲ /۳۹)۔

۶- کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پیچھے کے راستہ سے سیال یا غیر سیال دوا داخل کی جائے اور وہ موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں، چنانچہ محقق ابن الہمام شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

''والحدّ الذی یتعلق بالوصول إلیه الفساد قدر المحقنة'' (شرح فتح القدیر ۲/۳۲۱)۔

اسی طرح دوا بواسیر کے مسّہ پر لگائی جائے اور مسّہ موضع حقنہ تک نہ پہنچتا ہو جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، جس کی وضاحت امداد الفتاوی کے حاشیہ پر حضرت مفتی محمد شفیع نے کی ہے (حاشیہ امداد الفتاوی ۲ /۲۶۱) تو اس پر دوا لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ سیال یا غیر سیال دوا لگائی جائے، اور اگر مسہ موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

آگے علامہ ابن ہمام سرم جسے اردو میں کانچ کہا جاتا ہے اس کے احکام شرعی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کانچ کو دھویا اور خشک کئے بغیر اندر ڈال لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ کانچ حقنہ لگانے کی جگہ تک پہنچ جاتی ہے۔

''لوخرج سرمه فغسله ثبت ذلك الوصول بلا استبعاد فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه'' (شرح فتح القدیر ۲/۳۲۲)۔

اور جہاں تک امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کے اندر داخل کرنے کا سوال ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس آلہ پر دوا وغیرہ لگانے کے بعد پیچھے کے راستہ سے یا عورت کی شرمگاہ سے داخل کیا جائے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر بغیر دوا وغیرہ لگائے خشک آلہ داخل کیا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس کی نظیر کتب فقہ میں وہ جزئیہ ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی انگلی دبر یا عورت کی شرمگاہ میں ڈالے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر تر انگلی ڈالی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه اى دبره أوفرجها ولومبتلة فسد... لم يفطر'' (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۹۹،۱۰۱)۔

۷- اگر مرد کے عضو تناسل میں دوا ڈالی جائے تو گرچہ وہ مخرج بول سے اندر تک پہنچ جائے پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ مرد کے عضو تناسل اور معدہ کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے۔

''إذا أقطر فی إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفه و محمد وفی الإقطار فی إقبال النساء يفسد بلا خلاف'' (الفتاوی الهنديه ۱/۱۰۴)۔

''وأما الإقطار فی قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالإجماع لأن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف''
(بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

☆☆☆

عصر حاضر میں مفطرات صوم کے نئے مسائل

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی[1]

۱- امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال کیا جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس صورت میں فساد صوم کی کوئی وجہ نہیں، اس کی نظیر درمختار میں مذکور اس جزئیے میں موجود ہے: "کطعم أدویة ومص إھلیلج" اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

"أی لو دق دواء فوجد طعمه فی حلقه، زیلعی وغیرہ، وفی القهستانی: طعم الأدویة وریح العطر إذا وجد فی حلقه لم یفطر کما فی المحیط، قوله ومص إهلیلج أی بأن مضغها فدخل البصاق حلقه وأدخل من عینها فی جوفه لا یفسد صومه کما فی التاتارخانیة وغیرها" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۳۶۷)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دوا کوٹنے والے کے حلق میں دوا کا مزہ پہنچے، نیز اہلیلج کو چبانے والے نے چبایا اور اس کا لعاب اس کے حلق میں پہنچا لیکن عین اہلیلج کو حلق کے راستے سے جوف تک نہیں داخل ہونے دیا تو اس صورت میں فساد صوم نہیں ہوتا۔

۲- تنفس کے مریضوں کے لئے انہیلر کا استعمال فساد صوم کا باعث ہوگا، کیونکہ انہیلر کے ذریعہ لی جانے والی دوا خواہ کیپسول توڑ کر دوا کو کھینچا جائے یا بشکل گیس کھینچا جائے، دونوں صورتوں میں جہاں دوا پھیپھڑے میں جاتی ہے، وہیں کچھ نہ کچھ دوا کے حصہ کا حلق کے راستے معدہ تک پہنچنا مشکل نہیں، کیونکہ سانس کی نالی اور غذا کی نالی، دونوں ہی حلق سے شروع ہوتی ہے، اس لئے یہ فرض کر لینا کہ انہیلر کے ذریعہ دوا صرف پھیپھڑے ہی میں جائے گی معدہ میں نہیں، یہ صحیح نہیں، انہیلر کا حکم دخان جیسا ہے کہ فقہاء نے دخان کے ادخال کو مفطر صوم قرار دیا ہے، لیکن خود بخود دخان یا غبار کسی کے حلق کے راستے اندر داخل ہو جائے تو فساد صوم کا باعث نہیں، کیونکہ اس قسم کی چیزوں سے بچنا مشکل ہے، درمختار میں مذکور ہے:

"أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاکرا استحسانا لعدم إمکان التحرز عنه ومفاده أنه لو أدخله الدخان أفطر، أی دخان کان ولو عودا أو عنبرا لو ذکرا لإمکان التحرز عنه" (۳/۳۶۶)۔

انہیلر کے بارے میں یہی رائے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اختیار فرمائی ہے (دیکھئے آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۱۴)۔

۳- کسی دوا کو قدیم طرز پر گرم پانی میں ڈال کر اس کی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جائے یا مشینی طریقے پر بھاپ اندر لی جائے، دونوں صورتیں فساد صوم کا موجب ہوں گی، کیونکہ دخان اور غبار وغیرہ کا حکم اوپر گزر چکا ہے کہ خود بخود ان کے داخل ہونے سے فساد صوم نہیں آتا، لیکن ان کا اپنے فعل سے داخل کرنا موجب فساد صوم ہے، علامہ شامی نے درمختار کی عبارت: "انه لو أدخل حلقه الدخان" کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے:

بأی صورة کان الإدخال، حتی لو تبخر ببخور فآواہ إلی نفسه واشتمه ذاکرا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه" (الدر مع الرد ۳/۳۶۶)۔

---

[1] دار العلوم مئو (یوپی)۔

موسوعہ فقہیہ میں بھی بھاپ لینے کو موجب قضاء صوم قرار دیا ہے، اس کی عبارت یوں ہے:

''بخار القدر متی وصل للحلق باستنشاق أوجب القضاء لأن دخان البخور وبخار القدر کل منهما جسم یتکیف به الدماغ ویتقوی به'' (الموسوعة الفقهیه الکویتیه ۲۸/۳۶)۔

۴- انجکشن کا استعمال دوا اور علاج کے طور پر خواہ جسم کے کسی حصہ میں گوشت میں لگا کر ہو یا رگ کے ذریعہ ہو، فساد صوم کا باعث نہیں، ہاں انجکشن کے ذریعہ غذا کی ضرورت کو پورا کرنا یا طاقت اور قوت کو حاصل کرنے یا برقرار رکھنے کے لئے انجکشن کا استعمال، صوم کے مقصد کے منافی ضرور ہے، اس لئے اس قسم کے انجکشن لگوانے سے روزہ میں کراہت ضرور آئے گی، جیسا کہ فقہاء عصر حاضر نے اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے (دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۱۵)۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز کا چڑھانا چونکہ فطری منفذ سے نہیں ہوا کرتا، اس لئے فقہاء کے اصول کے مطابق اسے مفطر صوم نہیں قرار دیا جاسکتا، البتہ مقصد صوم کے منافی ہونے کے باعث یہ عمل کراہت سے ہرگز خالی نہیں ہوسکتا، اس لئے گلوکوز بلا عذر مرض چڑھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور بلا عذر اس کے چڑھانے سے روزہ کراہیت سے خالی نہیں ہوگا۔ یہی رائے مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی بھی ہے (دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۱۵)۔

۶- پیچھے کے راستے سے سیال یا غیر سیال دواؤں کے پہنچائے جانے کی صورت میں جمہور فقہاء کے نزدیک فساد صوم ہو جایا کرتا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ یوں مذکور ہے:

''الإحتقان: صبّ الدواء أو إدخال نحوه فی الدبر وقد یکون بمائع أو بغیره. فالإحتقان بالمائع من الماء وهو الغالب أوغیر الماء یفسد الصوم ویوجب القضاء فیما ذهب إلیه الجمهور'' (۲۸/۳۸)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں چونکہ ادخال آلہ کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، اس لئے متعلقہ احکام درج ذیل فقہی جزئیات کی روشنی میں طے کئے جاسکتے ہیں، موسوعہ فقہیہ میں یہ عبارت مذکور ہے:

''ذهب الحنفیة إلی أن تغییب القطن ونحوه من الجوامد الجافة، یفسد الصوم وعدم التغییب لا یفسده کما لوبقی طرفه خارجا لأن عدم تمام الدخول کعدم دخول شئ بالمرأة کإدخال الإصبع غیر المبلولة. أما المبلولة بالماء والدهن فیفسده'' (۲۸/۳۹)۔

اب امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلہ اندر داخل کیا جاتا ہے، اگر اس آلہ پر دوا لگا کر یا دوا کے بغیر دبر کے اندر مکمل داخل کر دیا جاتا ہے تو فساد صوم ہوگا، اگر دوا کے بغیر آلہ کا ایک سرا اندر اور دوسرا باہر رکھا جاتا ہے تو مفسد صوم نہیں ہوگا، اور اگر دوا لگا کر ایک سرا اندر اور دوسرا باہر ہو تو فساد صوم ہوگا، ہاں فساد صوم کے لئے اس صورت میں ایک شرط یہ ہے کہ دوا لگا ہو، آلہ کم از کم موضع محقنہ تک پہنچایا جائے، جیسا کہ درمختار کی عبارت ''ولو مبتلة فسد'' کے بعد علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''هذا لو أدخل الإصبع إلی موضع الحقنة'' (درمختار مع الشامی ۳/۳۶۹)۔

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے کا حکم بھی اوپر کے مسئلہ کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے، اگر مسوں پر دوا لگانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تو چونکہ مسے، مقام حقنہ سے پہلے ہی ہوتے ہیں، اس لئے اس صورت میں فساد صوم نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ اس کی وضاحت احسن الفتاوی (۴/۴۳۰) میں موجود ہے، اور اگر بواسیر کا مریض مرہم کے ٹیوب کو دبر میں داخل کر کے مقام حقنہ تک پہنچا دیتا ہے، یا اس سے بھی آگے داخل کر دیتا ہے، تو فساد صوم یقینا ہونا چاہئے۔

۷- آگے کے راستے سے بھی اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسے مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض امراض میں خواتین کی

شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے، یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں۔

کتب فقہ کی عبارتوں سے احلیل ذکر اور عورت کی فرج میں دوا کے ڈالے جانے کے احکام میں فرق کیا گیا ہے، موسوعہ میں مذکور ہے: احلیل کے اندر تقطیر کی صورت میں جمہور فقہاء (ابوحنیفہ، محمد مالک، احمدؒ اور امام شافعیؒ کی ایک روایت) کے یہاں مفطر صوم نہیں ہے، خواہ مثانہ تک پہنچے یا نہ پہنچے، کیونکہ باطن ذکر اور جوف کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، امام ابویوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ دوا احلیل کے راستے مثانہ تک پہنچ جائے تو مفطر ہوگا، اور اگر قصبة الذکر (ذکر کی نالی) میں ہی رہ جائے، مثانہ تک نہ پہنچے تو فساد صوم نہیں ہوگا (الموسوعہ ۲۸/ ۴۰)۔

امام شافعیؒ سے اس مسئلہ میں موسوعہ میں تین اقوال نقل کئے گئے ہیں:

۱- مثانہ تک نہ پہنچے تو عدم افطار ہوگا ''وهو أصح الأقوال''۔

۲- مفطر نہ ہوگا۔

۳- دوا حشفہ سے آگے بڑھ جائے تو فساد ہوگا ورنہ نہیں۔

عورت کی شرمگاہ میں تقطیر کا حکم:

حنفیہ کا اصح مسلک فساد صوم کا ہے، نیز مذہب مالکیہ میں منصوص روایت بھی فساد صوم ہی کی ہے، اور شافعیہ وحنابلہ کے مذاہب سے بھی یہی ماخوذ ہوتا ہے، موسوعہ میں ہے:

''الأصح عند الحنفية والمنصوص من مذهب المالكية والذى يؤخذ من مذهب الشافعية والحنابلة، الذين نصوا على الإحليل فقط، هو فساد الصوم وعلله الحنفية بأنه شبيه بالحقنة'' (۸/۴۱)۔

عورت کے رحم میں تحقیق مرض کے لئے کوئی آلہ بغیر دوا کے پہنچایا جائے اور اس آلہ کا ایک سرا اندر ہو اور دوسرا باہر تو اس صورت میں فساد صوم نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ درمختار میں مذکور ہے:

''لو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقى طرفها فى فرجها الخارج لا'' (درمختار مع الشامی ۲/۳۶۹)۔

عورت کے مثانہ میں نلکی ڈالنے سے بھی فساد صوم نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس کا ایک سرا اندر ہوا کرتا ہے اور دوسرا سرا باہر، جیسا کہ درمختار کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

مفطرات صوم اور بعض جدید مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اس سوال نامہ کے جوابات بہ ترتیب درج ذیل ہیں:

۱- سوال نامہ میں مذکور تفصیل کے مطابق امراض قلب سے متعلق ان دواؤں کا استعمال مفسد صوم نہیں ہوگا۔ اس کے حق میں فقہ حنفی کے اس جزئیہ کی نظیر ہے:

''ومضغ العلك لايفطر الصائم ويكره'' (مختصر القدوری مع حاشیة التنقیح الضروری/۵۳)۔

(مستگی چوسنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا)۔

اسی طرح اس جزئیہ کی ابتداء میں ہے:

''ومن ذاق شيئا بفمه لم يفطر ويكره له ذلك'' (حوالہ سابق)۔

(زبان سے کوئی چیز چکھنے سے آدمی کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہوگا)۔

اوپر مستگی جس چیز کو (علک) کہا گیا ہے وہ آج کے زمانہ کا چنگم (Chewing gum) ہے، اس سے متعلق صراحت ہے کہ اس کے چوسنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔ اسی طرح بعد کے جزئیہ میں کہا گیا ہے کہ زبان سے کسی چیز کے چکھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ یہ مکروہ ہوگا۔ ظاہر ہے روزے کی حالت میں ان دونوں چیزوں کا منہ میں ڈالنا اور چوسنا بلاضرورت ہے اس لئے بجا طور پر ان کو مکروہ کہا گیا ہے، لیکن یہی چیز اگر ضرورت کے تحت ہو تو نہ صرف یہ کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس اوپر کی جزئیات کی مذکورہ کراہت بھی نہیں رہے گی۔ اس کے سلسلے میں تیسرے جزئیہ کا حوالہ ہے:

''ويكره للمرأة أن تمضغ لصبيها الطعام إذا كان لها منه بدّ'' (حوالہ بالا)۔

(عورت کے لئے مکروہ ہوگا کہ وہ اپنے بچے کو کھانا چبا کر کھلائے بشرطیکہ وہ اس کے لئے مجبور نہ ہو)۔

جس سے اپنے آپ ظاہر ہے کہ عورت کے لئے بوجوہ اگر اس کے بغیر چارہ نہ رہے تو اس کے لئے ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہوگا یعنی کہ اگر عورت اپنے بچے کو اپنے منہ سے کھانا چبا کر کھلانے کے لئے مجبور ہو تو اس کے اس عمل سے نہ صرف یہ کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ ایسا کرنے میں اس کے لئے کراہت کا کوئی پہلو بھی نہیں ہوگا، اسی سے یہ نکلتا ہے کہ جب ضرورت کے تقاضے سے بچے کے کھانے کو چبا کر دینا بلا کراہت جائز ہے تو اس کے لئے کوئی چیز تیار کرتے وقت پیشگی اس کا زبان سے چکھ لینا بدرجہ اولی جائز اور درست ہوگا، جیسا کہ بعد میں اسی پر قیاس کر کے عورت کا شوہر اگر بدمزاج ہو تو اس کے کھانے کو بھی اسی طرح پیشگی چکھنے کو بحالت روزہ جائز رکھا گیا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوال نامہ کی تشریح کے بموجب امراض قلب کی دواؤں کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ مبتلی بہ کے لئے اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہوگا۔

ضمناً عرض ہے کہ اس طرح کے مریضوں کے لئے اس رخصت کے ساتھ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ متعلقہ صوم: "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" (سورۂ بقرہ/۱۸۴) (اور جن لوگوں کیلئے (رمضان کا) روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت ہے وہ ایک مسکین کو کھلا کر اس کی تلافی کر سکتے ہیں) کی بنیاد پر فدیہ کے متبادل کو کھلا رکھا جائے، روزہ رکھنے میں منقول عذر سے جس کے لئے غیر معمولی مشقت ہو اس کیلئے کتاب اللہ کی اس رخصت کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ آج کے دور کا دل کا مریض ترجیحی طور پر اس زمرہ میں آتا ہے۔ حضرات علماء کرام کو اس رخصت کے بیان میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے، جیسا کہ عام طور پر اس وقت دیکھنے میں آتا ہے۔

۲- سوال نامہ میں مذکور تفصیل کے مطابق تنفس کے مریض کے لئے آج کے مروجہ انہیلر کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

۳- بھاپ کے ذریعہ اندر لی جانے والی دوائیں خواہ وہ سادہ طریقے سے ہوں یا مشین کے ذریعہ جیسا کہ سوال نامہ میں اس کی تفصیل ہے، دونوں ہی صورتوں میں روزہ کی حالت میں ان دواؤں کا اندر لینا درست اور بلا کراہت جائز ہے۔

کہرے کے جزئیہ سے ان دونوں مسئلوں کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر کوئی شخص بحالت روزہ سخت کہرے میں گھر سے باہر نکلے تو اس کی ہزار کوشش کے باوجود یہ کہرہ اس کی ناک اور حلق سے اس کے پھیپھڑے اور پیٹ میں لگاتار داخل ہوگا، اس سے روزہ ٹوٹنے کی رائے کسی صورت میں نہیں دی جاسکتی۔ اوپر کی دونوں جزئیات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، البتہ جیسا کہ جواب (۱) کے تحت درج کیا گیا سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۴ کی رخصت کے دروازے کو ان دونوں صورتوں کے لئے بھی کھلا رکھنا چاہئے۔ تنفس کا مرض اگر سخت ہو یا ایسی ہی کسی سخت تکلیف کے لئے بھاپ کی دوا لینے کی مسلسل احتیاج ہو تو ایسے مریضوں کے لئے آیت بالا کے حوالہ سے فدیہ کے متبادل کی بھی نشاندہی کرنی چاہئے۔

۴- جواب (۱) کی تفصیل کی روشنی میں انجکشن اگر دوا کی ضرورت سے ہو تو یہ مفسد صوم نہ ہوگا اور بلا کراہت جائز ہوگا، البتہ اگر یہ غذا کے مقصد سے ہو تو روزہ تو اس سے فاسد نہ ہوگا، لیکن یہ مکروہ ہوگا یہ اسلئے کہ روزہ دار کے جسم کو کچھ نہ کچھ طاقت تو وضو اور غسل سے بھی حاصل ہوتی ہے، اسی لئے بہت سے فقہاء دوپہر کے بعد روزہ دار کے لئے غسل کو مکروہ کہتے ہیں، اسی لئے بذریعہ انجکشن غذا کے حصول کو مکروہ تو یقیناً کہا جانا چاہئے لیکن بغرض علاج انجکشن اور اس انجکشن میں چونکہ عملاً کوئی فرق نہیں ہے اس لئے پہلے کی طرح اس کو بھی مفسد صوم نہیں کہا جاسکتا ہے۔

۵- گلوکوز بھی عملاً انجکشن ہی کی ایک صورت ہے جس میں دوا کی نوعیت بدل جاتی ہے، اس لئے تفصیل بالا کے مطابق اگر یہ دوا کے مقصد سے ہو تو بلا کراہت اور غذا کے مقصد سے ہو تو بکراہت روزہ دار کے لئے اس کا استعمال جائز ہوگا۔

البتہ جیسا کہ اس سے پہلے گزرا (۵،۴) کی زیر نظر صورت کے لئے بھی سورۂ بقرہ آیت/ ۱۸۴ کی رخصت قرآنی کے دروازے کو حاجت مندوں کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔

۶- سوال نامہ میں مذکور تفصیل کے مطابق پیچھے کے راستے میں دوا کے استعمال سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ طرفین یعنی کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے میں اگر پیچھے کے راستے میں کوئی دوا ٹپکائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ''وإن أقطر في إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة ومحمد''۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے کسی آلے کے اندر داخل کرنے سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ یہ سادہ ہوتا ہے اور اسکے ساتھ کوئی دوا نہیں ہوتی ہے جبکہ اس سے پہلے کے جزئیہ کے مطابق روزہ صرف حقنہ لگانے یعنی کہ بتی یا پچکاری کے ذریعہ انیما لگانے سے ٹوٹتا ہے۔ ''ومن احتقن ... أفطر'' اور زیر نظر جزئیہ میں یہ صورت نہیں پائی جاتی۔

۷- مرد و عورت کے آگے کے راستے میں دوا اور علاج کی یہ صورتیں بھی ناقض صوم نہ ہوں گی۔ اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے ایک جواب سے رہنمائی ملتی ہے۔ علامہ سے سوال یہ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت منع حمل کے مقصد سے مباشرت سے قبل اپنے اندام نہانی میں کوئی دوا رکھے اور غسل کے بعد بھی اس کا کوئی حصہ اس کے اندر باقی رہ جائے تو اس کے باوجود بھی نماز کی طرح اس کا روزہ رکھنا درست ہوگا؟

''فأجاب أما صومها وصلاتها فصحيحة وإن كان ذلك الدواء في جوفها ... الخ'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۲/ ۲۷۱)۔

مرض کی تحقیق کے لیے سادہ آلے کا رحم میں پہنچانا اس سے بہت ہلکا ہے اس لیے یہ بدرجۂ اولی ناقض صوم نہ ہوگا۔ یہی حکم مرد و عورت کے مثانہ میں نلکی پہنچانے کا ہوگا۔

مفطرات صوم سے متعلق نئے مسائل

مفتی محمد سلمان منصور پوری[1]

۱- روزہ ٹوٹنے کے لئے شرط یہ ہے کہ طبعی منافذ سے کوئی چیز جوف میں داخل ہو، اگر منافذ کے علاوہ مسامات یا رگوں کے ذریعہ دوا یا غذا اندر جاتی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، ماہر ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ امراض قلب میں جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے وہ وہیں رگوں میں جذب ہو کر اپنا اثر دکھاتی ہے، گویا بدن میں اس کے اثرات طبعی منافذ سے داخل نہیں ہوتے، بلکہ مسامات اور رگوں کے واسطے سے داخل ہوتے ہیں، لہٰذا محض زبان کے نیچے دوا رکھنے سے روزے کے فساد کا حکم نہ ہوگا، البتہ اگر اس دوا کے اجزاء لعاب کے ساتھ مل کر حلق کے نیچے اتر جائیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور چونکہ عام حالات میں اس طرح کے لعاب کو اندر جانے سے روکنا ایک مشکل کام ہے اور روزے کو خطرے میں ڈالنے کے مرادف ہے، اس لئے بلا شدید عذر کے روزے کی حالت میں ایسی دوا کا استعمال یقیناً مکروہ ہوگا، البتہ عذر کے وقت کراہت نہ ہوگی۔

''لو دق دواء فوجد طعمه في حلقه، زيلعي وغيره، وفي القهستاني: طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد في حلقه لم يفطر. كما في المحيط'' (شامی ۳/۳۶۷ زکریا)۔

''وكذا إذا ذاقت شيئًا بلسانها لأن فيه تعريض الصوم للفساد'' (بزازیہ علی الہندیہ ۴/۲۰۴)۔

''وكره له ذوق شئ وكذا مضغه بلا عذر'' (البحر الرائق ۲/۴۹۷، شامی ۳/۲۹۵ زکریا)۔

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر'' (شامی ۳/۳۶۷ زکریا)۔

۲- انہیلر کے ذریعہ جو دوا آمیز ہو کر پھیپھڑے تک جاتی ہے اس کا حکم دھوئیں کے مانند ہے، جس کو قصداً داخل کرنے کو فقہاء نے مفسد قرار دیا ہے، لہٰذا انہیلر سے یقیناً روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''لو أدخل في حلقه دخانا بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه لإمكان التحرز عنه'' (شامی ۳/۳۶۶ زکریا، نیز مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی/۶۶۰)۔

۳- بھپارا لینے یا مشین کے ذریعہ سے دوا آمیز بھاپ منہ یا ناک کے راستے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اگر اس بھاپ کو ہوا کے درجہ میں رکھا جائے تو دوا آمیز ہونے کی وجہ سے اس کا حکم دھوئیں کے مانند ہوگا، جس کا قصداً داخل کرنا مفسد صوم ہے، علاوہ ازیں بھاپ کے اندر خود پانی کے ذرات شامل ہوتے ہیں اور اندر جا کر ان کا پانی کے قطرات میں تبدیل ہونا متیقن ہے، اس بنا پر بھی قصداً بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''ومن أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما حتى من تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه أو دماغه'' (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی/۶۶۰)۔

۴- غذائی ضرورت کی تکمیل کے لئے روزے کی حالت میں طاقت کے انجکشن کا استعمال اگرچہ روزہ کی مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے، لیکن چونکہ فساد صوم

[1] مدرسہ شاہی مرادآباد۔

کی مقررہ علت (منافذ طبعیہ کے ذریعہ جوف تک دوایا غذا وغیرہ کا پہنچنا) انجکشن کی صورت میں عام طور پر نہیں پائی جاتی، اس لئے بذریعہ انجکشن رگوں یا گوشت تک دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر کسی انجکشن سے براہ راست جوف معدہ یا جوف دماغ میں غذا یا دوا پہنچائی جائے تو ایسی صورت میں روزہ کے فساد کا حکم ہوگا۔

''أما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن دواى الجائفة والآمة فإن دواہا بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد فى قول أبى حنيفة وإن داواہا بدواء رطب يفسد عنده وعندہما لا يفسد، ہما اعتبرا المخارق الأصلية لأن الوصول من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرہا مشكوك فيه فلا يحكم بالفساد'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳ زکریا)۔

''لو أوصل الدواء إلى داخل الساق أو غرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف لأنه لا يعد عضوًا مجوفًا'' (شرح مهذب للنووى ۵/۳۱۴)۔

۵- روزے کی حالت میں گلوکوز چڑھوانا مفسد صوم نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں گلوکوز کا پانی یا دوا رگوں کے ذریعہ بدن میں جاتی ہے، منافذ اصلیہ کے ذریعہ نہیں جاتی اور براہ راست جوف میں نہیں پہنچتی، تاہم بلا شدید عذر کے روزے کی حالت میں گلوکوز نہیں چڑھوانا چاہئے، کیونکہ یہ روزے کی حکمت کے خلاف ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع زکریا ۲/ ۲۴۳ کی مذکورہ بالا عبارت)۔

۶- پیچھے کے راستہ سے داخل کی گئی چیز اگر موضع حقنہ سے آگے بڑھ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور خارج دبر سے موضع حقنہ کا فاصلہ تقریباً پانچ انچ ہے (جیسا کہ اطباء کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے)، لہٰذا اگر کوئی خشک یا سیال دوا پیچھے کے راستہ سے اندر ڈالی جائے یا بواسیر کے اندرونی مسوں پر دوا لگائی جائے تو اس سے روزہ یقیناً ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اس دوا کا یا مرہم کا موضع حقنہ تک پہنچنا تقریباً یقینی ہے، اور اگر پیچھے کے راستہ سے کوئی آلہ اندر داخل کیا جائے اور وہ تر ہو یا اس پر مرہم وغیرہ لگا ہوا ہو، اگر وہ تین انچ سے تجاوز کر جائے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر اس سے نیچے ہی نیچے ہو اور اس میں لگی ہوئی تری کے موضع حقنہ تک پہنچنے کا غالب گمان نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر یہ آلہ بالکل خشک کر کے اندر ڈالا جائے، اس میں کوئی تری مرہم وغیرہ نہ ہو اور اس کا ایک سرا باہر رہے، تو اس سے مطلقاً روزہ نہ ٹوٹے گا، خواہ کتنا ہی اندر چلا جائے۔

''ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (شامی ۳/۳۶۹)۔

''ولو أدخل إصبعه فى إسته والمرأة فى فرجها لا يفسد إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (هنديه ۱/۲۰۴)۔

''وهو أن ما دخل فى الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقى طرف منه فى الخارج أو كان متصلا بشئ فى الخارج لا يفسد لعدم استقراره ولو مبتلا فسد لبقاء شئ من البلة فى الداخل'' (شامی زکریا ۳/۳۶۹)

۷- آگے کی راہ سے کوئی چیز اندر پہنچانے کے سلسلہ میں مرد اور عورت کے حکم میں فرق ہے کہ اگر عورت کی آگے کی راہ میں کوئی دوا وغیرہ اندر داخل کی گئی تو مطلقاً روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن مرد کی پیشاب کی نالی میں کوئی چیز اگر داخل کی گئی تو جب تک وہ مثانہ سے آگے نہ بڑھے، اس وقت تک روزے کے فساد کا حکم نہ ہوگا، اسی تفصیل کے اعتبار سے اگر کوئی آلہ دوا یا پانی سے تر کر کے آگے کی راہ سے اندر داخل کیا گیا اور وہ موضع فساد تک پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر بالکل خشک داخل کیا گیا یا موضع فساد تک نہیں پہنچا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''ولو أدخل إصبعه اليابسة فيه أى فى دبره أو فرجها الخارج لو مبتلة فسد، قال الشامى: لبقاء شئ من البلة فى الداخل'' (شامی ۳/۳۶۹ زکریا)۔

''إذا أقطر فى إحليله لا يفسد صومه عند أبى حنيفة ومحمد ... وفى الإقطار فى إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (هنديه ۱/۲۰۴)۔

☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی بعض جدید قسمیں

مفتی نعمت اللہ قاسمی [1]

سوال کے مختلف اجزاء کا جواب دینے سے قبل اس امر کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرات فقہاء کرام نے جوف بطن کی کوئی تشریح نہیں فرمائی ہے کہ جوف بطن سے کیا مراد ہے، آیا جوف بطن صرف معدہ اور آنت کا نام ہے جہاں غذا پہنچ کر تحلیل ہوتی ہے اور جوہر وفضلہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد جوہر جسم کی قوت ونشونما کے لئے باقی رہ کر فضلہ جسم سے خارج ہوجاتا ہے، گویا غذا کی صالحیت کا کام درحقیقت معدہ اور آنت ہی میں انجام پذیر ہوتا ہے اور غذا اپنی اسی صالحیت اور حجم کے لئے باعث قوت ونشوونما ہونے کے مفسد صوم ہوتی ہے، یوں فقہاء کرام نے غیر غذا اور غیر دوا کے جوف میں پہنچنے کو بھی مفسد صوم فرمایا ہے لیکن یہ بربنائے احتیاط ہے جیسا کہ بدائع کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ''حكمنا بفساد الصوم احتياطا'' یا جوف بطن نام ہے مرد وعورت دونوں کے حق میں حلق سے لے کر موضع حقنہ تک کی تمام چیزوں کا اور صرف مرد کے حق میں حلق سے لے کر آنت بشمول آنت تمام چیزوں کا اور صرف عورت کے حق میں حلق سے لے کر مثانہ تک بشمول مثانہ تمام چیزوں کا۔

حضرات فقہاء کرام کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علم تشریح ابدان کی روشنی میں مثانہ کو اصلاً جوف بطن سے خارج مانا ہے، خواہ عورت کا مثانہ ہو یا مرد کا، البتہ عورت کے مثانہ کے سلسلہ میں علم تشریح ابدان کی روشنی میں انہوں نے فرمایا کہ عورت کے مثانہ میں ناک کان کے منفذ کے مشابہ کوئی منفذ ہے جہاں کوئی چیز پہنچ کر اس منفذ کے ذریعہ جوف بطن میں پہنچ جاتی ہے، پس جو دوا وغیرہ اندام نہانی کے داخلی حصہ میں رکھی جائے گی وہ مثانہ کے راستہ جوف بطن میں پہنچ جائے گی اس لئے روزہ فاسد ہوجائے گا، گویا عورت کا مثانہ حقیقتاً جوف تو نہیں لیکن جوف کے حکم میں ہے، برخلاف مرد کے مثانہ کے کہ اس میں ناک کان کے منفذ کے مشابہ کوئی منفذ نہیں ہے کہ آلہ تناسل میں ڈالی گئی دوا یا تیل وغیرہ اس منفذ کے ذریعہ جوف میں پہنچ جائے، رہا پیشاب کا مثانہ میں پہنچنا تو وہ جوف سے کسی منفذ کے ذریعہ مثانہ میں نہیں آتا ہے بلکہ جوف سے چھن چھن کر یا رس رس کر مثانہ میں پہنچتا ہے، پس مرد کا مثانہ نہ حقیقتاً جوف میں داخل ہے نہ حکماً۔

اب مثانہ سے آگے کیا چیز ہے جس کو فقہاء نے جوف فرمایا ہے، اگر وہ علم تشریح ابدان کی روشنی میں آنت ہے تو گویا فقہاء کرام نے آنت کو جوف کا ایک حصہ تسلیم فرمایا۔

اسی طرح دبر کے راستے موضع حقنہ میں دوا وغیرہ ڈالنے کو فقہاء کرام نے مفسد صوم قرار دیا اور یوں فرمایا کہ اس عمل سے آنت میں دوا وغیرہ پہنچائی جاتی ہے، اس لئے مفسد صوم ہے۔ یہاں گویا صراحتاً تسلیم فرمایا کہ آنت جوف کا ایک حصہ ہے، اس طرح مثانہ کا حقیقتاً جوف سے خارج ہونا اور آنت کا جوف میں داخل ہونا حضرات فقہاء کے یہاں تسلیم شدہ ہوا۔

لیکن عورت کا رحم بھی جوف کا ایک حصہ ہے یا نہیں اس سلسلہ میں کوئی صراحت تو نہیں ملتی، البتہ مثانہ سے آگے کی چیز کو جوف قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا رحم حضرات فقہاء کے یہاں جوف ہی میں شامل ہے، اس لئے کہ رحم مثانہ سے اوپر ہے نہ کہ نیچے، گرچہ رحم کے ذریعہ غذا کی صالحیت کا کام انجام پذیر نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر رحم میں بھی اوپر نیچے دونوں جانب منفذ ہے اور غالب گمان یہی ہے جیسا کہ اطباء بتائیں گے، تو اس

[1] جامعہ اسلامیہ دار العلوم، جھگڑیا۔

منفذ کے ذریعہ دوا وغیرہ آنت اور معدہ میں پہنچ جائے گی، اس لئے حضرات فقہاء نے عورت کے مثانہ کی طرح اس کے رحم کو بھی جوف کے حکم میں تسلیم فرماتے ہوئے مطلقاً فرمایا کہ اندام نہانی کے داخلی حصے میں کسی چیز کے پہنچنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، آپ حضرات محققین سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام سد ذرائع کے طور پر ہیں، ممنوع لعینہ قصداً اور ممنوع لغیرہ تبعاً کی بحث بھی آپ حضرات کے پیش نظر ہوگی۔

حضرات فقہاء نے مسائل کے بیان میں ان تمام اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے، بہرکیف اب تک کی اس بحث کا تعلق تو نیچے کی راہ سے جوف میں کسی چیز کے پہنچنے سے ہے، رہی بات اوپر کی راہ ناک، کان، دماغ اور حلق سے جوف میں کسی چیز کے پہنچنے کی تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرات فقہاء نے منافذ کے تعلق سے تو علم تشریح ابدان سے استفادہ کیا اور فرمایا کہ دماغ اور جوف بطن کے درمیان ایسا منفذ ہے کہ دماغ میں پہنچ کر کوئی دوا وغیرہ جوف میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح ناک کان میں بھی ایسا منفذ تسلیم فرمایا کہ ان میں تیل یا دوا وغیرہ ڈالنے سے یہ چیزیں جوف بطن میں پہنچ جاتی ہیں، جیسا کہ بدائع میں آیا ہے، لیکن ان منافذ ثلاثہ کے لئے مجمع المنافذ حلق ہی ہے یا اور کچھ اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ اب ماہرین تشریح ابدان ہی بتائیں گے کہ ان منافذ ثلاثہ کے لئے مجمع المنافذ اور مرکزی شاہراہ جوف بطن تک پہنچنے کے لئے حلق کے سوا کچھ اور بھی ہے یا صرف حلق ہے۔

بہرصورت حضرات فقہاء کرام نے جہاں منافذ ثلاثہ کے مرکزی شاہراہ کی وضاحت نہیں فرمائی وہیں اس بات کی بھی وضاحت نہیں فرمائی کہ اوپر کی راہ سے جوف کی ابتداء کہاں سے ہے، آیا جوف میں دل، گردہ پھیپھڑا وغیرہ بھی شامل ہیں یا جوف نام صرف معدہ اور آنت کا ہے، تاہم مختلف مثالوں کے ذریعہ فقہاء کرام کی یہ تصریحات ضرور ہیں کہ حلق سے نیچے اگر کوئی چیز اس طرح اتر جائے کہ اب اس کو حلق سے باہر نہیں کھینچا جاسکتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور جوف میں قرار پا جانے کا مطلب بھی یہی ہے، اگر جوف میں کوئی چیز اس طرح پہنچائی گئی کہ اس کا ایک سرا باہر ہے یا وہ باہر کی چیز سے اس طرح بندھی ہوئی ہے کہ کھینچنے پر وہ چیز جوف سے باہر آجائے تو اس طرح پہنچائی گئی چیز جوف میں قرار پذیر نہیں کہلائے گی اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

بہرکیف فقہاء کرام کی ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرات فقہاء نے حلق سے نیچے کی تمام چیزوں کو جوف ہی میں شمار فرمایا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر حلق سے نیچے اترنے کے بعد چیزیں معدہ میں پہنچ جاتی ہیں جو چیزوں میں جسم کو طاقت پہنچانے، سدھارنے اور بڑھانے کی قوت پیدا کرنے والی مشین ہے، پس جس طرح معدہ میں چیزوں کا پہنچانا روزہ کی حالت میں ممنوع ہے حلق میں پہنچانا بھی ممنوع ہوگا، گویا یہ ممانعت سد ذرائع کے طور پر ہے، پس اگر کسی صائم نے اس کا ارتکاب کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ان اصولی اور تمہیدی بحثوں اور تجزیہ کے بعد اب سوالوں کے مختلف اجزاء کا جواب ذیل میں لکھا جاتا ہے:

۱- روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ دوا حلق سے نیچے نہیں اتری بلکہ روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا، اس لئے کہ ایسا کرنا عذر کے سبب ہے۔

''(وكره) له (ذوق شئ و) كذا (مضغه بلا عذر)'' (الدر المختار ۲/۳۹۵)۔

۲- فساد صوم کے لئے حلق سے نیچے چلا جانا کافی ہے، اس لئے اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۳- اگر بھاپ کے ساتھ دوا حلق سے نیچے اتری تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ صاحب درمختار غیر مفطرات صوم کو شمار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''(أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان) ولو ذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان ولوعودا أو عنبرا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه''۔

علامہ شامی رقم طراز ہیں:

''قوله (ومفاده) اى مفاد قوله ''دخل'' اى بنفسه بلاصنع منه قوله (انه لو أدخل حلقه الدخان) أى بأى صورة كان الادخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنهوهذا مما يغفل

عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك و شبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله امداد وبه علم حكم شرب الدخان'' (۳/۳۶۶)۔

۵،۴- فسادصوم میں جو منافذ فقہاء کرام کے یہاں معتبر ہیں ان منافذ کے ذریعہ یہ گلوکوز یا دوا یا غذا جسم میں نہیں پہنچائی گئی ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۶- اگر دوا موضع حقنہ تک پہنچائی گئی ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اسی طرح معدہ تک داخل کئے جانے والے آلات کے ساتھ اگر پانی یا دوا کے کچھ اجزاء اندر (موضع حقنہ تک یا اس سے آگے) داخل ہوگئے ہیں تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اگر آلات کے ساتھ پانی یا دوا وغیرہ اجزاء اندر داخل نہیں ہوئے ہیں، آلات خشک کر کے داخل کئے گئے اور پھر نکال لئے گئے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ علامہ حصکفیؒ غیر مفطرات صوم کے باب میں تحریر فرماتے ہیں:

''(أوأدخل عودًا) ونحوه (في مقعدته وطرفه خارج) وإن غيبه فسد وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها شئ ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد بدائع (او أدخل اصبعه اليابسة فيه) اى دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد. ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا. ولو بالغ في الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (ردالمحتار ۳/۳۶۹)۔

۷- عورت کے اندام نہانی کے داخلی حصے تک یا اس سے آگے دوا پہنچائی گئی ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اسی طرح نلکی کے ساتھ پانی یا دوا کے کچھ اجزاء اندام نہانی کے داخلی حصے تک یا اس سے آگے پہنچ گئے ہیں تو ایسی صورت میں بھی روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اگر نلکی کے ساتھ پانی یا دوا وغیرہ کے کچھ اجزاء اندر داخل نہیں ہوئے ہیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہ حکم تو عورتوں کے تعلق سے ہے، باقی مرد کے مثانہ تک دوا یا نلکی پہنچانے سے مرد کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور اس کے احکام

مولانا ابوسفیان مفتاحی[1]

۱- مریض قلب نے مرض قلب سے بچاؤ کی خاطر طبیب حاذق کے مشورہ سے وہ دوا زبان کے نیچے دبا کر رکھی جسے زبان کے نیچے رکھ کر دبایا جاتا ہے، اور اس کو اس طریقہ سے استعمال کیا جائے کہ اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جاتا ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ عذر کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔

۲- جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہے، ان کو بعض اوقات انہیلر استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا (جو اکثر سفوف کی شکل میں ہوتی ہے) کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے اگر چہ یہ حلق کے راستہ ہی سے جاتا ہے لیکن معدہ میں نہیں جاتا، بلکہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، تو روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال درست نہ ہوگا، لہذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ حلق کے ذریعہ جانا مفسد صوم ہے جیسے فقہ میں ایک جزئیہ یہ ہے کہ اگر روزہ کی حالت میں حلق میں دھواں داخل کر دے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، چنانچہ درمختار و شامی (۲/۱۰۶) میں ہے:

"لو أدخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان أى بأى صورة كان الادخال لو عودًا أوعنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه"

۳- بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں تو اس طرح بھاپ کا لینا درست نہ ہوگا بلکہ روزہ کے لئے مفطر ہوگا، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"حتی لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله" (ردالمحتار ۲م۱۰۶، نیز جدید فقہی مسائل ۱/۱۸۷-۱۸۸)۔

۴- انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا مفسد صوم نہیں اور وہ انجکشن جو جسم کی غذائی ضرورت پوری کرے، پس اگر وہ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسد صوم ہوگا ورنہ نہیں، کیونکہ فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا معدہ میں پہنچنا ضروری ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"إن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ" (۱/۲۵۳)۔

اور بدائع الصنائع میں ہے:

"وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه وأما إذا وصل إلى الدماغ لأنه له منفذًا إلى الجوف فكان بمنزلة

[1] جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

زاوية من زوايا الجوف إلى قوله وأما إذا وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد صومه لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ... الخ'' (۲/۹۳)۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھایا جاتا ہے، تو روزہ کی حالت میں اس طرح گلوکوز کا استعمال درست ہے اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا، اور فساد صوم کے لئے فطری منفذ سے داخل ہونا ضروری ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع (۲/ ۹۳) کی عبارت ابھی اوپر گذری۔

اور علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر'' (۲/۱۰۶، نیز دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۸۲)۔

۶- سیال یا غیر سیال دوائیں جو سرین کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات اندر داخل کیے جاتے ہیں تو ان صورتوں میں اگر اندر اس حد تک دوا پہنچ جائے یا پانی جہاں سے معدہ اسے جذب کر لیتا ہے یا وہ خود معدہ میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر ایسا نہیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، واللہ اعلم (کذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند ۶/ ۱۱۴)۔

احسن الفتاوی (۴/ ۴۳۰) میں ہے: بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے۔

جدید فقہی مسائل (۱/ ۱۸۵) میں ہے: روزہ کی حالت میں اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جاتی ہے تب تو اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ ہی جائے گا کہ قوی امکان دوا کے معدہ تک پہنچنے کا ہے، لیکن اگر صرف بواسیری مسوں پر یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو میرا خیال ہے کہ معدہ میں چونکہ ایک حد تک جذب کرنے کی صلاحیت ہے، لہذا اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے، تاہم محض شک کی وجہ سے ظاہر ہے کہ روزہ ٹوٹ جانے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

۷- ۱- آگے کی راہ سے بعض اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں جیسے مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے۔

۲- بعض امراض میں خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے۔

۳- یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یہ تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت میں اگر مرد کے آگے کی راہ سے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے تو مفتی بہ قول کے اعتبار سے یہ صورت ناقض صوم نہیں ہے، چنانچہ درمختار (۲/ ۱۰۹) میں ہے:

''أقطر فى إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة لا يفطر على المذهب أى قول أبي حنيفة ومحمد معه فى الأظهر وقال أبو يوسف يفطر، والاختلاف مبنى على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطباء زيلعي وأفاد أنه لو بقي فى قصبة الذكر لا يفسد اتفاقًا''

اور اگر عورت کے آگے کی راہ سے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جائے تو یہ ناقض صوم ہے، اس لئے کہ عورتوں کے اندر یہ فطری منفذ موجود ہے جو بطن تک پہنچتا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۸۱)۔

دوسری صورت میں خواتین کی شرمگاہ میں رکھی جانے والی دوا اگر سیال ہے جیسے تیل تو یہ ناقض صوم ہے اجماعاً، کیونکہ یہ مثل حقنہ ہے، اور حقنہ مفطر صوم ہے، چنانچہ شامی (۲/۱۰۹) میں ہے:

''قلت الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما فهما فى حكمه والفم والأنف وإن لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز إلا أن الشارع اعتبرهما فى الصوم من الخارج بخلاف قصبة الذكر فإن المثانة لا منفذ لها على قولهما وعلى قول أبي يوسف، وإن كان لها منفذ إلى الجوف إلا أن المنفذ الآخر المتصل بالقصبة منطبق لا ينفتح إلا عند خروج البول فلم يعط للقصبة حكم الجوف''۔

اور فتاوی عالمگیری (۱/۲۰۴) میں ہے:

''وفى الإقطار فى إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح''۔

اور اگر جامد وخشک ہو تو ناقض صوم نہیں اور فتاوی دار العلوم دیوبند (۱۰/۴۱۰) میں ہے کہ روزہ میں اس سے احتیاط کی جائے۔

اور فتاوی عالمگیری (۱/۱۹۱) میں ہے:

''لو أدخل إصبعه فى إسته والمرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء والدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أوالدهن''۔

اور شامی (۲/۱۳۵) میں ہے: ''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها فى فرجي الخارج''۔

اور تیسری صورت میں مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات جیسے نلکی رحم تک پہنچائے جاتے ہیں تو یہ ناقض صوم نہیں ہے۔

جدید فقہی مسائل (۱/۱۸۶) میں ہے: مزید اس سلسلہ میں عرف ہے کہ آج کل معدہ کے بعض امراض کی شناخت کے لئے معدہ تک منہ کے ذریعہ نلکی پہنچائی جاتی ہے، جو بعض دفعہ گوشت کا ٹکڑا کتر کر اپنے ساتھ لاتی ہے، اور اس پر تحقیق ہوتی ہے، ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اصل میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا مدار اس پر ہے کہ معدہ میں داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر گئی ہے یا واپس آگئی ہے، اگر ٹھہر گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

مولانا ابوالبقاء ندوی[1]

۱- اگر سوال میں مذکور طریقہ پر دوا استعمال کی جائے اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو یہ مفسد صوم نہیں ہوگا: مندرجہ ذیل فقہی عبارات اسکی تائید کرتی ہیں:

''فی الدر المختار: کطعم أدویة ومض إهلیلج، وقال فی ردالمحتار أی بأن مضغها فدخل البصاق حلقه ولا یدخل من عینها فی جوفه لا یفسد صومه کما فی التاترخانیه وغیرها'' (ردالمحتار ۳/۳۶۷)۔

''وقال فی الهدایة: ومن ذاق شیئا بفمبه لم یفطر ویکره له ذلك لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد'' (ہدایہ ۱/ ۲۰۰، نیز ردالمحتار ۳/ ۳۷۳)۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی چیز کے مفطر ہونے کیلئے اس کا حلق سے نیچے اترنا ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ بر طریقہ مذکورہ فی السوال دوا استعمال کرنے کی صورت میں دوا کا کوئی جز حلق سے نیچے نہیں اترتا اس لئے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

ہاں البتہ اس صورت میں روزہ کے ٹوٹنے کا خطرہ موجود ہے اس لئے بلاضرورت شدیدہ دوا کے استعمال سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ صاحب ہدایہ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔

۲- روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ علامہ ابن الہمام کی تحقیق کے مطابق فساد صوم کیلئے کسی چیز کا حلق سے نیچے جانا کافی ہے۔ چنانچہ وہ فتاوی قاضیخاں کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''لو دخل دمعه أو عرق جبینه أو دم رعافه حلقه فسد صومه ... علله بوصوله إلی الحلق'' (فتح القدیر ۲/۳۳۷)۔

۳- سوال میں مذکور طریقے سے بھاپ لینا درست نہیں۔ درج ذیل فقہی عبارتیں اس سلسلے میں واضح روشنی ڈال رہی ہیں:

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر أی دخان کان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاکرا لإمکان التحرز عنه، وقال فی الرد: حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاکرًا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه إلی أن قال وبه علم حکم شرب الدخان (ردالمحتار ۳/ ۳۶۶، وکذا فی الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید للشیخ عبدالحمید محمود وطهماز (۱/۴۰۸)، مطبوعه دارالقلم (دمشق)۔

''وفی موضع آخر من ردالمحتار: ولا یتوهم أنه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله'' (ردالمحتار ۳/۳۶۶)۔

۴- اگر انجکشن کے ذریعہ دوا رگوں میں پہنچائی جائے تو وہ مفسد صوم ہے، ہاں اگر گوشت میں انجکشن لگایا جائے تو وہ مفسد نہ ہوگا، کیونکہ جو دوا بذریعہ انجکشن رگوں میں پہنچائی جاتی ہے وہ چند منٹوں میں تمام اجزائے جسم تک پہنچ کر بدن میں استقرار حاصل کر لیتی ہے، چنانچہ استاذ عبدالحمید فرماتے ہیں:

[1]

''وأرى على ضوء ماتقدم أن ما يدخل إلى الجوف بواسطة الزرق بالإبر تحت الجلد في داخل العضلات أو في الأوعية الدموية مفسد للصوم لأنه يستقر في البدن وينقل بزمن يسير إلى كل أجزاء الجسم وفيه صلاح البدن.... والوسائل الحديثة في المعالجات الطبية تجعلنا نستيقن وصول الدواء فلابد من القول بفساد الصوم في مثل هذه الحالات فلا يعقل أبدًا أن نقول بفساد الصوم بالإصبع المبلولة بالماء إذا أدخلت في الدبر ولا نقول بفساد صوم الذي تدخل الوسائل الطبية الحديثة كميات كبيرة من مياه السيروم المغذية إلى بدنه أو الذي يعطى دماء جديدة تسري في كل أنحاء بدنه'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ا/ ۴۱۳)۔

اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- انجکشن بہر دو صورت مفسد صوم ہے یعنی گوشت میں لگایا جائے یا رگوں میں۔

۲- وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دوا یقینی طور پر جسم میں داخل ہو کر تمام اجزائے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے۔ نیز وہ بدن میں استقرار بھی حاصل کر لیتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں صلاح بدن موجود ہی ہے۔

۳- قدیم فقہاء نے جو بذریعہ دوا فساد صوم کیلئے زخم کے گہرے ہونے کی شرط لگائی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دوا داخل بدن میں پہنچنے اور استقرار کا یقین حاصل ہو جائے، کیونکہ زمانہ قدیم میں ایسا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا جسکے ذریعہ دوا اندرونی جسم تک اسطرح پہنچایا جاسکے کہ وہ چند منٹوں پر پورے جسم میں پھیل جائے۔

۴- خلاصہ بحث یہ کہ اصل اعتبار دوا کے یقینی طور پر جسم کے اندر پہنچنے اور نہ پہنچنے کا ہے، اور ظاہر ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا کا جسم کے اندر پہنچنا یقینی ہے لہٰذا اسے مفسد ہونا چاہئے۔

اگر چہ علامہ عبدالحمید کی رائے دونوں صورتوں میں فساد صوم کی ہے لیکن راقم الحروف کی رائے میں اس انجکشن کو مفسد صوم ہونا چاہیے جو رگوں میں لگایا جائے، کیونکہ اس صورت میں دوا کا جسم کے تمام اجزاء تک پہنچنا اس کا بدن کے اندر استقرار اور اصلاح کا عمل کرنا بالکل یقینی اور ناقابل تردید ہے۔

۵- گلوکوز کا استعمال روزہ کی حالت میں درست نہیں ہے، اس کی ایک وجہ تو جواب نمبر ۴ میں گذر چکی کہ اس کی وجہ سے ایک مصلح بدن چیز بدن کے اندر قرار پاتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روزہ کے مقصد کے منافی ہے، کیونکہ روزہ کا بنیادی مقصد ''قهر الطبع الباعث على الفساد''، یعنی نفس امارہ اور شہوات نفسانیہ کو مغلوب و مقہور کرنا ہے جس کا حصول گلوکوز کے استعمال کی صورت میں ناممکن ہے، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''المقصود من الصوم معناه وهو كونه وسيلة إلى الشكر والتقوى وقهر الطبع الباعث على الفساد ولا يحصل شئ من ذلك إذا وصل الغذاء إلى جوفه'' (بدائع الصنائع ۲/۶۰۱)۔

۶- الف: امراض معدہ کی تحقیق کیلئے بعض آلات کا اندر داخل کیا جانا مفسد صوم نہیں ہے۔

ب- ہاں البتہ سیال یا غیر سیال دواؤں کا پیچھے کے راستے سے اندر پہنچایا جانا، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جانا مفسد صوم ہے درج ذیل فقہی جزئیات سے اسکی تائید ہوتی ہے:

الف ''قال في الرد: أو أدخل عودًا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد'' (ردالمحتار ۲/۳۶۹)۔

''وقال في الفقه الحنفي: ما يدخل إلى الجوف ولا يستقر فيه لايفسد الصوم وقال أيضًا لا يفسد صومه لو أدخل ميزان الحرارة بشرط أن يكون جافا لأن قسما منه يبقى في الخارج'' (الفقہ الحنفی ۱/۴۱۱)۔

ب ''قال في الدر المختار أو احتقن أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه أودماغه'' (الدر المختار ۲/۳۷۶)۔

''وقال فی الفقه الحنفی: التحاميل الطبيه التی تدخل إلى الجوف عن طريق دبر الرجل والمراة أوقبل المرأة تفسد الصوم سواء أدخلها الصائم بنفسه أو أدخلت له لأن فيها صلاح بدنه'' (الفقه الحنفی۱/۲۱۳)۔

''إذا احتقن بدواء ووصل إلى جوفه أو دماغه أفطر قال وأطلق الدواء فشمل الرطب واليابس لأن العبرة للوصول لا لكونه رطبا أو يابسا'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹، وکذا فی بدائع الصنائع ۲/۶۰۶، وهکذا فی الهداية ۲/۳۲۵ مع فتح القدير)۔

۷- الف: مرض کی تحقیق کیلئے آلات کورحم تک پہنچایا جانا، اسی طرح مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی داخل کیا جانا ناقض صوم نہیں ہے۔

ب: البتہ خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دواڈالنا ناقض صوم ہے۔

مندرجہ ذیل فقہی جزئیات اس مسئلے کی وضاحت کیلئے کافی وشافی ہیں:

(الف) ''حاصله أن الافساد بما إذا كان بفعله أوفيه صلاح بدنه ويشترط أيضا استقراره داخل الجوف فيفسد بالخشبة إذا غيبها لوجود الفعل مع الاستقرار وإن لم يغيبها فلا لعدم الاستقرار ''(ردالمحتار ۳/۳۶۹،۳۶۸)۔

وقال فی الفقه الحنفی: إذا أدخل الطبيب آلة طبية جافة إلى جوف الصائم ثم أخرجها لا يفطر الصائم ''(الفقه الحنفی ۱/ ۲۱۲)

(ب) ''وقال فی الفقه الحنفی: أما المرأة الصائمة إذا أدخلت شيئا من طريق قبلها فإن صومها يفسد'' (الفقه الحنفی فی ثوبه الجديد ۱/ ۲۱۳)۔

''وقال فی البحر: إن أفطر فی إحليله لا۔ أی لا يفطر وقيد بالإحليل لأن الإقطار فی قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

''وقال فی البدائع: الإقطار فی قبل المرأة فقد قال مشائخنا انه يفسد صومها بالاجماع'' (۲/۶۰۷)۔

☆☆☆

بعض جدید وسائل کے روزہ پر اثرات

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی [1]

اکیڈمی کی طرف سے مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل کے عنوان سے جو سوالنامہ موصول ہوا اس کے جواب دفعہ وار حسب ذیل ہیں:

۱- امراض قلب سے متعلق وہ دوائیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اگر روزہ کی حالت میں اس دوا کو اس طریقہ پر استعمال کیا کہ دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں دوا کی کوئی شئی پیٹ میں داخل نہیں ہوتی ہے، مریض کو جو افاقہ ملتا ہے وہ دوا کا اثر ہے اور محض اثر مفسد صوم نہیں ہے (موقع علماء الشریعۃ: مفطرات الصیام المعاصرۃ)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ دوا کے مزہ کا حلق میں پایا جانا مفسد صوم نہیں۔

''کطعم أدویۃ أی لودق دواء فوجد طعمہ فی حلقہ زیلعی وغیرہ وفی القھستانی طعم الأدویۃ وریح العطر إذا وجد فی حلقہ لم یفطر کما فی المحیط'' (ردالمحتار ۲/۳۶۷)۔

اور طعمیت اثر کا ایک فرد ہے، کیونکہ اثر میں تین چیزیں داخل ہیں: رنگ بو اور مزہ۔

۲- جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہوتا ہے انہیں بعض اوقات انہیلر یا Spray Asthma یا گیس پمپ استعمال کرنا پڑتا ہے جس کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا جو غالبا سفوف کی شکل میں ہوتی ہے، کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچ جاتا ہے، یہ حلق ہی کے راستہ سے جاتا ہے لیکن معدہ میں نہیں جاتا، اگر چہ یہ بات جدید تحقیق سے یقینی طور پر ثابت ہے کہ سفوف کا یہ جز معدہ تک نہیں پہنچتا تب بھی روزہ فاسد ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک قصدًا و ارادۃً دھوئیں یا غبار کو حلق میں داخل کرنے سے بھی روزہ فاسد ہوتا ہے جبکہ یہ دھواں معدہ تک نہیں پہنچتا۔

تنویر الابصار کی متن ''أو دخل حلقہ غبار أو ذباب أو دخان'' کی تشریح میں صاحب درمختار قمطراز ہیں:

''ومفادہ أنہ لو أدخل حلقہ دخان أفطر أی دخان کان'' (ردالمحتار ۲/۳۶۶)۔

مفتی محمود الحسنؒ کا رجحان بھی کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے، آپ اسی سلسلہ کے ایک جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر چہ پمپ سے پہنچائی جائے جبکہ اس میں کوئی اور چیز نہ ہو''۔ مطلب یہ ہوا کہ پمپ کے اندر اگر دوا ہے تو روزہ فاسد ہوگا (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۵۴، خیر الفتاوی ۴/ ۹۸)۔

۳- بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے مشینی طریقے ایجاد ہوئے ہیں، اس طرح بھاپ لینا روزہ کو فاسد کردے گا۔

علامہ شامی درمختار کی عبارت ''انہ لو ادخل حلقہ الدخان'' کی شرح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

[1] جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراشٹر۔

’’ای بأی صورة کان الإدخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاکرا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه وهذا مما یغفل عنه کثیر من الناس‘‘ ولا یتوهم أنه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك و شبهه و بین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله...اھ‘‘(ردالمحتار۲/۳۶۶. نیز دیکھئے:حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح/ص۳۶۲،۳۶۱، وکذا فی الفقه الاسلامی وادلته۲/۶۵۷)۔

۴- موجودہ دور میں جسم کے اندر دوا پہنچانے کی ایک صورت انجکشن کی اختیار کی گئی ہے جو جسم کے مختلف حصوں میں لگائے جاسکتے ہیں، انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے تا کہ خون کے ساتھ پورے جسم میں اس کی رسائی ہوجائے۔

انجکشنوں کی دو قسمیں ہیں، بعض محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور بعض جسم کی غذائی ضرورت پوری کرتے ہیں، ہر دو قسم کے انجکشن مفسد صوم نہیں، کیونکہ دوا ہو یا غذا ہر دو کا منافذ اصلیہ سے پیٹ میں پہنچنا ضروری ہے، جبکہ انجکشنوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی ’’نہر‘‘ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

’’والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ‘‘ کہ منافذ اصلیہ سے داخل ہونے والی شئی ہی روزہ کو توڑتی ہے(ردالمحتار۲/۳۶۷)۔

نیز صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں:

’’وأما ماوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ عن غیر المخارق الأصلیة بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواها بدواء یابس لا یفسد لأنه لم یصل إلی الجوف ولا إلی الدماغ ولو علم أنه وصل یفسد فی قول أبی حنیفة، وإن داواها بدواء رطب یفسد عند أبی حنیفة وعندهما لا یفسد، هما اعتبرا المخارق الأصلیة لأن الوصول إلی الجوف من المخارق الأصلیة متیقن به ومن غیرها مشکوك فیه فلا نحکم بالفساد مع الشك ولأبی حنیفة أن الدواء إذا کان رطبا فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ إلی الجوف فیبنی الحکم علی الظاهر‘‘(بدائع الصنائع ۲/۲۴۳ مکتبہ زکریا)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

’’وفی دواء الجائفة والآمة أکثر المشائخ علی أن العبرة للوصول إلی الجوف والدماغ لا لکونه رطبا أو یابسا حتی إذا علم أن الیابس وصل یفسد صومه ولو علم أن الرطب لم یصل لم یفسد هکذا فی العنایة‘‘(الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴)۔

علامہ شامی اسی سلسلے کی بحث میں فرماتے ہیں:

’’فالمعتبر حقیقة الوصول حتی لو علم وصول الیابس أفسد أو عدم وصول الطری لم یفسد‘‘(ردالمحتار۲/۳۷۶، خلاصة الفتاوی۱/۵۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح/۳۶۸، امداد الفتاوی ۱/۱۴۷، احسن الفتاوی ۴/۴۲۲، فتاوی حقانیه ۴/۱۶۲، فتاوی محمودیه ۱۰/۱۵۳، فتاوی رحیمیه۷/۲۵۷، فتاوی مفتی محمود۳/۲۸۹، فتاوی دار العلوم ۶/۴۰۸،۴۰۹)۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لیے جو گلوکوز چڑھایا جاتا ہے، یہ چونکہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے اس لئے اس سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہے اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، روزہ کی حالت میں اس طرح گلوکوز کو چڑھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ فساد صوم کے لئے کسی بھی شئ کا انسانی پیٹ میں منافذ اصلیہ سے پہنچنا ضروری ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ کی عبارت: ’’والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ‘‘۔(مفطر صوم وہی چیز ہے جو جوف میں منافذ اصلیہ سے داخل ہو) سے یہی مفہوم ہوتا ہے (در المختار ۳/ ۳۶۶)، اور گلوکوز چڑھانے میں یہ بات نہیں پائی جاتی خواہ گلوکوز چڑھانے سے بھوک کا احساس کم ہوجاتا ہو یا بھوک سے پیدا ہونے والی کمزوری دور ہوجاتی ہو، فساد صوم کا حکم نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اکل وشرب امر بدیہی ہے، اور گلوکوز چڑھانے پر اکل کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۴۸، منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۱۳۳)۔

شرح مہذب کی یہ عبارت:

''لو وصل الدواء إلى داخل الساق أوغرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف لأنه لا يعد عضوًا مجوفًا'' (شرح مہذب ۵/۳۱۴)۔

بھی اس پر شاہد ہے کہ جسم کے کسی بھی حصہ میں دواوغیرہ کا داخل کرنا مفطر صوم نہیں، بلکہ افطار کیلئے دوشرطیں ہیں:

۱۔ دخول منافذ اصلیہ سے ہو۔

۲۔ داخل ہونے والی شئی جوف میں مستقر ہو(دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳-۲۴۴، ردالمحتار ۳/ ۳۶۹، البحر الرائق ۲/ ۴۳۸)۔

۶۔ (الف) بعض سیال یا غیر سیال دوائیں اینمایا کسی اور طریقہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، یہ دوائیں جوف تک پہنچتی ہیں اس لئے مفسد صوم ہیں خواہ سیال ہو یا غیر سیال، اس لئے کہ اعتبار سیال غیر سیال کا نہیں بلکہ وصول الی الجوف کا ہے جیسا کہ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

''أطلق الدواء فشمل الرطب واليابس لأن العبرة للوصول لا لكونه رطبًا أو يابسًا وإنما شرطه القدورى لأن الرطب هو الذى يصل إلى الجوف عادة حتى لو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد ولو علم أن اليابس وصل فسد صومه كذا فى العناية'' (البحرالرائق ۲/۴۳۸، الفتاوی الهنديه ۱/۲۰۴)۔

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابی الحسن علی بن الحسن بن محمد السغدی ''النتف فی الفتاویٰ'' میں فرماتے ہیں:

''وأما من الدبر فواحدة وهى الاحتقان فلا يفسد منه الصوم فى قول أبي عبدالله ويفسد فى قول أبي حنيفة وأصحابه'' (النتف فی الفتاوی/ ۱۰۳)۔

حقنہ لگانے سے ابوعبداللہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے تنویر الابصار کی متن: ''أو احتقن أو استعط أو أقطر فى أذنه دهنًا أو داوى طائفة أو آمة'' کے ذیل میں بڑی اچھی بات ذکر فرمائی کہ احتقان پیچھے کی راہ سے دوا کا اندر پہنچانا، استعاط ناک میں دواء چڑھانا، اقطار کان میں دواٹپکانا کو فقہاء نے وصول کی قید کے ساتھ اس لیے مقید نہیں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں وصول ہو ہی جاتا ہے، اس لئے روزہ فاسد ہوگا (ردالمحتار ۳/ ۳۷۶)۔

''وإذا احتقن يفسد صومه'' (الفتاوی التاتارخانیه۲/۳۶۵، حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح /۳۶۷) ''باب ما يفسد صوم ويوجب القضاء من غير كفارة'' (فتاوى قاضيخان على هامش الهنديه۲/۲۱۰)۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

''وما وصل إلى جوف الرأس والبطن من الأذن والأنف والدبر فهو مفطر بالاجماع وفيه القضاء'' (خلاصة الفتاوى۲/۲۵۳)۔

(ب) بواسیر کے مرض میں ان مسّوں پر مرہم لگانا جو باہر ہی رہتے ہیں دوا لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ان مسّوں کو ظاہر بدن کا حکم حاصل ہوگا، اور ظاہر بدن پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

اسی طرح وہ مسّے جو بوقت استنجا باہر آتے ہیں اور فراغت پر انہیں پانی سے تر کر کے انگلی وغیرہ کی مدد سے اوپر چڑھانا ہوتا ہے، پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ یہ مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور مقعد کی راہ سے داخل ہونے والی چیز اسی وقت مفسد صوم ہوتی ہے جب موضع حقنہ تک پہنچے (احسن الفتاویٰ ۴/۵۹)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''قوله ولومبتلة فسد لبقاء شئ من البلة فى الداخل وهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع الحقنة'' (ردالمحتار۳/۳۶۹)۔

(ج) امراض معدہ کی تحقیق کے لیے بعض جدید آلات معدہ میں داخل کیے جاتے ہیں، اگر اس پر کوئی سیال مادہ وغیرہ نہ لگایا گیا ہو تو محض اس آلہ کو داخل کر کے نکالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ بحر الرائق کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے:

''ولوشد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لايفسد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸)۔

اگر کھانا دھاگے سے باندھے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے اور دھاگے کا ایک کنارہ اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

صاحب درمختار علامہ حصکفی کی عبارت:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''قوله (مفاده) ماذكر متنا وشرحا وهو أن ما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلا بشئ خارج لا يفسد لعدم استقراره'' (ردالمحتار ۲/۳۶۹)۔

لیکن اگر اس داخل کئے جانے والے آلہ پر کسی قسم کا کوئی سیال Liquid وغیرہ لگایا گیا ہو جس سے اس آلہ کا داخل ہونا وغیرہ آسان ہو جاتا ہے تو اس آلہ پر لگے Liquid کے معدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے روزہ فاسد ہونا چاہئے، کیونکہ اس پر تو غیبوبت فی الجوف صادق آرہا ہے۔ جو فساد صوم کی شرط ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت جو اوپر گذری، اس پر شاہد ہے۔

۷- جو چیزیں آگے کی راہ سے اندر تک پہنچائی جاتی ہیں اس سلسلے میں قدرے تفصیل ہے۔

(الف) اگر مرد یا عورت کے آگے کے راستے میں مثانہ تک صرف نلکی ڈالی جائے اور اس پر کوئی Liquid وغیرہ نہ لگی ہو تو دونوں کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''وكذا لو أدخل إصبعه في إسته أو أدخلت المراة في فرجها هو المختار'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸)۔

''أو أقطر في إحليله ماء أو دهنًا وإن وصل إلى المثانة على المذهب'' (ردالمحتار ۲/۳۷۲)۔

اگر مرد کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے اور اس پر کوئی Liquid وغیرہ لگی ہو تو طرفین کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ مثانہ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ نہیں جس سے یہ Liquid یا دوا معدہ تک پہنچ کر مفسد صوم بن جائے، البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں: مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ ہے جس سے یہ دوا یا Liquid معدہ تک پہنچ جائے گی۔

''وإن أقطر في إحليله أي لا يفطر أطلقه فشمل الماء والدهن وهذا عندهما خلا فا لأبي يوسف رحمه الله'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸)۔

(ج) اگر عورت کے آگے کے راستے میں نلکی ڈالی جائے اور اس پر Liquid یا کوئی دوا وغیرہ لگی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''إلا إذا كانت الإصبع مبتلة الماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸۹)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن هكذا في الظهيرية'' (الفتاوى الهنديه ۱/۲۰۴، نیز دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۶۹)۔

''وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة (درمختار) قلت الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكم'' (ردالمحتار ۲/۳۷۲)۔

(د) اگر بحالت صوم عورت کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وتکلم المشائخ فی الإقطار فی إقبال النساء منهم من قال علی الخلاف ومنهم من قال تفسد بلا خلاف وهو الصحیح''
(خلاصة الفتاوی ۱/۲۵۳)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بینهما وبینه فهما فی حکم ''(ردالمحتار ۳/۳۷۲، فتاوی حقانیه ۴/۱۶۸)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلا خلاف وهو الصحیح هکذا فی الظهیریة'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴، البحر الرائق ۲/۴۲۸)۔

(ھ) بسا اوقات تحقیق مرض کیلئے بعض آلات عورت کے آگے کی راہ سے رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، اگر ان آلات پر کوئی دوا وغیرہ نہ لگائی گئی ہو تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ بحر الرائق کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے:

''ولو شد الطعام بخیط وأرسله فی حلقه وطرف الخیط فی یده لا یفسد الصوم'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸، رد المحتار ۳/۳۶۹)۔

اگر کھانا دھاگے سے باندھے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے اور دھاگے کا ایک کنارہ اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اور اگر ان آلات پر کوئی دوا وغیرہ لگائی گئی ہو تو دوا کا کچھ نہ کچھ جز اندر باقی رہے گا اس لئے روزہ فاسد ہوگا، جیسا کہ بحر الرائق کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے:

''إلا إذا کانت الأصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء أو الدهن'' (البحر الرائق ۲/۴۲۸)۔

جب انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو روزہ فاسد ہوگا، پانی یا تیل کے پہنچنے کی وجہ سے۔

فقیہ عصر شیخ ابن عثیمینؒ کا بھی یہی خیال ہے، آپ فرماتے ہیں:

''إن المنظار لا یفطر إلا إذا وضع مع المنظار مادة دهنیة مغذیة تسهل دخول المنظار فهنا یفطر الصائم بهذه المادة لا بدخول المنظار لأنه لا یفطر إلا المغذی'' (موقع علماء الشریعة: مفطرات الصیام المعاصرة)۔

☆☆☆

روزہ پر اثر ڈالنے والے بعض جدید وسائل

مولانا ارشاد احمد اعظمی[1]

علماء متقدمین تقریباً متفق ہیں کہ اکل وشرب وجماع صورۃً ومعنیً ہوں یا صرف صورۃً یا صرف معنیً، اگر نسیان کے ساتھ نہیں ہیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

بدائع میں ہے: ''وذلك (أي الفساد) بالأكل و الشرب والجماع سواء كان صورة ومعنى أو صورة لا معنى أومعنى لا صورة وسواء كان بغير عذر أوعذر وسواء كان عمدًا أو خطًا، طوعًا أوكرهًا بعد أن كان ذاكرًا لصومه لا ناسيا ولا في معنى الناسي'' (بدائع الصنائع للکاسانی ۴/۲۳۷)۔

ابن قدامہ کہتے ہیں:

''أنه يفطر بكل ما أدخله إلى جوفه أومجوف في جسده كدماغه وحلقه ونحو ذلك مما ينفذ إلى معدته إذا وصل باختياره وكان مما يمكن التحرز منه'' (المغنی لابن قدامہ ۴/۳۵۴ طبع دار عالم الکتب)۔

''لا في معنى الناسي'' سے کاسانی کی مراد وہ صورتیں ہیں جن سے روزہ دار کا بچنا ممکن ہے، جن سے احتراز ناممکن ہو ان کو نسیان کے درجے میں مانا ہے، جیسے گرد وغبار اور دھواں جو خود اندر چلا جائے، دانتوں میں موجود مختصر چیزیں بھی اسی درجہ میں آتی ہیں۔

اگر کوئی چیز خود اندر نہ پہنچے اور نہ ہی اس کے اجزاء داخل ہو سکیں، صرف اس کا مزہ یا اثر محسوس ہو رہا ہو تو اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ یہ حالت بھی ان حالتوں جیسی ہے جن سے انسان کا بچنا ممکن نہیں ہے۔

لفظ جوف عربی زبان میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اس سے مراد عموماً وہ جگہ ہوتی ہے، جہاں کوئی چیز اپنی خصوصیات برقرار رکھتے ہوئے اپنا وجود باقی رکھ سکے، اس کے لئے مجوف اور تجویف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے، لفظ جوف جب مطلق بولا جاتا ہے تو جوف معدہ کی طرف خود بخود ذہن چلا جاتا ہے، دوسرے موقعوں پر استعمال کیلئے جوف کو اضافت کے ساتھ بولا جاتا ہے، ہم خود بھی اس تحریر میں اس لفظ کا استعمال موقعہ بہ موقعہ کریں گے۔

منفذ کے تعلق سے بھی علماء متقدمین کے الگ الگ اقوال ہیں، بہتر ہوگا اپنے علم کی روشنی میں پہلے ہم غذا اور جسم کے مختلف حصوں میں اس کے پہنچنے پر گفتگو کر لیں۔

طبی تحقیق کے مطابق جو چیز جسم کے تمام خلیوں کو لازمی توانائی فراہم کرتی ہے اس کو غذا کہتے ہیں، غذا کے عمل کے لئے جسم میں چار نظام ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، وہ چار نظام یہ ہیں:

۱- نظام ہضم جو منھ کے آخری حصہ سے ایک نالی کی شکل میں شروع ہوتا ہے، اور شرج (نیچے وہ حلقہ جو بندش کا کام کرتا ہے) پر جا کر ختم ہوتا ہے، اس میں پانچ چیزیں اہم ہیں: ۱-بلعوم ۲-مری، ۳-معدہ، ۴-پتلی آنتیں، موٹی آنتیں، ۵-اور مستقیم۔

۲- نظام تنفس، ناک کے دونوں سوراخوں کے ذریعے ہوا بلعوم تک پہنچ کر مخصوص نالیوں سے پھیپھڑوں تک جاتی ہے، اور آکسیجن کشید ہو کر باہر نکل جاتی ہے۔

۳- نظام دوران دم، غذا کو خون میں پہنچا کر رگوں کے ذریعے پورے جسم میں پہنچایا جاتا ہے۔

[1] جامعہ اسلامیہ، ترجمہ والی مسجد، موتیا پارک، بھوپال۔

۴- نظام اخراج،خون سے پیشابی مادوں کو الگ کر کے دونالیوں کے ذریعے مثانہ میں جمع کرتا ہے اور پھر اس کو وقفہ وقفہ سے باہر نکالتا ہے۔

انسان جب غذائی اشیاء تناول کرتا ہے تو دانتوں سے چبانے کے بعد اس کو بلعوم اور پھر مری کے راستے معدہ تک پہنچا کر اسٹور کر لیتا ہے، وہ چیزیں ناک کے ذریعے پہنچنے والے آکسیجن سے مزید گھل جاتی ہیں، اور تھوڑی تھوڑی مقدار میں پتلی آنتوں میں داخل ہوتی ہیں، جہاں دوسرے مادوں کے تعامل سے اس کا زیادہ تر حصہ ہضم ہو کر گلوکوز اور دوسرے سیال کی شکل اختیار کر لیتا ہے جن کو بے شمار خلیوں کے ذریعے خون میں پہنچا دیا جاتا ہے، باقی ماندہ اشیاء آگے موٹی رگوں میں منتقل ہو جاتی ہیں، اور ہضم کا کچھ عمل مکمل وہاں ہوتا ہے، اور جو توانائی میں تبدیل نہیں ہو پاتا موٹی آنتوں سے اس حصہ میں چلا جاتا ہے جو مستقیم کہلاتا ہے، اور بوقت ضرورت اس کا اخراج ہو جاتا ہے، غذا جب خون میں پہنچ جاتی ہے تو پورے جسم میں پہنچنے کے لئے رگوں کی شکل میں اس کو راستہ مل جاتا ہے، اور اس طرح جسم کے ہر حصہ کو مناسب غذا ملتی رہتی ہے۔

اس عمل میں خون میں جو مضر مواد پیدا ہو جاتے ہیں، گردوں کے ذریعے ان کو الگ کر کے پیشاب کی شکل میں دونالیوں کے ذریعہ مثانہ تک پہنچا دیا جاتا ہے اور وہاں سے وقفہ وقفہ سے اس کا اخراج ہوتا ہے (ملخصا من مقرر مادة العلوم لوزارة المعارف في المملكة العربية السعودية)۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ جسم کو غذائیت کی فراہمی کے لئے ایک مربوط نظام ہے جس میں مذکورہ چاروں نظام اپنا اپنا کام کرتے ہیں، اور کسی ایک نظام میں خلل واقع ہونے سے سارا نظام تغذیہ مفلوج ہو جاتا ہے، اس نظام میں جو اہمیت غذائی اشیاء کی ہے دواؤں کو بھی وہی یا کبھی کبھی اس سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد علماء سلف کے اصولوں کی روشنی میں اب ہم ترتیب وار سوالوں پر غور کرتے ہیں:

۱- تجویف فم خارجی چیزوں کے تعلق سے جسم کا خارجی حصہ مانا جاتا ہے، اور علماء کا اتفاق ہے کہ جسم کے خارجی حصہ پر دوا، غذا یا کسی بھی چیز کے لگ جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی ایسی دوا ہے جو صرف زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہے اور اس کا کوئی جز لعاب کے ساتھ حلق میں داخل نہیں ہوتا تو روزہ دار کو اس کے استعمال کی گنجائش ہے، اس کے مزہ اور اثر کے اندر پہنچنے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان کی مثال دیتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے: ''كطعم أدوية و مص اهليلج'' جیسے دواؤں کا مزہ اور ہڑہ کا چوسنا (رد المحتار علی در المختار ۴/۷،۱۰۷، بدائع الصنائع)۔

۲- روزہ دار کے لئے انہیلر کا استعمال قطعاً درست نہیں ہے، اگر روزہ رکھتے ہوئے اس طرح دوا پھیپھڑوں تک پہنچائے گا تو نہ صرف روزہ فاسد ہوگا بلکہ مذہب حنفی کی رو سے اس پر کفارہ لازم آئے گا، پچھلی وضاحتوں سے یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ پھیپھڑے بھی جوف کا حصہ ہیں اور غذائیت کے عمل میں ان کا ایک کردار ہے۔

۳- کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان اى بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر'' (رد المحتار على الدر المختار:۲/۱۰۶، نور الإيضاح وحاشيه مراقي الفلاح:۴۳۸)۔

اگر کسی نے خود دھواں حلق میں داخل کر لیا چاہے جس ترکیب سے داخل کیا ہو، یہاں تک کہ اگر اس نے بخور سلگائی اور اس کا دھواں اپنی طرف کر کے ناک کے ذریعے اندر لے گیا جب کہ اس کو معلوم ہے کہ وہ روزہ سے ہے تو روزہ جاتا رہے گا۔

۴- انجکشن کے معاملے میں کچھ لوگ مطلقاً جواز کا فتوی دیتے ہیں، اور اس کو لسع العقرب ولدغ الحية پر قیاس کرتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے،، روزہ کے فساد اور عدم فساد کے لئے علماء متقدمین نے ایک ضابطہ بنایا ہے، جس کو انہوں نے دخول مایمکن الاحتراز عنہ ومالا یمکن الاحتراز عنہ سے تعبیر کیا ہے، اس کے ساتھ دوا وغذا اور غیر دوا وغذا کا فرق بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

علماء سلف کے ضابطوں کی روشنی میں انجکشن کے مسئلہ میں تفصیل ہوگی۔

اگر انجکشن کی دوا کسی خاص حصہ تک رہ جاتی ہے، صرف اس کا اثر دوسرے حصوں تک پہنچتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن اگر انجکشن کے ذریعے دوا رگوں تک پہنچائی جاتی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا،

''وكذلك لو جرح نفسه أوجرحه غيره باختيار فوصل إلى جوفه'' (المغنی لابن قدامہ ۲/۳۵۳)۔

امام ابوحنیفہؒ اسی بنیاد پر پیٹ کے گہرے زخم میں تر دوا کے استعمال سے روزہ ٹوٹنے کے قائل ہیں:

۵- پہلے گزر چکا کہ اشیائے خوردونوش کو ریفائن کرنے کی غرض سے منہ کے راستے معدہ تک پہنچایا جاتا ہے، آنتوں میں پہنچنے کے بعد ان اشیاء کا بھی غالب حصہ گلوکوز اور کچھ دوسری چیزوں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

اب اگر انسان اپنی محنت اور تحقیق سے گلوکوز خود تیار کر لیتا ہے، اور سیدھے اس کو رگوں میں پہنچا دیتا ہے تو یہ غذا کی ترقی یافتہ شکل ہوگی جس کے لئے مخارق کے استعمال کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، صرف منافذ ومجاری سے مقصد حاصل ہوجائے گا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اکل وشرب صرف معنیً ہے صورۃً نہیں ہے، اسلئے روزہ فاسد ہوگا اور صرف قضا لازم آئے گی۔

۶- پیچھے کے راستے سے جو چیز بھی اندر داخل کر کے چھوڑ دی جائے، مذہب حنفی کے مطابق مفسد صوم ہوگی، دوا اور غیر دوا، سیال غیر سیال سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور اس کی توجیہ کچھ لوگ صورت جماع سے کرتے ہیں، اور کچھ اس کو ''دخول الشيء إلى الجوف من المخارق العادية'' پر محمول کرتے ہیں جو اقرب الی الصواب ہے۔

بواسیر کی بیماری میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ وہ جگہ ایسی ہے جہاں سے اندر جذب کی قوت پائی جاتی ہے، اور بواسیر کے مرہم کی ٹیوب خاص طور پر اس انداز سے بنائی جاتی ہے کہ اس کا معتد بہ حصہ آسانی سے اندر چلا جاتا ہے اور اس کے اطراف سے مرہم نکل کر اندر پھیل جاتا ہے، فتح القدیر میں ہے:

''لو خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه'' (فتح القدير/ ۷۳. وكذا في رد المحتار ۲/۱۰۸)۔

(اگر مقعد کا اندرونی حصہ باہر آجائے اور اس کو پانی سے دھل کر خشک کئے بغیر اٹھ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کئے جائیں اگر باہر سے ان کا تعلق ہمہ وقت برقرار رہتا ہے اور ان پر کوئی ایسا مادہ نہیں ہے جس کے چھوٹ کر اندر رہ جانے کا خطرہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، بصورت دیگر روزہ جاتا رہے گا، بہر حال دخول یا استقرار فی الداخل کی شکل پیدا نہیں ہونی چاہئے جو موجب فساد ہے۔

۷- آگے کے راستے سے اشیاء کے داخل کرنے کے معاملہ میں مرد اور عورت کے مابین فرق ہے، اگر عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں کوئی چیز رکھ کر چھوڑ دی جائے، اور باہر سے اس کا ربط باقی نہ رہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن مرد کے عضو میں ڈالی جانے والی دوا جب تک مثانہ تک نہیں پہنچتی بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ مثانہ کا وہ حصہ جو عضو تناسل سے جڑا ہوتا ہے بند رہتا ہے، اس لئے عضو تناسل کی حیثیت خارج کی ہے، یا اس کی حیثیت اس مقام کی ہے جہاں سے اشیاء دوسری جگہ سرایت نہیں کرتیں، مثانہ تک دوا وغیرہ پہنچنے کی صورت میں ائمہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس کے بعد بھی روزہ ٹوٹنے کے قائل نہیں، کیونکہ مثانہ کے اوپر کسی چیز کے جانے کا راستہ نہیں ہے، پیشاب صرف رس رس کر مثانہ میں جمع ہوتا ہے، لیکن دوسرے ائمہ مثانہ تک دوا پہنچ جانے کی صورت میں عورت کی طرح مرد کے روزہ ٹوٹ جانے کا فتوی دیتے ہیں، اور یہ بجا بھی ہے، کیونکہ مثانہ تک دوا پہنچ جانے کے بعد مرد اور عورت میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ہے، گردوں سے مثانہ تک پیشاب جانے کے راستے دونوں کے لئے ایک جیسے ہیں۔

مرض کی تحقیق کے لئے آلات کے استعمال میں سابقہ تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض صورتوں کا حکم

مولانا عبدالقیوم پالنپوری [1]

۱- اگر قلب کا مریض روزہ کی حالت میں کسی دوا کو زبان کے نیچے دبا کر اس طرح رکھتا ہے کہ اس دوا اور لعاب میں مل جانے والے اس دوا کے اجزاء کو نگلنے سے بچائے رکھے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور ضرورۃً ایسا کرنے کی گنجائش ہے، فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے:

''ولو مص الهليج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه كذا في الظهيرية (الفتاوى الهنديه وكذا في ردالمحتار ۲/ ۱۴۲)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ سفوف تمباکو کا مرکب اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے مفسد صوم نہیں ہے، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس سفوف کا استعمال بحالت صوم بلا ضرورت مکروہ ہے (امداد الاحکام ۳/ ۱۳۱)۔

۲- اگر روزہ کی حالت میں پمپ یا انہیلر کے ذریعہ حلق کے راستہ سے پھیپھڑے یا معدہ میں صرف ہوا پہنچائی جائے اور اس میں کسی دوا کا جز شامل نہ ہو تو بلاشبہ روزہ فاسد نہ ہوگا، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: ''ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ پمپ کے ذریعہ پہنچائی جائے جبکہ اس میں کوئی چیز نہ ہو (فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۵۴)۔

اور اگر روزہ کی حالت میں یا انہیلر کے ذریعہ ہوا کے ساتھ دوا کا مختصر سفوف بھی حلق کے راستہ صرف پھیپھڑے تک پہنچایا جائے اور اس بات کا پورا یقین ہو کہ یہ دوا جوف معدہ میں بالکل نہیں پہنچتی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ فقہاء کرام کی حسب ذیل عبارات اور حضرت مفتی شفیع صاحب کی تحریر سے سمجھ میں آتا ہے۔

عالمگیری میں ہے: ''في دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ'' (نیز دیکھئے: ردالمحتار مع الدر ۲/ ۱۴۰)۔

درمختار میں ہے: ''أوخرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه يعني ولم يصل إلى جوفه، أما إذا وصل فإن غلب أو تساويا فسد وإلا لا، إلا إذا وجد طعمه'' (در مختار ۲/۱۳۴)۔

حضرت مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ کسی چیز کا محض منہ کے اندر پہنچ جانا مفطر نہیں، کیونکہ دوسرا جز یعنی ابتلاع کا فساد صوم کے لئے موقوف علیہ ہونا قابل غور ہے، کیونکہ بتصریح فقہاء مدار فساد صوم یہ ہے کہ کوئی مفطر چیز جوف دماغ یا جوف معدہ میں پہنچ جائے، خواہ ابتلاع (نگلنے) کے ساتھ یا بغیر ابتلاع...... الخ (امداد المفتین سوم چہارم/ ۷۱)۔

اور حضرت مفتی شفیع صاحب دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً (بدن کے) کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے...... الخ (امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۵)۔

اور بدائع میں ہے:

''ولو وصل إلى الرأس ثم خرج لا يفسد، بأن استعط بالليل ثم خرج بالنهار لأنه لما خرج علم أنه لم يصل إلى

[1] جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

الجوف أو لم يستقر فيه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

اور اگر پھیپھڑے ہی میں پہنچنا یقینی نہیں بلکہ اس کا کوئی جز جوف بطن میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۳- روزہ کی حالت میں کوئی دوا بھاپ کے ذریعہ سے منہ یا ناک کے راستہ سے اندر پہنچانا درست نہیں، اور اس طرح دوا پہنچانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ بھاپ دھواں یا دھواں کے مانند ہے، نیز اس میں پانی کا بھی کچھ حصہ ہوتا ہے، یہ صرف ہوا نہیں ہے، اور فقہاء کرام نے حلق یا ناک میں قصداً دھواں پہنچانے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''من أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه لا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه، وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله امداد'' (۲/۱۳۳)۔

۴،۵- انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا یا جسم کی غذائی ضرورت پوری کرنا یا تکمیلات پوری کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کیلئے گلوکوز چڑھانا یا خون چڑھانا مفسد صوم نہیں ہے، اور اس مسئلہ پر ماضی قریب کے تقریباً تمام علماء ہند و پاک کا اتفاق ہے (امداد الفتاوی ۲/۱۴۵، فتاوی دار العلوم قدیم، سوم چہارم ۶۸ تا ۷۰، امداد الاحکام ۳/۱۳۲-۱۳۳، فتاوی رحیمیہ ۲/۳۸، احسن الفتاوی ۴/۴۳۲، فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۴۹، کفایت المفتی ۴/۲۳۹، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۵)، اور اس سے روزہ اس لئے فاسد نہیں ہوگا کہ روزہ کے فاسد ہونے کا دارو مدار منافذ اصلیہ سے دماغ یا جوف معدہ میں کسی مفطر کے پہنچنے پر ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگر کوئی مفطر منافذ اصلیہ (حلق، ناک، کان، فرج، دبر) کے علاوہ سے بھی دماغ یا جوف معدہ میں بلا واسطہ پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، انجکشن کے ذریعہ جو چیز بدن میں پہنچائی جاتی ہے وہ نہ تو منافذ اصلیہ سے دماغ یا جوف معدہ میں پہنچتی ہے، اور نہ غیر منافذ اصلیہ سے بلا واسطہ دماغ یا جوف معدہ میں پہنچتی ہے، بلکہ غیر منافذ اصلیہ سے بواسطہ مسامات و عروق پہنچتی ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ڈاکٹروں کی تحقیق اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے، اور خون کے ساتھ شرائین اور اوردیہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی ہے، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا شرط ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوی کی تصریح کرتی ہیں...... الخ (فتاوی دار العلوم قدیم سوم چہارم ۶۸ تا ۷۰)۔

اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ افطار کا مدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو منافذ اصلیہ سے دخول مفطر ہے اور امام صاحب مخارق اصلیہ کے سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیہ اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارق اصلیہ کی طرح بلا واسطہ جوف دماغ تک متصل ہوں (امداد الاحکام ۳/۱۳۲)، البتہ بلا ضرورت روزہ کی حالت میں انجکشن اور گلوکوز چڑھانے کے ذریعہ قوت حاصل کرنا اور بدن کی غذائی یا دیگر ضروریات پوری کرنا، امام صاحب کے قول کے قیاس پر مکروہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے مفتی بہ قول کے قیاس پر مکروہ بھی نہیں ہے، اور حضرت تھانویؒ نے دونوں قول میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ان کاموں سے روزہ پر بے صبری کا اظہار ہوتا ہو تو مکروہ ہیں، اور اگر ان کاموں سے عبادت میں سہولت پیدا کرنا اور ان سے عبادتوں میں مدد حاصل کرنا ہے تو مکروہ نہیں ہے (دیکھئے: امداد الفتاوی ۲/۱۴۰)۔

۶- اس سوال میں ذیلی تین سوال ہیں: (۱) بواسیری مسوں پر روزہ کی حالت میں مرہم یا دوا لگانے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بواسیری مسے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا بواسیری مسوں پر روزہ کی حالت میں لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ فساد صوم مقید ہے موضع حقنہ تک تری پہنچ جانے سے، اور وہ موضع بہت بعید ہے، معمولاً وہاں تک تری نہیں پہنچتی، اس لئے فساد کا حکم نہ کیا جائے گا (امداد الفتاوی ۲/۱۴۹، وکذا فی احسن الفتاوی: ۴۴۰ جلد چہارم)۔

در مختار میں ہے:

''أو أدخل إصبعه اليابسة في دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد، وهذا قلما يكون. ولو كان فيورث داء عظيم''

ردالمحتار میں ہے: ''قوله ولومبتلة فسد، لبقاء شيء من البلة في الداخل، وهذا ولو أدخل الإصبع إلى موضع الحقنة كما يعلم مما بعده'' (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۳۹۷)۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سیال یا غیر سیال دوا پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیال یا غیر سیال دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا'' وإذا احتقن يفسد صومه '' (ردالمحتار ۲/۱۴۰)۔

''وفي المحيط البرهاني: وإذا استنجى وبالغ حتى وصل الماء إلى موضع الحقنة يفسد صومه من غير كفارة'' (المحيط البرهاني ۳/۳۴۷)۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے کوئی آلہ پیچھے کے راستہ سے اندر داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر داخل کیا جانے والا آلہ تر ہو یا اس پر مرہم، تیل یا دوا کا سفوف وغیرہ لگا ہوا ہو تو اس کے موضع حقنہ تک پہنچ جانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اور جب کہ اس داخل کئے جانے والے آلہ کا ایک کنارہ باہر رہتا ہے اگر وہ خشک ہو اور موضع حقنہ یا اس کے آگے تک پہنچایا جائے تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''أو أدخل عودًا ونحوه في مقعدته وطرفه خارج (أي لا يفسد)'' (شامی ۲/۱۳۷)۔

۷- اس سوال میں بھی تین سوال ہیں، تینوں کے جواب یہ ہیں:

روزہ دار مرد کی پیشاب گاہ میں تر یا خشک نلکی مثانہ تک پہنچائی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''إذا أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب (أي لا يفسد)'' (شامی ۲/۱۳۷)۔

روزہ کی حالت میں خواتین کی شرمگاہ میں (یعنی فرج داخل میں) کوئی سیال یا جامد دوا رکھی گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا

''أو أقطر في إحليله ماء ودهنا --- وأما في قبلها فمفسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (شامی ۲/۱۳۸)۔

روزہ کی حالت مین خواتین کی شرمگاہ میں رحم یا مثانہ تک کوئی پانی سے تر یا دوا یا سفوف لگا ہوا آلہ یا نلکی پہنچائی گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا (شامی ۲/۱۳۸)۔

لیکن اگر خشک آلہ یا نلکی روزہ کی حالت میں اندر پہنچائی گئی یا اس کا ایک کنارہ باہر رہتا ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اور اگر داخل کر کے پورا یا کچھ حصہ باہر کھینچ کر پھر اندر کر دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا (دیکھئے: شامی ۲/۱۳۸)۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں کہ فرج میں خشک انگلی داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا...... البتہ اگر انگلی گیلی ہو یا خشک انگلی فرج میں ڈال کر پوری یا کچھ حصہ باہر کھینچ کر پھر اندر کر دی تو روزہ فاسد ہو جائے گا (احسن الفتاویٰ ۴/۴۵۵)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی نئی پیش آمدہ صورتیں

مولانا حفیظ الرحمن مدنی[1]

فسادِ صوم یا عدم فساد سے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے قبل تمہیدی طور پر فقہائے کرام کے چند اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے جو ہدایہ، بدائع الصنائع، البحر الرائق، الدر المختار، فتاوی شامی، اور عالمگیری کی عبارتوں سے ماخوذ ہوتے ہیں، نیز ان کی جانب رہنمائی مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب ''جواہر الفقہ''، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب ''فقہی مسائل'' اور ''کتاب الفتاوی'' کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہے۔

فقہائے کرام کے چند اصول:

۱۔ درحقیقت اکل وشرب مفطرِ صوم ہے، جو حلق کی فطری راہ یعنی منفذ سے وجود میں آتا ہے، لیکن فقہائے کرام نے احتیاطاً وضرورۃً اکل وشرب پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا ہے، جن کے ذریعہ داخل ہونے والی شے براہِ راست پیٹ یا دماغ تک پہنچ جائے۔

۲۔ اصل شے نہ پہنچے بلکہ اس کا اثر پہنچے، تو یہ مفسد صوم نہیں، اگر ہوتا تو حلق تر کرنے کے لئے صرف کلی کرنے یا جسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنے سے فسادِ صوم لازم آتا، حالانکہ بالاتفاق کلی وغسل سے فساد لازم نہیں آتا ہے۔

۳۔ اکل وشرب کا موضع مستقر جوفِ بطن اور جوف دماغ ہے نہ کہ پورا جسم، اور نہ ہی عروق وشرائین، اور نہ ہی گوشت کے اجزاء۔

۴۔ جائفہ پیٹ کے گہرے زخم اور آمہ سر کے گہرے زخم پر لگائی جانے والی دوا بھی تر ہونی چاہئے، کیونکہ خشک دوا جوف بطن ودماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔

'' ولو داوی جائفة أوآمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة والذی يصل هو الرطب''
(ہدایہ: ۱/۲۲۰، مفسدات صوم)۔

''وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلى الجوف أو الدماغ'' (بدائع الصنائع ۲/ ۹۳)۔

۵۔ فطری منفذ سے پہنچنے والی شے بہرحال مفسد ہے بشرطیکہ جوف میں قرار حاصل کرے۔

۶۔ غیر منفذ سے پہنچنے والی وہی شے مفسد صوم ہوگی جس میں بدن کی اصلاح ہو، چنانچہ صاحب ہدایہ نے کان میں ڈالنے والی دوا کو مفسد قرار دیا ہے مگر پانی کو نہیں (دیکھئے: فتاوی الشامی ۲/ ۹۹)۔

۷۔ اصل صرف جوف بطن ہے لیکن جوف دماغ کو اس لئے اس میں شامل کیا گیا کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے۔

''قال فی البحر الرائق: والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا أصليًا فما وصل إلى جوف الرأس وصل إلى جوف البطن'' (جواہر الفقۃ: ۴/ ۷۶، بحوالہ شامی: ۲/ ۱۶)۔

۸۔ امام ابو یوسفؒ کی تحقیق یہ ہے کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے اور طرفینؒ کے نزدیک منفذ نہیں ہے، اسی لئے امام ابو یوسفؒ مثانہ میں پہنچنے کو مفسد مانتے ہیں اور طرفین نہیں مانتے۔

[1] مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد، مئو (یوپی)۔

۹۔ مفتی محمد شفیع نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے کہ ڈاکٹروں کی تحقیق اور تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا بطن میں پہنچنا ضروری ہے۔ مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ لہذا انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں۔

۱۰۔ گلوکوز بیماری کے علاج کے علاوہ چڑھایا جائے تو اس میں غذا مقصود ہوتی ہے جو اصلاح بدن کے لئے ہے، لہذا علاج کے علاوہ چڑھانا مفسد ہوگا۔

اس تمہید کے بعد بالترتیب سوالوں کے جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ امراض قلب کی دوا کا زبان کے نیچے دبانا مفسد صوم نہیں جب کہ اس سے ملے ہوئے اجزائے لعاب کو نگلنے سے بچا جائے۔ باری تعالیٰ نے زبان اور تالو کے اندر ایسی قوت اخذ و احساس رکھی ہے کہ دوا کے اس سے مس کرنے کا اثر پورے جسم پر پڑتا ہے، چنانچہ ہومیوپیتھک دواؤں کا علاج اکثر اسی طریقے سے ہوتا ہے۔ لیکن اس سے نفس دوا نہیں پہنچتی بلکہ جوف تک صرف اس کا اثر پہنچتا ہے جب کہ فساد صوم کے لئے نفس مفطر شے کا پہنچنا ضروری ہے۔

۲۔ انہیلر کے ذریعہ دوا اور ہوا صرف پھیپھڑے تک پہنچتی ہے جو جوف دماغ اور بطن دونوں سے خارج ہے، اور فساد صوم کے لئے جوف تک پہنچنا شرط ہے۔ اور وہ مفقود ہے، لہذا مفسد صوم نہیں ہوگا۔

۳۔ بھاپ یا جدید آلات کے ذریعہ اندر لے جانے والی دواؤں سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ ہوا اور بھاپ کی شکل میں دوا براہ راست جوف معدہ تک پہنچتی ہے جو مفسد ہے، جیسا کہ اصول نمبر ۵ کے تحت بدائع الصنائع کی عبارت سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

۴۔ اس میں تفصیل ہے، عروق کے انجکشن سے فساد صوم لازم نہیں آتا جیسا کہ ڈاکٹروں کی تحقیق اور تجربہ اصول نمبر ۹ کے تحت ذکر کیا گیا، کہ دواؤں کے اثرات صرف پہنچتے ہیں وہ بھی غیر منفذ سے۔

انجکشن مفسد صوم نہیں۔ اگر انجکشن سے دوا سینہ یا پیٹ تک نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (کفایت المفتی ۴/۲۴۰)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: "انجکشن کے ذریعہ جو چیزیں جسم میں داخل کی جاتی ہیں وہ عموماً رگوں کے واسطے سے قلب و دماغ یا معدہ تک پہنچتی ہیں، اور ایک ایسی راہ سے جو منفذ نہیں ہے، مختلف نظائر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء کرام ایسی صورتوں کو مفسد نہیں مانتے" (جدید فقہی مسائل ۱/۸۵)۔

البتہ وہ انجکشن جو غذا کے لئے لگائے جاتے ہیں اس سے چونکہ اصلاحِ بدن متعلق ہے جو فساد صوم کا سبب ہے لہذا اس سے فساد صوم لازم آئے گا۔

۵۔ گلوکوز کا چڑھانا چونکہ اصطلاحاً اکل و شرب سے خارج ہے، کیونکہ اس سے براہ راست دوا جوف بطن تک نہیں پہنچتی بلکہ رگوں کے ذریعہ خون کے ساتھ پورے جسم میں پھیل جاتی ہے، اور روزہ اصل شے کے جوف بطن یا دماغ تک پہنچنے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی شے کا اثر پہنچنے سے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ گلوکوز سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور بلا عذر چڑھانا مکروہ ہے، اور اسی طرح طاقت کے انجکشن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۸۸)۔

۶۔ (الف) سیال یا غیر سیال اگر دبر سے اندر داخل کی جائے اور جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو مفسد ہے، کیونکہ دبر عند الفقہاء فطری منافذ میں سے ہے، اور جوف تک نہ پہنچنے کی صورت میں مفسد نہیں ہے۔

پاخانہ کے مقام میں دوا پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ احلیل میں دوا ڈال سکتا ہے (کفایۃ المفتی ۴/۲۴۰)۔

(ب) بواسیر کے مسّوں کے بارے میں تفصیل ہے، مسّوں کو دبانے سے یا ہاتھ کو پانی میں تر کرکے، یا مسّوں کی طہارت پانی سے کرکے مسّوں کو دبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی وجہ دو ہے:

۱۔ اس واسطے کہ مسّوں کا محل دبر کا کنارہ ہے، اس جگہ پر پانی پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نہ معذور کا نہ غیر معذور کا۔

۲- اس واسطے کہ جو رطوبت پانی کی مسّوں پر رہ جائے گی وہ مسّوں کے ساتھ جوف میں داخل ہوگی لیکن اس سے احتراز ممکن نہیں، یہ اضطرار کی ایک صورت ہے، لہٰذا مفسد نہیں ہوگی، جیسے پانی کی رطوبت جو بعد کلی کے منہ میں رہ جاتی ہے وہ مفسد صوم نہیں۔

''قال في الدر المختار: إذا أكل الصائم أو شرب أو جامع ناسيًا أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكرًا استحسانًا لعدم إمكان التحرز عنه أو بقي بلل فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الريق انتهى مختصرًا فقط'' (فتاوی الشامی ۲/۹۷، تالیفات رشیدیہ/ص ۳۶۷)۔

مفتی عبد الرشید صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''بواسیری مسّے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی شئ جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہٰذا مسّوں کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے اور مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۴۴۰)۔

۷- عورتوں کی شرمگاہ کے اندرونی حصے میں کوئی چیز رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ عورتوں کے اندر یہ فطری منفذ موجود ہے، جو بطن تک پہنچ جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر مردوں کے عضو تناسل میں کوئی چیز ڈالی جائے تو طرفین کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ معدہ اور اس کی نالی کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے، بلکہ مثانہ کا واسطہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ اصول (۸) کی روشنی میں واضح ہے۔

اور جب عورت کی شرمگاہ منفذ ہے تو سیال یا جامد دوا یا بعض آلات کا رحم تک پہنچنا فطری منفذ سے پہنچنا قرار پایا، البتہ اگر پورا آلہ اندر غائب ہو گیا تو استقرار کے حکم میں ہو کر مفسد صوم ہوگا، ورنہ نہیں، اسی طرح جامد دوا کا جوف تک پہنچنا محتمل ہے لہٰذا جوف معدہ تک پہنچنا مفسد صوم ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔

روزہ اور نئے وسائل کا استعمال

مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی[1]

۱-امراض قلب سے متعلق بعض دواؤں کا حکم:

امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اگر دوا کے اجزاء لعاب کے ساتھ اندر داخل نہ ہوتے ہوں بلکہ صرف اس کا اثر اندر پہنچتا ہو تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، چنانچہ فقہاء کرام نے بلا عذر کسی چیز کے چکھنے کو مکروہ اور عذر ہو تو جائز قرار دیا ہے۔

''کرہ ذوق شئ ومضغہ بلاعذر لما فیہ من تعریض الصوم للفساد، ولا یفسد صومہ لعدم الفطر صورۃ ومعنی قید بقولہ بلاعذر لأن الذوق بعذر لا یکرہ'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹، حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۵۲)۔

اسی طرح فقہاء نے بدمزاج شوہر کی بیوی کے لئے سالن چکھنے کی اجازت دی ہے (حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۳۵۲)۔

علامہ شامی ہلیلہ چوسنے کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ومص إھلیلج أی بأن مضغھا فدخل البصاق حلقہ ولا یدخل من عینھافی جوفہ لایفسد صومہ'' (حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۲۸)۔

(ہلیلہ کا چوسنا یعنی اس طور پر کہ اس کو چبائے پھر لعاب حلق میں داخل ہو جائے بعینہ وہ چیز اندر داخل نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

۲-تنفس کے مریض کے لئے روزہ کی حالت میں انہیلر لینے کا حکم:

روزہ کی حالت میں انہیلر لینے سے روزہ فاسد ہو جائیگا کیونکہ فقہاء نے عمداً کسی چیز کے دھواں لینے سے روزہ کو فاسد قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

''لو أدخل حلقہ الدخان أفطر أی دخان کان ولو عودًا أوعنبرًا لو ذاکرًا لإمکان التحرز عنہ'' (الدر المختار مع الرد ۲/۳۲۷)۔

(اگر دھواں اپنے حلق میں داخل کیا تو روزہ فاسد ہو جائیگا، کسی قسم کا بھی دھواں ہو خواہ عود وغیرہ کا ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ روزہ کا ہونا یاد ہو، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن ہے)۔

اگر مریض ایسا ہو کہ سال کے بعض حصے میں انہیلر لینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو اور روزہ رکھنے کی استطاعت ہو تو ان دنوں میں رمضان کے روزہ کی قضا کرلے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، ومن کان مریضًا أو علی سفر فعدۃ من أیام أخر" (البقرۃ: ۱۸۵)۔

اور اگر سال بھر انہیلر کے بغیر چارہ نہ ہو تو انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے تا کہ اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت

[1] جامعہ عائشہ نسواں، مادنا پیٹ، حیدرآباد۔

ہو جائے، اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کر دیں، اور اگر صاحب استطاعت نہ ہوں تو انہیلر لیتے ہوئے روزہ کا رکھ لینا کافی ہوگا، انشاء اللہ۔

۳- روزہ کی حالت میں بھاپ لینے کا حکم:

روزہ کی حالت میں جوشاندہ یا کسی دوا کا بھاپ لینے یا مشین کے ذریعہ ناک اور منہ سے بھاپ اندر پہنچانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ روزہ دار اگر ناک یا منہ کے ذریعہ جان بوجھ کر دھواں اندر کھینچتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (دلیل گذر چکی)

۴، ۵- روزہ کی حالت میں انجکشن وگلوکوز لینے کا حکم:

شریعت میں روزہ کی حالت میں جن چیزوں سے منع کیا گیا وہ کھانا پینا ہے جو حلق کے فطری راستہ سے انسان کے معدہ تک پہنچتی ہے، اور فقہاء نے بطور احتیاط کھانے اور پینے پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا گیا ہے جس میں کوئی چیز انسان کے پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہنچ جائے، اس لئے فقہاء نے ایسے زخم جو پیٹ اور سر میں ہو اور معدہ اور دماغ تک زخم کے ذریعہ راستہ بن گیا ہو ان میں دوا ڈالنے کو روزہ فاسد ہو جانے کا باعث قرار دیا ہے، کیونکہ اس صورت میں دوا براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔

علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر'' (ہدایہ ۱/۲۰۰، حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۶)۔

اور فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب کہ کوئی چیز فطری راستہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچے چنانچہ علامہ کاسانی رقم طراز ہیں

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (البدائع ۲/۲۴۳)۔

فقہاء کی ان تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے انجکشن اور گلوکوز کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ گلوکوز اور انجکشن کے ذریعہ معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی ہے بلکہ دوائیں رگوں اور مسامات کے ذریعہ پورے جسم میں پھیلتی ہیں، اس لئے انجکشن اور گلوکوز پر دوا کھانے پینے کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا انجکشن کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اس مسئلہ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ روزہ کی حالت میں پانی پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن اگر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جائے یا حلق خشک ہو رہا ہو تو تراوٹ پیدا کرنے کے لئے کلی کیا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ حلق میں پانی نہیں پہنچتا ہے بلکہ پانی کا اثر پہنچتا ہے۔

چنانچہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے:

رأيت رسول الله ﷺ بالعرج يصب الماء على رأسه وهو صائم من العطش أو من الحر'' (موطا امام مالک: باب ماجاء الصوم في السفر، ابوداؤد: ۲۳۶۵)۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں دیکھا کہ آپ نے اپنے سر پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈالا تھا حالانکہ آپ روزہ سے تھے۔

الحاصل یہ کہ مرض و بیماری کی وجہ سے انجکشن یا گلوکوز لینا جائز ہے، لیکن محض تقویت کے لئے گلوکوز لینا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔

۶- پیچھے کے راستہ سے سیال یا غیر سیال دوا چڑھانے کا حکم:

روزہ کی حالت میں سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائیں تو روزہ فاسد ہو جائیگا، چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے:

''وإذا احتقن يفسد صومه'' (تاتارخانیہ ۲/۳۶۵، دیکھئے: البحر الرائق ۲/۲۷۸)۔

روزہ دار جب حقنہ لگوائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴، حاشیه ابن عابدین ۳/۲۲۹)۔

(اور اگر روزہ دار نے اپنی انگلی سرین میں یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کیا تو صحیح قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر انگلی پانی یا تیل سے تر ہو تو پانی یا تیل کے اندر پہنچنے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے کا حکم:

روزہ کی حالت میں بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کی صورت میں یہ یقین ہو کہ مرہم کا مادہ پیٹ میں پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا، اور اگر شک ہے تو صرف شک کی بنیاد پر روزہ کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا، چنانچہ علامہ کاسانی روزہ کے ایک مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لا نحکم بالفساد مع الشك'' (البدائع ۲/۲۴۳)۔ (شک کے ساتھ فساد کا حکم نہیں لگائیں گے)۔

اسی طرح اگر صرف مرہم کا اثر پیٹ تک پہنچتا ہو نہ کہ خود مرہم کا مادہ تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ صرف اثر کے پہنچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں:

''ولو ادهن رأسه أو أعضائه فتشرب فيه أنه لا يضره لأنه وصل إليه الأثر لا عينه'' (البدائع ۲/۲۴۴)۔

(اگر کسی نے اپنے سر یا دوسرے اعضاء میں تیل لگایا اور وہ تیل جسم میں سرایت کر گیا تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ اندرونی جسم میں تیل کا اثر گیا ہے نہ کہ خود تیل)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے آلات کا اندر داخل کرنا:

امراض معدہ وغیرہ کی تحقیق کے لئے اگر کوئی آلہ اندر داخل کیا جائے اور اس کے ساتھ دوا اندر داخل نہ کیا جائے تو صرف آلات کے داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے روزے کی حالت میں لکڑی منہ کے راستے یا پیچھے کے راستہ سے اندر داخل کرلیا اور اس کا دوسرا کنارہ باہر رکھا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر پوری طرح اندر داخل کرلیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''إن الصائم إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة'' (البدائع ۲/۲۴۴، حاشیه ابن عابدین ۲/۲۲۹)۔

(روزہ دار جب لکڑی کو پیچھے کے راستہ میں داخل کرلے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر جبکہ لکڑی کے دونوں کنارے غائب ہوجائیں)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''لو ابتلع خشبة وطرفها في يده ثم أخرجها لا يفسد صومه ولو ابتلع كلها فسد صومه'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴، حاشیه ابن عابدین ۳/۲۲۹)۔

(اگر لکڑی کو نگل گیا اور اس کا دوسرا کنارہ اس کے ہاتھ میں ہے، پھر اس کو نکال دیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر پوری لکڑی نگل گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا)

۷- آگے کی راہ سے بعض اشیاء کا اندر تک پہنچانے کا حکم:

(الف) عورت کی شرمگاہ میں سیال دوا ڈالنے کی صورت میں بالاتفاق احناف کے نزدیک روزہ فاسد ہوجائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴، البدائع ۲/۲۴۴، حاشیه ابن عابدین ۳/۲۳۲)۔

(عورتوں کی شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائیگا، یہی صحیح رائے ہے)۔

(ب) اوراسی طرح اگر کسی عورت کے فرج داخل میں کوئی جامد دوار کھی گئی تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اس لئے کہ فقہاء نے فرج داخل کو جوف کا حصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

''إن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما فى حكمه'' (حاشيه عابدين ۲/۳۲۲)۔

(ج) اور اگر مرد کی شرمگاہ سے دوانکی کے ذریعہ مثانہ تک پہنچائی گئی تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں سیدنا امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور علامہ شامیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۳۳)۔

اور امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہوجائیگا، صاحب بدائع کا رجحان بظاہر اسی طرف معلوم ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳)۔

اختلاف کی بنیاد در حقیقت اس بات پر ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی سوراخ ہے یا نہیں، طرفین ان دونوں کے درمیان سوراخ تسلیم نہیں کرتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ ان دونوں کے درمیان منفذ کے قائل ہیں، اس لئے ان کے نزدیک مثانہ تک دوا پہنچانے کی صورت میں روزہ فاسد ہوجائے گا۔

علامہ کاسانیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی اختلاف اور وجہ اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''والظاهر أن البول يخرج منه خروج الشئ من منفذه'' (البدائع ۲/۲۴۲)۔

(اور ظاہر بات یہ ہے کہ پیشاب اپنے منفذ سے ایسا ہی نکلتا ہے جیسا کہ عام چیزیں اپنے منفذ سے نکلتی ہیں)۔

طبی طور پر امام ابوحنیفہ کی رائے کی تائید ہوتی ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان کوئی سوراخ نہیں ہے، اس لئے مرد کی شرمگاہ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر چہ کہ دوا مثانہ تک پہنچ جائے۔

(د) مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات کا رحم تک پہنچانے کی صورت میں روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کا حکم وہی ہے جو اس سے پہلے امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کے اندر داخل کئے جانے کی صورت میں گذر چکا۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل کے شرعی احکام

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری[1]

۱-روزہ کی حالت میں زبان کے نیچے دوا دبا کر رکھنے کا شرعی حکم:

امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اسی طریقہ پر مذکورہ دوا کا استعمال کیا جائے اور اسی دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر مریض اس دوا کو یا لعاب آمیز اجزاء کو نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

''ولو شدّ الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل'' (البحر الرائق ۲/۲۰۰)۔

(اگر کھانا کو دھاگہ میں باندھ کر اس کو اپنے حلق میں ڈال لیا اور دھاگہ کا آخری حصہ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا ہے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، مگر جب دھاگہ ہاتھ سے چھوٹ کر پیٹ میں چلا جائے تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

''عن عائشة إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (مجمع الزوائد ۲/۱۶۷، نیز السنن الکبری للبیہقی ۴/۱۱۶)۔

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹ جائے گا جو چیز پیٹ میں پہنچ جائے، اور روزہ اس صورت میں نہیں ٹوٹے گا جب کہ پیٹ سے باہر کوئی چیز نکلے)۔

۲-روزہ کی حالت میں انہیلر استعمال کرنے کا شرعی حکم:

آج کل دمہ (Asthama) کے علاج کے لئے انہیلر (Inhaler) کا استعمال کیا جاتا ہے، اس کو منہ کے پاس لے جا کر پچکاری کی طرح دبایا جاتا ہے، جس سے خشک پاؤڈر کی طرح نکلتا ہے، مریض اسے ناک کے ذریعہ کھینچتا ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ دھواں کی طرح صاف نظر آتا ہے، اور دھواں ناک سے اوپر کی طرف کھینچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کوئی ایسا مریض ہے کہ جسے بار بار انہیلر لینا پڑتا ہے، اگر وہ نہ لے تو تنفس میں اس قدر اضافہ ہونے لگتا ہے کہ نڈھال ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ ادا کرنے کی گنجائش ہے (الموسوعہ الفقہیہ ۲۸/۲۹ تا ۳۱)۔

خلاصہ یہ کہ انہیلر جامد ہو یا سیال، خشک پاؤڈر و سفوف کی طرح ہو یا گیلا ہو، پھیپھڑے یا گردے، یا دل، یا تلی، یا آنت و معدہ یا دماغ تک پہنچایا جائے، یا صرف پھیپھڑے تک پہنچتا ہے اور معدہ میں نہیں جاتا ہے، یا دونوں جگہوں پر پہنچتا ہے، ہر حال میں روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

۳-روزہ کی حالت میں بھپارہ لینے کا شرعی حکم:

بعض اوقات مریض کو بھپارہ لینے کی ضرورت پڑتی ہے، خواہ وہ جوشاندہ کا ہو یا کیپسول (Capsule) کے سفوف کا، جسے ناک کے ذریعہ اوپر کی طرف کھینچا جاتا ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں اگر بلا ارادہ بھاپ اندر چلا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ روزہ دار اگر ناک کے ذریعہ عمداً دھواں اوپر کی طرف کھینچتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر راستہ چلتے ہوئے دھواں اندر چلا گیا، اس نے خود اوپر کی جانب نہیں کھینچا تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اس لئے کہ یہ انسان کا غیر اختیاری عمل ہے، اس سے بچنا ناممکن ہے (اس کی تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۶۲، الرد المحتار ۲/۱۰۶، الدر المختار ۲/۱۰۶، رمضان کے شرعی

[1] مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ، دربھنگہ۔

احکام/ص ۱۸۴، جدید فقہی مسائل/ص ۱۸۷-۱۸۸)۔

حاصل یہ کہ بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے ایجاد ہوئے ہیں، اس کے ذریعہ بھاپ کو ناک اور منہ کے راستہ اندر پہنچایا جاتا ہے، روزہ کی حالت میں عصر قدیم اور عصر حاضر کے طرز پر بھاپ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۳۶)۔

۴-روزہ کی حالت میں انجکشن لینے کا شرعی حکم:

انجکشن کے بارے میں علماء عصر کا اختلاف رہا ہے، لیکن راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ وہ مفسد صوم نہیں ہے، جس کی وجہ مختصراً یہ ہے کہ روزہ اسی وقت فاسد ہوجاتا ہے جب کہ کوئی چیز جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچائی جائے (درس ترمذی ۲/۶۲۶ تا ۶۲۸)۔

اس بات کو مفتی شفیع صاحبؒ مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شریانوں یا وریدوں میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا جوف بطن میں براہ راست دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچنا ضروری ہے، کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شریانوں اور وریدوں) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں، فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقۃً اس دعوی کی صراحت کرتی ہیں:

اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا، بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا براہ راست جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے، ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلّمات فقہاء میں ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں منفذ اصلی سے نہیں پہنچی اس لئے اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

''كما صرح به الشامي حيث قال: وأفاد أنه لو ألقى فى قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا ولا شك فى ذلك'' (شامی ۲/۱۰۳، ومثله فى الخلاصه ۱/۲۵۳، نقلا عن ابی بکر البلخی، درس ترمذی ۲/۶۲۶)۔

۵-روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے کا شرعی حکم:

روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ روزہ کے ٹوٹنے کے لئے ضروری ہے کہ جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچنے والی چیز منافذ اصلیہ کے ذریعہ پہنچے، اور غیر منافذ اصلیہ سے کسی چیز کا پہنچنا ناقض صوم نہیں، اور ظاہر ہے کہ گلوکوز سے جو دوا جوف میں پہنچتی ہے وہ منافذ اصلیہ کے ذریعہ نہیں پہنچتی لہٰذا مفسد صوم نہ ہوئی (ردالمحتار ۲/۱۰۶، بدائع الصنائع ۲/۹۳، فتح القدیر ۲/۲۶۷، کتاب الفتاوی ۳/۳۹۱-۳۹۲، رمضان کے شرعی احکام/ص ۱۸۵-۱۸۶)۔

اس مسئلہ میں مولانا یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے، بلا عذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸)۔

۶-روزہ کی حالت میں حقنہ لگانے کا شرعی حکم:

بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جاتی ہیں اسی کو حقنہ اور انیما کہتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں حقنہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ حقنہ کے ذریعہ دوا سیال ہو یا غیر سیال ہو براہ راست مخارق اصلیہ سے گذر کر جوف بطن تک پہنچتا ہے (تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۲۸/۳۸-۴۰، بدائع الصنائع ۲/۹۳، البحر الرائق ۲/۲۹۹، رمضان کے شرعی احکام/ص ۱۹۹)۔

روزہ کی حالت میں بواسیری مسوں پر مرہم لگانے کا شرعی حکم:

روزہ کی حالت میں اگر بواسیر کے مریض کو پائپ کے ذریعہ دوا اندر تک پہنچائی جائے تب تو اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ براہ راست دوا کے معدہ تک پہنچنے کا قوی امکان ہے (جدید فقہی مسائل/ص ۱۸۵)۔

روزہ کی حالت میں بواسیر کا مریض اگر اندرونی مسوں پر مرہم لگائے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ مرہم کا کوئی مادہ پیٹ میں نہیں پہنچتا ہے بلکہ مرہم کا اثر پیٹ میں پہنچتا ہے۔

''فإن داوا ہا بدواء یابس لا یفسد، لأنہ لم یصل إلی الجوف و لا إلی الدماغ''

(بدائع الصنائع ۲/ ۹۳، احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۰، رمضان کے شرعی احکام/ص ۱۹۹، جدید فقہی مسائل/ص ۱۸۵-۱۸۶)۔

(اگر کوئی خشک وجامد دوا سے علاج کیا یعنی مرہم لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ دوا اور مرہم پیٹ میں اور دماغ میں نہیں پہنچتا ہے)۔

روزہ کی حالت میں (Endoscopy) کے استعمال کرنے کا شرعی حکم:

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں۔ ''امراض کی شناخت کا ایک طریقہ انڈوسکوپی بھی ہے''۔ یہ پیچھے کے راستہ سے کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ پیٹ کے اندر اور پیشاب اور پاخانہ کے راستہ کا معائنہ کیا جاتا ہے، تو روزہ کی حالت میں بھی یہ درست ہے، کیونکہ اس میں محض ایک پتلا پائپ ہوتا ہے، اس پائپ میں چھوٹا سا بلب لگاتے ہیں، اس پائپ کے ذریعہ پیٹ کا پورا معائنہ کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور دوا وغیرہ اندر داخل نہیں کی جاتی، پھر پائپ نکال لیتے ہیں، اس سلسلے کی نظیر علامہ ابن نجیم یوں نقل کرتے ہیں:

''ولو أدخل خشبة أو نحوہا وطرفا منہا بیدہ لم یفسد صومہ، قال فی البدائعوھذا یدل علی أن استقرار الداخل فی الجوف شرط لفساد الصوم'' (البحر الرائق۲/۳۰۰ دارالمعرفہ بیروت، بدائع الصنائع ۲/۹۳ رشیدیہ ردالمحتار۲/۱۰۷، رمضان کے شرعی احکام/ص ۱۹۸)۔

بہر حال جو کوئی پیچھے کے راستہ میں لکڑی وغیرہ داخل کرے، اور اس کا دوسرا کنارہ باہر رہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر پوری طرح اندر چھپ گئی کہ باہر کچھ نہیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

روزہ کی حالت میں معدہ میں نلکی ڈالنے کا شرعی حکم:

آج کل معدہ کے بعض امراض کی شناخت کے لئے معدہ تک منہ کے ذریعہ نلکی پہنچائی جاتی ہے جو بعض دفعہ گوشت کا ٹکڑا کتر کر اپنے ساتھ لاتی ہے اور اس پر تحقیق ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس شخص کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اصل میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا مدار اس بات پر ہے کہ معدہ میں داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر گئی ہے یا واپس آ گئی ہے؟ اگر ٹھہر گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

ابن عابدین شامی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ما دخل فی الجوف إن غاب فیہ فسد وھو المراد بالاستقرار وإن لم یغب بل بقی طرف منہ فی الخارج أو کان متصلا بشئ خارج لا یفسد لعدم استقرارہ'' (ردالمحتار۲/۱۰۷، بدائع الصنائع۲/۹۳، البحر الرائق۲/۳۰۰، رمضان کے شرعی احکام/ص ۲۱۷، جدید فقہی مسائل/ص ۱۸۶، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)۔

(جو کچھ پیٹ میں داخل ہو، اگر وہ پیٹ میں رہ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور یہاں استقرار سے مراد یہی ہے، اور اگر پیٹ میں رہ نہیں گیا بلکہ ایک کنارہ باہر ہے یا باہر کسی شئ سے کنکشن ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس شئ کا استقرار نہ پایا گیا)۔

۷-روزہ کی حالت میں مرد کے آلہ تناسل میں دوا یا نلکی پہنچانے کا شرعی حکم:

روزہ کی حالت میں مرد اپنے آلہ تناسل کے سوراخ میں زخم یا کسی دیگر مرض کی بنا پر دوا لگائے یا تیل ڈالے کبھی حبس البول کی بنا پر ڈاکٹر نلکی ڈال کر پیشاب کا اور پیشاب کے راستہ کا معائنہ کرتا ہے، پھر نلکی کے ذریعہ سیال یا غیر سیال دوا پہنچائی جاتی ہے تا کہ پیشاب کھل کر جاری ہو جائے تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ براہ راست آلہ تناسل اور جوف بطن تک کوئی منفذ نہیں ہے، بلکہ مثانہ اور آلہ تناسل کے درمیان ایک حوض ہے مثانہ سے ایک پائپ اوپر اوپر ہوتا ہوا حوض پر آ کر لٹکا ہوا ہے اس سے پیشاب ترشح ہو کر حوض میں جمع ہوتا رہتا ہے، مثانہ اور حوض کے درمیان بھی براہ راست کوئی منفذ نہیں ہے۔ ہاں حوض اور آلہ تناسل کے درمیان براہ راست منفذ ہے، آلہ تناسل حوض میں لگا ہوا ہے، جب حوض بھر جاتا ہے تب آلہ تناسل کے سوراخ سے پیشاب نکلتا ہے۔

''إذا أقطر فى إحليله لا يفسد صومه عند ابى حنيفة ومحمد...''(فتاوى هنديه ۱/۲۰۴، شرح الوقايه ۱/۲۴۸، الموسوعه الفقهيه ۲۸/۲۰، الدر المختار ۲/۱۰۹، بدائع الصنائع ۲/۹۳، البحر الرائق ۲/۳۰۰ تا ۲۰۱، المغنى على مختصر الخرق ۳/۱۰ دار الكتب بيروت)۔

روزہ کی حالت میں عورت کی اندام نہانی میں دوا اور ہاتھ ڈالنے اور اسپٹر سکوپ استعمال کرنے کا شرعی حکم:

اگر عورت کی اندام نہانی میں روزہ کی حالت میں زخم و کھجلی یا اور کوئی خطرناک مرض کی بنا پر دوا لگائی جائے یا سفوف رکھی جائے دوا سیال یا یا جامد ہو ہر حال میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ عورت کی اندام نہانی سے جوف بطن تک براہ راست فطری منفذ موجود ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ عورت کی اندام نہانی میں کسی بھی قسم کی دوا ڈالنا مفسد صوم ہے۔

(درمختار ۲/۱۰۷-۱۰۸ تا ۱۱۰، بدائع الصنائع ۲/۹۳، البحر الرائق ۲/۳۰۱، جدید فقہی مسائل/ص ۱۸۳)۔

اور اگر انگلیاں بالکل خشک تھیں، یا پلاسٹک کا خشک دستانہ پہن کر اندام نہانی میں ہاتھ ڈالا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''وفى الإقطار فى إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح''(فتاوى هنديه ۱/۲۰۴)۔

(عورت کی اندام نہانی میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا، یہی صحیح رائے ہے)۔

''ولو أدخل إصبعه فى إسته أو المرأة فى فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء او الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن''(فتاوى هنديه ۱/۲۰۴)۔

(اور اگر مرد اپنی سرین میں یا عورت اپنی اندام نہانی میں انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، یہی مختار قول ہے، سوائے اس کے کہ انگلی پانی یا تیل میں تر ہو، ایسی صورت میں پانی یا تیل پہنچ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

اگر آلات کے اوپر دوا لگا کر عورت کی اندام نہانی اور رحم میں پہنچائی گئی ہے تو اس صورتحال میں روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہوگی، اور اگر بغیر دوا کے صرف آلات ہی اندام نہانی میں پہنچائی گئی، اندام نہانی اور رحم کے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے یا کسی بیماری کی تشخیص کے لئے تو اس صورت حال میں روزہ نہیں ٹوٹے گا (البحر الرائق ۲/۳۰۰ تا ۳۰۱، الموسوعہ الفقہیہ ۲۸/۴۱، رمضان کے شرعی احکام/ص ۲۲۷)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض جدید صورتوں کا حکم

مولانا غیاث الاسلام صدیقی ندوی [1]

۱- شریعت میں جہاں کہیں کسی بات کا قوی امکان پایا جاتا ہے اور عملاً اس بات کی تحقیق دشوار ہوتی ہے کہ وہ بات واقع ہوگی یا نہیں وہاں امکان کو واقع کا درجہ دیدیا جاتا ہے، نیند کو اسی لئے ناقض وضو مانا گیا ہے کہ اس میں خروج ریح کا قوی امکان ہے اور یقینی طور پر اس کی تحقیق دشوار ہے۔

امراض قلب سے متعلق بعض دوائیں جن کو نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اگر روزہ کی حالت میں ان کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تب بھی قوی امکان ہے کہ وہ حلق تک پہنچ جائے اور عملاً اس بات کی تحقیق دشوار ہے کہ حلق تک دوا یا اس کے لعاب زدہ اجزاء پہنچے یا نہیں، لہذا اس دوا کو مفسد صوم شمار کیا جائے گا۔

''لأنه لا يخلو عن وصوله إلى الحلق والجوف عادة والعادة محكمة''۔

۲- ''قال رسول الله ﷺ أسبغ الوضوء وخلل بين الأصابع وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائما (ترمذی ابواب الصیام)۔

روزے کی حالت میں مبالغہ فی الاستنشاق سے اس لئے روکا گیا ہے کہ اس سے پانی کے دماغ یا حلق تک پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

انہیلر کے ذریعہ دوا اگرچہ پھیپھڑے تک پہنچتی ہے اور معدہ تک نہیں پہنچتی لیکن حدیث بالا کے دلالۃ النص سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ قابل اکل وشرب چیزوں کا حلق تک پہنچنا مفسد صوم ہوگا، نیز انہیلر کی دوا جبکہ وہ حلق سے بھی گزرتی ہے کوئی یقینی بات نہیں کہ اس کا کچھ بھی حصہ معدہ تک نہ پہنچے، لہذا انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۳- حدیث استنشاق سے فقہاء نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی چیز جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچ جائے تو وہ مفسد صوم ہوتی ہے، اس اصول کی روشنی میں گرم پانی میں دوا ڈال کر اس سے نکلنے والے بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچنا یا اسی عمل کو کسی مشین کے ذریعہ کرنا مفسد صوم ہوگا۔

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

''من أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما'' (درمختار علی الھامش، باب ما یفسد صومه وما لا یفسد)۔

۴- جس انجکشن کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں پہنچائی جاتی ہے، اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے تاکہ خون کے ذریعہ پورے جسم میں اس کی رسائی ہو جائے وہ مفسد صوم نہیں، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه ...وأما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل

[1] شاد منزل جوگابائی ایکسٹینشن جامعہ نگر نئی دہلی۔

يفسد في قول أبي حنيفة'' (بدائع)۔

مفتی شفیع صاحبؒ علامہ کاسانی کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بدائع کی مذکور الصدر عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ کسی چیز کا بدن کے کسی حصہ کے اندر داخل ہوجانا مطلقاً روزہ کو فاسد نہیں کرتا، بلکہ اس کے لئے دو شرطیں ہیں، اول یہ کہ وہ چیز جوف معدہ میں یا دماغ میں پہنچ جائے، دوسرے یہ کہ یہ پہنچنا بھی مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے ہو، اگر کوئی چیز مخارق اصلیہ کے علاوہ کسی دوسری کیمیاوی طریق سے جوف معدہ یا دماغ میں پہنچادی جائے تو وہ بھی مفسد صوم نہیں، انجکشن کے ذریعہ بلاشبہ دوا یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہنچ جاتا ہے مگر یہ پہنچنا منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں، بلکہ عروق کے راستہ سے ہوتا ہے اور یہ راستہ منفذ اصلی نہیں، لہذا مفسد صوم نہیں (آلات جدیدہ: ۱۵۶)۔

مفتی صاحبؒ نے انجکشن کے مفسد صوم نہ ہونے کو ایک مثال سے بھی واضح کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

یہ ظاہر ہے کہ انجکشن کا طریقہ نہ عہد رسالت میں موجود تھا نہ ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں، اس لئے اس کا کوئی صریح حکم نہ تو کسی حدیث میں مل سکتا ہے نہ ائمہ دین کے کلام میں، البتہ فقہی اصول وقواعد اور نظائر پر قیاس کر کے ہی اس کا حکم شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے، سو اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو بچھو یا سانپ کاٹ لے تو یہ مشاہدہ ہے کہ زہر بدن کے اندر جاتا ہے، سانپ کا زہر تو اکثر دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے، بدن کے اندر جاتا ہے اور بعض جانوروں کے کاٹنے سے بدن پھول جاتا ہے، جس سے زہر کا بدن کے اندر جانا یقینی ہوجاتا ہے مگر دنیا کے کسی فقیہ عالم نے اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا، یہ انجکشن کی ایک واضح مثال ہے، اس کی وجہ وہی ہوسکتی ہے جو بدائع کے حوالے سے ابھی گزری ہے کہ یہ زہر اگرچہ بدن کے سب حصوں میں پہنچ گیا مگر مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں پہنچا اس لیے مفسد صوم نہیں ہے (آلات جدیدہ: ۱۵۷)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ انجکشن مفسد صوم نہیں ہے، لیکن جس انجکشن سے غذائی ضرورت پوری کی جائے وہ اپنے حکم میں گلوکوز کی طرح ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۵- روزہ کا ایک اہم مقصد ہے کہ بھوک پیاس اور غذائی کمی کا احساس دلا کر قوت شہوانیہ کو توڑا جائے تاکہ تقوی پیدا ہو، نیز فقراء ومساکین کے فقر وفاقہ کا احساس دل میں پیدا ہو، جب انجکشن سے یا گلوکوز کے ذریعہ غذائی ضرورت پوری کردی جائے اور ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت انسان میں متحقق نہ ہو تو مذکورہ مقصد صوم کا فوت ہونا لازم آتا ہے، اسی لئے فقہاء نے افطار کے وقت اس طرح سیر ہوکر کھانے کو کہ تلافی مافات ہوجائے منافی روح صوم قرار دیا ہے (دیکھئے: إحیاء علوم الدین؛ کتاب الصوم، حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۹)۔

پھر اگر انجکشن کے مفسد صوم نہ ہونے کے دلائل کو بنیاد بنا کر گلوکوز اور غذائی انجکشن کو حالت صوم میں جائز قرار دے دیا جائے تو ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہر ایک اس سے استفادہ کرنے لگے گا اور صوم کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا۔ اس پر یہ اشکال درست نہیں ہوگا کہ حالت صوم میں غسل کرنا ثابت ہے جس کی وجہ سے بھوک و پیاس کا احساس کم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ احساس کم کرنے اور بالکلیہ ختم کردینے میں بڑا فرق ہے۔

لہذا انجکشن کے ذریعہ جسم کی غذائی ضرورت پوری کرنا اور جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھانا مفسد صوم ہوگا۔

۶- بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جاتی ہیں۔ اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی وضاحت قابل لحاظ ہے:

''وأطلق الدواء مشتمل الرطب واليابس لأن العبرة للوصول لا لكونه رطبا ويابسا وإنما شرطه القدوری لأن الرطب هو الذی يصل إلى الجوف عادة حتى لو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد - ولو علم أن اليابس وصل فسد صومه'' (البحر الرائق ۱/۲۷۹)۔

(مصنف نے دوا مطلق کہا ہے، اس میں خشک وتر دونوں شامل ہیں، کیونکہ پہنچنے کا اعتبار ہے نہ کہ خشک وتر ہونے کا، البتہ صاحب قدوری نے تر ہونے کی

شرط لگائی ہے، اس لئے کہ تر دوا عام طور پر پیٹ میں پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر دوا نہ پہنچنے کا علم ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر خشک دوا کے پہنچ جانے کا یقین ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا)۔

معلوم ہوا کہ فساد صوم میں اصل اعتبار دوا کے معدہ تک پہنچ جانے کا ہے، دوا سیال ہو یا غیر سیال، یا مسوں پر لگایا جانے والا مرہم ہو اگر معدہ تک پہنچنے کا علم ہو گیا تو مفسد صوم ہے ورنہ نہیں۔ چونکہ اس کی تحقیق دشوار ہے اس لئے حالت صوم میں ایسی دواؤں سے احتیاط ہی بہتر ہے۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی یہ عبارت قابل لحاظ ہے:

''ولو شدّ الطعام بخيط وأرسله في حلقه و طرف الخيط في يده لا يفسد الصوم''

(اگر کھانا دھاگہ سے باندھے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے اس طور پر کہ دھاگہ کا ایک کنارہ خود اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

علامہ کاسانیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اصولی بات فرمائی ہے:

''وہذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(یہ اس بات کی دلیل ہے کہ داخل ہونے والی چیز کا معدہ میں ٹھہرنا فاسد ہونے کے لئے شرط ہے)۔

معلوم ہوا کہ یہ آلات اگر تر نہیں ہیں اور جوف میں انہیں ٹھہرنا بھی نہیں ہے، تو مفسد صوم نہیں ہیں۔ بہر حال احتیاط بہتر ہے۔

۷- عورتوں کے اندر اگلا حصہ ایک فطری منفذ ہے جو بطن تک پہنچتا ہے، لہذا اگر غیر سیال دوائیں میں رکھی جائے تو منفذ اصلی میں ہونے کی وجہ سے اس کا جوف معدہ میں پہنچنے کا قوی امکان پایا جاتا ہے، اور عملاً اس کی تحقیق دشوار ہے، لہذا امکان کو واقع کا درجہ دے دیا جائے گا اور سیال کے ساتھ ہی غیر سیال کو بھی مفسد صوم مانا جائے گا۔

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (الفتاوی الہندیہ ۲۰۴/امفسدات الصوم)۔

مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جائے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جائیں اگر ان میں تری نہ ہو تو ان کا ناقض صوم نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

☆☆☆

جدید وسائل اور روزہ پر پڑنے والے اثرات

مفتی محمد فیاض احمد قاسمی[1]

کتب فقہ کی مختلف نظائر سے فساد صوم کے سلسلہ میں چند بنیادی چیزیں سامنے آتی ہیں:

(۱) فطری منفذ کا ہونا (۲) جوف دماغ یا جوف معدہ تک پہنچنا (۳) بذریعہ منہ داخل کی جانے والی چیزیں ماکول معتاد ہوں یا غیر معتاد (۴) منہ کے علاوہ راستے سے داخل کی جانے والی چیز مصلح للجسم ہوں (۵) شئی مدخول کا جوف دماغ یا جوف بطن میں استقرار ہو۔

سوالنامہ میں پوچھے گئے سوالوں کے جوابات انہیں اصولوں کی روشنی میں پیش ہیں:

۱- زبان کے نیچے رکھی جانے والی دوا جسے نگلا نہیں جاتا اور نہ ہی لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلا جاتا تو روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے اگر روزہ دار نے زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ اندر کوئی چیز نہیں گئی۔

''قالت عائشة دخل علي رسول الله ﷺ فقال: يا عائشة هل من كسرة؟ فأتيته بقرص فوضعه على فيه فقال: يا عائشة هل دخل بطني منه شيء؟ كذلك قبلة الصائم إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (ملتقى الابحر ۱/۱۹۹)۔

''وفي الشامي أو ذاق شيئا بفمه وإن كره لم يفطر'' (شامی ۲/۱۰۱)۔

۲- انہیلر میں چونکہ دوا سفوف کی شکل میں بھاپ نما ہوتی ہے جسے حلق تک پہنچایا جاتا ہے اور اس عمل سے گو زیادہ تر دوا سانس کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جاتی ہے، لیکن وہ جاتی تو ہے منفذ اصلی (حلق) سے ہی، اور حلق میں دو راستے اندر کی طرف نکلتے ہیں: ایک پھیپھڑے کی نلی، دوسرے پیٹ کی نلی۔ تو یہ حلق میں جانے والا بھاپ کیا یقین کہ وہ صرف پھیپھڑے ہی میں جائے اور معدہ میں نہ جائے، لہذا اس غیر یقینی تفریق کا کوئی اعتبار نہیں، بہر حال یہ مفسد صوم ہوگا، اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے حقہ پینے کو مفسد قرار دیا ہے، اسی طرح اگر کسی چیز کی دھونی لے اور اس کا دھواں حلق میں داخل کرلے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، حالانکہ جب یہ دھواں ہے تو صرف پھیپھڑے ہی میں جاتا ہوگا، پھر بھی فقہاء نے اسے مفسد قرار دیا ہے، معلوم ہوا کہ اصل مدار منفذ اصلی سے دخول ہے، اس لئے جب انہیلر والا بھاپ حلق سے اندر پہنچایا گیا تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا اور روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه فليتنبه. قوله انه لو أدخل حلقه الدخان، أي بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه ... الخ (درمع الشامی ۲/۹۷۔ وکذا فی مجمع الانہر ۱/۲۴۵)

۳- گرم پانی میں ڈالی گئی دوا کا بھاپ ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچنے سے جوف دماغ یا جوف معدہ میں منفذ اصلی کے ذریعہ اندر تک پہنچتا ہے جو کہ مصلح للجسم بھی ہے اس لیے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح اس عمل کے لیے کسی مشین کا استعمال بھی روزہ کی حالت میں درست نہ ہوگا کیونکہ یہ بھی مفسد صوم ہے، کما في الشامي وبه علم حكم شرب الدخان ... الخ (۲/۹۷)

۴- انجکشن کے ذریعہ جو چیزیں جسم کے اندر پہنچائی جاتی ہیں وہ عام طور پر ایک ایسی راہ سے گزرتی ہیں جو ان کا منفذ اصلی نہیں ہوتا، اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارتیں دو طرح کی ہیں: اول یہ کہ فقہاء نے مطلقاً زخم پر دوا ڈالنے کو مفسد نہیں فرمایا بلکہ اس میں بھی جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے۔

''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة والذي يصل هو الرطب'' (ہدایہ ۱/۲۰۰)۔

کیونکہ انہی دو قسموں کے زخم سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے، ورنہ صرف جوف بدن اور جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں

[1] جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔ دوم یہ کہ بہت سی مسلمات فقہاء ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن جوف دماغ یا جوف معدہ میں نہیں پہنچی اس لیے اس کو مفطر صوم نہیں قرار دیا۔

''کما فی الشامی وأفاد أنه لو ألقی فی قصبة الذکر لا یفسد اتفاقا ولا شك فی ذلك'' (۲/۱۰۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مفسد صوم وہ چیز ہے جو جوف معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، اور انجکشن کے ذریعہ جو دوا اندر پہنچائی جاتی ہے وہ رگوں کے اندر ہی رہتی ہے، جوف معدہ یا جوف دماغ میں نہیں جاتی اس لیے مفسد صوم نہیں، یا بذریعہ انجکشن پہنچنے والی چیز جو معدہ یا دماغ میں اگر پہنچ بھی جائے تو بھی مفسد نہیں، کیونکہ وہ اصل جوف معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچتی بلکہ معدہ ودماغ میں جو شرائین اور رگیں ہیں ان کے اندر دوا پہنچتی ہے، قعر معدہ یا جوف معدہ میں نہیں پہنچتی۔

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف والاذن، والدبر فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه، وأما إذا وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من غیر المخارق الأصلیة لا یفسد'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

۵- غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لیے جو گلوکوز چڑھایا جاتا ہے چونکہ وہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا اس لیے مفسد صوم نہیں، البتہ بلا عذر گلوکوز چڑھانے کو علماء نے مکروہ لکھا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۸۸)۔

اس لیے میری رائے میں بھی اس طرح کا گلوکوز جو صرف جسم کی نمکیات کو پورا کرے اور اس سے قوت غذائی حاصل کی جائے اور اس کے ذریعہ بھوک کے احساس کو ختم کیا جائے، روزہ کی حالت میں اس کے استعمال کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

۶- کان، ناک اور سرین کے راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچنے والی چیزوں کو فقہاء نے مفسد قرار دیا ہے، کیونکہ یہ ایسے فطری منافذ ہیں جہاں سے دوائیں یا غذائیں اندر تک پہنچ جاتی ہیں، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف، والأذن، والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

لہذا پیچھے کے راستے سے اندر تک پہنچائی جانے والی سیال یا غیر سیال دوا سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مقعد کے راستے داخل کی جانے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے وہ مفسد نہیں، لہذا بواسیری مسون پر لگائی جانے والی دواؤں سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر اندر اس حد تک پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لیتا ہے یا خود وہ معدہ میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے احتیاط بہتر ہے (فتاوی دار العلوم ۶/۴۱۱)۔

''کما فی الشامی لو أدخل إصبعه الیابسة فیه ای فی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد الخ ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسد'' (درمختار ۲/۹۹)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لیے جو آلات اندر مقعد میں داخل کیے جاتے ہیں اگر اس کا دوسرا سرا باہر رہتا ہے تو وہ مفسد صوم نہیں ہوگا۔

اس کی نظیر فقہ کا یہ جزئیہ ہے کہ کسی نے مقعد میں لکڑی داخل کیا اور اسکا دوسرا سرا باہر رہا تو وہ مفسد نہیں۔

''کما فی الدر المختار أو أدخل عودًا ونحوه فی مقعده وطرفه خارج وإن غیبه فسد'' (شامی ۲/۹۹)۔

اسی طرح وہ آلات داخل کرنے کے بعد پورا یا کچھ حصہ باہر کی جانب کھینچ کر پھر اندر کیے جائیں تو بھی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۷- مرد کے آگے کی راہ سے دوا یا دیگر چیزیں اندر مثانہ تک پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور عورتوں کی شرمگاہ میں سیال یا جامد کسی قسم کی دوا رکھنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ ایسا راستہ ہے جہاں سے چیزیں جوف معدہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

''وإذا أقطر فی إحلیله لا یفسد صومه عند أبی حنیفة ومحمد وفی الإقطار فی إقبال النساء یفسد بلاخلاف وهو الصحیح هکذا فی الظهیریة'' (عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

عورتوں کی شرمگاہ میں مرض کی تحقیق کے لیے جو آلات داخل کیے جاتے ہیں، اسکے مفسد اور عدم مفسد کے سلسلہ میں وہی تفصیلی حکم ہے جو جواب (۶) میں گذرا ہے

روزہ اور جدید وسائل کا استعمال

مفتی محمد جمال الدین قاسمی [1]

قرآن وحدیث میں جس چیز سے روزہ کی حالت میں منع کیا گیا ہے وہ کھانا پینا ہے، جب انسان کھاتا پیتا ہے تو حلق کے فطری راستے سے کھانے پینے کی چیزیں معدہ تک پہنچتی ہیں، اسی بنا پر کھانے پینے کو مفطرات صوم قرار دیا گیا ہے، پھر فقہاء کرام نے بطور احتیاط کھانے پینے پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا ہے جس میں کوئی چیز انسان کے پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہنچائی جائے، اسی لئے ایسے زخم جو سر اور پیٹ میں ہو، اور دماغ ومعدہ تک زخم کے ذریعہ راستہ بن گیا ہو تو ان میں دوا ڈالنے کو روزہ ٹوٹ جانے کا سبب قرار دیا ہے، اس زخم کو فقہاء جائفہ اور آمہ سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ اس طرح دوا دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے، اسی لئے ہندیہ میں ہے:

''إن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

مگر دماغ اور پیٹ تک دوا یا غذائی چیزیں فطری منفذ سے داخل ہونا روزہ ٹوٹنے کا باعث ہے، اگر ان دونوں جوفوں میں غذا یا دوا کے قبیل کی چیزیں پہنچیں، لیکن فطری منفذ کے علاوہ رگوں یا مسامات بدن کے واسطے سے پہنچیں تو وہ مفطرات صوم میں داخل نہ ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ اگر تبرید کیلئے کوئی شخص غسل کرے اور مسامات بدن میں پانی گھسنے کی وجہ سے جسم تر وتازہ ہو جائے، اور ایک قسم کا نشاط پیدا ہو جائے، یا پانی سے تر کپڑا جسم پر ڈال کر کوئی ٹھنڈک حاصل کرے، جبکہ مسامات بدن کے واسطے سے اندر تک پانی کے اثرات پہنچے ہیں، لیکن فقہاء کی تصریح ہے کہ روزہ ان امور سے فاسد نہ ہوگا۔ درج بالا امور کو سامنے رکھتے ہوئے، سوالات کے جوابات یہ ہیں:

۱- امراض قلب سے متعلق جو دوائیں ایسی ہوں جنہیں زبان تلے صرف دبایا جاتا ہو، اور اس دوا کے جو اجزاء لعاب سے مل جاتے ہوں، ان کے نگلنے سے پوری طرح بچا جاتا ہو، اور حلق کے نیچے اسکا کوئی جز نہ اترتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ معدہ یا دماغ میں براہ راست کوئی چیز داخل نہیں ہوئی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''الفطر مما دخل'' (ابن ابی شیبہ /۵۱)۔

اور مجمع الزوائد میں ہے: ''إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج'' (مجمع الزوائد ۳/۱۶۷)۔

۲- انہیلر کے بارے میں جیسا کہ سوال میں صراحت ہے، اور ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے۔ اور حلق میں دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، اور اسے بالقصد حلق سے نیچے اتارا جاتا ہے، اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، فقہاء لکھتے ہیں:

''لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر'' (شامی ۲/۳۶۶)۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صراحت ہے: ''الفطر مما دخل'' (ابن ابی شیبہ ۳/۵۱)۔

۳- بھاپ لینا چاہے قدیم طرز کے مطابق ہو، یا جدید آلات کی مدد سے ہو، اسکا حکم بھی دھواں اور بخور جیسا ہوگا، جس طرح بالقصد دھواں اور بخور لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح بھاپ لینے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، موسوعہ فقہیہ میں بھی اسے مفسدات صوم میں سے قرار دیا گیا ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۲۸/۳۶) کیونکہ دھواں کی طرح بھاپ بھی ذی جرم ہے۔

[1] دار العلوم حیدر آباد۔

۴- جسم کے اندر انجکشن کے ذریعہ دوا پہنچانا خواہ دوا کی ضرورت سے ہو، یا جسم کی غذائی ضرورت پوری کرنے کی نیت سے ہو، روزہ بہر صورت نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ روزہ اسی وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بعینہ فطری منفذ کے ذریعہ پیٹ یا دماغ تک پہنچے، انجکشن کے ذریعہ کوئی چیز معدہ تک پہنچتی ہے اور نہ ہی دماغ تک براہ راست، بلکہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں، اور پھر رگوں کے واسطے سے پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ انجکشن کو عرف عام میں کھانا پینا نہیں بولتے، پانی پینے سے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن روزے کی حالت میں اگر ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غسل کیا جائے تو اگرچہ پانی کا اثر مسامات بدن کے واسطے سے جسم کے اندر تک پہنچتا ہے، لیکن فقہاء اسے ناقض صوم قرار نہیں دیتے، ہندیہ میں ہے:

''ومن اغتسل فی ماء وجد برده فی باطنه لا یفطر'' (عالمگیری ۱/۲۰۲)۔

اور اس عبارت سے پہلے ایک اور جزئیہ شرح مجمع کے حوالے سے ہندیہ میں ہے:

''وما یدخل فی مسامات البدن من الدهن لا یفطر'' (ہندیہ ۱/۲۰۲)۔

۵- گلوکوز سے قوت ضرور پہنچتی ہے، لیکن وہ منفذ اصلی سے نہیں پہنچتا، اسلئے اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ غذا کی مطلوبہ قوت فراہم کرنے کی نیت سے گلوکوز نہیں چڑھانا چاہئے، کیونکہ روزہ کے مقاصد میں سے ہے خود کو غذا سے محروم رکھنا، اسلئے محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے۔

۶- پیچھے کے راستہ سے سیال یا غیر سیال دوائیں پہنچائی جائیں، تو اس میں موضع حقنہ یا اس سے آگے تک یہ دوائیں پہنچ جاتی ہیں تو یہ صورت روزہ کو فاسد کردے گی، ورنہ نہیں، اور جہاں تک بواسیری مسّے کی بات ہے تو وہ چونکہ موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس لئے ان پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، موضع حقنہ کو روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کا معیار جو فقہاء نے قرار دیا ہے اسی بنیاد پر جس شخص کو کانچ نکل آنے کا مرض ہو، اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر کانچ کو تر کرکے اندر کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، فتح القدیر میں ہے:

''إن خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ینشفه فسد صومه وإلا لا. لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن یصل إلی الباطن بعود المقعدة'' (شامی ۲/۱۰۸)۔

اور صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسد وهذا قلما یکون ولو کان فیورث داءًا عظیمًا'' (درمختار مع الشامی ۲/۱۰۸)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے براہ مقعد اگر کوئی آلہ داخل کیا جائے، اور کچھ دیر کے بعد پھر اسے نکال لیا جائے، تو دیکھا جائے گا کہ ان آلات پر دوا یا کوئی اور چیز ڈال کر معدہ یا موضع حقنہ تک پہنچایا جارہا ہے، یا صرف خشک حالت میں وہ آلات ان جگہوں تک پہنچائے جاتے ہیں، اگر پہلی صورت ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر دوسری صورت ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، چنانچہ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

''ولو ابتلع لحما مربوطا علی خیط ثم انتزعه من ساعته لا یفسد وإن ترکه فسد'' (عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

۷- آگے کی راہ خواہ مرد کی ہو یا عورت کی، اگر اس سے مثانہ تک، یا رحم تک، یا پھر عورت کی شرمگاہ میں نلکی، آلات یا دوا وغیرہ ڈالی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ مثانہ یا رحم کا تعلق پیٹ سے نہیں ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی نے مثانہ کے تعلق سے یہی بات اطباء کے حوالے سے لکھی ہے، پھر اس پر علامہ شامی کا تبصرہ بھی لائق توجہ ہے، انہوں نے بھی فرج داخل میں دوا وغیرہ رکھنے کو زیلعی کی بات کی روشنی میں غیر مفسد قرار دیا ہے، ادھر فقہاء کی تصریح ہے کہ جوف دماغ یا جوف بطن میں جب کوئی چیز قرار پکڑے تب وہ مفسد صوم ہے (ہندیہ: ۱/ ۲۰۳) بنابریں ابن ہمام، زیلعی اور ابن عابدین کے تبصرے سے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا (دیکھئے: شامی ۲/ ۱۰۹)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض شکلیں اوران کا حکم

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی [1]

نیت کے ساتھ ''إمساك عن الأكل والشرب والجماء من طلوع الفجر إلى غروب الشمس'' کوشرعاً صوم کہتے ہیں، لہذا یہ تینوں روزہ کے رکن ہوئے، اب اگر ان میں خلل پایا جائے، یعنی کھانے، پینے یا جماع کا بجائے امساک کے وجود پایا جائے تو وہ مخل بالصوم ومفسد صوم ہوگا، چاہے وہ خلل صورۃً ومعنیً ہو یا صرف معنیً ہو۔

۱- صورۃً ومعنیً ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معتاد طریقہ سے کوئی ایسی چیز جس کا تعلق بدن کی صلاحیت کے ساتھ ہے جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچائی جائے، دماغ میں جوف کا وجود چاہے مختلف فیہ ہو یا بالفرض وجود ہی نہ ہو پھر بھی ہمارے ان مسائل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ بقول علامہ کاسانیؒ وعلامہ ابن نجیم مصریؒ دماغ اور بطن کے درمیان ایک منفذ ہے لہذا جو چیز دماغ میں پہنچے گی وہ بالضرور بطن میں پہنچے گی۔

۲- جو چیز جوف میں جا رہی ہے اس کا استقرار شرط ہے، اور استقرار کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جوف میں غائب ہو جائے، اس کا کوئی حصہ خارج میں نہ رہے اور نہ ہی کسی خارجی چیز کے ساتھ اس کا اتصال ہو، ہاں اگر جوف میں داخل ہونے والی اس چیز پر تری یا دوا وغیرہ ہو تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا

''وعلى هذا الأصل يبنى بيان مايفسد الصوم وينقضه وذلك بالأكل والشرب والجماع سواء كان صورة ومعنى أوصورة لا معنى أو معنى لا صورة'' (بدائع ۱/۹۰)۔

''وكذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف'' (بدائع ۲/۹۳)۔

والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن۔(شامی ۲/۴۰۳)

۳- صرف معنیً کا یہ مطلب ہے کہ غیر معتاد طریقہ سے کوئی شئی مافیہ صلاح البدن دماغ یا پیٹ میں پہنچائی جائے۔

اب انہی اصولوں کی روشنی میں ہم مسئولہ صورتوں کا جائزہ لیتے ہیں:

۱- امراض قلب میں مستعمل دوا جسے صرف زبان کے نیچے دبایا جاتا ہے نگلا نہیں جاتا تو ظاہر ہے کہ جب نہ اسے نگلا جائے نہ لعاب میں ملنے والے اجزاء کو نگلا جائے تو یہ مفسد صوم نہیں ہے، نہ صورۃً نہ معنیً، پھر بھی احتیاط اولی ہے، کہ اس صورت میں اپنے روزہ کو خواہ مخواہ معرض فساد میں لانا ہے کہ ہر مریض اس کا خیال نہیں رکھ سکتا، اور اگر اس کے اجزاء لعاب میں مل کر نیچے چلے جاتے ہیں تو یہ مفسد صوم ہے۔

أو مص إهليلج بخلاف نحو سكر اى بأن مضغها فدخل البصاق حلقه ولايدخل من عينهافي جوفه لا يفسد صومه'' (شامی ۲/۳۹۶)۔

۲- انہیلر کی جو صورت ذکر کی ہے کہ اس میں دوا بھی ڈالی جاتی ہے پھر وہ ناک سے ہو کر پھیپھڑے تک پہنچتی ہے تو یہ مفسد صوم ہے، کیونکہ مافیہ صلاح البدن مخارق اصلیہ سے جوف میں پہنچائی گئی، رہ گئی یہ بات کہ وہ تو پھیپھڑے میں پہنچی ہے نہ کہ معدہ میں، تو فقہاء کی مختلف عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوف سے وہ پیٹ مراد لیتے ہیں جس میں معدہ، گردے، پھیپھڑے، آنت سب شامل ہیں، کیونکہ لوبان، عود وغیرہ کی دھونی کا جو مسئلہ بیان کیا ہے ظاہر ہے اسے بھی تو سونگھا ہی جاتا ہے، اور سونگھنے کا تعلق سانس کی نلی سے ہے نہ کہ کھانے کی نلی سے، اور سانس کی نلی پھیپھڑے تک ہی جاتی ہے نہ کہ معدہ میں، پھر بھی وہ مفسد صوم ہے۔ اسی طرح نیزہ وغیرہ کے جو مسائل بیان کئے ہیں وہاں پیٹ کا ذکر کیا ہے، معدہ، پھیپھڑے وغیرہ کی تفصیل نہیں کی ہے، نیز احتقان کی صورت میں بھی تو دوا آنت میں جاتی ہے سیدھی معدہ میں نہیں جاتی، لہذا چاہے یہ دوا پھیپھڑے میں پہنچی ہے پھر بھی مفسد صوم ہے، نیز یہ بھی

[1] دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

جاننا چاہئے کہ عامۃ مسائل شرعیہ کی بنیاد ایسی چیزوں پر رکھی گئی ہے جسے عام آدمی سمجھ سکے اور عمل کر سکے جیسے چاند وغیرہ کے مسائل، فلکی وطبی باریکیاں عوام کی دسترس سے باہر ہیں، اور باہر نہ ہوں تو دشوار تو ضرور ہیں، لہذا ایسی چیزوں پر مسائل کی بنیاد نہیں رکھ سکتے۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(اوطعن برمح فوصل إلى جوفه) وإن بقى فی جوفه كما لو ألقى حجر فی الجائفة أونفذ السهم من الجانب الآخر ولو بقى النصل فی جوفه فسد'' (شامی ۲/۳۸۷)۔

۳- بھاپ کے ذریعہ دوا کا اندر لینا چاہے سادہ طریقہ سے ہو یا مشین سے ہو جبکہ وہ ناک کے ذریعہ بھاپ کے ساتھ اندر پہنچ جاتی ہے، تو یہ صورت مفسد صوم ہے، جیسے کہ لوبان، عود، اگربتی وغیرہ سونگھنے کی صورت میں روزہ نہیں رہتا۔

''لو أدخل حلقه الدخان ای بأی صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر... الى قوله لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله'' (شامی ۲/۳۹۵)۔

۴- وہ انجکشن جو سیدھا پیٹ میں مارا جائے جیسے کتے کے کاٹنے کے وقت، یا سیدھا دماغ میں لگایا جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بقیہ انجکشنوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ انجکشن غذائی ہو یا دوائی۔ البتہ بغیر ضرورت کے غذائی انجکشن لینا کراہت سے خالی نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اظہار ضجر ہے۔

۵- گلوکوز چڑھانے سے بھی روزہ میں کوئی فساد نہیں آئے گا چاہے غذاء ہو یا دواء کو ملا کر ہو، مگر یہ بھی بلا ضرورت نہ چڑھائے کیونکہ اس میں بھی اظہار ضجر ہے۔

''(وإن وجد طعمه فی حلقه) لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (شامی ۲/۳۹۵)۔

۶- الف: دوا کا پیٹ میں پہنچانا چاہے سیال ہو کہ غیر سیال جبکہ وہ اندر پہنچائی ہے تو یہ مفسد صوم ہے۔

ب- بواسیر کے مسوں پر جو دوا رکھی جائے وہ مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ یہ مقام حقنہ سے بہت نیچے ہے اور فاصل مقام حقنہ ہے۔

ج- امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر اتارے جائیں اگر وہ تر نہیں ہے، نہ اس پر کوئی دوا لگی ہوئی ہے تو یہ مفسد صوم نہیں، ورنہ مفسد صوم ہے۔

''أو أدخل إصبعه فيه ای دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد'' (شامی ۲/۳۹۷)۔

''أوداوی جائفة أوآمة فوصل الدواء حقيقة أشار إلى أن ماوقع فی ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبنی على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول'' (شامی ۲/۴۰۰)۔

''ولو بالغ فی الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (شامی ۲/۳۹۷، نیز امداد الفتاوی ۲/۱۴۹ مع حاشیہ مفتی شفیع صاحب)۔

۷- آگے کی راہ میں جہاں تک دوا وغیرہ ڈالنے کا مسئلہ ہے تو مرد کی شرمگاہ میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ محقق قول کے مطابق اس کے اور جوف کے درمیان منفذ نہیں ہے، البتہ عورت کی فرج داخل میں دوا وغیرہ پہنچانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، رہی بات رحم میں آلات وغیرہ داخل کرنے کی تو اگر ان آلات پر پانی، محلول یا دوا وغیرہ نہیں لگائی گئی ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، ورنہ فاسد ہو جائے گا۔

''أو أقطر فی إحليله ماء أودهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب وأما فی قبلها ففسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (درمع الرد ۲/۴۰۰)۔ ''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقى طرفها فی فرجها الخارج لا. إن استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد'' (درمع الرد ۲/۳۹۷)۔

☆☆☆

مفطرات صوم کی بعض جدید صورتیں

مفتی عبدالکریم ہیری[1]

۲-آکسیجن اور انہیلر کا روزہ کی حالت میں استعمال کرنا:

انہیلر کا استعمال عموماً دمہ کا مریض ہی کرتا ہے، جس کو دمہ کا مرض ہوتا ہے اس کو سانس لینے میں بڑی دقت ہوتی ہے اور پھیپھڑوں میں کچھ کمزوری آتی ہے اور وہ اپنا کام کرنا بند کردیتے ہیں۔ انہیلر کا استعمال کرنے کے بعد دوا کے ذرات پھیپھڑوں میں پہنچ جاتے ہیں جس سے پھیپھڑے کھل جاتے ہیں اور مریض کی سانس تسلسل کے ساتھ شروع ہوجاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ روزہ میں انہیلر کے استعمال کرنے سے روزہ کا حکم کیا ہے؟

اس کو سمجھنے سے پہلے یہ واضح ہو کہ سانس کی نالی الگ ہوتی ہے اور غذا کی نالی الگ ہوتی ہے، معدہ الگ ہوتا ہے اور پھیپھڑے الگ ہوتے ہیں، اور جزئیات فقہیہ کی روشنی میں اوپر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ معدہ یا دماغ میں بالواسطہ کوئی شئی داخل ہوجائے تو مفسد صوم نہیں ہے، اور یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ مطلق جوف بدن میں کسی شئی کا پہنچنا بھی مفسد صوم نہیں ہے بلکہ جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنا شرط ہے۔

''لو ألقى فى قصبة الذكر لا يفسد اتفاقًا'' (شامی ۲/۱۰۳، ومثله فى الهنديه ۲/۲۰۴)۔

یہاں اگرچہ منفذ اصلی سے دوائی پہنچائی جارہی ہے مگر معدہ میں نہیں پہنچائی جارہی ہے بلکہ سانس کی نالی کے ذریعہ سے پھیپھڑوں میں پہنچائی جارہی ہے، اس لئے انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سانس کی نالی سے متصل غذائیں نالی ہونے کی وجہ سے اس نالی میں ذرات پہنچ جاتے ہوں مگر یقینی نہیں ہے بلکہ یہ بات مشکوک ہے، اور محض شک کی وجہ سے صاحبینؒ کے یہاں روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور ضرورۃً صاحبینؒ کے قول کو لیا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے ہدایہ ۱/۲۲۰ کے حاشیہ نمبر ۷ میں لکھا ہے

''على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبًا أو يابسًا وقالا لا لعدم العلم به فلا يفطر بالشك'' (ومثله فى الهنديه ۱/۲۰۴)۔

اور صاحبینؒ کا قول کیوں نہیں لیا جاسکتا جبکہ متاخرین علماء کرامؒ نے مذہب شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ پر کئی مسائل میں ضرورۃً عمل کیا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے

حاصل یہ ہے کہ بندہ کے نزدیک روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال مفسد صوم نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۳-بحالت صوم دواؤں اور زنڈو بام وغیرہ کا بھپارہ لینا:

بعض حکیمی، زنڈو بام اور دیگر دواؤں کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو جوش کئے ہوئے پانی میں ڈال کر اس کا بھاپ لیا جاتا ہے جس کا اثر بلاتاخیر حلق بلکہ سینہ تک پہنچ جاتا ہے، اس کو بھپارہ لینا کہتے ہیں، اس طرح بھپارہ لینے سے روزہ جاتا ہے بشرطیکہ بالیقین یہ معلوم ہوجائے کہ دوائیں یا بھاپ معدہ یا دماغ میں پہنچ گئی ہیں۔

فقہائے کرام کی کچھ عبارتیں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس طرح سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ ایک عبارت ہے:

''من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأى صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أوعود أوغيرهما'' (الدر المختار على هامش رد المحتار ۲/۳۹۰)۔

لیکن بندہ کو کسی قدر اس سلسلہ میں تامل ہے، کیونکہ کچھ ڈاکٹروں سے بندہ نے تحقیق کی کہ دوائیں زنڈو بام وغیرہ کا بھپارہ لینے سے اس کا اثر معدہ میں پہنچتا ہے یا پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے، تو ڈاکٹروں نے کہا کہ غذا کی نالی اور سانس کی نالی پر ایک پردہ ہوتا ہے جب غذائیں استعمال کی جاتی ہیں تو غذا کی نالی کا پردہ کھل

[1] الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم نیپانی، بیلگام، کرناٹک۔

جاتا ہے اور سانس کی نالی کا پردہ بند رہتا ہے، اور جب بھپارہ لیا جاتا ہے یا کسی دوا والے آلہ سے سانس لی جاتی ہے تو سانس کی نالی کا پردہ کھل جاتا ہے اور دوائیں سیدھے سانس کی نالی سے پھیپھڑوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس وقت غذا کی نالی کا پردہ بند رہتا ہے۔

لہٰذا اوپر بیان کردہ اصولوں، عبارات فقہیہ اور ڈاکٹروں کے قول کی روشنی میں بندہ کی تحقیق یہ ہے کہ بھپارہ لینے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبًا أو يابسًا وقالا: لا لعدم العلم به فلا يفطر بالشك'' (ومثله في الهنديه ۱/۲۰۴)۔

۴، ۵- انجکشن اور سلائن کے ذریعہ دوا، خون اور گلوکوز چڑھانے کا حکم:

انجکشن اور سلائن کے ذریعہ سے دوا، خون اور گلوکوز وغیرہ جسم میں داخل کی جاتی ہیں، وہ عموماً رگوں کے واسطہ سے قلب و دماغ یا معدہ تک پہنچتی ہیں اور ایک ایسی راہ سے داخل ہوتی ہیں جو اس کی حقیقی راہ اور فقہاء کرام کی لسانی منفذ نہیں ہے، فقہاء کرام کی مختلف عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورتوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، مثلاً:

۱- ہدایہ کی عبارت ہے:

''ولوداوى جائفةً أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أفطر عند أبي حنيفة والذى يصل هو الرطب'' (ہدایہ ۱/۲۲۰)۔

(اگر پیٹ یا دماغ کے اندر پہنچے ہوئے زخم کا دوا کے ذریعہ علاج کرے، پھر دوا اس کے دماغ تک پہنچ جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، اس طرح مرطوب دوا ہی پہنچ سکتی ہے)۔

گویا صرف دو قسم کے زخم ہیں جن میں دوا ڈالنے کو فقہائے کرام نے مفسد صوم قرار دیا ہے، ایک آمہ اور دوسرے جائفہ۔ آمہ سر کے گہرے زخم کو کہتے ہیں جو اصل دماغ تک پہنچ گیا ہو اور اس کے ذریعہ دوا بھی وہاں تک پہنچ جاتی ہو۔ جائفہ پیٹ کے اس زخم کو کہتے ہیں جو معدہ تک گہرا ہو اور اس کے ذریعہ سے دوا پیٹ تک پہنچ جاتی ہو۔ اس طرح گویا یہ زخم پیٹ یا دماغ تک پہنچنے کیلئے بلا واسطہ راہ اور منفذ پیدا کر دیتے ہیں، اس لئے ان میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے۔

اس کے برخلاف دوسرے زخموں پر دوا ڈالنا مفسد صوم نہیں ہے، چاہے وہ کوئی بھی زخم ہو، حالانکہ کوئی بھی زخم جو جسم کے اندرونی حصہ تک پہنچتا ہو اس پر ڈالی گئی دوائیں بالواسطہ معدہ یا دماغ تک پہنچ ہی جاتی ہیں مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ مطلق جوف بدن میں دوائیں پہنچنے سے مفسد صوم نہیں ہوتا بلکہ منفذ اصلی سے جوف دماغ یا معدہ میں پہنچنا شرط ہے۔

بعینہ اسی طرح انجکشن وغیرہ کے ذریعہ سے جو کچھ معدہ یا دماغ تک پہنچایا جاتا ہے وہ رگوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے بلا واسطہ نہیں پہنچایا جاتا، اس لئے انجکشن، سلائن وغیرہ سے دوائیں خون اور گلوکوز چڑھائی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور وجہ ظاہر ہے کہ دوا کا مطلق جوف بدن میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے۔ البتہ گلوکوز کا استعمال انتہائی مجبوری میں ہونا چاہیے، کیونکہ گلوکوز کے ذریعہ جسم میں غذا کی طرح تقویت پہنچانا ہے، اور روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے، بلا مجبوری گلوکوز استعمال کرنے سے روزہ مکروہ ہوگا۔

۲- اسی طرح دوسری عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً جوف بدن میں دوا پہنچائی جائے تو مفسد صوم نہ ہوگا، اور جوف معدہ یا دماغ تک دوائی پہنچائی جائے مگر منفذ اصلی سے نہیں بلکہ اس کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے پہنچائی جائے تو وہ بھی مفسد صوم نہ ہوگا، چنانچہ ہندیہ میں مذکور ہے:

''إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(مرد کے پیشاب کی راہ میں قطرہ ڈالے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ عورت کی شرم گاہ میں قطرہ ٹپکانے کی صورت میں بلا اختلاف روزہ ٹوٹ جائے گا، اور یہی صحیح ہے)۔

اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مرد کی پیشاب کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں بلکہ بتحقیق علامہ شامیؒ بالاتفاق

ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ مرد کے ذکر اور معدہ کے مابین منفذ نہیں ہے بخلاف عورت کے وہاں منفذ موجود ہے۔

۳- تیسری عبارت ہے:

''من ابتلع لحمًا مربوطًا على خيط ثم انتزع من ساعته لا يفسد صومه'' (ہندیہ۱/۲۰۲)۔

۴- چوتھی عبارت ہے جس سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ کوئی شئی مطلقاً بدن کے اندر داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ شئی جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے، دوسری یہ کہ پہنچنا مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی سے ہو، اگر کوئی شئی مخارق اصلیہ کے علاوہ کسی دوسرے کیمیاوی طریق سے جوف معدہ یا دماغ میں پہنچادی جائے تو بھی مفسد صوم نہیں ہے۔ انجکشن، سلائن وغیرہ سے جو کچھ بھی چڑھایا جاتا ہے بلاشبہ دوا کا اثر جسم میں پہنچ جاتا ہے مگر یہ پہنچنا منفذ اصلی سے نہیں بلکہ رگوں کے واسطہ سے ہے اور یہ منفذ اصلی نہیں ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه... وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان منزلة زواية من زوايا الجوف (إلى قوله) وأما ما وصل إلى الجوف أو الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة'' (بدائع الصنائع۲/۲۴۳)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انجکشن اور سلائن کے ذریعہ چاہے خون پہنچایا جائے یا دوائیں یا گلوکوز مفسد صوم نہ ہوگا، اسی طرح شوگر کا انجکشن (انسولین) لیا جائے تو بھی مفسد صوم نہ ہوگا۔

۶-بحالت صوم بواسیری دواؤں کا استعمال:

بواسیر کے بعض مریضوں کو دبر کے راستے سے بذریعہ پائپ اندر تک دوا پہنچائی جاتی ہے اس سے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ دوا معدہ تک یقیناً پہنچ ہی جاتی ہے۔

اور اگر صرف بواسیری مسوں یا اوپری سطح پر مرہم لگایا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ معدہ تک اس کا اثر نہیں پہنچتا ہے۔

''ولو داوى جائفة أو آمة فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر'' (ھدایہ۱/۲۲۰)۔

عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ صرف جائفہ اور آمہ کی قید ہے، بقیہ زخم اس سے مستثنیٰ ہیں، کما مر، اور اگر یہ شک ہو کہ پہنچ گیا ہو تو محض شک کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا (دیکھئے: ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

۷-معدہ میں نلکی ڈالی جائے:

آج کل معدہ کے بعض امراض کی شناخت کیلئے معدہ تک منہ کے ذریعہ نلکی پہنچائی جاتی ہے جو بعض دفعہ گوشت کا ٹکڑا کتر کر اپنے ساتھ لاتی ہے ایسی صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اصل میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا مدار اس بات پر ہے کہ معدہ میں داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر گئی ہے یا واپس آ گئی ہے، اگر ٹھہر گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ رقم طراز ہیں:

''ولو شد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم'' (البحر الرائق۲/ ۲۷۹، ومثلہ فی الہندیہ۱/۲۰۲)۔

علامہ کاسانیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اصولی بات فرمائی ہے:

''وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم'' (بدائع الصنائع۲/ ۲۴۳)۔

ہاں اگر منہ یا ناک میں نلکی ڈال کر غذائیں پہنچائی جائیں تو یقیناً روزہ فاسد ہوگا جسے آج کل رائس ٹیوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ☆☆☆

روزہ کو توڑنے والی بعض نئی شکلیں

مولانا عبداللطیف پالنپوری[1]

۱- امراض قلب سے متعلق وہ دوائیں جن کو زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے احتراز کیا جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، امداد الاحکام میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: "سفوف تمبا کو اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے مفسد صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالت صوم بلا ضرورت مکروہ ہے (امداد الاحکام ۱۲۸/۲)۔

"أو ذاق شيئا بفمه وإن كره لم يفطر" (الدر المختار على رد المحتار ۲/۱۰۱)۔

"وكره له ذوق شئ وكذا مضغه بلا عذر" (الدر المختار ۲/۱۱۲)۔

۲- انہیلر کے ذریعے ہوا حلق کے اندر جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، البتہ انہیلر کے ذریعہ سفوف کی شکل میں جو دوا حلق کے راستے اندر پہنچائی جاتی ہے، اس کا معدہ میں پہنچنا یقینی ہوتا ہے، لہذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی لئے فقہاء نے قصداً حلق میں دھواں داخل کرنے پر فساد صوم کا حکم لگایا ہے، کیونکہ اس کا معدہ میں پہنچنا یقینی ہے۔

"لو أدخل حلقه الدخان أفطر اى دخان كان (درمختار) أى بأى صورة كان الادخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتو ر ائه كشم الورد وما ئه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل الى جوفه بفعله امداد وبه علم حكم شرب الدخان" (رد المحتار على الدر المختار ۲/۹۷)۔

ہاں اگر یہ بات یقینی طور پر محقق ہو جائے کہ وہ دوا سیدھی پھیپھڑے میں جاتی ہے، اور پھیپھڑے سے معدہ تک کوئی منفذ نہیں ہے، اس لئے معدہ میں اس کے اجزاء نہیں پہنچتے تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

۳- وہ دوائیں جو بھاپ کے ذریعے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اس کے لئے اگر وہی قدیم طریقہ اپنایا جائے یعنی ناک اور منہ کے ذریعے بھاپ اندر کھینچی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر مسامات کے ذریعے بھاپ اندر پہنچائی جاتی ہو جس سے دوا کے اثرات بھی اندر پہنچتے ہوں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مشینی طریقہ میں ان دو صورتوں میں سے جو صورت ہوگی وہ حکم مرتب ہوگا۔

"أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه فى حلقه (درمختار) لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر" (شامی ۲/۹۸ بیروت)۔

[1] جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

۵،۴- انجکشن کے ذریعے جسم کے اندر دوا پہنچانا یا گلوکوز وغیرہ کے ذریعے جسم کی غذائی ضرورت پوری کرنا مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ یہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا (حوالہ بالا)۔ رہی بات کہ گلوکوز چڑھانے کی وجہ سے انسان کے اندر بھوک کی کیفیت متحقق نہیں ہوتی تو اصل یہ ہے کہ شریعت نے قانون پر عمل کی جو صورت تجویز کردی ہے اس پر عمل کیا جائے، مقصد قانون کو پورا کرنے کے لئے اپنی طرف سے دوسری صورت تجویز کرنا شرعاً قانون پر عمل شمار نہیں ہوگا، اسی طرح جو صورت حدود قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصد قانون کے خلاف قرار دیکر حدود جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۵۱ جدید مبوب)۔

۶- پیچھے کے راستے سے جو سیال یا غیر سیال دوائیں اندر پہنچائی جاتی ہیں، ان سے روزہ جب فاسد ہوگا کہ حقنہ کی جگہ تک پہنچ جائیں، اور حقنہ کی جگہ پانچ یا چھ انگل اندر ہوتی ہے، لہذا اگر دوا وہاں تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں، اور بواسیری مسے ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں، اور ان پر مرہم لگانا موضع حقنہ تک پہنچنے کو مستلزم نہیں ہے، لہذا اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (امداد الاحکام ۳/۱۲۸)۔

اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو آلات اندر داخل کئے جاتے ہیں، عموماً ان کا ایک طرف خارج میں ہوتا ہے اور ایک طرف اندر داخل کیا جاتا ہے، اس صورت میں اگر وہ آلہ خشک ہے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، اگرچہ موضع حقنہ تک پہنچ جائے، اور اگر پانی یا تیل وغیرہ سے تر کر کے وہ آلات اندر داخل کئے جائیں اور وہ موضع حقنہ تک پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہوجائے گا، چاہے اس کا ایک طرف خارج میں ہو۔

”إذا أدخل إصبعه مبلولة بماء أو ادهن فی دبره أو استنجی فوصل الماء إلی داخل دبره أو فرجها الداخل بالمبالغة فيه والحد الفاصل الذی يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة وقلما يكون ذلك“ (مراقی الفلاح. باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء)۔

”أو أدخل عودًا ونحوه فی مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد وكذا لو ابتلع خشبة أوخيطا ومفاده إن استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد“ (درمختار علی ردالمحتار بیروت ۲/۹۹. امداد الاحکام ۱۲۸/۱۲۹/۳)۔

۷- عورتوں کی شرمگاہ میں جو دوا رکھی جاتی ہے اگر وہ دوا فرج داخل میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، دوا چاہے سیال ہو یا جامد، مستطیل سوراخ کے آخر میں گول سوراخ سے فرج داخل شروع ہوتا ہے، اور مرض کی تحقیق کے لئے جو آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یا مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے اگر وہ تر ہے تو اس سے بھی روزہ فاسد ہوجائے گا، اور اگر خشک ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ آلات اور نلکی کا ایک کنارہ اندر داخل کیا ہو اور دوسرا باہر ہو، اور اگر کوئی آلہ ایسا ہے کہ اس کو پورا ہی فرج داخل میں رکھ دیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، چاہے وہ آلہ تر ہو یا خشک۔

”أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد، ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقی طرفها فی فرجها الخارج لا“ (درمختار علی ردالمحتار ۲/۹۹ بیروت)۔

”أو أدخل قطنة أو خرقة أو خشبة أو حجرًا فی دبره أو أدخلته فی فرجها الداخل وغيبها لأنه تم الدخول بخلاف ما لو بقی طرفه خارجًا لأن عدم تمام الدخول كعدم دخول شئ بالمرة“ (مراقی الفلاح)۔

☆☆☆

نواقض صوم کی نئی صورتیں

مولانا افتخار احمد مفتاحی[1]

۱- قلب کا مریض روزہ کی حالت میں زبان کے نیچے اگر دوا رکھے تو اس کا روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر زبان کے نیچے دوا دبایا اور اس دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا تو دیکھا جائے گا کہ یہ دوا جوف معدہ تک پہنچی یا نہیں، اگر جوف معدہ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر نہیں پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ حضرات فقہاء نے واضح کیا ہے کہ روزہ کسی چیز کے مطلقاً بدن میں پہنچ جانے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب روزہ کو توڑنے والی چیز فطری منافذ منہ، کان، ناک، اور مقعد، فرج، شکم (پیٹ) اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے جوف معدہ یا جوف دماغ تک پہنچ جائے۔

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف، والأذن، والدبر فإن استعط أو احتقن أو أقطر فى أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع ۲/۹۳ کتاب الصوم)۔

بعض شہری ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ زبان کے نیچے رکھی جانے والی دوا جوف معدہ تک نہیں پہنچتی بلکہ انجکشن کی طرح پورے بدن میں اثر انداز ہوتی ہے، اگر یہ تحقیق درست ہے تو زبان کے نیچے دوا دبانا مفسد صوم نہیں ہونا چاہئے۔

۲-روزہ میں انہیلر کا استعمال:

انہیلر ایسا آلہ ہے جس میں دوا اور ہوا بھری ہوتی ہے، دمہ کے مریضوں کو جب منہ کھول کر دیا جاتا ہے تو ہوا کے مانند اس سے کچھ نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور حلق اور پھیپھڑوں میں پہنچ جاتا ہے تو چونکہ اس سے دوا بشکل ہوا پہنچتی ہے اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قصداً حلق میں دھواں داخل کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہی حکم انہیلر کا معلوم ہوتا ہے، علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

''من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأى صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما'' (مراقی الفلاح على الطحطاوى/۳۶۱)۔

مولانا تھانویؒ نے دھوئیں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بغیر نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دھوئیں کے داخل ہونے کا باعث ہو باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا (امداد الفتاوی ۲/۱۳۸)۔

اس لئے انہیلر کے بجائے اس انجکشن کو استعمال کرنا چاہئے جو سانس کی تکلیف میں مفید ہوتا ہے، کیونکہ انجکشن کی دوا اگر براہ راست معدہ یا دماغ میں نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۳-روزہ کی حالت میں دواؤں کا بھاپ کے ذریعہ اندر لینا:

چونکہ بعض دوائیں پانی میں ڈال کر ابالی جاتی ہیں، اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے جس کا اثر حلق بلکہ معدہ تک پہنچتا ہے،

[1] جامعہ مفتاح العلوم، مئو۔

اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قصداً حلق میں دھواں داخل کرلے تو اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہی حکم بھپارہ کا بھی ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ روزہ کے یاد ہوتے ہوئے حلق میں دھواں جائے عنبر یا عود ہی کا کیوں نہ ہو روزہ فاسد ہوجائے گا (ردالمحتار ۲/ ۱۳۴، باب ما یفسد الصوم)۔

۴-روزہ میں انجکشن کا حکم:

مفسدات صوم میں فقہاء نے واضح کیا ہے کہ روزہ کسی چیز کے مطلقاً بدن یا جوف میں پہنچ جانے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ اس وقت ٹوٹتا ہے جبکہ روزہ کو توڑنے والی چیز جوف معدہ یا جوف دماغ میں منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچ جائے۔

''إن العبرة للوصول إلى الجوف أو الدماغ'' (عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

اگر منفذ اصلی کے بجائے مسامات یا رگوں سے پہنچے تو وہ مفسد نہیں ہوگا۔

''أما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة أوالآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ'' (بدائع الصنائع کتاب الصوم ۲/۹۳)۔

اس اصول پر انجکشن کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس سے دوا منفذ اصلی (اصلی راستہ) سے نہیں پہنچتی، انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا اصل میں رگوں میں پہنچائی جاتی ہے، پھر وہ وہاں سے خون کے ذریعہ بدن میں پھیلتی ہے، ہاں اگر انجکشن اس طور پر دیا جائے کہ اس سے دوا براہ راست جوف معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، الحاصل عام طور پر جو انجکشن لگایا جاتا ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۵-روزہ میں گلوکوز چڑھانے کا حکم:

گلوکوز کو چڑھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ گلوکوز رگوں کے ذریعہ پہنچائے جاتے ہیں، معدہ یا دماغ کے کسی منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچایا جاتا اسلئے روزہ نہیں ٹوٹے گا، پھر بھی روزہ کی حالت میں بلاضرورت گلوکوز چڑھانے سے احتراز کرنا مناسب ہے۔

۶- روزہ کی حالت میں سیال یا غیر سیال دواؤں کا پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچانا، بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ فقہاء کی تصریحات سے واضح ہے کہ سیال یا غیر سیال دوا اگر پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی گئی اور وہ معدہ تک پہنچ گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ مقعد ایسا فطری راستہ ہے جس سے دوا یا غذا معدہ تک پہنچائی جاسکتی ہے، صاحب البحر الرائق نے لکھا ہے:

''وأطلق الدواء فشمل الرطب واليابس لأن العبرة للوصول لا لكونه رطبًا ويابسًا وإنما شرطه القدورى لأن الرطب هوالذى يصل إلى الجوف عادة حتى لو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد ولوعلم أن اليابس وصل فسد صومه'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

مصنف نے مطلقاً دوا لکھا ہے، اس میں تر اور خشک دونوں شامل ہیں، کیونکہ معدہ تک پہنچنے کا اعتبار ہے نہ کہ خشک وتر ہونے کا، البتہ قدوری نے تر ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لئے کہ تر دوا عام طور پر پیٹ میں پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ تر دوا معدہ تک نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر خشک دوا کے پہنچنے کا یقین ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ بواسیری مسے چونکہ موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں، اور مقعد کی راہ سے داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہذا مسوں کو پانی سے تر کرکے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کرکے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسلئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاوی ۴/۴۳۰)۔

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أى فى دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد... الخ''۔

''ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد'' (درمختار)۔

''قوله ولو مبتلة فسد لبقاء شئ من البلة فى الداخلوهذا لو أدخل الإصبع إلى موضع الحقنة'' (ردالمحتار ۲/۱۲۵)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر بواسیری مسوں پر اس حد تک دوا یا پانی پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کرلے یا دہ خود معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات کا اندر داخل کرنا:

شکم کے مرض کی تحقیق کرنے کے لئے بعض آلات منہ کے ذریعہ معدہ تک پہنچائے جاتے ہیں، جس کا ایک سرا اندر ہوتا ہے اور دوسرا سرا ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جس میں دوربین ہوتی ہے اور ڈاکٹر اس آلہ سے معدہ کے مرض کی نوعیت معلوم کرتے ہیں، اور بعض دفعہ وہ آلہ گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اپنے ساتھ لاتا ہے، اور اس پر تحقیق ہوتی ہے، یہ صورت فقہاء کی تصریحات کی رو سے مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ روزہ کو فاسد کرنے والی چیز وہ ہوتی ہے جو بدن میں داخل ہو نہ کہ وہ جو خارج ہو جیسے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً طبرانی نے روایت کی ہے کہ روزہ کا ٹوٹ جانا ان چیزوں سے ہے جو داخل ہونے والی ہیں، نہ کہ ان سے جو خارج ہونے والی ہیں (معارف السنن ۱/ ۲۸۷)۔

آلہ چونکہ گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر باہر لاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

''ولو شد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم''

یعنی اگر کھانا دھاگہ سے باندھے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے اور دھاگہ کا ایک کنارہ خود اس کے ہاتھ میں ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا (البحر الرائق ۲/ ۲۷۹)۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا مدار اس بات پر ہے کہ معدہ میں داخل ہونے والی چیز اگر اندر ٹھہر گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

چونکہ جو آلات امراض معدہ کی تحقیق میں اندر داخل کئے جاتے ہیں وہ تحقیق کے بعد نکال لئے جاتے ہیں اس لئے وہ مفسد صوم نہیں ہوں گے۔

۷- مرد و عورت کے جسم میں آگے کی راہ سے مثانہ تک نلکی پہنچانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ عرض یہ ہے کہ نلکی کا ایک سرا اگر مثانہ، معدہ یا رحم تک پہنچا اور دوسرا سرا ہاتھ میں ہے تو وہ مفسد نہیں ہوگا، اس کی نظیر یہ ہے کہ

''لو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (درمختار ۲/۲۹۷)۔

اگر روزہ دار عورت کی شرمگاہ میں لوپ چڑھایا (جس سے رحم کا منہ بند ہوجاتا ہے) تو وہ مفسد صوم ہے، کیونکہ اس کو فرج میں داخل کردیا جاتا ہے اور فرج خارج میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا، لہٰذا یہ لوپ جوف تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ فرج داخل جوف ہی کا ایک حصہ ہے (شامی ۲/ ۴۰۰)۔

خواتین کی شرمگاہ میں دوا رکھنا:

عورتوں کی شرمگاہ میں روزہ کی حالت میں کسی بھی قسم کی دوا ڈالنا مفسد صوم ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں موجود ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکانے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائے گا، صحیح رائے یہی ہے (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

اگر مرد اپنی سرین میں یا عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ انگلی پانی یا تیل میں تر ہو، ایسی صورت میں پانی یا تیل پہنچ جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، چونکہ عورتوں کی اندرونی شرمگاہ فطری منفذ ہے، اور یہ منفذ بطن تک پہنچتا ہے۔

☆☆☆

نواقض صوم اور ان کی بعض جدید شکلیں

مفتی شاہد علی قاسمی[1]

۱- اگر دوا کو زبان کے نیچے رکھا جائے اور اتنی احتیاط کی جائے کہ دوا کے اجزاء اور لعاب دہن میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر روزہ دار عورت بچہ کو ایسا کھانا کھلانے پر مجبور ہو جس کو اپنے منہ سے چبائے بغیر بچہ کو نہ کھلا سکتی ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ عورت کھانا اپنے منہ میں چبائے اور پھر بچہ کو کھلائے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

''والمضغ بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها الطعام من حائض أو نفساء ... لا بأس به للضرورة'' (البحر الرائق ۲/۴۸۹)۔

اسی طرح فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ کسی چیز کو چکھنا بلا عذر مکروہ ہے، اور عذر کے وقت مکروہ نہیں ہے، اسی طرح گوندھ کو چبانا بھی بلاوجہ مکروہ ہے، چنانچہ صاحب کنز فرماتے ہیں:

''كره ذوق شئ و مضغه بلا عذر و مضغ العلك'' (کنز علی ہامش البحر ۲/۴۸۹)۔

کسی چیز کو چکھنا اور اس کو چبانا بلا عذر مکروہ ہے، اسی طرح گوندھ کو چبانا بھی مکروہ ہے، ظاہر ہے صورت مسئولہ میں علاجًا دوا کا استعمال مقصود ہے، جو ایک اہم عذر ہے، اس لئے ایسی دوا سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ تھوڑی بھی بے احتیاطی روزہ فاسد ہونے کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے مفتی حضرات کے لئے مناسب ہوگا کہ سائل کو فتوی دیتے ہوئے بتلادیں اگر اس نے احتیاط نہیں کی، اور دوا کا معمولی جز بھی حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۲- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ کوئی بھی چیز حلق میں داخل ہو، اور اندر ہی مستقر ہو جائے، جیسے کوئی دھواں قصدًا منہ میں داخل کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں:

''من أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما'' (مراقی الفلاح مع الطحطاوی/۳۶۱)۔

جو شخص اپنے عمل سے قصدًا دھواں اپنے حلق میں داخل کرے خواہ کسی طور داخل کرے اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، چاہے وہ عنبر یا عود یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کا دھواں ہو۔

اس طرح کی جزئیات میں فقہاء نے ایسی کوئی قید نہیں لگائی ہے کہ وہ چیز معدہ میں ضرور پہنچے، تب ہی روزہ فاسد ہوگا، غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ حلق سے نیچے کسی چیز کے اترنے کے بعد اس کا کچھ نہ کچھ حصہ معدہ میں ضرور ہی پہنچتا ہے، بہر حال صورت مسئولہ میں انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اس میں آکسیجن کے ساتھ ساتھ دوا کے باریک سفوف بھی ہوتے ہیں، اور معمولی چیز بھی حلق سے نیچے جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

۳- بھپارہ لینے سے بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ جس بھاپ کو منہ یا ناک سے کھینچا جاتا ہے، وہ عام ہواؤں سے مختلف ایک جوہر لطیف ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ دھواں کھینچنے کو مفسد صوم قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ (دھواں)، گلاب کا پھول، گلاب کا پانی اور مشک سونگھتے ہوئے آدمی اس ہوا کو کھینچتا ہے،

[1] المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

جو مشک وغیرہ سے معطر ہوگئی ہے، اور دھواں بہ ذات خود ایک جوہر ہے، علامہ شامیؒ کے الفاظ اس طرح ہیں:

''لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أو أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله'' (ردالمحتار ۲/ ۹۷ طبع مکتبہ نعمانیہ دیوبند)۔

اس لئے دھواں پر قیاس کرتے ہوئے بھپارہ لینے کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائے گا۔

۴- روزہ ٹوٹنے کے بارے میں اصول یہ ہے کہ کوئی چیز فطری منفذ جیسے منہ، ناک، کان اور پچھلے راستہ (دبر) سے معدہ یا دماغ میں پہنچے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أفطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ'' (بدائع الصنائع ۹۳/۲)۔

(وہ دوائیں جو فطری راستے سے معدہ یا دماغ تک پہنچیں، جیسے ناک، کان اور سرین، بایں طور کہ ناک کے ذریعہ دوا چڑھائی جائے، یا حقنہ دیا جائے، یا کان میں قطرے ڈالے جائیں اور معدہ یا دماغ تک پہنچ جائیں)۔

انجکشن کے ذریعہ دوائیں رگوں میں پھیل جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ وہ معدہ اور دماغ میں بھی پہنچ جائیں، اس کے باوجود روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''لو أدهن رأسه أو أعضائه فتشرب فيه، أنه لا يضره، لأنه وصل إليه الأثر لا عينه...وما وجد طعمه فذلك أثره لا عينه وأنه لا يفسد''۔

(اگر کسی نے اپنے سر یا دوسرے اعضاء پر تیل لگایا، اور تیل جسم کے اندر سرایت کر گیا، تو یہ نقصاندہ نہیں ہے، اس لئے کہ اندر تیل کا اثر گیا ہے نہ کہ بعینہ تیل، اور جو کچھ اندر مزہ محسوس کیا گیا وہ اثر ہے نہ کہ عین شئی، اور اثر پہنچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ جسم میں بعینہ دوا پہنچ بھی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

''لو أوصل الدواء إلى داخل الساق أوغرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف. لأنه لا يعد عضوًا مجوفًا'' (شرح مهذب ۳۴۴/۵)۔

اگر دوا پنڈلی کے اندرونی حصہ تک پہنچائی یا چھری یا کوئی دوسری چیز اس میں چبھودی اور وہ گودے تک پہنچ گیا تو بغیر کسی اختلاف کے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ عضو مجوف شمار نہیں کیا جاتا۔

لہذا انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا مفسد صوم نہیں ہے، اسی طرح ایسا انجکشن دینا بھی مفسد صوم نہیں ہے جس سے غذائی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہو، البتہ محض بھوک و پیاس مٹانے کے لئے ایسا انجکشن دینا مکروہ ہوگا، کیونکہ روزہ کا مقصد ہی نفس کو بھوکا رکھ کر اس کی قوت بہیمیت کو توڑنا ہے، اور یہ مقصد اس طرح کے انجکشن سے فوت ہو رہا ہے۔ ہاں اگر واقعی مجبوری ہو اور ڈاکٹر اس طرح کے انجکشن لگانے کو مرض کی خاص نوعیت کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہو تو بلا کراہت اس کی اجازت ہوگی۔

البتہ ایسا انجکشن جو پیٹ میں دیا جائے جیسا کہ کتا کاٹنے پر دیا جاتا ہے، اور اب غالبًا کینسر کے مرض میں بھی بعض انجکشن پیٹ میں جاتا ہے، تو اس طرح کے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس سے دوا براہ راست معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''ولو داوى جائفة أو آمة بدواء فوصل إلى جوفه أو دماغه أفطر عند أبي حنيفة'' (ہدایہ ۲۰۰/۱)۔

(اگر پیٹ یا دماغ کے اندر پہنچے ہوئے زخم کا دوا کے ذریعہ علاج کرے، پھر دوا اس کے پیٹ یا دماغ تک پہنچ جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

۵- سوال (۴) کے جواب میں تفصیل آچکی ہے کہ غیر منفذ سے جسم کے اندر داخل ہونے والی دواؤں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، گلوکوز کہ خالص غذائی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے، لیکن چونکہ غیر فطری منفذ سے گلوکوز جسم کے اندر پہنچتا ہے اس لئے اس کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ ضرورت شدیدہ کے بغیر اس کا استعمال مکروہ ہوگا، ضرورت شدیدہ سے مراد ایسی مجبوری ہے کہ اگر گلوکوز نہیں چڑھایا گیا تو مریض کی حالت ناگفتہ بہ ہوجائے گی، یا اس کا مرض بڑھ جائے گا، حاصل یہ کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے محض بھوک و پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے گلوکوز چڑھانا مکروہ ہوگا۔

۶- (الف) سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جائیں، اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ فقہاء نے حقنہ لگانے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، حقنہ ایک علاج ہے جس میں پچھلے راستہ سے پیٹ صاف کرنے کے لئے دوا چڑھائی جاتی ہے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

''وإذا احتقن فسد صومه'' (تاتارخانیہ ۲/۳۶۵)۔ (روزہ دار جب حقنہ لگوائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

اس صورت میں فساد صوم کی وجہ ظاہر ہے کہ دوا معدہ تک پہنچ جائے گی، اور پچھلا راستہ منفذ اصلی ہے، اور منفذ اصلی سے دوا کا پہنچنا مفسد صوم ہے۔

(ب) بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ اس کا مدار مرہم کی رطوبت کے اندر پہنچنے اور نہ پہنچنے پر ہے، اگر مرہم کی رطوبت اندر جاتی ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ حقنہ لگانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور اگر اندر نہ جاتی ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، تاہم اس صورت میں دوا کے اندر پہنچ جانے کا مظنہ ضرور ہے، اس لئے احتیاط کرلینا بہتر ہے، اس سلسلے میں بہتر ہے کہ ڈاکٹر سے مشورہ کرلیا جائے، اگر ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق دوا کا کچھ حصہ اندر چلا جاتا ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

بہر حال اس سلسلے میں مدار مرہم کی رطوبت کے اندر جانے اور نہ جانے پر ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق (۲/۲۷۹) میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

(ج) اگر امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات براہ منہ یا سرین اندر داخل کئے جائیں تو اگر ان آلات پر دوا لگی ہوئی نہ ہو تو اس کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کھانا دھاگے سے باندھ لے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے اور دھاگہ کا کنارہ اس کے ہاتھ میں ہو تو اس کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

اگر آلات پر دوائیں لگی ہوئی ہوں تو روزہ فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ حقنہ میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

۷- (الف) اگر مرد کے عضو تناسل میں کوئی چیز داخل کی جائے خواہ وہ نلکی ہو یا دوا، بہر دو صورت روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ عضو تناسل اور معدہ کے درمیان منفذ نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله'' (الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۴)۔

(مرد کے پیشاب کی راہ میں قطرہ ڈالے تو امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا)۔

(ب) اگر عورت کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا ڈالی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ شرمگاہ اور جوف کے درمیان فطری منفذ موجود ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت پانی یا تیل سے تر انگلی شرمگاہ میں داخل کرے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''لو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد بوصول الماء أو الدهن'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(ج) اگر مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات براہ شرمگاہ رحم تک پہنچائے جائیں تو اس کی وہی تفصیل ہوگی جو جواب-۶ (ج) میں گذر چکی ہے کہ اگر آلات پر دوائیں لگی نہ ہوں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور دوائیں لگی ہوں تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

نواقض صوم اور اس کے شرعی احکام

مفتی محمد مقصود رامپوری[1]

۱- صورت مذکورہ میں اگر دوا کے اجزاء حلق کے اندر نہیں جائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر چہ دوا کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو، کیونکہ فقہاء کرام نے شئی کے اجزاء کو حلق میں چلے جانے کو مفسد صوم مانا ہے، بحر الرائق (۲/۴۷۷) میں ہے:

''لو صب فی فیه و عینه لبن أو دواء مع الدهن فوجد طعمه أو مرارته فی حلقه لا یفسد صومه. و لو مض الهلیلج وجعل یمضغها فدخل البزاق حلقه ولا یدخل عینها فی جوفه لایفسد صومه''۔

شرح وقایہ (۱/۲۴۸) میں ہے: وکره ای یکره تنزیها للصائم ذوق شیء ومضغه بلا عذر فإن کانت هناك ضرورة یجوز''

۲- فقہی نظائر کو سامنے رکھتے ہوئے دو منفذ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جن تک کسی چیز کے پہنچنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، ایک آمہ ہے جو اصل دماغ تک پہنچتا ہے، دوسرا جائفہ ہے، جو معدے تک پہنچتا ہے۔ ان دونوں منفذوں تک اگر دوا وغیرہ پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔ پھیپھڑے کا تعلق جائفہ سے نہیں ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بحر الرائق (۲/۴۸۶) میں ہے: ''أو داوی جائفة أو آمة بدواء ووصل إلی جوفه أودماغه أفطر''۔ پس اگرچہ انہیلر کے ذریعہ وہ دوا حلق سے پھیپھڑے تک پہنچائی جاتی ہے مگر جائفہ سے الگ رہتی ہے اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۳- بھاپ کا حکم ابلتے ہوئے پانی سے جو دھواں نکلتا ہے اس جیسا ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا مگر کسی مشین کی مدد سے دوا کا اثر حاصل کرنا اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ بھاپ کا وجود ہوتا ہے اور مشین سے اثر لینے میں دوا کا وجود نہیں پایا جاتا، لہذا اس کا حال خوشبو کی طرح ہے کہ گلاب وغیرہ کی خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

درمختار برحاشیہ ردالمحتار (۲/۱۳۳) میں ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر. ولا یتوهم أنه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله''۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشینی آلہ کے ذریعہ دوا کا اثر حاصل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۴- اس کا حکم بھی وہی ہے جو جواب نمبر دو کا ہے کہ اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ مقام آمہ یا جائفہ تک پہنچے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔ اور مزید اس بارے میں ہمیں فقہ کا کوئی جزئیہ نظر نہیں آیا۔

۵- اصل میں گلوکوز کا مسئلہ اطباء کی تحقیقات پر منحصر ہے، اگر ان کی تحقیقات کے مطابق یہ دونوں چیزیں ان مقامات تک پہنچتی ہیں جن پر پہنچنے کو شریعت نے مفسد صوم قرار دیا ہے، جب تو روزہ فاسد ہوگا، اور اگر ان مقامات سے الگ رہتی ہیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ وہ فطری منفذ سے داخل ہوں یا نہ ہوں، لیکن یہ مسئلہ ضرورت مند مریض کے لئے ہے، عام شخص کے لئے اس سے استفادہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے روزہ کی روح متاثر ہوتی ہے۔

۶- صورت مذکورہ میں جو چیز پیچھے کے راستہ سے داخل کی جائے گی اگر بہنے والی ہے جب تو بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہوگا، کیونکہ

[1] جامعہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ دربھنگہ، بہار۔

عام طور پر سیال چیز جوف تک پہنچتی ہے، البتہ صاحبین کے نزدیک اگر وہ جوف تک نہیں پہنچ رہی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر وہ چیز بہنے والی نہیں ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ چیز جوف تک پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اگر جوف تک پہنچ رہی ہے تو روزہ فاسد ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔ یہی حکم بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم لگانے کا ہے مگر احتیاطاً مسوں پر مرہم نہ لگایا جائے، کیونکہ فقہ کی عبارات سے استنجاء کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مقام خاص کے اندر شئی کے جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جس سے شئی کا جوف کے اندر پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس بنا پر روزہ میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے سے احتیاط کرنا چاہئے مگر یہ فیصلہ کہ روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ تو یہ بھی اطباء کی تحقیقات پر مبنی ہے، رہا مسئلہ معدہ کی تحقیقات کے لئے آلات کا اندر داخل کرنا تو اگر ان آلات کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو معدے میں ٹھہر جائے جب تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر ایسی چیز ہے جو معدہ میں ٹھہر جائے اور نلکی باہر آجائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

البحر الرائق (۲/۴۸۶) میں ہے:

''أو احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه أو داوی جائفة أو آمة بدواء ووصل إلی جوفه أو دماغه أفطر''۔

اور (ص ۴۸۷) میں ہے:

''ولو شد الطعام بخیط وأرسله فی حلقه وطرف الخیط فی یده لا یفسد الصوم إلا إذا انفصل...''۔

۷- اس صورت میں اگر عورت کی شرمگاہ کے اندر کوئی چیز رکھی خواہ وہ جامد ہو یا سیال، یا نلکی ڈالی جس کے ذریعہ کوئی چیز پہنچائی، ان سب صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ مرض کی تحقیقات کے لئے جو آلہ شرمگاہ سے داخل کیا جائے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ اس سے کوئی چیز جوف تک نہیں پہنچ رہی ہے، اور اسے فقہاء کے قاعدے پر قیاس کیا جائے گا کہ عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو روزہ فاسد ہوگا بشرطیکہ انگلی پر تیل وغیرہ نہ ہو۔

البحر الرائق (۲/۴۸۷) میں ہے:

''أو أدخلت المرأة فی فرجها هو المختار إلا إذا كانت الإصبع مبتلة بالماء أو الدهن فحینئذ یفسد لوصول الماء أو الدهن وقیل إن المرأة إذا حشت الفرج الداخل فسد صومه''۔

رہا مسئلہ مرد کی پیشاب گاہ میں دوا ڈالنے اور نلکی ڈالنے کا تو طرفین کے نزدیک دوا ٹپکانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا، اور نلکی لگا کر دوا ڈالنے سے بالاتفاق روزہ فاسد ہوگا جیسا کے اوپر جوف تک دوا وغیرہ کے پہنچنے کا حکم گزر چکا۔

''وإن أقطر فی إحلیله لا، ای لا یفطر أطلقه فشمل الماء والدهن وهذا عندهما خلافا لأبی یوسف''۔

اور یہ اختلاف ائمہ ثلاثہ کا اس صورت میں ہے جب کہ دوا مرد کے مثانہ تک پہنچے، لیکن اگر صرف عضو تناسل میں ہی رہ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

☆☆☆

مفطرات صوم کے بعض نئے پہلو

مولانا محمد ابوبکر قاسمی[1]

۱-امراض قلب کی دوا کو زبان کے نیچے بحالت صوم رکھنے کا حکم:

امراض قلب سے متعلق وہ دوائیں جن کو بظاہر نگلا تو نہیں جاتا البتہ زبان کے نیچے رکھ کر دبایا جاتا ہے، جس کے سبب وہ دوا منہ میں گھل جاتی ہے اور اس کا اثر فوراً دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور وہ خون کے دوران کو تیز کر دیتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں کوئی شخص اس دوا کو مذکورہ طریقے کے مطابق استعمال کرے گا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إنما الإفطار مما دخل'' (مجمع الزوائد ۱۶۷/۲، نصب الرایہ ۴۵۳/۲)۔

جسم کے اندر (منافذ اصلیہ کے ذریعہ) داخل ہونے والی شئی مفسد صوم ہے۔

اسی طرح فتاوی شامی میں ہے:

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (شامی ۲/...)۔

منافذ اصلیہ کے ذریعہ جسم میں داخل ہونے والی شئی مفطر و مفسد صوم ہے۔

۲-حالت صوم میں دمہ کے مریض کا انہیلر (گیس پمپ) کا استعمال کرنا:

جن لوگوں کو تنفس بالفاظ دیگر دمہ کا مرض ہو انہیں بعض اوقات ڈاکٹر کے مشورے سے گلے کی نالیوں کو صاف رکھنے کے لئے اور تنفس کے عارضہ کو کم کرنے کے لئے انہیلر (گیس پمپ) کا استعمال کرنا پڑتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا جو سفوف کی شکل میں ہوتی ہے کا نہایت مختصر سا جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، اس صورت میں بظاہر دوا کا حصہ معدہ میں نہیں جاتا بلکہ پھیپھڑے تک جاتا ہے، لیکن چونکہ حلق کے ذریعہ اصلاح بدن ہی کے لئے ہوا یا دوا کو جسم میں داخل کیا جاتا ہے لہٰذا حالت صوم میں انہیلر کا استعمال بلاشبہ مفطر صوم ہوگا، اور اس مسئلہ کی اور امراض قلب والی دوا کے مفطر صوم ہونے کی واضح نظیر حضرات فقہاء کی وہ واضح تصریح ہے جو انھوں نے سگریٹ کے دھواں کے منہ میں داخل کرنے اور عود وغیرہ کی دھوئیں والی خوشبو کے سونگھنے کے مفسد صوم ہونے کے سلسلہ میں ذکر فرمائی ہے، جسے صاحب درمختار نے یوں نقل کیا ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه الخ'' (شامی ۱۰۶/۲)۔

(اگر کسی نے کسی قسم کا دھواں خواہ عود یا عنبر کی لکڑی والا دھواں ہو یا کسی اور چیز کا ہو، حلق میں داخل کیا روزہ کو یاد رکھتے ہوئے تو اس سے روزہ ٹوٹے گا، کیونکہ (یہ عمل اختیار سے کیا گیا ہے اور اصلاح بدن کے لئے کیا گیا ہے) اس سے بچنا ممکن تھا)۔

خیر الفتاوی جلد چہارم ص ۹۹ میں حالت صوم میں انہیلر کے استعمال کو مفسد صوم لکھا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے کہ:

اگر دوسرے ایام میں بغیر انہیلر استعمال کئے ہوئے روزہ رکھ سکتا ہو تو قضا کرے ورنہ فدیہ دے۔

''فإن عجز عن الصوم لا يرجى برءه أو كبر أطعم'' (درمختار ۱۲۳/۲، خیر الفتاوی ۹۹/۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کتاب الفتاوی (۳۹۵/۳) میں حالت صوم میں انہیلر کے استعمال سے متعلق قدرے مفصل بحث کرتے ہوئے یہ تحریر

[1] دار العلوم بلالیہ لعل بازار، احمد کدل (سری نگر)۔

فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر کے بغیر روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا رہے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلانا ہے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ منافذ اصلیہ منہ، ناک، شرمگاہ کے ذریعہ جسم میں بالقصد غذا یا دوا کا پہنچانا جو مصلح بدن بھی ہو مفسد صوم ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: ''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر اھ'' (شامی ۲/۹۶ مطبوعہ بیروت)۔

روزہ کے لئے مفسد وہ چیزیں ہیں جو اصلی راستے سے جسم میں داخل ہوں، کیونکہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص غسل کرے اور اس کی ٹھنڈک کا اس کو اپنے باطن میں احساس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ حالت غسل میں ٹھنڈک کا احساس اور جسم میں پانی کا دخول مسامات کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ منافذ کے ذریعہ، مذکورہ تصریحات کی روشنی میں حالت صوم میں انہیلر کا استعمال بلاشبہ مفسد صوم ہے۔

۳- حالت صوم میں منہ یا ناک کے ذریعہ دواؤں کا بھاپ لینا مفسد صوم ہے:

اگر حالت صوم میں بھاپ کے ذریعہ کسی قسم کی دوا اندر داخل کی جائے خواہ اس سادہ طریقہ سے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والے بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ اندر کھینچا جاتا ہے، یا دور حاضر میں ایجاد ہونے والی بعض مشینوں کے ذریعہ سے دواؤں کا بھاپ جسم کے اندر پہنچایا جائے، بہر صورت دواؤں کا جسم کے اندر بالقصد پہنچانا اور اصلاح بدن کے لئے منافذ اصلیہ کے ذریعہ حالت صوم میں اس عمل کو انجام دینا مفسد صوم ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء نے حالت صوم میں اگر بتی وغیرہ کے دھوئیں کو قصداً سونگھنے کو مفطر صوم قرار دیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

''لو أدخل حلقه الدخان بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (شامی ۲/۱۰۶)۔

اگر کسی شخص نے اپنے حلق میں دھواں کسی بھی طریقے سے بشرطیکہ اس کو روزہ یاد ہو داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا کیونکہ اس سے بچنا اس کے لئے ممکن تھا، یہاں تک کہ کسی نے خوشبودار چیز کی دھونی لی اور قصداً اس کو سونگھ کر اپنے پیٹ میں لے گیا تو شرعاً یہ مفسد صوم عمل ہے۔

خیر الفتاویٰ جلد چہارم صفحہ ۳۷ پر ایک فتویٰ درج ہے جس پر مرتب فتاویٰ نے عنوان قائم کیا ہے: نسوار کا استعمال مفسد صوم ہے۔ اس مصرح عنوان سے بھی حالت صوم میں دواؤں کے بھاپ لینے کے مفطر سوم ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

۴- حالت صوم میں انجکشن کا شرعی حکم:

دور حاضر میں جسم کے اندر مسامات کے ذریعہ دواؤں کے پہنچانے کے لئے جو انجکشن دیا جاتا ہے باوجودیکہ یہ انجکشن جسم کے مختلف حصے میں لگائے جاتے ہیں اور مختلف قسم کی دوائیں جسم میں پہنچائی جاتی ہیں، پھر کبھی یہ انجکشن رگوں میں دیا جاتا ہے اور کبھی گوشت کے حصے میں تاکہ اس عمل کے ذریعہ خون کے ساتھ دوا پورے جسم میں پھیل جائے اور جلد از جلد سارے بدن میں دوائی کی رسائی ہو جائے، پھر خواہ وہ انجکشن دوا کی ضرورت کو پورا کرے یا غذا کی ضرورت کی تکمیل کرے شرعاً باتفاق فقہاء مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ اس عمل کے ذریعہ جو کچھ کیا جاتا ہے فطری اور اصلی راستہ اور قدرتی منفذ کو چھوڑ کر مسامات کے ذریعہ کیا جاتا ہے جسے کسی بھی فقیہ نے مفسد صوم اور مفطر روزہ نہیں مانا ہے، اور اس کی نظیر حالت صوم میں غسل کرنا ہے جس سے حصول تبرید کے باوجود شرعاً روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

خیر الفتاویٰ جلد چہارم میں وریدی انجکشن کے مفسد صوم نہ ہونے کے سلسلے میں جو کچھ مرقوم ہے اس کا خلاصہ ذیل میں مکتوب ہے:

مفسد صوم وہ چیز ہے جو جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے، اور وریدی انجکشن کے ذریعہ جو دوا جسم میں پہنچائی جاتی ہے وہ رگوں کے اندر رہتی ہے جو معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتی، اور اس کا ناک یا منہ میں ڈالی جانے والی دوا پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ناک و منہ میں ڈالی جانے والی دوا براہ راست جوف تک پہنچ جاتی ہے (خیر الفتاویٰ ۴/۷۴)۔

اسی طرح فتاویٰ شامی معروف بہ ردالمحتار میں مصرح ہے:

''والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه أنه لا يفطر... الخ''۔

روزہ کوتوڑنے والی چیز شریعت میں وہ ہے جو اصلی منفذ اور قدرتی سوراخ کے ذریعہ داخل کی جائے، کیونکہ حضرات فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں غسل کیا اور اس نے پانی کی ٹھنڈک کو محسوس بھی کیا تو اس عمل سے روزہ شرعاً نہیں ٹوٹتا ہے (فتاویٰ شامی ۲/۹۸ مطبوعہ بیروت)۔

۵-حالت صوم میں گلوکوز چڑھانا:

جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا کی ضرورت کی تکمیل کی خاطر غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کیلئے گلوکوز چڑھانا اگر بلاضرورت ہو تو مکروہ عمل ہے، کیونکہ روح صوم تجویع نفس اور شہوت کو توڑنے کے منافی ہے، نیز گلوکوز چڑھانا ایک حد تک غذا کے متبادل کے طور پر کیا جاتا ہے جس سے بھوک کا احساس کم ہونے کے ساتھ بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری وضعف سے انسان محفوظ رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں اگر روزہ سے مقصود تقویٰ کی صفت پیدا نہ ہو تو بلاشبہ اسے ناپسندیدہ عمل کہا جائیگا، البتہ اسے مفسد صوم عمل بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ یہ عمل فطری منفذ کے ذریعہ نہیں کیا جاتا بلکہ مسامات کے ذریعہ اس عمل کو انجام دیا جاتا ہے جو ہرگز مفسد صوم عمل نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حالت صوم میں یہ عمل بلاضرورت کیا جائے تو مکروہ ہے، اور اگر بیماری کے بڑھنے کا خطرہ ہو یا روزہ دار شخص بے ہوش ہو گیا ہو جسکے سبب جان کی حفاظت کی خاطر اضطراری احوال میں گلوکوز چڑھانے کی نوبت آجائے تو شرعاً درست ہے، لیکن اگر کسی نے نہیں چڑھایا اور مر گیا تو ہرگز وہ شخص گنہ گار بھی نہ ہوگا۔

''قال فى الشامية ويؤجر لو صبر ومثله سائر حقوقه تعالى كإفساد صوم وصلوة''

(شامی ۲/۱۵۸، مستفاد از خیر الفتاوی ۴/۴۲)

۶-پچھلی شرمگاہ میں دوا چڑھانے وغیرہ کا شرعی حکم:

جو دوائیں پیچھے کے راستہ سے یعنی شرمگاہ کے ذریعہ اندر پہنچائی جائے خواہ وہ سیال ہو یا غیر سیال، اسی طرح بواسیری مسوں میں دوائیں لگائی جائیں یا مرہم کا لیپ لگایا جائے اور وہ مرہم اندر چلا جائے، چونکہ مذکور تمام صورتوں میں دوائیں اندر پہنچ گئیں لہٰذا حالت صوم میں ایسا کرنے سے روزہ فاسد ہوگا، چنانچہ اس مسئلہ کی واضح نظیر حقنہ ہے، حقنہ کے عمل میں پیٹ صاف کرنے کیلئے مقعد کے ذریعہ جسم میں دوا چڑھائی جاتی ہے۔ حضرات فقہاء نے بالاتفاق حقنہ کے عمل کو مفسد صوم لکھا ہے۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے کہ اگر کسی نے استنجا کرتے ہوئے موضع حقنہ تک پانی کو پہنچادیا تو اس عمل سے روزہ ٹوٹ جائیگا، اسی طرح شرمگاہ میں تر انگلی داخل کرنے کو جن فقہاء نے مفسد صوم لکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ حقنہ کی جگہ تک پہنچادے۔

''قال فى الهندية والصائم إذا استقصى فى الاستنجاء حتى بلغ الماء مبلغ الحقنة يفسد صومه هكذا فى البحر الرائق'' (عالمگیری ۱/۱۰۵)۔ ''قال فى الفتح والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر الحقنة'' (شامی ۲/۱۳۵)۔

البتہ امراض معدہ کی تحقیق کے لئے جو خشک آلات منہ کے ذریعہ یا پائخانہ کے راستہ کے ذریعہ جسم کے اندر داخل کئے جاتے ہیں ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ جسم کے اندر کسی چیز کے منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچانے سے اسی وقت ٹوٹتا ہے جبکہ اس عمل کے ذریعہ بدن کی اصلاح ہو اور وہ جسم میں پورے طور سے چھپ جائے جبکہ جسم میں خشک آلہ داخل کرنے سے ایسا نہیں ہوتا، ہاں اگر آلہ میں دوا لگا کر یا کسی چیز سے تر کر کے اس کو اندر ڈالا جائے یا سرجری کے ذریعہ جسم میں کسی چیز کی پیوندکاری کی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوگا، بشرطیکہ دماغ یا جوف بطن کے آپریشن میں ایسا کیا، اور اگر جسم کے کسی اور حصہ میں سرجری کا عمل کیا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۲۶۷)۔

۷-اگلی شرمگاہ میں نلکی یا دوا پہنچانے کا شرعی حکم:

اگر آگے کی راہ سے شرمگاہ میں صرف نلکی ڈالی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اگر سیال یا جامد دوا عورت کی شرمگاہ میں ڈالا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوگا، کیونکہ دوا سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے، ساتھ ہی منفذ اصلی کے ذریعہ دوا جسم میں پہنچائی گئی ہے، ہاں مرض کی تحقیق کے لئے خشک آلات رحم کا پہنچانا شرعاً مفسد صوم نہیں ہے۔

☆☆☆

جدید وسائل اور روزہ پر ان کے اثرات

مولانا محمد فاروق احمد ترالی[1]

۱- اس کا حکم جاننے کے لئے پہلے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ منہ کی حیثیت کیا ہے، خارج بدن ہے یا اندرون بدن، اس بارے میں فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ منہ خارج بدن کی حیثیت رکھتا ہے۔

''والفم والأنف وإن لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز إلا أن الشارع أعتبرهما فی الصوم من الخارج کمافی ردالمختار

''یعنی منہ ناک اگرچہ ان کے اور جوف کے درمیان کوئی چیز حاجز نہیں ہے پھر بھی شارع نے روزے کے باب میں ان کا اعتبار خارج سے کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کنکر یا روٹی کا ٹکڑا یا پانی صرف منہ میں داخل کرے اور اندر نہ لے جائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، ایسے ہی اگر کوئی شخص گوند صرف چبائے اور اس کو حلق سے آگے جانے نہ دے اور اس کا مزہ حلق میں محسوس نہ ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ بلا عذر ایسا کرنے میں کراہت ضرور ہے۔

''ویکرہ مضغ العلك للصائم لأنه تعریض الصوم للفساد من غیر ضرورة ولا یفسد صومه'' (فتاوی قاضی خان علی الهندیہ ۱/ ۲۰۴. زکریا)۔

فتح القدیر میں ہے: ''وفی الکافی فی السمسمة قال: مضغها لا یفسد إلا أن یجد طعمها فی حلقه وهذا حسن جدا فلیکن الأصل فی کل قلیل مضغه'' (فتح القدیر ۲/۳۳۸، مکتبہ زکریا)۔

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی چیز منہ میں رکھ دی جائے اور اسکے اجزاء اور مزہ داخل حلق نہ ہوں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یہی حکم ان دواؤں کا ہونا چاہیے جنہیں نگلا نہیں جاتا ہے بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے بشرطیکہ لعاب میں مل جانے والے اسکے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے۔
(دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۴۷۷، شامی ۳/ ۳۶۷)۔

ایک ماہر طب کے کہنے کے مطابق یہ دوائیں زبان کے نیچے گوشت کے اندر جذب ہو کر شریانوں کے ذریعہ انسان کے قلب تک پہنچ جاتی ہیں، منفذ اصلی کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں لہٰذا ایصال من المخارق الاصلیۃ کے فقدان کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیے۔

''وما یدخل فی مسامات البدن من الدهن لا یفطر'' (شامی)۔

۲- دمہ (Asthama) کے مریض کو اگر روزہ کی حالت میں آکسیجن پہنچائی جائے اور اس کے ساتھ کوئی دوا نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ یہ سانس لینے کی طرح ہے، اور اسی کے قائم مقام ہے، سانس لینے سے نہ روزہ فاسد ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر اکل اور شرب کا اطلاق ہوتا ہے، البتہ اگر اس کے ساتھ کسی دوائی کے اجزاء بھی ہوں تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ منفذ اصلی کے ذریعہ روزہ یاد ہوتے ہوئے دوائی جوف بطن میں پہنچ جاتی ہے۔

[1] دار العلوم حیدرآباد۔

رہا مسئلہ انہیلر (Inhelar) کے استعمال کا تو اس کے استعمال کرنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ انہیلر کے ذریعہ دوائی جو کبھی گیس اور کبھی سفوف کی شکل میں ہوتی ہے جوف بطن میں پہنچ جاتی ہے، یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ دوائی معدہ میں نہیں جاتی ہے بلکہ پھیپھڑے کے اندر پہنچ جاتی ہے کیونکہ انسانی جسم کے تجزیہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس دوائی کے کچھ نہ کچھ اجزاء کے معدہ میں پہنچنے کا قوی امکان ہے، انسان جب کوئی چیز کھاتا ہے یا پیتا ہے تو ہوا لینے کی نلکی کے اوپر چھوٹا سا ڈھکن جیسا گوشت کا ٹکڑا اس نلکی کو بند کردیتا ہے، جس کی وجہ سے کھانے اور پینے کے اجزاء پھیپھڑے میں نہیں جاتے، اس کے برخلاف جب انسان سانس لیتا ہے تو کھانے پینے کی نلکی کا کوئی ایسا ڈھکن نہیں ہے جو اس کو بند کرتا تا کہ Inhale کی ہوئی چیز کھانے کی نلکی سے نہ جانے پائے، لہذا اس بات کا قوی امکان ہے کہ انہیلر (Inhelar) سے لی ہوئی دوائی کے اجزاء کھانے کی نلکی میں ضرور داخل ہوں گے۔

یہی صورتحال حقنہ کی ہے کہ دوائی کا معدہ کے اندر پہنچنے کا قوی امکان ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا گیا حالانکہ حقنہ میں کوئی چیز معدہ کے اندر نہیں پہنچائی جاتی ہے، جب حقنہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا گیا تو انہیلر کے ذریعہ دوائی انہیل کرنے کو بھی حقنہ پر قیاس کرتے ہوئے تبعاً لجوف المعدہ قرار دیا جانا چاہئے۔

''اما الحقنة والوجور فلأنه وصل إلى جوف ما فيه صلاح البدن وفي القطور والسعوط لانه وصل إلى رأس ما فيه صلاح البدن'' (خانية على الهنديه ۱/۲۱۰ مکتبہ زکریا)۔

اس کی نظیر وضو میں بھی مل جاتی ہے کہ نیند سے وضو کے ٹوٹ جانے کا حکم لگایا گیا ہے، کیونکہ نیند میں بھی ہوا وغیرہ کے خارج ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔

۳- بھاپ کے ذریعہ دوائیں خواہ قدیم طریقہ سے اندر لی جائیں یا جدید مشینی طریقہ سے دونوں صورتوں میں ''الإيصال إلى الجوف والدماغ من المخارق الأصلية'' کے پائے جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، فقہاء کرام نے بھی قصداً حلق میں دھواں داخل کرنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے۔

''أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التحرز عنه'' (درمختار مع الشامی ۳/۳۶۶)

بدائع میں ہے:

''ما وصل إلى الجوف أوالدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن... فسد صومه'' (بدائع ۲/۲۴۳)۔

۴- انجکشن کے ذریعہ رگوں کے واسطے انسانی جسم کے اندر دوائیں پہنچائی جاتی ہیں اور پورے جسم میں ان دواؤں کی رسائی ہوجاتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ یہ انجکشن ایسی راہ سے جسم کے اندر پہنچایا جاتا ہے جو فقہاء کے یہاں منفذ اصلی نہیں کہلاتی ہے۔

''الايصال من المخارق الأصلية'' کے فقدان کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

''وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع ۲/۲۴۳)۔

فقہاء نے صرف دو قسموں کے زخموں میں دواڈالنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے: الجائفہ اور الآمہ ۔

جائفہ پیٹ کے اس زخم کو کہا جاتا ہے جو معدہ تک گہرا ہو اور اسکے ذریعہ دوائیں پیٹ تک براہ راست پہنچ جاتی ہوں۔

آمہ سر کے اس گہرے زخم کو کہا جاتا ہے جو دماغ تک پہنچتا ہو اور اسکے ذریعہ دوائیں بھی براہ راست پہنچ جاتی ہوں۔

''ولوداوى جائفة أو آمّة بدواء فوصل إلى جوفه أودماغه أفطر عند أبي حنيفة'' (ہدایہ ۱/۲۰۹)۔

اس کے برخلاف دوسرے زخموں پر دواڈالنا مفسد صوم نہیں ہے اگرچہ جسم کے اندرونی حصہ تک پہنچتے ہوں، کیونکہ ان پر ڈالی گئی دوائیاں بالواسطہ دماغ یا

معدہ تک پہنچ جاتی ہیں نہ کہ بلاواسطہ۔

ولو أوصل الدواء إلى داخل الساق أو غرز فيه سكينًا أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف لأنه لم يعد عضوا مجوفًا'' (شرح المهذب ۵/ ۳۱۴)۔

البتہ اگر کوئی انجکشن ایسا ہو جسکو براہ راست پیٹ یا دماغ کے اندر پہنچایا جائے تو یہ مفسد صوم ہوگا، جیسے کتے کے کاٹنے پر پیٹ میں انجکشن لگایا جاتا ہے۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے میڈیکل سائنس نے گلوکوز (Glucose) چڑھانا سکھایا جو ایک حد تک غذا کا ایسا متبادل ہے کہ اس سے نہ صرف بھوک کا احساس ہی کم ہوجاتا ہے بلکہ بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے۔

اس کا حکم برابر انجکشن کی طرح ہے کہ مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی رگوں (Veins) کے ذریعہ اندر پہنچایا جاتا ہے، جو فقہاء کی اصطلاح میں منفذ اصلی نہیں ہے۔''الایصال من المخارق الاصلية ''کے فوت ہونے کی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

''وما يدخل فى مسامات البدن من الدهن لا يفطر'' (شامی)۔

گلوکوز کے متبادل غذا ہونا روزہ کے باب میں اس کے مفسد یا غیر مفسد ہونے پر موثر نہ ہوگا، جس طرح روزہ یاد نہ ہوتے ہوئے کھانا پینا روزہ پر اثر انداز نہیں ہوجاتا ہے، جو کہ صورۃ و معنیً اکل و شرب ہے، تو گلوکوز جو صرف معنیً اکل و شرب ہے یہ روزہ پر کیسے اثر انداز ہوسکتا ہے، حالانکہ الایصال من المخارق الأصلية کا فقدان ہے۔''فان الله عزوجل أطعمه وسقاه'' (الحديث)۔

البتہ بغیر عذر کے گلوکوز چڑھانا روزہ کی حالت میں کراہت سے خالی نہیں ہے۔

۶- الف: کسی بھی قسم کی سیال یا غیر سیال دوائی پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والاذن والدبر بأن استعط أو أحتقن أو أقطر فى اذنه فوصل إلى جوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع ۲/۲۴۳ طبع زکریا)۔

ب- ایسے ہی اگر بواسیر (Piles) کے مریض کو پائپ یا مشین کے ذریعہ دوائی اندر تک پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر اوپری اور بیرونی حصہ (External Portion) پر مرہم لگایا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ دوائی اندر نہ چلی جائے۔

''ولو أدخل اصبعه فى استه ... لا يفسد وهو المختار الا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء والدهن'' (ہندیہ ۱/۲۰۴ طبع زکریا)۔

دوائی کے خشک یا تر ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آجاتا کیونکہ یہاں اعتبار دوائی کے اندر پہنچنے اور نہ پہنچنے کا ہے، اگر اندر پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

''حتى لو علم ان الرطب لم يصل لم يفسد ولو علم أن اليابس وصل فسد صومه'' (بحر الرائق ۲/۴۸۷ دار الکتاب)۔

ج- امراض معدہ (جیسے کینسر وغیرہ) کی تحقیق کے لئے جو آلات (جیسے Endoscope وغیرہ) اندر داخل کئے جاتے ہیں ان میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ آلات پوری طرح اندر غائب ہوجائیں کہ باہر کچھ بھی نہ دکھائی دے تو اس سے مطلقاً روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ اس پر دوائی لگی ہو یا نہ ہو۔

''ويشترط ايضًا استقراره داخل الجوف فيفسد بالخشبة اذا غيبها لوجود الفعل مع الاستقرار وإن لم يغيبها فلا لعدم الاستقرار'' (شامی ۳/۳۶۸ مکتبہ زکریا)۔

اگر مذکورہ آلات انسان کے جسم کے اندر غائب نہیں ہوجاتے ہیں بلکہ ان کا کچھ حصہ باہر ہی رہتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر ان آلات کے اوپر دوائی لگائی گئی ہو اور وہ دوائی جسم کے اندر چلی گئی تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"ولو شد الطعام بخيط وأرسله فى حلقه وطرف الخيط فى يده لا يفسد الصوم" (البحر الرائق ۲/ ۲۸۷)۔

کیونکہ استقرار نہیں پایا گیا جو فساد صوم کیلئے شرط ہے۔

"وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطًا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها شئ" (درمختار)۔

عالمگیری میں ہے: "من ابتلع لحمًا مربوطًا على خيط ثم انتزعه من ساعته لا يفسد وإن تركه يفسد كذا فى البدائع" (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۲۰۴، مکتبہ زکریا)۔

۷- اگر مرد اور عورت کے پیچھے کی راہ یا عورت کے آگے کی راہ سے مرض وغیرہ کی تحقیق کے لئے کوئی آلہ اندر تک پہنچایا جائے اور بالکل غائب ہو جائے کہ استقرار پا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

"أو أدخل عودًا ونحوه فى مقعدته وطرفه خارج وإن غيبه فسد" (در المختار ۲/ ۳۶۸)۔

اور اگر مذکورہ آلات غائب نہ ہو جائیں بلکہ اسکا کچھ حصہ باہر ہی رہتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر ان آلات پر دوائی نہ لگائی گئی ہو تو روزہ نہیں ٹوٹ جائیگا، بخلاف اس کے کہ اگر ان پر دوائی لگائی گئی ہو اور اندر داخل کر دیے گئے اور دوائی بھی اندر لگ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

"أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أى دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد، ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقى طرفها فى فرجها الخارج لا" (الدر المختار على الشامى ۲/ ۳۶۹، نیز دیکھئے عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

اب رہا مسئلہ مرد کے آگے والے راستہ عضو تناسل سے کوئی چیز داخل کرنے کا تو طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک ایسا کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ معدہ اور مرد کی اس نلکی کے درمیان براہ راست منفذ نہیں ہے بلکہ مثانہ کا واسطہ ہے جہاں سے ٹپک ٹپک کر کے پیشاب نیچے آکر جمع ہو جاتا ہے، بخلاف عورتوں کے کہ ان کے اندر فطری طور پر ایسا منفذ موجود ہے جو پیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

"إذا أقطر فى إحليله لا يفسد صومه عند أبى حنيفة ومحمد... وفى الإقطار فى إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح" (عالمگیری ۱/۲۰۴)۔

☆☆☆

مفطرات صوم اور جدید وسائل

مولانا اشتیاق احمد قاسمی[۱]

۱- امراض قلب میں جو دوا زبان کے نیچے دبائی جاتی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس کا وجود پگھلتا ہوگا یا کنکر کی طرح باقی ہوگا، دونوں صورتوں میں اس میں میٹھا یا نمکین یا کوئی اور مزا ہوگا یا نہیں، اگر اس کا وجود اصلی مکمل باقی رہتا ہو اور کوئی مزا نہ ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اگر اس کا وجود پگھلتا ہو تو خواہ کوئی مزا نہ بھی ہو تب بھی اگر اس دوا کو منہ میں رکھ کر تھوک نگل لیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں فطری منفذ سے پیٹ میں دوا کا پہنچنا پایا جائے گا، اور اگر تھوک نہ نگلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''الفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' (ردالمحتار ۲/۱۰۶ رشیدیہ پاکستان)۔

اگر اس میں کوئی مزا ہو تو پھر اس کی دو صورت ہوگی، یا تو منہ میں رکھ کر فوراً نکال لیا جاتا ہوگا، اگر فوراً نکال لیا جاتا ہو اور ساتھ ہی منہ کے مزا کو تھوک دیا جاتا ہو تو روزہ باقی رہے گا، اس کی نظیر بد مزاج شوہر کی بیوی کا نمک چکھنا ہے، یہ بحاجت اور بقدر حاجت ہی جائز ہے، اور اگر اس میں مزا ہو اور دیر تک منہ میں رکھا جائے تو لعاب سے چونکہ مزا مل کر حلق میں ضرور پہنچے گا اس لیے روزہ کے ٹوٹنے کا کیا حکم لگے گا، لعاب میں ملے ہوئے مزہ کا دیر تک منہ میں باقی رکھنا اور حلق تک نہ پہنچنے دینا بہت دشوار بلکہ عادۃً محال ہے، ایسی صورت میں روزہ ٹوٹنے کا حکم لگانا ہی ناچیز کے نزدیک احوط ہے، چہ جائے کہ بار بار تھوکتا رہے۔

۲- تنفس کے مریض کی ایک دوا سفوف اور گرد کی شکل میں ہوتی ہے، یہ سفوف سانس لینے کے آلے انہیلر کے ذریعہ ہوا کے دباؤ سے حلق کے ذریعہ اندر داخل کئے جاتے ہیں، پھیپھڑے کے گرد سانس لینے کے بند مسامات کو یہ دوا اندر پہنچ کر کھول دیتی ہے جس سے چند لمحات کے بعد ہی تنفس کا مریض آسانی سے سانس لینے لگتا ہے، اس سے روزہ کا ٹوٹ جانا بالکل ظاہر ہے، اس لیے کہ فطری واضح منفذ یعنی حلق کے ذریعہ یہ سفوف اندر داخل کیے جاتے ہیں۔ فقہاء کرام کی عبارتوں میں اس کی نظیر غبار، بھاپ اور دھواں ہے، اگر کوئی ان کو قصداً داخل کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

''لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (ردالمحتار ۲/۱۰۶)۔

بیڑی سگریٹ پینے سے بھی اسی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۳- بھاپ لینے کا قدیم طریقہ جس طرح سے مفسد صوم ہے اسی طرح جدید مشینی طریقہ بھی مفسد صوم ہوگا، دھواں، غبار اور بھاپ تینوں کا حکم قصد کی صورت میں ایک ہی ہے، اور طریقہ کے بدلنے سے حکم نہیں بدلے گا۔

موسوعہ فقہیہ (۲۸/۳۶) میں بھی اسے مفسدات صوم میں داخل کیا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''أنه لو أدخل حلقه الدخان اى بأى صورة كان الإدخال'' (ردالمحتار ۲/۱۰۶ طبع رشیدیہ)۔

۴- گوشت میں انجکشن دے کر جسم میں دوا پہنچائی جائے یا جسم میں موجود خون کی نالیوں، نسوں اور رگوں میں انجکشن کے ذریعہ دوا پہنچائی جائے دونوں صورتوں میں دوا چوں کہ غیر واضح منافذ سے جسم میں داخل ہوتی ہے اور وہ معدہ یا دماغ کے بجائے جسم کی نسوں اور گوشت میں باقی رہ کر اپنا اثر جسم کے سارے اطراف میں پہنچاتی ہے اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ دوائی ضرورت سے ہو یا غذائی ضرورت سے، عدم فساد میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

[۱] جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، آسام۔

رہے ایسے انجکشن جو غذائی ضرورت پوری کرنے کے لیے گوشت میں یا نس میں لیے جاتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آدمی اتنا کمزور یا مریض ہو کہ روزہ رکھنا اس کے لیے سخت دشوار ہو یا مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تو اس کی ایک صورت تو شیخ فانی دائم المرض کے لیے فدیہ ادا کرنا ہے (بقرہ/ ۲۸۴)۔ اور عام کمزور مریض کے لیے قضاء کا حکم قرآن میں مصرح ہے (بقرہ/ ۱۸۴)۔

لیکن اگر ایسا مریض غذائی قوت والے انجکشن کے ذریعہ اپنی کمزوری دور کرنے کی تدبیر کرنے کے ساتھ روزہ رہنا چاہے تو اس کے انجکشن لینے میں حرج نہیں، بلکہ روزہ رکھنے کے لیے یہ صورت اختیار کرنا بہتر ہے۔

اور اگر آدمی میں قابل ذکر کمزوری نہیں ہے، محض ضعف روزہ کی تلافی کے لیے غذائی انجکشن گوشت یا نس میں لیتا ہے تو اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا، اس لیے کہ روزہ کا مقصد بھوکا رہنا، قوت شہوانیہ کو کم کرنا، بھوک و پیاس کا حقیقی مزہ لینا ہے، اس صورت میں یہ مقصد فوت ہو رہا ہے۔ اگر جسم میں روزہ برداشت کرنے کی معتد بہ قوت ہوتے ہوئے بھی انجکشن لیتا ہے تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا، اور شدت ضعف دور کرنے اور ادنی بیماریوں کے حملوں سے بچنے کے لیے لیتا ہے تو مکروہ تنزیہی ہوگا۔

۵- جسم میں نمکیات کی کمی دور کرنے کے لیے گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ نسوں سے چڑھایا جاتا ہے، البتہ اگر روزہ سے پیدا شدہ کمزوری دور کرنے کی نیت سے ہو تو مکروہ ہوگا جیسا کہ غذائی انجکشن کے بارے میں اوپر ذکر کیا گیا۔

۶- جو دوا بھی پیچھے کے راستے سے اندر پہنچائی جاتی ہے خواہ وہ سیال ہو یا غیر سیال، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، بواسیر کے مسّے چوں کہ باہر ہوتے ہیں یعنی موضع حقنہ سے نیچے ہوتے ہیں اس لیے ان مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ اگر دوا اس حد تک اندر پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی وجہ سے وہ آدمی جس کا کانچ (مقعد کا گوشت) پاخانہ کرتے وقت باہر نکل آتا ہو اگر وہ نکلے ہوئے کانچ کو تر کر کے خشک کیے بغیر اندر کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا'' (ردالمحتار ۲/۱۰۸ رشیدیہ پاکستان)۔

البتہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نزدیک بواسیر کے مسّوں کو پانی سے پاک کر کے تر ہونے کی حالت میں دبا کر اندر کرنے سے روزہ باقی رہے گا، روزہ میں کسی طرح کا نقصان نہ ہوگا (فتاوی رشیدیہ/ ۴۵۹، ۴۶۰)، فتاوی رشیدیہ کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے، اس میں مریض کے لیے آسانی بھی ہے، البتہ یہ بات صرف استنجاء کی حد تک ہے، دوا لگانے کے سلسلہ میں اوپر وضاحت آ گئی ہے۔

بواسیر کے مریض کو روزہ کے دنوں میں رات کے اوقات میں ہی مسوں پر دوا لگانے کا مشورہ چاہیے، اسی میں احتیاط ہے، فتاوی دار العلوم دیوبند میں احتیاط کو ہی بہتر بتایا گیا ہے (دیکھئے: ۱/ ۴۱۱)۔

جو آلات امراض معدہ کی تحقیق کے لئے مقعد سے داخل کیے جاتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان آلات پر کوئی دوا لگائی گئی ہوگی یا نہیں، اگر دوا لگا کر داخل کی جائے گی تو روزہ بلا شبہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر محض آلہ تحقیق بغیر دوا لگائے داخل کئے جائیں تو بھی یہ دو حال سے خالی نہیں ہوں گے، یا تو آلہ تحقیق کا پورا حصہ اندر داخل ہوگا اس طرح سے کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی نظیر فقہائے کرام کا ذکر کردہ وہ مسئلہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے دبر میں لکڑی داخل کی اس طرح کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ رہا تو روزہ فاسد ہو جائیگا۔

اور اگر آلہ تحقیق کا کچھ حصہ داخل کیا گیا اور کچھ حصہ باہر ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''وفي الظهيرية: ولو أدخل خشبة أونحوها وطرفًا منها بيده لم يفسد صومه''

(البحر الرائق ۲/۴۸۷ دیوبند، ردالمحتار ۲/۱۰۷ رشیدیہ پاکستان، بدائع الصنائع ۲/۲۴۴ دیوبند)۔

اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ:

اگر کوئی آدمی کسی دھاگے میں مربوط گوشت کو نگل لیا تو اگر فوراً ہی اسے نکال لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر چھوڑ دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''ولو ابتلع لحما مربوطا على خيط ثم انتزعه من ساعته لا يفسد وإن تركه فسد'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

۷- علامہ محمد امین شامیؒ نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ آیا مثانہ (پیشاب کی تھیلی) اور جوف کے درمیان منفذ ہے یا نہیں، پھر راجح قول کی نشاندہی کی ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے۔

''والأظهر أنه لا منفذ له'' (ردالمحتار ۲/۱۰۹ رشیدیہ)۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اگر کوئی طبی آلہ مرد کی شرمگاہ سے مثانہ تک پہنچائی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ آلہ طب پر کچھ لگا کر اندر داخل کیا جائے یا بلا کچھ لگائے۔

''أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب''

(تنویر الابصار مع الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۱۰۹ طبع رشیدیہ)۔

اور جب یہ بات محقق ہے کہ مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ نہیں ہے تو اس سے یہ حکم بھی سمجھ میں آ گیا کہ عورت کے مثانہ تک طبی آلات کے پہنچانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ عورت کی داخل شرمگاہ میں اگر کوئی طبی آلہ رحم تک داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ فرج داخل جوف کے حکم میں ہے، دونوں کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔

''قلت: الأقرب التخلص، بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه''

(ردالمحتار ۲/۱۰۹ رشیدیہ)۔

جب فرج داخل جوف کے حکم میں ہے تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ اس میں سیال یا جامد دوا رکھے جانے سے اصح قول کے مطابق روزہ فاسد ہو جائے گا

''وأما في قبلها ففسد إجماعا لأنه كالحقنة'' (الدر المختار ۲/۱۱۰)۔

☆☆☆

روزہ پر اثر انداز ہونے والے نئے مسائل

مولانا شمس الدین مظاہری[1]

۱- فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب تک غذا یا دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء غذا و دوا حلق کے اندر نہ پہنچیں روزہ فاسد نہیں ہوتا لہذا امراض قلب سے متعلق جن دواؤں کو زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے اگر روزہ کی حالت میں ان دواؤں کا استعمال کیا جائے اور دوا یا لعاب میں مل جانے والے اجزاء کو نگلنے سے احتراز کیا جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا، تاہم اس صورت میں چونکہ اجزاء کے اندر جانے کا خطرہ رہتا ہے اس لئے حتی الامکان بچنا مناسب ہے: ''وإن مضغها لا يفسد إلا أن يجد طعمها في حلقه'' (عالمگیری ۱/ ۲۰۳)۔

۲- تقریباً تمام ہی فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حلق سے کوئی غذا یا دوا اندر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہذا انہیلر کے ذریعہ دوا وغیرہ جب حلق ہی سے اندر جاتا ہے خواہ معدہ میں پہنچے یا نہیں اور پہنچے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''إنه لو أدخل حلقه الدخان اى بأى صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (ردالمحتار ۲/۲۲۷)۔

۳- '' المفطر إنما هو الداخل من المنافذ'' لہذا گرم پانی میں دوا ڈال کر اس سے نکلنے والے بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جائے یا مشینی طریقہ سے منافذ اصلیہ سے بھاپ اندر داخل ہو دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه ذاكرا لصومه أفطر'' (ردالمحتار ۲/۲۲۷)۔

۴،۵- تقریباً ہمارے تمام اکابر فقہ و فتوی اس بات پر متفق ہیں کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لینے سے یا گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور یہ مسئلہ تقریباً تمام اردو فتاوی میں موجود ہے، اس لئے کہ روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، انجکشن یا گلوکوز سے بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ عروق و مسامات کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہے، لہذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''قال في الدر :أو ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه، وفي رد المحتار لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر'' (ردالمحتار ۲/۲۲۷)۔

البتہ بلا ضرورت صرف غذائی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے انجکشن لینا یا گلوکوز چڑھانا جو کہ روزہ کی حقیقت اور روزہ سے مطلوبہ تقاضہ کے خلاف ہے، اس لئے بلا عذر کے مکروہ ہوگا۔

۶،۷- آگے یا پیچھے کی راہ سے دوا یا غذا اندر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ فاسد ہوگا یا نہیں، اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، تاہم راجح اور احوط یہی ہے کہ روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسا کہ درمختار کے اس جزئیہ سے بھی واضح ہے:

''أو أدخل إصبعه اليابسة أى دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد، ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد'' (در مختار ۲/۲۲۹، دار الكتاب ديوبند)۔

☆☆☆

[1] جامعہ اشاعت العلوم، قلی بازار، کانپور۔

نواقض صوم کے بعض نئے مسائل

مفتی ظہیر احمد[1]

۱- اس طرح کی دوا کے استعمال سے روزہ مکروہ ہوگا ٹوٹے گا نہیں۔

''حیث جاء فی رد المحتار: وابتلعه مع الریق لطعم أدویة (ومص إهلیلج) بخلاف نحو سکر'' (الدر مع الرد: ۳/۳۶۷) وجاء فی الشامی: تحت هذا (کطعم أدویة) أی دق دواء فوجد طعمه فی حلقه زیلعی وغیره، وفی القهستانی: طعم الأدویة وریح العطر إذا وجد فی حلقه لم یفطر، کما فی المحیط (حوالہ سابق) وکذا جاء فی الدر المختار فی موضع آخر: أو ذاق شیئًا بفمه وإن کره لم یفطر '' (حوالہ سابق ۳/۳۷۳)۔

۲- اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ بالقصد دوا حلق کے نیچے پہنچائی جاتی ہے گو کہ بظاہر معدہ میں نہیں جاتی ہے بلکہ پھیپھڑے میں جاتی ہے۔

''وجاء فی الرد المحتار: أنه لو أدخل حلقه الدخان ای بأی صورة کان الإدخال حتی لو تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتمه ذاکرا لصومه أفطر لإمکان التحرز عنه وهذا مما یغفل عنه کثیر من الناس ولا یتوهم أنه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله، امداد، وبه علم حکم شرب الدخان'' (شامی ۳/۳۶۶، نیز دیکھئے: کتاب الفتاوی للرحمانی ۳/۳۹۳)۔

۳- اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (''المرجع السابق ۳/۳۶۶، جدید فقہی مسائل: ۱۸۸)۔

۴- اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ فطری منفذ سے دوا براہ راست معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچائی جاتی۔

''وفی دواء الجائفة والآمة أکثر المشائخ علی أن العبرة بالوصول إلی الجوف والدماغ لا لکونه رطبًا أو یابسًا''
(الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۰۴، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳، الدر والرد ۳/۳۷۶)۔

۵- اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۰۴، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۳، الدر المختار ورد المحتار ۳/۳۷۶)۔

۶- الف: بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وما وصل إلی الجوف أو إلی الدماغ من المخارق الأصلیة کالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر فی أذنه فوصل إلی الجوف أو إلی الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳، شامی ۳/۳۷۶)۔

(ب) بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر خلاف احتیاط ہے (دیکھئے: فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۱۱) لیکن اگر اتنے اندر تک لگایا جہاں سے معدہ اس کو جذب کرسکتا ہے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

[1] محلہ کاڑی پورہ، مئو (یوپی)۔

''ولو أدخل إصبعه فی إسته أوالمرأة فی فرجها لا يفسد هو المختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴، نیز دیکھئے: الدر والرد ۳/۳۶۹، بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

(ج) پچھلے راستہ میں آلات کے داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ آلات پر کچھ لگا ہوا نہ ہو۔

''ولو أدخل إصبعه فی إسته...'' (الهندیه ۱/۲۰۴، شامی ۳/۳۶۹، بدائع ۲/۲۴۴)۔

۷- (الف) مرد و عورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کہ نلکی پر کچھ دوا وغیرہ نہ لگی ہوئی ہو (سابقہ حوالجات)۔

''من ابتلع لحما مربوطا على خيط ثم انتزعه من ساعته أنه لا يفسد وإن تركه فسد'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

(ب) اگر کوئی دوا پہنچائی جائے تو مرد کے اگلے راستہ سے دوا پہنچانے میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

''إذا أقطر فی إحليله لا يفسد صومه'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(ج) عورت کے اگلے حصہ سے دوا پہنچانے میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''وفی الإقطار فی إقبال النساء يفسد بلا بخلاف وهو الصحيح'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

وأما الإقطار فی قبل المرأة فقد قال مشائخنا أنه يفسد صومها بالاجماع'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

(د) اگر دوا کا اثر شرم گاہ میں رکھنے سے جوف معدہ تک پہنچ سکتا ہے یا معدہ جذب کر سکتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

''لوأدخل إصبعه فی إسته أوالمرأة فی فرجها لايفسد هو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أوالدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أوالدهن'' (۱/۲۰۴، وكذا فی بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

(ھ) مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچانے کی صورت میں بھی حکم وہی ہوگا کہ اگر آلات پر کوئی چیز لگی ہوئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر آلات پر کوئی چیز لگی ہوئی نہیں ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (الہندیہ ۱/۲۰۴، بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

☆☆☆

نواقض صوم کے نئے مسائل کا حکم

مولانا عامر ظفر ایوبی مفتاحی[۱]

۱- امراض قلب یا دیگر امراض کی وہ دوائیں جنہیں نگلا نہ جائے بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جائے یا دوا کو یا لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ دوا کا وصول جوف بطن تک نہیں ہوا ہے جو کہ مفطر صوم کے لئے شرط ہے، لہذا جو حکم کسی شئی کے چبانے کا ہے وہی حکم زبان کے نیچے دوا رکھنے کا بھی ہے، ہدایہ میں ہے:

''ویکرہ للمرأۃ أن تمضغ لصبیھا الطعام إذا کان لھا منہ بدّ لما بینا ولا بأس إذا لم تجد منہ بدًا صیانۃ للولد''۔
یعنی عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانے کو چبائے جبکہ اس کے لئے کوئی تدبیر ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور کوئی حرج نہیں جبکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر نہ ہو بچے کی حفاظت کی غرض سے۔

لہذا اگر زبان کے نیچے دوا رکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ علاج کارگر ثابت نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے، اور دوسرا طریقہ علاج پائے جانے کی صورت میں مع الکراہت جائز ہوگا، لیکن اگر مریض دوا کا مزہ حلق پر محسوس کرے تو روزہ فاسد ہو جائیگا جیسا کہ تل کے بارے میں ہے کہ اس کو چبانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا مگر یہ کہ چبانے والا اس کا مزہ حلق پر محسوس کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، فتح القدیر میں الکافی کے حوالے سے مذکور ہے:

''وفی السمسمۃ قال إن مضغھا لا یفسد إلا أن یجد طعمہ فی حلقہ''۔

اور صاحب فتح القدیر اس کے آگے لکھتے ہیں: ''وھذا حسن جدا فلیکن الأصل فی کل قلیل مضغہ''۔
یعنی یہ بہت عمدہ ہے، لہذا چاہیے کہ اصل ہو ہر اس قلیل شئی کے متعلق جس کو چبائے۔

اور دوا کا اثر حلق پر محسوس کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے اجزاء کا حلق تک پہنچنے کا احساس ہو جائے، اگر بہت ہلکی سی کڑواہٹ حلق پر محسوس کرے تو اس سے کچھ نقصان نہیں، جیسا کہ مسواک کرنے کے بعد اس کا ہلکا سا اثر باقی رہ جاتا ہے اور لعاب کے ساتھ حلق پر بھی چلا جاتا ہے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ اس سے تحرز ممکن نہیں۔

''إذا أکل الصائم أو شرب أو جامع ناسیًا أو دخل حلقہ غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاکرًا استحسانًا لعدم إمکان التحرز''

۲- تنفس کے مرض میں انہیلر کا استعمال ہوتا ہے، انہیلر کے ذریعہ ہوا اور سفوف کی شکل والی دوا کو پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، سوالنامے کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوا معدے تک نہیں پہنچتی بلکہ پھیپھڑے تک ہی جاتی ہے لیکن چونکہ پھیپھڑے اور معدے کے درمیان منفذ ہے اور اس منفذ کے واسطے سے دوا کا معدے تک پہنچنا ممکن ہے بلکہ اس منفذ سے دوا کا معدہ تک پہنچنا عادت اکثریہ ہے جیسا کہ دماغ سے معدہ

[۱] محلہ کاوی پورہ، مئو (یوپی)۔

تک منفذ سے کسی شئ کے پہنچنے کا امکان ہے اور اسی وجہ سے کسی شئ کے دماغ تک پہنچ جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، لہٰذا پھیپھڑے تک دوا کے پہنچنے سے روزہ فاسد ہوجائیگا۔

''قال في البحر والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا أصليًا فما وصل إلى جوف الرأس وصل إلى جوف البطن''۔

اس لئے دوا کا پھیپھڑے تک پہنچنا بھی تبعًا مفسد صوم ہوگا، ہاں اگر یقین کی حد تک یہ بات ثابت ہوجائے کہ واقعی انہیلر کے ذریعے لی گئی دوا صرف پھیپھڑے تک پہنچتی ہے معدہ تک کبھی بھی نہیں جاتی تو انہیلر کے ذریعے لی گئی دوا سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ تک یا جوف بطن تک پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً بدن کے کسی جوف میں پہنچنا مفطر صوم نہیں، بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں ایسی ہیں کہ جس میں دوا جوف بدن میں پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لئے اس کو مفطر اور مفسد صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں، شامی میں ہے:

''وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقًا ولاشك في ذلك''۔

۴- روزہ کی حالت میں انجکشن کے ذریعہ رگوں میں دوا پہنچائی گئی تو یہ مفسد صوم نہیں، کیونکہ رگوں میں انجکشن لگانے سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن تک نہیں پہنچتی، اوپر گذر چکا کہ کسی شئ کا مفطر صوم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچے، ان دونوں جوف کے علاوہ کسی دوسرے جوف بدن میں داخل ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، امام علاء الدین کاسانی رقم طراز ہیں:

''وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية والأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

بوادر النوادر میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے یہ عبارت منقول ہے:

''وما وصل إلى جوف الرأس والبطن من الأذن والأنف والدبر فهو مضطر بالاجماع وفيه القضاء وهي مسائل الافطار في الأذن والسعوط والوجود والحقنة وكذا من الجائفة والآمة عند أبي حنيفة''۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مفطر صوم کے لئے کسی شئ کا جوف بطن اور جوف دماغ میں پہنچنا ضروری ہے، بلکہ جوف دماغ بھی اصل نہیں، وہ بھی اس وجہ سے مراد لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے، اس لئے جوف عروق میں انجکشن لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر انجکشن کے ذریعہ دوا رگوں کے علاوہ جسم کے دوسرے حصوں میں پہنچائی گئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفطر صوم ہے، اور صاحبین کے نزدیک مفطر صوم نہیں، صاحبین رحمہما اللہ مخارق اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے کہ مخارق اصلیہ سے جوف تک پہنچنا یقینی ہے، اور ان کے علاوہ مسامات وغیرہ سے جوف تک دوا کا پہنچنا مشکوک ہے، لہٰذا شک کی وجہ سے فساد کا حکم نہیں لگاتے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رطوبت والی دوا میں مخارق اصلیہ کا اعتبار نہیں کرتے، اس لئے کہ مسامات کے منفذ ہونے کی وجہ سے دوا کا جوف تک پہنچنا ظاہر ہے، لہٰذا وہ ظاہر پر حکم لگاتے ہیں (دیکھئے بدائع الصنائع: ۲/۲۴۳)۔

۵- نمکیات کی کمی کو پورا کرنے کے لئے گلوکوز کو چونکہ جوف عروق میں ہی چڑھایا جاتا ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا جوف معدہ میں نہ پہنچنے کی وجہ سے، اور کمزور لوگ جنہیں روزہ رکھنے کی وجہ سے بلڈ پریشر کی کمی کی شکایت ہوجاتی ہے یا کوئی اور عارضہ لاحق ہوجاتا ہے تو ان کے لئے گلوکوز کا چڑھانا مکروہ بھی نہیں ہے جیسا کہ کسی چیز کا چبانا روزہ کو مکروہ کردیتا ہے، لیکن اگر عورت اپنے بچے کی حفاظت کی غرض سے اس کا کھانا چبائے تو کراہت بھی مرتفع ہوجاتی ہے۔

''كما في الهداية: ويكره للمرأة أن تمضغ لصبيها الطعام إذا كان لها منه بد لما بينا ولا بأس إذا لم تجد منه بدًا صيانة

للولد'' (ہدایہ ۲۰۰/۱)۔

۶- ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شئی کا مفطر صوم ہونے کے لئے معدہ یا دماغ تک پہنچنا ضروری ہے لیکن کسی چیز کا معدہ یا دماغ تک پہنچنے کا علم طبی تحقیق سے متعلق ہے، بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ہر آدمی کو احساس ہوجاتا ہے کہ شئی معدہ تک پہنچ گئی مثلاً کسی نے پانی پی لیا یا کھانا کھالیا تو حلق سے اترتے ہی بالاتفاق روزہ فاسد ہوجائیگا، اس لئے کہ کھانا اور پانی کے معدہ تک پہنچنے میں کوئی شبہ نہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں کہ شئی معدہ تک پہنچ جاتی ہے لیکن عوام الناس اس کا اوراک نہیں کرپاتے مثلاً کان، ناک یا دبر میں دوالگائی تو اکثر وہ جوف تک پہنچ جاتی ہے لیکن ہر شخص اس کو محسوس نہیں کرپاتا، اسی جیسے مسئلہ کی طبی تحقیق میں اختلاف ہونے کی بنا پر ائمہ کے درمیان فساد صوم اور عدم فساد صوم میں اختلاف ہوا، جیسا کہ پیشاب گاہ میں دوالگائی اور وہ مثانہ میں چلی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا، کیونکہ وہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ مانتے ہیں جس سے دوا معدہ تک پہنچ جاتی ہے، اور طرفین کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ وہ منفذ کے قائل نہیں، کبھی طبی تحقیق کی بنا پر دوا کا معدہ تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے ضروری نہیں، ایسی صورت میں بھی ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، صاحبین شک کی بنا پر فساد صوم کا حکم نہیں لگاتے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر شئی کا وصول کسی منفذ سے اکثر ہوجاتا ہے تو وہ فساد صوم کا حکم لگاتے ہیں، اور اگر عادت اکثر یہ جوف تک نہ پہنچنے کی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مندرجہ بالا تفصیل کے پیش نظر پیچھے کے راستہ سے جو دوائیں اندر پہنچائی جاتی ہیں، سیال ہوں یا غیر سیال، عوام الناس کو ان دواؤں کا جوف تک پہنچنے کا علم نہیں ہو پاتا، لیکن طبی تحقیق یہ ہے کہ دوائیں جوف تک پہنچ جاتی ہیں لہٰذا بلا اختلاف روزہ فاسد ہوجاتا ہے، ہدایہ میں ہے:

''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه أفطر لقوله ﷺ الفطر مما دخل ولوجود معنی الفطر وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلی الجوف'' (۲۰۰/۲، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲۴۳/۲)۔

صاحب ہدایہ کے اس جملے ''وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلی الجوف'' سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ تینوں منافذ سے دوا کا جوف تک پہنچ جانا محقق ہے، ہاں اگر اس کے برخلاف دوا کا جوف تک نہ پہنچنا کسی طرح ثابت ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ دیگر کتب فقہیہ میں ''وصول إلی الجوف أو إلی الدماغ'' کی قید لگی۔

خلاصہ کلام اس کا یہ ہے کہ سیال یا غیر سیال دوا پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی اور مریض کو دوا کا جوف تک نہ پہنچنے کا کسی طرح یقین ہوگیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر مریض کو شک ہے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، کیونکہ اس منفذ (دبر) سے دوا اکثر جوف تک پہنچ جاتی ہے۔

اسی طرح سے جو آلات امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستے سے داخل کئے جاتے ہیں اگر ان آلات پر رطوبت اور تری ہو، ان پر کوئی دوا لگی ہوئی ہو تو اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد ہوجائیگا، کیونکہ اس صورت میں یقینی طور پر معدہ میں داخل ہوگئی، اور اگر وہ آلات خشک ہیں اور وہ بالکلیہ داخل نہیں ہوتے بلکہ اس کا دوسرا کنارہ باہر رہتا ہے اور آلہ باہر نکالنے کے بعد اس میں سے کچھ بھی اندر رہ نہیں جاتا بلکہ سب باہر آجاتا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا معدہ میں استقرار نہیں ہوا، اور مفطر صوم کے لئے معدہ میں اس کا استقرار ہونا شرط ہے۔

''أو أدخل عودًا ونحوه فی مقعده وطرفه خارج وإن غيب فسد وكذا لو ابتلع خشبة أوخيطًا ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها شئ ومفاده أن استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد''

(درمختار مع الشامی ۳۰۰۸/۳، نیز دیکھئے: بدائع ۲۴۴/۲)۔

۷- آگے کے راستہ سے نلکی یا دیگر آلات کا ڈالنا جبکہ وہ خشک ہوں مفطر صوم نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں آلہ یا نلکی کا استقرار فی الجوف نہیں ہوتا، اور اگر نلکی یا آلہ بھیگے ہوئے ہوں یا ان پر دوا لگادی گئی ہو تو روزہ فاسد ہوجائیگا، کیونکہ اس صورت میں رطوبت اور دوا کا جوف میں استقرار ہوجاتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: ''أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أی دبره أو فرجها ولو مبتلة فسد''۔

اپنی خشک انگلی اس میں یعنی اپنے پیچھے کے راستہ میں یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کیا تو (مفسد نہیں)، اور اگر انگلی تر ہے تو فاسد ہو گیا، اور اگر عورت کے فرج میں کوئی بھی دوا ڈالی گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا، بدائع الصنائع میں ہے:

''وأما الإقطار فی قبل المرأة فقد قال مشائخنا إنه يفسد صومها بالإجماع وإن لمثانتها منفذًا فيصل إلى الجوف كالإقطار فی الأذن'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا جیسا کہ شامی میں ہے:

''أنه لو بقي فی قصبة الذكر لا يفسد اتفاقًا'' (شامی ۳/۳۷۲)۔

یعنی اگر وہ پانی یا تیل وغیرہ ذکر کی نالی میں ہی رہ گیا تو بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

اور اگر دوا مثانہ تک پہنچ گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگا، اور امام محمدؒ کا قول بعض لوگ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور بعض لوگ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

''أو أقطر فی إحليله ماء أو دهنًا وإن وصل إلى المثانة على المذهب وأما فی قبلها فمفسد اجماعًا لأنه كالحقنة'' (درمختار مع الشامی ۳/۳۷۲)۔

اپنے پیشاب گاہ میں پانی یا تیل ٹپکایا تو مفطر نہیں اگرچہ وہ مثانہ تک پہنچ جائے، ظاہر مذہب پر اور عورت کے آگے کے راستے میں پانی یا تیل وغیرہ کا ڈالنا بالاجماع مفسد ہے اس لئے کہ وہ حقنہ کی طرح ہے۔

☆☆☆

جدید وسائل کے روزہ پر اثرات

مولانا ابو عاصم اعظمی [1]

۱- ہارٹ کے مریض امراض قلب سے متعلق جو دوائیں زبان کے نیچے رکھتے ہیں جنھیں نگلا نہیں جاتا یا وہ دوا منھ میں گھل کر لعاب کے ساتھ مل گئی مگر اس نے لعاب کو بھی حلق کے اندر داخل نہیں ہونے دیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر اس کے اجزاء حلق کے اندر چلے گئے تو روزہ فاسد ہو جائیگا، اسی طرح ہومیو پیتھ کی سیال دوائیں جو بسا اوقات زبان پر ٹپکائی جاتی ہیں حالت صوم میں شدید ضرورت کے وقت اسکا ایک قطرہ زبان پر ٹپکایا جو زبان پر ہی رہ گیا حلق میں نہیں گیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ فتح القدیر (۲/ ۲۳۴) میں مذکور ہے: ''وإلى باطن فمه وأنفه لا يفسد'' یعنی اگر کسی چیز کو منھ یا ناک کے اندر رکھا اور وہ دماغ تک نہیں پہنچی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

اور مبسوط للسرخسی میں ہے: ''وإذا ذاق الصائم بلسانه شيئًا ولم يدخل حلقه لم يفطر لأن الفطر موصول شئ إلى جوفه ولم يوجد والفم في حكم الظاهر (۳/۹۴)، اور جب روزہ دار کسی چیز کو اپنی زبان سے چکھے اور وہ اسکے حلق میں نہ داخل ہو تو وہ مفطر نہیں ہے اسلئے کہ افطار کسی چیز کے جوف تک پہنچنے سے ہوتا ہے اور جوف تک پہنچنا نہیں پایا گیا اور منھ ظاہر کے حکم میں ہے۔

البحر الرائق (۲/ ۴۸۹) میں ہے: ''وكره ذوق شئ ومضغه بلاعذر'' کے تحت مذکور ہے: ''قيد بقوله بلاعذر لأن الذوق بعذر لا يكره''۔ یعنی کسی چیز کا چکھنا اور اسکا چبانا حالت صوم میں بلا عذر مکروہ ہے اور عذر کیوجہ سے مکروہ نہیں ہے، ظاہر ہے کہ چکھنا یا چبانا زبان پر رکھنے یا منھ پر رکھنے سے ہی ہوگا، اور مریض قلب کے لئے اضافہ مرض کا عذر ہے، اور علامی شامی نے کرہ کے تحت لکھا ہے: ''الظاهر أن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية'' (۳/ ۳۹۵)، یعنی ظاہر ہے کہ ان اشیاء میں کراہت تنزیہی ہے۔

۲- تنفس کے مریض جو انہیلر استعمال کرتے ہیں اس کے ذریعہ دوا یا سفوف حلق کے اندر جاتا ہے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ حلق منفذ جوف ہے، اس کے ذریعہ کوئی بھی چیز جوف تک پہنچ سکنے کا امکان قوی ہے، اور استعمال کرنے والے نے اس کا استعمال اگرچہ عذر کی وجہ سے کیا ہے مگر اسکی دوا حلق کے اندر داخل ہوتی ہے اور حلق کے اندر کسی بھی چیز کا داخل کرنا مفسد صوم ہے۔

''أنه لو أدخل حلقه الدخان اى بأى صورة كان الادخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه و اشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه'' (شامی ۳/۳۶۶)۔

(اگر روزہ دار نے اپنی حلق میں دھواں داخل کرلیا یعنی کسی بھی شکل سے داخل کرنا ہو یہاں تک کہ خوشبو سلگائی گئی اور اس نے اسکو اپنی طرف سمیٹ لیا یا اسکو سونگھ لیا روزہ کو یاد رکھتے ہوئے تو اس نے افطار کرلیا، اس سے بچنا ممکن ہونے کی وجہ سے) حتی کہ جن چیزوں سے بچنا ممکن ہے وہ کسی طرح خود بخود حلق کے اندر چلی گئیں تو ان سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، ''أو دخل حلقه مطر أو ثلج بنفسه لإمكان التحرز عنه بضم فمه'' (الدر المختار ۲/ ۳۷۸) یا اس کے حلق میں بارش یا برف خود بخود داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اپنے منھ کو بند کر کے اس سے بچنا ممکن ہونے کی وجہ سے۔

لہذا انہیلر کے ذریعہ چونکہ دوا حلق کے اندر داخل ہو جاتی ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد ہوگا۔

[1] مدرسہ تعلیم القرآن، محسن پورہ، مئو۔

۳- بھاپ کے ذریعہ دواؤں کے لینے کا بھی وہی حکم ہے کہ حلق کے اندر جاتی ہیں اس لئے روزہ فاسد ہوگا، اس کے لیے وہی دلیلیں ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔

۴- جسم کے اندر انجکشن کے ذریعہ بھی دوا پہنچائی جاتی ہے، بعض انجکشن رگوں میں داخل کئے جاتے ہیں اور بعض گوشت میں، نیز یہ انجکشن دوا کے طور پر بھی ہوتے ہیں اور کبھی غذا کی ضرورت بھی پوری کرتے ہیں، مگر چونکہ یہ فطری منافذ کے ذریعہ جوف تک نہیں پہنچتے ہیں بلکہ مسامات کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں اور مسامات جسم منفذ جوف نہیں مانے گئے ہیں اسلئے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''والمفطر الداخل من المنافذ کالمدخل والمخرج لا من المسام الذی ھو خلل البدن للاتفاق فیمن شرع فی الماء ویجد بردہ فی بطنہ ولا یفطر'' (۲/۲۵۷)۔

(اور روزہ توڑنے والی وہ چیز ہے جو داخل ہونے والی ہو منافذ سے، جیسے داخل اور خارج ہونے کے راستے نہ کہ وہ مسام جو خلل بدن ہیں، اس شخص کے متعلق اتفاق کی وجہ سے جو پانی میں داخل ہو جائے اور برودت اپنے پیٹ میں محسوس کرے کہ وہ مفطر نہیں)۔

۵- گلوکوز کا چڑھانا بھی مفسد صوم نہیں، اس لئے کہ یہ بھی فطری منافذ سے نہیں لیا جاتا بلکہ مسامات جسم کے ذریعہ انجکشن کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے، اگرچہ اس سے جسم میں نمکیات کی کمی پوری ہوتی ہے، اور وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جو غذا سے ملتی ہے، البتہ بلا عذر محض بھوک کی کمی کو پورا کرنے کے لئے اس کا استعمال منشاء صوم کے خلاف ہے، ایک حدیث میں وارد ہے: '' عن أبي بکر بن عبد الرحمٰن عن رجل من أصحاب النبي ﷺ قال: رأیت النبي ﷺ یصب الماء علی رأسہ من الحر وھو صائم '' (رواہ ابو داؤد واحمد) (ابوبکر بن عبدالرحمٰن صحابہ رسول میں سے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی کی وجہ سے سر پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا حالانکہ آپ روزہ سے تھے)، علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''فیہ دلیل علی أنہ یجوز الصائم أن یکسر الحر و یصب الماء علی بعض بدنہ أو کلہ وقد ذھب إلی ذلك الجمھور'' (نیل الأوطار ۴/۲۸۸)۔

یعنی اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ روزہ دار کے لئے جائز ہے کہ گرمی کی شدت کو اپنے بعض یا پورے بدن پر پانی بہا کر توڑے، اور جمہور کا یہی مذہب ہے، احناف کے نزدیک بھی اس سے روزہ فاسد یا مکروہ نہیں ہوتا، لہٰذا گلوکوز کا استعمال جو غیر منفذ سے ہوتا ہے اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۶- کتب فقہیہ میں مفطر صوم اشیاء کے لئے جوف تک پہنچنے اور مدخل اور مخرج یا مخارق اصلیہ کے ذریعہ پہنچنے کی قیود ملتی ہیں، اس لحاظ سے سیال یا غیر سیال دوائیں جو پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جائیں، اور غالب گمان ان کے جوف تک پہنچنے کا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر یہ یقینی ہے کہ وہ دوا جوف یا حقنہ تک نہیں پہنچے گی تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے جب کہ بواسیری مسوں پر دوا لگانے کے متعلق مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے:

بواسیری مستے موضع حقنہ سے بہت نیچے ہوتے ہیں اور براہ مقعد داخل ہونے والی چیز جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچے مفسد نہیں، لہٰذا مسوں کو پانی سے تر کرکے چڑھانے سے اور مسوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ کانچ کو تر کرکے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسلئے کہ یہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۰)۔

اسی طرح وہ آلات جو امراض معدہ کی تحقیق کے لئے اندر داخل کئے جاتے ہیں ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ان آلات پر دوا یا کسی اور شے کی رطوبت نہ ہو، خشک ہوں، اور ان کا دوسرا کنارہ باہر ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر ان پر کسی طرح کی رطوبت ہے تو داخل کرنے سے رطوبت اندر پہنچے گی اس لئے روزہ فاسد ہو جائے گا، یا وہ آلات پورے طور پر اندر داخل ہو گئے اور ان کا کچھ بھی حصہ باہر نہیں رہ گیا تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا (بدائع الصنائع ۲/۲۴۴)۔

شامی میں مذکور ہے: فیفسد بالخشبۃ إذا غیبھا لوجود الفعل مع الاستقرار وإن لم یغیبھا فلا، لعدم الاستقرار (۲/۳۶۸)

نیز ''أو أدخلہ إصبعہ الیابسۃ فیہ أی دبرہ أو فرجھا ولو مبتلۃ فسد'' کے تحت لکھتے ہیں: لبقاء شئ من البلۃ فی الداخل، وھذا لو أدخل الإصبع إلی موضع المحقنۃ'' (۲/۳۶۹)۔

۷- مرد کے پیشاب کے راستہ میں دوا ڈالنا مفسد صوم نہیں، البحر الرائق میں ہے:

''وإن أقطر في إحليله لا أي لا يفطر أطلقه فشمل الماء و الدهن'' (۲/۴۸۸)۔

احلیل پیشاب کے راستہ کو کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق اس میں اقطار یعنی کسی بھی شئ کا ڈالنا مفسد صوم نہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک مثانہ جوف کا منفذ نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مفسد صوم ہے، اس لئے کہ وہ منفذ مانتے ہیں، اور اگر پیشاب کے راستے نلکی یا کوئی آلہ داخل کیا گیا تو بھی مفسد صوم نہیں۔

عورت کے آگے کے راستہ میں جو بھی دوا وغیرہ ڈالی جائے وہ مفسد صوم ہوگی، خواہ دوا سیال ہو یا جامد۔ صاحب بحر لکھتے ہیں:

''وقيد بالإحليل الذي هو مخرج البول من الذكر لأن الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح'' (۲/۴۸۸)۔

اور درمختار میں ہے: ''ولو أدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' (۳/۳۶۹)۔

اور اگر آلات یا نلکی داخل کی جائے تو اس میں وہی تفصیل ہے کہ اگر اس پر کوئی دوا وغیرہ کی رطوبت ہو تو رطوبت کے اندر رہ جانے کے امکان کے سبب روزہ فاسد ہوگا، اور اگر وہ آلات خشک ہیں اور ان کا دوسرا کنارہ باہر ہے تو اس نلکی یا آلہ کے اندر استقرار نہ پائے جانے کے سبب روزہ فاسد نہیں ہوگا، جیسا کہ مذکورہ عبارت: ''وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا'' سے ظاہر ہے۔

روزہ اور پیش آنے والے جدید مسائل

مولانا عطاء اللہ قاسمی [1]

۱- امراض قلب کی بعض دوائیں جنہیں نگلا نہیں جاتا بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، روزہ کی حالت میں ایسی دوا کا استعمال مکروہ ہے، کیونکہ اس دوا کا مزہ چکھا جارہا ہے۔

یہ کراہت بھی اس صورت میں ہے جبکہ اس دوا یا اس سے پیدا شدہ لعاب کے حلق میں نہ جانے کا مکمل اطمینان ہو، اگر خدشہ ہے کہ وہ دوا یا کم از کم اس سے پیدا شدہ لعاب حلق میں جاسکتا ہے تو اس کا استعمال مفسد صوم ہوگا۔

''من ذاق شیئا بغمه لم یفطر ویکره ذلك لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد'' (هدایه ۱/۲۲۰)۔

(منہ سے کوئی چیز چکھی تو روزہ نہیں ٹوٹا لیکن مکروہ ہوجائے گا، کیونکہ اس سے روزہ کے فاسد ہونے کا خطرہ پیدا کرنا ہے)۔

فقہاء کرام نے اس کی ایک اور وجہ یہ بھی لکھی ہے:

''لأن الجاذبة قویة إذا کان صائمًا فلا یأمن من أن تجذب شیئًا منه إلی الباطن'' (کفایه علی هامش فتح القدیر ۲/۲۲۸)۔

لہٰذا بموجب حدیث شریف: ''من رعی حول الحمی یوشك أن یقع فیه''۔ ایسی دوا کا استعمال خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے اس کا استعمال نہ کرنا ہی اولی ہے۔

۲- مرض تنفس میں جو دوا سفوف کی شکل میں استعمال کی جاتی ہے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست نہیں ہے، اس دوا کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

''ومن احتقن أو استعط أو أقطر فی أذنه أفطر'' (ہدایہ ۱/۲۱۶)۔

(دوا بطور حقنہ چڑھانے اور بذریعہ ناک چڑھانے اور کان میں ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

البتہ مرض تنفس میں جو دوا انجکشن کی شکل میں استعمال ہوتی ہے چونکہ وہ دوا براہ راست معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچتی اس لئے اس کا استعمال درست ہے۔

۳- بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ استعمال کی جاتی ہیں، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، اکیڈمی کے سوالنامہ میں اسکی وضاحت ہونی چاہئے تھی کہ وہ طریقہ کیا ہے، اور جدید مشینی طریقہ اور روایتی طریقہ میں کیا فرق ہے، اس وضاحت کے بغیر حکم لگانا ممکن نہیں۔

روایتی طریقہ یہ ہے کہ کھولتے ہوئے پانی میں دوا ڈالدی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے۔ یہ طریقہ فقہی نقطہ نظر سے مفسد صوم ہے۔

---

[1] جامعہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو۔

''من أدخل دخانًا بصنعه حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه'' (مراقی الفلاح مع الطحطاوی:۳۶۱)۔

(جس نے قصداً دھواں حلق تک کسی بھی صورت میں پہنچالیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا)۔

۴- سوالنامہ میں دوطرح کے انجکشن کا تذکرہ کیا گیا ہے: (۱) بغرض دوا (۲) بغرض غذا۔ روزہ کی حالت میں ان دونوں طرح کے انجکشن کا استعمال درست ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بذریعہ انجکشن دوا یا غذا براہ راست خون کی رگوں، شریانوں اور پٹھوں میں پہنچتی ہے، معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچتی۔

دوا یا غذا معدہ یا دماغ میں فطری راستہ سے براہ راست پہنچے تو روزہ ٹوٹ جائے گا جبکہ انجکشن میں ایسا نہیں ہوتا۔

''هما اعتبرا المخارق الأصلية لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرهما مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك'' (بدائع الصنائع ۲/۹۳)۔

(صاحبین نے فساد صوم کے لئے دوا وغیرہ کا فطری راستوں سے معدہ تک پہنچنے کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ فطری راستہ سے معدہ تک رسائی یقینی ہے جبکہ دیگر راستوں سے غیر یقینی ہے، اس لئے شک کی بنیاد پر فساد صوم کا حکم نہیں ہوگا)۔

فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

۵- گلوکوز بڑی حد تک غذا کا متبادل ہے، کیونکہ (الف) یہ جسم میں غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرتا ہے۔ (ب) بھوک اور بھوک کے اثرات سے بچاتا ہے۔ (ج) جسم میں مطلوبہ نمکیات کی مقدار عطا کرتا ہے۔

گلوکوز بصورت انجکشن بھی جسم میں چڑھایا جاتا ہے، روزہ کی حالت میں اس طرح گلوکوز کا استعمال بوقت ضرورت درست ہے، اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

البتہ صرف ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت سے بچنے کے لئے اس کا استعمال بلاضرورت استعمال ہے، اس لئے مکروہ ہوگا۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ روزہ کے دوران پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے بار بار منہ میں پانی بھر کر روکے رکھا جائے پھر کلی کی جائے تو مکروہ ہے۔

''وكذا يكره المبالغة في المضمضة والاستنشاق، قال شمس الأئمة الحلواني وتفسير ذلك أن يكثر إمساك في فمه ويملأ'' (ہندیہ ۱/۱۹۹)۔

(کثرت سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مکروہ ہے، حلوانی نے اس کی صورت یہ بتائی ہے کہ بار بار منہ میں پانی بھر کر رکھا جائے اور دیر میں کلی کی جائے)۔

۶- روزہ کی حالت میں بواسیر کے مسوں پر مرہم لگانا اسی طرح سیال دوائیں پیچھے کے راستے سے داخل کرنا روزہ کو فاسد کردے گا۔

''وإذا خرج دبره وهو صائم ينبغي أن لا يقوم من مقامه حتى ينشف ذلك الموضع بخرقة كيلا يدخل الماء جوفه فيفسد صومه'' (ہندیہ ۱/۲۰۴)۔

(روزہ دار کا پیچھے کا راستہ باہر آجائے تو اس کو کپڑے وغیرہ سے پونچھے بغیر نہیں کھڑا ہونا چاہئے، کیونکہ پانی اس کے ذریعہ سے اندر تک پہنچ جائے گا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا)۔

امراض معدہ کی تحقیق کے لئے آلات پیچھے کے راستہ سے داخل کرنا، اسی طرح جامد، غیر سیال دوائیں داخل کرنا، روزہ کو توڑ دیتا ہے۔

''أو أدخل قطنة أو خرقة أو خشبة أو حجرا في دبره'' (مراقی الفلاح مع الطحطاوی/۳۷۰)۔

(روئی، کپڑا، لکڑی یا پتھر پیچھے کے راستہ سے داخل کرنا روزہ کو توڑ دیتا ہے)۔

۷- روزہ کی حالت میں مثانہ تک نلکی پہنچانا، خواتین کے اندام نہانی میں سیال یا جامد دوا رکھنا، اسی طرح تحقیق مرض کے لئے آلہ رحم تک پہنچانا، ناقض صوم ہے، اگر یہ دوائیں اور آلات روزہ شروع کرنے سے پہلے رکھے گئے اور روزہ کے دوران جسم میں موجود رہیں تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

''أو أدخل قطنة أوخرقة أوخشبة أوحجرا فی دبره أو أدخلته فی فرجها الداخل وغيبها لأنه تم الدخول'' (مراق الفلاح/۳۷۰)۔

(اگر پیچھے کے راستے سے روئی یا کپڑا یا لکڑی یا پتھر داخل کرلیا یا عورت نے اندام نہانی رکھ کر چھپالیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا)۔

فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ میں ایک سوال ہے کہ عورت اگر اندام نہانی میں بوقت مجامعت کوئی دوا رکھے اور بعد مجامعت اسی میں رہنے دے تو کیا غسل جنابت کرنے کے بعد اس کا روزہ اور نماز صحیح ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''أما صومها وصلاتها فصحيحة وإن كان ذلك الدواء فی فرجها'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹۷/۲۱)۔

(مذکورہ عورت کا روزہ اور نماز صحیح ہے اگرچہ دوا اس کے اندرون میں موجود ہے)۔

☆☆☆

نواقض صوم کے بعض جدید پہلو

مولانا محمد شاہد قاسمی [1]

۱- اگر اس دوا کا کوئی جز براہ راست یا لعاب دہن کے ساتھ مل کر حلق سے نیچے اتر جائے تو روزہ کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، کیونکہ مفطرات ثلاثہ میں سے اکل اپنے متبادر مفہوم کے ساتھ پایا جارہا ہے، اور اگر اس کا کوئی حصہ حلق سے نیچے نہیں اترتا ہے بلکہ صرف منہ میں رہتا ہے تو ایسا کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر یہ عمل بلا عذر کیا گیا ہو تو روزہ مکروہ ہوگا، اور اگر عذر کی وجہ سے ہو مثلاً یہ کہ اس طریقہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ علاج کا نہ ہو اور مرض موذی ہو تو روزہ مکروہ نہیں ہوگا۔

کنز الدقائق میں ہے:

''وکره ذوق شیء ومضغه بلا عذر''

قوله ''وکره ذوق...'' لما فيه من تعريض الصوم للفساد، ولا يفسد صومه لعدم الفطر صورة ومعنى قيد بلا عذر. لأن الذوق بعذر لا يكره'' (البحر الرائق ۲/۲۷۹)۔

۲- فقہاء کے کلام سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اکل پایا جارہا ہے، رہی یہ بات کہ وہ سفوف اور ہوا معدہ میں نہیں جاتے ہیں بلکہ پھیپھڑے میں جاتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ منہ کے راستے سے کسی چیز کو اندر پہنچانے میں فساد صوم کا حکم فقہاء نے محض حلق سے نیچے اترنے پر لگایا ہے، حلق سے نیچے اترنے کے بعد وہ کس جگہ پہنچی اس سے کسی نے بحث نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے حلق میں دھواں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے ''لو أدخل حلقه الدخان أفطر'' (درمختار ۲/۱۰۶)۔

اور یہ بات فقہاء کے اس اصل پر مبنی ہے کہ جس حکم کی علت امر مخفی ہو، اس پر ہر شخص مطلع نہ ہو سکتا ہو، وہاں پر حکم کا مدار اس حقیقی علت پر نہیں رکھا جاتا ہے، بلکہ اس کی دلیل ظاہر پر حکم کا مدار ہوتا ہے، روزہ ٹوٹنے کی حقیقی علت ہے جوف میں کسی چیز کو پہنچانا، مگر یہ امر مخفی ہے، اس لیے اس کی دلیل ظاہر یعنی حلق سے نیچے اتارنے کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے۔

فقہاء کے یہاں اس کی بہت سی نظیریں ہیں مثلاً نیند ناقض وضو ہے، لیکن نقض وضو کی حقیقی علت نوم نہیں ہے بلکہ خروج ریح ہے، لیکن چونکہ بحالت نوم خروج ریح کا ادراک نہیں ہو سکتا ہے اس لیے نقض وضو کا مدار نیند کو قرار دیا گیا جو کہ خروج ریح کے لیے دلیل ظاہر ہے۔

۳- وہ بھاپ جس میں دوا کی آمیزش ہو، اس کو بحالت صوم اپنے منہ میں داخل کرنے سے روزہ کے فساد وعدم فساد کا حکم اس بات کی تحقیق پر لگایا جائے گا کہ اس بھاپ میں جوہریت آئی یا نہیں، اگر جوہریت آگئی ہو تو اس کو حلق سے نیچے اتارنا مفسد صوم ہے، جیسا کہ دھواں، لوبان اور بخور کی دھونی میں جوہریت ہے، اس کو اندر لینے سے فقہاء نے فساد صوم کا حکم لگایا ہے، اور اگر اس میں جوہریت نہیں آئی ہے تو روزہ فاسد

[1] جامعہ فیضان القرآن احمد آباد۔

نہیں ہوگا، جیسا کہ عرق گلاب یا عطر وغیرہ کی خوشبو سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، احقر کی رائے میں بھاپ کی مشابہت دھواں وغیرہ سے زیادہ ہے بمقابلہ عطر وغیرہ کی خوشبو کے، اس لئے بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

''قال علاء الدين الحصكفي: ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان، أفطر، أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذكرًا ...'' (ردالمحتار ۲/۱۰۶)۔

۴- اگر انجکشن کے ذریعہ دوا بعینہ دماغ یا بطن میں براہ راست پہنچائی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، جیسے پاگل کتے کے کاٹنے کا انجکشن لگایا جاتا ہے، اور اگر ان دونوں مقام میں براہ راست دوا نہیں پہنچائی جاتی ہے، بلکہ کسی اور حصے میں انجکشن لگایا جائے اور اس کا اثر دماغ یا بطن میں محسوس ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اسکی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے اس چیز کو مفسد صوم قرار دیا ہے کہ سر کے ایسے زخم میں دوا لگائی جائے جس سے دماغ تک سوراخ ہو، اسی طرح پیٹ کے زخم میں دوا لگانا مفسد صوم مانا گیا ہے، اور ان دونوں زخموں کے علاوہ کسی اور زخم کو مفسد نہیں قرار دیا گیا ہے، بعینہ یہی حکم انجکشن کا ہوگا۔

''قال في الدر المختار: أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه'' (درمختار ۲/۱۱۴)۔

مفتی نظام الدین اعظمی تحریر فرماتے ہیں: عام انجکشن جو رگوں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، روزہ صرف اسی انجکشن سے فاسد ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے غذا یا دوا بعینہ قعر معدہ میں پہنچائی جائے، جیسے پاگل کتے کے کاٹے کا انجکشن (منتخب نظام الفتاوی ۱/۱۳۲-۱۳۳)۔

مفتی کفایت اللہؒ کی بھی یہی رائے ہے (کفایت المفتی ۴/۲۴۰)۔

۵- جو تفصیل انجکشن میں ہے بعینہ وہی تفصیل گلوکوز چڑھانے میں بھی ہے، اور عموماً گلوکوز رگوں کے اندر ہی چڑھایا جاتا ہے اس لئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا (منتخب نظام الفتاوی ۱/۱۳۳)۔

۶- (الف): مرد یا عورت کے پیچھے کے راستے سے دوا اندر موضع حقنہ تک پہنچانا مفسد صوم ہے، کیونکہ مقام حقنہ سے قعر معدہ تک منفذ ہے۔

''قال في الهندية: لو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا كانت مبتلة بالماء أو الدهن، فحينئذ يفسد، لوصول الماء أو الدهن'' (۱/۲۰۴، وهكذا في كفايت المفتي ۲/۲۴۰)۔

''قال في الدر المختار: لو بالغ في الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد (درمختار على هامش ردالمحتار ۲/۱۸۸)۔

(ب) بواسیر کے مسّے کبھی باہر ہوتے ہیں اور کبھی اندر ہوتے ہیں، مگر اندر موضع حقنہ تک نہیں پہنچتے ہیں، اس لئے ان مسوں پر مرہم وغیرہ لگانا مفسد صوم نہیں ہے، البتہ بواسیری مسوں کے اوپر ایک چیز ہوتی ہے جس کو ''کانچ'' کہا جاتا ہے، اس پر دوا لگانا مفسد صوم ہے، کیونکہ وہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ (حاشیہ امداد الفتاوی ۲/۱۵۰، از مفتی محمد شفیع صاحب، احسن الفتاوی ۴/۴۴۰)۔

(ج) مرد یا عورت کے دبر کے راستے سے اگر کوئی آلہ اندر داخل کیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ آلہ مکمل اندر چھپ گیا ہو، کچھ حصہ بھی باہر نہ ہو، اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر مکمل اندر نہ چھپا ہو بلکہ کچھ حصہ باہر بھی ہو، تو دیکھا جائے گا کہ اس آلہ پر کوئی دوا، تیل یا پانی وغیرہ میں سے کچھ لگا تھا یا نہیں، اگر لگا ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر نہ لگا ہو، تو نہیں ٹوٹے گا۔

''قال الحصكفي: أو أدخل عودًا ونحوه في مقعدته، وطرفه خارج (أي لا يفسد) وإن غيبه فسد'' (الدر المختار على هامش ردالمحتار ۲/۱۰۷، الهنديه ۱/۲۰۴)۔

اور اگر منہ کے راستے سے کوئی آلہ امراض معدہ کی تحقیق کے لیے اندر ڈالا جاتا ہے، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ آلہ مکمل اندر چھپ جاتا ہے،

اس کا کوئی بھی حصہ باہر نہیں ہے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر کچھ حصہ باہر بھی ہو تو روزہ نہیں فاسد ہوگا، الا یہ کہ وہ آلہ دوا یا پانی وغیرہ سے تر ہو۔

''قال الحصكفي: وكذا لو ابتلع خشبة أو خيطا، ولو فيه لقمة مربوطة، إلا أن ينفصل منها شئ'' (درمحتار على هامش ردالمحتار ۲/۱۰۷)۔

۷- (الف): ذکر کے سوراخ میں تیل، پانی، دوا وغیرہ میں سے کچھ اندر ٹپکانے میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ذکر کے سوراخ ہی میں رک جائے، مثانہ تک نہ پہنچے، اس صورت میں بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ مثانہ تک پہنچ جائے، اس میں اختلاف ہے، طرفین فرماتے ہیں کہ نہیں ٹوٹے گا، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ٹوٹ جائے گا، یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ مثانہ اور جوف بطن کے درمیان منفذ ہے یا نہیں؟

''قال في الهندية: وإذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد كذا في المحيط، سواء أقطر فيه الماء أو الدهن. وهذا الاختلاف فيما وصل إلى المثانة، وأما إذا لم يصل بأن كان في قصبة الذكر بعد لا يفطر بالاجماع''

(ہندیہ ۱/ ۲۰۴، نیز دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۱۰۹)۔

عبارت بالا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ طرفین کی تحقیق اظہر ہے، اس لیے مفتی بہ قول یہی ہوا کہ ذکر کے سوراخ میں دوا وغیرہ ڈالنا مفسد صوم نہیں ہے، اور جب دوا ڈالنا مفسد نہیں ہے تو آلہ یا نلکی ڈالنا مفسد نہیں ہوگا۔

(ب) عورت کے فرج میں دوا وغیرہ ٹپکانا مفسد صوم ہے۔

''قال في الدر المختار. وأما في قبلها ففسد إجماعا، لأنه كالحقنة'' (۲/۱۰۹)۔

اور اگر کوئی آلہ رحم تک پہنچایا جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو کہ مرد یا عورت کے دبر میں کوئی آلہ داخل کرنے کا ہے، جس کی تفصیل جواب نمبر ۶ میں گزر چکی ہے۔

(ج) فرج کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک فرج خارج، دوسرا فرج داخل، پہلے حصے پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور دوسرے حصے پر لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۴۴۸)۔

☆☆☆

جدید وسائل کا روزہ پر اثر

مولانا نعیم اختر قاسمی

آج جبکہ دیگر میدانوں کی طرح طبی میدان میں بھی سائنس نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے اس لئے روزہ سے متعلق وہ اجتہادی مسائل جن کا تعلق انسانی اعضاء کی تشریح سے ہے جدید میڈیکل سائنس کی روشنی میں ان مسائل پر دوبارہ غور کیا جاسکتا ہے، اور آگے کی تحریر اسی انداز میں پیش کی گئی ہے۔

ماہرین کے مطابق انسان کا جسم لاتعداد خلیوں سے مرکب ہوتا ہے، حرارت کی وجہ سے یہ خلیے ہر وقت مرتے رہتے ہیں، جب ایک معتد بہ تعداد میں خلیے مرجاتے ہیں تو انسان کا جسم انسان کو بھوک کا احساس دلاتا ہے، چنانچہ غذا جب آنت اور معدہ میں پہنچتی ہے تو بدن اس کے مفید اجزاء کو کشید کرتا ہے اور مختلف قسم کی توانائی لئے ہوئے یہ مفید اجزاء کئی مراحل سے گزر کر مرے ہوئے خلیات کی جگہ لیتے ہیں اور انسانی بدن صحیح سلامت بر قرار رہتا ہے، ناکارہ اور غیر مفید اجزاء کو انسانی جسم کارخانہ کی گندی مٹی کی طرح باہر نکال دیتا ہے۔

اس فطری نظام پر اگر غور کیا جائے تو بعض فقہاء کے ذریعہ بیان کردہ یہ جزئیہ کہ اگر کوئی آدمی گوشت کے ٹکڑے کو دھاگے سے باندھ کر حلق سے نیچے اتارے اور پھر فوراً کھینچ لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (بدائع الصنائع ۲ / ۲۴۴)۔ یہ جزئیہ محل نظر ہو جائے گا، کیونکہ کسی چیز کے حلق سے نیچے اترتے ہی بدن کے اندر موجود مشینیں متحرک ہو جاتی ہیں، گویا انسانی بدن نے روزہ کی حالت میں ایک ہی خارجی غذا کے ذریعہ ایک لمحہ کے لئے ہی سہی فائدہ اٹھالیا، اور ایسی صورت میں روزہ فاسد ہو جانا چاہئے۔

نیز اسی جزئیہ کی بنا پر علامہ کاسانی کا یہ اصول بھی نظر ثانی کا محتاج ہو جائے گا جس میں انھوں نے فرمایا:

''وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم'' (حوالہ سابق)۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے ضروری ہے کہ پیٹ میں جانے والی چیز قرار پا جائے۔

نیز مذکورہ نظام ہضم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سرین کا راستہ ناکارہ اور فاضل اجزاء کے باہر نکالنے کا ہے، اور اس حصہ میں قوت دافعہ پائی جاتی ہے، قوت جاذبہ (غذا کے مفید اجزاء کو کشید کرنے کی قوت) اس حصہ میں نہیں ہوتی، اسی لئے اس راستہ سے داخل کی گئی کسی چیز کو معدہ قبول نہیں کرتا اور نہ اس سے انسانی بدن اپنی غذائیت کی تکمیل کر پاتا ہے، اسی بنا پر فقہاء نے یہ جزئیہ بیان کیا ہے کہ سرین کے راستے سے اگر کسی دودھ پیتے بچے کے پیٹ میں دودھ پہنچایا گیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، صاحب ہدایہ اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''فأما المحرم في الرضاع معنى النشؤ ولا يوجد ذلك في الاحتقان لأن المغذى وصوله من الأعلى'' (ہدایہ ۲/۳۵۳)۔

(رضاعت کی وجہ سے حرمت کی اصل وجہ نشوونما کا حاصل ہونا ہے، اور حقنہ کے ذریعہ دودھ پہنچانے میں یہ چیز نہیں پائی جاتی، کیونکہ غذائیت اوپری راستے سے پہنچانے سے ملتی ہے)۔

البتہ اس راستہ سے کسی چیز کے داخل ہونے سے روزہ فاسد ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

''أن المفسد في الصوم إصلاح البدن ويوجد ذلك في الدواء'' (حواله سابق)۔

(روزہ فاسد ہونے کی وجہ اصلاح بدن ہے، اور حقنہ کے ذریعہ دوا پہنچانے میں یہ چیز پائی جاتی ہے)۔

لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا حلق کے راستہ اور سرین کے راستہ میں بنیادی فرق ہے، اس لئے دونوں کو محض مفضی الی المعدہ ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قابل غور ہوسکتا ہے، سرین کے راستہ داخل کی گئی دوا کو معدہ قبول نہیں کرتا اس لئے فساد صوم کے سلسلے میں مقعد کا راستہ حکماً خارج بدن قرار پانا چاہئے اور بدن کے بیرونی حصہ پر جس طرح کوئی دوا لگائی جائے یا غیر حسی منفذ سے کوئی دوا اندرون بدن پہنچائی جائے روزہ کے لئے مفسد نہیں، اسی طرح مقعد کے راستہ سے بھی پہنچائی جانے والی دوا وغیرہ سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، اور یہی حال پیشاب کی نالی کا بھی ہے۔

فقہاء نے دو ایسے زخم کا تذکرہ کیا ہے جس پر سیال دوا لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

۱- آمۃ، سر کا وہ زخم جو بھیجے تک پہنچا ہوا ہو۔

۲- جائفۃ، وہ زخم جو پیٹ کے اندرونی حصہ تک پہنچا ہوا ہو (ہدایہ ۱/ ۲۰۰)۔

تاہم یہ مسئلہ بھی محض اجتہادی ہے، اور جیسا کہ سوالنامہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جدید تحقیق کی روشنی میں اطباء دماغ کے اندر کوئی مجوف حصہ تسلیم نہیں کرتے جس میں جاکر کوئی چیز قرار پا جائے، اس لحاظ سے دوا کسی مجوف حصہ میں نہیں پہنچتی بلکہ غیر مجوف حصہ میں پہنچتی ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ ان کے گودے میں دوا پہنچانے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا (المجموع ۵/ ۳۱۴)۔

نیز اگر علامہ کاسانی کی یہ دلیل پیش نظر رکھی جائے کہ دماغ اور جوف کے درمیان ایک منفذ موجود ہے گویا وہ پیٹ ہی کا ایک گوشہ ہے۔

''لأن له منفذًا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف'' (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳)۔

یا علامہ ابن نجیم کا یہ قول کہ ''فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى الجوف'' (شامی ۲/۱۱۲)۔

تو یہ قول بھی جدید تشریح کی تائید کا محتاج ہے، سر سے ناک کی نالی میں اترنے والے بلغم سے سر اور ناک کے درمیان ایک منفذ کا احساس ضرور ہوتا ہے، لیکن جو دوا سر کے اس حصہ میں لگائی جائے جسے ام الدماغ کہتے ہیں کیا وہ دوا بعینہ ناک کی نالی میں بھی پہنچ جاتی ہے یا پہنچ سکتی ہے؟ ماہرین طب کی وضاحت مطلوب ہے۔

جائفہ کے سلسلہ میں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ لفظ جوف سے کیا مراد ہے، معدہ اور آنتیں یا مطلق پیٹ کے اندر کا خالی حصہ جس میں معدہ، دل اور جگر وغیرہ موجود ہوتے ہیں، جائفہ پر سیال دوا لگانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے حکم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف معدہ نہیں بلکہ پورا خالی حصہ ہے، اسی بنا پر اگر عورت اپنی شرمگاہ میں کوئی دوا وغیرہ داخل کرے تو فقہاء روزہ کو فاسد قرار دیتے ہیں، کیونکہ باہر سے ایک چیز جوف کے اندر داخل ہوگئی (ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

ظاہر ہے کہ عورت کی شرمگاہ کا تعلق معدہ اور آنت سے نہیں ہوتا، پھر بھی فقہاء نے جوف کے اندر پہنچنے کی وجہ سے روزہ کو فاسد قرار دیا ہے، نیز اس مسئلہ کو حقنہ پر بھی قیاس کیا گیا ہے، ''وأما في قبلها فمفسد إجماعًا لأنه كالحقنة'' (درمختار ۱/ ۱۱۰)۔

لیکن امام مالکؒ کے نزدیک جوف سے مراد آنت اور معدہ ہیں۔ چنانچہ زخم جائفہ کے سلسلہ میں علامہ جزیریؒ نے ان کا مسلک اور دلیل یوں بیان کیا ہے:

''سادسها أن يضع على جرح في بطنه متصلا بجوفه فإن ذلك لا يفطره لأن كل ذلك لا يصل للمحل الذي يستقر فيه الطعام والشراب'' (كتاب الفقه على المذاهب الأربعه ۱/۵۶۷)۔

(چھٹی صورت یہ ہے کہ جوف سے متصل کسی زخم پر دوا رکھے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ دوا اس جگہ نہیں پہنچتی جہاں کھانا اور پانی رہتا ہے)۔

حضرت امام مالکؒ کی یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ پیٹ کے خالی حصہ میں کسی چیز کے پہنچنے سے غذائیت کا کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ اس سے بدن میں کسی قسم کی اصلاح ہوتی ہے اور نہ اس طرح دوا یا غذا پہنچانے کا کوئی مقصد ہے۔

اسی طرح عورت کی شرمگاہ کا تعلق معدہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا بڑا تعلق بچہ دانی سے ہے، اور اندر پیشاب کی نالی کے ذریعہ اس کا ایک تعلق مثانہ سے بھی ہے، اس بنا پر یہ بات کہی جا سکتی ہے، عورت اگر اپنی شرمگاہ میں کوئی دوا رکھے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ وہ معدہ تک نہیں پہنچی۔

غیر فطری منفذ مثلاً نسوں اور رگوں کے ذریعہ کوئی بھی چیز دوا یا غذا جسم کے اندر پہنچائی جائے تو چونکہ وہ معدہ تک نہیں پہنچتی بلکہ وہ معدہ سے باہر ہی باہر رہ کر جسم کی ضرورت پوری کر دیتی ہے اس لئے ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ جزئیہ بیان کیا گیا کہ پنڈلی کے اندر اگر کوئی دوا پہنچائی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا (المجموع ۵/ ۳۱۴)۔

چنانچہ اسی بنا پر مت اُخرین فقہاء نے روزہ کی حالت میں خون اور گلوکوز چڑھوانے اور انجکشن لگوانے کی اجازت دی ہے (جدید فقہی مسائل: ۱۷۹)۔

اس تحریر کی روشنی میں سوالنامہ کے جواب نمبروار اس طرح ہوں گے:

۱- جو دوا صرف زبان کے نیچے دبا کر رکھی جائے، حلق سے نیچے نہ اتاری جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۲، ۳- انہیلر کے ذریعہ سفوف نما دوا کا پھیپھڑے میں پہنچنا مفسد صوم ہے جیسا کہ بیڑی، حقہ وغیرہ استعمال کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح بھاپ کے ذریعہ کسی دوا کا استعمال بھی مفسد صوم ہے۔

۴، ۵- انجکشن خواہ وہ دوا کی ضرورت پوری کرے یا بدن میں غذا کی ضرورت پوری کرے اس کا استعمال درست ہوگا، کیونکہ دوا غیر فطری منفذ سے پہنچائی جاتی ہے، نیز وہ معدہ میں نہیں پہنچتی، یہی حکم گلوکوز چڑھانے کا بھی ہوگا۔

۶، ۷- مرد یا عورت کے آگے اور پیچھے جس راستہ سے بھی دوا وغیرہ پہنچائی جائے یا آلات وغیرہ رکھے جائیں اس سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

روزہ پر جدید وسائل کا اثر

مفتی محمد اکبر مظفر پوری

۱-روزہ کی حالت میں دوا کا زبان کے نیچے اس طرح رکھنا کہ عین دوا یا اس کا لعاب حلق میں نہ جائے مفسد صوم نہیں ہے، فتاوی قاضیخان میں ہے:

"وإن أخذ الهليلجة بفيه وجعل يمصها ولا يدخل عينها في جوفه لا يلزمه القضاء" (خانیہ علی الہندیہ ۱/ ۲۱۳)۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"وفي الولوالجية والظهيرية ولو مص الهليلج وجعل يمضغها فدخل البزاق حلقه ولا يدخل عينها في جوفه لا يفسد صومه فإن فعل هذا بالغا فيه أو السكر يلزمه القضاء والكفارة" (البحر الرائق ۲/ ۲۶۶، شامی ۲/۲۶۷)۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کہتے ہیں:

"يكره تنزيهاً للصائم ذوق شئ ومضغه بلا عذر فإن كانت هناك ضرورة يجوز كما في إطعام الصبي" (عمدة الرعاية على شرح الوقايه ۱/۲۴۸)۔

۲-روزہ کی حالت میں انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جو شخص تنفس کا دائمی مریض ہو اس کے لئے افطار درست ہے، روزہ کا فدیہ ادا کرے۔

"إذا أكل متعمدا ما يتغذى به أو يتداوى به يلزمه الكفارة وهذا مما يؤكل للغذاء أو للدواء فأما إذ لم يقصد لهما فلا كفارة وعليه القضاء كذا في خزانة المفتين" (ہندیہ ۱/ ۲۰۵)۔

شامی میں ہے:

"المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض" (شامی ۲/۴۱۰)۔

۳-روزہ کی حالت میں ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال کر ناک اور منہ کے ذریعہ بھاپ لینا یا کسی اور نئے طریقے سے ناس لینا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے۔

درمختار میں ہے:

"لو أدخل حلقه لدخان أفطر أي دخان كان ولو عودًا أو عنبرًا لإمكان التحرز عنه" (درمختار علی الشامی ۲/ ۲۶۶، نیز دیکھئے: مراقی الفلاح علی نور الایضاح: ۱۶۳ مطبوعہ زکریا دیوبند، کذا فی حاشیہ ہدایہ ۱/۲۱۸، عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایہ ۱/ ۲۴۸)۔

۴-مفطرات صوم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شئی پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہنچ جائے، انجکشن کے ذریعہ دوا براہ راست معدہ تک نہیں پہنچتی ہے بلکہ جسم کے مسامات اور رگوں کے واسطے سے مؤثر ہوتی ہے، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ جسم میں دوا پہنچانا مفسد صوم نہیں ہے، البتہ روزہ رکھنے کی فطری استطاعت کے باوجود محض تقویت کے لئے انجکشن لگوانا مکروہ ہے، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

" والداخل من المسام لامن المسالك فلا ينافيه كما لو اغتسل بالماء البارد وجد برودة في كبده وإنما كره الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من اظهار الضجر في إقامة العبادة لأنه قريب من الإفطار وكذا في

فتح القدير'' (البحر الرائق ۲/۴۷۶، مطبوعه زكريا ديوبند، نیز دیکھئے: ہنديه ۱/۲۰۲، شامی ۳/۳۶۷)۔

علامہ عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

''والمفطر إنما هو وصول شئ بعينه من منفذ إلى الباطن ولذا لا يفطر شم العطر ونحوه'' (عمدة الرعايه ۱/۲۴۸)۔

۵-روزہ کی حالت میں جسم میں گلوکوز چڑھانا مفسد صوم نہیں ہے اگر چہ انسان اس کی وجہ سے بھوک اور پیاس کی کیفیت سے بے نیاز ہو جائے، چونکہ گلوکوز جسم میں براہ راست نہیں پہنچتا بلکہ بدن کے مسامات اور رگوں کے واسطے سے پہنچتا ہے اس لئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، مگر بلاضرورت محض تقویت حاصل کرنے کے لئے جسم میں گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ''وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا في شرح المجمع'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۰۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/۴۷۶)۔

شامی میں ہے: ''لأن الموجود في حلقه أثر دخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الدخل من المنافذ'' (شامی ۳/۳۶۷، نیز دیکھئے: عمدة الرعايه ۱/۲۴۸)۔

۶-مقعد کے اندر سیال یا غیر سیال دوا ڈالنا، اسی طرح بواسیر کے اندرونی مسوں پر دوا لگانا مفسد صوم ہے، البتہ اگر مرض کی تحقیق کے لئے خشک آلہ ڈالیں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

''لو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

دوسری جگہ ہے: ''إذا خرج دبره وهو صائم ينبغي أن لا يقوم من مقامه حتى ينشف ذلك الموضع بخرقة كي لايدخل الماء جوفه فيفسد'' (ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

۷-مرد کی شرمگاہ میں دوا ڈالنا یا مرض کی تحقیق کے لئے کسی آلہ کا ڈالنا مفسد صوم نہیں ہے۔

''وإذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد كذا في المحيط سواء أقطر فيه الماء أو الدهن'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

اور عورت کی شرمگاہ میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے، دوا سیال ہو یا غیر سیال بہر صورت روزہ ٹوٹ جائیگا، البتہ اگر مرض کی تحقیق کے لئے محض خشک آلہ پہنچائی جائے، اس میں دوا نہ ہو تو یہ مفسد صوم نہیں ہے، اگر آلہ مرطوب ہو یا اس میں دوا لگی ہوئی ہو تو اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

''وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح هكذا في الظهيرية'' (ہندیہ ۱/ ۲۰۴)۔

☆☆☆

نواقض صوم اوراس کے شرعی احکام

مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی

۱-امراض قلب کی بعض دوائیں جو زبان کے نیچے دبا کر رکھی جاتی ہیں روزہ کی حالت میں اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

شرح الوقایہ میں ہے: ''إذا أكل و شرب غذاء أو دواء عمدًا . . . قضى وكفر''

اور ہدایہ میں ہے: ''ولو أكل أو شرب ما يتغذى به أو يداوى به فعليه القضاء والكفارة''

اور تاتارخانیہ میں ہے: ''الصائم إذا أكل ما يتداوى به ويؤكل عادة أما مقصودًا بنفسه أو تبعا لغيره تلزمه الكفارة''۔

۲-روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال روزہ کے لئے مفسد ہے، کیونکہ منفذ اصلی سے دوا کا اندر داخل کرنا ہے، اور ''ادخال بالمنفذ'' صوم ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے: ''من أدخل بصنعه دخانًا حلقه بأى صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دكانه ذاكرًا لصومه أفطر''۔

۳-ناک اور منہ سے بھاپ وغیرہ کھینچنا مفسد صوم ہے۔

یہ ادخال فی الداخل بالمنفذ الاصلی ہے، درمختار میں ''أودخل حلقه غبار'' کے بعد لکھتے ہیں:

''مفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر''۔

اور ہدایہ کے حاشیہ میں ہے: ''إدخال دخان التنباك المتعارف فى زماننا مفسد لأنه إدخال لا دخول''۔

۴-انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا داخل کرنا کسی مقصد کے لئے ہو وہ مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ مسامات کے ذریعہ جسم میں داخل ہونے والی چیزیں مفسد نہیں ہیں۔

کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں ہے:

''الداخل فى المسام لا من المسالك فلا ينافيه كما لو اغتسل بالماء البارد وجد برده فى كبده''۔

۵-روزہ کی حالت میں گلوکوز یا اس جیسی مقوی دوا کو بذریعہ انجکشن جسم میں پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، یہ مسامات کے ذریعہ داخل ہونے والی چیزوں کے حکم میں ہے۔

۶-پیچھے کے راستہ سے دوا کا اندر پہنچانا اور بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگانا اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے آلات کو اندر داخل کرنا مفسد صوم ہے، ہدایہ میں ہے: ''من احتقن أو استعط أو أقطر فى أذنه أفطر''۔

۷-بحالت روزہ خواتین کی شرمگاہ میں سیال یا جامد دوا رکھنا یا آلات کو رحم تک پہنچانا مفسد صوم ہے، ہدایہ (۱/ ۲۳) کے حاشیہ میں ہے:

''الإقطار فى إقبال النساء قيل على الخلاف و قيل يفسد بلا خلاف قال فى المبسوط هو الأصح''۔

☆☆☆

مناقشہ

مفطرات صوم اور عصر حاضر کے بعض مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ حضرات اس سے واقف ہیں کہ جو سوالات اس وقت یہاں پر زیر بحث ہیں، اس پر کئی جہتوں سے گفتگو کی ضرورت ہے، ایک تو یہ ہے:

''الفطر مما دخل و لیس امما خرج'' کہ اندر داخل ہونے والی چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے، جسم سے خروج سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

داخل ہونے سے جو روزہ ٹوٹتا ہے اس پر فقہاء نے مختلف جہتوں سے گفتگو کی ہے، ایک جہت تو اس کی یہ ہے کہ داخل ہونے والی چیز کیا ہے، وہ جسم کے لئے مصلح ہے یا مفسد ہے، وہ سیال ہے یا جامد ہے، اگر منافذ غیر فطریہ سے کوئی چیز داخل کی جائے تو آپ نے دیکھا ہوگا ''ہدایہ'' وغیرہ میں کہ مصلح اور غیر مصلح کے درمیان فقہاء نے فرق کیا ہے، اسی طرح جو بعض فطری منافذ ہیں، آنکھ، ناک، اس کے ذریعہ جو چیز جسم میں پہنچے، فقہاء مالکیہ نے اس میں سیال اور جامد کے درمیان فرق کیا ہے تو ایک جہت یہ ہے کہ جو چیزیں داخل ہونے والی ہیں وہ کس نوعیت کی ہیں۔

دوسری جہت یہ ہے کہ کس راستے سے داخل ہوئی ہیں، فقہاء نے جو تقسیم کی ہے منفذ اصلی، منافذ فطریہ اور منافذ غیر فطریہ کی، منفذ اصلی یہ اصل میں منہ ہے، جس کو اللہ نے بنایا ہی ہے چیزوں کے جسم میں داخل کرنے کے لیے، باقی جو جسم میں دوسرے منافذ ہیں کان، ناک اور جو دوسرے منافذ ہیں، یہ منافذ فطریہ تو ہیں اصلیہ نہیں ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو دخول شئی کے لیے نہیں بنایا ہے، خروج شئی کے لیے بنایا ہے، تو اس طرح فقہاء نے فرق کیا ہے، منفذ اصلی سے داخل ہونے والی چیزیں، منافذ فطریہ سے داخل ہونے والی چیزیں اور منافذ غیر فطریہ، جیسے فقہاء نے جائفہ اور آمہ ان دو زخموں کا ذکر کیا، جو سر میں ہو اور پیٹ میں ہو اور جو دماغ اور آنتوں کی گہرائی تک زخم پہنچ گیا ہو، اس میں دوا کے ڈالنے کا کیا حکم ہوگا؟

تیسری جہت اس میں محل دخول کی ہے کہ چیز کس مقام تک داخل ہونے والی ہے، اس میں ایک بنیادی بات جو ہمارے فقہاء کے یہاں ملتی ہے وہ یہ کہ وہ جسم کے کسی مجوف حصہ میں داخل نہ ہو، ایسا مجوف حصہ جو استقرار شئی کا محل بن سکتا ہو، اور بعض فقہاء کے یہاں صراحت ہے کہ اگر گوشت میں کوئی چیز داخل کی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

جسم کے کون سے حصہ کو مجوف مانا جائے گا اور کس کو جوف تسلیم کیا جائے گا، قدیم اطباء کی رائے کی روشنی میں فقہاء نے اس پر بحث کی ہے، اور عام طور سے دوسرے فقہاء کے یہاں اس بارے میں صراحتیں کم ملتی ہیں، لیکن فقہاء شوافع نے اس پر زیادہ شرح و بسط سے گفتگو کی ہے، امام نوویؒ نے تین حصوں کا ذکر کیا ہے اور اس کو جوف مانا ہے، ایک دماغ، دوسرا آنت اور تیسرے آنت سے نیچے کا حصہ معدہ۔ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے ''تحفۃ المحتاج'' میں ایک جوف کا اضافہ کیا ہے، مثانہ، یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو اپنی خلقی حیثیت کے اعتبار سے مجوف اشیاء ہیں اور جس میں یہ صلاحیت ہے کہ اس میں چیزیں جائیں اور وہاں اس کا استقرار ہو سکے۔ پھر یہی فقہ کی کتابوں میں باتیں آئی ہیں اور ابھی اس کی طرف اشارہ آیا کہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مجوف حصہ میں چیزیں داخل ہوں اور وہاں اس کا استقرار ہو، وہ وہاں مستقر ہو جائے، تب اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور بعض فقہاء شوافع نے تو اس میں اور قیدیں بھی لگائی ہیں کہ مستقر ہونے والی چیزیں ایسی ہوں کہ جسم اس کو تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، یعنی استقرار اور تحلیل بھی اس میں ضروری ہے، تو یہ شاذ اقوال ہیں، لیکن بعض فقہاء نے یہ بات بھی کہی ہے کہ جسم میں داخل ہونے والی شئی کیا ہے؟ کس راستے سے داخل ہو رہی ہے اور داخل ہونے کے بعد کس مقام اور محل تک پہنچ رہی ہے، اور اس میں چوتھا اضافہ کر سکتے ہیں داخل کرنے والے سے متعلق کہ جو شخص کسی شئی کو اپنے جسم میں داخل کر رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے، وہ بالارادہ جسم میں داخل کر رہا ہے یا بلا ارادہ داخل ہو گیا ہے، اور

بالارادہ داخل ہو گیا ہے تو اس سے اس کا بچنا ممکن تھا یا بچنا ممکن نہیں تھا، ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس وقت آپ کو گفتگو کرنی ہے۔

اصل میں یہ موضوع بڑا اہم ہے، پھر اسی سے متعلق کان اور ناک کا مسئلہ بھی ہے، کان کا راستہ کیا دماغ کی طرف ہے، اور کیا دماغ کوئی ایسی مجوف شئی ہے کہ خارج سے آنے والی چیز کو قبول کر سکتی ہو، اسی طرح آنکھ میں جو دوا ڈالی جاتی ہے کیا وہ حلق تک نہیں پہنچتی، اور اس سلسلہ میں جو حدیث ہے وہ کس درجہ کی ہے، یہ سارے مسائل قابل بحث تھے، لیکن چونکہ بحث بہت طویل ہو جاتی، اس لیے چند سوالات جو کثیر الوقوع ہیں اور اس دور میں زیادہ پیش آتے ہیں ان کو اس بار زیر بحث لایا گیا ہے، پھر اگر آئندہ بھی موقع ہوا تو اور جو دوسرے مسائل ہیں ان مسائل کو بھی زیر بحث لانے کی کوشش کی جائے گی، میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان مسائل پر اظہار خیال فرمائیں اور یہ گستاخی بھی کرتا ہوں کہ اختصار کو ملحوظ رکھیں اور ایسی بات فرمائیں جو ابھی کسی دوسرے بھائی نے نہ کہی ہو اور دوسرے بھائی نے کہہ دی ہو تو پھر اس کے تکرار کا فائدہ نہیں ہے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

جن چیزوں کے کھانے پینے سے انسان کے جسم کو قوت حاصل ہوتی ہے، اگر وہ چیزیں انجکشن کے ذریعہ ان سے زیادہ تیز رفتار سے انسان کے جسم میں پہنچائی جائیں تو کیوں ان کو مفسد صوم قرار نہ دیا جائے، جبکہ مقصد دونوں سے برابر یعنی جسم کو قوت حاصل ہونا پایا جا رہا ہے مثلاً ایک شخص کو اسہال کا مرض ہو گیا اور اس کے جسم سے بہت سارا پانی نکل گیا، اگر وہ منفذ فطری، یعنی منہ کے ذریعہ سے پانی پیتا ہے تو اتنا جلد اس کو اثر نہیں ہو سکتا، جتنا تیزی کے ساتھ وہ انجکشن نفع دیتا ہے، جس کے ذریعہ اس کے جسم میں پانی پہنچایا جا رہا ہے، چند گھنٹوں میں مریض کو کھڑا کر دیتا ہے، تو اگر ہم پانی کے ایک قطرہ کو مفسد صوم قرار دے رہے ہیں، حالانکہ اس کے ذریعہ اس کے بدن کو کوئی فائدہ نہیں ہے، تو اسی طرح انجکشنوں کے ذریعہ سے وہی چیزیں پہنچائی گئیں تو اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیں گے، حالانکہ وہ زیادہ قوی چیز ہے، ایک پہلو یہ غور کرنے کا ہے۔

اور اس پر ایک پہلو غور کرنے کا یہ ہے کہ عام پڑھے لکھے آدمی کو مطمئن کرنا بہت مشکل ہے، اس سے یہ کہا جائے کہ مخرج اور قبل سے کوئی دوا داخل کی جائے تو اس سے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، تو فوراً سوال کر بیٹھتا ہے کہ انجکشن کے ذریعہ تو بہت کچھ انسان کے جسم کے اندر پہنچایا جاتا ہے، اور یہ کیسی بات آپ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ انہیلر کے متعلق یہ بات تقریباً طے ہے کہ اس کا کوئی اثر معدے تک نہیں پہنچتا، میں نے بار بار ڈاکٹروں سے پوچھا کہ انہیلر کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے، تو انہوں نے یہی کہا کہ وہ ایک گیس ہے جس کا اثر صرف پھیپھڑے تک پہنچتا ہے، اس کا معدے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے انہیلر کو خاص کر وہ مریض جو دمے کا شکار ہو یا تو اس کو ترک صوم میں مبتلا کر دیا جائے گا تو وہ بہت بڑی عبادت سے محروم ہوگا، یا پھر اس کو یہ کہا جائے گا کہ روزے رکھ سکتے ہیں اور انہیلر کا استعمال کریں گے تو اس سے آپ کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بظاہر صورت حال یہی ہے کہ انہیلر سے انسان کے معدے میں کوئی فائدہ نہیں اس کا اثر صرف پھیپھڑے پر پڑتا ہے۔

اسی طرح قلب کی جو دوا جوف کے ذریعہ بدن میں پہنچائی جاتی ہے، وہ حلق سے نہیں، بلکہ مسوڑھوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے، حالانکہ ہمارے سامنے بار بار یہ چیزیں آتی ہیں کہ اگر آنکھ میں دوا ڈالی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جب کہ وہ منافذ کے ذریعہ بدن میں پہنچا، اس میں غور کرنے کی ضرورت جو ہے وہ یہ کہ قدیم تمام فقہاء منافذ فطریہ اور منافذ غیر فطریہ کی تقسیم کرتے تھے اور اس وقت منافذ فطریہ اور منافذ غیر فطریہ کی بحث کرتے تھے، لیکن یہ ساری چیزیں منصوص نہیں ہیں، اس کو سامنے رکھیں اور ''الفطر مما دخل'' کی بنیاد پر منافذ فطریہ اور غیر فطریہ کی تقسیم بے معنی ہو جائے گی، لیکن قدیم فقہاء سے صاف انحراف بھی نہیں کر سکتے ہیں، قدیم فقہاء نے جب اس کو ملحوظ رکھا ہے تو اس کے مقابلہ یوں کہیں کہ بدن میں کہیں سے بھی کوئی چیز داخل ہو جائے اگر وہ مصلح بدن ہے تو وہ مفسد صوم ہے، اس لیے یہ مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ غور کرنے کا ہے۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ ان تمام امور کے متعلق کوئی ماہر معالج خاص طور سے رئیس الاعضاء کا کوئی ماہر ڈاکٹر تفصیل سے بتائے کہ کس چیز کا استقرار ہو جاتا ہے اور کس چیز کا نہیں ہوتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ایک بات میں اور عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر ایک قطرہ پانی بھی منہ کے اندر چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن ایک مریض جو کمزور ہو اس کے بدن میں خون داخل کیا گیا تو ظاہر ہے کہ پانی کا ویسا اثر اس کے بدن پر نہیں ہو سکتا، جیسا اثر خون کا ہوا، لیکن ہم خون کو مفسد صوم نہ کہیں، اور پانی کے قطرات کو مفسد صوم کہتے

ہیں، حالانکہ چھوٹا سا ذرہ اگر منہ کے اندر داخل کیا گیا تو اسے تو مفسد صوم کہا جارہا ہے، لیکن دوسری طرف بہت بڑی اور طاقتور چیز جسم کے اندر داخل ہوگئی، نیز یہ کہ جتنی بھی طاقت کی چیزیں انجکشن کے ذریعہ بدن میں پہنچائی جاسکتی ہے، خواہ وہ گلوکوز ہو، وٹامن ہو سب کے سب منافذ غیر فطریہ سے بدن میں پہنچائے جاتے ہیں، اس لیے اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ ہم صحیح فیصلے تک پہنچ سکیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ماشاء اللہ ہمارے مفتی نذیر صاحب نے ہمارے سامنے بہت اہم نقاط اٹھائے ہیں اور غور کرنے والوں کے لیے قابل توجہ بھی ہیں، اب رہا یہ کہ بہر حال اس بات کو بھی دیکھنا ہوگا کہ روزہ ایک عبادت ہے اور عبادات میں تعبد ہے، اس میں قیاس اور مصالح کی بنیاد پر استدلال کی گنجائش کم ہوتی ہے، اور جہاں تک انہیلر والی بات آپ نے فرمائی بڑی اہم بات ہے، اس پر فقہاء نے بحث کی ہے کہ کسی چیز کا وصول الی الحلق یہ مفسد صوم ہے یا معدے تک پہنچنا مفسد صوم ہے، اور ترجیح اس کو دی گئی ہے کہ حلق تک پہنچ جانا ہی مفسد صوم ہے۔ اگر حلق سے تجاوز ہوگیا تو یہ چیز فساد صوم کے لیے کافی ہوگا، اس لیے عادۃً اس کا ادراک بہت مشکل ہے کہ حلق تک ایک چیز پہنچ گئی ہو اور اس کے بعد وہ چیز آگے بڑھ پاتی یا نہیں بڑھ پاتی ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ انہیلر کے ذریعہ دوا کے جو اجزاء جاتے ہیں وہ تو بہر حال حلق سے تجاوز کرتے ہیں، اس لیے اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اور خون والی بات جو آپ نے فرمائی وہ بھی بڑی اہم بات ہے، لیکن شریعت کا جو مزاج ہے کہ بھوک اور پیاس ایسی چیز ہے کہ جس سے آدمی کو ابتلا ہوتی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کم من صائم لیس له إلا الجوع'' تو حلق کے ذریعہ کوئی چیز جاتی ہے تو آدمی کی بھوک و پیاس کا دفعیہ ہوتا ہے، اور اگر خون آدمی کے جسم کے اندر داخل کیا جائے تو طاقت تو اس کو غذا سے بہت زیادہ ملتی ہوگی، لیکن غالباً بھوک اور پیاس اس سے دور نہیں ہوتی ہوگی، تو میں اس کا کوئی تجزیہ نہیں کر رہا ہوں، بس یہ کہ ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے۔

مفتی ارشد فاروقی:

عرض مسئلہ کے بعد حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے جو تمہیدی کلمات رکھے وہ بحث کرنے والوں کے لیے دلیل کی راہ ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ مریض قلب جو دوا اپنی زبان کے نیچے دبا رکھے یہ مفسد ہے یا نہیں، اس کے بہت سارے دلائل تلخیص میں آچکے ہیں، اس میں ایک حوالہ دینا مناسب ہوگا کہ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے دسویں فقہی سمینار میں فیصلہ لیا گیا ہے کہ انجائنا کے علاج کے لئے زبان کے نیچے رکھی جانے والی دوا کی گولیوں کو بشرطیکہ انہیں نگلا نہ جائے مفطرات صوم میں شمار نہیں کیا جائے گا، تو یہ ایک حوالہ ہے اور ''فتاوی علماء بلد الحرام'' میں یہ عبارت موجود ہے:

''لا بأس بتذوق الطعام للحاجة، بأن يجعله على طرف لسانه ليعرف حلاوته وملوحته وضدها. ولكن لايبتلع منه شيئًا، بل يمجه أويخرجه من فيه ولا يلسه بذلك على المختار'' یہ دو حوالہ ہوئے۔

دوسری بات انہیلر کے سلسلے میں ہے، ذرا مسئلہ طویل ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہیلر کی تشخیص ہی مسئلہ بنا ہوا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ اعضاء انسانی کے ماہرین اس کا خلاصہ پیش کردیتے، تو پھر بات کرنے میں آسانی ہوتی، اس سلسلہ میں ممبئی کے ایک مشہور ڈاکٹر محمد امین سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے بتایا کے انہیلر میں دو طرح کی دوا ڈالی جاتی ہے، ایک سفوف ہوتا ہے اور دوسرا سیال، اور یہ دونوں چیزیں اندر داخل کی جاتی ہیں، لیکن جس نلی سے جاتی ہیں وہ نلی معدے تک نہیں پہنچتی ہے، البتہ حلق سے ہوکر ضرور گذرتی ہے، لیکن معدے تک نہیں پہنچتی، مگر ایسا ہوسکتا ہے کہ دوا کے کچھ اجزاء لعاب میں رہ جائیں اور لعاب نگلنے کے باعث اس کا ذائقہ محسوس ہو اور معمولی ذرات معدے تک بھی پہنچ جائیں، اس وقت اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ مسواک کی لذت یا بعض چیزوں کے معمولی اجزاء معدے تک پہنچ جاتے ہیں تو فقہاء اسے مفسد صوم نہیں قرار دیتے، دوسری بات یہ بھی میں عرض کروں گا کہ فقہ اکیڈمی جدہ نے اس مسئلہ کو ابھی تک ملتوی رکھا ہے، کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

البتہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ضرور ملاحظہ فرمایا جائے، وہ فرماتے ہیں کہ انہیلر کے ذریعہ دوا کے اجزاء حلق کے نیچے پہنچتے ہیں، یا یہ گیس میں تبدیل ہوکر حلق کے نیچے جاتی ہے، مجھے کما حقہ تحقیق نہیں ہے، راقم الحروف (خالد سیف اللہ) یہ رائے دیتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کریں کہ اگر روزہ کافی نہ ہو تو فدیہ کے ذریعہ اس کی تلافی ہوجائے، جس طرح منہ کے ذریعہ حلق کے نیچے کسی چیز کا پہنچنا روزہ کو توڑ دیتا ہے، اسی طرح ناک کے ذریعہ بھی کسی چیز کا پہنچنا مفسد ہے، اس لئے انہیلر کی دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے (کتاب الفتاوی -

)۔

بطور استفسار یہ عرض ہے کہ مبتلا بہ روزہ بھی رکھے اور فدیہ بھی دے، کیا یہ فدیہ روزوں کے لئے سجدہ سہو ہے، کیا بدل اور مبدل منہ کا جمع ہونا لازم نہیں آتا؟ کیا مبتلا بہ کے لئے یہ حکم باعث مشقت نہیں ہے، روزہ نہ ہونے کی امکانی صورت میں فدیہ کے بجائے قضا کا حکم کیوں نہیں دیا جائے گا؟

آپ کے قول کی نظیر فقہاء کے کلام میں موجود ہے، اس سلسلہ میں خاکسار کا تجزیہ یہ ہے:

انہیلر کے ذریعہ استعمال ہونے والی دوا پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، سفوف ہوتی ہے یا سیال، کچھ معمولی اجزاء لعاب میں شامل ہوکر معدے میں پہنچنے کا امکان ہے، فقہاء نے مفسد جوف بطن یا جوف دماغ میں پہنچنے والی چیزوں کو قرار دیا ہے، انہیلر کی دوا ان دونوں تک نہیں پہنچتی، اور حلق کے نیچے جس نلی کے ذریعہ یہ دوا پہنچائی جاتی ہے پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، اس صورت میں انہیلر کو انجکشن اور عقرب کے ڈنک مارنے پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اگر معمولی اجزاء لعاب میں شامل ہوکر معدے تک پہنچتے ہیں تو چنے سے کم مقدار نگلنے کی صورت پر قیاس کرسکتے ہیں، ارادۃً دانت میں پھنسے ہوئے اجزاء کے احکام معروف ہیں، اس لیے اس تجربہ کی روشنی میں میرا رجحان یہ ہے کہ انہیلر مفسد صوم نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ:

مولانا ارشد فاروقی صاحب نے بڑے اہم نکات کی طرف رہنمائی فرمائی، رابطہ کا فیصلہ آپ نے بتایا وہ بھی تجویز مرتب کرنے والوں کے سامنے ہوگا، اور جہاں تک علماء بلد حرام کے فتوے کی بات ہے تو ان کا موقف یہ ہے کہ اکل وشرب حقیقی کے سوا کوئی بھی چیز مفسد صوم نہیں ہے، چونکہ نص میں اکل وشرب کا ذکر ہے تو اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو محل قیاس نہیں مانا ہے اور اس لئے وہ یہیں تک محدود رکھتے ہیں، صرف انہیلر ہی کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اور بھی صورتیں وہ ہیں جن میں انہوں نے فتوی دیا ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور جہاں تک یہ بات ہے کہ کچھ ذائقہ محسوس ہوتا ہے جو مسواک کی لذت کو بھی معدہ محسوس کرتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ احساس لذت کا تعلق زبان سے ہے تو معدہ سے بھی ہے، اس لئے فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ اگر کوئی چیز چبائی جائے اور آدمی اسے تھوک دے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر اس کو نگل گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، جہاں تک میری رائے کا اس میں حوالہ دیا گیا تو واقعی مجھے کما حقہ اطمینان نہیں ہے، ڈاکٹروں کی تحقیق کے مختلف ہونے کی وجہ سے، تو یہ حکم اس کے لئے ہے کہ جس کی صحت اتنی خراب ہو کہ بغیر انہیلر کے وہ دن بھر نہیں رہ سکتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کو قضاء کا حکم دینا تو بے معنی بات ہے، اگر وہ اس پر قادر ہوتا تو روزہ ادا ہی کرلیتا، اور فقہاء کے یہاں اس کی نظیر موجود ہے کہ بعض فقہاء نے قضاء اور کفارہ قضاء اور فدیہ دونوں واجب قرار دیا ہے، خود امام شافعی کے یہاں حاملہ اور مرضعہ کے لیئے مستقل یہی حکم ہے، قضاء بھی کرنی ہوگی اور اس کو فدیہ بھی دینا ہوگا، تو وہ حکم بطور احتیاط کے ہے، اور احتیاط کے حکم کے لیے ویسے بھی کوئی دلیل ضروری نہیں ہوتی، احتیاط خود ہی ایک دلیل ہے، بہر حال ہم شکر گذار ہیں اور الحمد اللہ مولانا ارشد فاروقی کے مناقشات اور گفتگو سے ہمیشہ ہم لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

مفتی شیر علی گجراتی:

اس مسئلہ پر ہم جیسے لوگ کیا کلام کریں، فقہاء کرام کے استنباطات موجود ہیں، فقہاء نے کن دلائل کی بنیاد پر ان مسائل کو مستنبط کیا ہے، اس پر ہم لوگوں کو غور کرنا چاہئے، غور فرمایئے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ جب صائم استنجاء کرے تو کشادہ نہ بیٹھے، صرف بیٹھ جائے، تاکہ پانی اندر نہ جائے، ایک طرف تو فقہاء یہ لکھتے ہیں اور دوسری طرف مقالہ نگار حضرات نے یہ لکھا ہے کہ مثانہ کے اندر مرہم رکھ لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ تو عجیب بات ہے۔

فقہاء کرام یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے تھوڑا سا نمک چکھ لیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا اور کفارہ بھی دینا پڑے گا، اگر مٹھی بھر کر کے نمک کھا لیا تو صرف قضاء ہے، کفارہ نہیں ہے، کیونکہ تھوڑا سا جو ہے وہ نفع پہنچانے والا ہے، اس لئے کفارہ لازم آیا، نافع ہے وہ چیز، اور جو زیادہ کھا لیا وہ اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن نافع نہیں ہے، اس لئے کفارہ ساقط ہوگیا، اور مسئلہ استنباط کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے کے بارے میں کہا روزہ نہیں ٹوٹے گا، تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، ٹھنڈا پانی سے نہانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اب ہم اس پر قیاس کررہے ہیں، فقہاء کہہ رہے ہیں کہ انجکشن لگادیا تو مسامات یا رگوں کے ذریعہ سے پہنچ گیا، اور پھر اس کی بنیاد کیا ہے نفع پہنچ گیا، تو غذا پہنچ گئی، سب کچھ ہوگیا، نافع ہوگیا، اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

آدمی جون کے مہینہ میں دو گھنٹے میں پریشان ہو جاتا ہے اور سردی کے موسم میں دن بھر روزہ رہے کچھ بھی نہیں ہوتا، یہ تو ایک عجیب مسئلہ ہے، اصلاً اس میں اس بات کو سامنے رکھنا چاہئے کہ کس چیز کے استعمال سے بدن کو فائدہ پہنچتا ہے اور فائدہ کسی چیز سے بھی پہنچایا جائے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہئے، یہ اصول ہمارے سامنے رہنا چاہئے اور اس پر غور کرنا چاہئے کہ اصل بنیاد کیا ہے؟

جہاں تک فقہاء کی بات ہے تو ان کے یہاں تو ایسے جزئیات آپ کو بہت ملیں گے اور گلوکوز کے مسئلہ میں ہمارے اکابرین نے بھی عدم فساد ہی کی بات کہی ہے حالانکہ اس سے تو پوری غذا پہنچتی ہے۔

غذا کے طور پر دیا جانے والا انجکشن کے بارے میں میرے خیال میں غور کرنے کی ضرورت ہے، روزہ ٹوٹ جانا چاہئے اور نہیں تو کم از کم احتیاط تو کرنی ہی چاہئے، تیل وغیرہ میں جو فائدہ پہنچتا ہے وہ اور چیز ہے، اور غذا کے طور پر گلوکوز یا انجکشن یہ اور چیز ہے، نہانا یہ الگ چیز ہے اور اندر پہنچانا یہ اور چیز ہے، ایک دوسرے پر قیاس کرنا میرے خیال میں تو سمجھ میں نہیں آتا، آپ لوگ علماء کرام ہیں غور فرمائیں۔

حافظ کلیم اللہ مدنی عمر آباد:

مفطرات صیام کے اصول یہ ہیں:

۱- واقفیت، ۲- یادداشت، ۳- قصد وارادہ، ان تین اصولوں کے یکساں طور پر پائے جانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، مثلاً کسی روزہ دار کو اس بات کا علم ہے کہ کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے روزہ ٹوٹتا ہے اور وہ مکمل حواس رکھتا ہو اور اس کے دل میں اس کا ارادہ بھی ہو، کسی روزہ دار کے منہ میں گرد وغبار، کیڑے وغیرہ کے چلے جانے یا کلی کے دوران حلق کے نیچے پانی کے اتر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مذکورہ چیزوں کے اصول وضوابط درج ذیل احادیث سے مستنبط ہیں: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "تین آدمیوں سے شرعی تکالیف اٹھالی گئی ہیں: سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے، بے ہوش انسان یہاں تک کہ ہوش میں آجائے"، اور ایک بات جس میں انہیلر کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ انہیلر کا استعمال مفسد صوم نہیں ہے، مباح ہے، الایہ کہ کوئی دلیل شرعی اسے حرام کرے، انہیلر میں ہوا کے ساتھ دوا تو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے، جو پھیپھڑے تک پہنچائی جاتی ہے، اس کا مقصد علاج ہے نہ کہ تقویت اور غذائیت، اس صورت میں یہ مفسد صوم نہیں ہے، اس سے روزہ یا روزہ دار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جیسا کہ شیخ بن باز کا فتویٰ بھی ہے کہ اس کا حکم مباح ہے، جب انسان اس کے لئے مجبور ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه"۔

انہیلر کا استعمال کھانے پینے کے مشابہ نہیں ہے، اس کی صورت کسی انجکشن کی طرح ہے، جو علاج کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا نے بڑی اصولی بات فرمائی ہے، اور اس پر استدلال کیا ہے۔

"رفع القلم عن ثلاث" والی روایت سے، لیکن اس حدیث میں جہل کا ذکر نہیں ہے، بحث اس پر بھی قابل غور باقی رہ جاتی ہے کہ ناواقفیت میں کوئی چیز کھائی تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا؟

ان چیزوں میں نہ روزہ دار کا اختیار شامل ہے اور نہ ارادہ، اسی طرح روزہ دار بھول کر کوئی چیز کھا پی لے تو یہ مفسد صوم نہیں ہوگا، نیز روزہ دار کو مسئلہ کی نوعیت سے واقفیت بھی ضروری ہے، اگر روزہ دار مفسد صوم چیز کا ارتکاب کرے اور اس کو مسئلہ کی صحیح نوعیت کا علم نہ ہو تو اس کی جہالت کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

کیونکہ اس نص سے اس پر صریح استدلال شاید نہیں ہو سکتا ہے اور یہ بات کہ جو چیز بطور غذا کے نہیں کھائی جائے، بلکہ دوا کے کھائی جائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یقیناً بعض بزرگ علماء کی یہ رائے ہے، لیکن حدیث میں اکل اور شرب کا جو لفظ آیا ہے، اس میں "اکل غذائی اور اکل دوائی" اس کی تفریق نہیں کی گئی ہے، تو اس لحاظ سے جس چیز کا بھی اکل وشرب پایا جائے خواہ اس کا مقصد غذا ہو یا اس کا مقصد تقویت جسم ہو، یا اس کا مقصد علاج ہو، سب کو اس میں شامل ہونا چاہئے، اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اکل کا اطلاق کس پر ہوتا ہے، کوئی بھی چیز اگر حلق سے نیچے اتاری جائے، اکل کی تعریف کیا کی جائے گی، اس کے دائرے میں یہ آئیں گی یا نہیں آئیں گی، تو اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا ہوگا، اس پر ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات توجہ اور غور فرمائیں گے۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی:

جو بات عرض کرنی تھی اس میں سے کچھ تو مولانا فاروقی صاحب نے عرض کردیا، البتہ ایک بات یہ ہے کہ اگر کسی کو سال بھر انہیلر کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، ایک تو یہ ہے کہ سردی میں انہیلر لینے کی ضرورت پڑتی ہو، گرمی میں لینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو، ایسی صورت میں مسئلہ بالکل واضح ہے، کہ جن ایام میں انہیلر لینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو، ان ایام میں روزے کی قضا کرلے، لیکن اگر سال بھر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو کیا اس صورت میں انہیلر لے کر روزہ رکھ لینے کی اجازت ہوگی، تاکہ استطاعت اور طاقت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہوجائے، اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں، وہ فدیہ بھی ادا کردیں، بطور احتیاط کے، اور اگر انسان صاحب استطاعت نہ ہو تو انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لینا ان کے لئے کافی ہو، اس لیے کہ: ''لا یکلف الله نفسًا إلا وسعها'' - میری رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو اجازت ہونی چاہئے۔

مولانا ریاض احمد قاسمی رحمانی:

میں خلاصہ کے طور پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مفطرات صوم والے مسئلہ میں بنیادی طور پر دو باتوں کی تحقیق اور اس پر بحث کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ فطری منافذ سے دخول فقہاء کے یہاں بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، یا محض امکانی صورت کا اس پر غور ہونا چاہئے، فقہاء کی حد تک اگر ہم غور کریں گے تو یہ بات راجح معلوم ہوگی کہ یہ بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن احادیث اور نصوص کی حیثیت میں غور کریں گے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بنیادی شرط کی حیثیت نہیں رکھتا ہے، بلکہ امکانی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے فقہاء کے بیان اور نصوص کو جمع کرنے کی مناسب کوئی صورت نکلنی چاہئے۔

دوسری بات مفطرات صوم سے متعلق قابل تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ استقرار فی الجوف کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اس کے بارے میں بندہ کا خیال ہے کہ استقرار فی الجوف ایک امر باطنی ہے، لہٰذا حقیقی استقرار فی الجوف کے بجائے ظاہری وصول الی الجوف کا اعتبار کیا جانا چاہیے اور علامہ شامیؒ نے ''فکان مما یصل عادةً حکم بالفساد'' کے ذریعہ اس کی صراحت کردی ہے۔

ایک بات اور عرض کرنی ہے جس کے بارے میں تلخیص کے اندر بھی اشارہ آیا کہ عام طور پر ہمارے مقالہ نگار حضرات نے عورت کے سلسلہ میں مخرج بول اور فرج داخل کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، اس پر بھی غور ہونا چاہئے کہ مخرج بول المرأة اور اس کے فرج داخل کا حکم اگر واضح طور پر معلوم ہوجائے کہ ایک ہے یا الگ تو بہتر ہوگا، اسی طریقہ سے آلات عورتوں کی شرمگاہ میں داخل کئے جائیں یا پچھلے راستے میں داخل کئے جائیں، اس کے بارے میں ڈاکٹروں سے ہم نے معلومات کی تو معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ ملین دوائیں اس کے سرے تک جاتی ہیں، اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے تو اس صورت میں ان آلات کے دخول سے بھی روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ یہ تر انگلی داخل کرنے کے مشابہ ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ منافذ فطریہ سے جو دخول کی بات ہے یہ بیان واقعہ کے طور پر ہے یا شرط کے، اور فقہاء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان بطور واقعہ کے ہے، اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بطور بنیادی شرط کے ہے، ظاہر ہے کہ فقہاء جو رائے قائم کرتے ہیں ان میں بعض مصرح ہوتے ہیں اور بعض مستنبط ہوتے ہیں، تو جو فقہاء نے اصول بیان کئے ہیں خود افطار صوم کے سلسلہ میں اس میں ہر ایک کا انہوں نے نص سے مستدل بیان کیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اصولوں کو منقح کر کے ہم دیکھیں، یہ بات مولانا نے صحیح فرمائی کہ مخرج بول اور فرج مرأة ان دونوں میں دواؤں کے ڈالنے کا حکم الگ ہوگا، یا یکساں ہوگا، جہاں تک آلات کی بات ہے تو مختلف مقالہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر ان آلات کے ساتھ ان پر کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو خواہ ملین ہو یا کوئی اور مرطوب شئی ہو جس سے ان آلات کا جسم میں داخل کرنا آسان ہوجائے تو پھر اس کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا، یہ فرق مختلف لوگوں نے اپنے مقالات میں لکھے ہیں اور عرض مسئلہ میں بھی یہ بات آگئی ہے۔

مفتی عزیز الرحمن:

روزہ کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ بات لکھی ہے کہ جو چیز دوا یا غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہو قصداً اس کو حلق سے نیچے داخل کیا جائے تو مفسد صوم ہونے کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی ہے، اور جو چیز دوا یا غذا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس کو قصداً داخل کرنے کی صورت میں قضاء تو واجب کرتا ہے کفارہ واجب نہیں کرتا ہے،

یہ ایک بنیادی بات فقہاء سے ملتی ہے۔

اس کے علاوہ جو جزئیات ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصد وارادہ کا بطور خاص لحاظ کیا گیا ہے، دخان داخل ہو جائے تو مفسد صوم نہیں ہے، لیکن اگر داخل کیا جائے تو مفسد صوم ہے، اب فطری اور غیر فطری منافذ میں بھی کوئی چیز داخل کی گئی، غیر فطری راستوں سے حقنہ کی مثال ہے، اگر دوا بذریعہ حقنہ پہنچائی گئی مجھے جہاں تک یاد ہے سبھی لوگ اس کو مفسد صوم کہتے ہیں، ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے کہ قصد وارادہ بھی ہے، دوا بھی ہے، دوا ہونا عذر تو ہو سکتا ہے، روزہ نہ رکھے، مگر اس کی وجہ سے یہ کہہ دیں کہ روزہ فاسد نہیں ہوگا، یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز اگر اندر چلی گئی تو مفسد صوم نہیں ہے، لیکن اگر قصداً داخل کیا گیا تو مفسد صوم ہو جاتا ہے، تو اس سے چھوٹے بڑے کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے، کوئی چیز اگر ہم قصداً داخل کریں خاص طور سے منہ سے یا کسی اور راستہ سے اور استقرار ہو جائے، خاص طور سے بطن اور معدے میں تو اس کو مفسد صوم ہونا چاہئے، حضرت مفتی شفیع صاحب کا گلوکوز وغیرہ کے بارے میں بڑا تفصیلی فتوی موجود ہے، اس میں ساری بات آگئی ہے کہ وہ غذا کا بھی فائدہ دیتا ہے اور دوا کا بھی، یہ ساری باتیں اس میں موجود ہیں، اس کے باوجود گلوکوز اور انجکشن لینے کو مفسد صوم قرار نہیں دیا ہے، اور یہ بات بھی اس میں آئی ہے کہ خالی فائدہ حاصل ہو جانے سے فساد صوم ہو جائے تو فائدہ تو غسل طبعی سے بھی ہوتا ہے، آدمی جب ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے تو اس کی پیاس ختم ہو جاتی ہے، بہت سی چیزیں معدے تک نہیں پہنچتی ہوں، مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ چیزیں بھوک اور پیاس کے احساس کو کم کر دیں، تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ انجکشن تو مفسد صوم نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے ذریعہ ڈائریکٹ دوا معدہ تک پہنچے اور اس میں استقرار بھی پایا جاتا ہو، اور یہ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی قصداً گلوکوز استعمال کر رہا ہے کہ بھوک پیاس کا احساس نہ ہو تب وہ غلط کر رہا ہے، مگر اس میں فساد صوم نہیں پایا جاتا ہے۔

امراض قلب کی دوا جو تالو میں رکھی جاتی ہے، میں نے ڈاکٹروں سے معلومات کی تو انہوں نے کہا کہ وہ چھوٹی سی دوا ہے، تھوک کے ساتھ اس کے اجزاء حلق میں پہنچیں گے ہی، اور اگر یہ غور کریں کہ چھوٹی چیز کو بھی حلق میں پہنچنے کے بعد مفسد صوم مانا گیا ہے تو اگر روزہ دار یہ احتیاط کرتا ہے کہ تھوک بالکل نہ جانے پائے تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، لیکن اگر تھوک کے ساتھ اندر جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اگر تھوک کر کے نگلا جائے تو اس کو بھی مفسد صوم کہا گیا ہے، اگر تھوک کے ساتھ اس کے ذرات چلے جاتے ہیں تو وہ بھی مفسد صوم ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو کہا جائے کہ جب شفا ہو جائے تو قضاء رکھ لیں۔

انہیلر کے تعلق سے چونکہ میں خود انہیلر کا استعمال کرتا ہوں جو ہمارا معالج ہے، ان سے میں نے چلتے وقت بھی گفتگو کی، تو اس نے کہا کہ یہ دوا سیال نہیں، بلکہ گیس کی شکل میں اندر جاتی ہے، سب پھیپھڑے میں رہتی ہے، ستر فیصد حصہ باہر چلا جاتا ہے ہوا کی شکل میں، لیکن کچھ حصہ یقیناً پیٹ میں پہنچتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انہیلر کا استعمال عام طور سے مریض کو دو مرتبہ کرایا جاتا ہے، افطار کے بعد اور سحری سے پہلے، یا سحری کے وقت اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اس کے بعد روزہ دار کو کوئی ضرورت انہیلر کی نہیں رہتی، لیکن اگر دو مرتبہ سے زیادہ کی ضرورت ہے، تو اطباء اس کو روزہ رکھنے سے منع کر دیں گے، پھر وہ معذور کے درجہ میں آجائے گا وہ فدیہ دے یا جو بھی ہو، ایسے لوگوں کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ روزہ بھی رکھیں اور فدیہ بھی دیتے رہیں اور یہ نیت بھی رکھیں کہ اللہ نے صحت دیدی تو بعد میں قضاء کر لیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مفتی صاحب نے دو بڑی قیمتی بات فرمائی ہے: ایک ہے کسی چیز کا قصد وارادہ کے ساتھ جسم میں داخل کرنا، اور ایک ہے بلا قصد داخل ہو جانا، ان دونوں میں تو فرق ہے، لیکن کسی چیز کو بطور غذا استعمال کیا جائے یا بطور دوا استعمال کیا جائے، یا کسی چیز کا کثیر حصہ جسم کے اندر پہنچے یا اس کا بہت قلیل حصہ جسم کے اندر پہنچے، فساد صوم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، ہر صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

مولانا محمد عثمان:

مجھے دو مسئلے سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے: ایک تو یہ کہ سوال نامہ میں یہ ذکر کیا گیا کہ جوف راس اور جوف بطن، جوف راس کے اندر یہ کہا گیا ہے کہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر مجوف حصہ موجود نہیں ہے جس میں کوئی چیز جائے اور ٹھہر سکے، اس لئے فقہاء کے ضابطہ کے مطابق اس میں پہنچنے والی کوئی دوا یا کوئی چیز اس کو مفسد نہ بنا سکے، لیکن اس سلسلہ میں فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ درحقیقت جوف راس اور جوف بطن دونوں کے اندر منافذ اصلیہ موجود ہیں اور جو چیز جوف راس تک پہنچے گی اس کا جوف بطن تک پہنچ جانا لازم ہے، جیسا کہ: ''إن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا أصليًا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن'' (شامی وبدائع)۔ وغیرہ میں یہ عبارات موجود ہیں۔ دوسرے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ جوف راس اور

جوف بطن کے درمیان منفذ اصلی موجود نہ ہوتو بھی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جوف راس تک پہنچنے والی چیز مفسد صوم ہے، اس لیے کہ ترمذی میں ایک روایت ہے:

''عن عاصم عن سمرة عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله! أخبرني عن الوضوء قال: أسبغ الوضوء وخلل بين الأصابع وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائمًا''۔

لہٰذا حالت صوم میں استنشاق میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ:

''كراهية المبالغة في الاستنشاق لأجل الوصول إلى الجوف وهو مفسد للصوم عندنا''۔

تو جوف راس اور بطن کے درمیان منفذ اصلی موجود نہ بھی ہوتب بھی جوف راس تک پہنچنے کی چیز مفسد صوم ہے، جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے، مجھے صرف یہ بات عرض کرنی ہے کہ ابھی یہ بات کہی جارہی ہے کہ منفذ اصلی سے اگر کوئی چیز اندر داخل کی جائے تو اگر غذا یا دواء ہوتو موجب فساد اور موجب کفارہ ہے، اس میں دو چیزوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ایک چیز اور ہے، اور وہ ہے تلذذ، کہ کوئی چیز منفذ اصلی سے اندر داخل کی جائے، چاہے وہ غذاء ہو یا دواء یا تلذذ ا ہو، لہٰذا مفتی شیر علی صاحب کا وہ مسئلہ کہ نمک اگر چکھا جائے تو موجب کفارہ ہے اور ڈھیر سارا کھالیا جائے تو صرف موجب قضاء ہے، ان سے فرق واضح ہوجاتا ہے کہ جب چکھا جائے تو تلذذ ہوگا، اسی طرح فقہاء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جو چیز اندر داخل کی جائے غذاء اور دواء تو وہ چیز مفسد صوم بھی ہے اور موجب کفارہ بھی ہے، اس سلسلہ میں کہ اگر کسی کو مٹی کھانے کی عادت ہو اگر چہ یہ چیز نہ دوا ہے اور نہ غذا، لیکن چونکہ یہ چیز تلذذ ا استعمال کی جاتی ہے اس لئے یہ موجب کفارہ بھی ہے۔ تیسری چیز یہ عرض کرنی تھی کہ مثانہ چاہے مرد کا ہو یا عورت کا ہو، من حیث مثانہ اس سلسلہ میں فقہاء نے کوئی فرق نہیں کیا ہے، اور مولانا خالد صاحب کا یہ کہنا کہ فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں میں فرق ہے، اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جہاں تک جوف دماغ والی بات ہے اس سوال کو ہم لوگ نوٹ کرلیں اور آج شام میں ڈاکٹر آئیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے، ویسے بعض فقہاء نے اس پر گفتگو کی ہے۔

جہاں تک مولانا نے استنشاق والی روایت سے استدلال کیا ہے، ظاہر ہے کہ ناک کا منفذ حلق کی طرف بھی ہے، اور اس کو تو بہت نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، بلغم وغیرہ کی بحث بھی اس میں آئی ہے، اور بعض لوگوں نے اس کا منفذ دماغ کی طرف بھی مانا ہے، تو یہ بنیادی طور پر طبی مسئلہ ہے، جو لوگ تشریح اعضاء کے فن سے واقف ہوں وہ انشاء اللہ اس پر تفصیل سے بحث فرماسکتے ہیں، مولانا نے تلذذ والی بات فرمائی، میرا خیال یہ ہے کہ تلذذ موجب کفارہ ہے، اور ادخال مطلقاً مفسد صوم ہے، جیسے فقہاء نے کنکری اور پتھر وغیرہ کی بحث کی ہے، اگر کوئی اس کو نگل جائے تو کفارہ تو اس پر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ تلذذ اس سے حاصل نہیں ہوا، کیونکہ اس سے بدن کی اصلاح نہیں ہوتی، لیکن روزہ اس سے فاسد ہوجائے گا۔

مولانا محمد حذیفہ:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جب زیر بحث مسائل کا تعلق علم طب سے ہے تو پھر ضروری ہے کہ جن مسائل کی بنیاد کسی قدیم طبی تحقیق پر ہے اگر ان کی تشریح بدل چکی ہے، تو اگر جدید طبی تحقیق میں ان اعضاء کی تشریح میں تبدیلی ہوجائے تو ان سے متعلقہ احکام میں بھی تبدیلی ہونی چاہیے۔

میں نے اس موقع سے چند مسلم اور غیر مسلم ڈاکٹر سے تحقیق کی تو انہوں نے خاص طور پر عورتوں کی شرمگاہ اور پیشاب گاہ سے متعلق ایک بات یہ فرمائی کہ پیشاب گاہ ایک چیز ہے اور شرمگاہ الگ چیز ہے، اور پیشاب گاہ سے متعلق یہ بتایا کہ اس میں مرد اور عورت کی پیشاب میں نیچے سے کوئی فرق نہیں ہے اور اوپر یعنی مثانہ سے اوپر کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح مرد کے مثانہ سے اوپر کوئی چیز نہیں جاسکتی، اسی طرح عورت کے مثانہ سے بھی کوئی چیز نہیں جاسکتی ہے، اس لئے پیشاب سے متعلق تو مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے اور شرمگاہ سے متعلق ڈاکٹر کی تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شرمگاہ سے معدے تک جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اگر وہاں سے کوئی چیز داخل کی جائے تو زیادہ سے زیادہ رحم تک پہنچ سکتی ہے، گویا داخل کی گئی چیز کی آخری منزل رحم ہے اور رحم اور معدے کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔

اب تک جو کتابوں میں تحقیقات آرہی تھیں، وہ قدیم طبی تحقیقات کی روشنی میں آرہی تھیں، جن بنیادوں پر فقہاء قدیم نے باتیں لکھی تھیں وہ آج کی تحقیق

کے مطابق بالکل الگ ہیں تو پھر مسئلہ بالکل بدل جانا چاہئے، اگر چہ قدیم فقہاء نے لکھا ہے کہ شرمگاہ میں دوا داخل کی گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن آج یہ تحقیق سامنے آئی ہے کہ رحم سے آگے معدے تک جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو پھر احکام بدلنے چاہئیں اور شرمگاہ میں دوا یا کوئی مرطوب چیز کے ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

نیز موضع حقنہ سے نیچے اگر کوئی دوا رکھی جائے تو مرد وعورت دونوں کی یہ قدرتی بات ہے کہ خشک دوا تو اندر جاتی نہیں، سیال دوا بھی اندر نہیں جاتی، بلکہ رگوں اور مساموں میں جذب ہو جاتی ہے، اس لئے اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، اور عورت کی شرمگاہ میں دوا ڈالنے سے دوا اگر اندر بھی چلی گئی تو بھی روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ رحم کے راستہ سے معدہ تک کسی چیز کے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، البتہ اگر مقام حقنہ تک دوا پہنچائی جائے تو وہاں سے معدے تک پہنچنا آسان ہے، اس لئے اس سے روزہ فاسد ہونا چاہئے۔

دوسری بات انہیلر سے متعلق ہے، یہ بات عام طور سے پیش کی جارہی ہے کہ دوا جو انہیلر کے ذریعہ پہنچائی جاتی ہے وہ پھیپھڑے میں جاتی ہے، معدے میں نہیں جاتی، میری تحقیق یہ ہے کہ انہیلر کی دوا اصلاً تو سانس کی نلی سے پھیپھڑے تک جاتی ہے، لیکن دوا کوئی اتنی تربیت یافتہ نہیں ہوگی کہ وہ صرف سانس کی نلی ہی میں جائے، سانس کی نلی کے متصل کھانے کی نلی بھی ہے، اگر اسکا ایک کثیر حصہ سانس کی نلی میں جائے گا تو کھانے کی نلی میں بھی دوا کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور جائے گا تو جب کھانے کی نلی میں جائے گا تو اس کا سیدھا راستہ معدے تک کا ہے، اس بنیاد پر انہیلر سے بھی روزہ فاسد ہو جانا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصل میں یہ سارے مسائل ڈاکٹروں کی تحقیق کی طرف لوٹتے ہیں، اب جیسا کہ آپ نے بتایا کہ فرج مراۃ کا راستہ معدہ کی طرف نہیں ہے رحم کی طرف ہے، اب یہ بات قابل تحقیق ہے کہ رحم کو جوف مانا جائیگا یا نہیں مانا جائے گا، اسلئے کہ رحم میں جو بچے کی پرورش ہوتی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے مجوف شیء ہے اور استقرار کی صلاحیت ہے، تو بہر حال یہ ایک تحقیق کا متقاضی مسئلہ ہے۔

مولانا محمد حذیفہ:

آپ نے فرمایا کہ رحم کو جوف مانا جائے، میرا سوال یہ ہے کہ مطلقاً کسی چیز کا جوف میں داخل ہونا مفسد صدم نہیں ہے، منہ بھی تو جوف ہے، رگیں بھی خالی جگہ رکھتی ہیں، فقہاء نے جس جوف کی بات کہی ہے اس سے دو جوف مراد ہے، ایک جوف بطن اور دوسرا جوف دماغ، تو اگر رحم جوف کا حصہ مانا جائے گا تو مثانہ بھی تو پیٹ کا ہی حصہ ہے، اسکو بھی جوف مان کر دوا پہنچانے کی صورت میں مفسد صدم ہونا چاہئے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

الحمد اللہ بہت سے نکات ہمارے سامنے ہیں اور ہم گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور نئے انداز سے مسائل پر غور کر رہے ہیں، یہ اصول ہمارے سامنے رہنا چاہئے کہ عبادات جن کا تعلق تعبدات سے ہے، ان میں قیاس کی گنجائش کہاں تک ہے یہ ایک اصولی بات ہے، یہ جو ہمارے نوجوان فضلاء ہیں، ماشاء اللہ توانائی بھی ہے، اور شوق بھی ہے ان سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اصولی بحثیں ہیں اور ہماری اکیڈمی نے بہت سے اصولی موضوعات کو سمینار میں رکھا بھی ہے، تا کہ ان کے ذہن و دماغ میں اصول تازہ رہیں وہ ان اصولوں کو سامنے رکھیں۔

احکام جو عبادات اور تعبدات کی قبیل سے ہیں، ان میں قیاس کی گنجائش کہاں تک ہے، اس پر ہماری نظر ہونی چاہئے اور جو فیصلہ ہم کریں ان کا بھی لحاظ ہمارے فیصلے میں ہونا چاہئے کہ قیاس کا دخل تعبدی امور میں کہاں تک ہے۔

دوسری بات جو خاص طور سے مجھے عرض کرنی ہے کہ جو مسائل اس وقت یہاں زیر بحث ہیں جن میں یہ بات محسوس کی جارہی ہے کہ طب جدید کے ماہر ڈاکٹرز اور خاص طور سے وہ ڈاکٹر جو تشریح اعضاء کے متخصص ہیں ان کی موجودگی ضروری تھی، بہت سے ڈاکٹرز سے رابطہ کیا گیا، لیکن نہیں ہوسکا، وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ بات میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ان سب میں سے ایک کا آنا بھی صرف کافی نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات میں بھی کافی اختلافات ہوئے ہیں، کسی ایک ڈاکٹر کی تحقیق کو اور اس کی دوا کو پورے مرض کی دوا سمجھ لیں، یہ بات صحیح نہیں ہے، علماء تو بدنام ہوتے ہی ہیں کہ ان کے یہاں اختلافات ہوتے ہیں، ایک مسئلہ کی دورائیں بلکہ تین رائیں ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں کا جب سابقہ پڑا ان سمیناروں میں ان علوم کے ماہرین سے، تو معلوم ہوا کہ اکثر و بیشتر ان کے یہاں بھی اختلافات

ہوتے ہیں، تو اگر یہ بات ہو تو انہیں بھی ہمارے سامنے آنا چاہئے اور فیصلہ کرنے سے پہلے ان سے ہمیں معلومات لینی چاہئے اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اس لئے اگر اس سمینار میں ایسے مسائل ہیں جن کا مبنی ان کی تحقیق پر ہے اور ہمارے سامنے ابھی تک وہ تحقیقات نہیں ہیں تو ہماری خود یہ رائے ہوگی کہ پہلے ہم ان حضرات سے اگلی کسی نشست میں رابطہ کریں۔

ایک بات اور میں عرض کردوں کہ مان لیجئے کہ گلوکوز چڑھانے سے یا انجکشن جو خاص قسم کے آتے ہیں، جن سے تقویت حاصل ہوتی ہے، یہ مفطر صوم ہیں کہ نہیں، مسئلہ پھر وہیں لوٹ کر آتا ہے کہ جو نصوص ہیں ان نصوص میں جن چیزوں کو مفسد قرار دیا ہے یعنی اکل وشرب کو، یہ چیزیں ظاہر ہیں منصوص و مصرح ہیں، اگر ہر گلوکوز کو یا اس طرح کی اور چیزوں کو مفطرات صوم میں شامل کرتے ہیں تو یہ ہم قیاس پر عمل کر رہے ہیں، بات پھر وہیں قیاس پر آتی ہے کہ ان مسائل میں قیاس کی گنجائش کہاں تک ہے، اس پر پہلے سے ہمیں خود مطمئن ہونا چاہئے، مطالعہ کریں اور مطمئن ہوں، اور امور تعبدیہ میں احتیاط کا پہلو ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس اصول کو منقح کرلیں کہ کہاں قیاس کو دخل ہو سکتا ہے اور کہاں نہیں ہو سکتا، میرا خود احساس یہ ہے کہ خاص طور پر اس مسئلہ میں کوئی قطعی فیصلہ دینا کوئی ضروری نہیں ہے، انشاء اللہ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کوئی فقہی فیصلہ مناسب نہیں ہے، تو مسئلہ ملتوی بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر کچھ نکات ایسے ہیں جو متفق علیہ ہیں اور کچھ اختلاف ہے تو جن میں اتفاق ہے ان میں اتفاقی فیصلہ ہو جائے گا اور بعض چیزوں کو ہم آگے بڑھا سکتے ہیں، بہر حال یہ تو ذوق وشوق ہے ہمارے نوجوانوں کا جنہوں نے مقالات لکھے ہیں، اور بڑی تعداد میں لکھے ہیں، یہ بڑے ہی حوصلہ افزا ہیں، عمدہ انداز میں اور سلیقہ کے ساتھ مناقشات میں حصہ لے رہے ہیں، بہت ہی خوش آئند بات ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ماشاء اللہ مولانا نے جن نکات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ہم نے اور اسی طرح ہمارے مقالہ نگار حضرات نے جن مسائل میں قیاس اور نظائر سے کام لیا ہے ان میں فقہاء کے قیاس، نظائر اور مثال کو پیش نظر رکھا ہے، امید ہے کہ مولانا نے جو باتیں فرمائی ہیں، جو کمیٹی کے ارکان ہوں گے وہ اس پر توجہ دیں گے۔

مولانا صباح الدین ملک قاسمی:

مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں، اس سے پہلے میری ایک گذارش ہے کہ یہ لفظ مفطر صوم نہیں ہے، اور مکہ فقہ اکیڈمی کے دسویں سمینار میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

صوم کے لئے خاص طور سے تقوی کا لفظ آیا ہے، لیکن جو صورت گری ہوئی ہے کہ صوم ہے کیا، تو یہ اکل وشرب اور جماع تک محدود رہا، بعد میں فقہاء بیان کرتے ہیں کہ خواہشات پر پابندی لگائی جائے تاکہ تقوی کی صفت پیدا ہو تو روزہ کی جو اپنی حقیقی صورت ہے وہ اکل وشرب سے باز رہنا حقیقی ہے، جب فقہاء تک بات آئی تو انہوں نے "مافی معناھما" کا اضافہ کیا، تو اکل وشرب کے ساتھ ان تمام چیزوں کو شامل کیا جو اس کے معنی میں ہو، پھر فقہاء حنفیہ نے تجزیہ کیا تو دوسری صورت گری ہوئی۔ روزے کی ایک بات تو یہ ہے اس تجزیہ میں، جو دوسرا جزء ہے اس تجزیہ کا وہ منفذ کا ہے، منفذ اصلی میں حلق اور معدہ کو بتایا گیا ہے، منافذ کی تین تشریح کی ہیں، جیسا کہ آپ نے تذکرہ کیا، ان تمام چیزوں کو مرتب شکل میں لایا جائے تو وہ پانچ شکلیں بنتی ہیں، اب اس میں کون سی چیز مفطر بنے گی اور کون سی چیز نہیں بنے گی، اس کا تجزیہ پانچ صورتوں میں کیا گیا ہے، ایک صورت ارادہ کی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اصل اختلاف جو ہے وہ ان پانچ صورتوں میں ہے۔ دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب منفذ اصلی کی تشریح ہوئی تو فقہاء احناف کے یہاں جوف تک معاملہ چلا گیا، صرف یہی نہیں رہا کہ منہ سے حلق میں جائے، اور حلق سے معدے میں جائے، معدے سے آگے بڑھ کر لوگ مجوف اور جوف تک چلے گئے، اور جب جوف کی تشریح کی جانے لگی تو جوف کو ڈھونڈا جانے لگا کہ جسم میں جوف کہاں کہاں ہے اور پھر جتنے جوف نکلے ان سب کا حکم وہی لگا دیا گیا جو جوف معدہ کا ہے، اور معاملہ آگے بڑھا اور مثانہ بھی آگیا، اور پھر رحم بھی شروع ہو گیا، یہ بہت دور تک چلا گیا۔

میں دو تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں: ایک یہ کہ جب ہم فقہاء کی طرف جاتے ہیں اور جو عبارات ہم کو ملتی ہیں کہ ہم کسی بڑی شخصیت کی عبارتیں لے لیتے ہیں، مثلاً ہم حنفی ہیں تو حنفی امام کی اور بجائے ہم کو جو کرنا چاہئے کہ عبارت کے ساتھ ان کی دلیل اٹھائیں، یعنی بجائے اس کے کہ یہ عبارت لیں اور شخصیت سے جوڑیں، ہم کو دلیل لینی چاہئے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم دلیل تک نہیں پہنچتے، ہم صرف انہیں کی عبارت اور انہیں کی اختیار کردہ دلیل پر اکتفا کرتے ہیں، ہم اس قابل نہیں ہوتے کہ ہم خود سے دلیل سے مسئلہ استنباط کر سکیں، اگر ہم کسی فقیہ کی عبارت اور دلیل سے متعلق ہو جائیں تب ان کی اجتہاد کردہ دلیل کو بطور دلیل پیش کریں

اور اگر نہ متفق ہوں تو دوسری بات جو موجود ہو اور اس سے ہم متفق ہوں تو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ استنباط کرتے وقت اصل مبدأ کی طرف ہمیں دیکھنا چاہئے مثلاً منافذ کے ساتھ جب کسی منفذ کو جوڑ رہے ہیں تو پھر پلٹ کر دیکھیں کہ اصل صوم تو عبادت ہے اور اس کے مقاصد وحکم پر ایک نظر ڈالیں کہ نہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے مقصد سے ہٹ جائیں۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ غیر حنفیہ نے ان امور کو دانستہ یا نادانستہ مانا، دانستہ اپنے اصول اور امور میں ملحوظ رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر حنفیہ ان مسائل کو بڑی آسانی کے ساتھ حل کر لیتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ عبادات میں استنباط کے پہلو میں ہم زیادہ دور تک نہ جائیں، مثلاً احتیاط کی بات ہے کہ احتیاط کے نام پر وہ تمام چیزیں جو مفطرات میں شامل نہیں ہیں، ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اور یہودی احتیاط میں بہت آگے بڑھ گئے، یہاں تک تشدد تک پہنچ گئے، اور یہ پسند نہیں کیا گیا ہے، اور انہیلر والی جو بات ہے، میں طبیب نہیں ہوں، میں مریض ہوں کبھی کبھی استعمال کرتا ہوں، انہیلر کا دو طریقہ ہے، ایک تو دوا ہے، اور ایک ہے اس کا آلہ جس سے وہ دوا لی جاتی ہے اور اس کے لینے کے بعد میرا خیال یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے کہ اس میں اختلاف در آئے، اس میں اور کوئی چیز نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

کسی چیز کے مفسد ہونے یا نہ ہونے میں مقصد کو بھی پیش نظر رکھا جائے، آپ کی گفتگو سے میں نے یہ سمجھا کہ تغذی، یا تداوی ہے یا تلذذ ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں ہے، بار بار ایک بات آئی کہ اس میں حنفیہ قیاس میں بہت آگے نکل گئے ہیں، میں اپنے حقیر علم کی روشنی میں یہ بات کہوں کہ جتنی تحقیق اس میں احناف کی ہے اور قیاس کیا ہے، وہ تمام تحقیق بلکہ اس سے آگے بڑھ کر فقہاء شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہے، مالکیہ کے یہاں بھی موجود ہے یہاں تک کہ حنابلہ کے یہاں بھی، آپ المغنی اٹھا کر دیکھ لیں۔ اور "الانصاف" دیکھ لیں، شاید عبارتیں بھی میرے پاس ہوں، بعینہ یہی قیاس اور اجتہاد ان کے یہاں بھی آگے بڑھا ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ حقوق الناس میں احتیاط نہیں ہے اور حقوق اللہ میں احتیاط ہے، اور احتیاط کا پہلو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"دع ما یریبك إلی ما لا یریبك" کہ شک وشبہ کے مقام سے اپنے آپ کو بچانا ہے، تو اس لیے فقہاء نے بھی احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے، اور اس کا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا کہ اجتہاد اور استنباط کا (دروازہ ہے روزے میں)، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو میں مضمضہ کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں ٹوٹتا، تو پھر اس میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، حضور نے سیدھے طور پر مسئلہ نہیں بتایا، بلکہ اس کی ایک وجہ قیاس کو واضح فرمایا، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ گو روزہ باب عبادات میں سے ہے، مگر اس میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے، اب یہ گفتگو ہوسکتی ہے کہ اس میں کس حد تک احتیاط کی گنجائش ہے، اور جو فقہاء کی عبارات نقل کی جاتی ہیں، میں بھی عبارتیں نقل کرتا ہوں وہ تقویت کے لئے ہیں نہ کہ استدلال کے لئے ہیں، ادلہ شرعیہ ہمارے یہاں بھی پڑھائے جاتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس، مصالح مرسلہ اور آثار صحابہ، لیکن جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان کا مقصد استدلال نہیں ہے، بس تقویت ہے، کہ جو بات ہم نے سمجھی ہے دلائل سے، اس کی تائید فلاں بزرگ، عالم اور فلاں فقیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، تو میرا خیال یہ ہے کہ اس نقطہ نظر سے استدلال کو دیکھنا چاہئے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ایک بات مجھے عرض کرنی ہے وہ یہ کہ جو مسئلہ مفطرات اور مفطرات کا ہے، تو لغوی لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ گنجائش دونوں کی ہے، مفطرات کا استعمال کریں یا مفطرات کا باقی مجامع فقہیہ نے اگر کوئی اپنی اصطلاح طے کی ہو کہ ہم اس کے لئے مفطرات کا استعمال کریں گے، مفطرات کا نہیں کریں گے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہوسکتی ہے، لیکن لغوی طور پر دونوں کا استعمال درست ہے، مفطرات صوم بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، اور مفطرات صوم بھی آپ پڑھ کر سکتے ہیں بلکہ جہاں تک نصوص کا تعلق ہے تو اس میں بھی تفطیر کا استعمال، افطار کے مقابلہ میں کم ہوا ہے، یہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو قابل بحث ہو۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ مولانا نے جو بات شروع کی کہ گویا قرآن پاک میں صرف صوم کا حکم دیا گیا اور اس کا مقصد بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد گویا فقہاء نے اس کی صورت گری کی، یہ ایک اہم ترین کڑی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے فقہاء نے جو بھی گفتگو کی ہے، مفطرات کے تعلق سے منافذ ظاہرہ اور طبعیہ کی، اس کے تعلق سے آپ کو حدیثیں ملیں گی، آپ اصول کو پڑھئے بہت سی حدیثیں مفطرات اور منافذ کے بارے میں آپ کو ملیں گی، یہ خالی فقہاء کی صورت گری نہیں ہے، قرآن پاک کی آیات جو صوم سے متعلق ہیں ان کو سامنے رکھ کر صورت گری کی گئی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرامین اور ارشادات ہیں

اور اس کے بعد جو آثار صحابہ ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر صورت گری کی ہے، اس کو صرف ان کا ذہنی عمل کہنا گویا کتاب اللہ کے حکم کو لیکر انہوں نے صورت گری شروع کردی، یہ صحیح تعبیر نہیں ہے۔

ایک بات یہ بھی مولانا نے فرمائی اور صحیح فرمائی کہ کسی شخصیت اور فقیہ کا قول خود حجت نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اصل ماخذ شریعت کے کتاب وسنت ہیں اور اس کے بعد اجماع اور قیاس، تو یہ مزاج ہمارا بننا چاہئے اور اس کا عادی ہونا چاہئے کہ ہم کسی بھی مسئلہ میں بحث کرنے میں ہم پہلے نمبر سے چلیں اور ہمارے یہاں یہ اسلوب رائج ہونا چاہئے اور اس کی ضرورت ہے، الحمد للہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے یہاں جو مقالات آتے رہے ہیں، اس سے یہ رجحان پروان چڑھا ہے، آپ تلخیص کو پڑھیں گے، عرض مسئلہ کو پڑھیں تو اس میں بھی ہر مسئلہ کے تعلق سے مقالہ نگار نے احادیث کا حوالہ دیا ہے، آثار کا حوالہ دیا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کی رسائی صرف فقہاء کی عبارتوں تک نہیں ہے، بلکہ وہ احادیث وآثار اور تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہیں، البتہ مزید ہم کو اس میں ضرورت ہے کہ ہم وہاں تک پہنچیں اور گفتگو کا آغاز ہم وہاں سے کریں تو اچھی بات ہوگی، اور میں سمجھتا ہوں کہ جو نکات ان کی گفتگو میں اٹھائے گئے ہیں انشاء اللہ اس کا خیال کریں گے۔

مولانا اعجاز احمد قاسمی:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو حضرات انجکشن کے ذریعہ روزہ کے نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں، انھوں نے عام طور پر اس طرح کی عبارت پیش کی:

''لأن الواصل إليه ليس بمنفذ وإنما من المسام''۔

اس کا تعلق مسامات بدن سے ہے، جبکہ عام مسامات بدن اور رگوں میں فرق ہونا چاہئے، کیونکہ مسام کے ذریعہ اشیاء بعینہ اندرون جسم نہیں پہنچ پاتی، جبکہ رگوں کے ذریعہ دوا بعینہ اندرون جسم میں پہنچ جاتی ہے، اس کے لئے عام طور سے یہ حضرات اس طرح کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جسم پر اگر تیل لگالیا جائے تو کچھ نہ کچھ اجزاء اس کے جسم کے اندر پہنچتے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ انجکشن اور دوا میں جو استفادے کی بات ہے اس میں فرق ہونا چاہیے کہ رگوں کے ذریعہ سے ظاہر ہے کہ دوا جسم میں پہنچتی ہے، جسم کو قرار بھی حاصل ہوجاتا ہے اور بدن کی اصلاح بھی ہوتی ہے جو دوا کھانے اور چڑھانے کا بنیادی مقصد ہے، تو اس سلسلہ میں اس نقطہ نظر کو بہر حال سامنے رکھا جائے کہ رگوں کو جسم کے عام مسامات کے درجے میں نہ رکھا جائے، دونوں کو یکساں اور مساوی قرار دینا ذرا سا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک چیز اور بھی غور کرنے کی ہے کہ مان لیجیے کہ کوئی دوا کی ٹکیہ کھائے، ظاہر ہے دوا کی ٹکیہ بذریعہ حلق معدے تک پہنچتی ہے، بدن کی اصلاح بھی ہوتی ہے اور بنیادی مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس جدید طریقہ کی وجہ سے دوا انجکشن کے ذریعہ جسم میں پہنچے یا یہ کہ اس سے زیادہ زود اثر اور اس سے زیادہ فائدہ اگر اس طرح سے حاصل ہورہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے روزے کے فساد کے سلسلے میں سوچنا چاہیے اور اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

مولانا جعفر ملی رحمانی:

مجھے صرف ایک بات عرض کرنی ہے، ارباب افتاء واصحاب علم وتحقیق کی طرف سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ جو شئی نافع یا مصلح بدن ہے یا غذائیت کا فائدہ دیتی ہے، اگر وہ بدن میں داخل ہوتی ہے، خواہ کسی بھی طریقے سے ہو وہ مفسد صوم ہونی چاہئے، جیسا کہ مفتی نذیر صاحب اور حضرت مولانا شیر علی صاحب کی گفتگو سے معلوم ہوا۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ فساد صوم یا عدم فساد صوم میں نفع پہنچنے اور نفع نہ پہنچنے کو بنیاد بنانا علل شرعیہ اکل وشرب کا ابطال لازم آئے گا، کیونکہ احکام کی بنیاد علل پر ہوتی ہے، نہ کہ حکم اور منافع پر، لہذا یہ بات پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔

مولانا قاضی مشتاق علی ندوی:

مفطرات صوم سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے، میں خاص طور سے انہیلر کے سلسلہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں بھوپال میں انہیلر کے سلسلہ میں سوالات ہوتے رہتے ہیں، بہت مضطر لوگوں نے سوال کیا کہ بتائیے کیا کرنا ہے؟ ہمارے یہاں ایک ڈاکٹر ہیں سید مقصود صاحب وہ امراض تنفس کے بھی ماہر ہیں اور صوم وصلوٰۃ کے بھی پابند ہیں، انہوں نے بتایا کہ اللہ رب العزت نے اپنا ایک نظام قائم کیا ہے۔ ایک نلی ہے سانس کی اور ایک نلی ہے کھانے کی، سب جانتے ہیں کہ کھانے کے وقت اگر تھوڑی سی بھی غذا کھانے کی نلی سے ہٹ کر سانس کی نلی میں چلی جائے تو کبھی کبھی تو موت بھی واقع ہوجاتی ہے، ڈاکٹر مقصود

صاحب کی تحقیق یہ بھی ہے کہ انہیلر کا تعلق سو فیصد سانس والی نلی سے ہے اس کا تعلق کھانے کی نلی سے نہیں ہے اور جیسا کہ ہمارے ایک فاضل نے کہا کہ یہ تربیت یافتہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تربیت یافتہ ہے۔ "ذلك تقدير العزيز العليم" کہ اس میں ذرا بھی فرق پڑے گا تو انسانی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، میری رائے بھی یہی ہے کہ انہیلر مفسد صوم نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس میں یہ بھی بات آئی کہ قضا بھی کرے اور فدیہ بھی دے، مجھے یہ بات شریعت کے مزاج کے خلاف نظر آتی ہے۔ شریعت نے یسر کا پہلو غالب رکھا ہے، آپ نے یہ کہا کہ قضا بھی کرنا چاہیے، فدیہ بھی دینا چاہیے تو آپ اس کو احساس جرم میں مبتلا کر رہے ہیں، اس لیے ہماری تو یہی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں انہیلر کو مفطر صوم نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اس کا تعلق سانس کی نلی سے ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے بڑے اہم نکات اٹھائے ہیں جب شام کو ڈاکٹر آئیں گے تو ان تمام چیزوں کی تحقیقات اور سانس اور غذا کی نالی کا جو فرق ہے ان سے استفسار ہوگا اور اس کو پیش نظر رکھا جائے گا، کسی عالم کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ جس معاشرے میں وہ رہتا ہو اس معاشرے میں وہ منکر کو روکنے اور معروف کی ترویج کی کوشش وہ نہیں کرتا ہو، چونکہ اس وقت اس کا یہ موضوع نہیں ہے، اس لیے ہم لوگ اس میں ان موضوعات کو زیر بحث نہیں لاتے ہیں، آپ کی توجہ دہانی اور آپ کے ان کلمات توجیہیہ کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی:

اس سے پہلے جو چیزیں میرے ذہن میں تھیں وہ اکثر و بیشتر یہاں پر آگئی ہیں، کچھ چیزیں مولانا شیر علی صاحب نے بیان فرمادی ہیں۔ کچھ چیزیں میں آپ کے سامنے رکھدوں گا، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے فرمایا کہ خون چڑھانے سے نہ بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس بجھتی ہے، اس لیے مفطرات صوم کا درجہ نہیں حاصل ہونا چاہیے۔ تو پھر میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ روزے کو توڑنے کے لیے صرف غذا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ دوا سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ہمارے مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے فرمایا کہ روزہ امر تعبدی ہے، اس میں قیاس کو دخل نہیں دینا چاہئے، آپ کا کہنا حق بجانب ہے، ہمیں عبادت کو اسی طرح انجام دینا ہے جس طرح ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ روزہ ٹوٹتا کیسے ہے۔

قرآن کریم میں روزہ کی فرضیت کا جہاں حکم دیا گیا ہے، وہاں اس کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے روزہ کیسے ٹوٹتا ہے اس میں بھی حکم دیا گیا ہے اور حدیث پاک میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ "الفطر مما دخل" روزہ کیسے ٹوٹتا ہے، ہم اپنے قیاس سے اس کا فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ ہم اسی کے لیے مکلف ہیں جو ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، فقہاء نے فرمایا ہے کہ جسم کے اندر کسی چیز کے جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے، ہم بھی وہی کہتے ہیں کہ جو جسم کے اندر جائے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بات یہاں پر آتی ہے کہ جسم کے اندر کا کیا مطلب ہے، کیا ہم معدے کو جسم کا اندرونی حصہ مانیں، چنانچہ ہمارے بہت احباب کا یہی کہنا ہے کہ "الفطر مما دخل" کا مطلب معدہ ہے، جب کوئی چیز معدے میں پہنچ جائے تب ہی روزہ ٹوٹے گا، نبی نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا: "الفطر مما دخل" جو جسم کے اندر جائے۔ میں نے اپنے مقالہ میں وضاحت کی تھی کہ جسم کا اندرونی حصہ کیا ہے؟ اور کون سے حصے جسم کے وہ ہیں جن کو ہم خارجی حصہ مانیں گے۔ ہمارے فقہاء نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جسم کے جن حصوں کو ہم جسم کا خارجی حصہ مانیں گے اگر کوئی چیز وہیں تک رہ جاتی ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن جسم کا یہ اندرونی حصہ ہے اگر کوئی چیز پہنچ جاتی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

کیا آپ پھیپھڑے کو جسم کا باہری حصہ مانتے ہیں؟ کیا آپ حلق کو جسم کا باہری حصہ مانتے ہیں، کیا حلق کے پاس سے جو رگیں نکلتی ہیں اور ادھر ادھر جاتی ہیں کیا آپ ان کو جسم کا باہری حصہ مانتے ہیں، ہم لفظ جوف کے تعلق سے بھی کسی واضح نتیجہ تک نہیں پہنچ پار ہے ہیں، یہ نہیں سمجھ رہے ہیں اور جوف کا ترجمہ بھی وہی پیٹ کر رہے ہیں، ہمارے یہاں جوف کا ترجمہ پیٹ کر دیا جاتا ہے اور اس سے مراد صرف معدہ کو لیتے ہیں، یہ جوف کی صرف ایک شکل ہے، مولانا نے اس کی وضاحت کی ہے اور بہت سے احباب نے کی کہ جسم کے اندر بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو جوف ہیں، بلکہ جوف راس کے تعلق سے علماء نے یہ وضاحت کر دی کہ دماغ کی جھلی جو دماغ کو اپنے اندر لیے ہوتی ہے، اس کے پاس کوئی چیز پہنچ جائے تو اس کو ہم جوف راس مان لیتے ہیں، یہ بہت ہی بر محل چیز ہے، آخر جوف کو اللہ تعالیٰ نے وہاں رکھا ہے وہ بالکل مجوف ہے اور وہ جگہ اس کا مقام اور محل ہے، اس لحاظ سے سر کے اندر جوف نہیں ہوتا، ہمیں یہ چیز ذہن سے نکال دینی چاہیے، خود دماغ جہاں پر ہے وہ دماغ کا جوف ہے اور دماغ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر رکھا ہے جس طریقہ سے آپ کا معدہ ہے، اس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی چیز موجود رہتی ہے، وہ بالکل خالی نہیں ہوتا، ایک چیز اور ہے استقرار کیا استقرار کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز وہاں جا کر منجمد ہو جائے، وہاں کوئی حس اور حرکت نہ ہو، یہ چیز آپ کو جوف میں

بھی نہیں ملے گی، یہ چیز اللہ کے بتائے ہوئے نظام کے مطابق جب کوئی چیز کھاتے ہیں تو وہ وہاں سے حرکت کرتی رہتی ہے، آگے بڑھتی رہتی ہے، اس کا اپنا ایک سسٹم ہے جو کام کرتا رہتا ہے، اس تعلق سے بھی میں نے اپنے مقالہ میں پوری وضاحت کردی تھی، بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ جو باتیں ہمارے ذہن میں تھیں ہمارے بزرگوں نے اس کی وضاحت کردی اللہ جزائے خیر دے ان کو اور ساتھ ہی آپ لوگوں کو بھی کہ آپ نے رہنمائی فرمائی۔

مولانا سید نظام الدین:

مفطرات صوم کے تعلق سے کہ رگوں میں جو انجکشن دئے جاتے ہیں وہ انجکشن دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک عضلاتی ہوتے ہیں اور ایک رگوں میں دئے جاتے ہیں اور میرے خیال میں ایک ریڑھ کی ہڈیوں میں دئے جاتے ہیں اور دوسرے جسم کے بعض عضو ہر جگہ، جیسے ہاتھ پاؤں میں کہیں دئے جاتے ہیں، لیکن روزے توڑنے والے انجکشن کے سلسلہ میں مسئلہ زیر بحث ہے یعنی عضلاتی انجکشن کے بارے میں تو بات یہ ہے کہ یہ مفسد صوم نہیں ہے، کیونکہ یہ دوا گوشت میں دی جاتی ہے جو جسم کے معدے یا دوسرے حصہ میں نہیں پہنچتی، البتہ خون پر اس کا اثر ہوتا ہے اور اس سے بیماری میں فائدہ پہنچتا ہے، لیکن جو انجکشن رگوں کے ذریعہ دئے جاتے ہیں وہ پورے جسم میں پہنچتے ہیں اور خاص کر جو پانی اور خون چڑھایا جاتا ہے وہ تو پورے جسم میں یہاں تک کہ معدے میں پہنچتے ہیں، خاص کر اگر کوئی ایسی بیماری ہے کہ خون کم ہو رہا ہے، سوکھ رہا ہے یا آج کل جو خون کے تبادلہ اور ٹرانسفر کا عمل ہوتا ہے، ایک طرف سے خون نکالا جاتا ہے اور دوسری طرف سے خون داخل کیا جاتا ہے، پورے جسم میں اس کا عمل ہوتا ہے۔

اسی طرح گردے کی خرابی میں جب پیشاب بند ہو جائے اور بالکل نہ ہو تو پانی چڑھایا جاتا ہے، اس میں ایک دوا ڈالی جاتی ہے، پیشاب جاری ہوتا ہے اور پیشاب جاری ہونے کے لئے اس کا معدے سے ہو کر گذرنا اور گردے میں ہو کر جانا ضروری ہے، جب تک معدے سے ہو کر نہ جائے اس وقت تک پیشاب جاری نہیں ہوگا، میرا خیال یہ ہے کہ اس پر غور کر لیا جائے کہ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا؟ اس پر فیصلہ سنائیں گے، مریض کو یہ مشورہ دیجئے کہ روزہ نہ رکھے، اس کے لئے اس میں روزہ کے ٹوٹنے کا امکان ہے، نصوص میں احادیث صحیحہ میں یا فقہاء کے اقوال میں جن وجوہ سے روزہ ٹوٹتا ہے وہ اس صورت میں پایا جاتا ہے تو مریض روزہ نہ رکھے اور صحت یاب ہونے کے بعد قضا کرلے تو زیادہ بہتر ہے۔

البتہ ایک بات جو انہیلر کے بارے میں کہی جارہی ہے اس کا مجھے بھی تجربہ ہوا کہ انہیلر کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آپ سانس روک لیتے ہیں، ساری سانس باہر پھینک دیتے ہیں اور آپ کا منہ خالی ہو جاتا ہے، اس کے بعد منہ میں انہیلر ڈال کر اس کو ایک بار دبائیے تو ایک بھاپ سی چیز حلق میں جاتی ہے، تو اس کا ذائقہ ضرور محسوس ہوتا ہے پھر حلق کے بعد وہ کہاں گئی اس کا پتہ نہیں چلتا، اس کو ڈاکٹر تنفس کی اصلاح کے لئے استعمال کرتے ہیں، جن کو تنفس کا عارضہ ہوتا ہے، اچانک ہو جائے یا چلتے پھرتے اپنے پاس رکھنے کو کہتے ہیں، اس میں بھی میرے خیال میں دوا معدے میں تو جاتی ہے، البتہ پھیپھڑے تک اس کا اثر ضرور جاتا ہے اور پھیپھڑے تک جاتے ہی اس سے مریض کو فائدہ ہوتا ہے اور وہ گیس کی شکل ہو جاتی ہے، دوا اس کے اندر نہیں ہوتی ہے، ایک شیشی ہوتی ہے، اس میں پانی جیسا عرق ہوتا ہے اور وہ دوا ہے جو منہ میں پہنچتی ہے، اور پھر اس کے آگے بھی وہ گیس بن جاتی ہے، حلق سے آگے اس کا اثر تو کوئی محسوس نہیں ہوتا، البتہ حلق میں تلخی ضرور محسوس ہوتی ہے، اب اس کو دیکھ لیجئے کہ اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا، کیا علتیں اس کے اندر موجود ہیں۔

البتہ اس میں احتیاط ضروری ہے کہ شریعت کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ مریض افطار کر سکتا ہے اور دوبارہ روزہ رکھ سکتا ہے تو سنگین امراض میں جس میں خون اور پانی چڑھانے کی ضرورت ہے تو یا رگوں میں انجکشن کی ضرورت ہو تو یا آلہ کے ذریعہ سے دوا داخل کرنے کی ضرورت ہے تو، دیکھئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کام کے داخل کرنے سے یا دوا داخل کرنے سے تو ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر عورتوں کی رگوں کی جانچ کے لئے اپنی انگلی داخل کرتی ہے، اور اس پر دوا لگاتی ہے اور مرد کے بواسیر کی جانچ کے لئے پچھلے حصہ سے انگلی داخل کر کے اس کو دیکھتے ہیں، اگر روزہ کی حالت میں اس کی نوبت آئے تو کوئی چیز تو ایسی داخل نہیں کی گئی جس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر انگلی کو چکنا کرنے کے لئے کوئی کریم لگاتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں ٹوٹے گا، اگر روزہ دار ہے اور کوئی ایسا مریض نہیں ہے کہ اس کا چلنا پھرنا بند ہو گیا، ہم جیسے بواسیر کے مریض یا عورتیں جو امراض نسواں کی مریض ہوتی ہیں، اور روزہ ہیں تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، جبکہ اس صورت میں کوئی دوا داخل کرنے کی بات نہیں ہے، اس لئے جانچ کے طریقوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔

اسی طرح جانچ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کبھی کبھی پیٹ کی بیماریوں کے لئے ڈاکٹر تار ڈالتا ہے، اور اس میں کیمرہ ہوتا ہے اور وہ بتا دیتا ہے کہ اس میں کوئی زخم ہے یا نہیں، یا کوئی بیماری ہے یا نہیں ہے، ایسی صورت میں نہ کوئی پانی بدن میں جاتا ہے اور نہ کوئی چیز، البتہ ایک مشین اندر جاتی ہے، اور اس مشین کے ساتھ کوئی

دوا ہوتی ہے، یا نہیں ہوتی میں نے دیکھا نہیں، البتہ اس طرح جانچ کرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، اس لئے ان چیزوں کو سامنے رکھا جائے۔

جس میں لوگوں کے لیے آسانی ہو اس کو سامنے لایا جائے، اور جس میں عبادت کا پہلو ہے اس میں عبادت کا احترام بھی رہے کہ ہم اس کو کھلونا نہ بنالیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس سے بھی نہیں اور اس سے بھی نہیں، اور ہر بات سے روزہ ٹوٹتا ہے، ان چیزوں کو سامنے رکھا جائے۔

مفتی زاہد علی:

یہ بہت عمدہ بات فرمائی گئی کہ امور تعبدیہ میں قیاس کو دخل نہیں ہے، یہ متفق معاملہ ہے، میرا خیال یہ ہے کہ حقیقت حال یا مشاہدہ کو کبھی قیاس کہنا ہوجاتا ہے، جو میرے خیال میں درست نہیں ہے، دوسری بات آمہ اور جائفہ کے سلسلہ میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے یہاں جو چیزیں ملتی ہیں، اس سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ بعض چیزیں یا تو اضطراب کی فہرست میں آتی ہیں، یا اس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں فقہ شافعی میں یہ بات موجود ہے، جائفہ کے سلسلہ میں کہا گیا کہ:

''لایفطر؛ لأن كل ذلك لا يصل إلى محل يستقر فيه الطعام والشراب''۔

تو اس طرح کی بات کہ یہاں تک نہیں پہنچتی اس لئے اس کو مفطر صوم نہیں کہنا چاہئے، فقہ شافعی میں یہ بات کہی گئی ہے کہ:

''يفسد صومه لو أدخل إصبعه ... ولو كان جافا في قبل أودبر بدون ضرورة''

اس طرح یہ بات عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کہ ایک جگہ رائے قائم کی گئی اور دوسری طرف یہ رائے، تو میرے خیال سے حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ بواسیری مسوں پر دوا لگانا یہ مفسد صوم نہیں ہے، یہ بات اپنی جگہ، دوسری طرف ہمارے یہاں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی تر چیز مکمل داخل ہوگئی ہے تو مفسد صوم ہے، اور اگر اس کا معمولی حصہ باقی رہ گیا ہے تو مفسد صوم نہیں ہے، اس کے علاوہ ''احسن الفتاوی'' میں لکھا ہے کہ جب تک حقنہ تک نہ پہنچ جائے وہ چیز مفسد صوم نہیں، تو یہ باتیں آپس میں کہیں ٹکرا رہی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ اختلاف رائے بھی اس میں کہیں کہیں پایا جارہا ہے، تو اختلاف رائے جب ہمارے قدماء میں ہے اور بعض متاخرین میں ہے تو اس کا بھی دھیان رکھنا میرے خیال میں از حد ضروری ہوگا۔

قبل مرأۃ کے سلسلہ میں یہ کہا گیا کہ کوئی چیز اگر سوکھی ہے تو غیر ناقض صوم ہے اور اگر تر ہے تو ناقض صوم ہے، لیکن مرد کے سلسلہ میں ہے کہ اگر کوئی دوا اپنی احلیل میں ٹپکاتا ہے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ناقض صوم نہیں ہے، لیکن امام ابو یوسف کی رائے اس سے مختلف ہے تو اس طرح کے تمام معاملات کی یا تو معلومات میں کمی رہی ہے، یا اضطراب ہمارے یہاں پایا جاتا ہے، یا اس کے علاوہ کوئی اور بات پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات اور یہ ہے کہ صرف دخول سے روزہ ٹوٹے گا خارج ہونے سے نہیں ٹوٹے گا، حنابلہ کے یہاں پچھنہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو یہ دخول کی شکل نہیں ہے، بلکہ خروج کی ہی ہے۔

امراض قلب کے سلسلہ میں جو زبان کے نیچے دوا رکھی جاتی ہے وہ براہ راست رگوں کے ذریعہ دل پہ حملہ کرتی ہے، رگیں اس کو چوس لیتی ہیں، معدے میں جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، جو میں نے میڈیکل کے لوگوں سے بات کی تو پتہ چلا اس کا امکان ہے کہ تھوک میں کچھ حصہ مل جائے، لیکن اس کے بارے میں ہمارے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ کوئی گوند کو چوس رہا ہے اور اس کا تھوک چلا جائے تو وہ مفسد صوم نہیں اور گوند چلا جائے تو مفسد صوم ہے، بہر حال یہ دو طرح کی باتیں ملتی ہیں۔

شرب دخان کے سلسلہ میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ مفسد صوم ہے، لیکن دھواں اگر ہوا میں شامل ہے تو وہ ناقض صوم نہیں ہے، اس طرح دونوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اسی طرح ہمارے یہاں اس معاملہ میں بھی فرق کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص ناک میں دوا ڈالے یا تیل ڈالے کان میں تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن پانی ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مقاصد کے تحت یہ بات ہے نہ کہ اصول کے اعتبار سے، اسی طرح معاملات میں جیسا کہ ذکر چل رہا ہے غور کرنا چاہئے، مولانا مجیب اللہ صاحب یہ بات اپنی کتاب ''کتاب الفقہ'' کے اندر لکھی ہے، گلوکوز اور دواؤں کے بارے میں بھی اس طرح کی بات معلوم ہوتی ہے، جو چیز بطور غذا یا بطور دوا رگوں کے اندر پہنچا رہے ہیں وہ براہ راست دماغ یا دل تک پہنچتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس کو مفسد صوم قرار دینا چاہئے، اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے فرمایا کہ اگر دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے تو ناقض صوم ہونا چاہئے تو یہ اس طرح کی باتیں ہیں جو کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے

متعارض ہیں۔

تو پہلے تو یہ بات کرنی چاہئے، یہ اختلاف رائے کا معاملہ ہے یا اس میں تضاد اور اضطراب پایا جاتا ہے یا معلومات کی کمی ہے، اگر معلومات کی کمی ہے تو پہلے معلومات حاصل کرلی جائے اور اس کے بعد فیصلہ کیا جائے، اگر اس کے باوجود اختلاف رائے ہے تو اس کو تسلیم کیا جائے، اس اختلاف کے باوجود اگر علماء کرام اور ہمارے مفتیان کرام کا اتفاق ہوجائے تو اس کو تسلیم کرلیا جائے، میں آخر میں یہ بات عرض کروں گا کہ صرف اور صرف فقہ حنفی کی رائے پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ اس کے علاوہ فقہ سے بھی اس میں استفادہ کیا جائے، کبھی بھی باتیں صرف ایک فقہ سے متعلق ہوتی ہیں تو بات مربوط اور مدلل نہیں ہو پاتیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ہوسکے اختلاف کو کم کریں اور الگ الگ محل اس کا تلاش کریں اور جن تعارضات اور تضاد کا آپ نے ذکر کیا ہے عام طور پر اس کا فقہاء نے سبب بھی بتایا ہے، جیسے احلیل میں کسی چیز کو ڈالنے کا مسئلہ ہے، تو اس میں فاعل اور غیر فاعل کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور اس میں امام ابو یوسف کا جو قول ہے تو اس میں کوئی فی نفسہ اضطراب نہیں ہے، بعض چیزوں میں تجاوز اور آگے بڑھنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، اور ظن غالب ہوتا ہے کہ شاید آگے بڑھ گئی ہو اور جامد چیز میں اس کا امکان کم ہوتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس میں فرق کیا ہے، ایسے ہی دخان کا مسئلہ ہے کہ جس سے آدمی کے لئے بچنا ممکن نہیں ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور جس سے بچنا ممکن ہے اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ اس کے ساتھ اجزاء بھی انسان کے اندر داخل ہوتے ہیں، یہی مسئلہ کان میں پانی کا اور دوا کا ہے جس کو فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک چیز مصلح ہے اور ایک چیز غیر مصلح ہے، صاحب "ہدایہ" نے بھی لکھا ہے، اس لئے اس کے درمیان فرق کیا جائے گا۔

بنیادی طور پر یہاں مسائل پر غور کرنے میں ہم لوگ تمام فقہاء اور سلف صالحین کی آراء سے استفادہ کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ سب ہم لوگوں کا مشترک اثاثہ ہے، لیکن مجھے افسوس ہوتا ہے کے ہمارے کچھ احباب کی گفتگو سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ مفطرات کے سلسلہ میں جزئیات ہیں وہ صرف حنفیہ کے یہاں ہیں، وہی تفصیلات وہی جزئیات اختلاف رائے کے ساتھ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب کے یہاں موجود ہیں۔ اصول میں اکثر فقہاء متفق ہیں، اور اگر عبارتیں سب کی پڑھوں تو بات طویل ہوجائے گی، اسی طرح بار بار یہ تاثر آرہا ہے کہ فقہاء نے قیاس اور پھر قیاس پر دوسرا اور پھر قیاس پر تیسرا قیاس فرمایا ہے، یہ بات قطعاً درست نہیں ہے حالانکہ فقہاء نے نص کے عموم کو سامنے رکھا ہے: "الفطر مما دخل ولیس مما خرج" تو اب دخول شئی کا اطلاق کس کس چیز پر ہوسکتا ہے، دخول کا محل کیا کیا شئی ہوسکتی ہے، اس کو فقہاء نے سامنے رکھ کر مختلف جزئیات قائم فرمائی ہیں، یہ نہیں کہ صرف قیاس پر اس کی بنیاد ہے، اور جو مولانا عتیق احمد صاحب نے فرمایا۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں قیاس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اس لئے کہ خاص کر صوم کے باب میں تو بہت قیاسی مسائل مل جائیں گے، عبادات میں بھی قیاسی مسائل موجود ہیں اور اس کی اصل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہے، مقصد یہ تھا کہ کس حد تک تعبدی ہے اور کس حد تک اس میں قیاس کی گنجائش رکھی گئی ہے، یہ بات اس میں دیکھنے کی ہے، تو ہم تمام سلف صالحین کی آراء سے استفادہ کرتے ہیں، آپ دیکھئے تلخیص آراء اور عرض مسئلہ تو آپ دیکھیں گے کہ آیات سے، احادیث سے، آثار صحابہ سے، ائمہ اربعہ کی آراء سے، محدثین کے افکار سے سب سے اس میں استفادہ کیا گیا ہے، ایسی کوئی تنگ ذہنی سے کبھی مسائل پر غور نہیں کیا گیا، لیکن یہ بات میں ضرور عرض کروں گا کہ جب آپ مذاہب کا مقارنہ کریں تو یہ ضروری ہے کہ پہلے سے آپ تمام مذاہب کی تفصیلات کو پڑھ لیں، تاکہ یہ بات محسوس ہو کہ کس فقہاء نے اس سلسلہ میں کیا حدود قائم کئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی:

قرآن نے روزہ دار کے سلسلہ میں جو بیان کیا ہے وہ کس صورت میں اور کب روزہ نہیں رکھے گا اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے، صرف مطلق کہا گیا ہے کہ: "فمن کان مریضا" اگر اس کی تحدید ہوجائے تو یہاں جتنے بھی مسائل زیر بحث ہیں اس کا حل آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔

مفتی اشرف علی:

حضرات علماء مجھے بہت شرمندگی ہے جہاں محققین نے پوری تحقیق کے ساتھ اپنے مسائل اور دلائل کا ذکر فرمایا ہے، جہاں مسائل پر گہری نظر رکھنے والے موجود ہیں، مجھ جیسے طالب علم کو صدارت بخشی گئی، یہ انکا کرم اور خورد نوازی ہے، ورنہ میں خود کو اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں پاتا۔

بزرگان محترم!

فقہ اکیڈمی جدید مسائل اور قدیم احکام کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے نئے حالات کے بارے میں سوچتی ہے، غور کرتی ہے اور آپ حضرات فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کر لیتے ہیں، آج کے مسائل میں بھی آپ کی تحقیقات سے اس ناچیز نے استفادہ کیا، اور بہت اہم اہم باتیں سامنے آئیں، ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ کبھی کبھی ایک پہلو پر ہم اس لئے مطمئن رہتے ہیں کہ کوئی دوسری چیز ہمارے سامنے ہوتی ہی نہیں، مثلاً افطار اور تفطیر کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تفطیر میں کوئی چیز ہوسکتی ہے اور یہ مصدر بھی استعمال ہوسکتا ہے، لیکن پتہ چلا کہ کچھ حضرات مستقل اس پر قائم ہیں اور انکار کو گویا غلط سمجھتے ہیں اور مفطرات کہنا ضروری سمجھتے ہیں، ہمارے ذہن میں بالکل نہیں تھا، تو کبھی کبھی دیرینہ روایات جو چلی آرہی ہیں اس ملاقات سے ان کے بارے میں بھی ایک نئی بات سامنے آجاتی ہے، اور فائدہ ہوتا ہے یا ان حضرات کے سامنے دوسرا پہلو آجاتا ہے جس سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

بزرگان محترم!

فقہ اکیڈمی کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ جو نئے مسائل ہیں ان کے بارے میں حکم شرعی لوگوں کے سامنے لایا جائے اور بتایا جائے، لیکن اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے جو ارشادات اور اجتہادات ہیں ان کو سامنے رکھنے میں یہ سوچنا کہ اس میں استدلال نہیں، حدیث نہیں اور بنیادی جو دلائل ہیں ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بتایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ تقویت کے لئے ہیں، اور میں عرض کروں کے فقہاء نے جو عبارت تحریر کی ان کی بنیاد قرآن وسنت ہی تو ہے، قرآن وحدیث کے ہی ذریعہ انہوں نے یہ مسائل مستنبط کئے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے فقہاء، اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے صرف نظر نہ کیا جائے، یہ صحیح ہے، لیکن فقہ اکیڈمی کا مقصد اگر کسی نئے مکتب فکر کو پیدا کرنا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس مقصد کے لئے اکیڈمی قائم کی گئی ہے، عام طور پر فتویٰ میں حنفی مسلک سامنے رہتا ہے اور اس کے دلائل کے ذریعہ سے کسی نئے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اگر فقہ حنفی میں کوئی گنجائش نہیں ہے تو پھر حضرت تھانوی نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' تحریر فرما کر اور تمام علماء، اور اصحاب افتاء سے تائید حاصل کر کے دوسرے مسالک کے اوپر فیصلہ کرنے کی بھی صورت ہمارے سامنے رکھی ہے، ابھی: ''الفطر مما دخل ولیس مما خرج'' کے مسئلہ میں فرمایا گیا کہ حنابلہ کے یہاں حجامت اور فصد لینے میں روزہ ٹوٹتا ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کو مان لیں اور تسلیم کرلیں، فقہ حنفی سے باہر نکل کر فقہ حنبلی کے اس جزئیہ پر عمل کرنا شروع کردیں، احادیث سب کے سامنے تھیں، حضرات ائمہ کے سامنے تھیں۔

''أفطر الحاجم والمحجوم'' حدیث میں موجود ہے، امام احمد نے اس سے استدلال فرمایا کہ حجامت لینے والے کا بھی روزہ ٹوٹ گیا، لیکن فقہاء احناف اس سے نابلد تھے اور امام ابوحنیفہؒ نے یہ حدیث نہیں دیکھی تھی، ایسا نہیں ہے، دوسری حدیث موجود ہے کہ روزہ کی حالت میں حجامت لی گئی روزہ ٹوٹا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے، صحابہ کا عمل ہے، تو پھر اس روایت کا کیا مطلب ہوگا؟ فقہاء احناف اس کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ اس میں خطرہ ہے روزے کے ٹوٹ جانے کا، خون نکالا جاتا ہے بدن سے تو اندیشہ ہے اس میں کہ ضعف پیدا ہوگا اور اس ضعف کے نتیجہ میں روزہ توڑنے پر مجبور ہوجانا پڑے گا اس لئے فرمایا گیا: ''أفطر الحاجم والمحجوم''

کہ روزہ ٹوٹنے کے قریب ہوجانے کا خطرہ موجود ہے، اسی طرح منہ سے خون نکالا جاتا تھا، چوسا جاتا تھا، اندیشہ تھا اس بات کا کہ کہیں حلق کے اندر نہ چلا جائے، اس لیے یہ فرمادیا گیا: ''أفطر الحاجم والمحجوم''

بزرگان محترم!

ائمہ مجتہدین ہم سب کے احترام اور عقیدت کے مستحق ہیں، ہم سب ان کی عظمتوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اصولی طور پر ایک مسلک اور مکتب فکر اختیار کرلیا گیا تو بلا ضرورت ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس دائرے میں رہا جائے، ہاں مجبوری ہے اور فقہ حنفی میں ہماری تحقیق کے مطابق کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے تو پھر امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کے مسلک پر عمل کی بالکل گنجائش ہے، لیکن ان ائمہ مجتہدین سے باہر نکلنے کی خواہ مخواہ کی کوشش پسندیدہ ہوگی؟ اور میں نہیں سمجھتا ہوں کے ارباب فقہ اکیڈمی ایسا کرتے ہوں گے۔

یہ بھی فرمایا گیا کہ کھانے کی نالی الگ ہے اور سانس کی نالی الگ ہے، اور کھانا کھاتے ہوئے اگر کوئی حصہ سانس کی نالی میں چلا جائے تو جان پر بن آتی ہے

بالکل صحیح ہے، جو انہیلر سانس کی نالی کے لئے استعمال ہوتا ہے کیا ضروری ہے کہ اس کا کوئی جز کھانے کی نالی میں نہیں جائے گا، تو جب یہ صورت سوچی جاتی ہے تو یہ بھی سوچنا چاہئے۔

بہرحال آپ حضرات نے جو تحقیق فرمائی، اور ہمارے سامنے پیش فرمایا ہم جیسے طالب علموں کے لئے بہت قابل رشک ہے کہ ایسی گہری نظر اور مطالعہ اور آج کے اس دور میں جب کہ لوگوں کو ذرا فرصت نہیں اپنے کاموں سے، آپ اللہ کے لئے، اللہ کے رسول کے لئے، دین کے لئے اس طرح آپ اپنا قیمتی وقت نکالتے ہیں، اس کے لئے فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران مبارک باد کے مستحق ہیں، میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں ذمہ داران کا کہ انہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ہمارے یہاں تمام مکاتب فکر اور ائمہ مجتہدین سے استفادہ کا رجحان رہا ہے، آپ خود دیکھیں کہ امام محمد کی کتاب "الحجۃ" کا غالب حصہ یہاں تک کہ تعبیرات، ان سب پر "کتاب الام" میں امام محمد کی کتاب کا اثر ہے، تو امام شافعی نے فرمایا کہ جتنے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ان میں سے خاص طور سے سب میں امام محمد سے متاثر ہوا، کیونکہ جن سے بھی میں سوال کرتا ان کے چہرے پر کچھ نہ کچھ تغیرات ہوتے سوائے امام محمد کے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا تو ذرا بھی ان کے چہرے پہ تغیر نہیں، اور اگر کبھی میں نے ان کے احترام میں سوال نہیں کیا تو وہ خود مجھ سے کہتے، یہ اللہ کا شکر ہے کہ عام طور پر اختلاف اور جدال کا فرق آدمی کے ذہن سے رخصت ہوجاتا ہے، لیکن اکیڈمی نے کھلے ماحول میں اختلاف رائے کا حوصلہ بھی دیا ہے اور اختلاف کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ جہاں جو اختلاف رائے ہوتا ہے، ایک دوسرے کی پھر اس پر تعلیق و تحقیق ہوتی ہے یہ سب مخلصانہ جذبے سے ہوتے ہیں، ان سب کا مقصد احکام شرعیہ کی گہرائیوں تک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے ہوئے مقاصد اور مطلوب کو واضح کرنا ہے، یہ کوئی مباحثہ یا مناظرے کی مجلس نہیں ہے، اسی تصور کے ساتھ ہمیں بیٹھنا چاہئے، اور اللہ کا شکر ہے کہ کئی دفعہ کسی صاحب نے کوئی رائے لکھی یا بیان کیا اور مدلل لکھی، لیکن جب انھوں نے دوسری رائے سنی تو کوئی تامل نہیں ہوا، اور انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اس مسئلہ میں اب میری رائے بدل گئی، تحقیق کے بعد یہ رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، پس ہمارے سلف صالحین کی اور بزرگوں کی شان یہی رہی ہے، امام مالک خود کہتے ہیں کہ چالیس سوال میں چھتیس کے جواب میں کہہ دیا: "لا ادری"۔ اس سے علماء اصول نے یہ اخذ کیا ہے کہ ایک مجتہد کے لئے تمام قضایا سے واقف ہونا ضروری نہیں، ممکن ہے بعض قضایا سے واقف نہ ہو، بہرحال میرے کسی جملہ سے کسی صاحب کو یا کسی بزرگ کو تکلیف پہنچی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

ڈاکٹر محمود صاحب سے سوال وجواب:

سوال: سوال یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کے مثانہ اور شرم گاہ میں دوا ڈالی جائے تو وہ مثانہ سے گذر کر آگے معدے تک جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مرد وعورت دونوں کی تمام صورت یکساں ہے یا دونوں کی ایک دوسرے سے الگ ہے؟

ڈاکٹر صاحب: یہ سوال جو پوچھا گیا ہے اس میں سب سے پہلے میں یہ بات واضح کردوں کہ مرد اور عورت کی صورت یکساں ہے، جداگانہ نہیں ہے، اور دوا مثانہ میں رکھی جائے تو وہ وہیں تک محدود رہتی ہے، کسی صورت میں بھی معدے تک نہیں پہنچتی، کیونکہ ہمارا ڈائلسس سسٹم اور یورینل فیکٹ قدرتی طور سے بالکل علاحدہ ہیں۔

سوال: اگر عورت کی شرمگاہ میں کوئی دوا ڈالی جائے، رحم تک یا معدے تک، کیا شرمگاہ سے معدے تک کسی چیز کے جانے کا کوئی راستہ موجود ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ تمام سسٹم ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں اور اس طرح کوئی بھی آلہ یا دوا رحم میں داخل کی جائے تو اس کا معدے تک پہنچنا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی دوا عورت کی شرمگاہ میں ڈالی جائے تو معدے تک پہنچتی ہے یا وہیں اس کا انجذاب ہوجاتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: وہ دوا اس جگہ تک محدود رہتی ہے اور وہیں رگوں اور مسامات میں اس کا انجذاب ہوجاتا ہے، وہ اسی جگہ تک محدود رہتی ہے اور پھر خون میں شامل ہوکر اپنے اثرات دکھاتی ہے، معدے تک پہنچنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

سوال: عورت یا مرد کے پیچھے کے راستے سے مقام حقنہ سے نیچے کوئی سیال یا جامد دوا رکھی جائے تو کیا آگے بڑھ کر حقنہ تک پہنچ سکتی ہے، یا اندر کی قوت اس کو کھینچ

سکتی ہے، یا جہاں رکھی گئی ہے وہیں اس کا انجماد رہے گا، حقنہ سے مراد یہ ہے کہ فضلات کے نکلنے کی نالی جہاں ختم ہوتی ہے اور جہاں سے آنت کا آخری حصہ شروع ہوتا ہے تو وہاں پر اگر دوا رکھی جائے تو کیا وہ دوا وہاں سے اوپر کی جانب جذب ہو جاتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب: اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارا ڈائزیشن سسٹم کھائی ہوئی چیزوں کو مسلسل نیچے کی جانب دھکیلتا رہتا ہے، جس کو ہم کسی چیز کو باہر پھینکنے والا سسٹم کہتے ہیں، اور اس کی بدولت وہ باہر کی طرف نکلتا رہتا ہے، اور یہ اپنا کام کرتا رہتا ہے، اس طرح یہ قوت آگے کی جانب کام کرتی ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر کوئی چیز مقام حقنہ پر رکھی جائے تو وہ اوپر کھسکنے لگے، یا اوپر کی جانب کسی بھی صورت میں پہنچ جائے، کیونکہ اس کو اس دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا جو غذا کو نیچے لا رہا ہے، اس لیے کوئی بھی چیز اوپر کی جانب نہیں جاتی، بلکہ جہاں وہ رکھی گئی ہے وہیں موجود رہتی ہے اور خون میں شامل ہو کر اپنے اثرات ظاہر کرتی ہے۔

سوال: بواسیری مسے اگر کوئی مقام حقنہ سے نیچے ہو اور اس پر کوئی دوا لگائی جائے تو وہ وہیں تک رہے گا جہاں لگایا گیا ہے، یا پھر مقام حقنہ تک پہنچ جائے گا۔

ڈاکٹر: جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اندرونی قوت کے ذریعہ مسلسل اندر کے فضلات کو نیچے کی جانب دھکیلا جاتا ہے اور آنتوں کی (movement) ایک ہی (Direction) میں ہوتی ہے اور وہ ڈائریکشن ہوتی ہے اوپر سے نیچے کی جانب، نیچے سے اوپر کی جانب کوئی چیز نہیں پہنچ پاتی، ہاں جہاں پر وہ رکھی گئی ہے وہاں پر اس کا انجذاب ہوتا ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ خون میں شامل ہوتی ہے اور اسی سے وہ اپنے اثرات دکھاتی ہے۔

سوال: انہیلر میں ہوا سے مخلوط دوا صرف سانس کی نالی ہی میں جاتی ہے یا دوا کا کچھ حصہ معمولی ہی سہی سانس کے ساتھ کھانے کی نالی میں بھی جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: انہیلر میں جو دوائیں آج کل استعمال کی جاتی ہیں دراصل یہ دوائیں وہی ہوتی ہیں جو کسی زمانے میں یہ گولیوں کی شکل میں استعمال کیا کرتے تھے، مسئلہ یہ درپیش تھا کہ وہ گولیاں کھانے کے بعد ہمارے معدے میں پہنچتی تھی اور معدے کے ذریعہ پھر خون میں جذب ہوتی تھی اور اس کے بعد پھیپھڑے تک پہنچتی تھی اور پھر سانس میں راحت محسوس ہوتی تھی، مشکل یہ تھی کہ اس میں دوا کا ایک بڑا حصہ لینا پڑتا تھا اور پھر اس کے سائڈ ایفکٹ (side efects) ہوتے تھے، پھیپھڑے تک پہنچنے کا راستہ کافی طویل اور صبر آزما ہوتا تھا۔

ڈاکٹروں کو یہ تجویز دی گئی کہ اس کی کوئی ایسی شکل دی جائے کہ دوا (direct) ہوا کی شکل میں پھیپھڑے تک پہنچ جائے، اس کے لئے انھوں نے انہیلر ایجاد کئے اور دوا کی شکل کو بہت ہی باریک ذرات میں تبدیل کر دیا گیا تا کہ جب مریض سانس لے تو سیدھے اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو، اور ایسا ہی ہوتا ہے اور سانس کے عمل کے دوران کوئی بھی چیز معدے میں نہیں جاتی، بلکہ سانس کے ذریعہ کوئی بھی دوا سیدھے پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، وہاں اس کا انجذاب ہوتا ہے اور وہاں اس کی نالیوں کو کافی چوڑا کر دیتی ہے، جس سے استھما یا دمے کے مریض کو راحت ملتی ہے۔

سوال: چونکہ سانس اور غذا کی نالیاں قریب قریب ہوتی ہیں تو اس سے کچھ نہ کچھ دوا کھانے کی نالی میں جائے کیا ایسا امکان ہے؟

ڈاکٹر صاحب: یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ امکان رہتا ہے، کھانے کے دوران اس کے کچھ ذرات تنفس کی نالی میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہم سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ اگر اس میں چلا جائے تو جب تک کھانسی وغیرہ کے ذریعہ ان ذرات کو باہر نہ کر دیں ہمیں چین نصیب نہیں ہوتا، اس لیے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ کھانے کے دوران کھانے کے ذرات یا پانی ہماری سانس کی نالی میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس جب یہ سانس لیتے ہیں تو کوئی چیز ہمارے معدے میں نہیں جاتی سیدھے سانس کی نالی میں جاتی ہے۔

سوال: کتے کے کاٹنے کے وقت جو انجکشن ناف کے قریب لگایا جاتا تھا اس انجکشن کی دوا معدے میں جاتی ہے یا پیٹ کے پرت کے نیچے چربی میں جاتی ہے، تو کیا کوئی دوا تیار ہوئی ہے، جو پیٹ یا معدے میں جاتی ہو؟

ڈاکٹر صاحب: جو انجکشن لگائے جاتے ہیں وہ چمڑے کے نیچے لگائے جاتے ہیں، دوا وہیں تک محدود رہتی ہے، کوئی آنت یا معدے تک نہیں پہنچتی، اس میں موجود جو بہت ہی باریک شریانیں ہیں ان کے ذریعہ جذب ہو کر وہ خون میں شامل ہو جاتی ہیں اور اس طرح اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور اسکا کوئی بھی حصہ آنتوں یا معدے تک نہیں پہنچ پاتے، رہا دوسرا سوال کہ معدے تک جاتی ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ اب تک کوئی دوا ایسی نہیں آئی کہ جو معدے تک جاتی ہو۔

سوال: گلوکوز یا پانی چڑھانے سے وہ معدے تک پہنچتا ہے یا نہیں اگر نہیں، تو پیشاب کیوں محسوس ہوتا ہے، یا کیا پیشاب کی شکل میں وہی پانی خارج ہوتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جب ہم گلوکوز یا پانی رگوں کے ذریعہ کسی مریض کو دیتے ہیں تو وہ خون میں شامل ہو کر جاتی ہے اور معدے تک پہنچنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، پیشاب ضرور محسوس ہوتا ہے، کیونکہ بہر حال وہ پانی ہے اور جب پانی ہمارے خون میں شامل ہوتے ہیں اور وہ خون جب ہمارے گردوں میں پہنچتا ہے اور گردے جب اس کی صفائی کرتے ہیں تو صفائی کا ایک حصہ پیشاب کی شکل میں خارج ہوتا رہتا ہے تو پانی تو وہی ہوتا ہے جو مریض کے جسم میں گذرنے کی شکل میں داخل کیا ہے اور وہی پانی پیشاب آنے کا سبب بنتا ہے، لیکن وہ پانی معدے تک نہیں پہنچتا ہے۔

سوال: سر کا کوئی حصہ مجوف ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کا محل وقوع کس جانب ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں کہ سر کا کوئی حصہ مجوف یا خالی نہیں ہوتا ہے، اور جب ایسا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے تو مجوف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

سوال: عورت کے رحم کا تعلق کہاں سے ہے اور اوپر کوئی حصہ کھلا ہوا ہے یا نہیں ہے، اگر نہیں تو جنین کی غذا کے لئے خون کس کے ذریعہ سے فراہم کیا جاتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: رحم کا باضابطہ ایک سسٹم ہے پہلا فرجھ ہوتا ہے اور اس کے بعد رحم ہوتا ہے اور اس کے بعد دونوں پتلی پتلی ٹیوب ہوتی ہیں اور اس کے آخری سرے پر فارٹیلائز ہونے والے اوم جو پہنچتے ہیں، اور وہیں مادر رحم سے نکل کر جو انڈے ہیں وہ انڈے پہلے دونوں ان پتلی پتلی ٹیوب میں آتا ہے اور اس کے بعد وہ رحم تک پہنچتا ہے، وہاں وہ بارآور ہو جاتا ہے، یا اپنا مقام بنالیتا ہے اور اس کے بعد اس کی پرورش رحم میں موجود شریانوں سے آنے والے خون کے ذریعہ ہوتی ہے، وہ سپلائی ہوتا رہتا ہے اور وہ انڈے باقاعدہ ناڑ بن جاتا ہے جس کو ہم عرف عام میں آنول کہتے ہیں، اس کا ایک سرا ماں کے رحم سے اور دوسرا سرا بچے کی ناف سے جڑا ہوتا ہے، اور ماں کے خون سے مسلسل اس ناڑ کے ذریعہ غذا فراہم ہوتی رہتی ہے، اس طرح رحم کا معدے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا، بچے کا تعلق ماں کی شریانوں سے ہوتا ہے، اور اس ناڑ کے ذریعہ ماں کے جسم سے خون بچے کے جسم میں داخل ہوتا ہے، بچہ اس کے استعمال کرنے کے بعد دوبارہ واپس ناڑ کے ذریعہ ماں کے جسم تک پہنچا دیتا ہے، اس لئے اس سے معدے کا کہیں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال: مثانہ میں پیشاب اوپر سے کس طرح پہنچتا ہے، کیا اس کے لئے کوئی باضابطہ راستہ ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر صاحب: گردوں کے اندر ہمارے خون کی شریانیں داخل ہوتی ہیں اور ان میں ایک باقاعدہ پریشر ہوتا ہے، اس پریشر کے تحت فلٹریشن ہوتا ہے، فلٹریشن کے بعد کچھ اجزاء پورے سسٹم میں سے دوبارہ (exhaust) کر لئے جاتے ہیں جو ضروری ہوتے ہیں، اور مختلف درجات سے گذرنے کے بعد جو حصہ فاضل ہے اسے جسم سے خارج ہو کر باہر کیا جاتا ہے، اور نیچے جو دونوں جانب نالیاں نکلتی ہیں، جنہیں یورینل کہتے ہیں ان کے ذریعہ مثانہ میں داخل ہوتے ہیں، ایک دائیں جانب سے، اور دوسرا بائیں جانب سے، وہ دونوں گردے مسلسل پیشاب کے قطرے مثانہ میں پہنچاتے ہیں، مثانہ کا کام ان کو جمع کرنا ہوتا ہے، اور جب ایک مقرر مقدار مثانہ میں جمع ہو جاتی ہے تو سمجھئے اس میں لینس لگے ہوتے ہیں، وہ اطلاع دیتے ہیں کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ مثانہ کو خالی کیا جائے، وہ دوسرے کو احکامات جاری کرتا ہے اور ان احکامات کے ذریعہ مثانہ میں جو ایک وال (Volve) لگا ہوتا ہے وہ ڈھیلا ہوتا ہے اور مثانہ سکڑنے لگتا ہے، جس سے پیشاب پر زور پڑتا ہے اور پھر پیشاب خارج ہو جاتا ہے، اور وہ وال چونکہ اس وقت ڈھیلا کر دیا جاتا ہے تو آسانی سے پیشاب باہر آ جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا ایک نظام اور ایک الگ راستہ ہے۔

سوال: وہ دوائیں جو امراض قلب سے متعلق ہیں کیا ان کے جوہری اجزاء منہ میں رکھنے کے بعد سیال کی شکل اختیار کرتے ہیں یا بخارات کی شکل یا ٹھوس مادے ہے کو تھوک دیا جاتا ہے، اگر آخری شکل ہی تو کیا مریض کو صرف مزے سے فائدہ ہو جاتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جو دوائیں امراض قلب میں استعمال کی جاتی ہیں وہ دوا بہت تیزی سے اثر انداز ہوتی ہیں، اس لئے ان دواؤں کا صرف زبان کے نیچے رکھ لینا کافی ہوتا ہے، جہاں سے وہ دوائیں بہت ہی سرعت کے ساتھ خون میں شامل ہو کر قلب تک پہنچ جاتی ہیں اور قلب کے مریضوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں، معدے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ہاں اگر غلطی سے مریض ان دواؤں کو نگلنے کی کوشش کرے تو وہ دوائیں ضرور معدے تک پہنچ جائیں گی، اگر مریض وہ گولی یا کیپسول جو اس کو دی گئی ہے اس کو تھوک دے تو اس بات کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا کہ وہ اس کے معدے تک بھی پہنچی ہے، کیونکہ وہ دوائیں بہت تیزی سے گھل کر ہمارے خون میں شامل ہو جاتی ہیں۔

سوال: سانس لیتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سانس کی کچھ ہوا معدے تک بھی جاتی ہے تب ہی تو پیٹ پھول جاتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

ڈاکٹر صاحب: سانس لیتے وقت کوئی بھی ہوا پیٹ میں داخل نہیں ہوتی اس کے برعکس جب ہم غذا کو چباتے ہیں اور اس کو نگلنے کی کوشش کرتے ہیں تو نگلنے کے اس عمل کے وقت صرف غذا، بلکہ ہوا بھی معدے تک پہنچ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا پیٹ پھول رہا ہے۔

سوال: انسان کے جسم کا کون کون سا حصہ مجوف ہے؟

ڈاکٹر صاحب: انسان کے منہ سے لیکر منہ، حلق، معدے، چھوٹی آنت، بڑی آنت کے علاوہ تمام اعضاء مجوف ہیں۔

سوال: آپ نے یہ بتایا کہ انہیلر کے ذریعہ جو دوالی جاتی ہے وہ حلق میں نہیں جاتی، یہ آپ کی ذاتی رائے ہے کہ تمام ڈاکٹروں کا اتفاق ہے؟

ڈاکٹر صاحب: تمام ڈاکٹروں کا اتفاق ہونا بجائے خود وضاحت طلب ہے کہ ڈاکٹروں کی اس سلسلہ میں کوئی تشخیص نہیں ہے، اس دوا کا کوئی معمولی سا حصہ معدے میں چلا گیا تو ڈاکٹروں کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ فرق ہم لوگوں کو یہاں پر پڑتا ہے، اس لئے میں یہ کہوں گا کہ فی الحال پریکٹکل معاملہ ہے کہ دوا کا کوئی حصہ معدے میں نہیں جاتا، لیکن اگر کوئی امکان زیرو فیصد نہیں ہو تو انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن عملی طور پر ہم نظر انداز کریں گے، چونکہ وہ ہوا کی شکل میں ہوتی ہے، جس وقت آپ سانس لے رہے ہوتے ہیں، آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ہوا ہمارے پھیپھڑوں میں داخل ہو رہی ہے، یا معدے میں داخل ہو رہی ہے، ہر انسان اس کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب سانس لیتے ہیں تو تمام ہوا ہمارے پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے، ہوا کا کوئی حصہ ہمارے معدے میں نہیں جاتا، یہ دوا اس وقت ہمارے سانس کا ایک حصہ بنا چکی ہوتی ہے، یہ ہم مانتے ہیں کہ جس وقت ہم سانس لے رہے ہوتے ہیں تو یہ ہوا ہمارے پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے، معدے میں نہیں جاتی، اس لئے میں یہی رائے دوں گا کہ کسی طرح بھی معدے میں داخل نہیں ہوتی۔

سوال: کیا بیڑی اور سگریٹ وغیرہ صرف پھیپھڑوں تک ہی پہنچتی ہے یا معدے تک بھی جاتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب: وہی بات ہے کہ جب ہم انہیلر کے ذریعہ دوا لیتے ہیں تو ہمارے پھیپھڑوں میں ہی پہنچے گی، اسی طرح بیڑی سگریٹ کا دھواں بھی پھیپھڑوں تک ہی جاتی ہے، معدے تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں ہے، دوا جتنی لطیف ہوتی ہے کہ وہ سانس کی نلی میں ہی جائیں گے۔

سوال: کیا مثانہ اور کان مجوف نہیں ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جی بالکل مجوف ہیں اس میں کان بھی شامل ہے۔

سوال: کیا کان کا مجوف حصہ دماغ کی طرف بھی جاتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں کان ناک کا راستہ دماغ تک پہنچتا ہے اور اس سے اکثر جراثیم دماغ کے اندر داخل ہوجاتے ہیں، جب کسی چیز کے ذریعہ پیپ یا پس آتا رہتا ہے تو اکثر اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ باہر نکلنے کے بجائے دماغ میں داخل ہوجائے، اور کبھی کبھی یہ خطرناک شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور جب کھانسی اور زکام وغیرہ ہوتے ہیں تو اس سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کچھ جراثیم کان تک پہنچ جائیں، اس طرح کان میں ڈالی ہوئی چیز حلق تک نہیں پہنچتی، البتہ ناک میں ڈالی ہوئی چیز حلق تک پہنچتی ہے۔

سوال: ہم جو غذا کھاتے ہیں ان غذاؤں کی وجہ سے ہم لوگوں کے جسم میں کئی طاقتیں آتی ہے، پہلے وہ چیز ہضم ہوتی ہے پھر خون میں شامل ہوتی ہے اور پھر پورے جسم میں پھیلتی ہے اور جس حصہ کو ہماری ضرورت ہوتی ہے وہ پوری ہوجاتی ہے، یہ ساری چیزیں اگر بذریعہ انجکشن پہنچائیں تو طاقت تو آگئی لیکن جس وقت ہم کو بھوک ہوتی ہے اس وقت ہم دو چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے، ایک ہے کمزوری اور دوسرے اشتہاء، یعنی کھانے کی طلب انجکشن کے ذریعہ جو طاقت جسم کو پہنچائی گئی وہ تو مل گئی لیکن کیا اس کے ذریعہ اشتہاء بھی ختم کی جاسکتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں اشتہاء بالواسطہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ جسم کو اب کھانے کی ضرورت ہے، دماغ اس جسم کو احکامات جاری کرتا ہے، اس لئے کہ یہی خون جب دماغ سے گذرتا ہے تو دماغ کو بہت سی اطلاع حاصل ہوتی ہیں، اور دماغ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آپ کی جسمانی طاقت گھٹ رہی ہے، اور اس کے بعد جواب میں اشتہاء کی صورت میں وہ احساسات پیدا کر دیتا ہے کہ آپ غذا واپس کھائیں کہ جسمانی قوت بحال ہو سکے، لیکن بغیر اشتہاء کے آپ نے کسی اور ذریعہ سے چاہے رگوں کے ذریعہ ہو یا کوئی اور ذریعہ ہو اگر غذا کی ضرورت کو مکمل کر دیا تو ظاہر ہے کہ غذا کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

سوال: وہ انجکشن جو رگوں میں دیئے جارہے ہیں اور وہ انجکشن جو جسم میں دیئے جارہے ہیں کیا دونوں میں فرق ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں دونوں میں بہت فرق ہے، مثال کے طور پر اگر کسی مریض کو گلوکوز دینا ہے تو گلوکوز اس کے گوشت میں داخل نہیں کی جاسکتی، اور اگر داخل کریں گے تو وہ مقدار اتنی قلیل ہوگی کہ اس کا کوئی فائدہ مریض کو نہیں ہوگا، لیکن اگر کوئی دوا دینا چاہیں جس کی مقدار بہت کم ہے مگر اس کے اثرات بہت تیزی سے اثر انداز ہوں تو ایسی دوائیں ہم گوشت میں بھی دے سکتے ہیں، لیکن اگر غذا کی شکل میں کوئی چیز دینا ہے، تو رگوں میں ہی دیا جاسکتا ہے، کیونکہ گوشت اتنی تیزی نہیں کرسکتا ہے، اور وہ گوشت میں اٹکی رہ جائے گی، اور بعد میں نقصاندہ بنادے گی۔

سوال: وہ بیماری جس میں خون نکالا جاتا ہے اور دوسری طرف سے خون چڑھایا جاتا ہے، اس خون نکالنے اور چڑھانے کے دوران اس کے معدے پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب: معدے اور دماغ پر کوئی اثرات نہیں پڑتے، اس بات کی احتیاط رکھی جاتی ہے، سارا خون ایک وقت نہیں نکالا جاتا اور سارا خون اس وقت بالکل خالی نہیں ہوجاتا، بلکہ یہ ایک بتدریج عمل ہے، جس میں ایک جانب سے دھیرے دھیرے خون کو نکالا جاتا ہے اور دوسری جانب سے خون کو داخل کیا جاتا ہے، اس لئے انسانی دماغ اور معدے پر اس کے اثرات نہیں پڑتے ہیں۔

سوال: گولی اور انجکشن دونوں میں کیا فرق ہے، یہ تو طے ہے کہ گولی معدہ تک جاتی ہے اور پھر خون میں ملتی ہے اور انجکشن براہ راست خون میں ملتے ہیں، مگر دونوں میں جسم پر پڑنے والے اثرات کے اعتبار سے کیا فرق ہے، ایسا لگتا ہے دونوں کا فائدہ برابر ہے؟

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں کیونکہ کو ہر چیز کو فائدہ پہنچانے یا اثر انداز ہونے کے لئے خون میں شامل ہونا نہایت ضروری ہے، اگر وہ چیز خون میں شامل ہوکر ان مقامات تک پہنچتی ہے جہاں اس کو کام کرنا ہے، وہ ہر جگہ اثر انداز نہیں ہوگی، وہ صرف ان خلیات اور سیلس پر اثر انداز ہوتی ہے جس پر اثر انداز ہونے کے لئے دروازے کھلے ہوں ان ہی دروازوں کے ذریعہ ان خلیات میں داخل ہوتی رہتی ہے، اس چیز کا بالآخر خون میں شامل ہونا ضروری ہے، کوئی دوا جو گولی کی شکل میں استعمال ہوتی ہے وہ معدے کے ذریعہ ہی وہاں تک پہنچے گی اور معدے پر اس کے اچھے برے اثرات ظاہر ہوں گے۔

سوال: انسان کو جب سخت پیاس لگتی ہے اور وہ غسل کرتا ہے تو اسے تراوٹ محسوس ہوتی ہے، کیا اس کو ہم یہ سمجھیں کہ مسامات کے ذریعہ پانی کے کچھ حصے جسم میں داخل ہورہے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں اگر آپ کسی حوض میں بیٹھ جائیں گے تو آپ کے جسم کی بہت حد تک ضرورت مکمل ہوجائے گی، اسی طرح تیل بھی انسانی جسم میں جذب ہوتا ہے۔

سوال: کیا کوئی چیز دماغ میں پہنچے تو اس کا معدے میں پہنچنا ضروری ہے، اور اگر پہنچتی ہے تو حلق کے ذریعہ یا خون کے؟

ڈاکٹر صاحب: صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ ہے خون کے ذریعہ، خون کے ذریعہ معدے تک پہنچتی ہے، البتہ دماغ سے معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی ہے، البتہ برقی رو یا کیمیاوی مادے کے ذریعہ براہ راست پہنچنے کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے، یہ صرف قدیم اطباء کے تخیلات ہیں کہ براہ راست کوئی چیز معدے تک پہنچتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انہیلر کے بارے میں ڈاکٹروں کی رائے سامنے آئی تھی کہ اس کے جو اجزاء ہیں وہ معدے تک نہیں جاتے ہیں، بلکہ وہ پھیپھڑے تک جاتے ہیں، لیکن فقہاء نے اس کو ترجیح دیا ہے کہ کسی چیز کا حلق سے تجاوز کرجانا ہی افطار صوم کے لیے کافی ہے، وصول الی المعدہ ضروری نہیں ہے، آپ تو صاحب نظر عالم ہیں، فقہ کی کئی کتابوں میں اس کی صراحت ہے اور اس پر بحث کی ہے کہ جو سبب ظاہر ہوتا ہے، منضبط ہوتا ہے، اس پر حکم کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے۔

مولانا ارشد فاروقی:

فقہ اکیڈمی کا یہ معمول رہا ہے کہ جن مسائل میں ماہرین کی ضرورت ہوتی تھی ان میں ماہرین کی پوری ٹیم بلائی جاتی تھی، تاکہ اس میں اعتماد حاصل ہوجائے کہ ماہرین جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل صحیح ہے، اور جب تک اس خاص فن کا ماہر نہ ہو، انہیلر کا ماہر نہ ہو، پھیپھڑے کا ماہر نہ ہو، جبکہ یہ سارے علوم اب الگ الگ ہیں، ماہرین کے ساتھ بیٹھ کر علماء باضابطہ تبادلہ خیال کریں، ان سے صحیح اعتماد حاصل ہوگا، نہ یہ کہ ایک دو کو بلا کر پیش کردیا گیا اور حل نکال لیا گیا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ کے مشورے کی قدر ہے، یہ فیصلے ایک ڈاکٹر کی رائے پر نہیں ہوئے ہیں، بلکہ کل مغرب بعد چار ڈاکٹر آئے تھے، آپ حضرات کے جتنے سوالات تھے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے قاری ظفر الاسلام اور دو تین حضرات کو ڈاکٹرز کے ساتھ بٹھایا گیا، جتنے سوالات آپ حضرات کے تھے ان پر ان سے دریافت کیا گیا، ان کے جوابات بھی وہی تھے جو ان ڈاکٹر حضرات کے تھے۔ اکیڈمی اس کا اہتمام ہمیشہ کرتی ہے اور اس بار بھی کیا گیا تھا، اتفاق سے وہ لوگ نہیں آپائے، آپ کے مشورے کو انشاء اللہ ملحوظ رکھا جائے گا۔

مولانا صباح الدین ملک:

مجھے انہیلر کے مسئلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ دراصل فقہاء کی اس بات کو بھی بنیاد بنایا گیا کہ حلق سے تجاوز ہی اس کی بنیاد بنتی ہے، لیکن اس میں دو بات ہے ایک یہ کہ حلق سے تجاوز اگر معدے کی طرف ہو تب تو یہ ٹھیک ہے، لیکن اگر پھیپھڑے کی طرف ہو تو اس صورت میں بنیاد ہے کیا؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

وہی تو میں عرض کر رہا ہوں کہ اس میں فقہاء نے دو قول لکھے ہیں اور اس پر شوافع نے زیادہ تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ افطار صوم کے لیے تجاوز عن الحلق کافی ہوگا یا وصول الی المعدہ بھی ضروری ہوگا، جس بات کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ کہ تجاوز عن الحلق کافی ہوگا کیونکہ "الفطر مما دخل" تو یہ "دخل" خصہ جوف کی طرف تجاوز کر گیا، چاہے وہ جس طرف جائے وہ جوف پایا جاتا ہے، وہ روزہ کے مفسد ہونے کے لیے کافی ہے دوسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے ابھی یہ بات کہی تھی کہ کچھ فیصد اس کا امکان ضرور موجود ہے کہ جس طرح کھانے کے کچھ اجزاء سانس کی طرف چلے جاتے ہیں، اسی طرح سانس کے کچھ اجزاء معدے کی طرف چلے جائیں، کچھ فیصد امکان اس کا ضرور رہتا ہے۔

مولانا صباح الدین ملک:

لیکن اعتبار تو اکثر کا ہوتا ہے، بعض کا نہیں ہوتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

لیکن عبادات میں اور جہاں حلال وحرام کا مسئلہ ہو جائے تو وہاں "إذا اجتمع الحلال والحرام فقد غلب الحرام" آپ جانتے ہیں، تو وہ تو اس صورت میں ہے جب مباح دو چیزیں ہوں، لیکن حلال وحرام کے اجتماع کی صورت میں ایسا نہیں ہے۔

مفتی عزیز الرحمن:

تجویز نمبر ۲/ میں آپ تنفس کے مریض کو کیا ہدایت دیں گے، روزہ رکھے کہ نہ رکھے، اس کی رہنمائی مکمل ہونی چاہیے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اس میں یہ بات صاف ہے کہ کوئی آدمی جب روزہ نہیں رکھ سکتا ہو، اور طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کسی ناقض صوم کو استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہو تو قضا کرے اور قضاء کی مہلت بھی نہیں ملتی تو فدیہ ادا کرے۔

مفتی عزیز الرحمن:

امراض قلب کے ماہر سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یقینی طور پر پیٹ میں دوا جاتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

تب بات اور واضح ہوگئی۔

مفتی سعید الرحمن قاسمی:

انہیلر کے سلسلہ میں ایک بات یہ ہے کہ جو گرد و غبار ہمارے حلق کے اندر داخل ہوتا ہے، اس میں ایک تو یہ ہے کہ بلا قصد گرد و غبار جیسے چلنے میں داخل ہو جاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ کوئی بالقصد گرد و غبار حلق کے اندر داخل کرے، تو گرد و غبار کے جو اجزاء ہیں وہ انہیلر کی دوا سے کہیں زیادہ ہیں، انہیلر کی دوا کے جو اجزاء ہیں ان کو اگر ناپا جائے تو ڈاکٹر کے بقول 0.5 مائنس میں ہوتے ہیں جس کی مقدار متعین کرنا مشکل ہے، اور گرد و غبار اس سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، اگر قصداً علاج کے طور پر انہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو گرد و غبار کا اگر کوئی قصداً ارادہ کرے کہ گرد و غبار آنے دو کوئی فرق نہیں پڑتا، تو ان دونوں میں اس شبہ کا ازالہ کیسے کر سکیں گے کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹا اور اس کا ٹوٹ گیا، اگر اس کی وضاحت فرمادی جائے تو بہتر ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے فرمایا کہ چلو ہم چلتے رہیں گے مثلاً، تو یہ تو غبار کو لینا نہیں ہے، آپ راستہ سے گذر رہے ہیں، غبار اڑ رہا ہے، آپ کی ناک میں چلا گیا، دھویں کے مسئلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی بھی دھواں ہو، اگر آپ نے قصداً لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر بلا ارادہ چلا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مفتی عزیز الرحمن:

انہیلر کی دوا میں تیس فیصد پھیپھڑے میں جاتا ہے، اور ستر فیصد اندر جاتا ہے اور کچھ باہر ہو جاتا ہے۔

مفتی زاہد علی:

تجویز میں یہ بات کہی گئی کہ موضع حقنہ تک دوا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور بواسیری مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس میں یہیں پر فقہاء نے استنجا کی بحث بھی کی ہے، وہ کہاں تک پہنچ سکتا ہے، ذرا اس کی وضاحت فرمائیں، اس کو مفسد مانا جائے گا یا نہیں؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

فقہاء نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ استنجا کرنے، اس میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جائے گا، فقہاء نے احتیاطی بات لکھی ہے کہ روزے کی حالت میں استنجا کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے، یہ احتیاطی حکم ہے۔

مولانا محمد حذیفہ:

یہ بتایا گیا تھا کہ فرج مرأة میں جب کوئی چیز داخل کی جائے تو وہ رحم تک پہنچتی ہے، وہ معدے تک نہیں پہنچتی ہے تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر شرمگاہ کے اندر دوا ڈالی جائے تو روزہ فاسد نہ ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

تقریباً مذاہب اربعہ کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ خواتین کے فرج داخل میں اگر دوا داخل کی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اب ایک ڈاکٹری تحقیق کی بنیاد پر تقریباً تمام فقہاء کے متفقہ قول کو چھوڑ دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے، اور اس سے کوئی بڑی انسانی ضرورت متعلق نہیں ہے، ظاہر ہے اس میں احتیاط زیادہ ہے، اس لیے اس قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

مولانا صباح الدین ملک:

جو انہیلر والا مسئلہ ہے اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔

☆☆☆

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ
جدید فقہی مباحث

حج وعمرہ

موجودہ حالات کے پس منظر میں

تحقیقاتِ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

طبع جدید

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان عبقری شخصیتوں میں تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے گہرے علم، وسیع مطالعہ، غیر معمولی ذکاوت، اپنے عہد کے تقاضوں کا شعور، تڑپتے ہوئے دل، دل آویز قلم اور اثر انگیز خطابت کے جوہر سے نوازا تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں کتنی تقریریں کیں اس کا شمار نہیں، انہیں تقریروں میں سیرت کے موضوع پر ہونے والے یہ خطبات ہیں جو مسلمانان بیرون کی دعوت پر انھوں نے دیئے تھے، یہ مجموعہ خطبات بیرون کے نام سے پہلی بار ایجیکٹیو سنٹر بنگلور سے اور دوسری بار اسلامک فقہ اکیڈمی سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں قارئین کو وہ نکات ملیں گے جنہیں فقہ السیرۃ کہا جاتا ہے یعنی سیرت کے واقعات سے ملنے والے عملی زندگی کے اسباق۔ بحمد اللہ ان خطبات کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، عرصہ سے یہ کتاب دستیاب نہیں تھی، اب اکیڈمی کا ذیلی ادارہ ئی اور عمدہ کمپوزنگ کے ساتھ کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کر رہی ہے، امید کہ اہل علم اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور صاحب خطبات کو اپنی دعاء میں یاد رکھیں گے۔

اللهم اغفرله وارحمه

خالد سیف اللہ رحمانی / ۲۱ر شوال ۱۴۳۱ھ / یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

پیش لفظ

احکام شریعت کے فہم صحیح کو تفقہ کہتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم صحیح عطا فرماتے ہیں''۔ ''من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین''

دین کے فہم صحیح کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف خالق کائنات سے اس کا رشتہ استوار ہو دوسری طرف وہ خالق اللہ کی ضرورتیں اور مصلحتیں سے آگاہ ہو، وہ کتاب وسنت کا غواص بھی ہو، اور اپنے عہد کے تقاضوں سے باخبر اور سماج کا نباض ہو، اس لئے یہ موضوع بہت اہم ہے کہ موجودہ تیز رفتار تبدیلیوں کے عہد میں تفقہ کے تقاضے کیا ہیں؟ چنانچہ عالم اسلام کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس موضوع پر ''حاجتنا الی فقہ جدید'' کے نام ایک مختصر مگر جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے ممکن ہے ان کی بعض آراء سے اختلاف کیا جائے، لیکن جن گوشوں کو انھوں نے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور جن جہتوں سے احکام فقہیہ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس رسالہ کی اہمیت وافادیت کی وجہ سے نوجوان فاضل مولانا مفتی وسیم احمد مرحوم (سابق رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی و نائب ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) نے اس کو اردو کا جامہ پہنایا، اور اکیڈمی دوسری بار اس علمی سوغات کو اہل علم ونظر کی بارگاہ تک پہنچا رہی ہے، مترجم مرحوم دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، اللہ نے انہیں علم وتحقیق اور خطابت وتالیف کا بڑا جوہر عطا فرمایا تھا، مگر افسوس کہ جواں عمری میں دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ واللہ ہو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱ر شوال ۱۴۳۱ھ / یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

ولایت نکاح

انسان کو زندگی گزارنے کے لئے جیسے مادی وسائل کی ضرورت ہے ایسے ہی وہ زندگی کے نشیب وفراز میں کسی مونس وغمگسار کا بھی محتاج ہوتا ہے، اگر زندگی کا کوئی شریک نہ ہو تو انسان کی خوشی ادھوری ہوتی ہے اور غم کا بوجھ بھی دو چند ہو جاتا ہے، انسان کی اسی ضرورت کو شائستہ طریقہ سے پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ اسے بہتر اور مستحسن قرار دیا اس سے ایک طرف انسان دل ودماغ کے لئے سکون کا سامان حاصل کرتا ہے لتسکنوا الیھا) اور دوسری طرح یہ نسل انسانی کی افزائش اور اس کے بقا واستمرار کا ذریعہ بھی ہے۔

نکاح کا تعلق دن دو دن اور سال دو سال کا نہیں ہوتا ہے بلکہ نکاح کے ذریعہ عمر بھر کے لئے پیمان وفا باندھا جاتا ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اس بندش کو پھر کھولا نہ جائے اور زندگی بھر طرفین اپنے آپ کو وفا کی گود میں باندھے رکھے سوائے اس کے کوئی ایسی غیر معمولی مجبوری پیدا ہو جائے کہ اس رشتہ کو باقی رکھ کر اس کے مقصد کو پورا کرنا ممکن نہ ہو، ایسے اہم اور زندگی بھر کے رشتہ وتعلق کے لئے ضروری ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کیا جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی رہنمائی کے طور پر امت کو یہ بات سمجھائی کہ رشتے طے کرنے میں کیا معیار پیش نظر رکھنا چاہئے، طرفین کو اجازت دی کہ اگر وہ چاہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور ان کے بارے میں تحقیق کرلیں، نیز ولایت کا نظام رکھا گیا کہ خاندان کے بزرگ افراد کے مشورے کو اہمیت دی جائے اور ان کے وسیع تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شریک زندگی کے انتخاب کا فیصلہ کیا جائے۔

ولایت کے معنی ہیں ایک شخص کے تصرف یا رائے کا دوسرے شخص پر نافذ ہونا، ولایت بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں: ولایت فی المال یعنی کسی شخص کے مال میں دوسرے کو حق تصرف حاصل ہو، دوسرے ولایت فی النفس یعنی کسی شخص کا ذات کے سلسلہ میں دوسرے شخص کی رائے کا نافذ العمل ہونا، پھر ولایت فی النفس کی بھی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار جس میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہو سکتا یہ ولایت نابالغ اور فاتر العقل شخص پر حاصل ہوتی ہے، دوسرے ولایت ندب یعنی استحبابی درجہ کی ولایت کہ زیر ولایت شخص یوں تو خود اپنا نکاح کر سکتا ہے لیکن بہتر ہے کہ وہ اولیا کے مشورہ سے نکاح کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے یہ ولایت باپ دادا اور ان کی عدم موجودگی میں قریب ترین رشتہ داروں کو عاقل وبالغ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے۔

اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے نکاح کے سلسلہ میں کس قدر توازن اور اعتدال سے کام لیا ہے، اس نے عاقل وبالغ لڑکے یا لڑکی کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنی پسند سے رشتے نہ کریں نہ اس بات کی اجازت دی کہ ان پر رشتہ تھوپ دیا جائے کہ یہ بات انسان کی فکری آزادی کے تقاضوں کے خلاف ہوتی لیکن چونکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تجربات کے اعتبار سے ناپختہ ہوتے ہیں اور اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر عجلت میں کوئی ایسا فیصلہ کر گزرے جو ان کے مستقبل کے لئے موضوع نہ ہوں، اس لئے نابالغ اور مجنون لڑکوں کو شریعت نے اور اولیا کو فیصلہ کرنے کا پورا حق دیا البتہ اگر باپ یا دادا نے ان کا نکاح کیا تو یہ نکاح لازم ہو جاتا ہے اور ان کے سوا کسی اور نے کیا تو لازم نہیں رہتا بلکہ بالغ ہونے کے بعد اس رشتہ کو ختم کرنے کا اسے حق حاصل ہوتا ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں خیار بلوغ کہتے ہیں اور عاقل بالغ لڑکی کے لئے بھی اس بات کو مستحب قرار دیا گیا کہ وہ اپنے سرپرستوں کو اپنے اعتماد میں لیکر اپنی زندگی سے متعلق اس اہم معاملہ کو طے کریں تاکہ آئندہ زندگی میں ان کے لئے یہ رشتہ دونوں کے لئے سکون اور مسرت کا ذریعہ بنے۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ شریعت جیسے مردوں کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی

دیتی ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات اسے نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے نفس کی مستحق ہے ''الایم أحق بنفسها من ولیها'' ()۔ اور قرآن میں اولیا کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اولیاء کو حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں نکاح کرنے سے روک دیں ''لا تعضلوهن أن ینکحن ازواجهن'' چنانچہ امام ابوحنیفہ اور بہت سے فقہاء کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ بالغ خاتون کو اپنا نکاح کرنے کا خود اختیار حاصل ہے، یہ شریعت اسلامی کا امتیازی پہلو اور عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کی وسیع قلبی دلیل ہے۔

افسوس کہ اس سلسلہ میں مسلم سماج میں بے اعتدالی کی صورت حال ہے ایک طرف مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے لڑکیوں میں ایک رجحان اپنے طور پر شریک زندگی کے انتخاب کرنے کا پیدا ہو رہا ہے یہاں تک کہ اس میں اولیا کی اجازت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی دوسری طرف بعض اولیا اپنی مرضی کا رشتہ لڑکی پر تھوپنا چاہتے ہیں جو نہ شرعا درست ہیں اور نہ اخلاقا اور اکثر یہ دونوں طرح کے رشتے ناکام و نامراد ثابت ہوتے ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ عاقدین اور ان کے اولیاء کے باہمی اتفاق رائے سے رشتے طے کئے جائیں لڑکے اور لڑکیاں اپنے اولیاء کی رائے کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور اولیا عاقدین کے مزاج و مذاق اور ان کے جذبات کو پیش نظر رکھیں اور جو رشتہ انہیں پسند نہ ہو اس پر انہیں مجبور نہ کریں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے............ سمینار منعقدہ............ میں اس اہم سماجی مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا اور اہم مقالات پیش ہوئے بحثیں ہوئیں اور اکیڈمی نے متوازن فیصلہ کیا جس میں حکم شرعی کی وضاحت بھی ہے اور لوگوں کے لئے رہنمائی بھی ان مقالات و مباحث کا مجموعہ پہلی دفعہ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا۔ اور عرصہ سے دستیاب نہیں تھا اب دوبارہ نئی ترتیب کے ساتھ اسے شائع کیا جا رہا ہے اور اسے زیادہ بہتر طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی جسے عزیز گرامی............ نے بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ انجام دیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے نفع پہونچائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱ رشوال ۱۴۳۱ھ/ یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

مقدمہ مجلہ حج

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک حج بیت اللہ ہے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انسان سیدنا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کا حج فرمایا، اس روایت کے مطابق گویا انسانی تاریخ جتنی قدیم ہے، حج بیت اللہ کا عمل بھی اتنا ہی قدیم ہے، اس سے اس عبادت کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حج سے نہ صرف آخرت کا بے نہایت اجر وثواب متعلق ہے اور یہ ایک عبادت کتنے ہی عبادتوں کو شامل ہے بلکہ اس میں تزکیہ و تربیت کی بھی غیر معمولی صلاحیت ہے؛ اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا: ''الاسلام یھدم ما کان قبلہ والحج یھدم ما کان قبلہ'' یعنی اسلام بھی پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور حج بھی، شاید اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے اسلام قبول کر کے انسان دائرۂ ایمان میں آتا ہے، اسی طرح حج سے ایمان کی تجدید ہوتی ہے اور خدا پر اس کا یقین بڑھتا ہے۔

حج ایک ایسی عبادت ہے، جو عمر میں ایک ہی بار فرض ہوتی ہے، انسان بار بار فریضہ حج کی ادائیگی کے تجربہ سے نہیں گزرتا ہے، اس لئے حج سے پہلے اچھی طرح حج سے متعلق معلومات کا حاصل کر لینا ضروری ہے، دوسری طرف حج میں کثیر مالی اخراجات بھی ہوتے ہیں اور عملی مشقت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو جہاد قرار دیا ہے، "الحج جھاد" زبان کی اجنبیت اور جگہ کا نیا پن بھی بہت سی دشواریوں کا سبب بنتا ہے، اسی لئے حج سے متعلق پیدا ہونے والے مسائل میں غور کرتے ہوئے ایک طرف احتیاط کی بھی ضرورت ہے کہ جو عبادت زندگی میں ایک ہی بار بحیثیت فرض کے ادا کی جائے، وہ تن آسانی اور سہولت پسندی کی وجہ سے عند اللہ نامقبول نہ ہو جائے، اور یسر وسہولت بھی مطلوب ہے؛ تاکہ لوگ ناقابل برداشت مشقت سے دوچار نہ ہوں۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے دسویں فقہی سمینار منعقدہ بیت الحجاج بمبئی میں مورخہ ۲۴۔ ۲۷ / اکتوبر ۱۹۹۷ء حج سے متعلق اہم اور جدید مسائل پر سمینار منعقد کیا، یہ بڑا اہم اور نمائندہ سمینار تھا، جس میں ہندوستان کے طول وعرض کے علاوہ عالم عرب سے بہت سے اہل علم نے شرکت کی، بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ خود بھی بہ نفس نفیس جلوہ افروز تھے، اور پہلی بار حج سے متعلق ان اہم موضوعات پر اجتماعی غور وفکر کیا جا رہا تھا؛ چنانچہ سمینار میں ایسی تجاویز منظور ہوئیں جو احتیاط اور اعتدال کا نمونہ تھیں نیز موجودہ مشکلات کو دیکھتے ہوئے بعض مسائل میں صاحبین کے نقطۂ نظر کو اختیار کیا گیا اور اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اور حقیقی مشکلات کا حل بھی نکل آئے۔

چنانچہ اس سمینار کے مقالات، تجاویز، مناقشات اور آراء کی تلخیص کا مجموعہ اس وقت قارئین کی خدمت میں پیش ہے، یہ مجموعہ بانی اکیڈمی کی زندگی میں بھی طبع ہو چکا ہے اور ملک میں بھی اور بیرون ملک بھی اہل علم اور اصحاب ذوق نے اس کی بڑی پذیرائی کی ہے، بہت عرصہ پہلے اس کے نسخے ختم ہو گئے تھے اور طبع جدید کے لئے لوگوں کا تقاضا تھا، ''ایفا پبلی کیشنز'' کے قیام کے بعد اکیڈمی کی نئی کتابوں کو بھی اور جو پہلے سے شائع شدہ ہیں اور ان کے نسخے ختم ہو چکے ہیں، ان کو بھی شائع کیا جا رہا ہے، اکیڈمی نے اپنے مجلات کی ترتیب میں مزید بہتری پیدا کرنے کے لئے مجلس ادارت بھی قائم کی ہے اور ترتیب کے لئے لائحہ عمل تیار کیا ہے، اسی کے مطابق محب عزیز مولوی امتیاز احمد قاسمی (رفیق شعبۂ علمی) نے مجلس ادارت کے زیر نگرانی اس کی ترتیب نو کی خدمت انجام دی ہے، امید ہے کہ اس مجموعہ کا یہ نیا پیکر زیادہ پسند کیا جائے گا، عوام وخواص کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے، نیز یہ اور اس طرح کی خدمات کو بانی اکیڈمی کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی / (جنرل سکریٹری)

۲۱ / شوال ۱۴۳۱ھ / یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

اوقاف

اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت واعانت دونوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، انسانی خدمت واعانت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وقتی طور پر کسی ضرورت مند کی مدد کردی جائے، زکوۃ، صدقات واجبہ اور صدقات نافعہ وغیرہ اسی نوع کی اعانت میں داخل ہے دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کے تعاون کی کوئی اور صورت اختیار کی جائے جس میں بقا واستمرار ہو جیسے مسجد بنائی جائے کہ لوگ اس میں نماز پڑھیں، کنواں کھودائی جائے کہ لوگ اس میں پانی پیا کریں اس طرح کی خدمت کو حدیث میں صدقہ جاریہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا نفع لوگوں کو ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے اور اس کا اجر صاحب عمل کو حاصل ہوتا رہتا ہے اس کی ایک صورت وقف کی ہے، فقہانے سکہ۔ ہے کہ وقف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے اور بعض اہل علم کی رائے ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے آپ ؐ کی اجازت سے وقف کیا تھا، اسلامی عہد حکومت میں وقف کا ذوق اتنی کثرت سے تھا کہ لوگ جانوروں اور پرندوں پر بھی وقف کیا کرتے تھے، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے .... سمینار کے لئے ایک موضوع وقف کا بھی رکھا تھا یہ بہت ہی نمائندہ سمینار ہوا اور اس میں کویت کے وزارت اوقاف کے ایک سرکاری وفد نے نہ صرف شرکت کی بلکہ بڑی دلچسپی اور اپنے مفید تجربات پر مبنی معلومات میں لوگوں کو شریک کیا۔ اس سمینار میں جس تفصیل کے ساتھ ہندوستان کے ارباب علم اور ارباب افتا نے داد تحقیق دی شاید اس سے پہلے اردو زبان میں اتنی وضاحت اور ہمہ گیری کے ساتھ غور وفکر نہیں کیا گیا، چنانچہ ان مقالات ومباحث کا قیمتی مجموعہ بانی اکیڈمیؒ کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا اور اکیڈمی کی دوسری کاوش کی طرح اس کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا لیکن تجربہ کے طور پر اس کی صورت یہ رکھی گئی کہ مقالہ نگاروں کا پورا مقالہ ایک ساتھ شائع کرنے کے بجائے سوالات کی ترتیب پر اس طرح مجلہ کی ترتیب عمل میں آئی کہ سوال کے لحاظ سے ہر مقالے سے اس کے جواب کا اقتباس نقل کردیا گیا، پس مقالہ کے بجائے اس کی شکل فتاوی اور جوابات کے ہوگئی، بعد میں محسوس کیا گیا کہ قاری کے لئے یہ طریقہ کا تشفی بخش نہیں ہے، مقالے جب اپنی اصل شکل میں شائع ہوتے ہیں تو اسے ایک مقالہ نگار کی تمام آرا ایک جگہ مل جاتی ہیں اور قاری جس مقالہ نگار سے مناسبت رکھتا ہو وہ اس کی تحریر پڑھ لیتا ہے، اس لئے اس تجربہ کے بعد بانی اکیڈمی کی حیات ہی میں سوچا گیا کہ ان مجلات کو حسب سابق مقالہ نگاروں کی ترتیب پر یہ شائع کرنا مناسب ہوگا۔ اس لئے اب اس مجلہ کو ترتیب نو کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے، مجلہ کی پوری ترتیب کو بدلنا اور اس کو ایک نئی شکل میں مرتب کرنا ایک دشوار کام تھا، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے عزیزی .... سلمہ رفیق شعبۂ علمی اکیڈمی کو کہ انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اس کو دوبارہ مرتب کیا جو اس وقت قارئین کے سامنے ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔ آمین

والسلام

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱رشوال ۱۴۳۱ھ/ یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ

جو انسان کسی شئ کو بناتا ہے وہی اس کے استعمال اور فوائد ونقصانات سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا ہے، انسان بھی اپنے آپ پیدا نہیں ہوا ہے نہ اس کی پیدائش میں اس کی مرضی کو دخل ہے اور نہ اس کی وفات میں ہم سب کو کائنات کے پروردگار نے پیدا کیا ہے اس لئے ہمارے نفع ونقصان سے بڑھ کر اور کوئی ذات واقف نہیں ہوسکتا اور یقینا اس کی ہدایات پر عمل کر کے ہم کامیابی سے ہم کنار ہوسکتے ہیں، خدا نے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے جو ہدایت نامہ عطا فرمایا ہے اسی کو شریعت کہتے ہیں یوں تو ہر عہد میں انسان کے لئے ہدایت آتی رہی ہے لیکن انسانی آمیزشوں نے ا محفوظ نہیں رکھا اسی لئے شریعت اسلامیہ اپنی آخری شکل وصورت میں حضورؐ پر نازل ہوئی اور انسان کے دست وبرد سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اسی لئے وہ بے کم وکاست اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گی، لہٰذا اب جب ہم شریعت کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے یہی شریعت محمدی مراد ہوتی ہے۔

قانون شریعت چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لئے یہ انتہائی درجہ عقل کے مطابق فطرت انسانی سے ہم آہنگ اعتدال پر مبنی اور توازن کی حامل ہے اور اس میں ہر عہد کے تقاضوں کو پورا کرنے اور بقدر ضرورت تبدیلیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے، اسی پس منظر میں معروف فاضل اور مفکر ڈاکٹر جمال الدین عطیہ نے .... کے نام سے یہ کتاب تالیف کی جس میں اسلامی شریعت کی امتیازات وخصوصیات اور قانون اسلامی سے مربوط اور قانون شریعت کے مقاصد اور فقہ کے بنیادی قواعد حکم شرعی کی قسمیں، احکام شریعت کے مآخذ ومصادر، احکام شریعت کی تطبیق اور استنباط کا طریقہ، اشخاص وافراد اور زمان ومکان کے احوال کا احکام شریعہ پر اثر جیسے اہم پہلوؤں پر مصنف نے جدید وقدیم مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے گفتگو کی ہے اور مسائل کو پیش کرتے ہیں ایک نئی ترتیب قائم کی ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر اسلام کے اصول قانون سے متعلق ہے اور فقہاء ارباب افتا اور قانون سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے نہایت مفید، چشم کشا اور لائق مطالعہ ہے، کتاب کی اسی اہمیت وافادیت کی وجہ سے بانی اکیڈمی حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے طے کیا کہ اس کو اردو کا جامہ پہنایا جائے تاکہ یہ علمی وفکری سوغات ہندوستان کے اصحاب ذوق کے آنکھوں کا سرمہ بن سکے، چنانچہ آپ نے اس کے ترجمے کی ذمہ داری معروف صاحب علم اور اصول فقہ وفقہ کے کہنہ مشق مدرس محب گرامی حضرت مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو وسکریٹری برائے علمی امور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کے سپرد کی مولانا موصوف نے بہت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا اور کوشش کی کہ شستہ وسلیس اور جہاں تک ممکن ہو عام علمی وسہل انداز میں اس خزانہ علمی کو پیش کیا جائے، چنانچہ اکیڈمی کی طرف سے اس کتاب کے ایک سے زائد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، اکیڈمی نے طباعت واشاعت کے کام کے لئے ایک ذیلی ادارہ ایفا پبلی کیشنز قائم کیا ہے، پہلی بار اس ادارہ سے اس اہم کتاب کی طباعت عمل میں آرہی ہے، پہلے یہ کتاب کتابت شدہ تھی اس بار کمپوزنگ اور طباعت کی بعض غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ زیادہ بہتر صورت میں اسے پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے خدا کرے یہ اہل علم کے لئے نفع کا باعث ہو اور قانون شریعت کی عظمت وتوقیر سے انہیں آشنا کرے۔ وان الدین عند اللہ الاسلام

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱ر شوال ۱۴۳۱ھ

یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

الربا

اسلام میں کفر کے بعد سب سے زیادہ مذمت کی گئی ہے، غالباوہ سود ہی ہے، سود کے نہ صرف لینے والے کو مستحق لعنت قرار دیا بلکہ سود دینے والے کو بھی سودی لین دین لکھنے والے کو بھی اور اس پر گواہ بننے والے کو بھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے نہ صرف سود بلکہ شبہ سود سے بھی بچنے کا حکم دیا، قبیلہ بنونجران سے جب آپ نے معاہدہ فرمایا تو آپ نے ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی، لیکن یہ بات واضح فرمادی کہ سودی لین دین کی اجازت نہ ہوگی اور سودی لین دین کرنے والے اس معاہدہ میں شامل نہ ہوں گے کیونکہ سود کو صرف قرآن ہی نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ پہلی مذہبی کتابیں جیسے وید اور تورات میں بھی حرام قرار دیا گیا۔

مگر بدقسمتی سے گذشتہ ڈھائی سو سال سے دنیا کا معاشی نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اور انہوں نے سود وقمار کو اقتصادی نظام کا نہ صرف لازمی جز بنادیا ہے بلکہ یہ تصور بھی دیا ہے کہ سود بغیر کوئی معاشی نظام قائم ہو ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ تاریخی اعتبار سے بھڈ غلط ہے، کیونکہ ان چند صدیوں سے پہلے تک دنیا کا معاشی نظام سود کے بغیر چلتا رہا اور ماضی قریب میں سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی۔ جس کے بھنور سے اب تک دنیا کے اکثر ممالک نہیں نکل پائے ہیں۔ کا بنیادی سبب سود ہی ہے معاشی ماہرین اور مغرب کے انصاف پسند اہل علم بھی دبے لفظوں میں اس کا اعتراف کر رہے ہیں عالم اسلام اور ملت اسلامیہ ہند کے لئے یہ بہترین موقع ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کے عادلانہ اقتصادی نظام کو پیش کریں اور اس کی افادیت سے لوگوں کو واقف کرائیں نیز انہیں بتائیں کہ نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے سود گناہ ہے بلکہ یہ سماجی ناانصافی غریبوں کے ساتھ زیادتی اور بالآخر معاشی تباہ حالی کا بھی سبب ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے شروع سے ہی سود کے مسئلہ پر علماء اور ماہرین کو غور وفکر کی دعوت دی چنانچہ بنک انٹرسٹ اور اس سے مربوط دوسرے مسئلہ ہندوستان کی شرعی حیثیت پر سمینار منعقد کیا تھا پھر سالہا سال غیر سودی بنک کاری کے موضع پر اس نے علماء اور ماہرین معاشیات کو جمع کر کے شرعی اور قانونی پہلوؤں سے ایک اہم رپورٹ تیار کی جو اکیڈمی سے چھپ چکی ہے اس کے علاوہ مختصر پیمانہ پر بھی اس نے متعدد پروگرام اس موضع سے جڑے ہوئے مسائل پر منعقد کیا ان مختلف سمیناروں کے مباحثات ومقالات کا مجموعہ اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی رفیق گرامی قدر حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی (سکریٹری برائے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی) کی تالیف کردہ ''الربا'' کے نام سے یہ کتاب بھی ہے، اس کتاب میں مصنف نے ربا کی حقیقت، ربا پر وعیدوں اور اس کی شناعتوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور خاص طور پر تین اہم مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، ایک تو ان لوگوں کا رد کیا ہے جو سود کا جواز پیدا کرنے کے لئے شخصی اور تجارتی سود کا فرق کرتے ہیں اور واضح کیا ہے کہ تجارتی سود بھی اسی طرح حرام ہے جیسے شخصی ضرورتوں کے لئے لیا گیا سود۔ دوسرے امام ابوحنیفہؒ کے اس نقطۂ نظر پر کہ دار الحرب میں سود لینا جائز ہے تفصیلی بحث کی گئی ہے اور خاص طور سے ہندوستان کے دار الحرب نہ ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے ضرورتا سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں اور جائز ہے تو کس حد تک اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

غرض کہ مولف کتاب نے سود کی شرعی اور فقہی پہلو پر بڑی چشم کشا، بصیرت افروز اور شافی گفتگو کی ہے، چنانچہ حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہی، استاذ گرامی حضرت مفتی نظام الدین صاحب، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے اس کی تحسین کی ہے، چنانچہ اکیڈمی نے پہلی دفعہ ۱۹۹۴ء میں اسے شائع کیا تھا جو ہاتھ سے کتابت کیا ہوا نسخہ تھا، کتاب کی افادیت، اہمیت اور موجودہ حالات میں اس کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمپوزنگ کتابت کے ساتھ اس کا نیا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے شوق کے ہاتھ لیا جائے گا۔

کتاب کے مؤلف برصغیر کی مشہور علمی شخصیت ہے حدیث وفقہ کی منتہی کتابوں کا درس دیتے آرہے ہیں، اردو اور عربی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور ہم لوگوں کے لئے مسرت اور اس سے زیادہ افتخار کا باعث ہے کہ مصنف کی کتاب "الموجزن في أصول الفقه" کو عالم عرب کی بعض درسگاہوں نے اپنے نصاب کا حصہ بنایا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے قافلے نے شروع سے ایک اہم رفیق کی حیثیت سے شامل رہے ہیں اور اب اس کے ذمہ داروں میں ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی علمی سرفرازیوں میں اضافہ فرماتا رہے اور امت کو ان سے خوب نفع پہنچے۔ واللہ ہو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی / ۲۱ رشوال ۱۴۳۱ھ، یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت

شریعت اسلامی انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہدایت نامہ ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں تفصیلی یا اجمالی رہنمائی کی گئی ہے، اس سے نہ صرف آخرت کی نجات متعلق ہے بلکہ دنیا کی فلاح وکامیابی بھی اگر ایک انسان شریعت کے دائرہ میں زندگی گزارے تو انشاء اللہ وہ اس دنیا میں بھی سکون سے بہرہ ور ہوگا، شریعت میں بعض احکام وہ ہیں جو یقینی طریقہ سے ثابت ہیں اور الفاظ وتعبیرات کے اعتبار سے بھی اس درجہ واضح ہے کہ ان میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں ہے ان کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کہا جاتا ہے، اسی طرح وہ احکام جن پر اجتہاد کرنے پر اہم فقہاء کا اتفاق ہو چکا ہو جسے فقہ کی اصطلاح میں اجماع کہتے ہیں ایسی دلیلوں سے ثابت ہونے والے احکام اسلام کے اصول واصطلاح کے قانون کے مطابق قطعی ہیں، اسی لئے ان احکام کی بابت فقہاء کے درمیان عام طور پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

شریعت کے بیشتر احکام اسی نوعیت کے ہیں، لیکن بعض احکام کی نوعیت مختلف ہے وہ ایسی دلیلوں سے ثابت ہیں جن کے مستند اور درست ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا خواہ اس وجہ سے کہ وہ جس ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں ان میں بعض افراد نامعتبر یا کم معتبر سمجھے گئے ہیں یا اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں روایات میں تعارض پایا جاتا ہے اور یقینی طور پر اس بات کو متعین کرنا دشوار ہے کہ ان میں سے کون سا قول یا عمل پہلے کا تھا یا بعد کا اسی طرح بعض امور ثابت تو ہوتے ہیں یقینی دلیلوں سے لیکن قرآن وحدیث میں جو تعبیر اختیار کی جاتی ہے ان میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال ہوتا ہے پہلی صورت کو اصطلاح میں ظنی الثبوت اور دوسری صورت کو ظنی الدلالت کہتے ہیں اسی طرح بعض مسائل قیاس پر مبنی ہوتے ہیں اور اس میں قیاس کی بعض جہتیں پائی جاتی ہیں، بعض احکام مصلحت اور عرف کی بنا پر دیئے جاتے ہیں، مصلحتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور عرض بھی ہمیشہ بدلتا رہتا ہے ان مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے یہ اختلاف رائے فطری ہے اور عملاً یہ امت کے لئے رحمت بھی ہے، کیونکہ اگر کسی زمانے میں ایک رائے پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے تو اختلاف رائے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم دوسری نقطۂ نظر کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح امت کو دشواریوں سے بچانے میں مدد ملتی ہے، اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے: کہ اگر صحابہ تمام مسائل میں متفق ہوتے اور ان کے درمیان اختلاف نہ ہوتا تو ہمیں خوشی نہیں ہوتی کیونکہ اب تو صورت حال یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ایک رائے پر عمل کرنا دشوار ہو تو ہم دوسری رائے کو قبول کر لیتے ہیں اور ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ بھی ایک صحابی رسول کی رائے ہے، اسی طرح مشہور فقیہ سفیان ثوری کے بارے میں منقول ہے کہ جب ایک صاحب نے ایسی کتاب کا ذکر کیا جس میں فقہاء کے اختلاف کو جمع کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: اسے کتاب الاختلاف نہ کہو بلکہ کتاب السعہ کہو یعنی گنجائش پیدا کرنے والی کتاب کہو، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ فقہی اختلافات درحقیقت امت کے لئے رحمت ہے نہ کہ زحمت اور اس سے ان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہی اختلاف تو صحابہ کے دور سے ہے لیکن اس اختلاف سے امت میں کبھی جنگ وجدال کی نوبت نہیں آئی نہ ایک دوسرے کو گمراہ قرار دیا گیا نہ ایسا ہوا کہ ایک گروہ نے دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا ہو، اس لئے فقہاء کے درمیان پایا جانے والا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا جائے یا وحشت محسوس کی جائے۔ مگر جب صواب وخطا یا اولیٰ وغیر اولیٰ کے اختلاف کو لوگ اس نظر سے دیکھتے ہیں گویا یہ حق وباطل کا اختلاف ہے اور ہدایت وگمراہی ایک دوسرے کے مدمقابل ہے تو پھر اختلاف میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اختلاف مخالفتوں کی سرحدوں میں داخل ہو جاتا ہے اور رایوں کا اختلاف دلوں کا اختلاف بن جاتا ہے جو یقیناً امت کے لئے بدبختی کی بات بن جاتی ہے۔

افسوس کے ادھر کچھ عرصے سے فقہی اختلاف رائے جو عہد صحابہ سے ہے اور جس کو سلف صالحین کبھی بھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ یہ حق وباطل کا اختلاف ہے اس کی وجہ سے دل تقسیم نہیں ہوئے اب ان کو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے مخالف نقطۂ نظر کے لوگوں کو گمراہ ثابت کرنے اور

ان کو باطل ٹھہرانے کے استدلال کیا جارہا ہے اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے تڑپتا ہوا دل اور مستقبل کے تجزیہ کی صلاحیت رکھنے والا روشن دماغ عنایت فرمایا تھا، جنہیں امت کا اتحاد سب سے زیادہ عزیز تھا اور ملت اسلامیہ کا اختلاف وانتشار جن کی ہڈیوں کو گھلا تا رہتا تھا نے اس موضوع کا انتخاب فرمایا تا کہ ان اختلافات کی صحیح امت کے پیش نظر رہے اور وہ اسے آپسی جدال ونزاع کا موضوع نہ بننے دیں، حضرت قاضی صاحب کثرت مشاغل کی وجہ سے بعض اوقات اپنے شاگردوں سے سوالات مرتب فرماتے تھے اور خود اس پر نظر ثانی فرماتے تھے اور سوالات میں اختصار سے کام لیا کرتے تھے، لیکن مجھے یاد ہے کہ اس موضوع کی اہمیت کی وجہ سے انہوں نے بنفس نفیس موضع کا سوالنامہ مرتب فرمایا اور تفصیل سے تا کہ لوگ ان سے روشنی حاصل کر سکیں۔

موضوع کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ یہ مجموعہ بہت پہلے شائع ہو جاتا لیکن بعض وجوہ سے اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی؛ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ اس اہم موضع سے متعلق مقالات، مباحثات اور علماء کے اجتماعی فیصلوں پر مشتمل یہ مجموعہ اب قارئین کے سامنے پیش ہے، تمام مسلمانوں اور خاص کر علماء اور مذہبی قائدین سے گزارش ہے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں گے اور مسلک اور دین کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختلافی مسائل میں اعتدال اور میانہ روی ایک دوسرے کے توقیر واحترام کا رویہ اختیار کریں گے تا کہ اس امت کا شیرازہ منتشر نہ ہو اور ہم خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو کمزور نہ کرلیں۔

اس مجموعہ کو عزیز گرامی قدر مولانا .... نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مرتب کیا ہے اور موجودہ حالت میں امت کو دعوت اتحاد کا تحفہ پیش کیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور امت کو اس پیغام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱ر شوال ۱۴۳۱ھ / یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

اسلامی علوم میں فقہ وہ علم ہے جو ہمیشہ سے اصحاب نظر علماء کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے، کیونکہ یہ لمحہ بہ لمحہ انسانی زندگی سے مربوط ہے اور کتاب و سنت کا عطر اور خلاصہ ہے، قانون کے کئی ایسے شعبے ہیں جن کی فقہاء اسلام نے بنیاد رکھی ہے، انہیں میں ایک اصول قانون ہے، چنانچہ مستشرقین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اصول قانون کی تدوین سب سے پہلے مسلمان فقہاء نے کی ہے۔

اسلام کے اصول قانون کا ایک حصہ تو وہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، جیسے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس کا حجت ہونا، امر کا وجوب اور نہی کا ممانعت پر دلالت کرنا وغیرہ، کچھ قواعد وہ ہیں جن لچک رکھی گئی ہے اور جن کو ہر عہد میں اس عہد کی ضروریات، مصالح اور آلات و وسائل کے اعتبار سے منطبق کیا جاتا ہے، اسی لئے یہ علم قدیم بھی ہے اور جدید بھی اس میں گنجائش ہے کہ زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے اصول و قواعد کی توضیح کی جائے۔

یہ کتاب ''...........'' ایک حد تک اسی پہلو سے لکھی گئی ہے۔ اس کا پہلا باب علم اصول فقہ کا تعارف اور اس کے مناہج، نیز ان مناہج پر لکھی گئی کتابوں کے بارے میں ہے، دوسرے باب میں ان فقہی نظریات کا ذکر کیا گیا ہے جو دوسرے علوم کے ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں، ایک لحاظ سے اس بحث کو منفرد نوعیت کا قرار دیا جاسکتا ہے، اس کے ذیل میں جہاں مقاصد شریعت، قواعد، فقہ، فروق، اختلاف فقہاء وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے وہیں علم کلام اور لغت کے ذیل میں آنے والے قواعد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، تیسرے باب میں عصر حاضر کے پس منظر میں اصول فقہ کے موضع پر گفتگو کی گئی ہے، موجودہ دور میں فقہ کی جو اہم خدمات انجام دی جارہی ہیں ان پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مختلف جہتوں سے عصر حاضر میں انجام پانے والی فقہی تالیفات کی ایک فہرست بھی دی گئی ہے، اخیر میں مصنف نے علوم شرعیہ کے مقاصد، مستقبل کی ضروریات اور اس سلسلہ میں مطلوب ضروری کاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

غرض کہ یہ کتاب نہ صرف اصول فقہ کا بہتر تعارف کراتی ہے اور اس کے قابل توجہ گوشوں کی طرف دعوت التفات دیتی ہے بلکہ عصر حاضر کے ساتھ اس علم کے ارتباط اور اس کے تقاضوں کو بھی واضح کرتی ہے، اس کتاب کے مصنف عالم اسلام کے اصحاب تحقیق علماء میں ہیں، آپ کا خاص موضع قانون ہے، عربی زبان کے علاوہ انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی زبانوں سے بھی واقف ہیں اور ان کی تالیفات اپنی تحقیقی اور علمی معیار کی وجہ سے پوری دنیا میں عزت و رفعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتاب کی اہمیت کی وجہ سے اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے معروف صاحب قلم محب گرامی حضرت مولانا عتیق بستوی (استاذ حدیث فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کو اس کے ترجمہ کی ذمہ داری حوالہ کی، انہوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اور اصول فقہ کے مزاج اور اس کی مخصوص تعبیرات کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب کا ترجمہ کیا، چنانچہ پہلی بار ۱۹۹۳ء میں یہ کتاب اکیڈمی سے شائع ہوئی جسے اہم علم نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا، یہ ایڈیشن دستی کتابت پر مبنی تھا اب کمپوزنگ کرا کے اس کا نیا ایڈیشن اکیڈمی کا ذیلی ادارہ ''ایفا پبلیکشنز'' کی جانب سے پیش کیا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہندوستان کے علماء خصوصاً اساتذہ فقہ و اصول فقہ، ارباب افتاء اور اسلامی قانون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اس سے فائدہ اٹھائیں، واللہ ہو الموفق

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱ رشوال ۱۴۳۱ھ / یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

حج وعمرہ ۔ موجودہ حالات کے پس منظر میں

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، علماء اسلام نے حج اور عمرہ کے مسائل کو خصوصی اہمیت دی ہے، اس موضوع پر مستقل کتابیں اور رسائل بھی تصنیف کئے ہیں۔ دور حاضر میں حجاز مقدس کی تجارتی اہمیت، حجاج کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی قانونی پابندیوں نے حج اور عمرہ کے مختلف مسائل کو علماء اور فقہاء کے لئے غور طلب بنا دیا ہے، کیونکہ ان مسائل کے تعلق سے حج اور عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ وغیرہ میں تجارت یا ملازمت کی غرض سے رہنے والے، دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، بعض مسائل میں بعض فقہی مسالک پر عمل موجودہ حالات میں انتہائی دشوار ہے، جب کہ دوسرے فقہی مسالک میں یسر وسہولت کا پہلو پایا جاتا ہے، اس طرح کے چند حل طلب مسائل میں بحث وتحقیق کے لئے اصحاب علم وتفقہ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں، امید ہے کہ آپ ان مسائل کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اپنے مطالعہ وتحقیق کا نچوڑ اور اپنی واضح رائے پیش فرمائیں گے:

۱۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں کیا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء مجتہدین کے مسالک اور دلائل کی تفصیل اور ترجیح تحریر فرمائیں۔

۲۔ آج کل تیز رفتار تجارتی سرگرمیوں اور وسائل آمد ورفت کی کثرت وسہولت کی وجہ سے اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جاکر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں (مدینہ منورہ وغیرہ) کے باشندوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور بار بار مکہ، جدہ، مدینہ کے درمیان آمد ورفت کرتے ہیں، اسی طرح تجارتی سامان لانے، لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور دقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے (خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو) احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے کیا ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنی کیا جاسکتا ہے؟ جنہیں تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم مکی کے اندر آمد ورفت کرنی ہوتی ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج (حج کے مہینے) شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ یعنی مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

۴۔ جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع اور قران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں، ان کے مسلک کے اعتبار سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حرم میں میقات کے باہر گئے، پھر مکہ مکرمہ

واپس ہونے لگے، اگر وہ احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہوئے تو انہیں بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے دم دینا پڑے گا، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوئے تو احرام سے حلال ہونے کے لئے انہیں ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے، اور اسی سال حج کرنے کی صورت میں تمتع کرنے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا، اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا، اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات کے باہر نہ جائیں، تنگی اور دشواری کی بات ہے، کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے، اور اہل مکہ اپنی مختلف ضرورتوں کی بنا پر میقات کے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، اہل مکہ کی اس مشکل کا کیا شرعی حل ہے؟

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟

۶۔ حجاج کی غیر معمولی کثرت اور رمی جمرات کی جگہ انتہائی محدود ہونے کی وجہ سے رمی جمرات کا عمل خصوصاً بوڑھوں اور معذوروں کے لئے خاصا دشوار ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے رمی جمرات میں نیابت کا رواج ہوتا جا رہا ہے، بعض لوگ مریض و معذور نہ ہونے کے باوجود محض کسل اور آرام پسندی کی وجہ سے کسی دوسرے کو رمی کے لئے بھیج دیتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

الف۔ عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے کی نیابت کر سکتا ہے یا نہیں؟

ب۔ رمی میں اگر نیابت ہو سکتی ہے تو صرف مریض یا معذور کے لئے، یا ہر شخص کے لئے اس معذوری کی کیا حد ہے جس کی وجہ سے نیابت جائز ہے، کیا محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہے؟

۷۔ سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، کیا ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور انہیں کیا کرنا ہوگا؟

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون؟ اس سلسلہ میں ائمہ کے مسالک کی کیا تفصیل ہے؟

احناف کے مفتی بہ قول میں ترتیب کو واجب کہا گیا ہے اور ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہونے پر دم لازم قرار دیا گیا ہے۔ دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کے بے پناہ ازدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے اور سواری نہیں ملنے کی وجہ سے حجاج کے لئے (خصوصاً ضعیف و معذور حجاج کے لئے) خود مذبح جا کر قربانی کرنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے، اس لئے حجاج عام طور پر قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، جو حجاج کی طرف سے نیابتاً قربانی کا نظم کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے اس کے مجاز ہیں۔ قربانی کا نظم کرنے والے ان اداروں کے ذمہ داروں کے مسلک میں ترتیب واجب نہیں، اس لئے یہ لوگ بسا اوقات ترتیب کا خیال نہیں کرتے۔ ان حالات میں اگر رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب قائم نہ رہ سکے تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟ مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر کیا اس مسئلہ میں فقہ حنفی کے قول مرجوح کو اور دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے؟

۹۔ آج عام طور پر معروف حج تمتع ہے افراد یا قران شاذ و نادر ہے، کیا اس صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا؟

حج بدل کرنے والے کے بارے میں درج ذیل باتیں دریافت طلب ہیں:

الف۔ کیا بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے؟

ب۔ حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج۔ آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا ہے تو تمتع کر سکتا ہے؟

د۔ باذن الآمر یا بدون الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم ہوگا یا حج بدل کرنے والے کے مال میں، تمام شقوں کی تفصیل

کی جائے۔

ہ۔ اگر حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے بھی تمتع کی گنجائش نہ ہو تو وہ حج بدل کرنے والا کیا کرے جسے حکومت کے نظم وقانون کے تحت ایام حج سے بہت پہلے حج کا سفر کرنا پڑے، اس کے لئے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، کیا اس کی دشواری کا کوئی شرعی حل ہے؟

و۔ حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی تفصیل ہو تو اسے بھی تحریر فرمائیں۔

۱۰۔ کوئی حج کرنے والی عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کرسکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے، کیونکہ اس کا ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہے یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے یا نفقہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار کرنا مشکل ہے، ایسی عورت اگر طواف زیارت کئے بغیر واپس چلی جاتی ہے تو اس کا حج ترک رکن کی وجہ سے نامکمل رہتا ہے، دوبارہ اس کا وطن سے واپس آکر طواف زیارت کرنا نا قابل عمل ہے، مثلاً اس میں دوبارہ آنے کی استطاعت نہیں ہے یا قانونی رکاوٹیں اس کے واپس آنے میں حائل ہیں، ایسی عورت کیا کرے؟

الف۔ کیا اس کے لئے اجازت ہے کہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے۔

ب۔ اس نے اگر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کیا تو رکن ادا ہو گیا یا نہیں؟ دم لازم ہوگا یا نہیں۔

ج۔ اگر دم لازم ہوگا تو بدنہ ذبح کرنا ہوگا یا بکرا کافی ہوگا؟

د۔ اور دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے یا یہ کہ حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر بھی ادا کیا جاسکتا ہے؟

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا، ایام حج، یعنی ۷۔۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منی چلا جاتا ہے، تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جب کہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہو گیا ہے۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں، نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورت ہیں: ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد وحرمین کی جماعت کو چھوڑ کر ایسا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں وتر کو ادا کرے تو مذکورہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے۔ تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت ومجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتدا کرے؟

☆☆☆

اکیڈمی کا فیصلہ:

حج وعمرہ۔موجودہ حالات کے پس منظر میں

۱۔ حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جو عمر بھر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے، عام طور پر حجاج کو اس کے لئے طویل سفر کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور کثیر اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر وثواب بھی بے حد رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس عبادت کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے، پس حجاج کو چاہئے کہ وہ اس راہ کی مشقتوں کو ایک سعادت سمجھ کر برداشت کریں، افعال حج میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھیں اور جن مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے اور ایک میں توسع اور دوسرے میں احتیاط کا پہلو ہے تو ایسی صورت حتی الوسع اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ اس کا عمل دونوں ہی آراء کے مطابق درست قرار پائے اور اس عظیم عبادت کی انجام دہی میں تن آسانی اور سہل انگاری سے بچا جائے۔

۲۔ حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے، اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کر کے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے۔

موجودہ حالات میں جبکہ تجار، دفاتر میں کام کرنے والے، ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز، کبھی ہر دوسرے، تیسرے دن اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زیادہ دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے، اس لئے ان حضرات کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔

۳۔ جو لوگ مکہ کے اصلاً رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں، اصلاً ان کے لئے تمتع نہیں ہے، اس لئے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں میقات کے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ وارانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز (۲) پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے۔

مکہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشہر حج کے شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آکر مقیم ہوگئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہوں۔

۴۔ تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔

۵۔ رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

۶۔ محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت

جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کرسکتا ہے، اس کے لئے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

۷۔ حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰ رذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے، جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

۸۔ دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

الف۔ حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے، اس کو نظم وضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام وسفر، ان کی صحت، جان ومال کا تحفظ بغیر نظم وضبط کے ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جاسکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہوسکے، حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے لہذا حکومت سعودیہ کے احکام وضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔

ب۔ اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کردے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائیگا اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آسکے گا۔

۹۔ اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا چاہئے، لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کرلے، اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لئے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہذا عرف وعادت کے پیش نظر مامور کے لئے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔

۱۰۔ اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض یا نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کرسکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہوجائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہوجائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کرسکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہوجائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنابت حدود حرم میں لازم ہوگی۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے لئے وطن واپسی ممکن ہے تو وہ اپنے وطن واپس جاکر عدت گزارے اور اگر احرام باندھ چکی ہے یا واپسی کا سفر دشوار ہے تو وہ ایام عدت میں حج وعمرہ ادا کرلے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع ہوجاتا ہے اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا، اسے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا ہوگا۔

۱۳۔ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے لئے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے۔

تلخیص مقالات:

حج وعمرہ ۔ موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی محمد فہیم اختر ندوی[1]

۱۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات، یا اس طرح کے دیگر اغراض ومقاصد سے حرم مکی میں داخل ہونے والے اشخاص کے لئے بھی کیا احرام ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی دو رائیں ہیں، بیشتر حضرات نے ضرورت، حاجت شدیدہ اور مشقت کی وجہ سے جمہور ائمہ کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہوئے بغیر احرام میقات کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی ہے، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار الحق قاسمی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد نور قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی۔

ان حضرات نے عام طور پر حرج ومشقت سے متعلق آیات اور قواعد شرع اور فقہاء کی ملی جلی عبارتیں پیش کی ہیں، مثلاً:

۱۔ ''لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الزمان'' (الاشباہ والنظائر)۔

۲۔ ''ما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (سورۂ حج:۷۸)۔

۳۔ ''إن اللہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورۂ بقرہ:۱۸۵)۔

۴۔ ''رخص رسول اللہ ﷺ للضعفة من أهله فی ترك الوقوف بمزدلفة'' (اعلاء السنن ۱۰،۱۳۲)۔

۵۔ ''من کان داخل المیقات له أن یدخل مکة بغیر إحرام لحاجته لأنه یکثر دخوله مکة وفی إیجاب الإحرام فی کل مرة حرج بین'' (فتح القدیر ۳،۲۲۵)۔

۶۔ ''لو أوجبنا الإحرام علی من یتکرر دخوله أفضی إلی أن یکون جمیع زمانه محرما فسقط للحرج'' (المغنی ۳،۲۶۸)۔

اور مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا شکیل احمد، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی وغیرہم نے بلا احرام دخول کی اجازت کے لئے مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ''عن جابر أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام'' (مسلم، نسائی ۱،۴۳۹)۔

[1] اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد۔

۲۔ ''عن أنس أن النبی ﷺ دخل مکة عام الفتح وعلی رأسه المغفر. قال مالك ولم یکن رسول الله ﷺ یومئذ محرما'' (احمد، بخاری)۔

۳۔ ''یجوز دخول مکة بغیر إحرام لمن لم یرد حجا ولا عمرة سواء أکان دخوله لحاجة تتکرر کالحطاب والحشاش والسقاء والصیاد وغیرهم أم لم یتکرر کالتاجر والزائر وغیرهما سواء أکان آمنا أم خائفا'' (فقه السنة ۵،۱۴۰)۔ ''سواء کان دخوله لحاجة تتکرر أم لم یتکرر'' (مسلم مع النووی ۱،۴۳۷)۔

اور مولانا ظفر الاسلام، مولانا ارشاد القاسمی، مولانا فضل الرحمن قاسمی اور مفتی عبدالرحیم صاحبان نے جواز کے لئے حیلہ کی تجویز پیش کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی احرام کی پابندی ضروری ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی نے تاجر اور مواقع ضرورت کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔

دلائل

۱۔ قاعدہ ہے: قول وفعل میں تعارض کے وقت قول کو اور اباحت وحرمت میں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

۲۔ ''عن خصیف بن سعید بن جبیر أن النبی ﷺ قال: لا یجاوز أحد الوقت إلا المحرم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳،۵۲)۔

۳۔ ''عن ابن عباس ﷺ قال: إذا جاوز الوقت فلم یحرم حتی دخل مکة رجع إلی الوقت فأحرم وإن خشی إن رجع إلی الوقت فانه یحرم ویهریق لذلك دما'' (مسند اسحاق بن راہویہ)۔

۴۔ ''عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: هذه مکة حرمها الله عزوجل یوم خلق السموات والأرض لم تحل لأحد قبلی ولا لأحد بعدی وإنما أحلت لی ساعة من نهار'' (نسائی ۵،۲۱۱)۔

۵۔ ''لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنین محلقین رؤوسکم ومقصرین'' (سورۂ فتح: ۲۷)۔

سوال نمبر ۲:

تاجروں، کمپنیوں کے ایجنٹوں، گاڑیوں کے ڈرائیوروں اور وہ حضرات جن کو روزمرہ حدود حرم عبور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہر بار احرام باندھنا اور ارکان عمرہ ادا کرنا دقت طلب اور وقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کی نیت نہ رکھنے والے کے لئے بھی احرام باندھ کر حرم میں داخل ہونے کی پابندی ہے ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟

اس بارے میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے ایسے لوگوں کے لئے احرام کو واجب قرار نہیں دیا ہے، ان کے نزدیک عدم وجوب کی اصل بنیاد حرج وتنگی ہے کہ ان لوگوں کو اگر ہر وقت احرام کا پابند قرار دیا جائے تو بہت بڑی تنگی اور مشقت وحرج کو دعوت دینا ہوگا جبکہ شریعت نے "الحرج مرفوع" اور "إذا ضاق الأمر اتسع" کہا ہے، مزید دلائل جواب نمبر ۱ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا ابراہیم فلاحی اور سعید الرحمن قاسمی صاحبان کی رائے عدم جواز کی ہے، جن میں مولانا عبداللطیف مظاہری نے صرف اہل مکہ کو تجارتی یا دیگر کسی مقاصد سے بغیر احرام آنے جانے کی ضرورۃ اجازت دی ہے اور اس پر حکم اباحت کو محدود کیا ہے۔

مولانا محمد برہان الدین اور ابراہیم فلاحی صاحبان کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ محض قیاسی ہوتا تو اس کی گنجائش تھی اور واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بلا احرام دخول حرم کی ممانعت منصوص ہے، نیز شعائر اللہ اور اس سرزمین کے تقدس وعظمت اور لوگوں میں عبادتوں کے رجحان کی کمی کا تقاضا یہ ہے کہ مزید اس کی تاکید کی جائے۔

''المشقة والحرج انما يعتبر ان عند عدم النص''۔

''المشاق على قسمين مشقة لا تنفك عنها العبادة غالبا... فلا أثر لها في إسقاط العبادات''۔

سوال نمبر ۳:

مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر مقالہ نگار حضرات کے قدر مشترک چار نقاط نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر...... اکثر کی رائے عدم جواز کی ہے کہ مکی اگر حج تمتع یا قران کرنا چاہے تو شرعا اس کی گنجائش نہیں ہوگی، ان حضرات نے زیادہ تر درج ذیل آیت، احادیث اور عبارات فقہاء سے اپنی رائے مدلل کی ہے، جن میں مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا شکیل احمد، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شبیر احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی صاحبان کے نام شامل ہیں۔

دلائل

۱۔ ''فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج و سبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' (سورۂ بقرہ:۱۹۶)۔

۲۔ ''قال قتادة ذكر لنا ان ابن عباس كان يقول يا أهل مكة لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق و حرمت عليكم إنما يقطع أحدكم واديا أو قال جعل بينه وبين الحرم واديا يهل بعمرة'' (ابن کثیر ۱٫۲۳۵-۱۲۳۶)۔

۳۔ ''وبعد إجماع جميعهم على أهل الحرم معينون به وانهم لا متعة لهم'' (ابن کثیر ۱٫۳۰۷)۔

۴۔ ''وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران'' (ہدایہ ۱٫۲۴۳)۔

دوسرا نقطہ نظر

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد ایوب ندوی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا ابرار الحق قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی وغیرہم نے مختلف وجوہ سے مکی کے لئے حج تمتع یا قران کی اجازت دی ہے اور گنجائش کے رجحانات ظاہر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تائیدات پیش کی ہیں:

دلائل

''مذهبنا ان المكي لا يكره له التمتع والقران وإن تمتع لم يلزمه دم'' (المجموع ۷٫۱۶۹)۔

''قال ابن قاسمي و قال مالك فمن تمتع من أهل مكة في أشهر الحج أو القران فلا هدى إليه'' (المدونة ۱٫۳۰۰)۔

''لان العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي'' (ایضاح المناسك ص ۱۷۷)۔

''وقد صرح صاحب النهاية بأن المكي لا يكره له أن يعتمر في أشهر الحج فمن أين هؤلاء منع العمرة المفردة للمكي وقد أطلق الله سبحانه حيث قال أتموا الحج والعمرة لله والعبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب لورود الآية في العمرة الآفاقية... قد بينا أن المكي إذا خرج من الميقات ثم قرن حجة و عمرة كان قارنا''. (ارشاد الساری ص ۱۸۵)۔

تیسرا نقطہ نظر

جواز مع الکراہۃ کا ہے، جسے درج ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی عبدالرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی۔

چوتھا نقطہ نظر

کسی مکی کے لئے تمتع اور قران کرنا درست تو نہیں ہے، البتہ کر لے تو حج ہو جائے گا اور دم جبر لازم ہوگا، اسے درج ذیل حضرات نے اپنایا ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا راشد حسین ندوی۔

سوال نمبر ۴

جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع یا قران کو جائز نہیں کہتے اور میقات کے اندر احرام باندھ کر داخل ہونے کو لازم قرار دیتے ہیں اور بلا احرام تجاوز کی صورت میں ان کے نزدیک دم لازم ہوتا ہے اور حلال ہونے کے لئے عمرہ کے ارکان ادا کرنا ضروری اور تمتع کی صورت میں دم جنایت، اسی سال حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو اشہر حج میں پابند کرنا کہ وہ میقات سے باہر نہ جائیں، جبکہ مختلف ضروریات سے وہ باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، اہل مکہ کی اس مشکل کا کیا حل ہے؟

اس بابت مقالہ نگار حضرات کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے

مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سعید الرحمن قاسمی وغیرہم نے قدر مشترک اس مسئلہ کا حل یہ پیش کیا ہے کہ اگر مکہ کے باشندوں کو اشہر حج میں اپنی ضروریات سے باہر جانا ناگزیر ہو تو جا سکتے ہیں، اور واپسی میں عمرہ کا احرام باندھ کر مناسک عمرہ مکمل کریں اور احرام کھول دیں اور پھر حج کا احرام باندھیں، اس صورت میں ''المام'' صحیح کی وجہ سے حج ہو جائے گا، کوئی حرج بھی نہ ہوگا اور دم جنایت بھی لازم نہیں آئے گا، ان حضرات نے مندرجہ ذیل فقہی جزئیات پیش کئے ہیں:

* ''ولا احرم مکی بعمرة أو بهما و طاف للعمرة فی أشهر الحج من عامه لا یکون متمتعا ولا قارنا'' (فتح القدیر ۳۰۱/۲)۔

* ''ولو خرج إلى الكوفة وأهل بالعمرة فی الحج ثم حج لم يكن متمتعا'' (ہندیہ ۲۳۹/۱)۔

* ''قال الطحاوی فوقفنا من قول أبی حنیفة وأصحاب علی أن المکی لا متعة ولا شئ علیه لها''۔

* ''لو اعتمر هذا المکی فی أشهر الحج من عامه لا یکون متمتعا لأنه ملم بأهله بین النسکین'' (ردالمحتار ۲۱۴/۲)۔

* ''ان المکی اذا خرج الی بعض الافاق لحاجة ثم رجع واحرم بالعمرة فی اشهر الحج من عامه لم یلزمه الدم باتفاق الأربعة'' (شرح لباب ص ۱۵۳)۔

دوسری رائے

سوالنامہ میں مذکورہ دقتوں کے حل کے لئے مندرجہ ذیل مقالہ نگار حضرات نے رفع حرج، دفع مشقت کے پیش نظر حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھنے والے مکی کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ایوب ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، حکیم ظل الرحمن، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا سراج الدین

قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا ابرار الحق قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا فضل الرحمن قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، محمد جنید احمد فلاحی۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے مکی کے لئے ایسا نہ کرنے کو بہتر سمجھا ہے اور مولانا ظفر الاسلام نے حیلہ اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔

تیسری رائے...... (مولانا مصلح الدین بروڈوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا منظور احمد قاسمی) کی ہے، مولانا مصلح الدین اور مفتی جمیل احمد نذیری صاحب کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، اور مولانا منظور احمد، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحبان نے بغیر احرام دخول حرم کو ممنوع قرار دیا ہے۔

دلائل

* ''فليس للمكي أن يدخل مكة من غير إحرام لأنه صار آفاقيا'' (بحر الرائق ۲،۳۱۹)۔

* ''وقد روى عن ابن عمر أنه قال إنما التمتع رخصة لمن لم يكن له أهله حاضرى المسجد الحرام...والمراد المتعة ولو كان المراد الهدى لقال و ذلك على من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام أيضا فإن التمتع لأهل سائر الآفاق إنما هو تخفيف من الله وإزالة المشقة عنهم فى إنشاء سفر لكل واحد منهما وأباح لهم الاقتصار على سفر واحد فى جمعهما جميعا إذ لو منعوا عن ذلك لأدى ذلك إلى مشقة و ضرر وهلما لا مشقة عليهم ولا ضرر فى فعل العمرة فى غير أشهر الحج'' (احكام القرآن للجصاص ۲۸۸)۔

سوال نمبر ۵

تمتع کرنے والے آفاقی، ظاہر ہے پہلے عمرہ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد حج کا احرام، تو درمیان میں جو وقت بچتا ہے اس میں مزید عمرے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اثبات میں دیا ہے کہ شرعاً اس کی اجازت ہے، اس دوران مزید عمرے کر سکتے ہیں اور بہت سے مؤیدات ودلائل اس کے جواز پر پیش کئے ہیں، بطور نمونہ چند ذکر کئے جارہے ہیں:

دلائل

* ''أتموا الحج والعمرة لله مطلقا عن الوقت'' (بدائع ۲،۲۲۷)۔

* ''عن ابن عباس رضي الله عنه قال سمعت عمر يقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت حججت لتمتعت'' (احكام القرآن للرازى ۱،۲۸۵)۔

* ''وتصح فى كل السنة ولكن يكره تحريما إنشائها بالإحرام فى خمسة أيام بعد يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق للمنهى عنها فيها''۔

* ''أفاد أنه يفعل ما يفعل الحلال فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج'' (ردالمحتار ۲،۲۶۸)۔

* ''عن على رضي الله عنه قال فى كل شهر عمرة'' (رواه الشافعى)۔

* ''قال النبى صلى الله عليه وسلم: تابعوا بين الحج والعمرة''۔

* ''ويستحب الإكثار من الاعتمار'' (الايضاح ص ۲۶۳)۔

البتہ مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عزیر اختر قاسمی اور مفتی عبد الرحیم صاحبان کی رائے یہ ہے کہ مزید عمرہ

نہ کرے تو بہتر اور احوط ہے، اور مولانا منظور احمد قاسمی کی رائے میں عمرہ میں اولی کثرت طواف ہے۔

''وصرح فی الباب بأنه لا یعتمر ای بناء انه صار فی حکم المکی ان المکی ممنوع من العمرة فی أشهر الحج وإن لم یحج وهو الذی حط علیه کلام الفتح و خالفه فی البحر و غیره بأنه ممنوع من العمرة إن حج من عامه'' (ردالمحتار ۲،۲۱۲)۔

سوال نمبر ۶ (الف۔ب)

رمی جمرات ارکان حج میں سے ایک رکن ہے؟ توکیا اس کے لئے دوسرے شخص کو نائب بنانا درست ہے؟ نیز عذر کی کیا حد ہے؟

اس بابت تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ مجبوری اور معذوری کے وقت رمی جمرات کے لئے دوسرے اشخاص کو نائب بنانا درست ہے، اور عذر کی حد بندی کرتے ہوئے بیشتر حضرات نے صراحت کی ہے وہ عذر کی حد یہ ہے کہ معذور شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو اور مقام رمی تک ازخود جانے کی صلاحیت وطاقت نہ رکھتا ہو تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں معذور تصور کیا جائے گا، اسی طرح تمام ہی حضرات اس بات پر بھی متفق ہیں کہ محض ازدحام جواز نیابت کے لئے عذر قرار نہیں پائے گا، نیز اس حکم میں مرد وخواتین سب برابر ہیں۔

جبکہ مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نورالحق رحمانی، مولانا سید اسرارالحق سبیلی، مولانا محمد ایوب ندوی، اور مولانا مصلح الدین صاحبان کی رائے میں خواتین کے لئے اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی، حکیم ظل الرحمن صاحبان کے نزدیک سن رسیدہ اور کمزور وناتواں اشخاص جنہیں بھیڑ میں دب کر جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو، کے لئے ازدحام بھی عذر قرار پائے گا اور ان کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہوگا۔

دلائل

* ''عن جابر أنه قال حججنا مع رسول الله و معنا النساء والصبیان فلبینا عن الصبیان و رمینا عنهم'' (رواه احمد ابن ماجه بحواله فقه السنه ۱،۶۲۳)۔

* ''والرجل والمرأة فی الرمی سواء إن رمیها فی اللیل أفضل فلا تجوز النیابة عن المرأة بغیر عذر'' (بغیة المناسك ص۱۰۰)۔

* ''قد تبین مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذر المرأة وظن به علة أو ضعف فی تقدیم الرمی قبل طلوع الشمس أو تأخیره إلی اللیل لا فی جواز النیابة فیهم لعدم الضرورة فلو لم یرموا بأنفسهم خوف الزحام تلزمهم الفدیة'' (حوالہ سابق)۔

* ''وکذلك من عجز عن الرمی بنفسه لمرض أو نحوه فإنه تستنیب من یرمی عنه ولا شئ علیه'' (فتاوی ابن تیمیه ۲۶،۲۴۰)۔

سوال نمبر ۷

حج کو جانے والے حضرات جو قانونا گرفتار ہوجائیں وہ محصر کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟

اس بابت تمام حضرات ہم خیال ہیں کہ ایسے لوگ بھی حکما محصر ہوں گے اور ان پر محصر ہی کے احکام جاری ہوں گے، اس کے ثبوت پر مقالہ نگار حضرات نے جو مواد ودلائل جمع کئے ہیں ان میں سے چند بطور نظیر پیش ہیں:

دلائل

* ''فقال قوم یکون الحصر بکل حابس من مرض أو عدو و کسر و ذهاب نفقة و نحوها مما یحصره و یمنعه عن المضی إلی البیت وهو قول أبی حنیفة وأصحابه وروی ذلك عن ابن عباس وابن مسعود و زید بن ثابت و قال

آخرون وهم الليث بن سعد و مالك و أحمد و إسحاق لا يكون الإحصار إلا بالعدو فقط ولا يكون بالمرض'' (عینی حاشیہ ابوداؤد ۱،۲۵۷)۔

*'' السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر'' (فتح القدیر ۲،۱۲۵)۔

*'' عن ابن عباس ﷺ إنما البدل على من نفض حجه بالتلذذ فاما من جسه عذر أو غير ذلك فانه يحل ولا يرجع وإن كان معه هدى وهو محصر نحو إن كان لا يستطيع أن يبعث وإن استطاع أن يبعث به لم يحل حتى يبلغ الهدى محله'' (صحیح بخاری ۱،۲۴۳)۔

البتہ مولانا شمس پیرزادہ صاحب کی رائے میں ایسے لوگ محصر کے حکم میں نہیں آئیں گے، اور مفتی محبوب علی وجیہی نے ایسے محصروں پر حلال ہونے کے لئے ہدی کو لازم قرار نہیں دیا ہے، اور مفتی عبدالرحیم نے ہدی کے حل میں بھی ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

سوال نمبر ۸

رمی، ذبح، حلق میں احناف کے یہاں ترتیب برقرار رکھنا ضروری ہے، آج کے مشکل ترین حالات میں ترتیب برقرار رکھنا انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے مشکل ہوگیا ہے، تو کیا اس کے حل کے لئے عدم وجوب کے قائلین اور حنفیہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اس مسئلہ میں مقالہ نویسوں کی جملہ دو رائیں ہیں:

پہلی رائے: ان میں زیادہ تر حضرات نے صاحب اور ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر حالات وزمان کے پیش نظر فتویٰ دینے کا عندیہ دیا ہے اور کچھ نے ترتیب کو واجب ہی نہیں قرار دیا ہے، جن میں چند اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا نور الحق رحمانی۔

دلائل

*'' عن عبد الله عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ وقف فى حجة الوداع عنى للناس يسئلونه فجاء ه رجل فقال لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح فقال: اذبح ولا حرج فجاء ه آخر فقال لم أشعر فنحرت قبل أن أرمى فقال: ارم ولا حرج فما سئل النبى ﷺ عن شئ قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج'' (متفق علیہ)۔

*'' عن ابن عباس أن النبى ﷺ قيل له فى الذبح والحلق والرمى والتقديم والتاخير فقال لا حرج'' (بخاری مع الفتح ۳،۴۴۵)۔

*'' قال محمد: وبالحديث الذى روى عن النبى ﷺ فاخذ أنه قال لا حرج فى شئ من ذلك وقال أبو حنيفة لا حرج فى شئ من ذلك ولم يرفى شئ من ذلك كفارة إلا فى خصلة واحدة: المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم وأما نحن فلا نرى عليه شيئا'' (درس ترمذی ۱۵۲ ۳)۔

دوسری رائے: مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا منظور احمد قاسمی صاحبان کی ہے، ان میں مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی نے ترتیب کو واجب قرار دیا ہے، اور مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی اور منجملہ ان حضرات نے انتظامی امور کی اصلاح پر زور دینے کی رائے دی ہے۔

دلائل

''قال السرخسي: إذا وافى منى يرى جمرة العقبة ثم باذبح إن كان قارنا أو متقائم بالحلق لحديث عائشة أن النبي ﷺ قال إن أول نسكنا في هذا اليوم أن نرى ثم نذبح ثم نحلق ولأن الذبح والحلق من أسباب التحلل ألا... إن تحلل المحصر بالذبح فيقدم الرمي عليهما ثم الذبح في معنى التحلل دون الحق فإن الحلق محظور الإحرام... والذبح لا فكان الذبح فعل ما على الحلق'' (مبسوط ۴؍۶۴)۔

''اعلم أن في يوم النحر أربعة نسك، رمي و نحر و طواف على ترتيب ما ذكر والترتيب في الثلاثة الا واجب'' (العرف الشذی لانور شاہ الکشمیری ۱؍۱۸۲)۔

سوال نمبر ۹

الف۔ کیا حج بدل کرنے والا حج تمتع کرسکتا ہے؟

تمام مقالہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا حج تمتع کرسکتا ہے۔

ب۔ آمر کی صریح اجازت کے بغیر مامور حج تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں مقالہ نگار حضرات میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں، جن حضرات نے صراحتاً اجازت آمر کو ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ دلالۃ اور عرف ورواج کی وجہ سے مامور کے لئے حج تمتع کی گنجائش نقل کی ہے ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا نذیر احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا شبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شکیل احمد قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا رئیس ندوی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اسعد اللہ قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مفتی عبد الرحیم قاسمی۔

جن حضرات نے تمتع کے لئے آمر کی طرف سے صریح اجازت کو ضروری قرار دیا ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد ایوب ندوی، مفتی انور علی اعظمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد ابرار الحق قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا قمر الزماں ندوی صاحبان کی رائے میں اجازت کے باوجود تمتع نہ کرنا احوط اور بہتر ہے۔

ج۔ مامور کو اگر ظن غالب ہو کہ آمر سے وہ اجازت لیتا یا لے تو اسے تمتع کی اجازت مل جاتی یا دے دے گا تو اسے تمتع کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس بابت بیشتر حضرات نے چونکہ شریعت نے بہت مسائل میں ظن غالب کا اعتبار کیا ہے اس لئے مامور کے لئے تمتع کی گنجائش ہوگی، البتہ مندرجہ ذیل علماء کی رائے یہ ہے کہ مامور سے حج جیسی اہم عبادت کی ادائیگی کا معاملہ متعلق ہے اس لئے صراحتاً اجازت ضروری ہوگی، محض ظن غالب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی، مولانا محمد جنید احمد فلاحی۔

د۔ دم تمتع حج بدل کرنے والے مامور کے ذمہ ہوگا یا آمر کے؟

اس بارے میں بھی فاضل مقالہ نگاروں کی اکثریت مامور (حج بدل کرنے والے) کے ذمہ دم کے وجوب کی قائل ہے، دوسری رائے رکھنے والے علماء نے اس میں تفصیل کی ہے کہ اگر آمر کی اجازت سے تمتع کر رہا ہے تو دم اسی کے ذمہ لازم ہوگا اور بغیر اجازت یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہے تو مامور اپنے مال سے دم ادا کرے گا جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شکیل احمد، مولانا فضل الرحمن فضل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

جبکہ مفتی انور علی اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا محمد رئیس ندوی اور سید قدرت اللہ باقوی صاحبان نے دم آمر کے ذمہ لازم قرار دیا ہے۔

(ھ) آمر کی طرف سے تمتع کی اجازت بھی ہو اور قانونی دشواری کی وجہ سے وہاں پہلے جانا پڑتا ہے، اور حج کی تاریخ آنے تک احرام میں رہنا بھی ایک مشکل مسئلہ ہے، اس پریشانی کا کیا حل ہوگا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں نے عام طور پر اس کے لئے تمتع کی گنجائش نقل کی ہے، جن میں ذیل کے اسماء شامل ہیں:

مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا نور الحق رحمانی، مفتی عزیز اختر قاسمی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی۔

اور مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا نور الحق رحمانی کی رائے یہ ہے کہ عمرہ کے بعد طوالت واکتاہٹ سے بچنے کے لئے مدینہ چلا جائے اور حج کے قریب احرام باندھ کر حج کرے، مولانا اشتیاق احمد اعظمی کی رائے میں تمتع نہ کرنا اولی ہے اور مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب کی رائے میں تمتع کی گنجائش ہوگی۔

و۔ میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار کے دو نقاط نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر

اگر میت نے زندگی میں اجازت دی ہو یا ورثاء جوان کی طرف سے حج کرا رہے ہوں ان کی طرف سے اجازت ہو تو تمتع کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، اس نقطہ نظر کو اپنانے والوں میں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر عالم قاسمی وغیرہ حضرات کے نام شامل ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر

میت کی طرف سے حج بدل کی بھی گنجائش اور تمتع کی بھی گنجائش ہے اور عرف ورواج اور مشقت کے پیش نظر اس کی اجازت ہوگی، اس نقطہ نظر کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا شکیل احمد قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی اور مولانا محمد رئیس ندوی۔

فریق اول کے دلائل

"إن الميت لو أمره بالتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف" (ارشاد الساری ص ۳۰۴)۔

"وبقي صورتان يكون بالقران فيها مخالفا أحدهما ما لم يأذنا له بالقران فقرن عنهما ضمن نفقتهما" (بحر الرائق ۳٫۷۰)۔

"ولكن ما زاد في اللباب يوافقه ما في البحر وغيره من جواز التمتع عن الآمر إذا كان بأمره كما سيأتي عن قريب قيل وعليه فله أن يأذن للمأمور بالإفراد العمرة او امنه ثم بإتيان الحج عنه" (غنیہ المناسک ص ۱۸۵)۔

فریق ثانی کے دلائل

''وإلا فجعل ثوابه له بعد الأداء إذ بدون الأداء به يقع الحج عن القائل بالاتفاق فهو ليس حاجا عنه بل هو فاعل ثواب حجه له والثواب إنما يحصل بعد الأداء فبطلت نيته له في الإحرام فلا يحصل له ثواب إلا إذا جعل له بعد الأداء كما قالوا في مسائل الحج عن إيضاح بل لا بد من جعل ثوابه له بعد الأداء لما في العبادة البدنية'' (غنیہ ص ۳۶۲)۔

''المعروف عرفا كالمشروط شرعا''۔

''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن'' (الدر المختار ۲،۲۴۷)۔

سوال نمبر ۱۰

الف۔ حائضہ عورت ناپاکی کی حالت میں طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟

ب۔ اگر کرلیا تو رکن ادا ہوگا یا نہیں؟

ج۔ دم میں کی واجب ہوگا۔

د۔ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ ہی میں ضروری ہے یا باہر بھی اس کی گنجائش ہے؟

اس سوال کی تینوں شقوں ب، ج، د، میں تمام مقالہ نگار کا اتفاق ہے کہ اگر ناپاکی کی حالت میں مجبوری حائضہ عورت طواف کرلے تو رکن کی ادائیگی ہوجائے گی اور حج صحیح ہوگا، اور اس جنایت کی وجہ سے دم دینا ضروری ہوگا اور دم میں چھوٹے جانور کافی نہیں ہوں گے بلکہ بڑے جانور، اونٹ، گائے، بھینس کا بدنہ دینا ہوگا، اور قربانی کا مکہ مکرمہ میں ہونا شرط ہے۔

جبکہ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کی رائے میں اس حالت میں طواف کرنے سے رکن ادا نہیں ہوگا، مجوزین نے قاعدہ شرعیہ ''الضرورات تبيح المحظورات'' سے بھی اس کے جواز پر استدلال کیا ہے (مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا سعید الرحمن قاسمی)۔

تاہم سوال کی پہلی شق (الف) میں مقالہ نگار حضرات کی دو رائیں ہیں، مجوزین اور مانعین۔

مجوزین: کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ اضطرار اور ضرورت کے درجہ کی چیز ہے اس لئے خواتین کو مجبوراً شرعاً اجازت ہوگی کہ وہ اسی حالت میں طواف کرکے دم دے دے، اس رائے کے حاملین میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شکیل احمد، مولانا محمد رئیس ندوی اور مولانا شبیر احمد قاسمی۔

دلائل

''الضرورات تبيح المحظورات'' (الاشباہ والنظائر)۔

''ومن المعلوم أن الصلوات هي أكبر الواجبات على الإطلاق وتجب في اليوم والليلة خمس مرات وأجمع العلماء على اشتراط الطهارة لها وتباح بل تجب للحاجة لعدم الطهورين فيصلي بغير وضوء ولا تيمم ويصلي غير القبلة للضرورة ويصلي العريان عند عدم ما يستر به عورته ونحو ذلك مما أجمع العلماء على جواز فعل للضرورة وطواف الحائض أولى من هذا كله'' (القول بجواز طواف الحائض لابن تیمیہ ۴۵)۔

مانعین: کا خیال ہے کہ ناپاکی کی حالت میں طواف معصیت ہے اگر عورت کرے گی تو ادا تو ہوجائے گا لیکن گنہگار بھی ہوگی، اس لئے عورتوں کو اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے ایام ممنوعہ میں طواف بیت اللہ کریں، اس نقطہ نظر کے حاملین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

دلائل

''افعلی ما یفعل الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت حتی تطهری'' (رواہ مسلم)۔

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: الحائض والنفساء إذا أتتا علی الوقت تغتسلان تحرمان و تقضیان المناسك كلها وغير الطواف بالبيت قال أبو معمر في حديثه حتى تطهر'' (ابوداؤد۔ ترمذی)۔

سوال نمبر ۱۱

ایام عدت میں خواتین حج یا عمرہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں:

رجحان اول: یہ ہے کہ کسی معتدہ عورت کو اپنی عفت وعصمت کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو، دوبارہ حج کے لئے سفر کے اخراجات مہیا ہونے کی مستقبل میں امید نہ ہو، آفاق سے نکل کر حرم کے قریبی علاقہ میں داخل ہو چکی ہو جہاں سے مکہ کی مسافت سفر یا اس سے کم ہو اور وہاں سے گھر واپسی بھی دقت آمیز ہو، وہاں کسی خاص مقام پر عدت کے ایام گذارنا بھی آسان نہ ہو، غرض مختلف طرح کی مجبوریاں دامنگیر ہوں تو خاتون تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ اپنے فریضہ حج وعمرہ ادا کرسکتی ہے، یہ رجحان مندرجہ ذیل حضرات کا ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا سعید الرحمن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد انور علی اعظمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ارشاد الحق قاسمی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد ایوب ندوی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا شمس پیرزادہ اور مولانا محمد رئیس ندوی۔

دلائل

''وأتموا الحج والعمرة لله'' (سورہ بقرہ: ۱۹۶)۔

''وإن حجت وهي في العدة جاز حجها وكانت بينها وبين مكة مسيرة سفر و بلدها أقل منه أو أكثر لكن يمكنها المقام في موضعها أو قريب منه وإلا فلا إحصار'' (بغیۃ المناسک ۱۶۷)۔

''وقال أبو يوسف و محمد إذا كان معها ذو محرم فلا بأس أن تخرج في عدتها'' (مختصر الطحاوی ص ۲۱۹)۔

''إذا مات المحرم والمرأة في الطريق فقال أحمد إذا تباعدت مضت فقضت الحج. قيل له قدمت من خراسان فمات وليها ببغداد فقال تمضي إلى الحج وإذا كان الفرض خاصة فهو آكد... وهذا لأنها لا بدلها من السفر بغير محرم فمضيها إلى قضاء حجها أولى'' (المغنی ۲۴۰-۲۴۱)۔

رجحان ثانی: یہ ہے کہ وہ محصر کے حکم میں ہوگی اور اس پر محصر کے احکام جاری ہوں گے حج وعمرہ نہیں کرے گی بلکہ عدت کے ایام پورے کرے گی، اس کے اپنانے والوں میں یہ حضرات ہیں:

مولانا ظفر الاسلام، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا صدر عالم قاسمی۔

دلائل

''قال ابن الهمام يتحقق الإحصار عندنا بالعدو وغيره كالمرض وهلاك النفقة و موت محرم المرأة و زوجها'' (المرقاة ۶،۲)۔

''فان كانت في مصر قرت فيه إلى أن تنقض عدتها ولا تخرج وإن وجدت محرما خلافا لهما وإن كانت في قرية أو مفازة لا تأمن على نفسها فلها أن تمضي إلى موضع أمن ولا تخرج منه حتى تمضي عدتها الخ'' (ردالمحتار ۲،۱۴۶)۔

سوال نمبر ۱۲

۷۔۸ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچنے والے حجاج کو پندرہ دن جو کم از کم مقیم ہونے کے لئے ضروری ہے، پورے ہونے سے قبل ہی ایام حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منیٰ کا سفر کرلیتے ہیں، منیٰ اور مکہ کی آبادی بھی ایک دوسرے سے مل گئی ہے تو کیا ایسے حجاج پندرہ دن منجملہ پورے ہونے پر مقیم ہوں گے یا مسافر ہی رہیں گے؟

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شہروں کا اتصال اور عدم اتصال بلدیہ عرف اور کارپوریشن کی حد بندی پر مبنی ہے اور وہاں کی بلدیہ نے ابھی تک دونوں کو متصل اور ایک شہر قرار نہیں دیا ہے اس لئے دونوں مقامات پر قصر ہی ہوگا اگرچہ مکہ میں پندرہ دن کا عرصہ گذر جائے لیکن منیٰ جانے پر قصر لازم ہوگا، نیز مکہ میں مدت اقامت مکمل ہونے پر اتمام ہوگا، لیکن منیٰ میں چونکہ پندرہ دن رہنا نہیں ہوتا اس لئے وہاں قصر ضروری ہوگی، البتہ کچھ حضرات دونوں کو متصل مانتے ہوئے پندرہ یوم پورے ہونے پر دونوں شہروں میں اتمام صلوۃ یعنی مقیم ہونے کے قائل ہیں، جن کے اسمائے گرامی ہیں:

مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ناصر عالم قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی۔

جبکہ مولانا عتیق احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی صاحبان کے نزدیک اگر ایسا ہوگیا ہے اور دونوں شہر مل گئے ہیں، حکومت نے بھی دونوں کو ملا دیا ہے تو ایسے لوگ مقیم ہوں گے ورنہ مسافر ہی رہیں گے، اور مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے میں اگر مسافر پوری ہوگی تو مقیم ورنہ مسافر۔

سوال نمبر ۱۳

نماز وتر رمضان المبارک میں باجماعت مشروع ہے اور ادائیگی میں ائمہ مجتہدین ومتبوعین کے نزدیک بظاہر نوعیت میں خاصا فرق واقع ہوا ہے تو کیا ایک امام متبوعین کی دوسرے امام کی اقتداء وتر میں جائز ہے؟

اول: بیشتر یا اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اپنی جماعت میسر نہ ہونے، تنہا ادا کرنے میں ثواب کم ہونے اور انتشار سے بچتے ہوئے مجمع اور جماعت کی رعایت کے پیش نظر وتر میں امام حرم کی اقتداء جائز ہوگی، اور وہ دو رکعت پر سلام نہ پھیر کر اپنی ایک رکعت پوری کرلے گا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

دلائل

*''وإن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز ويصلي معه بقيته لأن إمامه لم يخرجه بسلام عنده لانه مجتهد فيه'' (فتح القدير ۱،۴۳۷)۔

''وقال العلامه أنور شاه الكشميري: وبالجملة فمذهب الحنيفة أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين وتسليم نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر و سلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه ثم الوتر صح وتر الحنفي عند ابي بكر الرازي وابن وهبان'' (معارف السنن ۴،۱۷۰)۔

''وعلى قول الهندواني يصح الاقتداء وإن لم يحتط وظاهره الجواز وإن ترك بعض الشروط عندنا'' (شامی ۲،۸)

البتہ مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا

محمد ابراہیم فلاحی اور مولانا عبدالرشید قاسمی صاحبان کی رائے اقتداء میں عدم جواز کی ہے ان حضرات کے نزدیک حنفی اپنی وتر علاحدہ ادا کرے اور مولانا اسعد اللہ قاسمی کی رائے میں صرف حرم میں اس کی اجازت ہوگی دوسری مسجدوں میں نہیں۔

دلائل

''هذا الاقتداء إذا كان يحتاط في مواضع الاختلاف كان يجدد الوضوء بخروج نحو دم إلى قوله وأن لا يقطع وتره بسلام على الصحيح'' (طحاوی ص ۳۱۲)۔

''واستكله في الفتح بأنه اقتداء المفترض بالمتنفل وإن لم يخطر عند النية صفة النية أو غيرها بل مجرد الوتر كما هو ظاهر إطلاق التعيين لتقرر النفلية في اعتقاده ورده في البحر بما صرح به في التعيين أيضا من أن الامام إن نوى الوتر وهو يراه سنة جاز الاقتداء، كمن صلى الظهر خلف من يرى أن الركوع سنة وإن نوى بنية التطوع لا يصح الاقتداء، لأنه يصير اقتداء المفترض بالمتنفل'' (شامی ۱،۴۹۴)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

(سوال نمبر ۱، ۲، ۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حج وعمرہ سے متعلق جو مسائل زیر بحث ہیں، ان میں سوال نمبر ۱، ۲ اور ۸ کی بابت عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس حقیر کو سونپی گئی ہے، ان مسائل سے متعلق اکیڈمی کو کل ۴۵ جوابات موصول ہوئے ہیں، جن میں انتالیس جوابات حضرات علماء وارباب افتاء کے ہیں اور چھ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کے طلبہ تخصص فی الفقہ کے، افسوس کہ بعض مقالہ نگاروں کی رائے واضح نہیں ہے، چونکہ ان تمام حضرات کا فرداً فرداً تذکرہ موجب طوالت ہوگا، نیز چونکہ عام طور پر آراء میں ہم آہنگی اور موافقت پائی جاتی ہے، اس لئے ہر رائے کے ساتھ اس رائے کے قائلین کا ذکر بھی درازنفسی سے خالی نہیں، اس لئے صرف ان حضرات کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا جن کا نقطہ نظر عمومی رائے سے مختلف ہو۔

سوال نمبر ۱ اور ۲ کا ماحصل قریب قریب ایک ہی ہے کہ اگر آفاقی یا خود مکی کو بار بار حدود میقات سے تجاوز کر کے حرم کی طرف آنا پڑتا ہو، تو کیا ایسے شخص کے لئے ہر بار نیا احرام باندھ کر میقات کے اندر آنا اور عمرہ کرنا ضروری ہوگا؟

اس سلسلہ میں عام رائے جو ہے اور از راہ حاجت ائمہ ثلاثہ کے قول پر فتویٰ دینے کی ہے، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا عبد الرحیم بھوپالی، مولانا ابراہیم فلاحی (گجرات) اور مولانا برہان الدین سنبھلی نے آفاقی اور مکی دونوں ہی کے حق میں احرام کو ضروری قرار دیا ہے، البتہ بوقت حاجت اس حیلہ کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے جو فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں موجود ہے، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی نے آفاقی اور مکی میں فرق کیا ہے کہ آفاقی کے لئے تو احرام باندھ کر ہی آنا ضروری ہوگا، مکہ کے ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ پر احرام باندھنا واجب نہ ہوگا۔

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص حج وعمرہ کے مقصد سے مکہ مکرمہ آئے، اس کے لئے احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، اس پر بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو ایندھن لاتے اور فروخت کرتے ہوں بلا احرام حرم میں واپس آنا جائز ہے، امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں تعلیقاً روایت نقل کی ہے (بخاری: ا رباب دخول الحرم ومکة بغیر احرام) اور علامہ عینی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خود امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے (عمدۃ القاری)، ان دونوں صورتوں کے علاوہ دوسرے لوگ جو میقات سے گذر کر حرم میں آئیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کے لئے احرام باندھ کر آنا ضروری ہے، اگر بلا احرام میقات سے آگے بڑھ گیا تو واجب ہے کہ میقات تک واپس جائے اور احرام باندھ کر آئے یا دم جنایت ادا کرے۔ دوسرے فقہاء کی آراء کے نقل کرنے میں اہل علم کے یہاں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے اور یہ باعث تعجب نہیں، کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور بالخصوص امام شافعی اور امام احمدؒ کے یہاں کثرت اقوال ایک معروف بات ہے، اس لئے ضروری ہے کہ خود ان فقہاء کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، اور دیکھا جائے کہ ان حضرات کے یہاں معتبر اور صحیح تر قول کیا ہے، فقہ مالکی کا مستند ترین ماخذ مدونہ ہے، اور "مدونہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے مکہ آئے، اس کے لئے احرام باندھ کر مکہ آنا مستحب ہے، "قال مالك: لا أحب لأحد من الناس أن يقدم من بلده إلى مكة فيدخلها بغير إحرام" (المدونة الكبرى ۱،۳۰۲)، فقہاء شوافع میں نووی کی کتاب "الایضاح" خاص مناسک ہی سے متعلق ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں تین اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ صحیح تر قول ایسے شخص کے لئے احرام کا مستحب ہونا ہے، "فيه خلاف منتشر يجمعها ثلاثة أقوال: أصحها أنه مستحب" (کتاب الایضاح ۱۹۷،ح) البتہ فقہاء شوافع کے یہاں اپنے عمل کو فقہاء کے اختلاف سے بچاتے ہوئے بلا احرام آنے کی صورت میں دم ادا کردینا مسنون ہے، "ويسن بتركه دم" (الافصاح علی مسائل الایضاح ۱۲۱)

حنبلی دبستان فقہ کے مستند ترین ترجمان ابن قدامہ نے امام احمدؒ کا دو قول نقل کیا ہے: ایک یہ کہ جو شخص حاجت متکررہ کے لئے داخل نہ ہو، اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا: "المكلف الذي يدخل لغير قتال ولا حاجة متكررة فلا يجوز له تجاوز الميقات غير محرم به"

(المغنی ۳،۱۱۶)، گویا حاجت متکررہ کی بنا پر جسے مکہ آمد ورفت کرنا پڑے اس کے لئے بلا احرام دخول مکہ کی اجازت ہے، دوسرا قول امام احمد کا حج وعمرہ کے علاوہ صورت میں مطلق بلا احرام جواز کا ہے (حوالہ سابق)۔

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جن شارحین حدیث اور مسالک فقہیہ کے ناقلین نے بلا احرام حرم میں داخلہ کے عدم جواز والے قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے، انہوں نے مختلف مکاتب فقہ کے ان اقوال کی بنا پر کہا ہے جو خود اصحاب مذہب کے نزدیک قول مرجوح ہے، جمہور کا نقطہ نظر یہی ہے کہ جو لوگ حج وعمرہ کے ارادہ سے حرم نہ آئے ہوں ان کے لئے احرام باندھ کر آنا مستحب اور مسنون ہے، نہ کہ واجب اور موجب دم۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ہی نقاط نظر پر وقیع منصوص اور معقول دلائل موجود ہیں، اور ائمہ مجتہدین کا کسی رائے کو قبول کرنا در اصل بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رائے دلائل سے عاری اور علمی وزن سے خالی نہیں ہے، لیکن فریقین کے دلائل کی طرف محض اس لئے اشارہ کیا جاتا ہے تا کہ یہ واضح ہوجائے کہ مسئلہ استدلالی اعتبار سے بھی مجتہد فیہ ہے، نہ کہ قطعی۔

جو حضرات میقات کے باہر سے حرم آنے والوں کے لئے احرام کو ضروری قرار دیتے ہیں ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لا يجاوز أحد الوقت إلا المحرم'' (مصنف ابن أبي شيبه ۴،۵۲) گویہ روایت سعید بن جبیرؒ نے مرسلاً ذکر کی ہے، لیکن حافظ زیلعی نے مصنف ابن ابی شیبہ ہی کے حوالہ سے عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ نقل کیا ہے، لیکن مصنف کے موجودہ نسخوں میں موجود نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ مصنف کے بعض نسخوں میں یہ روایت مسنداً بھی نقل کی گئی ہو، کیونکہ بظاہر حافظ زیلعی جیسے متثبت اور متقن محدث پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۲۔ خود امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ بلا احرام میقات سے آگے بڑھنے والوں کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے (مسند امام شافعی ۱۱۶)۔

۳۔ حنفیہ کا خیال ہے کہ احرام کا مقصد حرم کی مبارک ومیمون سرزمین کا احترام بھی ہے نہ کہ صرف حج وعمرہ، اور ظاہر ہے کہ یہ احترام ہر وارد حرم پر واجب ہے۔

جو حضرات احرام کو ضروری قرار نہیں دیتے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے میقات سے گذرنے والے لوگوں پر اس وقت احرام لازم قرار دیا جبکہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔

''إن النبي ﷺ وقت لأهل المدينة ذا الحليفة ولأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم هن لهن ولكل آت أتى عليهن من غيرهن من أراد الحج والعمرة'' (عمدة القارى ۱۰،۲۰۵)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب عمرہ کر کے مدینہ تشریف لائے اور قدید ہی میں معلوم ہوا کہ مدینہ پر فوج کشی ہو چکی ہے تو مکہ واپس گئے اور بلا احرام داخل ہوئے، اس روایت کو امام مالک اور امام محمد بسند متصل اور امام بخاریؒ نے تعلیقاً نقل کیا ہے۔

۳۔ حضرت ابوقتادہؓ کا واقعہ صحاح ستہ میں بتفصیل موجود ہے، جو مکہ حج سے متعلق دوسری ضروریات کے لئے بھیجے گئے تھے، انہوں نے میقات سے احرام نہیں باندھا تھا اور اسی لئے شکار بھی فرمایا تھا (نیل الاوطار ۲/۳۰۰)۔

۴۔ غزوۂ خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج بن علاط کو مکہ بھیجا ہے اور وہ بھی بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے (نیل الاوطار ۲/۳۰۱)۔

۵۔ احرام کا تعلق اصل میں حج وعمرہ کی عبادت سے ہے نہ کہ حرم شریف کے احترام سے، یہی وجہ ہے کہ احرام حج وعمرہ کی تکمیل ہی پر کھولا جاتا ہے، اگر احترام حرم کی بنا پر احرام ہوتا تو حل میں رہنے والوں کے لئے احرام ضروری ہوتا، ان دونوں نقاط نظر کے سلسلہ میں اہم منصوص اور معقول دلائل ہیں، اور گو فریقین نے ایک دوسرے کے دلائل کے جوابات بھی دیئے ہیں، لیکن یہاں تقابل اور ترجیح مقصود نہیں، بلکہ اس قدر عرض کرنا ہے کہ یہ دونوں ہی رائیں مناسب دلائل وبراہین پر مبنی ہیں، اور نفس مسئلہ پر نہیں بلکہ موجودہ حالات کی روشنی میں ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔

غور طلب نکات دو ہیں: اول یہ کہ جو حضرات احرام کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں (حطابین) کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، تو ان کا یہ استثناء کسی نص پر مبنی ہے اور وہ نص تعبدی ہے یا یہ استثناء معلول بالعلۃ ہے اور علت دفع حرج ہے؟ دوسرے کیا موجودہ حالات میں ڈرائیوروں اور

تاجروں کو احرام باندھ کر جانے کا پابند کرنے میں حرج محسوس کیا جاتا ہے، کیا وہ واقعی معتبر بھی ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں کے لئے استثناء کوئی تعبدی حکم نہیں، بلکہ علت حرج ہی سے متعلق ہے، غور فرمائیے کہ حرم شریف کا احترام تو ان لوگوں کے لئے بھی ہے، جو حدود حرم کے اندر رہتے ہوں، بلکہ اگر میقات کے مفہوم کو آپ عام قرار دیں تو اہل حل کے لئے وہ حصہ بھی گویا میقات ہی ہے جہاں حرم کی ابتداء ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ جو شخص حل کے اندر ہو "فوقته للحج والعمرة الحل" (اللباب فی شرح الکتاب ۱،۱۸۰)۔

پس جن حدیثوں میں "لا تجاوز الوقت إلا بإحرام" (نصب الرایۃ ۳،۱۵) کا لفظ آیا ہے، وہ گویا آفاقی اور حلی دونوں ہی کو شامل ہے، اس سے بھی زیادہ صریح روایت بیہقی کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے: "لا یدخل أحد مکة إلا محرما"، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے (نیل الاوطار ۲؍۳۰۰)، اس میں تو ہر اس شخص کے لئے احرام کو ضروری قرار دیا گیا ہے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے وہ حدود میقات کے باہر سے آئے یا اندر سے، اب ظاہر ہے کہ جن فقہاء نے اہل حل کا اور ایندھن فروشوں کا اس سے استثناء کیا ہے، وہ دفع حرج ہی کے تحت ہے، اسی لئے ابن ہمام کہتے ہیں:

"من کان داخل المیقات له أن یدخل مکة بغیر إحرام لحاجته لأنه یکثر دخول مکة وفی إیجاب الإحرام فی کل مرة حرج بین" (فتح القدیر ۳،۲۲۵)۔

لہٰذا اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ یہ استثناء و تخصیص معلول بالعلۃ ہے، اور اہل حل اور ایندھن فروشوں کو مستثنیٰ کرنا دفع حرج کی علت پر مبنی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آج کل ڈرائیور اور تجار کی بار بار حرم میں آمد و رفت ایسا حرج ہے یا نہیں جو معتبر ہو؟ اس سلسلہ میں علامہ عینی کی یہ عبارت چشم کشا ہے:

"وقال أبو عمر: لا أعلم خلافا بین فقهاء الأمصار فی الحطابین ومن یدمن الاختلاف إلی مکة ویکثره فی الیوم واللیلة أنهم لا یأمرون بذلك لما علیهم فیه من المشقة" (عمدۃ القاری ۱۰،۲۰۵)۔

نیز مولانا عبدالحی لکھنوی رقمطراز ہیں: "ورخصوا للحطابین ومن یکثر دخولهم ولمن خرج منها یرید بلده ثم بدا له أن یرجع کما صنع ابن عمر" (التعلیق الممجد ۲۱۹)۔

اس لئے جن لوگوں کو روزانہ ایک یا اس سے زیادہ دفعہ میقات سے گذر کر مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے، اس کے لئے واقعۃً یہ حرج ہے اور اس حرج کا معتبر ہونا خود فقہاء حنفیہ کی عبارت سے واضح ہے، اس لئے اس کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

ایک فقہی مذہب سے دوسرے فقہی مذہب کی طرف جزوی عدول کے لئے علماء اصول نے جن شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے، ان میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، اول یہ کہ وہ دوسری رائے بھی قوی دلیل پر مبنی ہو بقول علامہ علائی: "إذا رأی القول المخالف لمذهب إمامه دلیلا قویا راجحا" (تیسیر التحریر ۴،۲۵۵)، اور دوسرے یہ کہ کوئی ضرورت اس عدول کی متقاضی ہو، علامہ شامی کا بیان ہے:

"والحاصل أنه إذا أتفق أبو حنیفه وصاحباه علی جواب لم یجز العدول عنه إلا لضرورة" (رسم المفتی ۴۰)۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ فقہاء جہاں مسائل فقہیہ میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف عدول کی بات کرتے ہیں وہاں ضرورت سے اضطرار یا اصطلاحی ضرورت مراد نہیں ہوتی، علامہ حصکفی نے سفر میں جمع بین الصلاتین کی اجازت بر بنائے ضرورت دی ہے، اور شامی نے اس ضرورت کی تشریح ایک گونہ مشقت سے کی ہے، "وما فیه نوع مشقة" (رد المحتار ۲،۲۵۶)۔

پس نصوص شارع میں تخصیص کے لئے جس درجہ کا حرج مطلوب ہوتا ہے، فقہاء کے اجتہادات میں ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف عدول کے لئے اس درجہ کی ضرورت مطلوب نہیں، اور زیر بحث مسئلہ میں حرج کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ اس عدول کے جائز ہونے کے لئے کافی ہے، اور جہاں تک حیلہ کی بات ہے تو اس حیلہ میں جو تکلف ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، علاوہ اس کے خیال ہوتا ہے کہ فقہاء نے جہاں کہیں حیلوں کی رہنمائی کی ہے، وہاں کسی سخت ضرورت کی وجہ سے عارضی طور پر اس عمل کی گنجائش فراہم کرنا مقصود ہے، اب روز روز آنے والے تاجروں کو مشورہ دینا کہ وہ ہمیشہ اسی حیلہ سے کام لیا کریں اور حیلہ کو ایک مستقل عمل بنالیں درست نظر نہیں آتا، اس طرح دین کے بازیچہ اطفال بن جانے اور شریعت کے اوامر و نواہی کی بابت بے حسی و بے احترامی پیدا ہو جانے کا

اندیشہ ہے۔

لہذا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حرم میں عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد سے داخلہ کے لئے احرام کا واجب ہونا یا نہ ہونا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک احرام واجب نہیں، اور وہ بھی اپنی اس رائے کے لئے قوی دلائل رکھتے ہیں۔

۲۔ حل میں رہنے والوں اور ایندھن فروشوں کے لئے بلا احرام داخل ہونے کی اجازت علت حرج پر مبنی ہے۔

۳۔ ایسے لوگ جن کو روز میقات سے گذر کر حرم میں داخل ہونا پڑتا ہو، ان کا حرج اس درجہ کا ہے جو ایک فقہی مسلک سے دوسرے فقہی مسلک کی طرف جزوی انتقال کے لئے کافی ہے اور عدول اختلاف برہان پر مبنی نہیں، بلکہ اختلاف زمان پر مبنی ہے۔

لہذا فی زمانہ ان لوگوں کے لئے جن کو بار بار اور روزانہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے بلا احرام داخل ہونا جائز ہونا چاہئے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

سوال نمبر ۸ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب سے متعلق ہے، اس سوال سے متعلق بھی انہیں پینتالس حضرات کے جواب آئے ہیں، ان میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ان افعال میں ترتیب واجب ہے، دوسرے مقالہ نگاروں کے نزدیک موجودہ حالات میں مذبح کی دوری، ازدحام کی کثرت اور لوگوں کی جہالت و ناواقفیت کے باعث دیگر فقہاء اور صاحبین کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، جس کے مطابق افعال میں ترتیب واجب نہیں۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے کہ طواف زیارت اور باقی تین افعال رمی، قربانی اور حلق کے درمیان بالاتفاق ترتیب واجب نہیں، اس پر بھی اتفاق ہے کہ حج إفراد ادا کرنے والے کے لئے چونکہ قربانی واجب نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں قربانی میں بھی ترتیب ضروری نہیں، تمتع اور قران کرنے والے کے لئے ان تینوں افعال میں ترتیب کی رعایت مسنون ہے نہ کہ واجب، اور اسی بنا پر اگر ترتیب کی رعایت نہ کی گئی ہو تو دم واجب نہیں (المدونۃ ۱ر ۳۲۳ تحفۃ المحتاج ۱ر ۱۲۲، الاقناع ۱ر ۱۹۱)، البتہ امام مالک نے رمی سے پہلے بال منڈانے والے پر فدیہ واجب قرار دیا ہے۔

"فما يقول مالك فيمن حلق قبل أن يرمي الجمرة؟ قال مالك عليه الفدية" (المدونة الكبرى ۱.۳۲۳)۔

اور حنابلہ نے جانتے بوجھتے ترتیب کی خلاف ورزی کو باعث کراہت کہا ہے (الاقناع ۱ر ۳۹۱)، فقہاء احناف میں بھی صاحبین کے نزدیک ترتیب سنت ہے واجب نہیں، اس لئے اگر ان افعال میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔

"أما عندهما فعدم التاخير سنة حتى لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شئ عليه" (رد المحتار ۲.۲۵۰)۔

ان حضرات کا استدلال ان مشہور روایات سے ہے جو صحاح میں منقول ہیں، اور جن میں حلق قبل الذبح اور ذبح قبل الرمی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا حرج" فرمایا، حرج سے یہ حضرات حرج دنیوی اور حرج اخروی دونوں ہی مراد لیتے ہیں، یعنی نہ ایسے شخص پر دم جنایت واجب ہوگی اور نہ وہ آخرت میں گنہگار ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کی خلاف ورزی کی صورت میں دم جنایت بھی واجب ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲ر ۱۳۳، المبسوط ۴ر ۶۵)۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے: "من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما"۔

علامہ ترکمانی نے اس کو امام مسلم کی سند پر صحیح قرار دیا ہے (الجوہر النقی ۱ر ۷۴)۔

اس کے علاوہ جیسے نماز کے افعال جس ترتیب سے آپ سے ثابت ہیں یہی ترتیب ان کی ادائیگی میں ملحوظ ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ حج کے افعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس ترتیب سے ثابت ہوں اسی ترتیب سے ان کی انجام دہی ضروری ہو۔

لیکن امام ابوحنیفہ کے نقطہ نظر کی بابت دو باتیں ضرور ملحوظ رہنی چاہئیں، اول یہ کہ اگر کوئی شخص ترتیب کے مسئلہ سے واقف نہ ہو، اور عدم واقفیت کی بنا پر

ترتیب کی خلاف ورزی کردے تو خود امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اس پر کچھ واجب نہیں، فقہ کی متداول کتابوں میں اس بابت موجود نہیں لیکن خود امام محمد نے ''کتاب الحجة علی أهل المدینة'' میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

أخبرنا محمد عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شئ عليه وقال أهل المدينة إذا جهل الرجل فحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة افتدى (كتاب الحجة على أهل المدينة ٢،٢٧١،٢٧٢)۔

گویا امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں عالم اور جاہل کے درمیان فرق کیا ہے، امام محمد کا استدلال اس پر بڑا لطیف اور نفیس ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی راویت میں ہے:

جاء رجل فقال يا رسول الله لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج، قال آخر يا رسول الله لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي قال أرم ولا حرج۔

تو یہاں استفسار کرنے والے شخص نے عدم شعور یعنی عدم علم کی بنا پر ترتیب کی خلاف ورزی کی تھی، لہذا ''لاحرج'' کا حکم بھی ایسے ہی شخص کے ساتھ مخصوص ہوگا جو عدم علم کی بنا پر اس کا مرتکب ہوگا، گویا لم أشعر، لم أكن عالما بحكم الترتيب کے معنیٰ میں ہے، امام بخاری کا ایک ترجمة الباب بھی امام محمد کے اس استدلال کو تقویت پہنچاتا ہے، بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس والی روایت پر یوں عنوان قائم کیا ہے: ''باب إذا رمى بعد ما أمسى أو حلق قبل أن يذبح ناسيا أو جاهلا''۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی واجبات حج کا ترک اس وقت موجب دم ہوتا ہے جب بلا عذر واجب کو ترک کیا گیا ہو، گو اس سلسلہ میں مشائخ کے یہاں ایک گونہ اختلاف ہے لیکن کاسانی نے اسی کو ترجیح دیا ہے کہ عذر کی بنا پر ترک واجب موجب دم نہیں، کاسانی نے سعی بین الصفا والمروۃ کو واجب بتاتے ہوئے لکھا ہے:

إذا كان واجبا فإن تركه لعذر فلاشئ عليه وإن تركه لغير عذر لزمه دم لأن هذا حكم ترك الواجب في هذا الباب (بدائع الصنائع ٢،١٣٤)۔

علامہ شامی نے بھی جنایات کے باب میں شروع ہی میں بطور اصول اس کا ذکر فرمایا ہے (ردالمحتار ۲؍۲۰۰) جس سے خیال ہوتا ہے کہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اس طرح اگر کوئی شخص ناواقفیت یا عذر کی وجہ سے ان افعال میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بھی اس پر دم واجب نہیں ہوگا، نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ چونکہ خاص کر قربانی میں مطلقاً نیابت جائز ہے، اس لئے مذبح کی دوری چنداں مضر نہیں۔

پس جمہور اور صاحبین کی رائے بھی قوی دلیل پر مبنی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن مسائل میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہو ان میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دینا اصحاب افتاء کے یہاں کوئی نادر اور قلیل الوقوع امر نہیں، نیز مشائخ نے اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ صاحبین کا قول بھی در اصل امام ابوحنیفہ ہی کے ایک قول کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ان سب کے باوجود بظاہر اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے کی طرف عدول کی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اس مسئلہ میں بھی فریقین کے پاس قوی دلائل موجود ہیں۔

۲۔ اگر جہالت یا ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب کی خلاف ورزی ہو تو امام ابوحنیفہ کے یہاں بھی یہ موجب دم نہیں۔

۳۔ عذر کی بنا پر ترتیب کی خلاف ورزی کرنی پڑے تب بھی اس سے دم واجب نہیں ہوگا۔

۴۔ جو لوگ ترتیب کے مسئلہ سے واقف بھی ہوں اور کوئی عذر ان کے لئے اس ترتیب پر عمل کرنے سے مانع نہ ہو ان کے لئے ترتیب واجب ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

(سوال نمبر ۳، ۴، ۵، ۹)

مفتی انور علی اعظمی [1]

سوال نمبر ۳

مکہ مکرمہ میں مقیم اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اشہر حج کے شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں یعنی مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کل تینتالیس رائیں مرسلہ مقالات سے حاصل ہوئیں، ان میں سات حضرات مکہ میں مقیم شخص کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش سمجھتے ہیں، اور بقیہ چھتیس مقالہ نگار اس حق میں ہیں کہ ایسے شخص کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرات مجوزین کے اسماء یہ ہیں: مولانا اخلاق الرحمن، مولانا ایوب ندوی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد اللطیف کاکوی، مولانا عتیق احمد بستوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ارشاد احمد۔

حضرات مانعین کے اسماء یہ ہیں: مولانا خورشید انور بنارس، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا اشتیاق احمد مئو، مولانا انور علی مئو، مولانا ابوسفیان مئو، مولانا برہان الدین سنبھلی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی مصلح الدین بڑودہ، مولانا شاہین جمالی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سراج الدین، مولانا تنویر عالم قاسمی، حکیم ظل الرحمن دہلی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا شکیل احمد بستوی، مولانا عبد السلام ابوہریرہ سلفی، مولانا رئیس احمد ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد جنید احمد قاسمی، مولانا ابرار الحق، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الرشید گورینی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو۔

جن حضرات نے اس مسئلہ میں جواز کا قول نقل کیا ہے، ان میں سے متعدد حضرات کا استدلال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے اہل وعیال بھی مکہ ہی میں رہتے ہیں وہ تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرنے کے بعد اپنے بال بچوں میں یعنی اپنے گھر میں رہے گا، لہذا اس کی جانب سے تمتع متحقق ہی نہیں ہوگا بلکہ المام صحیح ہوجانے کی بنا پر اس کا حج مفرد ہی ہوگا، ان لوگوں نے شامی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے:

''أما التمتع فإنه لا يتصور للإلمام الذی يوجد منه بينهما'' (شامی ۲،۱۹۸)۔

اس مسئلہ میں علامہ شامی نے ایک طویل بحث کے بعد اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ مکی سے قران کا تصور تو ہوسکتا ہے، تمتع کا تصور نہیں ہوسکتا۔

صحیح بخاری میں ''باب قول الله عزو جل ذلك لمن لم يكن أهله حاضری المسجد الحرام'' کے تحت ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں: ''فإن الله أنزله فی كتابه وسنة نبيه ﷺ وأباحه للناس غير أهل مكة قال الله تعالىٰ ذلك لمن لم يكن أهله حاضری المسجد الحرام'' (صحیح بخاری مع الفتح ۳،۲۲۶)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں مجاہد، عروہ، طاؤس، میمون اور امام زہری جیسے بڑے بڑے تابعین کے آثار منقول ہیں جو اہل مکہ کے لئے حج تمتع کے عدم جواز پر دال ہیں، ہدایہ اور فقہ حنفی کی دیگر کتب میں منقول ہے:

''ليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة'' (هداية مع الفتح ۳،۱۰)۔

[1] دار العلوم مئو یوپی۔

مذکورہ جملہ عبارات اس بات پر صراحت کررہی ہیں کہ مکی کے لئے تمتع اور قران درست نہیں ہیں، نیز یہ کہ مکی کے لئے متعہ متصور ہے، الماملم صحیح کو بنیاد بنا کر مکی سے تمتع کی نفی کرنا درست نہیں ہے، مزید وضاحت کی خاطر ملا علی القاری کی عبارت لباب سے نقل کی جاتی ہے، ملا علی القاری نے پہلے فقہاء احناف کے دونوں قسم کے اقوال نقل کئے ہیں یعنی تحقق متعہ کا قول اور بطلان متعہ کا قول، اس کے بعد تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وفيه أن الجمع بين كلام أئمة المذاهب وقول المشائخ هو الأولى بالاعتبار بأن نقول قولهم تمتعهم مرادهم بطل تمتعهم المسنون لا تمتعهم اللغوى بلا مرية عندهم وكذا تصريحهم فى الشرط بأن الشرط إنما هو فى التمتع المسنون لا لمطلق التمتع وإلا فلا معنى لوجوب الدم والله سبحانه وتعالى أعلم''، پھر ملا علی القاریؒ نے الماملم صحیح کا بھی جواب دیا ہے:

وأما الجواب عن الإلمام فهو أن إلمام أهل مكة ليس يضرهم لما وقع اتفاق علماء الأعلام من أن الآفاقى إذا كان معه أهل صح له التمتع وإنما يضره الإلمام إذا كان بعد فراغه من عمرته سافر إلى بلده أو قريته من نحو كوفة أو بصرة ونزل بأهله كما هو مقرر فى محله وهذا غاية التحقيق والله ولى التوفيق (شرح لباب لعلى القارى ۱۵۳)۔

ان دلائل کی بنا پر راقم السطور کی رائے یہی ہے کہ اہل مکہ کے لئے قران اور متعہ مکہ میں رہتے ہوئے درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴

جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع اور قران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں، ان کے مسلک کے اعتبار سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حج میں میقات کے باہر گئے پھر مکہ مکرمہ واپسی پر اگر بغیر احرام باندھے میقات کے اندر داخل ہوں تو انہیں دم دینا پڑے گا، اور اگر عمرہ کے احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوں پھر عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے بعد اسی سال حج بھی کریں تو ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا اور دم جنایت لازم ہوگا، اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات کے باہر نہ جائیں، تنگی و دشواری کی بات ہے، کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے، اہل مکہ کی اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں، اس موضوع پر تقریباً چونتیس جوابات موصول ہوئے۔

حضرات مجیبین کو ان کی آراء کی روشنی میں چار حصوں میں تقسیم کی جاسکتا ہے:

۱۔ بعض حضرات نے اس مشکل کا یہ حل پیش کیا ہے کہ ایسا شخص احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہے، احرام کی پابندی اس شخص کے لئے ہے، جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے میقات تجاوز کرنا چاہتا ہو، اس رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا عبدالسلام ابوہریرہ سلفی، مولانا رئیس احمد ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محبوب علی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایسا شخص عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگا اور عمرہ بھی کرے گا اور اسی سال حج بھی کرے گا اور اس پر دم جنایت بھی لازم نہیں ہوگا، کیونکہ مکی کی جانب سے تمتع متحقق ہی نہیں ہوگا، اس کے قائلین مندرجہ ذیل علماء کرام ہیں: مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا عتیق احمد بستوی۔

۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ مکی کے لئے تمتع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر اس کے اوپر حج فرض ہے تو اشہر حج میں میقات سے باہر نہ جائے اور اخروی نفع کے سامنے دنیوی خسارہ کو قبول کرے، اور اگر حج کی فرضیت سے سبکدوش ہو چکا ہے تو اس سال عمرہ پر اکتفا کرے اور حج نفل سے احتراز کرے، اس رائے کے قائل ہیں:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مئو۔

اس رائے کے قائلین میں مولانا شاہین جمالی اور قاری ظفر الاسلام کا خیال یہ ہے کہ ایسا شخص حیلہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہو۔

۴۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص عمرہ کے احرام کے ساتھ حدود حرم میں داخل ہو اور عمرہ بھی کرے پھر حلال ہونے کے بعد اس سال حج بھی کرے اور خلاف مسنون امر کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے دم جنایت ادا کرے، اس کے قائلین ہیں:

مولانا اشتیاق احمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا انور علی اعظمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا خورشید انور

اعظمی مظہر العلوم بنارس، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابرارالحق صدیقی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ارشاد احمد قاسمی، مولانا محمد نورالقاسمی، حکیم ظل الرحمن۔

اس مشکل کے حل کے لئے احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا ابن عباس کے اس اثر کے خلاف ہے جس کو ابوالشعثاء نے روایت کیا ہے: أنه رأى ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما یرد من جاوز المیقات غیر محرم (مسند شافعی ۱۲)۔

نیز علامہ شوکانی نے بیہقی کے حوالہ سے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید کہا ہے، وہ یہ ہے: ''لا یدخل أحد مكة إلا محرما'' (نیل الأوطار ۵؍۲۸)۔

اسی طرح یہ کہنا کہ یہ لوگ عمرہ بھی کریں اور حج بھی کریں ان کی جانب سے تمتع کا وجود متصور ہی نہیں ہے، اگر چہ علامہ شامی نے اس قول کی حمایت کی ہے مگر دوسرے فقہاء نے اس کا رد کیا ہے اور اس کی صراحت کی ہے کہ اہل مکہ کا اپنے اہل وعیال میں جانا المام صحیح نہیں ہوگا، لہٰذا ان سے بھی تمتع کا تصور ہے بلکہ اشہر حج میں دونوں کو جمع کرنے سے اس کا تحقق بھی ہوگا، لیکن ان کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اس کے تفصیلی دلائل سوال نمبر (۳) کے عرض مسئلہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔

ان کا اہل وعیال میں جانا المام صحیح نہیں ہوگا، ملا علی قاری اہل مکہ کے المام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وأما الجواب عن الإلمام فهو أن إلمام أهل مكة ليس يضرهم لما وقع اتفاق علماء الأعلام من أن الآفاقي إذا كان معه أهل صح له التمتع وإنما يضره الإلمام إذا كان بعد فراغه من عمرته سافر إلى بلده أو قريته من نحو كوفة أو بصرة ونزل بأهله كما هو مقرر في محله وهذا غاية التحقيق والله ولي التوفيق (شرح اللباب لملا علی القاری ۱۵۲)۔

ان دونوں اقوال کے بعد مذکورہ مشکل کے حل کا ایک راستہ احتیاط کا ہے کہ اہل مکہ یا تو اشہر حج کے شروع ہونے کے بعد سفر سے پرہیز کریں جبکہ انہیں فرض حج ادا کرنا ہو یا اس سال صرف عمرہ پر اکتفا کریں، اگر فرضیت حج سے سبکدوش ہو چکے ہوں اس کے باوجود اگر وہ نفلی حج کرنا ہی چاہتے ہیں اور حج کی فضیلت اور ثواب سے اپنے کو محروم نہیں رکھنا چاہتے تو ان کے لئے ایک راستہ یہ بچ جاتا ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائز عمرہ کریں پھر عمرہ کے احرام سے حلال ہو کر حج بھی کریں اور دم دیں، اگر چہ ایسا کرنا خلاف سنت ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں، البتہ اگر حج کا زمانہ قریب ہو تو حج کے احرام کے ساتھ داخل ہوں اور صرف حج کرلیں جب بھی ان کے لئے کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔

سوال نمبر ۵

تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کل تینتالیس رائیں موصول ہوئیں۔

ان میں چونتیس مقالہ نگاروں کے نزدیک متمتع حج کا احرام باندھنے سے مزید عمرے کرسکتا ہے، پانچ حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ کہا ہے، چار مقالہ نگاروں نے ممنوع قرار دیا ہے، مانعین میں جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی اور مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی ہیں۔

خلاف اولیٰ کہنے والوں میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرارالحق دارالعلوم سبیل السلام، مولانا عبیداللہ اسعدی اور مولانا عتیق احمد بستوی ہیں۔

اسماء مجوزین

مولانا خورشید احمد مئو، مولانا اشتیاق احمد دارالعلوم مئو، مفتی انور علی دارالعلوم مئو، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نورالقاسمی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی بنارس، مفتی محبوب علی رامپوری، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، قاری ظفر الاسلام، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا شکیل احمد دارالعلوم اسلامیہ بستی، مولانا عبداللطیف مظاہری، حکیم ظل الرحمن، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی میرٹھ، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا جنید احمد فلاحی، مولانا رئیس احمد ندوی اور مولانا عبدالسلام ابوہریرہ سلفی۔

مانعین میں شمس پیرزادہ صاحب نے یہ دلیل دی ہے کہ اس کی کوئی مثال دور رسالت میں نہیں ملتی، خلاف اولیٰ کہنے والوں میں اکثر حضرات نے اختلاف سے بچنے کے لئے عمرہ کے ترک کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ طواف اور دوسری عبادات میں اپنے کو مشغول رکھے۔

وہ مجوزین جو مزید عمرے کو اولیٰ بتاتے ہیں، انہوں نے ابن قدامہؒ، امام نوویؒ اور متعدد حنفی فقہاء کی عبارات سے استدلال کیا ہے مثلاً لباب کی یہ عبارت اس مسئلہ میں بہت واضح ہے (ولا يكره الاكثار منها) أى من العمرة فى جميع السنة خلافاً لمالك (بل يستحب) أى الاكثار منها على ما عليه الجمهور (ص۲۶۵)۔

شرح مہذب میں امام نووی تحریر فرماتے ہیں: ''فى مذاهبهم فى تكرار العمرة فى السنة مذهبنا أنه لا يكره ذلك بل يستحب و به قال أبو حنيفة و أحمد وجمهور العلماء من السلف والخلف الخ (كتاب المجموع شرح مهذب ۷،۱۲۴)۔

اور حافظ ابن حزم نے بھی المحلی میں اکثار عمرہ کو مستحب قرار دیتے ہوئے مانعین پر انتہائی بلیغ رد کیا ہے: ''والحج لا يجوز إلا مرة فى السنة وأما العمرة فيجب الإكثار منها لما ذكرنا من فضلها واحتج من كره ذلك بأن رسول الله ﷺ لم يعتمر فى عام إلا مرة واحدة قلنا: لا حجة فى هذا لأنه إنما يكره ما حض على تركه وهو عليه السلام لم يحج مذ هاجر إلا حجة واحدة ولا اعتمر مذ هاجر إلا ثلاث عمر فيلزمكم أن تكرهوا الحج إلا مرة فى العمر وأن تكرهوا العمرة إلا ثلاث مرات فى الدهر وهذا خلاف قولكم وقد صح أنه كان عليه السلام يترك العمل و يحب أن يعمل به مخافة أن يشق على أمته أن يفرض عليهم (محلى لابن حزم ۷،۶۸،۶۹)۔

حاشیہ (البحر الرائق ۲/۳۶۶) پر ہے: هذا المتمتع آفاقى غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف''۔

درمختار کی عبارت کے ذیل میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''أقام بمكة حلالا (أى المتمتع) أفاد أنه يفعل ما يفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بداله ويعتمر قبل الحج (۲،۲۶۸)۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار واقوال تکرار عمرہ کے استحباب پر دال ہیں، مغنی لابن قدامہ میں ہے: ''ولا بأس أن يعتمر فى السنة مراراً أى ذلك عن على وابن عمر وابن عباس وأنس و عائشة وعطاء و طاؤس و عكرمة والشافعى رحمهم الله (مغنى ۳،۲۲۶)

ان سارے دلائل اور آثار کی روشنی میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ متمتع اگر مزید عمرے کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

سوال نمبر ۹

(الف) کیا حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً پینتالیس جوابات موصول ہوئے، ان میں سبھی پینتالیس مقالہ نگاروں نے اجازت کی صورت میں تمتع کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔

ایک مقالہ نگار مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے اجازت کے باوجود تمتع نہ کرنے کو احوط کہا ہے، نفس جواز سے ان کو بھی اختلاف نہیں تو گویا آمر کی اجازت کی صورت میں تمتع کا جواز سبھی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس مسئلہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی رائے کو ترجیح دی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب مولانا ظفر احمد تھانوی کے فتوے کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: بروئے مذہب حج عن الغیر ادا ہونے کے لئے حج میقاتی ہونا شرط ہے تو پھر جواز تمتع کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی عبارت سے تمتع کا عدم جواز مترشح ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں زمانہ حال کی نزاکت اور فقہاء کرام کی صراحتوں کا تقاضہ یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے پر تمتع کی روک نہ لگائی جائے، افراد کی پابندی بعض حالات میں حج بدل کرنے والے کے لئے پریشانی کا باعث ہوتی ہے، اور جب اجازت کی صورت میں اکثر وبیشتر فقہاء اور زمانہ حال کے مفتیان کرام اس کی اجازت دیتے ہیں اور عوام الناس کا تعامل بھی یہی ہے تو اس میں کسی قسم کا تردد بھی نہیں ہونا چاہئے غنیۃ المناسک میں صراحۃ ہے: ''إن الأمر بالحج تضمن الأمور بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبركوب أكثر

الطریق ویجعل السفر له وبإفراد السفر له وبإحرامه من المیقات وکذا لو أمره بالعمرة فلو أحل بواحد فهو مخالف إلا إذا وجد الإذن (بغیة المناسك ۱۷۹)۔

ملا علی القاری نے بھی شرح لباب میں صریح اجازت کی صورت میں تمتع کو درست کہا ہے، تحریر فرماتے ہیں: "(فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع) أی بأن نوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فإنه یصیر مخالفاً" آگے لکھتے ہیں: إلا أنه یشکل إذا أمر بإفراد العمرة ثم إتیان الحج بعده أو صرح بالتمتع فی سفره أو بتفویض الأمر إلیه (غنیة ۲۵۳)۔

زمانہ حال کے علماء میں مفتی کفایت اللہ، ابو المآثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مفتی عبد الرحیم لاجپوری وغیرہم نے آمر کی اجازت سے تمتع کو درست کہا ہے، حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی اپنی کتاب رہبر حجاج میں تحریر فرماتے ہیں: حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کا احرام بھی باندھ سکتا ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف کتابوں میں مذکور ہے، اور چند اکابر نے تمتع کو اجازت کے بعد بھی ناجائز قرار دیا ہے، مگر اصح یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کا تمتع کرنا آمر کی اجازت سے جائز ہے، پھر حضرت مولانا نے غنیة اور درمختار کی دو عبارتیں نقل کی ہیں (رہبر حجاج ۳۸)۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے عمدة المناسک مصنفہ مولانا شیر محمد صاحب سے نقل کیا ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ اپنے مامور کو عام طرح اجازت دے دے کہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے افراد بالحج کرو یا قران یا تمتع، پھر حاشیہ میں اس کی تائید میں چند عبارتیں لکھی ہیں (ملاحظہ ہو: عمدة ۴۴۱-۴۴۲)، اس لئے آمر کی صریح اجازت کی صورت میں تمتع کے جواز میں کوئی تردد نہیں رہ جاتا۔

ب۔ حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟

حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر جبکہ ظن غالب یہ ہے کہ وہ اجازت نہیں دے گا محض عرف اور تعامل کو بنیاد بنا کر یا دلالةً اجازت کو کافی سمجھ کر حج تمتع کرسکتا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں تقریباً چھتیس (۳۶) رائیں دستیاب ہوئیں، ان میں تیئیس (۲۳) مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ نہیں کرسکتا جبکہ تیرہ (۱۳) مقالہ نگار مذکورہ صورت میں تمتع کی گنجائش دیتے ہیں۔

اسماء مجوزین...... مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی مصلح الدین بڑودہ، مولانا زبیر احمد، مولانا عبد السلام ابو ہریرہ، مولانا رئیس احمد ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبد الرحیم بھوپالی، مولانا محبوب علی رامپوری۔

اسماء مانعین

مولانا انور علی دار العلوم مئو، مولانا اشتیاق احمد مئو، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا فضل الرحمن افضل، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا تنویر عالم، مولانا محمد جنید احمد فلاحی، مولانا شاہین جمالی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی، مولانا عبد الرشید، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا عبد اللطیف مظاہری، مولانا محمد عمر فلاحی، قاری ظفر الاسلام مئو، مولانا عبد القیوم پالن پوری، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا عبد الفتاح عادل، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی اور ابوسفیان مفتاحی اور مولانا محمد ایوب۔

حضرات مجوزین نے اپنی دلیل میں عام طور پر تعامل "المعروف کالمشروط" یا اجازت بوجہ دلالت حال کو پیش کیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مبسوط سرخسی سے ایک جملہ نقل کیا ہے: "إذ یثبت الإذن دلالة" اور اسے صاحبین کی رائے قرار دیا ہے، لیکن مسئلہ مذکورہ میں جز (الف) میں گذری بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی نزاکت ہے، صریح اجازت کے باوجود بھی بعض اکابر نے منع کیا ہے، فقہاء احناف کی کتب معتبرہ میں عام طور پر تمتع کا جواز بإذن الآمر ہی مصرح ہے، لہذا اجازت لینا حج بدل کرنے والے کی ذمہ داری تھی، اجازت نہ لینے کی صورت میں وہی طریقہ اپنانا چاہئے جو اختلاف سے دور ہو، اگر آمر نے صرف حج کا حکم دیا ہے تو صرف حج کا احرام باندھے، ملا علی القاری لکھتے ہیں: (فلو أمره بالإفراد) أی بالحج أو العمرة (فقرن) أی عن الآمر فهو مخالف ضامن عند أبی حنیفة وعندهما یجوز ذلك عن الآمر استحساناً... (أو تمتع) أی بأن نوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فإنه یصیر مخالفاً إجماعاً علی ما فی البحر الزاخر ولعل وجهه أنه مأمور بتجرید السفر للحج عن المیت فإنه الفرض علیه (۲۵۳)۔

موجودہ زمانہ کے علماء اور اصحاب افتاء میں سے جن حضرات نے تمتع کی اجازت دی ہے مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن

الاعظمی صاحب، مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب، مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب، ان سب لوگوں نے اجازت صریحہ کی صورت میں اس کو جائز کہا ہے، اس لئے بندہ کی رائے یہی ہے کہ غلبہ ظن اور اجازت صریحہ نہ ہونے کی صورت میں حج بدل کرنے والا تمتع نہ کرے اس کی گنجائش نہیں ہے، مفتی کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں: جبکہ آمر نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جب آمر خارج میقات کا رہنے والا ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو، اور اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کیا ہے۔

ج۔ آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دیتا تو تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں چوالیس (۴۴) رائیں موصول ہوئیں، ان میں چھتیس (۳۶) حضرات ظن غالب کی بنا پر تمتع کے قائل ہیں اور چھ (۶) حضرات ظن غالب کے باوجود تمتع کی گنجائش کے حق میں نہیں ہیں۔

حضرات مجوزین

مولانا انور علی مئو، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی کنہواں، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا فضل الرحمن افضل حیدرآباد، مولانا خورشید احمد اعظمی مئو، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا شکیل احمد بستی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا شاء الہدیٰ قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا مصلح الدین بڑودوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، حکیم ظل الرحمن دلی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا منظور احمد قاسمی شیخوپور، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا محبوب علی رامپوری، مولانا سراج الدین قاسمی مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا عبدالسلام ابو ہریرہ، مولانا ارشاد الحق گورینی۔

حضرات مانعین

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد جنید احمد سبیل السلام حیدرآباد، مولانا قاری ظفر الاسلام دار العلوم مئو، مولانا اشتیاق احمد دار العلوم مئو، مولانا خورشید انور مظہر العلوم بنارس، مولانا محمد نور القاسمی جے پور۔

حضرات مانعین نے اپنے جواب میں بطور دلیل کے کوئی صریح جزئیہ خاص اس شق کے لئے ذکر نہیں کیا بلکہ زیادہ تر الف میں بیان کئے ہوئے دلائل کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس سے اس جز پر استدلال غیر واضح معلوم ہوتا ہے کیونکہ شریعت مطہرہ نے غلبہ ظن کو بیشتر مسائل میں یقین کا درجہ دیا ہے، مثلاً استقبال قبلہ کے معاملہ میں، اور تیمم کے مسئلہ میں پاکی کے پاک اور ناپاک ہونے میں، اور بھی بہت سے مسائل میں، لہذا اگر مامور کو گمان غالب ہے کہ آمر تمتع کی اجازت دے دیتا تو بندہ کے نزدیک غلبہ ظن کو جواز تمتع کی بنیاد بنانا درست ہے۔

د۔ باذن الآمر یا بدون إذن الآمر تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع آمر کے مال میں لازم ہوگا یا حج بدل کرنے والے کے مال میں؟ تمام شقوں کی تفصیل کی جائے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں چند شقیں ہیں:

۱۔ آمر اپنی خوشی سے مامور کو دم تمتع کی رقم الگ سے دیدے یا اس کی صریح اجازت دیدے، اس صورت میں دم تمتع بالاتفاق آمر کے مال سے دینا جائز اور درست ہے۔

۲۔ آمر کی طرف سے اس مد میں رقم خرچ کرنے کی صریح اجازت نہ ہو تو اس صورت میں دم تمتع کس پر واجب ہوگا، اس سلسلہ میں کل تقریباً چالیس (۴۰) رائیں موصول ہوئیں، دو حضرات مولانا عبدالسلام ابو ہریرہ اور مولانا رئیس احمد ندوی کی رائے ہے کہ دم تمتع ہر حال میں آمر پر ہوگا۔

پانچ اصحاب (مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، مولانا شکیل احمد، مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی) کی رائے یہ ہے کہ اگر تمتع آمر کی اجازت سے کیا ہے تو دم تمتع آمر کے مال سے دے گا اور اگر بدون اذن الآمر کیا ہے تو دم تمتع اپنے مال سے دیگا، ان کے علاوہ تینتیس (۳۳) مقالہ نگاروں نے یہ رائے دی ہے کہ دم تمتع دونوں صورتوں میں مامور کے ذمہ ہے، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا خورشید انور بنارس، مولانا ارشاد گورینی، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نور القاسمی، مفتی حبیب اللہ،

مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا مصلح الدین بڑودہ، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مفتی جمیل احمد نذیری، قاری ظفر الاسلام، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم گجرات، مولانا مفتی انور علی، مولانا عبدالرشید گورینی، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد جنید احمد، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی۔

دم تمتع آمر پر لازم سمجھنے والے مقالہ نگاروں نے عام طور پر عقلی دلیل سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، ایک مقالہ نگار اختر ضیاء قاسمی نے فتاویٰ تاتارخانیہ کی ایک عبارت نقل کی ہے لیکن ان کے حق میں نہیں جاتی بلکہ ان کے خلاف جارہی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

''دم القران والتمتع والجنايات على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن'' (۲،۵۴۸)۔

اس عبارت سے یہی واضح ہورہا ہے کہ آمر کی اجازت کی صورت میں دم قران اور دم تمتع وجنایات سب حاجی پر ہے نہ کہ آمر پر، اگر آمر نے اجازت تمتع کرنے کی دی ہے، ورنہ حاجی آمر کا مخالف ہوگا اور کل حرج کا ضامن ہوگا، لہذا مذکورہ عبارت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دم تمتع حاجی کے ذمہ مانتے ہیں، اسی مفہوم کی عبارت درمختار علی الشامی ۲/۲۳۸ پر مذکور ہے، اور اکثر کتب فقہ حنفی میں اس کی صراحت موجود ہے۔

عقلاً بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دم تمتع حاجی پر ہونا چاہئے کیونکہ وجوب دم کی وجہ ایک سفر میں دو عبادتوں کی ادائیگی سے نفع اٹھانا ہے اور یہ نفع مامور اٹھا رہا ہے نہ کہ آمر، لہذا دم کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوگی۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی تفصیل ہو تو اسے بھی تحریر فرمائیں۔

اس سوال کے جواب میں کل اکتالیس (۴۱) رائیں دستیاب ہوئیں، ان میں سے ایک صاحب مولانا عبدالفتاح عادل کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں ہے، ایک دوسرے مقالہ نگار مولانا اشتیاق احمد دارالعلوم مئو کی رائے میں تمتع نہ کرنا احوط ہے، بقیہ انتالیس (۳۹) مقالہ نگار حضرات کے نزدیک حج عن المیت کی صورت میں تمتع کرنے کی گنجائش ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا محبوب علی رامپوری، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا انور علی مئو، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا خورشید انور بنارس، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالسلام ابوہریرہ، مولانا عبداللطیف مظاہری، حکیم ظل الرحمن، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، جناب شمس پیر زادہ، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا ابرار خاں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا شاہین جمالی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا تنویر عالم، مولانا زبیر احمد، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد جنید احمد، مولانا خورشید احمد مئو، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی مئو، مولانا نعیس احمد ندوی۔

جواز کا قول نقل کرنے والے حضرات کے نزدیک تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے:

۱۔ اگر میت نے تمتع کی وصیت کی ہو اور ترکہ کے ثلث سے اس کی گنجائش بھی ہو تو جواز تمتع پر یہ سارے حضرات بلا کسی شرط کے متفق ہیں۔

۲۔ اگر میت نے حج کی وصیت نہ کی ہو اور مال بھی نہ چھوڑا ہو، ورثاء اپنی خوشی سے تبرعاً حج کروا رہے ہوں یا خود کر رہے ہوں تو بھی جواز تمتع میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس صورت میں ورثہ آمر میں ان کی اجازت ضروری ہوگی۔

عرض مسئلہ:

(سوال نمبر ۶، ۱۰)

مولانا نازبیر احمد قاسمی[1]

مناسک حج میں سے رمی جمرہ میں نیابت کا مسئلہ اور حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کا مسئلہ، انہیں دونوں مسئلہ کے عارض کی حیثیت سے میں آپ کے سامنے آیا ہوں۔

ان مسئلوں کے سوالوں کی ساری جزئیات وتفصیلات آپ حضرات کے علم میں ہیں ہی، اس لئے نفس جواب ہی کے متعلق مختصراً عرض ہے۔

پہلا مسئلہ: رمی جمرہ میں نیابت کے جواز وعدم جواز کا ہے، اس سلسلہ میں تقریباً چھیالیس مقالہ نگاروں کے مقالات ہمیں موصول ہوئے، مطالعہ کے بعد اس مسئلہ سے متعلق ایک نکتہ تو بالکلیہ اتفاقی نظر آیا، ہاں دوسرا نکتہ اختلافی رہا۔

اتفاقی نکتہ: بوجہ عذر رمی جمرہ میں نیابت جائز ہے، بلا عذر جائز نہیں، محض آرام پسندی، کسل مندی کے تحت صرف سہولت وآسانی کی خاطر رمی میں نیابت کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ جز چونکہ اتفاقی ہے اس لئے نہ تو اس کے متعلق دلائل کے نقل ہی کی کوئی ضرورت واہمیت ہماری سمجھ میں آتی ہے اور نہ ان چھیالیس علماء مقالہ نگاروں کے اسماء کی فہرست پیش کرنے میں ہی کوئی فائدہ محسوس ہوتا ہے، اس لئے یہ بساط تو لپیٹ دیا جائے۔

اختلافی نکتہ: عذر کی تحدید وتعیین اور ازدحام کے عذر قرار دیئے جانے اور نہ دیئے جانے میں مقالہ نگاروں کی چند رائیں سامنے آتی ہیں، مختصراً تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سبیل السلام حیدرآباد کا خیال ہے کہ عذر کی حتمی وقطعی تحدید وتعیین مشکل ہے، لوگوں کے حالات وعادات پھر مواقع ومقامات کے مختلف ہونے کے سبب ہر ایک کے حق میں الگ الگ عذر کے درجات ہو سکتے ہیں۔

(۲) مولانا عبد السلام ابوہریرہ سلفی بنارس فرماتے ہیں کہ اسے مبتلی بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے وہ خود فیصلہ کرے گا کہ بنفس خود رمی جمرہ کی استطاعت اس کو ہے یا نہیں اور اسی کے مطابق وہ عمل کرے گا۔

(۳) ان دونوں حضرات کے سوا تقریباً بائیس حضرات مقالہ نگار کا خیال عذر کی تحدید وتعیین کے متعلق یہ ہے کہ جب وہ ایسا مریض وضعیف ہو کہ اس کے لئے قیام کے بدلے بیٹھ کر نماز پنجگانہ درست ہو جائے تو ایسے لوگوں کو معذور کہہ کر رمی جمرہ میں بھی نیابت کی اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں، اس مسئلہ میں ان حضرات کا استدلال درج ذیل جیسی عبارتوں سے ہے:

"وحد المرض أن يصير بحيث يصلي جالساً لأنه لا يستطيع الرمي راكباً ولا محمولا، أما لأنه تعذر عليه الرمي أو يلحقه الضرر" (بغية المناسك ۲۳۶، ۱)۔

"عن محمد إذا كان يصلي المريض جالساً رمي عنه ولا شئ عليه" (ارشاد الساری لملا علی قاری، ۱۶۶)۔

اس نمبر تین میں مذکورہ رائے وخیال والے حضرات درج ذیل ہیں:

[1] ناظم اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی، بہار۔

۱۔ مولانا برہان الدین سنبھلی، لکھنؤ ۲۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی، مہذب پور اعظم گڈھ
۳۔ مولانا ارشاد قاسمی، ریاض العلوم جونپور ۴۔ مولانا خورشید انور اعظمی، مظہر العلوم بنارس
۵۔ مولانا عبداللطیف کاکوسی گجرات ۶۔ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، میرٹھ
۷۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری، کاکوسی گجرات ۸۔ مولانا خورشید احمد اعظمی، رگھوناتھ پورہ مئو
۹۔ مولانا ظفر الاسلام، دار العلوم مئو ۱۰۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتاح العلوم مئو
۱۱۔ مولانا راشد حسین ندوی، رائے بریلی ۱۲۔ مولانا منظور احمد القاسمی، شیخوپورہ اعظم گڈھ
۱۳۔ مولانا انور علی اعظمی، دار العلوم مئو ۱۴۔ مولانا عبیداللہ اسعدی، ہتھورا، باندہ
۱۵۔ مولانا قمر العین ندوی، پرتاب گڈھ ۱۶۔ مولانا عتیق احمد بستوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۷۔ مولانا ابراہیم فلاحی، گجرات ۱۸۔ مولانا سید مصلح الدین، بڑودہ گجرات
۱۹۔ مولانا نور قاسمی، جامعہ ہدایہ جے پور ۲۰۔ مولانا اسعد اللہ قاسمی، روضۃ العلوم ٹانڈہ
۲۱۔ مولانا محمد ایوب ندوی، بھٹکل ۲۲۔ مفتی عبدالرحیم، جامعہ حسینیہ خیر العلوم بھوپال

ہمارا خیال ہے کہ اگر کوئی مرض وضعف کے اس درجہ میں ہو کہ وہ قیام کی طاقت بھی نہ رکھے اور نماز تک بیٹھ کر ادا کر رہا ہو تو یہ ظاہر ہے کہ رمی پر بھی قادر نہ ہوگا اور اس کے حق میں نیابت فی الرمی یقیناً جائز ہو جائے گی اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں ہو سکتا، یہ صورت حال تو سب کے نزدیک یقیناً عذر کی مسلمہ ہی ہوگی۔

مگر جب سوال یہ ہوگا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسری صورت حال عذر کی ممکن ومتصور ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہوگا، مذکورہ بالا سارے حضرات علماء کرام چونکہ نیابت فی الرمی کے حق میں ازدحام کو مطلقاً عذر نہیں مانتے تو اس کا لازمی مطلب یہی نکل سکتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں ازدحام سے پیدا شدہ صورت حال بھی ایسا عذر نہیں ہوگا جس سے رمی میں نیابت جائز ہو جائے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ عذر جو مبیح نیابت فی الرمی ہے وہ منحصر اور مخصوص ہے بس اسی عدم استطاعت علی الرمی کے ساتھ۔

چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ رمی جمرہ کی جگہ گو محدود ہے مگر وقت میں وسعت ہے، اس لئے وقت کی وسعت سے فائدہ اٹھا کر ازدحام کی اذیت سے بچا سکتا ہے، اگر وقت مستحب وجواز کی رعایت نہ ممکن ہو سکے تو ضعیفوں اور عورتوں کے لئے طلوع شمس کے قبل یا غروب شمس کے بعد رات میں رمی کرنے کی اجازت ہوگی، گویا ان حضرات کے یہاں ازدحام اس حد تک عذر ہے کہ وقت مکروہ میں رمی بلا کراہت صحیح ہو جائے گی مگر نیابت کی گنجائش بہر حال نہ ہوگی۔

اس مسئلہ میں ان حضرات کا استدلال مندرجہ ذیل عبارت سے ہے:

''قد تبين لما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به عذر أو ضعف فى تقديم الرمى قبل طلوع الشمس أو تاخيره إلى الليل لا فى جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية'' (غنية المناسك ١٠٠)۔

مسئلہ بالا میں تقریباً اکیس مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ وہ عذر جس سے رمی میں نیابت جائز ہو سکتی ہے صرف ایسا مرض وضعف ہی نہیں جس سے نماز پنجگانہ میں قیام کے بدلے بیٹھنے کی اجازت ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ عذر بھی مبیح نیابت ہو سکتا ہے کہ جب ازدحام سے ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اس ازدحام کے اندر کسی بھی مرض کے مریض یا بوڑھے کمزور مرد وعورت کے لئے اپنی کمزوری کے سبب قوت مدافعت کی کمی کے بنا پر کچل جانے، یا گر کر کسی عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے، یا دب جانے سے ایسی اذیت شدیدہ کا ظن غالب ہو جائے جو عادۃً ناقابل برداشت ہو تو ایسا ازدحام بھی ایک عذر ہوگا اور ان کے لئے رمی میں نائب بنانا جائز ہوگا، ان حضرات علماء کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب، ممبئی ۲۔ مولانا سراج الدین قاسمی سلیم پور مراد آباد

۳۔مولانا تنویر عالم قاسمی، کنھواں سیتامڑھی ۴۔مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، جامعہ اکل کوا مہاراشٹر

۵۔مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، ابابکر پور ویشالی ۶۔مولانا جمیل احمد نذیری، مبارک پور، اعظم گڑھ

۷۔جناب حکیم ظل الرحمن، دہلی ۸۔مولانا عبدالرشید قاسمی، گورینی جونپور

۹۔مولانا عمر فلاحی، سبیل السلام حیدرآباد ۱۰۔مولانا ابرار خاں ندوی، جامعہ ہدایہ جے پور

۱۱۔مولانا شکیل احمد، دارالعلوم بستی ۱۲۔مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

۱۳۔مولانا اشتیاق احمد اعظمی، دارالعلوم مئو ۱۴۔مولانا فضل الرحمن، سبیل السلام حیدرآباد

۱۵۔اختر ضیاء قاسمی، سبیل السلام حیدرآباد ۱۶۔عبدالفتاح عادل، سبیل السلام حیدرآباد

۱۷۔جنید احمد فلاحی، سبیل السلام حیدرآباد ۱۸۔ابرار الحق صدیقی، سبیل السلام حیدرآباد

۱۹۔اسرار الحق سبیلی، حیدرآباد ۲۰۔ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

۲۱۔مولانا نازبیر احمد، اشرف العلوم سیتامڑھی (عارض مسئلہ)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے سوال ۶ کا جواب ہی نہیں لکھا ہے اس لئے ان کی رائے واضح نہ ہوسکی۔

ان مذکورہ بالا اکیس حضرات کا استدلال غنیۃ المناسک / ۱۳۸ کی اس عبارت سے ہے:

(۱) ''أما ترك الواجب بعذر فلا شئ عليه ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالىٰ فلو كانت من العباد فليس بعذر بخلاف ما إذا منعه خوف الزحام فإنه من الله تعالىٰ فلا شئ عليه''۔

(۲) ''قد رخص رسول الله ﷺ للضعفة من أهله في ترك الوقوف بمزدلفة'' (اعلاء السنن ۱۰،۱۳۶)۔

(۳) ''عند الحنفية يجب بترك الوقوف بها دم لمن ليس له عذر ومن جملة الأعذار عندهم الزحام قاله الحافظ في ''الفتح'' (أيضا)۔

میں اب آخر میں چند باتیں عرض کردینا مناسب سمجھتا ہوں امید ہے کہ غور وبحث کرکے کسی فیصلہ تک پہنچنے میں ان نکات سے ضرور مدد ملے گی۔

الف۔ جن حضرات نے ازدحام کو عذر نہ مانتے ہوئے غنیۃ المناسک کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اس میں ''خوف زحام'' کا لفظ ہے، گویا محض خوف ازدحام عذر نہیں یہ بالکل صحیح کہا جاسکتا ہے۔

ب۔ غنیۃ المناسک کی ہی دوسری عبارت جسے دوسرے حضرات نے اپنا مستدل بنایا ہے اس میں ''خوف زحام'' ہی سے ترک واجب پر لاشئی علیہ کہا گیا ہے۔

ج۔ مگر اعلاء السنن میں جو فتح الباری سے حافظ کی عبارت نقل کی گئی ہے جو دوسری رائے والے حضرات کا مستدل ہے اس میں ''من جملة... الأعذار الزحام'' کا لفظ ہے، گویا محض خوف زحام نہیں بلکہ وقوع ازدحام۔

د۔ جب نماز جیسے فرائض میں قیام کا فریضہ بدل کر قعود ہوسکتا ہے ''من تعذر عليه القيام لمرض حقيقي'' کی صورت میں، یا ''مرض حكمي بأن خاف زيادته أو بطوء برئه بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألماً شديداً'' (درمختار ۱،۵۰۸) کی صورت میں، تو کیا رمی جمرات جیسے واجبات میں غایت ازدحام کے سبب کچل جانے کا ظن غالب، عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا خطرہ ہو، دب دبا کر اذیت شدیدہ سے دوچار ہونا متوقع ہو تو بھی بنفس خود رمی کے بدلے نائب بنانا شرعاً ممنوع ہی رہے گا۔

میرا خیال تو عورتوں کے حق میں یہاں تک ہے کہ ازدحام میں صرف دبنے دبانے اور مردوں سے دھکا کھائے بغیر اگر وہ رمی نہ کرسکے تو عورت کو اپنا نائب بنانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۱۰

اگر کوئی عورت حالت حیض یا نفاس میں ہے، اور پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے تو کیا ناپاکی ہی کی حالت میں طواف زیارت کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ اگر اجازت ہے تو دم میں کیا واجب ہوگا اور کیا دم کی ادائیگی کے لئے حدود حرم ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں موصولہ چھیالیس مقالوں میں سوائے تین مقالہ نگار کے تمام ارباب افتاء اس بات پر متفق ہیں کہ بشکل مجبوری حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کرنے کی اجازت ملے گی اور رکن ادا ہو جائے گا لیکن دم جنایت کے بطور ذمہ میں بدنہ لازم ہوگا، اور اس دم کی ادائیگی حدود حرم میں ضروری ہوگی۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ''ولو حاضت قبل طواف الزيارة ولم تطهر وأراد الرفقة العود تهجم وتطوف حائضا و تذبح بدنة'' (منحة الخالق على هامش البحر ۳،۵۷)۔

۲۔ ''أي يجب بدنة لو طاف الركن جنبا كذا روى عن ابن عباس ﷺ، ولأن الجنابة أغلظ فيجب جبر نقصانها في البدنة إظهاراً للتفاوت بينهما والحيض والنفاس كالجنابة'' (البحر الرائق ۳،۱۸)۔

۳۔ ''حدثنا هنا، ثنا ابن أبي عروبة عن أبي معشر عن إبراهيم قال ما كان من دم فبمكة وما كان من صدقة أو صوم حيث شاء، أخرجه الإمام الطبراى فى تفسيره (۷،۳۶) وسنده حسن صحيح، قال الجصاص فى أحكام القرآن له: لا خلاف بين الفقهاء أن الهدى لا يجزئ إلا بمكة و أن بلوغه الكعبة أن يذبحه هناك فى الحرم'' (اعلاء السنن ۱۰،۲۳۵)۔

اس رائے سے اتفاق رکھنے والے حضرات یہ ہیں:

۱۔ مفتی عبید اللہ اسعدی
۲۔ مولانا عتیق احمد قاسمی
۳۔ مولانا قمر الزماں ندوی
۴۔ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی
۵۔ مولانا محمد ارشاد قاسمی
۶۔ مولانا عبد الرشید قاسمی
۷۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی
۸۔ مولانا عبد السلام ابو ہریرہ سلفی
۹۔ مولانا برہان الدین سنبھلی
۱۰۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی
۱۲۔ مولانا سراج الدین قاسمی
۱۳۔ مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
۱۴۔ مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
۱۵۔ مولانا جمیل احمد نذیری
۱۶۔ حکیم ظل الرحمن
۱۷۔ مولانا محبوب علی وجیہی
۱۸۔ مولانا عبد الفتاح عادل
۱۹۔ مولانا تنویر عالم قاسمی
۲۰۔ مولانا ابرار الحق صدیقی
۲۱۔ مولانا محمد جنید احمد فلاحی
۲۲۔ مولانا اختر ضیا قاسمی
۲۳۔ مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی
۲۴۔ مولانا محمد عمر فلاحی
۲۵۔ مولانا ابرار خاں ندوی
۲۶۔ مولانا محمد نور القاسمی
۲۷۔ مولانا سید مصلح الدین قاسمی
۲۸۔ مولانا ظفر الاسلام
۲۹۔ مولانا خورشید احمد اعظمی

۳۰۔ مولانا منظور احمد قاسمی　　۳۱۔ مولانا خورشید انور اعظمی

۳۲۔ مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی　　۳۳۔ مولانا محمد ابراہیم فلاحی

۳۴۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری　　۳۵۔ مولانا انور علی اعظمی

۳۶۔ مولانا عبداللطیف مظاہری　　۳۷۔ مولانا راشد حسین ندوی

۳۸۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی　　۳۹۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی

۴۰۔ مولانا شکیل احمد سیتاپوری　　۴۱۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴۲۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی　　۴۳۔ مفتی عبدالرحیم قاسمی

اختلاف رائے رکھنے والے حضرات یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی　　۲۔ مولانا محمد ایوب صاحب ندوی شافعی۔

(یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے لئے پاکی شرط ہے لہذا حیض ونفاس کی حالت میں طواف کسی طرح درست نہیں)۔

۳۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب۔

ان کے نزدیک حائضہ عورت کے لئے مکہ میں رک کر طواف زیارت کرلینا قابل عمل ہے، انہیں قانونی دشواریاں تسلیم نہیں، بصورت دیگر طواف زیارت کے لئے وہ کسی کو نائب بناسکتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مناسک میں مجبوری کی صورت میں نیابت کی گنجائش ہے، موصوف نے بدائع جلد ۲ کا مجمل حوالہ تحریر فرمایا ہے، لیکن احقر کو تلاش کے باوجود ایسی کوئی عبارت نہ مل سکی۔

ہمارا خیال ہے اس مسئلہ میں جن تین حضرات نے اختلاف رائے ظاہر کیا ہے، یہ اختلاف دراصل وہی قدیمی اختلاف ہے جو مشہور دبستان فقہ میں ائمہ احناف اور حضرات شوافع کے درمیان معروف ومتداول ہے، اور فقہ واصول فقہ میں "الطواف کالصلوۃ" وغیرہ عنوانوں سے استدلال اور پھر جواب استدلال کے مباحث ملتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

(سوال نمبر ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۳)

مفتی جمیل احمد نذیری[1]

اس موضوع سے متعلق میرے سامنے ۴۶ مقالے ہیں، سوال نمبر ۷ یہ تھا:

سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، کیا ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور انہیں کیا کرنا ہوگا؟ ایسے شخص کو تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے محصر قرار دیا ہے اور وہی شرطیں ذکر کی ہیں جو محصر کی ہیں، صرف شمس پیرزادہ صاحب اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "احصار تو اس صورت میں ہے جبکہ اس کا سفر حج یا سفر عمرہ صحیح ہو اور پھر دشمن یا مرض وغیرہ کی طرف سے رکاوٹ کھڑی ہو جائے"۔ ان کے نزدیک حکومت کی اجازت کے بغیر ایسے شخص کا احرام باندھنا صحیح تھا ہی نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ احرام کے صحیح اور قابل ہونے کے لئے کسی دوسرے شخص کی اجازت شرط نہیں، عورت شوہر کی اجازت کے بغیر، غلام آقا کی اجازت کے بغیر احرام باندھ لے، اس احرام کو بھی احرام کہا جائے گا، اور اس پر احرام کی پابندیاں بھی عائد ہوں گی، اگر شوہر یا آقا روک دے تو احصار ہوگا، اسی طرح حکومت کی پابندی کے باوجود، خواہ مصالح کے تحت ہی یہ پابندی ہو، اگر کوئی بلا اجازت احرام باندھ لے، حج کا ہو یا عمرہ کا، اس کے احرام کو بھی احرام ہی کہا جائے گا، اس پر احرام کے احکام نافذ ہوں گے، روک دیئے جانے پر محصر قرار دیا جائیگا۔

ارکان حج وعمرہ ادا کرنے سے جو رکاوٹ بھی پیدا ہو جائے وہ احصار ہے، خواہ مرض، دشمن، بادشاہ، یا کسی مانع قاہر کی طرف سے پیش آئے، مقالہ نگاروں نے مدلل انداز میں اس کی وضاحت کردی ہے، ساتھ ہی مقالہ نگاروں نے صراحت کردی ہے کہ یہ شخص محصر اس وقت قرار پائے گا جب رکن کی ادائیگی سے قبل گرفتار ہوگیا ہو، یعنی حج کے احرام میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے قبل اور عمرہ کے احرام میں طواف سے قبل، اگر گرفتاری ان ارکان کی ادائیگی کے بعد ہوئی ہو تو محصر نہ ہوگا، "وفي الشريعة هو منع الوقوف والطواف" (البحر الرائق ۳، ۵۳)۔

اگر احصار زائل نہ ہو تو اس شخص کا احرام کیسے ختم ہوگا؟ اکثر مقالہ نگاروں نے اس کے جواب میں درج ذیل احکام لکھے ہیں:

۱۔ اگر صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا تو ایک قربانی (بکری، خصی، دنبہ وغیرہ) کی قیمت حرم میں بھیج دے، اگر قارن ہو تو دو قربانیاں یا ان کی قیمت بھیجے، اس قیمت سے وہاں قربانی کا جانور خرید لیا جائے اور حدود حرم میں کسی جگہ ذبح کردیا جائے، گرچہ ۱۰ ذی الحجہ سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، ذبح کا وقت اور دن پہلے سے مقرر کرلیا جائے تا کہ اسی دن اسی وقت سے یہ اپنے کو احرام سے باہر سمجھے، خواہ بال کٹوائے یا نہ کٹوائے۔

۲۔ جس نے حج کا احرام باندھا تھا وہ ایک حج اور عمرہ کی قضا کرے گا، جس نے قران کا احرام باندھا تھا وہ دو عمرہ اور ایک حج کی قضا کرے گا، جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ صرف ایک عمرہ کی قضا کرے گا۔

حرم میں قربانی کی قیمت بھیجنے کے متعلق مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا ارشاد قاسمی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نہ ملے تو حرم میں قربانی کرانے کے بجائے ضرورۃً جہاں ہے وہیں قربانی کردے، اس گنجائش کے لئے ان حضرات نے عمدہ وزبدہ وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔

[1] ناظم جامعہ عین الاسلام۔

قربانی کرنے کے بجائے امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق ہدی کی قیمت کا غلہ بھی دے سکتا ہے، ہر مسکین کو نصف صاع دے (عمدۃ الفقہ ۶۱۲/۴) (مولانا ابراہیم فلاحی)۔

غلہ بھی نہ دے سکتا ہو تو ہر نصف صاع کے بدلے روزہ رکھے (محمد اسعد اللہ قاسمی)

یہ محصر بحق العبد ہے، بغیر ہدی کے احرام کھول دے، دم احصار کبھی بھی دیدے (مولانا سراج الدین ندوی)۔

ایسے شخص کو مشروط احرام باندھنا چاہئے، یعنی احرام کے وقت یہ نیت کرلے کہ اگر پکڑ گیا تو حلال ہوجاؤں گا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حلال ہونے کے لئے قربانی کی ضرورت نہ ہوگی۔

''إن اشترط الإحلال عند الإحرام إذا حصر جاز له التحلل بغير هدي'' (شامی ۲،۵۹۱)۔

''عن أبي حنيفة أن الاشتراط يفيد سقوط الدم'' (المغنی لابن قدامہ ۲،۱۲۴۴)۔

ایسے افراد کو یہ مشورہ دیا ہے مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محمد عبد الرحیم اور مولانا محمد نور القاسمی صاحبان نے، احقر بھی اس مشورہ پر صاد کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۱

سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا، تو وہ ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں مقالہ نگاروں نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں:

۱۔ محصر ہے، دم دے کر حلال ہوجائے، ''زاد في اللباب مما يكون محصراً أمور أخر منها العدة'' (رد المحتار ۲،۲۵۳) مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نور القاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، جمیل احمد نذیری۔

۲۔ محصر ہے لیکن اگر اسی حالت میں حج وعمرہ کرے تو حج وعمرہ ہوجائے گا مگر گنہ گار ہوگی، ''فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية'' (مولانا ظفر الاسلام ومولانا عبد اللطیف مظاہری)۔

۳۔ حج وعمرہ کرسکتی ہے، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد ایوب ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی محمد عبد الرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد رئیس ندوی۔

۴۔ قانونی مجبوریوں اور سفر حج وعمرہ کی موجودہ مشکلات کے پیش نظر حج وعمرہ کرسکتی ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا محمد ابراہیم فلاحی، مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد عمر فلاحی، شمس پیرزادہ، مفتی محبوب علی، مولانا عبید اللہ اسعدی۔

۵۔ موجودہ حالات کے تحت ملک سے نکلنے کے بعد گنجائش ہے (مولانا محمد ارشاد القاسمی)۔

۶۔ مکہ پہنچنے سے قبل محصر کے حکم میں ہے، مکہ پہونچ کر دن میں حج کرسکتی ہے، رات میں اسی مقام پر عدت گذارے، مولانا قمر الزماں ندوی۔

۷۔ اگر گھر کے قریب ہے تو واپس آجائے، مکہ مکرمہ کے قریب ہے تو پہلے حج کرے، پھر عدت گذارے (مفتی شکیل احمد)۔

۸۔ امام شافعیؒ کے قول میں عورت مطلقاً حالت عدت میں حج یا عمرہ کرسکتی ہے (المجموع ۳۳۵/۸) (مولانا فضل الرحمن افضل قاسمی)۔

۹۔ شوافع وحنابلہ کے یہاں گنجائش ہے، احناف کے یہاں بھی سفر شرعی نہ ہو تو گنجائش ہے (مولانا نذیر احمد قاسمی)۔

۱۰۔ جس جگہ شوہر کا انتقال ہوا ہے، مجبوری کی صورتوں میں جب وہاں سے منتقل ہونے کی شرعاً اجازت ہو، حج وعمرہ کی گنجائش ہے اگر رفقائے سفر میں کچھ ثقہ خواتین بھی ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے: ''يجوز لها الحج إذا خرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة'' (فتح القدیر ۲،۴۱۹) (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

۱۱۔ ملک سے نکلنے کے بعد سفر حج وعمرہ کی گنجائش ہے، اگر رفقاء سفر میں کچھ ثقہ خواتین بھی ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے: ''يجوز لها الحج إذا

خرجت فی رفقة و معها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة'' (فتح القدیر ۲،۴۱۹) (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

۱۲۔ مکہ کی دوری مسافتِ شرعی سے کم ہو تو حج وعمرہ کی گنجائش ہے، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا سید مصلح الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابرار الحق صدیقی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی۔

۱۳۔ اگر سفر شرعی سے آگے بڑھ چکی ہے تو گنجائش ہے (مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا محمد جنید احمد فلاحی)۔

مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں سفر حج کی موجودہ مشکلات کو دیکھتے ہوئے احقر کے نزدیک قابل ترجیح رائے یہی ہے کہ ملک سے نکلنے کے بعد اگر شوہر کی وفات کا واقعہ پیش آتا ہے تو عورت کے لئے حج وعمرہ کی گنجائش ہونی چاہئے، اس لئے کہ ملک سے باہر نکل جانے کے بعد کسی بھی شخص کا نہ ہر جگہ قیام ممکن ہے نہ اپنی مرضی سے واپسی ممکن ہے، جب وہاں رہنا ہی ہے تو حج وعمرہ ادا کرنے کی بھی اجازت ہونی چاہئے، پھر یہ کہ حج وعمرہ کی قضا بھی آسان نہیں، کیونکہ اسفار بھی دو ملکوں کے قوانین کے پابند بنا دیئے گئے ہیں، ایک وہ جہاں سے سفر ہوا ہے، دوسرا سعودی عرب، ظاہر ہے کہ حج وعمرہ کے سفر میں بھی کوئی شخص اپنی مرضی کا مالک نہیں رہا، ان دشواریوں کے پیش نظر ملک کی سرحد پار کرنے کے بعد عورت کو حج وعمرہ کی اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ زبدۃ الناسک ر ۳۶۷، العرف الشذی علی الترمذی ۱/۲۲۱، فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۸ وغیرہ میں ہے۔

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ وہی ہے جو محصر کا ہے مگر گنجائش واجازت موجودہ حالات کے مدنظر ضرورت وحاجت کی بنا پر دی جانی چاہئے۔

سوال نمبر ۱۲

حج کا سفر کرنے والا ایام حج یعنی ۷۔۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہونچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ ریوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں، اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے، تو وہ مقیم ہوگا یا نہیں؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہو گیا ہے۔

اس کے جواب میں بھی مختلف رائیں سامنے آئی ہیں، مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے مکہ مکرمہ اور منیٰ کی آبادیوں کے اتصال کو تسلیم نہیں کیا، وہ لکھتے ہیں: ''آبادیوں کا فصل اب بھی موجود ہے، اگرچہ کم ہو گیا ہے''۔ لہذا مکہ اور منیٰ دونوں جگہ کا قیام مل کر ۱۵ دن کا ہو جائے تو یہ شخص مقیم نہ ہوگا، یہی رائے درج ذیل حضرات کی بھی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد عبدالرحیم، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ایوب ندوی، حکیم ظل الرحمن، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا جنید احمد فلاحی، مولانا نور القاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کی بلدیہ (کارپوریشن، میونسپلٹی) نے منیٰ کو مکہ کے ساتھ ملا دیا ہے تو منیٰ مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار ہوگا اور منیٰ کا قیام مکہ کا قیام سمجھا جائے گا، یہ رائے ہے مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ارشاد القاسمی، مولانا عبدالقیوم پالن پوری اور مولانا محبوب علی کی، مولانا عبیداللہ اسعدی نے لکھا ہے کہ مکہ اور منیٰ انتظاما ایک ہی کارپوریشن کے تحت ہیں، ان کا رجحان مقیم تسلیم کر لئے جانے کی طرف ہے۔

مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا محمد عمر فلاحی کی رائے ہے کہ اگر مکہ اور منیٰ کے مابین مقدار غلوہ یعنی ۱۶۳ء ۷ ۱۴ میٹر سے فاصلہ کم ہو تو مقیم ہوگا ورنہ مسافر۔

کچھ حضرات کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سوال میں درج دونوں آبادیوں کے اتصال کو تسلیم کر لیا ہے اور اس اتصال سے دونوں آبادیوں کا ایک حکم لگا کر مقیم ہونے کی رائے دی ہے، مثلاً یہ حضرات شمس پیرزادہ، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا اختر ضیاء قاسمی، مولانا فضل الرحمن فضل قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا صدر عالم۔

مولانا نفیس ندوی لکھتے ہیں کہ مقیم نہ ہوگا لیکن حاجی ہونے کی وجہ سے قصر کرے گا۔

احقر کی رائے یہ ہے کہ اولاً حکومت سعودیہ نے منیٰ کو مکہ میں داخل کر کے دونوں آبادیوں کو مکہ کا نام دے کر منیٰ کو مکہ کا محلہ نہیں بنا دیا، دوم دونوں آبادیاں نصاً الگ الگ ہیں، لہذا اتصال آبادی کے باوجود دونوں آبادیاں الگ الگ مانی جائیں گی اور دونوں جگہ ملا کر مدت اقامت ۱۵ دن ہو جائے تو بھی مقیم نہ ہوگا۔

سوال نمبر ۱۳

رمضان المبارک میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم احناف کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ بلاد عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد وحرمین کی جماعت کو چھوڑ کر ایسا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتداء میں وتر کو ادا کرے تو مذکورہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت ومجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتداء کرے؟

اس کے جواب میں اکثر لوگوں نے جماعت اور مجمع کی رعایت میں امام مسجد کی اقتداء کی رائے دی ہے۔

درج ذیل حضرات نے الگ پڑھنے کی رائے دی ہے: مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید مصلح الدین قاسمی، مولانا ارشاد القاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا محبوب علی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

اس کے برعکس مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا صدر عالم قاسمی اور جمیل احمد نذیری نے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی اجازت اس تدبیر کے ساتھ دی ہے کہ جب دو رکعت پر امام سلام پھیر دے تو یہ نہ پھیرے بلکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، جب امام تیسری رکعت پڑھے تو اس کے ساتھ یہ بھی سلام پھیرے۔

ان حضرات کا استدلال ابوبکر جصاص رازی کی درج ذیل عبارت سے ہے: ''وجوزه أبو بكر الرازي و يصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه'' (البحر الرائق ۲،۳۹)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''ومعنى كونه لم يخرج بسلامه أن سلامه لم يفسد وتره لأن ما بعده يحسب من الوتر فكأنه لم يخرج منه'' (رد المحتار ۱،۴۹۴)۔

مولانا محمد ابراہیم فلاحی نے نظام الفتاویٰ ۱/ ۲۷ کے حوالہ سے دوسری تدبیر یہ لکھی ہے کہ دو رکعت نفل کی نیت کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ملا کر دو رکعت مکمل کرے۔

لیکن خیال رہے کہ اس صورت میں وتر اس کے ذمہ باقی رہے گی جو بعد میں پڑھنی ہوگی۔

احقر کا رجحان امام ابوبکر رازی کے قول کی طرف ہے اور پہلی تدبیر کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب تفصیلی مقالات

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی [1]

۱۔ احناف کے تمام ائمہ، جمہور فقہاء اور امام شافعی کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک بھی (بلکہ امام شافعی کا پہلا قول) یہی ہے کہ باہر سے آکر مکہ مکرمہ کے اندر بغیر احرام باندھے داخل ہونا ممنوع ہے جیسا کہ (بدائع الصنائع ۲/ ۱۶۴، طبع اول) میں حضرت عباس ؓ کی یہ روایت: ''فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما'' (میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میقات سے بغیر احرام کے کوئی شخص تجاوز نہ کرے) نقل کرنے کے بعد صاحب بدائع لکھتے ہیں:

''اگر کسی نے ان مواقیت کو پار کر کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا خواہ حج کے ارادہ سے ہو یا تجارت یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے، ہمارے نزدیک بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی مکہ میں حج کے ارادہ سے داخل ہو تو اس پر احرام واجب ہے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہوا ہے تو بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں بغیر احرام کے سکنی جائز ہے، تو دخول بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ سکنیٰ سے کمتر ہے۔ ہماری دلیل جو آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جان لو کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں اور نہ میرے بعد...... (الحدیث) اور تین طریقے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ''ألا إن مكة حرام''۔

۲۔ ''لاتحل لأحد بعدي'' (کسی کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں)۔

۳۔ ''ثم عادت حراما إلى يوم القيامة'' (قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت باقی رہے گی)۔ اور حضرت ابن عباس ؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر احرام کے مکہ میں دخول حلال نہیں، اور اس لئے کہ یہ زمین کا وہ مقدس ٹکڑا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و عزت اور قدر و منزلت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں داخل ہوتے وقت عبادت کا التزام ہو، تا کہ دیگر تمام حصۂ زمین سے اس کا شرف مقام ممتاز رہے'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۶۴، نیز دیکھئے: ہدایہ ۱/ ۲۱۴)۔

اور نیل الاوطار (۵/ ۲۸) میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں: ''اور بغیر کسی عذر کے میقات سے آگے جانے کے جواز میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک میقات سے آگے بڑھنا ممنوع ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ حج وعمرہ کی غرض سے جانا ہو، یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور غرض سے، اور جو بغیر احرام کے جائے تو وہ گنہگار ہوگا اور اس پر دم لازم ہوگا، اور عبداللہ ابن عمر اور اسی طرح الناصر سے مروی ہے، اور امام شافعی کا آخری قول یہی ہے اور ابن عباس کا بھی ایک قول یہی ہے کہ احرام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو حج وعمرہ میں سے کسی کے ارادہ سے داخل ہوا ہو، صرف داخل ہونے سے واجب نہیں ہوتا ہے، جمہور فقہاء نے اللہ تعالیٰ کے قول ''اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو'' سے استدلال کیا ہے'' (نیل الاوطار ۵/ ۲۸ طبع بیروت)۔

اس دلیل پر نقد کرنے کے بعد علامہ شوکانی نے دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے:

[1] استاذ تفسیر وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

''جمہور کی دوسری دلیل ابن عباس کی وہ حدیث ہے جس کو بیہقی نے لفظ ''لا یدخل أحد مکة إلا محرما'' (کہ مکہ میں محرم ہی داخل ہوگا) سے روایت کیا ہے، اس روایت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس کی اسناد جید ہے، اور ابن عدی نے اس کو دو ضعیف سندوں سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور امام شافعی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا''۔

علاوہ ازیں فتح القدیر مع الکفایہ (طبع کوئٹہ پاکستان) میں اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ کی روایات مع مآخذ نقل کی گئی ہیں، ان میں ایک روایت یہ بھی ہے:

''عن ابن عباس قال إذا جاوز الوقت فلم یحرم حتی دخل مکة رجع إلی الوقت فأحرم وإن خشی إن رجع إلی الوقت فإنه یحرم و یهرق لذلك دما'' (۲،۳۳۵)۔

اس پر علامہ ابن ہمام نے یہ نوٹ لکھا ہے: ''اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے ہے راوی کا کلام نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول ''ممن أراد الحج و العمرة'' میں منطوقات مراد لینا مفہوم مخالف سے بہتر ہے'' (حوالہ سابق)۔

۲۔ جن فقہاء کے نزدیک بغیر احرام کے مکہ معظمہ یعنی حدود حرم میں داخل ہونا مطلقاً ممنوع ہے، ان کے نزدیک ان اعذار کی بنا پر بھی جو سوالنامہ میں مذکور ہیں، بغیر احرام کے مکہ جانا ممنوع ہوگا، البتہ اس کے لئے بعض حیلے اختیار کرنے کی اجازت حنفی کتب فقہ مثلاً عنایہ، کفایہ اور شامی ۲/ ۱۵۴۔ ۱۵۵ وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک یہ کہ حِل کی نیت کرنا پھر وہاں سے مکہ معظمہ جانا وغیرہ، لیکن کتب فقہ میں (حل) سے مکہ معظمہ بغیر احرام کے جانے کی جو عقلی وجوہ اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں، مثلاً بدائع میں، مذکور یہ وجہ:

''اس لئے کہ اہل بستان (یعنی حل) کے مصالح مکہ سے متعلق ہیں، کیونکہ ان لوگوں کو ہمہ وقت وہاں جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر انہیں بغیر احرام کے داخل ہونے سے روکا جائے تو وہ حرج میں پڑ جائیں گے اور شریعت نے حرج کو دور کیا ہے۔ اور اگر کوئی حرم سے حل کی طرف نکلتا ہے اور میقات پار کئے بغیر مکہ لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ بغیر احرام کے مکہ لوٹ سکتا ہے، اس لئے کہ اہل مکہ کو لکڑیاں اور گھاس کے لئے حل کی جانب نکلنے اور پھر مکہ لوٹنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان کے لئے ہر خروج پر احرام لازم کر دیں گے تو وہ حرج میں پڑ جائیں گے''۔

ان سے تو یہ نکلتا ہے کہ اگر حل کے باہر مکہ والوں کو آنے جانے کی ایسی ہی شدید ضرورت پیش آ جائے جیسا کہ حل میں پیش آتی ہے تو انہیں حل کے باہر آفاق سے بھی بغیر احرام کے مکہ آنے جانے کی اجازت ہو، اگر مسئلہ صرف قیاسی ہوتا تو ایسا قول اختیار کر لینے کی گنجائش ہوتی، خاص طور سے اس اصول کی موجودگی میں جو بدائع الصنائع ۱۵۹/۲ میں بایں الفاظ بتایا گیا ہے ''لأن الضرورة سبب لتخفیف الحکم وتیسیره''۔

لیکن مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے علامہ شوکانی کی اس دلیل: ''وقد کان المسلمون فی عصره صلی اللہ علیہ وسلم یختلفون إلی مکة لحوائجهم ولم ینقل أنه أمر أحد منهم بإحرامه'' (اور مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف ضرورتوں کے پیش نظر مکہ جایا کرتے تھے، لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو احرام کا حکم دیا گیا ہو) کا جواب دیتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''میرا خیال ہے کہ اگر مکہ جانے سے مراد وہ شخص ہے جو میقات میں داخل ہو تو ہم پر اعتراض نہیں ہوگا، اور اگر اس شخص کا جانا مراد ہو جو میقات سے خارج ہے تو یہ تسلیم نہیں ہے، کیونکہ مواقیت مکہ سے بہت دور ہیں، اور انسانی اور شہری ضروریات شہر سے قریب ہی ہوا کرتی ہیں، اور شہر سے دور بہت ہی نادر ہیں'' (اعلاء السنن ۱۸/۱۰)۔

اس صورت حال پر غور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بقعہ مبارکہ میں قیام کرنے، وہاں کاروبار یا دوسرے ذرائع کسب معاش اختیار کرنے کا موقع دیا ہے، تو اس کے انعام کا تقاضہ یا حق ہے کہ اس بقعہ سے متعلق دو خاص عبادتوں (حج، عمرہ) میں سے ایک ادا کرے، عموماً عمرہ میں بمشکل دو گھنٹے خرچ ہوتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان تاجر، یا ٹیکسی ڈرائیور کے لئے دو گھنٹے نکال لینا مشکل کام ہے؟ جب کہ قہوہ خانوں، ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں روزانہ اس سے کہیں زیادہ عام طور سے وقت گذارتے ہیں یا گنوا دیتے ہیں، دراصل احساس بیدار کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ سہولت پسند بلکہ سہل انگار طبیعتوں کے لئے حیلے اور فرار کے راستے سجھانے کی۔

علامہ شوکانی نے حجاج بن علاط کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا جواز ثابت کیا ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے کیا خوب لکھا ہے:

''احتمال یہ ہے کہ حجاج والا واقعہ مواقیت کی تعیین سے پہلے کا ہو، اس لئے کہ فتح خیبر کے بعد ان کا مکہ آنا اپنے اسلام کو چھپا کر اپنا مال جمع کرنے کے لئے تھا، بعض نے کہا کہ حج کی فرضیت سن نو میں ہوئی اور بعض نے سن چھ کہا ہے۔ اور جنہوں نے حج کی فرضیت کو سن چھ میں کہا ہے انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں دی کہ فرضیت حج فتح خیبر سے پہلے ہوئی یا بعد میں'' (اعلاء السنن ۱۰/۱۸)۔

۳۔ مکہ میں مستقل (مکی) کے لئے عند الاحناف جائز نہیں ہے۔

۴۔ مکی یعنی جو مکہ کا مستقل باشندہ ہو، یا اشہر حرم شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ مکرمہ آکر مقیم ہو گیا ہو (زبدہ ۳۰۵) یا کم از کم ایک سال وہاں مقیم رہنے والا ہو (بدائع ۲/۱۶۵)، سے مستفاد ہوتا ہے کہ اقامت مکہ پر ایک سال گذرنے سے مکی کے مخصوص احکام متعلق ہو جاتے ہیں، جس سال حج کرنے کا ارادہ کرے اس سال اشہر حج میں عمرہ نہ کرے، ظاہر ہے کہ حج وعمرہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی کئے جاتے ہیں اس کی رضا اسی میں ہے کہ مکی دونوں کو جمع نہ کرے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت: ''فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى... ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام''، میں صاف طور سے بتایا گیا ہے کہ تمتع (اور قران) ان لوگوں کے لئے مشروع ہیں جو مسجد حرام (مکہ) کے باشندے نہ ہوں۔

جبکہ مکی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمع بین النسکین کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا ایسا کرنے سے وہ گنہگار ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ عبادتیں ''اجر'' کے لئے کی جاتی ہیں نہ کہ ''وزر'' کے لئے، اور یہ بھی بدیہی سا ہے کہ ایسے مکی نے حج ضرور کر لیا ہوگا، اور جو جمع بین الحج والعمرہ کا شائق ہے (اگر حج نہ کیا ہو تو وہ ایک سال صرف حج کرے اور عمرہ نہ کرے) تو پھر اسے عمرہ کے ساتھ حج کر کے گنہگار ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس حکم میں تو اس کے لئے آسانی ہے نہ کہ مشقت، پھر مسلک سے عدول کی کیا ضرورت اس لئے سوال میں مذکور عبارت ''اہل مکہ کو پابند کرنا...... تنگی اور دشواری کی بات ہے'' بے محل اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ترک حج میں کوئی تنگی و دشواری نہیں کیونکہ ایسا کرنا صرف ایک سال ضروری ہوگا نہ کہ ہمیشہ، اور اگر اس نے ابھی حج فرض نہیں کیا ہے تو پہلے حج فرض ادا کرے اور حدود حرم کے باہر اشہر حج میں نہ جائے، جب حج فرض کے لئے دنیا بھر سے لوگ بے پناہ مشقتیں اٹھا کر اور کثیر رقم خرچ کر کے آتے ہیں، تو مکہ میں مقیم حج فرض ادا کرنے والے کے لئے صرف اتنی پابندی برداشت کر لینا کہ وہ صرف دو مہینہ دس روز تک حدود میقات سے باہر نہ جائے کیا دشوار ہے؟ اور یہ ''مشقت'' کے ذیل میں کیسے آسکتا ہے، ورنہ تو ایسی مشقت ہر شرعی حکم کی بجاآوری میں ہوتی ہے تو پھر سرے سے (تکلیف) ہی مرتفع کر دی جائے۔

۵۔ اس مسئلہ میں فقہائے حنفیہ کے درمیان بھی خاصا اختلاف نظر آتا ہے، علمائے دیوبند کی رائیں بھی مختلف ہیں، مولانا مفتی سعید احمد صاحب مظاہری (سابق صدر مفتی مظاہر علوم) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب معلم الحجاج صفحہ ۲۲۱ پر دونوں قول نقل کر کے جواز کو ترجیح دی ہے، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ (۱/۴۹۲) میں صرف عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، جس سے ان کا رجحان عدم جواز ہی متبادر ہے، اپنے اکابر میں مناسک کے ایک بہت بڑے عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی نے ''زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک'' میں اس مسئلہ پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے، اس میں جواز کی گنجائش تو ذکر کی ہے لیکن بہتر نہ ہونے کا عندیہ دیا ہے (دیکھئے صفحہ ۳۰۶۔۳۱۶) بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے اس میں لکھا ہے: ''پس بہتر یہی ہے کہ معتمر کو بعد عمرہ، تمتع کے حج سے پہلے، دوسرا عمرہ نہ کرنا چاہئے (صفحہ ۳۱۶)۔

۶: الف، ب۔ صرف ایسے معذور کے لئے رمی میں اپنا نائب بنانے کی اجازت ہے جو نماز کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر نہ ہو بلکہ اس کے لئے بیٹھ کر فرض پڑھنے کا جواز ہو (زبدۃ ۸۸) محض ازدحام کے خوف سے غیر معذور کو رمی کے لئے اپنا نائب بنانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ دن کے بجائے رات کو رمی کرنے کی اجازت بعض مخصوص حالات میں مردوں کو بھی ہو سکتی ہے۔

۷۔ یہ لوگ بھی 'مُحصَر' سمجھے جائیں گے، ان کے لئے بھی وہ تمام احکام ہوں گے جو ''محصر'' کے لئے عام کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۸۔ اس سلسلہ میں راقم کا ایک تفصیلی مضمون ''البعث الاسلامی'' (عربی) میں چھپ چکا ہے، اس کا خلاصہ اردو کے ماہنامہ ''الفرقان'' وغیرہ میں بھی چھپا ہے۔

۹۔ بغیر آمر کی اجازت کے نہیں کر سکتا، کیونکہ حج بدل کرنے والا اصلاً تمتع نہیں کر سکتا، اس لئے بغیر اجازت کے تمتع نہ کرے یعنی آج کل کے محض نام نہاد عرف کی بنا پر (اگرچہ عرف بھی محل نظر ہے، کیونکہ ہمیشہ سے تمتع کا رواج زیادہ رہا ہے) تمتع کی اجازت نہ ہوگی۔

الف۔ کرسکتا ہے ب۔ نہیں ج۔ نہیں د۔ حج بدل کرنے والے ہی پر دم تمتع آئے گا الا یہ کہ آمر صراحۃً دم کے لئے رقم ہدیہ کردے، لیکن حج بدل کرنے والا دم تمتع کے لئے آمر سے مطالبہ نہیں کرسکتا (فتاویٰ رحیمیہ ۸/ ۳۲۴)۔

ھ۔ جو شخص طویل احرام کی پابندیاں جھیلنے کا متحمل نہ ہو وہ حج بدل کے لئے نہ جائے، اس کے علاوہ دوسرے بہت سے اللہ کے بندے طویل احرام کی پابندیاں بخوشی برداشت کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے، ایسے ہی لوگوں کو بھیجا جائے جو اس کے لئے آمادہ ہوں، حج بدل کی پیشکش قبول کرنا ضروری نہیں ہے، جو تحمل نہ کرسکتا ہو وہ حج بدل کے لئے نہ جائے، پھر آج کل تو حج کمیٹی کے توسط سے جو لوگ حج کے واسطے جاتے ہیں وہ، بہت سے بہت حج سے بیس پچیس روز پہلے ہی جاسکتے ہیں، ان کے لئے شرعاً پوری گنجائش ہے کہ وہ پہلے سیدھے جدہ سے مدینہ منورہ چلے جائیں، وہاں سے ایام حج کے قریب، حج کا احرام باندھ کر آئیں، اس طرح بمشکل آٹھ دس روز احرام کا پابند رہنا پڑے گا، ابھی چند سال قبل جب کہ بحری جہازوں سے لوگ حج کے لئے جاتے تھے بالعموم ہر حاجی کو دس پندرہ روز تک بلکہ اس سے بھی زیادہ احرام کی حالت میں رہنا پڑتا تھا، اور بہت پہلے تو مہینہ بھر یا اس سے زیادہ مدت تک، اور لوگ اسے بخوشی گوارا کرتے تھے، تو آج کل ہفتہ عشرہ کی پابندی کیونکر نا قابل برداشت مشقت قرار دی جاسکتی ہے۔

و۔ ورثاء کی اجازت سے بظاہر جائز ہونا چاہئے، ورثاء کی اجازت حج بدل میں تمتع کے جواز کے بارے میں بھی کافی ہونا علامہ شامی کی حسب ذیل عبارت سے مستفاد ہوتا ہے: ''لأن الوارث خليفة المورث'' (۲/ ۲۳۹) (اس لئے کہ وارث مورث کا خلیفہ ہے)۔

۱۰: الف، ب، ج، د۔ ناپاکی یعنی حیض ونفاس وغیرہ کی حالت میں اگر طواف ناگزیر ہو تو حدود حرم کے اندر اسے دم (بدنہ) دینا ضروری ہوگا، یہ گنجائش بھی صرف فقہ حنفی میں ہی ہے، بقیہ مکاتب فقہ میں تو طواف ہی کرنا ضروری ہے اس کے بغیر صحبت حرام رہے گی اور حج نامکمل، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک زوجہ مطہرہ (حضرت صفیہؓ) کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے حیض آنے کی وجہ سے طواف نہیں کیا ہے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمان ہوا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لعلها حابست'' (ابوداؤد ۲/ ۲۷۴ طبع مجیدی کانپور، باب الحائض تخرج بعد الافاضۃ)، اس سے معلوم ہوا کہ طواف افاضہ کے لئے حائضہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا ضروری ہے تاکہ پاک ہوکر طواف کرے، پھر وطن روانہ ہو۔

الف۔ اجازت ہے بدرجہ مجبوری۔

ب۔ رکن ادا ہوجائے گا اور دم (بدنہ) دینا لازم ہوگا (شامی ۲/ ۲۰۵)۔

ج۔ بدنہ (گائے یا اونٹ) ذبح کرنا ہوگا، بکرا نہیں (ایضا)۔

د۔ حدود حرم میں ادائیگی ضروری ہوگی اس کے باہر نہیں، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، جیسا کہ حج کی جنایات کے ''دم'' کا حکم ہے (جو تمام قابل ذکر کتابوں میں ملتا ہے)، حیض ونفاس وغیرہ کی حالت میں بھی طواف کرنے سے فریضہ ادا ہوجانے کا ذکر ''بدائع الصنائع'' میں یوں آیا ہے: ''فأما الطهارة عن الحدث والجنابة والحيض والنفاس فليست بشرط لجواز الطواف وليست بفرض عندنا بل واجبة حتى يجوز الطواف بدونها (بدائع ۲/ ۱۲۹) (رہا حدث، جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا تو یہ ہمارے نزدیک جواز طواف کے لئے شرط نہیں ہے اور نہ کوئی فرض ہے بلکہ واجب ہے، اس کے بغیر بھی طواف جائز ہوجاتا ہے)۔

احناف کے نزدیک طواف کرلینے کے بعد، چاہے بحالت جنابت ہی کیا ہو، دم دینے سے قبل بھی جماع حلال ہوجائے گا، رد المحتار میں ہے: ''حل في حق النساء بطواف الزيارة جنباً'' (شامی ۲/ ۲۰۵) (طواف زیارت عورتوں کے حق میں جنابت کی حالت میں بھی حلال ہے)۔

۱۱۔ اصل حکم شرعی تو یہی ہے کہ عورت کو جس جگہ اپنے شوہر کی وفات کی اطلاع ملے، اگر وہ جگہ اقامت کے لائق ہو یعنی وہاں قیام میں کوئی مانع طبعی، عقلی، شرعی نہ ہو، تو وہیں ٹھہر کر عدت گذارے، لیکن مجبوری کی صورتوں میں یعنی جب وہاں سے منتقل ہونے کی شرعاً اجازت ہو تو حج وعمرہ کی ادائیگی کے جواز کی گنجائش مستبعد نہیں، اگر معتدہ بحالت عدت عمرہ وحج ادا کرلے تو بہر حال حج وعمرہ صحیح ہوجاتا ہے۔

۱۲۔ تقریباً تمام کتب فقہ میں مکہ ومنیٰ کو الگ الگ شہر قرار دیا گیا ہے، اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ان دونوں جگہ مشترک طور پر پندرہ دن ورات قیام کرنے کی نیت سے ٹھہرنے والا مسافر ہی رہے گا، مقیم نہ ہوگا، آج بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ اب بھی مکہ ومنیٰ کی آبادیوں کے درمیان فصل موجود ہے، اگر چہ وہ پہلے کے مقابلہ

میں کم ہوگیا ہے، دونوں کے درمیان فصل کا مشاہدہ ہر وہ شخص کرسکتا ہے جو وہاں جائے۔

۱۳- یہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو ''فقہ اکیڈمی'' میں موضوع بحث بنایا جائے، اس میں مذہب حنفی کی رعایت بہت ضروری ہے کیونکہ فقہ حنفی میں ایک رکعت مشروع ہی نہیں، اگر کوئی پڑھتا ہے تو وہ نامشروع کام کرتا ہے، پھر وتر کی جماعت (رمضان میں) صرف مستحب ہے، واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ تراویح کی جماعت سے بھی کم درجہ ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: ''والصحيح أن الجماعة فيها (في الوتر) أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح'' (۱/۴۷۷)۔

(اور صحیح یہ ہے کہ وتر میں جماعت افضل ہے مگر اس کی سنیت تراویح کی جماعت کی سنیت کی طرح نہیں ہے)۔ اور علامہ شامی نے تو یہ بھی صراحت کردی ہے کہ شافعی (غیر حنفی) امام کے پیچھے اقتداء کی صحت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ امام وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھے) (شامی ۱/ ۳۹۷)۔

چنانچہ ماضی میں (چاروں مصلی ختم ہونے کے بہت بعد بھی) حرم شریف میں وتر کی جماعت حنفیہ علیحدہ کرتے تھے، اور اس میں اکثریت یعنی کل حاضرین میں سے زیادہ تعداد شریک ہوتی تھی جیسا کہ مولانا قاری حمید الدین صاحب سنبھلی (جو علامہ کشمیری کے شاگرد تھے) نے اپنے سفرنامہ میں نقل کیا ہے، یہ سفرنامہ ''نصف صدی قبل کا سفرنامہ حج'' کے عنوان سے کتابی شکل میں چھپ چکا ہے اس کے صفحہ/ ۵۰ پر ہے: تمام حنفیہ اس (وتر کی) جماعت سے علیحدہ ہوکر ''باب العمرة'' کے قریب جمع ہوگئے اور وتر کی اپنی علیحدہ جماعت (ان کی جماعت ہوجانے کے بعد) کی، کیونکہ وہ حنبلی کہلاتے ہیں، وہ وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں،...... اس لئے حنفی...... وتر کی جماعت علیحدہ کرتے ہیں، جب حنفیہ وتر کی جماعت کے لئے علیحدہ ہوتے تھے تب معلوم ہوتا تھا کہ ماشاء اللہ حنفیہ کس قدر ہیں، نصف سے زیادہ لوگ الگ ہوجاتے تھے (نصف صدی قبل کا سفرنامہ حج صفحہ/ ۵۰ مطبوعہ لکھنؤ)۔

علاوہ ازیں کتب فقہ حنفی میں صراحت ہے کہ اگر امام ایسی کوئی بات کرتا ہے جو موجب بطلان ہو یا ترک واجب وفرض لازم آتا ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں (دیکھئے شامی ۱/ ۳۸۷-۳۸۹)۔

مزید قابل غور یہ ہے کہ متعدد معتبر کتب فقہ میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک زمانہ میں عرفات کے میدان میں امامت مکی امام کرتا تھا، اور وہ (باوجود ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقیم ہونے کے) قصر پڑھتا تھا، تو تمام مسالک کے علماء نے اس کی اقتداء کرنے سے منع کیا، حالانکہ وہاں جماعت وجمع کی رعایت زیادہ اہم ہے۔

اس جماعت میں شریک ہونے کے بارے میں امام نسفی نے فرمایا:

''العجب من أهل الموقف يتابعون إمام مكة في القصر فأنى يستجاب لهم أو يرجى لهم الخير وصلوتهم غير جائزة''۔

اور شمس الائمہ فرماتے ہیں: ''كنت مع أهل الموقف فاعتزلت وصليت كل صلوٰة في وقتها وأوصيت بذلك أصحابي''۔

(میں موقف والوں کے ساتھ تھا لیکن میں ہر نماز کو اس کے وقت میں الگ ہوکر پڑھتا اور اسی کی اپنے اصحاب کو وصیت کی)۔

(یہ تمام تفصیلات علامہ شامیؒ نے ''مطلب في شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة'' کے ذیل میں ذکر کی ہیں، جنہیں فتاویٰ رحیمیہ ۳۲۱/۸ میں نقل کردیا گیا ہے)۔

اس صورت حال کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہئے کہ فقہی اکیڈمی ایک تجویز منظور کرے جس میں حکومت سعودیہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ سابق کی طرح حنفی نمازیوں کو رمضان میں وتر کی جماعت علیحدہ کرنے کی اجازت دے، یا امام حرم دو سلام کے بجائے ایک سلام سے تینوں رکعات پڑھائیں، جو ان کے مذہب (حنبلی) میں بھی بہر حال جائز ہے، چاہے خلاف اولیٰ ہو، مگر فقہ حنفی میں تو دو سلام سے تین رکعت جائز ومشروع ہی نہیں۔

☆☆☆

حج ...... نئے اور اہم مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی[1]

''حج'' ارکان اسلام میں سے ایک ہے، جس سے ایمان کی تجدید ہوتی ہے اور دل ونگاہ کو نیا یقین حاصل ہوتا ہے، شاید اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو بھی پچھلی زندگی کے گناہوں کے لئے کفارہ قرار دیا اور حج کو بھی ''ا لاسلام یھدم ما کان قبلہ والحج یھدم ما کان قبلہ''۔

عمر بھر میں ایک ہی بار صاحب استطاعت مسلمانوں سے یہ فریضہ متعلق ہے، اور اصل میں پانچ دن ہی اس عبادت میں صرف ہوتے ہیں، لیکن مسافرت، زبان وماحول کی اجنبیت، موسم کی ناموافقت اور سب سے بڑھ کر لاعلمی اور ناتجربہ کاری اور ان سب سے مستزاد نامانوس اور خیال وامید سے بھی بڑھ کر ازدحام، ایسی باتیں ہیں، جو ترقی کے اس دور میں بھی حاجی کو مشقت سے دوچار کرتی ہیں اور قدم قدم پر ارشاد نبوی ''الحج جہاد'' کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

حج فرض ہونے اور کعبہ مطہرہ کے کفر وشرک کی آلائشوں سے پاک ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی بار حج فرمایا ہے، یہی اول وآخر حج تھا، جس میں قریب ایک لاکھ جانثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اشارۂ غیبی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو چکا تھا کہ شاید پھر اس عظیم مجمع سے آپ کی ملاقات نہ ہوگی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت بھی فرماتے جاتے تھے: ''خذوا عنی مناسککم''۔ صحابہ نے حسب معمول بلکہ معمول سے بڑھ کر آپ کے ایک ایک عمل کا بہ نظر غائر مشاہدہ کیا، اور علم کی اس امانت کو امت تک پہنچایا، اس لئے ''حج'' کے مسائل میں بہ مقابلہ دوسری عبادت کے فقہاء کے درمیان اختلاف کم ہے اتنا کم کہ جسے انگلیوں پر شمار کیا جا سکے۔

چونکہ یہ عبادت عمر میں ایک ہی بار فرض ہے، اور اس کی ادائیگی کے لئے جسمانی مشقت اور مالی قربانی دونوں ہی کا حصہ کثیر ہوتا ہے، شاید اسی لئے امام ابو حنیفہ نے خاص طور پر حج کے مسائل میں احتیاط کی روش کو قدم قدم پر ملحوظ رکھا ہے تا کہ یہ عبادت غیر مشکوک طریقہ پر انجام پاسکے، حج کے افضل ترین طریقہ کی بحث ہو، افعال حج میں ترتیب کا مسئلہ ہو، ایام قربانی کا مسئلہ ہو، مکہ میں کسی ضرورت سے آفاقی کا ورود ہو وغیرہ، ''احتیاط'' ہمیشہ آبلہ پائی کے راستہ پر لے جاتی ہے اور طبع دشوار پسند ہی کو راس آتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں حجاج کی کثرت اور مسائل حج سے عام حجاج کی ناواقفیت وغیرہ کی وجہ سے فقہ حنفی کے بعض مسائل میں مشکلات کا سامنا ہے، انہی کو مدنظر رکھتے ہوئے حج سے متعلق سوالات نہایت اہم اور فکر انگیز ہیں۔

۱، ۲۔ تجار کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کا مسئلہ

اگر حرم محترم کا سفر حج یا عمرہ کے ارادہ سے کیا جائے تو میقات سے بلا احرام آگے بڑھنا جائز نہیں، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ اگر سفر کا مقصد تجارت، اہل مکہ سے ملاقات وغیرہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے: حنفیہ کے نزدیک بلا احرام میقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا (فتح القدیر ۲/ ۴۲۶) اور اگر بلا احرام آگے بڑھ گیا تو یا میقات تک واپس جائے اور احرام باندھ کر آئے، یا دم جنایت ادا کرے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک احرام باندھنا مسنون تو ہے واجب نہیں، مناسک حج پر مشہور محدث امام نوویؒ کی کتاب الایضاح میں مذکور ہے:

''ینبغی لمن یأتی من غیر الحرم أن لا یدخل مکۃ إلا محرما لحج أو عمرۃ و ھل یلزمہ ذلك أم ھو مستحب؟ فیہ خلاف منتشر یجمعہ ثلاثۃ أقوال أصحھا أنہ مستحب'' (کتاب الایضاح ۱۴۷)۔

(جو شخص غیر حرم سے آ رہا ہو اس کو مناسب ہے کہ مکہ میں حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ داخل ہو، اور یہ کہ یہ حکم وجوبی یا استحبابی ہے اس میں کافی اختلاف ہے جو سمٹ کر تین اقوال میں آ جاتا ہے، جن میں صحیح ترین یہ ہے کہ مستحب ہے)۔

[1] جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد۔

امام مالک سے بھی یہی استحباب نقل کیا گیا ہے (المدونۃ الکبری ار ۳۰۳)، ابن قدامہ نے اسی طرف امام احمد کا رجحان نقل کیا ہے (المغنی ۱۱۶/۳)، البتہ اگر کسی شخص کو بار بار حرم میں آنا پڑتا ہو جب بھی فقہاء شوافع کے یہاں احرام باندھ کر آنا مسنون ہے، ترک احرام مکروہ ہے، اور ترک احرام کی وجہ سے دم ادا کرنا سنت ہے، تاکہ اپنے عمل کو فقہاء کے اختلاف سے بچایا جاسکے۔

''اس کے لئے احرام مسنون اور اس کا ترک مکروہ ہے، اور اس کے ترک کی وجہ سے دم دینا مسنون ہے، اگرچہ بار بار اس کو داخل ہونا پڑے، یہ اس لئے تاکہ ان لوگوں کے اختلاف سے نکل سکے جو اس کو واجب کہتے ہیں، جیسے حضرت ابن عباس اور امام ابوحنیفہ'' (الافصاح علی مسائل الایضاح ۱۲۱/)۔

احرام کے واجب نہ ہونے کے باوجود اسی وضاحت و تاکید کے ساتھ احرام کی اور نہ باندھنے کی صورت میں دم کی تاکید مجھے مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں نہ مل سکی۔

حنفیہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت کو پیش نظر رکھا ہے جو عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ بلا احرام میقات سے آگے نہ بڑھا جائے، خود امام شافعی نے اپنی مسند میں عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ بلا احرام میقات سے آگے بڑھنے والوں کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے (مسند امام شافعی ۱۱۶/)، دوسرے فقہاء نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی حدیث مرفوع "لا یجاوز الوقت إلا بإحرام" کو حج و عمرہ کے سفر پر محمول کیا ہے۔

دلائل سے قطع نظر اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ کی رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ ادوار میں آفاقی کا ایک دن دو دن میں مکہ آنا ممکن نہیں تھا، اور نہ تجارتی روابط آج کی طرح تھے، موجودہ دور میں تیز رفتار سواریوں اور تجارتی روابط میں اضافہ نے ہفتہ عشرہ کے سفر کو چند گھنٹوں کا سفر بنا دیا ہے، تو اس صورت حال میں جو لوگ بار بار تجارت یا ملازمت کی غرض سے مکہ آئیں ان کو احرام و عمرہ کا مکلف قرار دینے میں حرج کا پایا جانا ایک امر واقعہ ہے، اور خود اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ نے حرج کو حکم کی بنیاد بنایا ہے۔

غور فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مطلق ہے کہ میقات سے آگے نہ بڑھا جائے "لا یجاوز الوقت" اور جیسے آفاقی کے لئے مقررہ مقامات میقات ہیں، اسی طرح جو لوگ میقات سے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حِل آخری علاقہ میقات ہی کے حکم میں ہے کہ اگر حج یا عمرہ کا قصد ہو تو اس سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے، اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ ان مقامات کے لوگوں کے لئے بھی بلا احرام مکہ جانے کی گنجائش نہ ہو، لیکن فقہاء نے اس حرج و مشقت کی رعایت کرتے ہوئے ان کو بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی، ابن ہمام کی گفتگو ملاحظہ فرمایئے:

''من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين'' (فتح القدير ۳،۴۲۵)۔

(جو لوگ میقات کی حدود کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ وہ مکہ کے اندر اپنی ضرورتوں سے بغیر احرام داخل ہوں، اس لئے کہ ان کا بار بار آنا جانا ہوتا ہے اور ہر مرتبہ احرام کو لازم کرنے میں کھلی ہوئی تنگی ہے)۔

ان حضرات کے زمانے میں آفاقی کو مکہ میں عبادت کے علاوہ دوسری اغراض سے بار بار آنے کی نوبت کم آتی تھی، اس لئے نہ قابل لحاظ حرج تھا اور نہ اس کو دور کرنے کی ضرورت، پھر بھی فقہاء نے ان لوگوں کے لئے جو احرام کے ساتھ داخل ہونے میں مشقت محسوس کرتے ہوں، جواز کی ایک بالواسطہ صورت یعنی حیلہ کی رہنمائی کر دی، جو فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں موجود ہے (دیکھئے: عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۳۲۶/۲)۔

حیلہ میں جو تکلف ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، علاوہ اس کے خیال ہوتا ہے کہ فقہاء نے جہاں کہیں حیلوں کی رہنمائی کی ہے وہاں کسی سخت ضرورت کی وجہ سے عارضی طور پر اس عمل کی گنجائش فراہم کرنا مقصود ہے، اب روز روز آنے والے تاجروں کو مشورہ دینا کہ وہ ہمیشہ اس حیلہ سے کام لیا کرے اور حیلہ کو ایک مستقل عمل بنا لے، درست نظر نہیں آتا، کہ اس طرح دین کے بازیچہ اطفال بن جانے اور شریعت کے اوامر و نواہی کی بابت بے حسی و بے احترامی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ اس مسئلے میں ائمہ ثلاثہ کی رائے پر فتوی دیا جانا چاہئے، اور میرا تو خیال ہے کہ یہ ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول نہیں ہے، کہ عدول تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ دلیل و برہان کا اختلاف ہو، یہ اختلاف زمان کی بنا پر اختلاف احکام ہے، "ولا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الزمان"۔

۳- اہل مکہ کا حج تمتع

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، ان کو حج افراد ہی کرنا چاہئے: ''لیس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما

لهم الإفراد خاصة'' (هداية مع الفتح ۲،۱۰) جو حکم اہل مکہ کا ہے وہی حکم ان لوگوں کا ہے جو حدود میقات کے اندر رہنے والے ہوں (عنایۃ مع الفتح ۳/۱۰)، حنفیہ نے اس سلسلے میں حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے آثار کو پیش نظر رکھا ہے (عنایۃ مع الفتح ۳/۱۰)۔

تاہم حنفیہ کے مسلک کی تفصیل دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اہل مکہ کی تین قسمیں کی ہیں:

اول: جو مکہ میں مقیم ہیں۔ دوم: جو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے ہی میقات سے باہر کے سفر پر جا چکے ہیں۔

سوم: مکہ میں مقیم ہو اور ماہ حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر سفر پر گیا ہو۔

پہلی قسم کے لوگوں کے لئے نہ تمتع کی گنجائش ہے اور نہ قران کی، اور اگر تمتع یا قران کر لے تو گنہگار ہوگا، اور تلافی کے لئے دم بھی واجب ہوگا، اور دم بھی اس شان سے واجب ہوگا کہ اگر تنگی اور عسرت کی وجہ سے ان کے بدلہ روزہ رکھنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہ ہوگی (فتح القدیر ۳/۱۱)، لیکن یہ ان مشائخ حنفیہ کے قول پر ہے جن کے نزدیک المام (بال بچوں کے ساتھ اپنے وطن میں بودوباش) حج تمتع کے لئے مانع نہیں ہے۔ دوسری صورت میں یعنی جب ماہ حج سے پہلے ہی میقات سے باہر کے سفر پر جا چکا ہو تو قران کی گنجائش ہے، تمتع کی نہیں۔

''فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة... قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج'' (رد المحتار ۲،۱۹۷)۔

(اگر کوفہ کا سفر کرے اور قران کرے تو بغیر کراہت درست ہے، اور محبوبی کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اشہر حج سے پہلے کوفہ کا سفر کرے)۔

تیسری صورت میں جبکہ ماہ حج شروع ہونے کے بعد سفر پر گیا ہو تو قران بھی درست نہیں: ''وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران'' (رد المحتار ۲،۱۹۷)، یہ امام محمدؒ سے منقول ہے، لیکن فقہاء حنفیہ کا اس پر اتفاق نہیں، بعض حضرات کا رجحان اس صورت میں بھی قران کے جائز ہونے کا ہے، چنانچہ ابن ہمام ناقل ہیں:

''اور کہا جاتا ہے کہ ممانعت کا تعلق اس کے ساتھ مطلقاً نہیں ہے بلکہ جب تک مکہ کے اندر رہے، لہذا اگر نکل کر آفاق میں چلا جائے تو وہ آفاقیوں میں ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ معروف ہے کہ جو جہاں پہنچا وہاں کے لوگوں کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے کہ آفاقی اگر بستان بنی عامر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے بغیر احرام مکہ کے اندر جانا درست ہے'' (فتح القدیر ۳/۱۴-۱۵)۔

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مشائخ حنفیہ نے ان اہل مکہ میں جو مکہ میں مقیم ہوں اور ان میں جو میقات سے باہر سفر پر گئے ہوں فرق کیا ہے، پہلی صورت میں قران اور تمتع کو منع کیا ہے، اور دوسری صورت میں اہل مکہ کو آفاقی کے حکم میں رکھا ہے، اور ان کے لئے تمتع اور قران کو جائز سمجھا ہے، ان حضرات نے ایک اجماعی مسئلہ کو اپنے قیاس کی بنیاد بنایا ہے، اسی لئے ابن ہمام کہتے ہیں: ''وأصل هذه الكلية الإجماع'' (فتح القدير ۳،۱۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکی کے لئے بھی تمتع اور قران کی گنجائش ہے، البتہ اگر مکی نے تمتع کیا تو اس پر دم تمتع واجب نہیں ہوگا، نووی رقمطراز ہیں:

''إن المكي لا يكره له التمتع والقران وإن تمتع لم يلزمه دم'' (شرح المهذب ۷،۱۶۹)۔

مکی کے لئے تمتع وقران مکروہ نہیں ہے، اور اگر تمتع کرے تو اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔

ابن سحنون نے امام مالک سے نقل کیا ہے: ''والذين لا دم عليهم إن قرنوا أو تمتعوا في أشهر الحج إنماهم أهل مكة و ذي طوى لاغيرهم'' (المدونة الكبرى ۱،۳۰۰)۔ (جن لوگوں پر اگر وہ قران کریں یا تمتع کریں، دم نہیں ہوتا وہ مکہ اور وادی ذی طوی کے رہنے والے ہیں دوسرے نہیں)۔ اور یہی نقطۂ نظر حنابلہ کا ہے (الروض المربع ۱۷۶/۱)۔

خیال ہوتا ہے کہ اہل مکہ میں سے جو لوگ حج کے مہینوں میں حدود میقات سے باہر کا سفر کرنے پر مجبور ہوں، ان کو سعادت حج کی محرومی سے بچانے کے لئے ائمہ ثلاثہ اور بعض مشائخ حنفیہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔

۴۔ اہل مکہ کی مشکلات کا حل

اگر حنفیہ کے مسلک کی تفصیل پیش نظر رکھی جائے تو اس مشکل کا حل آسان ہے، حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر کوئی مکی حج کے مہینوں میں حدود میقات کے باہر جا کر مکہ واپس آئے اور عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج کرے تو اس کا تمتع ہوگا ہی نہیں، کیوں کہ اہل مکہ کا مکہ آنا "المام صحیح" ہے، اور جب حج وعمرہ کے درمیان "المام صحیح" کی نوبت آجائے تو پھر وہ متمتع باقی نہیں رہتا، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "لو أحرم مکي بعمرة أو بهما و طاف للعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه لا يكون متمتعا ولا قارنا" (فتح القدیر ۲۰۱۱، فتاوی ہندیہ ۱،۲۳۹)۔

(اگر کوئی مکی عمرہ کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھے اور اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر اسی سال حج کرے تو وہ متمتع اور قارن نہیں ہوگا)۔

اسی لئے قاضی ابوزید دبوسی نے لکھا ہے کہ مکی کے لئے تمتع ناقابل تصور ہے، اس لئے جہاں کہیں مکی کے لئے تمتع کی نفی کی گئی ہے، وہاں صرف یہ مراد ہے کہ اس پر دم تمتع واجب نہ ہوگا (رد المحتار ۲/۱۹۸)، حنفیہ کے یہاں یہی قول راجح ہے، گو بعض مشائخ حنفیہ کا خیال ہے کہ تمتع کے درست ہونے کے لئے "المام کا نہ ہونا" شرط نہیں ہے، ان حضرات کی رائے پر مکی کا حج تمتع ہوجائے گا، لیکن وہ گنہگار ہوگا اور اس پر دم جنایت واجب ہوگا، جن حضرات نے اہل مکہ کے تمتع پر دم واجب قرار دیا ہے وہ اسی قول پر مبنی ہے۔

۵۔ حاجی متمتع کے لئے حج سے پہلے مزید عمرے

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد مکہ آیا اور عمرہ کرلیا تو یہ عمرہ حج تمتع کے لئے کافی ہے، اگر اس کے بعد حج سے پہلے مزید نفل عمرہ کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، غالباً حدیث سے کہیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اگر آفاقی دوبارہ حل سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس کا حج تمتع نہیں ہوسکے گا۔ جہاں تک فقہاء کی صراحتیں ہیں، تو دوسرے دبستان فقہ میں تو اس کے جواز کی صراحت موجود ہے، امام نووی فرماتے ہیں:

"ثم المعتمر إن كان متمتعا أقام بمكة حلالا يفعل ما أراد من الجماع وغيره ما كان عليه حراما بالإحرام، فإذا أراد أن يعتمر تطوعا كان له ذلك ويستحب الإكثار من الاعتمار" (كتاب الايضاح في مناسك الحج و العمرة ۳۶۳)۔ (پھر عمرہ کرنے والا اگر متمتع ہے تو مکہ کے اندر حلال ہوکر رہے اور جو چاہے (جماع وغیرہ) کرے یعنی وہ کام جو اس پر احرام کی وجہ سے حرام تھے، اگر وہ نفل عمرہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور مستحب ہے کہ کثرت سے عمرہ کرے)۔

حنفیہ کی بعض عبارتوں سے یہ خیال ہوتا ہے کہ آفاقی کو دوبارہ عمرہ نہیں کرنا چاہئے، جیسے علامہ شامی کی یہ عبارت:

"والحيلة لمن دخل مكة محرما بعمرة قبل أشهر الحج يريد التمتع أن لا يطوف بل يصير إلى أن تدخل أشهر الحج ثم يطوف فإنه متى طاف وقع عن العمرة ثم لو أحرم بأخرى بعد دخول أشهر الحج و حج من عامه لم يكن متمتعا في قول الكل لأنه صار في حكم المكي بدليل أن ميقاته ميقاتهم" (رد المحتار مع الدر ۲،۲۱۱)۔

(اور جو شخص مکہ کے اندر اشہر حج سے قبل عمرہ کے احرام کے ساتھ داخل ہو اور وہ تمتع کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ طواف نہ کرے بلکہ صبر کرے رکا رہے حتی کہ اشہر حج آجائیں پھر طواف کرے، اس لئے کہ جب طواف کرلے گا تو عمرہ ہوجائے گا پھر اگر دوسرے عمرہ کا احرام باندھے (اشہر حج کے آنے کے بعد) اور اسی سال حج کرے تو سب کے نزدیک وہ متمتع نہیں ہوگا، اس لئے کہ اب وہ مکی ہوگیا کیونکہ اس کی میقات ان کی میقات ہے)۔

لیکن اس عبارت کا تعلق حج تمتع کرنے والے کے عمرہ کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہے بلکہ اس بات سے ہے کہ جو شخص حج کے مہینوں سے پہلے مکہ آگیا ہو اس کے لئے حج تمتع کرنے کی کیا صورت ہے؟ کیوں کہ حج تمتع میں ضروری ہے کہ عمرہ اشہر حج میں ہو، اور اس صورت میں حاجی اشہر حج سے پہلے ہی مکہ پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک اور مقام پر علامہ شامی رقمطراز ہیں:

"پانچ دنوں پر، لباب وغیرہ کی تصریح کے مطابق، یہ اضافہ کیا جائے کہ اشہر حج میں عمرہ مکروہ ہے اہل مکہ کے لئے نیز ان لوگوں کے لئے جو ان کے حکم میں ہیں یعنی مکہ کے مستقل مقیم اور میقات کے اندر رہنے والے، اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج اس سال کریں گے تو متمتع ہوجائیں گے جبکہ تمتع سے ان کو روکا گیا ہے" (رد المحتار مع الدر ۲/۱۶۵)۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ جن حضرات نے اشہر حج میں پہلے سے عمرہ نہ کیا ہو اور مکہ میں مقیم ہوں ان کو اب عمرہ نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ وہ اہل مکہ کے حکم میں ہیں، اور اہل مکہ کے لئے تمتع مناسب نہیں، غرض عمرہ سے روکنا مقصود نہیں، بلکہ جو لوگ پہلے سے مکہ میں مقیم ہوں ان کو تمتع سے روکنا مقصود ہے، اسی لئے شامی نے لکھا ہے: ''وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة'' (رد المحتار مع الدر ۲،۱۶۵)۔ آفاقی چونکہ پہلے ہی حج تمتع کے لئے عمرہ کرچکا ہے اس لئے مزید نفل عمرے اس کے لئے جائز ہوں گے، کیوں کہ وہ ان عمروں کی وجہ سے متمتع حاجی نہیں ہوگا، بلکہ پہلے سے حاجی متمتع ہے، واللہ اعلم۔

۶۔ رمی میں نیابت

(الف) حج ایک ایسی عبادت ہے کہ شریعت نے عجز و مجبوری کے وقت پوری عبادت ہی میں نیابت کی گنجائش رکھی ہے، رمی، اس عبادت کا ایک حصہ ہے، اسی لئے عذر اور عجز کی بناء پر رمی میں نیابت بدرجہ اولیٰ درست ہوگی، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۴۱۸، المدونۃ الکبریٰ ۱/ ۳۲۶، شرح مہذب ۸/ ۲۴۵، المغنی ۳/ ۲۵۶)۔

ب۔ نیابت صرف مریض اور معذور ہی کے لئے درست ہے، امام محمد فرماتے ہیں: ''والمريض الذي لا يستطيع رمي الجمار يوضع الحصى في كفه حتى يرمي به وإن رمى عنه أجزأه'' (کتاب الاصل ۲،۴۲۹)۔

(اور جو بیمار خود رمی نہ کرسکتا ہو وہ اپنی ہتھیلی میں کنکری کو رکھے اور پھر پھینکے اور اگر کوئی دوسرا اس کی طرف سے کرے تو کافی ہے)۔

یہ عذر کس درجہ کا ہو؟ اس کی صراحت نہیں، کاسانی نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ایسا مریض ہو جو رمی کرنے پر قادر نہ ہو ''كالمريض الذي لا يستطيع الرمي'' (بدائع الصنائع ۲،۱۳۷، المبسوط للسرخسی ۴،۶۹) اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اس عذر کی تعیین و تحدید دشوار ہے، کیوں کہ مختلف لوگوں میں مشقتیں برداشت کرنے اور تکلیف کو انگیز کرنے کی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے، نیز موسموں کے فرق سے بھی اس صلاحیت میں فرق واقع ہوتا ہے۔

بعض فقہاء نے تحدید کی کوشش کی ہے، خاص کر مالکیہ نے، امام مالک کی صراحت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کنکری پھینکنے پر قادر نہ ہو، یا قادر ہو لیکن وہاں تک چل کر نہ جاسکتا ہو، اور سواری میسر نہ ہو، یا سواری بھی میسر ہو لیکن سواری پر بھی بیٹھنے کی قدرت نہ ہو (المدونۃ الکبریٰ ۱/ ۳۲۶)، میرے خیال میں مالکیہ نے عذر کی حد بندی کی ہے، اس میں انضباط پایا جاتا ہے مگر دشواری یہ ہے کہ امام مالک کے یہاں اس صورت میں اس کی طرف سے نیابۃً رمی تو ادا ہوجائے گی لیکن دم دینا ہوگا۔

''قال مالك وعليه الهدى لأنه لم يرم وإنما رمى عنه'' (المدونة الكبرى ۱،۳۲۶)۔

شوافع نے نیابت کے لئے شرط لگائی ہے کہ مایوس کن مرض ہو، اگر ایام رمی ہی میں صحت یاب ہوجانے کی امید ہو تو پھر نیابت کی گنجائش نہیں (شرح المہذب ۸/ ۲۴۳)، پھر شوافع کے یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ حلال شخص کو یا ایسے شخص کو نائب بنائے جو اپنی رمی کرچکا ہو، اور اگر اپنی رمی نہ کیا ہو تو پہلے اپنی رمی کرے پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے رمی کرنی چاہئے (شرح المہذب ۸/ ۲۴۵)۔

فقہاء حنابلہ کے یہاں اس مسئلہ میں کسی قدر وسعت معلوم ہوتی ہے، ابن قدامہ نے بیماری، قید اور دوسرے اعذار کی بناء پر رمی کی اجازت دی ہے۔

''إذا كان الرجل مريضا أو محبوسا أو له عذر جاز أن يستنيب من يرمي عنه'' (المغنی ۳،۲۵۶)۔

محض ازدحام کی وجہ سے رمی میں نیابت درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے رمی کے اوقات میں جو وسعت رکھی ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے رمی کے لئے صحیح وقت کا انتخاب کیا جائے تو ازدحام سے بچا جاسکتا ہے، اور تجربہ ہے کہ وقت کے صحیح انتخاب کے ذریعے ضعیف اور بوڑھے لوگوں کو بھی رمی کرائی جاسکتی ہے، بنیادی طور پر تین صورتیں ہیں کہ جن میں رمی میں نیابت کی گنجائش ہے۔

اول: یہ کہ کنکری پھینکنے کی بھی قوت نہ ہو۔ دوم: کنکری پھینک سکتا ہو لیکن بیس پچیس قدم بھی پیدل چلنا دشوار ہو، کیوں کہ آج کل جمرات کے حصہ میں پیدل چلے بغیر چارہ نہیں، اور وہ بھی خاصے فاصلہ تک پیدل چلنا پڑتا ہے۔

سوم: اپنے خیمے سے جمرات تک کا طویل فاصلہ پیدل طے کرنا دشوار ہو اور سواری دستیاب نہ ہو، گو تھوڑا بہت پیدل چلنے پر قادر ہو۔

بہر حال ضرورت اس بات کی ہے کہ حجاج کو تساہل اور تن آسانی سے بچنے کی تلقین کی جائے اور رمی کے اوقات کے سلسلے میں شریعت میں جو گنجائش اور

آسانیاں ہیں ان سے واقف کرایا جائے۔

۷۔ جن کو حج سے روک دیا جائے؟

حجاج کی تعداد کو محدود کرنے کے لئے ان لوگوں کو ہر سال حج سے روکنا اور قانونی اجازت کا مکلف بنانا، جو پہلے حج کر چکے ہیں، جائز ہے اور ایک انتظامی مسئلہ ہے، شریعت نے جو اہل مکہ کو تمتع اور قران سے منع کیا ہے، اس کے پیچھے شاید یہ مصلحت بھی کارفرما ہے کہ اس طرح باہر سے آنے والے حجاج کو عبادات کے زیادہ مواقع مل سکیں گے، اور سہولت بہم پہنچے گی۔

ایسا شخص محصر کے حکم میں ہے، ابن ہمام نے صراحت کی ہے کہ جس شخص کو سلطان روک دے وہ بھی محصر ہے: ''السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر'' (فتح القدير ۲:۱۲۵)، فقہاء شوافع میں امام نووی نے بھی سلطان کی طرف سے رکاوٹ کو احصار قرار دیا ہے (شرح المہذب ۳۰۵/۸)، بلکہ امام شافعیؒ نے بنفس نفیس اس بابت گفتگو فرمائی ہے (کتاب الام ۱۶۳/۳)۔

دوسرے فقہاء کے قول پر بھی وہ محصر ہی ہوگا، اس لئے کہ مرض کے مانع سفر ہونے کی صورت میں احصار کا حکم جاری ہوگا یا نہیں؟ اس میں گو اختلاف ہے، لیکن اگر کوئی شخص سفر میں رکاوٹ بن گیا ہو تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس کے لئے احصار کا حکم ہوگا۔

حنفیہ کے یہاں احصار کا حکم یہ ہے کہ اس کی جانب سے حرم میں قربانی ہو جائے قربانی کے بعد ہی وہ حلال ہو سکے گا، قربانی یوم النحر سے پہلے بھی ہو سکتی ہے، صاحبین کے نزدیک قربانی، یوم النحر کو کی جائے گی (فتح القدیر ۱۲۹/۲) اور آج کل سعودی حکومت کی طرف سے یہ سہولت بھی فراہم کی جاتی ہے کہ جن لوگوں کو روک دیا جاتا ہے ان سے قربانی کے پیسے لے لئے جاتے ہیں اور ان کی طرف سے قربانی کا نظم کر دیا جاتا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک جہاں سفر سے روکا گیا ہے وہیں قربانی کرلے، نہ قربانی کے لئے کسی وقت کی قید ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ حرم میں قربانی ہو (دیکھئے: شرح المہذب ۳۰۲/۸)۔

ایسے لوگوں کے لئے جو روک دیئے جانے کے خطرہ سے دوچار ہوں، بہتر صورت یہ ہے کہ احرام کا کپڑا پہننے کے بعد جب تک اس چوکی سے نہ گذر جائیں جہاں پولیس متعین ہوتی ہے اور خلاف قانون سفر کرنے والوں کو واپس کرتی ہے اس وقت تک تلبیہ پڑھنے سے اجتناب کریں، کیوں کہ جب تک تلبیہ نہ پڑھے، احرام شروع نہیں ہوتا، اگر واپس کر دیا جائے تو واپس ہو جائے، صاحب ہدایہ کا بیان ہے:

''ولا يُعد شارعا في الإحرام بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية'' (ہدایہ مع الفتح ۲:۴۳۷)۔

(اور جب تک کہ تلبیہ نہ کہے تو محض نیت کی وجہ سے احرام کو شروع کرنے والا نہیں کہا جائے گا)۔

۸۔ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب

دس ذی الحجہ سے متعلق چار افعال ہیں: رمی، قربانی، بال منڈانا اور طواف زیارت۔ طواف زیارت کو چھوڑ کر ان تینوں افعال کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے، اور اگر اس میں تقدیم وتاخیر ہوگئی تو دم جنایت بھی واجب ہوگا (بدائع الصنائع ۱۳۳/۲، المبسوط ۶۵/۴)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان تینوں افعال میں ترتیب کی رعایت مسنون ہے نہ کہ واجب، اور اسی بنیاد پر اگر ترتیب کی رعایت نہ کی گئی ہو تو دم واجب نہیں (المدونہ ۳۲۳/۱، تحفۃ المحتاج ۱۲۲/۴، الاقناع ۳۹۱/۱)، البتہ امام مالک نے رمی سے پہلے بال منڈانے والے پر فدیہ واجب قرار دیا ہے، اور حنابلہ نے جانتے بوجھتے ترتیب کی خلاف ورزی کو باعث کراہت کہا ہے (الاقناع ۳۹۱/۱)۔

فقہاء حنفیہ میں بھی صاحبین کے نزدیک ترتیب سنت ہی ہے واجب نہیں، اگر ان افعال میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کچھ واجب نہیں ہوتا (رد المحتار ۲۵۰/۲، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۱۴۱/۲)۔

صاحبین کے نزدیک تاخیر نہ کرنا سنت ہے، لہذا اگر بال مونڈنے کے بعد قربانی کردی تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

جمہور اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں حجۃ الوداع کے واقعہ کا بیان ہے کہ مختلف حضرات سے دسویں تاریخ کے افعال حج میں ترتیب کی رعایت نہ ہو سکی اور انہوں نے آپ سے اس بابت دریافت کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کوئی حرج نہیں "افعل ولا حرج"، یہ حدیث سند کے اعتبار

سے قوی ہے، اور بظاہر اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ترتیب کی خلاف ورزی کی وجہ سے حکم دنیا کے اعتبار سے بھی کوئی حرج نہیں یعنی دم واجب نہیں، اور حکم اخروی کے اعتبار سے بھی حرج نہیں یعنی گناہ نہیں، جمہور نے یہی معنی مراد لیا ہے، حنفیہ کا خیال ہے کہ اس میں صرف گناہ کی نفی کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کے افعال میں ترتیب کی رعایت قربانی گاہ کے فاصلہ کی وجہ سے بھی اور حجاج کی اکثریت کے مسائل حج سے ناواقفیت کے باعث بھی دشوار ہوتی ہے، اور جمہور کی رائے اس مشقت سے بچنے اور بچانے میں معاون ہے، اور یہ رائے بھی ایک قوی دلیل پر مبنی ہے، نیز صاحبین بھی اس رائے کے موافق ہیں اور صاحبین کا قول بھی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا ایک قول ہوتا ہے، بلکہ جہاں صاحبین کی رائے ایک طرف اور امام صاحب کی رائے ایک طرف ہے وہاں بعض اہل علم کے نزدیک دونوں قول میں سے ایک پر فتوی دینے کی گنجائش ہوتی ہے، اس لئے فی زمانہ صاحبین کی رائے پر فتوی دینا اور اس پر عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع

عام طور پر فقہاء حنفیہ کے یہاں یہ بات معروف ومتداول ہے کہ حج بدل میں تمتع کی گنجائش نہیں، لیکن فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں بھی تمتع کی گنجائش ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی کا بیان ہے:

''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن''
(الدر المختار على هامش الرد ۲،۲۴۷، نیز دیکھئے: تاتارخانیہ ۲،۵۴۸)۔

اور قران وتمتع وجنایت کا دم حج کرنے والے پر ہوتا ہے، اگر حج کرانے والے نے تمتع وقران کی اجازت دی ہو ورنہ تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا اور اس کی وجہ سے اس کو ضمان دینا پڑے گا۔

الف۔ پس معلوم ہوا کہ اگر آمر کی اجازت سے حج تمتع کیا جائے تو ایسا کرنا درست ہے۔

ب، ج۔ علامہ سرخسی کے بقول آمر کی طرف سے اگر قران کے لئے صراحتاً اجازت حاصل نہ ہو، جب بھی قران کی صورت میں حج بدل کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ کبھی دلالۃً بھی اجازت ہوتی ہے: ''إذ يثبت الإذن دلالةً'' (المبسوط ۴،۱۵۵، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۳،۱۵۳)، اس سے معلوم ہوا کہ اجازت حج میں صراحتاً ضروری نہیں، صاحبین کی رائے پر دلالۃً بھی اجازت کافی ہے۔ ہمارے فقہاء کے زمانہ میں حج کی تینوں صورتیں: إفراد، قران اور تمتع بکثرت مروج تھیں، آمدورفت کا نظام بھی اپنے قابو کا تھا، اور مشقت برداشت کرنے کا مزاج بھی زیادہ تھا اور اس کی صلاحیت بھی، ہمارے زمانہ میں حج تمتع عام ہے، اور عام طور پر جب کوئی شخص حج کے لئے جاتا ہے تو ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ حج تمتع کا قصد ہوگا، آفاقی حضرات میں دس فیصد شاید ہی إفراد یا قران کرتے ہوں، اس لئے مطلق حج کی جازت دلالۃً تمتع کی اجازت متصور ہوگی، اور حج بدل کرنے والوں کے لئے تمتع کر لینا درست ہوگا۔

د۔ تمتع اجازت سے کیا ہو یا بلا اجازت، دم تمتع مامور کے ذمہ ہوگا، کیوں کہ آمر پر عمرہ واجب نہیں ہے، اس لئے اس کا حقیقی ثواب حج بدل کرنے والے کو حاصل ہوگا (الدر المختار علی الرد ۲/۲۴۷)۔

ھ، و۔ موجودہ زمانے میں چونکہ حجاج کی آمدورفت اس کی مرضی سے متعلق نہیں ہے اور طویل عرصہ تک حالت احرام میں رہنا باعث مشقت ہے اس لئے میت کی طرف سے بھی حج تمتع کیا جا سکتا ہے، فقہاء نے میت کی طرف سے تمتع کو اس لئے نادرست قرار دیا ہے کہ متوفی نے اس کا حکم نہیں دیا تھا: ''لأنه لم يأمره بذلك'' (المبسوط ۴،۱۵۵)، فقہاء کی اس تعلیل وتوجیہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر خود متوفی نے حج تمتع کی اجازت دی، ہو تو پھر اس کی جانب سے حج بدل میں تمتع درست ہوگا۔

اور اگر متوفی نے مطلق حج کی وصیت کی تھی تب بھی یہ دلالۃً اس کی طرف سے تمتع کی اجازت متصور ہوگی، غور کیا جائے کہ حج مطلق ہے، اور اس میں إفراد، تمتع اور قران تینوں صورتیں شامل ہیں، تو جب مطلق لفظ بولا جائے تو اس کی دلالت اپنے تمام إفراد پر ہوگی یا نہیں ہوگی؟ ہاں اگر متوفی نے یہ کہا ہوتا کہ میقات ہی سے حج کا احرام باندھنے کی وصیت کرتا ہوں تو ضرور ہے کہ افراد ہوتا اور تمتع اور قران کی صورتوں کو شامل نہیں ہوتا۔

۱۰۔ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت

الف۔ ایسی عورت کے لئے مجبوری کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں طواف کر لینے کی گنجائش ہے، کیوں کہ دوبارہ اس کا وطن سے واپس آ کر طواف کرنا دشوار ہے، اور جب تک طواف نہ کرے وہ اپنے شوہر کے لئے حرام ہے، اور فقہاء حنفیہ کے یہاں ناپاکی کی حالت میں طواف کیا جائے تب بھی طواف ہو جاتا ہے (تاتار خانیہ ۲/۵۱۶۔۵۱۷)۔

ب، ج۔ البتہ دم واجب ہوگا اور دم میں بدنہ واجب ہوگا (تاتارخانیہ ۲/۵۱۶، ۵۱۷)۔

د۔ نیز دم حرم میں ادا کرنا ہوگا (حوالہ سابق)۔

احناف کے علاوہ امام احمد سے بھی ایک قول اسی طرح کا منقول ہے، اور فقہاء شوافع نے بھی شافعی خواتین کو ابتلاء کی صورت میں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے (فتح العلوم ۴/۴۱۹)۔

۱۱۔ سفر حج میں شوہر کا انتقال

عدت کی حالت عبادت اور افعال حج میں مانع نہیں ہے بلکہ سفر کے لئے مانع ہے، اسی پس منظر میں فقہاء حنفیہ نے ایسی عورت کے لئے درج ذیل احکام دیئے ہیں:

الف۔ اگر اس کا گھر مسافت سفر سے کم دوری پر ہو تو گھر لوٹ آئے۔

ب۔ اگر مکہ مسافت سفر سے کم دوری پر ہو تو سفر حج جاری رکھے۔

ج۔ اگر دونوں ہی طرف مسافت سفر کا فاصلہ ہو اور شہر میں وارد پذیر ہو یعنی ایسی جگہ اس کی عدت شروع ہوگئی جہاں اس کا ٹھہرنا اور قیام کرنا ممکن ہو اور محرم ساتھ نہ ہو تو وہیں عدت گذار لے، اور سلسلہ سفر منقطع کر دے۔

د۔ اگر محرم ساتھ ہو، تو صاحبین کے نزدیک محرم کے ساتھ سفر حج جاری رکھے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سلسلہ سفر ختم کر دے (تاتارخانیہ ۲/۴۳۵، فتح القدیر ۲/۴۱۹)۔

موجودہ زمانہ میں اپنے ملک کی حدوں سے نکلنے کے بعد، مکہ سے پہلے قانونی مشکلات کی وجہ سے نہ قیام ممکن ہوتا ہے اور نہ سفر سے واپسی آسان ہوتی ہے، پھر قافلہ حج میں بڑی تعداد میں خواتین ہوتی ہیں، ان کے ساتھ کسی خاتون کے رہنے میں فتنہ کے مواقع کم ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر ہندوستان سے نکلنے کے بعد شوہر کی وفات ہوگئی تو سفر حج مکمل کر لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، اور امام شافعی کی اس رائے کو اختیار کرنا چاہئے کہ اگر رفقاء سفر میں کچھ ثقہ خواتین بھی موجود ہوں تو عورت محرم کے بغیر بھی ان کے ساتھ سفر حج کر سکتی ہے۔

"یجوز لها الحج إذا خرجت فی رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة" (هدایه مع الفتح ۲،۲۲۰)۔

۱۲۔ حاجی مقیم ہے یا مسافر؟

اس حقیر کا خیال یہ ہے کہ دو شہروں کا اتصال ان کو "ایک شہر" نہیں بناتا، بلکہ وہ دو الگ الگ شہروں ہی کے حکم میں ہے، شہر کی تحدید بنیادی طور پر عرف پر موقوف ہے، اور اس زمانہ کا عرف یہ ہے کہ بلدیہ شہر کے جو حدود متعین کرتی ہے اس کو شہر کی حد سمجھا جاتا ہے، تو جب تک بلدیہ مکہ اور منیٰ کو دو علیحدہ شہر تصور کرے ان کا حکم دو شہروں کا ہوگا۔ فقہاء کی ان جزئیات سے غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے جن میں شہر سے متصل دیہات کو شہر کے حکم میں رکھا گیا ہے، کیوں کہ دیہات کی حیثیت شہر کے تابع کی ہے، اور دو شہروں کی حیثیت مستقل شہر کی ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص ۸ رذی الحجہ سے پندرہ دنوں قبل مکہ نہیں پہنچے تو وہ مسافر ہی شمار ہوگا اور قصر کرے گا، علامہ شامی نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

"إنه إذا نوى الإقامة بمكة شهراً ومن نيته أن يخرج إلى عرفات ومنى قبل أن يمكث بمكة خمسة عشر يوما لايصير مقيما لأنه لا يكون ناويا لإقامة مستقلة فلا تعتبر" (منحة الخالق على البحر ۲،۱۴۲)۔

(جب مکہ کے اندر ایک ماہ قیام کا ارادہ کرے اور اس کی نیت یہ ہے کہ عرفات ومنی کے لئے مکہ میں پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی جانا ہے تو مقیم نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ مستقل اقامت کی نیت نہیں کر رہا ہے لہذا نیت معتبر نہ ہوگی)۔

۱۳۔ مخالف مذہب امام کی اقتداء

فقہاء کا اختلاف دراصل مسائل کے مجتہد فیہ ہونے کی علامت ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اختلاف صواب وخطا کا ہے نہ کہ حق وضلال کا، اس لئے ایسے مسائل میں توسع اختیار کرنا چاہئے، فقہاء حنفیہ میں ابوبکر جصاص رازی بڑے پایہ کے فقیہ ہیں، امام کرخی کے شاگرد ہیں، اور دو واسطوں سے امام محمد کے تلامذہ میں ہیں، ابوبکر جصاص رازی نے اس کی اجازت دی ہے کہ حنفی ایسے شافعی امام کے پیچھے نماز وتر پڑھ سکتا ہے جو فصل کے ساتھ نماز ادا کرتا ہو، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''وتر میں دو رکعات پر سلام پھیرنے والے کی اقتداء اگر حنفی کرے تو جائز ہے، اور بقیہ کو اس کے ساتھ پورا کرے، اس لئے کہ اس کا امام سلام کی وجہ سے نماز سے باہر نہیں نکلتا کیونکہ یہ ایک مجتہد فیہ معاملہ ہے'' (فتح القدیر ۱/ ۴۳۷، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۳۹)۔

علامہ ابن ہمام نے اپنے شیخ سراج الدین کا بھی یہ نقطہ نظر نقل کیا ہے، اور خود ابن ہمام کا جھکاؤ بھی اسی طرف محسوس ہوتا ہے (حوالہ سابق) اس پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ امام ہی کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے، ''الإمام ضامن''۔ گویا امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی کافی ہو جائے گی، حنفیہ نے اس اصول کو اقتداء کے اکثر مسائل میں برتنے کی کوشش کی ہے، تو جب دیگر مسائل میں امام کی نماز کو اصل مانا گیا ہے تو اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند نئے مسائل

مولانا سید محمد عبید اللہ الاسعدی[1]

ا۔ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے حرم میں داخل ہونے والے کا حکم

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت سے جو شخص حرم کے حدود میں داخل ہوگا بلکہ میقات کے حدود میں، تو اس کو احرام باندھ کر داخل ہونا چاہئے۔

لیکن جو لوگ کسی دوسری نیت سے حرم ومکہ کا قصد کرتے ہیں خواہ تجارت ہو یا زیارت وعبادت یا ملازمت وغیرہ تو ان کے حق میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس میں وسعت ہے، اگرچہ کچھ تفصیل کے ساتھ ہو جیسا کہ الفقہ الاسلامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر حنفیہ کے یہاں اس صورت میں بھی احرام کی پابندی ہے، اس کے بغیر حرم میں داخلہ منع ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات وآثار میں اس کا حکم اطلاقاً بغیر کسی قید وتفصیل کے آیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس سے اس کو مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح روایت کیا گیا ہے، مرفوع روایت مصنف ابن ابی شیبہ وطبرانی کی ہے، اور موقوف بھی مصنف نیز امام شافعی وغیرہ کی ہے۔ مرفوع کے لئے حافظ نے کہا ہے "اسنادہ جید" اور موقوف کے لئے "اسنادہ صحیح" (ملاحظہ ہو: نصب الرایہ ۳/۱۵، اعلاء السنن ۱۰/۱۷۔۱۸، فتح القدیر ۲/۳۳۵)۔

بقیہ سب فعلی روایات ہیں جو ظاہر ہے کہ محتمل ہیں، اسی لئے ابن ہمام نے کہا ہے: "هذه المنطوقات أولى من المفهوم المخالف في قوله "ممن أراد الحج والعمرة" إن ثبت أنه من كلامه عليه السلام دون كلام الراوي" (فتح القدير ۲،۳۳۵)۔

(یہ ارشادات ممن أراد الحج والعمرة کے مفہوم مخالف سے اولی ہیں جبکہ اس کا قول رسول ہونا قطعی نہیں بلکہ امکان ہے کہ راوی کا قول ہو)۔

واقعہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات کے پاس وسعت کی بابت کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ اور مسئلہ نہی اور محرم ومبیح، نیز قول وفعل کے تعارض کا ہے۔ محرم اور قول کو بمقابلہ مبیح وفعل ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ بار بار اور بکثرت آنے جانے والوں کے لئے رخصت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اب حرم کی آمد ورفت بہت بڑھ گئی ہے، حرم والے اپنی ضرورتوں سے بار بار باہر جا کر واپس آتے ہیں اور باہر والے بھی آتے ہیں، کوئی ڈرائیور ہے، کوئی ملازم ہے، کوئی تاجر ہے اور روزانہ صبح وشام ان کی آمد ورفت بلکہ دن میں بار بار ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار احرام وعمرہ یقیناً دقت طلب ہے، تو ان کے لئے رخصت وگنجائش کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

اس مسئلہ میں سب سے زیادہ تنگی فقہ حنفی میں ہے، اور فقہ حنفی کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے کسی طرح کی گنجائش نہیں، چنانچہ ارباب افتاء اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

لیکن اس فتویٰ وحکم کے مبنی بر زحمت وحرج ہونے سے، بالخصوص روز آنے والوں اور بار بار آنے والوں کے لئے انکار نہیں کیا جاسکتا، غور کرنے سے دو جہتیں رخصت کی سمجھ میں آتی ہیں:

ایک تو یہ کہ حدود میقات وحل کے باشندوں کی آمد ورفت اور وسعت کی جو بنیاد فقہاء حنفیہ نے ذکر کی ہے وہ ان لوگوں کے حق میں پورے طور پر بلکہ ماضی سے زیادہ متحقق ہے کہ پہلے حدود میقات وحل کے لوگ بھی اس کثرت سے، کہ روز آئیں اور دن میں بار بار آئیں، نہ آتے ہوں گے، اور آج وسائل کی کثرت وترقی

[1] شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورہ، باندہ یوپی۔

نے دور کے لوگوں کی آمد ورفت بڑھا دی ہے، تو اشتراک ملت کی وجہ سے ایسے لوگوں کے لئے بھی رخصت ہونی چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

''من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بيّن فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج'' (هدايه مع الفتح ۲/۳۲۵)۔

(جو آدمی میقات کے اندر رہتا ہو اس کو اجازت ہے کہ مکہ میں بغیر احرام داخل ہو اپنی ضرورت کے لئے، اس لئے کہ اس کا مکہ میں داخلہ کثرت سے ہوتا ہے تو ہر مرتبہ احرام کا مکلف بنانے میں کھلا ہوا حرج (مشقت) ہے، لہذا اس کا حکم اہل مکہ کی طرح ہوگا کہ ان کے لئے مکہ سے نکلنا اور پھر بغیر احرام واپس ہونا ان کی ضرورتوں کی وجہ سے درست ہے، لیکن اگر حج یا عمرہ کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ہوگا کہ یہ کبھی کبھی ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج و پریشانی نہیں)۔

اور اس گنجائش کا مبنیٰ وہ رخصت ہے جو لکڑیاں جمع کرنے والوں کے حق میں مروی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''لا يدخل أحد مكة إلا محرما ورخص للحطابين'' (رواه ابن ابی شیبه، نصب الرایه ۳/۱۵، الفقه الاسلامی ۳/۲۰، عنایه ۲/۳۲۵)۔

دوسری جہت یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس مسئلہ میں جو وسعت اور اجازت ورخصت ہے عموم کے ساتھ، اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور مذہب غیر پر عمل وافتاء کی بنیاد پر اس کو گوارہ کیا جائے، اور یہ اس وجہ سے کہ عموم بلوی وعام ابتلاء کی وجہ سے ہی ایسی چیزوں کو بنیاد بنا کر رخصت دی جاتی ہے، اور آج اس مسئلہ میں (ابتلاء عام) اور پابند بنانے میں حرج ومشقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

فقہاء اور علماء محققین نے ایسے مسائل اور عبادات کے باب میں بھی ابتلاء کا اعتبار کرتے ہوئے قول ضعیف یا قول غیر پر فتویٰ دیا ہے۔

مثلاً علماء دیوبند میں مولانا ظفر احمدؒ نے حج کے مسائل میں ایک مسئلہ کے اندر حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ کو ذکر کیا ہے اور دوسرے میں شافعیہ کا قول ذکر کیا ہے، اور بنیاد ابتلاء عام کو بتایا ہے، اور یہ فتاویٰ انھوں نے تھانہ بھون میں حضرت تھانوی کی حیات میں لکھے ہیں۔

صاحبین کے قول پر فتویٰ قول مرجوح وضعیف پر عمل کے باب سے اس لئے ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں فتاویٰ امام صاحب کے قول پر ہے، اور وہ مسئلہ ہے آفاقی کا تمتع کے عمرہ سے حلال ہونے کے بعد مدینہ طیبہ وغیرہ چلا جانا جو اس کا وطن نہیں ہے، امام صاحب کے نزدیک اس سفر سے تمتع باطل نہیں ہوتا، اور امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے، اور کثرت سے لوگ بعد عمرہ تمتع مدینہ طیبہ جایا کرتے ہیں، تو امام صاحب کے قول پر واپسی میں عمرہ قباحت رکھتا ہے اس لئے کہ یہ مکی کے لئے اشہر حج میں حج کے ساتھ عمرہ، اور تمتع کا مسئلہ بنتا ہے، لیکن صاحبین کے قول پر نہیں کہ سفر سے سابق عمرہ کا تعلق حج سے ختم ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں: جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے (امداد الاحکام ۲/۱۸۲) اور حج بدل میں تمتع کی بابت شافعیہ کے قول پر جواز کو ذکر کیا ہے (امداد الاحکام ۲/۱۸۶)۔

مولانا شیر محمد صاحب نے دم احصار کے سلسلہ میں امام شافعی کے قول کی بنیاد پر توسع کو ذکر کیا ہے (عمدہ وزبدہ) نیز اس مسئلہ کے بیان میں بھی خصوصیت سے ڈرائیوروں کا اور ان کے لئے گنجائش کے طور پر حیلہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ساتھ ہی شوافع کا مذہب بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک دم لازم نہیں ہوگا، بعض حضرات نے حیلہ کے قبیل کی بعض چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس سے کہیں بہتر امام شافعی وغیرہ کے قول کا اپنانا سمجھ میں آتا ہے جیسا کہ انھیں حضرات کے کلام میں اس کا اشارہ موجود ہے (عمدہ وزبدہ ص ۴۲۱)۔

۳۔ مکی کا قران وتمتع

مکی جس سے مراد وہ شخص ہے جس کا مکہ وطن ہے یا جو مکہ میں قبل از اشہر حج مقیم ہے خواہ قیام کی جتنی مدت ہو، اس کے لئے حنفیہ کے نزدیک قران وتمتع کو منع کیا گیا ہے۔

لیکن اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلسل مکہ میں قیام ہے حتی کہ حج کا زمانہ آ گیا تو اب قران نہیں کر سکتا اور اگر اشہر حج سے قبل سفر کر کے کہیں جائے اور واپسی میں ارادہ کر لے اور پھر قران کا احرام باندھے تو قران درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر مکی شخص عین ایام حج میں حج کا احرام باندھنے کے موقع پر قران کا ارادہ کرے تو اس کو قران کی اجازت نہیں ہے۔

اور تمتع کا معاملہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج دونوں کا احرام الگ الگ باندھا جاتا ہے، اور اگر قربانی کا جانور ساتھ میں موجود نہ ہو تو عمرہ کے بعد آدمی مکمل طور پر حلال ہو جاتا ہے کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں رہ جاتی، البتہ گھر و وطن کی واپسی منع ہوتی ہے۔ اگر گھر چلا گیا اور پھر آیا تو سابق عمرہ کا تعلق حج سے منقطع ہو جائے گا اور اب جو حج کرے گا وہ تمتع کا نہیں ہوگا۔ جو شخص مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہے، وہیں اس کے اہل وعیال رہتے ہیں، وہ اگر تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرے تو حلال ہونے کے بعد وہ اپنے گھر و وطن میں رہے گا، لہذا اس کا حج تمتع کا نہیں ہوگا بلکہ حج افراد ہوگا (شامی ۲/۵۳۹۔۵۴۱) اور ایک قول یہ ہے کہ ہو تو جائے گا لیکن غلط ہے اور مکروہ ہے، اسی لئے جبر ادم واجب ہوگا۔

اشہر حج میں مکی کا عمرہ..... مکی شخص اگر اشہر حج میں عمرہ کرنا چاہے تو صرف عمرہ بہرحال قول راجح میں مکروہ نہیں ہے (شامی ۲/۴۷۳، رحیمیہ ۵/۲۲۳، زبدہ/۲۵۵)۔

۴۔ اشہر حج میں سفر کرنے والے اہل مکہ کیا کریں؟

حنفیہ جو حرم کے داخلے میں خواہ کسی وجہ وجہت سے ہو احرام کا پابند بناتے ہیں، اور جن کے مذہب پر اشہر حج میں سفر کرنے والے حضرات کے لئے جبکہ وہ حج کا ارادہ رکھتے ہوں زحمت ہے کہ بغیر احرام حرم میں واپس نہیں آسکتے اس خیال سے کہ حج کرنا ہے تو عمرہ نہ کریں کہ تمتع کا ارتکاب لازم آئے گا اور مکی کے لئے تمتع منع ہے، اور احرام کے ساتھ آئیں اور عمرہ کریں تو مکی کے لئے تمتع کا محظور لازم آتا ہے۔

ان کے نزدیک یہ مسئلہ اس لئے اہم نہیں ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کر کے حلال ہونے والا اگر عمرہ اور حج کے درمیان اپنے گھر واہل وعیال میں پہنچ جائے تو اس کا تمتع نہیں ہوتا بلکہ حج افراد ہوتا ہے، لہذا مکی بصد شوق اپنی ضرورت سے اشہر حج میں مکہ و میقات سے باہر کا سفر کریں اور واپسی میں عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں اور عمرہ کریں، اس کے بعد حج کا ارادہ رکھتے ہوں تو حج کر لیں، کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ عمرہ کے بعد وہ حلال ہو کر اپنے گھر و وطن اور بچوں میں ہونگے جس کی وجہ سے تمتع (عند الحنفیہ) باطل ہو جاتا ہے اور برقرار نہیں رہ جاتا۔ (جیسا کہ فقہاء حنفیہ نے عموماً صراحت کی ہے) (شامی ۲/۵۳۹، فتح القدیر ۲/۴۲۸، ۴۳۱)۔

۵۔ تمتع کرنے والے آفاقی کے لئے تعدد عمرہ

تمتع کرنے والا آفاقی شخص تمتع کے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل حج مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بابت علماء حنفیہ کا اختلاف ہے، قدیم فقہاء کا بھی اور بعد کے حضرات کا بھی۔

صاحب فتح القدیر و ملا سندھیؒ وغیرہ ممانعت کے قائل ہیں، اور صاحب بحر و علامہ شامی اور ملا علی قاری وغیرہ اجازت دیتے ہیں۔

مفتی سعید صاحب نے معلم الحاج میں ملا علی قاری وغیرہ کے قول کو اختیار کیا ہے، اور حضرت گنگوہی و مولانا شیر محمد صاحب وغیرہ نے صاحب فتح کے قول کی تقویت کی ہے (شامی ۲/۵۳۷، ۵۴۰، مناسک القاری/۱۵۶، معلم الحاج/۲۱۴، عمدہ و زبدہ/۳۱۳۔۳۱۹)۔

اس اختلاف کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ عمرہ نہ کر کے طواف کی فضیلت حاصل کرے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے، باقی عمرہ کرے گا تو گنجائش ہے، بالخصوص جو حاجی تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرنے کے بعد مدینہ طیبہ جائے اور پھر واپس ہو تو اس کو عمرہ کا احرام باندھ کر ہی آنا چاہئے۔

اس اختلاف کا مبنیٰ ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ مکی کو اشہر حج میں عمرہ کی ممانعت مطلقاً ہے یا یہ کہ جب وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو تب ممانعت ہے، تاکہ اس کے لئے قران و تمتع کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

صاحب فتح القدیر وغیرہ اس کے لئے نفس عمرہ کو اور مطلقاً عمرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور آفاقی متمتع مکی کا حکم رکھتا ہے، لہذا ان کے نزدیک اس کے لئے بھی ممانعت ہے، اور شامی وغیرہ کا رجحان یہ ہے کہ مکی کے لئے عمرہ کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے، لہذا وہ گنجائش دیتے ہیں۔

۶۔ رمی میں نیابت

الف۔ عمل رمی میں نیابت کی اجازت ہے، مگر معاملہ یہ ہے کہ اس کا وقت بہت وسیع رکھا گیا ہے اور معذوروں کے لئے وسعت و رخصت بھی، لہذا نیابت کی اجازت توسعاً نہیں بلکہ مجبوراً دی جاتی ہے۔

ب۔ اسی لئے یہ اجازت و نیابت صرف مریض و معذور کے حق میں ہے اور اس کے معذور و مریض ہونے کی حد تک، اس لئے کسی صحتمند آدمی کی طرف سے یہ

نیابت درست نہیں ہے، اور اگر رمی کا جوز مانہ ہے اس میں نیابۃً رمی کے بعد وہ آدمی صحتمند و قادر ہو گیا تو خود اس کے لئے دوبارہ رمی کرنا ضروری نہیں ہے، اور بغیر کسی عذر معقول کے نیابۃً رمی کرنے وکرانے کی بنا پر جزا لازم ہوگی، اور ازدحام کو اس کے لئے عذر نہیں سمجھا گیا ہے (زبدہ رص ۱۸۴، معلم الحجاج ر ۱۸۱، احسن الفتاوی ۴ ر ۴۲۵)۔

غنیۃ میں آیا ہے: ''والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر'' (شرح غنیہ ۲۰۰) (مرد وعورت دونوں رمی میں برابر ہیں، مگر عورت کے لئے رات کو رمی افضل ہے، اور عورت کی طرف سے بغیر عذر نیابت جائز نہیں ہے)۔

''قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لا في جواز النيابة عنهم لعدم الضروة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية'' (غنیہ ص ۱۰۰)۔

(گزشتہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ فقہاء نے بھیڑ کے خوف کو عورتوں اور معذوروں وکمزوروں کے لئے عذر قرار دیا ہے کہ وہ رمی سورج کے نکلنے سے پہلے کر لیں یا رات تک مؤخر کر دیں، لیکن اس کو جواز نیابت کے حق میں عذر نہیں مانا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا اگر یہ لوگ خود رمی نہ کریں (محض) ازدحام کے خوف کی وجہ سے تو ان پر فدیہ لازم ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف ازدحام کی وجہ سے نیابت کی اجازت نہیں ہے، اس کا حل تو تاخیر کی رخصت ہے، اور نیابت کے حق میں معذور وہ شخص ہے جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنا ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (عمدہ وزبدہ رص ۱۸۶، معلم الحجاج رص ۱۸۱، ۱۸۲)۔

۷۔ حالت احرام میں سرکاری پابندی کی وجہ سے واپسی

سعودیہ میں رہنے والے جو حضرات بغیر اجازت عمرہ یا حج کا سفر کرتے ہیں اور حالت احرام میں وہ قانون کی زد میں آ کر واپس کر دئے جاتے ہیں، فقہ حنفی کی رو سے ان کو محصر قرار دیا جا سکتا ہے اور ان کے لئے احصار کے احکام ہوں گے، اس لئے کہ فقہ حنفی میں احصار کے اسباب میں بہت توسع ہے حتی کہ شوہر کی طرف یا آقا کی طرف سے پابندی کا لگنا بھی اس کے تحت آتا ہے، اور قید ہونا نیز بادشاہ کا منع کرنا بھی (شامی ۲ ر ۵۹۱، عالمگیریہ ۱ ر ۱۵۵، معلم الحجاج رص ۲۶۶، تاتارخانیہ ۲ ر ۵۳۵، ۵۳۶)۔

عمدہ وزبدہ نے احصار کے بیان وصورتوں میں جدہ یا کامران سے جہاز کے واپس کر دینے کو بھی ذکر کیا ہے (ص ۴۳۱)۔

لہٰذا ایسے لوگ احصار کا حکم رکھیں گے، ان کا حکم یہ ہے کہ دم دے کر حلال ہوں اور آئندہ موقع ملنے پر قضا کریں، حج کا احرام ہو تو حج کی اور عمرہ کا ہو تو عمرہ کی۔

فقہ حنفی کی رو سے دم کا جانور حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، مگر مجبوری میں کہ جب فوری طور پر یہ ممکن نہ ہو تو عمدہ وزبدہ میں حضرت گنگوہیؒ ومولانا شیر محمد صاحب نے گنجائش ذکر کی ہے کہ اپنے ٹھکانہ پر ہی جانور کو ذبح کرنے کا (اور گوشت کو صدقہ کرنے کا) نظم کرے، بعض فقہاء حنفیہ نے اس کو ذکر کیا ہے، پھر یہ بھی ایک ضرورت ہے جس کی وجہ سے امام شافعی وغیرہ کے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے (عمدہ وزبدہ رص ۴۳۱)۔

جو لوگ بغیر اجازت سفر پر نکلیں اور اندیشہ رکھتے ہوں ان کے حق میں 'عمدہ وزبدہ' کی تصریح کے مطابق ایک حل یہ ہے کہ احرام مشروط باندھیں کہ اگر پھنس گیا تو حلال ہو جاؤں گا۔ یہ گنجائش بھی فقہ حنفی کے معروف قول اور اصل مذہب کی رو سے نہیں ہے لیکن امام محمدؒ کی ایک روایت ہے، ضرورت پر عمل کی گنجائش ہوگی، عمدہ وزبدہ میں اس کو ذکر کیا ہے اور بحوالہ شرح اللباب وشرح کبیر عبارت بھی نقل کی ہے (عمدہ ر ۴۳۱، ۴۳۲، شرح اللباب ر ۲۷۹، کبیر ر ۲۴۰)۔

ایک بات یہ بھی لائق توجہ ہے کہ احصار کی صورت میں دم کے بعد حلال ہونے کی بات ہر حال میں نہیں ہے جیسا کہ علامہ شامی نے وضاحت فرمائی ہے، بلکہ اگر احصار کا سبب وعذر بندوں کی طرف سے ہو تو آدمی فوراً ہی حلال ہو جائے گا، اگرچہ دم واجب ہے اور اس کو ادا کرنا ہوگا، مگر دم دینے تک تاخیر وانتظار

نہیں (شامی ۲/۵۹۱)۔

تو مذکورہ صورت تو اسی طرح کی ہے کہ اس میں رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔

۸۔ ترتیب اور ذبح کا مسئلہ

فقہ حنفی کی رو سے معروف ومفتی بہ قول کے مطابق قارن ومتمتع کے لئے دس ذی الحجہ کے اعمال (رمی وذبح وحلق) کے درمیان ترتیب واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی پر دم واجب ہوتا ہے، آج کل حکومت سعودیہ نے سہولت کے لئے ادارے قائم کئے ہیں وہ قربانی کراتے ہیں، اور یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں ترتیب واجب نہیں ہے جو فقہ حنفی کے حکم کے خلاف عمل ہوتا ہے اور دم واجب ہوتا ہے لہذا کیا کیا جائے؟

اولاً تو یہ کہ ادارہ اور اس کے نمائندے پیسے جمع کرتے وقت دن کی تعیین کرتے اور کراتے ہیں لہذا ان کی بات پر اعتماد کیا جانا چاہئے۔

ثانیاً خود قربانی کرنے والے صحتمند حضرات کو معذور حضرات اپنا وکیل بنادیں۔ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا تو ضروری ہے نہیں، اس لئے یہ مسئلہ ایسا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں مذہب غیر وقول مرجوح کو اختیار کیا جائے جب کہ اس کے بغیر کام چل سکتا ہے۔

پھر یہ کہ ترتیب حکماً واجب ہے، اور واجبات حج میں عذر کی وجہ سے بہت توسع ہے، وہ عذر کی وجہ سے معاف بھی ہوجاتے ہیں۔ عورت، عمر دراز شخص، کمزور وبیمار تو عذر والے ہیں، ان کے حق میں اس کی وجہ سے یہ وجوب حکماً ساقط ہوجائے گا، تو فقہ حنفی کی رو سے ہی ان کو گنجائش ہے جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے، اس لئے بھی مذہب غیر یا قول ضعیف پر عمل وفتوی کی ضرورت نہیں رہ جاتی، مفتی نظام الدین صاحب نے تفصیلی جواب دیا ہے، جس میں بنیادی بات اصحاب عذر کے لئے ترتیب کے سقوط اور عدم لزوم کی آئی ہے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۵۷۔ ۱۵۸)۔

۹۔ حج بدل اور تمتع وقران اور موجودہ حالات

جب کوئی آدمی کسی کی طرف سے حج کرنے جاتا ہے تو عنوان چونکہ حج کا ہوتا ہے اس لئے وہ اسی کا مامور ومکلف ہوتا ہے، عمرہ حج سے الگ ایک عمل ہے جس کو حج کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے بعض صورتوں میں، مگر حج بدل کا عنوان اس کو شامل نہیں، اس لئے عام بات یہی لکھی گئی ہے اور ذکر کی جاتی ہے کہ حج بدل کرنے والا صرف حج کرے، جس کا مطلب ہے کہ میقات سے حج کا احرام باندھے، اور ظاہر ہے کہ تمتع وقران میں عمرہ کا احرام ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ تمتع وقران کی وجہ سے ایک خرچ بڑھتا ہے جو حج افراد میں نہیں ہوتا یعنی قربانی کا۔

لیکن اس کے ساتھ فقہاء کی تفصیلات وتصریحات سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں وسعت بھی ہے، اور حج بدل میں تمتع وقران دونوں کی گنجائش ہے، البتہ قربانی کے زائد خرچ کا ذمہ دار خود حج کرنے والا ہوگا، الا یہ کہ حج بدل کرانے والا اس کو برداشت کرنے کو تیار ہوجائے یعنی بخوشی اس کو منظور کرلے بالخصوص قران میں کہ اسمیں میقات سے ہی حج کا احرام باندھا جاتا ہے، البتہ تمتع میں چونکہ حج کا احرام بعد میں مکہ سے باندھا جاتا ہے اور اس طرح حج کرنے والا آفاقی نہیں رہ جاتا بلکہ مکی ہوتا ہے جبکہ حج بدل کرانے والا آفاقی ہے اور یہ بات حج بدل کرانے والے کے مقصد کے بالکل خلاف ہے، اس لئے بہت سے اکابر بعد اجازت بھی تمتع کی صحت سے انکار کرتے ہیں، اور اس اختلاف کی وجہ سے مولانا ظفر احمد صاحب ومولانا شیر محمد صاحب نے فرمایا ہے کہ بعد اجازت بھی اس سے بچنا اولی ہے، جیسے کہ اس میں ممانعت وتنگی کا جو قول ہے اس کے پیش نظر ان حضرات نے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ حج بدل کرانے والا ہر طرح کی اجازت دے یعنی عمومی طور پر حج کی بات کرے اور مکمل اختیار دے دے (شامی ۲/ ۶۱۱، معلم الحجاج/ ۲۷۷، عمدہ وزبدہ/ ۴۵۵۔ ۴۵۷، امداد الاحکام ۲/ ۱۸۷، احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۳، فتح القدیر ۳/ ۲۷۔ ۷۳، نظام الفتاوی ۱/ ۱۵۱، جواہر الفقہ اول)۔

یہ تو اصل حکم ہوا، سوال موجودہ صورت حال کا ہے کہ آج حاجی سفر کے نظام میں بااختیار نہیں ہے اور کچھ مزاج بھی بن گیا ہے جس کی وجہ سے کثرت سے تمتع کی شکل ہی پائی جاتی ہے یا ممکن ہوتی ہے کہ آدمی سفر کر کے اصل ایام حج سے اتنے قبل مکہ پہنچتا ہے کہ اس وقت سے مسلسل احرام میں رہنا خواہ قران کا ہو یا افراد کا، آدمی کے لئے انتہائی زحمت طلب ہے اور دشوار کن بھی، اس لئے حاجی مجبور ہوتا ہے کہ عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر کے حلال ہوجائے، پھر خواہ مکہ مکرمہ میں رہے یا مدینہ طیبہ چلا جائے، اس لئے عموماً حجاج تمتع ہی کیا کرتے ہیں۔

ایسی صورت حال میں جبکہ اپنا حج کرنے والے اسی خاص قسم کے حج پر مجبور ہیں یا مجبور سے ہیں، تو جسکو حج بدل کے لئے بھیجا و طے کیا جائے ظاہر ہے کہ اس کے حق میں حج افراد کے لئے بھیجنا نہیں سوچا جائے گا بلکہ عام حال کے مطابق جو حج عموماً ہو رہا ہے اس کے لئے بھیجنا متصور ہوگا، اس لئے کہ اجازت کے بعد اس میں وسعت ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، اور اجازت کا جہاں اعتبار ہوتا ہے عرف و دلالت کی اجازت بھی کافی و معتبر قرار دی جاتی ہے الا یہ کہ صریح ممانعت پائی جاتی ہو، جیسا کہ کتب فقہ میں معروف ہے، لہذا حسب توفیق و موقع حج بدل کرنے والا، حج قران یا حج تمتع جو چاہے کرے، اجازت ہوگی۔

اب درج سوالات وشقوں کا جواب ملاحظہ ہو:

الف۔ حج بدل کرنے والا، آمر (حج کرانے والے) کی اجازت سے تمتع کرسکتا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف کی وجہ سے احتیاط کی بنیاد پر بچنا اولی لکھا ہے (امداد الاحکام ۲/ ۱۸۷)۔

ب۔ آمر کی طرف سے صریح اجازت ضروری نہیں دلالتۃً بھی کافی ہے، الا یہ کہ صریح ممانعت پائی جائے یا صریح حکم صرف حج کرنے کا کیا جائے تو تمتع نہیں کر سکتا، پھر حیلہ کرے یا از خود ایسا کرے اور دم دیدے جو کہ جبر کا دم ہوگا۔

ج۔ اگر یہ خیال ہے کہ اجازت دے گا، گوارا کرے گا اور خوش ہوگا تو بھی کافی ہے، یہ دلالتۃً اجازت کے تحت داخل ہے۔

د۔ جہاں تک سوال ہے دم یعنی قربانی کے خرچ کا، تو اس کے لئے لکھا ہے کہ اس کا وجوب بہر صورت حج کرنے والے پر ہوگا خواہ اس کو دم شکر قرار دیں یا دم جبر، اس لئے کہ دم شکر ہے تو دونوں عبادتوں کو فعلاً اس نے جمع کیا ہے، اور اگر دم جبر ہے تو غلطی و کوتاہی اس کی ہے۔

البتہ وہ خوشی سے منظور کرلے تو درست ہے، اور جب آمر (حج کرانے والا) خود اس کا حکم کرے، یا عرف و معمول کی وجہ سے اس کو متعین سمجھا جائے جیسا کہ آج کل ہے تو یہ خرچ آمر کو ہی برداشت کرنا چاہئے، جب سارا خرچ وہ دے رہا ہے تو یہ ایک خرچ کیوں نہ برداشت کرے۔

ھ۔ تفصیل آچکی کہ حج بدل کرنے والے کو تمتع کی گنجائش ہے اس لئے کسی حل کے تلاش کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اگرچہ معروف قول پر ہمارے علماء نے حیلہ کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر خود ہمارے فقہاء بھی اس میں توسع کے قائل ہیں، اور فقہ حنفی میں تنگی کی صورت میں ضرورۃً حالات کو دیکھتے ہوئے دوسرے مذاہب کی وسعت و اجازت سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اس بابت ایک فتوی میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا باذن ال آمر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہ ہو اور تمتع کرلے تب بھی حج ہوجائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کردی جائے گی (اس کے بعد "الوجیز" کی روایت نقل کی ہے) (امداد الاحکام ۲/ ۱۸۶، ۱۸۷)۔

الفقہ الاسلامی میں حنابلہ کا مذہب بھی بغیر اجازت جواز کا ذکر کیا ہے، البتہ یہ لکھا ہے کہ اگر احرام مکہ مکرمہ سے باندھے تو ایک تو دم واجب ہوگا اور دوسرے میقات سے مکہ تک کے سفر (اور بظاہر ما قبل الاحرام) کے اخراجات واپس کرے گا (الفقہ الاسلامی ۳/ ۵۹، المغنی ۳/ ۲۳۴، ۲۳۵، شرح المہذب ۷/ ۱۳۲، ۱۳۳)۔

آمر کی صریح ممانعت اور صریح حکم کہ صرف حج کرنا، ان صورتوں میں یہ حیلہ کیا جاسکتا ہے کہ ابتدائً جدہ کی اور وہاں قیام کی نیت کی جائے، اس کے بعد حج کا وقت آنے پر حج کا احرام جدہ سے باندھا جائے (امداد الاحکام ۲/ ۱۸۶)۔

و۔ میت (مردہ) کی طرف سے حج، اگر حج کرنے والا خود اپنی طرف سے کررہا ہے تو معاملہ اس کے اختیار کا ہے جیسا حج چاہے کرے اور ثواب پہنچائے، اور اگر کسی کی طرف سے بھیجا جارہا ہے تو بھیجنے والے کی رعایت کرنی ہوگی، اور وہ ساری تفصیل ہوگی جس کا تذکرہ تمہید اور (دفعہ الف تا ھ) میں آیا ہے، اس بابت احقر کو کوئی چیز نہ مل سکی۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں ہمارے اکابر بہرحال جواز کا رجحان رکھتے ہیں، اور امام شافعی و امام احمد کے یہاں اجازت کے بعد قران و تمتع میں کوئی قباحت نہیں ہے اور دم حج کرنے والے پر ہی ہوگا، اور بدون اجازت بھی گنجائش ہے مگر تفصیل ہے، اس لئے اجازت ہی دینا اور لینا بہتر بلکہ ضروری ہے (دیکھئے: احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۳، جواہر الفقہ وغیرہ)۔

۱۰۔ حیض اور طواف زیارت

طواف کے لئے پاک ہونا ضروری ہے، اس لئے حیض ونفاس کی حالت میں طواف منع ہے، پھر اس کے لئے مسجد میں بھی داخل ہونا پڑتا ہے، ناپاکی کی حالت میں یہ بھی منع ہے، اور طواف زیارت رکن ہے جس کے بغیر حج نامکمل ہوگا، تو عورت کو پاکی کا انتظار کر کے اس طواف کو ادا کرنا چاہئے، البتہ طواف وداع چونکہ رکن نہیں، اس مجبوری کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینے کی اجازت آئی ہے جیسا کہ معروف ہے۔

مگر کبھی عورت مجبور ہو سکتی ہے، اس مجبوری کا تصور قدیم عہد میں بھی تھا کہ قافلہ پہلے سے طے شدہ نظام کے مطابق حج کے معاً بعد روانہ ہوگا، اور عورت اس حال میں نہ ہوگی کہ طواف زیارت پاکی کے ساتھ کر سکے، تو یا تو قافلہ کو چھوڑے جس کے بغیر سفر ہی ناممکن تھا یا اسی حال میں طواف کرے۔

اور اب بھی یہ مجبوری اہم ہے بلکہ مزید اہم کہ حکومت ویزے کی پابندیاں، ایک لمبا نظام سفر، جو مہینوں سے طے پاتا ہے بروقت اس میں ردو بدل بہت زحمت طلب ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ حج میں عورتوں کی تعداد معمولی نہیں ہوتی جس میں ایسے حال سے دوچار ہونے والی عورتیں بھی غیر معمولی تعداد کی حامل ہوں گی۔

تو ایسی صورت حال میں طواف کے لئے طہارت کی پابندی کے باوجود فقہ حنفی کی رو سے گنجائش ہے، اولاً تو طہارت کی اہمیت کے پیش نظر نظام سفر میں تبدیلی کی سعی کرنی چاہئے اور اتنا موقع نکالنا چاہئے کہ پاک ہو کر طواف کیا جا سکے۔

چونکہ حنفیہ کے یہاں طہارت، صحت طواف کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صرف واجب ہے، لہذا خواہ حدث اصغر ہو یا اکبر دونوں کے ساتھ طواف شرعاً معتبر و صحیح قرار پاتا ہے اگر چہ واجب کے ترک کی وجہ سے دم بھی واجب ہوگا، حدث اصغر کی حالت میں چھوٹا دم یعنی بکری، اور حدث اکبر یعنی جنابت وحیض کی حالت میں بڑا دم، یعنی گائے واونٹ واجب ہوگا۔ لہذا ایسی عورت اسی حال میں طواف کر لے اور دم ادا کرے یا اس کا نظم کرے اور سفر پر روانہ ہو جائے۔

سنن سعید بن منصور میں بسند صحیح روایت آئی ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے ساتھ طواف کر رہی تھی اسی درمیان اس کو حیض آنے لگا تو حضرت عائشہؓ نے اس کا طواف پورا کرایا (اعلاء السنن ۱۰/۳۴۰ بحوالہ فتح القدیر و نصب الرایہ)۔

رہ گئی بات ناپاکی کی حالت میں مسجد کے اندر داخلہ کی کہ مطاف مسجد حرام کے حدود کے اندر ہے، تو جب ضرورۃً طواف کی اجازت ہوگی تو اس کی بھی لزوماً ہوگی کہ طواف بغیر اسکے ممکن نہیں، اور پھر یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کہ کوئی ناپاکی کی حالت میں مسجد سے گزر کر دوسری طرف جانے پر مجبور ہو، اور ایک بات یہ بھی کہ حج کے واجبات میں عذر کی وجہ سے بڑی وسعت آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی عذر ہے۔

اس مجبوری کی وجہ سے یہ گنجائش ان حضرات نے بھی دی ہے جن کے نزدیک طہارت شرط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے حنابلہ و مالکیہ کا ایک قول دم کے ذریعہ تلافی کا ذکر کیا ہے (فتح الباری ۳/۵۰۵)۔

میرا خیال ہے کہ اس بابت سب سے زیادہ تفصیل وتطویل شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاوی میں آئی ہے، چنانچہ فتاوی کی جلد ۲۶ میں صفحہ ۱۷۶ سے ۲۴۸ تک مسلسل یہی بحث وگفتگو ہے اور کئی فتاوی آئے ہیں، شیخ نے اس میں اس بابت اختلاف کا تذکرہ کیا ہے اور بار بار امام احمد کی دوسری روایت وقول کو ذکر کیا ہے بلکہ اس کو بہت تفصیل ووضاحت سے مؤکد کیا ہے اور گنجائش واجازت کو اختیار کیا ہے، اور اس ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ حائض و جنبی کے لئے مسجد میں گزرنے یا ٹھہرنے کے حق میں امام شافعی و امام احمد کے یہاں کافی وسعت ہے، وضو کے ساتھ عورت مسجد کے اندر ٹھہر بھی سکتی ہے (فتاوی ۲۶/۱۷۸)۔

لہذا طواف کرنے کی اجازت ہے جو طہارت کے اہتمام یعنی غسل ووضو کے ساتھ ممکن ہے، ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے بھی "اعلام الموقعین" میں لمبی بحث کی ہے اور یہی موقف اختیار کیا ہے (اعلام الموقعین ۳/۱۰۔۲۴)۔

خلاصہ یہ کہ یہ حکم جواز وگنجائش کا صرف فقہ حنفی کا ہی نہیں ہے بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی وسعت ہے اور دوسرے مذاہب کے اکابر علماء وفقہاء نے اس کو اختیار کیا ہے، جس کی وجہ پابند بنانے کی صورت میں زحمتوں سے دوچار ہونا ہے، جس کو شیخ نے بھی بار بار اپنے کلام وفتاوی میں ذکر کیا ہے۔

الف۔ سفر کی مجبوری کی وجہ سے حیض ونفاس والی عورت کو ناپاکی میں طواف زیارت ادا کرنے کی اجازت ہے۔

ب۔ اس ناپاکی کے حال کے طواف سے رکن ادا ہو جائے گا اگر چہ نقص کے ساتھ۔ اسی لئے بطور تلافی دم واجب ہوگا۔

ج۔ اور دم بڑا یعنی گائے یا اونٹ کا ذبیحہ، بکری وبھیڑ کافی نہ ہوگی۔

د۔ یہ دم جنایت (غلطی) کا ہے، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کا وجوب فوری نہیں ہوتا، اس میں تاخیر کی گنجائش ہے، بعد میں بھی نظم کیا جاسکتا ہے، اور اگر موت کا مرحلہ آ گیا تو وصیت لازم ہے، مرنے پر ورثہ بدون وصیت ادا کر دیں تو کافی ہے۔

البتہ دم کا جانور حرم میں ہی ذبح کیا جاسکتا ہے، لہذا عورت واپسی سے قبل نظم کرے یا واپس ہو کر کسی آنے جانے والے کے ذریعہ اس کا انتظام کرائے۔

جنایات کے باب وبیان میں یہ تفصیلات موجود ہیں۔

۱۱۔ سفر حج وعمرہ میں شوہر کا انتقال

سفر حج وعمرہ میں اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو چونکہ اس کے لئے محرم کی معیت کی شرط ہے پھر عدت کا معاملہ واحکام بھی ہوتے ہیں، اس لئے اصل حکم تو اس کے لئے یہ ہے کہ اب آگے کے اعمال کو وہ روک دے اور بعد میں قضا کرے، اس کو بھی احصار کے اسباب میں شمار کیا ہے جیسا کہ معروف ہے (شامی ۲/ ۵۹۰، ۵۹۱)۔

مگر عموماً حجاز کا سفر دور دراز اور مشکلات کا ہوتا ہے اور اب مشکلات میں اضافہ ہی ہوا ہے، اخراجات سفر بھی، بہت بڑھ چکے ہیں، اس لئے ضرورت اس میں گنجائش کی، یعنی حج وعمرہ کو مکمل کرنے کی اجازت کی متقاضی ہے، یوں بھی بدون محرم اگر عورت حج کو جائے اور حج کرے تو حج ادا ہو جاتا ہے، بس یہ کہ کراہت تحریمی کے ساتھ (معلم الحجاج/ ۸۸) تو مشکلات کی وجہ سے یہ وسعت دینی چاہئے۔

پھر مشکلات وضرورت کی وجہ سے دوسرے مذاہب کی وسعت سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، گزر چکا ہے کہ ہمارے علماء نے ان مسائل میں بھی ضرورت، پریشانی وابتلاء کی وجہ سے دوسرے مذاہب پر عمل کو ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔

اور یہ ساری تفصیل خصوصیت سے اس صورت میں ہے جبکہ وفات کا قصہ مکہ یا جدہ کے علاوہ کہیں دوران سفر یا مدینہ طیبہ میں پیش آئے، اور اگر مکہ مکرمہ میں اور آس پاس پیش آیا ہے جدہ تک مثلاً تو عمرہ کے ادا کرنے میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ اعمال عمرہ سب مکہ مکرمہ میں ادا کئے جاتے ہیں، مکہ میں عورت ہے، اور نہیں ہے تو جہاں ہے وہاں سے آ سکتی ہے، اتنی مختصر مسافت کا سفر ممنوع نہیں ہے۔

اور اگر حج کا موقع اور اس کا احرام ہے تو احرام تو عمرہ کر کے کھولا جاسکتا ہے بعد میں قضا کی نوبت آئیگی، جبکہ اس کو کسی بنیاد پر حج کی رخصت وگنجائش نہ دی جائے۔

رخصت وگنجائش کی ایک جہت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عدت وفات میں عورت کو معاشی ضرورتوں کے لئے دن کے وقت میں رات تک کے لئے گھر سے باہر نکلنے وجانے کی اجازت ہے، رات اپنے مقام پر گزارنی لازمی ہے، تو یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ رات کو مکہ مکرمہ کے قیام کا پابند بنا کر اس کو وقوف عرفہ اور رمی وغیرہ کی اجازت دے دی جائے، وہ دن میں جا کر ان اعمال کو انجام دے لے، اور اس طرح حج کو مکمل کر کے آئندہ سال یا بعد میں قضا کی شکل سے بچ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مشکل کا احساس اہل نظر نے ہر عہد میں کیا ہے اور بالخصوص موجودہ حالات میں، مولانا شیر محمد صاحب نے عمدہ میں تحریر فرمایا ہے: اس صورت میں دوسرے سال تک وہاں رہنا، اور اگر گھر کو واپس آئے تو پھر واپس جا کر حج کرنا، اور وہاں رہنے کی صورت میں سال بھر کا نفقہ کا موجود ہونا، اور واپسی کے وقت رفاقت کا ہونا وغیرہ، بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، تو یہ بھی اسی طرح معذور سمجھی جائے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ کو چلے جانے کا جواز ہے (عمدہ وزبدہ/ ۳۶)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب نے مولانا شیر محمد صاحب کی مذکورہ تصریح کو بنیاد بنا کر گنجائش ذکر کی ہے یعنی حج کو پورا کرنے کی اجازت دی ہے (فتاوی رحیمیہ ۵/ ۲۳۸، ۲۳۹)۔

دوسرے مذاہب پر وسعت کا معاملہ یہ ہے کہ شافعیہ ومالکیہ کے یہاں حج فرض میں محرم وشوہر کی رفاقت کی شرط نہیں ہے بلکہ اطمینان بخش معاشرہ ورفقاء صرف عورتوں کا یا مخلوط کافی ہے (الفقہ الاسلامی ۳۶/۳)۔

البتہ عدت کی پابندی اہم ہے لیکن وسعت آئی ہے، المغنی میں آیا ہے:

''وإذا مات محرم المرأة في الطريق فقال أحمد: إذا تباعدت مضت فقضت الحج... قيل له: قدمت من خراسان فمات وليها ببغداد؟ فقال: تمضي إلى الحج وإذا كان الفرض خاصة فهو آكد... وهذا لأنها لابد لها من السفر بغير محرم فمضيها إلى قضاء حجها أولى لكن إن كان حجها تطوعا و أمكنها الإقامة في بلد فهو أولى من سفرها بغير محرم'' (المغني ۳، ۲۴۰، ۲۴۱)۔

(عورت کا محرم اگر راستہ میں فوت ہوجائے تو امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر دور تک جاچکی ہے تو سفر پورا کرے اور حج کرے، ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت خراسان سے چلی اور بغداد میں محرم مرگیا تو فرمایا کہ حج کو جائے بالخصوص اگر حج فرض ہو...... اس لئے کہ سفر تو اس کو بغیر محرم ہی کرنا ہوگا تو حج کو چلا جانا بہتر ہے، ہاں نفل حج ہو اور کسی جگہ قیام ممکن ہو تو یہ قیام سفر سے بہتر ہے)۔

''إذا خرجت للحج فتوفي زوجها وهي قريبة رجعت لتعتد في منزلها وإن تباعدت مضت في سفرها'' (المغني ۲۴۱، ۲۴۰، ۳)۔

(عورت حج کو چلی اور اس کا شوہر مرگیا، اگر گھر سے قریب ہے تو واپس ہوکر عدت گزارے، اور اگر دور جاچکی ہے تو سفر کو جاری رکھے)۔

واضح رہے کہ حنابلہ کے یہاں بھی ایک روایت وقول مثل شوافع ومالکیہ ہے کہ محرم کی شرط نہیں ہے۔

۱۲۔ مکہ مکرمہ ومنیٰ کا تعلق

منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ سے اتصال کے باوجود اگر انتظاماً الگ ہے تو دونوں دو متصل شہروں کی طرح ہیں، لہٰذا اگر حاجی مکہ مکرمہ میں ۱۵ ردن کے قیام سے پہلے منیٰ جاتا ہے تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم نہیں ہوگا۔

اور اگر انتظاماً ایک ہیں کہ ایک ہی کارپوریشن وغیرہ کے تحت ہیں تو دونوں ایک شہر کے دو حصوں کی طرح ہیں، اس لئے مکہ مکرمہ آنے پر اگر شہر مکہ میں ۱۵ ر دن سے کم رہا تو بھی منیٰ کی مدت قیام ملا کر وہ مقیم سمجھا جائے گا۔

اور خیال یہ ہے کہ دونوں کا بلدیہ وکارپوریشن ایک ہی ہے۔

۱۳۔ وتر میں حنابلہ وغیرہ کی اقتداء

بلاد عرب وغیرہ میں جہاں غالب اکثریت غیر حنفیہ کی ہے اور وتر کی نماز وہ لوگ دو سلاموں سے ادا کرتے ہیں اور ایک سلام سے ادا کرنے والے امام نہیں ملتے تو اس صورت میں احناف اگر ایسے لوگوں کی اقتداء جماعت کی رعایت میں کریں جب کہ رمضان میں وتر کا باجماعت ادا کرنا ہی افضل قرار دیا گیا ہے (تاتارخانیہ ۶۷۰/۱) اور مجمع کی رعایت میں کہ لاکھوں کی تعداد میں اسی مسلک کے لوگ ہوتے ہیں یا لحاظ نہ کرنے والے، تو درست ہے۔

متعدد فقہاء حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ درمختار وشامی وغیرہ میں آیا ہے (شامی ۸،۷/۲، البدائع) لیکن اجازت کے ساتھ ان حضرات نے قید لگائی ہے کہ اگر امام فصل نہ کرے تو اقتداء کی جائے گی ورنہ نہیں، چنانچہ ارباب افتاء نے بھی اس کو ذکر کیا ہے (امداد الاحکام ۵۰۳/۱، ۵۱۲)۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ دوسرے حضرات فصل کے ساتھ ہی وتر ادا کرتے ہیں، اور معاملہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے اور مجمع عام کی مخالفت سے بچنے کے لئے ایک درجہ ضرورت کا ہے، بالخصوص حرمین وحجاز وغیرہ میں، تو عمل بمذہب الغیر کے تحت فصل کی صورت میں بھی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور فقہاء حنفیہ میں امام ابوبکر جصاص رازی نے فصل کے ساتھ بھی اقتداء کی اجازت دی ہے۔

درمختار میں ہے: ''وصح الاقتداء فيه بشافعي مثلا لم يفصله بسلام لا إن فصله على الأصح فيهما'' (اور وتر کی نماز میں شافعی وغیرہ کی اقتداء صحیح ہے جبکہ وہ سلام کے ساتھ فصل نہ کرے اور فصل کرے تو درست نہیں، دونوں مسئلوں میں اصح قول پر)۔

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں: دونوں مسئلوں سے مراد شافعی کی اقتداء کا جواز ہے، اور یہ کہ عدم فصل کی شرط ہے برخلاف اس قول کے جو 'ارشاد' میں آیا ہے کہ ہمارے فقہاء (احناف) اس پر متفق ہیں کہ یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اقتداء المفترض خلف المتنفل ہے (وتر ہمارے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی وغیرہ کے یہاں سنت ہے، تو فرض پڑھنے والا سنت ونفل والے کی اقتداء کررہا ہے اور یہ ہمارے یہاں درست نہیں ہے)۔ اور عدم فصل کی شرط کا قول امام رازی کے قول کے خلاف ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اقتداء فصل کی صورت میں بھی صحیح ہے، اس لئے کہ اس کا امام سلام کی وجہ سے نماز کی حرمت سے باہر نہیں ہوتا، اور مسئلہ مجتہد فیہ ہے، لہذا یہ اقتداء ایسے ہی صحیح ہے جیسے کہ کوئی حنفی ایسے امام کی اقتداء کرے جس کی نکسیر بہہ رہی ہو (تو امام کے عقیدہ وخیال کے مطابق اس کی نماز درست ہے لہذا حنفی اس کی اقتداء کرلے) (شامی ۲/۸)۔

اصولی طور پر یہ مسئلہ مذہب میں مخالف کی اقتداء ہی کا ہے، راجح اس کا جواز ہے، پھر اس میں گفتگو کی گئی ہے کہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کی قید کے ساتھ، یا یہ کہ امام کے مذہب پر نماز کی صحت کے ساتھ بھی کافی ہے، ہندوانی وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ امام کے مذہب پر اگر اس کا عمل درست وجائز ہے تو اقتداء درست ہے، جس کی شامی نے باب الامامۃ میں تفصیل فرمائی ہے۔

فصل کے باوجود اقتداء کی صحت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ سلام (درمیان کا) سلام تحلل نہیں یعنی نماز کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ یہ سلام بھی تین رکعات نماز کا ایک عمل ہے جو درمیان نماز رکھا گیا ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی رو سے بھی نمازی کا ہر سلام اس کی نماز کو باطل وختم نہیں کرتا، البتہ اگر امام صرف سلام ہی نہ پھیرے بلکہ درمیان میں گفتگو کرے اور دوسرے کام بھی تو اقتداء یقیناً محل نظر ہوگی اور اس صورت میں تو ممانعت ہی سمجھ میں آتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ہیں، لیکن اگر کوئی حنفی وتر میں کسی شافعی کی اقتداء کرے اور وہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد وتر کو پورا کرے تو ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے نزدیک حنفی کی وتر درست ہے'' (معارف السنن ۴/۱۷۰)۔

فتح القدیر میں بھی اس بابت کچھ تفصیل آئی ہے، اور یہ کہ دوسرے بعض ممتاز فقہاء اور بعض مشائخ ابن ہمام بھی اس کے قائل تھے، اور کہتے تھے کہ اس کی وجہ سے متقدمین (فقہاء حنفیہ) میں سے کسی سے فساد صلاۃ کا حکم نقل نہیں کیا گیا ہے (فتح القدیر ۱/۳۸۱، نیز البحر الرائق ۲/۳۹، ۴۰)۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا نازبیر احمد قاسمی[1]

۱۔ اس سلسلے میں پہلے سوال کا جزء اول تو متفق علیہ ہے کہ حج وعمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے والے آفاقی کے لئے بغیر احرام میقات سے آگے بڑھنا موجب دم جنایت ہے اور ممنوع ہے، بلکہ تفصیل میں جزوی اختلاف سے صرف نظر کر کے کہا جاسکتا ہے کہ اس جنایت کا موجب دم ہونا ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے (الفقہ علی مذاہب الاربعہ ۱/ ۶۴۰)۔

لیکن سوال کا دوسرا جز کہ جو آفاقی حج وعمرہ کے بجائے تجارت وملاقات یا کسی دوسرے مقصد سے حرم مکی میں داخل ہونا چاہے تو کیا اس کے لئے بھی بلا احرام میقات سے تجاوز ممنوع ہی ہے؟

ظاہر ہے کہ اس میں حضرات ائمہ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی ممانعت کا حکم باقی رہتا ہے اور یہ موجب دم جنایت ہی کہلاتی ہے، کیونکہ ''عن ابن عباس ﷺ أن النبی ﷺ قال: لاتجاوزوا المیقات إلا بإحرام، رواہ ابن أبي شیبة'' (اعلاء السنن ۱۰/۱۸) جیسی احادیث کا اطلاق اسی کا مقتضی ہے۔

اور پھر عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے، جیسا کہ فقہاء حنفیہ لکھتے ہیں: ''لأن هذه البقعة الشریفة لها قدر وخطر عند الله تعالی فالدخول فیها یقتضي التزام العبادة إظهارًا لشرفها علی سائر البقاع'' (بدائع ۲/ ۱۶۴)۔

البتہ حنابلہ وشافعیہ کے مسلک میں کچھ تفصیل نقل کی جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حرم مکی میں داخلہ کی حاجت وضرورت بہ کثرت اور بار بار پڑتی ہے جسے اصطلاحاً حاجت متکررہ سے تعبیر کرتے ہیں، یا محض اتفاقاً اور کبھی کبھار، جسے حاجت غیر متکررہ کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں امام احمد بن حنبل کے نزدیک بلا احرام دخول حرم اور تجاوز عن المیقات جائز ہے، جب کہ امام شافعیؒ حاجت متکررہ میں تو بلا احرام دخول حرم کی اجازت دیتے ہیں، لیکن حاجت غیر متکررہ کے متعلق بعض شافعیہ سے اجازت کا تو دوسرے بعض اصحاب شوافع سے ممانعت کا، دونوں ہی قول منقول ہیں (المغنی ۳/ ۲۱۸-۲۲۰)۔

ان حضرات کے دلائل نقلیہ اور عقلیہ ''المغنی ۳/ ۲۱۸ تا ۲۲۰'' میں تفصیلاً دیکھے جاسکتے ہیں اور حنفیہ کی طرف سے ان دلائل کے جوابات وتوجیہات کے لئے بدائع ۲/ ۱۶۴، اور اعلاء السنن ۱۰/ ۱۸۰-۱۹۰ لائق مراجعت ہے۔

مسئلہ بالا میں اپنا ذاتی خیال اور رجحان

اپنا خیال یہ ہے کہ حنفی المسلک حضرات کے لئے حکم عزیمت تو وہی رکھا جائے جو فقہ حنفی میں مذکور ہے، لیکن حاجت متکررہ میں فقہ شافعی کے مطابق بطور رخصت اس کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ بلا احرام تجاوز عن المیقات کر کے حرم مکی میں داخل ہوسکتا ہے۔

کیونکہ ''وما جعل علیکم فی الدین من حرج'' (سورہ حج: ۷۸) (دین کے حق میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی ہے)، ''إن الدین یسر'' (دین تو آسان ہے) ''رخص رسول الله ﷺ للضعفة فی ترك الوقوف بمزدلفة'' (حضور ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور حضرات کو مزدلفہ کا وقوف ترک کرنے کی اجازت دی) (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۳۶) ''جاز ترك الواجب دفعاً للمشقة'' (اشباہ نسخہ قدیم ص ۹۱) (واجب کا چھوڑنا دفع مشقت کے لئے جائز ہے)، ''المشقة تجلب التیسیر'' (مشقت سہولت کو لاتی ہے) اور ''الحرج مدفوع ما شرع'' (حرج شریعت میں دور کیا جاتا ہے) جیسے نصوص واصل سے یہی متقاضی معلوم ہوتا ہے، بعض نظائر فقہیہ سے بھی اس کی تائید ہوجاتی ہے۔

[1] ناظم مدرسہ اشرف العلوم، کنہواں، سیتامڑھی بہار۔

۲۔ سوال نمبر دو کا جواب تفصیل بالا میں آچکا کیونکہ اس کا تعلق حاجت متکررہ ہی سے ہے۔

المغنی لابن قدامہ (۲۱۸/۳) میں ہے: "اگر ہم اس شخص پر احرام کو لازم کردیں جو بار بار حرم کے اندر جاتا رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پوری زندگی محرم ہی رہے، اس لئے حرج کی بناء پر اس سے احرام ساقط ہے"۔

۳۔ آیت قرآنی "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کی روشنی میں فقہ حنفی کی جو صراحت ہے "لا تمتع ولا قران لمكي" (بحر الرائق ۲، ۳۶۶)، گو ایسی صراحت دوسرے دبستان فقہ میں تلاش کے باوجود نہ مل سکی، مگر دوسرے قرائن کے سبب ہمارا خیال ہے کہ مکی کے حق میں قران وتمتع کی ممانعت ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے، کیونکہ آیت قرآنی "فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدي" (سورہ بقرہ: ۱۹۶) اور حدیث شیخین "ذبح عن نسائه البقر يوم النحر وكن قارنات" (الفقه على المذاهب الاربعه ۱، ۶۸۸) (یوم النحر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی طرف سے گائے ذبح کی اس لئے کہ وہ سب قران کرنے والی تھیں) سے ہر متمتع اور قارن پر دم شکر کے طور پر ہدی کا لزوم بالکل واضح ہے، مگر پھر چاروں دبستان فقہ میں اس کی بھی صراحت ملتی ہے کہ متمتع وقارن پر ہدی شکر کے لزوم کے لئے شرط ہے اس کا غیر مکی یعنی آفاقی ہونا (ایضاً)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی کے لئے تمتع وقران کی اجازت کسی فقہ میں نہیں۔ اگر کوئی مکی تمتع وقران کرے گا تو یہ ایک جنایت ہوگی اور اس پر دم شکر نہیں بلکہ باجماع ائمہ اربعہ دم جنایت لازم آئے گا۔

۴۔ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں اور انہیں اشہر حج میں میقات سے باہر جانا پڑے تو اس کی تین صورتیں ممکن ہیں:

الف۔ کسی حاجت متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے تو ان کے لئے "دفعاً للحرج" رخصت وگنجائش ہے کہ وہ بلا احرام داخل ہوجائیں جیسا کہ اوپر مفصلاً لکھا جاچکا ہے اور اس صورت میں ان پر کسی بھی قسم کے دم جنایت کے لزوم کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

ب۔ حاجت غیر متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے، مگر یہ شخص آج سے پہلے کبھی اپنا حج فرض ادا کرچکا ہے تو ایسا آدمی احرام باندھ کر واپس آئے اور عمرہ کرکے احرام کھول دے، اس سال حج ہی نہ کرے، قاعدہ شرعیہ "درء المفاسد أولى من جلب المصالح" کے تحت تمتع ممنوع، یا بلا احرام تجاوز عن المیقات میں سے کسی ایک جنایت کے ارتکاب کے مفسدہ سے بچنا ہی اس کا فریضہ ہوگا اور حج نفل کا ترک کردینا ہی اولیٰ وانسب ہوگا۔

ج۔ دشواری وپیچیدگی ہوگی اس صورت میں کہ اب تک وہ حج فرض بھی ادا نہ کرسکا ہے اور حاجت غیر متکررہ کے سبب میقات سے باہر جانا پڑے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس صورت میں اسے حج فرض کی ادائیگی کی اہمیت مخصوص کرکے اشہر حج میں میقات سے باہر جانے کی جرأت ہی نہیں کرنی چاہیے، ناگزیر ضرورتوں کو اپنے کسی نائب سے پوری کرنے، یا پھر اس ناگزیر حاجت وضرورت کی عدم تکمیل سے جو نقصان وخسارہ ہو اسے دنیوی خسارہ سمجھ کر اخروی خسارہ یعنی حج فرض کے ترک وتاخیر، یا بلا احرام تجاوز عن المیقات کی جنایت کے مقابلہ میں سہل وغنیمت جانے، اس موقع سے کوئی حیلہ محض حیلہ فاسدہ ہی ہوسکتا ہے۔

۵۔ آفاقی متمتع اپنے عمرۂ تمتع سے فارغ ہوکر احرام حج سے پہلے حسب سہولت اور حسب موقع وہمت جتنا عمرہ چاہے کرسکتا ہے، "لا حرج فيه مصرح في كتب الفقه" (منحة الخالق على هامش البحر ۲، ۳۶۶)۔

۶۔ رمی جمرات واجبات حج میں سے ہے جس میں عبادت بدنیہ کی حیثیت غالب ہے اور کسی بھی بدنی عبادت میں علی الاطلاق نیابت جائز نہیں۔

اس لئے رمی جمرات میں نائب بنانا صرف انہیں بوڑھے، مریضوں اور کمزور عورتوں کے لئے درست ہوگا جنہیں اپنی کمزوری کے سبب ازدحام کے اندر بذات خود رمی کرنے میں اپنی قوت مدافعت کی کمی کے سبب کچل جانے، یا کسی عضو کے ٹوٹ پھوٹ جانے، یا ازدحام میں دب جانے سے ایسی اذیت شدیدہ پہنچنے کا ظن غالب ہو جو عادۃً ناقابل برداشت ہوتی ہے، عورتوں کے حق میں ازدحام کی وہ حالت جس میں مردوں کے ساتھ دھکے اور دبنے سے دوچار ہونا پڑے نیابت کے جواز کے لئے عذر کافی ہے۔

لیکن جو عورتیں بلا دھکے کھائے اور ازدحام سے دبے ہوئے رمی کرسکتی ہوں ان کے لئے نائب بنانا درست نہیں، اسی طرح جو جوان مرد بلکہ بوڑھے اور مریض اپنے اندر اتنی قوت مدافعت رکھتے ہوں کہ وہ ازدحام کے دھکوں کو سہار کر معمولی مشقت کا تحمل کرتے ہوئے بذات خود عمل رمی کو انجام دے سکتے ہوں اور اس قدر وقوت پر خود ان کا ضمیر وقلب شہادت دے تو ان کے لئے بھی محض آرام پسندی اور کسل کے سبب نائب بنانا درست نہیں۔

دور حاضر میں رمی جمرات کے موقع سے ازدحام کا حل

یہ حقیقت ہے کہ آجکل حجاج کی کثرت انتہائی غیر معمولی ہوگئی ہے اور رمی جمرات کی جگہ بس وہی انتہائی محدود کی محدود ہی ہے، جس کے سبب رمی جمرات کے موقع سے عام طور پر ازدحام میں دبنے اور کچل جانے کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ہے کہ اگر شریعت کی دی ہوئی وسعت وسہولت سے آنکھیں بند نہ کی جائیں تو اس طرح کے حادثات بھی کم ہوں گے اور ازدحام کا غیر معمولی ہونا بھی ختم ہوسکتا ہے۔

شریعت نے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کی رمی کے اوقات بہت وسیع رکھے ہیں، مثلاً حنفیہ کے نزدیک شام تک، بلا کراہیت رمی ہوسکتی ہے اور رات میں مع الکراہیتہ۔

اگر صرف حنفی المسلک حجاج اپنے مسلک کے مطابق وسعت وقت سے فائدہ اٹھائیں اور قبل الزوال عمل رمی جمرہ عقبہ پر اصرار نہ کریں تو آدھا ازدحام کم ہوجائے اور خطرات ٹل جائیں، ضرورت ہے کہ کم از کم علماء حنفیہ فقہ حنفی کی اس سہولت اور وسعت وقت کی عام تبلیغ کریں اور حجاج کو واقف کرائیں۔

۷۔ عمرہ کے افعال چونکہ مختصر سے وقت میں ادا ہوجاتے ہیں اور اس کے لئے کوئی خاص وقت متعین بھی نہیں ہے، اس لئے احرام عمرہ کے بعد اس کی ادائیگی میں ایک حکومت مسلمہ کی رکاوٹ شاذ ونادر ہی موثر ہوسکتی ہے، تاہم اگر حکومت کی رکاوٹ سے، یا کسی مرض وعذر کے سبب کوئی محرم العمرہ افعال عمرہ ادا کرنے سے معذور ہوہی جائے تو انہیں بھی محصر کہا جائے گا، یہ حلق کرا کے احرام کھول دے، بعد میں جب موقع ملے اس کی قضا کرنی ہوگی اور اداء نسک سے پہلے احرام کھولنے کے نتیجہ میں دم واجب ہوگا، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ سب یہی فرماتے ہیں، حصر حدیبیہ کا واقعہ بھی ان حضرات کی دلیل ہے۔

امام مالک معتمر کو حلال ہونے کی اجازت نہیں دیتے ''لأنه لايخاف الفوات'' (المغنی ۳،۳۷۱)۔

ہاں افعال حج کے اوقات چونکہ ممتد اور مخصوص ہوتے ہیں، اس لئے سعودی حکومت میں رہنے والے غیر ملکی کے حق میں احرام حج کے بعد افعال حج کی ادائیگی میں حکومت کی رکاوٹ موثر ہوسکتی ہے۔ اب اگر کسی غیر ملکی محرم بالحج کو حکومت پکڑ کر تکمیل حج سے پہلے موضع اقامت پر واپس بھیج دے تو بظاہر اس کی تین صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں:

الف۔ وقوف عرفہ اور طواف رکن کے بعد یہ رکاوٹ سامنے آئے تو ظاہر ہے کہ حج مکمل ہوچکا ہے کچھ واجبات حج رہ گئے ہوں گے جو وجہ عذر متروک ہوں گے ''فلا شئ عليه، كما قال الصاحبان'' (البحر الرائق ۳،۵۶)۔

ب۔ طواف رکن سے پہلے مگر وقوف عرفہ کے بعد یہ رکاوٹ اور حکومت کی گرفت ہوئی ہوگی تو اسے باصطلاح شریعت محصر نہیں کہا جائے گا۔ ''كما قالت الفقهاء، لا إحصار بعد ما وقف بعرفة'' (وقوف عرفہ کے بعد احصار نہیں ہوتا) (کنز الدقائق)، ایسے شخص کے متعلق ائمہ اربعہ کا اجماعی مسلک ہے کہ وہ جب تک طواف رکن ادا نہ کر لے گا فی حق النساء محرم ہی رہے گا۔ اس کے بعد تفصیلات میں جزوی اختلاف ہے، مثلاً امام مالکؒ تو اسی سال کے شہر ذوالحجہ کی آخری تاریخ تک طواف رکن کی ادائیگی ضروری کہتے ہیں، اس مہینہ سے موخر کرے گا تو دم لازم ہوجائے گا (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۵۳)۔

لیکن بقیہ تینوں حضرات ائمہ چونکہ ''لانهاية لآخر وقتها'' (الفقه على المذاهب الاربعه ۱،۶۵۳) کے قائل ہیں اس لئے لزوم دم کا حکم تو نہیں لگاتے مگر حنفیہ شہر ذوالحجہ ہی میں ادائیگی کو لازم کہتے ہیں، خواہ اس سال کے ذوالحجہ میں کرے یا آئندہ کسی سال میں، جبکہ امام احمد وشافعی شہر ذوالحجہ کی بھی تخصیص نہیں کرتے، جب جس مہینے میں چاہے وہ طواف رکن ادا کر کے فی حق النساء بھی حلال ہوسکتا ہے (ایضاً)۔

ج۔ حکومت کی طرف سے یہ رکاوٹ وقوف عرفہ سے بھی پہلے سامنے آجائے تو ظاہر ہے کہ حج کے دونوں ارکان (وقوف عرفہ اور طواف زیارت) معرض خطر میں آگئے تو ایسا شخص یقیناً باصطلاح شریعت محصر کہلائے گا، اور محصر بالحج کے لئے ایک راہ عمل تو تحلل بافعال العمرہ کا ہے جو یہاں حکومت کی پکڑ کے سبب ممکن ہی نہیں، تو اب وہ یہی کرسکتا ہے کہ کم از کم ایک دنبہ خرید کر حرم میں ذبح کر کے یا بذریعہ وکیل وقت متعینہ پر کرائے اس کے بعد حلق کر کے احرام سے نکل آئے، آئندہ قضا تو کرنی ہی ہوگی (کما مصرح فی کتب الفقہ)۔

غیر ملکی مقیم سعودی عربیہ کے لئے ایک خاص مخلص

علامہ ابن قدامہ نے ایک فصل قائم کر کے لکھا ہے: ''وإن شرط في ابتداء الإحرام أن يحل متى مرض أوضاعت نفقته أو

نفذت أونحوه، أوقال إن حبسني حابس فمحلي حيث حبسني، فله الحل متى وجد ذلك ولاشيء عليه لاهدى ولا قضاء ولا غيره فإن للشرط تاثيرًا في العبادات الخ'' (المغنی ۳٫۲۷۷)۔

(اور اگر کوئی شخص ابتداء احرام میں شرط لگائے کہ اگر بیمار ہوا یا نفقہ سفر ضائع ہوگیا، یا ختم ہوگیا وغیرہ تو میں احرام کھولدوں گا، یا کہا اگر مجھ کو کسی امر نے روکا تو جہاں روکا وہیں میرا احرام کھلے گا، تو ایسے شخص کو شرط کے پائے جانے پر حلال ہونے کا حق ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں، نہ ہدی نہ قضاء اور نہ کچھ، اس لئے کہ شرط کا اثر عبادات میں بھی ہوتا ہے)۔

اس کے علاوہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ ضباعہ بنت زبیر نے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں مگر ہوں میں مریضہ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حجي واشترطي ان محلي حيث حبسني'' (اس حدیث اور "المغنی" کی مذکورہ بالا طویل عبارت سے تو اس کی دلیل ملتی ہے کہ اگر سعودیہ عربیہ میں مقیم غیر ملکی حضرات جنہیں بعض اوقات حکومت کی اجازت کے بغیر احرام حج باندھنے کے بعد رکاوٹ پیش آجاتی ہے اور نہیں حکومت پکڑ کر واپس بھیج دیتی ہے اور وہ عجب مخمصہ میں پڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ ابتداء احرام ہی میں یہ شرط لگائیں کہ اگر حکومت کی طرف سے افعال حج کی ادائیگی اور تکمیل سے پہلے کوئی رکاوٹ آئی تو وہی وقت میرے حلال ہوجانے کا ہوگا تو پھر یہ لوگ کسی پریشانی وزیر باری کے بغیر حلق کر کے احرام سے نکل سکتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں کسی امام کا اختلاف بھی نقل نہیں کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ مخلّص کی دیگر دبستان فقہ کی روشنی میں تحقیق کر کے غور وفکر کرنا چاہئے اور اس فقہی سیمینار سے اجماعی فیصلہ ضرور ہونا چاہیے۔

۸۔ افعال حج میں سے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کا ضروری ہونا صرف امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے، امام مالکؒ گرچہ رمی اور حلق کے مابین وجوب ترتیب اور اس کے فوات سے دو دم کے قائل ہیں، مگر کم از کم حلق وذبح کے درمیان تو ترتیب ان کے یہاں بھی سنت ہی ہے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ذبح وحلق کے درمیان ترتیب کا مسنون ہونا ہی ائمہ ثلثہ اور احناف میں سے امام صاحبین کا اجماعی مسلک ہے (الشرح الکبیر مع المغنی ۳/۴۶۱)۔

دور حاضر میں ذبح وحلق کے درمیان ترتیب کی رعایت مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر واقعتاً مشکل ترین کام ہو چکا ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "قال رجل حلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج" (کے ظاہر نص سے استفادہ کرتے ہوئے ائمہ ثلثہ اور صاحبین علیہم الرحمہ کے اجماعی مسلک کو اختیار کر کے مقلدین ابی حنیفہ حجاج کرام کو اس کے لئے گنجائش واجازت ہونی چاہئے کہ اگر یہ حجاج قربانی کی ذمہ داری حکومت وقت کے طرف سے مجاز اداروں کے سپرد کر دینے کے بعد پہلے رمی کر لیں پھر حلق کرالیں تو ان پر کوئی دم واجب نہ ہوگا خواہ واقعہ کے اعتبار سے یہ نیابتاً ذبح والا فعل، رمی وحلق سے پہلے متحقق ہو، یا بعد میں دفعاً للمشقۃ ترک واجب تک کی رخصت خود فقہ حنفی میں بھی نظر آتی ہے۔

۹۔ جب آج کل عموماً حج تمتع ہی کیا جانا امر معروف بن چکا ہے تو جب تک آمر کی طرف سے صراحتاً حج افراد کی تخصیص اور تمتع سے ممانعت نہ ہو ''المعروف کالمشروط'' کے قاعدہ سے مامور کے حق میں آمر کی طرف سے دلالۃً تمتع کی اجازت ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے ساتھ ذیلی سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے:

الف۔ آمر کی اجازت صریحہ سے حج بدل کرنے والا مامور تمتع کرسکتا ہے۔

ب۔ آمر کی اجازت صراحتاً نہ ہو، مگر حاجیوں کا تمتع ہی کرنا معروف بن چکا ہو تب بھی وہ مامور اپنے حق میں دلالۃً اجازت تصور کر کے تمتع کرسکتا ہے۔

ج۔ اگر مامور کو ظن غالب ہے کہ آمر ہمارے تمتع سے ناراض نہ ہوگا بلکہ اس کا ہم کو مجاز ہی سمجھے گا، تب بھی صریح اجازت لئے بغیر وہ تمتع کرسکتا ہے۔

د۔ دم تمتع تو بہر حال مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا، فقہ حنفی میں تو یہی صراحت ہے، بلکہ اگر صراحتاً یا دلالتاً کسی بھی قسم کی اجازت آمر کی طرف سے نہ ہو، افراد ہی کا اس نے حکم کیا ہو، تب تو حنفیہ کے یہاں وہ مامور پورے مال کا ضامن بھی ہوگا، وہ مامور خواہ تمتع کرے یا قران (شامی ۲/۲۴۷)۔

ھ۔ جب آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہوجاتی ہے تو احرام کے طویل ہونے اور کسی دشواری سے دوچار ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

و۔ اپنا حج فرض ادا کئے بغیر کوئی مرجائے تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے یہاں فرضیت حج ہی اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے۔ ہاں اگر وہ حج کرنے کی

وصیت کر گیا ہوگا تو ترکہ کے ثلث سے اس وصیت کی تکمیل جہاں سے ممکن ہوگی کرائی جائے گی، لیکن اگر وہ وصیت بھی نہ کر سکا تو ظاہر ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل کرانا محض تبرعاً وارث کی سعادت مندی ہوگی، اور اس صورت میں یہی ورثہ آمر بنیں گے، اور اگر ورثہ ہی حج بدل پر جانے والے کو صراحتاً یا دلالۃً تمتع کی اجازت دیدیں گے تو میت کی جانب سے تمتع بھی کیا جا سکتا ہے۔

اور امام شافعی اور امام احمد کے یہاں چونکہ موت سے حج فرض ساقط نہیں بلکہ اس کے ذمہ قرض رہ جاتا ہے، اس لئے پورے مال سے اس کی ادائیگی کرانی ورثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ (المغنی ۳/۱۹۶)۔

لیکن حج اِفراد سے بھی نفس فریضہ کی ادائیگی ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارا قیاس یہ ہے کہ ان دونوں امام کے یہاں پورے مال سے حج اِفراد ہی کرانا ورثہ کی ذمہ داری ہوگی، لیکن مال میں وسعت ہو اور ورثہ راضی ہوں تو ورثہ کی اجازت سے تمتع کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مصرحہ مسلک تو یہی ہے کہ آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کیا جا سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۰: الف۔ حج کرنے والی خاتون حیض، نفاس کے سبب طواف زیارت نہ کر سکے اور اس کے لئے مکہ میں ٹھہر کر پاک ہونے کا انتظار کرنا کسی سبب سے ممکن نہ رہے اور نہ دوبارہ وطن سے واپس آ کر اس رکن کی ادائیگی کا تصور کیا جا سکے تو ایسی خاتون کے لئے اسی ناپاکی کی حالت میں ہی طواف زیارت کر لینے کی گنجائش ہوگی۔

ب۔ بحالت ناپاکی طواف زیارت کر لینے سے رکن حج ادا ہو جائے گا مگر جبراً للنقصان دم لازم آئے گا۔

ج۔ یہ جنابت وناپاکی چونکہ اغلظ ہے، اس لئے بدنہ ہی لازم آئے گا بکری، دنبہ کافی نہ ہوگا۔

د۔ مقام ذبح کا حرم میں ہونا متعین اور ضروری ہے، خارج حرم کسی بھی دم کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی (البحر الرائق ۳/۵۷)۔

۱۱۔ سفر حج وعمرہ میں کوئی خاتون یا تو اپنے کسی محرم کے ساتھ ہوگی یا خود شوہر ہی اس کے ساتھ ہوگا، پھر احرام سے پہلے یا احرام حج کے بعد شوہر کی وفات کے سبب اس پر عدت وفات لازم آ جائے تو چونکہ عدت وفات شوہر کے گھر میں گذارنی ضروری ہے اور پوری مدت عدت میں گھر سے نکلنا بلا عذر جائز نہیں، اس لئے ایسی خاتون کو شوہر کے گھر تک واپسی پر اور گھر ہی میں رکنے پر شرعاً مامور ومکلف سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ دوران سفر احرام سے پہلے عدت وفات لازم آ جائے تو فقہ حنفی میں "رجوع إلی منزل الزوج" (شوہر کے گھر کو لوٹنا) یا "مضی إلی المقصد" (مقصد کی طرف بڑھنا) میں سفر شرعی کی مسافت ہونے نہ ہونے کے ساتھ محرم کے ہونے نہ ہونے اور پھر اس مقام کے صحرا اور آبادی ہونے کے علاوہ وہاں ہی مقیم ہو کر عدت گذارنا ممکن ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ، اختلاف احوال ومقام کی مختلف صورتوں میں مختلف احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض صورت کے خروج وانتقال مکانی کی توجیہ "لیس بابتداء الخروج معنی" سے کی جاتی ہے تو بعض صورت میں عذر وحشت اور مسافرت وغربت کے سبب متوقعہ اذیت کا نکتہ پیش کر کے کہا جاتا ہے:

"إن التربص علی المعتدة فی منزلها إن کان واجبا لکن یجوز الانتقال بعذر" (ھدایہ ثانی ۴۲۹) (معتدہ اپنے گھر کے اندر رہنا اگر چہ واجب ہے مگر عذر کی وجہ سے منتقل ہونا جائز ہے)۔

اور اگر یہ عدت وفات خاتون پر احرام حج کے بعد لازم آئے تو حنفیہ اسے محصر کے حکم میں داخل کر دیتے ہیں:

"أو أحرمت ولا محرم معها لکن معها زوجها فمات زوجها فإنها محصرة هکذا فی البدائع" (ھندیہ ۱٫۲۵۵)۔

اس کا حاصل یہی نکلا کہ عورت محرمہ عدت وفات میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی محصر کی طرح ہدی ذبح کر کے یا بذریعہ وکیل متعینہ وقت پر کرا کے قصر کر کے احرام کھول دے۔

لیکن علامہ ابن قدامہ نے المغنی ۹/۱۸۰ میں لکھا ہے: "عورت نے حج فرض کا احرام باندھا اس کے بعد شوہر مر گیا تو اگر وقت میں وسعت ہو اور عورت کو حج کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور نہ ساتھیوں کے فوت ہونے کا تو گھر میں عدت گذارنا لازم ہے، اس لئے کہ دونوں حقوق کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے تو کسی کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور اگر حج کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سفر کا جاری رکھنا لازم ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ فوت کا خوف ہو تب بھی گھر میں رہنا لازم ہے، اس لئے کہ وہ معتدہ ہے جس کے لئے سفر کرنا درست نہیں ہے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرات شوافع وحنابلہ کے یہاں وقت میں وسعت ہو اور رفقاء سفر کا ملنا بھی متوقع ہو تو عدت گذار کر حج کرے گی ورنہ وہ عدت کے دوران ہی حج کرسکتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے مذکورہ بالا عبارت میں امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کرنے کے بعد ان کی جو دلیل بیان کی ہے اس میں "فلم یجزلها أن تنشئ سفرا" کا لفظ تحقیق طلب ہے۔

لفظ سفر سے مراد مطلق خروج عن البیت ہے یا سفر شرعی، اگر سفر شرعی مراد ہے تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بلا سفر شرعی کئے اگر وہ معتدہ افعال حج کرسکتی ہے تو غالباً عندالاحناف بھی معتدہ حج ادا کرلے گی، بظاہر اس مراد کی تائید (ہدایہ ۴۲۹/۲) کے حاشیہ ۹ سے ہوجاتی ہے جس میں ''عینی'' کے حوالہ سے لکھا ہے ''خروج المعتدة مادون السفر مباح'' (سفر شرعی سے کم کے لئے معتدہ کا نکلنا درست ہے)۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ خود متن ہدایہ میں جو بات ''زوجهافي مصر'' کی صورت میں محرم کے ہوتے ہوئے بھی مصر سے نکلنے نہ نکلنے کے جواز وعدم جواز کے متعلق امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، اس مسئلہ میں امام صاحب کی دلیل کے ضمن میں صراحت ہے کہ ''لیس للمعتدة ذلك'' (أی خروج إلی مادون السفر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''المغنی'' کی عبارت بالا میں ''سفر'' سے مراد سفر معنوی ہی ہے یعنی مطلق خروج عن البیت۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ جبکہ پہلے سے دو مستقل مقام کی حیثیت سے دو ناموں کے ساتھ موسوم ہے اور آج بھی گرچہ آبادیوں کے پھیلاؤ کے سبب دونوں جگہیں تقریباً مل جل گئی ہیں، تاہم دونوں کا نام الگ الگ ہونا ہی معروف اور عام وخاص کی زبانوں پر ہے اور اب تک کوئی ان دونوں کی آبادیوں کے مروجہ اتصال کے باوجود دونوں مقام کو ایک نہیں سمجھتا ہے اور نہ ایک ہی نام سے جاننے پہچاننے کا عرف ہی ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں جگہیں علی حالہ دو مستقل مقام ہی سمجھے جائیں گی۔

اس لئے مکہ مکرمہ میں مسلسل پندرہ دنوں تک مسلسل رات گذارتے ہوئے قیام کی نیت کے ساتھ اگر نہیں ٹھہرے گا تو وہ مقیم نہیں ہوسکے گا۔ آج کل مکہ مکرمہ میں پندرہ دنوں کے قیام سے پہلے ہی منیٰ وغیرہ کی طرف حجاج روانہ ہوجاتے ہیں تو ایسے حاجی حضرات مقیم نہیں مسافر ہی رہیں گے۔

''لو نوی الإقامة خمسة عشر یوماً فی موضعین فإن کان کل منهما أصلاً بنفسه نحومکة ومنیٰ ... لا یصیر مقیماً'' (ہندیہ ۱۴۰/۱، شامی ۵۲۸/۱)۔

(اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو دو جگہوں میں اور ان میں سے ہر ایک مستقل ہو، جیسے مکہ ومنیٰ تو مقیم نہیں ہوگا)۔

ممکن ہے کہ آئندہ کبھی آج کا عرف بدل جائے اور مکہ ومنیٰ کی آبادیوں کے اتصال کی بناپر دونوں جگہیں ایک ہی نام سے معروف ومشہور ہوجائیں اور ایک ہی آبادی کے دو محلے سمجھے جانے لگیں تو پھر حکم بدل بھی سکتا ہے۔

۱۳۔ رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے جانے والے اور سعودیہ عربیہ میں مقیم دیگر تمام حنفیہ کے لئے میں جائز اور مناسب یہی سمجھتا ہوں کہ وہ مسجد حرمین کے ان اماموں کے اقتداء ہی میں بہ جماعت نماز وتر ادا کریں، جو وتر کو فصل کے ساتھ یعنی دو رکعت پر سلام کرکے ادا کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق کو میں قول فیصل، اقرب إلی الحق والصواب تسلیم کرتے ہوئے قابل قبول اور لائق عمل مانتا ہوں۔

علامہ شامی (۴۷۸/۱، ۴۴۹/۳) نے مختلف فی الفروع امام ومقتدی یعنی ایک امام کے مقلدوں کی اقتداء دوسرے امام کے مقلدین کے لئے جائز ہے یا ناجائز، اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے اور ساری بحثیں اور تفصیلات یقیناً حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کی نظر میں تھیں، تاہم مختصراً ان تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''قلت والذی تحقق عندی أنه (أی الاقتداء) صحیح مطلقاً ... فإنی لا أجد أحداً من السلف إذا دخل فی المسجدأنه تفقد أحوال الإمام أوتسئل عنه، بیدأنهم یقتدون وینصرفون إلی بیوتهم بلاسؤال وجواب... وکان شیخنا شیخ الهند محمود الحسن أیضاً یذهب إلی مذهب الجصاص''۔

مذکورہ بالا اقتباس سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ومقتدی میں فروعی اختلاف جیسا بھی ہو، ایک دوسرے کی اقتداء ہر حال میں جائز اور درست ہے، یہی اسلاف کا تعامل وتوارث تھا، علامہ جصاص کا مسلک بھی یہی تھا اور یہی مختار وپسندیدہ شیخ الہند کا بھی تھا۔

اور بات سچ یہی ہے کہ کوئی بھی مقلد دوسرے مقلد کی کسی بھی طریقہ پر ادا کی ہوئی کسی نماز کو قطعی باطل اور غیر صحیح نہیں کہہ سکتا۔ ☆☆☆

حج اور عمرہ کے اہم اور مشکل مسائل

مفتی شبیر احمد قاسمی[1]

جدہ اور محاذات میقات بھی میقات ہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ کل پانچ میقات ہیں:

(۱) ذوالحلیفہ، (۲) جحفہ جس کو اس زمانے میں رابغ کہتے ہیں، (۳) قرن المنازل (۴) یلملم اور (۵) ذات عرق، یہ پانچ مقامات حدیث میں میقات ہیں، بغیر احرام ان مقامات سے آگے بڑھنا جائز نہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میقاتوں کے محاذات کو بھی میقات کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ طائف وجدہ وغیرہ محاذات میقات یا اس سے دوری پر واقع ہیں، ان کو میقات کے حکم میں قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں بعض علماء نے محاذات میقات کو حکم میقات میں تسلیم نہیں کیا ہے۔ مگر فقیہ العصر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مہاجر مدنی، حضرت تھانویؒ، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن زیاد یمنی، اور صاحب غنیۃ الناسک وغیرہ نے محاذات میقات کو بھی میقات کے حکم میں قرار دیا ہے، اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک جدہ اور طائف بھی میقات ہے، لہذا ساحلی علاقہ سے، بحری جہاز سے پہنچنے والوں کے لئے نیز مغربی ممالک سے ہوائی جہاز سے پہنچنے والوں کے لئے مذکورہ علماء کبار کے نزدیک احرام باندھنا بلا کراہت جائز ہوگا، اور ان حضرات کی رائے زیادہ صحیح اور معتبر ہے، اس لئے اس کو معمول بہ اور مفتی بہ قرار دیا جائے گا (مستفاد امداد الفتاوی ۲/۱۶۹، فتاوی خلیلیہ ۱/۹۲، جواہر الفقہ ۱/۴۷۸، زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ص ۶۱)۔

مگر شمالی شرقی اور شرقی جنوبی ممالک سے ہوائی جہاز سے جدہ پہنچنے والوں پر پہلے ہی سے احرام باندھ لینا لازم ہوگا، کیونکہ شمالی شرقی ممالک سے آنے والوں کے سامنے قرن المنازل یا یلملم یا ان کے محاذات آتے ہیں، ان پر وہیں سے احرام باندھنا لازم ہے، اور شرقی جنوبی ممالک سے آنے والوں کے سامنے ذوالحلیفہ یا ذات عرق یا ان کے محاذات آتے ہیں، ان پر وہیں سے احرام باندھنا لازم ہے، کیونکہ اول میقات سے بلا احرام گذرنا مکروہ تحریمی اور موجب دم ہے، ہاں البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرے میقات میں جا کر احرام باندھنے کی وجہ سے دم ساقط ہو جائے گا، مگر کراہت بھی باقی رہتی ہے (ایضاح المناسک ر ۸۵)۔

''لو جاوز ميقاتا من المواقيت الخمسة يريد الحج أو العمرة فجاوزه بغير إحرام ثم عاد قبل أن يحرم وأحرم من الميقات وجاوزه محرما لا يجب عليه دم بالإجماع'' (بدائع ۲/۱۶۵) وعليه العود إلى الميقات الذى جاوزه أو إلى غيره أقرب أو أبعد وإلى ميقاته الذى جاوزه أفضل الخ'' (غنية الناسك ۳۰)۔

(اگر پانچوں میقات میں سے کسی ایک سے بلا احرام تجاوز کر گیا ہے اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ بھی رکھتا ہے تو بلا احرام گذرنے کے بعد پھر احرام سے قبل کسی میقات میں آ کر احرام باندھ لیتا ہے اور پھر محرم بن کر گذرتا ہے تو بالاجماع دم لازم نہ ہوگا۔ اس پر گذرے ہوئے میقات یا کسی دوسرے میقات جو پہلے سے قریب ہو یا بعید اس پر لوٹنا لازم ہے اور اپنے میقات پر لوٹنا زیادہ افضل ہے)۔

۱۔ آفاقی کا بلا احرام مکہ میں داخل ہونا

آفاقی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں، اگر یہ لوگ حج یا عمرہ کے ارادے سے مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کریں، تو تمام ائمہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے، لہذا اگر بلا احرام میقات سے تجاوز کریں گے تو بالاتفاق ایک دم کفارہ میں واجب ہوگا، اور

[1] جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد۔

اگر دخول مکہ کا ارادہ ہے مگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ دوستوں سے ملاقات یا تجارت یا کسی اور ضرورت کے لئے داخل ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں بلا احرام داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء امت کے دو نقطہائے نظر ہیں:

اول: حضرت امام حسن بصریؒ، امام بخاریؒ، ابن شہاب زہری، داؤد بن علی اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جو آفاقی حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے اس کے لئے بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز ہے اور اس پر کوئی دم یا کفارہ بھی نہیں ہے، ہاں البتہ احرام باندھ کر جانا مستحب ضرور ہے (عمدۃ القاری ۱۰ / ۲۰۵)۔

نیز حضرت امام شافعیؒ اور امام مالک کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں یہی قول مفتی بہ اور معمول بہ ہے۔

دوم: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثور اور لیث بن سعد کے نزدیک، نیز حضرت امام مالکؒ اور امام شافعی کے قول مشہور کے مطابق جو آفاقی حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے اس کے لئے بھی بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز نہیں ہے، اگر گذر جائے گا تو حضرت امام شافعیؒ اور ابوثور کے نزدیک کفارہ یا دم لازم نہ ہوگا، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ایک عمرہ یا حج کرنا لازم ہو جائے گا، اور بلا احرام گذرنے کی وجہ سے ایک دم بھی لازم ہو جائے گا (نخب الافکار ۵ / ۱۹۴، عمدۃ القاری ۹ / ۲۲۴، ۱۰ / ۲۰۵)۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب آفاقی دخول مکہ کے ارادے سے میقات سے تجاوز کرے گا تو چاہے حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں، دونوں صورتوں میں حج یا عمرہ میں سے ایک عبادت لازم ہو جاتی ہے اس لئے بلا احرام تجاوز جائز نہیں ہوتا، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر ارادے کے یہ عبادت لازم نہیں ہوتی۔

"لو أراد بمجاوزة هذه المواقيت دخول مكة لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرما سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى عندنا" (بدائع ۲،۱۶۴)۔

۲۔ میقات سے بلا احرام بار بار گذرنے کی ضرورت

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک آفاقی کے لئے بلا احرام میقات سے گذر جانا جائز نہیں ہے، حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ہر صورت میں احرام لازم ہے، اور اسی طرح اگر مکی میقات سے آفاق میں جائے گا تو اس پر بھی واپسی میں احرام باندھنا لازم ہوتا ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کے زمانہ میں کاروباری لوگوں کو کثرت کے ساتھ بار بار آنے اور جانے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً اہل مکہ کو بار بار مدینہ جانا پڑتا ہے اور اہل مدینہ کو بار بار مکۃ المکرمہ اپنے کاروبار کے لئے جانا پڑتا ہے تو اگر ان پر ہر مرتبہ احرام باندھ کر عمرہ کا حکم لگایا جائے گا تو شدید مشقت اور حرج لازم آجاتا ہے تو ان کے لئے شرعی طور پر کوئی رعایت اور گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ مہینے دو مہینے میں آتے جاتے ہیں ان کے حق میں تو کوئی گنجائش نہ ہوگی، البتہ جو لوگ روزانہ یا ہر ہفتہ آتے جاتے ہیں ان لوگوں کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنے کے دو طریقے ہم کو نظر آتے ہیں:

طریقہ اول: ضرورت اور حاجت شدیدہ کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے حضرت امام شافعیؒ، امام حسن بصریؒ، ابن شہاب زہریؒ، داؤد بن علی، عبداللہ بن وہب، ابوثور وغیرہ کے مسلک پر اس مسئلہ میں عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

طریقہ دوم: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میقات کے باہر سے لکڑیاں لانے والے اور عمال اور تجار اور کمانے والے جو بار بار جاتے آتے ہیں ان کے لئے بلا احرام میقات سے گذرتے رہنے کی اجازت ہے۔

اس لئے کہ اگر ہر بار ان پر احرام کی پابندی لگائی جائے گی تو سخت مشقت کا خطرہ ہے، مصنف ابن ابی شیبہ اور نخب الافکار وغیرہ میں ابن عباس کی روایت اس طرح کے الفاظ سے مروی ہے:

"عن ابن عباس قال: لا يدخل أحد مكة إلا بإحرام إلا الحطابين والعمالين وأصحاب منافعهما..." (نخب الافکار قلمی ۵،۲۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۴،۲۱۱، طحاوی شریف من عطاء ۱،۴۳۸، تلخیص الحبیر ۱،۲۱۱)۔

اور حنفی مسلک کے فقہاء اور محدثین بھی ضرورت کی وجہ سے میقات کے باہر سے لکڑیاں لانے والوں اور ان کی طرح ضرورت سے بار بار آنے جانے

والوں کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنے کی گنجائش لکھتے ہیں اور اس طرح کے الفاظ نقل فرماتے ہیں:

"كره الأكثر دخولها بلا إحرام و رخصوا للحطابين ومن أشبههم" (أوجز المسالك ۳،۴۳۲، عمدة القاری ۱۰،۲۰۵، تخريج هدایه ۱،۲۱۵)۔

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ بار بار میقات سے باہر جانے والے مکی اور بار بار مکۃ المکرمہ میں اپنی ضرورت کے لئے داخل ہونے والے آفاقی کے لئے بلا احرام میقات سے گذرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور ان پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

صاحب التسہیل الضروری لکھتے ہیں کہ تجارتی ضرورت کے لئے بار بار آنے جانے اور سواقین کے لئے بلا احرام میقات سے گذرتے رہنے کی گنجائش ہے:

"لو سومح في ذلك لمن يحتاج إلى الدخول متكررً الكسب ما يحتاج إليه من نفقة عياله كالسواقين قياسا على الحطابين لكان له وجه" (التسهيل الضروری ۱،۱۸۲)۔

اگر اس سلسلہ میں ایسے شخص کو گنجائش دی جائے جو اپنے بال بچوں کی معاشی ضروریات حاصل کرنے کے لئے بار بار داخل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ڈرائیور وغیرہ تو حطابین پر قیاس کر کے اس کے لئے گنجائش ہو سکتی ہے)۔

۳: الف۔ مکی کا اشہر حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں عمرہ کرنا

اگر مکی اشہر حج میں میقات سے باہر کسی ضرورت کے لئے جاتا ہے تو واپسی میں اس کی تین شکلیں نظر آتی ہیں:

پہلی شکل: وہ مکی واپسی میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوتا ہے اور ارکان عمرہ ادا کر کے حلال ہوجاتا ہے اور وہ اسی سال حج نہیں کرتا ہے تو اس پر کوئی کفارہ اور دم وغیرہ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے واپسی میں احرام کے ذریعہ میقات کا حق ادا کر دیا۔

"المكي إذا خرج منها وجاوز الميقات لا يحل له العود بلا إحرام..." (تاتارخانيه ۲،۴۷۵)۔

دوسری شکل: وہ مکی واپسی میں بلا احرام میقات سے گذر کر مکہ میں داخل ہوجاتا ہے تو بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس پر کفارہ میں ایک دم واجب ہوجائے گا، ہاں البتہ اگر دوبارہ میقات یا محاذات میقات میں جا کر احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتا ہے تو واجب شدہ دم ساقط ہو سکتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"من جاوز آخر المواقيت بغير إحرام ثم عاد إليه وهو محرم ولبیّ فيه فقد سقط عنه الدم الذی لزمه بالمجاوزة بغير إحرام لأنه قد تدارك ما فاته" (البحر الرائق ۳،۴۸)۔

تیسری شکل: وہ مکی واپسی میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوتا ہے اور ارکان عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیتا ہے اور پھر اسی سال حج بھی کر لیتا ہے تو یہ اس کا حج تمتع نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو تمتع کا ثواب ملے گا، اس لئے کہ حج تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ اور حج ایسے ایک سفر میں کیا جائے کہ دونوں کے درمیان اپنے وطن نہ پہنچ جائے جس کو فقہاء المام صحیح کہتے ہیں۔

اور مکی جب میقات سے احرام باندھ کر مکہ پہنچ جاتا ہے تو لازمی طور پر اس کی طرف سے المام صحیح کا ثبوت ہوجاتا ہے اور حج اور عمرہ کے درمیان المام صحیح مفسد تمتع ہے، اس لئے مکی اگر تمتع کر بھی لیتا ہے تو اس کا تمتع صحیح نہ ہوگا اور اس پر ایک دم جبر بھی لازم ہوجائے گا جس کا گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اور دم جبر اس لئے لازم ہے کہ اس نے امر ممنوع کا ارتکاب کر لیا ہے (دیکھئے: شامی ۲/۵۶۸، عنایہ ۳/۱۵، تاتارخانیہ ۲/۵۲۸)۔

ب۔ مکی کا میقات سے باہر جا کر واپسی میں حج قران کرنا

اگر مکی اشہر حج آنے سے کافی پہلے میقات سے باہر ضرورت کے لئے چلا جائے اور اشہر حج آنے کے بعد واپسی میں میقات سے حج قران کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوجائے اور آفاقی کی طرح احرام کی پابندی کر کے حج قران ادا کرتا ہے تو اس کا حج قران بلا کراہت صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ اشہر حج سے قبل میقات سے باہر جانے کی وجہ سے وہ مکی آفاقی کی طرح ہوگیا ہے، اور اگر اشہر حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں میقات سے حج قران کا احرام باندھ لیتا ہے

تو ایسی صورت میں اس کا حج قران جائز نہ ہوگا، اور دونوں صورتوں میں اس پر ایک دم واجب ہو جائے گا اور یہ دم دم جبر ہوگا اس کا گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''مکی اور جو شخص مکی کے حکم میں ہے اس کے لئے صرف حج افراد جائز ہے، اگر حج قران یا حج تمتع کر لے تو جائز ہوگا لیکن گنہگار ہوگا اور ایک دم کفارہ بھی لازم ہوگا۔ اس کے تحت شامیؒ لکھتے ہیں کہ اگر وہ کوفہ جا کر واپسی میں حج قران کر لیتا ہے تو بلا کراہت صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقاتی ہو گئے اور وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا ہے۔ محبوبی نے کہا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اشہر حج سے قبل آفاق میں گیا ہو، اور اگر اشہر حج میں گیا ہے تو قران جائز نہ ہو گا، لہٰذا اس کا اشہر حج میں آفاق میں جانے کی وجہ سے مکی ہونے کا حکم ختم نہ ہوگا، اور محبوبی کا قول صحیح اور مفتی بہ ہے'' (شامی ۳/۵۶۷، عنایہ ۳/۱۵)۔

ج۔ مکی نے اشہر حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں حج کا احرام باندھ لیا

مکی اشہر حج میں میقات سے باہر جا کر واپسی میں حج کا احرام باندھ کر آئے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

اول: مکی نے مکہ سے باہر جاتے وقت واپسی میں حج کا احرام میقات یا حل میں باندھ کر آنے کا ارادہ کر رکھا ہے تو ایسی صورت میں اس پر کفارہ میں ایک دم دینا لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کے حج کا میقات حدود حرم ہے، اس نے گویا اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر لیا ہے جو موجب دم ہے۔

دوم: مکی نے مکہ سے نکلتے وقت یہ ارادہ نہیں کیا کہ حدود حرم سے باہر حل یا آفاق میں جا کر حج کا احرام باندھنا ہے بلکہ اپنی مخصوص ضرورت کے لئے نکلا ہے اور چونکہ حج کا موسم ہے تو واپسی میں حل یا میقات سے بجائے عمرہ کے حج کا ارادہ کر لیا تو ایسی صورت میں اس کا حج اسی احرام کے ساتھ بلا کراہت جائز ہو جائے گا اور کوئی دم بھی لازم نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

''اور اگر مکی حدود حرم سے باہر نکلا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو اس پر ایک دم لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کے حج کا میقات حدود حرم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے'' (تبیین الحقائق ۲/۴۷)۔ ہدایہ میں ہے: ''جب مکی نے حرم سے حج کے ارادے سے نکل کر عرفہ میں وقوف کر لیا تو اس پر ایک دم ہے، اس لئے کہ اس کا میقات حدود حرم ہے اور اس نے بلا احرام اپنے میقات سے تجاوز کر لیا ہے''۔ اور اس کے تحت بنایہ میں ہے: ''وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو، اس لئے کہ اگر حدود حرم سے کسی ضرورت کی وجہ سے نکلا ہے پھر حج کا احرام باندھ لیا ہے تو اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے لوٹ کر آنا ہو یا نہ آنا ہو، اس لئے کہ جب وہ اس مقام میں کسی حاجت کے لئے نکلا تو وہ اس مقام والوں میں سے ہو گیا ہے'' (بنایہ شرح الہدایہ ۱/۵۸۷)۔

بے موقع احرام سے مکی پر تعدد دم

مکی کے لئے قران یا تمتع کرنا جائز نہیں، اور حج کا احرام حدود حرم سے باہر جا کر باندھنا اور عمرہ کا احرام حدود حرم میں باندھنا جائز نہیں، لہٰذا اگر مکی حج قران یا تمتع کرتا ہے اور حج کا احرام حل میں جا کر اور عمرہ کا احرام حدود حرم میں باندھتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر تین دم واجب ہو جائیں گے: (۱) قران یا تمتع کی وجہ سے، (۲) حج کا احرام حل میں جا کر باندھنے کی وجہ سے، (۳) عمرہ کا احرام حدود حرم میں جا کر باندھنے کی وجہ سے، ان میں سے ایک کا بھی گوشت کھانا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ''ولو قرن المكي أو تمتع فأحرم للحج من الحل وللعمرة من الحرم فعليه ثلاثة دماء: دمان لترك الوقتين ودم للقران أو للتمتع وهو دم جبر'' (غنية الناسك ۳۰)۔

۴۔ مکی کا میقات سے باہر جا کر واپسی میں احرام

جب اہل مکہ میں سے کوئی میقات سے باہر جائے گا تو پھر واپسی میں اگر حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو سب کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے اگر بلا احرام داخل ہوگا تو جرمانہ میں ایک دم واجب ہوگا۔

اور اگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو حضرت امام شافعیؒ، امام حسن بصریؒ، ابن شہاب زہریؒ، داؤد بن علیؒ، ابن وہب اور ظاہریہ کے نزدیک احرام لازم نہیں

ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک احرام باندھ کر داخل ہونا واجب ہے، بلا احرام داخل ہوگا تو ایک دم لازم ہوجائے گا۔

''المکی إذا خرج منها وجاوز المیقات لا یحل له العود بلا إحرام لکن إحرامه من المیقات'' (شامی ۲،۴۷۸)۔

''اور امام شافعیؒ کے نزدیک احرام اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو لہذا جب اس کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ہو تو احرام لازم نہیں ہے'' (تاتارخانیہ ۲/۴۷۵، بدائع ۲/۱۶۴)۔

دم ساقط ہونے کی شکل

اگر آفاقی بلا احرام میقات سے تجاوز کر کے حدود حرم اور مکۃ المکرمہ میں داخل ہوگیا ہے یا جو مکی میقات سے باہر جانے کے بعد بلا احرام میقات سے گذر کر مکۃ المکرمہ میں داخل ہوگیا ہو تو اس کے اوپر جرمانہ کا دم واجب ہوچکا ہے، اب اگر وہ دوبارہ کسی بھی میقات میں جا کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے گا تو واجب شدہ دم اس کے اوپر سے ساقط ہوجائے گا اور بلا احرام میقات سے گذرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ بھی ختم ہوجائے گا۔ اسی طرح گذرے ہوئے میقات کے محاذات یا اس سے دور جا کر بھی احرام باندھنا جائز ہے (غنیۃ الناسک ر ۳۰)۔

بدائع اور فتح القدیر میں اس کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

''اگر میقات سے بلا احرام گذر جانے کے بعد حج یا عمرہ کے کسی رکن کے ادا کرنے سے قبل حل یا حرم میں احرام باندھ لیا ہے پھر واپس میقات میں آکر احرام کا تلبیہ پڑھ لیا ہے تو لازم شدہ دم اس سے ساقط ہوجائے گا'' (بدائع ۲/۱۶۵)، ''جو اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جائے پھر کسی دوسری میقات میں آکر احرام باندھ لے تو جائز ہوجائے گا مگر اپنے میقات پر جا کر باندھنا زیادہ بہتر ہے'' (فتح القدیر ۲/۴۲۶، نیز دیکھئے: التسہیل الضروری ۱/۱۸۴، غنیۃ الناسک ر ۳۰، البحر الرائق ۳/۴۸)۔

۵۔ متمتع کا حج سے پہلے بار بار عمرہ کرنا

جو شخص حج تمتع کرتا ہے اس کا حج سے پہلے اشہر حج یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں بار بار عمرہ کرنا کیسا ہے؟ تو راجح اور صحیح قول کے مطابق حج سے قبل مذکورہ ایام میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں (مستفاد از أوجز المسالک ۳/۴۷۳، غنیۃ الناسک ر ۱۱۵، معلم الحجاج ر ۲۲۱)۔

غنیۃ میں ہے: ''اور حاجی کے لئے جائز ہے کہ حج سے قبل جتنے چاہے عمرہ کرے، اور لباب میں جو حج سے قبل ممانعت لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے'' (غنیۃ الناسک ر ۱۱۵)۔

''اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ متمتع ارکان عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جب دوسرا عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہوجائے گا، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ جب دوسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ تمتع ہوجائے گا اور جب تیسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ علی ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا ان میں آخر والے کے ذریعے سے تمتع صحیح ہوجائے گا'' (فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۸۳)۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت

صحیح تندرست مرد یا عورت کی طرف سے رمی جمرات میں محض بھیڑ کی وجہ سے نیابت جائز نہیں ہے، ہاں البتہ دن میں بھیڑ ہونے کی وجہ سے عورتیں رات میں رمی کر سکتی ہیں، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے مگر نیابت جائز نہیں ہے، لیکن ایسے مریض اور کمزور اور بوڑھے اور اپاہج وغیرہ جو از خود جمرات تک پہنچ کر رمی کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں چاہے مرد ہو یا عورت ان کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے اور رمی کرنے والا نائب جب ان کی طرف سے رمی کریں گے تو بوقت رمی انہیں کی طرف سے نیت بھی کرلیا کریں، البتہ بہتر یہی ہے کہ نائب پہلے اپنی رمی کرے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے رمی کرے نیز نیابت کے ذریعہ سے رمی ہوجانے کے بعد اگر معذور کا عذر زائل ہوجائے تو دوبارہ وقت کے اندر اندر از خود رمی کرنا لازم نہیں اور نا ہی ان کے اوپر کوئی فدیہ ہے، لیکن اگر کسی نے صحیح تندرست کی طرف سے نیابتاً رمی جمرات کرلیا تو تندرست پر دوبارہ کرنا لازم ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ''السادس: أن یرمی بنفسه فلا تجوز فیه النیابة عند القدرة و تجوز عند العذر فلو رمی عن مریض بأمره أو مغمی علیه و لو بغیر أمره أو صبی أو معتوه أو مجنون جاز'' (غنیۃ الناسک ۱۰۰)۔

اور بدائع میں ہے: ''چاہے از خود رمی کرے یا بوقت عجز اس کی طرف سے دوسرا کردے یکساں حکم ہے جیسے مریض'' (بدائع ۲/۱۳۷) اور اگر ان کی طرف

سے رمی کردی تو یہ جائز ہے اور عذر زائل ہونے کے بعد اعادہ یا فدیہ لازم نہیں ہے..... مرد وعورت رمی میں برابر ہیں مگر عورت کا رات میں کرنا افضل ہے، لہذا بغیر عذر کے عورت کی طرف سے نیابت جائز نہیں ہے'' (غنیۃ الناسک ر ۱۰۰)۔

۷۔ سعودیہ میں مقیم شخص کی حالت احرام میں گرفتاری

اگر سعودیہ میں مقیم شخص چاہے وہ اقامت پر رہتا ہو یا یوں ہی حکومت کا قانون ہے کہ ہر شخص قانون کے اندر رہ کر حج یا عمرہ کرے گا، لہذا خلاف قانون کسی کے لئے بھی اجازت نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی اقامہ والا کفیل کے ورقہ کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتا ہے یا غیر قانونی طور پر وہاں مقیم ہے وہ حالت احرام میں پکڑا جائے تو حکومت اس کو اسی حالت میں اس کے ملک روانہ کردیتی ہے، تو ایسا شخص شرعاً محصر کے حکم میں ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''من أحصر بمكة وهو ممنوع عن الطواف والوقوف فهو محصر لأنه تعذر عليه الإتمام و صار كما إذا أحصر فی الحل'' (هدايه ۱٫۲۹۵، فتح القدير ۳٫۱۲۵، هنديه ۱٫۲۵۶)۔

اگر اس شخص نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا اور ہدی بھیجنے سے قبل احرام کھول دیا ہے تو اس پر آئندہ ایک حج، ایک عمرہ اور ایک قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر ہدی بھیجنے کے بعد احرام کھولا ہے تو دم واجب نہ ہوگا بلکہ ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوں گے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''لہذا جس نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا پھر رکاوٹ پیش آجائے تو وہ ہدی بھیج کر احرام کھولدیتا ہے تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ لازم ہوجائیں گے'' (غنیۃ الناسک ر ۱۶۸)۔

اور اگر اس نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا اور اسی حالت میں پکڑا گیا ہے تو اگر اس نے ہدی بھیج کر احرام کھول دیا ہے تو ایک عمرہ قضا کرنا کافی ہوگا، اور اگر ہدی بھیجے بغیر احرام کھولا ہے تو ایک عمرہ اور دم لازم ہوجائیں گے، عمرہ قضاء کے طور پر اور دم بے وقت احرام کھولنے کی وجہ سے۔

''وعلى المحصر بالعمرة قضاء لا غير'' (غنية الناسك ۱۶۸)۔

۸۔ افعال حج میں ترتیب...... افعال حج میں سے یوم النحر میں (۱) جمرۂ عقبی کی رمی (۲) قارن یا متمتع کی قربانی، (۳) حلق، (۴) طواف زیارت، حضور اکرم ﷺ سے ان افعال کو علی الترتیب ادا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے، لہذا تمام امت کے نزدیک ان افعال کو اسی ترتیب سے ادا کرنا درجہ سنت سے نیچے نہیں ہے، نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ طواف زیارت کو ترتیب میں باقی رکھنا مسنون ہے کسی کے نزدیک واجب نہیں ہے، مگر سوال یہ ہے کہ طواف زیارت کے علاوہ باقی امور ثلاثہ میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ اور ترتیب پلٹ جانے کی وجہ سے دم واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب پلٹنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) عمداً ترتیب بدل دی جائے، (۲) جاہلاً یا نسیاناً بدل جائے، دونوں کی الگ الگ تفصیل یہ ہے:

عمداً ترتیب بدل دینا

اگر بالقصد جان بوجھ کر امور ثلاثہ کی ترتیب بدل دی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، نیز امام مالک، امام شافعی (نووی ۱٫۲۱ر۴) اور امام احمد بن حنبل (البحرالرائق ۳ر۲۴) کی ایک روایت کے مطابق اس پر ایک دم واجب ہوجائے گا، مگر حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد اور امام مالک کے مشہور قول کے مطابق، نیز حضرت امام ابویوسف، امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک اس پر دم واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ ترتیب ان سب کے نزدیک سنت ہے اور ترک سنت کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عباس کی جس روایت سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال فرمایا ہے وہ روایت ضعیف ہے، علامہ بدرالدین عینی طحاوی کی شرح نخب الافکار قلمی میں "ولا يصح ذلك عنه" فرما کر ابن عباس کے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے جس سے وجوب دم کا ثبوت ہوتا ہے (نخب الافکار قلمی ۸۱/۵)۔

ناواقفیت سے ترتیب بدل دینا

اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا بھول اور نسیان کی وجہ سے ترتیب بدل دی ہے تب بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول مشہور کے مطابق دم واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ عام کتب فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ملتا ہے، مگر امام محمد بن حسن الشیبانی نے کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول صراحت

کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ اگر بھول اور نسیان یا ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب بدل گئی ہے تو اس پر دم واجب نہیں ہوتا، نیز اس کے نیچے تعلیق میں حضرت العلامہ مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ نے یہ نقل فرمایا ہے کہ ان تمام احادیث شریفہ کا مدار جن سے وجوب دم کا ثبوت ہوتا ہے اس بات پر ہے کہ جان بوجھ کر کے ترتیب بدل دی گئی ہو، اور اگر ناواقفیت اور لاشعوری کی وجہ سے ترتیب بدل گئی ہے تو وجوب دم کی روایات کے دائرہ میں نہیں آتا، ملاحظہ ہو کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کی عبارت:

''أخبرنا محمد عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شئ عليه'' (كتاب الحجه على اهل المدينه ٢،٣٧١)۔

(حضرت امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہ سے نقل فرمایا ہے کہ جو حاجی ناواقفیت کی بنا پر ترتیب بدل دے، مثلاً جمرۂ عقبہ کی رمی سے قبل حلق کر لیتا ہے تو اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے)۔

اس کے نیچے مفتی سید مہدی حسن صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''اس باب میں وارد ہونے والی روایات سے اس شخص کا حکم ثابت ہوجاتا ہے کہ جس نے ناواقفیت سے ترتیب بدل دی یا بے خبری سے ترتیب بدل گئی ہو، پھر اس نے خلاف ترتیب عمل کیا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ کوئی دم ہے، اور وہ شخص جو واجبات کے درمیان ترتیب کے مسائل جانتا ہے پھر جان بوجھ کر اس کے خلاف تقدیم وتاخیر کرتا ہے وہ شخص مذکورہ روایات میں داخل نہیں ہے (اس پر دم لازم ہوتا ہے)'' (تعلیق کتاب الحج علی المدینہ ۲/۷۱ ۳)۔

نیز حضرات صاحبین، حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، طاؤس بن کیسان، مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، ابوثور، داؤد بن علی، ابن جریر طبری، قتادہ بن دعامہ، عبدالملک بن ماجشون اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ بھول ونسیان اور جہالت سے ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرات علماء امت نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''فإن أخل بترتيبها ناسياً أو جاهلا بالسنة فلا شئ عليه في قول كثير من أهل العلم منهم الحسن و طاؤس و مجاهد و سعيد بن جبير و عطاء وإليه ذهب الشافعي و أحمد و إسحاق وأبوثور و داؤد و محمد بن جرير الطبري وقال ابن عباس عليه دم وهو قول النخعي والحسن في رواية و قتادة و إليه ذهب أبو حنيفة والنخعي وابن الماجشون''
(معارف السنن ٦،٢١٠، اوجز المسالك ٣،٧١٥، نخب الافكار قلمی ٥،٨١، نووی ١،٤٢١)۔

امام صاحب کے قول مشہور کی دلیل

حضرت امام ابوحنیفہؒ ابن مسعودؓ اور ابن عباس کے اثر سے استدلال فرماتے ہیں:

''عن ابن مسعود قال من قدم نسكا على نسك فعليه دم، قلت هكذا هو في غالب النسخ ويوجد في بعضها ابن عباس وهو أصح، و قال إبراهيم بن مهاجر ضعيف'' (نصب الرايه ٣،١٢٩)۔

(حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص افعال حج میں سے کسی کو دوسرے پر مقدم ومؤخر کرتا ہے اس پر دم واجب ہے، ایسا ہی اکثر نسخوں میں ابن مسعود کا ذکر ہے اور بعض نسخوں میں ابن عباس کا ذکر ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، اور فرمایا کہ اس کا راوی ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے) نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳ر۱۴، فیض الباری ۳ر۱۱۹۔

جمہور کی دلیل

حضرات صاحبین اور جمہور کے نزدیک کسی بھی صورت میں ترتیب بدلنے کی وجہ سے دم لازم نہیں ہوتا ہے، ان کی دلیل صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عباس کی مرفوع روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں بھول وناواقفیت کی قید بھی موجود ہے، دونوں روایتیں حسب ذیل ہیں:

''عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ سئل في حجته فقال ذبحت قبل أن أرمي قال فأومأ بيده قال: ولا حرج، قال: حلقت قبل أن أذبح فأومأ بيده ولا حرج'' (بخاری شریف ١،١٨، ١،٢٣٢)۔

(حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقع پر سوال کیا گیا کہ میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، سائل نے کہا کہ ذبح سے قبل میں نے حلق کرلیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں)۔

''عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ وقف في حجة الوداع بمنى للناس يسألونه فجائه رجل فقال لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج فجاء آخر فقال لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي قال ارم ولا حرج فما سئل النبي ﷺ عن شئ قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج'' (بخاری شریف ۱۸، ۱، ۲۳۲، ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منیٰ میں لوگوں کے لئے تشریف فرما ہوئے تاکہ لوگ سوال کریں، ایک شخص نے کہا کہ میں نے لاعلمی میں ذبح سے پہلے حلق کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذبح کرلو کوئی حرج نہیں، دوسرے نے آکر کہا میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اس تقدیم وتاخیر سے متعلق جو بھی سوال کیا گیا تو فرمایا کہ کرتے رہو کوئی حرج نہیں)۔

اور حضرت امام محمدؒ نے مؤطا محمد میں صحیح روایات کی بنا پر اس پر زور دیا ہے کہ تقدیم وتاخیر کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہ ہونا چاہئے (موطا محمد ر ۲۳۵)۔

اور صاحب بحر اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

''وعندهما لا يلزمه شئ بتقديم نسك على نسك للحديث السابق'' (البحر الرائق ۲۴، ۳ ھکذا فی الزیلعی ۲، ۶۱)۔

حاصل بحث

اب پوری بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جمہور کے دلائل زیادہ مضبوط اور زیادہ صحیح ہیں، اور حضرت امام اعظمؒ کے قول مشہور کی دلیل میں صرف حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے اور وہ بھی متکلم فیہ ہے، اور قول غیر مشہور کی تائید میں کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ کی عبارت ہے، اور تطبیق کی بہترین شکل یہ ہوسکتی ہے کہ صحیحین کی مرفوع روایات میں کفارہ لازم نہ ہونے کی بات اس صورت میں ہے کہ جب لاعلمی یا بھول سے ترتیب بدل دی ہو اور حضرت ابن عباسؓ کے اثر میں کفارہ اس وقت لازم سمجھا جائے جبکہ جان بوجھ کر ترتیب بدل دی ہو، لہذا ایسی صورت میں تمام روایات پر عمل کرنا سب کے نزدیک ممکن ہوسکتا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص لاعلمی یا بھول سے ترتیب بدل دے تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہونا چاہئے، اور جو شخص جان بوجھ کر ترتیب بدل دے گا اس پر کفارہ لازم ہوجائے گا، ایسی صورت میں بہت سی دشواریاں ختم ہوسکتی ہیں، لہذا متمتع اور قارن اگر رمی، ذبح اور حلق کے درمیان عمداً بلاعذر ترتیب بدل دے گا تو دم واجب ہوگا، اور اگر پریشان کن اعذار یا جہالت کی وجہ سے ترتیب قائم نہ رکھ سکے، تو صاحبین کے قول اور امام صاحب کے قول غیر مشہور پر عمل کی گنجائش ہوگی، اور ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے وجوب دم کا حکم نہ لگایا جائے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع

حج بدل میں مامور کو حج افراد ہی کرنا چاہئے تاکہ حج بدل حج آفاقی اور حج میقاتی ہوجائے، کیونکہ تمتع کرنے میں عمرہ تو عمرۂ آفاقی ہوجاتا ہے مگر حج آفاقی نہیں ہوتا بلکہ حج مکی ہوجاتا ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ حج بدل میں مامور کلی طور پر آمر کی نیابت کرتا ہے اور آمر کو حج کی تینوں قسموں میں سے کسی بھی ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل تھا تو آمر جو فاعل مختار ہے وہ اگر اپنے مامور کو تینوں قسموں میں سے کسی ایک کا اختیار دے دے تو کیا اشکال ہے؟ اس لئے آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع بھی بلا تردد جائز ہونا چاہئے، البتہ دم تمتع آمر کے مال میں سے لازم نہ ہوگا بلکہ مامور پر لازم ہوگا لیکن اگر آمر بخوشی ادا کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے، ہاں البتہ حج بدل میں حج افراد کرنا زیادہ افضل ہوگا (مستفاد جواہر الفقہ ار ۵۱۳-۵۱۴، ایضاح المناسک ر ۱۷۲، احسن الفتاوی ۴ر ۵۲۳) اور اس زمانہ میں آفاقی کا حج تمتع ہی کرنا زیادہ معروف ہے، اس لئے عرفاً آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت ثابت ہوتی ہے، لہذا صراحت کے ساتھ اجازت کی ضرورت بھی نہیں (مستفاد احسن الفتاوی ۴ر ۵۲۳)، نیز میت کی طرف سے حج بدل ہو تب بھی یہی حکم ہے جبکہ ورثاء سب مل کر بخوشی اس کی اجازت دیتے ہوں۔

امام فخر الدین قاضی خاں نے امام ابو بکر محمد بن فضل کا قول ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

''شیخ ابو بکر محمد بن فضلؒ نے فرمایا کہ جب آمر اپنے غیر کو اس کی طرف سے حج کا حکم کرے تو مناسب یہی ہے کہ آمر مامور کو پوری طرح اختیار دے کر یہ کہے: میرے طرف سے اس مال سے جس طرح چاہے جونسا حج چاہے کرے، اگر چاہے صرف حج کرے اور اگر چاہے تو حج وعمرہ دونوں کرے اور چاہے تو قران

کرے، جو کچھ بھی بچ جائے گا وہ میری طرف سے تم کو ہدیہ ہے تا کہ آمر کی طرف سے مامور پر کوئی تنگی نہ ہو، اور مامور کے اوپر بچا ہوا مال واپس کرنا لازم بھی نہ ہو گا'' (قاضیخان ۱/ ۳۰۷)۔

امام علاء الدین حصکفیؒ نے آمر پر دم شکر لازم نہ ہونے کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع الخ'' (درمختار ۲/ ۶۱۱ طبع کراچی)۔

(دم قران اور دم تمتع اور دم جنایت مامور پر لازم ہوتا ہے جب اس کو قران یا تمتع کرنے کی اجازت دی گئی ہو)۔

ملا علی قاری ارشاد الساری میں آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع کے بالاتفاق جائز ہونے کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ اگر میت حج تمتع کا حکم کرے تو مامور کا حج تمتع کرنا صحیح ہوتا ہے، اور علماء اسلاف کے درمیان ایسی صورت میں کوئی اختلاف نہ ہوگا'' (ارشاد الساری ملا علی قاری ر ۳۹۴، بحوالہ جواہر الفقہ ۱/ ۵۱۲)۔

۱۰۔ رفقاء اور جہاز کی روانگی کی وجہ سے حالت حیض میں طواف زیارت

وقوف عرفہ اور طواف زیارت یہ دونوں ایسے ارکان ہیں کہ ان کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا، اس لئے شدید ترین اعذار کی وجہ سے بھی یہ دونوں رکن ساقط نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی طرف سے ایسی نیابت جائز ہے کہ جس میں حاجی کو عرفات یا مطاف میں جانے کی ضرورت نہ ہو، ان دونوں ارکان کے علاوہ دیگر مناسک حج چاہے از قبیل واجبات ہوں یا سنن، شدید اعذار کی وجہ سے ذمہ سے ساقط ہوجاتے ہیں اور ان میں سے بعض میں نیابت بھی جائز ہے، مثلاً وقوف مزدلفہ شدید ازدحام کی وجہ سے کمزوروں سے ساقط ہوجاتا ہے اور دم بھی لازم نہیں ہوتا (شامی کراچی ۲/ ۶۱۱)۔

اور حیض ونفاس کے عذر کی وجہ سے عورت سے طواف وداع ساقط ہوجاتا ہے اور دم بھی لازم نہیں ہوتا، نیز ازدحام کی وجہ سے کمزوروں کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک طواف میں طہارت از قبیل واجب ہے، از قبیل فرض یا رکن نہیں ہے، تو جس طرح اعذار کی وجہ سے وقوف مزدلفہ، طواف وداع وغیرہ کا وجوب معاف ہوجاتا ہے اسی طرح طواف میں طہارت کا وجوب بھی حیض یا نفاس کے عذر کی وجہ سے ساقط ہوجانا چاہئے۔ خاص طور پر جب قافلہ اور رفقاء سفر یا مقررہ جہاز اس کے پاک ہوجانے تک انتظار نہ کرے تو ایسے اعذار میں طہارت کا وجوب ساقط کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ واجبات دو قسموں پر ہیں:

(۱) وہ واجب جو عمل مستقل ہو کسی دوسرے عمل کا جز نہ ہو۔

(۲) وہ واجب جو عمل مستقل نہ ہو بلکہ کسی دوسرے عمل کا جز ہو۔

تو جو واجب کسی دوسرے عمل کا جز نہیں ہوتا بلکہ عمل مستقل ہوتا ہے وہ اعذار کی وجہ سے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ وقوف مزدلفہ کمزوروں سے ازدحام کے عذر کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے (شامی کراچی ۲/ ۵۱۱) اور طواف وداع حیض ونفاس کے اعذار کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے (تاتارخانیہ ۲/ ۵۲۲) اور کبھی اعذار کی وجہ سے نیابت بھی جائز ہوجاتی ہے، جیسا کہ رمی جمرات میں نیابت (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷، فتح القدیر ۲/ ۴۹۸، غنیۃ الناسک ر ۱۰۰)۔

مگر جو واجب عمل مستقل نہیں ہے۔ اس کی طرف سے اعذار کی وجہ سے نیابت جائز نہیں ہے بلکہ خود اس کی ادائیگی لازم ہے اور طواف میں طہارت بھی اسی قسم کے واجبات میں سے ہے، اس لئے نہ اس میں اعذار کی وجہ سے نیابت جائز ہے اور نہ ہی ذمہ سے کبھی ساقط ہوتی ہے، لہٰذا عورت اگر روانگی کے اعذار کی وجہ سے حیض یا نفاس کی حالت میں طواف زیارت کرے گی تو طواف کا فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی بھی واجب ہوجائے گی اور قربانی کا حدود حرم میں کرنا لازم ہوگا، البتہ موسم حج میں کرنا لازم نہ ہوگا بلکہ کسی بھی زمانہ میں کی جاسکتی ہے (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۱۷۷)۔

شامی میں مذکور ہے کہ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے جس میں عورتیں متحیر اور پریشان ہوجایا کرتی ہیں۔

لیکن اگر پاک ہونے کے بعد طواف کا اعادہ کرلیتی ہے تو جرمانہ بالکل ساقط ہوجائے گا (مستفاد شامی ۲/ ۵۱۹ کراچی، معارف السنن ۶/ ۳۵۸، البحر الرائق ۲/ ۳۷۰)۔

مرد کے لئے اعذار کی وجہ سے طواف زیارت میں تاخیر

اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی واجب ترک ہوجائے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل یوں ہے کہ اعذار دو قسم پر ہیں:

۱۔ وہ اعذار جو انسان کی طرف سے پیش آتے ہیں، تو اگر انسان کی طرف سے پیش آنے والے عذر کی وجہ سے واجب ترک ہوجائے تو ترک واجب کا کفارہ معاف نہ ہوگا بلکہ لازم ہوگا، جیسا کہ کسی نے زبردستی خوشبو لگا دی، یا وقوف مزدلفہ سے روک لیا اور وقت گذر گیا، تو ایسی صورت میں ترک واجب کا دم لازم ہوجائے گا۔

۲۔ وہ اعذار جو انسان کی طرف سے پیش نہیں آتے ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے پیش آتے ہیں، تو ایسے اعذار کی وجہ سے واجب ترک ہوجائے تو دم لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہوگا، مثلاً ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہوجائے، یا حیض ونفاس یا مرض کی وجہ سے، یا گرفتاری کی وجہ سے یا ناگہانی حادثہ کی وجہ سے طواف زیارت میں تاخیر ہوجائے، یہاں تک کہ ایام نحر گذر جائیں اور طواف نہ کرسکے تو ایسی صورت میں ایام نحر کے اندر اندر طواف کرنے کا جو وجوب ہے اس کے ترک ہوجانے کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا اور نہ ہی گناہ ہوگا، اس لئے کہ ان اعذار میں انسان کا کوئی اختیار نہیں، لہذا ۱۴۱۷ھ میں منیٰ میں آگ لگنے کی وجہ سے جو لوگ زد میں آچکے ہیں اور ایام نحر گذرنے تک ہسپتالوں میں پڑے رہے ہیں یا ان کو طواف کرانے والا میسر نہ ہوا ہو تو ان لوگوں پر طواف زیارت میں تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان پر کوئی گناہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس حکم کو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''عذر کی بنا پر واجبات کے ترک ہونے سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، پھر عذر سے ایسا عذر مراد ہے جو من جانب اللہ پیش آتا ہے، لہذا جو من جانب الناس پیش آتا ہے وہ کفارہ کو ساقط کرنے والا عذر نہ ہوگا، اگر وقوف مزدلفہ سے مثلاً دشمنوں نے روک لیا ہے تو اس پر دم لازم ہوگا، اس کے برخلاف اگر خوف ازدحام کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہوجائے تو یہ عذر من جانب اللہ ہے، اس لئے اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا، لہذا جس عذر کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے وہ من جانب اللہ عذر ہے، خوف ازدحام کی وجہ سے یا ضعف کی وجہ سے وقوف مزدلفہ ترک ہوجائے، اور طواف زیارت کا ایام نحر سے تاخیر ہوجانا حیض یا نفاس یا گرفتاری یا مرض وغیرہ کی وجہ سے، اور مریض کو اٹھا کر لے جانے والا بھی کوئی نہیں ہے یا اٹھائے جانے کا متحمل نہیں ہے تو یہ تمام اعذار من جانب اللہ ہیں'' (غنیۃ الناسک / ۱۲۸)۔

۱۱۔ اثناء سفر شوہر کا انتقال ہوجائے یا طلاق بائن ہوجائے تو عورت کیا کرے؟

اگر میاں بیوی ساتھ میں حج یا عمرہ کرنے جائیں، اور اتفاق سے ارکان حج یا ارکان عمرہ ادا کرنے سے قبل شوہر کا انتقال ہوجائے یا عورت پر طلاق بائن یا طلاق مغلظہ واقع ہوجائے اور ساتھ میں عورت کا کوئی محرم بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں بحالت عدت بلا محرم عورت ارکان حج یا ارکان عمرہ ادا کرکے تکمیل کرسکتی ہے یا نہیں؟

تو اس بارے میں ہمارے سامنے کل سات شکلیں آتی ہیں، ان میں سے پانچ شکلیں جواز کی ہیں، اور ایک عدم جواز اور ایک اختلافی ہے، سب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مکۃ المکرمہ پہنچنے کے بعد حادثہ پیش آجائے، تو سب کے نزدیک بلا محرم عدت کی حالت میں حج یا عمرہ کے ارکان ادا کرکے تکمیل کرنا بلا کراہت جائز ہے، حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''وإن كان بينها و بين منزلها مسيرة سفر فصاعداً و بينها و بين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها''
(تاتار خانیہ ۲/۴۳۵، بدائع الصنائع ۲/۱۲۲)۔

(اور اگر جائے حادثہ سے عورت کا وطن مسافت سفر یا اس سے دوری پر ہے اور وہاں سے مکۃ المکرمہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہے تو عورت پر لازم ہے کہ ارکان کی تکمیل کرے)۔

۲۔ مکۃ المکرمہ پہنچنے سے قبل حادثہ پیش آجائے، تو اگر جائے حادثہ سے مکۃ المکرمہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہے تب بھی سب کے نزدیک بلا محرم مکۃ المکرمہ پہنچ کر حج یا عمرہ کی تکمیل کرنا عورت کے لئے جائز ہے۔ لہذا اگر جدہ پہنچنے کے بعد آفاقی عورت کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آجائے تو بھی عورت مکۃ المکرمہ پہنچ کر حج یا عمرہ کرکے آسکتی ہے، اس لئے کہ مسجد حرام سے جدہ کی آبادی کے کنارے تک صرف ۶۷ کلو میٹر ہے اس سے مسافت پوری نہیں ہوگی، لہذا جس آفاقی عورت کا شوہر جدہ شہر میں داخل ہونے کے بعد فوت ہوجائے یا عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائے، تو اس کے لئے بلا محرم مکۃ المکرمہ پہنچ کر حج یا عمرہ کی تکمیل کرنے میں کوئی

اشکال نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۲۴)۔

۳۔ جائے حادثہ سے مکۃ المکرمہ اور وطن دونوں مسافت سفر سے کم پر ہیں تو ایسی صورت میں سب کے نزدیک عورت کو بلا محرم مکۃ المکرمہ پہنچ کر حج یا عمرہ کرنے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ وطن واپس آجائے لیکن اگر عورت نے احرام باندھ لیا ہے تو واپس نہ آئے بلکہ احرام کی شرائط کے مطابق ارکان کی تکمیل کے لئے ضرور مکہ مکرمہ پہنچ جائے تا کہ احرام کی جنایت سے محفوظ ہو جائے، اس مسئلہ کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''وأجمعوا أنه إذا كان دون مسيرة سفر من الجانبين فلها أن تختار إلى أيها شائت'' (تاتارخانیہ ۲، ۱۲۶، شامی ۲، ۴۶۶ طبع زکریا دیوبند)۔

(اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دونوں جانب مسافت سفر سے کم ہوں تو عورت کو اختیار ہے کہ چاہے جانب مکہ کو اختیار کرے یا جانب وطن کو (یہ شکل صرف سعودی عرب کی عورتوں کے ساتھ پیش آسکتی ہے آفاقی کے ساتھ نہیں))۔

۴۔ ایسی جگہ حادثہ پیش آجائے جہاں رہ کر عدت گذارنے میں عورت کے لئے اپنی عفت نفس اور مال کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو وہاں سے موضع امن میں پہنچ جانا سب کے نزدیک جائز ہے، تو ظاہر بات ہے کہ جدہ ائیر پورٹ اس کے لئے موضع امن نہیں بن سکتا ہے، اور مکۃ المکرمہ سے جدہ ایئر پورٹ سو کلومیٹر سے زیادہ مسافت ہے اور عورت کی عفت اور امن کی جگہ وہاں پر مکۃ المکرمہ سے زیادہ اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے اگر جدہ ایئر پورٹ میں حادثہ پیش آجائے تو سب کے نزدیک قافلہ کے ساتھ مکۃ المکرمہ پہنچ جانا اس کے لئے جائز ہو جائے گا، اور جب مکہ مکرمہ پہنچ جائے گی تو اس کے بعد بلا محرم حج یا عمرہ کرنا سب کے نزدیک اس کے لئے جائز ہوگا، نیز اسی طرح اپنے یہاں ایئر پورٹ سے جہاز کے اڑان کے بعد اگر حادثہ پیش آجائے تب بھی مکۃ المکرمہ پہنچ کر بلا محرم حج یا عمرہ ادا کرنا مذکورہ طریقہ سے جائز ہوگا، کیونکہ اڑان کے بعد اس حادثہ کی وجہ سے جہاز واپس نہیں ہوگا، وہاں پہنچنے کے بعد اس کے لئے مکۃ المکرمہ سے زیادہ موضع امن اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ حضرات فقہاء کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

''اور جائے حادثہ دونوں طرف سے تین دن کی مسافت پر ہے تو عورت کو اختیار ہے چاہے وطن واپس ہو جائے یا مکہ مکرمہ پہنچ کر فریضہ ادا کرے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مقصد کا مقام تین دن کی مسافت پر ہے، اس لئے کہ اس مقام پر رکنا اس کے حق میں وہاں سے سفر کرنے سے زیادہ خطرناک ہے'' (ہدایہ ۲/ ۴۰۹)۔

اور بنایہ میں ہے: ''الخوف عليها من خوف الخروج بغير محرم'' (بنایہ ۲، ۴۳۸) (بلا محرم سفر کرنے سے وہاں رک جانے میں زیادہ خطرہ ہے)۔

اور تاتارخانیہ میں ہے: ''وإن كان ذلك بالمفازة أو في بعض القرى لا تأمن على نفسها ومالها إن تمضي حتى تدخل موضع الأمن'' (تاتارخانیہ ۲، ۴۳۶)۔

۵۔ اگر راستہ میں جہاز جدہ پہنچنے سے قبل کسی اور شہر میں اترتا ہے، مثلاً دبئی، ریاض، ظہران وغیرہ میں جہاز اتر جائے اور وہاں حادثہ پیش آجائے تو بھی جدہ پہنچ کر پھر وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچ جانا جائز ہوگا کیونکہ دونوں جانب مسافت پر ہے اور جہاز چونکہ وطن کی طرف نہیں آئے گا بلکہ جدہ ہی اس کا رخ ہے، اور جائے حادثہ موضع امن نہیں ہے بلکہ نتیجۃً مکۃ المکرمہ ہی موضع امن بن جائے گا اسی لئے مکۃ المکرمہ پہنچ کر فریضہ ادا کرنا جائز ہو جائے گا، اسی طرح اگر مدینہ منورہ میں حادثہ پیش آجائے تب بھی قافلہ کے ساتھ مکۃ المکرمہ پہنچ کر فریضہ ادا کرنا جائز ہو جائے گا، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں اتنی مدت تک رکنے کی اجازت نہیں ہوتی کہ جس میں وہ عدت گذار سکے، نیز وہ اس کے حق میں اجنبی ہونے کی وجہ سے موضع امن بھی نہیں ہے۔

نوٹ۔ یہ پانچ شکلیں ایسی ہیں جن میں عورت کے لئے اسی حالت میں بلا محرم حج یا عمرہ کرنا جائز ہے، اور سات شکلوں میں سے نمبر ۶ عدم جواز کی ہے اور ساتویں اختلافی ہے جو ذیل میں درج ہیں:

۶۔ جائے حادثہ سے وطن مسافت سفر سے کم پر ہے اور مکۃ المکرمہ مسافت سفر یا اس سے زائد پر ہے اور وہاں سے وطن واپس آنے میں کوئی خطرہ یا رکاوٹ بھی نہیں ہے تو وطن واپس آجانا لازم ہے، لہذا جو آفاقی اپنے یہاں کے ایئر پورٹ سے ستر پچھتر کیلو میٹر دوری پر رہتے ہیں ان کے ساتھ اگر حج آفس یا ایئر پورٹ میں طلاق بائن یا انتقال کا حادثہ پیش آجائے تو وطن لوٹ جانا عورت پر لازم ہوگا، عدت کی حالت میں حج یا عمرہ کے لئے جانا محرم کے ساتھ بھی جائز نہ ہوگا، اس کو

حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

’’فإن كان منزلها أقل من مدة سفر وإلى مكة مدة سفر فإنها تعود إلى منزلها‘‘ (بدائع الصنائع ۲،۱۲۴) ’’وفي التاتارخانية فعليها أن تعود إلى منزلها الخ‘‘ (تاتارخانیہ ۲،۴۳۵)۔

۷۔ ایسی جگہ حادثہ پیش آجائے جہاں سے مکۃ المکرمہ اور وطن دونوں مسافت سفر پر ہیں اور یہ حادثہ ایسے شہر میں پیش آجائے جس میں بظاہر اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محرم کے ساتھ میں ہونے کے باوجود مکۃ المکرمہ جانا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر محرم ساتھ ہو تو اس کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ کر فریضہ کا ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لہذا آفاقی کا وطن اگر اپنے یہاں کے ایئر پورٹ سے مسافت سفر پر ہے اور ایئر پورٹ پہنچ کر حادثہ پیش آجائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھر واپس آنا لازم ہوگا، یا آس پاس میں رشتہ دار رہتے ہوں تو وہاں جا کر عدت گذارنا لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک ساتھ میں محرم ہو تو ٹکٹ کینسل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے ساتھ حج کر کے آسکتی ہے، اس کو حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

’’اور اگر جانبین میں مسافت سفر ہے تو دیکھا جائے کہ اگر ایسے شہر میں واقعہ پیش آیا ہے جو اس کے حق میں موضع امن ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عدت پوری ہونے سے قبل وہاں سے نکلنا جائز نہیں ہے اگر چہ اس کے ساتھ محرم بھی کیوں نہ ہو، اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر اس کے ساتھ محرم ہے تو اس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، اور بلا محرم کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے‘‘ (تاتارخانیہ ۲/۴۳۵)۔

نوٹ۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک حکم عدت حکم محرم سے زیادہ اہم ہے، اور حضرات صاحبین کے نزدیک حکم محرم حکم عدت سے زیادہ اہم ہے۔

۱۲۔ حجاج کرام قیام مکہ کے زمانہ میں قصر کریں یا اتمام؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ حجاج مکۃ المکرمہ کے قیام کے زمانہ میں نمازوں کا اتمام کریں گے یا قصر؟

تو اس بارے میں مسئلہ کی وضاحت یوں ہے کہ منیٰ کی آبادی ایک زمانہ تک مکۃ المکرمہ سے بالکل الگ تھی اس لئے منیٰ اور مکہ میں اتحاد مکانی نہ ہونے کی وجہ سے حکم بھی دونوں کا الگ الگ تھا، اور اب دونوں کی آبادی متصل ہوجانے کی وجہ سے اتحاد مکانی ثابت ہوگیا ہے، اس لئے دونوں کا حکم ایک ہوگا، مگر مزدلفہ اور عرفات دونوں اب بھی مکہ مکرمہ اور منیٰ کی آبادی سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہیں، اس لئے دونوں کا حکم بھی مکہ مکرمہ سے الگ ہوگا، لہذا اگر کوئی حاجی نویں ذی الحجہ یوم عرفات سے پندرہ روز قبل مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے تو وہ وہاں قیام کے زمانے میں شرعی طور پر مقیم ہوگا، اور اس پر نمازوں کا اتمام لازم ہوگا، اور جو حاجی اتنے دن پہلے نہ پہنچ سکے بلکہ تیرہ یا چودہ دن قبل پہنچتا ہے تو وہاں کے قیام کے زمانے میں شرعی طور پر مسافر ہوگا، اس لئے نمازوں کا قصر کرنا اس پر لازم ہوگا، ہاں البتہ اگر عرفات سے واپسی کے بعد مکۃ المکرمہ میں مسلسل پندرہ روز یا اس سے زائد قیام کا جو حاجی ارادہ کرے گا اس پر عرفات سے واپسی کے بعد نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

’’إن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة نصف شهر لاتصح لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط‘‘ (هنديه ۱،۱۴۰، حاشيه چلپي على التبيين ۱،۲۱۲)۔

(بے شک جب حاجی عشرہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر پندرہ روز اقامت کی نیت کرے گا تو نیت صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ درمیان میں عرفات جانا لازم ہے، لہذا پندرہ روز کے قیام کی شرط متحقق نہ ہوگی)۔

’’لہذا جب شروع عشرہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوجائے اور ایک ماہ قیام کی نیت کرے تو اول مدت میں نیت صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ منی سے لوٹنے سے قبل پندرہ روز کا قیام ثابت نہیں ہوگا، اسی لئے امام اعظمؒ کے شاگردوں نے عیسی بن ابان کو اول مدت میں قصر اور پھر لوٹنے کے بعد اتمام کا حکم کیا تھا‘‘ (بدائع ۱/۹۸، البحر الرائق ۲/۱۳۲، منحۃ الخالق ۲/۱۳۲)۔

۱۳۔ حجاز مقدس میں حنفی کا وتر میں امام حرم کی اقتداء کرنا

حضرات حنفیہ کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم ہے، دو رکعت پر سلام جائز نہیں ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو رکعت پر

سلام پھیر دینا پھر ایک رکعت مستقل ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے، روایات ودلائل دونوں جانب موجود ہیں۔ اور حنفیہ کا راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے پیچھے حنفی شخص کی نماز وتر صحیح نہیں ہوتی ہے، مگر مسلک حنفی کے طبقہ رابعہ کے مشہور ترین فقیہ حضرت امام ابوبکر رازی الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ) اور علامہ ابن وھبان نے فرمایا کہ حنفی شخص کی نماز وتر اس کے پیچھے صحیح ہوجائے گی، اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں وتر کی نماز رمضان المبارک میں ہمیشہ دو سلاموں کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں پر تراویح کے بعد جب وتر کی نماز باجماعت ہوتی ہے تو حنفیوں کے لئے بڑی دشواری پیش آتی ہے کہ مسجد حرام میں کسی طرح طواف میں لگ جانے کی شکل نکل سکتی ہے مگر مسجد نبوی میں کوئی شکل نہیں، یا حنفی کو جماعت میں شرکت کرنا ہوگا یا بیٹھا رہے یا الگ نماز پڑھے جس کی وجہ سے عملاً ایک بڑی جماعت کی مخالفت نظر آتی ہے، اس اضطرابی کیفیت میں خود حنفی شخص کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہماری وجہ سے اتنی بڑی جماعت کی ہیئت بدل رہی ہے اور افتراق پیدا ہورہا ہے، اس لئے حجاز مقدس میں ان کے پیچھے حنفی کی وتر کی نماز صحیح ہوجانی چاہئے، اور صحت اقتداء کی دو دلیلیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

دلیل نمبر ۱۔ ضرورت کے وقت قول غیر مشہور پر عمل کی گنجائش ہوجاتی ہے اور وہاں کی ضرورت سب کے سامنے واضح ہے، لہذا حضرت امام ابوبکر رازی اور علامہ ابن وہبان کی رائے کو اختیار کرکے حنفی شخص کے لئے حجاز مقدس میں وتر میں وہاں کے امام کے پیچھے اقتداء کرنا صحیح ہوجائے گا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

’’فمذهب الحنفية أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين وتسليم، نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان‘‘ (معارف السنن ۴/۱۷۰)۔

(پس حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے یہاں ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ ہی تین رکعت وتر مشروع ہوتی ہے، ہاں اگر حنفی نے وتر میں شافعی امام کی اقتداء کرلی ہے اور امام نے اپنے مسلک کے مطابق دو رکعت پر بیٹھ کر پھر ایک رکعت کے ساتھ تکمیل کرلی ہے تو امام ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے نزدیک حنفی کی وتر صحیح ہوجائے گی)۔

’’وفي البحر لا يجوز اقتداء الحنفي بمن سلم من الركعتين في الوتر وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه‘‘ (تكمله فتح الملهم ۱/۶۳۶)۔

(اور بحر میں ہے کہ وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے والے کے پیچھے حنفی شخص کی اقتداء جائز نہیں اور امام ابوبکر رازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور حنفی اس کے ساتھ وتر کی بقیہ رکعت بھی پڑھ لے، اس لئے کہ اس کا امام اس کے نزدیک اپنے سلام کی وجہ سے نماز سے خارج نہیں ہوا، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے)۔

دلیل ۲۔ حکم حاکم رافع خلاف ہوا کرتا ہے کہ وہاں پر حاکم وقت کی طرف سے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے اور جس طرح وہاں کے رہنے والے حنفی پر حکم حاکم کی پابندی لازم ہے اسی طرح مختلف ممالک اور آفاق سے جو لوگ پہنچتے ہیں وہ بھی وہاں کے قوانین واحکام کی پابندی کا وعدہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی وہاں کے اصول کے خلاف کرتے ہوئے نظر آجائے تو اس کو فوراً گرفتار کرلیا جاتا ہے، اور جب حاکم نے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم دے دیا تو مذاہب کا اختلاف بھی ختم ہوجائے گا اور حاکم کے حکم پر عمل بھی لازم ہوجائے گا، لہذا وہاں قیام کے زمانے میں حنفی کے لئے حاکم کے حکم کے مطابق اسی طرح دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنا بھی جائز ہوجائے گا جس طرح وہاں کے لوگ پڑھتے ہیں، اور حاکم کا یہ حکم خلاف شرع بھی نہیں ہے کیونکہ چاروں اماموں میں سے تین کا قول اسی کے مطابق ہے، اس کو حضرات علماء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

’’إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق فانه يرتفع أيضا بتقنين من قبل الحكومة‘‘ (تكمله فتح الملهم ۱/۶۳۶)۔

(پھر حاکم کا حکم مسائل مجتہد فیہ میں اختلاف کو ختم کردیتا ہے، لہذا جس طرح تعامل ناس کی وجہ سے اختلاف مرتفع ہوجاتا ہے اسی طرح منجانب حکومت قانون سازی کی وجہ سے بھی اختلاف ختم ہوجاتا ہے)۔

حج اور عمرہ سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا نورالحق رحمانی[1]

۱۔ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور ضرورت سے حرم مکی میں داخلہ کا حکم

جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے حرم مکی میں داخل ہونا چاہیں ان کے لئے تو تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات، مریض کی عیادت یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ میں یا حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو جمہور ائمہ (احناف، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات سے آگے بڑھیں۔ حضرت امام شافعی مشہور قول کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے احرام کو مستحب قرار دیتے ہیں، لازم قرار نہیں دیتے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة، عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد لقوله عليه الصلاة والسلام: لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما'' (الهدايه مع الفتح ۲، ۴۲۵۔۴۲۶)۔

(پھر جب آفاقی ان میقات تک پہنچے اور مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ احرام باندھ لے خواہ حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو)۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: "بغیر کسی عذر کے میقات سے تجاوز کرنے کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف ہے: جمہور اس کے ممنوع ہونے کے قائل ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ احرام کے بغیر آگے بڑھنا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں ہے کہ حج وعمرہ میں سے کسی عبادت کے لئے داخل ہو رہا ہے یا کسی اور مقصد سے اور جو شخص احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھے گا گنہگار ہوگا اور اس پر دم واجب ہوگا اور ابن عمر اور ناصر سے مروی ہے اور امام شافعی کا آخری قول یہی ہے اور ابوالعباس کا ایک قول یہی ہے کہ احرام صرف اس شخص پر واجب ہے جو دونوں عبادتوں میں سے کسی ایک کے لئے داخل ہو، اور جو شخص محض داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر احرام واجب نہیں ہے" (نیل الاوطار ۴/۳۰۰)۔

المہذب میں ہے: ''ومن حج أو اعتمر حجة الإسلام وعمرته ثم أراد دخول مكة لحاجة... وإن كان دخوله لتجارة أو زيارة ففيه قولان (أشهرهما) أنه لا يجوز أن يدخل إلا لحج أو عمرة... والثاني أنه يجوز'' (المهذب مع المجموع ۷،۱۰)۔

(جو شخص اسلامی حج اور عمرہ کر لے پھر کسی ضرورت سے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے..... تو اگر اس کا داخلہ تجارت یا ملاقات کی غرض سے ہو تو اس سلسلے میں (امام شافعی کے) دو قول ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ حج یا عمرہ کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں...... اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے)۔

امام شافعی کے زیادہ مشہور اور صحیح قول کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے، صاحب مہذب نے تو وجوب ہی کے قول کو اشہر قرار دیا ہے، البتہ علامہ نووی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن القاص، مسعودی، بغوی اور دوسرے حضرات نے وجوب کو صحیح قرار دیا ہے، اور شیخ ابوحامد اور ان کے اصحاب، شیخ ابومحمد جوینی، غزالی اور اکثر لوگوں نے استحباب کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام شافعی کی عام کتابوں میں اسی کی صراحت ہے۔ اس قول کی بنیاد پر ایسے لوگوں کے لئے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا مکروہ ہے (المجموع شرح المہذب ۷/۱۱)۔

بہر حال امام شافعی کا مشہور اور راجح قول احرام کے استحباب کا ہے۔ جو حضرات ائمہ ایسے لوگوں کے لئے احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں کہتے ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے:

[1] استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف پٹنہ۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یجاوز الوقت إلا بإحرام" (فتح القدیر ۲،۴۲۶ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ والطبرانی) (حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میقات سے بغیر احرام کے تجاوز نہ کیا جائے)۔

یہ روایت مختلف طرق سے الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ (مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی ۲۹/۵، کتاب الام للشافعی ۲/۱۱۸، وغیرہ میں) مرفوعا اور موقوفا دونوں طرح مروی ہے۔ کسی روایت میں "لا یدخل أحدکم مکۃ إلا محرما ورخص للحطابین" اور کسی میں "لا یجاوز أحد المیقات إلا محرما" کے الفاظ ہیں۔

جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عام حکم دیا گیا ہے کہ کوئی شخص بغیر احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرے، اس میں حج اور عمرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا یہ حکم ہر داخل ہونے والے کے لئے عام ہوگا۔ جمہور ائمہ میں سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے لکڑی فروش جیسے ضرورت مندوں کو جنہیں باہر سے بار بار حدود حرم میں آنے کی ضرورت پیش آتی ہے اس حکم سے مستثنی قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے دوسری عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ میقات سے احرام کا وجوب بیت اللہ اور اس مقدس سرزمین کی تعظیم کے لئے ہے، اور تعظیم ہر داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے۔ خواہ کوئی حج وعمرہ کی نیت سے جائے یا تجارت اور ملاقات وغیرہ کی غرض سے۔ واضح رہے کہ میقات سے احرام باندھنا حج کی شرط نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مکہ یا میقات کے اندر رہنے والوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ میقات جا کر حج کا احرام باندھ کر آئیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ میقات سے احرام کا حکم اس مقدس خطہ کی تعظیم وتکریم کی خاطر ہے، اور اس علت میں داخل ہونے والے تمام لوگ برابر ہیں اس لئے احرام سب کے لئے واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ راجح قول کی رو سے حج وعمرہ کے علاوہ دیگر مقاصد کے تحت حرم مکی میں داخل ہونے والوں کے لئے احرام کو مستحب کہتے ہیں لازم نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

"عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء بغیر إحرام" (رواہ مسلم والنسائی)۔

ان کی دوسری دلیل مسلم شریف کی وہ روایت ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن، اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات قرار دیا ہے، اور آگے فرمایا:

"فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة" (مسلم، کتاب الحج، باب مواقیت الحج)۔

(پس یہ میقات ان مقامات والوں کے لئے ہیں اور اسی طرح باہر کے ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان سے ہو کر گزریں، ان لوگوں کے لئے جو حج وعمرہ کا ارادہ کرتے ہوں)۔

علامہ نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "یہ حدیث مذہب صحیح پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے اور حج وعمرہ کا ارادہ نہ ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری نہیں ہے" (نووی علی المسلم ۱/۳۴۲)۔

جمہور کی طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر احرام کے داخل ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، جیسا کہ خود حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:

"مکۃ حرام لم تحل لأحد قبلی ولا لأحد بعدی وإنما حلت لی ساعۃ من نہار ثم عادت حراما" (مکہ حرام ہے، وہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا ہے اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور میرے لئے بھی وہ دن کی ایک گھڑی میں حلال ہوا تھا پھر پہلے کی طرح حرام ہوگیا)۔

قتال اور جہاد کی غرض سے مکہ میں داخل ہونا بغیر احرام کے بالاجماع جائز ہے (فتح القدیر، فصل فی المواقیت ۲/۴۲۷)، معلوم ہوا کہ قتال اور جہاد حلت کی علت نہیں تھی وہ تو سب کے لئے ہے، اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے۔

صاحب فتح القدیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "امام محمد نے فرمایا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرؓ مکہ سے قدید کی طرف نکلے پھر وہاں سے مکہ واپس ہوئے اور فرمایا: اسی طرح مکی اگر کسی ضرورت سے مکہ سے نکلے اور میقات تک پہنچ جائے لیکن اس سے آگے نہ بڑھے تو وہ وہاں سے بغیر احرام

کے مکہ لوٹ سکتا ہے، لیکن اگر وہ میقات سے تجاوز کر جائے تو پھر اس کے لئے درست نہ ہوگا کہ وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو (فتح القدیر)۔

۲۔ فقہ حنفی کی تصریحات کی رو سے ایسے لوگوں کے لئے بھی جو تجارتی غرض سے یا ٹیکسی ڈرائیور یا کمپنیوں کے ایجنٹ جنہیں بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی پڑتی ہے میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں صرف وہ لوگ جو داخل میقات ہیں وہ بغیر احرام کے آمد ورفت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''اور جو شخص میقات کے اندر ہو وہ اپنی ضرورت سے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ مکہ میں اس کا داخلہ کثرت سے ہوتا ہے، اور ہر مرتبہ احرام کے واجب کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے، لہٰذا وہ مکہ والوں کی طرح ہو گیا جن کے لئے اپنی ضرورت سے مکہ سے نکلنا پھر مکہ میں داخل ہونا بغیر احرام کے جائز ہے'' (الہدایہ مع الفتح ۲/۴۲۷)۔

البتہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایسی ضرورت کے تحت بغیر احرام کے داخلہ کی اجازت میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے بھی ہے۔

اور المدونۃ الکبریٰ میں ہے: ''امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طائف، عسفان اور جدہ کے وہ لوگ جو میوے اور گندم لے کر بار بار آتے ہیں اور لکڑی والے اور ان کے مشابہ لوگ، تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ وہ بغیر احرام کے داخل ہوں، کیونکہ یہ چیز (یعنی احرام کی پابندی) ان کے لئے پریشانی کا باعث ہو گی'' (المدونۃ الکبریٰ ۱/۳۷۸، نیز دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۷)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ''جو شخص مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں الا یہ کہ جائز لڑائی کے لئے یا بار بار پیش آنے والی ضرورت کے تحت کوئی داخل ہو، جیسے لکڑی بیچنے والا وغیرہ'' (المقنع ۱/۳۹۰)۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک موقوف روایت میں جمالین اور حطابین کا استثناء موجود ہے: ''روى حرب عن ابن عباس ﷺ لا يدخل إنسان مكة إلا محرما إلا الجمالين والحطابين وأصحاب منافعها'' (الشرح الکبیر شرح المقنع ۱/۲۹۵)۔

(حرب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ احرام کے بغیر کوئی شخص مکہ میں داخل نہ ہو سوائے اونٹ لے جانے والوں اور لکڑی بیچنے والوں اور ان کے منافع کے مالکوں کے لئے)۔

اس لئے دفع حرج، رفع مشقت اور ازالہ ضرر کے لئے ایسے حاجت مندوں کو احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت دینی ہوگی، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران کا حکم

مکہ مکرمہ میں مقیم شخص خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا تجارت وملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں وہاں مقیم ہو اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لئے حج کے مہینوں کے شروع ہو جانے کے بعد عمرہ کرنا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے، بلکہ وہ گنہ گار ہوگا اور اس کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا۔ ائمہ ثلاثہ (مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران بلا کراہت درست ہے (فقہ السنہ ۱/۶۵۹) اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم (دم تمتع یا دم جنایت) واجب نہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے تمتع کا ذکر کیا ہے وہاں اخیر میں اس کی صراحت کر دی ہے کہ یہ سہولت مسجد حرام کے باہر رہنے والوں یعنی آفاقیوں کے لئے ہے:

''فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجعتم، تلك عشرة كاملة. ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' (البقرہ ۱۹۶)۔

اس آیت میں تمتع سے مراد تمتع اصطلاحی نہیں ہے بلکہ ایک سفر میں حج وعمرہ کو جمع کر کے فائدہ اٹھانا مراد ہے جس میں تمتع اور قران دونوں داخل ہیں۔ اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا ''ایک ساتھ حج وعمرہ دونوں سے انتفاع کی سہولت اور گنجائش ان لوگوں کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب رہنے والے نہ ہوں''۔

اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ ''ذلک'' کا مشار الیہ ہدی ہے جو قریب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران کرنے کی وجہ سے دم تمتع یا اس کا بدل

یعنی روزہ ان لوگوں پر لازم ہے جو باہر سے آئے ہیں، کیونکہ ان پر واجب تھا کہ حج کا احرام میقات سے باندھتے مگر جب انہوں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام میقات سے نہیں باندھا تو اس کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوا جس کی تلافی شریعت نے دم کے ذریعہ کرائی، اور مکی کے لئے میقات سے حج کا احرام باندھنا واجب نہیں ہے اس لئے اگر وہ تمتع کرے تو اس کی وجہ سے اس سے حج میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا، اس بنا پر نہ اس پر ہدی واجب ہوگی نہ اس کا بدل یعنی دس دنوں کا روزہ (التفسیر الکبیر ۳/۱۳۵)۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں امام شافعیؒ کے مسلک کی پرزور وکالت کی ہے اور حنفیہ کے دلائل کا جواب دیا ہے، لیکن شوافع کا استدلال چند وجوہ سے کمزور معلوم ہوتا ہے:

اول: یہ کہ ذلک اسم اشارہ بعید ہے، یہ ضمیر نہیں ہے جس کا قریب مرجع تلاش کیا جائے اور جسے زیادہ قریب کی طرف لوٹانا بہتر ہو۔ ذلک جب اسم اشارہ بعید ہے تو بعد کو اس کا مشار الیہ قرار دینا بہتر ہے، اور وہ تمتع اور قران ہے جو "فمن تمتع" سے سمجھ میں آرہا ہے، نہ کہ ہدی جو کہ قریب ہے۔

دوم: نظم کلام سے بھی یہ بات واضح ہورہی ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے نہ کہ ہدی، کیونکہ "ذلك لمن" کہا گیا "ذلك على من" نہیں کہا گیا ہے، "لام" انتفاع کے لئے آتا ہے اور "علی" الزام کے لئے، یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے، جس میں حاجی ایک سفر سے حج وعمرہ دونوں کا شرف اور فائدہ حاصل کرتا ہے، اگر اس کا مشار الیہ ہدی ہوتا تو اس کے لئے "ذلك على من" کی تعبیر مناسب تھی، کیونکہ ہدی تو اس پر لازم ہورہی ہے۔

سوم: یہ کہنا کہ ذبح ہدی کا حکم اس نقص اور خلل کی تلافی کے لئے ہے، جو میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ کسی عبادت میں نقص اور خلل تو حکم شرعی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتا ہے اور تمتع کی اجازت جب خود اللہ اور اس کے رسول نے دی تو پھر اس میں خلل پیدا ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قران میں تمتع کی اجازت تو اسی آیت سے ثابت ہے اور حدیث میں ابن عباسؓ کی روایت صحیحین میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ مکہ پہنچنے کے بعد جو صحابہ اپنے ساتھ ہدی نہیں لائے تھے انہیں حکم دیا کہ عمرہ کرکے احرام سے حلال ہوجائیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپ نے ان صحابہ کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا، اور اس طرح انہوں نے حج وعمرہ کو جمع کیا۔ تو اگر آفاقی کے حج کا احرام مکہ سے باندھنے سے حج میں کوئی خلل پیدا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا انہیں یہ حکم کیونکر دے سکتے تھے۔

چہارم: اگر دم تمتع وقران دم جنایت ہے جو آفاقی پر میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے ہے تو اس کا وجوب صرف متمتع پر ہونا چاہئے قارن پر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس نے تو حج کا احرام بھی میقات سے باندھا ہے۔ پھر تو اس کے حج میں کوئی خلل لازم نہیں آیا کہ جس کی وجہ سے دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرائی جائے، جبکہ دم جس طرح متمتع پر ہے اسی طرح بالاتفاق قارن پر بھی ہے۔

پنجم: اگر تمتع کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ حج افراد سے افضل نہیں ہوسکتا جس میں وہ خلل نہیں ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی تمتع کو نہ صرف افراد بلکہ قران سے بھی افضل قرار دیتے ہیں، اس لئے راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ دم تمتع اور قران دم شکر ہے جو ایک سفر اور ایک سال میں دو عبادتوں کی توفیق اور دو عبادتوں کو جمع کرنے کے شکرانے میں اس پر شارع نے لازم کیا ہے، اس لئے اس سے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

۴۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں تمتع کی صحت کے لئے آٹھ شرائط کا تذکرہ کیا ہے: اول یہ کہ حج وعمرہ دونوں کو جمع کرے، دوم یہ کہ دونوں عبادتیں ایک ہی سفر میں انجام پائیں، سوم یہ کہ ایک ہی سال میں ہوں، چہارم یہ کہ حج کے مہینوں میں ہوں، پنجم یہ کہ عمرہ حج سے مقدم ہو، ششم یہ کہ دونوں کا احرام ایک ساتھ نہ باندھا جائے (کہ یہ قران ہے) بلکہ حج کا احرام عمرہ سے فراغت کے بعد باندھے، ہفتم یہ کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے ہو، ہشتم یہ کہ تمتع کا یہ عمل غیر اہل مکہ کی طرف سے ہو (احکام القرآن ۱/۱۲۶)۔

تمتع کی صحت کے لئے مذکورہ بالا تمام شرائط تقریباً متفق علیہ ہیں، اس میں آٹھویں شرط یہ ہے کہ متمتع آفاقی ہو مکی نہ ہو۔ فقہ حنفی کی کتابوں (البحر الرائق، شامی وغیرہ) میں بھی یہ شرط مذکور ہے اور یہ کہ حج وعمرہ کے درمیان المام صحیح نہ پایا جائے یعنی متمتع عمرہ کے افعال سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے، حنفیہ کے نزدیک گھر لوٹ کر آنے سے تمتع باطل ہوجائے گا، لیکن بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک سفر کرکے میقات سے باہر چلا جانا بھی مبطل تمتع ہے خواہ گھر آئے یا نہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"اور متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر اپنے شہر لوٹ آئے اور وہ پہلے سفر میں ہدی اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہوجائے گا کیونکہ وہ

دونوں عبادتوں کے درمیان اپنے گھر آ گیا اور المام صحیح پایا گیا اور المام صحیح کی وجہ سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ متعدد تابعین سے یہی منقول ہے'' (ار ۲۶۳، کتاب الحج باب التمتع)۔

پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ گھر آ جانے کی وجہ سے تمتع کے باطل ہونے کا قول امام طحاوی نے کتاب احکام القرآن میں سعید ابن المسیب، عطا، مجاہد اور ابراہیم سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا عمرہ کے بعد گھر آنا تمتع کو باطل کر دیتا ہے۔ اور مکی کے ساتھ صورت حال یہ ہے کہ وہ عمرہ کے افعال سے فراغت کے بعد اپنے گھر میں ہے، اس لئے اس کا عمرہ باطل ہو گیا، علامہ شامی لکھتے ہیں:

''فقہاء نے صراحت کی ہے کہ گھر نہ آنا تمتع کی صحت کے لئے شرط ہے، قران کی صحت کے لئے نہیں، اور یہ کہ المام صحیح تمتع کو باطل کر دیتا ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے چونکہ اس کے دونوں احراموں (یعنی حج وعمرہ کے احراموں) کے درمیان المام صحیح پایا جاتا ہے (حاشیہ رد المحتار ۲ر ۱۹۸)۔

ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل) کے مسلک کی رو سے میقات سے باہر مکہ مکرمہ آنے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے حج کے مہینوں میں میقات سے باہر جائیں، پھر مکہ مکرمہ واپس آئیں تو انہیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر داخل ہونا چاہئے، اور عمرہ کے ارکان واعمال ادا کرنا چاہئے، یہ عمرہ ممنوع نہیں ہوگا۔ اور نہ امسال حج کرنے کی وجہ سے وہ متمتع قرار پائے گا، کیونکہ تمتع کی صحت کے لئے عمرہ کی ادائیگی کے بعد گھر نہ آنا شرط ہے، اور مکی اپنے گھر میں ہے اس بنا پر وہ متمتع نہیں ہو سکتا۔

مکی کو تمتع اور قران سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ جو لوگ باہر ملکوں سے مکہ آتے ہیں ان میں سے اکثر کو دوبارہ مکہ لوٹنا نصیب نہیں ہوتا (کم از کم اسی فی صد لوگ تو ایسے ہوتے ہیں) اس لئے آفاقیوں کے لئے شریعت نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ ایک ہی سفر میں عمرہ کی فضیلت اور شرف بھی حاصل کر لیں اور جو لوگ مکہ میں ہیں ان کے لئے سال بھر عمرہ کا موقع ہے۔ اگر مکہ والے بھی ان دنوں میں عمرہ کریں گے تو ازدحام زیادہ ہوگا اور عمرہ میں خود ان کو اور باہر سے آنے والے اللہ کے مہمانوں کو زحمت اور دشواری ہوگی، اس لئے طرفین کو مشقت اور مزاحمت سے بچانے کے لئے مکیوں کو تمتع سے منع کیا گیا۔ حتی کہ حج کا زمانہ شروع ہو جانے کے بعد تنہا عمرہ سے بھی روکا گیا، ''بل اختار أيضا منع المكي من العمرة المجردة في أشهر الحج وإن لم يحج'' (حاشية رد المحتار ۲، ۱۹۸)۔

اور مکہ کے باشندے یا مکہ میں مقیم حضرات اگر کسی ضرورت سے میقات کے باہر جائیں تو واپسی میں انہیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی آنا ہے، یہ حد ممانعت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ ضرورتا ہے۔ اور واقعی ضرورتوں کی بنیاد پر جو اہل مکہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں باہر جانے سے باز نہیں رکھا جا سکتا کہ اس میں بہت حرج اور مشقت ہے ''والحرج مدفوع'' اور ''المشقة تجلب التيسير''۔ پھر یہ کہ یہ عمرہ تمتع کے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ ضرورتا اور شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ کی تعمیل کے طور پر ہے۔ اگر وہ عمرہ کے احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھیں تو شریعت کے اس ضابطہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جو اس مقدس سرزمین اور کعبۃ اللہ کی تعظیم واحترام کے طور پر شریعت نے مقرر کیا ہے، اور جمہور ائمہ کے نزدیک ایک محظور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے اور اس پر دم واجب ہوتا ہے، اس لئے وہ بلا تکلف عمرہ کرے گا، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ وہ اس عمرہ کی وجہ سے اگر اسی سال حج بھی کرلے تو متمتع قرار نہیں پائے گا چونکہ المام صحیح دونوں احراموں کے درمیان پایا گیا جو تمتع کے بطلان کا سبب ہے، اس لئے اس صورت میں اس پر نہ دم جنایت لازم آئے گا نہ دم تمتع، ہاں جن لوگوں کو بار بار آمد ورفت کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس حکم سے مستثنی ہیں۔

۵۔ سفر حج میں آفاقیوں کے لئے ایک سے زائد عمرہ کرنے کا مسئلہ

تمتع کرنے والے آفاقیوں کے لئے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل یا آفاقی حجاج کرام کے لئے حج سے فراغت کے بعد مزید عمرے ادا کرنے کا مسئلہ بھی حج کے اہم مسائل میں سے ہے، اور اس وقت وہ عوام وخواص کے درمیان بحث ومباحثہ اور فکر ونظر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ مختلف بیرونی ممالک بالخصوص برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے مسلمان بار بار عمرہ کرنے کے عادی ہیں اور فقہ کی متداول کتابوں میں اس کی اجازت ملتی ہے جبکہ حرمین شریفین کے علماء اسے بہت سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں۔

مانعین کے دلائل یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ کرنے کا ثبوت نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

سے زیادہ عبادت اور خیر کا حریص اور کون ہوسکتا ہے اور ہمیں ان ہی کی اقتداء اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ہمیں بھی ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرہ نہیں کرنا چاہئے۔

جبکہ جواز کے قائلین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عمرہ کی عمومی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بار بار عمرہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ دو عمرے اپنے بیچ کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں اور حج اور عمرہ فقر اور گناہ کو اس طرح دور کردیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو۔ اور بدعت اسے کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل اور اساس نہ ہو، اور قرآن وحدیث میں نہ صرف عمرہ کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، اور پے در پے عمرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سفر حج میں حج سے فراغت کے بعد عمرہ کا ثبوت خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تنعیم سے عمرہ کرنے کی اجازت دی اور ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن کے ہمراہ انہیں تنعیم سے عمرہ کرایا تھا، یہ اس کے جواز کی کھلی نظیر اور دلیل ہے، اس لئے بہت سے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حج تو ایک ہی کیا لیکن عمرے چار کئے جس سے اس کی کثرت وتعدد کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ صحیحین کی روایت ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔

دلائل کی قوت دونوں طرف ایسی ہے کہ کوئی ایک فیصلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن دونوں طرف کے دلائل، اسلاف کرام کے تعامل اور ان کے ارشادات وفرمودات کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور وفکر کیا جائے اور اس کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو مسئلہ کا حل دریافت ہوجاتا ہے اور دو انتہاؤں کے بیچ میں توسط اور اعتدال کی راہ نکل آتی ہے، اور وہ یہ کہ تمتع والے عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل آفاقی حجاج کے لئے مزید عمرے کرنا کم از کم مکروہ اور خلاف اولی تو ضرور ہے۔ قارن اور مفرد بالحج کے حق میں تو اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انہوں نے میقات سے حج کا احرام باندھا ہے، جو مزید کسی عمرہ سے مانع ہے۔ متمتع کے لئے عمرہ سے فراغت کے بعد مزید عمرے کرنا کراہت سے اسلئے خالی نہیں کہ اس میں وہی علت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر اہل مکہ کو حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں میں دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ علامہ شامی نے لباب سے نقل کیا ہے کہ متمتع حج کے احرام سے قبل مزید عمرے نہیں کرے گا کیونکہ وہ مکی کے حکم میں ہوگیا اور مکی گرچہ حج کا ارادہ نہ رکھتا ہو پھر بھی اس کے لئے عمرہ کرنا ممنوع ہے۔ صاحب فتح القدیر نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے، لیکن صاحب البحر الرائق وغیرہ اس ممانعت کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ اس سال حج کا ارادہ ہو۔ اور صاحب غنیۃ نے بالکل جائز لکھا ہے سوائے پانچ دنوں کے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں تک، مجموعی لحاظ سے کراہت کا قول راجح معلوم ہوتا ہے (شامی ۲/۲۶۸، غنیۃ/۱۱۵)۔

اور جہاں تک حج سے فراغت کے بعد مزید عمروں کا سوال ہے تو اس میں اتنا غلو صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ روزانہ ایک عمرہ کیا جائے احادیث وآثار اور سلف صالحین کے اقوال اور تعامل سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ابن قدامہ حنبلی نے "المغنی" میں اس مسئلہ سے متعلق صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال وآراء نقل کئے ہیں جن سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے (دیکھئے: المغنی ۳/۲۳۷)۔

بہرحال ان اقوال وآراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پے در پے عمرہ کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں ان میں خود اختلاف ہے۔ زیادہ حضرات کا رجحان ترک کے اولی ہونے کی طرف ہے یعنی کثرت سے عمرے نہ کرنا افضل ہے، جبکہ کچھ لوگ مسلسل عمرہ کرنے کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں، بہرحال ان کے اقوال اور تعامل سے اس تشدد اور تصلب کا ثبوت نہیں ملتا جو اس دور کی خصوصیت ہے، ان کا اختلاف افضلیت اور اولویت ہی کے سلسلہ میں ہے۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت کا مسئلہ

مرض اور دوسرے معقول اعذار کی بنیاد پر رمی جمرات میں نیابت ہوسکتی ہے، خصوصاً مریضوں، عورتوں اور بوڑھوں کے لئے جو خود سے رمی نہیں کرسکتے، کیونکہ جو چیز انسان کی قدرت اور استطاعت سے باہر ہو شریعت اسے اس کا مکلف نہیں بناتی، اور جس عمل سے کسی کو سخت مشقت اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے اس میں وہ اپنا نائب بنا کر اس سے انجام دلاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دوسرے کی طرف سے رمی کرنے والا پہلے اپنی رمی سے فارغ ہوجائے اس کے بعد معذور کی طرف سے رمی کرے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے کراہت کے ساتھ اس صورت کو بھی جائز لکھا ہے کہ ایک کنکری اپنی طرف سے مارے اور دوسری معذور کی طرف سے۔ صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وفي فتح القدير: من كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده ويرمي بها أو يرمي عنه غيره، وكذا المغمى

عليه، ولو رمى بحصاتين إحداهما لنفسه والأخرى للآخر جاز ويكره'' (البحر الرائق ۲،۳۷۵-۳۷۶)۔

(فتح القدیر میں ہے کہ جو شخص ایسا مریض ہو کہ رمی نہ کرسکتا ہو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے گی اور اس کے ہاتھ سے پھینکی جائیگی یا اس کی طرف سے کوئی اور رمی کرے گا، اسی طرح بے ہوش آدمی کی رمی کوئی اور کردے گا، اور اگر یکے بعد دیگرے دو کنکری پھینکی ایک اپنے لئے اور دوسری دوسرے کے لئے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے)۔

اوپر کی تمہید کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

الف۔ عمل رمی میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے۔

ب۔ رمی میں نیابت صرف مریض، معذور اور عورت کے لئے ہوسکتی ہے۔

وہ معذوری جس کی وجہ سے رمی میں نیابت جائز ہے اس کی حد یہ ہے کہ خود سے رمی نہ کرسکے یا ضعف اور مرض کی وجہ سے رمی میں شدید مشقت لاحق ہو۔ ازدحام عورتوں، مریضوں اور بوڑھوں کے حق میں عذر سمجھا جائے گا، لہذا جو لوگ صحت مند ہونے کے باوجود محض کسل اور آرام پسندی کی وجہ سے رمی کے واسطے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنائیں گے ان کی رمی درست نہیں ہوگی، اور واجب کے ترک کی بنا پر ان پر دم واجب ہوگا۔

۷۔ حالت احرام میں گرفتاری کا حکم

سعودی عرب میں مقیم وہ غیر ملکی حضرات جو حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جائیں، حنفیہ کے نزدیک ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک جس طرح دشمن کے روکنے سے احصار متحقق ہوتا ہے اسی طرح مرض اور حبس کی وجہ سے بھی متحقق ہوجاتا ہے۔ اب احرام ختم کرنے کے لئے انہیں دم احصار دینا ہوگا یعنی چھوٹے جانور کی قربانی۔ اگر عمرہ کا احرام تھا تو دم کی قربانی کسی دن ہوسکتی ہے، لیکن قربانی حدود حرم میں ضروری ہے، اور حج کا احرام تھا تو دسویں ذی الحجہ سے قبل دم کی قربانی نہیں ہوسکتی، اور قربانی حرم کے اندر ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے احصار کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محلّه'' (سورة البقرة:۱۹۶)۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہدی کے اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچنے سے قبل اپنا سر نہ منڈاؤ، اور قربانی کے حلال ہونے کی جگہ حرم ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا:

''ثم محلّها إلى البيت العتيق'' (الحج:۳۳)۔

اس لئے اگر عمرہ کا احرام ہے اور حرم کے اندر گرفتاری ہوتی ہے تو وہاں دم احصار ذبح کرکے حلال ہوجائے گا، لیکن اگر حج کا احرام ہے تو یوم النحر سے قبل اس کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ اس صورت میں وہ اپنی طرف سے کسی کو ذمہ دار بنادے اور اس سے کہہ دے کہ دسویں ذی الحجہ کو یا اس کے بعد کسی متعین دن میں اس کی طرف سے جانور قربان کردے، متعینہ تاریخ میں جب ظن غالب ہوجائے کہ جانور ذبح ہوگیا ہوگا تو حلق کرا کر احرام سے نکل جائے، علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

''محصر اگر حج کا احرام باندھے ہوئے ہے تو اسے چاہئے کہ ہدی کی قیمت بھیج دے کہ اس کے لئے مکہ میں جانور خرید کر قربانی کے دن اسے اس کی طرف سے ذبح کردیا جائے، پھر وہ اپنے احرام سے حلال ہوجائے گا۔ اور یہ ہمارے علماء کا قول ہے کہ احصار کی ہدی حرم کے ساتھ خاص ہے'' (المبسوط ۲/۱۰۶)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک احصار دشمن کے علاوہ کسی اور طریقے سے متحقق نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر محرم نے احرام کے وقت یہ شرط لگادی تھی کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو میں وہیں حلال ہوجاؤں گا جہاں اللہ تعالی مجھے روک دے ''فإن حبسني حابس فمحلي حيث حبسني'' جیسا کہ حضرت ضباعہ بنت الزبیر ابن عبدالمطلب کے واقعہ میں آتا ہے کہ وہ سر کے درد یا کسی اور تکلیف میں مبتلا تھیں اور خطرہ تھا کہ اگر احرام باندھ لیں اور بیماری کی وجہ سے حج نہ ہوسکے تو پریشانی ہوگی، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشروط احرام باندھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے۔ اس روایت کی بنیاد پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشروط احرام باندھنے کی صورت میں اگر گرفتاری یا اور کوئی رکاوٹ مرض وغیرہ پیش آجائے تو محرم حلال ہوجائے گا لیکن دم احصار ان کے نزدیک اسی جگہ ہوسکتی ہے جہاں اسے گرفتار کیا گیا ہے خواہ وہ حل ہو یا حرم۔ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر احرام اس شرط کے ساتھ مشروط تھا تو گرفتاری کی صورت

میں وہ وہیں حلال ہوجائے گا، اور ان کے نزدیک اس صورت میں کوئی صدقہ واجب نہیں ہے۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے وجوب و عدم وجوب کا مسئلہ

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اس میں اگر تقدیم و تاخیر ہوجائے تو دم واجب ہوجاتا ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت سے ہے:

''من قدم نسكا على نسك فعليه دم''۔ (جو شخص ایک نسک کو دوسرے پر مقدم کردے تو اس پر دم واجب ہے)۔

ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جس طرح میقات مکانی میں تاخیر ہوجائے اور کوئی شخص احرام کے بغیر میقات سے تجاوز کرجائے تو دم واجب ہوتا ہے، اسی یوم طرح النحر وغیرہ میں جس عمل کے لئے جو وقت مقرر ہے مثلاً رمی، نحر، حلق، ان میں اگر تاخیر ہوجائے تو اس صورت میں بھی قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دم واجب ہو (الہدایۃ مع الفتح ۲؍۶۳)۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور صاحبین کے نزدیک یہ ترتیب مسنون ہے واجب نہیں، اور خلاف ترتیب ہوجانے پر کچھ واجب نہیں۔ ان حضرات کا استدلال صحیحین کی درج ذیل روایت سے ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے، لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم نہیں تھا اس لئے ذبح کرنے سے قبل میں نے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا: اب ذبح کرلو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے خبر نہیں تھی اس لئے میں نے رمی سے قبل ذبح کرلیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب رمی کرلو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں جس چیز کے بارے میں بھی آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے اسے کرلو اس میں کوئی حرج نہیں ہے'' (صحیح مسلم ۱؍۴۲۱، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی)۔

احناف اور مالکیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث سے صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہے، لاحرج سے گناہ اور فساد کی نفی ہوتی ہے، دم کے واجب ہونے کی نفی نہیں ہوتی، اور دوسری حدیث سے دم کا وجوب ثابت ہو رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب دم کا حکم بیان فرمایا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت عبداللہ بن عباس بھی ہیں، انہوں نے اس حدیث کو ترتیب کی اباحت اور استحباب پر محمول نہیں کیا ہے بلکہ وجوب پر محمول کیا ہے۔ اور ترتیب کے خلاف ہونے کی صورت میں وہ بھی وجوب دم کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جن لوگوں کا سوال کرنا منقول ہے وہ احکام شریعت سے ناواقف تھے، اس بنا پر آپ کی سنت کے خلاف عمل ہوگیا، اس عدم واقفیت کی بنیاد پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معذور قرار دیا اور انہیں احکام معلوم کرنے کا حکم دیا (فتح القدیر ۲؍۶۳)۔

لیکن دلائل کے لحاظ سے ترتیب کے عدم وجوب ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اول تو اس لئے کہ ''لاحرج'' کا کلمہ ترتیب کے عدم وجوب پر صراحتاً دلالت کررہا ہے کیونکہ جو چیز واجب ہو اس کے ترک پر ''لاحرج'' نہیں کہا جاتا۔

دوم یہ کہ سند کے لحاظ سے وہ حدیث اس درجہ کی نہیں ہے جس سے دم کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ لاحرج والی روایت حجۃ الوداع کی ہے جو لازماً بعد کی ہے، اور اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو اور ایک مقدم اور دوسری کا موخر ہونا معلوم ہو تو بعد والی حدیث ناسخ ہوتی ہے، اس لئے ''لاحرج'' والی حدیث ماسبق کے لئے ناسخ ہوگی۔

بہر حال عام حالات میں تو اس ترتیب کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، لیکن حجاج کا غیر معمولی ازدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے کی وجہ سے اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے خود مذبح جاکر قربانی کرنے کی مشکلات، ایسی مجبوری کی وجہ سے خود فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ ترتیب واجب نہیں رہتی اور اعذار کی بنا پر اگر کسی واجب کا ترک ہوجائے تو دم واجب نہیں، حتی کہ اگر وقوف مزدلفہ ازدحام کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور نہ کوئی گناہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے البحر الرائق کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حج کا کوئی واجب عمل اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس میں کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وقوف مزدلفہ بھیڑ کے خوف سے چھوڑ دے تو اس پر

کوئی دم نہیں ہے۔ جیسے کہ حائضہ عورت کا حیض کی وجہ سے طواف صدر چھوٹ جائے تو کچھ نہیں ہے'' (حاشیہ ردالمحتار ۲/۲۴۳، غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک/۱۳۸)۔

لہذا ایسے اعذار کی بنیاد پر اگر ترتیب کے خلاف عمل ہوجائے اور رمی، ذبح، حلق میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو اس میں نہ کوئی گناہ ہے نہ دم۔

۹۔ حج بدل میں تمتع اور قران کا حکم

حج بدل میں جن فقہاء نے تمتع کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی دو علتیں ذکر کی ہیں: ایک تو یہ کہ اگر ایک معذور اور عاجز شخص نے دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیجا تو مامور اس بات کا مکلف ہے کہ وہ بھیجنے والے کی طرف سے میقاتی حج کرے، کیونکہ مثلاً کوئی ہندوستانی حج کے لئے جائے گا تو اس کی میقات یلملم ہے، وہ یلملم سے حج کا احرام باندھے گا، اور اس کا حج میقاتی ہوگا، اور تمتع کی صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، پھر عمرہ کے افعال سے فراغت کے بعد حج کے لئے ۸/ذی الحجہ کو مکہ ہی سے احرام باندھا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ حج مکی ہوجاتا ہے میقاتی نہیں رہتا۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں: ''اور اگر آمر نے حج کا حکم دیا تھا اور مامور نے اشہر حج میں پہلے عمرہ کرلیا پھر مکہ سے حج کیا تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے قول کی رو سے وہ حکم آمر کی خلاف ورزی کرنے والا سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ اس بات پر مامور ہے کہ میت کی طرف سے میقات سے حج کرے، اور تمتع کرنے والا جوف مکہ سے حج کرتا ہے اور یہ اس کے حکم کے خلاف ہے'' (المبسوط، ردالمحتار ۴/۳۲)۔

اور حج بدل میں تمتع کے عدم جواز کی دوسری علت یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس میں بھیجنے والے کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو معذور اپنی طرف سے کسی کو حج کے لئے بھیج رہا ہے، اس پر صرف فریضہ حج ہے اور اسی کی ادائیگی کا اس نے مامور کو حکم دیا ہے۔ لہذا اگر وہ قران یا تمتع کرتا ہے تو اس میں اس کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے جبکہ یہ حج میں آمر کا نائب ہے، پھر تمتع اور قران کی صورت میں دم تمتع اور قران بھی واجب ہوگا جس کا آمر مکلف نہیں ہے۔

جہاں تک پہلی علت کا تعلق ہے تو اگر اسے ضروری قرار دیا جائے تو پھر کسی آفاقی کے لئے حج تمتع جائز ہی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ تمتع کی صورت میں عمرہ میقاتی ہوتا ہے اور حج مکی۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج تو راجح قول کی رو سے قران تھا، مگر وہ صحابہ جو قربانی کا جانور ساتھ نہیں لے گئے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمتع کیا تھا۔ اس سلسلہ میں صحیحین کی روایت درج ذیل ہے:

''وقال ابن عمر تمتع الناس مع رسول الله ﷺ بالعمرة إلى الحج فلما قدم رسول الله ﷺ قال للناس: من لم يكن منكم الهدى فليطف بالبيت و بالصفا والمروة وليقصر ثم ليهل بالحج و يهدى فمن لم يجد هديا فليصم ثلاثة أيام في الحج و سبعة إذا رجع إلى أهله'' (متفق علیہ)۔

(حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے ہیں وہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کرکے سر کے بال کا قصر کرالے پھر حج کا احرام باندھے اور ہدی ذبح کرے (یعنی دم تمتع)، اور جو شخص ہدی نہ پائے وہ تین دن حج کے زمانہ میں اور سات دن اپنے گھر لوٹنے کے بعد روزہ رکھے)۔

تو جن صحابہ نے تمتع کیا ظاہر ہے کہ ان کا حج مکی ہوا میقاتی نہیں اور یہ عمل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا، اسلئے اسے غلط نہیں کہا جاسکتا، اکثر ائمہ نے تمتع کو افراد سے افضل قرار دیا ہے۔ بلکہ امام شافعی کے نزدیک تو تمتع سب سے افضل ہے۔ اس لئے یہ علت اصل اور بنیادی نہیں ہے۔ اصل علت آمر کی مخالفت ہی ہے۔ اگر وہ باقی نہ رہے تو پھر تمتع اور قران دونوں کو جائز ہونا چاہئے۔ پس اگر بھیجنے والا زندہ ہے اور اس نے مامور کو اجازت دے دی ہے کہ اپنی سہولت کو پیش نظر رکھ کر جون سا حج چاہے کرلے تو پھر مامور کے لئے تمتع کرنا بھی جائز ہوگا۔ البتہ مامور کو چاہئے کہ سفر سے قبل آمر سے اس کی اجازت حاصل کرلے۔ ارشاد الساری مناسک ملا علی قاری میں ہے:

''وينبغي للآمر أن يفوض الآمر إلى المأمور فيقول حج عني كيف شئت مفردا أو متمتعا'' (مناسک ۳۰۲، نیز دیکھئے: فتاوی قاضیخان ۱/۳۰۷)۔

اور آمر کو چاہئے کہ معاملہ مامور کے سپرد کردے اور اس سے یہ کہہ دے کہ میری طرف سے جون سا حج چاہو کرلو، خواہ تنہا حج ہو یا تمتع ہو۔

لیکن اگر میت کی طرف سے حج بدل ہورہا ہے تو پھر اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ آیا میت پر حج فرض تھا یا نہیں، اگر حج فرض تھا تو اس نے اس کی وصیت کی

یا نہیں؟ اگر اس پر حج فرض تھا اور وہ اس کی وصیت کر گیا ہے تو وہ آمر ہوا، اب اگر اس نے وصیت کے ساتھ اس کی بھی صراحت کر دی تھی کہ مامور اپنی سہولت کو سامنے رکھ کر جون سا حج چاہے کر سکتا ہے تو پھر مامور کے لئے تمتع اور قران کی بھی اجازت نکل آئی۔ البتہ اگر اس نے صرف حج کی وصیت کی تھی تو اس کی طرف سے حج تمتع جائز نہیں ہوگا۔ اور آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کے عدم جواز پر ہمارے تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اور اس صورت میں مامور تمتع کرے گا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہیں ہوگا اور نہ اس صورت میں میت کے وارثوں کی اجازت معتبر ہوگی، لیکن اگر اس پر حج فرض نہیں تھا یا فرض تھا مگر اس نے وصیت نہیں کی اور اس کے وارثین اس کی طرف سے حج کرا رہے ہیں تو اس صورت میں وارثین کی حیثیت آمر کی ہوئی، ان کی اجازت سے مامور تمتع بھی کر سکتا ہے، قران تو با جازت آمر بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ حج اور عمرہ دونوں آمر کی طرف سے ہو، اسی طرح حج بدل میں تمتع کی صحت کے لئے بھی حج وعمرہ دونوں کا احرام آمر کی طرف سے باندھا جانا ضروری ہے، لیکن اجازت نہ ہونے کی شکل میں امام اعظمؒ کے نزدیک قران بھی صحیح نہیں، اور یہ حج آمر کی طرف سے واقع نہ ہوگا، اور حج کا نفقہ اسے آمر کو لوٹانا پڑے گا، صاحبین نے اسے استحساناً جائز قرار دیا ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

''اگر مامور نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملا کر قران کر لیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک نفقہ کا ضامن ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک استحساناً مخالف نہیں شمار کیا جائے گا، کیونکہ اس نے مامور بہ کو ادا کیا اور اس کے ساتھ اسی کے جنس کی ایک چیز کا اضافہ کر دیا، لہذا وہ مخالف نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ وہ شخص جسے کسی نے کسی شئی کو فرخت کرنے کے لئے وکیل بنایا اور موکل نے جتنی قیمت میں بیچنے کو کہا تھا اس سے زیادہ میں بیچا۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے سفر میں مال خرچ کرنے کا پابند ہے جو صرف حج کے لئے ہو، اور اس کا یہ سفر صرف حج کے لئے نہیں رہا بلکہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہو گیا، لہذا وہ مخالفت کرنے والا شمار کیا جائے گا، جیسا کہ تمتع کرنے کی صورت میں'' (المبسوط)۔

امام ابوحنیفہ کا قول قیاس پر مبنی ہے اور صاحبین استحساناً اس کے جواز کے قائل ہیں، اور اصول کی رو سے استحسان کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے صاحبین کے قول کی بنیاد پر قران کو جائز قرار دیا جائے گا۔ لیکن تمتع کی صورت میں چونکہ مخالفت دوہری ہو جاتی ہے یعنی حج کے ساتھ عمرہ کا ملانا اور میقاتی کے بجائے حج مکی کرنا، اس لئے اس صورت میں صاحبین بھی اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

اس تمہید کی روشنی میں سوالنامہ میں مذکور سوالات کا جواب درج ذیل ہوگا:

حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں آمر کی اجازت کے بغیر مامور کے لئے تمتع کرنا جائز نہیں ہوگا۔

الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

ب۔ حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

ج۔ آمر سے تمتع کی صریح اجازت لئے بغیر حج بدل کرنے والا محض ظن غالب کی بنیاد پر تمتع نہیں کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں ظن غالب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

د۔ فقہاء کی تصریحات کی رو سے دم تمتع حج بدل کرنے والے مامور کے ذمہ ہوگا، ہاں اگر آمر اپنے مال سے دم تمتع ادا کرنے کی اجازت دے دے تو جائز ہوگا۔

ھ۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کر سکتا ہے۔ آمر کی اجازت کے باوجود تمتع کے صحیح نہ ہونے کا قول مرجوح ہے، اس لئے موجودہ دشواریوں کے پیش نظر جواز ہی کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

و۔ میت کی طرف سے حج کی صورت میں تمتع کی گنجائش صرف اس صورت میں ہوگی جبکہ میت نے اس کی صریح اجازت دیدی ہو یا حج کے لئے جس کو وصی بنایا ہو اسے اس کا پورا اختیار دیدیا ہو۔

حکومت کی حج کمیٹی کے تحت جو حج ہوتا ہے اس میں سفر کی تاریخ طے کرنا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا اس صورت میں جو لوگ میت کی طرف سے حج افراد یا قران کرنے کے پابند ہیں ان کے لئے ایک طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا دشوار ہوگا۔ اس کی دوسری متبادل صورتیں موجود ہیں مثلاً سعودی ایئر لائنس اور دیگر تنظیمیں جو اپنے طور پر حج کا نظم کرتی ہیں ان میں حاجیوں کے اختیار میں رہتا ہے کہ حج سے بالکل متصل تاریخوں میں سفر کریں، اس لئے ایسی صورت میں حکومت کی حج کمیٹی کے بجائے انہیں دوسرے ذرائع سے حج کرنا چاہئے، فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں اس صورت میں حج تمتع کی گنجائش بالکل نہیں نکلتی۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کا حکم

طواف زیارت جو فرض ہے اس کا اصل وقت دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کی شام تک ہے۔ رمی، نحر اور حلق کے بعد طواف ہے۔ اور اس میں بلا عذر تاخیر کرنے سے امام اعظم کے نزدیک دم واجب ہوجاتا ہے۔ اور عمر بھر میں جب بھی ادا کردے ادا ہوجاتا ہے۔ اور حیض ونفاس جیسے اعذار کی بنا پر اگر تاخیر ہو تو اس میں کوئی دم نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت طواف کے زمانہ میں حالت حیض یا نفاس میں ہو اور واپسی کی جو تاریخ مقرر ہے معمول کے مطابق اس وقت تک پاک ہونے کی امید نہ ہو اور کوشش کے باوجود واپسی کی تاریخ میں تبدیلی نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں اس کے لئے طواف کرنا درست تو نہیں ہے کیونکہ طواف مسجد حرام کے اندر ہوتا ہے اور اس کے لئے طہارت واجب ہے، لیکن اس مجبوری کے پیش نظر جس کا سوال نامہ میں تذکرہ ہے اگر وہ طواف کرلے تو وہ ایک ممنوع فعل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے گنہ گار تو ہوگی لیکن فریضہ ادا ہوجائے گا اور حج مکمل ہوجائے گا البتہ اس پر دم واجب ہوگا اور بڑے جانور کی قربانی دینی ہوگی۔ علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

"یعنی حائضہ عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، خلاصہ یہ کہ حائضہ کے لئے طواف کی حرمت دو وجہ سے ہے: ایک اس کے مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے، اور دوسرے طواف کے واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے، کیونکہ طواف میں طہارت واجب ہے، لہٰذا اس کے لئے پاک ہونے سے قبل طواف کرنا جائز نہیں، پس اگر وہ طواف کرلے تو گنہ گار اور اللہ تعالی کے عتاب کی مستحق ہوگی اور اس کے لئے پاک ہونے کے بعد طواف کا اعادہ لازم ہوگا۔ اگر اعادہ نہ کرے گی تو اس پر بدنہ (بڑے جانور مثلاً اونٹ یا گائے وغیرہ کا ذبح کرنا) واجب ہوگا اور اس کا حج مکمل ہوجائے گا" (فتح القدیر ۳/۲۳)۔

الف۔ ایسی معذور عورت جس کا سوالنامہ میں تذکرہ ہے اس کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف کرنا درست نہیں۔

ب۔ اگر اس نے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرلیا تو اس کا رکن ادا ہوجائے گا لیکن دم لازم ہوگا۔

ج۔ اور بدنہ (بڑا جانور) ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

د۔ اور دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہوگی، حرم مکہ سے باہر یا اپنے مقام پر دم دینے سے دم ادا نہ ہوگا۔ چونکہ یہ دم جنایت ہے اور ہدی اور دم جنایت کا مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جانا ضروری ہے اس لئے کہ وہ مکہ کے مساکین کا حق ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ مائدہ میں حکم دیا ہے یعنی وہ کعبہ (حرم مکہ) میں پہنچا کر ذبح کیا جائے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"بہر حال ہدی کے بارے میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا مکہ میں ذبح کیا جانا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ہدی کو کعبہ پہنچنا چاہئے" (الجامع لاحکام القرآن ۶/۳۱۶)۔

"والهدى حق لمساكين مكة" (حوالہ سابق) اور ہدی مکہ کے مساکین کا حق ہے۔

۱۱۔ عدت کے دوران حج وعمرہ ادا کرنے کا مسئلہ

حج کے وجوب کے لئے جو شرائط مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے لئے مزید دو شرطیں ہیں یعنی حج میں محرم کا ساتھ ہونا اور دوسرے اس کا عدت سے خالی ہونا، عدت خواہ شوہر کی وفات کی بنیاد پر ہو یا طلاق کی بنیاد پر (دیکھئے فتاوی تاتارخانیہ ۲/۴۳۵)۔

لہٰذا اگر سفر حج شروع کرنے سے قبل عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں اس کے لئے سفر شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بحق شرع محبوس ہے، جس طرح بغیر محرم کے اس کے لئے حج کو جانا درست نہیں۔ لیکن اگر سفر شروع کرنے کے بعد شوہر کا انتقال ہوجائے تو بھی اس کی دو صورتیں ہیں: حج کا احرام باندھنے سے قبل انتقال ہوا ہے یا حج کا احرام باندھنے کے بعد۔ آج کل حج وعمرہ کا سفر عام طور پر ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوتا ہے، اور ہندوستان والوں کی پرواز مختلف مقامات سے ہوتی ہے: بمبئی، دلی، مدراس اور کلکتہ۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ ایک مسلم خاتون اپنے شوہر کے ساتھ سفر کے لئے اپنے وطن سے کلکتہ روانہ ہوئی، اور کلکتہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا تو اسے وطن واپس لوٹ آنا چاہئے کیونکہ ابھی اس نے احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے حج یا عمرہ کا عمل شروع نہیں ہوا، اور معتدہ ہوجانے کی وجہ سے اس پر حج کی فرضیت نہیں رہی، لیکن اگر طیارہ کے پرواز کرنے کے بعد جہاز کے اندر وفات ہوتی ہے تو اب راستہ سے واپسی اس کے لئے ممکن نہیں، اب تو جدہ اسے پہنچنا ہی ہے اور جدہ احرام کے ساتھ ہی پہنچے گی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ جدہ یا مکہ میں وفات ہو، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کا

انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں سے مکہ کی مسافت، سفرشرعی کی مسافت سے کم ہو تو وہ اپنا سفر جاری رکھے گی، چنانچہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"یا مدت وفات ہو، پھر دیکھا جائے گا اگر اس کے درمیان اور اس کے گھر کے درمیان سفرشرعی سے کم کی مسافت ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے گھر لوٹ آئے، اور اگر اس کے درمیان اور مکہ کے درمیان اس سے کم کی مسافت ہو تو اسے چاہئے کہ سفر جاری رکھے" (۲/۴۳۵)۔

اس لئے جدہ، یا مکہ یا ہوائی جہاز یا پانی جہاز پر اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں حج کی گنجائش ہے، کیونکہ جدہ سے مکہ کی مسافت مسافت سفر سے کم ہے، اسی طرح مکہ سے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کا فاصلہ بیس کیلومیٹر کے اندر ہے جو سفرشرعی کی مسافت سے کم ہے اور عمرہ تو بیت اللہ کے اندر ہی ہوتا ہے۔

لیکن اگر مدینہ منورہ میں انتقال ہوتا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں: حج سے قبل یا حج کے بعد۔ اگر حج کے بعد انتقال ہوا ہے تو حج مکمل ہو چکا ہے اور زیارت مدینہ بھی ہوگئی، لیکن اگر حج سے قبل انتقال ہوا ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے مدینہ سے مکہ جانا درست نہیں خواہ محرم کے ساتھ ہو، کیونکہ مدینہ سے مکہ کی مسافت سفرشرعی کی مسافت سے زیادہ ہے، اور مدینہ شہر ہے جنگل یا صحرا نہیں ہے جہاں جان ومال کو کوئی خطرہ لاحق ہو یا جہاں ٹھہر کر عدت گذارنا ممکن نہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں اگر محرم ہو تو وہ حج کے لئے مکہ جا سکتی ہے اور یہ مفتی بہ قول ہے (دیکھئے: فتاوی تاتارخانیہ ۲/۴۳۵)۔

ہمارے فقہاء کا فتوی اور فیصلہ تو یہ ہے، لیکن آج کی صورت حال کے پیش نظر اس میں کئی دشواریاں ہیں۔ ایک تو قانونی مجبوری ہے کہ حکومت کی طرف سے واپسی کی تاریخ مقرر ہے، چار ماہ دس دن قیام کر کے عدت گزارنے کی اجازت مدینہ یا مکہ یا جدہ میں نہیں مل سکتی، لازماً اسے عدت کے دوران وطن کا سفر کرنا ہی پڑے گا۔ دوسرا مسئلہ اس طویل مدت کے لئے نفقہ فراہم ہونے کا ہے، کیا اس کے ساتھ جو محرم ہے یا وطن کے دوسرے لوگ جن کے ساتھ وہ ہے وہ اس کی خاطر مدینہ میں ٹھہر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں، اس کے برخلاف قافلہ کے ساتھ رہنا اس کے لئے نسبتاً آسان ہے۔ مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس پر اگر حج فرض ہے تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے، اور حج نفل بھی ہے تو حنفیہ کے نزدیک احرام باندھنے کے بعد اس کی تکمیل اس پر واجب ہے، اور فوت ہو جانے کی صورت میں اس کی قضا لازم ہے، اس طرح دو آزمائشیں اور دو بلائیں اس کے سامنے ہیں: اگر مدینہ سے حج کے لئے جائے تو حکم عدت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور مدینہ میں رہتی ہے تو قانونی دشواری اور وحشت واجنبیت اور تنہائی کے علاوہ حج چھوٹتا ہے۔ اور آئندہ اس فریضہ کی ادائیگی یقینی نہیں ہے کہ دوبارہ نفقہ کا فراہم ہونا، محرم کا ملنا اور قانونی لحاظ سے پانچ سال سے قبل اجازت کا ملنا مشکل ہے۔ پھر عدت کی حالت میں بھی چند دنوں کے بعد اسے سفر کرنا ہی ہوگا، اس لئے اس صورت میں أهون البليتين کو اختیار کرنا ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ ساتھیوں کے ساتھ حج کے لئے چلی جائے گی۔ عدت کی حالت میں حج کرنے سے وہ شرعاً گنہ گار قرار پائے گی لیکن حج درست ہو جائے گا۔ چنانچہ صاحب ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری حسین بن محمد سعید المکی الحنفی لکھتے ہیں:

وإن حجت وهي في العدة جاز حجها و كانت عاصية (ص۳۹)۔

لہذا صورت مسئولہ میں اگر معتدہ حج یا عمرہ کرلے تو اس کا حج وعمرہ شرعاً درست ہوگا، یہ اور بات ہے کہ عدت کی وجہ سے گنہ گار ہوگی اور مجبوری کی حالت کو اللہ دیکھ رہا ہے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا اگر ایام حج ۷/۸ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ دن قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور اس نے مکہ پہنچ کر مکہ میں اقامت کی نیت نہیں کی اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا اور منیٰ وعرفات وغیرہ میں اسے چار رکعت والی نمازیں قصر کرنی پڑیں گی، الا یہ کہ مقیم امام کے پیچھے پڑھے، اور اگر اس نے مکہ پہنچ کر پندرہ دنوں تک قیام کی نیت کرلی اور مثلاً دس دن مکہ میں گزرنے کے بعد حج شروع ہوا اور پانچ دن منیٰ وعرفات وغیرہ میں گزرے تو اس صورت میں وہ مقیم شمار ہوگا اور نمازیں پوری پڑھنی ہوں گی، کیونکہ مکہ اور منیٰ وعرفات کے درمیان سفرشرعی کی مسافت نہیں ہے۔

۱۳۔ رمضان المبارک میں وتر حرمین شریفین میں پڑھنے کا مسئلہ

وتر کی رکعات کی تعداد اور اسے فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام پھیر کر یا بلا فصل یعنی تینوں رکعات ایک سلام سے پڑھنے کا مسئلہ حدیث کے نہایت مشکل اہم اور معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں روایات میں بڑا اختلاف ہے۔ اور جس پہلو کو بھی اختیار کیا جائے دوسری روایات میں تاویل کرنی پڑتی ہے۔ حنفیہ نے ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پڑھنے کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف روایات میں تطبیق کی صورت زیادہ نکلتی ہے اور پھر یہ کہ اس کی بنیاد حضرت عائشہؓ کی حدیث پر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عام طور پر وتر آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا جو آپ گھر میں پڑھتے تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت قابل ترجیح ہے کہ وہ اس کی عینی شاہد ہیں، لیکن جمہور ائمہ (مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ) کا مسلک فصل کے ساتھ تین

رکعات پڑھنے کا ہے، اور اس کی بنیاد حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر ہے جسے امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے، اور بعض صحابہ وتابعین کا یہی عمل نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قال أبو عيسى حديث ابن عمرﷺ حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين رووا أن يفصل الرجل بين الركعتين والثالثة ويوتر بركعة وبه يقول مالك والشافعي وأحمد وإسحاق'' (ترمذی ۱؍۶۱، ابواب الوتر)۔

(ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر عمل بعض اہل علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین کا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ آدمی دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان (سلام کے ذریعہ) فصل کرے اور ایک رکعت کو الگ سے پڑھے۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں)۔

اس لئے وتر فصل کے ساتھ پڑھنے کو غلط نہیں کہا جاسکتا جبکہ اس کی بنیاد ابن عمر کی صحیح حدیث پر ہے اور اس پر بہت سے اہل علم صحابہ وتابعین کا عمل رہا ہے۔ اس لئے اگر کبھی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فصل کے ساتھ وتر پڑھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، خاص طور پر حرمین شریفین کے اندر رمضان المبارک میں جماعت اور مجمع کی رعایت کرتے ہوئے امام حرم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا بہتر ہے۔ حرمین شریفین کی جماعت کو چھوڑ کر تنہا وتر کی نماز ادا کرنا یا حرم سے باہر وتر کی جماعت کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

☆☆☆

مسائل حج وعمرہ

مولانا خورشید احمد اعظمی [1]

مکہ مکرمہ "زادھا اللہ شرفا وعظما" جسے اللہ رب العزت نے ام القریٰ کی حیثیت بخشی ہے اور جہاں وہ مقدس ومحترم بناء ابراہیمی ہے، جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں، اس بابرکت گھر کی عظمت اور اس کے تقدس واحترام کے سبب اللہ رب العزت نے زبان رسالت کے ذریعہ اس مقدس شہر کے اردگرد کچھ حدود اور مقامات کی تعیین کردی ہے، جنہیں میقات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ہر چہار طرف سے آنے والے جو لوگ بھی اس حدود سے گذرتے ہوئے اس مقدس شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں وہ ان حدود پر پہنچ کر ایک خاص ہیئت یعنی حالت احرام میں ہی آگے بڑھیں، جو لوگ حج یا عمرہ کے ارادہ سے آئے ہوں ان کے بارے میں تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ وہ بغیر احرام کے ان حدود سے تجاوز نہ کریں، بلکہ حالت احرام میں حرم مکی میں داخل ہوں۔

۱۔ البتہ وہ لوگ جو حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے اور کسی دوسرے مقصد سے اس مقدس شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں، کیا ان پر بھی احرام ضروری ہے؟، اس سلسلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ملتے ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاقی شخص کے لئے ہر حال میں دخول حرم مکی کے وقت احرام واجب ہے، خواہ وہ عمرہ یا حج کے ارادہ سے داخل ہو رہا ہو، خواہ کسی اور مقصد تجارت یا زیارت کی غرض سے۔

"ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا" (هدايه ۱،۲۱۴)۔ (پھر جب آفاقی دخول مکہ کے ارادہ سے میقات پر پہنچے تو اس پر ضروری ہے کہ احرام باندھے، حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو ہمارے نزدیک)۔

صاحب ہدایہ نے دلیل میں ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص بھی بغیر احرام میقات سے تجاوز نہ کرے۔

علامہ شوکانیؒ نے بیہقی کے حوالہ سے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر کے حوالہ سے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اس کی سند جید ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لا يدخل أحد مكة إلا محرما" (نيل الأوطار ۵،۲۸)۔ (بغیر احرام کے کوئی بھی مکہ میں داخل نہ ہو)۔

نیز مسند امام شافعیؒ میں ابوالشعثاء کی ایک روایت ہے: "أنه رأى ابن عباس رضى الله عنهما يرد من جاوز المواقيت غير محرم" (مسند شافعی ۱۶)۔

(انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اس شخص کو جو بغیر احرام کے میقات سے گذرتا واپس کردیتے تھے)۔

ان جملہ احادیث مذکورہ میں چونکہ اطلاق ہے اور عموم ہے، اس لئے اس میں قاصد حج وعمرہ اور ان کے علاوہ سب شامل ہیں۔

صاحب ہدایہ نے دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ احرام کا وجوب اس بقعہ شریفہ کی تعظیم واحترام کی وجہ سے ہے، لہذا کوئی عمرہ وحج کے ارادہ سے داخل ہونا چاہے، یا کسی اور مقصد سے چونکہ اس بقعہ شریفہ کا قرب وجوار اسے حاصل ہوگا اس لئے اس پر احرام واجب ہے۔

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک بھی ہر اس شخص کیلئے جو ان حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے، اس پر احرام واجب ہے، البتہ وہ شخص جس کی آمد ورفت بار بار ہوتی ہو، جیسے حطابین اور ان جیسے لوگ۔ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) اور یہی قول امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے۔

[1] رگھوناتھ پورہ، مئو۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ رقمطراز ہیں: ''أما من لم یرد هما ومر بها فقال قوم کل من مر بها یلزمه الإحرام إلا من یکثر تردادہ مثل الحطابین وشبههم وبه قال مالك رحمه الله'' (بدایة المجتهد ۱،۳۹۸)۔

(بہر حال وہ شخص جوان دونوں کا، یعنی حج وعمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور ان مواقیت سے گذرے تو ایک قوم نے کہا کہ ہر وہ شخص جوان سے گذرے اس پر احرام لازم ہے، الا یہ کہ اس کی آمد ورفت زیادہ ہو، جیسے حطابین اور ان جیسے لوگ، یہی امام مالکؒ نے بھی کہا ہے)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا احرام میقات سے تجاوز کرنا درست نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی نقل کیا ہے: ''والمشهور عن الأئمة الثلاثة الوجوب'' (فتح الباری ۴،۵۹، باب دخول الحرم ومکة بغیر إحرام)۔

(۴) البتہ امام شافعیؒ کا مشہور اور صحیح قول یہ ہے کہ احرام اس شخص پر واجب ہے جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اور جو حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا اس پر احرام واجب نہیں، وہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہو سکتا ہے۔

''فالمشهور من مذهب الشافعی عدم الوجوب مطلقا وفی قول یجب مطلقا'' (فتح الباری ۴،۵۹)۔

''بہر حال جو کوئی حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس شخص پر ہمارے صحیح مذہب کے مطابق دخول مکہ کے لئے احرام ضروری نہیں ہے، عام اس سے کہ وہ ایسی ضرورت کے لئے داخل ہو جو متکرر ہو، جیسے لکڑی یا گھاس چننے والے یا شکاری یا ان جیسے لوگ یا وہ حاجت متکرر نہ ہو، جیسے تجارت اور ملاقات وغیرہ'' (شرح النووی ۸/۸۲)۔

امام نوویؒ نے امام شافعیؒ کے اس عدم وجوب والے قول کو دوسری جگہ استحباب احرام سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''ورنہ جب مکہ یا حرم میں داخل ہو کسی ایسی ضرورت سے جو بار بار پیش نہ آتی ہو، جیسے تجارت یا ملاقات وغیرہ تو حج یا عمرہ کے احرام کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور وہ دونوں قول امام شافعیؒ کے ہیں، ان میں کا زیادہ صحیح احرام کا مستحب ہونا ہے اور دوسرا اس کا واجب ہونا ہے'' (حوالہ سابق ۸/۷۲)۔

صاحب سبل السلام نے ایک عقلی دلیل بھی ذکر کی ہے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حج اور عمرہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض یا واجب ہے، ان لوگوں کے نزدیک جو عمرہ کو واجب کہتے ہیں، اب اگر ہر مرتبہ کے دخول مکہ پر عمرہ یا حج کے احرام کو واجب کہا جائے تو حج یا عمرہ کا عمر میں کئی دفعہ واجب یا فرض ہونا لازم آئے گا جو متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے (سبل السلام ۱/۷۰۷)۔

جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا، اس کے لئے احرام واجب نہ ہونے کا قول اصحاب ظواہر، نیز امام زہری اور حسن بصریؒ سے بھی منقول ہے۔

''وفی روایة عن کل منهم لا یجب وهو قول ابن عمر والزهری والحسن وأهل الظاهر'' (فتح الباری ۴،۵۹)۔

جمہور علماء مجتہدین کا قول تو یہی ہے کہ دخول حرم مکی کے لئے احرام علی الاطلاق واجب ہے، بلکہ بقول امام نوویؒ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اگرچہ واجب نہیں، لیکن مستحب یہی ہے کہ احرام کی حالت میں ہی میقات سے تجاوز کرے۔

۲۔ ایسے حضرات کے لئے جنہیں اپنی مختلف ضروریات کے باعث تقریباً روزانہ یا ایک سے زائد مرتبہ مکہ مکرمہ آمد ورفت کا اتفاق ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے قول کے مطابق کوئی دقت نہیں، اسی طرح امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے اقوال کے مطابق بھی کوئی پریشانی نہیں کہ ان کے وہاں بھی حاجات متکررہ کا استثناء موجود ہے، بدایۃ المجتہد (۱/۳۹۸) کی عبارت ہے:

''إلا من یکثر تردادہ مثل الحطابین وشبههم وبه قال مالك رحمه الله''۔

(مگر وہ لوگ جن کی آمد ورفت زیادہ رہتی ہے جیسے لکڑیاں چننے والے اور ان جیسے لوگ، اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں)۔

لہذا ائمہ ثلاثہ امام مالک وامام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوں۔

البتہ حنفیہ کے یہاں وجوب احرام علی الاطلاق کا ذکر ملتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی استثناء کا ذکر نہیں، سوائے اس شخص کے جو میقات کے اندر حل میں رہتا ہو، اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ حج یا عمرہ کے علاوہ اپنی دوسری کسی ضرورت سے مکہ میں بغیر احرام بھی داخل ہو سکتا ہے۔

''جو شخص میقات کے اندر ہو اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے بغیر احرام مکہ میں داخل ہو، اس لئے کہ مکہ میں اس کا داخل ہونا بار بار ہوگا اور

ہر مرتبہ اس پر احرام واجب کرنے میں حرج بین ہے، لہذا وہ اہل مکہ کی طرح ہو گیا کہ ان کے لئے مباح ہے مکہ سے نکلنا اور پھر بغیر احرام اپنی ضروریات سے داخل ہونا، بخلاف اس کے جب کہ وہ نسک کا ارادہ کرے، اس لئے کہ وہ کبھی کبھی ہوتا ہے، لہذا کوئی حرج نہیں" (ہدایہ، مجمع الانہر ۱/۲۶۶)۔

ایسے شخص کے لئے جو کسی ضرورت سے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا چاہتا ہے، ایک حیلہ کی صورت ملتی ہے کہ وہ میقات کے اندر مقامات حل میں سے کسی مقام کے ارادہ سے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جائے اور پھر جب مقام مقصود پر پہنچے گا تو وہ ان لوگوں کے حکم میں ہو جائے گا جو میقات کے اندر رہتے ہیں، جس طرح ان لوگوں کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اسی طرح اس کے لئے بھی بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہوگا (البحر الرائق ۲/۳۱۸)۔

لیکن موجودہ دور میں جب کہ ضروریات کی اس قدر فراوانی ہے کہ وقت تنگ ہو گیا ہے، یہ حیلہ مستقل ایک مسئلہ ہے اور اس کے اختیار کرنے میں خود حرج بین ہے۔

صاحب ہدایہ کے مذکورہ قول میں داخل میقات رہنے والوں کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی جو علت بیان کی گئی ہے، یعنی ہر ہر مرتبہ احرام واجب کرنے میں حرج کا واقع ہونا، جب کہ سبب احرام، یعنی عظمت بقعہ مبارکہ ہر ایک کے لئے برابر ہے، خواہ آفاقی ہو یا غیر آفاقی اور قاصد حج وعمرہ ہو یا نہ ہو۔ اس علت پر غور کیا جائے تو یہ بہ نسبت پہلے کے آج کے لوگوں پر زیادہ صادق آتی ہے کہ ضروریات بڑھ گئی ہیں، وسائل آمد ورفت کی سہولت ہے، تیز رفتار سواریاں فراہم ہیں اور ایسے لوگ جو میقات سے باہر رہتے ہیں انہیں بھی بہ کثرت مکہ مکرمہ آمد ورفت رکھنی پڑتی ہے۔

لہذا مذکورہ علت اور موجودہ ضرورت ومجبوری کو سامنے رکھا جائے تو ایسے لوگوں کے متعلق جنہیں غایت درجہ مجبوری کی وجہ سے بار بار مکہ مکرمہ آنا جانا پڑے بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہئے، جب کہ ائمہ مجتہدین میں سے اکثر کے نزدیک حاجات متکررہ کا لحاظ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ رخصت چونکہ بدرجہ مجبوری ہے اس لئے ایسے لوگوں تک ہی محدود ہونی چاہئے جن کی ضروریات بغیر دخول مکہ پوری نہ ہو سکیں، جیسے ٹیکسی ڈرائیور، اس لئے کہ تجارتی ضروریات کی تکمیل کے دوسرے ذرائع ٹیلیفون، فیکس، ذرائع حمل ونقل موجود ہیں اور زیارت وملاقات کوئی ایسی شدید ضرورت نہیں ہے کہ روزانہ درپیش ہو، اس مقدس جگہ کی عظمت اور اس کا احترام ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کا لحاظ حتی الوسع ضروری ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے اشہر حج میں عمرہ کرنے میں بقول دیگر مکی کے لئے تمتع وقران کے جواز وعدم جواز میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

اس سلسلہ میں اصل اللہ تعالی کا قول: "ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام" ہے اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے: "يا أهل مكة لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق وحرمت عليكم" (اے اہل مکہ تمہارے لئے تمتع نہیں ہے، آفاقی کے لئے حلال ہے اور تم پر حرام ہے)، اسی طرح حضرت طاؤس تابعی کا بھی قول ہے: "المتعة للناس لا لأهل مكة من لم يكن أهله من الحرم" (تمتع اہل مکہ کے لئے نہیں ہے، ان لوگوں کے لئے ہے جس کے اہل وعیال حرم میں نہ ہوں) (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۳۵)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ قول امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں ایک حدیث کے ضمن میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: "وأباحه للناس غير أهل مكة" (صحیح بخاری مع الفتح ۳/۴۳۳)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة خلافا للشافعي" (ہدایہ ۱/۲۲۲)۔
(اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران اور ان کے لئے صرف افراد ہے خاص کر (یہ حنفیہ کے نزدیک ہے) بخلاف امام شافعیؒ کے)۔

البحر الرائق میں صراحت ہے: "اہل مکہ اور جو لوگ اس کے گرد ونواح میں رہتے ہیں، ان کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے، اللہ تعالی کے قول "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" کی وجہ سے اور وہ اس بنا پر کہ (قواعد کی رو سے اسم اشارہ تمتع کی طرف لوٹے گا نہ کہ ہدی کی طرف، اس قرینہ کی بنیاد پر کہ وہ لام کے صلہ کے ساتھ آیا ہے اور اس کا استعمال اسی جگہ ہوتا ہے جس کا بجالانا ہمارے لئے آسان ہو (اور وہ تمتع ہے)، برخلاف ہدی کے کہ وہ تو ہمارے اوپر لازم ہوتا ہی ہے، (جبراً)" (البحر الرائق ۲/۳۶۵)۔

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ مقیم مکہ مکرمہ کے لئے صرف حج افراد کی اجازت ہے، تمتع اور قران کرنا درست نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اگر ان لوگوں نے تمتع یا قران کیا تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی عبارتیں وضاحت کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع یا قران صحیح ہو جائے گا، یہ ایک گناہ کا کام ہوگا، اس لئے اس پر دم

جبر لازم آئے گا۔

"إنهم لو تمتعوا جاز وأساء ويجب عليهم دم الجبر"۔

امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک مکی کے لئے تمتع کرنا جائز ہے اور اس پر کوئی دم نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے (الروض المربع ۱/۴۰۷)۔

"وأبوحنيفة يقول: إن حاضري المسجد الحرام لا يقع منهم التمتع، وكره ذلك مالك" (بداية المجتهد ۱/۴۰۷)

(امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام کے قریب رہنے والوں کی جانب سے تمتع واقع نہیں ہوگا، اور امام مالکؒ نے اس کو ناپسند کیا ہے)۔

۴۔ مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں ان حضرات کے لئے جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں تمتع کی اجازت نہیں معلوم ہوتی، بنابریں جو شخص اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں عمرہ سے احتیاط کرنی چاہئے۔

اس دور ترقی میں جب کہ وسائل کی بھرمار ہے، ٹیلیفون، فیکس، ذرائع نقل وحمل کے ذریعہ تجارت وغیرہ کی بہت سی ضروریات گھر بیٹھے پوری ہوسکتی ہیں، اگر اسے فریضۂ حج کی ادائیگی لازم ہے تو ایک سال وہ اس تنگی ودشواری کو جھیلے، آخر وہ لوگ جو دوسرے ممالک سے سفر حج پر جاتے ہیں، اپنا ڈیڑھ دو مہینے کا نقصان برداشت کرتے ہیں، فریضۂ حج اور اس کے ثواب کی اہمیت کے پیش نظر دنیاوی معمولی نقصان برداشت کرنا ایک معمولی بات ہے، حج کی فرضیت عمر میں صرف ایک بار ہے، اس کے بعد پھر نفل ہی ہے، پھر مکہ مکرمہ میں مقیم ہونے کی فضیلت بجائے خود ایک بڑی چیز ہے، اس لئے وہ ایک سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اشہر حج میں مکہ سے باہر جانے سے احتیاط کرے۔

عمرہ کے مواقع اس کے لئے بہت ہیں، عمرہ کی فضیلت اور اس کا ثواب بھی بہت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مکی شخص جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے تو اگر اس کی نیت اس سال حج کرنے کی ہو تو وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ یہ بعینہ وہی تمتع ہے جس سے ان کو روکا گیا ہے، تو اگر وہ اس سال حج کرلے گا تو اس پر دم جنایت لازم آئے گا نہ کہ دم شکر، اور اگر اس کی نیت اس سال حج کرنے کی نہ ہو اور وہ حج نہ بھی کرے تب وہ اشہر حج میں عمرہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا، کیوں کہ مکی وغیر مکی اشہر حج میں عمرہ کرنے کی اجازت میں برابر ہیں (البحر الرائق ۲/۳۶۶)۔

اس کے باوجود اگر کوئی مکی شخص اشہر حج میں عمرہ کرتا ہے اور پھر اسی سال حج بھی کرتا ہے تو اس کا یہ حج صحیح ہوگا، اگرچہ اس کا یہ فعل معصیت ہوگا (حوالہ سابق)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں عصر حاضر کے محدث فقیہ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی رحمہ اللہ اپنی کتاب "رہبر حجاج" میں لکھتے ہیں:

"جس نے تمتع کے ارادہ سے عمرہ کا احرام باندھا، وہ عمرہ سے فارغ ہوکر زمانہ قیام مکہ میں حج سے پہلے مزید عمرہ بھی کرسکتا ہے، ملا علی نے "المسلك المتقسط ۱۹۳" میں اور علامہ شامی نے "منحة الخالق" میں نہایہ، مبسوط، البحر الرائق اور علامہ قاسم وغیرہم کے حوالہ سے اس کے جواز کی صراحت کی ہے اور صاحب ارشاد الساری نے ان جاہل معلموں پر سخت اعتراض کیا ہے جو پردیسی حاجیوں کو اس بڑے ثواب سے روک کر ان کی محرومی کا سبب بنتے ہیں" (ارشاد الساری ۱۹۴، رہبر حجاج ۲۵)۔

منحة الخالق علی البحر الرائق میں علامہ شامیؒ "اللباب" کے حوالہ سے فرماتے ہیں: "اگر وہ ہدی نہ لے گیا اور حلق کے بعد حلال ہوگیا ہو تو وہ ایسا ہی کرے گا جیسا کہ حلال کرتا ہے، اس کے شارح نے کہا: اور ظاہر یہ ہے کہ اب اس کے لئے عمرہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ مخصوص اوقات میں، اس کے مکروہ ہونے کی وجہ سے اس سے روکا گیا اور عمرہ مکی کے لئے اشہر حج میں مکروہ ہے، اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج کرے گا، گنہگار متمتع قرار پائے گا (منحة الخالق علی ہامش البحر الرائق ۲/۳۴۴)۔

"وأقام بمكة حلالا" أفاد أنه يفعل ما يفعله الحلال فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج" (درمختار مع رد المحتار ۲/۲۶۸)۔ (مکہ میں قیام پذیر ہونا حلال ہونے کی حالت میں، معلوم ہوا کہ وہ ان تمام افعال کو کرے گا جس کو حلال آدمی کرتا ہے پھر بیت اللہ شریف کا طواف کرے جو اس سے ہوسکے اور حج سے پہلے عمرہ کرے)۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت

یہ ایک حقیقت ہے کہ رمی جمار کے وقت کثرت ازدحام کے سبب بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو خاصی دقت ہوتی ہے اور موجودہ دور میں مسائل دینیہ اور شرعی

امور کے ساتھ قلت اہتمام کی وجہ سے لوگوں میں سہل پسندی پیدا ہوگئی ہے اور بہت سے ایسے لوگ جو معذور نہیں ہوتے محض آرام پسندی اور کسلمندی میں ازدحام اور بھیڑ سے بچنے کی خاطر رمی جمار کے لئے دوسروں کو نائب بنادیتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ فعل کسی بھی طرح درست اور جائز نہیں ہے، رمی جمار میں نیابت فی نفسہ اگرچہ جائز ہے لیکن اس کی کچھ حدود اور شرائط ہیں، ہر کس وناکس کے لئے جائز نہیں ہے۔

الف۔ عمل رمی میں نیابت جائز ہے، اگر کوئی شخص مریض ہے تو اس کی اجازت سے دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے۔

اسی طرح بے ہوش آدمی، مجنون اور بچے کی طرف سے بھی رمی جائز ہے۔

نیابت رمی میں تفصیل یہ ہے کہ وہ شخص جس کی طرف سے رمی کرنی ہے، اگر اس لائق ہے کہ اس کو جمرات تک لے جایا جاسکے اور اس کے ہاتھوں میں کنکری رکھدی جائے تو وہ کنکریاں پھینک دے گا، جمرات تک تو اس حالت میں اس کے ہاتھوں سے ہی رمی جمرات کرائی جائے گی، اور اگر وہ آدمی اس حد تک معذور ہے کہ وہاں تک لے نہیں جایا جاسکتا، یا کوئی لے جانے والا نہیں ہے، تب اسے کسی غیر کو بھیجنا درست ہوگا، فتح القدیر میں ہے:

''ومن کان مریضا لا یستطیع الرمی یوضع فی یده وترمی بها أو یرمی عنه غیره وکذا المغمی علیه''(فتح القدیر ۲.۳۹۲)

(اور اسی میں سے یہ ہے کہ گویا وہ ایسا مریض ہے جو رمی کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھی جائے اور وہ اس کو پھینکے، یا اس کی طرف سے دوسرا آدمی پھینک دے، اور ایسے ہی وہ شخص جس پر بے ہوشی طاری ہو)۔

شرح اللباب کے حوالہ سے أوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں ہے: ''بذات خود رمی کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں نیابت جائز نہیں ہے اور عذر کے وقت جائز ہے، تو اگر کسی نے ایسے مریض کی طرف سے جو رمی کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے حکم سے رمی کی، یا ایسے شخص کی طرف سے جس پر بے ہوشی طاری تھی، اگرچہ اس کے حکم کے بغیر، یا غیر ممیز بچہ، یا پاگل کی طرف سے رمی کی تو جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ کنکری ان کی ہتھیلیوں میں رکھی جائے، پھر وہ لوگ پھینکیں، غنیۃ میں یہ اضافہ ہے: اور انہیں لوٹایا نہیں جائے گا، اگرچہ وقت کے اندر ہی عذر ختم ہوجائے، اور ان پر کوئی فدیہ نہیں ہے، اگرچہ انہوں نے رمی نہ کی ہو، سوائے مریض کے'' (أوجز المسالک ۲/۶۶۰)۔

ب۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ وضاحت ہوگئی کہ عمل رمی میں نیابت علی الاطلاق محض ازدحام اور بھیڑ کے خوف سے جائز نہیں ہے، بلکہ نیابت کی رخصت صرف مریض اور معذور لوگوں کے لئے ہے اور مریض کے معذور ہونے کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کھڑا ہوکر نماز نہ پڑھ سکے۔

''وحد المریض أن یصیر بحیث یصلي جالسا'' (بغیۃ المناسک ۱۰۰، معلم الحجاج ۱۸۵)۔

''وعن محمد إذا کان المریض بحیث یصلي جالسا رمی عنه ولا شيئ علیه'' (اوجز المسالک ۲.۶۶۱)۔

(امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب مریض کی ایسی حالت ہوجائے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو اس کی طرف سے رمی کردی جائے اور اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا)۔

ے۔ ایسے لوگ جو سعودیہ عربیہ میں اقامت پذیر ہیں ان کو حج کرنے کے لئے حکومت سعودی عرب سے اجازت لینی پڑتی ہے، ان حضرات کو چاہئے کہ بغیر حکومت کی اجازت کے حج یا عمرہ کا احرام نہ باندھیں، سعودی حکومت حج سے متعلق انتظامات میں اور حاجیوں کی آسانی اور آرام کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ حکومت کے نظم ونسق میں اس کا تعاون کرنا ضروری ہے، اس نے حاجیوں کی سہولت کی خاطر ہی یہ نظم بنایا ہے کہ ہر شخص کو ہر سال حج کی اجازت نہیں دیتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو غیر ملکی سعودی عرب میں مقیم ہیں انہیں اپنے وطن اقامت سے دوسرے شہر میں جانے کے لئے بھی اجازت لینی پڑتی ہے، یہ ان کے شہری اور ملکی نظم سے متعلق ہے جن کی رعایت ضروری ہے۔

اس لئے بغیر اجازت سفر کرنا، خواہ عمرہ یا حج کے لئے ہی کیوں نہ ہو درست نہیں ہے باعث گناہ ہے، کیوں کہ پکڑ جانے کی صورت میں خود اپنے کو بھی مشقت میں ڈالنا ہے اور اپنے کفیل کو بھی پریشانی میں مبتلا کرنا ہے، اس لئے بغیر اجازت سفر نہیں کرنا چاہئے، ایسے لوگ اگر پکڑ لئے جائیں اور واپس بھیج دیئے جائیں دراں حالیکہ وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہوں، تو وہ محصر کے حکم میں ہوں گے، احصار کا حکم ان پر صادق آتا ہے، اور محصر کا حکم یہ ہے کہ یا تو وہ مانع کے زائل ہونے کا انتظار کرے اور مانع کے دور ہونے کے بعد حج مل جاتا ہے تو حج کرے ورنہ عمرہ کرکے حلال ہوجائے۔

اگر انتظار میں دقت ہے اور اس نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم (بکری) یا اس کی قیمت دے کر بھیج دے (جس کو اجازت

ہو) اور اس سے تاریخ اور وقت کا تعین کرلے تاکہ وہ متعینہ وقت پر حدود حرم میں اس کو ذبح کرے، اگر قارن ہے تو اسے دو دم یا اس کی قیمت بھیجنا ہوگا، نیز اس کو اختیار ہے، چاہے تو جہاں روکا گیا ہے وہ اسی جگہ رکا رہے، یا اپنے مستقر پر واپس چلا جائے اور پھر جب موقع اور اجازت ملے تو اس حج یا عمرہ کی قضا کرنا ضروری ہے۔

احصار کے متعلق المناسک میں ہے: ''اور احصار متحقق ہو جائے گا ہر ایسے روکنے والے کی وجہ سے جو اس کو روک دے، اگرچہ مکہ ہی میں، ہمارے اماموں کے درمیان صحیح قول کے مطابق اس پر اتفاق ہے، جیسے ہڈی کا ٹوٹنا اور لنگڑا ہونا اور زخم کا ہونا اور قید ہونا اور سلطان کا روکنا اس کے انکار کے باوجود'' (بغیۃ المناسک ۱۶۶)۔

اس سے واضح ہو گیا کہ منع سلطان اور اس کی نہی سے بھی احصار متحقق ہوتا ہے۔

''والمحصر بالحج إذا تحلل فعليه حجة وعمرة... وعلى المحصر بالعمرة القضاء وعلى القارن حجة وعمرتان'' (هدايه ۱،۲۷۴)۔

(اور جس کو حج سے روک دیا جائے جب وہ حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج اور عمرہ واجب ہے اور جس کو عمرہ سے روک دیا جائے تو اس پر قضا واجب ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے)۔

معلوم ہوا کہ محصر کے حلال ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کی طرف سے حدود حرم میں جانور ذبح کیا جائے، خواہ ایام نحر سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، اور پھر حلال ہو جانے کے بعد جب سہولت ہو اس پر اس حج، یا عمرہ کی قضا لازم ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نہ تو جانور کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے اور نہ ہی محصر پر اس حج یا عمرہ کی قضا ہی لازم ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے (فتح الباری ۴/۱۲)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب

دسویں ذی الحجہ یوم النحر کو حاجیوں کے ذمہ چار کام ہیں: جمرہ عقبہ کی رمی کرنا، پھر جانور کی قربانی کرنا، اس کے بعد حلق، یا تقصیر کرانا، پھر طواف افاضہ یعنی طواف زیارۃ جو فرض ہے، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:

''أن رسول الله ﷺ رمى جمرة العقبة يوم النحر، ثم رجع إلى منزله بمنى فدعا بذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الأيمن فحلقه...'' (سنن أبو داؤد ۱۹۸۱، ۲،۲۰۳)۔

(بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر منیٰ میں اپنے قیام گاہ کی طرف لوٹے، ذبیحہ کو منگایا اور ذبح کیا، پھر حلق کرنے والے کو بلایا اور اپنے سر کے داہنے حصہ کے ایک شق کو لیا پھر اس کا حلق کیا)۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کا مفہوم ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ''وقد أجمع العلماء على مطلوبية هذا الترتيب'' (فتح الباری ۳،۵۷۱)۔

اس لئے افضل اور بہتر سبھی فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ ان امور کے درمیان ترتیب باقی رہے، لیکن اگر اس ترتیب میں فرق پڑ جائے اور تقدیم وتاخیر ہو جائے تو اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ تقدیم وتاخیر کی وجہ سے متمتع یا قارن پر کوئی دم لازم آئے گا، یا نہیں؟

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ ان امور مذکورہ میں صرف سنیت کے قائل ہیں، لہٰذا ان امور کی ترتیب میں خلل ہونے سے ان ائمہ کرام کے نزدیک متمتع یا قارن پر کوئی دم یا فدیہ لازم نہیں آئے گا، کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک ترتیب غیر واجب ہے۔

مذکورہ ائمہ کرام نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ مختلف حضرات نے یوم النحر کو حضور ﷺ سے مختلف امور کے متعلق سوالات کئے کہ میں نے فلاں کام پہلے کر دیا اور فلاں کام بعد میں کیا، آپ ﷺ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا: ''افعل ولا حرج''، ان حضرات نے عدم حرج کو عدم اثم اور عدم فدیہ دونوں پر محمول کیا۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ترتیب کے واجب ہونے کی وجہ سے خلاف ترتیب ہونے پر دم لازم ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف رمی اور بقیہ امور ثلاثہ کے درمیان ترتیب واجب ہے، لہٰذا ذبح، حلق اور طواف افاضہ میں سے کسی بھی امر کو رمی پر مقدم کر دیا تو

ان کے نزدیک دم واجب ہوگا اور اگر رمی کو مقدم کیا اور پھر بقیہ امور کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی تو کوئی دم نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک متمتع اور قارن کے لئے طواف زیارت کے علاوہ مذکورہ سبھی امور میں ترتیب واجب ہے، لہذا ان میں سے کسی ایک میں بھی تقدیم و تاخیر ہوگی تو دم لازم ہوگا۔

امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: من قدم شیئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما'' (رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ۱،۴۲۷)۔

(ابن عباسؓ سے مروی ہے جو شخص اپنے حج میں سے کسی چیز کو مقدم کرے یا موخر کرے اس کو چاہئے کہ خون بہائے)۔

یہ راوی کا فتویٰ ہے جو مذکورہ روایت "افعل ولا حرج" کے خلاف ہے جب کہ اس کی روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، لہذا اس اصول کے تحت کہ راوی کا فتویٰ خود اپنی روایت کے خلاف راجح اور مقدم ہوتا ہے ان امور کی تقدیم وتاخیر پر دم لازم آئے گا۔

جس نے حلق کو موخر کیا یہاں تک کہ قربانی کے ایام ختم ہوگئے تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے اور ایسے ہی جب طواف زیارت کو موخر کرے، صاحبین نے فرمایا: دونوں صورتوں میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور ایسے ہی اختلاف ہے رمی کے موخر کرنے اور ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کرنے میں، جیسے رمی سے پہلے حلق کرنا اور قارن کا رمی سے پہلے قربانی کرنا اور ذبح سے پہلے حلق کرنا (ہدایہ ۱/ ۲۵۶)۔

واضح ہو کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں ہے، طواف زیارت مذکورہ تینوں امور سے پہلے کرے، بیچ میں کرے، اس کے خلاف ترتیب ہونے سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا (اوجز المسالک ۲/ ۷۱۵)۔

غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''والعجب ممن يحمل قوله ''ولا حرج'' على نفي الإثم فقط ثم يخص ذلك ببعض الأمور دون بعض، فإن كان الترتيب واجبا يجب بتركه دم فليكن في الجميع وإلا فما وجه تخصيص بعض دون بعض مع تعميم الشارع الجميع بنفي الحرج'' (فتح الباری ۳،۵۷۱)۔

ٹھیک اسی کے برعکس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ ان لوگوں پر بھی تعجب کا اظہار فرماتے ہیں جو وجوب ترتیب کے قائل نہیں ہیں، لکھتے ہیں:

''اور تعجب کی بات ہے ان بڑے اماموں پر کہ وہ لوگ ان چاروں افعال میں ترتیب کو واجب قرار نہیں دیتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "افعل ولا حرج" سے اس پر استدلال کرتے ہوئے، لیکن وہ لوگ جمرات کی رمی میں ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں تو جس نے اولیٰ پر وسطیٰ کو مقدم کیا وہ ان لوگوں میں داخل ہے جس نے کسی چیز کو مقدم کیا یا موخر کیا، تو وہ لوگ اس میں ان کے قول "افعل ولا حرج" کو نہیں لیتے'' (حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۷)۔

شیخ زکریا رحمہ اللہ نے "افعل ولا حرج" میں عدم حرج سے مراد صرف عدم اثم پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جو لوگ وجوب دم کے قائل نہیں اور صرف یہ کہتے ہیں: "لاحرج" سے مراد صرف نفی اثم ہے وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اس شخص پر جو کسی مسلم شخص کی عزت پر حملہ کرے سوائے اس کے کہ وہ ظالم ہے اور یہی وہ چیز (ظلم) ہے جو حرج اور ہلاکت ہے، یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ منفی صرف اثم اور گناہ ہے، اس لئے کہ سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی کسی کی عزت پر حملہ کرنے والے شخص پر دم واجب ہونے کی بات نہیں کہی ہے'' (حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۶)۔

لیکن وہ موقع جب کہ صحابہ کرام نے ان امور کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا مسئلہ کی وضاحت کا تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض رفع حرج پر اکتفاء کیا، وجوب فدیہ وغیرہ کی صراحت نہیں کی، واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بیان کرتے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لو كان واجبا لبينه ﷺ حينئذ لأنه وقت الحاجة ولا يجوز تأخيره'' (فتح الباری ۳،۵۷۱)۔

(اگر واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اسی وقت بیان فرمادیتے اس لئے کہ اس وقت ضرورت تھی اور اس کا موخر کرنا جائز نہیں تھا)۔

بہر کیف مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "لاحرج" سے مراد "نفی ال اثم" ہے، یہ جمیع علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی متمتع اور قارن سے امور مذکورہ کی ترتیب میں خلل واقع ہوگیا تو آخرت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

البتہ وجوب فدیہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اس لئے موجودہ دور کی مشکلات میں اگر کسی حاجی کے ساتھ یہ حادثہ پیش آجائے کہ اس کی ترتیب میں خلل واقع ہو، تقدیم وتاخیر ہوجائے اور اس کا اسے علم بھی ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے اسے وسعت دی ہو تو بہتر یہ ہے کہ خلاف افضل ہونے کے سبب ایک دم دیدے۔

اور اگر وسعت نہ ہو، یا اسے علم ہی نہ ہو سکے تقدیم وتاخیر کا تو اس کے حج میں کسی طرح کا فساد یا کراہت نہیں لازم آئے گی اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

۹۔ حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں خود علماء حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات اکابر نے آمر کی اجازت کے باوجود حج تمتع سے منع فرمایا ہے، بنابریں یہ مسئلہ دشوار ہوجاتا ہے، لیکن اکثر علماء کرام اور مفتیان کرام نے آمر کی اجازت سے حج تمتع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اسی جواز کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے درج ذیل تفصیل کی جاتی ہے:

علامہ ابن عابدینؒ نے اپنے معروف رسالہ ''نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف''میں عرف کی دو قسم کی ہے، عرف عملی اور عرف قولی اور اس کی تفصیل کرتے ہوئے عرف عملی کی مثال میں یہ پیش کیا ہے کہ اگر کسی قوم میں گیہوں اور بھیڑ کے گوشت کھانے کی عادت اور عرف ہو اور ان میں سے کوئی آدمی کسی سے کہے کہ میرے لئے کھانا اور گوشت خرید دو تو وہ گیہوں اور بھیڑ کے گوشت پر ہی محمول ہوگا (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۲ / ۱۱۴)۔

لہٰذا موجودہ دور میں اگر کوئی شخص کسی کو حج کرنے کا حکم دے اور عرفاً حج بول کر حج تمتع ہی مراد ہوتا ہو تو حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا حج تمتع تصور کیا جائے گا۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب حج بدل سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کو افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے اس لئے صراحۃ اذن ضروری نہیں، لہٰذا صراحۃ اذن حاصل کرلینا بہتر ہے'' (احسن الفتاوی)۔

الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اس میں خود علماء حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، ملا علی قاریؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہم اللہ نے آمر کی اجازت کے باوجود عدم جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے (معلم الحجاج / ۲۸۴ حاشیہ (۲)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ زبدۃ المناسک میں فرماتے ہیں:

''تمتع کرنا کسی حال میں درست نہیں، اگرچہ آمر نے اذن دیا ہو، کیونکہ میقات آمر سے حج نہ ہووے گا، مگر جو تمتع اذن آمر سے کیا ہے تو ضمان نہیں آتا، گو حج آمر کا ادا بھی نہیں ہوتا'' (زبدۃ المناسک فی ضمن تالیفات رشیدیہ / ۶۴)۔

لیکن کثیر علماء کرام نے حج بدل کے صحیح ہونے کی شرائط میں ''میقات آمر سے حج کرنے'' کی شرط کا لحاظ نہیں کیا ہے اور آمر کی اجازت سے حج قران اور حج تمتع کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، صاحب احسن الفتاویٰ مولانا مفتی رشید احمد صاحب کا فتویٰ اوپر گذر چکا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مفتی عبد الرحیم صاحبؒ نے بھی آمر کی اجازت سے تمتع کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی ۴ / ۳۲۵ و مابعدہا، نیز فتاویٰ رحیمیہ ۸، ۲۱۳۔ ۲۲۲، بغیۃ المناسک ۹، میں "إلا إذا وجد الإذن" کی صراحت موجود ہے۔

محدث ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ رہبر حجاج میں لکھتے ہیں: ''حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کا احرام بھی باندھ سکتا ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف کتابوں میں مذکور ہے اور چند اکابر نے تمتع کو اجازت کے بعد بھی ناجائز قرار دیا ہے، مگر اصح یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کو تمتع کرنا آمر کی اجازت سے جائز ہے، غنیۃ المناسک میں ہے:

''لیکن لباب میں جس بات کا اضافہ کیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو بحر وغیرہ میں ہے کہ آمر کی طرف سے تمتع جائز ہے، جب کہ اس کے حکم سے ہو، جیسا کہ آگے آئے گا، کہا گیا ہے کہ اس بنیاد پر آمر کو یہ اختیار بھی ہے کہ وہ پہلے اپنی طرف سے صرف عمرہ کرنے کی اجازت مامور کو دے پھر اپنی ہی طرف سے

حج کرنے کی'' (ص ر۱۸۵)۔

درمختار میں ہے کہ قران اور تمتع اور جنایت کا دم حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے، بشرطیکہ آمر نے اس کو قران و تمتع کی اجازت دی ہو اور مولانا شیر محمدؒ کی عمدۃ المناسک میں ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ اپنے مامور کو عام طرح اجازت دیدے کہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے افراد بالحج کرو یا قران یا تمتع، پھر حاشیہ میں اس کی تائید میں چند عبارتیں لکھی ہیں (دیکھئے کتاب مذکور ر۴۴۱-۴۴۲، رہبر حجاج ر۳۸)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے۔

ب۔ مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کے جواز میں باوجود آمر کی اجازت کے اختلاف ہے، البتہ بغیر آمر کی اجازت کے سبھی علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے لئے حج تمتع کرنا درست نہیں ہے۔

اوپر یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ جب عرفاً حج بول کر حج تمتع ہی سمجھا جاتا ہو تو صرف حج کی اجازت سے تمتع کی اجازت متصور ہوگی۔

لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ آمر مامور کو صراحۃً اجازت دیدے کہ وہ اپنی سہولت سے حج افراد، تمتع یا قران کرے اور مامور کو چاہئے کہ وہ آمر سے صراحۃً اجازت حاصل کرے۔

ج۔ شریعت نے چونکہ ظن غالب کا اعتبار کیا ہے، اس لئے اگر مامور کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کو حج تمتع کی اجازت دے دیتا ہے تو وہ تمتع کر سکتا ہے، خاص کر اس صورت میں جب کہ عرفاً حج کا اطلاق تمتع پر ہوتا ہو۔

د۔ حج بدل کرنے والا خواہ باذن آمر تمتع کرے یا بدون اذن آمر، ہر حال میں دم تمتع حج کرنے والے مامور کے مال میں ہی لازم ہوگا، بلکہ اس صورت میں جبکہ آمر نے تمتع کی اجازت نہ دی ہو تو مخالفت آمر کی وجہ سے مامور پورے نفقہ حج کا ضامن ہوگا۔

''ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن'' (درمختار مع رد المحتار ۲٫۳۲۹)۔

''البحر الرائق'' میں ہے: ''احصار کا دم آمر پر واجب ہوگا اور قران وجنایت کا دم مامور پر، قران سے مراد حج وعمرہ کے مابین جمع کرنے کا دم ہے خواہ قران ہو یا تمتع، جیسا کہ ''غایۃ البیان'' میں اس کی صراحت ہے، لیکن گذشتہ اجازت کے ساتھ'' (البحر الرائق ۳ر۶۶)۔

البتہ اگر آمر دم تمتع کی بھی اجازت دیدیتا ہے تو دم تمتع آمر کے مال سے دینا جائز ہے (احسن الفتاوی)۔

ھ۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

و۔ گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے تمتع کر سکتا ہے؟ یہ حج بدل اگر میت کی طرف سے ہو اور میت نے وصیت کی ہے حج کرنے کی اور اس کا ثلث مال متروکہ اس کی کفایت کرتا ہے کہ اس سے حج تمتع کرایا جائے اور ورثہ کی اجازت بھی ہے، تمتع کے لئے، نیز عرفاً حج کا اطلاق تمتع پر ہوتا ہو تو حج تمتع کیا جا سکتا ہے۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے، لیکن اس کے ورثہ اس کی طرف سے حج کرانا چاہتے ہیں تو یہ ان کی طرف سے تبرع ہے جس کا حق انہیں حاصل ہے، لہٰذا اگر ورثہ تمتع کی اجازت دیدیں تو میت کی طرف سے حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے۔

صرف وصی کی اجازت سے تمتع درست نہیں ہوگا۔

۱۰۔ حالت حیض، یا نفاس میں طواف زیارت:

اس امر پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طواف بیت اللہ کے لئے طہارت مسنون ہے، یا واجب، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''ثم قيل هي سنة والأصح أنها واجبة'' (هداية ۱٫۲۵۲)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بغیر طہارت طواف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام مالک اور امام شافعی (اور ایسے ہی امام احمد بن حنبل) کے نزدیک بغیر

طہارت کے طواف کرنا جائز نہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر طہارت طواف کرے تو طواف ہو جائے گا، مگر ناقص ہوگا، دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرنی ہوگی (بدایۃ المجتہد ۱/۴۱۹)۔

جن فقہاء کرام نے طواف کے لئے طہارت شرط مانی ہے وہ مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے:

''أن النبی ﷺ قال: الطواف حول البیت مثل الصلاۃ إلا أنکم تتکلمون فیه، فمن تکلم فیه فلا یتکلمن إلا بخیر'' (سنن ترمذی: باب ماجاء فی الکلام فی الطواف)۔

(بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد طواف کرنا نماز کی طرح ہے، لیکن تم لوگ اس میں بات چیت کر سکتے ہو، تو جو اس میں بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے)۔

اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اگرچہ اختلاف ہے، پھر بھی اہل علم کا اس پر عمل ہے اور اس حدیث میں طواف کو نماز کی طرح بتلایا گیا ہے، لہذا نماز کی طرح اس کے لئے بھی طہارت ضروری ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب وہ حج کے ارادہ سے چلیں اور مقام سرف پر پہنچیں اور حائضہ ہوگئیں تو رونے لگیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''افعلی ما یفعل الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت حتی تطهری'' (صحیح مسلم مع شرحہ فتح الملہم ۳/۲۶۳-۲۶۴، سنن الترمذی: باب ماجاء ماتقضی الحائض من المناسك) (تم ان افعال کو کرو جو حاجی کرتا ہے مگر تم جب تک پاک نہ ہو جاؤ بیت اللہ کا طواف مت کرو)۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے: ''أن النبی ﷺ قال: الحائض والنفساء إذا أتتا علی الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضیان المناسك کلها غیر الطواف بالبیت قال أبو معمر فی حدیثه: حتی تطهر'' (سنن الترمذی: باب ماجاء ما تقضی الحائض من المناسك حدیث نمبر ۹۴۵)۔

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حیض اور نفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو دونوں غسل کر کے احرام باندھیں اور طواف بالبیت کے علاوہ تمام ارکان کو ادا کریں، ابو معمر نے اپنی حدیث میں فرمایا یہاں تک کہ پاک ہو جائے)۔

یہ ساری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ طواف کے لئے مرد، یا عورت کو حالت طہارت میں ہونا چاہئے، اگرچہ جو لوگ طہارت کو شرط نہیں مانتے وہ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ طواف کے لئے چونکہ مسجد حرام میں داخل ہونا ضروری ہے اور مسجد میں جنبی، حائضہ یا نفساء کے لئے داخل ہونا جائز نہیں۔

اس لئے ایسی عورتیں جو طواف زیارت کے موقع پر حیض یا نفاس کے عذر میں مبتلا ہو جائیں تو انہیں حتی الامکان بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ ان حالات میں بیت اللہ شریف کے طواف سے احتیاط کریں، اگرچہ بغیر طہارت طواف کرنا جائز ہو، مگر حالت جنابت میں مسجد حرام میں داخل ہونا بھی گناہ عظیم ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

ذمہ داران حج سے اس سلسلہ میں بات چیت کریں، ویزا کی تاریخ بڑھوائیں، جہاز کی تاریخ میں تبدیلی کروائیں، اپنی طاقت بھرپوری کوشش کریں کہ ان اعذار میں مبتلا ہوتے ہوئے طواف کی نوبت نہ آئے۔

الف۔ اگر کوئی بھی صورت نہیں نکلتی ہے اور حالت جبر واضطرار کی سی ہے تو حالت حیض ونفاس میں ہی طواف زیارت کر لے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی کی حالت میں طواف کر لے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم دے کر اس کی تلافی کر لے'' (درس ترمذی ۳/۲۱۸)۔

ب۔ ہاں یہ طواف جو اس نے ناپاکی کی حالت میں کیا ہے، وہ قابل اعتبار ہے اس کی وجہ سے اس کا رکن (طواف افاضہ) ادا ہو گیا اور وہ اپنے شوہر کے حق میں حلال بھی ہو گئی، البتہ اس پر دم لازم آئے گا، حالت جنابت میں طواف کرنے کی وجہ سے، اس لئے حتی الامکان عذر حیض یا نفاس کے زائل ہونے کا انتظار کرے۔

''واختار فی المحیط أن بعث الدم أفضل لأن الطواف الأول وقع معتداً به وفیه منفعة للفقراء وإذا عاد للأول یرجع بإحرام جدید بناء علی أنه حل فی حق النساء بطواف الزیارة جنبا'' (البحر الرائق ۳،۱۸)۔

''اگر حالت حدث میں طواف زیارت کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگی، اس لئے کہ اس نے رکن میں نقص پیدا کردیا تو وہ پہلے سے زیادہ فحش ہوگیا، لہٰذا دم سے پورا کیا جائے گا اور چونکہ جنابت حدث سے زیادہ غلیظ ہے، لہٰذا اس کے نقصان کی تلافی بدنہ سے واجب ہوگی تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے'' (ہدایہ ۱/ ۲۵۲)۔

ج۔ ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بدنہ ہی ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہیں ہے۔

''والشاة جائزة فی کل شیئ إلا فی موضعین من طاف طواف الزیارة جنبا ومن جامع بعد الوقوف فإنه لایجوز فیهما إلا بدنة'' (ھدایه ۱،۲۸۰)۔

(اور ہر چیز میں بکری جائز ہے دو جگہوں کے علاوہ، جو شخص طواف زیارت کرے حالت جنابت میں اور جو وقوف کے بعد جماع کرے، ان دونوں میں بدنہ کے علاوہ جائز نہیں ہے)۔

د۔ دم کی ادائیگی حرم مکہ میں ہی ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اپنے مقام پر ادا کرنے سے ساقط نہیں ہوگا، ہدایہ میں ہے:

''غیر حرم میں ہدی ذبح کرنا جائز نہیں ہے، شکار کی جزاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول "ھدیا بالغ الکعبة" کی وجہ سے، یہی تو اصل ہے ہر اس دم میں جو کفارہ ہے، اور اس لئے کہ ہدی کہتے ہی اس کو جسے کسی جگہ لے جایا جائے اور اس کی جگہ حرم ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پورا منیٰ قربانی کی جگہ ہے اور مکہ کی ساری گلیاں منحر ہیں'' (ہدایہ ۱، ۲۸۱)۔

ایسی عورت جو حالت حیض ونفاس میں طواف کئے ہو قربانی یعنی دم سے پہلے اس طواف کا اعادہ حالت طہارت میں کرلے تو دم ساقط ہوجائے گا۔

۱۱۔ وہ عورت جو سفر حج میں چلی یا عمرہ کے ارادہ سے چلی اور درمیان سفر اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو جس وقت وہ معتدہ ہورہی ہے، ایسی جگہ میں ہے کہ وہاں سے اس کا وطن مسافت شرعی یا اس سے زیادہ کی دوری پر ہے اور مکہ مکرمہ مسافت شرعی سے کم دوری پر ہے تو ایسی عورت اپنے سفر حج یا عمرہ کو پورا کرے گی، مکہ مکرمہ جائے گی اور حج یا عمرہ کی ادائیگی کرے گی لیکن اگر اس کا وطن مسافت شرعی سے کم دوری پر ہے تو وہ اپنے وطن لوٹے گی اور وہ محصر کے حکم میں ہوگی۔

''فلو أحرمت ولیس لها محرم ولا زوج فهی محصرة کما فی اللباب والبحر، ثم هذا إذا کان بینها وبین مکة مسیرة سفر وبلدها أقل منه أو أکثر لکن یمکنها المقام فی موضعها و إلا فلا إحصار فیما یظهر'' (شامی ۲،۳۱۹، ۳۲۰)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اس عورت کا وطن مسافت شرعی یا اس سے زیادہ دوری پر ہے، لیکن وہ ایسی جگہ پر ہے کہ وہاں ٹھہر کر عدت گذار سکتی ہے تو اسے وہاں رک کر عدت گذارنا چاہئے، یہ اسی وقت ہے جب کہ مکہ کی دوری مسافت شرعی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

۱۲۔ وہ شخص جو سفر حج کے لئے نکلا ہے، مکہ مکرمہ میں ایسے وقت پہنچتا ہے کہ پندرہ یوم سے پہلے ہی منیٰ کے لئے روانگی کا وقت آجاتا ہے تو اس میں ایک صورت تو یہ ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ تک اسے پندرہ دن مل جاتا ہے تو اسے مقیم سمجھا جائے گا، کیوں کہ آج کل جب کہ منیٰ کی آبادی مکہ سے متصل ہوچکی ہے تو منیٰ کا قیام بھی مکہ کا ہی قیام مانا جائے گا، اور اگر آٹھویں ذی الحجہ کو لے کر بھی پندرہ دن نہیں ملتے تو اسے مسافر کہا جائے گا، اس لئے کہ پھر اسے عرفات جانا ہے جو الگ ایک بستی ہے۔

''فإذا کان أحدهما تبعا للآخر بأن نوی الإقامة فی المصر وفی موضع آخر تبع لها وهو ما یلزم ساکنیه حضور الجمعة یصیر مقیما لأنهما مکان واحد'' (عینی شرح الهدایه ۱،۹۷۵)۔

(پھر جب ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے تابع ہو، بایں طور کہ مصر میں اقامت کی نیت کرے اور ایسی جگہ میں جو اس کے تابع ہو اور وہ ایسی جگہ ہو کہ اس کے رہنے والوں پر جمعہ میں حاضر ہونا لازم ہو تو وہ مقیم ہوجائے گا اس لئے کہ وہ دونوں ایک جگہ ہے)۔

یعنی اگر کوئی مسافر ایسی دو جگہوں پر رہنے کی نیت کرتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع ہے اور اس کی نیت پندرہ دن کی دونوں جگہوں کو شامل کرکے ہے تو وہ مقیم سمجھا جائے گا۔

۱۳- یہ مسئلہ اس قاعدہ پر منحصر ہے کہ کسی شخص کا کسی شافعی مذہب امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے ہدایہ کے حاشیہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے، نیز علامہ شامیؒ نے بھی اس پر سیر حاصل بحث کی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہدایہ ۱۲۵-۱۲۶، نیز شامی ۱/ ۶۲۵)۔

اس مسئلہ میں خود حنفیہ کے مابین مختلف اقوال ملتے ہیں کہ اقتداء اور امامت میں کس کا اعتبار کیا جائے گا، مقتدی کے اعتقاد کا یا امام کے اعتقاد کا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ''وظاهر الهداية أن الاعتبار لاعتقاد المقتدی ولا اعتبار لاعتقاد الإمام'' (شامی ۱.۶۲۵)۔
(اور ہدایہ کی ظاہر عبارت ہے کہ مقتدی کا اعتقاد معتبر ہے، امام کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

اسی قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر امام دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتا تو ایسے امام کی اقتداء صحیح ہے اور اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت کے لئے اٹھتا ہے تو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں۔

ابوبکر رازی کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اگر چہ امام دو رکعت پر سلام پھیرتا ہے پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوتا ہے کسی حنفی کا اس کی اقتداء کرنا درست ہے (شامی ۱/ ۶۲۵)۔

اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے ایک بات لکھی ہے جو ان الفاظ میں ہے:

''والذی يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف ما لم يكن غير مراء فی الفرائض لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم'' (شامی ۱.۵۲۷)۔
(اور وہ بات جس کی طرف دل کا میلان ہوتا ہے وہ مخالف کی اقتداء کا مکروہ نہ ہونا ہے جب تک وہ فرائض میں رعایت کرنے والا ہو، کیوں کہ بہت سارے صحابہ اور تابعین جو کہ ائمہ مجتہدین تھے وہ لوگ ایک امام کے پیچھے اختلاف مذاہب کے باوجود نماز پڑھتے تھے)۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنا ثابت ہے، لہذا ایسے امام کی اقتداء کرنا درست ہے جو دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت پڑھتا ہے۔

''عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يسلم فی كل ثنتين ويوتر بواحدة'' (سنن ابن ماجه باب ما جاء فی الوتر بركعة)۔

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت میں سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت ملا کر وتر بنا دیتے)۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا اشتیاق احمد اعظمی[1]

ا۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن حج وعمرہ کی نیت، جو لوگ نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ میں ان کے لئے احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھنا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہائے امت اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے ہے جو درج ذیل ہے:

ا۔احناف: آفاقی شخص مکہ مکرمہ میں دخول کے ارادہ سے جب میقات پر پہنچے تو اسے بہر حال احرام باندھ کر ہی آگے بڑھنا ہوگا، خواہ اس کا قصد، حج یا عمرہ کا ہو یا نہ ہو، ہدایہ میں ہے: ''الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد'' (۱،۲۱۴)۔

۲۔مالک: جو شخص مکہ مکرمہ میں بغیر احرام، عمداً، یا جہالۃً داخل ہوا تو اس نے برا کام کیا، لیکن اس پر کوئی دم لازم نہیں، عینی میں ہے: ''قال مالك: من دخل مكة غير محرم متعمداً أو جاهلاً فقد أساء ولا شئ عليه'' (عینی شرح ہدایہ ۴،۱۴۰۴)۔

۳۔شافعی: جو شخص مکہ مکرمہ میں حج، یا عمرہ کا ارادہ کرکے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے میقات ہی سے احرام باندھ کر جانا واجب ہے، لیکن مکہ مکرمہ میں داخل ہونا کسی اور مقصد کے تحت ہو اور اس کی آمد ورفت مکرر اور بار بار ہوتی ہو تو اس پر احرام واجب نہیں۔ امام شافعی کا ایک دوسرا قول، مکہ مکرمہ میں دخول کے وقت استحباب احرام کا بھی ہے، جیسا کہ امام نووی نے منہاج میں لکھا ہے: ''وفي المنهاج للنووي: من قصد مكة غير لا شك أنه يستحب له أن يحرم بحج أو عمرة وفي قول يجب إلا أن يتكرر دخولها كحطاب و صياد'' (عینی ۴،۱۴۰۴)۔

۴۔احمد: مکلف شخص اگر مکہ مکرمہ میں بلا ارادہ قتال مشروع، یا بلا حاجت متکررہ، جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام باندھے، تجاوز ناجائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں: ''المكلف الذى يدخل بغير قتال ولا حاجة متكررة لا يجوز تجاوز الميقات غير محرم و به قال أبو حنيفة و بعض أصحاب الشافعي'' (المغنی ۴،۲۶۹)۔

لیکن اگر کوئی شخص بارادہ قتال مباح، خوف یا حاجت متکررہ، مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو جیسے گھاس اکٹھا کر کے فروخت کرنے والا لکڑہارا اور غلہ اور چارہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے اور لیجانے والا یا ایسا شخص جس کی جائداد، حرم مکہ کی حدود میں ہو اور وہ ہر روز آمد ورفت رکھنے پر مجبور ہو تو ایسے تمام لوگوں پر احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں دخول واجب نہ ہوگا (المغنی ۴؍۲۶۸)۔

قول اول کے دلائل

وہ حدیث جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اپنی سند کے توسط سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا يجاوز أحد الميقات الإمحرما''، یعنی کوئی میقات سے بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے، یہ حدیث طبرانی نے بھی اپنی معجم میں روایت کی ہے۔

''عن أبي الشعثاء أنه رأى ابن عباس ﷺ: يرد من جاوز الميقات غير محرم'' (التعلیق الصبیح ۳،۱۷۶)۔

(ابوشعثاء سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ہر اس شخص کو جو میقات سے احرام باندھے بغیر آگے بڑھ جاتا تھا، اسے واپس لوٹا رہے تھے)۔

عقلی دلیل: وہ یہ کہ احرام کا وجوب، اس مقدس سرزمین کے تقدس اور عظمت واحترام کے پیش نظر ہے، اس لئے وجوب احرام کے معاملہ میں، حاجی اور معتمر

[1] دار العلوم مئو، یوپی۔

اوران کے علاوہ دیگر تمام لوگ یکساں حکم رکھیں گے، عینی میں ہے:

''ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريعة فيستوى فيه الحاج والمعتمر وغيرهما'' (۴۰۴/۴)۔

دوسرے قول کی دلیل

حضرت عبداللہ بن عمر کا فعل کہ وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جارہے تھے، راستہ پران کو ایسی خبر ملی جس کی بناپر وہ مدینہ منورہ نہ جاکر مکہ کی طرف واپس لوٹ آئے اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے اپنی موطا میں یہ باب قائم کیا ہے، ''باب دخول مکۃ بغیر احرام'' اور اس کے ذیل میں یہ روایت نقل کی ہے: ''أخبرنا مالك حدثنا نافع أن ابن عمر اعتمر ثم أقبل حتى إذا كان بقديد جاء ه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام'' (موطا امام محمد ۲۱۹)۔

تیسرے اور چوتھے قول کی دلیل

۱۔ حج اور عمرہ کا قصد ہو تو بغیر احرام باندھے میقات سے تجاوز ناجائز ہونے کی دلیل وہی روایتیں ہیں جن کا ذکر قول اول کے دلائل میں آچکا ہے۔

لیکن اگر حج وعمرہ کا قصد نہ ہو تو بغیر احرام باندھے، میقات سے تجاوز کے جواز کی دلیل، اس روایت کا مفہوم ہے جس میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں:

''فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحج والعمرة'' (مشكاة المصابيح باب المناسك بحواله التعليق الصبيح ۱۷۶/۳)

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حدیث کے ٹکڑے ''لمن كان يريد الحج والعمرة'' پر تحریر فرماتے ہیں: ''وفيه دلالة على أن من مر بالميقات لا يريد حجا ولا عمرة لا يلزمه الإحرام لدخول مكة كما هو الصحيح عند الشافعية'' (التعليق ۱۷۶/۳)

۲۔ ''إن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر'' (متفق عليه) وفي رواية مسلم: ''وعلى رأسه عمامة سوداء'' (التعليق ۲۶۹/۳)۔

۳۔ ''روي عن ابن عمر أنه دخلها بغير إحرام''۔

۴۔ اور اس لئے بھی مکہ مکرمہ میں احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ دو حرموں میں سے ایک ہے تو جیسے مدینہ منورہ جاتے وقت احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہوتا، اسی طرح مکہ مکرمہ میں جانے کے وقت بھی احرام واجب نہیں ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ''دلالة أحد الحرمين فلم يلزمه الإحرام لدخوله كحرم المدينة'' (المغني ۲۶۹/۳)۔

۵۔ ''لو أوجبنا الإحرام على من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرما فقط للحرج'' (المغني ۲۶۹/۳)
یعنی بار بار مکہ آنے جانے والے شخص کو اگر احرام باندھنے کا مکلف بنادیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہر وقت احرام کی حالت میں رہے اور یہ حرج کی بات ہے، اس لئے دفع حرج کے پیش نظر احرام باندھ کر جانے کی قید اٹھالی جائے گی۔

ترجیح: دلائل کی روشنی میں قول اول راجح معلوم ہوتا ہے کہ ہر مکہ جانے والے شخص پر احرام باندھ کر جانا واجب ہونا چاہئے الا یہ کہ وہ لوگ جو روزانہ آمد ورفت رکھنے پر مجبور ہوں تو رفع حرج کے پیش نظر انہیں مستثنیٰ کیا جانا چاہئے۔

۲۔ آج کی تیز رفتار تجارتی سرگرمیوں اور وسائل آمد ورفت کی کثرت وسہولت کی وجہ سے اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جاکر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا اور حجاز مقدس کے دوسرے شہروں (مدینہ منورہ وغیرہ) کے باشندوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور بار بار مکہ، جدہ اور مدینہ کے درمیان آمد ورفت کرتے ہیں، اسی طرح تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم سے باہر آمد ورفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی وقت طلب اور وقت طلب ہے، چونکہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک، حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے (خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو) احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے۔ تاہم ان جیسے حالات

میں رفع حرج کے پیش نظر ایسے لوگوں کو صرف مستثنی کیا جاسکتا ہے جن کی واقعی روزانہ آمد ورفت رہتی ہو اور وہ اس کے لئے مجبور ہوں، کیونکہ فقہائے حنفیہ نے خود، میقات کے اندر رہنے والے افراد کو بغیر احرام باندھے، مکہ میں داخل ہونے کی اجازت صرف رفع حرج کے پیش نظر دے رکھی ہے، تو یہ بنیاد جب میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے آج کل کے دور میں پائی جارہی ہے تو انہیں بھی احرام کی قید سے مستثنی کیا جانا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے (ہدایہ ار ۲۱۴)۔

علامہ عینی نے اس موقع پر شرح کرتے ہوئے یہ روایت ذکر فرمائی ہے: ''روي عن ابن عباس أنه عليه الصلاة والسلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات فدل على أنه من كان داخل الميقات'' (عینی ۲،۴۰۵) یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑہاروں (حطابین) کو مکہ مکرمہ میں بغیر احرام باندھے، داخل ہونے کی اجازت دی تھی، علامہ عینی اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ یہ امر ظاہر ہے کہ حطابین عام طور سے، میقات سے باہر نہیں جایا کرتے تھے، اس لئے اس روایت کا ماحصل یہ نکلا کہ یہ اجازت انہی لوگوں کو حاصل ہوگی جو میقات کے اندر رہتے ہوں۔ لیکن آج کے دور میں مندرجہ بالا تیز رفتار ترقی کو سامنے رکھ کر یہ کہنا مشکل نہیں کہ حطابین جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں اپنے کام کے سلسلہ میں میقات کے اندر ہی آمد ورفت رکھا کرتے تھے، ان کے بالمقابل آج کے پیشہ ور لوگ، میقات کے باہر اور اس سے کہیں زیادہ دور دراز کی مسافت میں آمد ورفت رکھتے ہیں اور اپنے پیشہ کی بقا کے پیش نظر وہ اس کے لئے مجبور بھی ہیں، اس لئے ان حالات کو سامنے رکھ کر ہر ایسے شخص کو جس کی آمد ورفت واقعی متکرر ہو اور وہ آنے جانے پر واقعی مجبور ہو تو اس کے حق میں رفع حرج کو بنیاد بنا کر احرام کی قید سے مستثنی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ دیگر فقہاء کرام کے مسلک میں اس باب میں توسع ہے۔

۳۔ مکی کے لئے قران وتمتع کا حکم

مکہ مکرمہ میں مقیم شخص، اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست نہیں ہے، یعنی مکی اور ان تمام لوگوں کے لئے جو مکی کے حکم میں ہیں، تمتع، یا قران کی گنجائش نہیں ہے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں حضرت عمرؓ کا قول لکھا ہے: ''وصح عن عمر أنه قال: ليس لأهل مكة تمتع ولا قران'' (۲،۴۲۸)۔

اور درمختار میں ہے: ''والمكي ومن في حكمه يفرد فقط'' (الدر المختار مع الشامي ۲،۲۷۰) یعنی مکی اور وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے، اسے صرف حج افراد کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن مکی اور اس کے حکم میں آنے والا شخص، اگر قران، یا تمتع کر ہی لے، جس کی اس کے لئے شرعاً گنجائش نہیں تھی، تو فقہاء حنفیہ اسے جنایت کا مرتکب گردانتے ہوئے اس کے تمتع وقران کو جواز کی حیثیت دیتے اور اس پر دم جبر واجب قرار دیتے ہیں۔ ''قال في التحفة: ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساءوا وعليهم دم الجبر'' (فتح القدير ۲،۴۲۸، رد المحتار ۲،۲۷۰)۔

مکی کے حق میں تمتع وقران کے عدم جواز کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ''ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' (سورة البقرة: ۱۹۶) (اور یہ (یعنی تمتع) اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل وعیال، مسجد حرام یعنی کعبہ کے قرب میں نہ رہتے ہوں)۔

چونکہ قران وتمتع کی مشروعیت میں یہ علت کارفرما ہے کہ آفاقی حاجی کو بجائے دو مستقل سفر کے ایک ہی سفر میں، عمرہ وحج دونوں ادا کرنے کی سہولت حاصل ہو اور اس سہولت کی حصولیابی، آفاقی حاجی ہی کی صورت میں ہوسکتی ہے، اس لئے قران وتمتع، صرف آفاقی حاجی ہی کے لئے درست ہوگا، نہ کہ مکی اور ان لوگوں کے لئے جو مکی کے حکم میں ہوں۔

ہدایہ میں ہے: ''لأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي'' (هدايه ۱،۲۴۳)۔

۴۔ یہ بات مسلم ہے کہ مکی اور مکہ میں مقیم شخص کے لئے تمتع وقران درست نہیں ہے، اور میقات کے باہر سے، مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج، یا عمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اب مکہ مکرمہ میں مقیم حضرات جو حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے میقات سے باہر گئے، پھر اشہر حج کے اندر مکہ مکرمہ واپس لوٹنے لگے تو احرام باندھ کر آنا لازمی ہے اور احرام سے حلال ہونے کے لئے ارکان عمرہ کی ادائیگی کرنی ہوگی اور اگر اس سال وہ حج بھی ادا کرلے تو ایسی صورت میں اس پر دم جنایت واجب نہ ہوگا باتفاق ائمہ اربعہ، لیکن تمتع کرنے کی وجہ سے اس پر دم تمتع عند الجمیع لازم ہوگا، ملا علی قاری مناسک میں لکھتے ہیں:

''عز بن جماعہ نے اپنی کتاب ''منسک'' میں ذکر کیا ہے کہ مکی جب اپنی بعض ضروریات کی وجہ سے کسی آفاقی علاقہ میں چلا جائے، پھر لوٹے اور اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے (اور عمرہ مکمل ادا کرلے) اور پھر اسی سال حج بھی کرلے تو اس مکی پر باتفاق ائمہ اربعہ دم لازم نہ ہوگا'' (شرح اللباب ۱۵۳)۔

یہاں جس دم کے عدم لزوم کی بات ہو رہی ہے، یہ وہ دم جبر ہے جس کا ترتب ترک سنت کے باعث ہوتا ہے، نہ کہ دم تمتع، کیونکہ دم تمتع کا لزوم بالاتفاق ہوا کرتا ہے، ہاں بعض فقہاء مثلاً حنفیہ اس کو دم شکر کہتے ہیں، اور غیر حنفی فقہاء اسے دم جبر کا نام دیتے ہیں، ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''والمراد بعدم لزوم الدم، دم الجبر المتفرع علی ترکه السنة، لأن دم المتعة، سواء کان شکرا عندنا أو جبراً عند غیرنا فهو لازم اتفاقا'' (شرح اللباب ۱۵۳)۔

مذکورہ بالا صورت میں مکی کا تمتع بالکل درست ہے، اس میں کوئی کراہت ہے اور نہ ہی کسی طرح کی جنایت جس پر دم لازم ہو، البتہ اس مکی کے تمتع کی درستگی اور صحت کے لئے ملا علی قاری نے ایک شرط لگائی ہے، وہ یہ کہ مکی کا تمتع اس وقت درست مانا جائے گا جب کہ اس کا مکہ مکرمہ سے باہر آفاق میں جانا اشہر حج سے پہلے ہوا ہو (شرح اللباب ر ۱۵۳، ۱۵۴)۔

پھر ملا علی قاریؒ اس سلسلہ میں مکی اور مکہ میں مقیم شخص کے درمیان بھی فرق کرنے کے قائل ہیں اور وہ یہ کہ مذکورہ بالا صورت میں اصل مکی شخص کے حق میں تمتع کے جواز کے قائل نہیں، (کیونکہ مکی شخص عمرہ سے فراغت کے بعد الما م صحیح کے زمرہ میں آجاتا ہے) ہاں جو شخص مکہ مکرمہ میں مقیم ہو اس کے لئے مندرجہ بالا شکل میں تمتع کی اجازت دیتے ہیں اور اس کے تمتع کو بالکل صحیح درست اور سنت کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

''ولا یبعد أن یفرق بین المکی المتوطن وبین المکی المقیم فیمتنع تمتع الأول دون الثانی'' (شرح اللباب ۱۵۳-۱۵۴)

اس مبحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص، اگر اشہر حج کے آغاز سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکل کر آفاق میں کسی جگہ چلا جائے اور ضرورت پوری کر کے اشہر حج میں مکہ مکرمہ میں واپس آئے، تو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرے اور پھر حج اسی سال کرے تو وہ یقینا متمتع ہوگا، اس پر کسی طرح کا دم جنایت واجب نہ ہوگا، بلکہ دیگر تمتع کرنے والوں کی طرح اسے بھی صرف دم شکر ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ آفاقی متمتع کے عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل مزید نفلی عمرہ کرنے کا حکم

عمرہ ایک عبادت ہے، اس کی ادائیگی کے لئے حج کی مانند شریعت نے مخصوص ایام کی تعیین وتحدید نہیں فرمائی ہے، بلکہ اس کی ادائیگی کے لئے پورے سال کے اندر صلاحیت موجود ہے، ہاں چند مخصوص ایام میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور وہ پانچ دن ہیں، یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے تین دن، بغیۃ المناسک میں مولانا حسن شاہ تحریر فرماتے ہیں: ''وتصح فی کل السنة ولکن یکره تحریما إنشاؤها بالإحرام فی خمسة أیام: یوم عرفة ویوم النحر وأیام التشریق للنهی عنها فیها'' (بغیة المناسك ۱۰۵)۔

رہا آفاقی متمتع شخص تو جب وہ عمرہ ادا کرکے حلال ہو جائے گا اور پھر حج تک وہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے گا تو دوسرے اشخاص کی مانند حج سے پہلے نفلی طواف اور نفلی عمرہ ادا کرسکتا ہے۔ علامہ شامیؒ درمختار کی عبارت: ''أقام بمکة حلالا (أی المتمتع)'' کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ''أفاد أنه یفعل ما یفعله الحلال فیطوف بالبیت ما بدا له ویعتمر قبل الحج'' (شامی ۲، ۲۶۸، البحر الرائق)۔

ابوبکر جصاص رازی نے حضرت عمرؓ کا ایک اثر ابن عباس کی روایت سے نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کے تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے: ''عن ابن عباس ﷺ قال وسمعت عمر یقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت ثم حججت لتمتعت'' (أحکام القرآن للجصاص الرازی ۱، ۲۸۵)۔

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد گرامی اس پس منظر میں ہے جب کہ ایام جاہلیت میں اشہر حج کے اندر عمرہ کرنا افجر الفجور تصور ہوتا تھا۔

دو عمروں کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہئے

اس سلسلہ میں علماء امت کے مختلف اقوال ہمیں ملتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک ایک سال میں صرف ایک مرتبہ عمرہ کیا جاسکتا ہے، یہ قول حسن بصری، ابن سیرین، امام مالک اور امام نخعی کا ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/۲۲۶)۔

۲۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت اور دیگر علماء امت اس بات کے قائل ہیں کہ سال کے اندر عمرہ کی تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ قول حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس، انس، عائشہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عطاء، طاؤس، عکرمہ اور امام شافعی سے مروی ہے۔

۶: الف۔ عمل رمی میں نیابت

رمی چونکہ مناسک حج میں سے ایک نسک ہے اس لئے جس طرح تمام افعال حج کو بشرط صحت وعدم مجبوری ومعذوری حاجی خود ادا کرے گا، ایسے رمی بھی خود ادا کرنی ہوگی، بغیر معذوری کے خود سے نہ کرنا درست نہیں، لیکن مجبوری اور معذوری کی حالت میں نیابت جائز ہوگی، علماء کرام نے عمل رمی کی ادائیگی اور صحت کے لئے دس شرائط بیان کی ہیں، منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حاجی رمی خود کرے (بغیۃ المناسک ر ۱۰۰)۔

مجبور ومعذور کے لئے عمل رمی میں نیابت کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ''وعن جابر ﷺ قال: حججنا مع رسول اللہ ﷺ ومعنا النساء والصبيان فلبينا عن الصبيان ورمينا عنهم'' (رواه احمد و ابن ماجه بحواله فقه السنة لسيد سابق ۱،۶۲۳)۔

ب۔ رمی میں نیابت ہوسکتی ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، لیکن اس کی اجازت صرف معذور اور مریض تک محدود ہوگی۔ ''وتجوز (النيابة) عند العذر'' (بغية المناسك ۱۰۰)۔

واضح ہو کہ عمل رمی کی حیثیت وجوب کی ہے اور واجب کا ترک بغیر عذر صحیح نہیں، لیکن اگر کوئی معذوری ومجبوری میں ترک کرے تو اس پر کوئی دم لازم نہ ہوگا ''لو ترك شيئا من الواجبات لعذر لاشئ فيه'' (بغية المناسك ۱۲۸) اور عذر سے مراد وہ عذر ہوگا جو منجانب اللہ ہو، چنانچہ اگر عذر من جانب العباد ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا جیسے کسی کے جبر واکراہ کے باعث، کوئی اگر کسی محظورات احرام کا ارتکاب کرلے تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا مثلاً کسی کے دباؤ اور اکراہ کے نتیجہ میں بحالت احرام، خوشبو لگالے یا لباس پہن لے تو دم واجب ہوگا (حوالہ سابق)۔

مجبوری ومعذوری کی تحدید

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معذوری ومجبوری کی حد کیا ہوگی جس کے باعث نیابت عمل رمی میں جائز ہوسکتی ہو تو اس کی تحدید فقہاء کرام کے یہاں ہمیں ملتی ہے:

''مریض اور معذور کی حد یہ ہے کہ وہ اتنا کمزور اور بیمار ہوجائے کہ نماز بیٹھ کر ہی پڑھ سکتا ہو، کیونکہ ایسا شخص نہ تو سوار ہو کر رمی کرسکتا ہے اور نہ اس صورت میں وہ رمی کرسکتا ہے کہ اسے دوسرا شخص لاد کر رمی تک لے جائے، یا تو اس کے لئے عمل رمی بالکل دشوار ہوچکا ہو، یا یہ کہ وہ رمی کسی طرح کرسکتا ہے لیکن اس رمی کی وجہ سے اسے ضرر اور نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ ہے'' (بغیۃ المناسک ر ۱۰۰)۔

چنانچہ اگر مریض کو لاد کر مرمی تک لے جایا جاسکتا ہے اور وہ وہاں محمولاً پہنچ کر بدون الم شدید کے رمی کرسکتا ہے اور اس عمل رمی کی وجہ سے اس کے مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہے اور نہ صحت یابی میں تاخیر کا خدشہ، تو ایسے مریض اور معذور کے لئے عمل رمی میں نیابت درست نہ ہوگی (حوالہ سابق)۔

ہاں اگر ایسا شخص کسی سہارا اور مدد دینے والے کو نہ پاتا ہو تو اس وقت اس مریض کے لئے نیابت جائز ہوسکتی ہے: ''إلا أن لا يجد من يحمله'' (بغية المناسك ۱۰۰)۔

ازدحام کے خوف سے رمی میں نیابت کا حکم

اگر حاجی اس قدر کمزور، ضعیف یا سن رسیدہ ہے کہ اسے یہ خوف لاحق ہے کہ اگر میں خود جا کر بھیڑ میں رمی کروں تو جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے عمل رمی میں نیابت جائز ہوسکتی ہے اس طرح کا فتویٰ ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمی نے دیا ہے (ملاحظہ ہو: فتاویٰ نظامیہ ۱/۱۹۱)۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر

حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے، بغیۃ المناسک میں ہے:

''ويتحقق بكل حابس يحبسه ولو بمكة بالاتفاق بين أئمتنا على الأصح كالكسر والعرج والقرح ومنع السلطان'' (ص۱۶۶) (اور احصار کا تحقق ہر ایسے روکنے والے کے ذریعہ ہوجائے گا جو حاجی کو اعمال حج کی ادائیگی سے روک دے، اگرچہ یہ روکنا مکہ مکرمہ میں ہی کیوں نہ ہو اور یہ حکم صحیح مسلک کے اعتبار سے ہمارے ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے، حابس کی مثال یہ ہے کہ حاجی کسی حادثہ کا شکار ہو کر لنگڑانے لگے، یا اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جائے، یا زخمی ہوجائے، یا یہ کہ بادشاہ وقت آگے بڑھنے یا حج ادا کرنے سے روک دے)۔

چونکہ صورت مسئولہ منع السلطان کے ذیل میں آتی ہے، اس لئے اس پر احصار کا اطلاق ہوگا، ہاں اگر وہ جس راستہ اور چیک پوسٹ پر پکڑا گیا ہے اور واپس بھیج دیا گیا ہے، اس راستہ کے علاوہ کوئی راستہ مکہ مکرمہ جانے والا اختیار کرسکتا ہے، اگرچہ وہ راستہ طویل کیوں نہ ہو، تو اس صورت میں احصار نہ ہوگا، جیسا کہ آج کل سعودیہ کے مقیم لوگوں میں یہ بات مشہور ومعروف ہے کہ عام ڈرائیور چونکہ مین روڈ ہی سے گذر کر مکہ مکرمہ جایا کرتے ہیں اور عام طور پر چیک پوسٹ مین روڈ پر ہی ہوا کرتے ہیں جہاں سے گذر کر بے اجازت جانے والوں کا پکڑا جانا تقریباً یقینی ہوا کرتا ہے، تاہم اس آڑے وقت میں اس کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے کچھ دوسرے ڈرائیور اس طرح کا احرام باندھنے والوں کا تعاون کرنے کیلئے آمادہ اور تیار ہوتے ہیں اور وہ انہیں غیر معروف اور طویل راستوں سے گذار کر مکہ مکرمہ پہنچا دیا کرتے ہیں، تو اس طرح کے محرمین کے لئے ان جیسی صورتوں کے ہوتے ہوئے اول وہلہ میں احصار کا تحقق نہ ہوگا۔

محصر کا احرام کس طرح ختم ہوگا اور اسے کیا کیا کرنا ہوگا

جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا پھر وہ محصر ہوگیا، تو جب وہ احرام سے حلال ہونا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنا نائب یا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ ہدی کا جانور حدود حرم میں بھیجے، وہ نائب یا وکیل اس ہدی کے جانور کو اپنے موکل کی طرف سے حدود حرم میں ذبح کرے، نیز موکل کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ وہ وکیل سے کسی خاص دن اور وقت کا تعین کرلے کہ اسی دن اور وقت میں وہ جانور ذبح کرے گا، تاکہ موکل کو اپنے حلال ہونے کے وقت کا علم رہے (شرح اللباب ر۲۳۶)۔

محصر اگر قارن ہے تو اسے ہدی کے دو عدد جانور بھیجنے ہوں گے، ''ولو كان المحصر قارنا بعث بهديين'' (شرح اللباب ر۲۳۷)۔

اگر محصر نے حج افراد کا احرام باندھا تھا اور احصار کے بعد حلال ہوگیا تو اسے آئندہ ایک حج اور ایک عمرہ کرنا ہوگا۔

اگر محصر عمرہ کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسے صرف ایک عمرہ بعد میں کرنا ہوگا اور اگر محصر قران کا احرام باندھا تھا اور وہ حلال ہوگیا ہے، تو اس کے ذمہ ایک حج اور دو عمرہ کرنا ہوگا جیسا کہ فقہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے: ''إن حل من حج، حج وعمرة، ومن عمرة عمرة، ومن قران حج وعمرتان'' (شرح الوقایہ ۱.۲۸۶)۔

اگر مفرد بالحج احصار کی وجہ سے حلال ہوگیا، پھر اس کا احصار زائل ہوگیا اور اس نے اسی سال نیا احرام باندھ کر حج بھی کرلیا تو اسے قضا نہ حج کی کرنی ہے اور نہ اس پر عمرہ کرنا لازم ہے، لیکن امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے حج اور عمرہ دونوں کرنا ہوگا اور قضا کی نیت بھی لازم ہوگی (عینی شرح ہدایہ ۲ر ۱۵۹۴)۔

اگر حج نفل کی صورت میں احصار ہوا ہے تو اس پر حج اور عمرہ کی قضا واجب ہوگی ''المحصر بالحج النفل يجب عليه قضاء حجة وعمرة'' (عینی شرح ھدایہ ۲.۱۵۹۲)۔

محصر ہدی کا جانور حدود حرم میں بھیجنے کے بعد کہاں رہے

جب محصر ہدی کا جانور بھیج دے تو اسے اس جانور کے ذبح ہونے تک احصار والی جگہ میں ٹھہرنا واجب نہیں، بلکہ وہ اپنے اہل وعیال میں بھی لوٹ سکتا ہے یا کہیں اور جانا چاہے تو جاسکتا ہے، لیکن ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت اختیار کرے اسے ہر حال میں جانور کے ذبح ہونے تک حالت احرام میں باقی رہنا ہوگا (شرح اللباب ر۲۳۹)۔

محصر کو ہدی کے جانور کے ذبح ہوجانے کے بعد اپنے احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق کرانا ضروری نہیں ہے۔

محصر کو جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کا وکیل جانور ذبح کر چکا ہوگا، تو اسے اپنے احرام سے نکلنے کے لئے حلق کرانا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ ممنوعات احرام میں سے اگر کوئی عمل کرے گا تو حلال ہو جائے گا، لیکن محض ہدی کے جانور کے ذبح ہو جانے سے وہ احرام سے باہر نہیں نکل سکتا، محصر کو حلال ہونے کے لئے گرچہ حلق کرانا واجب تو نہیں تاہم وہ اگر حلق یا قصر کے ذریعہ حلال ہو تو یہ امر مستحسن اور جائز ہوگا (دیکھئے: شرح اللباب ۲۴۱)۔

دم احصار میں کون سا جانور کفایت کرے گا

دم احصار کے طور پر جو جانور محصر کو بھیجنا واجب ہوتا ہے اس میں بدنہ یا گائے کا ساتواں حصہ کفایت کرسکتا ہے اور مکمل ایک بکری بھی کافی ہوسکتی ہے، یہ جمہور صحابہ اور فقہاء کا مسلک ہے۔

لیکن حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ دم احصار میں بکری کفایت نہیں کرے گی۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے: ''الهدی بسبع بدنة أو بقرة أو شاة بكمالها وهو قول الجمهور وعن عائشة وابن عمر: لا تجزيه الشاة'' (۲٫۱۵۹۳)۔

دم احصار کے ذبح ہونے کے لئے زمان ومکان کی قید ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک دم احصار خواہ حج کی طرف سے ہو یا عمرہ کی طرف سے، اس کا ذبح ہونا حدود حرم کے اندر متعین اور واجب ہے، لیکن دیگر ائمہ مثلاً امام مالک اور امام شافعی حج اور عمرہ دونوں میں اور امام احمد صرف عمرہ میں اس کے قائل ہیں کہ وہ شخص جہاں محصور ہوا ہے وہیں ہدی کا جانور ذبح کرے گا (عینی ۲٫۱۵۹۱)۔

رہا دم احصار میں وقت کا تعین تو فقہاء حنفیہ کا اتفاق ہے کہ عمرہ کے دم احصار کا یوم النحر میں ذبح ہونا لازم نہیں، بلکہ اس سے قبل بھی اس کا ذبح جائز ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا حج کے دم احصار میں ہے، لیکن صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ حج کا دم احصار یوم النحر میں ہی ذبح کیا جانا چاہئے (حوالہ سابق)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب

یہ بات واضح ہے کہ حاجی کو یوم النحر میں کل چار واجب کام انجام دینے ہوتے ہیں: رمی، ذبح، حلق اور طواف زیارت، عینی میں ہے: ''واعلم أنه يفعل في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي والنحر والحلق والطواف'' (۲٫۱۵۴۲)۔

ائمہ مسالک کا باہم اختلاف ہے کہ ان امور میں ترتیب ملحوظ رکھنا واجب ہے یا مسنون؟

پہلا قول: امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا ایک قول: ان چاروں امور میں سے پہلے تین امر، رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے اور یہ وجوب قارن اور متمتع کے لئے ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة: الرمي ثم الذبح ثم الحلق'' (۲٫۲۸۶)۔

چونکہ مفرد بالحج کے ذمہ ذبح لازم نہیں اس لئے مفرد بالحج کے لئے صرف دو امر یعنی رمی اور حلق کے درمیان ترتیب لازم ہے، شامی میں ہے: ''لكن المفرد بالحج لا ذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والذبح فقط'' (۲٫۲۸۶)۔

دوسرا قول: صاحبین اور امام شافعی کا دوسرا قول: ان چاروں امور میں ترتیب مستحب ہے، اگر قارن یا متمتع نے حلق کو ذبح پر مقدم کر دیا تو ان حضرات کے نزدیک یہ فعل درست ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن اگر حلق کو رمی پر مقدم کر دیا تو امام شافعی کے نزدیک دم واجب ہوگا: ''وعلى قول آخر للشافعي مستحب أما لو قدم الحلق على النحر جاز ولا يجب شئ عنده قولا واحدا وكذا عندهما ولو قدمه على الرمي لزمه دم عند الشافعي'' (عینی ۲٫۱۵۴۲)۔

تیسرا قول: امام احمد کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں سے اگر کسی کو دوسرے پر سہوا یا جہالۃ مقدم کر دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں اور اگر ایسا عمداً کیا ہو تو امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں یعنی ایک روایت میں دم واجب ہوگا، دوسری روایت میں دم کا وجوب نہیں ہوگا (عینی ۲٫۱۵۴۲)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان امور کے درمیان تقدیم وتاخیر سہواً و جہالۃً دونوں حالتوں میں موجب دم ہے اور یہ قول امام زفر اور امام مالک کا بھی ہے (عینی ۲٫۱۵۴۲)۔

تقدیم وتاخیر کی صورت میں صاحبین کے نزدیک کچھ واجب نہیں (عینی ۲/۱۵۴۲)۔

احناف کے مفتی بہ قول میں ترتیب کو واجب کہا گیا ہے اور ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہونے پر دم لازم قرار دیا گیا ہے، دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کرام کے بے پناہ ازدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے اور سواری نہ ملنے کے باعث حجاج بالخصوص ضعیف اور معذور حجاج کیلئے خود مذبح جاکر قربانی کرنا انتہائی دشوار اور مشکل ہوگیا، اس لئے حجاج عام طور پر قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالہ کرکے فارغ ہوجاتے ہیں جو حجاج کی طرف سے نیابۃً قربانی کا نظم کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے اس کے مجاز ہیں۔ قربانی کا نظم کرنے والے ان اداروں کے ذمہ داروں کے مسلک میں ترتیب واجب نہیں، اس لئے یہ لوگ بسا اوقات ترتیب کا خیال نہیں کرتے۔ ان حالات میں اگر رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب قائم نہ رہ سکے تو مفتی بہ قول کے مطابق تو دم کا لزوم ہوگا۔ حجاج کرام کو ان اداروں کے ذمہ داروں سے وقت مقررہ پر ذبح کرنے کی تاکید کرنی چاہئے اور احتیاطاً ان اداروں کے ذمہ داروں کے بتائے اور متعین کئے ہوئے وقت ذبح کے کافی بعد حلق کا عمل اختیار کرنا چاہئے لیکن ان ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود اگر تقدیم وتاخیر ہو ہی جائے تو اس مسئلہ میں فقہ حنفی کے قول مرجوح یعنی صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، بالخصوص جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام نے یوم النحر میں تقدیم وتاخیر کے سلسلے میں سوالات فرمائے تو آپ کا سب کو ایک ہی جواب تھا "لاحرج"۔ مشکوۃ میں یہ روایت ہے:

"عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ وقف فی حجة الوداع بمنیٰ للناس یسألونه فجاء ہ رجل فقال: لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح فقال: إذبح ولا حرج فجائه آخر فقال: لم أشعر فنحرت قبل أن أرمی فقال: ارم ولا حرج فما سئل النبی ﷺ عن شئ قدم وأخر إلا قال افعل ولا حرج" (متفق علیہ بحوالہ التعلیق الصبیح ۲.۲۲۲)

صحابہ کرام کے استفتاء کے جواب میں آپ کا "لاحرج" فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں اور نہ ہی ترتیب کے چھوٹنے پر دم واجب ہے، کیونکہ اگر "لاحرج" سے مراد صرف رفع اثم ہوتا اور دم کا وجوب باقی رہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دم کے واجب ہونے کو بالتصریح بیان فرماتے کیونکہ "تأخیر البیان عن وقت الحاجة" درست نہیں۔ ہمارے اس خیال کی تائید امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے کلام سے ہوتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"وأفتی فیمن حلق قبل أن یذبح أو نحر قبل أن یرمی أو رمی بعد ما أمسیٰ أو أفاض قبل الحلق أنه لا حرج ولم یأمر بکفارة والسکوت عند الحاجة بیان ولیت شعری هل فی بیان الاستحباب صیغة أصرح ولا یتم التشریع إلابیان الرخص فی وقت الشدائد" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲.۶۵)۔

شاہ صاحب نے بالکل وضاحت ہی فرمادی کہ استحباب کے بیان کے لئے لاحرج سے زیادہ کون سا صریح صیغہ ہوسکتا ہے، نیز یہ کہ دم کا حکم نہ دینا، اس کے عدم وجوب کے لئے کھلا ہوا بیان ہے۔

۹۔ آج عام طور پر معروف حج تمتع ہے، افراد، یا قران شاذونادر ہے، تاہم ایسی صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔

اولاً تو اس وجہ سے کہ تمتع کا عام طور پر معروف ومشہور ہونا یہ ہمارے جیسے دور دراز ملکوں کے باشندوں کے لئے ہے، لیکن جو حضرات مکہ مکرمہ کے قرب وجوار، یا سعودی کے متصل ملکوں میں رہتے ہیں ان کے لئے حج کی ساری صورتیں قابل عمل اور معروف ومشہور ہیں، اس لئے صرف کسی خاص علاقہ کے رہنے والوں کا عرف شرعاً معتبر نہ ہوگا، کیونکہ فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے: "التعارف الذی تثبت به الأحکام لاتثبت بتعارف أهل بلدة واحدة" (الأشباہ والنظائر ۱۲)۔

دوسرے اس وجہ سے کہ جو شخص صرف مامور بالحج ہوتا ہے، اس کے لئے حج کے علاوہ عمرہ کرنا درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آئے گی اور حج عن الغیر کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط عدم مخالفۃ الآمر بھی ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"فإن المأمور بالحج لیس له أن یحرم بعمرة أی لأنه إذا اعتمر ثم أحرم بالحج یصیر مخالفا فی قولهم کما فی

التاتارخانیة'' (۲،۲۲۱)۔

الف۔ حج فرض میں نیابت کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ نے تقریباً ۲۰ شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مامور سفر کو مامور بہ ہی کے لئے خاص رکھے، مثلاً اگر آمر نے حکم دیا ہے حج کرنے کا تو مامور مکہ مکرمہ جا کر سیدھے حج ادا کرے، اگر حج سے پہلے عمرہ کرے گا تو یہ سفر عمرہ کے لئے مانا جائے گا نہ کہ حج کے لئے، ان شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مامور بالحج کو میقات آمر سے احرام باندھنا ہوگا اور ایک شرط عدم مخالفۃ ال آمر کی بھی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

چنانچہ پہلی دو شرطوں کی روشنی میں حج بدل کرنے والے کو تمتع کی گنجائش نہیں نکل سکتی اگر اجازت دیدے تو مامور قران یا تمتع کر سکتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ باذن ال آمر کی صورت میں عدم مخالفت آمر کی بنا پر اس کا قران و تمتع کرنا جائز ہوگا۔ غنیۃ المناسک میں ہے: ''إن الأمر بالحج تضمن الآمر بأمور، بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبركوب أكثر الطريق ويجعل السفرله و بإفراد السفر له و بإحرامه من الميقات وكذا لو أمره بالعمرة فلو أحل بواحد فهو مخالف إلا إذا وجد الإذن'' (۱۶۹)۔

لیکن باذن ال آمر کی صورت میں عدم مخالفت تو پائی گئی باقی اور شرطیں، مثلاً ''إفراد السفر له'' اور ''إحرامه من الميقات'' وغیرہ کا فقدان رہا اور چونکہ بروئے مذہب، حج بدل میں حج کا میقاتی ہونا شرط ہے، اس لئے آمر کی اجازت کے باوجود تمتع کرنے سے مامور بالحج کو احتراز کرنا ہوگا کہ اسی میں احتیاط کا پہلو ہے۔

اردو فتاوی میں مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوری نے تحریر فرمایا ہے کہ احوط اور ارجح یہ ہے کہ اجازت کے باوجود تمتع کا احرام نہ باندھا جائے (فتاوی رحیمیہ ۲ / ۶۰)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے فتاوی مظاہر علوم میں بڑی طویل گفتگو فرمائی ہے اور آمر کی اجازت کے بعد تمتع کے جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے اور اس کی تصویب حضرت تھانویؒ نے بھی فرمائی ہے (فتاوی مظاہر علوم ۱ / ۹۱) لیکن یہ فتوی جب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس فتوی کی مخالفت فرمائی اور عدم جواز تمتع کی بات تحریر فرمائی۔ مولانا خلیل احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''میری رائے حج عن الغیر کے جواز کی نہیں ہے اور جو عبارتیں آپ نے (مولانا ظفر صاحب) تمتع کے استدلال جواز میں لکھی ہیں اور جو عبارتیں اس قسم کی اور پائی جاتی ہیں میرے نزدیک اس مدعا کے لئے مفید نہیں'' آگے لکھتے ہیں ''بروئے مذہب حج عن الغیر ادا ہونے کے لئے حج میقاتی ہونا شرط ہے تو پھر جواز تمتع کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا، ملا علی قاری اپنی مناسک میں ماتن کا قول نقل کرتے ہیں:

''وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا'' ملا علی قاری اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وفيه أن هذا القيد سهو ظاهر إذ التفويض المذكور في كلام المشائخ مقيد بالإفراد والقران لا غير'' (فتاوی مظاهر علوم ۱،۹۱) (مولانا خلیل احمد کی بات یہاں مکمل ہوئی)۔

ملا علی قاری کی مندرجہ شرح والی عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملا سندی نے لباب میں تفویض کے ضمن میں ''متمتعا'' کی جو صراحت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ ان کا سہو ہے کیونکہ مشائخ کے کلام میں جو تفویض کی عبارت ملتی ہے اس میں صرف افراد اور قران کی تفویض ہے نہ کہ تمتع کی۔ چنانچہ ملا علی قاری نے اس کے بعد کلام المشائخ سے وہ عبارت نقل کی ہے جس میں تفویض مقید بالقران والإفراد ہے (ملاحظہ ہو: شرح اللباب ص ۲۶۰)۔

اس کے بعد ملا علی قاری نے فتاوی قاضی خاں کی ایک عبارت نقل کی ہے جس سے حج عن الغیر کی صورت میں تمتع کے جواز کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا، اس لئے ملا علی قاری نے اسے ذکر کر کے پیدا ہونے والی غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وأما ما في فتاوى قاضي خان من التخيير بحجة أو عمرة أو حجة أو بالقران فلا دلالة على جواز التمتع إذ الواو لا تفيد الترتيب فيحمل على حجة و عمرة بأن يحج أولا عنه ثم يأتي بعمرة له أيضا فتدبر فإنه موضع خطر'' (شرح اللباب ۲۶۰)۔

فتاوی قاضی خاں کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ حج عن الغیر میں آمر، مامور کو اختیار دے کہ یا تو حج کرلو، یا عمرہ اور حج کرلو، یا قران کرلو (عمرۃ وحجۃ)

سے تمتع کی گنجائش نہیں نکل سکتی کیونکہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے نہ کہ ترتیب کے لئے، اس لئے اس کو "حجة وعمرة" پر محمول کیا جائے گا، یعنی مامور پہلے آمر کی طرف سے حج ادا کرلے پھر آمر کی طرف سے عمرہ بھی ادا کرے، ملا علی قاری نے آگے یہ جملہ بھی بڑھا دیا: "فتدبر فإنه موضع خطر" جس سے اشارہ مقصود ہے کہ قاضی خاں کے ظاہر کلمات سے کوئی جواز مستنبط نہ کرے، چنانچہ انہوں نے اس کو پرخطر مقام قرار دیا۔

ب۔ اوپر کے پورے مبحث کی روشنی میں ظاہر ہے یہی کہا جائے گا کہ آمر کی صریح اجازت کے بعد بھی تمتع نہ کرنا ہی احوط وارجح ہے۔

ج۔ آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی لیکن حج بدل کرنے والے کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دے گا۔ اس صورت میں بھی تمتع نہ کرنا ہی احوط وارجح ہوگا کیونکہ جب صراحۃً اجازت ہونے کی صورت میں احوط وارجح عدم جواز تمتع ہے تو ظن غالب کی صورت میں گو احکام وہی ہوا کرتے ہیں جو یقین کی صورت میں، پھر بھی یہاں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تمتع نہ کیا جائے۔

د۔ اگر مامور بالحج، خلاف احوط وارجح باذن الآمر تمتع کرہی لے تو دم تمتع مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا اور اگر بدون اذن الآمر تمتع کیا ہے تو اس صورت میں مخالفت آمر کی بنا پر پورے حج کے نفقہ کا بھی ضامن ہوگا اور دم تمتع تو ہر حال میں مامور کو اپنے مال سے ادا کرنا ہوگا۔

"ولو أمره بأن يحج عنه، فاعتمر ضمن لأنه خالف ولو اعتمر ثم حج من مكة يضمن النفقة" (بدائع ۲/۲۱۴)۔

اور دم تمتع، مامور کے مال سے ہوگا، اس سلسلہ میں درمختار کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا يصير مخالفا" (درمختار مع الشامی ۲/۲۳۸)۔

ھ۔ حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت کے بعد بھی احوط وارجح یہی ہے کہ وہ تمتع نہ کرے، لیکن حج بدل کرنے والا جسے حکومت کے نظم وقانون کے تحت ایام حج سے بہت پہلے حج کا سفر کرنا پڑتا ہے اور اس صورت میں اسے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا گو دشوار ہو تو اس کے لئے فقہاء کرام نے حیلہ شرعی پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے:

مامور بالحج طول احرام سے بچنے کے لئے اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف سے نہ آمر کی طرف سے اور بغیر احرام باندھے چند روز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ چلا جائے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے، صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا ہے اور حج کا وقت آنے پر جدہ آکر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

یہ حیلہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے مامور بالحج کے طول احرام سے بچنے کے لئے تحریر فرمایا ہے (فتاوی مظاہر العلوم ۱/۹۰، تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲/۲۱۱)۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع نہ کرنا احوط وارجح ہوگا، اس لئے کہ اگر میت پر حج فرض تھا تو حج بدل کرنے والا صرف حج ہی کرے نہ کہ تمتع، تاکہ اس کا حج آفاقی ہو سکے اور سفر صرف مامور بہ کے لئے، یہ اسی وقت ہو سکے گا جب کہ وہ پہلے عمرہ نہ کرے، اگر وہ عمرہ کرلیتا ہے تو اس کا سفر عمرہ ہی کے لئے مانا جائے گا گو بعد میں وہ حج کرلے، کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے: "أن الأمر بالحج تضمن الآمر بأمور بالحج بنفسه ومن بلده وبماله وبركوب..." (بغية المناسك ص ۱۷۹)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر میت نے حج کی وصیت کی ہے اور اس کے پاس مال بھی موجود ہے تو اس کی یہ وصیت اور اس کا یہ امر بالحج بھی چندان امور کو متضمن ہوگا جن کا ذکر مذکورہ بالا عبارت میں ہوا، حج بدل کرنے والے کے لئے جو میت کی وصیت اور اس کے امر بالحج کی تنفیذ کے لئے جارہا ہے، اسے بھی ان مذکورہ بالا امور کا جن کا ذکر "بغية" کی عبارت میں ہوا ہے، خیال رکھنا ضروری ہوگا، اگر ان میں سے کسی بھی امر میں خلل ہوگا تو مخالفت آمر کا تصور ناگزیر ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع نہ کرنا احوط وارجح ہوگا۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کا حکم

حج کرنے والی عورت حیض ونفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کرسکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے، کیونکہ اس کا ویز نہیں بڑھ پا رہا ہے، یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے، یا نفقہ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر انتظار کرنا مشکل ہے، اگر وہ طواف زیارت کئے بغیر وطن واپس چلی جاتی ہے تو اس کا حج ترک رکن کی وجہ سے نامکمل رہے گا، دوبارہ اس کا وطن سے واپس آ کر طواف زیارت کرنا نا قابل عمل ہے، کیونکہ اس میں استطاعت نہیں یا قانونی رکاوٹیں واپس آنے میں حائل ہیں۔

الف۔ ان امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے بھی اس عورت کے لئے شرعاً حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ حالت حیض وغیرہ میں طواف زیارت کی حرمت دو امور کی وجہ سے ہے، ایک تو اس کے لئے اس حالت میں دخول مسجد جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ طواف کے لئے طہارت واجب اور شرط ہے، بغیر طہارت کے طواف جائز نہیں ہوسکتا (فتح القدیر شرح ہدایہ ۲/ ۴۳۸)۔

ب۔ اگر عورت حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کر ہی لے باوجود یکہ وہ منہی عنہ ہے، وہ طواف لازم الاعادہ ہوگا، اگر اعادہ نہ کرسکی تو اس پر دم جنایت کے طور پر بدنہ ذبح کرنا ہوگا اور اس طرح اس کا حج مکمل ہو جائے گا، علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں: ''فإن طافت، كانت عاصية لعقاب الله تعالى ولزمها الإعادة فإن لم تعد، كان عليها بدنة وتم حجها'' (فتح القدير ۲،۴۳۸، رد المحتار ۲،۲۵۲)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے گی تو گنہگار ہوگی، لیکن اس کا رکن فرض ادا ہو جائے گا اور اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

ج۔ حالت ناپاکی میں طواف زیارت کرنے کی صورت میں بدنہ کا ذبح واجب ہوگا، بکرا نا کافی ہوگا، درمختار میں ہے: ''وتجوز الشاة (في الحج) في كل شئ إلا في طواف الزيارة (جنبا) أو حائضا'' (در مختار مع الشامی ۲،۲۴۳)۔

د۔ دم کی ادائیگی اور جانور کا ذبح ہونا حرم مکی میں ضروری ہے، حرم مکی کی حدود سے باہر یا اپنے مقام پر اس دم کا ادا کرنا صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے: ''ويتعين الحرم للكل'' (در مختار مع شامی ۲،۲۴۴)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اگر انتقال ایسے مقام پر ہوا ہے کہ وہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت مدت سفر جتنی ہے اور اس کا شہر خواہ مدت سفر کی مسافت سے کم پر ہو یا زیادہ پر، لیکن اس عورت کے لئے اس مقام میں یا اس سے کسی قریبی مقام میں ٹھہرنا ممکن ہو تو یہ عورت کے حق میں احصار ہوگا اور اس وجہ سے وہ آگے مکہ مکرمہ نہیں جاسکتی اور نہ ہی وہ عمرہ یا حج کرسکتی ہے۔

اور اگر اس کے برعکس صورت ہو، یعنی مقام موت زوج اور مکہ مکرمہ کے درمیان کی مسافت مدت سفر کی مسافت سے کم ہے، یا یہ کہ شوہر کا انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا ہو تو اس صورت میں عورت پر احصار کا حکم نہ لگے گا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عورت تمام اعمال حج وعمرہ انجام دے سکے گی (بغیۃ المناسک / ۱۶۷، شرح اللباب / ۲۴۳، شامی ۲/ ۳۲۰)۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنی مدت پہلے مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو اگر مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں میں اقامت کی مدت مجموعی طور پر ۱۵ روز ہو جاتی ہے تو وہ مقیم شمار ہوگا، کیونکہ اب مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھ کر منیٰ سے متصل ہو چکی ہے اور مکہ مکرمہ اور منیٰ دونوں دو جگہ متصور نہیں ہوتیں، بلکہ دونوں کو ایک ہی جگہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ منیٰ اب مکہ ہی کا ایک محلہ بن چکا ہے چنانچہ منیٰ کا علاقہ حی العزیزیۃ کے ذیل میں آتا ہے، بلدیہ بھی ایک ہے اس لئے منیٰ کو اب مکہ مکرمہ سے الگ اور علیحدہ تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں دو علیحدہ شہروں اور مستقلاً دو مختلف مقامات پر ملا کر مجموعی طور پر اگر ۱۵ یوم اقامت کی نیت ہو تو وہ شرعاً مقیم نہ ہوگا جیسا کہ ماضی میں منیٰ اور مکہ مکرمہ کا یہی حکم تھا، لیکن اب حالات کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آچکی ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دو مختلف جگہوں میں مجموعی طور پر ۱۵ یوم اقامت کی نیت کرتا ہے تو وہ مقیم نہ ہوگا، بلکہ مستقلاً ایک شہر میں پندرہ یوم کی اقامت کی نیت ضروری ہے، ہاں پندرہ یوم اقامت کی نیت دو ایسی جگہوں میں کرے کہ ان میں ایک جگہ اصل ہو اور دوسری اس کے تابع

اور ماتحت، تو اس صورت میں دونوں میں ملا کر بھی مجموعی مدت اقامت اگر پندرہ یوم ہو جاتی ہے تو یہ نیت اقامت معتبر ہوگی اور وہ شخص مقیم ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ''وفی المفید والتحفة هذا إذا كان كل واحد منهما أصلا كمكة ومنى أو كالكوفة والحيرة فإذا كان أحدهما تبعا للآخر بأن نوى الإقامة فى المصر و فى موضع آخر تبع لها وهوما يلزم ساكنيه حضور الجمعة يصير مقيما لأنهما مكان واحد'' (عینی شرح الهدایه ۲.۹۷۵)۔

علامہ عینی نے اگرچہ مکہ و منیٰ دونوں کو دو مستقل جگہ شمار کیا ہے، لیکن یہ اس زمانہ کے اعتبار سے تھا، آج کل کے حالات میں منیٰ چونکہ مکہ مکرمہ کے تابع ایک محلہ بن چکا ہے، اس لئے اب دونوں جگہیں ایک ہی مقام کے حکم میں ہوں گی۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں، نیز سعودیہ میں مقیم حنفیہ کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتدا کا ہے کہ بلادِ عرب میں عموماً وتر کی تینوں رکعات فصل کے ساتھ یعنی دو رکعات پر سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، تو اب دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنے مذہب کی رعایت میں مسجد و حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر ایسا آدمی وتر کی نماز تنہا ادا کرے، یہ صورت مناسب نہیں معلوم ہوتی، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کی اقتدا میں وتر ادا کرے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں میں سے دوسری صورت اختیار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں حرمین کی جماعت اور مجمع کی رعایت میں امام مسجد کی وہ اقتدا کرے گا، جیسا کہ حرمین کی جماعت اور مجمع کی رعایت ہی میں وہ عصر کی نماز مثل اول پر ادا کرتا ہے اور وتر میں وہاں کے امام مسجد کی اقتدا کی اجازت بعض فقہاء حنفیہ نے دی بھی ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

''وجوزه أبوبكر الرازى ويصلى معه بقية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده'' (۲.۳۹)۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر رازی نے اقتدا کی اجازت دی ہے اور درمیان وتر میں سلام پھیرنے کے بعد بھی حنفی مقتدی اپنی بقیہ نماز وتر (یعنی ایک رکعت) امام کی اقتدا میں پوری کرے گا، کیونکہ درمیانی سلام کی وجہ سے اس کا امام نماز سے باہر نہیں ہوتا، اس لئے گویا اس نے مکمل نماز بغیر فصل کے ہی ادا کر لی۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری[1]

۱۔ آفاقی کا بلا احرام حدودِ حرم میں داخل ہونا

آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والا شخص اگر حدودِ حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حج یا عمرہ (جیسا موقع ہو) کا احرام باندھ کر حدودِ حرم میں داخل ہو، خواہ حرم میں اس کے آنے کا مقصد حج یا عمرہ ہو یا نہ ہو، خواہ وہ تجارت کے لئے آئے، کسی سے ملنے یا ملاقات کے لئے آئے، محض گھومنے پھرنے آئے، بہرحال اسے احرام باندھ کر ہی آنا ہے۔

''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد'' (هدايه ۱،۲۱۴)۔
(آفاقی جب مکہ پہنچے اور مکہ میں داخل ہونے کا قصد کرے تو احرام باندھے، حج کا قصد کرے یا عمرہ کا، یا کسی کا قصد نہ کرے)۔

فتح القدیر میں ہے: ''(قوله أو لم يقصد) بأن قصد مجرد الرؤية أو النزهة أو التجارة'' (فتح القدير ۲،۳۳۵)۔
(کسی کا قصد نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محض دیکھنے یا تفریح یا تجارت کا قصد ہو)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ اگر بار بار مکہ مکرمہ میں جانے کی ضرورت پیش آئے تو ہر بار حج یا عمرہ کا احرام باندھنا ہوگا:

''ولوجاوز الميقات قاصداً مكة بغير إحرام مراراً فإنه يجب عليه لكل مرة إما حجة أو عمرة'' (فتاوى هنديه ۱،۲۵۳، نیز دیکھئے: درمختار ۲،۱۶۷)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک احرام کا وجوب اس خطہ مبارکہ کی عظمت کی وجہ سے ہے، اس عظمت کا خیال رکھنا اور اس کے شایانِ شان برتاؤ وسلوک ہر اس شخص پر لازم ہے جو اس خطہ مبارکہ میں داخل ہو رہا ہو خواہ حج یا عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو، مگر اب داخل ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا ارادہ کرنا پڑے گا۔

''اس کی تعظیم حاجی یا غیر حاجی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہے'' (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲/۳۳۵)۔

چنانچہ اس سلسلے کی احادیث کریمہ اور آثارِ صحابہؓ بھی عام ہیں، حاجی وغیر حاجی، معتمر اور غیر معتمر میں فرق نہیں کرتے۔

''عن ابن عباس ﷺ أن النبي ﷺ قال: لا يجاوز الوقت إلا بإحرام'' (مصنف ابن ابی شیبه)۔
(عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میقات کو بلا احرام پار نہ کیا جائے)۔

''عن أبي الشعساء أنه رأى ابن عباس ﷺ يرد من جاوز الميقات غير محرم'' (مسند شافعی) (ابوالشعساء سے مروی ہے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں کو لوٹاتے تھے جو میقات کو بلا احرام پار کرتے تھے)۔

آفاقی کے اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مکی ہوں اور میقات سے باہر نکل گئے ہوں، یا حل کے رہنے والے ہوں اور میقات کے باہر آ گئے ہوں (رد المحتار ۲/۱۶۷)۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے: ''مکی جب اس حل کی طرف نکلے جو میقات کے اندر ہو تو وہ حل والوں کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابھی گذرا، بشرطیکہ آفاقی کی میقات پار نہ کرے، ورنہ وہ آفاقی کی طرح ہو جائے گا کہ اس کے لئے میقات میں داخل ہو جانا بلا احرام حلال نہیں'' (رد المحتار ۲/۱۶۸)۔

[1] مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نواد ے، مبارک پور اعظم گڈھ، یوپی۔

حدود حرم میں داخل ہونے والے کے لئے احرام کی حکمت و مصلحت کیا ہے، اسے درج ذیل عبارت کی روشنی میں سمجھیں:

''نہایہ میں ہے کہ بیت اللہ شریف چونکہ صاحب شرف وعظمت ہے، اس لئے اس کے لئے ایک قلعہ بنایا گیا جو مکہ ہے اور ایک حفاظت گاہ وسرحد بنائی گئی جو کہ حرم ہے اور حرم کے لئے بھی ایک حرم بنایا گیا جو میقات ہے۔ جو لوگ میقات کے باہر کے ہوں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میقات کو بلا احرام پار کریں بیت اللہ شریف کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص دو میقات پار کرنے کا قصد کرے اس کے لئے بلا احرام پار کرنا جائز نہیں اور جو شخص ایک میقات پار کرنے کا قصد کرے اس کے لئے بغیر احرام پار کرنا حلال ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ جو شخص میقات میں حج یا عمرہ کی نیت سے یا کسی حاجت سے مکہ میں داخل ہونے کے لئے آیا اس کے لئے بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے دو میقاتوں کے پار کرنے کا قصد کیا۔ ایک میقات آفاقی کی، دوسری میقات حل والوں کی، اور حیلہ یہ ہے کہ آفاقی میں سے جو شخص مکہ میں بلا احرام داخل ہونا چاہے وہ بستان بنی عامر وغیرہ کا قصد کرے جو حل میں ہے۔ لہٰذا اس پر احرام واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے صرف ایک میقات پار کرنے کا قصد کیا ہے'' (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲؍ ۳۳۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی میقات سے بغیر احرام آگے بڑھنا حرام قرار دیا گیا ہے، خواہ دو میقات کو پار کرنے کی توجیہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے، اتنا تو ظاہر ہی ہے کہ جب کوئی شخص آفاقی ہو یا مکی، اپنی میقات سے آگے نکل گیا تو اس پر احرام لازم ہو گیا۔

یہ ساری تفصیلات امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق تھیں، لیکن امام شافعیؒ اس شخص کے لئے بلا احرام، حدود حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں جو حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو، گویا احرام ان کے نزدیک حج یا عمرہ کے قصد کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال فتح مکہ کے واقعہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے تھے، مگر اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھا اور اسی دن کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں خود ہی ارشاد فرمادیا۔

''إن مكة حرام حرمها الله تعالى يوم خلق السموت والأرض وإنها لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي و إنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة''۔

(بیشک مکہ حرام ہے، اللہ نے اس کو اسی وقت سے حرام کر رکھا ہے جب آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا، مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے حلال ہوا تھا، پھر اس کی حرمت قیامت تک کے لئے لوٹ آئی)۔

بہر حال جہاں تک دلائل کا تعلق ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہایت قوی ہے مگر دفع حرج اور رفع مضرت کے لئے باقتضائے ضرورت وحاجت امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کیا جاسکتا ہے، جو صرف ارادہ حج وعمرہ کے وقت میں احرام کے وجوب کا ہے۔

۲۔ بار بار حدود حرم میں آنے والوں کے احکام

ایسے لوگ جنہیں تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم مکی کے اندر آمد ورفت کرنی ہوتی ہو، ان کے معاملے میں مسلک شوافع پر عمل کیا جائے، دفعاً للحرج ورفعاً للمشقۃ۔

۳۔ مکی کا حج کے مہینوں میں میقات سے باہر جانا

احقر کا رجحان اس مسئلہ میں دم کے عدم لزوم کی طرف ہے اور اس کی وجہ وہ ضرورت وحاجت ہے جو سوال میں درج کی گئی ہے، یہاں بھی امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنا چاہئے۔

جن لوگوں کو بار بار حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہو یعنی داخل میقات رہنے والوں پر قیاس کرتے ہوئے حرج ومشقت سے بچانے کے لئے باقتضائے حاجت وضرورت بلا احرام آنے جانے کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

''جو لوگ میقات کے اندر (یعنی مکہ اور میقات کے درمیان) رہتے ہوں، انہیں اپنی ضرورت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے، اس لئے کہ انہیں مکہ میں بہت داخل ہونا پڑتا ہے اور ہر مرتبہ احرام واجب کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے، لہٰذا وہ اہل مکہ کی طرح ہو گئے جنہیں اپنی حاجت کے لئے مکہ سے نکلنا اور مکہ میں داخل ہونا بلا احرام جائز ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب حج یا عمرہ کا ارادہ ہو، اس لئے کہ وہ کبھی کبھی ہوتا ہے لہٰذا اس میں کچھ حرج ومشقت نہ ہوگی''۔

۴۔ مکی کے لئے تمتع اور قران

مکی کے لئے قران و تمتع نہیں ہے، یہ دونوں صرف آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے ہیں۔

درمختار میں ہے: ''والمکی ومن فی حکمه یفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعلیه دم جبر'' (در مختار ۲، ۲۱۴، نیز دیکھئے: معلم الحجاج، ۲۱۷، ۲۱۵)۔ (مکی اور جو اس کے حکم میں ہے وہ صرف افراد کرے گا، اگر قران کرے یا تمتع کرے تو جائز ہے، مگر اس نے برا کیا، اس پر دم جبر ہے)۔

البحر الرائق میں ہے: ''تحفۃ میں صراحت ہے کہ مکی کا تمتع اور قران صحیح ہے، غایۃ البیان میں تحفہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ لوگ تمتع کریں تو جائز ہے، لیکن انہوں نے برا کیا اور ان پر دم جبر واجب ہے، ایسے ہی اسبیجابی نے ذکر کیا ہے، پھر انہوں نے کہا ہے کہ ان لوگوں کے لئے اس دم سے کھانا مباح نہ ہوگا اور اگر وہ لوگ تنگ دست ہوں تو روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ فقہائے حنفیہ کے قول "لا تمتع ولا قران" سے مراد حلت کی نفی ہے، صحت کی نفی نہیں، اسی لئے اگر مکی تمتع یا قران کرے تو دم جبر واجب ہوتا ہے اور دم جبر واجب ہونا صحت کی فرع ہے'' (البحر الرائق ۲ / ۳۶۵)۔

۵۔ متمتع آفاقی کا مزید عمرے کرنا

آفاقی جو کہ تمتع کر رہا ہو، اپنے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے، معلم الحجاج میں ہے:

''متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے''۔

معلم الحجاج کے حاشیہ پر ہے: ''لباب میں ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے، ملا علی قاری نے شرح میں کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ مکی کو صرف عمرہ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، حالانکہ سابق میں گذرا کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مکی کے لئے صرف تمتع اور قران ممنوع ہے اور یہ متمتع آفاقی ہے جسے عمرہ کی ممانعت نہیں ہے، لہذا اسے عمرہ کا تکرار جائز ہے، اس لئے کہ وہ طواف کی طرح عبادت مستقلہ ہے'' (معلم الحجاج / ۲۲۱)۔

۶۔ رمی جمار میں نیابت کا مسئلہ

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ''جو شخص خود رمی کرنے سے عاجز ہو اسے نائب بنانا جائز ہے، یہ عاجزی خواہ مرض کی وجہ سے ہو یا قید یا بڑھاپے یا عورت کے حمل کی وجہ سے۔ لہذا مریض کے لئے نائب بنانا ایسی علت کی وجہ سے جائز ہے جس کے اچھا ہونے کی، رمی کا وقت ختم ہونے سے پہلے امید نہ ہو، اور محبوس اور کبیر السن اور حاملہ اپنی طرف سے سارے جمرات کی رمی کے لئے وکیل بنا سکتے ہیں نیز کئی شخصوں کی طرف سے بھی وکیل بننا جائز ہے، مگر یہ کہ وکیل سب سے پہلے خود رمی کرے، پھر نیابت والی رمی کرے'' (۳، ۱۹۳، دیکھئے: معلم الحجاج، ۱۸۴)۔

رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے، دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے...... اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد رمی کے وقت میں زائل ہو گیا تو دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں (معلم الحجاج / ۱۸۴، ۱۸۵)۔

ہجوم و ازدحام عذر ہے یا نہیں؟ اور عورت و مرد سب کے لئے عذر ہے یا کسی ایک کے لئے ہے، یا کسی کے لئے نہیں۔

عبارات فقہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ازدحام کو کسی کے لئے عذر نہیں مانا گیا، نہ عورتوں کے لئے نہ مردوں کے لئے، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ کی عبارت گزری، اس میں اعذار میں ازدحام کا کوئی تذکرہ نہیں، معلم الحجاج میں بھی کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ عبارت موجود ہے:

''مسئلہ: عورت کی طرف سے کسی دوسرے کا نائب بن کر ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا جائز نہیں، اگر ہجوم کے خوف سے عورت نے رمی نہیں کی تو فدیہ واجب ہو گا (یہ لفظ فدیہ کے بجائے ''دم'' ہونا چاہئے)۔

اگر عورت دسویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں و بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے تو مکروہ

نہیں، اسی طرح ضعیف اور کمزور کا حکم ہے، ان کے علاوہ اور لوگوں کے لئے مکروہ ہے" (معلم الحجاج ۱۸۶/ ۱۸۷)۔

اسی طرح کی بات حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ اور مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نے لکھی ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۶/ ۵۵۳، فتاوی رحیمیہ ۵/ ۲۳۵)۔

احقر کی ادنی رائے یہ ہے کہ بالکلیہ ترک کو موجب دم نہ ماننے کے بجائے ازدحام کو نیابت کا عذر مان لینا بہتر ہے، کیونکہ نائب کا فعل منوب عنہ کا فعل مانا جاتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے زمانہ میں رمی میں جواز دحام ہوتا ہے اور جس میں دن بہ دن شدت آتی جارہی ہے اس میں رات میں رمی کرنا بھی دشواریاں ہی پیدا کرے گا، کیونکہ اس سے ترتیب کے مسائل بھی پیدا ہوں گے جو رمی، ذبح اور حلق کے درمیان واجب ہے، کیونکہ احقر کی معلومات کے مطابق رات میں مذبح بند ہوجاتا ہے، گویا ذبح کا کام ۱۱ رذی الحجہ کو ہی ہوپائے گا جبکہ حلق کے بعد طواف زیارت کرنا ہے جو کہ ۱۰ رذی الحجہ کو ہی افضل ہے اور پھر ۱۰ رکو ہی منیٰ واپس آکر رات گزارنی چاہئے۔

یہ ایسی مشکلات ہیں جن پر قابو پانا احقر کے خیال میں بہت دشوار ہوگا، اس لئے عورتوں کے حق میں ازدحام کو عذر تسلیم کرلینا چاہئے، اور نیابت کی گنجائش ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم

۷۔ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حکومت کی طرف سے روک دیا جانا

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: "اکثر فقہاء کے نزدیک احصار، رکاوٹ کا نام ہے، خواہ کسی خوف سے ہو یا مرض سے یا عاجزی سے یا دشمن کی وجہ سے ہو، اسی کو کشاف نے اختیار کیا ہے اور مغرب میں ہے کہ حصر رکاوٹ کا نام ہے باب طلب سے، کہا جاتا ہے: أحصر الحاج، جب اسے خوف یا مرض نے اس کا حج یا عمرہ پورا کرنے سے روک دیا ہو اور جب کوئی بادشاہ یا مانع قاہر، قید میں یا کسی شہر میں روک دے تو کہا جاتا ہے: حصر، یہی مشہور ہے، اور شریعت میں وقوف عرفہ اور طواف سے روک دیئے جانے کا نام احصار ہے" (البحر الرائق ۳/ ۵۳)۔

حج میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت رکن ہیں، عمرہ میں طواف رکن ہے اور سعی واجب ہے، رکن کی ادائیگی میں خواہ وہ حج ہو یا عمرہ، رکاوٹ پڑ جانے میں احصار کا حکم عائد ہوتا ہے (رد المحتار ۲/ ۲۵۲)۔

سعودی عرب میں رہنے والے غیر ملکی جنہیں حج وعمرہ کے لئے حکومت کی اجازت لینی ہوتی ہے اور بلا اجازت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے اور پکڑ لئے جانے پر واپس کردیئے جاتے ہیں وہ محصر کے حکم میں ہیں، اگر ان کا احصار زائل ہوسکے تو وہ درج ذیل صورتوں کے مطابق اپنے احرام سے باہر آسکتے ہیں:

۱۔ اگر صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو ایک قربانی (بکری، خصی، دنبہ وغیرہ) کی قیمت حرم میں بھیج دیں، اگر قارن ہوں تو دو قربانیاں یا ان کی قیمت حرم میں بھیج دیں، اس قیمت سے وہاں قربانی کا جانور خرید لیا جائے، یہ قربانی حرم میں کسی جگہ ذبح کردی جائے، گو ۱۰ رذی الحجہ سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، البتہ جانور یا قیمت بھیجتے وقت یہیں سے اس کے ذبح کا دن اور وقت مقرر کردیں تاکہ اس دن اور اس وقت سے یہ لوگ اپنے کو احرام سے باہر سمجھنے لگیں، جانور ذبح ہوتے ہی ان لوگوں کا احرام ختم ہوجائے گا، خواہ بال کٹوائیں یا نہ کٹوائیں۔

۲۔ جس نے حج کا احرام باندھا تھا وہ ایک حج اور عمرہ کی قضا کرے گا، جس نے قران کا احرام باندھا تھا وہ دو عمرہ اور ایک حج کی قضا کرے گا، جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ صرف ایک عمرہ کی قضا کرے گا (درمختار ۲/ ۲۵۴)۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب

مذکورہ تینوں چیزوں کے درمیان متمتع اور قارن کے لئے ترتیب واجب ہے، پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی کرے، اس کے بعد سر منڈوائے۔

رد المحتار میں ہے: "تینوں میں ترتیب واجب ہے یعنی پہلے رمی پھر ذبح پھر حلق، تمہارے قول رذح کے حروف کی ترتیب پر، البتہ طواف کی ترتیب کسی شئ پر واجب نہیں، مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں ہے، اس لئے اس پر ترتیب رمی اور حلق کے درمیان واجب ہوگی، جیسا کہ ہم واجبات حج میں بیان کرچکے ہیں۔

اگر متمتع اور قارن نے مذکورہ تینوں چیزوں کے درمیان ترتیب کی رعایت نہ کی تو دم ہوگا۔

"واجب ہوتا ہے دم رمی کے بعد حلق سے پہلے، پس اگر حلق رمی سے پہلے کرائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا" (فتح القدیر ۲/ ۴۱۷)۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عمومی اعذار مسائل میں گنجائش پیدا کرتے ہیں، لہذا سوال کے اندر جو صورت حال درج کی گئی ہے انہیں عمومی عذر مانا جائے گا اور علامہ ابن عابدین شامیؒ کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہوئے ترتیب کے عدم وجوب اور دم کے سقوط کا حکم دیا جائے گا۔

''لو ترك شيئا من الواجبات بعذر لا شئ عليه على ما في البدائع'' (رد المحتار ۲،۲۱۷، الجنايات)۔

(اگر واجبات میں سے کوئی کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دے تو اس پر کچھ نہیں ہے جیسا کہ بدائع میں ہے)۔

''یہ اس باب میں واجب کے ترک کا حکم ہے، یعنی بلا عذر ترک پر دم واجب ہوگا اور عذر سے چھوڑنے پر مطلقاً اس پر کچھ نہ ہوگا'' (ردالمحتار ۲؍۲۲۵)۔

۹۔ حج بدل میں تمتع

آج کے دور میں ہندوستان سے جو حجاج جاتے ہیں، اگر حج سے پہلے پہنچ جانے کا امکان ہوتا ہے تو وہ عام طور پر حج تمتع کرتے ہیں، یہ چیز حجاج کے عرف و عادت اور تعامل میں داخل ہو چکی ہے، اگر کسی کو حج کے لئے بھیجتے ہیں تو بھی یہی تصور رہتا ہے کہ ہمارے ہی انداز میں یہ بھی حج کرے، اگر موقع ملے تو پہلے عمرہ کرے، پھر حج کرے، ورنہ حج کرے، پھر عمرہ کرے۔

لہذا جہاں حج بدل میں آمر نے کوئی صراحت نہ کی ہو وہاں اسی اذن عموم اور اختیار پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ حج سے پہلے والا عمرہ، آمر ہی کی طرف سے کیا ہو، عرف وعادت کی دلیل کی وجہ سے اور جہاں آمر نے صراحت کردی ہو وہاں اس صراحت پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے۔

ب۔ صریح اجازت نہ ہو لیکن عرف وتعامل اسی طرح کا بن چکا ہو تو بھی حج تمتع کرسکتا ہے (احسن الفتاوی ۴؍۵۲۳)۔

ج۔ آمر سے تمتع کی صریح اجازت نہیں لی، لیکن حج بدل کرنے والے کو ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دیدیتا، تو ایسی صورت میں بھی احقر کے خیال میں تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔

د۔ احسن الفتاوی کا یہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: حج بدل کرنے والا قران کرے یا تمتع یا افراد، بینوا توجروا۔

جواب: اس کو افراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے تمتع وقران بھی کرسکتا ہے، مگر دم شکر مامور پر ہوگا، اگر آمر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، لہذا صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (احسن الفتاوی ۴؍۵۲۳)۔

ھ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ نے جواہر الفقہ (۱؍۵۰۸،۵۱۶) میں اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے، پھر خلاصہ بحث کے تحت موجودہ زمانہ میں حج وعمرہ میں حکومت کی سخت پابندیوں اور قوانین کی بندشوں کے باعث تمتع کرلینے کی گنجائش لکھی ہے (جواہر الفقہ ۱؍۵۱۶، حج بدل کے احکام)۔

و۔ اگر میت نے حج کی وصیت کی تھی اور وہ ایسی جگہ کا باشندہ تھا جہاں کا عرف وتعامل اذن عمومی واختیار کا ہو تو عدم صراحت کی صورت میں اذن عمومی واختیار پر محمول کیا جائے گا، اور صراحت کی صورت میں صراحت کے مطابق عمل لازم ہوگا۔

اگر حج کی وصیت نہیں کی تھی اور وارث یا غیر وارث حج کرا رہا ہے تو اسی وارث یا غیر وارث کے یہاں کے عرف وتعامل کا اعتبار ہوگا۔

۱۰۔ حیض ونفاس والی عورت کے طواف زیارت کا مسئلہ

جس مرد یا عورت نے حدث اصغر یا حدث اکبر کے ساتھ طواف زیارت کرلیا ہو اس کے احکام تفصیل کے ساتھ ہدایہ میں یوں بیان کئے گئے ہیں:

''افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں رہے طواف کا اعادہ کرلے اور اس پر ذبح نہیں ہے، بعض نسخوں میں ہے کہ اس پر اعادہ لازم ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ حدث میں اعادہ کا حکم استحباباً ہوگا اور جنابت میں ایجاباً ہوگا، اس لئے کہ جنابت کی وجہ سے نقصان بہت زیادہ ہے اور حدث میں کم ہے، پھر اگر حالت حدث میں طواف کرنے کے بعد اعادہ کیا ہو تو اس پر ذبح نہیں ہے اگرچہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو، اس لئے کہ اعادہ کے بعد صرف شبہ نقصان باقی رہا۔ اگر حالت جنابت

میں طواف کرنے کے بعد اعادہ کیا ہو ایام نحر میں تو اس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ اس کے وقت میں اعادہ کیا، اور اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے اس پر دم لازم ہوگا جیسا کہ ان کا مذہب معروف ہے۔ اگر اپنے گھر لوٹ گیا اور جنابت کی حالت میں طواف کیا تھا تو اس پر لازم ہے کہ لوٹ کر آئے کیونکہ نقصان کثیر ہے لہذا نقصان کی تلافی کے لئے اسے لوٹنے کا حکم ہوگا اور احرام جدید کے ساتھ لوٹے، اگر نہیں لوٹا اور بدنہ بھیج دیا تو بھی کافی ہو جائے گا جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ وہ نقصان کو دور کرنے والا ہے، مگر یہ کہ افضل لوٹنا ہی ہے (ہدایہ ۱/ ۲۷۳، باب الجنایات، فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۴۶)۔

مذکورہ عبارات سے اس عورت کا مسئلہ بالکل واضح ہے کیونکہ جنبی اور حائضہ ونفساء کا حکم ایک ہی ہے جب جنبی کا حکم آ گیا تو حیض ونفاس والی عورت کا حکم بھی آ گیا۔

البتہ سوال نامہ کی شقوں کا جواب الگ الگ درج ذیل ہے:

الف۔ ایسی عورت کے لئے اجازت ہے کہ وہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے، لیکن غسل کرے اور حفاظتی کپڑا وغیرہ باندھ لے۔

ب۔ حیض ونفاس کی حالت میں ہی طواف زیارت ادا کرے اور دم دے دے، رکن ادا ہو جائے گا۔

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ مذکورہ اعذار کی بنیاد پر غیر حنفیہ بھی مسلک حنفیہ کی پیروی پر مجبور ہیں۔

احقر کا خیال یہ ہے کہ اس مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جب حیض ونفاس والی عورت طواف زیارت کرے تو ان احتیاطی تدابیر کا خیال رکھے۔

ج۔ دم میں بکری کافی نہ ہوگی، بدنہ دینا ہوگا جیسا کہ تفصیلات بالا سے ظاہر ہے، مزید البحر الرائق میں ہے:

''بدنہ واجب ہوگا، اگر رکن والا طواف حالت جنابت میں کرے، ایسے ہی عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اس لئے کہ جنابت اغلظ ہے، لہذا اس کے نقصان کا تدارک بدنہ سے ہوگا جنابت اور حدث کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہوئے، اور حیض ونفاس جنابت کی طرح ہیں'' (البحر الرائق ۳/ ۱۸)۔

د۔ یہ دم اور ہر قسم کا دم حدود حرم میں ذبح کیا جائے گا (معلم الحجاج/ ۲۶۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جانا

عورت ایام عدت میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی۔ در مختار میں ہے:

''عورت پر حج فرض ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس پر کسی طرح کی عدت نہ ہو، رد المحتار میں ہے کہ ابن امیر الحاج نے ذکر کیا ہے کہ یہ شرط ادا ہے، اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ کسی عدت کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نہ عدت وفات ہو، نہ عدت طلاق بائن، نہ عدت طلاق رجعی، کیونکہ یہ سب عدتیں سفر سے مانع ہیں۔ اگر یہ عدتیں سفر کے دوران پیش آ جائیں تو اگر طلاق رجعی ہو تو شوہر اس کو جدا نہ کرے اور بائن ہو تو اگر عورت کے شہر اور مکہ کے درمیان مدت سفر سے کم ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے شہر جائے یا مکہ جائے اور اگر ایک طرف مدت سفر ہو، دوسری طرف مدت سفر نہ ہو، تو دوسری طرف جانا متعین ہو گیا۔ اگر دونوں طرف مدت سفر ہو تو اگر کسی شہر میں ہو تو وہیں ٹھہر جائے، عدت ختم ہونے تک وہاں سے نہ نکلے اگر چہ کوئی محرم مل جائے، صاحبینؒ کا اس میں اختلاف ہے، لیکن اگر کسی گاؤں یا جنگل میں ہو اور اپنے کو محفوظ و مامون نہ سمجھتی ہو تو امن کی جگہ پہنچ کر رک جائے، وہاں سے عدت ختم ہونے تک نہ نکلے اگر چہ محرم موجود ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک، صاحبین کہتے ہیں کہ محرم موجود ہو تو نکل سکتی ہے'' (درمختار ۲/ ۱۵۹)۔

یہ عورت محصر مانی جائے گی اور حصار کے احکام اس پر صادق آئیں گے۔

رد المحتار میں باب الاحصار کے تحت ہے: ''زاد في اللباب مما يكون به محصرا أمور أخر منها العدة'' (رد المحتار ۲،۲۵۳)۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے: ''اگر عورت حج فرض کا احرام باندھے اور اس کے ساتھ محرم نہ ہو اور شوہر نے اسے منع کر دیا ہو یا راستہ میں شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا اس کے محرم کا انتقال ہو گیا ہو اور یہ عورت ابھی احرام میں ہو، اگر چہ نفل حج کا احرام ہو، وہ بغیر ہدی ذبح کئے حلال نہیں ہو سکتی'' (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۳/ ۵۴)۔

۱۲۔ دو شہروں کی آبادیوں کا اتصال اور سفر واقامت کے احکام

اس سلسلے میں چند عبارات فقہیہ عربی و اردو میں احقر کی نظر سے گزری ہیں، پہلے انہیں نقل کرتا ہوں، پھر نفس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔

البحر الرائق میں ہے: ''فإن كانت في الجانب الذي خرج منه محلة منفصلة عن المصر وفي القديم كانت متصلة

بالمصر لایقصر الصلوۃ حتی یجاوز تلک المحلۃ کذا فی الخلاصۃ'' (البحر الرائق ۲،۱۲۷)۔

(جس جانب سے نکلا ہے اس جانب شہر سے متصل کوئی محلہ ہو اور زمانہ قدیم میں وہ شہر سے متصل تھا، تو نماز قصر اس وقت تک نہیں پڑھے گا جب تک اس محلہ سے پار نہ ہو جائے، ایسے ہی خلاصہ میں ہے)۔

لیکن علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اس محلہ کا آباد ہونا ضروری ہے، اگر وہ آباد نہ ہو، اس میں رہائش نہ ہو، یا وہ کھیت و باغ بن چکا ہو تو اگر چہ کسی زمانہ میں شہر کے متصل ہونے کی وجہ سے شہر میں داخل تھا اور اس سے آگے بڑھے بغیر قصر کی گنجائش نہ تھی، مگر اب جب شہر سے الگ ہو چکا اور غیر آباد بن چکا ہے تو قصر کے لئے اس سے آگے بڑھ جانا ضروری نہ ہوگا، بلکہ متصل ہو تو بھی ضروری نہ ہوگا (رد المحتار علی الدر المختار ۱/۵۷۸)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ''اگر شہر کے کئی محلے ہوں، ہر محلہ ایک دوسرے سے الگ ہو جیسے زمانہ ماضی میں بغداد تھا۔ پس جب اپنے محلہ سے نکل جائے تو اس کے لئے قصر مباح ہو جائے گا، محلہ والوں سے الگ ہو جانے کے بعد، اور اگر سب محلے ایک دوسرے سے متصل ہوں جیسے آج کے شہروں کے محلے، تو اس وقت تک قصر نہ کرے جب تک سب سے جدا نہ ہو جائے، اور اگر دو قریبی بستیاں ہوں اور ایک دوسرے سے مل گئی ہوں تو ایک بستی کے حکم میں ہوں گی، اور اگر ان دونوں کی عمارتیں متصل نہ ہوئی ہوں تو ہر بستی مستقل حکم رکھے گی'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۳۳۱)۔

اسی مفہوم کی عبارت المغنی میں بھی موجود ہے (المغنی والشرح الکبیر ۲/۹۸، نیز دیکھئے: مفتی رشید احمد صاحب کتاب احسن الفتاوی ۴/ ۷۳، ۷۴)۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ شہروں، گاؤں، قصبوں کی حدود حکومت متعین کرتی ہے، بعض اوقات حکومت کی مقرر کردہ حد سے پہلے آبادی ختم ہو جاتی ہے کبھی بڑھ جاتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی مقامات کو شامل کر کے حکومت کوئی ایک نام دیتی ہے۔

لہذا سفر و اقامت اور قصر و اتمام کا حکم درج ذیل امور کے تحت ہوگا:

۱۔ کسی شہر یا گاؤں کی حدود اربعہ جو حکومت نے متعین کئے ہوں ان کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ آباد مکانات کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ جھونپڑے ہوں، لہذا ان کی حدود سے نکلنے پر سفر کا اور ان کی حدود میں داخل ہونے میں مقیم ہونے کا حکم ہوگا۔

۲۔ جن مختلف آبادیوں کو ملا کر حکومت نے کسی ایک آبادی کا نام دے دیا ہو، اس آبادی کے مکانات سے نکلنے پر سفر کا اور اس آبادی میں داخل ہونے پر مقیم ہونے کا حکم ہوگا۔

۳۔ لیکن اگر کسی آبادی کا نام نص سے ثابت ہو اور اس کی کوئی مخصوص وجہ بھی ہو تو حکومت کا اسے کسی آبادی کے تحت لانا اور کسی بڑی آبادی کے ماتحت بنانا، اس کی الگ حیثیت کو ختم نہ کرے گا۔

لہذا سوال میں درج صورت حال میں اولاً تو حکومت نے منیٰ کو مکہ مکرمہ میں داخل کر کے دونوں آبادیوں کو مکہ مکرمہ کا نام نہیں دیا، دوم دونوں آبادیاں نصاً الگ الگ ہیں۔ لہذا اتصال آبادی کے باوجود دونوں آبادیاں الگ الگ مانی جائیں گی، اور دونوں جگہ ملا کر مدت اقامت ۱۵ یوم ہو جائے تو بھی مقیم ہونے کا حکم نہ ہوگا۔

۱۳۔ ایسے امام کی اقتداء جو نماز وتر میں دو رکعات پر سلام پھیر دیتا ہو

امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرے لیکن جب دو رکعت پر امام سلام پھیرے تو یہ نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو کر تیسری رکعت پڑھ لے۔

البحر الرائق میں ہے: ''حنفی کا وتر میں ایسے شخص کی اقتداء کرنا جائز نہیں جو دو رکعت پر سلام پھیر دے، لیکن ابوبکر رازی نے اسے جائز کہا ہے، اور بقیہ وتر اسی کے ساتھ پڑھے، اس لئے کہ اس کا امام اس کے نزدیک اپنے سلام سے نماز کے باہر نہیں ہوا اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ بھی ہے، جیسے اگر کسی ایسے امام کی اقتدا کرے جسے نکسیر پھوٹی ہو، مشائخ کا حنفی کے لئے وتر میں شافعی امام کی اقتدا کے صحیح ہونے میں یہ شرط لگانا کہ فصل نہ کرے بالاتفاق اقتدا کے صحیح ہونے کا فائدہ دیتی جبکہ فصل نہ کیا ہو''۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''ومعنی کونہ لم یخرج بسلامہ أن سلامہ لم یفسد وترہ لأن مابعدہ یحسب من الوتر فکانہ لم یخرج منہ'' (رد المحتار ۱،۴۹۴)۔ (اپنے سلام سے نماز سے باہر نہیں ہوا کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سلام نے اس کی وتر کو فاسد نہیں کیا، اس لئے کہ اس کے بعد والا حصہ بھی وتر میں ہی شمار ہوگا، پس گویا وہ نماز سے باہر نہیں ہوا)۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

حج اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے، لیکن اس کے مسائل کثیر الجہات اور کثیر الاختلافات ہیں، حالات کے تغیر نے ان کو مزید گہرا اور پیچیدہ بنادیا ہے اور ضرورت متقاضی ہے کہ ان کا حل تلاش کیا جائے، ذیل میں ایسے چند مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ اس مسئلہ میں علامہ عینی نے یہ تفصیل نقل کی ہے:

''علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ابن قصار نے کہا کہ امام شافعی و مالک کے اقوال حج وعمرہ کا ارادہ نہ کرنے والے شخص کیلئے مکہ میں بلا احرام داخل ہونے کے جواز میں مختلف ہیں۔ کبھی تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں، مکہ کی خصوصیت اور دوسرے شہروں سے (حکم میں) اس کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے، البتہ مکہ اور اس کے قریب کے شہروں جدہ، عسفان، طائف سے ایندھن لاکر فروخت کرنے والوں کے لئے کثرت آمد ورفت کی وجہ سے بلا احرام داخلہ درست ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ اور امام لیث بھی فرماتے ہیں اور اس بناء پر ان پر دم بھی واجب نہیں، مدونہ میں اس کی صراحت ہے اور کبھی امام مالک و امام شافعی نے فرمایا کہ احرام کے ساتھ داخلہ صرف مستحب ہے واجب نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ زہری، حسن بصری اور ایک قول میں شافعی اور ایک روایت میں امام مالک اور ابن وہب اور داؤد بن علی اور ان کے اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اور عطاء بن ابی رباح، لیث بن سعد، سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، اور ایک روایت میں امام مالک اور یہی ان کا صحیح قول ہے اور مشہور روایت کے مطابق امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور حسن بن حی کا مذہب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جس کی رہائش میقات کے باہر کے شہروں میں ہو یہ درست نہیں کہ مکہ میں بلا احرام داخل ہو، اگر وہ بلا احرام داخل ہو گیا تو اس نے برا کیا، پھر بھی امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک اس پر دم واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں اس پر حج یا عمرہ واجب ہے'' (عمدۃ القاری ۱۰۹/۵)۔

اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کے دلائل جو بلا احرام مکہ میں داخلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین کے استدلالات کے جوابات کی بہتر تفصیل مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے جمع کردی ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلا احرام داخلہ کا عدم جواز ہی راجح ہے۔

۲۔ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو مکہ میں بلا احرام داخلہ کی عام اجازت ہے۔ شیخ عبدالغنی الدمشقی لکھتے ہیں:

''(ومن كان منزله بعد المواقيت) أي داخلها وخارج الحرم (فوقته) للحج والعمرة (الحل) ويجوز لهم دخول مكة لحاجة من غير إحرام'' (اللباب فی شرح الکتاب ۱۸۰/۱)۔

''قال محمد وبهذا نأخذ الخ'' (مؤطا محمد ۲۲۰)۔

البتہ میقات کے باہر رہنے والوں کے لئے جمہور کے نزدیک بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں، لیکن اگر مختلف ضروریات کے لئے انہیں کثرت سے حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہے تو وہ احرام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ''إلا الحطابين ومن قرب منها مثل جدة وعسفان والطائف لكثرة ترددهم إليها وبه قال أبوحنيفة والليث وعلى هذا فلا دم عليه'' (عمدۃ القاری ۱۰۹/۵)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: ورخصوا للحطابين ومن يكثر دخولهم ولمن خرج منها يريد بلده ثم بدا له أن يرجع كما صنع ابن عمر'' (التعلیق الممجد ۲۱۹)۔

ایندھن فروخت کرنے والوں اور جو لوگ کثرت سے داخل ہوتے ہوں اور جو مکہ سے باہر نکل جائیں اپنے شہر جانے کا ارادہ کر کے پھر ان کو واپسی کا خیال ہو جائے تو ان سب لوگوں کے لئے فقہاء نے رخصت دی ہے، حضرت ابن عمر کا واقعہ بخاری نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے بلا احرام داخلہ پر استدلال کیا ہے (بخاری ۱؍۲۴۹)۔

لیکن امام محمد نے کچھ تفصیل نقل فرمائی ہے: ''حدثنا نافع أن ابن عمر اعتمر حتى إذا كان بقديد جائه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام''۔ (حضرت ابن عمرؓ نے عمرہ کیا یہاں تک کہ مقام قدید تک پہنچ گئے تو انہیں مدینہ سے (فتنہ برپا ہو جانے کی) خبر ملی، تو واپس لوٹ گئے پھر مکہ میں بغیر احرام داخل ہوئے)۔

معلوم ہوا کہ میقات سے باہر چلے جانے اور پھر واپس مکہ لوٹنے کی مذکورہ بالا صورت میں بھی احرام کی پابندی نہیں ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کی ضرورۃً کثرت آمد ورفت ہو جیسے ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لانے والے اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹ یا غلہ اناج منتقل کرنے والے یا جن کی مکہ میں زمین جائداد ہو جس کے لئے بار بار آنا جانا پڑے (عمدۃ القاری ۴؍۴۹۹) تو چونکہ ان کے لئے احرام کی پابندی میں مشقت ہے اس لئے وہ احرام سے مستثنیٰ ہوں گے، اس کے علاوہ یہ بھی ہے:

''اگر ایسے لوگوں پر احرام واجب قرار دیا جائے تو بات یہاں تک پہنچے گی کہ ساری عمر انہیں حالت احرام میں رہنا ہوگا'' (عمدۃ القاری ۴؍۴۹۹)۔

۳۔ تمام علماء حنفیہ کے نزدیک مکی کے لئے اشہر حج میں عمرہ کرنا درست نہیں۔ حافظ ابن ہمام کو مکی کے قران اور تمتع کے سلسلہ میں تردد رہا کہ وہ عمرہ کر کے گنہگار ہو گا یا عمرہ بالکل ہی درست نہیں یا عمرہ درست ہے؟ پھر انہوں نے اولاً فساد کو راجح قرار دیا پھر بطلان کا قول اختیار کیا اور فرمایا: ''إنه مقتضى كلام الأئمة. وكلامهم أولى بالاعتبار'' (کلام ائمہ کا یہی تقاضا ہے اور انہیں کے کلام کا اعتبار کرنا زیادہ بہتر ہے)۔

البتہ صاحب تحفہ، وغایۃ البیان، والعنایہ، والسراج وشرح الاسبیجابی علی مختصر الطحاوی نے صحت مع الکراہت کو اختیار کیا، لیکن بقول علامہ شامی بعد میں ابن ہمام نے صاحب بحر ونہر والمنح والشرنبلالی والقاری کی طرح اس کی مخالفت کی۔ مگر خود علامہ شامی نے ''ردالمحتار'' میں مکی کے تمتع کو باطل قرار دیا، اور اس کے قران کو مع الکراہت جائز قرار دیا، اور فرمایا صاحب بدائع کے کلام سے یہی مستنبط ہوتا ہے پھر اسی موقف کو انہوں نے صراحۃ نہایہ اور اسرار دبوسی میں دیکھا (شامی کے مطابق قران مع الکراہۃ التحریمہ درست ہے اور اس پر دم جبر ہے نہ کہ دم شکر)۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے فرمایا: ''بس یہی میرے نزدیک حق ہے کیونکہ دلیل اس کی موافقت کرتی ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ الما م صحیح (مکہ میں تاہل) تمتع کے لئے مبطل ہے، قران کے لئے نہیں، لیکن امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ مکی کے لئے بھی تمتع اور قران دونوں درست ہیں'' (معارف السنن ۶؍۵۹، ۶۰)۔

۴۔ اگر مکی شخص ان لوگوں میں ہے جو کثرت آمد ورفت کرتے ہیں تو اس پر احرام کی کوئی پابندی نہیں اور اگر اتفاقی ضرورت کی بنا پر میقات سے باہر جانا پڑا ہے تو اس سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ بلا احرام گذر جائے اور حج کا احرام کسی میقات پر واپس جا کر باندھے اور تلبیہ پڑھے، اس سے دم بھی ساقط ہو جائے گا اور ارتکاب منہی عنہ کا گناہ بھی ختم ہو جائے گا، کیونکہ وہ اس ارتکاب پر مجبور تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ میقات کے باہر سے واپس ہوتے وقت کسی مقام حل میں قیام کا قصد کرے، پھر مکہ میں داخل ہو جائے کیونکہ وہ آفاقی کے حکم میں ہے جس کے لئے یہ حیلہ درست رکھا گیا ہے (البحر الرائق ۲؍۳۱۸، منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۲؍۳۱۹، احسن الفتاوی ۴؍۵۲۷، معلم الحجاج ر ۹۴)۔

۵۔ متمتع آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے، کیونکہ یہ طواف کی طرح مستقل عبادت ہے (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۲؍۳۶۶)۔

ایک سال کے اندر تکرار عمرہ کو امام اعظم اور امام شافعی نے مستحب قرار دیا ہے اور نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ (عرفہ سے ایام تشریق) تک مکروہ بتایا ہے، امام ابو یوسف نے یوم النحر کا استثنا کیا ہے، امام مالک نے ایک سال میں ایک سے زیادہ عمرہ کو مکروہ کہا ہے، امام احمد کے یہاں دس دن سے کم میں مکروہ ہے (معارف السنن ۶؍۳۲۳، ۳۲۴)۔

''إن شيخ الإسلام قال: إن العمرة بين العمرتين والإكثار من العمر إنه مكروه باتفاق السلف ولهذا لا

ينبغي للإنسان أن يكررها دائما'' (دروس وفتاوی فی الحرم المکی ۲۴۰، محمد بن صالح عثیمین)۔

دوسری جگہ خلاف سنت بتایا ہے: ''عمرہ کی تکرار کی اجازت جو بعض لوگوں کی طرف سے پائی جاتی ہے خلاف سنت ہے'' (دروس وفتاوی فی الحرم المکی ۲۴۳)۔

۶:الف۔ عمل رمی میں نیابت درست ہے: ''وإن رمى عنه أجزأه'' (کتاب الاصل للامام محمد ۲،۴۲۹)۔

ب۔ عمل رمی میں نیابت صرف مریض یا معذور کی طرف سے درست ہے۔

جہاں تک معذوری کی حد کا سوال ہے تو اس سلسلے میں مفتی سعید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''رمی کے بارے میں وہ شخص معذور اور مریض سمجھا جائے گا کہ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی یا تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے'' (معلم الحجاج ۱۸۵)۔

لیکن ازدحام (شدید بھیڑ) نیابت رمی کے لئے عذر نہیں ہے، مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کر سکتا، خود کنکری مارے، نہ مار سکے تو دم واجب ہوتا ہے، رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا، رات کو موقع پا کر رمی کرے مگر یہ وقت مکروہ ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت درست ہے'' (فتاوی رحیمیہ ۵/۲۳۵،۲۳۶)۔

۷۔ حکومت کی طرف سے غیر قانونی حج وعمرہ کرنے والوں کو واپس بھیج دینا بھی احصار کے حکم میں ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

''تیسرا قول یہ ہے کہ احصار کا حکم عام ہے زمانہ اور سبب کے اعتبار سے، لہذا احصار کا حکم ہر ایسی رکاوٹ کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا جو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دے۔ جیسے مرض، دشمن کا خوف، ٹانگ ٹوٹ جانا، اخراجات سفر کا گم ہو جانا اور اسی جیسے اسباب جو بیت اللہ پہنچنے سے مانع ہوں۔ یہی حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے اور یہی روایت ابن عباسؓ کی بھی ہے اور اسی کے قائل ہمارے حنفی حضرات ہیں، اور سب سے راجح قول تیسرا قول ہے'' (التعلیق الممجد علی موطا محمد ۲۳۷)۔

اگرچہ امام ابو یوسف نے امام اعظم سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو فرمایا: ''فأما اليوم فهي دار الإسلام فلا يتحقق الإحصار فيها'' (آج وہ دار الاسلام ہے، لہذا اس میں احصار متحقق نہیں) (المبسوط للسرخسی ۴،۱۱۴)۔

لیکن امام ابو یوسف نے فرمایا: ''اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب مکہ پر دشمنوں کا غلبہ ہو جائے اور وہ حج یا عمرہ کرنے والے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو جائیں تو وہ محصر ہے'' (حوالہ سابق)۔

اس کی تائید امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے واقعہ سے کی ہے، حجاج بن یوسف کی ابن الزبیر کے خلاف لشکر کشی کے زمانے میں جب انہوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو ان سے عبیداللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ نے کہا:

''لا يضير أن لا تحج العام إنا نخاف أن يحال بينك و بين البيت فقال... إن حيل بيني و بينه فعلت كما فعل النبي ﷺ'' (بخاری ۱،۲۴۳، نیز دیکھئے: عمدة القاری ۵،۳۸)۔

اس سے صراحۃ معلوم ہو گیا کہ ابن عمر کے نزدیک دار الاسلام میں مسلم بادشاہ کے ذریعہ بھی احصار متحقق ہے۔

علامہ عینی نے امام ابو یوسف کے نقل کے برخلاف تمام حنفیہ کا یہی قول قرار دیا ہے (عمدۃ القاری ۵/۳۸)۔

معارف السنن میں ہے: ''ابن مسعودؓ وابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قربانی کا جانور بھیج دے اور اسی کے ذریعہ حلال ہو جائے جب کہ وہ حرم میں ذبح کر دے، یعنی حرم کی طرف جانور بھیج دے اور جس کو بھیج رہا ہے اسی کے ہاتھوں ذبح یا نحر کا وقت متعین کر دے پس وہ اسی وقت حلال ہو جائے گا اور احرام سے فارغ ہو جائے گا اور اگلے سال اس کی قضا کرے۔

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ حلق بھی کرے، لیکن نہیں کرتا تو اس پر کچھ دم وغیرہ واجب نہیں ہے'' (معارف السنن ۶/۳۴۹)۔

امام سرخسی نے فرمایا: ''اگر محصر اپنے جانور کے ذبح ہونے سے پہلے حلال ہو جائے تو اس پر ایک اور دم واجب ہوگا'' (المبسوط للسرخسی ۴/۱۱۲)۔

قربانی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حلال نہیں ہوگا، کیونکہ نص قرآنی سے جانور کے ذریعہ ہی حلال ہونا متعین ہے، جیسا کہ طواف زیارت عورت کے حلال ہونے کے لئے متعین ہے۔ لیکن اگر وہ اتنا غریب شخص ہے کہ جانور نہیں خرید سکتا تو حضرت عطاء نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ جانور کی قیمت کے اعتبار سے ہر مسکین کے حصے میں نصف متعین کر کے ہر مسکین کے کھانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے، اس طرح وہ جزائے صید کی ہدی کے درجہ میں حلال ہو سکتا ہے۔

''امام ابو یوسف نے ''امالی'' میں فرمایا کہ یہی مجھے زیادہ پسند ہے (المبسوط للسرخسی ۴ر ۱۱۳)۔

۸۔ یوم النحر میں چار مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں: (۱) رمی، (۲) قربانی، (۳) حلق، (۴) طواف، حدیث میں چاروں اعمال اسی ترتیب سے مذکور ہیں، پس اگر ترتیب میں جہالت یا نسیان کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر دم واجب ہے، یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، جیسا کہ ''المغنی'' اور ''عمدۃ القاری'' میں اس کی تفصیل موجود ہے:

''عطاء، طاؤس، مجاہد، سعید بن جبیر اور حسن کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں، یہی رائے امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو ثور، داؤد اور محمد بن جریر طبری کی ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس پر دم واجب ہے، یہی قول نخعی اور ایک روایت کے مطابق حسن کا ہے، قتادہ بھی یہی کہتے ہیں، اور یہی رائے امام ابو حنیفہ نخعی اور ابن ماجشون کی بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ قارن ہے تو اس پر دو دم واجب ہیں: ایک تو دم قران اور دوسرا دم جنایت، اور مالک، اوزاعی، ثوری کہتے ہیں کہ اگر ذبح سے پہلے حلق کر لیا تو اس پر کچھ واجب نہیں اور یہی صراحت حدیث میں ہے، ابن عبد البر نے یہی مسلک جمہور علماء کا نقل کیا ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ کے دونوں اصحاب امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے، پس ترتیب امام ابو حنیفہ کے نزدیک رمی، قربانی اور حلق کے درمیان واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مسنون ہے۔

امام ابو حنیفہ مطلقاً دم کو واجب قرار دیتے ہیں خواہ خلاف ترتیب عمداً کیا ہو یا نسیاناً اور جہالۃً لیکن وجوب ترتیب پہلی تینوں صورتوں میں ہے نہ کہ طواف افاضہ میں۔ پس بقیہ مناسک پر اس کی تقدیم سے دم واجب نہیں ہوتا، البتہ قربانی کے تین دنوں سے موخر کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے، ہاں اگر مفرد بالحج ہو تو اس پر رمی اور حلق کے درمیان تو ترتیب واجب ہے ذبح میں ترتیب واجب نہیں، ذبح میں ترتیب (رمی، نحر، حلق کے درمیان) قارن اور متمتع پر واجب ہے'' (عمدۃ القاری ۴ر ۷۳۶، معارف السنن ۶ر ۲۱۰، ۲۱۱)۔

اس مسئلہ میں موجودہ حالات کی رعایت سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور علماء کے مسلک کو اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں:

''اسی حدیث کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ان میں سے کسی چیز (کی تقدیم و تاخیر) میں کوئی حرج نہیں، ہم اختیار کرتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں سے کسی چیز میں کوئی حرج نہیں اور وہ اس میں کفارہ کو بھی واجب نہیں کہتے، البتہ صرف ایک حالت میں جب کہ وہ قارن یا متمتع ہو اور ذبح سے پہلے حلق کرالے تو اس پر دم کو واجب قرار دیتے ہیں، بہر حال ہم اس پر کوئی چیز (دم) ضروری نہیں سمجھتے'' (موطا محمد ر ۲۳۵، باب من قدم نسکا قبل نسک)۔

موجودہ حالات میں دشواریوں کے پیش نظر امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتوی دینا حنفیت کے خلاف نہیں ہے۔

۹۔ مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں: ''اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران و دم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں، لہذا صراحۃً اذن حاصل کر لینا بہتر ہے'' (احسن الفتاوی ۴ر ۵۲۳)۔

الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی اور صاحب درمختار کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

''الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه'' (شامی ۲،۲۳۹)۔

صاحب ''درمختار'' لکھتے ہیں: ''(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن'' (در مختار علی هامش رد المحتار ۲،۲۴۷)۔

مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر العلوم سہارنپور نے پندرھویں شرط (آمر کی مخالفت نہ کرنا) کے ذیل میں لکھا ہے:

''البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا۔ آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا'' (معلم الحجاج ر ۲۸۵)۔

اس پر مولانا شیر محمد صاحب نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: ''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع کرے تو گو ضمان نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا امام الناسکین ملا علی قاری نے ''شرح لباب'' میں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز کا فتوی دیتے تھے'' (حوالہ سابق)۔

ب۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ عدم مخالفت آمر کے ذیل میں آتا ہے تو جس طرح قران کی اجازت سے آمر کی مخالفت نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح تمتع کی اجازت سے اس کی مخالفت پیدا نہیں ہوتی، پھر دونوں میں جواز وعدم جواز کی تفریق کس بنیاد پر ہے؟ موجودہ دور حج تمتع کا دور ہے، اس دور میں اجازت آمر صراحۃً یا عرفاً سے جواز تمتع کا قول اختیار کرنا ہی انسب ہے، موجودہ محققین کا یہی فتوی ہے۔

ج۔ اگر چہ شریعت میں ظن غالب کا اعتبار کیا گیا ہے اور موجودہ دور میں حج بمعنی حج تمتع کا عرف قائم ہو چکا ہے اس لئے صریح اجازت کے بغیر بھی حج بدل میں تمتع درست ہو جائے گا تاہم احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آمر سے صریح اجازت لی جائے۔

د۔ حج بدل میں تمتع باتفاق فقہاء حنفیہ مامور کے مال میں ہوگا، اس لئے کہ حج مفروض سے زائد عمل کی ذمہ داری خود مامور نے قبول کی ہے لہذا اس زائد عمل پر دم شکر اسی کے ذمہ ہوگا، البتہ اگر آمر دم شکر کی قیمت بخوشی ادا کر دے تو جائز ہے۔

ھ۔ اول تو با اجازت آمر حج تمتع کی گنجائش سطور بالا میں نقل کی جا چکی ہے تاہم اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو احرام کی طویل پابندیوں سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ شروع کی فلائٹ سے ٹکٹ بک کرائے اور براہ جدہ سیدھے مدینہ طیبہ پہنچ جائے اور ایام حج کے قریب دنوں میں مکہ مکرمہ آتے وقت ذوالحلیفہ سے حج افراد کا احرام باندھے۔ حضرت مفتی محمود حسنؒ صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نے اسی صورت کے جواب میں لکھا ہے:

''آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے'' (فتاوی محمودیہ ۱۹۲/۳)۔

و۔ متوفی کی طرف سے فرض حج ادا کرنے کے لئے اس کا امر ضروری ہے۔ بغیر امر کسی اجنبی نے حج کیا تو یہ حج کرنے والے کا ہوگا۔ البتہ اگر میت کے وارث نے متوفی کی وصیت کے بغیر اس کی طرف سے حج کیا تو اس سے متوفی کا فرض ادا ہونے کی امید ہے انشاء اللہ۔ لیکن اگر میت نے وصیت کر دی تو یقیناً بلا مشیت اس کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا (رد المحتار مع الدر المختار ۲۳۹/۲)۔

۱۰: الف۔ اس مسئلہ میں حضرت مولانا تقی عثمانی زید مجدہم لکھتے ہیں:

اگر کسی عورت کو طواف زیارت کرنے سے پہلے حیض آنے لگا تو اب اس کو رک کر اپنے پاک ہونے کا انتظار کرنا ہوگا اور پاکی کے بعد طواف زیارت لازم ہوگا، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

ہمارے زمانے میں جبکہ حجاج کے آنے جانے ٹھہرنے کی تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں اور ویزے کی محدود تاریخیں ہوتی ہیں، کسی حاجی کو ان تاریخوں اور اوقات کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ان حالات میں حیض ونفاس والی عورتیں اپنے زمانہ طہر میں طواف زیارت نہ کر سکی ہوں اور قانونی لحاظ سے ان کے لئے انتظار بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ کیا کریں؟ یہ مشکل بسا اوقات عورتوں کو پیش آتی ہے۔

کتب حنفیہ میں اس اشکال کا کوئی صریح حل احقر کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی کی حالت میں طواف کر لے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم دے کر اس کی تلافی کرے (درس ترمذی ۲۱۸/۳)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت ذیل ہے: ''کیا طہارت صحت طواف کے لئے شرط ہے اس میں علماء کے دو مشہور قول ہیں: (۱) شرط ہے، یہ مذہب ہے امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا، (۲) شرط نہیں ہے، یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد کا۔

پس ان علماء کے نزدیک اگر کسی نے طواف کیا جنابت، حدث، یا نجاست اٹھائے ہونے کی حالت میں تو طواف ادا ہو جائے گا، اور اس پر دم واجب ہوگا، لیکن امام احمد کے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ حکم ہے علی الاطلاق اس معذور کے حق میں جو جنابت بھول گیا؟

امام ابوحنیفہ اس صورت میں دم بدنہ (اونٹ یا گائے) کو واجب کہتے ہیں جب کہ حائضہ یا جنبی نے طواف کیا ہو۔ پس وہ عورت جس کے لئے ممکن نہ ہو کہ

وہ طواف کرسکے مگر حیض کی حالت میں، تو وہ طواف بحالت حیض بدرجہ اولی معذور ہے۔ کیونکہ اس پر حج فرض ہے اور علماء میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ حائضہ سے حج ساقط ہوجائے گا، اور شریعت کی بات بھی نہیں ہے کہ فرائض بعض فرض کی ادائیگی سے عاجز ہونے پر ساقط ہوجاتے ہوں، جیسا کہ طہارت سے عاجز ہو جانے والی نماز میں۔

پس اگر عورت کیلئے ممکن ہو کہ مکہ میں اپنے پاک ہونے تک ٹھہر سکے اور طواف کرسکے تو یہ بلا شبہ اس پر واجب ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو اور اس پر دوبارہ واپسی کو واجب کردیا جائے تو گویا اس پر ایک حج کے لئے دو سفروں کو واجب کرنا لازم آئے گا جب کہ اس عورت کا کوئی قصور نہیں اور یہ بات شریعت کے خلاف ہے۔ پھر اس کیلئے دوبارہ واپسی بھی ممکن نہیں مگر سواری کے ساتھ، اور ہر مہینہ میں حیض آنا اس کی فطری عادت ہے، پس اس صورت میں اس کا پاک رہنا یقینا ناممکن ہے اور شریعت کے اصول کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عبادت کی شرطوں میں جس شرط کی ادائیگی سے بندہ عاجز ہو تو وہ شرط ساقط ہوجاتی ہے، جیسا کہ نمازی شرمگاہ چھپانے سے عاجز ہو، یا استقبال قبلہ یا نجاست سے پرہیز سے عاجز ہو، یا جیسا کہ طواف کرنے والا اپنے آپ طواف کرنے سے عاجز ہو سواری یا پیدل حالت میں، تو اس کو اٹھا کر طواف کرایا جائے گا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا طواف غیر معذور ہونے کی حالت میں بلا طہارت ادا ہوجائے گا اگرچہ دم دینا ہوگا جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے اصحاب میں سے کہنے والے یہ کہتے ہیں، پس ان حضرات کا یہی قول بحالت عذر بدرجہ اولی اور زیادہ عمدہ ہے۔ رہا غسل کرنا تو اگر عورت نے کرلیا تو بہتر ہے جیسا کہ حائضہ اور نفساء احرام کے لئے کیا کرتی ہیں (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶ / ۲۴۲ تا ۲۴۴)۔

ب۔ بحالت جنابت طواف زیارت کرنے سے بھی رکن ادا ہوجاتا ہے، یہ نہی عن الافعال الشرعیہ کی قبیل سے ہے جس میں اصل صحت ہے، البتہ خلاف شرط کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

ج۔ دم بدنہ یعنی بڑے جانور اونٹ گائے کی قربانی لازم ہوگی کیونکہ جنایت بڑی ہے تو دم بھی بڑا چاہئے، بکرا کافی نہیں ہوگا (المبسوط للسرخسی ۴ / ۳۹)۔

د۔ دم کی ادائیگی یعنی نحر وذبح حدود حرم میں ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر یا اپنے مقام پر درست نہیں۔ امام محمدؒ کی کتاب الاصل میں یہ قاعدہ کلیہ مذکور ہے:

”ہر وہ دم جو حج یا عمرہ سے متعلق واجب ہو پس اس کا ذبح کرنا کافی نہیں ہے مگر مکہ میں یا حدود حرم میں جہاں چاہے۔

البتہ مکہ میں یوم النحر سے قبل اور اس کے بعد بھی ذبح کردینا کافی ہے (کتاب الاصل یعنی المبسوط للامام محمد ۲ / ۴۳۴)۔

۱۱۔ عام طور پر فقہاء نے ایام عدت میں حج وعمرہ کی ادائیگی سے بھی منع کیا ہے (ردالمحتار ۲ / ۱۴۶، فتاوی قاضی خاں ۱ / ۵ ۱۳، منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲ / ۳۱۵)۔

لیکن فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر نے طلاق بائن سفر میں دی اور اس کے وطن اور مکہ مکرمہ کے درمیان مدت سفر یعنی تین روز کی مسافت سے کم ہے تو عورت کو اختیار ہے خواہ وطن واپس ہوجائے یا مکہ مکرمہ چلی جائے، چاہے محرم ساتھ ہو یا نہ ہو یا شہر میں ہو یا جنگل میں ہو۔۔۔ اور اگر دونوں کے درمیان میں مدت سفر کی مسافت ہے اور شہر میں ہے تو اس کو اسی شہر میں عدت گذارنی چاہئے اگرچہ محرم بھی ساتھ ہو، یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں اگر محرم موجود ہو تو عدت ختم کرنے سے پیشتر بھی اس کو اس شہر سے نکلنا جائز ہے (ردالمحتار للشامی ۲ / ۱۴۶، معلم الحجاج / ۸۶)۔

خط کشیدہ عبارت سے جو گنجائش مفہوم ہوتی ہے اس کے پیش نظر اس عورت کو افعال حج وعمرہ ادا کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے، بلکہ محرم کی غیر موجودگی میں بھی ثقہ عورتوں کے ساتھ جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں، بعض مقامات حج تک تنہا بھی جیسے رمی جمرات کیلئے منیٰ تک جانا جائز رکھا گیا ہے، تو اس مشکل ترین صورت حال میں عورت کو اگلے سال صعوبت سفر اور دیگر دشواریوں سے بچانے کے پیش نظر موجودہ سفر میں ہی ارکان کی ادائیگی کی اجازت ہونی چاہئے،

مفتی سعید احمد صاحب نے لکھا ہے: ”عورت عدت کی حالت میں اگر حج کرے گی تو حج ہوجائے گا لیکن گنہگار ہوگی“ (معلم الحجاج / ۸۶)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے: ”یہ اصل مسئلہ ہے مگر چونکہ حکومت کی جانب سے قوانین سخت ہوگئے ہیں اور ناقابل برداشت دشواریوں کا سامنا ہے اس لئے کتاب ”زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک“ (ص / ۲۴، ۲۵) میں لکھا ہے۔ الی قولہ۔ تو یہ بھی اسی طرح معذور سمجھی جائے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ چلی جانے کا جواز ہے، تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہوسکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کی قضا کرنی لازم ہوگی، پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا۔

کسی معتبر کتاب میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذری تھی لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی، غالباً کبیری میں یہ عبارت تھی" (فتاوی رحیمیہ ۲۳۸/۵، ۲۳۹)۔

۱۲۔ ایک ہی جگہ پر پندرہ یوم قیام اس طرح ہو کہ وہیں رات گزرے تب وہ شخص مسافر ہوگا اور مذکورہ بالا صورت میں چونکہ اس شخص کو پندرہ دنوں کے درمیان ہی عرفات اور مزدلفہ اور منیٰ جانا پڑتا ہے اس لئے وہ مقیم نہیں ہوسکتا۔

مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان کا فاصلہ اگر ایک سو پچاس گز (۱۶ء۷ ۱۳۱ میٹر) سے کم ہو اور درمیان میں زرعی زمین نہ ہو تب اس کو مکہ کے حکم میں شامل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

"فإن اتصل بمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا" (رد المحتار ۱۰۷۲۲)۔

"وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر لا يصح لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط" (البحر الرائق ۲۰۱۳۲)۔

چنانچہ اب تک اہل فتویٰ حضرات مذکورہ بالا صورت میں پندرہ یوم کے قیام کو موجب عدم قصر نہیں مانتے (دیکھئے معلم الحجاج ص ۱۵۷، فتاوی محمودیہ ۱۸۴/۳)۔

۱۳۔ دوسلام کے فصل سے وتر پڑھانے والے امام کے پیچھے حنفی کی اقتداء کو عام طور پر فقہاء حنفیہ نے منع کیا ہے۔

"وأن لا يقطع وتره بسلام على الصحيح" (طحطاوی علی مراق الفلاح ۲۰۶، باب الوتر)۔

"وصح الاقتداء فيه (أي في الوتر) بشافعي (لم يفصله بسلام) لا إن فصله (على الأصح)" (در مختار ۱۰۶۲۵)۔

لیکن مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے نقل کیا ہے: "اگر حنفی نے شافعی کی وتر میں اقتدا کی اور اس شافعی امام نے اپنے مذہب کے مطابق پہلی دو رکعت پر سلام پھیر دیا پھر وتر کو پورا کیا تو ابوبکر رازی اور ابن وہبان کے نزدیک حنفی کی اقتداء صحیح ہے، حنفی کی وتر صحیح ہوگئی" (معارف السنن ۱۷۰/۴)۔

اور مسئلہ چونکہ مجتہد فیہ ہے اس لئے اقتداء کی صحت کا فتوی دیا جانا چاہئے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا خورشید انور اعظمی [۱]

آج زمانہ کافی ترقی کر چکا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور اس مشینی دور نے جہاں بہت سی سہولتیں مہیا کی ہیں، وہیں نت نئے مسائل بھی پیدا کر دئے ہیں، جس کے سبب شریعت اسلامیہ کے بہت سے احکام پر عمل کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، حج وعمرہ کی ادائیگی میں بھی بعض مقامات پر حجاج کرام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، یہاں انہیں مشکلات کو فقہ وفتاوی کے قدیم، مستند اور اہم مأخذ کی روشنی میں حل کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ تجاوز میقات اقوال فقہاء کی روشنی میں

حرم کی ایک مقدس مقام ہے، اس کی حیثیت دیگر مقامات سے مختلف ہے، دوسری جگہوں پر جانے کے لئے کسی آداب کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے، مگر اس مقام مقدس کی عظمت وتقدیس کا تقاضا ہے کہ وہاں جانے کے کچھ آداب ہوں تا کہ عام مقامات اور اس کے درمیان امتیاز قائم رہے، اسی وجہ سے نبی کریم علیہ السلام نے کچھ جگہوں کو بطور میقات متعین فرمایا کہ حرم میں داخل ہونے کے لئے وہاں سے احرام باندھ کر آگے بڑھنا واجب ہے، اس میقات سے باہر کے لوگوں کو آفاقی کہا جاتا ہے۔ آفاقی شخص اگر حج وعمرہ کی نیت سے میقات سے تجاوز کر رہا ہے تو اس کے لئے احرام کا باندھنا بالاتفاق واجب ہے، لیکن اگر اس کا ارادہ ملاقات، زیارت اور تجارت وغیرہ کا ہے تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے

اس کے قائل صاحب بذل المجہود کی صراحت کے مطابق امام شافعی اپنے قول اخیر میں، ابن عباس اپنے ایک قول میں اور ابن عمر ہیں (بذل المجہود ۳؍۴۷) اور بقول علامہ عینی، امام زہری، حسن بصری، امام شافعی اپنے ایک قول میں، امام مالک ایک روایت میں، ابن وہب، داؤد بن علی اور ان کے اصحاب ظاہریہ ہیں (عمدۃ القاری ۵؍۱۰۹)، علامہ مروزی نے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے (اختلاف العلماء) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو امام شافعی کا مذہب مشہور قرار دیا ہے (فتح الباری ۴؍۵۹)۔

بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے

اس کے قائل جمہور علماء ہیں (بذل المجہود ۳؍۴۷) اور بقول علامہ عینی عطاء بن ابی رباح، لیث بن سعد، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، مالک اپنے قول صحیح میں، شافعی اپنے قول مشہور میں، احمد اور ابوثور ہیں (عمدۃ القاری ۵؍۱۰۹)، علامہ مروزی نے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک نقل کیا ہے (اختلاف العلماء) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسے امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام مالک کا قول مشہور بتایا ہے (فتح الباری ۴؍۵۹)۔

ان حضرات کے دلائل جو بغیر احرام تجاوز میقات کو جائز سمجھتے ہیں:

''عن جابر أن النبي ﷺ دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام'' (صحيح مسلم ۱؍۴۳۹) (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے اور آپ ﷺ پر ایک کالی پگڑی تھی)۔

علامہ نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''یہ دلیل ہے ان کی جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے ان کے لئے جو حج کا ارادہ نہ رکھتے ہوں خواہ بار بار پیش آنے والی ضرورت کی وجہ سے ہو، جیسے لکڑی چننے والا، گھاس کاٹنے والا، پانی پلانے والا اور شکار کرنے والا اور ان

---

[۱] جامعہ مظہر العلوم بنارس، یوپی۔

کے علاوہ، یا ایسی ضرورت ہو جو بار بار پیش نہ آتی ہو جیسے تاجر اور زائر وغیرہ، خواہ وہ مامون ہو یا نہ ہو، اور امام شافعیؒ کا صحیح قول یہی ہے اور اسی پر ان کے اصحاب نے فتوی دیا ہے" (شرح النووی علی مسلم ۱/۴۳۹)۔

مجوزین حضرات اپنے مسلک کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ جب مکہ کے اندر بغیر احرام کے سکونت اختیار کرنا جائز ہے تو بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کی اجازت تو بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہئے، اس وجہ سے کہ داخل ہونا وہاں سکونت پذیر ہونے سے کم تر درجہ کا ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

تیسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات کی تعیین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة" (صحیح مسلم ۱/۳۷۴) (یہ ان کے لئے ہیں (یعنی میقات والوں کے لئے) اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اہل میقات میں سے نہ ہوں لیکن حج وعمرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں)۔

علامہ نووی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: "حدیث مذکور میں صحیح مذہب کی دلیل ہے اس شخص کے بارے میں جو بغیر حج وعمرہ کے ارادہ سے میقات سے گزرے، تو اس کے لئے مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری نہیں ہے" (شرح النووی علی مسلم ۱/۳۷۴)۔

ان حضرات کے دلائل جو بغیر احرام میقات سے تجاوز کو ناجائز سمجھتے ہیں:

"عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: لا تجاوزوا الميقات إلا بالإحرام" (شرح نقایہ ۱/۱۸۸)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بغیر احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرو)

"عن النبي ﷺ أنه قال ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي وإنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراماً إلى يوم القيامة" (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا، مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور میرے لئے تھوڑی دیر کے لئے حلال کیا گیا ہے، پھر قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت علی حالہ لوٹ آئی)۔

علامہ کاسانی نے اس حدیث سے تین طریقہ سے استدلال کیا ہے: (۱) إلا أن مكة حرام" سے، (۲) لا تحل لأحد بعدي سے، (۳) عادت حراما إلى يوم القيامة سے، یہ مطلق ہے اس میں حج وعمرہ اور غیر حج وعمرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے (بدائع ۲/۱۶۴)۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس مقام مقدس کے لئے احرام اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ وہ قابل تعظیم ہے اور اس حیثیت سے حاجی ومعتمر اور غیر حاجی ومعتمر سب برابر ہیں (ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری اور لازم ہے، خواہ حج وعمرہ کی نیت سے وہاں جانا ہو یا کسی اور غرض سے۔

رہا فتح مکہ کے دن آپ کا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا تو یہ آپ کے لئے اور آپ کے صحابہ کے لئے اس وقت کے ساتھ مخصوص حکم تھا (شرح وقایہ ۱/۱۸۸، مرقاۃ ۸/۶)۔

رہی اہل مکہ کو مکہ میں بغیر احرام کے سکونت پذیر رہنے کی اجازت کی بات تو ان لوگوں کو اس کی اجازت اسی بنیاد پر ہے کہ وہ لوگ وہاں بسنے کے سبب اس کی تعمیر، حفاظت اور خدمت میں حصہ لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا شمار تعظیم کرنے والوں میں ہو گیا ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

۲- مکہ بار بار آنے جانے والوں کا مسئلہ

یہ تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ احترام مکہ کے پیش نظر وہاں جانے کے لئے احرام باندھنا از حد ضروری ہے، مگر عصر حاضر کی برق رفتار ترقیات نے انسانی زندگی کی بھاگ دوڑ کو بھی بہت تیز کر دیا ہے اور آمد ورفت کی سہولیات نے مختلف شہروں کو تجارتی اور معاشی بنیادوں پر باہم مربوط کر دیا ہے، جس کی وجہ سے لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت ان جگہوں پر بار بار آنے جانے پر مجبور ہوتے ہیں، مکہ بھی ایک عظیم شہر ہے جہاں سے بہت سے لوگوں کی تجارتی ومعاشی ضرورتیں وابستہ ہیں اور انہیں وہاں جانے کا بار بار سابقہ پڑتا ہے اور ان میں کتنے ہیں جو میقات سے گزر کر ہی مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں، اسی طرح بہت سے اہل مکہ اپنی ضرورتوں کے پیش

نظر میقات سے باہر آنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں تو اصل صورت میں اگر ان حضرات کو ہر بار احرام کا پابند بنایا جائے تو بہت ہی تنگی اور دشواری میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں اس کا صحیح اور مناسب حل تلاش کیا جائے تا کہ امت حرج و تنگی سے محفوظ رہے۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریحات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی کے یہاں اگر کوئی شخص حج اور عمرہ کے ارادے سے نہیں بلکہ کسی اور ارادے سے مکہ جارہا ہے تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری نہیں، خواہ وہ کسی ضرورت کے تحت جارہا ہو، یہی ان کا مذہب صحیح ہے، چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

''بہرحال جو شخص حج وعمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو ہمارے صحیح مذہب کے مطابق مکہ میں داخل ہونے کے لئے اس پر احرام ضروری نہیں ہے خواہ ایسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہو جو بار بار پیش آتی ہے جیسے لکڑی چننے والا، گھاس چننے والا، اور شکاری وغیرہ، یا بار بار پیش آنے والی نہ ہو جیسے تجارت کرنے والے اور زیارت کرنے والے وغیرہ'' (شرح النووی علی مسلم ۱/ ۴۳۷)۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے ''حاجۃ متکررۃ'' کے سبب بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے ''العدۃ شرح العمدۃ'' میں ہے:

''مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، مگر قتال مباح کی وجہ سے اور ایسی ضرورت کی وجہ سے جو بار بار پیش آتی ہو جیسے لکڑی چننے والا وغیرہ'' (العدۃ شرح العمدہ ۱/ ۱۶۵، کشف القناع عن متن الاقناع ۲/ ۴۰۷)۔

لیکن اگر تجارت و زیارت کے لئے جانا ہو تو احرام ان کے یہاں لازم ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف المحرر فی الفقہ میں اس کی صراحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''وإن قصدها لغير ذلك من تجارة ونحوها لزمه أن يدخلها محرما من الميقات'' (المحرر فی الفقہ ۱/ ۲۳۵) (اور اگر مکہ کا ارادہ کیا اس کے علاوہ کسی وجہ سے یعنی تجارت اور اس جیسی چیز تو اس کو مکہ میں میقات سے احرام کی حالت میں داخل ہونا ضروری ہے)۔

امام مالک نے بھی ان لوگوں کو بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے جنہیں مکہ بار بار جانے کا اتفاق ہوتا ہے، اور جو لوگ تجارت یا کسی اور غرض سے وہاں جارہے ہوں تو ان کے لئے وہ بھی بغیر احرام کے جانے کی اجازت نہیں دیتے، شرح وقایہ میں ہے:

''امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے اس شخص کے لئے جس کی کثرت سے مکہ آمد و رفت ہو، جیسے اہل مکہ اور مکہ میں وہ رہنے والے جو معاش کے لئے نکلتے ہوں، نہ کہ وہ آفاقی جو مکہ کا ارادہ کئے ہوں کسی ضرورت یا تجارت کی وجہ سے'' (شرح وقایہ ۱/ ۱۸۸)۔

ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات ایسے شخص کو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر متفق نظر آتے ہیں جسے مکہ بار بار آنے جانے کا سابقہ پڑتا ہو۔

باقی رہے فقہاء حنفیہ تو ان کی عام تصریحات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آفاقی کے لئے کسی بھی صورت میں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، ہدایہ میں ہے: ''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا'' (ہدایہ ۱/ ۲۱۴)۔

ہاں اگر کوئی بغیر احرام کے مکہ جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے ایک شکل یہ ہے کہ وہ پہلے ''حل'' کا ارادہ کرے اور وہاں پہنچ کر پھر مکہ جانے کا ارادہ کرے تو ایسی صورت میں احرام کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ دفع حرج کے سبب اہل حل احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہیں، درمختار میں ہے:

''أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام وهو الحيلة لمريد ذلك'' (درمختار ۲/ ۱۶۷)۔

یہ تو آفاقی کے میقات سے تجاوز کر کے مکہ جانے کا مسئلہ تھا کہ اس سلسلہ میں فقہائے حنفیہ کے یہاں کسی بھی حالت میں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنے کی اجازت کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن اگر کوئی مکی اپنی ضرورت کے تحت مکہ سے باہر نکلے اور میقات سے بھی تجاوز کر جائے تو اس سلسلے میں صاحب البحر الرائق، ردالمحتار (۲/ ۱۶۸) اور بدائع الصنائع (۲/ ۱۶۷) کے اعتبار سے وہ آفاقی کے حکم میں ہو گیا، اس کے لئے بغیر احرام کے مکہ آنے کی اجازت نہیں رہی، طحطاوی

علی الدر المختار (ص ر ۸۲۶) میں بھی اسی کی تائید مذکور ہے، لیکن مجمع الأنہر شرح ملتقی الأبحر میں ہے کہ حطابین مکہ اگر میقات سے آگے بڑھ جائیں تو ان کے لئے احرام کی پابندی ضروری نہیں ہے، بغیر احرام باندھے مکہ آسکتے ہیں۔

اسی طرح علامہ عبد العلی بحر العلوم اپنی کتاب رسائل الارکان میں رقم طراز ہیں: "اگر مکی کسی ضرورت کی وجہ سے نکلا اور پھر لوٹا تو اس پر احرام کی حالت میں لوٹنا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ احرام کے ساتھ حرم میں داخل ہونے کا وجوب صرف آفاقی اور غیر مکی کے لئے ہے، اور احرام کا وجوب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ بیت اللہ کا سلام اور تحفہ ہے اور مکی کے حق میں (دن رات وہاں رہنے کی وجہ سے) یہ تحیہ نہیں ہے، اسی وجہ سے تو مکی سے حج میں طواف قدوم ساقط ہے" (رسائل الارکان ر ۲۷۴)۔

العرف الشذی میں بھی حطابین وحشاشین کا استثناء امام ابوحنیفہ کی جانب منسوب کرتے ہوئے مذکور ہے:

"ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس شخص پر احرام واجب ہے جو مکہ کا قصد کرتے ہوئے میقات سے گذرے، حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو سوائے لکڑی اور گھاس چننے والے کے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ احرام حج وعمرہ میں سے کسی کا ارادہ کرنے والے ہی پر واجب ہوتا ہے" (العرف الشذی ر ۳۱۸)۔

الغرض وہ مکی جسے مکہ سے بار بار باہر نکلنے اور میقات سے تجاوز کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے لئے تو فقہ حنفی کی مذکورہ تصریحات میں بھی احرام باندھے بغیر مکہ آنے جانے کی گنجائش نکلتی ہے، پھر اس وقت حطابین کی عادت یہ تھی کہ میقات کے اندر ہی رہتے تھے، اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے، اس لئے ان کی اس رخصت کو حل تک محدود رکھا گیا، جیسا کہ صاحب بدائع (۲/۱۶۶) علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، مگر آج جو لوگ حطابین کے حکم میں ہیں ان کی عادتیں میقات سے باہر جانے کی ہیں، لہذا اس رخصت میں عموم بہر حال ہونا چاہئے، اور ڈرائیور یا ایسے لوگ جنہیں میقات سے نکلنے کا بار بار سابقہ پڑتا ہو انہیں احرام کی پابندی سے مستثنیٰ ہونا چاہئے۔

باقی رہے ایسے آفاقی جنہیں مکہ بار بار آنے جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو انہیں یا تو اس طرح کے مکی حضرات پر قیاس کرتے ہوئے احرام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے یا بصورت دیگر موجودہ ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے امام شافعی وغیرہ کے فتویٰ پر عمل کیا جائے اور احرام کے بغیر آنے جانے کی انہیں اجازت دے دی جائے۔

۳، ۴۔ مکی کے لئے تمتع اور قران کا مسئلہ

اہل مکہ اور مکہ میں مقیم حضرات کے لئے صرف حج افراد کی اجازت ہے تمتع اور قران کی نہیں، ہدایہ میں ہے:

"وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي حتى لايكون له متعة ولا قران" (هدايه ۱٫۲۴۳)۔

درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مکی تمتع اور قران کرلے تو جائز ہے مگر گناہ گار ہوگا اور اس پر دم واجب ہوگا (درمختار ۲ / ۲۱۴)۔

لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے (رد المحتار ۲ ر ۲۱۴) میں اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے، قران باطل نہیں، بلکہ اس کا قران کراہیت کے ساتھ جائز ہے، اور علامہ انور شاہ کشمیری کے نزدیک یہی قول برحق ہے (معارف السنن ۶ / ۲۹۴)۔

۵۔ متمتع ایک عمرہ کے بعد حج سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے

اس مسئلہ میں کہ تمتع کرنے والا حج سے پہلے ایک عمرہ کے بعد مزید عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ علامہ سندھی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف لباب المناسک میں اس کی اجازت نہیں دی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يعتمر قبل الحج" (ارشاد الساری ۱۹۳)۔

لیکن ملا علی قاری نے اپنی شرح لباب میں اس کی تردید فرمائی ہے اور کہا ہے کہ متمتع حج سے قبل ایک عمرہ کرنے کے بعد مزید عمرہ کرسکتا ہے، لکھتے ہیں:

"اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ مکی عمرہ مفردہ سے بھی روکا گیا ہے، حالانکہ یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ تمتع اور قران سے روکا گیا ہے، اور یہ متمتع آفاقی ہے جو روکا نہیں گیا ہے، لہذا اس کے لئے اس کا تکرار جائز ہے کیونکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے" (ارشاد الساری ر ۱۹۳)۔

مفتی سعید احمد صاحبؒ نے معلم الحجاج (۱/ ۲۳۸) میں اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحبؒ نے رہبر حجاج (ص/ ۳۳) میں اسی نظریہ کی تائید فرمائی ہے اور یہی صحیح بھی ہے، اس وجہ سے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے سال کے اندر کئی بار عمرہ کرنے کی اجازت دی ہے اور اس میں حاجی اور غیر حاجی کے درمیان تفریق نہیں کی ہے، التمہید میں ہے:

''قال أبو حنيفة وأصحابه: العمرة مباحة في السنة كلها إلا يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق قال والحاج وغيره في ذلك سواء'' (التمهید ۲۰،۱۹)۔

ایک سال کے اندر تکرار عمرہ کے سبھی فقہاء قائل ہیں، سوائے امام مالک کے کہ وہ اسے مکروہ جانتے ہیں، مگر علامہ ابن عبدالبر نے صراحت کی ہے کہ مکروہ قرار دینے والوں کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، لکھتے ہیں:

''ابوعمر نے کہا کہ سال میں چند مرتبہ عمرہ کرنے کو مکروہ قرار دینے والوں کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں مجھے نہیں ملی جس کا تسلیم کرنا ضروری ہو'' (التمہید ۲۱/۲۰)۔

۶۔ عمل رمی میں نیابت کا مسئلہ

اگر کوئی شخص معذور ہے تو دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی جمار کرسکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

''جاز بفعل غيره إذا عجز'' (تبيين الحقائق ۲،۳۸) (جب عاجز ہو تو دوسرے کے کرنے سے جائز ہوگا)۔

اسی طرح مبسوط میں ہے: ''المريض الذي لا يستطيع رمي الجمار يوضع الحصى في كفه حتى يرمي لأنه فيما يعجز عنه يستعين بغيره وإن رمي عنه أجزأه بمنزلة المغمى عليه فإن النيابة تجري في النسك كما في الذبح'' (مبسوط ۴،۶۹)۔

(جو مریض رمی جمار کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کی ہتھیلی میں کنکری رکھ دی جائے تا کہ وہ رمی کرے، اس لئے کہ جس سے وہ عاجز ہے اس میں دوسرے سے مدد لے گا اور اگر کسی نے اس کی طرف سے رمی کر دیا تو کافی ہوگا اور وہ بے ہوش کے درجہ میں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ نیابت حج وعمرہ میں جاری ہوتی ہے جیسا کہ ذبح میں)۔

لیکن یہ اجازت چھوٹے بڑے ہر عذر پر نہیں دی گئی ہے، بلکہ ایسا عذر شدید ہو کہ آدمی اپنے ضعف ومرض کے سبب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور نہ اس کے لئے سواری سے یا پیدل جمرات تک پہنچنا ممکن ہو، تب کوئی دوسرا شخص عمل رمی میں اس معذور شخص کی نیابت کرسکتا ہے (دیکھئے: ارشاد الساری/ ۱۶۶)۔

آگے لکھتے ہیں: ''اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے رمی کرنے کی جگہ حاضر ہونے کی قدرت ہے خواہ سوار ہو کر ہو یا اس کو اٹھا کر لے جایا جائے، تو اس کی نیابت جائز نہیں ہے'' (حوالہ سابق)۔

اسی طرح مفتی سعید احمد صاحب معلم الحجاج میں تحریر فرماتے ہیں: ''رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو خود رمی کرنی ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے، دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے'' (معلم الحجاج/ ۱۸۵)۔

رہا خوف ازدحام، تو یہ عذر نہیں ہے، اس کی بنیاد پر کسی کو نائب بنانا درست نہیں ہے، چنانچہ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحبؒ نے رہبر حجاج (ص/ ۴۶) میں، مفتی سعید احمد صاحب نے معلم الحجاج (ص/ ۱۸۴) میں، مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نے فتاوی رحیمیہ (۲۳۸/۵) میں اس کی صراحت فرمائی ہے، لہذا عورتیں اور معذورین محض ازدحام کے خوف سے کسی اور کو نائب نہ بنائیں بلکہ از خود رمی کریں، ہاں اگر ازدحام کا اندیشہ ہو تو دن کے بجائے رات میں کریں، کہ ان کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔

۷۔ حکومت سعودیہ کی جانب سے کسی کے بحالت احرام روک دیئے جانے کا حکم

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حکومت سے اجازت لئے بغیر بعض لوگ احرام باندھ لیتے ہیں اور جب تفتیش ہوتی ہے تو انہیں حکومت کا عملہ واپس بھیج دیتا ہے اور وہ حج نہیں کر پاتے، ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوتے ہیں، محصر کی تعریف ہے:

''المحصر محرم ممنوع عن المضي إلى إتمام أفعال ما أحرم لأجله'' (عنایه علی هامش الفتح ۲،۲۹۵)۔

لیکن محصر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج کے دونوں رکن طواف زیارت اور وقوف عرفہ سے روک دیا گیا ہو، اگر صرف کسی ایک رکن سے روکا گیا ہو تو محصر نہیں ہوگا، مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

''هو المنع عن الوقوف والطواف شرعا فإن قدر على أحدهما فليس بمحصر'' (مرقاۃ ۶،۲) (وہ وقوف اور طواف سے شرعا روکنا ہے، اگر ان دونوں میں سے کسی پر قادر ہے تو وہ محصر نہیں ہے)۔

مفتی سعید احمد صاحب اس مسئلہ کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو کیا کرنا ہوگا:

''اگر مکہ مکرمہ میں ہی محرم کو کوئی ایسا مانع پیش آجائے کہ وقوف عرفات اور طواف زیارت دونوں نہ کر سکے تو وہ بھی محصر ہے، اگر صرف ایک سے روکا تو محصر نہ ہوگا کیونکہ اگر وقوف سے رکا ہے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا اور اگر طواف زیارت سے رکا ہے تو یہ طواف ساری عمر میں ہو سکتا ہے، البتہ ایام نحر کے بعد کرنے سے دم واجب ہوگا'' (معلم الحجاج ۲۷۲)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب قائم رکھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب اور حضرات صاحبین کے نزدیک سنت ہے (مرقاۃ المفاتیح ۵؍۳۶۳)۔

چنانچہ اگر کسی نے ترتیب کا لحاظ نہیں کیا اور ان میں تقدیم وتاخیر کر دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہیں، اسی طرح امام مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور، داؤد اور ابن جریر کا مسلک بھی صاحبین کا سا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک عدم ترتیب پر دم واجب نہیں ہوتا (عمدۃ القاری ۴؍۷۳۶)۔

آج حج کے زمانہ میں زبردست ازدحام ہوتا ہے جس کے سبب ترتیب کا لحاظ کرنے میں حجاج کرام کو بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں اور بسا اوقات ترتیب قائم بھی نہیں رہ پاتی اور امام صاحب کے فتوی کے رو سے دم واجب ہو جاتا ہے، اس لئے حالات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ہوگا کہ حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے، تاکہ امت تنگی سے محفوظ رہے۔

۹۔ حج بدل میں قران اور تمتع

حج بدل کے صحیح ہونے کی بہت ساری شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مأمور (حج بدل کرنے والا) آمر یعنی حج بدل کرانے والے کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حج آمر کے طرف سے نہیں ہوگا اور مأمور سارے اخراجات کا ضامن ہوگا، مثلا آمر نے مأمور کو صرف حج کرنے کا حکم دیا اور اس نے قران یا تمتع کر دیا تو اس صورت میں اسے مخالف تصور کیا جائے گا اور وہ ضامن قرار پائے گا، لباب المناسک میں ہے:

''لو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع لم يقع حجه عن الآمر ويضمن النفقة'' (لباب المناسك ۲۹۴)۔

علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وجهه أنه لم يأت بالمأمور به لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير فقد خالف أمر الآمر فضمن'' (رد المحتار ۲،۲۶۸)۔

لیکن اگر حج بدل کرانے والے نے مامور کو تمتع کرنے کی بصراحت اجازت دیدی تو اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ملا علی قاری، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا خیال ہے کہ آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن صاحب البحر الرائق، لباب المناسک اور غنیۃ الناسک وغیرہ کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ آمر کی اجازت سے مأمور تمتع کر سکتا ہے (غنیۃ الناسک ۱۸۵)۔

نیز رد المحتار کی عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کرنے کی اجازت ہے، البتہ دم قران وتمتع اور جنایات مامور پر ہوں گے (رد المحتار ۲؍۲۶۸)۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد بہت واضح اور جچی تلی رائے دی ہے اور تمتع کی گنجائش بتائی ہے، لکھتے ہیں:

''اگر چہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں اور فقہائے متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اس کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا فتوی اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے، تمتع نہ کریں لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جا سکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کر سکیں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے'' (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶)۔

پھر یہ اجازت بصراحت ہونی چاہئے، چنانچہ اگر صراحتاً اجازت نہیں دی اور مأمور نے تمتع یا قران کر لیا تو اسے مخالف تصور کیا جائے گا اور اس ضمن کے سارے اخراجات کا ضامن ہوگا (دیکھئے: البحر الرائق)۔

اگر آمر نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو اس سے حج افراد مراد ہوگا، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جبکہ آمر نے صرف حج کا امر کیا تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ جب آمر خارج میقات کا رہنے والا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو، اور اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج کے امر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کیا ہے'' (کفایت المفتی ۴/۳۲۵)۔

مامور جب قران یا تمتع کرے گا تو ان کا دم اسی پر آئے گا آمر پر نہیں، خواہ اس نے آمر کی اجازت سے کیا ہو یا بغیر اجازت کے (درمختار ۲/۲۶۷)۔

لباب المناسک میں ہے: ''ولو أمر بالقران أو التمتع فالدم على المأمور'' (لباب المناسک ۲۰۵) (اور اگر اس کو حکم دیا ہے قران اور تمتع کا تو پھر دم مامور پر ہے)۔

باقی رہا حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش کا مسئلہ تو اگر میت نے حج کی وصیت کی ہے تو اس میں حج بدل کی تمام شرطوں کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے تمتع کی صراحت نہیں کی ہے تو مامور کے لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر اس نے صراحتاً اس کی اجازت دیدی ہے تو مامور کے لئے تمتع کرنا صحیح ہوگا، ارشاد الساری میں ہے:

''إن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف'' (ارشاد الساری ۲۰۴) (اگر میت نے مامور کو تمتع کا حکم دیا، پھر مامور نے تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ مخالفت کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس سلسلہ میں ائمہ اسلاف کے درمیان کوئی اختلاف ہے)۔

اگر میت نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو ورثہ کی اجازت سے تمتع اور قران جائز ہوں گے وصی کی اجازت سے نہیں (کفایت المفتی ۴/۳۶۲)۔

۱۰۔ حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت

حالت حیض ونفاس میں طواف کرنا ممنوع ہے، مگر کسی مجبوری کے سبب اگر کوئی عورت طواف کر ہی لے تو طواف ہو جائے گا، رد المحتار میں ہے:

''ويمنع حل الطواف لأن الطهارة له واجبة فيكره تحريما وإن صح كما في البحر وغيره'' (رد المحتار ۱/۲۱۴) (وہ طواف کے حلال ہونے کو روکتی ہے، اس لئے کہ طواف کے لئے طہارت واجب ہے پس وہ مکروہ تحریمی ہوگا اگر چہ صحیح ہے، جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے)۔

وہ عورت گنہگار تو ضرور ہوگی مگر اس طواف کے ذریعہ اس کا رکن ادا ہو جائے گا اور احرام سے نکل جائے گی اور اس پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوگا۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: ''ناپاکی کی حالت (حیض ونفاس اور جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اس کو گناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے، طواف زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے، تاہم اس کا فریضہ حج ادا ہو جائے گا'' (فتاوی محمودیہ ۱۳/۱۸۰)۔

اور یہ دم حرم میں دیا جائے گا، تبیین الحقائق میں ہے: ''والکل بالحرم أی کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم'' (تبیین الحقائق ۲.۹۰) (اور تمام دم حرم میں دیئے جائیں گے یعنی حج کرنے والے پر تمام دم حرم ہی میں واجب ہوں گے)۔

۱۱۔ سفر حج میں شوہر کے انتقال کے بعد معتدہ عورت کے حج کا مسئلہ

اگر سفر حج یا عمرہ کے دوران کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو اس پر عدت واجب ہوگی اور ایام عدت میں عورت پر حج واجب نہیں ہوتا، تاہم اگر کوئی عورت اس حالت میں بھی حج کرلے تو حج ہوجائے گا مگر گنہگار ہوگی، ارشاد الساری میں ہے:

''وإن حجت وھی فی العدۃ جاز حجھا وکانت عاصیۃ'' (ارشاد الساری ۳۹) (اور اگر اس نے عدت کی حالت میں حج کیا تو اس کا حج جائز ہے لیکن گنہگار ہوگی)۔

اگر وہ بحالت احرام تھی کہ اس کا شوہر انتقال کر گیا تو ایسی صورت میں وہ محصر قرار پائے گی اور حرم میں دم دے کر حلال ہوجائے گی البحر الرائق میں ہے:

''اگر عورت نے حج کا احرام باندھا اور اس کا کوئی محرم نہ ہو یا اس کے شوہر نے اس کو روک دیا ہو یا شوہر مرگیا یا اس کا محرم راستہ میں مرگیا اور یہ احرام کی حالت میں ہے، اگرچہ نفلی حج ہی کیوں نہ ہو، تو وہ حرم میں ہدی ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہوسکتی'' (البحر الرائق ۳/۵۸)۔

۱۲۔ پندرہ دن سے کم مکہ رہ کر منیٰ جانے والا شخص مسافر ہوگا یا مقیم؟

اگر کوئی شخص مکہ اس وقت پہنچتا ہے کہ پندرہ دن گزارنے سے قبل ہی اسے منیٰ چلے جانا ہے تو ایسی صورت میں وہ مقیم نہیں ہوگا، مسافر ہی رہے گا حتی کہ اگر وہ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت بھی کرلے تب بھی وہ مسافر ہی رہے گا اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، البحر الرائق میں ہے:

''وذکر فی کتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مکۃ فی أیام العشر ونوی الإقامۃ نصف شھر لا یصح لأنہ لابد لہ من الخروج إلی عرفات فلا یتحقق الشرط'' (البحر الرائق ۲.۱۴۳)۔

(اور کتاب المناسک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حج کرنے والا ایام عشر میں مکہ پہنچا اور پندرہ دن اقامت کی نیت کی تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو عرفات جانا ضروری ہے، لہٰذا شرط متحقق نہیں ہوگی)۔

یہ توضیح ہے کہ آج منیٰ کی آبادی بڑھتے بڑھتے مکہ سے جاملی ہے، مگر پھر بھی اس اتصال سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا، آج آبادیوں کی تعیین کے لئے حکومت کی جانب سے نشانات ہوتے ہیں اور وہی آبادیوں کے اتصال وانفصال کے مدار ہوتے ہیں، پھر یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ منیٰ ایک مستقل آبادی ہے۔

پھر کتب فقہ میں اس طرح کی کوئی صراحت تو نہیں ملتی کہ منفصل آبادی اگر متصل ہوجائے تو اس سلسلہ میں اس پر کیا حکم مرتب ہوگا، مگر ایسا ضرور ملتا ہے کہ اگر کوئی آبادی پہلے سے متصل تھی اور بعد میں علیحدہ ہوگئی تو اس شہر سے نکلنے میں قدیم اتصال کا اعتبار کیا جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے: ''اور وہ نکل رہا ہے ایسی جانب سے جس جانب سے وہ محلہ شہر سے الگ ہے حالانکہ پہلے وہ شہر سے متصل تھا تو نماز کی قصر نہیں کرے گا، جب تک وہ اس محلہ کو پار نہ کرجائے، اسی طرح خلاصہ میں ہے'' (البحر الرائق ۲/۱۳۹)۔

۱۳۔ نماز وتر میں کسی شافعی امام کی اقتداء کا مسئلہ

نماز وتر میں کسی ایسے امام کی اقتداء کرنا جو دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہو علماء حنفیہ کے مذہب صحیح کے مطابق جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف البحر الرائق میں تحریر فرمایا ہے:

''المذھب الصحیح صحۃ الاقتداء بالشافعی فی الوتر إن لم یسلّم علی رأس الرکعتین وعدمھا إن سلّم'' (البحر الرائق ۲.۴۲)۔ (صحیح مذہب یہ ہے کہ شافعی امام کی اقتداء کرنا وتر کی نماز میں صحیح ہے اگر وہ دو رکعت پر سلام نہ پھیرے اور اس کی اقتداء درست نہیں ہے اگر دو رکعت پر سلام پھیر دے)۔

علامہ زیلعی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے (البحر الرائق ۲/۴۲)، لیکن علامہ ابو بکر رازی نے مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب اس صورت میں بھی اقتداء کو جائز قرار دیا ہے، البحر الرائق میں ہے:

''ابو بکر رازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور (ان کا خیال ہے کہ) وتر کی بقیہ رکعت بھی اس کے ساتھ پڑھے اس لئے کہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے ان کے نزدیک امام نماز سے نہیں نکلتا، نیز یہ کہ یہ مسئلہ بجائے خود مجتہد فیہ ہے، لہذا اس کا حکم ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اگر اقتداء کی جائے ایسے امام کی جس کی نکسیر پھوٹ گئی ہو'' (البحر الرائق ۲/۴۲)۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی علماء کی جانب منسوب کرتے ہوئے اس کے جواز کی بات نقل کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''اسی طرح وتر کی نماز میں شافعی کے پیچھے اگر چہ وہ سلام پھیر دے حنفی کے اقتداء کرنے کے جواز کی صراحت کی ہے'' (معارف السنن ۱/۱۶۳)۔

ان تمام تصریحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہونا تو یہی چاہئے کہ اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو اقتداء جائز نہ ہو، لیکن حرمین شریفین کی جماعت کا ثواب حاصل کرنے اور دوسری مصلحتوں کے پیش نظر اس کے جواز کی بات کہی جانی چاہئے اور ایک اجتہادی مسئلہ میں تشدد کے بجائے تخفیف کا راستہ اپنانا چاہئے۔

☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق اہم مسائل

مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی [1]

۱، ۲۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر احرام کے میقات سے کسی صورت میں بھی تجاوز کرنا صحیح نہیں ہے، مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے کوئی جارہا ہے تو میقات سے تجاوز صحیح ہے۔ ابوقدامہ تحریر کرتے ہیں:

''جو شخص مکہ میں قتال مباح، یا خوف یا کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہوا جیسے لکڑیاں اور گھاس چننے والا اور غلہ منتقل کرنے والا، اور وہ شخص جس کو مکہ بار بار آنا جانا پڑتا ہے تو ان تمام لوگوں پر احرام نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلال ہو کر یوم فتح کو مکہ میں داخل ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر خود تھا، اس لئے اگر ہم اس شخص پر احرام کو واجب کرتے ہیں جس کی آمد و رفت بار بار ہوتی ہے تو یہ مفضی ہوگا اس کے پورے زمانہ میں محرم ہونے کی جانب، تو حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا، اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، مگر وہ شخص جو میقات سے خارج ہو اس لئے کہ حرم کا ارادہ کرنے والے کے لئے میقات سے پار کرنا یہ بغیر احرام کے جائز نہیں ہے'' (مغنی وشرحہ ۳/۲۱۸)۔

امام شافعیؒ نے اولاً چند صورتوں کا استثناء فرمایا ہے، اس کے بعد نقلی وعقلی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع سے بدون احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، نیز اگر احرام کو بہر صورت لازم کر دیا جائے تو ایک طرح کا حرج لازم آئے گا۔ ابوبکر کاسانی کی بھی رائے یہی ہے:

''اور اسی طرح اگر کسی نے ان مواقیت کو پار کر کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، خواہ حج وعمرہ کے ارادہ سے ہو، یا تجارت یا کسی اور دوسری ضرورت کی وجہ سے تو ہمارے نزدیک بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی مکہ میں حج وعمرہ کے ارادہ سے داخل ہو تو اس پر احرام واجب ہے، اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہوا ہے، تو بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، اور ہماری دلیل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جان لو! کہ مکہ اس دن سے قابل احترام ہے جس دن اللہ تعالی نے اس کو وجود بخشا، نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد، اور تھوڑی دیر کے لئے یہ میرے لئے حلال کیا گیا، پھر قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت لوٹ آئی۔ اور تین طریقے پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول جان لو کہ مکہ قابل احترام ہے، (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں، (۳) آپ کا یہ قول (جو بغیر فصل کے ہے) کہ قیامت تک کے لئے مکہ کی حرمت باقی رہے گی۔ اور حضرت ابن عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا حلال نہیں، اور اس لئے کہ یہ زمین کا وہ مقدس ٹکڑا ہے، جس کی اللہ تعالی کے نزدیک شرف وعزت اور قدر ومنزلت ہے'' (بدائع الصنائع ۲/۱۶۴)۔

امام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ کے نزدیک بھی حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے جانے والے کے لئے احرام ہے۔

۲۔ ''ابن منذر نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا اس آدمی کے بارے میں جو کسی ضرورت سے نکلا اور حج کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، پھر وہ ذوالحلیفہ سے تجاوز کر گیا اور پھر حج کا ارادہ کیا تو وہ ذوالحلیفہ لوٹ کر احرام باندھے گا اور اسی کے قائل اسحاق بن راہویہ ہیں، اس لئے کہ اس نے خارج میقات سے احرام باندھا ہے تو اس کو دم لازم ہوگا'' (مغنی وشرحہ ۳/۲۱۸)۔

ابن رشد قرطبی حضرت امام مالکؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تجاوز بدون الاحرام حج وعمرہ کے ماسوا بکثرت ایاب وذہاب کی صورت میں جائز ہے (بدایۃ المجتہد لابن رشد قرطبی ۱/۳۴۷)۔

نیز فتاوی تاتارخانیہ (۲/۴۷۵) پر مرقوم ہے: ''مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ حج، یا عمرہ کے لئے احرام میقات سے باندھے،

[1] پرنسپل دار العلوم مئو، یوپی۔

خواہ مکہ میں داخل ہوا ہے حج وعمرہ کے ارادہ سے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے اور امام شافعی کے نزدیک احرام اس شخص کو لازم ہوتا ہے جو مکہ میں حج، یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہوا ہو اور اگر دوسری وجہ سے داخل ہوا ہے تو اس کو احرام لازم نہیں ہے"۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی تجاوز بدون الاحرام ایک حیلہ سے ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اولاً حل میں داخل ہو، پھر کسی ضرورت سے حدود حرم میں داخل ہو جائے بشرطیکہ حل میں اقامت کی نیت کی ہو (دیکھئے: حوالہ سابق ۲/۴۷۷)۔

مگر مذکورہ صورت میں چونکہ اقامت کی نیت بھی مشروط ہے اس لئے غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، غالباً اسی وجہ سے درج ذیل فقہاء وعلماء نے حل میں نیت اقامت کی شرط ختم کر کے مستقلاً اجازت دیدی ہے۔

مفتی سعید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: "آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حل میں ہے کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے، مکہ مکرمہ جانے، یا حج وعمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں ہے، اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ مکرمہ بلا احرام جا سکتا ہے" (معلم الحجاج ۹۷)۔

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں: "اگر حل میں سے کسی جگہ کا قصد کیا جیسے خلیص اور جدہ تو اس کے لئے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز ہے، پھر جب وہ داخل ہو گیا تو اس کے باشندوں کے حکم میں لاحق ہو جائے گا، لہٰذا اس کے لئے مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، اور وہ ایک حیلہ ہے اس کا ارادہ کرنے والے کے لئے، الا یہ کہ وہ جو حج کے لئے مامور ہو" (درمختار علی ردالمحتار ۲/۴۷۷)۔

مسائل حج کے ایک متبحر عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی تحریر فرماتے ہیں: "اس وقت میں عربستان میں جو موٹریں چلتی ہیں ان کے ڈرائیور، یا اونٹوں والے بدوی لوگ کئی بار مکہ معظمہ میں بغیر احرام آفاق سے آتے جاتے ہیں، تو حنفیہ کے نزدیک ہر بار مکہ مکرمہ میں آنے سے ان پر نسک لازم ہو گی

"لقول ابن عباس من جاوز الميقات بغير إحرام فعليه دم"۔

(ابن عباسؓ کے قول کی وجہ سے کہ جو میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرے تو اس پر دم واجب ہے)۔

یہی مذہب امام احمد بن حنبل اور امام مالک کا بھی ہے:

"لقول النبی ﷺ من لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن من أراد الحج والعمرة"۔

البتہ شوافع کے نزدیک اگر کسی کام کی غرض سے مکہ مکرمہ میں آئیں تو نسک لازم نہ ہو گی، اگرچہ آفاق سے آئے ہوں چونکہ یہ لوگ ابتلاء عام میں مبتلا ہیں اس لئے ان لوگوں کو یہ حیلہ کرنے سے جواز کی گنجائش ہے اور وہ یہ کہ حل میں کہیں معین مقام میں جانے کی نیت سے جائیں، پھر وہاں سے مکہ مکرمہ میں بغرض اپنے کام نوکری کی ادائیگی کے لئے بغیر احرام جا سکتے ہیں، بندہ کے فہم ناقص میں تو موٹر ڈرائیوروں کو بہت وسعت ہے، کیوں کہ ان کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہے مکہ مکرمہ سے آتے جاتے ضرور پہلے جدہ جانا پڑتا ہے، اولاً وہاں جانے کی نیت کر لیں اس کے بعد مکہ مکرمہ کی، اسی طرح مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت بھی اولاً حل میں کہیں مقام مخصوص کی نیت کریں بعد میں مکہ مکرمہ کی" (زبدۃ المناسک مع اضافہ مفیدہ ۴۲۱)۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اہلی اور داخل فی المواقیت تمتع وقران نہیں کر سکتا اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وہ دونوں کر سکتا ہے، دلائل بایں طور ہیں:

"اہل مکہ اور مواقیت میں رہنے والے کے لئے (جو مکہ اور میقات کے درمیان ہیں) قران اور تمتع نہیں ہے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ان کا قران اور تمتع صحیح ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى" میں اہل مکہ اور ان کے علاوہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" یہ خصوص پر ہے، اور وہ مسجد حرام ہے"۔

امام شافعیؒ کا استدلال آیت مذکورہ سے بایں طور ہے کہ آیت مذکور مطلق ہے جس میں مکی وغیر مکی کی تخصیص نہیں، اس لئے مکی بھی تمتع وقران کر سکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ وحضرت امام مالکؒ کی دلیل بھی نص قرآنی "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" ہی ہے جس سے آفاقی کو خاص کر دیا گیا ہے، بنابریں اہلی تمتع وقران نہیں کر سکتا، علامہ ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں: "وأبو حنيفة يقول إن حاضري المسجد الحرام لا يقع منهم التمتع وكره ذلك مالك" (بداية المجتهد ۱/۳۴۶) بدایۃ المجتہد کی ایک دوسری عبارت سے جس میں امام مالک کے نزدیک تمتع کی شرطیں مذکور ہیں

چھٹی شرط یہ تحریر ہے کہ متمتع کا وطن مکہ نہ ہو ''والسادس أن يكون وطنه غير مكة'' (بداية المجتهد ۱،۳۴۷)۔

نیز علامہ ابن تیمیہ "وجوب العمرة على أهل مكة" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ثم من هؤلاء من يقول مثل ذلك من أصحاب الشافعي أي وجوب العمرة على أهل مكة قول ضعيف جداً مخالف للسنة الثابتة وإجماع الصحابة''۔ اسی کے متصلاً دوسرے صفحہ پر مرقوم ہے: ''ولو كان أهل مكة كلهم أو بعضهم على عهد النبي يخرجون إلى الحل فيعمرون فيه لنقل ذلك كما نقل خروجهم في الحج إلى عرفات وهم يعتمرون بعد الحجة ولا قبلها أحد من أدنى الحل لا أهل مكة ولا غيرهم'' (فتاوى ابن تيميه ۲۶،۲۵۸-۲۵۹)۔

واضح ہو کہ اہلی کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس نے مکۃ المکرمہ کو مستقل وطن بنالیا، دوسرا جس نے مستقلاً وطن نہیں بنایا، دوسروں کے احکام جداگانہ ہیں۔ پہلی صورت میں تمتع وقران نہیں کرسکتا جبکہ دوسری صورت میں جائز ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

''نقل ابن عابدين عن اللباب في بيان شرائط التمتع: التاسع عدم التوطن بمكة فلو اعتمر ثم عزم على المقام بمكة أبدا لا يكون متمتعا وإن عزم شهرين أي مثلا وحج كان متمتعا'' (رد المحتار ۲،۲۱۱)۔

(ابن عابدین نے لباب سے نقل کیا کہ تمتع کے شرائط کے بیان میں نویں شرط مکہ میں وطن کا نہ ہونا، پس اگر عمرہ کیا، پھر مکہ میں ہمیشہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا، اور مثلاً دو ماہ کا ارداہ کیا تو متمتع ہوگا)۔

نیز علامہ ابن الہمام کی بھی تحقیق یہی ہے کہ مکی تمتع وقران نہیں کرسکتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر: ''يا أهل مكة لا متعة لكم أحلت لأهل الآفاق وحرمت عليكم'' سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مکی نے تمتع وقران کرلیا تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، احسن الفتاوی میں مفتی رشید احمد صاحب کہتے ہیں کہ ''مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع، یا قران کیا تو بکراہت تحریمی صحیح ہوجائے گا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر واجب ہوگا، اس لئے اسے خود نہیں کھاسکتا، مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت مع الکراہۃ التحریمہ صرف قران کے لئے ہے مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو'' (احسن الفتاوی ۴ / ۵۱۴)۔

اس مسئلہ سے متعلق حضرت گنگوہی کی بھی رائے درج ذیل ہے: ''مکہ مکرمہ کے رہنے والوں یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران وتمتع جائز نہیں'' یہ بات غنیۃ کے حوالہ سے حضرت موصوف ''زبدۃ'' کے ص ۳۰۵ پر تحریر کرنے کے بعد آگے خود لکھتے ہیں: ''اسی طرح وہ آفاقی جو مکہ مکرمہ میں آخر داخل ہوا اگرچہ اشہر حج میں کسی شرعی طریق کے بغیر احرام عمرہ کے آیا ہو، جیسے پہلے حل کی حد میں کسی حاجت کے لئے آیا تھا، پھر وہاں سے کسی کام کی غرض سے مکہ معظمہ میں بغیر احرام آیا، یا اشہر حج سے پہلے ہی مکہ میں داخل ہوکر عمرہ بجالاکر فارغ ہوا اور وہاں ٹھہر گیا، ان کے بعد اس پر اشہر حج واقع ہوئے تو اب مکہ والوں کے حکم میں ہے، پس اس کو بھی وہاں سے قران وتمتع کرنا منع ہے'' (زبدۃ المناسک ر ۳۰۵)۔

متمتع حج سے قبل مزید عمرے کرسکتا ہے، معلم الحجاج ص ۲۱۴ کے حاشیہ پر مرقوم ہے: ''وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة كالطواف''۔ نیز حضرت گنگوہی بحوالہ ''مناسک المتوسط'' لکھتے ہیں کہ ''اس میں اختلاف ہے ملا رحمت اللہ سندھی نے ''مناسک المتوسط'' میں لکھا ہے کہ یہ متمتع حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرے اور ملا علی قاری نے لباب کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ مکی کو مفرد عمرہ بھی اشہر حج میں ممنوع ہے (جیسا کہ ابن الہمام کا مذہب ہے، چونکہ ملا رحمت اللہ ان کے تلمیذ ہیں اس لئے اس کی اتباع کی وجہ سے مکروہ فرمایا ہو) حالانکہ مکی کو فقط تمتع وقران ممنوع ہے اور یہ متمتع آفاقی ہے اس کو عمرہ کرنا منع نہیں ہے۔ بلکہ تکرار عمروں کا اس کو جائز ہے کیوں کہ یہ مستقل عبادت ہے مثل طواف کے۔ اس کے بعد حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب آفاقی اشہر حج میں آکر عمرہ کرچکا تو اس کا تمتع اس عمرہ سے منعقد ہوا، پھر اس کے بعد مکہ میں رہ کر دوسرا عمرہ کیا تو وہ مفرد ہوا اور مفرد عمرہ مکی کے لئے سارے سال میں کرنا جائز ہے، سواء روز عرفہ اور عید نحر اور ایام تشریق گیارہویں، بارہویں تیرہویں کے (زبدۃ المناسک ر ۳۱۳، ۳۱۸، بدائع الصنائع ۲ / ۲۲۷)۔

احناف کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے مطلقا عمرہ کے جواز کا قول کیا ہے: ''ولنا ماروی عن عائشة ﷺ أنها قالت وقت العمرة السنة كلها إلا يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق والظاهر أنها قالت سماعا من رسول الله ﷺ لأنه باب لا يدرك بالاجتهاد'' (بدائع الصنائع ۲،۲۲۷) نیز آنحضور اکرم ﷺ کا ارشاد: ''العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما'' (ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیان واقع ہونے والی چیزوں کیلئے کفارہ ہے۔) اور عکرمہ کا ارشاد: ''يعتمر إذا أمكن الموسى في شعره'' (عمرہ کرے گا جب تک کہ ممکن ہو استرہ کا اس کے بال پر چلنا)، عطاء بن ابی رباح کا قول: ''إن شاء اعتمر في كل شهر مرتين'' (اگر چاہے تو ہر ماہ دو مرتبہ عمرہ کرے) بھی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔

۶۔ ازدحام کا ہونا عذر کا باعث نہیں ہے، حضرت گنگوہی کہتے ہیں ''جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو وہ معذور ہے، اسی طرح اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ، یا تکلیف ہوتی ہو وہ معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (زبدہ/۱۸۶، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: معلم الحجاج/۱۸۱، احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۴)۔

مذکورہ جزئیہ کی تائید علامہ ابن تیمیہ اور تاتارخانیہ کے فتاوی سے بھی ہو رہی ہے: ''وكذلك من عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو نحوه فإنه يستنيب من يرمي عنه ولا شيء عليه'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶،۲۲۵) (اور اسی طرح وہ شخص جو بذات خود رمی کرنے سے عاجز ہو مرض کی وجہ سے یا اس جیسے عذر کی وجہ سے تو وہ نائب بنائے گا ایسے آدمی کو جو اس کی جانب سے رمی کرے اور اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا)۔

''اور الولوالجیہ میں ہے کہ اگر مریض ہاتھ میں رکھ دے پھر اس کی جانب سے رمی کی جائے، یا کوئی دوسرا آدمی اس کی جانب سے رمی کرے تو وہ کافی ہے اگر بذات خود وہ قادر نہیں ہے'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۳)۔

صورت مسئولہ میں وہ لوگ محصر ہیں بشرطیکہ یہ احصار وقوف عرفہ سے پہلے ہوا ہو، اگر وقوف عرفہ کے بعد یہ صورت پیش آئے تو یہ احصار نہ ہوگا اور اس نے اگر صرف حج کا، یا عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم یا دم کی قیمت دے تا کہ وہ اس کی طرف سے حرم میں ذبح کر دے اور بعد ذبح یہ حلال ہو جائے، اس کے بعد اس کو آنے والے سال میں قضا کرنی ہوگی چاہے حج فرض ہو، یا نفل، اپنا حج ہو، یا بدل، صحیح ہو، یا فاسد، حر ہو یا غلام، البتہ غلام پر قضا کا ادا کرنا آزاد ہونے کے بعد ہوگا۔ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ''وأما وجوب قضاء ما أحرم به بعد التحلل...'' (بدائع الصنائع ۲،۱۸۲)۔

ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں: ''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ محرم جب اس کو مشرکین میں سے کسی دشمن نے، یا ان کے علاوہ نے گھیر لیا اور وہ بیت اللہ تک جانے سے روک دیئے گئے ہوں اور نہ کوئی مامون راستہ پاتے ہوں، تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت کی ہے اپنے قول: "فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي" میں اور یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس دن جس دن حدیبیہ میں وہ محصور ہوئے تھے حکم دیا کہ نحر کریں، حلق کرائیں اور حلال ہو جائیں خواہ احرام حج، یا عمرہ ہو، یا دونوں کا ہو، ہمارے امام کے قول کے مطابق اور ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے قول کے مطابق۔ اور امام مالکؒ سے بیان کیا گیا ہے کہ معتمر حلال نہیں ہوگا، اس لئے کہ فوات کا خوف نہیں ہے'' (المغنی و شرحہ ۳/ ۳۷۱)۔

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں: ''جو شخص محصر ہو گیا اور حلال ہونا چاہتا ہے تو پھر وہ حرم میں ذبح کر کے حلال ہو لیتا ہے تو قضا اس کے ذمہ واجب ہوتی ہے'' (زبدہ/ ۴۳۵)۔

نیز علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''اور لیکن فرض اس کی جانب سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کے ذمہ میں باقی ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ اور اگر نفلی حج، یا عمرہ کا احرام باندھا، پھر محصر ہو گیا تو کیا اس پر اس کی قضاء ہے؟ تو دو مشہور قول ہیں اور امام احمد سے دو روایات ہیں: ان دونوں میں سے مشہور روایت یہ ہے کہ اس پر قضاء نہیں ہے اور یہی قول امام مالکؒ اور شافعیؒ کا ہے، اور دوسرا قول اس پر قضاء ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور دونوں فریقین میں سے ہر ایک نے عمرہ قضا سے استدلال کیا ہے، ان لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کی قضاء کی ہے اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ محصورین نے اس کی قضاء نہیں کی ہے'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/ ۲۲۶)۔

یہ دم احصار اور اس کے ساتھ سارے دم بالاتفاق حرم کے ساتھ خاص ہیں: ''اور قدوری نے تفسیر کی ہے کہ پھر یہ دم اور دوسرے تمام دم جو واجب ہوتے ہیں باتفاق علماء اس کا جواز حرم کے ساتھ خاص ہوتا ہے'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۵۳۶)۔

جمہور فقہاء وائمہ کی دلیل فرمان باری تعالی: فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي ولاتحلقوا رؤسكم حتى يبلغ الهدى محله'' ہے، جس سے مراد حرم ہے مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک محلہ سے مراد موضع حصر ہے، مفتی ظفر احمد صاحب عثمانی تحریر کرتے ہیں:

''محل کے سلسلہ میں سلف میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟ تو عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن اور ابن سیرین نے فرمایا کہ وہ حرم ہے، اور یہی قول ہمارے اصحابؒ اور امام ثوریؒ کا ہے، اور امام مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا محل وہ جگہ ہے جس میں وہ احصار کیا گیا ہے، پس وہ اس کو ذبح کرے گا اور حلال ہو جائے گا'' (احکام القرآن للشیخ ظفر احمد العثمانی ۱/ ۳۰۲)۔

رمی، نحر وحلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اگر بغیر عذر ترتیب ملحوظ نہ رکھی جائے تو دم دینا ہوگا۔

''وأما الترتيب بينه وبين الرمي فسنة، ولوترك شيئا من الواجبات بعذر لا شيء عليه على مافي البدائع'' (رد المحتار علی الدر ۲/ ۵۱۷)۔

نیز علامہ علاؤ الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں: ''فيجب في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي ثم الذبح لغير المفرد ثم الحلق ثم الطواف'' (درمختار مع الرد ۲/ ۵۵۵)۔ (نحر کے دن چار چیزیں واجب ہوتی ہیں: رمی، پھر مفرد کے علاوہ کیلئے ذبح، پھر حلق، پھر طواف)۔

''وروی عن النبي ﷺ أنه قال: أول نسكنا في يومنا هذا الرمي ثم الذبح ثم الحلق'' (بدائع ۲/ ۱۵۸)۔
(آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آج ہمارے حج کے احکام میں سب سے پہلے رمی، پھر، ذبح پھر حلق ہے)۔

وجوب ترتیب سے متعلق نص قرآنی: ''فكلوا منها وأطعمو البائس الفقير ثم ليقضوا تفثهم رتب قضاء التفث وهوا الحلق على الذبح''۔

بدون احصار کے اگر ذبح سے قبل حلق کرا لیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبین ودیگر ائمہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں دیگر ائمہ کی دلیل "اذبح ولا حرج" ہے، مگر حنفیہ کے دلائل قوی ہیں اور اسی پر فتوی ہے، چنانچہ حتی المستطاع ترتیب کی رعایت کرنی چاہئے، سعودیہ حکومت کی طرف سے جو کمپنیاں اس کام پر مامور ہیں وہ بطاقۃ (کارڈ) دیتے وقت تعین کر دیتی ہیں اس لئے اس وقت کے بعد ہی کچھ انتظار کر کے حلال ہو جانا چاہئے، نیز مدرسہ صولتیہ میں بھی اس ترتیب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اس لئے اولاً تو حاجی صاحبان کو خود ہی منحر پہنچ کر قربانی کرنی چاہئے، اگر خود نہ کر سکیں تو ان محتاط اداروں کے سپرد کر دینا چاہئے پھر بھی اگر کسی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی تو فہم ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ صاحبین کے قول مرجوح کے مطابق صحیح ہو جائے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ اس قول کا افشاء نہ کیا جائے، کیوں کہ اس کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح یکسر فراموش ہو سکتا ہے۔

۹۔ صاحب تنویر الابصار فرماتے ہیں کہ دم قران وتمتع وجنایت حاجی (مامور) پر ہوگا۔

''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع''۔

علامہ شامی اس کی وجہ تحریر فرماتے ہیں: ''أما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الآمر لأنه وقوع شرعي لا حقيقي'' (رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۶۱۱)۔
(بہر حال پہلا تو اس لئے کہ وہ حج وعمرہ کو جمع کرنے پر شکرانے کے طور پر واجب ہوا ہے، اور فعل کی حقیقت بھی اسی سے وابستہ ہے، اگرچہ حج آمر کی طرف سے ادا ہوا، اس لئے کہ یہ وقوع شرعی ہے نہ کہ حقیقی)۔

مامور جو دم دیتا ہے وہ دم شکر ہے اور چونکہ یہ فعل حج واقعۃً اسی سے صادر ہوا ہے، اس لئے دم شکر بھی حج بدل کرنے والا دے گا۔ مفتی رشید احمد صاحب بھی یہی تحریر فرماتے ہیں (احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۳)، حضرت گنگوہی لکھتے ہیں: ''دم قران اپنے مال سے دے، آمر کے مال سے درست نہیں، ہاں اگر آمر اس سے نہ لے تو کچھ حرج نہیں'' (زبدہ/ ۴۵۵)۔

حج کے مسائل کے ایک زبردست عالم مولانا شیر محمد صاحب سندھی کے نزدیک حج بدل میں تمتع نہ کرنا ہی بہتر ہے، لکھتے ہیں کہ ''پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (زبدہ میں اضافہ مفیدہ/ ۴۵۶)، حاشیہ معلم الحجاج ص ۲۷۷ کی عبارت بھی مذکورہ حکم کی تائید کرتی ہے۔ ملا علی

قاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاد مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد (برد اللہ مضجعہ) بھی عدم جواز ہی کا فتوی دیتے تھے، اس لئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے۔

۱۰۔ ایسی عورت کو طواف زیارت بحالت حیض ونفاس کرلینا چاہئے اور بعد میں بدنہ دے دینا چاہئے: ''من طاف للزيارة جنبا أو لم يعد فعليه بدنة'' (فتاوى سراجيه على هامش قاضي خاں ۱، ۲۰۵)۔ (جس شخص نے حالت جنابت میں طواف زیارت کیا اور نہیں لوٹا یا تو اس پر بدنہ ہے)۔

چونکہ طہارت شرط وجوب ہے اس لئے بدنہ سے اس کی کفایت ہوجائے گی۔

علامہ ابن نجیم مصری ''الاشباہ والنظائر'' میں لکھتے ہیں: ''ولم يجعل للحج إلا ركنين: الوقوف والطواف وكذلك قال بعض الحنفية إن الطهارة ليست واجبة في الطواف بل سنة ...... وعلى قول هؤلاء فلايحرم الزيارة ولم يشترط الطهارة له'' (الاشباه والنظائر ۱۲۹)۔

(حج کے لئے صرف دو رکن ہیں، وقوف اور طواف اور اسی طرح بعض حنفیہ نے کہا کہ طہارت طواف میں واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، .... اور ان لوگوں کے قول پر طواف زیارت حرام نہیں ہوگا، اور نہ طہارت کو اس کے لئے شرط قرار دیا ہے)۔

نیز دیکھئے: علامہ کاسانی کی بدائع الصنائع۔

زبدۃ کے حاشیہ پر محیط کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

''ابن امیر الحاج نے اپنے منسک میں ذکر کیا ہے کہ ایک عورت طواف زیارت سے پہلے حائضہ ہوگئی اور اب اس کا قافلہ کوچ کرنے کو ہے تو کیا وہ طواف کرے گی، یا نہیں؟ اگر طواف کرتی ہے تو اس کا حج پورا ہوا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ لوگ اس سے کہیں گے کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا حلال نہیں، پس اگر تو داخل ہوگئی اور طواف کرلیا تو گنہگار ہوگی اور طواف صحیح ہوگیا اور تجھ پر بدنہ لازم ہوگیا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے جس میں عورتیں اکثر پریشان رہتی ہیں''۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں اس اشکال کا کوئی صریح حل احقر کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ علامہ ابن تیمیہ نے اس کا یہ حل بیان کیا ہے کہ ایسی عورت ناپاکی ہی میں طواف کرکے اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم دیکر اس کی تلافی کرے (درس ترمذی ۳/ ۲۱۸)، ابن تیمیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''پس علماء نے جواب دیا اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے، طہارت کے بارے میں کہ کیا یہ صحت طواف کے لئے شرط ہے؟ یا نہیں؟ علماء کے دو مشہور قول ہیں: ان دونوں میں کا ایک تو یہ ہے کہ طہارت شرط ہے، اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا، اور امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ شرط نہیں ہے، اور یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ کا اور امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، لہذا ان لوگوں کے نزدیک اگر حالت جنابت، یا حدث، یا نجاست کی حالت میں طواف کیا تو اس کا طواف کافی ہے، اور اس پر دم ہے، اور ابوحنیفہؒ نے دم میں بدنہ کو متعین کیا ہے جب حائضہ یا جنبی ہو، لہذا اس کو طواف کرنا ممکن نہیں مگر حالت حیض میں، اس لئے کہ وہ عذر سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ حج اس پر واجب ہے، اور علماء میں سے کسی نے نہیں کہا کہ حائضہ سے حج ساقط ہوجاتا ہے، اور نہ اقوال شریفہ میں سے کہ فرائض بعض ایسے عذر کی وجہ سے جو فرائض میں واجب ہوتا ہے، ساقط ہوجاتے ہیں، جیسا کہ نماز میں طہارت سے عاجز ہونے کی صورت میں'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/ ۲۴۲، ۲۴۳)۔

مذکورہ حکم مغنی ابن قدامہ اور اس کی شرح سے بھی معلوم ہوتا ہے (دیکھئے: ۳/ ۳۹۸)۔

نیز مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اگر حاجی نے طواف زیارت نہ کیا اور پھر عمر بھر ادا نہ کرسکا تو اس پر مرض الموت میں ایک بدنہ یعنی ایک اونٹ، یا گائے حرم میں ذبح کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے'' (احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۹)۔

اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار، ہدایہ، فتاوی تاتارخانیہ، قدوری وغیرہ۔

اسی طرح فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۵۳۶ پر مرقوم ہے: ''وفسر القدوري... ثم هذا الدم وجميع من الدماء يختص جوازها بالحرم باتفاق بين العلماء''۔ (اور قدوری نے تفسیر کی ہے...... کہ پھر یہ دم اور وہ تمام دم جو واجب ہوتے ہیں بالاتفاق ان کا جائز ہونا خاص ہے حرم کے ساتھ)۔

ساتھ ہی مفتی ظفر احمد صاحب عثمانی کی تحریر بھی پیش ہے: ''اور اسی وجہ سے تمام ائمہ متفق ہیں کہ تمام ہدی حرم ہی میں نحر کئے جائیں سوائے دم احصار کے'' (احکام القرآن ار۳۰۰)۔

۱۱۔ عورت عدت کی حالت میں (خواہ وہ عدت فسخ نکاح، موت، طلاق رجعی ہو یا بائن) حج کو نہیں جاسکتی، وہ عورت محصرہ ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی بحوالہ عالمگیری تحریر فرماتے ہیں: ''کسی عورت نے حج کا احرام باندھا اور اس کے ساتھ محرم نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا شوہر ہے، پھر اس کا شوہر مرگیا تو وہ عورت محصرہ ہے'' (زبدۃ بحوالہ عالمگیری ر ۴۲)۔

اب اگر عورت اس احصار کی حالت میں حج کرتی ہے تو اس کے حکم کے سلسلہ پر مفتی سعید احمد صاحبؒ رقمطراز ہیں: ''اگر وہ اسی حالت میں حج کرے گی تو حج ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی'' (معلم الحجاج ر۸۸)۔ غنیۃ ولباب سے بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے: ''فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية'' (حاشیہ زبدۃ ۲۴)۔

۱۲۔ منیٰ کے مکہ مکرمہ کے ساتھ اتصال اور عدم اتصال سے مسئلہ پر کوئی فرق نہ پڑے گا اگر حاجی مکہ اس وقت پہنچتا ہے جب کہ یوم الترویۃ کو پندرہ دن سے کم ہے تو نماز میں قصر کرے گا، ورنہ نہیں۔ مفتی سعید احمد صاحب ''معلم الحجاج کے ص ۱۵۶'' پر لکھتے ہیں: ''جو حاجی مسافر مکہ مکرمہ میں ایسے وقت آئے کہ آٹھویں تاریخ تک پندرہ روز سے کم ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا زیادہ کی اقامت کی نیت کرے تو اس کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی، وہ مسافر ہی رہے گا، کیوں کہ آٹھویں تاریخ کو وہ منیٰ اور نویں کو عرفات ضرور جائے گا۔ اس لئے ایسے شخص کو قصر کرنا چاہئے۔

۱۳۔ چونکہ فصل وعدم فصل دونوں ہی کے ساتھ روایات واحادیث بکثرت موجود ہیں، نیز غیر کے مذہب کی جانب عدول شخصی ضرورت کے تحت عبادات و طہارات کے باب میں جائز ہے، اس لئے وتر امام حرم کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند مسائل اوران کا شرعی حل

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی [1]

تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے حج وعمرہ کا سفران دنوں جتنا آسان ہوا ہے، ملکی ضابطے، حج کمیٹی اور سعودی حکومت کے مقرر کردہ اصول تغیر پذیر معاشرہ اور ہر دم رواں دواں زندگی نے عازمین کونت نئے مسائل سے دوچار کردیا ہے، یہ مسائل اہم ہیں اور موجودہ حالات میں ان پر عمل انتہائی دشوار ہے، ضرورت ہے کہ ان مسائل اور دشواریوں کا شرعی حل پیش کیا جائے تا کہ امت مشقت وحرج سے نکلے اور شرعی یسر سے فائدہ اٹھا سکے، اس مقالہ میں ایسے ہی چند حل طلب مسائل زیر بحث آئے ہیں، واللہ الموفق وھو المعین.

ا۔ مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں بغیر احرام داخلہ

علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی حج یا عمرہ کی نیت سے حرم مکی یا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات میں داخل ہو، بدایۃ المجتہد میں ہے:

"ولا خلاف أنه يلزم الإحرام من مرّ بهذه المواقيت ممن أراد الحج أو العمرة" (بداية المجتهد ۱/۲۲۷)۔

(اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو ان مواقیت سے حج یا عمرہ کے ارادہ سے گزرے اس پر احرام لازم ہے)۔

البتہ اگر کوئی شخص تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اور وہ میقات اور مکہ کے درمیان رہتا ہے تو ایسا شخص اپنی ضرورتوں کے تحت بلا احرام مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر مکہ کا رہنے والا لکڑیاں یا گھاس پھوس لینے حل میں پہنچ گیا پھر مکہ میں داخل ہوا تو یہ شخص بلا احرام داخل ہو سکتا ہے۔

"الصنف الثاني وهم الذين منازلهم في نفس الميقات أو داخل الميقات إلى الحرم فوقتهم الحل... ولهم دخول مكة بغير إحرام إذا لم يريدوا نسكا" (ارشاد الساری ۵۷)۔

(دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے گھر نفس میقات یا داخل میقات میں ہیں، ان کا میقات حل ہے ۔۔۔۔ اگر وہ نسک کا ارادہ نہیں رکھتے تو ان کو بغیر احرام مکہ میں دخول کی اجازت ہے)۔

ہدایہ میں ہے: "جو میقات کے اندر رہنے والا ہے اس کو اپنی ضرورت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لئے کہ اسے بکثرت مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے اور ہر مرتبہ احرام واجب کرنے سے واضح حرج لازم آئے گا، اس لئے وہ اہل مکہ کے حکم میں ہے جن کے لئے مکہ سے نکلنا اور پھر اپنی ضرورت کے لئے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا مباح ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب ادائیگی نسک کا قصد ہو، اس لئے کہ یہ صورت کبھی کبھی پیش آتی ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے" (ہدایہ ۱/۲۱۴)۔

۲۔ لیکن جو لوگ مکہ مکرمہ میں حج اور عمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے آفاق سے آتے ہیں، ان کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا امام ابو حنیفہؒ کے یہاں درست نہیں ہے، امام شافعیؒ کے یہاں احرام کی شرط صرف حج وعمرہ کے لئے دخول کی صورت میں ہے، دوسرے کسی اغراض سے دخول مکہ میں احرام ضروری نہیں ہے، دراصل امام ابو حنیفہؒ بیت اللہ کی تعظیم کے سلسلہ میں اوروں کی بہ نسبت زیادہ حساس ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کے مسئلہ میں عازم اور غیر عازم دونوں برابر ہیں۔

"ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه

[1] نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

السلام: ''لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما''، لأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوى فيه الحاج والمعتمر و غيرهما'' (هدایه ۱،۲۱۴)۔

(آفاقی اگران (میقات) تک مکہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آیا تو اس پر احرام باندھنا ہمارے نزدیک لازم ہے، خواہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی میقات سے بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے''، اور اس لئے بھی کہ احرام کا وجوب بقعہ شریفہ کی عظمت کے پیش نظر ہے، لہذا اس میں حاجی، معتمر اور دوسرے لوگ برابر ہوں گے)۔

دخول مکہ کے قاصد کے لئے ان تمام مواقیت سے احرام مؤخر کرنا حرام ہے۔

بدایۃ المجتہد میں ہے: ''جو ان دونوں (حج وعمرہ) کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور ان مواقیت سے گزرے تو اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ جو بھی ان سے ہو کر گزرے گا اس پر احرام لازم ہوگا، البتہ جن کی آمد ورفت بکثرت ہوتی ہے، جیسے لکڑہارا وغیرہ (وہ اس سے مستثنی ہیں)، یہی قول امام مالک کا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ سوائے عازم حج وعمرہ کے کسی پر احرام لازم نہیں ہے'' (بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۷)۔

بدایہ کی اس عبارت میں جن لوگوں کے مذہب پر مرور میقات کے لئے احرام کو لازم قرار دیا ہے، ان کے نزدیک بھی ''إلا من يكثر ترداده مثل الحطابين وشبههم'' کا استثناء نقل کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ مکہ میں رہتے ہیں اور لکڑیاں یا گھاس پھوس لینے حل میں پہنچ جاتے ہیں، یا کسی دوسرے مقصد کے لئے میقات سے ان کو بار بار گزر کر مکہ آنا جانا پڑتا ہے، ایسے لوگ احرام کی پابندی سے مستثنی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک حیلہ بھی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جن کو میقات سے بار بار تجاوز کرنا پڑتا ہے، لوٹتے وقت آفاق سے بجائے مکہ کے حل کے کسی مقام کا قصد کریں اور وہاں سے مکہ کا عزم کریں، اس طرح حل صغیر میں رہنے والوں کی طرح بلا احرام ان کے لئے بھی مکہ میں داخل ہونا درست ہوگا۔ در مختار میں ہے:

''ولو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام وهو الحيلة لمريد ذلك'' (درمختار ۲،۱۵۴)۔

(اگر حل کے کسی مقام کا قصد کرے جیسے خلیص اور جدہ، تو اس کے لئے بغیر احرام کے آگے بڑھنا حلال ہے، اس لئے کہ جب وہ وہاں پہنچے گا تو وہ ان کے ساتھ ملحق ہو جائے گا اور مکہ میں بلا احرام داخلہ کی اجازت ہوگی اور یہ ایک حیلہ ہے اس شخص کے لئے جو ایسا کرنا چاہتا ہے)۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران

تمتع اور قران کی حیثیت شریعت میں رخصت کی ہے، دور دراز سے سفر کر کے آنے والے لوگ عموماً حج وعمرہ کے لئے الگ الگ سفر کے متحمل نہیں ہوتے اس لئے شریعت نے ایک ہی سفر میں دونوں امور کی ادائیگی کی اجازت دی، لیکن اہل مکہ اور داخل میقات کے باشندوں کے لئے یہ پریشانی نہیں ہے، اس لئے اللہ نے ''ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' کے ذریعہ مکی کے لئے تمتع اور قران کی نفی کر دی ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' کا یہی مفہوم ہے کہ جس شخص کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں رہتے، مقصد یہ ہے کہ اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کے لئے حج وعمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے'' (معارف القرآن ۱،۴۸۲)۔

ہدایہ میں ہے: ''وليس لأهل مكة تمتع ولا قران و إنما لهم إفراد خاصة خلافا للشافعي ...'' (هدایه ۱،۲۴۳)۔

(اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران، ان کے لئے صرف افراد ہے، بخلاف امام شافعیؒ کے، اور ان پر اللہ تعالی کا قول ''ذلك لمن لم يكن أهله'' حجت ہے اور اس لئے بھی کہ تمتع کی مشروعیت دونوں سفروں میں سے ایک کو ساقط کرنے کی سہولت کے لئے ہے اور یہ آفاقی کے حق میں ہے اور جو میقات کے اندر ہے وہ مکی کے حکم میں ہے، اس لئے اس کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران)۔

۴۔ مکی پر تمتع اور قران کی صورت میں دم جنایت

اب اگر مکی نے اس وضاحت اور ممانعت کے باوجود قران کیا تو اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر لازم آئے گا اور یہ قران بکراہت تحریمہ صحیح ہوجائے گا، لیکن اگر اس نے تمتع کیا تو یہ تمتع علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق منعقد ہی نہیں ہوگا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر بھی لازم نہیں آئے گا۔ یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تمتع کے بطلان سے حج باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ پہلا دوسرے کے لئے لازم نہیں ہے۔ حیات القلوب میں ہے:

"واما عمرہ پس منعقد نمی شود اصلا در حق او۔۔۔ لہذا لازم نہ باشد بروے دم دریں صورت، زیرانکہ دم از لوازم تمتع است وچوں منتفی گشت ملزوم منتفی گشت لازم" (حیات القلوب، ۶۸)۔ (مکی کے حق میں تمتع والا عمرہ اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا، لہذا اس صورت میں اس پر دم لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ دم تمتع کے لوازمات میں سے ہے اور جب ملزوم منتفی ہوگیا تو لازم بھی منتفی ہوجائے گا)۔

اس صورت میں یہ بات ضرور غور طلب ہے کہ اشہر حج کا عرصہ طویل ہے اور اہل مکہ میقات سے باہر جانے پر مجبور ہیں، اس سلسلہ میں شریعت کے اصول رفع حرج کو دھیان میں رکھتے ہوئے جیسا کہ سوال ۲ کے جواب میں ہدایہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے، ان حضرات کو احرام کی پابندی سے مستثنی کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں اس حیلہ کو بھی کام میں لایا جاسکتا ہے جس کا ذکر سوال ۲ کے جواب میں کیا گیا ہے۔

۵۔ متمتع کے لئے حج سے پہلے دوسرا عمرہ کرنا...... تمتع کا جو طریقہ فقہ کی متداول کتابوں میں مرقوم ہے اس کے پیش نظر اشہر حج میں عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرنا درست نہیں ہے، مفتی شفیعؒ صاحب نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آفاقی لوگ جو اشہر حج میں (جو شوال سے ذی الحجۃ تک ہے) احرام عمرہ باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلال ہوگئے ان کا یہ عمرہ تمتع کا ہوگا، اس عمرہ کے بعد حج سے پہلے کوئی دوسرا عمرہ یہ نہیں کر سکتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں۔ البتہ جو آفاقی آدمی اشہر حج سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اور عمرہ کر کے حلال ہوگیا، اس کا یہ عمرہ تمتع کا نہیں ہے، اس لئے اس کو شوال شروع ہونے سے پہلے دوسرے عمرے کرنے کا بھی اختیار ہے" (جواہر الفقہ، بحث مواقیت احرام ۱/ ۴۹۲)۔

۶۔ رمی میں نیابت

صحت مند عازمین حج کے لئے رمی خود سے کرنا ضروری ہے، بوڑھوں اور معذوروں کے لئے نیابت کی اجازت ہے، نیز ضعف جسمانی کی وجہ سے ان کے حق میں محض ازدحام کے خوف سے بھی نائب بنانا درست ہے، فقہاء نے اس سلسلہ میں جو کلیہ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ترک واجبات جو عذر من جانب اللہ ہو اس میں کوئی تاوان یا دم نہیں دینا پڑتا ہے اور ازدحام کو ان اعذار میں شمار کیا گیا ہے جو من جانب اللہ ہوتے ہیں، غنیۃ الناسک میں ہے:

"عذر کی وجہ سے واجبات کے ترک سے کچھ لازم نہیں آتا، عذر سے مراد وہ اعذار ہیں جو من جانب اللہ ہوں، اگر من جانب العباد ہوں تو وہ عذر نہیں ہے ...... بخلاف اس صورت کے کہ ازدحام کا خوف اسے روک دے، تو یہ بھی من جانب اللہ ہے، اس لئے اس پر کچھ بھی لازم نہیں" (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک / ۱۳۸)۔

اس بنا پر احقر کی رائے ہے کہ رمی میں محض ازدحام کے خوف سے بھی بوڑھے اور معذور لوگ نائب بنا سکتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان پر کوئی دم یا صدقہ وغیرہ لازم نہیں ہوگا، البتہ یہ ان لوگوں کے لئے درست نہیں جو خود سے رمی کرنے اور جمرات تک سخت دشواری اور مشقت کے بغیر جانے پر قادر ہوں۔

۷۔ ملکی قوانین کی وجہ سے روکے گئے عازمین حج وعمرہ

قرآن کریم کی آیت "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا" کی تفسیر میں مفسرین نے استطاعت میں راستے کے پرامن ہونے کے ساتھ حکومتی اجازت اور ویزا کی بھی صراحت کی ہے، اس لئے ایسے لوگ جنہیں کسی وجہ سے سعودی حکومت نے ویزا نہیں دیا یا وہاں رہنے کے باوجود اجازت سے محروم رکھا ان پر حج فرض ہی نہیں ہے، اس لئے ان حضرات کو جو سعودی عربیہ میں رہتے ہیں اور حکومت نے حج وعمرہ کی اجازت نہیں دی ہے، ایسے لوگوں کو سفر حج وعمرہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ البتہ اگر انہوں نے احرام باندھ ہی لیا اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس کردیئے گئے تو یہ محصر کے حکم میں ہوں گے اور ان کو احرام کھولنے کے لئے وہی کچھ کرنا ہوگا جو محصر مرض اور دشمن کو کرنا ہوتا ہے، یعنی اسے ہدی بھیجنا ہوگا اور ہدی لے جانے والے سے ایک قرار اور وقت مقرر کرنا ہوگا جس میں وہ ہدی ذبح کیا جائے، ہدی کے ذبح کے بعد محصر حلال ہوجائے گا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''وأتموا الحج و العمرة لله، فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله'' (البقرہ ۱۸۶)۔ (اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر)۔

البتہ ہدی کا خرید کر دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ قیمت بھیج دینا بھی کافی ہے کہ وہاں خرید کر ذبح کر دیا جائے، ہدایہ میں ہے: ''وليس المراد بما ذكرنا بعث الشاة بعينها لأن ذلك قد تعذر بل له أن يبعث بالقيمة حتى تشترى الشاة هنالك وتذبح'' (ہدایہ ۱،۲۷۲)۔

(ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے مراد بکری کا ہی بھیجنا نہیں ہے اس لئے کہ یہ کبھی دشوار ہو سکتا ہے، بلکہ اس کے لئے اس کی قیمت بھیجنا بھی جائز ہے، تاکہ وہاں وہ خریدی جائے اور ذبح کی جائے)۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے مابین ترتیب کی رعایت

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کی ادائیگی علی الترتیب ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ سنت طریقہ تو وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کیا اور جو رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب کے ساتھ کتابوں میں مذکور ہے۔

''إن رسول الله صلى الله عليه وسلم رمى فی حجته الجمرة يوم النحر ثم نحر بدنه ثم حلق رأسه ثم طاف طواف الإفاضة'' (من حديث جابر عند مسلم ومن حديث أنس عند البخاري ومسلم)۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں قربانی کے دن جمرۃ کی رمی کی، پھر بدنہ کا نحر کیا، پھر اپنا سر منڈایا، اس کے بعد طواف افاضہ کیا)۔

البتہ اختلاف اس باب میں ہے کہ اس ترتیب کے ترک سے کوئی تاوان لازم آئے گا یا نہیں، امام مالک کا قول ہے کہ اگر کسی نے جمرۃ کی رمی سے پہلے حلق کروالیا تو اس پر فدیہ ہے اور اگر ذبح سے پہلے حلق کرلیا یا ذبح رمی سے پہلے کرلیا تو اس پر کچھ فدیہ نہیں۔

''جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص کو فدیہ کا حکم دیا جس نے ضرورتاً محل سے قبل حلق کروایا، تو بھلا بغیر ضرورت حلق محل سے قبل کرانے پر فدیہ کا حکم کیسے نہیں لگے گا، باوجودیکہ حدیث میں رمی جمار سے قبل حلق راس کا ذکر نہیں ہے'' (بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۵۷)۔

امام شافعیؒ، ابوداؤدؒ، اور ابوثورؒ کے یہاں ترتیب کے فوت ہونے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے، اسی لئے اگر کسی نے رمی اور نحر سے پہلے حلق کرلیا تو اس پر دم ہوگا اور اگر وہ قارن ہے تو دو دم لازم آئے گا، جبکہ امام زفرؒ کا کہنا ہے کہ اسے تین دم دینا ہوگا: ایک دم قران کا اور دو حلق قبل النحر اور قبل رمی کا۔

جن حضرات کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے ان کی دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی وہ صحیح اور صریح روایت ہے جس میں ترتیب کے ترک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ولاحرج'' ارشاد فرمایا ہے، اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

''وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم للناس بمنى والناس يسألونه فجاءه رجل فقال: يا رسول الله! لم أشعر وحلقت قبل أن أنحر فقال عليه الصلوة والسلام: انحر ولاحرج، ثم جائه آخر فقال: يارسول الله! لم أشعر فنحرت قبل أن أرمى فقال عليه الصلوة والسلام: ارم ولا حرج، قال: فما يسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ من شئ قدم أو أخر إلا قال افعل ولا حرج'' (متفق علیہ)۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کی خاطر ٹھہرے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے لگے، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ مجھے نہیں معلوم تھا میں نے نحر سے قبل حلق کروالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نحر کرو کوئی حرج نہیں، ایک دوسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ میں نہیں جانتا تھا اس لئے رمی سے قبل نحر کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمی کرلے کوئی حرج نہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس دن تقدیم وتاخیر سے متعلق جس چیز کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا: (اب) کرلو کوئی حرج نہیں)۔

ایک دوسری روایت ابن عباسؓ کی ہے جس میں ذبح، حلق، رمی میں تقدیم وتاخیر کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے 'لاحرج' کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

''إن النبى صلى الله عليه وسلم قيل له فى الذبح والحلق والرمى والتقديم والتأخير فقال: لا حرج'' (متفق علیہ)۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذبح، حلق، رمی، تقدیم اور تاخیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں)۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ان روایتوں کی تاویل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں حرج کے معنی ''اثم'' کے ہیں، صاحب قاموس نے بھی یہی معنی ذکر کئے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوا "فلا إثم عليك"۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب صدقہ کا ذکر نہیں ہے اور اس کے وجوب اور عدم سے حدیث خاموش ہے، فرمایا: کہ عدم واقفیت ابتداء اسلام میں عذر تھا لیکن ہمارے زمانہ میں یہ عذر نہیں ہے، پھر خود راوی حدیث نے وجوب فدیہ کا حکم دیا ہے اور اصول حدیث کے اعتبار سے راوی کا فعل اس کی مرویات کا بیان ہوتا ہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا حرج" کے پیش نظر فدیہ کا عدم وجوب تسلیم بھی کرلیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے، تو اس سے مراد زمانہ نبوت ہوگا نہ کہ آج کا، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا اور اس زمانہ میں جہل قابل اعتبار عذر تھا، ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے (تقریر ترمذی)۔

لیکن ان احادیث کو ہی سامنے رکھ کر امام محمدؒ ترتیب کے ساقط ہونے پر ''لاحرج'' کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک "لاحرج" کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو آخرت میں کوئی گناہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی تاوان دینا ہوگا، یہ ترتیب قصداً چھوڑ دیا ہو یا نسیاناً، ان کے نزدیک مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''قال محمد: وبالحديث الذى روي عن النبى ﷺ نأخذ أنه قال لا حرج في شئ من ذلك'' (مؤطا امام محمد ۲۲۵)۔

امام ابوحنیفہؒ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا متمتع اور قارن پر ترتیب کو ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر کسی نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا تو اس پر دم واجب ہوگا، مؤطا امام محمد میں ہے:

''وقال أبو حنيفة: لا حرج في شئ من ذلك ولم ير في شئ من ذلك كفارة إلا في خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم'' (مؤطا امام محمد)۔

(امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کوئی حرج نہیں اور وہ ان صورتوں میں سے کسی میں کفارہ کے قائل نہیں سوائے ایک صورت کے، جو متمتع اور قارن کی ہے، جب وہ ذبح سے پہلے حلق کرلے تو فرماتے ہیں کہ اس پر دم ہے)۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر ہے، جس میں ''من قدم من حجه شيئا أوأخر فليهرق دماً'' کے الفاظ آئے ہیں، اسے ابن ابی شیبہ نے ''عن طريق مجاهد عن ابن عباس'' سند حسن سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں ابراہیم بن مہاجر ہیں جو ضعیف ہیں، امام طحاویؒ کی روایت گو ابن ابی شیبہ کی روایت سے سنداً زیادہ بہتر ہے، لیکن اس کے باوجود صحیحین کی ''لاحرج'' والی روایت کے بالمقابل اسے پیش نہیں کیا جاسکتا، الطریق الرشد میں ہے:

''حافظ ابن حجرؒ نے درایت میں کہا کہ اسے ابن ابی شیبہ نے مجاہد عن ابن عباس کے طریق سے باسناد حسن روایت کیا، پھر فرمایا کہ اس میں ابراہیم بن مہاجر ہیں جو ضعیف ہیں، اس کی طحاوی نے ایک دوسرے طریق سے تخریج کی ہے جو ابن ابی شیبہ کی روایت سے احسن ہے، لیکن اس کی معارض وہ روایتیں ہیں جو عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے صحیحین میں مروی ہیں، جس میں تقدیم اور تاخیر کرنے والے سے ''افعل و لا حرج'' مذکور ہے''۔

ان تمام بحث کو دیکھنے، سند و متن پر غور کرنے، نیز فقہ کے رفع حرج کے اصول کو سامنے رکھ کر یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ترتیب کے ساقط ہونے سے دم لازم نہیں آئے گا اور اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع

حج بدل میں آمر کے حکم اور اجازت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لئے فقہاء نے حج بدل کے باب میں جن شرائط کا ذکر کیا ہے، اس میں ایک یہ بھی ہے کہ حج بدل کرنے والے کو اس کا حکم دیا گیا ہو یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر آمر یا اجازت کے بغیر کسی نے حج بدل کردیا تو فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو اپنی طرف سے الگ الگ حج وعمرہ کرنے کا حکم دیا اور اس شخص نے دونوں کو ملا کر قران کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس نے حج کرانے والے کے حکم کے خلاف کیا چنانچہ وہ خرچ کا ضامن ہوگا، معلوم ہوا کہ آمر کے حکم یا اجازت کے خلاف کرنے کی صورت میں حج بدل صحیح نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ آمر کو چاہئے کہ وہ حج بدل کرنے والے کو عام اجازت دیدے کہ وہ جیسے چاہے حج کرے اور جس طرح چاہے خرچ کرے، اس عموی

اجازت کے نتیجہ میں حج بدل کرنے والا تمتع اور قران سب کرسکے گا۔ قاضی خاں میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے نقل کیا ہے کہ مامور کو عام اجازت دینا مناسب اور بہتر ہے تاکہ حج بدل کرنے والا کسی تنگی، مشقت اور حرج میں مبتلا نہ ہو اور بقیہ مال ورثاء کو لوٹانا واجب نہ ہو۔

''إذا أمر غيره بأن يحج عنه فينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قرانا والباقي من المال لك وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج ولا يجب رد ما فضل على الورثة'' (قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری طبع مصر ۱؍۳۰۷)۔

ارشاد الساری میں ہے: ''آمر کے لئے مناسب ہے کہ وہ معاملہ مامور کے سپرد کردے اور کہے کہ میری جانب سے جیسے چاہو مفرد یا متمتع حج کرو'' (ارشاد الساری مناسک ملا علی قاری ر ۳۰۴)۔

لیکن اگر آمر نے عام اجازت نہیں دی بلکہ صرف تمتع کرنے کی اجازت دی تو اجازت کے پائے جانے کی وجہ سے بلا اختلاف تمتع صحیح ہوگا، ارشاد الساری ہی میں ہے: ''لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف'' (أيضا)۔ (اس لئے کہ اگر میت نے تمتع کا حکم دیا اور مامور نے بھی تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ بلا اختلاف ائمہ اسلاف مخالف نہیں کہلائے گا)۔

اجازت کی ایک شکل عرفاً بھی ہوتی ہے، ان دنوں چونکہ عام طور پر تمتع ہی معروف ہے، اس لئے اگر آمر نے نہ اجازت دیا ہے اور نہ ہی تمتع سے منع کیا ہے، اس صورت میں عرفاً اجازت متصور ہوگی اور حج تمتع صحیح ہوگا، لیکن بہتر یہی ہے کہ صراحتہً اجازت حاصل کرلیا جائے، اجازت کے باوجود مختار مذہب یہی ہے کہ دم قران، تمتع اور جنایت، یہ سب مامور اپنے مال سے ادا کرے۔

''دم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر وإلا فيصير مخالفا فيضمن''۔

البتہ اگر آمر نے مال کے سلسلے میں بھی عام اجازت دے دی ہے تو آمر کے مال سے تمتع کی ادائیگی کی جاسکتی ہے، حج عن المیت کی شکل میں اگر میت کی وصیت کی تکمیل مقصود ہے اور میت نے تمتع کرنے سے صراحتہً منع نہیں کیا ہے تو عرف کا خیال کرتے ہوئے تمتع کرسکتا ہے لیکن بہتر افراد ہے، وصیت کے بغیر اگر ورثاء حج بدل کرا رہے ہیں تو یہ حج تبرع من الوارث ہے، اس لئے یہاں آمر ورثاء ہوں گے اور ان کے حکم اور اجازت کا ہی اعتبار کیا جائے گا، لیکن اس صورت میں بھی دم قران، دم جنایت وغیرہ مامور کے ذمہ ہوگا۔ یہاں یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر آمر نے صراحتہً قران یا تمتع سے منع کردیا ہے تو افراد ہی کرنا ہوگا، کسی کی جانب سے کسی شخص خاص کا حج کرنا اس کی مرضی پر منحصر ہے، اب اگر کوئی آمر کی طرف سے حج بدل کو تیار ہوگیا ہے تو اسے ہر حال میں آمر کے حکم کی پابندی کرنی ہوگی، چاہے اسے طویل عرصہ تک احرام کی پابندیوں کو جھیلنا پڑے۔

ایک شبہ جو تمتع کی اجازت دینے پر پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حج بدل کی شرائط میں فقہاء نے لکھا ہے کہ مامور آمر کے وطن سے حج شروع کرے۔ تمتع کی صورت میں ایسا نہیں ہو پاتا، بلکہ حج مکی ہوجاتا ہے، میقاتی باقی نہیں رہتا، اس سلسلہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کی نیابت کررہا ہے، آمر اگر خود حج کرتا تو اس کے لئے تینوں صورتوں کے اختیار کا حق ہوتا، اور افراد، قران، تمتع جو بھی کرتا درست قرار دیا جاتا، تو بھلا نائب کے لئے تینوں شکلیں کیوں جائز نہیں ہوں گی، رہ گئی بات یہ کہ آمر کے وطن سے حج شروع نہیں کیا گیا تو اس میں حرج ایک تو اس لئے نہیں ہے کہ فقہاء نے اسے شرط لازم نہیں مانا ہے، بلکہ عرفاً وطن سے حج شروع کرنے کی بات کہی ہے، دوسرے یہ کہ اگر اصیل خود میقات میں کسی ضرورت سے پہنچ جاتا اور حج کرلیتا (جیسا کہ سعودی عرب میں مقیم ہندستان سمیت دیگر ممالک کے لوگ کرتے ہیں) تو حج ادا ہوجاتا، باوجودیکہ حج اس کے وطن یا میقات سے نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا اس بنیاد پر حج بدل کرنے والے کا حج بھی باوجودیکہ وہ آمر کے وطن سے نہیں کیا گیا ہے، درست ہوگا، خصوصاً اس شکل میں جبکہ آمر نے تمتع کی اجازت صراحتاً یا سکوتاً دے دی ہو، حضرت مفتی شفیع صاحب نے اس بحث کے سارے دلائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد قول فیصل کے طور پر لکھا ہے:

''اگرچہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران و تمتع دونوں جائز ہوں اور فقہاء متأخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر ملا علی قاریؒ اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا فتویٰ اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے، تمتع نہ کریں، لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جاسکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف

حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کرنے کی بھی گنجائش ہے'' (جواہر الفقہ ۱/ ۵۱۶: حج بدل اور اس کے احکام)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: ''اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع، قران اور دم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحتہً ضروری نہیں، مع ہذا صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے'' (احسن الفتاویٰ: مفتی رشید احمد ۴/ ۵۲۳)۔

۱۰۔ حائضہ یا نفساء کے لئے طواف زیارت

طواف کی صحت کے لئے طہارت کو شرط کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ نماز میں بولنے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ طواف میں گفتگو کی جاسکتی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الطواف بالبيت صلاة إلا أنكم تتكلمون فيه'' (رواه الترمذی)۔ (بیت اللہ کا طواف بھی ایک (طرح سے) نماز ہے، البتہ تم اس میں بات کرسکتے ہو)۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جب دوران حج حائضہ ہوئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے علاوہ سارے اعمال حج کی ادائیگی کی اجازت دی اور فرمایا:

''افعلي كما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري'' (رواه البخاری ومسلم)۔

اس زمانہ میں اس کا موقع تھا کہ حائضہ اور نفساء طہارت تک انتظار کرلیں اور پھر طواف زیارت کے بعد واپسی عمل میں آئے، لیکن اب پاکی کا انتظار ناقابل عمل ہے، کیونکہ نہ تو ویزہ کی مدت بڑھانا اپنے بس میں ہے اور نہ واپسی کے لئے مقررہ جہاز کی تاریخوں میں تبدیلی یا دوسرے جہاز میں سیٹ کنفرم کرانے پر اپنا قابو ہے، نفقہ کی قلت بھی انتظار کی اجازت نہیں دیتی، ایسے میں اگر وہ بغیر طواف کے واپس ہوجاتی ہے تو دوبارہ آکر طواف کرنا عام طور پر عدم استطاعت کی وجہ سے حائضہ یا نفساء کے لئے ممکن نہیں، اگر کسی طرح وہ نفقہ پر قابو پالیں تو دسیوں قانونی رکاوٹیں ہیں، مثلاً ہندوستان کو ہی لیجئے اگر طواف کے لئے سفر، حج کے ایام میں کرنے کا قصد ہو تو ایک حج کے بعد دوسرے سفر حج کے لئے پانچ سال کا وقفہ ضروری ہے اور یہ قانون حج بدل کی صورت میں بھی ہے، عمرہ کے ارادہ سے سفر ہو تو وہ بھی آسان نہیں، بہت ساری پابندیوں سے جکڑا ہوا ہے، ایسے میں پانچ سال تک شوہر سے الگ رہنا عملاً ممکن نہیں ہے اور خطرہ ہے کہ عورت گناہ میں مبتلا ہوجائے، ان حالات میں عورت کیا کرے یہ ایک اہم سوال ہے۔

الف، ب۔ شامی میں اس صورت حال میں بعض محشین کے حوالہ سے ابن امیر حاج کا مسلک نقل کیا ہے کہ اگر وہ پاک نہ ہو اور قافلہ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے اور مسئلہ دریافت کرے کہ وہ اس حالت میں طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ مسجد میں داخل ہونا تیرے لئے جائز نہیں ہے، اگر تو داخل ہوکر طواف کرلے تو گنا ہگار ہوگی البتہ تیرا طواف صحیح ہوجائے گا اور بدنہ لازم آئے گا۔

''لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا قالوا: يقال لها: لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك فعليك ذبح بدنة'' (شامی ۲/ ۱۸۴)۔

ج۔ اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے رکن کی ادائیگی ہوجائے گی اور دم میں بدنہ لازم آئے گا، مبسوط سرخسی میں ہے:

''وإن كان طاف للزيارة جنبا حتى رجع إلى أهله فإنه يعود إلى مكة ليطوف طواف الزيارة وإن لم يرجع إلى مكة فعليه بدنة لطواف الزيارة وعلى الحائض مثل ذلك'' (مبسوط ۴/ ۴۱)۔

(اگر جنابت کی حالت میں طواف زیارت کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ آیا تو اسے طواف زیارت کے لئے مکہ جانا ہوگا، اور اگر مکہ واپس نہیں آیا تو اس پر طواف زیارت کے لئے بدنہ ہے اور یہی حکم حائضہ کے لئے بھی ہے)۔

ہدایہ میں بدنہ کے لزوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایسا ہی مروی ہے اور اس لئے بھی کہ جنابت حدث سے غلیظ ہے، حدث میں طواف کرنے سے بکری لازم ہوتی ہے، تو تفاوت کا تقاضہ ہے کہ جنابت میں بدنہ لازم ہو۔

''ولو طاف طواف الزيارة محدثا فعليه شاة ...وإن كان جنبا فعليه بدنة كذا روي عن ابن عباس رضي الله عنه ولأن الجنابة أغلظ من الحدث فيجب جبر نقصانها بالبدنة إظهاراً للتفاوت'' (هدايه ۱/ ۲۵۳)۔

د۔ اب یہ بدنہ کہاں ذبح کیا جائے گا؟ مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے یا یہ کہ حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر ادا کیا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے، حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام پر اس دم کی ادائیگی نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے:

''ولا یجوز ذبح الهدایا إلا فی الحرم لقوله تعالی فی جزاء الصید هدیا بالغ الکعبة فصار أصلا فی کل دم هو کفارة ولأن الهدی اسم یهدی إلی مکانه ومکانه الحرم'' (هدایه ۱،۲۸۱، باب الهدی)۔

(ہدایا کا ذبح حرم کے سوا کہیں جائز نہیں، اس کی وجہ شکار کے جزا میں اللہ تعالیٰ کا قول ''ہدیا بالغ الکعبۃ'' ہے، پس یہ آیت ہر دم کفارہ کے لئے اصل قرار پائے گی اور اس لئے بھی کہ ہدی نام ہے اس جانور کا جسے اپنی جگہ لے جایا جائے اور اس کی جگہ حرم ہے۔

دیگر فقہاء نے بھی عام طور پر ''بعث بدنہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدنہ یا بدنہ کی قیمت بھیجنی ہوگی اور اپنے مقام پر دم کی ادائیگی ناکافی ہوگی۔

۱۱۔ ایام عدت میں عمرہ وحج کی ادائیگی

سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور وہ اتنی دوری پر ہے کہ "مسیرة ثلاثة أیام" سے کم میں اپنے گھر لوٹ سکتی ہے تو اسے عدت گزارنے کے لئے گھر لوٹ جانا چاہئے لیکن اگر وہ سفر میں اتنی دور نکل گئی ہے کہ "مسیرة ثلاثة ایام" کے فاصلہ پر ہے یا اس سے زیادہ پر، تو اسے اختیار ہے، چاہے تو حج کی تکمیل کرے اور چاہے تو لوٹ جائے۔ ہدایہ میں ہے:

''جب عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوا اور وہ اسے غیر مصر میں طلاق ثلاثہ دیدے یا مر جائے تو اگر اس جگہ اور عورت کے مصر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے، تو وہ اپنے مصر لوٹ آئے، اس لئے کہ معنیً یہ ابتداءً خروج نہیں ہے بلکہ بنا ہے اور اگر مسافت تین دن سے کم کی ہو تو اسے اختیار ہے چاہے تو لوٹ آئے چاہے تو آگے کا سفر جاری رکھے، خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو'' (ہدایہ ۱/۴۹، باب العدۃ)۔

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر عورت مکہ پہنچ چکی ہے اور وہاں ایسا حادثہ پیش آتا ہے تو اس کے لئے عمرہ وحج کی ادائیگی درست ہوگی، کیونکہ عدت میں سفر سے فوری واپسی ضروری نہیں ہے اور بغیر محرم کے سفر کی ممانعت "مسیرة ثلاثة أیام" پر مبنی ہے، چونکہ وہ مکہ پہنچ چکی ہے اور اب اس کا سفر "مسیرة ثلاثة أیام" سے کم ہے، اس لئے بغیر محرم کے بھی حج کی ادائیگی ہو جائے گی، اس کے علاوہ عورت کا یہ سفر بقاءً ہے ابتداءً نہیں، عدت کی حالت میں ابتداءً سفر ممنوع ہے بقاءً نہیں، اسی طرح عورت کا بغیر محرم کے حج کے سفر پر نکلنا غیر شرعی ہے نہ کہ سفر جاری ہونے کے بعد حادثہ کی وجہ سے بغیر محرم کا رہ جانا، البتہ ابھی سفر کا آغاز ہوا ہے، مثلاً گھر سے نکل گئی ہے، لیکن ملکی حد سے باہر نہیں گئی ہے یا رجوع کے لئے "مسیرة ثلاثة أیام" سے کم کا فاصلہ ہے تو لوٹ آنا بہتر ہے۔

۱۲۔ قیام کے لئے پندرہ دن کی نیت ضروری

حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا، کیونکہ منیٰ کی آبادی کے متصل ہونے کے باوجود شہر کی حدود الگ الگ ہیں اور منیٰ کو مکہ کے محلہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

۱۳۔ جماعت ومجمع کی رعایت میں امام مسجد کی اقتدا کرے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ سے متعلق کچھ نئے مسائل

مولانا انور علی اعظمی[1]

۱۔ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور ضرورت سے حرم مکی کے حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی احرام باندھ ہی کر آگے بڑھنا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں فقہاء مجتہدین کے مسالک اور دلائل اس طرح ہیں:

مسلک حنفیہ: حنفیہ کے نزدیک ہر شخص کے لئے چاہے وہ حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے: ''الآفاقی إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد'' (هدايه ۱،۲۱۴)۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے: ''قال رسول الله ﷺ لا يجاوز أحد الميقات إلا محرم'' (عینی شرح الهدایه ۱،۱۴۰۴، التعلیق الصبیح ۳،۱۷۶)۔

نیز تعلیق صبیح میں ابو الشعثاء سے ابن عباس کا یہ عمل منقول ہے: ''عن أبي الشعثاء انه رأى ابن عباس يرد من جاوز الميقات غير محرم'' (۳،۱۷۶)۔

مسلک مالکیہ: امام مالک نے فرمایا کہ جو شخص مکہ میں بغیر احرام عمداً یا جہالۃً داخل ہو گیا تو اس نے برا کام کیا لیکن اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں، عینی میں ہے: ''قال مالك من دخل مكة غير محرم متعمداً أو جاهلا فقد أساء ولا شئ عليه'' (عینی شرح هدایه ۱،۱۴۰۴)۔

موطا میں ہے: ''أخبرنا مالك حدثنا نافع أن ابن عمر اعتمر ثم أقبل إذا كان بقديد جاء ه خبر من المدينة فرجع فدخل مكة بغير إحرام'' (مؤطا امام محمد ۲۱۹)۔

مسلک شوافع: امام شافعی کے نزدیک مکہ مکرمہ میں حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مقصد سے دخول ہو تو اس پر احرام واجب نہیں، امام نووی نے منہاج میں ایسے شخص کے لئے احرام کو مستحب قرار دیا ہے، اور ایک قول میں امام نووی نے وجوب بھی نقل کیا ہے، اور جس شخص کا دخول بار بار ہوتا ہو جیسے حطاب وصیاد، ان کو وجوب والے قول سے مستثنیٰ کیا ہے۔

''وفي المنهاج للنووي: من قصد مكة غير محرم لاشك أنه يستحب له أن يحرم بحج أو عمرة وفي قول يجب ألا يتكرر دخولها كحطاب أو صياد'' (عینی ۱،۱۴۰۴)۔

مسلک حنابلہ: اس سلسلے میں حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں بلا ارادہ قتال شرعی یا بلا حاجت متکررہ جانا چاہتا ہو تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام جانا جائز نہیں، البتہ جو شخص بلا ارادہ قتال مباح یا حاجت متکررہ کی بنا پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اس کے لئے احرام باندھنا واجب نہیں: ''من دخلها لقتال مباح أو من خوف أو حاجة متكررة كالحشاش و الحطاب....''

تیسرے اور چوتھے قول کی دلیل: ''إن النبي ﷺ دخل يوم الفتح مكة حلالا وعلى رأسه المغفر وكذلك أصحابه ولم نعلم أحدا منهم أحرم يومئذ وكذلك روى أن ابن عمر دخلها بغير إحرام. لو أوجبنا الإحرام على كل من يتكرر دخوله أفضى إلى أن يكون جميع زمانه محرما فسقط للحرج''۔

[1] استاذ دار العلوم مئو یوپی۔

۲۔ جن فقہاء کے نزدیک حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے خواہ وہ حج وعمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو، احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے جیسے حنفیہ، ان کے نزدیک بھی ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا چاہئے جو تقریباً روزانہ اور کبھی کبھی ایک سے زائد مرتبہ تجارت، ملازمت یا دوسرے مقاصد سے حرم مکی کے اندر آمد ورفت رکھتے ہیں، ایسا نہ کرنے میں مذکورہ بالا لوگوں کے لئے بہت بڑا حرج لازم آئے گا اور حرج کو شریعت میں اٹھادیا گیا ہے، چنانچہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک میقات کے اندر رہنے والے لوگوں کو مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کی اجازت دفع حرج ہی کی بنیاد پر دی گئی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

''ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بيّن'' (هدايه ۱.۲۱۴)۔

علامہ عینی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے یہ روایت پیش کرتے ہیں: ''روى عن ابن عباس أنه عليه السلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات''۔

لیکن علامہ عینی کے مذکورہ احتمال ''والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات'' کے برخلاف (عالمگیری ۲، ۱۱۳) پر یہ صراحت موجود ہے:

''وكذلك الآفاقي إذا صار من أهل البستان كذا في محيط السرخسي'' (عالمگیری ۲.۱۱۳)۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد عمرہ نہیں کرسکتا یعنی مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش نہیں ہے، اور یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جو مکی کے حکم میں آتے ہیں، فتح القدیر شرح ہدایہ میں حضرت عمر کا یہ قول منقول ہے:

''وصح عن عمر أنه قال ليس لأهل مكة تمتع ولا قران'' (فتح القدير ۲.۴۲۸)۔

لیکن اگر مکی یا اس کے حکم میں آنے والا شخص باوجود ممانعت کے تمتع یا قران کرے تو فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں عمل اس کی طرف سے واقع ہوجائیں گے، البتہ ایسا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اس کے اوپر دم جبر واجب ہوگا، فتح القدیر (۲، ۴۲۸) میں یہ منقول ہے: ''قال في تحفة: ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساؤا۔ أو عليهم دم الجبر'' اور اسی مفہوم کی عبارت (شامی ۲ / ۲۷۰) میں بھی موجود ہے۔

مکی کے حق میں تمتع اور قران کی ممانعت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

''ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' (بقره، ۹۶)، مکی کے لئے قران اور تمتع کے ممنوع ہونے پر علامہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں: ''لأن شرعها للترفة بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي'' (هدايه ۱.۲۲۲)۔

ملا علی قاری اس مسئلہ میں متوطن مکی اور مکہ مکرمہ میں مقیم شخص کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں متوطن مکی کے لئے تمتع جائز نہیں ہے، ہاں جو شخص مکہ مکرمہ میں مقیم ہو اس کیلئے بعض صورتوں میں تمتع جائز ہے اور اس کا تمتع بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہوگا، اور اس کے اوپر جنایت کا دم نہیں ہوگا بلکہ دیگر تمتع کرنے والوں کی طرح صرف دم شکر واجب ہوگا:

''ولا يبعد أن يفرق بين المكي المستوطن وبين المكي المقيم فيمتنع تمتع الأول دون الثاني'' (شرح اللباب ۱۵۴)۔

لہٰذا اگر مکہ میں اقامت کرنے والا شخص اشہر حج سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکلا اور میقات کے باہر جاکر اپنی حاجت پوری کرکے اشہر حج میں عمرہ کے احرام کے ساتھ مکہ آیا اور پھر اسی سال حج بھی کیا تو کوئی حرج نہیں ہے، اس پر دوسرے متمتعین کی طرح صرف دم شکر ہوگا۔

۴۔ مکی شخص اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر جاسکتا ہے اور لوٹنے کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ اور اسی سال حج کرنا چاہے تو حج بھی کرسکتا ہے، اس کے لئے اس مسئلہ میں کوئی تنگی اور دشواری نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا یہ عمل خلاف سنت بھی نہیں ہوگا اور اس پر دم جنایت بھی لازم نہیں ہوگا، یہ تمتع اس صورت میں مسنون ہوگا، اس میں کسی طرح کی کراہت نہیں ہوگی (شرح لباب / ۱۵۳)۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ''والمراد بعد لزوم الدم دم الجبر المتفرع على تركه السنة لأن دم المتعة سواء يكون

شکرا عندنا وجبرا عند غیرنا فھو لازم اتفاقا'' (حوالہ سابق ر ۱۵۳)۔

پھر اس سے آگے ملا علی قاری اپنی اسی شرح میں لکھتے ہیں: ''فمقصودہ إن تمتعه حینئذ مسنونا غیر مکروہ'' (شرح لباب ص ۱۵۲)۔

الغرض حنفیہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک مکی کے لئے جب ایسا کرنے کی گنجائش موجود ہے، حنفیہ کے نزدیک مکی کا یہ تمتع مسنون اور غیر مکروہ ہے، لہذا اس میں تنگی اور دشواری کا کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتا ہے، کیونکہ عمرہ ایک مستقل عبادت ہے اور اس کے لئے کسی مہینے اور تاریخ کی قید نہیں ہے، صرف سال کے پانچ دنوں میں جو حج کے مخصوص ایام ہیں عمرہ مکروہ ہے، اور وہ پانچ دن، یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔

متمتع آفاقی عمرہ ادا کر کے حلال ہو جائے گا اور مکہ مکرمہ میں مقیم رہے گا، لہذا حج سے پہلے دوسرے حلال اشخاص کی طرح سارے کام طواف اور عمرہ وغیرہ اس کے لئے جائز ہوگا۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: ''ھذا المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة فجاز لھا تکرارھا لأنھا عبادة مستقلة أیضا کالطواف'' (البحر الرائق، نیز دیکھئے: شامی ۲،۲۶۸)۔

علامہ رازی نے حضرت ابن عباس کے واسطے سے حضرت عمرؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے:

''عن عبد اللہ بن عباسؓ قال سمعت عمر یقول: لو اعتمرت ثم اعتمرت ثم حججت لتمتعت'' (أحکام القرآن للجصاص ۱،۲۸۵)۔

دو عمروں کے درمیان فصل کا مسئلہ

بعض حضرات کے نزدیک ایک سال میں صرف ایک مرتبہ کیا جاسکتا ہے، جیسے حسن بصری، ابن سیرین، امام مالک اور نخعی وغیرہم اسی کے قائل ہیں۔

''قال النخعی: ماکانوا یعتمرون فی السنة إلا مرة ولأن النبی ﷺ لم یفعله'' (مغنی ۳،۲۲۲)۔

صحابہ کرام کے ایک گروہ اور بہت سے تابعین اور فقہاء کے نزدیک ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ قول حضرت علی، ابن عباس، انس، عائشہ، عطاء، طاؤس، عکرمہ اور امام شافعی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

پھر مجوزین کے درمیان دو عمروں کے مابین کتنا فصل ہونا چاہئے اس بابت مختلف آراء ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ میں ایک عمرہ کی اجازت دی ہے۔

حضرت انس ایک عمرہ کے بعد حلق کراتے اور جب بال نکل آتا تو دوسرا عمرہ کرتے، حضرت عکرمہ کی رائے بھی یہی ہے، جبکہ حضرت عطاء کے بقول پے در پے عمرہ غیر مستحب ہے۔

امام احمد کے نزدیک دس دن سے قبل تکرار عمرہ نہیں ہونا چاہئے۔

احناف کے نزدیک آفاقی متمتع اپنی سہولت کے ساتھ حج سے پہلے بار بار عمرہ کر سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

۶: الف۔ عمل رمی میں نیابت مریض اور معذور کے لئے درست ہے:

رمی جمرات حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، بلا عذر اس واجب میں نیابت درست نہیں، حاجی کو حتی الوسع اس کام کو خود انجام دینا چاہئے، البتہ جان کی حفاظت بھی شرع کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، اس لئے جہاں رمی میں اتلاف جان یا ضرر شدید کا اندیشہ ہو نیابت صرف اسی جگہ درست ہو سکتی ہے، بغیة المناسک میں رمی کی ادائیگی صحت کی شرائط بیان کرتے ہوئے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

''الشرط السادس: أن یرمی بنفسه فلا تجوز النیابة فیه عند القدرة'' (بغیة المناسک ۱۰۰)۔

معذورین کے لئے نیابت کا جواز مسند احمد اور ابن ماجہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

''وعن جابر رضي الله عنه قال: حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبيان فلبّينا عن الصبيان ورمينا عنهم'' (فقه السنة للسيد السابق ۱،۶۲۳)۔

ب۔ نیابت الرمی میں معذوری کا معیار

تحدید عذر میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عذر من جانب العباد کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ اسی عذر کا اعتبار ہوگا جو من جانب اللہ ہو، جیسے محظورات احرام کا ارتکاب کوئی محرم کسی انسان کے مجبور کرنے سے کر ڈالے تو اسے گناہ تو نہیں ہوگا لیکن جزاء لازم ہوگی، چنانچہ بغیة میں یہ تفصیل مذکور ہے:

''ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله فلو كان من العباد فليس بعذر حتى لو أكره على محظورات الإحرام كالطيب واللبس فيجبُ عليه الجزاء''۔

نیز اس کی تحدید اس بات سے کی جائے گی کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو بلکہ اس درجہ کو پہنچ جائے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، چنانچہ بغیہ کے اندر اس کی صراحت اس طرح ہے:

''وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسا لأنه لايستطيع الرمي راكبا ولا محمولا إما لأنه تعذر عليه الرمي أو يلحقه بالرمي ضرر'' (بغية المناسك ۱۰۰)۔

کیونکہ ایسا شخص نہ تو سوار ہو کر رمی کر سکتا ہے اور نہ ہی محمول ہو کر۔ لہذا اس کے لئے رمی متعذر اور دشوار ہو چکی ہے، یا کم از کم اتنی بات تو ضرور ہے کہ رمی کی بناء پر اسے ضرر لاحق ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر مریض اٹھا کر مرمی کے پاس لے جایا جا سکتا ہے اور رمی کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ نہ ہو اور اٹھا کر لے جانے والا موجود ہو یا اجرت پر کوئی آدمی مل جائے اور یہ اجرت پر قادر ہے تو ایسے شخص کی نیابت درست نہ ہوگی (بغیۃ المناسک ۱۰۰)۔

عمل رمی میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں...... عمل رمی میں مرد عورت دونوں برابر ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ عورتوں کے لئے رات میں افضل ہے، لہذا بغیر عذر کے نیابت عن المرأۃ بھی جائز نہیں ہوگی (حوالہ سابق)۔

ازدحام کے خوف سے رمی میں عورت کی نیابت درست نہیں...... رمی میں نیابت مذکورہ تحدید کے ساتھ درست ہے، محض ازدحام کی وجہ سے کسی صحت مند عورت کا دوسرے سے رمی کرانا درست نہیں ہوگا، اور ایسا کرنے کی صورت میں عورت پر جزا لازم ہوگی، چنانچہ بغیہ میں مذکور ہے: ''قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة ولمن به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل لافي جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة فلو لم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية'' (بغیہ ۱۰۰)۔

۷۔ حکومت کا حج یا عمرہ سے روکنا بھی احصار ہے

سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کو حج کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، ایسے لوگ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پکڑ کر واپس کر دیئے جائیں تو وہ بھی محصر ہیں کیونکہ جن اسباب سے احصار متحقق ہوتا ہے ان میں ایک سبب منع السلطان بھی ہے، بغیہ کے اندر مذکور ہے:

''ويتحقق بكل حابس يحبسه ولو بمكة بالاتفاق بين أئمتنا على الأصح كالكسر والفرج والعرج ومنع السلطان'' (بغية المناسك ۱۶۶)۔

محصر کا احصار کس طرح ختم ہوگا

احصار کے بعد احرام سے نکلنے کے لئے محصر پر ضروری ہے کہ کسی شخص کے توسط سے ہدی کا جانور یعنی بڑے جانور کا ساتواں حصہ یا ایک چھوٹا جانور بھیڑ یا بکری حرم میں بھیجے، اور اس کے ذبح کی تاریخ اور وقت کی تعیین کرے، جب اس جانور کے ذبح ہونے کا وقت گذر جائے تو یہ شخص حلال ہو جائے گا، اس سے

پہلے محصر حالت احرام میں رہے گا اور محظورات احرام سے بچے گا، البتہ محصر ہدی کے ذبح ہونے سے پہلے احصار کی جگہ میں رہ سکتا ہے اور اپنے اہل وعیال میں بھی جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وأتموا الحج والعمرة لله فإن أحصرتم فما استيسر من الهدی''

شرح اللباب میں ملا علی القاری یہ آیت ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''يجب عليه أن يبعث الهدی لقوله تعالیٰ فيذبح عنه وكيله نيابةً عنه فی الحرم ويجب أن يواعده يوما معلوماً يذبح حتی يعلم وقت إحلاله'' (ص۲۳۶)۔

محصر کے حلال ہونے کے لئے حلق یا قصر ضروری نہیں ہے..... محصر کے لئے جانور کے ذبح ہوجانے کے بعد حلق یا قصر ضروری نہیں ہے لیکن اگر کرالے تو یہ بہتر ہوگا، لیکن اس کے علاوہ دوسرے محظورات احرام کے کرنے سے بھی اس کا احرام ختم ہوجائے گا، مثلاً مونچھ مونڈ لے، ناخن تراش لے وغیرہ (شرح اللباب ر۲۴۱)۔

حلال ہونے کے صورت میں محصر پر کیا واجب ہوگا...... اگر محصر نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو اس پر ایک عمرہ کی قضا ہے، اگر حج کا احرام باندھا تھا تو اس کے ذمہ ایک حج اور ایک عمرہ ہے، اور اگر قران کی نیت سے احرام باندھا تھا تو اس پر ایک حج اور دو عمرے ہیں۔

۸۔ رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا سنت

فقہ حنفی کے راجح اور مفتی بہ قول میں رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کو واجب قرار دیا گیا ہے لیکن صاحبین کے یہاں ان امور میں ترتیب ائمہ ثلاثہ کی طرح سنت ہے واجب نہیں، اور ترتیب کے خلاف ہوجانے کی صورت میں دم واجب نہیں ہے، امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں اس مشہور قول کے علاوہ دوسرے اقوال بھی موجود ہیں، درس ترمذی کے حاشیہ میں کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کے حوالہ سے مذکور ہے:

''عن أبي حنيفة فی الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمی الجمرة أنه لاشئ عليه'' (باب الذی يجهل فيحلق رأسه قبل أن يرمی جمرة العقبة)۔

تیسری روایت موطا امام محمد میں "باب من قدم نسكا قبل نسك" کے تحت منقول ہے:

''قال محمد: وبالحديث الذی روی عن النبی ﷺ نأخذ أنه قال لا حرج فی شئ من ذلك وقال أبو حنيفة رحمه الله لا حرج فی شئ من ذلك ولم ير فی شئ من ذلك كفارة إلا فی خصلة واحدة: المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال: عليه دم، وأما نحن فلا نری عليه شيئاً'' (بحوالہ درس ترمذی ۳، ۱۵۲۔ ۱۵۳)۔

حجۃ الوداع میں اس مسئلہ میں صریح روایتیں ملتی ہیں، ترتیب کے خلاف کرنے والوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا لیکن آپ نے جواب میں "لاحرج" فرمایا (التعلیق الصبیح ۳ر۲۴۲)۔

مختلف صحابہ کے جواب میں یہی جملہ ارشاد فرمانا اور دم کے وجوب کا حکم نہ کرنا اپنے ظاہر کے اعتبار سے وجوب دم کی نفی کرتا ہے، اگر واقعۃً وجوب دم ہوتا تو صریح سوال میں اس کے ذکر سے آپ کا سکوت بڑا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے، سائل کے جملہ میں لم أشعر مذکور ہے لیکن فقہ میں یہ بات مسلم ہے کہ عدم علم کی وجہ سے آدمی معذور نہیں مانا جاتا۔

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجی مناسک حج اچھی طرح سیکھے سارا کام مرتب کرے، لیکن اس خاص مسئلہ میں اگر ترتیب بدل جائے اور وہ موجودہ صورت حال میں جس کی تفصیل سوال میں مذکور ہے تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا، اور اس مسئلہ میں امام کی دوسری روایت پر جو صاحبین کے قول کے قریب ہے عمل کی گنجائش موجود ہے۔

۹: الف۔ آج عام طور پر دور دراز سے جانے والے لوگ حج تمتع کرتے ہیں، پھر بھی حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا محض عرف کی وجہ سے تمتع کی تعیین نہیں کرتا،

اس کے لئے صریح اجازت کی ضرورت ہے، کسی ایک علاقے کا عرف احکام شرع کو بدلنے کے لئے کافی نہیں ہے (الاشباہ والنظائر ر ۱۱۲)۔

حج فرض میں نیابت کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ نے تقریباً بیس شرطیں ذکر فرمائی ہیں، منجملہ ان شرائط کے ایک یہ بھی ہے کہ مامور سفر کو اسی کام کے لئے خاص رکھے جس کا آمر نے حکم دیا ہے، مثلاً آمر نے حج کا حکم دیا ہے تو مامور بہ پہلے مکہ جا کر حج ادا کرے، اور اگر حج سے پہلے عمرہ کر لے گا تو یہ سفر حج کے لئے نہیں مانا جائے گا۔

ایک دوسری شرط فقہاء نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ حج کا حکم دینے کی صورت میں مامور کو میقات آمر سے احرام باندھنا ہوگا، اور تمتع کی صورت میں اس شرط کی خلاف ورزی لازم آئے گی، اس لئے مطلق حج کا حکم دینے کی صورت میں تمتع کرنا آمر کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ آمر کی اجازت کے بعد کوئی حرج نہیں ہے (غنیۃ المناسک ر ۱۷۹)۔

ہندوستان کے مشہور علماء کرام کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، مولانا ظفر احمد تھانوی نے "فتوی مظاہر العلوم" میں اس مسئلہ میں آمر کی اجازت کے بعد تمتع کے جواز کا فتوی دیا ہے، مولانا عبد الرحیم لاجپوری "فتاوی رحیمیہ" (۲ر۶۰) پر تحریر فرماتے ہیں کہ احوط اور ارجح یہ ہے کہ اجازت کے باوجود تمتع کا احترام نہ باندھا جائے لیکن بہر حال آمر کی اجازت کے ساتھ تمتع کر لینے کی گنجائش ہے۔

ب۔ صریح اجازت کے بغیر محض اپنی آسانی کی خاطر حج بدل کرنے والے کے لئے درست نہیں ہے۔

ج۔ اس کا گمان غالب یہ ہے کہ اگر وہ آمر سے اجازت لیتا تو وہ تمتع کی اجازت دے دیتا اس صورت میں مامور کے لئے تمتع کا جواز نکل سکتا ہے، لیکن ہمارے فقہاء کی مذکورہ تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مامور کو چاہئے کہ آمر سے اس مسئلہ کو واضح کرے۔

د۔ اگرچہ مامور بالحج آمر کی اجازت سے تمتع کرتا ہے پھر بھی اسے دم تمتع اپنے پاس سے ادا کرنا چاہئے، کیوں کہ اس دم کی بنیادی وجہ ایک سفر میں دو عبادتوں کی ادائیگی سے فائدہ اٹھانا ہے اور یہ فائدہ مامور بالحج کو مل رہا ہے، اس لئے بنیادی طور پر دم تمتع بھی اسی کے ذمہ ہے، الا یہ کہ آمر نے اس کی بھی اجازت دے دی ہو۔

۱۰۔ حائضہ اور نفساء کے لئے حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت جائز نہیں

الف۔ سوال میں لکھی ہوئی جملہ پریشانیوں کے باوجود حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت جائز نہیں، اگر کرے گی تو گنہ گار ہوگی، ایسی عورت کو حتی الامکان حج کمیٹی کے ذریعہ ویزا بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر کوئی گنجائش ٹھہرنے کی نہیں نکل سکی اور بغیر زیارت واپس جانے سے حج نامکمل رہ جاتا ہے، دور دراز والوں کے لئے لوٹ کر آنا ایک غیر معمولی مسئلہ ہے، اس طرح کی مجبوری میں پھنس کر اگر کوئی عورت حیض ونفاس کے دوران طواف زیارت کر ہی ڈالے تو اگر چہ وہ گنہ گار ہوگی لیکن اس کا رکن ادا ہو جائے گا، اس کے گناہ کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے اور انھوں نے ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے: "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعہا" اگر واقعی اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا تو اللہ رب العزت کی ذات سے پوری امید ہے کہ اس کا عذر قبول فرمائیں گے۔

فتح القدیر میں دو وجہوں سے ایسی عورت کے لئے طواف کو ناجائز کہا گیا ہے: ایک تو اس لئے کہ طواف مسجد میں کیا جاتا ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ طواف بذات خود بھی ایک عمل ہے جو طہارت کا متقاضی ہے، یعنی طہارت واجبات طواف میں سے ہے، لہذا ان دو امور کی وجہ سے ناجائز ہوگا (دیکھئے: فتح القدیر ۲ر۴۳۸)۔

ب۔ اگر کوئی عورت حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کر ہی لے تو وہ منہی عنہ ہے اور اس کے ذمہ اعادہ لازم ہے، اگر اعادہ نہ کر سکی تو اس پر دم لازم ہے اور حج مکمل ہو جائے گا، فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:

"فإن طافت كانت عاصية ولزمها الإعادة فإن لم تعده كان عليها بدنة وتم حجها" (۲۰۴۳۸)۔

علامہ شامی نے ابن امیر الحاج کی منسک کے حوالہ سے اسی طرح کی بات نقل کی ہے (دیکھئے: شامی ۲ر۲۵۷)۔

ج۔ حالت ناپاکی یعنی جنابت، حیض ونفاس میں طواف زیارت کرنے والوں اور کرنے والیوں پر بدنہ کا ذبح کرنا واجب ہوگا، بکرا نا کافی ہوگا، درمختار میں ہے:

"وتجوز الشاة (في الحج) في كل شئ إلا في طواف الركن جنبا أو حائضا" (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲۰۲۴۳)۔

د۔ دم کی ادائیگی حدود حرم مکی میں ہوگی، اپنے مقام پر اسے نہیں ادا کیا جا سکتا، درمختار اور فقہ کی دوسری کتب میں اس کی صراحت موجود ہے: "ویتعین

المحرم للکل'' (۲،۳۲۳)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں محرم کے مرنے پر عورت کب محصر ہوگی اور کب نہیں ہوگی؟

عدت: حج وعمرہ ادا کرنے سے مانع نہیں، عدت طلاق یا وفات میں عورت کے لئے حج اور عمرہ ادا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

اس سلسلہ میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج کے سفر میں شوہر یا دوسرا محرم جو عورت کے ساتھ ہے اگر مر جائے تو عورت محصر ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی صراحتیں موجود ہیں، اگر زوج یا محرم کا انتقال ایسی جگہ ہو کہ اس مقام اور مکہ کے درمیان شرعی مسافت کی دوری ہے تو عورت محصر قرار پائے گی اور اس کے لئے آگے جانا ممنوع ہوگا، اور اگر ایسی جگہ انتقال ہوا کہ اس مقام اور مکہ کے درمیان شرعی مسافت کی دوری نہیں پائی جاتی تو عورت محصر نہیں ہوگی اور اس کے لئے حج اور عمرہ کرنا درست ہوگا، بغیۃ المناسک میں ہے:

''ومنه (من الإحصار) موت المحرم للمرأة في الطريق أو زوجها إذا كان بينها وبين مكة وبلدها أقل منه أو أكثر لكن يمكنها المقام في موضعها أو قريب منه وإلا فلا إحصار'' (ص۱۶۷)۔

شرح اللباب میں ہے: ''السادس موت المحرم أو الزوج للمرأة وزاد في نسخة أن على مسيرة سفر من مكة ولا بد من هذا القيد على القول الأصح (شرح اللباب ۲۲۳)، اور علامہ شامی نے اسی طرح کی عبارتیں لباب اور بحر کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ دو مستقل مواضع ہیں، اگرچہ مکہ شہر کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے آج درمیان کا خلاء پر ہو چکا ہے، اور ممکن ہے کہ انتظامی امور میں مکہ مکرمہ کو ضلع کا ہیڈ کوارٹر اور منیٰ کو اس کا حصہ ہونے کی حیثیت ہو، لیکن فقہاء نے ان دونوں مواضع کو دو الگ الگ آبادیاں تسلیم کی ہیں اور ان کو مکہ کا تابع مانا ہے، فقہاء نے تابع ماننے کے لئے ایک معیار یہ بنایا ہے کہ ایک موضع کے سکان کے لئے جمعہ کی حاضری ضروری ہو اور انہیں جمعہ کے لئے دوسرے موضع میں جانا پڑے، دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ اہل منیٰ جمعہ منیٰ ہی میں پڑھتے ہیں، پہلے منیٰ کوئی مستقل آبادی نہیں تھی اب ایک مستقل آبادی ہو چکی ہے، دوسرے یہ کہ منیٰ جانے والا حاجی ۹ تاریخ کو عرفات جاتا ہے اور رات مزدلفہ میں گذارتا ہے اور صبح کو منیٰ میں آتا ہے، اس لئے بھی مکہ کے قیام اور منیٰ کے قیام کو الگ الگ حیثیت حاصل ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں:

''وفي المنية والتحفة هذا إذا كان كل واحد منهما أصلاً كمكة ومنى أو كالكوفة والحيرة فإذا كان أحدهما تبعا لآخر بأن نوى الإقامة في المصر وفي موضع آخر تبع لها وهو ما يلزم ساكنيه حضور الجمعة يصير مقيما لأنهما مكان واحد'' (عینی ۲،۹۲۵)۔

لہذا اگر مکہ میں پندرہ یوم کی اقامت کی نیت سے توجہ کرنے والا شخص مقیم ہوگا اور اگر مکہ اور منیٰ میں ملا کر پندرہ یوم اقامت کی نیت ہے تو وہ مسافر ہوگا۔

۱۳۔ حرمین میں رمضان میں وتر کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، امام وتر کی دو رکعتوں کے بعد فصل کرتا ہے اور سلام کے بعد ایک رکعت پڑھتا ہے، حنفی مقتدی اس صورت میں کیا کرے۔ درمختار میں فصل کی صورت میں اقتداء کو ممنوع لکھا ہے، لیکن بہرحال مسئلہ مجتہد فیہ ہے، حرمین کی جماعت سے علیحدگی، درمیان صف سے نکلنا، جماعت مسلمین میں اختلاف کی ایک ظاہری شکل کا پیدا ہونا، یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ اس سے اجتناب امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے، حدیث میں اس کی گنجائش موجود ہے، حنفی فقیہ ابوبکر الرازی نے اس کو جائز قرار دیا ہے مبتلی بہ لوگوں سے دریافت کرنے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حرمین کی جماعت کی مخالفت یا اس سے علیحدگی ایک مشکل مسئلہ ہے، اس لئے حنفیہ کو حدیث کی گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں زیادہ شدت اپنانا مناسب نہیں معلوم ہوتا، البحر الرائق میں یہ عبارت ملتی ہے۔

''وجوز أبوبكر الرازي ويصلي معه بقية الوتر لأن الإمام لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه كما لو اقتدت بإمام قد رعف'' (البحر الرائق ۲،۳۹)۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا محمد ابوالحسن علی [1]

ا۔ حج یا عمرہ کی نیت کئے بغیر حدود حرم میں داخلہ...... احناف کے نزدیک حج وعمرہ کے علاوہ تجارت اور دیگر حاجات کے لئے بھی حدود حرم میں داخل ہونے کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک بغیر احرام کے دخول جائز ہے، البتہ امام شافعیؒ سے عدم جواز کی روایت بھی مشہور ہے، بعض علماء نے تو جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک عدم جواز کا ثابت کیا ہے، البتہ امام مالکؒ وشافعیؒ سے جواز کی روایت بھی نقل کی گئی ہے۔

دلائل حنفیہ

آیت کریمہ: ''لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين محلّقين رؤوسكم ومقصرين''، امام شافعیؒ اس آیت سے عدم جواز ثابت کرتے ہوئے تفصیلی گفتگو فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ احرام کے ساتھ تشریف لائے ہیں، کسی بھی نبی کے بارے میں بغیر احرام کے آنا ثابت نہیں ہے اور نہ آپ ﷺ (سوائے فتح مکہ مکرمہ کے) بغیر احرام کے داخل ہوئے ہیں۔ ان دلائل کی وجہ سے ہم نے یہ کہا ہے کہ سنت اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے بارے میں یہی ہے کہ بندے بغیر احرام کے داخل نہ ہوں اور ہم نے اپنے علماء سے سنا ہے کہ اگر کسی نے بیت اللہ کی منت مانی تو اس کو حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ آنا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان ہی دلائل کی وجہ سے احرام کی شرط لگائی جو میں نے ذکر کی، حق تعالیٰ نے بھی دخول حرم کی کیفیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام الخ... قال الشافعي فدل على وجه دخوله للنسك وفي الأصل وعلى رخصة الله تعالى في الحرب وعفوه فيه عن النسك''۔

آگے اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دلالت ہے اس بات کی طرف کہ مکہ مکرمہ اور دوسرے شہروں میں فرق ہے کہ تمام بلاد اس بات میں یکساں ہیں کہ وہاں بغیر احرام کے داخل ہوتے ہیں اور مکہ مکرمہ اس بات میں منفرد ہے کہ وہاں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتے ہیں (کتاب الام ۲/۱۲۱)۔

اس روایت سے اور اس کے بعد والی طویل عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ حنفیہ کی طرح عدم جواز ہی کے قائل ہیں، کیونکہ آگے جو عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے اس میں بھی استثنائی شکلیں، مثلاً لکڑی چننے والے، ضرورت مند، لڑائی سے بچنے والے وغیرہ کے لئے تاویل کی ہے اور وہ بھی خود امام شافعیؒ کا قول نہیں، بلکہ آپ کے ساتھیوں کا قول نقل کیا ہے:

''إلا أن من أصحابنا من يخص للحطابين، ومن دخلها أياما لمنافع أهلها والكسب لنفسه ورأيت أحسن ما يحمل هذا القول إلى أن انتياب هؤلاء مكة انتياب كسب لا انتياب تبرر، وأن ذلك متتابع كثير متصل فكانوا يشبهون المقيمين فيها''۔

آگے علت ذکر کی کہ یہ غلام ہوں گے جو حج کے سلسلہ میں غیر ماذون ہوں گے۔ پس جبکہ فرض حج غلام سے ساقط ہو سکتا ہے تو احرام بھی ساقط ہو جائے گا (حوالہ بالا ۲/۱۲۱)، مگر ہمارے بعض ساتھی لکڑی چننے والوں اور اس میں اس کے باشندوں کے فائدے کے لئے اور اپنی کمائی کے لئے داخل ہونے والوں کے لئے تخصیص کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس قول کا سب سے بہتر محمل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مکہ آنا کسب کی خاطر ہے، نہ کہ عبادت کی خاطر اور یہ پیہم، کثرت سے اور

---

[1]

بار بار پیش آتا ہے تو یہ لوگ وہاں کے مقیم باشندوں کے مشابہ ہو گئے۔

''امام نووی کی کتاب ''المنہاج'' میں ہے: جس نے احرام کے بغیر مکہ کا قصد کیا تو کوئی شک نہیں کہ اس کے لئے حج یا عمرہ میں احرام باندھنا مستحب ہے اور ایک قول کے مطابق واجب ہے، مگر یہ کہ بار بار داخل ہونا پڑتا ہو، جیسے لکڑی چننے والے اور شکاری کے لئے اور مغنی میں ہے امام احمد نے فرمایا: بغیر احرام کے کوئی اس میں داخل نہ ہوگا اور ان ہی سے ایک روایت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام مستحب ہے'' (النہایہ شرح الہدایہ ۴/ ۳۲)۔

نیز احادیث کا عموم ''لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما'' (هدايه) کوئی شخص احرام کے بغیر میقات سے آگے نہ بڑھے ''لا يجاوز الوقت إلا بإحرام'' (مصنف ابن ابي شيبه طبراني)، اسی طرح مسند شافعیؒ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ میقات سے بغیر احرام کے گذرنے والوں کو واپس کرتے تھے، یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی شیبہ اور اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۸)، اسی طرح ابن الہمام کی فتح القدیر میں ہے۔ یہ تمام روایات منطوقہ اس روایت کے مفہوم مخالف سے استدلال میں اولی ہوں گی جس روایت میں احرام کے لئے حج وعمرہ کا لفظ صراحۃ مذکور ہے، جبکہ اس روایت میں یہ تحقیق بھی باقی ہے کہ وہ راوی کا کلام ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، کچھ حضرات نے اس کو راوی کا کلام مانا ہے کہ حدیث مرفوع نہیں ہے، نیز حدیث شریف کے مرفوع تسلیم کرنے کے بعد بھی احادیث منطوقہ کے مقابلہ میں مخالف مفہوم قابل اعتبار نہ ہوگا۔

احناف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ احرام مقام کی عظمت وشرافت کے پیش نظر ہے اور وہ علت باقی ہے، لہذا احرام لازمی ہوگا، حاجی وغیر حاجی اس میں برابر ہیں (فتح القدیر ۲/ ۴۲۷-۴۲۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ألا أن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي إنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة''۔

(خبردار مکہ حرام ہے اس وقت سے جب اللہ نے اس کو پیدا کیا تھا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، صرف میرے لئے دن کے ایک وقت میں حلال کیا گیا اور پھر قیامت تک کے لئے اس کی حرمت واپس ہو گئی)۔

علامہ کاسانی مذکورہ حدیث سے تین طرح استدلال کرتے ہیں: (۱) ألا إن مكة حرام (۲) لا تحل لأحد بعدي (۳) ثم عادت حراما إلى يوم القيامة مطلقا من غير فصل'' سے'' اور: ''روى ابن عباس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يحل دخول مكة بغير احرام'' سے بھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں) (بدائع ۲، ۱۶۴)۔

اسی طرح کے دلائل تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہیں، البتہ اس میں ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے: ''لا يدخل أحد مكة إلا بإحرام'' (تبيين الحقائق ۲،۷)، اعلاء السنن میں الفاظ ہیں: ''لا يتجاوز أحد المواقيت إلا بإحرام''، بیہقی کے الفاظ: ''لا يدخل أحد مكة إلا محرما'' ہیں (اعلاء السنن ۱۰،۱۷)۔

مجوزین کے دلائل

حدیث شریف کے الفاظ ''لمن کان یرید الحجۃ والعمرۃ'' سے معلوم ہوا کہ حج وعمرہ کے علاوہ کے ارادہ سے آنے والے کیلئے احرام کی ضرورت نہیں ہے۔

حديث ابن عباس رضي الله عنه: ''أنه عليه الصلوة والسلام قال: فيهن أي هذه المواضع لهن أي لأهل هذه المواضع و لمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحجة والعمرة'' (الحديث متفق عليه)۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان مقامات اور ان کے باشندوں کے لئے اور ان مقامات کے باشندوں کے علاوہ ان لوگوں کے لئے جو حج اور عمرہ کے ارادے سے یہاں آئیں)۔

(۲) صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ہے: ''أنه عليه الصلوة والسلام دخل يوم الفتح مكة و عليه عمامة سوداء بغير إحرام''۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی اور آپ بغیر احرام کے تھے)۔

(۳) حديث ابن عباس رضي الله عنه: ''لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما'' میں ایک راوی خصیف کو بعض نے ضعیف کہا ہے۔ ''قال الحافظ في

الدراية: وقيه خصيف إلى آخره''۔

(۱) دلیل اول کا جواب گذر چکا ہے۔

(۲) فتح مکہ والی روایت کا جواب قائلین عدم جواز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس وقت کے ساتھ مختص ہے حکم عام نہیں ہے جیسا کہ روایت کے الفاظ خود دلالت کرتے ہیں: ''لا تحل لأحد قبلي ولا لأحد بعدي''۔

امام مالکؒ کا بھی صحیح قول عدم جواز کا ہے: ''وزعم ابن عبد البر أن أكثر الصحابة والتابعين على القول بالواجب'' (تنظیم الاشتات ۲،۱۶۸) (ابن عبدالبر کے خیال میں بھی اکثر صحابہ وتابعین کا قول وجوب کا ہے)۔

مذکورہ نقلیہ وعقلیہ دلائل کے پیش نظر، نیز امام شافعیؒ وامام مالکؒ سے بھی عدم جواز کی روایت کے منقول ہونے کی وجہ سے حنفیہ ہی کے قول کو ترجیح دی جانی چاہئے۔

۲۔ احناف کا مسلک اس سلسلہ میں وہی ہے جو جواب نمبر ایک میں مذکور ہے، البتہ دفع حرج ودفع مشقت کے لئے امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے قول کے مطابق ٹیکسی ڈرائیور، ملازمین اور تجارتی کمپنی کے ایجنٹ وغیرہ جن کو بار بار حدود حرم میں آمدورفت کرنی ہوتی ہے، بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہئے۔

کتب حنفیہ میں بھی میقات کے اندر رہنے والے حضرات کے لئے بغیر احرام داخل ہونے کی اجازت کو حاجت وضرورت پر محمول کیا ہے، ہدایہ میں ہے:

''اور جو میقات کے اندر رہنے والا ہو، اس کے لئے جائز ہے کہ ضرورت کی بنا پر مکہ میں بغیر احرام داخل ہو اور ہر مرتبہ احرام کو واجب کرنے میں واضح حرج ہے، تو یہ مکہ کے باشندوں کی طرح ہو گیا جن کے لئے ضرورت کی بنا پر اس سے بغیر احرام نکلنا اور اس میں داخل ہونا جائز قرار دیا گیا ہے، برخلاف اس کے کہ اگر عبادت کی ادائیگی کی نیت سے داخل ہوا ہو، اس لئے کہ اس کا تحقق کبھی کبھی ہوتا ہے، لہذا کوئی حرج نہیں'' (ہدایہ مع الفتح ۲/۴۲۷)۔

عنایہ میں لکھا ہے: ''والأصل أنه ﷺ رخص للحطابين دخول مكة بغير إحرام'' (عنايه مع الفتح ۲،۴۲۶)۔

(اصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑی چننے والوں کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کی رخصت دی ہے)۔

علامہ عینیؒ بنایہ شرح ہدایہ میں روایت ذکر کرتے ہیں: ''روى عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه عليه الصلوة والسلام رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات'' (بنايه ۲۳، ۴، فدل أنه من كان داخل الميقات)۔

الغرض فقہاء حنفیہ نے اہل حل کے لئے بغیر احرام کے دخول کی وجہ حوائج ضروریہ اور رفع مشقت کو قرار دیا ہے اور گذشتہ زمانوں میں حوائج ومسائل محدود تھے جبکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں پوری دنیا سمٹ کر ایک شہر بن گئی ہے۔

نیز حنفیہ کے اصول میں ''المشقة تجلب التيسير'' اور ''الحرج مدفوع'' وغیرہ سے اس کی گنجائش نکلتی ہے، لہذا میقات سے تجاوز کرنے کے نے کے بعد بھی اشد ضرورت اور کثرت سفر والوں کو تو گنجائش دی جائے، مگر جو لوگ بہت کم سفر کرتے ہوں وہ اس گنجائش سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں کیونکہ میقات سے احرام کے ساتھ گذرنے کی روایات، بہت موکد ومسلسل ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ مکی کا تمتع اور قران کرنا

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ''اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران، بلکہ ان کے لئے صرف افراد ہے، برخلاف امام شافعیؒ کے، سورہ بقرہ کی اس آیت سے ان کے خلاف دلیل ملتی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے ''یہ (رعایت) ان لوگوں کے لئے ہے جن کے اہل وعیال مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں'' اور اس لئے کہ اس کی مشروعیت ترفہ کے لئے دونوں سفروں میں سے کسی ایک کے اسقاط پر ہے، یہ دور کے رہنے والے (آفاقی) کے حق میں ہے، جو میقات کے اندر ہو وہ مکی کے درجہ میں ہے، یہاں تک کہ اس کے لئے نہ تمتع ہوگا اور نہ قران'' (ہدایہ کتاب الحج ۱/۲۶۳)۔

درمختار میں ہے: ''والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر ولا يجزيه الصوم ولو معسرا''۔

(مکی اور جو اس کے حکم ہے صرف افراد کرے گا اور اگر اس نے قران یا تمتع کرلیا تو جائز ہے اور اس نے غلط کیا، اور اس کے ذمہ تلافی کا دم لازم ہوگا، اور اس کے لئے روزہ کافی نہ ہوگا، خواہ تنگدست ہی ہو)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "یہ اس وقت ہے جب وہ مقیم ہو، تو اگر وہ کوفہ کی طرف نکل گیا اور اس نے قران کرلیا تو درست ہے بغیر کسی کراہت کے، اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقات سے جڑے ہوئے ہیں، تو یہ آفاقی کی طرح ہوگیا، محبوبی کہتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب اشہر حج سے پہلے کوفہ کی طرف نکل گیا ہو اور اگر اس کے بعد نکلے تو اسے قران سے روکا جائے گا، لہٰذا وہ میقات سے نکلنے کی وجہ سے متغیر نہ ہوگا اور قران کی قید اس لئے ہے کہ اگر اس مکی نے اسی سال اشہر حج میں عمرہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ دو عبادتوں کے درمیان اپنے گھر والوں میں جاکر آرام کرکے حلال ہوگیا، اگرچہ ہدی ساتھ نہیں لے گیا، اسی طرح اگر لے گیا تو وہ متمتع نہ ہوگا" (شامی ۲؍۲۱۴)۔

حاصل یہ کہ علامہ شامیؒ کی تحقیق (بحوالہ مبسوط) کے مطابق یہ لوگ قران کرسکتے ہیں، تمتع نہیں کرسکتے، قران کے لئے البتہ یہ شرط ہے کہ وہ اگر اشہر حج سے پہلے میقات سے باہر (کوفہ وغیرہ) گیا، تو مثل آفاقی ہونے کی وجہ سے قران صحیح ہے اور اگر اشہر حج میں گیا تو اب قران سے بھی روکا جائے گا۔

تمتع کے سلسلہ میں یہ وضاحت ہے کہ اگر متمتع عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے گھر چلا گیا اور ساتھ میں ہدی نہیں لایا تو تمتع باطل ہے، کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے گھر والوں میں جاکر آرام وراحت حاصل کرلی اور اس سے تمتع باطل ہوجاتا ہے، امام طحاویؒ نے احکام القرآن میں حضرت سعید بن المسیبؒ، عطاء ابن ابی رباحؒ، مجاہدؒ، اور ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ متمتع عمرہ سے فراغت کے بعد اگر گھر لوٹ جائے تو اس کا تمتع باطل ہوجاتا ہے، البتہ حضرت حسنؒ کے نزدیک وہ متمتع باقی رہتا ہے (بنایہ شرح ہدایہ ۲۲۶)۔

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی نے تمتع یا قران کیا تو بکراہت تحریمی صحیح ہوجائے گا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر واجب ہے، لہٰذا وہ خود نہیں کھاسکتا، مگر علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحت مع کراہت تحریمی صرف قران کے لئے ہے اور مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر واجب نہیں، البتہ بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو۔

مکی کو تمتع وقران سے منع کرنے کی وجہ عند الاحناف معلول بعلت ہے، اسی وجہ سے وہ علت "الترفه بإسقاط إحدى السفرتين" ختم ہونے کی صورت میں (مثلاً مکی کے میقات کی طرف سفر کرکے واپسی میں) قران کرنا صحیح ہوجاتا ہے: "لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي" علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"غالباً اس کی صورت یہ ہے کہ مشروع قران وہ ہے جو حج اور عمرہ کے لئے ایک ساتھ احرام باندھنے کے ساتھ ہو اور المام صحیح وہ ہے جو عمرہ کے احرام اور حج کے احرام کے درمیان ہو، اور یہ تمتع میں ہوتا ہے قران میں نہیں، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ مکی کا تمتع باطل ہے اس کا قران نہیں، یہ تیسرا قول ہے، میں نے اس کی صراحت کرنے والا نہیں پایا، لیکن اس پر بدائع کی وہ تصریح دلالت کرتی ہے جو مکی کے تمتع کے عدم تصور سے متعلق ہے" (شامی ۲؍۲۱۴، ۲۱۵، دیکھئے: فتح القدیر ۳؍۱۵۔۱۷)۔

الغرض علامہ ابن ہمامؒ وعلامہ شامیؒ کے طویل محققانہ کلام کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمتع وقران سے مکی کو روکا جائے، البتہ المام وعدم المام کی قید سے اور اس پر دم جبر کے وجوب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ قران وتمتع کرلے تو ادا ہوجائے گا اور پھر تمتع کے سلسلہ میں بقول علامہ شامیؒ بحوالہ بدائع صاحب بدائع حاکم کی تصریح کے مطابق ان کا تمتع ہی ادا نہیں ہو رہا ہے، نیز قران کا صحیح ہونا اور تمتع کا صحیح نہ ہونا بھی تمتع کے ادا نہ ہونے کی طرف مشیر ہے۔

۴۔ ماقبل کی طویل گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مکی کا تمتع ہی باطل ہے تو ملزوم کے باطل ہونے سے بقول علامہ سندھیؒ لازم یعنی دم جبر بھی باطل ہوجائے گا، لہٰذا سوال میں مذکور صورت میں ان کا میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے سے اس پر دم جبر لازم نہیں ہوگا اور ظاہر آچا ہے اس کو تمتع کہا جائے لیکن وہ صحیح نہ ہوگا، نیز تمتع وقران سے بالارادہ (اور وہ بھی معلول بعلت) روکا ہے اور مذکورہ صورت میں اضطراراً اس کو عمرہ کرنا لازم آتا ہے، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مطلقاً ممانعت کا خطاب متعلق نہیں ہے، بلکہ اس صورت سے متعلق ہے جب وہ مکہ میں ہو اگر وہ آفاق کی طرف نکل گیا تو وہاں کے باشندوں سے ملحق ہوگیا، اس لئے کہ معروف ہے کہ جو کسی جگہ پہنچ گیا تو وہ وہاں کے باشندوں سے ملحق ہوگیا، جیسے آفاقی جب وہ بنی عامر کے باغ کا قصد کرے یہاں تک کہ اس کے لئے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز ہے وغیرہ ذلک، اس کلیہ کی بنیاد یہ اجماع ہے کہ آفاقی جب اشہر حج میں عمرہ کی نیت سے مکہ

آئے تو اس کا احرام حج حرم سے ہوگا، اگر چہ مکہ میں صرف ایک ہی روز قیام کرے، اس وقت مصنف کے اپنے کلام کو مطلق رکھنے کا مطلب ہوگا کہ انہوں نے ایک صورت مراد لی ہے" (فتح القدیر ۳؍ ۱۴-۱۵)۔

ان دونوں مثالوں اور قاعدے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میقات سے باہر جانے کی وجہ سے مکی ہی نہیں رہا بلکہ آفاقی ہو گیا اور آفاقی کے لئے تمتع یا قران کرنا بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا اب اس پر دم جبر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب:۵۔ حج کا احرام باندھنے سے پہلے متمتع کیلئے مزید عمرہ کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ جن ایام میں عمرہ کرنے سے روکا گیا ہے وہ ایام تشریق ویوم ترویہ ہیں۔

راجح قول یہی ہے کہ متمتع آفاقی یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے علاوہ باقی دنوں میں نفلی عمرہ بدون حرج کر سکتا ہے (غنیۃ المناسک)، مصنف ارشاد الساری شیخ عبد الغنی تحریر فرماتے ہیں: ناواقف متمتع حجاج کو جاہل معلم نفلی عمرہ سے روکتے ہیں، یہ حالت ہے غریب ناواقف حجاج کی کہ ایسی عبادتوں سے محروم رہتے ہیں، جس کو وہ لوگ اپنے وطن میں نہیں کر سکتے، ایک بڑی عبادت سے محروم رہتے ہیں (۱۹۴)، لہٰذا عمرہ کرنے میں حرج نہیں، جائز ہے، احقر کا عمل یہی ہے (عبد الرحیم فتاوی رحیمیہ ۲؍ ۲۷)۔

۶۔ مرد، عورت، بیمار، ضعیف سب خود اپنے ہاتھ سے رمی کریں، کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا بغیر عذر شرعی جائز نہیں ہے۔ رعذر معتبر صرف ایسی بیماری یا کمزوری ہے جس کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو، یا جمرات تک سوار ہو کر پہنچنے میں بھی سخت تکلیف ہو، یا مرض کے شدت اختیار کرنے کا قوی اندیشہ ہو، یا پیدل چلنے پر قدرت نہیں اور سواری ملتی نہیں، ایسا شخص معذور ہے، وہ اپنی طرف سے دوسرے آدمی کو نائب بنا کر رمی کرا سکتا ہے (غنیۃ ۱۰۰، بحوالہ احکام حج مفتی شفیع صاحب)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "رمی میں ان کے لئے جو مرض یا حبس، یا بوڑھاپے اور اگر عورت ہو تو حمل کی وجہ سے خود سے رمی کرنے سے معذور ہوں، نیابت جائز ہے، چنانچہ مریض کے لئے کسی ایسی بیماری کی بنا پر انابت جائز ہے، جس کے ختم ہونے کی امید رمی کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے نہ ہو، محبوس، کبیر السن اور حاملہ کے لئے یہ صورت ہے کہ ان کی طرف سے ایسے لوگوں کو وکیل بنایا جائے گا جو ان کی طرف سے رمی کریں، کئی اشخاص کی طرف سے بھی توکل جائز ہے بشرطیکہ وکیل سب سے پہلے اپنی طرف سے تینوں کنکریاں مارلے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳؍ ۱۹۳)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: "ومن كان مريضاً لا يستطيع الرمي يوضع في يده ويرمي بها أو يرمي عنه غيره وكذا المغمى عليه" (فتح القدیر ۲،۴۹۸، دیکھئے: بدائع ۲،۱۳۶، الہندیہ ۱،۲۳۶)۔

(اور جو مریض ہو اور رمی پر قادر نہ ہو، اس کے ہاتھ میں کنکریاں رکھی جائیں گی اور وہ خود سے رمی کرے گا، یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا رمی کر دے گا، یہی صورت بیہوش آدمی کے لئے بھی ہے)۔

نیابت کے لئے محض ازدحام عذر نہیں، لہٰذا جو لوگ دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے زوال تک ازدحام کی وجہ سے رمی نہ کر سکیں اور زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے پر قادر ہوں ان کے لئے کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا جائز نہیں، وہ گیارہ ذی الحجہ کی صبح سے پہلے خود رمی کریں۔

البتہ ازدحام مکروہ اوقات میں رمی کی گنجائش وجواز کے حق میں عذر ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے مکروہ اوقات میں عورت، بیمار، اور ضعیف آدمی کے لئے رمی کرنا درست اور جائز ہے۔

لیکن نیابت کا عذر نہ ہونے کی صورت میں محض ازدحام کی وجہ سے کوئی رمی نہیں کرے گا تو اس پر دم واجب ہوگا، چاہے ایک دن کی رمی نہ کرے یا تینوں دنوں کی رمی نہ کرے، دم ایک ہی واجب ہوگا۔ وہ روایات جن سے مکروہ اوقات میں ضعفاء اور عورتوں کے حق میں فقہاء کرام نے گنجائش نکالی ہے، ابن ہمام نے نقل کیا ہے:

(۱) "ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں کو حکم دیتے تھے...... جمعہ کی صبح کو کہ ابتدائے فجر کے اندھیرے ہی میں افاضہ کرلیں اور رمی نہ کریں مگر صبح کے وقت"۔

(۲) "كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفاء أهله بغلس و يأمرهم أن لا يرموا الجمرة حتى تطلع الشمس"۔

صاحب ہدایہ نے شوافع کی موید ایک روایت ذکر کی ہے: "إن النبي ﷺ رخص للرعاء أن يرموا ليلا"۔

(بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چرواہوں کو رخصت دی کہ وہ رات ہی میں رمی کرلیں)۔

ابن ہمام دارقطنی سے ضعیف سند کے ساتھ اس میں زیادتی نقل کرتے ہیں: ''وأية ساعة شاء وأمن النهار۔ و حمله المصنف على الليلة الثانية والثالثة لما عرف أن وقت الرمي كل يوم إذا دخل من النهار إمتدا إلى آخر الليلة التي تتلو ذلك النهار فيحمل على ذلك'' (فتح القدير ۲،۵۰۰)۔

(اور دن کے جس حصے میں چاہیں۔ مصنف نے اس کو دوسری اور تیسری رات پر محمول کیا ہے، اس لئے کہ معلوم ہے کہ ہر روز رمی کا وقت دن کے دخول سے اس دن کے بعد میں آنے والی رات کے آخری حصہ تک ممتد ہوتا ہے تو اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا)۔

۷۔ احصار: سعودی میں رہنے والے غیر ملکیوں کو حالت احرام میں حرم سے واپس کرنا۔

احصار کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن ہی سے ہوگا، بیماری وغیرہ سے نہیں ہوگا: ''قلت وهذا قول مالك والشافعي وإسحاق وأحمد في رواية'' (بنایہ ۴،۳۸۶)۔

حنفیہ کے نزدیک ہر وہ شخص جو احرام باندھے پھر اس کو احرام کے مقتضیات پر عمل کرنے سے روکا جائے، دشمن، بیماری، قید، عضو کا ٹوٹ جانا، یا اس کے علاوہ کوئی بھی مانع ہو (بدائع ۲/۱۷۵، بنایہ ۴/۳۸۶)۔ اس عموم کی وجہ سے عندالاحناف سعودی میں رہنے والے غیر ملکی کو رہنا بھی احصار میں سے شمار کیا جائے گا۔

البتہ اگر قارن، یا مفرد طواف، یا وقوف دونوں میں سے کسی ایک پر قادر ہے تو محصر نہ ہوگا، اگر وقوف عرفہ کرلیا اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو اس کا حج ہوگیا، بال منڈوا کر احرام کھول دے، لیکن جب تک طواف نہ کرے گا عورت حلال نہ ہوگی اور طواف زیارت جب چاہے کرسکتا ہے، لیکن ایام نحر گذرنے کے بعد کرے گا تو ایک دم تاخیر کا واجب ہوگا اور اگر صرف وقوف سے روکا گیا تو جب تک حج کا وقت باقی ہے انتظار کرنا چاہئے جب حج فوت ہوجائے تو عمرہ کے افعال کر کے حلال ہوجائے۔

الغرض احصار میں عرفات اور طواف دونوں سے، یا رکن عمرہ یعنی طواف سے روکنا ضروری ہے، احصار کے بہت سارے اسباب کتب فقہ میں مذکور ہیں، ان میں بادشاہ کا منع کرنا بھی ہے جو غیر ملکی پر صادق آتا ہے۔

محصر کا حکم

جب اسباب احصار میں سے کوئی سبب کسی میں پایا جائے تو وہ شرعاً محصر ہوگا، اس کو اولاً اس مانع کے زوال کا انتظار کرنا ہے اور حج یا عمرہ کرنا ہے، اگر مانع دور ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، مثلاً حکومت نے واپس ہی کردیا تو اب اگر صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو کسی شخص کو ایک دم یا دم کی قیمت دے دے تاکہ وہ حرم میں جاکر ذبح کردے اور تاریخ اور وقت متعین کردے۔

محصر کو احرام کھولنے کے لئے بال کٹانے یا منڈوانے کی شرط نہیں ہے، ذبح کے وقت مقرر پر صرف ذبح ہی سے حلال ہوجائے گا، البتہ منڈوانا مستحسن ہے، اب اگر قارن ہے تو دو دم واجب ہوں گے۔

اگر وقت مقررہ سے پہلے حلال ہوگیا یعنی وقت مقررہ سے پہلے کوئی فعل موجب جنایت کرلیا یا معلوم ہوا کہ ذبح حرم میں نہیں ہوا ہے تو کفارہ جنایت واجب ہوگا۔

دم احصار ایام نحر میں ذبح کرنا شرط نہیں، البتہ حرم میں ذبح ہونا شرط ہے (بدائع ۲/۱۷۹) اور احصار دور ہونے کے بعد اس کی قضاء کرنا لازم ہے اور یہ وجوب قضا محصر پر ہے، خواہ حج فرض ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل، حج صحیح ہو یا فاسد، دم احصار کے بدلہ میں روزہ رکھنا یا صدقہ دینا کافی نہیں، مذہب مشہور یہی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر ہدی نہ ملے تو اس کی قیمت لگا کر ہر مسکین کو نصف صاع صدقہ دے دیا جائے، اگر صدقہ بھی نہ دے سکتا ہو تو ہر نصف صاع کے بدلہ ایک روزہ رکھے پھر حلال ہوجائے، ضرورت شدیدہ کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے۔

احصار کے دو حکم اصلی ہیں: (۱) احرام سے حلال ہونے کے جواز کی شکلیں (۲) وجوب قضاء ''فالإحصار يتعلق به أحكام لكن الأصل فيه حكمان أحدهما جواز التحلل عن الإحرام والثاني وجوب قضاء'' (بدائع ۲،۱۷۷، بنایہ ۴،۳۸۶۔۳۹۲)۔

۸۔ متمتع وقارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جبکہ دیگر ائمہ، نیز صاحبین کے نزدیک سنت ہے، تفصیل مذاہب یہ ہیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق واجب ہے، نیز امام شافعیؒ کے دوسرے قول کے مطابق مستحب ہے، اگر نحر پر حلق کو مقدم کیا تو جائز ہے اور کوئی چیز واجب نہیں ہوگی ''هذا عند الشافعي وكذا عند الصاحبين'' اور اگر رمی پر حلق کو مقدم کیا تو امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک دم لازم ہوگا، امام احمدؒ کے نزدیک کسی کو بھی کسی پر مقدم کیا سہواً یا جہالت کی وجہ سے تو کوئی چیز واجب نہیں اور عمداً کیا ہے تو امام احمدؒ کے نزدیک وجوب کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سہو وجہالت وعمد سب صورتوں میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا (النہایہ شرح ہدایہ ۴؍۲۹۵)۔

وجوب ترتیب کے دلائل ذکر کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ روایت کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

''عن انس رضي الله عنه أن النبي ﷺ أتى منى فأتى الجمرة ورماها ثم أتى منزله بمنى فنحر ثم قال للحلاق خذ وأشار إلى جانبه الأيمن، ثم الأيسر أخرجه الخمسة'' (ھدایہ ۱۹۸)۔

(حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ منیٰ آئے اور جمرہ آئے اور وہاں رمی کی، پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر آئے اور قربانی کی، پھر نائی سے کہا اپنے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے لے لو، پھر اسی طرح بائیں طرف کے بارے میں ارشاد فرمایا)۔

اس حدیث شریف میں ''الفاء'' اور ''ثم'' کا استعمال ہوا ہے اور اصول کی کتابوں میں ان کو ترتیب کے لئے مانا گیا ہے، جس سے ان افعال کا مرتب ہونا ثابت ہوتا ہے اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اولاً جمرہ کی رمی فرمائی، پھر ذبح، پھر حلق فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''خذوا عني مناسككم'' (مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو)۔ لہٰذا یہ تینوں کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے اور جب تک کوئی دلیل عدم وجوب پر دلالت نہ کرے ترتیب ثابت رہے گی، غرض جو روایت عدم ترتیب کے قائلین ذکر کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ سے ایک صحابیؓ نے آکر عرض کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اذبحوا ولا حرج'' پھر دوسرے صحابی نے آکر عرض کیا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ارم ولا حرج'' (متفق علیہ) دوسری روایت میں اسی طرح کے تقدیم وتاخیر والے اعمال کے سوال کے جواب میں ہر مرتبہ میں ''افعلوا ولا حرج عليكم'' فرمایا تو ان روایات میں گناہ کی نفی ہے، کیونکہ یہ عمل نسیاناً غیر شعوری طور پر ہوا تھا۔

یہ حدیث صراحۃً اثم کی نفی کرتی ہے اور دم اور اعادہ کا ذکر نہ ہونا عدم وجوب پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ اسی روایت کے ایک راوی حضرت ابن عباسؓ عدم ترتیب کی صورت میں دم لازم کرتے ہیں اور اباحت کے معنی مراد نہیں لیتے، نیز حدیث شریف میں طواف سے قبل سعی کرنے کے سلسلہ میں بھی ''فلا حرج'' کا لفظ ہے، حالانکہ تمام علماء کا طواف سے پہلے سعی کے باطل ہونے پر اتفاق ہے اور طواف کے بعد اس کا اعادہ لازمی ہے، لہٰذا نفی حرج سے نفی اثم مراد لیا جائے نہ کہ نفی اعادہ اور نفی دم مراد ہوگا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا کثرت سے تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں سوال کرنا ہی حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک اس کے واجبی ہونے کی دلیل ہے، اس کے جواب میں آپ ﷺ کا ''فلا حرج'' فرمانا ان کو تسلی دینے کے لئے تھا نہ کہ وجوب دم کی نفی کے لئے، کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ شان تھی کہ غیر واجبی چیز کے بارے میں کثرت سے سوال کیا کرتے (اعلاء السنن ۱۰؍۱۶۰)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ''من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما. وهذا مسند صحيح على شرط مسلم'' (الجوھر النقی ۱.۲۴۷)۔ (جس نے اپنے حج میں سے کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کیا تو وہ ایک دم ادا کرے، یہ مستند اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح حدیث ہے)۔

ابن ہمامؒ امام صاحب کی طرف سے ''افعل ولا حرج'' کے جواب میں اسی طرح نفی اثم وفساد مراد لیتے ہیں اور اس کو ابتدائے اسلام کے واقعات میں شمار کرتے ہیں:

''ان کا عذر ناواقفیت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ یہ حال اس کی ابتدا میں تھا، اور جب دونوں میں سے ہر ایک (ترتیب واجب ہے یا مسنون) کا احتمال ہو تو احتیاط اعتبار تعیین میں ہے اور اس کو اخذ کرنا مقام اضطراب میں واجب ہے، جس سے امام ابوحنیفہ کے مسلک کی ہی دلیل فراہم ہوتی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے: جس نے کسی نسک کو کسی نسک پر مقدم کیا تو اس کے ذمہ ایک دم ہے بلکہ وہ ہمارے نزدیک مستقل دلیل ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلالت سے استدلال کا تعلق ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) تو جو کوئی مریض ہو، یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزہ یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے، تو قبل از وقت حلق کرانے کی وجہ سے فدیہ کا ایجاب عذر کی حالت ہے جس سے جزا واجب ہوتی ہے، تو عدم عذر کی صورت میں تو بدرجہ

اولی واجب ہوتی ہے" (فتح القدیر ۳/ ۶۲، ۶۳)۔

حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول دلائل کے اعتبار سے قوی ہے اور حضرات صاحبینؒ، نیز دیگر ائمہ کرام "فلا حرج" والی روایات کثیرہ کی بنیاد پر ترتیب کی سنیت کے قائل ہیں، ابن ہمامؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کی دلیل نقل کرتے ہوئے صاحبین کے قول کو احتمال کے درجہ میں صحیح قرار دیتے ہیں۔

آج کل ازدحام اور قربانی میں پریشانی، نیز قربان گاہ کا دور ہونا، دھوپ کا شدید ہونا، معقول شخص کا بطور نائب نہ مل سکنا، جو قربانی کرسکے، نیز قربان گاہ میں شدید ازدحام کا ہونا، حکومت کے ادارے کو خود حنبلی، یا غیر مقلد ہونے کی وجہ سے ترتیب کا قائل نہ ہونا عوام کا اس مسئلہ سے ناواقف ہونا (جو وجوب کی نفی نہیں کرتا لیکن کثرت ابتلاء عسر کو یسر میں تبدیلی کا باعث ہوتا ہے) اور پریشان کن عذر واقعی کی بنا پر حضرات صاحبین کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن جو حضرات اس ترتیب کو قائم رکھ سکتے ہیں اور کسی مشقت شدیدہ کے بغیر اپنے کسی ایک آدمی کو وکیل بنا کر قربان گاہ پہنچا سکتے ہیں ان کو ترتیب پر عمل کرنا چاہئے "فلا حرج" کے الفاظ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خود دلالت کرتے ہیں کہ افضل تو ترتیب ہی ہے۔

۹۔ حج بدل کرنے والے کا تمتع کرنا:

حج بدل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آمر کی مخالفت نہ کرے، شامی میں ہے:

"الرابع عشر عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو لميت لم يقع عنه ويضمن النفقة" (۲/ ۲۶۰)،

درمختار میں ہے: "ودم القران أو التمتع على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن"

(چودہویں شرط عدم مخالفت، تو اگر آمر نے افراد کا حکم دیا اور اس نے قران یا تمتع کرلیا چاہے کسی مرحوم شخص ہی کی طرف سے، یہ اس کی طرف سے نہ واقع ہوگا اور نفقہ کا ضامن ہوگا اور قران وتمتع کا دم حاجی پر ہوگا اگر اسے آمر نے قران، یا تمتع کا حکم دیا ہو، ورنہ وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، پس وہ ضامن ہوگا)۔

علامہ شامیؒ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مامور بہ کو ادا نہیں کیا، کیونکہ آمر نے صرف حج کی ادا کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کا، پس اس نے آمر کے امر کی مخالفت کی، لہذا وہ ضامن ہوگا، محیط میں یہ بھی اضافہ ہے کہ عمرہ آمر کی طرف سے ادا نہ ہوگا، کیونکہ اس نے عمرہ کا حکم ہی نہیں دیا، پس گویا اس نے حج تو آمر کی طرف سے کیا اور عمرہ اپنی طرف سے کیا اور یہ مخالفت ہوگئی (۲/ ۲۶۸، ۲۶۹)۔

فقہاء کرام کی عبارات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ قران وتمتع کا عدم جواز مخالفت آمر کی بنیاد پر ہے اور فقہی عبارات میں اگرچہ قران کا ہی ذکر ہے تمتع کا ذکر نہیں ہے، لیکن علت چونکہ ایک ہی ہے (یعنی عدم مخالفت)، لہذا بعض فقہاء نے دونوں کو یکساں شمار کیا ہے، البتہ اکثر فقہاء کرام نے صرف قران کا جواز ثابت کیا ہے اور تمتع کو اجازت کے باوجود ناجائز قرار دیا ہے۔

نیابت خود دلالت کرتی ہے کہ جو امور آمر کے لئے جائز ہوں وہ مامور کے لئے بھی جائز ہونے چاہئیں، صرف قران کا باذن آمر جائز ہونا اور تمتع کا جائز نہ ہونا اس کی کوئی فقہی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

ماقبل میں شامی کی عبارت سے تمتع وقران کا جو فرق معلوم ہوتا ہے کہ قران میں حج وعمرہ دونوں آمر کی میقات سے ہوتے ہیں اور تمتع میں حج آمر کی میقات سے ادا نہیں ہوتا، لیکن اس میں بھی جب علت مخالفت آمر معلوم ہوتی ہے تو اب اجازت سے وہ علت بھی باقی نہیں رہے گی۔

لیکن کتب فقہ میں باذن آمر تمتع کے جواز کی صریح عبارات مذکور نہیں ہیں، لہذا فقہائے کرام نے تمتع کے عدم جواز ہی کو ذکر کیا ہے، لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ میں حکومتوں کی پابندیوں اور طول احرام کے باعث اگر کسی پر احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے یا ایام حج کے بالکل قریب سفر کرنے سے کوئی عذر مانع ہو تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی اجازت ہے۔

ب۔ آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کرسکتا ہے،، البتہ آمر چونکہ اکثر جاہل ہوتے ہیں ان کو اس سلسلہ کا کوئی علم نہیں ہوتا ہے نہ وہ اقسام حج کا علم رکھتے ہیں نہ فرق جانتے ہیں، اگر ان کو فرق سمجھا یا جائے اور اس کی دشواریوں کا پتہ چل جائے تو ضرور وہ تمتع کی صراحت کریں گے، لہذا کچھ فقہائے عصر نے عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت سمجھا ہے اور وہ صراحۃً اذن کو ضروری سمجھتے نہیں ہیں، پھر بھی صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے۔

د۔ کتب فقہیہ کی صراحت کے اعتبار سے مامور نے افراد کے بجائے تمتع کیا تو آمر کی مخالفت کی صورت میں ضمان واجب ہوتا ہے اور حج مامور کا ہوگا، اس

طرح اگر قران کرلیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان دینا ہوگا، البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو مامور پر گو ضمان واجب نہ ہوگا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

لیکن جیسا کہ ماقبل میں تمتع کی گنجائش کا ذکر کیا گیا اس اعتبار سے تمتع باذن ال آمر کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے کے مال سے لازم ہوگا، شامی میں درمختار کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دم قران وتمتع اور جنایت حاجی کے ذمہ ہے، اگر آمر نے اس کو قران اور تمتع کا حکم دیا ہو، ورنہ وہ مخالفت کرنے والا ہوگا، پس ضامن ہوگا، ان کے قول حاجی کے ذمہ کا مفہوم مامور ہے، جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو اس وجہ سے کہ وہ شکراً واجب ہوا، دونسک کے درمیان جمع کرنے کی وجہ سے اور حقیقۃً فعل تو اسی کی طرف سے ہے، اگر چہ حج آمر کی طرف سے واقع ہو رہا ہے، اس لئے کہ وقوع شرعی وقوع حقیقی نہیں، رہا دوسرا تو اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس کی جنایت سے متعلق ہے)۔

باذن الامر کی صورت میں علامہ شامیؒ کے قول کے اعتبار سے تو مامور ہی پر دم آئے گا۔

دم احصار آمر کے ذمہ ہے اور دم قران اور دم جنایت مامور کے ذمہ ہے، مامور اس نعمت کے ساتھ مختص ہے، اس لیے کہ حقیقۃً فعل اسی کی طرف سے ہے۔ رہا اس وقت کا معاملہ جب اس نے بغیر اجازت کیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوا، پس وہ نفقہ کا ضامن ہوگا۔

بدون اذن ال آمر تو فقہاء کے قول کے مطابق حج کرنا ہی صحیح نہیں ہے، اس صورت میں تو نفقہ کا ذمہ دار ہوگا، جیسا کہ شامی میں ہے:

"یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے مامور بہ کو انجام نہیں دیا، اس لئے کہ آمر نے اس کو ایسے سفر کا حکم دیا تھا جو اسے صرف حج کی طرف پھیرتا ہو تو اس نے آمر کی مخالفت کی، لہذا وہ ضامن ہوگا، محیط میں اضافہ ہے: اس لئے کہ عمرہ آمر کی طرف سے واقع نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو اس کا حکم نہیں دیا ہے، تو ایسا ہی ہوا گویا اس نے اس کی طرف سے حج کیا اور اپنے لئے عمرہ کیا تو وہ مخالفت کرنے والا ہوگا" (شامی ۲/۲۶۷)۔

لہذا اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ مامور کے مال سے ہی دم تمتع لازم ہوگا۔

ھ۔ اس دشواری کا حل یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش دی جائے۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں تفصیل یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہوا اگر اس نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ میری طرف سے حج تمتع کرنا تو ایسی صورت میں حج تمتع کرنے سے آمر کی جانب سے حج ہو جائے گا۔

ورثاء کی اجازت سے تمتع کرنے کی صورت میں مامور کیلئے روپیہ واپس کرنا لازم نہیں ہے، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر میت نے باوجود حج فرض ہونے کے وصیت نہیں کی ہے اور اس کی طرف سے اس کے بیٹے وغیرہ بطور احسان کے خود، یا کسی دوسرے کو بھیج رہے ہیں تو اب تمتع قران وغیرہ حج کرا سکتے ہیں، اب اجازت وعدم اجازت کی کوئی شرط نہیں لازم ہوگی، بلکہ اور بھی بہت سی وہ شرطیں لازم نہیں ہوں گی جو آمر کی طرف سے بھیجنے کی شکل میں لازم ہوتی ہیں۔

اگر والدین یا کسی میت پر حج فرض نہیں تھا اور بیٹا صاحب حیثیت ہونے کی وجہ سے خود، یا کسی کو بھیج رہا ہے تو اس کو حج بدل تو نہیں کہیں گے، کیونکہ خود ان پر حج فرض نہیں تھا، لیکن ایصال ثواب کے لئے ایسا کرنا مستحب ہے، اس صورت میں بھی بیٹا تمتع وغیرہ کوئی بھی حج کی نیت سے بھیج سکتا ہے، اس شکل میں بھی حج بدل کی تمام (یعنی بیسوں) شرطوں کا لحاظ ضروری نہیں ہے، مکہ مکرمہ سے بھی یہ حج کرا سکتے ہیں اور تمتع کی بھی گنجائش ہے۔

۱۰۔ ہمارے نزدیک (یعنی حنفیہ) طہارت جواز طواف کے لئے شرط نہیں ہے اور نہ فرض ہے، بلکہ واجب ہے، مولانا بنوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں:

''قال شيخنا وقد أفتى الحافظ ابن تيمية للمرأة التي لا تستطيع البقاء بعد الحج و لم تطف للإفاضة بأنها تطوف طواف الإفاضة في حال طمثها و تهرق الدم و تحل على مذهب أبي حنيفة''۔

(ہمارے شیخ نے فرمایا: اور حافظ ابن تیمیہؒ نے اس عورت کے حق میں فتوی دیا ہے جو حج کے بعد نہ ٹھہر سکتی ہو اور طواف افاضہ نہ کر سکتی ہو کہ وہ حالت حیض میں طواف افاضہ کرلے اور دم ادا کردے، اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق حلال ہو جائے)۔

مولانا بنوریؒ فتاوی ابن تیمیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

''جو طواف افاضہ سے پہلے حائضہ ہوجائے تو اس پر ضروری ہے کہ طاہرہ ہونے اور طواف کرنے تک ٹھہرے اگر ممکن ہو تو، یہ اس وقت ہے جب راستے پر امن ہوں اور امیر قافلہ کی طرف سے ٹھہرنا آسان ہو، پھر انہوں نے ان اوقات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ بہت سی عورتیں کئی وجوہ سے نہیں ٹھہر سکتی ہیں، تو یہ مسئلہ عموم بلوی سے تعلق رکھتا ہے تو وہ حالت حیض میں طواف کرلے گی اور امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے مسلک کے مطابق ایک دم، یا بدنہ دے گی'' (معارف السنن ۶/ ۵۹۲، فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/ ۲۲۴، ۲۲۵)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ''جہاں تک طہارت عن الحدث اور جنابت اور حیض ونفاس کا تعلق ہے تو وہ جواز طواف کے لئے شرط نہیں ہے اور نہ ہمارے نزدیک فرض ہے حتی کہ اس کے بغیر جائز ہے اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: حج میں دو موقعوں پر بدنہ واجب ہوتا ہے، ایک اس وقت جب حالت جنابت میں طواف کرلیا ہو، دوسرے اس وقت جب وقوف کے بعد جماع کرلیا ہو، جب طہارت شرائط جواز میں سے نہیں ہے تو اگر اس نے حالت جنابت یا حدث میں طواف کرلیا تو وہ اپنے محل میں واقع ہوا، یہاں تک کہ اگر اس کے بعد جماع کرلیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ وطی احرام سے مصادف نہیں ہوئی طواف سے تحلل کے حصول کی وجہ سے، یہ اس صورت میں ہے جب حلق یا قصر کے بعد طواف کیا ہو، پھر جماع کیا ہو'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۲۹)۔

مذکورہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں طہارت فرض نہیں ہے، لہذا:

الف۔ انتہائی مجبوری کی حالت میں (سوال میں مذکور مجبوریوں کے علاوہ بھی) جب ایام حیض کے ختم ہونے تک قیام مشکل ہو تو بدرجہ مجبوری ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے۔

ب۔ رکن ادا ہوگیا لیکن دم (بدنہ) واجب ہوگا، عندالاحناف احکام شرعیہ اپنی ممانعت کے باوجود مشروعیت کا تقاضا کرتے ہیں۔

ج۔ بکرا کافی نہ ہوگا بلکہ بدنہ واجب ہوگا، کیونکہ طواف زیارت فرض ہے، لہذا اس کو بے وضو کیا تو بکرا اور ناپاکی (جنابت وحیض ونفاس) کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۲۹)۔

د۔ جتنے مسائل میں دم واجب ہونے کا ذکر ہے، ان سب میں ضروری ہے کہ جانور حدود حرم کے اندر ذبح کیا جائے، حرم سے باہر ذبح کرنا کافی نہیں اور ذبح شدہ جانور کا صدقہ کرنا لازم ہے، اس میں خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں، دم جنایت کی قیمت دینا جائز نہیں، جانور کی قربانی حرم میں کرنا واجب ہے، البتہ جہاں دم اور اطعام میں اختیار دیا ہے اس میں دم کی قیمت ادا کرنے سے ادائیگی ہوجائے گی، اگر مفلسی کے سبب دم، یا صدقہ میسر نہ ہو تو یہ کفارہ اس کے ذمہ واجب رہتا ہے، جب میسر ہو ادا کرے، یہ حکم بلا عذر کی شکل میں ہے اور اس کو روزہ رکھنے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ کفارہ ہمیشہ باقی رہے گا، لیکن اگر عذر سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے تو دم اور صدقہ کے بجائے تین روزے بھی کافی ہیں (احکام حج / ۱۰۵ بحوالہ زبدۃ)، جزاء جنایات اور کفارات کا فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے، مگر افضل ہے کہ جلد ادا کرے، مرنے سے پہلے ادا نہ کرسکا تو وصیت کرنا واجب ہے (معلم الحجاج / ۲۱۹، احکام الحج بحوالہ زبدہ / ۸۷، اور دیکھئے بدائع ۲/ ۲۲۴)۔

۱۱۔ عورت کے لئے وجوب حج کی شرائط مردوں سے دو اعتبار سے مختلف ہیں: (۱) محرم کا ہونا، (۲) عدت کا نہ ہونا، علامہ کاسانیؒ بدائع میں تحریر فرماتے ہیں:

''جب اپنی بیوی کے ساتھ سفر کرتا ہوا نکلا، پھر اس نے راستہ میں اسے طلاق دے دی، یا اس کو چھوڑ کر مر گیا تو اگر اس عورت کے درمیان اور اس شہر کے درمیان جہاں سے وہ نکلی ہے تین دنوں سے کم مدت کی مسافت ہے اور اس کے درمیان اور اس کی منزل کے درمیان تین، یا اس سے زائد دنوں کی دوری ہے تو وہ اپنے شہر واپس آجائے گی، اس لئے کہ اگر جانے کو جاری رکھے گی تو وہ نئے سفر کے آغاز کی محتاج ہوگی جبکہ وہ معتدہ ہے اور گھر واپس آجائے گی تو اسے اس کی ضرورت پیش نہ آئے گی، لہذا رجوع ہی اولی ہے اور اگر اس کے درمیان اور اس کے شہر کے درمیان تین دنوں سے زائد کی مدت کی مسافت ہے اور اس کے درمیان اور اس کے منزل کے درمیان تین دنوں سے کم مدت کی مسافت ہے تو وہ سفر جاری رکھے گی، اس لئے کہ سفر جاری رکھنے میں انشائے سفر نہیں ہے اور رجوع میں انشائے سفر ہے اور معتدہ کو سفر سے روکا گیا ہے'' (۲/ ۲۵۷)۔

اگر شوہر نے سفر میں طلاق بائن دی، یا اس کی موت واقع ہوگئی تو جس طرف مدت سفر کم ہو ادھر جائے جس طرف مدت زیادہ ہو ادھر نہ جائے، کیونکہ عدت میں سفر سے اس کو روکا گیا ہے اور یہ انشاء سفر کے حکم میں ہوگا، اگر ایک طرف مدت سفر کی مسافت سے کم ہے تو عورت اسی طرف لوٹ جائے جدھر مدت کم ہو، امام صاحب کی یہ بھی روایت ہے کہ اگر دونوں کے درمیان میں مدت سفر کی مسافت ہے اور شہر میں ہے تو اس کو اسی شہر میں عدت گذارنی چاہئے۔ چاہے محرم بھی ساتھ میں موجود ہو، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر محرم موجود ہو تو عدت ختم کرنے سے پہلے بھی اس کو شہر سے نکلنا جائز ہے۔

اگر کسی گاؤں، یا جنگل میں عدت لازم ہوگئی اور وہاں جان ومال کا خطرہ ہے تو اس جگہ سے کسی ایسے گاؤں، یا شہر میں جانا کہ جہاں امن ہو جائز ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھر اس جگہ سے بلا عدت ختم کئے جانا جائز نہیں ہے، اگر چہ محرم بھی موجود ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر محرم موجود ہو تو جانا جائز ہے (بدائع ۳؍۲۰۷)۔

عورت کے لئے محرم ہی کی طرح عدت سے فراغت بھی وجوب حج کی شرائط میں سے ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ محرم کی موجودگی میں بھی عدت اسی شہر میں ختم کرنے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن آج کل احوال بدل گئے ہیں، حکومت کے قانون پھر، عورت کا تنہا سفر کرنا وغیرہ بے شمار پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لہذا جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئی ہے تو بہتر یہی ہے کہ حج ادا کرے، ویسے بھی ہمارے یہاں بغیر محرم وعدت میں حج ادا کرنے والی عورت عام احوال میں سخت گنہگار ہوتی ہے، لیکن اس کا حج ادا ہو جاتا ہے، یہ اجازت نہیں بلکہ مجبوری کی وجہ سے گنجائش ہے۔

۱۲۔ منیٰ کے سلسلہ میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''وإذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة) لأن اعتبار النية في موضعين يقتضي اعتبارها في مواضع وهو ممتنع لأن السفر لا يعرى عنه إلا إذا نوى المسافر أن يقيم بالليل في أحدهما فيصير مقيما بدخوله فيه لأن إقامة المرأ مضافة إلى مبيته'' (هدايه مع فتح القدير ۲؍۴۴)۔

(جب مسافر یہ نیت کرے کہ مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن ٹھہرے گا تو اتمام صلوۃ نہ کرے گا، اس لئے کہ دو مقامات پر نیت کا اعتبار کئی مقامات میں اس کے اعتبار کا مقتضی ہے، اور یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا، ہاں اگر مسافر یہ نیت کرلے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک مقام پر رات میں قیام کرے گا تو اس میں داخل ہونے سے وہ مقیم ہو جائے گا، اس لئے کہ آدمی کی اقامت اس کے رات گزارنے کی جگہ میں شامل کی جاتی ہے)۔

علامہ ابن ہمامؒ صلوۃ الجمعہ کے سلسلہ میں شیخین اور امام محمدؒ کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے شیخین کی دلیل: ''ولهما أنها تتمصر في أيام الموسم'' پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے منیٰ کے عارضی مصر ہونے کی دلیل ذکر کی ہے، یہ نہیں کہا کہ منیٰ مکہ کے فناء میں سے ہے: ''دون التعليل بأن منى من أفنية مكة لأنه فاسد لأن بينهما فرسخين و تقدير الفناء بذلك غير صحيح''۔

(وہ ایام حج میں مصر کے حکم میں ہو جاتا ہے، بغیر اس علت کے کہ منیٰ مکہ کی مسلم آبادیوں میں سے ہے اور یہ غلط ہے، کیونکہ مکہ اور منیٰ کے درمیان دو دو فرسخ کا فاصلہ ہے اور اس طرح مسلم آبادی کی تعیین درست نہیں ہے)۔

نیز امام محمدؒ کی عبارت جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے اس کو بھی ابن ہمام نے ذکر کرتے ہوئے دونوں کو دو الگ مقام قرار دیا ہے: ''فعلم اعتبارهما شرعا موضعين'' (فتح القدير ۲؍۵۴، تبيين الحقائق ۲۱۲، بدائع ۱؍۹۸، بنايه عينى ۲۶، ۲۷، ۳؍۵۴)۔

لہذا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں شرعاً دو الگ الگ مقامات ہیں۔

اصل وجہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک منیٰ ایام حج میں شہر کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، جبکہ عرفات کی یہ حیثیت نہیں ہے۔

فقہاء متقدمین کی عبارات کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے منیٰ میں اقامت کو اقامت مکہ مکرمہ شمار نہیں کیا، بلکہ اس کو مستقل مکان شمار کرتے ہوئے دونوں کی اقامت کے پندرہ روز کو اقامت شرعی نہیں سمجھا ہے، بلکہ اس کو مسافرت ہی سمجھا ہے، البتہ اس میں جمعہ کے صحیح ہونے کے سلسلہ میں کچھ فقہائے کرام نے (ماقبل میں) (بدائع کا حوالہ گذر چکا ہے) منیٰ کو فنائے مکہ میں شمار کیا ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''ولأن منى من أفنية مكة وتوابعها لأنها في الحرم و توابع الشئي يقوم مقام ذلك الشئي و أما عرفات فإنها من الحل وليست من فناء مكة و بينها وبين مكة أربعة فراسخ'' (۳؍۵۵)۔

(اس لئے کہ منیٰ مکہ کی مسلم آبادیوں اور اس کے توابع میں سے ہے، اس لئے کہ وہ حرم میں ہے اور کسی چیز کے توابع اس اصل چیز کے قائم مقام ہوتے ہیں، جہاں تک عرفات کا تعلق ہے تو وہ حل میں سے ہے اور وہ مکہ کے فناء میں سے نہیں ہے اور اس کے درمیان اور مکہ کے درمیان چار فرسخوں کی مسافت ہے)۔

اگر چہ علامہ عینیؒ نے صاحب ہدایہ کی دو جگہ کو مقام اقامت ٹھہرانے والی عبارت میں مکہ مکرمہ اور منیٰ کو علیحدہ علیحدہ مقامات شمار کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فقہاء کرام نے منیٰ کو فنائے مکہ میں سے شمار نہیں کیا ہے، لیکن سب کے نزدیک علت اس کا فنائے مکہ میں سے نہ ہونا تھا، اب جبکہ مکہ مکرمہ کی آبادی اور منیٰ کی آبادی متصل ہوگئی ہے تو وہ علت نہیں رہی جس کی بنیاد پر دونوں دو علیحدہ موضع سمجھے گئے تھے، لہذا اب دونوں کو ایک موضع سمجھتے ہوئے

اقامت سفر میں دونوں کو شمار کیا جانا چاہئے۔

پھر بھی اس سلسلہ میں سعودی حکام، یا وہاں کے مقیمین حضرات سے اس کی تحقیق کرلی جائے کہ وہاں کے بلدیہ کے اعتبار سے دونوں کا حکم کیا ہے، کیونکہ بظاہر ابھی بھی دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ تو ضرور نظر آتا ہے، لیکن اب تو ترفہ کے طور پر بھی لوگ دور دور تک مکانات بناتے ہیں اور ایک ہی شہر اپنے رقبہ کے اعتبار سے دور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، لہذا اس سلسلہ میں مسئلہ کا مدار وہاں کے ذمہ داروں کی تحقیق پر منحصر رہے گا۔

۱۳۔ وتر کی نماز کا مسئلہ

درمختار میں ہے: ''اگر اسے مراعات کا تیقن ہو تو مکروہ نہیں، یا عدم مراعات کا تیقن ہو تو درست نہیں اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے، یہی معتبر ہے اس لئے کہ محققین اسی کی طرف مائل ہیں اور مذہب کے اصول اس پر شاہد ہیں اور بہت سے مشائخ کا کہنا ہے کہ اگر اس کی عادت مواضع اختلاف کی رعایت کرنا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ سندی نے اسے بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں: یہ اس بنا پر ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ اعتبار امام کی رائے کا ہے اور یہ ایک جماعت کا مذہب ہے''۔

حاصل یہ ہے کہ اگر وہ نماز کے فرائض وشرائط وارکان کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے اقتداء کرنا صحیح ہے، چاہے وہ واجبات وسنن کی رعایت نہ کرتا ہو۔

البتہ شیخ سندیؒ شاگرد ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ''الاحتیاط فی عدم الاقتداء به ولو مراعیا''۔

(اور احتیاط اس کی اقتدا نہ کرنے میں ہے، اگرچہ وہ رعایت کرنے والا ہو)۔

علامہ شامیؒ آخری فیصلہ کی بابت بیان فرماتے ہیں کہ میرا دل اس طرف مائل ہے اگر وہ فرائض کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء مکروہ نہیں ہے:

''لأن كثيرا من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبه'' (۱/۳۱۷)۔

درمختار میں وتر کے بیان میں ہے کہ وتر میں اقتداء صحیح ہے (اس کے علاوہ میں بدرجہ اولی صحیح ہے)، جب تک مقتدی کے اعتقاد کے مطابق فساد ظاہر نہ ہو، البتہ آگے عبارت میں ہے: ''مثلاً کسی (شافعی) کی اقتداء (جس نے سلام سے فصل نہ کیا ہو)، اس لئے کہ اس کا فعل (زیادہ صحیح قول کے مطابق) ان دونوں میں اتحاد کیلئے ہے، اگرچہ اعتقاد مختلف ہو'' (۱/ ۴۹۴)۔

یعنی اگر سلام سے فصل کرتا ہے تو اقتداء صحیح نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فصل سلام کی صورت میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے: بعض کے نزدیک پھر بھی اقتداء صحیح ہے اور بعض کے نزدیک اقتداء مفترض بالمتنفل نیز سلام کا قاطع صلوۃ ہونا (مقتدی کے اعتقاد میں) ان علتوں کی وجہ سے اقتداء صحیح نہیں ہے، اس شکل میں اب اگر حرم شریف کے کسی حصہ میں حنفیوں کی علیحدہ جماعت کا امکان ہو اور حکومتی رکاوٹ نہ آتی ہو تو افضل یہ ہے کہ علیحدہ جماعت سے وتر پڑھی جائے ورنہ حرم شریف کے احترام اور ثواب کو مدنظر رکھتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ امام حرم کے پیچھے ہی نماز پڑھے، لیکن یہ صرف حرم محترم کے ساتھ مشروط رکھا جائے دوسری جگہوں میں انفرادی ہی پڑھی جائے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند اہم مسائل

مولانا محمد ابرار خان ندوی[1]

ا۔حرم مکی میں دخول کیلئے احرام...... اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کی نیت سے حدود حرم میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہو، لیکن جو لوگ حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں، بلکہ تجارت، ملاقات، یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی میں داخل ہونا چاہتے ہیں، تو کیا ان پر ضروری ہوگا کہ احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر جائیں؟ تو اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، ذیل میں فقہاء کے مسالک اور ان کے دلائل اور راجح قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔

احناف کا مسلک

اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک ہے کہ آفاقی کے لئے بلا احرام باندھے ہوئے حدود حرم یعنی میقات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، خواہ حج وعمرہ کی نیت سے آئے یا کسی اور مقصد کے تحت داخل ہو۔

فتاوی ہندیہ میں حنفیہ کے مسلک کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''لا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا، ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام'' (فتاوى هنديه ۱۲۲/۱)۔

(آفاقی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہو، خواہ حج کا قصد ہو یا نہ ہو، اور اگر داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ ضروری ہوگا، اسی طرح محیط سرخسی کے اندر باب دخول مکۃ بغیر احرام کے تحت ذکر کیا ہے)۔

نیز فقہ حنفی کے ترجمان علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں: ''آفاقی شخص جو مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اس کے لئے میقات سے احرام میں تاخیر کرنا ممنوع ہے، چاہے حج کے سوا کسی اور ضرورت سے آئے'' (ردالمحتار ۵۴/۲، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۱۶۴/۲، خانیہ مع الہندیہ ۲۸۴/۱)۔

احناف کی دلیل...... احناف کی دلیل حضور ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلا احرام مکہ میں داخلہ ممنوع ہے، اسی طرح آپ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی، کہ مکہ کو خدا رب العزت نے اس کے تعمیر کے دن سے لے کر تا قیامت حرام قرار دیا ہے، صرف ایک مرتبہ میرے لئے حلال کیا گیا، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا، نیز وہ دنیا کا عظیم و مبارک خطہ ہے، جس کو خدائے برتر نے شرف و منزلت کا اعلیٰ مقام عطاء کیا ہے، اس کی عظمت و تقدس کا تقاضا ہے کہ وہاں احرام کے بغیر داخل نہ ہوا جائے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۱۶۴/۲، ہدایہ ۲۱۴/۱)۔

حنابلہ کا مذہب

لیکن اس سلسلہ میں حنابلہ کے یہاں سہولت ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت نہ ہو بلکہ کسی اور مقصد مثلاً جہاد اسلامی، تجارت، یا کوئی ضرورت جو بار بار پیش آتی ہو، اس کے لئے حرم مکی میں احرام کے ساتھ داخل ہونا ضروری نہیں ہے۔

معروف حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ نے مسلک حنابلہ کو بہت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''دوسری قسم: جو لوگ حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں یا مکہ کا ارادہ ہو یا مکہ کے علاوہ کا، ان کی کل تین قسمیں ہیں: نمبر ایک وہ لوگ جو مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں کسی مباح جنگ کی وجہ سے، یا خوف کی بنا پر یا کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے جو بار بار پیش آتی ہو، مثلاً گھاس اور لکڑی جمع کرنے والا، یا

[1] جامعہ ہدایہ، جے پور، راجستھان۔

خوراک وغذا لے جانے والا، بادشاہ کا سفیر، یا کسی کی وہاں جائداد ہو جس کی وجہ سے وہاں بار بار آمد ورفت ہوتی ہے تو ان افراد پر احرام ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی تھے، ان میں سے کسی کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے اس دن احرام باندھا ہو، اور جن لوگوں کو بار بار داخل ہونا پڑتا ہے، اگر ان پر ہم احرام کو ضروری قرار دیں، تو ان کو ہر وقت احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا (جس سے وہ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے)، اس لئے حرج کی وجہ سے یہ ساقط ہو گیا، یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے" (المغنی ۳/ ۲۱۸)۔

مذکورہ عبارت سے حنابلہ کا مسلک بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ان پر جو بار بار حدود حرم میں آتے جاتے ہیں احرام کو لازم قرار دیا جائے تو ساری عمر وہ احرام سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکیں گے، اس طرح امت تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی، اس لئے امت کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے ان پر سے احرام کی پابندی ختم کر دی گئی ہے، اس سلسلہ میں حنابلہ کی دلیل تاریخ اسلام کا وہ روشن اور مبارک دن ہے جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صحابہ کرام "لا تثریب علیکم الیوم وأنتم الطلقاء" کا اعلان کرتے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے، اس دن سارے لوگ جنگی اسلحوں سے لیس تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں سے کوئی احرام باندھے ہوئے نہیں تھا۔

ابن قدامہ سنن ترمذی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں: "ولنا ما ذکرناہ، وقد روی الترمذی أن النبی ﷺ دخل یوم الفتح وعلی رأسه عمامة سوداء وقال هذا حدیث حسن صحیح" (المغنی ۳،۲۱۹)۔

(ہم اپنی دلیل بیان کر چکے ہیں، امام ترمذی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر پر کالا عمامہ تھا، اور ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

لیکن بلا ضرورت، یا ضرورت بار بار پیش آنے والی نہ ہو، بلکہ شاذ و نادر کبھی کبھار داخلہ کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا۔

"النوع الثالث: المکلف الذی یدخل لغیر قتال ولا حاجة متکررة فلا یجوز له تجاوز المیقات غیر محرم، وبه قال أبوحنیفة" (المغنی ۳،۲۱۹)۔

(تیسری قسم: وہ مکلف انسان جس کا مکہ میں داخلہ نہ کسی جنگ کیلئے ہو اور نہ بار بار پیش آنے والی ضرورت کے وجہ سے ہو تو ایسے شخص کے لئے بلا احرام میقات کا عبور کرنا جائز نہ ہوگا، یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے)۔

مالکیہ کا نقطہ نظر

حج وعمرہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا، اس سلسلہ میں علماء مالکیہ کی آراء مختلف ہیں، بعض مطلق جواز کے قائل ہیں اور بعض کا رجحان یہ ہے کہ ضرورت بار بار پیش آتی ہو جس کی وجہ سے بار بار میقات سے گزرنا پڑتا ہو تو بلا احرام داخل ہونے کی اجازت ہوگی، ورنہ نہیں۔

فقیہ مالکی علامہ ابن رشد نقل فرماتے ہیں: "کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے میقات سے گزرے اس پر احرام ضروری نہیں ہے، لیکن اگر کوئی حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر وہاں سے گزرے، تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو میقات سے گزرے اس پر احرام ضروری ہے، البتہ وہ حضرات اس سے مستثنی ہوں گے جن کی آمد و رفت کثرت سے ہو، جیسے لکڑ ہارا اور اس جیسے دوسرے لوگ، یہی مسلک امام مالکؒ کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ احرام ضروری نہیں ہے، سوائے اس شخص کے لئے جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھے، یہ سارے احکام غیر مکی کے لئے ہیں" (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۲۵)۔

شوافع کا نقطہ نظر

امام شافعیؒ کا رجحان اور زاویہ فکر وہی ہے جو حنابلہ کا ہے، امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "کتاب الأم" کے اندر اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فتح مکہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ عاشقان اسلام اور آپ کے شیدائیوں کی کثیر تعداد تھی، وہ سب کے سب بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے، یہ واقعہ اس بات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ بلا احرام بھی داخل ہونا جائز ہے۔

امام شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں: "مکہ کی اس سلسلہ میں سب سے جداگانہ حیثیت ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہونے کے لئے آئے وہ بغیر احرام کے داخل نہ ہو، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے لکڑہارے اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے اہل وعیال کے منافع یا خود کمائی کرنے والوں کے لئے اس

بات کی رخصت دی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس قول کا سب سے بہترین محمل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مکہ میں داخل ہونا کسب معاش کے لئے ہے نہ کہ کسی نیکی کے لئے، اگر ان کے لئے رخصت اس وجہ سے ہے کہ مکہ میں ان کا داخلہ عبادت یا حج وعمرہ کے قصد سے نہیں ہے اور فقہاء اس پر متفق ہیں کے ان کا داخل ہونا وہاں ہمیشہ رہنے والوں کی طرح ہے، تو جو اس طرح ہوگا اس کے لئے رخصت ہے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے اس حال میں کہ آپ بلا احرام تھے'' (کتاب الأم ۲/۱۴۲)۔

ترجیح...... حجاز مقدس کے مختلف مقامات کے باشندوں اور دیگر جگہوں کے افراد کو حج وعمرہ کے علاوہ بہت سی ضروریات کی خاطر مکہ مکرمہ آنا جانا پڑتا ہے، مثلاً تجارت پیشہ افراد، سواری لے جانے والی گاڑیوں کے ڈرائیور، صنعتی کمپنیوں کے ایجنٹ وغیرہ، ان پر احرام کی پابندی عائد کرنا اور بلا احرام میقات کے اندر داخلہ سے روکنا، ان کے لئے پریشانی کا باعث ہوگا، خصوصاً حدود حرم یا مکہ مکرمہ کے باشندوں کے لئے تجارت کرنا تقریباً ناممکن ہوگا، اس لئے اس سلسلہ میں جمہور کے مسلک کو اپنانا بہتر ہوگا کیونکہ دشواری اور سخت تنگی کے وقت دوسرے مسلک کو اختیار کرنا جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ جمہور حج وعمرہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے بلا احرام داخلہ کی اجازت دیتے ہیں۔

۲۔ بار بار میقات میں آمد ورفت

جن افراد کو مکہ مکرمہ بار بار آنا پڑتا ہے، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور، صنعتی کمپنیوں کے ایجنٹ، تجارت پیشہ اشخاص کو حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی پڑتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی دقت طلب اور پریشانی کا باعث ہو، تو ایسے حضرات کی دشواری کا کیا حل ہو، اس سلسلہ میں گو فقہاء حنفیہ کے یہاں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ کسی بھی مقصد سے آئے حرم میں بلا احرام داخل نہیں ہوسکتا۔

لیکن اصول وقواعد پر نظر ڈالنے اور کتب اصول فقہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ نے حرج وتنگی، حاجت وضرورت کے وقت بہت سارے مسائل میں آسانی اور سہولت کا پہلو تلاش کیا ہے، اور اس میں جواز کی راہ اختیار کی ہے، مثلاً نجس اشیاء سے علاج کرانا (اشباہ ونظائر ص ۷۵)، ڈاکٹر کے لئے مریض کا ستر عورت دیکھنے، اور اضطراری کیفیت کے وقت شراب نوشی کا مباح ہونا وغیرہ وغیرہ (بدائع الصنائع ۵/۱۲۳، مجمع الانہر ۲/۵۳۸، قاضی خاں ۳/۴۰۴)۔

اس سلسلہ میں اصول فقہ کا معروف قاعدہ ہے: "المشقة تجلب التيسير"۔ اس قاعدہ کے ذیل میں شیخ علی احمد الندوی رقمطراز ہیں:

أن الشريعة الإسلامية تتوخى دائما رفع الحرج عن الناس وليس في أحكامها ما يجاوز قوى الإنسان الضعيفة''
(القواعد الفقهيه ص ۲۶۶)۔

(شریعت اسلامیہ ہمیشہ حرج کو لوگوں سے رفع کرنا چاہتی ہے اور اس کے احکام انسان کے ناتواں اور کمزور قوی کے مقابلہ میں بھاری نہیں ہیں)۔

راقم کا خیال ہے کہ سب سے بہتر ہوگا کہ امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کرلیا جائے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع اور قران کا حکم

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ مکی تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ یعنی حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ مکی کے لئے تمتع یا قران کی اجازت دیتے ہیں:

''واتفق الثلاثة على أنه يصح الحج بكل وجه من الأوجه الثلاثة المشهورة وهي: الإفراد والتمتع والقران لكل مكلف على الإطلاق من غير كراهة وقال أبو حنيفة: المكي لايشرع في حقه التمتع والقران ويكره له فعلهما''
(رحمة الأمة في اختلاف الأئمة، ۱۳۱، الدين الخالص ۹،۲۵۲)۔

(ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ مطلقاً بلا کسی کراہت کے ہر مکلف بندے کے لئے اجازت ہے کہ وہ حج کی تینوں مشہور صورتوں افراد، تمتع، اور قران میں سے کوئی بھی ادا کرسکتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں رہنے والے کیلئے تمتع اور قران کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ان کا کرنا مکروہ ہوگا)۔

نیز فتاوی ہندیہ میں مسلک حنفیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''مکہ کے باشندوں کے لئے تمتع وقران کرنا جائز نہیں ہے، ان کے لئے صرف افراد ہے، اسی طرح ھدایہ میں ہے اور اسی طرح میقات کے اندر رہنے والے اور ان کے علاوہ مکہ کے قرب وجوار کے افراد، اہل مکہ کے حکم میں ہوں گے، سراج الوھاج میں بھی

یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے" (الفتاوی الہندیہ ۱ر ۲۳۹، التسہیل الضروری لمسائل القدوری ۱ر ۱۶۹)۔

۴۔ اہل مکہ کا اشہر حج میں حرم سے باہر آمدورفت

اشہر حج میں اہل مکہ کو بہت ساری ضروریات کے تحت میقات سے باہر جانا پڑتا ہے پھر مسلک حنفیہ پر عمل کرنے کی صورت میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ بلا احرام کے میقات کو تجاوز نہیں کر سکتے اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوتے ہیں تو اسی سال حج کرنے کی صورت میں دم تمتع دینا ہوگا اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا۔

راقم گزشتہ صفحہ سوال ۲ کے جواب میں تحریر کر چکا ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہونے والے کے سلسلہ میں امام شافعی کے مسلک پر فتوی دیدیا جائے کہ بلا احرام داخل ہونے کی اجازت ہوگی اور بلا احرام داخل ہونے میں دم جنایت سے بچا جا سکے گا، اس مسئلہ کا حل اور پریشانیاں وسوالات رفع ہوئیں گے، لہذا اس مجبوری اور دشواری کو مدنظر رکھتے ہوئے امام شافعی کا مسلک اپنانا مناسب ہوگا اور حالات کا تقاضا بھی یہی ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک انہی کی زبانی ملاحظہ ہو: "پوسٹ مین جو خطوط لے کر آتا ہو یا اپنے اہل وعیال کی زیارت کے مقصد سے آئے، اور ہمیشہ آنا جانا نہ ہوتا ہو، تو اگر وہ شخص اجازت حاصل کر کے احرام باندھ کر داخل ہو تو مستحسن ہوگا اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں کہ اس سے احرام کی پابندی ساقط ہو جائے گی" (کتاب الام ۲ر ۱۴۲)۔

۵۔ متمتع آفاقی کا ایک سے زائد عمرہ کرنا

متمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام حج باندھنے سے قبل مزید عمرہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کھلی اجازت ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے جتنے عمرے کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

صاحب "غنیۃ الناسک" اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "ویعتمر قبل الحج ماشاء، ومافی اللباب لا یعتمر قبل الحج فغیر صحیح" (غنیۃ الناسك ص ۱۱۵)۔

(حج کا احرام باندھنے سے قبل جس قدر عمرہ کرنا چاہے اجازت ہے اور "لباب" کے اندر حج سے قبل عمرہ کا عدم جواز ذکر کرنا، وہ درست نہیں ہے)۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت کا حکم

شریعت اسلامیہ نے بعض افعال حج میں نیابت کی اجازت دی ہے، انہیں میں سے ایک عمل رمی جمرات کا بھی ہے، جس کی ادائیگی کو واجب قرار دیا گیا ہے، علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"إن أفعال الحج تجری فیه النیابة" (بدائع الصنائع ۲، ۱۲۷) (افعال حج میں نیابت جائز ہے)۔

لیکن مسئلہ صرف نیابت کا نہیں ہے، بلکہ شریعت نے اس کو کچھ شرائط کے ساتھ مقید بھی کر دیا ہے، تا کہ لوگ سستی وکاہلی، عیش پسندی اور آرام طلبی کی خاطر نیابت کا عمل شروع کر دیں اور حج جو اسلام کا اہم فریضہ ہے اور قرآن وحدیث میں اس کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ عیش پسندی اور کاہلی کی نذر نہ ہو جائے۔

لہذا عمل رمی میں نیابت درست ہے، لیکن یہ گنجائش اور رخصت صرف مریض، ضعیف، معمر حضرات، حاملہ عورت اور قید خانہ میں بند لوگوں کے لئے ہے، اس معذوری کی حد یہ ہے کہ وہ رمی جمرات کے میدان تک جانے سے عاجز ہو، خود رمی کرنے پر قدرت نہ ہو تو نائب بنانا جائز ہوگا، یعنی مرض بڑھ جانے یا مرض پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے (زبدۃ المناسک ناقلاً عن اللباب ر ۱۶۵)۔

عالم اسلام کے معروف عالم دین ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رقم فرماتے ہیں:

"ایسا شخص جو مرض، قید، یا عمر زیادہ ہونے کے سبب، یا عورت کے پیٹ میں بچہ ہوا سکی بنا پر خود رمی نہ کر سکتی ہو، اس کے لئے رمی میں نائب بنانا جائز ہے اور ایک شخص چند افراد کی جانب سے نیابت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی طرف سے تینوں جمرات کی رمی پہلے کر لے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳ر ۱۹۳، بدائع ۲ر ۱۳۷)۔

لیکن نوجوان مرد یا عورت کا محض ازدحام کے خوف سے رمی میں نائب مقرر کرنا درست نہ ہوگا، البتہ عورت کے لئے اس کی اجازت ہوگی کہ شوہر اس کی

جانب سے رمی کرسکتا ہے، خواہ ازدحام ہو یا نہ ہو۔

شیخ محمد متولی الشعراوی اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''يجوز أن تنوب عن زوجتك في رمي الجمار ولو لم يكن الطريق مزدحما'' (الفتاوی کل مایهم المسلم فی حیاته ویومه وغده ۶،۳۱۲، مکتبه القرآن، قاهره)۔

(تم (شوہر) اپنی بیوی کی جانب سے رمی جمار میں نیابت کرسکتے ہو، خواہ راستہ میں ازدحام ہو یا نہ ہو)۔

۷۔ حالت احرام میں حکومت کی جانب سے روکنے پر احصار کا حکم

سعودی عرب میں مقیم غیر ملکی باشندوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ حج وعمرہ کے لئے پہلے حکومت سے اجازت لیں، ورنہ بلا اجازت حج یا عمرہ کا جو لوگ احرام باندھ لیتے ہیں، حکومت انہیں اسی حال میں قید کردیتی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سعودی حکومت جو مسلمان ہے اس کی جانب سے حالت احرام میں حج یا عمرہ سے روکنا کیا احصار سمجھا جائے گا؟

فقہاء حنفیہ کے نزدیک احصار خواہ مسلمان کی جانب سے ہو یا کافر کی طرف سے، یا مرض میں اضافہ کا خطرہ ہو، یا عورت کے پاس محرم نہ ہو، سب احصار میں داخل ہیں اور اس سے حلال ہونے کے لئے حرم میں بکری یا اس کی قیمت کا بھیجنا ضروری ہے۔

''يكون الحصر عند الحنفيين بكل حابس عن البيت من عدو ولو مسلما...وقال مالك والشافعي الإحصار لا يكون إلا بالعدو'' (الدين الخالص ۹،۲۷۲، مجمع الأنهر ۱،۳۰۵)۔

(حنفیہ کے نزدیک احصار بیت اللہ سے روکنے والی ہر شئی سے ہوگا، جیسے دشمن خواہ مسلمان ہو، امام مالک وشافعی کہتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کی جانب سے ہوتا ہے)۔

۸۔ رمی ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب

متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون، بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں، بعض سنت قرار دیتے ہیں، اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ فقہاء کرام کے مسالک کو بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

حنفی نقطہ نظر: فقہاء حنفیہ رمی، ذبح اور حلق کے مابین ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ترتیب کے خلاف کرنے کی صورت میں دم واجب ہوتا ہے (فتح القدیر ۲/۶۶، دار الفکر بیروت)، البتہ مفرد کے لئے ترتیب صرف رمی اور حلق میں ضروری ہوگی۔

علامہ ابن عابدین بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں: ''تین چیزوں کے درمیان ترتیب ضروری ہے، پہلے رمی، پھر ذبح، (اس کے بعد) پھر حلق، لیکن مفرد پر قربانی نہیں ہے، اس لئے صرف رمی اور حلق کے درمیان ترتیب ضروری ہے'' (رد المحتار ۲/۲۰۹، التسہیل الضروری لمسائل القدوری ۱/۱۵۰)۔

مالکی نقطہ نظر: لیکن اس سلسلہ میں مالکیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ترتیب مستحب ہے، شیخ عبد الرحمان الجزائری مالکیہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وأما مندوباته: منها رمي جمرة العقبة حين وصوله إلى منى وبعد طلوع الشمس ...وفعل الذبح والحلق قبل الزوال يوم العيد وتأخير الحلق عن الذبح'' (الفقه على المذاهب الأربعة ۱،۶۷۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

(مستحبات حج میں سے ہے کہ منی پہنچنے کے وقت طلوع شمس کے بعد جمرۃ العقبہ کی رمی کرے گا اور عید کے دن زوال سے پہلے پہلے حلق اور قربانی کرنا، البتہ حلق کو قربانی سے مؤخر کرے گا)۔

مگر اس سلسلہ میں مالکیہ کا راجح قول سنت ہونے کا ہے: ''والراجح أن الترتيب بين أعمال يوم النحر سنة'' (الدين الخالص ۹،۱۷۷) (مگر راجح یہی ہے کہ یوم النحر کے اعمال کے درمیان ترتیب مسنون ہے)۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے

امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ ترتیب مسنون ہے، ترتیب کے برعکس کرنے کی صورت میں کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

امام اہل سنت محقق سید امین محمود خطاب تحریر فرماتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ اور ابن ماجشون مالکی کے نزدیک رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ ترتیب مذکور سنت ہے، اسی لئے رمی اور ذبح سے پہلے حلق کرنے، اسی طرح قارن کے لئے رمی کرنے سے قبل قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع سے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ذبح کرنے سے قبل رمی کرلی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے اشارے کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اس حدیث کو بیہقی اور کتب سبعہ میں روایت کیا گیا ہے سوائے ترمذی کے، یہاں مذکورہ حدیث میں مسند احمد کے الفاظ ہیں اور امام مسلم نے بھی ابن عمر وغیرہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے (الفتح الربانی ۱۲/۲۰۶، مسلم نووی ۹/۵۷، تکملۃ المنہل العذب ۲/۱۴۴)۔

احناف کے قول مرجوح کو اختیار کرنا

فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق یوم النحر کے اعمال میں ترتیب کو لازم قرار دیا گیا ہے، یعنی پہلے رمی جمرۂ عقبہ، پھر ذبح، پھر حلق کرائے، ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہو تو دم واجب ہوتا ہے، لیکن آج کے احوال کے پیش نظر ترتیب کا باقی رکھنا مشکل ہو گیا ہے، دشواری کے یہ وجوہات ہیں کہ حج کے بے پناہ ازدحام وہجوم، قیام گاہ سے مذبح کا کافی دور ہونا، گرمی کی شدت اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے حاجی کا خود اپنی قربانی کرنا بہت متعذر رہتا ہے۔

لہذا راقم کا خیال ہے کہ ان اعذار کے پیش نظر صاحبین کے مسلک کو اختیار کیا جانا چاہئے اور عذر کی بنیاد پر واجب ترتیب کو چھوڑنے سے کوئی دم بھی واجب نہ ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: "إن ترك واجب بعذر مسقط للدم" (فتاوی شامی ۲،۲۰۶ طبع بیروت)۔ (عذر کے سبب واجب کا ترک کرنا دم کو ساقط کر دیتا ہے)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ترتیب بین الرمی والذبح والحلق اگرچہ واجب فی نفسہ ہے، لیکن عذر شرعی کی وجہ سے اگر چھوٹ جائے یا ٹوٹ جائے اور اس پر عمل نہ ہو سکے تو اس پر دم جنایت وغیرہ یا کوئی وزر یا کفارہ وغیرہ لازم نہ آئے گا، بلکہ ادائیگی حج بلا کراہت مکمل ہو جائے گی (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۱۵۷ طبع اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)۔

نوٹ: بوقت مجبوری فقہ حنفی میں گنجائش موجود ہے اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف وامام محمد کا قول بھی ترتیب کے عدم وجوب کا ہے، تو اس مسئلہ میں حنفیہ ہی میں سے صاحبین کے قول کو اختیار کر لیا جائے، تو دوسرے ائمہ کی تقلید اور ان کے مسلک کو اپنانے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

۹۔ حج بدل میں تمتع

جس شخص پر حج فرض ہو، لیکن مجبوری واعذار کے سبب خود حج نہ کر سکتا ہو بلکہ اپنی نیابت میں کسی کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے، تو چند شرائط کے ساتھ فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، تاہم یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حج بدل کرنے والا کیا حج تمتع یا قران کر سکتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

اگر آمر مأمور کو حج تمتع یا قران کی اجازت دے دے تو مامور کو تمتع وقران دونوں کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ آمر خود حج کرے تو وہ افراد، تمتع وقران میں سے جو چاہے کر سکتا ہے، اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ اس میں سے جس کا نائب بنانا چاہے بنا سکتا ہے، لیکن آمر کی اجازت کے بغیر حج تمتع یا قران جائز نہ ہوگا، اگر کسی نے کر لیا تو حج آمر کی مخالفت کی وجہ سے اس کا نہ ہوگا بلکہ مامور کا ہوگا، اس صورت میں مامور پر ضمان بھی لازم آئے گا۔

فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ علامہ شامی رقم فرماتے ہیں: ''الرابع عشر: عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة'' (ردالمحتار ۲،۲۳۹)۔

(چودہویں شرط یہ ہے کہ آمر کی مخالفت نہ کی جائے گی، اگر آمر نے اس کو حج افراد کا حکم دیا ہے، لیکن اس نے تمتع یا قران کیا تو خواہ یہ حج میت کی جانب سے کیوں نہ ہو اس کا حج نہ ہوگا اور مامور اخراجات کا ضامن ہوگا)۔

دم تمتع مامور پر ہوگا

حج بدل کرنے والا تمتع آمر کی اجازت سے کرے یا بلا اجازت کرے، دونوں ہی صورت میں دم تمتع مامور پر واجب ہوگا، اجازت کی صورت میں گو حج آمر

کی جانب سے ادا ہو جائے گا مگر دو عبادتوں کو ایک ساتھ ادا کرنے کا عمل مأمور انجام دے رہا ہے، اس لئے اصل فعل مامور سے صادر ہوا، لہذا دم بھی مامور کے مال میں ہوگا، اور اگر آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کیا گیا تو اس میں بھی دم تمتع مامور پر ہوگا اور حج بھی اسی کا ہوگا، جس کے سبب اس پر ضمان لاگو قرار دیا گیا ہے۔

علامہ داماد آفندی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''دم تمتع وقران مأمور پر ہوگا، کیونکہ یہ دو عبادتوں کی ادائیگی پر موقوف ہوتا ہے اور اس نعمت کے لئے مامور خاص ہے، اس لئے کہ اصل فعل اسی سے متعلق ہے، اگر چہ حج آمر کا ادا ہوگا کیونکہ شرعی اعتبار سے اس کا وقوع ہوا ہے اور دم شکر کے واجب ہونے کا سبب اصل فعل کا پایا جانا ہے اور وہ مامور کے ذریعہ صادر ہو رہا ہے (لہذا دم شکر بھی مامور ہی کے ذمہ ہوگا)'' (مجمع الأنہر ۱/۳۰۹، الدین الخالص ۹/۳۹)۔

نیز علامہ شامی کے مطابق بلا اجازت آمر حج تمتع کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوتا ہے، اسکی وجہ اور سبب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ووجهه إن لم يأت بالمأمور به، لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير فقد خالف أمر الآمر فضمن'' (ردالمحتار ۲/۲۲۷، فتح القدير ۳/۱۵۳)۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر نے اس کو جس چیز کا حکم دیا تھا وہ اس کو بجا نہیں لایا، اس لئے کہ اس نے صرف حج کا حکم دیا تھا اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نہیں، مگر اس نے آمر کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، لہذا اس پر ضمان واجب ہوگا)۔

اسی طرح حج بدل کرنے والے نے آمر سے صریح اجازت تو نہیں لی ہے مگر اس کا ظن غالب ہے کہ آمر اس کی اجازت دے دے گا، تو صرف گمان غالب کی بنیاد پر حج تمتع جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ مسئلہ آمر کی جانب سے حج فرض کی ادائیگی کا ہے، کہ اگر بعد میں آمر نے اجازت نہ دی تو اس کی جانب سے حج ہی نہ ہوگا، لہذا صرف ظن غالب کی بنیاد پر تمتع نہ کرنا چاہئے۔

اور جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ آج کل عام طور پر معروف حج تمتع ہی ہے، اس لئے صریح اجازت کے بغیر حج بدل میں عرفاً تمتع سمجھنا صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ مسئلہ فرض کی ادائیگی کا ہے اور بہت نازک ہے، لیکن راقم کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں حج و عمرہ کرنے کی عام آدمی کو اجازت نہیں ہے، ہر طرف حکومت کی پابندیاں، ویزا اور سرحد عبور کرنے کے بے شمار مسائل درپیش ہیں، نہ جانے کتنی قانونی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے تمتع کی اجازت ہونی چاہئے۔

حج عن المیت میں تمتع کی گنجائش

حج عن المیت میں تھوڑی تفصیل ہے جس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ اگر میت پر حج فرض تھا، اس نے حج بدل کی وصیت کی ہو اور ترکہ سے تمام متعلقہ حقوق ادا کرنے کے بعد اتنا حصہ بچ جائے جو حج بدل کے لئے کافی ہو، خواہ حج بدل میت کے گھر سے کیا جائے یا میقات سے، جہاں سے ممکن ہو، اس صورت میں مامور کو حج قران وتمتع کرنا درست نہ ہوگا اور نہ ورثاء کی اجازت موصی کی اجازت سمجھی جائے گی، بلکہ ہر حال میں حج إفراد کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔ اگر آمر یعنی میت پر حج فرض نہ تھا، لیکن اس نے حج بدل کی وصیت کی ہو اور اس کے مال سے تمام متعلقہ حقوق ادا کرنے کے بعد ترکہ اتنی مقدار میں موجود ہو کہ اس کے مکان سے نہ سہی، راستہ کے ہی کسی حصہ سے حج بدل میقاتی کرایا جاسکتا ہے اور ورثاء کے لئے یہ ممکن بھی ہے تو ورثاء پر حج بدل ضروری ہوگا، لیکن مامور کے لئے قران وتمتع کی اجازت نہ ہوگی۔

۳۔ آمر پر حج فرض نہ تھا اور نہ ہی اس نے حج کی وصیت کی ہو، یا کی ہو مگر میت کے مال سے متعلق حقوق کو ادا کرنے کے بعد اتنا روپیہ بھی نہ بچ سکے جس سے مکی کو ہی حج کرایا جاسکے تو اس صورت میں ورثاء پر حج بدل کرانا ضروری نہ ہوگا، اگر ورثاء تبرعاً اپنی جانب سے حج بدل کرادیں تو مستحسن ہے اور اس میں قران وتمتع سب کرنا جائز ہے۔

یہ بات یہاں بھی ملحوظ رہے کہ حج عن المیت کی جن صورتوں میں تمتع کی اجازت ہے اس میں دم تمتع مامور کے ذمہ ہوگا (نظام الفتاوی ۱/۱۵۱، ۱۵۲ طبع اسلامک فقہ اکیڈمی)، اور میت کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا، اگر کر لیا گیا تو یہ حج میت کا نہ ہوگا اور مامور کو ضمان ادا کرنا ہوگا۔

فقہ حنفی کے معروف فقیہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة'' (ردالمحتار ۲/۲۲۹)۔ (اگر آمر نے مامور کو افراد کا حکم دیا ہو لیکن وہ تمتع یا قران کرلے تو یہ حج اس کا نہ ہوگا خواہ میت ہی کے لئے کیا جائے اور وہ نفقہ کا ضامن قرار پائے گا۔

نیز فقہ حنفی کے ممتاز محقق علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: ''جب عمرہ میت کی جانب سے نہ ہو تو وہ خود اس کی جانب سے ہوگا اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ ابتداء میں عمرہ کی نیت اپنی طرف سے کرتا، اس طرح کی صورتوں میں تمتع ممنوع ہوتا ہے، کیونکہ عمرہ میت کی طرف سے ادا نہیں ہوتا ہے'' (فتح القدیر ۳؍۱۵۳ طبع دار الفکر بیروت)۔

۱۰۔ حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کرنا

حالت ناپاکی میں طواف زیارت کرنا اگرچہ درست نہیں ہے، لیکن ایسی حالت میں طواف زیارت کر لینا چاہئے اور کر لینے سے رکن ادا ہو جائے گا، البتہ بدنہ لازم ہوگا اور بدنہ یعنی دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں کرنا ضروری ہے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ شمس الأئمہ سرخسی رقمطراز ہیں: ''اگر طواف زیارت حالت جنابت میں کیا ہو یہاں تک کہ اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ آئے، تو ایسے شخص کو مکہ واپس جا کر طواف زیارت کرنا ہوگا اور وہ از سر نو احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل نہ ہوگا، اگر وہ مکہ دوبارہ نہیں جاتا ہے تو پھر طواف زیات کے عوض بدنہ دینا ہوگا اور طواف زیارت کے سلسلہ میں یہی حکم حائضہ عورت کا ہے'' (مبسوط للسرخسی ۴؍۴۱، فتح القدیر ۲؍۴۶۲)۔

نیز شیخ برہان الدین مرغینانی نے لکھا ہے کہ بدنہ اگر مکہ بھیج دے تو بھی کافی ہو جائے گا، البتہ افضل ہے کہ مکہ جا کر دوبارہ طواف زیارت کیا جائے۔

''وإن لم يعد وبعث بدنة أجزاءه لما بينا أنه جابر إلا أن الأفضل هو العود'' (هداية مع الفتح ۳۰۵۴، البحر الرائق ۲۰۳)

۱۱۔ ایام عدت میں حج وعمرہ

کوئی خاتون اپنے شوہر کے ساتھ حج یا عمرہ کرنے کے لئے جا رہی تھی کہ راستہ میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو یہ عورت محصر کے حکم میں ہوگی اور وہ عدت کے ایام کو گزارے گی، ان ایام میں اس کے لئے حج یا عمرہ کرنا درست نہ ہوگا۔

امام سید امین محمود خطاب تحریر فرماتے ہیں: ''يكون الحصر عند الحنفيين بكل حابس عن البيت من عدو ولو مسلما أو موت محرم أو زوج لامرأة في الطريق'' (الدين الخالص ۹؍۲۷۲)۔

(احناف کے نزدیک احصار ہر اس چیز سے ہوگا جو بیت اللہ سے روک دے، دشمن سے خواہ مسلمان ہو، یا راستہ میں محرم یا شوہر کا انتقال ہو جائے)۔ لیکن صاحبین کا مسلک ہے کہ راستہ میں شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا محرم موجود ہو تو وہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے، مگر امام صاحب کہتے ہیں کہ مطلقاً اس کو کہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

مجمع الانہر میں ہے: ''عورت سفر سے کم مسافت پر بلا محرم کے جا سکتی ہے، لیکن معتدہ کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے، جب اس کے لئے بلا محرم نکلنا ناجائز ہے تو عدت کی حالت میں بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا'' (مجمع الانہر ۱؍۴۷۴)۔

۱۲۔ منیٰ ومکہ میں ۱۵ یوم قیام کا حکم

ایام حج شروع ہونے سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچ جائے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے، پھر دونوں کے قیام کی مدت ۱۵ یوم سے زائد ہوتی ہو تو کیا وہ شخص مقیم سمجھا جائے گا یا مسافر ہوگا؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ پہلے مکہ مکرمہ اور منیٰ شہر کی آبادی الگ الگ تھی مگر اب مکہ شہر کی آبادی پھیل کر منیٰ کی آبادی سے متصل ہو گئی ہے۔

فقہاء کرام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پندرہ یوم قیام دو مقامات پر کیا اور وہ دونوں مقام مستقل اپنی الگ جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں جیسے مکہ اور منیٰ ہے تو وہاں قیام کرنے والا شخص مقیم نہیں ہوگا، اس کے برعکس اگر ان دونوں جگہوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع ہو تب تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''ولو نوى الإقامة خمسة عشر يوما في موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما، وإن كان إحداهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيما''۔

(اگر دو جگہوں میں پندرہ دن قیام کی نیت کرے، تو ان میں سے ہر ایک مستقل ہو جیسے مکہ ومنیٰ، کوفہ اور حیرہ تو وہ مقیم نہیں ہوگا، لیکن اگر ان میں سے ایک

دوسرے کے تابع ہو، یہاں تک کہ اس کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہو تو ایسا شخص وہاں مقیم کے حکم میں ہوگا)۔

۱۳۔ وتر میں شافعی امام کی اقتداء کرنا

فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی امام وتر کی نماز فصل کے ساتھ ادا کرتا ہے، اس لئے حنفی کے لئے شافعی کی اقتداء کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس طرح نماز پڑھنے سے فاسد ہوجاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''وفی حاشیة الأشباه للخیر الرملی الذی یمیل إلیه خاطری القول بعدم الکراهة إذا لم یتحقق منه مفسد'' (رد المحتار ۱،۳۷۸)۔

(خیر الرملی کے حاشیہ اشباہ میں ہے اور میرا قلب بھی اسی طرف مائل ہے کہ اگر اس سے کوئی مفسد صلاۃ عمل سرزد نہ ہو تو اقتداء شافعی بلا کراہت جائز ہے)۔

مگر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حنفی مقتدی حرمین کی جماعت کو چھوڑ کر کیا تنہا نماز ادا کرے گا اور اپنے آپ کو جماعت حرمین کے ثواب سے محروم رکھے؟ تو اس مسئلہ کا حل فقہاء نے بیان کر دیا ہے کہ دو رکعت تو شافعی المسلک امام کی اقتداء میں ادا کرے گا، اور جب امام سلام پھیرے تو یہ سلام نہیں پھیرے گا، بلکہ اپنی رکعت مسبوق کی طرح مکمل کرے (مجمع الانہر ۱/۱۲۹)۔

☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق مسائل

مولانا ابراہیم فلاحی [1]

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاق سے آنے والے شخص کے لئے جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا قصد کرے خواہ یہ قصد کسی دنیوی غرض، تجارت یا عزیزوں سے ملاقات کی نیت سے کیا ہو، مگر بیت اللہ شریف کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو اور بیت اللہ کے عمرہ یا حج کا حق ادا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔

معلم الحجاج میں لکھا ہے: ''اگر کوئی شخص مسلمان، عاقل، بالغ جو میقات سے باہر رہنے والا ہے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، خواہ حج یا عمرہ کی نیت سے ہو یا اور کسی غرض سے میقات پر سے بلا احرام باندھے آگے گذر جائے گا تو گنہگار ہوگا اور میقات کی طرف لوٹنا واجب ہوگا، اگر لوٹ کر میقات کی طرف نہ آیا اور میقات کے آگے ہی سے احرام باندھ لیا تو ایک دم دینا واجب ہوگا اور اگر میقات پر واپس آ کر احرام باندھا تو دم ساقط ہو جائے گا'' (معلم الحجاج ر ۹۱)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا قصد کرے۔ کسی تجارت کی غرض یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور پر جانے والوں کے لئے احرام باندھ کر جانا اور کم از کم عمرہ کرنے کی پابندی نہیں ہے۔

بدائع کی عبارت ملاحظہ ہو: ''أما الصنف الأول فميقاتهم ما وقت لهم رسول الله ﷺ لا يجوز لأحد منهم أن يجاوز ميقاتهم إذا أراد الحج أو العمرة إلا محرما''۔

''ولنا ما روى عن النبي ﷺ أنه قال: ألا إن مكة حرام منذ خلقها الله تعالى لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي، وإنما أحلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما إلى يوم القيامة''، والاستدلال به من ثلاثة أوجه: أحدها بقوله ﷺ ألا إن مكة حرام والثاني بقوله لا تحل بعدي۔ والثالث بقوله ثم عادت حراما إلى يوم القيامة مطلقا من غير فصل۔

مذکورہ بالا بدائع کی عبارت سے پتہ چلا کہ صورت مسئولہ میں بلا احرام باندھے آگے گذرنا ہر ایک کے لئے ممنوع ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل ''أنه تجوز السكنى بمكة من غير إحرام الخ''۔ یعنی یہ کہ جب مکہ میں رہنا اہل مکہ کے لئے بغیر احرام کے جائز ہے تو دخول مکہ بغیر احرام تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عالی فرمان ہے: سن لو! کہ اللہ تعالی نے جب سے مکہ مکرمہ (کعبۃ اللہ) بنایا ہے تب سے وہ حرمت والا ہے، نہ تو وہ مجھ سے پہلے والوں کے لئے حلال رہا اور نہ ہی میرے بعد والوں کے لئے، ہاں! چند ساعت کے لئے وہ میرے لئے حلال ہوا تھا پھر وہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا۔ اس روایت سے تین طریقوں سے استدلال کیا جاتا ہے: اولاً یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ألا کے ذریعہ سے فرمایا: ''ألا إن مكة حرام'' دوسرا یہ کہ میرے بعد بھی وہ کسی کے لئے حلال نہ ہوگا۔ تیسرا یہ کہ میرے لئے کچھ ساعت کے لئے حلال ہوا تھا (ضرورۃً) پھر وہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا، معلوم ہوا کہ اس کی حرمت ابدی ہے۔

دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دخول مکہ بلا احرام جائز نہیں ہے، وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ ایک مبارک جگہ ہے، اللہ رب العزت کے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے، لہذا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ حج یا عمرہ کی عبادت کے التزام کے ساتھ ہو، تا کہ روئے زمین کی تمام جگہوں کے مقابلہ میں اس کے شرف کا اظہار ہو، لہذا بلا احرام میقات سے گذر کر حرم میں داخل ہونا جائز نہیں۔

لہذا سوال مذکور کا جواب یہ ہی ہوگا کہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا اور کسی مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا

[1] بارڈولی۔

چاہتے ہیں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام کے ساتھ ہی میقات سے آگے بڑھیں۔

۲۔ صورت مسئولہ کے بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں رقم طراز ہیں:

''کوئی مکۃ المکرمہ اور حدود حرم کا رہنے والا اگر حدود حرم سے باہر آفاق میں کسی وجہ سے چلا جائے تو اب اس کا حکم بھی آفاقی کے مانند ہوگا، اگر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں جانے کے قصد سے حدود مواقیت کے اندر آئے گا تو اس پر لازم ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے احرام باندھ کر آئے، بغیر احرام کے داخل ہونا آفاق میں جانے کے بعد اس کے لئے بھی جائز نہیں'' (جواہر الفقہ ۱/ ۴۹۲۔ ۴۹۳)۔

لہٰذا ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ کے لئے جو بار بار مکہ مکرمہ، جدہ، مدینہ المنورہ کے درمیان آمد و رفت کرتے ہیں اسی طرح تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین، تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو حدود حرم کے اندر باہر آمد و رفت کرنی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے بھی ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا ضروری ہے، وہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔

رہ گیا سوال یہ کہ اس میں دقت وحرج ہے تو حرج کی وجہ سے احکام میں جو فرق آتا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہاں کوئی نص نہ ہو اور یہاں نص موجود ہے دخول مکہ بلا احرام جائز نہیں، الاشباہ میں ہے: ''المشقة والحرج إنما يعتبران عند عدم النص'' (الاشباہ ۸۲)۔

اور الاشباہ میں اسی قاعدہ کے فائدہ نمبر ایک کے تحت لکھا ہے:

''المشاق علی قسمين: مشقة لا تنفك عنها العبادة غالبا''، اس کے جزئیات بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''فلا أثر لها في إسقاط العبادات''، اور دوسری ''مشقة تنفك عنها العبادات'' ''غالباً'' اس کے دو درجے ذکر کئے ہیں: مشقة عظيمة قادحة فهي موجبة للتخفيف، مثلا إذا لم يأمن للحج طريق إلا من البحر و كان الغالب عدم السلامة لم يجب، الثاني مشقة خفيفة فهو لا أثر له ولا الالتفات إليه۔ لأن تحصيل مصالح العبادات أولى من دفع هذه المفسدة التي لا أثر لها'' (الاشباہ ۸۲)۔

لہٰذا مذکورہ بالا شکل کو مشقت کی قسم اول میں شمار کیا جائے گا: ''لا تنفك عنها العبادات غالباً فلا أثر لها في إسقاط العبادات''، لہٰذا بلا احرام حدود میقات سے تجاوز کرنے سے دم لازم ہوگا۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع وقران کی گنجائش ہے یا نہیں

مکی اور حدود حرم میں رہنے والوں کے لئے تمتع وقران کی گنجائش نہیں ہے (عمدۃ الفقہ ۲۸۰/۴، کتاب الحج)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: ''اسلام سے پہلے عرب اہل جاہلیت کا خیال یہ تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہ شوال شروع ہو جائے تو ان ایام میں حج وعمرہ کو جمع کرنا سخت گناہ ہے، اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج وعمرہ دونوں کو اشہر حج میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا کیونکہ ان کو اشہر حج کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں، لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے جمع کرنا جائز قرار دیا گیا کہ دور دراز سے مستقل عمرہ کے لئے سفر کرنا ان کے لئے آسان نہیں'' (معارف القرآن ۴۲۶/۱)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا حکم یہ ہے کہ آفاقی حاجی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے مزید عمرہ کر سکتا ہے۔ عمدۃ الفقہ میں لکھا ہے: ''یہ جو عمدۃ المناسک میں مذکور ہے کہ تمتع کرنے والا تمتع کا عمرہ ادا کر لینے اور اس کے احرام سے فارغ ہونے کے بعد حج سے پہلے اور عمرہ نہ کرے''۔ شارح اللباب ملا علی قاریؒ نے کہا ہے کہ یہ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ مکی کو صرف عمرہ سے بھی منع کیا گیا ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ مکی کو تمتع اور قران سے منع کیا گیا ہے عمرہ اس کے لئے ممنوع نہیں ہے اور یہ متمتع تو آفاقی ہے جو کہ عمرہ سے منع نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے لئے تکرار عمرہ جائز ہے، کیونکہ عمرہ بھی طواف ہی کی طرح ایک مستقل عبادت ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ایام ممنوعہ خمسہ کے علاوہ باقی تمام سال میں عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اس بارے میں مکی اور آفاقی میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بحر میں اس کی صراحت ہے (عمدۃ الفقہ ۲۹۴/۴، کتاب الحج، اور دیکھئے: منحۃ الخالق ۳۹۳/۲)۔

لہذا جو جاہل معلمین ایسے متمتع آفاقی کو جو اپنے ساتھ ہدی نہیں لایا اس کو حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع کرتے ہیں یہ صحیح مذہب کے خلاف ہے اور وہ آفاقی حاجیوں کو ایک ایسی عظیم عبادت سے محروم کرنے کا سبب بنتے ہیں جو ان کو اپنے ممالک میں میسر نہیں آسکتی اور اکثر ان کے پاس حج کے بعد وقت اتنا تنگ ہوتا ہے کہ عرفات ومنیٰ سے مکہ مکرمہ واپس آنے کے بعد ان کو عمرہ کرنا ممکن نہیں ہوتا (کذا فی عمدۃ الفقہ ۴/ ۲۹۴، کتاب الحج)۔

لہذا خلاصہ یہ ہوا کہ تمتع کرنے والا حاجی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام سے قبل دوسرے نفلی عمرے کرسکتا ہے۔

۶: الف۔ عمل رمی میں نیابت کا مسئلہ

رمی کی جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ رمی کا خود کرنا ہے، قادر ہونے کے باوجود بلا عذر رمی میں نیابت جائز نہیں، البتہ عذر کی وجہ سے نیابت درست ہے، لہذا کسی مریض کی طرف سے اس کے حکم سے یا غشی والے کی طرف سے اس کے امر سے یا امر کے بغیر، یا ناسمجھ بچہ یا نیم پاگل یا مجنوں کی طرف سے رمی میں نیابت جائز ہے۔

رمی میں نیابت کے لئے مریض سے مطلق طور پر ہر مریض مراد نہیں ہے، بلکہ مریض کی حد یہ ہے کہ اگر مریض ایسا ہو کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تب اس کی نیابت میں دوسرا رمی کرسکتا ہے، وہ سوار ہو کر بھی رمی نہ کرسکتا ہو یا یہ کہ اس کے لئے سواری میسر نہ ہو اور رمی کرنے سے اس کو اندیشہ ضرر ہو، لہذا اگر مریض کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو یا کمزور ہونے کے باوجود سواری میسر ہے اور اس کو شدید ضرر کا بھی اندیشہ نہیں ہے اور نہ ہی مرض کی زیادتی اور دیر میں صحت یاب ہونے کا خوف ہے تو ایسے شخص کی طرف سے رمی میں نیابت جائز نہیں، لیکن کوئی سواری یا اٹھانے والا نہ ملے تو رمی میں نیابت جائز ہوگی۔

معلوم ہوا کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ معذور کے لئے ہے اور مرد وعورت دونوں کے لئے ہے، لیکن عورت کے لئے رات میں رمی کرنا بہتر ہے، لہذا عورت کو بھی بلا عذر رمی میں نیابت نہیں کروانی چاہئے۔

فقہاء نے تو عورت، بیمار وضعفاء کے لئے ہجوم کے خوف کو عذر قرار دیتے ہوئے قربانی کے دن طلوع سے قبل رمی کر لینے کو یا پہلے تین دن رات تک رمی کو مؤخر کرنے کو اور چوتھے دن زوال سے قبل رمی کر لینے کو جائز کہا ہے، ان کی طرف سے نیابت کو عدم ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں کہا گیا، پس اگر یہ لوگ ہجوم کے خوف کی وجہ سے خود رمی نہیں کرسکتے تو ان پر فدیہ لازم ہوگا (عمدۃ الفقہ ۵/ ۲۳۵ تا ۲۴۰)۔

۷۔ سعودیہ میں مقیم غیر ملکیوں کی حالت احرام میں گرفتاری کا حکم

حصر کا معنی مفردات القرآن للراغب میں یہ ہی: ''الحصر والإحصار المنع من طريق البيت۔ فالإحصار يقال في المنع الظاهر كالعدو والمنع الباطن كالمرض والحصر لا يقال إلا في المنع الباطن'' (مفردات)۔

شرعاً حصر کا معنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روکنا ہے، البحر میں احصار کی یہ تعریف ہے:

''وفي الشريعة هو منع الوقوف والطواف'' (البحر الرائق ۳/ ۵۷)۔

احصار کے آٹھ اسباب عمدۃ الفقہ میں مذکور ہیں جن کو اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ کسی مسلمان یا کافر دشمن کا حج سے روکنا اور اس راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو یا یہ کہ راستہ تو ہو لیکن اس میں ضرر کا معتبر درجہ کا اندیشہ ہو یا دوسرا راستہ طویل ہو۔

۲۔ کسی ایسے درندہ کا اندیشہ ہو جس کے دفع کرنے سے عاجز ہو۔

۳۔ قید ہونا یا بادشاہ کا منع کرنا، اگرچہ منع کرنا احرام باندھ لینے کے بعد ہو۔

۴۔ ہڈی ٹوٹ جانا یا اتنا لنگڑا ہو جانا کہ سفر نہ کرسکے۔

۵۔ پیدل یا سواری پر چلنے کی وجہ سے مرض کی زیادتی کا ظن غالب ہو۔

۶۔ عورت کے محرم یا شوہر کا راستہ میں فوت ہو جانا جبکہ مکہ مکرمہ وہاں سے مسافت سفر یا اس سے دور ہو۔

۷۔ نفقہ کا ہلاک ہو جانا، لیکن اگر وہ سفر کے خرچ کے بغیر پیدل چلنے پر قادر ہے مثلاً یہ کہ وہ مکہ مکرمہ یا عرفات کے قریب ہے، تو وہ محصر نہیں اور اگر وہ پیدل چلنے

پر قادر نہیں تو وہ محصر ہے۔ اس کو اس حالت میں احرام سے باہر ہونا جائز ہے، ورنہ پیدل چلے اور لوگوں سے سوال کرے۔

۸۔ سواری کے جانور کا ہلاک ہوجانا، بشرطیکہ وہ پیدل چلنے پر قادر نہ ہو اور نہ اس کے پاس جانور خریدنے کا نفقہ ہو۔

۹۔ احرام باندھنے کے بعد شروع ہی سے پیدل چلنے سے عاجز ہونا جبکہ اس کو صرف نفقہ پر قدرت ہو، سواری کے جانور کی قدرت نہ ہو، اس وقت وہ محصر شمار ہوگا۔

۱۰۔ مکہ مکرمہ یا عرفات کا راستہ بھول جانا، لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص کو پائے جو اس کو راستہ بتادے تو وہ محصر نہیں ہوگا۔

۱۱۔ شوہر کا زوجہ کو نفل حج یا واجب لغیرہ یا عمرہ سے روکنا جبکہ زوج کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو، بخلاف فرض حج کے۔

۱۲۔ احرام باندھنے کے بعد عورت پر عدت طلاق واجب ہونا خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر اور خواہ وہ مکہ مکرمہ میں ہو یا اس سے باہر، اگرچہ اس کے ساتھ محرم بھی ہو اس پر واجب ہے کہ جہاں اس پر عدت طلاق واقع ہوئی وہیں رات بسر کرے، پس اگر وہ مکہ مکرمہ میں ہے تو عرفات کے لئے نہ جائے اور وقوف عرفات کے بعد جب حلال ہونا چاہے تو جب چاہے عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہوجائے (عمدۃ الفقہ ر ۶۱۰، احصار کا بیان)۔

لہذا صورت مسئولہ میں کوئی شخص اس طرح پکڑا جائے گا وہ محصور کے حکم میں ہوگا۔

اب رہ گیا ان کے احرام کھولنے کا مسئلہ تو احصار کا حکم یہ ہے کہ اگر احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے قبل یہ صورت پیش آئی ہے تب تو وہ محصر شمار ہوگا اور اگر اس نے وقوف عرفہ کر لیا تھا اس کے بعد پکڑا گیا تو محصر نہ ہوگا۔ لہذا جو شخص وقوف عرفہ سے قبل پکڑا گیا اس کا حکم یہ ہے کہ وہ احرام کھولے بغیر اپنی جگہ (جدہ وغیرہ) واپس آجائے اور احرام کی حالت میں رہے یہاں تک کہ وہ رکاوٹ دور ہوجائے، اس کے بعد اگر اس کو کسی طریقہ سے حج مل سکتا ہے تو افعال حج ادا کر کے حلال ہوجائے اور اگر اس کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہوجانے والے شخص کی طرح عمرہ ادا کر کے حلال ہوجائے، اس پر ہدی واجب نہیں ہے۔

اگر ایسی صورت میسر نہ ہو کہ وہ عمرہ یا حج کے افعال ادا کر سکے، بلکہ اس کا احصار برابر باقی رہا تو اگر اس نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہو تو اس پر واجب ہے کہ کسی کو ایک ہدی یا اس کی قیمت دے کر حرم بھیجے تاکہ اس قیمت سے وہاں ہدی خریدے اور اس کی طرف سے حدود حرم میں جا کر ہدی ذبح کرے۔

اگر محصر کو قربانی کا جانور نہ مل سکے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو، یا کوئی ایسا شخص نہ مل سکے جس کے ہاتھ ہدی کا جانور بھیج سکے تو وہ میسر آنے تک احرام کی حالت میں رہے گا، جب میسر ہوجائے تو وہ اس کے ذریعہ احرام سے حلال ہوجائے یا مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام سے حلال ہوجائے۔

لیکن اگر کوئی شخص ہمیشہ اسی حالت پر رہا کہ نہ وہ مکہ مکرمہ جانے پر قادر ہے اور نہ ہی ہدی روانہ کرنے پر قادر ہے تو وہ ہمیشہ احرام ہی میں رہے گا جب تک کہ وہ قادر نہ ہوجائے، یہ ہمارے طرفین کا ظاہری مذہب ہے، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس ہدی نہ ہو تو ہدی کی قیمت کے مطابق غلہ صدقہ کردے اور ہر مسکین کو نصف صاع دے، اور اگر اس کے پاس غلہ بھی نہ ہو تو ہر نصف صاع کے بدلہ ایک روزہ رکھے اور پھر حلال ہوجائے، امام ابو یوسفؒ نے امالی میں کہا ہے کہ یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اس میں بہت بڑی تنگی سے نجات مل جاتی ہے، لہذا ضرورت کے وقت اس پر عمل کی گنجائش ہے (عمدۃ الفقہ ر ۶۱۲)۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے وجوب اور سنت کا اختلاف

اس باب میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان افعال ثلاثہ میں ترتیب مسنون ہے، واجب نہیں اور اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا، یہی ہمارے صاحبین کا مسلک ہے، امام مالکؒ کے یہاں بھی بعض میں ترتیب واجب ہے، اور امام احمدؒ کے یہاں اگر عمداً ترتیب ترک کردے تو دم واجب ہوگا سہواً ترک ہونے سے دم واجب نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں عمداً و سہواً دونوں صورتوں میں دم واجب ہوگا۔

علامہ کشمیریؒ کی العرف الشذی (۱ر۱۸۲) میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس حدیث ''إن رجلا سأل رسول الله ﷺ قال حلقت قبل أن أذبح فقال اذبح ولا حرج وسأله آخر فقال نحرت قبل أن أرمي فقال ارم ولا حرج'' (سنن ترمذی ۱۸۲،۱) کی تشریح میں لکھی عبارت سے یہ پتہ چلا کہ حنفیہ کے یہاں ترتیب واجب ہوگی اور ان تینوں افعال میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ رہ گیا یہ سوال کہ مذبح اور قیام گاہ کی دوری کی وجہ سے عورتوں اور ضعفاء کا مذبح جانا دشوار ہے اس لئے وہ ترتیب کو ترک کردے یہ درست نہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی ایک دیندار، متقی پرہیزگار آدمی کو وکیل بنادیا جائے کہ ہماری طرف سے قربانی کردے اور وہ وکیل جب قربانی سے فارغ ہوجائے تو فوراً مطلع کردے تاکہ وہ اپنے باقی ماندہ افعال

سے فارغ ہوجائے، لہٰذا ایسے اعذار جن کا بدل ممکن ہو اس میں کسی واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، عذر کی وجہ سے واجب چھوڑ سکتے ہیں۔

''کذا فی الشامیة من اللباب لو ترك شیئا من الواجبات بعذر لا شئ علیه علی ما فی البدائع''۔

اور اعذار سے مراد وہ اعذار ہیں جو منجانب اللہ ہوں جیسے مرض، جیسا کہ شامی میں ہے: اور ازدحام، مذبح وغیرہ کا دور ہونا مراد نہیں۔

۹۔ حج بدل میں تمتع کا حکم

یہ بات تو ظاہر ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) محض مالی عبادت جیسے زکوۃ، صدقہ فطر، عشر وغیرہ، (۲) محض بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ، اعتکاف، قرأت قرآن وغیرہ، (۳) وہ عبادات جو مالی اور بدنی دونوں سے مرکب ہوں جیسے حج۔

پہلی قسم یعنی محض مالی عبادت میں مکلف کی طرف سے قدرت وعجز یعنی اختیار واضطرار دونوں حالتوں میں نیابت جاری ہوسکتی ہے، خواہ وہ خود اس کے ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو اپنے نائب کے ذریعہ ادا کی جاسکتی ہے اور محض بدنی عبادات میں کسی بھی حالت میں نیابت جاری نہیں ہوسکتی، چنانچہ نسائی شریف کی روایت ہے: ''لا یصم أحد عن أحد ولا یصل أحد عن أحد'' (اخرجه النسائی عن ابن عباس)۔

جو بدنی اور مالی سے مرکب عبادت ہے اگر وہ واجب ہے جیسے حج فرض یا حج منذور، تو اس میں صرف عجز کی وجہ سے نیابت جاری ہوسکتی ہے نہ کہ حالت قدرت میں اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ عذر تا موت قائم رہے، اس لئے کہ حج تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

فقہاء کرام نے حج فرض وواجب کی نیابت کے جواز کے لئے ۲۰ شرائط ذکر کئے ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی شرط فوت ہو تو حج بدل ادا نہ ہوگا، اور منجملہ ان ۲۰ شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ آمر کی مخالفت نہ ہو۔

یعنی جب تک آمر مامور کو حج قران یا تمتع کی اجازت نہ دے مامور کو حج قران یا تمتع ادا کرنا جائز نہ ہوگا، اگر بلا اجازت حج کرے گا تو حج بھی آمر کا نہ ہوگا بلکہ مامور کا ہوگا اور اس صورت میں مامور پر ضمان لازم آئے گا۔ شامی میں باب الحج عن الغیر کے تحت لکھا ہے: ''الرابع الآمر ای بالحج فلا یجوز حج غیره بغیر إذنه'' (شامی ۲،۲۵۹)۔

الف۔ اب رہ گیا سوال یہ کہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب درمختار کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت سے قران وتمتع کرنا جائز ہے۔

''ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فیصیر مخالفا فیضمن'' (در مختار ۲۶۸، ۲،۲۶۷)۔

ب۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آمر کی صریح اجازت ضروری ہے؟

اس کا جواب نظام الفتاوی میں ہے کہ اگر آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دے دی ہے خواہ مجملاً ہی دی ہو، مثلاً بایں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآؤ، تو اس صورت میں مامور کو قران وتمتع کرنا جائز ہوگا، لیکن دم قران وتمتع وجنایت مامور کے ذمہ رہے گا، مامور کو اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا ضروری ہوگا (نظام الفتاوی ۱۱۱)۔

ج۔ رہ گیا سوال کہ غلبہ ظن کی کیا حیثیت ہے؟ تو الاشباہ میں لکھا ہے:

''أما أكبر الرأی وغلبة الظن فهو الطریق الراجح إذا أخذ به القلب وهو المعتبر عند الفقهاء...'' (الاشباہ ص ۷۳)۔

معلوم ہوا کہ فقہاء کے یہاں اس کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کو یقین کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا جب آمر کی طرف سے ظن غالب اجازت کا ہے تو تمتع وقران کی گنجائش ہوگی۔

د۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ باذن آمر و بلا اذن آمر کی صورت میں دم قران وتمتع کا حکم یہ ہے کہ بدون اذن آمر کی صورت میں تو پورے مال حج کا ضمان مامور پر ہوگا اور

اذن آمر کی صورت میں دم قران وتمتع مامور کے ذمہ ہوگا جیسے کہ اوپر کی صراحت سے معلوم ہوا۔

ھ۔ حج بدل کرنے والے کو آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے، لہٰذا اس کے جواب کی ضرورت نہ رہی۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں تمتع کا مسئلہ، اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً:

۱۔ میت پر حج فرض نہیں تھا اور حج کی وصیت کی اور حقوق مقدمہ کی ادائیگی کے بعد تہائی ترکہ کی مقدار اتنی ہے کہ میت کے مکان سے نہ سہی راستہ ہی سے حج بدل کرایا جاسکتا ہے، ایسا کرنا ورثاء کی قدرت میں بھی ہو تو ورثاء کو ایسا کرنا ضروری ہے اور اس حج بدل کرنے والے مامور کے لئے قران وتمتع کی اجازت نہ رہے گی اور موصی کے ورثاء کی اجازت قران وتمتع کے لئے کافی نہ ہوگی۔

۲۔ اگر میت پر حج فرض نہ ہوا اور نہ اس نے حج کی وصیت کی ہو، یا وصیت تو کی ہو مگر حقوق مقدمہ واجبہ کی ادائیگی کے بعد اتنی مقدار بھی مال نہ چھوڑا ہو جس سے حج مکی ہی سہی، کی جائے، اس صورت میں کسی وارث پر حج بدل کرانا ضروری نہیں، اگر حج بدل کرادے تو کرا سکتا ہے بلکہ مستحسن ہے، اس میں قران وتمتع دونوں کرسکتا ہے۔

۳۔ اگر وصیت تو کی ہے لیکن ترکہ بالکل نہ چھوڑا ہو کہ مکی حج بھی ہو سکے، یا ترکہ کافی چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی تو اگرچہ اس پر فرض حج باقی رہا ہو مگر اس صورت میں ورثاء پر کسی قسم کا حج مکی یا میقاتی کرانا ضروری نہ رہے گا، البتہ اگر ورثاء اپنی طرف سے تبرع کردیں تو بہتر واحسن ہوگا، اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو کرانا چاہئے (اور میں بھی تمتع وقران کی گنجائش ہوگی) (عمدۃ الفقہ)۔

۱۰۔ ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کا حکم

طواف زیارت کو ایام قربانی سے مؤخر کرنے میں کراہت اور دم کا وجوب اس صورت میں ہے کہ طواف زیارت کو بلا عذر مؤخر کردے، لیکن اگر عذر کی وجہ سے مؤخر ہو جائے تو کچھ واجب نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی عورت کو ایام نحر سے قبل حیض شروع ہوا اور ایام نحر گذرنے تک وہ حیض کی حالت میں رہی تو تاخیر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بھی حیض اور نفاس والی عورت طواف زیارت نہ کرسکے تو اس پر بھی دم کا وجوب اس وقت ہوگا جبکہ وہ امکان کے باوجود تاخیر کرے، لہٰذا اگر کوئی حیض والی عورت قربانی کے آخری دن میں غروب سے قبل ایسے وقت حیض سے پاک ہوئی کہ ایسے وقت میں وہ غسل کے لوازمات مثلاً غسل کرکے مسجد الحرام میں آکر طواف زیارت پورا یا اکثر حصہ ادا کرسکے لیکن اس کے باوجود اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر دم تاخیر واجب ہوگا اور اگر حیض سے پاک ہونے کے بعد اس کو اس قدر وقت نہ ملا تو اس پر طواف زیارت نہ کرنے سے کچھ بھی واجب نہیں۔

منسک ابن امیر الحاج میں لکھا ہے کہ اگر کوئی قافلہ واپس لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس قافلہ کی کوئی عورت حیض سے پاک نہ ہوئی ہو اور وہ فتویٰ دریافت کرے کہ وہ طواف زیارت کرے یا نہ کرے؟ اور اس حالت میں طواف زیارت ادا کرنے سے اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو کہا جائے کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود اگر تو داخل ہوگئی اور طواف زیارت کرلیا تو گنہگار ہوگی اور تیرا طواف صحیح ہوگا اور تجھ پر ایک بدنہ (سالم اونٹ یا گائے) ذبح کرنا واجب ہوگا، یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے، عورت اس مسئلہ میں حیران وپریشان ہوجاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ حدث اکبر یعنی حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں جانا سخت گناہ ہے اور اس حالت میں مسجد جاکر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا تو اور سخت گناہ ہے، اس لئے اس پر اس طواف کا اعادہ کرنا یا سالم اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہے اور کفارہ دینے کے باوجود اس گناہ سے توبہ کرنا ضروری ہے، اس لئے حیض یا نفاس والی عورت کو اپنے اوپر سے فرض اتارنے اور پوری طرح حلال ہونے کے لئے جان بوجھ کر ایسا ناجائز اور حرام فعل کرنا نہایت قبیح ہے، اس کو چاہئے کہ پاک ہونے تک وہاں ٹھہرے اور شرعی حکم کے مطابق پاک ہوکر طواف زیارت کرکے حج پورا کرے۔ محض سستی اور سہولت پسندی کی وجہ سے ہرگز حالت حیض میں طواف زیارت نہ کرے۔ آج کل جہازوں کی کثرت سے اور کوشش کرکے جہازوں میں بعد کی تاریخوں میں نشست تبدیل کرائی جاسکتی ہے، لیکن اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسی حالت میں طواف زیارت کرلیا تو حکماً اس کا حج پورا ہوجائے گا وہ احرام سے حلال ہوجائے گی اور اس پر سالم اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہوگا۔

لیکن سوال کے مطابق اس کا رکنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو، حکومت کی طرف سے پابندی عائد ہو اور اس کی اور اس کے محرم کی روانگی کی تاریخ تبدیل نہ

ہوسکتی ہو تو مجبوراً طواف زیارت کرلے گی اور کفارہ ادا کردے گی، حضرت امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق اس کا حج پورا ہوجائے گا، احرام سے حلال ہوجائے گی اور بدنہ واجب ہوگا، لیکن یہ معاملہ مبتلی بہا عورت اور اس کے قافلہ پر موقوف ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ ان کو ٹھہرنا ممکن ہے یا نہیں۔

سوال کی چوتھی شق کہ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہونا ضروری ہے یا اپنے مقام پر بھی کرسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدود حرم میں دم کو ذبح کرنا بالاتفاق شرط ہے خواہ وہ ہدی شکرانہ (قران وتمتع) کی ہو یا سزا کی ہو، سب کا یہی حکم ہے (عمدۃ الفقہ ۴/ ۶۰۱، کتاب الحج)۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کرے یا نہیں؟

شامی میں احصار کے بیان میں لکھا ہے: ''ومنها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها و لزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم'' (شامی ۲، ۳۲۰)۔

عمدۃ الفقہ میں ہے: ''ایسی صورت کے لئے حکم یہ ہے کہ ممکن ہو تو ایک سال رہ کر حج کرکے آئے یا آئندہ سال حج کے لئے واپس جائے، اور اگر عذر شرعی کی وجہ سے نہ جاسکے تو حج بدل کی وصیت کرجائے یہ اصل مسئلہ ہے، (بعد چند سطور کے فرماتے ہیں) لیکن اس مسئلہ میں اس وقت بہت ہی مشکل پیش آئے گی جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہو اور اس کا خاوند اس کو وہاں طلاق دے دے اور وہ عورت عرفات نہ جائے، یہ عورت بھی اسی طرح معذور سمجھی جانی چاہئے، جیسے جنگل وغیرہ میں اقامت مشکل ہو تو مکہ معظمہ چلے جانے کا جواز ہے، تو اب اس حالت میں عرفات میں جائے تو جواز ہوسکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر وہ افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگئی تو پھر حج کی قضا لازم ہوگی پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا''۔

کسی معتبر کتاب میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذرتی تھی، لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی غالباً کبیری ہی میں کہیں یہ عبارت تھی'' (عمدۃ الفقہ ۴/ ۶۰، کتاب الحج)۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا ایام حج یعنی ۸/ ذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے قبل ہی ایام حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو اب اس کو مسافر شمار کیا جائے یا مقیم؟ جبکہ پہلے دونوں آبادیاں الگ الگ تھیں مگر اب مکہ مکرمہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی سے متصل ہوگیا، اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اگر مکہ مکرمہ سے منیٰ تک مسلسل عمارات نہیں بلکہ بقدر (غلوہ ۱۳۷ء۱۶۱ میٹر) یا اس سے زائد خلا ہے یا درمیان میں زرعی اراضی ہے تو یہ مستقل آبادی شمار ہوگی۔

عبارات فقہ میں اتصال آبادی کا کوئی معیار نظر سے نہیں گزرا، بظاہر اس کا مدار رویت ظاہرہ پر ہے یعنی دیکھنے میں اتصال نظر آئے مگر وجود مزارع یا قدر غلوہ بہر کیف موجب انقطاع ہے، کیونکہ فناء مصر صحت جمعہ میں اگرچہ مطلقاً بحکم مصر ہے مگر حکم قصر میں وجود مزارع یا قدر غلوہ الحاق بالمصر سے مانع ہے، البتہ فصل مذکور کے باوجود اگر عام عرف میں دو مقام ایک ہی شہر کے دو محلے سمجھے جاتے ہوں تو حکم اتحاد ہوگا (احسن الفتاویٰ ۴/ ۷۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکۃ المکرمہ اور منیٰ کے درمیان کم از کم قدر غلوہ کا فاصلہ تو ضرور ہے اور عرف میں بھی دونوں کو مستقل آبادی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا مذکور حاجی منیٰ میں رہتے ہوئے بھی مسافر ہی ہوگا۔

۱۳۔ بلاد عرب اور حرمین میں امام کے پیچھے وتر ادا کرنے کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، اگر جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھے تو بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے، اور اگر پڑھے تو دو سلام سے پڑھنا لازم آتا ہے، اس صورت میں یہ کرے کہ امام کے ساتھ پہلی دو رکعت میں نفل کی نیت کرے اور جب امام تیسری رکعات کے لئے کھڑا ہو تو اس وقت بھی دو رکعت نفل کی نیت سے کھڑا ہو اور امام کے سلام کے بعد مسبوق کی طرح اپنی ایک رکعت پڑھ لے، اور الگ سے اپنی جماعت کرلے تاکہ دونوں محظورات سے محفوظ ہو (نظام الفتاویٰ ۱/ ۷۲)۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

تیسرا باب مختصر تحریریں

حج اور عمرہ کے جدید مسائل اوران کا حل

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ[1]

۱،۲۔ حج وعمرہ کے قصد سے حدود میقات سے گزرنا ہو تو بالاتفاق میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد سے، مثلاً تجارت وغیرہ کی غرض سے حدود میقات میں داخل ہونا پڑے تو اس سلسلہ میں مشہور مسلک یہی ہے کہ میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں نت نئی ایجادات نے مسافتوں کے فاصلے کم کردئے ہیں، ایک ہی دن میں کئی مرتبہ پیشہ ور حضرات، مثلاً ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ کو حدود میقات میں آنا اور جانا پڑتا ہے، ایسے لوگوں پر ہر مرتبہ احرام کا لزوم جس مشقت وپریشانی کا باعث ہوگا، وہ محتاج بیان نہیں، اس لئے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے اس قول کو اختیار کیا جائے جو جمہور کی رائے کے موافق ہے، جسے علامہ سرخسیؒ یوں نقل فرماتے ہیں:

''وإن أراد دخولها للتجارة أوطلب غريم له فله فيه قولان في أحد قوليه لا يجب عليه الإحرام، لأن الإحرام غير مقصود لعينه بل لأداء النسك به بهذاالرجل غير قاصد أداء النسك فكان الحرم في حقه كسائر البقاع فكان له أن يدخلها بغير إحرام'' (المبسوط ۴،۱۶۷)۔

امام ابوحنیفہ کے اس قول سے واضح ہے کہ ایسے پیشہ ور حضرات جن کا بار بار حدود میقات میں داخل ہونا ہو، احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، لہذا دفع حرج کی خاطر موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے اس قول کو اختیار کیا جائے تو قرین صواب ہوگا۔

۳،۴۔ تمتع وقران کے سلسلہ میں مسئلہ یہی ہے کہ مکی کے لئے تمتع کی بالکل گنجائش نہیں، البتہ قران کرنا چاہے تو کراہت کے ساتھ اس کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: ''إن أهل مكة ومن في حكمهم لا يتصور منهم التمتع ويتصور منهم القران، لكن مع الكراهة'' (شامی ۲،۲۱۵)۔

علامہ شامی کے کلام سے معلوم ہوا کہ مکی کے لئے افراد ہی بہتر ہے، لیکن مکی کیلئے تمتع کی گنجائش نہ دینے کی صورت میں بالخصوص موجودہ زمانہ میں جس قدر مشقت وحرج ہے، وہ ظاہر ہے، کہ اشہر حج میں ناگزیر حالات میں میقات سے باہر نہ جانے کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی، کیوں کہ ضروریات زندگی انسان کے ساتھ ہر وقت لگی ہوتی ہے، اس لئے کسی شدید ضرورت کی بناء پر میقات سے باہر جانے کی نوبت آئے اور اسی سال حج کا ارادہ ہو تو مکی کو تمتع کی اجازت دینا مناسب ہوگا، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے۔

''وإن خرج المقيم بمكة سنة لحاجة في أشهر الحج ثم دخل محرما بعمرة ندب أن لا تلزمه'' (كتاب النيل ۴،۶۳)

۵۔ متمتع آفاقی شخص اپنے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد از روئے شریعت کسی اور عمل میں مشغول نہیں ہے، اور نفس عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، علامہ نوویؒ کا بیان ہے:

''ثم المعتمر إن كان متمتعا أقام بمكة حلالا يفعل ماأراد من الجماع وغيره ما كان عليه حرام بالإحرام

[1] سابق ناظم دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

فإذا أراد أن يعتمر تطوعا كان له ذلك ويستحب الإكثار من الاعتماد'' (کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرہ ۲۶۳)۔

۶:الف،ب۔ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر رمی نہ کر سکے تو رمی کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہے، کیوں کہ جب پورے حج میں نیابت درست ہے تو رمی حج کا ایک رکن ہے، اس میں عذر کی بناء پر نائب بنانا بدرجہ اولی درست ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں: ''ومن كان مريضا لا يستطيع الرمي يوضع في يده و يرمى بها أو يرمى عنه غيره'' (فتح القدیر ۲، ۴۹۸)۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ طاقتور اور جوان محض مرض کے احتمال و وہم یا ازدحام کی وجہ سے تن آسانی کے لئے نائب نہ بنائیں، بلکہ مشقت بھی ہو تو وقت مستحب کی بجائے ایسے جائز وقت کا انتخاب کرنے کی کوشش کریں،

جس میں رمی مباح قرار دی گئی ہے، جیسے غروب آفتاب سے دوسرے دن طلوع صبح سے پہلے تک کا وقت۔

۷۔ اول تو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس طرح کے قوانین جو اجتماعی سہولت اور نظم و نسق کی اصلاح کے لئے بنائے گئے ہیں، اس کی خلاف ورزی سے بچنا چاہئے، تاہم احرام باندھ لیا اور پولیس نے ارکان حج ادا کرنے سے روک دیا تو یہ ''محصر'' سمجھا جائے گا، اس احصار کی وجہ سے حلال ہونے کے لئے جو دم دیا جائے گا، اسے حرم بھیجنا ضروری ہے، اور بعد میں اس کی قضاء بھی اس کے ذمہ لازم ہوگی، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''المحصر في عرف الشرع هو اسم لمن أحرم ثم منع عن المضي في موجب الإحرام سواء كان المنع من العدو أو المرض أو الحبس و غيرها من الموانع'' (بدائع ۲، ۱۷۷-۱۷۵)۔

''وحكمه في الشرع أن يتحلل بشاة يبعثها إلى الحرم فقد ذبح هناك'' (فتاوی تاتارخانیہ ۲، ۵۳۵)۔

۸۔ یوم نحر کے افعال میں امام ابوحنیفہؒ ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں اور ترک ترتیب پر دم لازم قرار دیتے ہیں، صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ) کے نزدیک ان افعال میں تقدیم و تاخیر سے دم لازم نہیں، چنانچہ صاحب اللباب لکھتے ہیں:

''ومن أخر الحلق عن وقته حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة و كذلك إن أخر الطواف عنده عنها، وقالا لا شيئ عليه'' (اللباب فی شرح الکتاب ۱، ۲۱۰)۔

آج کل احکام حج سے ناواقفیت، قربانی گاہ کی دوری کے تحت اور قربانی کے اختیاری نظام میں سہولت کے تحت ان افعال میں ترتیب کا لحاظ دشوار ہوتا ہے، اس لئے موجودہ زمانہ میں صاحبین کے قول کے مطابق ان افعال حج میں ترتیب کا واجب نہ ہونا زیادہ قرین مصلحت نظر آتا ہے۔

۹:الف۔ آمر نے مامور کو صراحۃً تمتع کی اجازت دی ہو تو مامور آمر کی طرف سے تمتع ادا کر سکتا ہے، ''ودم القران والتمتع والجنايات على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفا فيضمن'' (تاتارخانیہ ۲، ۵۴۸)۔

ب،ج۔ حج ایک عبادت ہے، اور عبادت میں کسی کو اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے ادا کرے، لہذا آمر کی صریح اجازت کے بغیر مامور تمتع نہیں کر سکتا، چنانچہ محقق علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

''ولا ولاية للحاج في إيقاع نسك عنه لم يأمره به، ألا ترى لو لم يأمر بشيئ لم يجز أداؤه عنه فكذا لم يأمره بالعمرة'' (فتح القدیر ۳، ۱۵۳)۔

د۔ آمر کی اجازت کے بغیر تمتع درست ہی نہیں، اگر آمر کی اجازت سے تمتع کر رہا ہو تب بھی دم تمتع آمر پر نہیں بلکہ مامور پر لازم ہوگا، کیوں کہ اصلاً براہ راست مامور ہی تمتع سے متمتع ہو رہا ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا، ''ودم القران والتمتع والجنايات على الحاج إن أذن له الآمر''۔

ھ۔ حج بدل کرنے والا اجازت سے تمتع کر سکتا ہے، لہذا قانونی اعتبار سے افراد یا قران کی صورت میں جو دشواریاں پیش آسکتی تھیں، ان کا حل یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے تمتع کرے۔

و۔ اگر میت نے حج وعمرہ کی وصیت کی ہے تب تو اس کی طرف سے تمتع درست ہے، لیکن اگر وصیت نہیں کی ہے تو اس کی طرف سے تمتع کی گنجائش نہیں، کیوں کہ عبادت اجازت کے بغیر دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کی جاسکتی، اس سلسلہ میں علامہ سرخسیؒ کے کلام سے روشنی ملتی ہے۔

''لأن العمرة التي زادہا لایقع عن المیت لأنه لم یأمرہ بذلك ولا ولایة علیه للحاج فی أداء النسك عنه إلا بقدر أمرہ'' (المبسوط ۴،۱۵۵)۔

۱۰: الف، ب، ج، د۔ طواف کے لئے طہارت ضروری نہیں، بغیر طہارت کے بھی طواف درست ہے، اسی لئے حالت حیض میں عورت طواف افاضہ کرلے تو یہ فرض طواف کے لئے کافی ہوگا، البتہ حالت حیض میں طواف کرنے کی وجہ سے دم جنایت کے طور پر بدنہ کی قربانی لازم ہوگی، اور چوں کہ دم کی ادائیگی حرم ہی میں ہو سکتی ہے، اس لئے حرم ہی میں قربانی ضروری ہوگی، چنانچہ شامی میں ہے:

''ولو ہم الرکب علی القفول ولم تطہر فاستفتت ہل تطوف أم لا، قالوا یقال لها: لایحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعلیك ذبح بدنة'' (ردالمحتار ۲،۱۹۹)۔

''وجمیع ما یجب من الدماء یختص جواز ہا بالحرم'' (تاتارخانیه ۲،۵۳۶)۔

۱۱۔ شوہر کی وفات کی وجہ سے عورت اپنے افعال حج یا عمرہ کو ترک نہ کرے، بلکہ اسی حالت میں حج یا عمرہ مکمل کرے، جیسا کہ ''تاتارخانیہ'' کی عبارت سے واضح ہے:

''وإن لزمتها العدة بعد الخروج إلی الحج وہي مسافرة أوکانت عدة الوفاة إن کان بینها و بین منزلها مسیرة سفر فصاعدا وبینها وبین مکة دون ذلك فعلیها أن تمضي علیها'' (۲،۴۳۵)۔

۱۲۔ مذکورہ صورت میں اگر مکہ مکرمہ ومنیٰ دونوں کو ایک ہی آبادی تصور کیا جائے تب بھی منیٰ جانے کے بعد ۱۵ دن مکمل نہیں ہو رہے ہیں، تو یہ شخص مسافر کے حکم میں رہے گا، اور اگر ۱۵ دن مکمل ہو رہے ہیں تو مکان واحد ہونے کا اعتبار کرکے وہ شخص مقیم ہو جائے گا، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''إذا نوی الإقامة بمکة شہرا، ومن نیته أن یخرج إلی عرفات ومنی قبل أن یمکث بمکة خمسة عشر لایصیر مقیما لأنه یکون ناویا الإقامة، مستقبلة فلا یعتبر'' (منحة الخالق علی البحر ۲،۱۴۲)۔

البتہ مکہ ومنیٰ دونوں کو ایک ہی آبادی شمار کرے یا نہ کرے، اس سلسلہ میں ایک اصولی بات یہ ہے کہ شہر اور اس سے متصل آبادی کے درمیان کوئی مزرعہ وغیرہ یا قدر غلوہ کا فصل نہ ہو تو وہ آبادی اس شہر میں شامل سمجھی جائے گی، اس اصول کے مطابق مکہ ومنیٰ میں اتصال ہے تو انہیں مکان واحد شمار کرنا چاہئے، ورنہ نہیں، چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''إن کان بینه وبین المصر أقل من قدر غلوة ولم یکن بینهما مزرعة یعتبر مجاوزة الفناء أیضا'' (۱،۱۶۷)۔

۱۳۔ حرمین شریفین میں حنفی نقطۂ نظر کے اعتبار سے ایک بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ حرمین میں وتر کی نماز دو سلام کے ساتھ ہوتی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ ہیں، اجتماعیت کو برقرار رکھنے اور حرم شریف میں جماعت کی فضیلت سے سرفرازی کے لئے مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ میں مشہور حنفی فقیہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی رائے پر عمل کرلیا جائے، جو فصل کے ساتھ وتر پڑھنے والے امام کی اقتداء کو درست قرار دیتے ہیں:

''لایجوز اقتداء الحنفي بمن یسلم من الرکعتین فی الوتر، وجوزہ أبوبکر الرازيؒ ویصلي معه بقیة الوتر لأن إمامه لم یخرج بسلامه عندہ وہو مجتہد فیه کما لو اقتدی بإمام قد رعفؒ'' (البحر الرائق ۲،۳۹)۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے حل طلب مسائل

مولانا عتیق احمد بستوی [1]

۱، ۲۔ جو آفاقی حج یا عمرہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی فقہاء حنفیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہوں اور حج یا عمرہ کریں، یہ مسلک حنفیہ کے علاوہ بعض دوسرے فقہاء کا بھی ہے، اس سلسلے میں حنفیہ کے یہاں کوئی استثناء نہیں ملتا، لیکن میرے نزدیک ان حضرات کو احرام کی اس پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے جنہیں تجارت، ملازمت یا کسی اور وجہ سے بار بار مکہ مکرمہ سے خارج میقات آمد ورفت کرنی پڑتی ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے ہر آمد ورفت پر میقات میں داخل ہوتے ہوئے احرام باندھنا اور عمرہ یا حج کرنا انتہائی حرج ومشقت کی بات ہے، ایسی حرج ومشقت کی صورت میں فقہ حنفی سے عدول کر کے دوسرے فقہاء کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے احرام کو لازم نہ قرار دینا خود فقہ حنفی کے اصول وضوابط کے مطابق ہے۔

۳، ۴۔ جمہور فقہاء کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک مکی کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے۔ سوال نمبر ۴ میں مذکور مشکل کا حل علامہ شامی کی تشریح وتعبیر کے مطابق خود فقہ حنفی میں موجود ہے۔ علامہ شامی کا کہنا یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ کی عبارت ''لاتمتع لمکی'' کا مطلب یہ ہے کہ مکی کی طرف سے تمتع متصور ہی نہیں ہے، کیونکہ تمتع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں اشہر حج میں الگ الگ احرام کے ساتھ اس طرح عمرہ اور حج کیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان اپنے اہل کے ساتھ "المام صحیح" نہ ہو، اور مکی نے جب عمرہ کرنے کے بعد مکہ میں قیام کیا اس کے بعد احرام باندھ کر حج کیا تو عمرہ اور حج کے درمیان ''المام صحیح'' پایا گیا اس لئے تمتع نہیں پایا گیا، لہذا نہ دم تمتع لازم ہوگا نہ دم جنایت۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہ حنفی میں دونوں قول ملتے ہیں، اختلاف سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ مزید عمرے نہ کرے بلکہ جس قدر ہو سکے خانہ کعبہ کا طواف کرے، اذکار، نوافل، تلاوت وغیرہ میں وقت گذارے۔

۶ (الف، ب)۔ رمی میں نیابت صرف مریض یا ضعیف ومعذور کے لئے ہوسکتی ہے، محض ازدحام کے خوف سے کوئی عذر شرعی نہ ہونے کے باوجود خود رمی نہ کرنا بلکہ کسی کو نائب بنا کر رمی کرا دینا درست نہیں ہے۔

۷۔ ایسے لوگوں پر محصر کے احکام جاری ہوں گے۔

۸۔ رمی، ذبح، حلق کی ترتیب کے مسئلہ میں سوال میں مذکور دشواریوں کی بنا پر صاحبین اور دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۹: الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے۔

ب، ج۔ بہتر تو یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر سے صراحۃً حج بدل کی اجازت لے لے، لیکن اگر ایسا نہیں کرسکا تو دلالۃً اجازت بھی جواز تمتع کے لئے کافی ہے، خصوصاً جبکہ یہ عرف بن چکا ہے کہ آج کل حج پر جانے والے عموماً تمتع ہی کرتے ہیں اور آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت دینے میں تنگی نہیں کی جاتی ہے۔

دم تمتع مامور (حج بدل کرنے والے) کے ذمہ ہے، ہاں اگر آمر بطیب خاطر از خود دم تمتع کی قیمت دے دے تو آمر اسے قبول کرسکتا ہے۔

[1] ناظم تفسیر وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

ھ۔ مذکورہ بالا شقوں (الف، ب، ج، د) کے جواب کے بعد اس شق کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع کی گنجائش ہے، ہاں اگر میت نے صراحۃً حج اِفراد ہی کی وصیت کی ہو تو تمتع نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰: الف۔ سوال میں مذکور مجبوریوں اور دشواریوں کی بنا پر حیض یا نفاس والی عورت کے لئے ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے۔

ب۔ رکن ادا ہوگیا۔

ج۔ بدنہ ذبح کرنا ہوگا اور حرم میں ذبح کرنا ہوگا، کسی اور مقام پر نہیں۔

۱۲۔ مکہ اور منیٰ کی آبادی اگر بالکل متصل ہو چکی ہو اور دونوں کی بلدیہ بھی ایک ہو یعنی انتظامی طور پر حکومت دونوں کو ایک شہر مانتی ہو تو سوال میں مذکور صورت میں انسان مقیم قرار پائے گا اور نمازوں میں قصر کے بجائے اتمام کرے گا، اور اگر مذکورہ بالا صورت حال نہ ہو تو قصر کرے گا۔

۱۳۔ امام ابوبکر جصاص رازی اور بعض دوسرے فقہاء حنفیہ کی صراحت کے مطابق حنفی وتر میں ایسے امام کی اقتداء کرسکتا ہے جو اپنے مسلک کے مطابق دو رکعت پر سلام پھیر کر تین رکعت وتر پوری کرتا ہو۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا شمس پیرزادہ[1]

۱۔ جو لوگ حج وعمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو کیا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں؟

حدیث میں میقات کا حکم جہاں بیان کیا گیا ہے وہاں یہ صراحت بھی ہے کہ: "ممن كان يريد حجا أو عمرة" (جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو)۔

یعنی میقات سے گزرنے والا حج یا عمرہ کی نیت سے گزر رہا ہو تو اسے میقات سے احرام باندھ لینا چاہئے، بالفاظ دیگر جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے نہیں گزر رہا ہو اس پر احرام کی پابندی نہیں ہے۔ اس صریح حدیث کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی مثال بھی اس کی تائید میں موجود ہے، فتح مکہ کے موقع پر آپ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے، ترمذی کی روایت ہے:

''إن النبی ﷺ دخل یوم الفتح مکة وعلی رأسه عمامة سوداء، وقال هذا حدیث حسن صحیح'' (نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا، ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

مغنی میں ہے: ''جو شخص حرم میں داخل ہونا چاہتا ہو خواہ مکہ میں یا اس کے باہر، تو اس کی تین صورتیں ہیں: ایک وہ شخص جو جائز قتال کے لئے یا خوف کی وجہ سے یا بار بار پیش آنے والی ضرورت کی وجہ سے مثلاً گھاس والا، لکڑی والا یا کھانے کی چیزیں لانے والا، نیز وہ شخص جس کی وہاں ملکیت ہو جس کی وجہ سے بار بار جانا آنا پڑ رہا ہو تو ایسے اشخاص پر احرام کی پابندی نہیں ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ کے سر پر مغفر تھا، اسی طرح صحابہ بھی داخل ہوئے تھے، اور ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ان میں سے کسی نے اس دن احرام باندھا تھا، اگر ہم ہر اس شخص پر جس کو بار بار داخل ہونا پڑتا ہو احرام کو واجب قرار دیں تو انہیں ہر وقت احرام کی حالت میں رہنا ہوگا لہذا یہ پابندی حرج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، اور یہی قول امام شافعی کا ہے'' (مغنی ۳/ ۲۶۸)۔

۲۔ آج کل اہل مکہ کا حدود حرم سے باہر جا کر پھر مکہ مکرمہ واپس آنا ہوتا ہے نیز مدینہ منورہ وغیرہ کے باشندوں کا بھی مختلف اغراض سے بار بار مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے مثلاً ٹیکسی ڈرائیور، تجارتی سامان لانے لے جانے والے ملازمین اور تجارتی کمپنیوں کے ایجنٹوں کو بار بار حدود حرم کے اندر باہر آمد ورفت کرنی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہر بار میقات میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنا اور ارکان عمرہ کی ادائیگی دقت طلب اور وقت طلب ہے، جن فقہاء کے نزدیک حرم مکی میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لئے خواہ وہ حج یا عمرہ کی نیت نہ رکھتا ہو احرام باندھ کر میقات کے اندر داخل ہونے کی پابندی ہے، کیا ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک حنفی فقہ کا تعلق ہے اس معاملہ میں بڑی سختی ہے، علامہ سرخسی لکھتے ہیں: ''مکہ کا رہنے والا اگر اپنی ضرورت سے مکہ سے باہر چلا جائے لیکن وقت (حرم) سے باہر نہ نکلے تو وہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، اور اگر حرم کے باہر چلا جائے تو وہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ جو شخص کسی جگہ جانے کا ارادہ کرے تو اس کا معاملہ احرام کے حکم میں اس جگہ کے رہنے والے کے معاملہ جیسا ہی ہوگا'' (المبسوط ۴/ ۱۷۰)۔

[1] سابق صدر ادارہ دعوۃ القرآن بمبئی۔

لیکن یہ قول موجودہ حالات میں قابل عمل نہیں ہے اور اس کی پشت پر کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہے، لہٰذا اہل مکہ وغیرہ کی ان ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے جو اس وقت پیش آ رہی ہیں اور چونکہ ان کے لئے ہر وقت احرام کی پابندی ایک ناقابل عمل بات ہے اور یہ پابندی تعطل پیدا کرنے کا موجب ہے اس لئے ان پر احرام کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔

اس لئے اس سوال کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں وہی ہے جو اوپر سوال نمبر (۱) کے جواب میں بیان ہوا۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں یعنی مکی کے لئے تمتع وقران کی گنجائش ہے یا نہیں؟

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: ''أما المکي فلأنه لیس له أن یتمتع بالنص لأن الله تعالی قال في ذلك لمن لم یکن أهله حاضري المسجد الحرام''۔ (جہاں تک مکہ میں رہنے والے کا تعلق ہے اس کے لئے تمتع جائز نہیں یہ نص قرآنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے، تمتع اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں)۔

نیز لکھتے ہیں: ''اگر مکہ کا رہنے والا یہ شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر اسی سال حج کرے تو اس کی حیثیت تمتع کرنے والے کی نہیں ہوگی'' (المبسوط ۱۶۹/۴)۔

علامہ سرخسی کی رائے قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے مطابقت رکھتی ہے، لہٰذا مکہ کا رہنے والا اگر حج کے مہینوں میں عمرہ کرتا ہے تو اس کی حیثیت تمتع کرنے والے کی نہیں ہوگی بنابریں اس پر ہدی دینے کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سوال کا جواب سوال نمبر (۳) کے جواب میں گزر چکا، اتباع قرآن وسنت کی ہونی چاہئے نہ کہ مسالک کی، موجودہ حالات میں جو مسائل پیدا ہو گئے ہیں ان کا اندازہ ایک ہزار سال پہلے کے فقہاء کو کہاں تھا، پھر ان کے اقوال پر جمے رہنا اور قرآن وسنت سے براہ راست تحقیق نہ کرنا محض تقلید جامد ہے اور مشکلات میں اضافہ کا باعث بھی۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کی کوئی مثال دور رسالت میں نہیں ملتی کہ تمتع کرنے والے آفاقی شخص نے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کئے ہوں، جب مکہ میں آدمی موجود ہو تو اس کا باہر جا کر عمرے کے قصد سے مکہ میں داخل ہونا سراسر تکلف ہے کیوں کہ عمرہ تو حقیقۃً خانہ کعبہ کی زیارت ہے، اور جب مکہ میں رہتے ہوئے زیارت کا فیض اٹھایا جا سکتا ہے تو باہر جا کر زیارت کے لئے آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ اگر کوئی شخص عمرہ کرنے کے بعد حج کے مہینوں میں ضرورۃً میقات کے باہر چلا جائے مثلاً مدینہ کا سفر کرے تو واپسی میں میقات سے احرام باندھ کر دوسرا عمرہ ادا کر سکتا ہے کیونکہ یہ صورت تکلف کی نہیں ہے۔

رہا حضرت عائشہ کا عمرہ کے لئے مکہ سے تنعیم جانا تو یہ عذر کی بنا پر تھا اور یہ عمرہ حج کے بعد کیا گیا تھا۔

۶: الف۔ عمل رمی میں کوئی شخص دوسرے کی نیابت عذر کی بنا پر کر سکتا ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

''حججنا مع رسول الله ﷺ ومعنا النساء والصبیان فلبینا عن الصبیان ورمینا عنهم'' (فقه السنة ۱،۷۳۵)۔

(ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے تھے تو ہم نے بچوں کی طرف سے لبیک کہی اور ان کی طرف سے رمی کی)۔

مغنی میں ہے: ''إذا کان الرجل مریضاً أو محبوساً أو له عذر جاز أن یستنیب من یرمی عنه'' (مغنی ۳،۲۹۰)۔

(اگر آدمی مریض ہو یا محبوس ہو یا اسے کوئی عذر ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو نائب بنائے جو اس کی طرف سے رمی کرے)۔

ب۔ رمی میں اگر نیابت ہوسکتی ہے تو صرف مریض یا معذور کے لئے یا ہر شخص کے لئے، اس معذوری کی کیا حد ہے جس کی وجہ سے نیابت جائز ہے، کیا محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہے؟

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: ''مریض جو جمار کی رمی نہ کرسکتا ہو اس کے ہاتھ میں کنکری رکھ دی جائے تاکہ وہ رمی کرسکے کیونکہ جس کام کے کرنے سے وہ عاجز ہو اس کے لئے وہ دوسرے شخص کی مدد لے سکتا ہے، اور اگر اس کی طرف سے کسی نے رمی کی تو وہ ادا ہوجائے گی کہ اس کا حال بے ہوش شخص کی طرح ہے اور وجہ یہ ہے کہ نسک میں نیابت چلتی ہے جس طرح ذبح کرنے میں نیابت جائز ہے'' (المبسوط ۱۶۹/۴)۔

اور بدائع میں ہے کہ معذور شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا رمی کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں مزید وضاحت ہے:

''لأن أفعال الحج تجرى فيها النيابة كالطواف والوقوف بعرفة ومزدلفة والله أعلم'' (بدائع ۱۳۷/۲)۔

(کیوں کہ حج کے افعال میں نیابت روا ہے، مثلاً طواف اور عرفہ ومزدلفہ میں وقوف)۔

نیابت صرف معذور شخص کے لئے ہے ہر شخص کے لئے نہیں، البتہ موجودہ حالات میں جب کہ حج کے لئے بیس بیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے اور رمی کے دوران ازدحام کی وجہ سے حادثات ہوتے رہتے ہیں اور کتنے ہی لوگ کچلے جاتے ہیں اور اموات واقع ہوتی ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ازدحام کی کثرت سے گھبراتے ہوں اور ازدحام میں چلنے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں بالخصوص عورتیں اور بوڑھے ان کا رمی کے لئے کسی کو نائب بنانا درست ہوگا۔

۷۔ بہتر ہوتا اگر اس سوال کا جواب دار الافتاء ریاض سے حاصل کیا جاتا۔

علامہ سرخسی نے احصار کی تحقیق میں لکھا ہے: ''کیوں کہ اہل لغت کہتے ہیں احصار مرض کی صورت میں ہوتا ہے، اور دشمن کی طرف سے رکاوٹ پیش آجانے پر کہا جاتا ہے حصر اور وہ محصر ہوا، اور مرض میں کہا جاتا ہے أحصر اور وہ محصر ہوا۔ فراء رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: دشمن اور مرض دونوں رکاوٹوں کی صورتوں میں احصر کہا جاتا ہے، اور خاص طور پر دشمن کے تعلق سے حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لہذا اس بات پر سب اہل لغت متفق ہیں کہ لفظ احصار کا اطلاق مرض کی صورت میں بھی ہوتا ہے'' (المبسوط ۱۰۸/۴)۔

رہی قانونی رکاوٹ تو وہ اس زمانہ کا مسئلہ ہے، سعودی حکومت نے یہ پابندی حاجیوں کی کثرت سے پیدا ہونے والے مسائل کے پیش نظر عائد کی ہے اور حاجیوں کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کچھ قانونی پابندیاں بھی عائد کی جائیں تاکہ حاجیوں کو ارکان کی ادائیگی میں غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے اور حادثات کم سے کم ہوں، لہذا اگر کوئی شخص حکومت سے اجازت لئے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو اس کے اس فعل کو صحیح نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ یہ خلاف مصلحت ہے اور قانوناً اس کو اس کا حق نہیں ہے، لہذا حکومت اگر ایسے شخص کو پکڑ کر واپس بھیج دیتی ہے تو وہ محصر کی تعریف میں نہیں آتا اور اس پر ہدی کی پابندی نہیں ہے، احصار تو اس صورت میں ہے جب کہ اس کا سفر حج یا سفر عمرہ صحیح ہو اور پھر دشمن یا مرض وغیرہ کی طرف سے رکاوٹ کھڑی ہوجائے، واللہ اعلم۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب مسنون ہے واجب نہیں، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

''عن ابن عباس قال كان النبى ﷺ يسئل يوم النحر بمنى فيقول لا حرج فسأله رجل فقال حلقت قبل أن أذبح قال اذبح ولا حرج وقال رميت بعد ما أمسيت فقال لا حرج'' (بخاری: کتاب المناسك)۔

(حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے یوم النحر کو منیٰ میں سوالات کئے جاتے تو آپ جواب میں فرماتے: کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے پوچھا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا: قربانی کرلو کوئی حرج نہیں، اس نے کہا میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں)۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ترتیب مطلوب تو ہے لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب برقرار نہیں رہ سکی تو مذکورہ مناسک ادا ہوجائیں گے اس توسع کے

بعد جو حدیث میں بیان ہوا ہے، فقہی تنگی پیدا کر کے لوگوں کے لئے مشکلات پیدا کرنا صحیح نہیں، موجودہ حالات میں منیٰ میں قربانی کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے جو ادارے حکومت کی اجازت سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں ان کی یہ خدمت لائق قدر ہے، دارالافتاء ریاض سے وہاں کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ اس کے جواز میں شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عام طور پر معروف حج تمتع ہے اِفراد یا قران شاذ و نادر ہے، کیا اس صورت میں حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا؟

جی ہاں عرف کا اعتبار کیا جائے گا اور حج بدل کے لئے جس کو بھیجا جائے گا اس کا تمتع کرنا صحیح ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع ہی کو ترجیح دی ہے اور صحابہ کرام کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی تھی، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ حج بدل کرنے والا تمتع نہ کرے، حج کے ساتھ عمرہ کی تکمیل کا حکم قرآن نے دیا ہے "وأتموا الحج والعمرة لله" (سورہ بقرہ: ۱۹۶) (حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو)۔

حج بدل میں حج کے ساتھ عمرہ کرنا اس حکم کے بالکل مطابق ہے، اس کے لئے آمر کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ حج عن المیت کی صورت میں بھی تمتع ہی کیا جانا چاہئے۔

۱۰۔ کوئی حج کرنے والی عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی، اس کے لئے پاکی کا انتظار نا قابل عمل ہے کیوں کہ اس کا ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہے یا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی نہیں ہو پا رہی ہے ایسی عورت کیا کرے؟

یہ بات صحیح نہیں کہ ویزا اس طرح ختم ہو جاتا ہے کہ حیض والی عورت کو طواف زیارت کا موقع نہیں ملتا، ویزا کی مدت موسم حج ہے جو کم از کم ذوالحجہ کے اخیر تک رہتی ہے گویا حائضہ کو کم از کم بیس دن کا موقع طواف زیارت کے لئے مل جاتا ہے، اس لئے کوئی قانونی دشواری نہیں ہے، رہا جہاز کی تاریخ میں تبدیلی کا مسئلہ تو یہ بھی ممکن ہے، عام طور سے لوگ مقررہ تاریخوں میں تبدیلی کراتے رہتے ہیں، اور اس عذر کو کہ عورت حیض کی وجہ سے طواف زیارت نہیں کر سکتی ایرلائنز کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ضرور تاریخ تبدیل کر دیں گے۔

بصورت آخر حائضہ عورت طواف زیارت کے لئے اپنے ساتھی کو یا کسی اور شخص کو نائب بنا سکتی ہے کیونکہ مناسک میں مجبوری کی صورت میں نیابت کی گنجائش ہے۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟

ایسی صورت میں عورت ایام عدت میں عمرہ وحج ادا کر سکتی ہے کیونکہ حج یا عمرہ کا سفر ایک معقول اور شرعی عذر ہے۔

۱۲۔ حج کے دوران منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نماز قصر پڑھنا اور عرفات میں اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کرنا حج کے مناسک میں داخل ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ رہا اور آپ نے اس موقع پر ایسی کوئی ہدایت نہیں دی کہ جو شخص مکہ میں مقیم رہا ہو وہ قصر یا جمع نہ کرے۔

۱۳۔ رمضان میں جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں نیز سعودیہ وغیرہ میں مقیم حنفیہ کے لئے ایک مسئلہ وتر میں اقتداء کا ہے کہ امام فصل کے ساتھ وتر ادا کرتا ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ جماعت و مجمع کی رعایت میں وہ امام مسجد کی اقتداء کرے؟

اگر اس کا جواب حنفی مسلک کی رو سے مطلوب ہے تو حنفی علماء ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں ورنہ شریعت نے تو امام کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے، اور اختلافی مسائل میں اگر امام کی اقتداء نہیں کی گئی تو تفرقہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے متعلق اہم مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی[1]

۱۔ صورت مذکورہ میں علماء حنفیہ کے نزدیک مسئلہ تو یہی ہے کہ اگر کوئی میقات کے باہر سے آئے تو دخول مکہ کے لئے اس پر ضروری ہے کہ میقات سے احرام باندھے، لیکن وہ لوگ جو ملازمت یا کاروبار کی وجہ سے بار بار مکہ آتے اور جاتے ہیں ایسے لوگ اگر ہر بار احرام باندھ کر آئیں اور پھر عمرہ ادا کریں تو ان کے کاموں میں بڑا خلل واقع ہوگا اور اس مشقت سے نظم وانتظام درہم برہم ہوجائے گا، شریعت مطہرہ میں ایسی مشقت اور حرج مدفوع ہے اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اصول فقہیہ جو علماء حنفیہ نے قائم کئے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ حرج دفع کردیا جائے۔

چنانچہ الاشباہ والنظائر کے القاعدۃ الرابعہ میں ہے: "المشقة تجلب التيسير" (مشقت آسانی کو کھینچتی ہے) اور خود قرآن پاک میں ہے:

''يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر'' (اللہ تعالیٰ تم سے آسانی چاہتا ہے اور تم سے سختی نہیں چاہتا)۔

اور دوسری جگہ ہے: ''وما جعل عليكم في الدين من حرج'' (اور دین کے سلسلہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں بنایا)۔

علماء نے فرمایا: اسی قاعدہ کے تحت شریعت کی تمام رخصتیں نکلتی ہیں۔

ہدایہ جلد اول کتاب الحج میں ہے: ''اور جو شخص میقات میں رہتا ہو اس کو مکہ میں بغیر احرام کے اپنی ضرورت کی وجہ سے داخل ہونا جائز ہے، اس لئے کہ مکہ میں اس کا دخول کثرت سے ہوگا اور ہر مرتبہ احرام کے واجب کرنے میں کھلی ہوئی تنگی ہے تو اس اعتبار سے اہل مکہ کے لئے ان کی ضرورت کی وجہ سے مکہ سے خروج ودخول بغیر احرام کے مباح ہوگیا، بخلاف اس صورت کے جب کہ حج کی ادائیگی کا ارادہ کرے، اس لئے کہ اس کا تحقق کبھی کبھی ہوتا ہے تو کوئی تنگی نہیں ہے'' (ہدایہ کتاب الحج)۔

صاحب ہدایہ کی اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جو لوگ مکہ مکرمہ اکثر آتے جاتے ہیں اور میقات کے اندر رہتے ہیں اگر ان کے لئے احرام ضروری قرار دیا جائے تو وہ تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہوجائیں گے، لہذا وہ اہل مکہ کے مثل ہیں، میقات یا اس کے اندر کے رہنے والے بلا احرام آجاسکتے ہیں، البتہ وہ عمرہ یا حج کی نیت سے جانا چاہیں تو بلا احرام باندھے نہیں جاسکتے، کیوں کہ یہ کبھی کبھی ہوتا ہے، لہذا آج کی ضروریات اور کثرت آبادی اور قسم قسم کی تیز رفتار سواریوں نے مکہ میں آمد ورفت کو کثیر بنادیا اور صاحب ہدایہ کی اس تعلیل کے پیش نظر ایسے لوگ جو ملازمت یا پیشہ وغیرہ کی ضرورت سے بار بار مکہ آتے جاتے ہیں انہیں احرام باندھنا معاف ہے، ورنہ وہ لوگ مشقت میں پڑ جائیں گے اور مشقت مدفوع ہے، البتہ عبادت کی نیت سے آئیں یا کبھی کبھار آنے کا اتفاق ہو تو احرام باندھ کر آئیں کیوں کہ اس میں مشقت نہیں پائی جاتی۔

۳۔ مکی کے لئے حج تمتع اور حج قران درست نہیں ہے، کیونکہ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے وہ جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے، اس کی ضرورت صرف آفاقی کے لئے ہے، کیوں کہ وہ بار بار سفر کے کثیر مصارف برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کو یہ چھوٹ دی کہ ایک ہی سفر میں وہ دو عبادتوں سے فائدہ حاصل کرسکے، لیکن اگر مکی حج تمتع یا قران کرے تو اس کا حج ہوجائے گا، مگر ایک دم بطور جرمانہ دینا پڑے گا۔

۴۔ وہ لوگ جو مکہ میں رہتے ہیں ان کے لئے یہ حیلہ ہے کہ یہ ایسے مقام کے قصد اور نیت سے واپس آجائیں جو حل میں ہے جیسے جدہ، پھر وہاں سے بلا احرام باندھے مکہ میں داخل ہوجائیں، چنانچہ درمختار کی کتاب الحج میں ہے:

[1] دار العلوم وجیہہ رام پور، یوپی۔

''أما لو قصد موضعا من الحل'' (بہر حال اگر حل میں سے کسی مقام کا ارادہ کرے)۔ اور رد المحتار میں ہے:

''قصداً أولیا کخلیص وجدۃ حل مجاوزتہ بلا إحرام'' (جیسے خلیص اور جدہ تو اس کی آمد ورفت بغیر احرام کے حلال ہے)۔ اگر بار بار آنا جانا پڑتا ہو تو ''الضرورات تبیح المحظورات'' (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں) اور وہ دلائل جو اوپر آ چکے ہیں ان کی روشنی میں بلا احرام باندھے مکہ میں آسکتا ہے، مزید احتیاط یہ کرے کہ ایک دم جنایت دیدے اور پھر حج کے موقع پر حج إفراد کا احرام باندھ کر حج إفراد ادا کرے۔

۵۔ قوی اور صحیح بات یہ ہے کہ آفاقی عمرہ سے فارغ ہو کر اگر مزید عمرہ کرنا چاہے تو حج کا احرام باندھنے سے پہلے کرسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

''تنبیہ: أفاد أنہ یفعل مایفعلہ الحلال فیطوف بالبیت مابدا لہ ویعتمر من العمرۃ فی أشہر الحج وإن لم یحج'' (رد المحتار باب التمتع ۲؍۶۸۶) (معلوم یہ ہوا کہ وہ وہی افعال کرے جو غیر محرم کرتا ہے، چنانچہ بیت اللہ کا طواف کرے جو ہو سکے، اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اگر چہ حج نہ کرے)۔

۶۔ عبادت کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ بدنی، ۲۔ مالی، ۳۔ دونوں سے مرکب۔ بدنی میں نیابت کسی حال میں جائز نہیں ہے، جیسے نماز، عبادت مالی میں نیابت جائز ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو۔ جو عبادت دونوں سے مرکب ہے اس میں بلا عذر نیابت جائز نہیں، البتہ عذر میں جائز ہے، جیسے حج اور اس کے متعلق افعال اس تیسری قسم میں داخل ہیں، لہذا اس میں عذر کی وجہ سے نیابت درست ہے، جیسے حج بدل۔ اور بلا عذر درست نہیں ہے، پس ایسے بوڑھے اور کمزور جو جمرات تک نہیں جاسکتے، یہاں تک کہ وہ سواری پر بھی نہیں جاسکتے، یا سواری جمرات تک نہیں جاسکتی تو ان کے لئے رمی میں اپنا نائب بنانا جائز ہے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو اپنی جسمانی بناوٹ یا قلبی امراض کی وجہ سے اس مجمع کے ازدحام کو برداشت نہیں کرسکتے وہ بھی اپنا نائب بنا سکتے ہیں۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: ''اعلم أن أسباب التخفیف فی العبادات وغیرھا سبعۃ'' (جان لو کہ عبادات اور غیر عبادات میں تخفیف کے سات اسباب ہیں)، اس کا دوسرا سبب یہ ہے: ''الثانی المرض ورخصہ کثیرۃ'' (دوسرا سبب مرض ہے اور اس کی رخصتیں بہت ہیں)۔

اسی کے تحت بیان کیا ہے: ''والاستنابۃ فی الحج وفی رمی الجمار'' (اور حج ورمی جمار میں نائب بنانا)۔ پس تندرست لوگ جو جمرات تک جا سکتے ہیں ان کے لئے ازدحام کے خوف سے نیابت درست نہیں ہے، ایسے لوگ نائب بنائیں گے تو ان کو دم دینا پڑے گا۔ گیارہ اور بارہ تاریخ میں غروب آفتاب کے بعد بھی رمی کرسکتا ہے گو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، مگر فی زمانہ حجاج کی کثرت اور وقت کی کمی کو دیکھتے ہوئے کراہت کا قول بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔ عذر کی حد یہ ہے کہ ایسی بیماری اور کمزوری کہ جس کی وجہ سے حاجی جمرات تک نہ جاسکے۔

الف۔ عذر کی حالت میں دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے۔

ب۔ ہر شخص کے لئے نائب بنانا جائز نہیں ہے اور نہ بھیڑ کے خوف سے نائب بنانا جائز ہے۔

۷۔ یہ لوگ اگر حالت احرام میں پکڑ لئے جائیں تو ان کے لئے محصر کا حکم ہے اور ان پر ہدی بھی نہیں ہے۔

رد المحتار میں ہے: ''اور جان لو کہ جس کو کسی حق کی وجہ سے موجب احرام میں گزرنے سے روک دیا جائے تو وہ بغیر ہدی کے حلال ہو جائے گا، جب عورت یا غلام شوہر یا آقا کی اجازت کے بغیر احرام باندھیں تو ان دونوں کو چاہئے کہ فوراً حلال ہو جائیں جیسا کہ اس کا بیان حج کے اخیر میں آئے گا اور ان کا حلال ہونا ذبح کرنے پر موقوف نہیں ہوگا'' (رد المحتار)۔

چونکہ یہ لوگ اس ویزا سے گئے ہیں جو کام کرنے کے لئے ہے حج اور عمرہ کرنے کے لئے نہیں ہے، ان کو اپنا کام بلا اجازت اس شخص کے جس کے یہ ملازم ہیں چھوڑنا جائز نہیں ہے، نہ ان کو حکومت کی بلا اجازت اس مقام کا چھوڑنا درست ہے، پس یہ بیوی یا غلام کے حکم میں ہے۔

۸۔ احناف کے نزدیک متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح، حلق میں ترتیب واجب ہے، بقیہ اماموں کے نزدیک سنت ہے، اس لئے حنفی کے لئے لازم ہے کہ ان میں ترتیب قائم رکھے ورنہ اس کو دم دینا پڑے گا۔

میرے نزدیک گورنمنٹ کی طرف سے جو ادارے یا بعض سماجی کمیٹیوں کی طرف سے ادارے قربانی کی رقم جمع کرتے ہیں ان سے ذبح کا وقت طے کر لینا چاہئے، چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اب وہ ادارہ ذمہ دار ہو گیا اور قربانی کرنے والا بری الذمہ ہو گیا، اگر وہ اپنے وقت پر قربانی نہیں کرے گا اور یہ حلق کرالے گا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور درحقیقت یہ تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ اس نے وقت معین پر قربانی نہیں کی اور وعدہ خلافی کی، پس مسلمان کو بے دلیل بدعہد اور جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۹۔ عام طور سے حج بدل میں بھیجنے والوں کو حج کی قیمتیں معلوم ہی نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تمتع کے معنی اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اس کو عرف میں داخل کر لیا جائے۔

الف۔ البتہ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

ب۔ اجازت دو قسم کی ہوتی ہے صراحۃً اور دلالۃً۔

ج۔ اگر دلالۃً بھی آمر کی اجازت ہو تو حج تمتع ہو جائے گا، مثلاً اگر آمر سے کہتے تو وہ اجازت دیدیتا اور کوئی تامل نہ کرتا۔

د۔ دم تمتع مامور کے ذمہ میں ہوگا، لیکن اگر آمر نے مصارف حج کا اس کو مالک بنا دیا تو پھر دم تمتع آمر کے مال میں سے ہوگا۔

ھ۔ اس کا جواب پہلے آچکا ہے کہ آمر کی اجازت سے حج تمتع جائز ہے خواہ دلالۃً اجازت ہو۔

و۔ بہتر تو یہی ہے کہ حج اِفراد کرے لیکن سفر کی صعوبت کی وجہ سے آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے۔

۱۰: الف۔ ایسی عورت ناپاکی میں طواف زیارت کر سکتی ہے۔

ب۔ اس کا رکن ادا ہو جائے گا یعنی طواف افاضہ ادا ہو جائے گا اور اس پر دم واجب ہو جائے گا۔

ج۔ اس کے ذمہ بدنہ ہوگا، بکرا وغیرہ سے کام نہیں چلے گا، ایک بدنہ (گائے یا اونٹ) ذبح کرے۔

د۔ اس کی ادائیگی حرم میں ہی ضروری ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

"بعض محشین نے منسک ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ واپس ہونا چاہے اور کوئی عورت اس میں پاک نہ ہو تو پوچھا کہ وہ طواف کرے گی یا نہیں تو لوگوں نے کہا کہ اس سے کہا جائے کہ تم کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور اگر داخل ہوگئی اور طواف کر لیا تو گنہگار ہوگی اور طواف درست ہوگا، لیکن اس پر (بدنہ) یعنی گائے یا بھینس ذبح کرنا واجب ہوگا" (شامی)۔

میں کہتا ہوں کہ وہ صاحب عذر ہے اور مجبور ہے قانون اس کے ہاتھ میں نہیں ہے نہ نظم اس کے اختیار میں ہے، لہذا اس کو بتایا جائے کہ وہ طواف کرے اور ایک بدنہ ذبح کرے اور گھر کو جائے، ان شاء اللہ گنہگار بھی نہ ہوگی۔

۱۱۔ درحقیقت جس کے شوہر کا انتقال سفر میں ہو جائے تو اگر اس کا وطن مدت سفر سے کم ہے تو وہ وطن واپس ہو جائے اور اگر جہاں جا رہی ہے مثلاً مکہ، وہ مدت سفر سے کم ہے تو وہ وہاں چلی جائے، اب اس کے لئے محصر کا حکم ہوگا، اگر احرام باندھ لیا ہے تو ہدی ذبح کرنے کے بعد وہ حلال ہو جائے، عدت گذارے اگر ممکن ہو اور عدت کے بعد وطن چلی جائے، اور اگر وہاں عدت گزارنا ممکن نہ ہو تو وطن واپس چلی جائے ہدی ذبح ہونے کے بعد، اور آئندہ وہ حج کرے۔ اگر وطن کی مسافت مدت سفر سے کم ہو اور گھر لوٹنا چاہے جب بھی ہدی ذبح کرنا ہوگی جو مکہ میں ہی ذبح ہوگی، اگر حج ادا کرے گی یا عمرہ کرے گی تو ادا تو ہو جائے گا مگر شریعت کی نظر میں اس نے نافرمانی کی۔ مگر میری رائے میں فقہ کے قواعد کلیہ اور شریعت کی آسانی پر نظر کرتے ہوئے وہ گنہگار یا نافرمان نہ ہوگی، بلکہ آج کل کے حالات کے مطابق اس کو اس کی اجازت دی جائے کہ وہ اگر

مکہ میں پہنچ جائے تو ارکان ضروری ادا کر کے واپس جائے کیونکہ درمیانی طبقہ کے لوگ خصوصا اس قدر وسعت نہیں رکھتے کہ دوبارہ حج کو آئیں۔

۱۲۔ اگر سعودی حکومت نے منیٰ کو مکہ میں شامل کرلیا ہے اور وہ حدود مکہ میں داخل ہوگیا ہے اور حاجی کے دونوں مقامات پر قیام کی مدت ۱۵ر دن یا اس سے زائد ہوجاتی ہے تو وہ مقیم ہوگا، اور اگر حکومت نے منیٰ کو مکہ سے علیحدہ رکھا ہے تو پھر وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ احکام قصر اس پر جاری ہوں گے۔

۱۳۔ حنفی لوگ وتر کی نماز میں ان ائمہ کی اقتداء نہ کریں جو وتر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں پھر ایک رکعت علیحدہ سے پڑھتے ہیں، ایسے لوگ یا تو اپنی جماعت علیحدہ قائم کریں یا تنہا وتر پڑھیں، چنانچہ درمختار میں ہے کہ بعض فقہاء کے یہاں مطلقا اقتداء درست نہیں ہے ''لما فی الإرشاد من أنه لا یجوز أصلا بإجماع أصحابنا'' (درمختار ۶۲۵)، اور بعض اصحاب کے نزدیک ابتداءً تو اقتداء درست ہے لیکن وہ جب سلام کے ذریعہ فصل کرتا ہے تو اس کی اقتداء فاسد ہوجاتی ہے۔

اور اسی میں ہے: ''والسلام قاطع فی اعتقاده فیفسد اقتدائه وإن صح شروعه معه إذ لا مانع منه فی الابتداء'' (اور سلام اس کے اعتقاد کے مطابق قاطع صلوۃ ہے تو اس کی اقتداء فاسد ہوجائے گی گرچہ اس کا شروع کرنا اس کے ساتھ صحیح ہے، اس لئے کہ شروع میں اقتداء سے روکنے والی کوئی چیز نہیں تھی)۔

ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ مقتدی کا اعتبار نہیں، لہذا سلام کے ذریعہ فصل کرنے سے بھی فساد پیدا نہیں ہوگا، لیکن اصح قول یہی ہے کہ حنفی شافعی کے وتر میں اقتداء نہ کرے، کیونکہ سلام کے ذریعہ فصل سے اقتداء فاسد ہوجائے گی۔

حج وعمرہ کے حل طلب مسائل

مفتی شیر علی غفرلہ[1]

۱۔ اگر کوئی آفاقی شخص مکۃ المکرمہ جانے کے ارادہ سے میقات پر پہنچا تو ہمارے نزدیک اس پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ اس کا ارادہ حج کا ہو یا عمرہ کا، یا ان کے علاوہ تجارت وغیرہ کا اور یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے۔

امام شافعی ودیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ جب حج یا عمرہ کی نیت سے میقات سے گذرنا ہو تو اس وقت احرام باندھنا واجب ہے ورنہ عام حالات میں مستحب ہے۔

''وقال الشافعي إن دخلها للنسك وجب عليه الإحرام وإن دخلها لحاجة جاز دخوله من غير إحرام'' (بدائع الصنائع ۲،۱۶۴)۔

حنفی مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد. عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما'' (هدايه ۱،۲۲۵، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲،۳۱۸، رد المحتار مع الدر المختار طبع بيروت ۳،۴۸۲، تحفة الفقهاء ۲،۳۹۴)۔

حنفیہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما وأيضا عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال لا تجاوزوا المواقيت إلا بإحرام'' یہ حدیث حجت ہے اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے خصیف راوی پر کلام کیا ہے، اس لئے کہ صاحب اعلاء السنن مولانا ظفر تھانوی فرماتے ہیں: ''قلت فماله وہو حسن الحديث على الأصل الذي أصلنا غير مرة وقال ابن معين لا بأس به وقال مرة ثقة وقال ابن سعيد كان ثقة وأخرج البيهقي بلفظ. لا يدخل أحد مكة إلا محرما قال الحافظ إسناده جيد'' (نيل الأوطار)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ احرام باندھنا اس مقدس سرزمین کی تعظیم کے پیش نظر واجب ہے نہ کہ حج وعمرہ کی شرط ہونے کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ میقات اور حرم کے درمیان میں رہتے ہیں ان پر بھی احرام باندھنا واجب ہے۔ بہرحال احرام کا وجوب حرم کی سرزمین کے معظم اور مکرم ہونے کی وجہ سے ہے اور تعظیم میں سب برابر ہیں یعنی تعظیم حرم سب پر واجب ہے، خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا ان کے علاوہ تجارت وغیرہ کا۔

شوافع کی دلیل ہے: ''إنه عليه السلام دخل يوم الفتح وعليه عمامة سوداء بغير إحرام'' (رواہ مسلم)۔

ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب مکہ میں قیام بغیر احرام کے جائز ہے تو دخول بلا احرام بدرجہ اولی جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ تو قیام سے اہون ہے: ''وجه قوله إنه تجوز السكنى بمكة من غير إحرام فالدخول أولى لأنه دون السكنى.....''۔

ترجیح ان تمام احادیث شریفہ کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے متدلات کے الفاظ عام ہیں، لہذا عموم کا تقاضہ بھی ہے کہ ہر شخص پر احرام واجب ہونا چاہئے جو بھی میقات سے گذرے۔ جہاں تک شوافع کی متدل حدیث کا تعلق ہے تو یہ آپ کی خصوصیت پر محمول ہے، اس تخصیص کی دلیل خود ایک دوسری روایت مشکوۃ (۱/۲۳۸) میں مذکور ہے۔

شوافع کی عقلی دلیل کا ضعف بھی واضح ہے، سکان حرام پر آفاقی کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اصل میں تو آفاقی کا مسئلہ ہے، اس لئے کہ سکان حرم تو

[1] جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات۔

ہمیشہ رہتے ہیں ان کو احرام کا پابند کرنے میں عظیم مشقت ہے، پھر اس کا ایک جواب صاحب بدائع الصنائع دیتے ہیں:

"وأهل مكة بسكناهم فيها جعلوا معظمين لها بقيامهم بعمارتها وسدانتها وحفظها وحمايتها [illegible] السكنى" (۲،۱۶۴)۔

نیز حرم مکی شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم ہر مسلمان پر ضروری ہے، لہذا تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ احرام باندھ کر داخل ہو، اس لئے ان فقہی روایات اور احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ بغیر احرام کے میقات سے تجاوز بہر صورت ناجائز ہے۔

۲۔ کتب فقہ کی عبارتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آفاقی کو بدون احرام میقات سے تجاوز کرنا [illegible] کا قصد ہو یا کوئی دوسری ضرورت ہو۔

اب رہا فتویٰ علی مذہب الغیر جیسا کہ زوج مفقود میں بعض متاخرین حنفیہ نے امام مالکؒ کے مذہب پر فتوی دیا ہے اور بھی اسی طرح دیگر [illegible] مسائل جن پر علماء حنفیہ نے دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے جب کہ زوج مفقود میں حنفی مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور نہایت احتیاط [illegible] المذہب یا بالفاظ دیگر فتوی علی مذہب الغیر اس وقت جائز ہے جب کہ اپنے مذہب میں عمل کرنے میں ضرر عظیم ہو اور ایسی صورت ہو کہ جس [illegible] کہ زوج مفقود میں۔

جہاں تک ضرورت کا مسئلہ ہے تو یہ دفع مضرت کے لئے ہے، یعنی ضرورت کی بناء پر کسی حرام کے ارتکاب واستعمال کی اس وقت اجازت ہوگی جب کسی ضرر کو دفع کرنا مقصود ہو کسی نفع کے حصول کے لئے نہیں، لہذا اگر ضرورت کی بنیاد مال و دولت کی برتری و زیادتی، اسراف [illegible] حرام کے ارتکاب واستعمال کی اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں، صاحب الاشباہ کا [illegible] زیادتی کے حق میں کوئی ضرورت نہیں پائی جاتی، یعنی ضرورت کا اعتبار صرف ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے مال و دولت میں اضافہ کرنے کے لئے [illegible] بحوالہ "الربا" از مولانا عبید اللہ اسعدی ر ۲۵۹)۔

ان اقوال وقیودات اور ان تمام قیودات کی روشنی میں جو دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتوی دینے کے لئے ملحوظ ہیں بظاہر اس مسئلہ [illegible] ضرورت کا تحقق اس درجہ کا نہیں ہے کہ حنفی مذہب چھوڑ کر دیگر ائمہ کے مذاہب پر فتوی دیا جائے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر اس مسئلہ کا حل کیا ہے تو اگر واقعی ضرورت ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو ضرورت وحاجت کا تعین نہ تو خود [illegible] سکتا ہے اور نہ ہی ہر کس و ناکس، بلکہ شرعی قوانین واصول کی روشنی میں کوئی متدین عالم، ماہر شریعت اور ایسا صاحب بصیرت شخص ہی کر سکتا ہے جو [illegible] سے بخوبی واقف ہو اور اس نے بچشم خود دیکھا ہو کہ واقعی لوگ ضیق و تنگی میں مبتلا ہیں۔

ویسے جہاں تک ٹیکسی ڈرائیوروں کی کثرت آمد و رفت کا مسئلہ ہے تو اس کا ایک حل یہ بھی تو نکالا جا سکتا ہے کہ حل یا حدود حرم کے قریب [illegible] لائے اور پھر وہاں سے دوسری سواری کا نظم کیا جائے، اگر چہ موجودہ دور کے بعض علماء نے آفاقی کو بلا احرام مثلاً ٹیکسی ڈرائیور اور تجار کو حرج کی بناء پر [illegible] اجازت دی ہے لیکن ہمیں ان سے اتفاق نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حرج کی وجہ سے اصل کو وہاں چھوڑا جاتا ہے جہاں اس کا کوئی بدل [illegible] پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر ادا کرے، اسی طرح پانی [illegible] ہے، لیکن یہاں کوئی ایسا بدل نہیں ہے جس کی وجہ سے اصل کو چھوڑ دیا جائے اور ضرورت بھی تحصیل اموال اور اس کے اضافہ کی ہے۔

۳۔ مکۃ المکرمہ میں مقیم شخص اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا مکروہ ہے اور اگر حج کا ارادہ نہ ہو تو مکروہ نہیں، شامی میں ہے:

"(تنبيه) يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ومن بمعناهم أي من المقيمين ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم، فيكونوا متمتعين وهم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة ومن خالف [illegible]

شرح اللباب و مثله فی البحر'' (شامی ۲،۴۷۷ کذا فی زبدة المناسك ۱،۲۵۵)۔

مکی کے لئے قران وتمتع مکروہ ہے لیکن اگر کرلیا تو ادا ہوجائے گا اور دم جبر لازم ہوگا۔

''(والمکی و من فی حکمه یفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء وعلیه دم جبر'' (شامی ۳،۵۶۷، بدائع الصنائع ۲،۱۶۹،

الفتاوی الهندیه ۱،۲۳۹)۔

۴۔ وہ مکی جس کا ارادہ اسی سال حج کا ہے اگر وہ اپنی کسی ضرورت کے لئے میقات سے باہر گیا تو اب چونکہ واپسی میں میقات سے بلا احرام گذرنا جائز نہیں ہے، اس لئے احرام باندھنا ضروری ہوگا اور احرام سے حلال ہونے کے لئے ارکان عمرہ بھی ادا کرنا ضروری ہوگا، پھر جب اسی سال حج بھی کرے گا تو متمتع بھی ہوجائے گا، حالانکہ تمتع اس کے لئے ممنوع ہے لیکن اس کا متمتع ہونا ضرورۃً یا ضمناً ہے اصلاً یا قصداً نہیں ہے، جو چیز ضرورۃً یا ضمناً ثابت ہوتی ہے اس کا حکم اس چیز سے جو اصلاً یا قصداً ثابت ہو مختلف ہوتا ہے، کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں، لہذا اس صورت میں اگرچہ دم جبر واجب ہوگا لیکن ضمناً یا تبعاً اس کے غیر ممنوع اور جائز ہونے کی گنجائش خاص طور سے اس وقت جبکہ اتنی طویل مدت تک مکہ سے نہ نکلنے میں حرج اور نقصان ہو نکل سکتی ہے اور یہ علماء کے درمیان غور طلب مسئلہ بھی ہے۔

۵۔ متمتع آفاقی ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے (معلم الحجاج ر ۲۳۸)، اس لئے کہ نہایہ مبسوط بحر واخی زادہ وعلامہ قاسم وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے، پانچ ایام ممنوعہ کے سوا باقی تمام سال میں عمرہ کرنا بلا کراہیت جائز ہے اور اس بارے میں مکی اور آفاقی میں کوئی فرق نہیں ہے (بحوالہ عمدۃ الفقہ ۴/۲۹۴)۔

۶: الف۔ عمل رمی میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے: ''لأن أفعال الحج یجری فیها النیابة'' (بدائع الصنائع ۲،۱۳۷)۔

ب۔ یہ نیابت صرف مریض اور معذور کے لئے ہوسکتی ہے، ''وسواء رمی بنفسه أو بغیره عند عجزه عن الرمی بنفسه کالمریض الذی لا یستطیع الرمی فوضع الحصی فی کفه فرمی بها أو رمی عنه غیره'' (بدائع الصنائع ۲،۱۳۷)۔

اس معذوری کی حد یہ ہے کہ ایسا معذور ہو کہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہ کرسکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سواری پر آنے میں سخت تکلیف ہو یا فرض میں زیادتی تاخیر سے صحت یاب ہونے کا خوف ہو یا سواری یا اٹھانے والا کوئی شخص نہ ملے تو ایسا شخص معذور ہے اور اس کی طرف سے دوسرا شخص رمی کرسکتا ہے، اگر مذکورہ بالا اعذار نہ ہوں تو خود رمی کرنا ضروری ہوگا اور اس کے لئے نیابت جائز نہ ہوگی، ازدحام کے خوف سے نائب بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے جس کو ازدحام کا خوف ہو رات کو رمی کرسکتا ہے، ویسے رات کو رمی کرنا مکروہ ضرور ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے، اگر خوف ازدحام کی وجہ سے خود رمی نہ کرے تو دم واجب ہوگا (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک ر ۱۰۰)۔

۷۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، لہذا محصر کے تمام احکام ان پر جاری ہوں گے۔

''فی نهایة ابن الأثیر یقال أحصره المرض أو السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر'' (فتح القدیر ۳،۵۲)۔

محصر سے کہا جائے گا کہ حرم میں ذبح کرنے کے لئے ہدی بھیج دے اور جس کے ساتھ ہدی بھیجے اس سے ایک معین دن کا وعدہ کرلے کہ فلاں دن ذبح کرے اور جب محصر کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ ہدی ذبح ہوگئی تو اپنے آپ کو حلال کرلے (ہدایہ ۱ ر ۲۹۳)۔

۸۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں سے صاحبین ان امور اربعہ میں ترتیب کی سنیت کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان امور میں ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں، موجودہ دور میں چونکہ بوجہ ازدحام ترتیب کی رعایت میں کافی دشواری درپیش ہے اور جبکہ صحیح روایت "افعل ولا حرج افعل ولا حرج" بھی موجود ہے، لہذا ان امور پر نظر کرتے ہوئے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ امام صاحب کا مذہب باعتبار دلیل قوی ہے، اس لئے حتی الامکان ترتیب کا لحاظ کیا جائے۔

☆☆☆

حج وعمرہ سے متعلق حل طلب مسائل

مولانا سید مصلح الدین احمد قاسمی [1]

۱۔ وہ آفاقی شخص جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ جانا چاہتا ہو اس پر باجماع امت میقات سے احرام باندھنا واجب ہے اور میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا موجب دم ہے، لیکن وہ آفاقی جو حج یا عمرہ کے علاوہ اور کسی غرض مثلاً تجارت، ملازمت، عیادت، ملاقات وغیرہ سے حرم مکہ یا مکہ معظمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اس شخص کے لئے بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا واجب ہے اور بلا احرام داخلہ موجب دم ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے احرام باندھنا افضل ہے واجب نہیں۔

محاذی میقات شخص کا حکم

وہ آفاقی شخص کہ مکہ معظمہ جاتے ہوئے اس کے خشکی، دریائی، فضائی راستہ میں پانچ میقاتوں میں سے کوئی میقات نہ پڑتا ہو اور دو میقاتوں کے درمیان سے اس کا گذر ہوتا ہو تو وہ غور وفکر اور تحری کرے، خوب کوشش کرے تا کہ اس کے راستہ کے قریب تر میقات کی محاذاۃ سے اس کا احرام واقع ہو سکے اور جو میقات اپنے سے قریب تر ہو اس کی محاذاۃ سے احرام باندھے۔

اگر اس کو اپنے راستہ کے قریبی میقات کی محاذاۃ کا علم نہ ہو تو احتیاط برتے اور اتنی دور اور اتنے فاصلہ سے احرام باندھے کہ اس کو میقات سے بلا احرام تجاوز نہ کرنے کا اطمینان ویقین ہو جائے، کیونکہ میقات سے پہلے احرام باندھ لینا تو جائز ہے مگر تاخیر جائز نہیں۔

اور اگر کسی کا گذر کسی میقات پر سے یا کسی میقات کی محاذاۃ سے واقع نہ ہوتا ہو تو وہ شخص مکہ معظمہ سے دو مرحلے (۸۹ ر کیلومیٹر) کے فاصلہ سے احرام باندھ لے اس لئے کہ مکہ معظمہ سے کوئی میقات اس سے کم مسافت پر واقع نہیں (الفقہ الاسلامی ۳/ ۷۲)۔

۲۔ اس سوال میں مذکور اشخاص کی مکہ معظمہ بار بار بہ کثرت آمد ورفت کی بنا پر ہر مرتبہ کے داخلہ کے وقت ان پر احرام کو لازم قرار دینے میں بڑی مشقت وحرج، تنگی ہے، لہٰذا دخول مکہ کے وقت ان کے حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں دفع حرج کی بنیاد پر امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے ان کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ مکہ معظمہ اور حل (داخل مواقیت خمسہ) میں رہنے والے کے لئے صرف افراد جائز ہے، حنفیہؒ کے نزدیک ان کے لئے تمتع وقران جائز نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک اہل مکہ واہل حل کے لئے بھی تمتع وقران جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے: ''فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى (سورہ بقرہ) جس نے حج کے ساتھ عمرہ کا بھی فائدہ اٹھایا اس کے ذمہ وہ ہدی جو اسے میسر ہو، واجب ہے، آیت کریمہ میں یہ حکم عام ہے، اس میں مکی وغیر مکی کی کوئی تخصیص وقید نہیں۔

حنفیہ کی دلیل "ذلك لمن يكن أهله حاضري المسجد الحرام" (سورہ بقرہ) ہے، آیت کریمہ میں لام اختصاص کے لئے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمتع وقران مسجد حرام کے غیر حاضرین کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسجد حرام کے حاضرین کا مصداق کون ہے؟

مسجد حرام کے حاضرین سے حنفیہ کے نزدیک اہل مکہ اور اہل حل (داخل مواقیت خمسہ) مراد ہیں، مالکیہ کے نزدیک اس کا مصداق صرف اہل مکہ وذی طوی ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا مصداق مکہ اور مسجد حرام سے غیر مسافت قصر کے باشندے ہیں: ان اقوال میں حنفیہ کا قول راجح ہے کیونکہ داخل مواقیت خمسہ توابع مکہ میں سے ہیں، اس لئے کہ ان کے لئے مکہ معظمہ میں کسی حاجت کی بنا پر بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، لہٰذا یہ لوگ مسجد حرام کے حاضرین کے حکم

[1] دار العلوم بڑودہ گجرات۔

نیز داخل حرم، نیز عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لئے تمتع وقران (جائز) نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لباب المناسک سے قران کی صحت وجواز کی شرائط کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"السادس أن يكون آفاقيا ولو حكما فلا قران لمكي إلا إذا خرج إلى الآفاق قبل أشهر الحج" (رد المحتار ۲/۵۴۰) جواز قران کی چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ شخص آفاقی ہو اگر چہ وہ حکماً آفاقی ہو، پس مکی شخص کے لئے قران جائز نہیں مگر اس صورت میں جب کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے آفاق میں چلا جائے)۔

علامہ شامی لباب المناسک سے نقل کرتے ہوئے جواز تمتع کی شرائط میں فرماتے ہیں:

"نویں شرط جواز تمتع کی یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں وطن کا نہ ہونا، پس کسی نے عمرہ کر کے مکہ میں مقیم ہو جانے کا ارادہ کیا تو وہ متمتع نہ ہوگا"۔

جواز تمتع کی گیارہویں شرط یہ ہے کہ وہ آفاقی ہو اور اس بارے میں اعتبار وطن بنا لینے کا ہے، چنانچہ کسی مکی نے مدینہ کو وطن بنا لیا تو وہ آفاقی شمار ہوگا اور کسی مدنی نے مکہ معظمہ کو وطن بنا لیا تو وہ مکی کہلائے گا" (رد المحتار ۲/۵۳۶)۔

۴۔ مکی کسی ضرورت کی بنا پر خارج میقات جا کر وہاں سے مکہ معظمہ واپس آرہا ہے تو وہ میقات سے احرام باندھ کر تمتع وقران کر سکتا ہے یا نہیں؟

اگر شوال شروع ہونے کے بعد مکہ معظمہ سے آفاق (خارج میقات) میں گیا تو وہاں سے واپسی میں وہ صاحبینؒ کے نزدیک تمتع وقران کر سکتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شخص بہ حکم مکی ہے، اس لئے تمتع وقران نہیں کر سکتا اسی پر فتوی ہے، لہٰذا ایسا شخص افراد ہی کرے۔

"آفاقی شخص جب میقات میں داخل ہوا، یا مکہ معظمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہوا اور عمرہ کر کے حج کے مہینوں کے شروع ہونے سے پہلے حلال ہو گیا اور پھر حج کے مہینے یعنی شوال شروع ہونے تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہا تو ایسا شخص امام صاحب اور صاحبین کے یہاں بالاتفاق مکی کے حکم میں ہے، اور اگر وہ افعال عمرہ سے فارغ ہو کر اشہر حج سے پہلے آفاق میں چلا گیا تو وہ بالاتفاق آفاقی کے حکم میں ہے اور جو شخص عمرہ سے فارغ ہو کر شوال شروع ہونے کے بعد آفاق میں گیا تو وہ شخص امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاقی کے حکم میں ہے، مگر وہ آفاق میں اپنے وطن واپس لوٹ گیا ہو تو پھر وہ مکی کے حکم میں نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ شخص آفاقی کے حکم میں ہے" (غنیہ ر ۱۲۱)۔

مناسک کی عام کتابوں میں تحریر ہے کہ مکی نے تمتع کیا یا قران کیا تو بکراہت تحریمیہ صحیح ہو جائے گا اور اس پر دم شکر کے بجائے دم جبر (جنایت) واجب ہے، اس لئے وہ خود اس میں سے نہیں کھا سکتا۔ مگر علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حکم صحت مع الکراہۃ التحریمیہ صرف قران کے لئے ہے، مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا، اس لئے تمتع کی صورت میں دم جبر (جنایت) واجب نہیں، بطلان تمتع سے بطلان حج کا وہم نہ ہو (دیکھئے: حیات القلوب ر ۶۸ بحوالہ احسن الفتاوی ۴/۵۲۵)۔

بہر حال مکی ضرورت کی بنا پر خارج میقات جا کر وہاں سے مکہ معظمہ واپس آرہا ہو تو اس پر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ حج تو عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اس لئے زندگی بھر میں ایک سال نیز اس کے بعد جب نفل حج کا ارادہ ہو اس سال اشہر حج میں خارج میقات سفر سے بچنے میں کوئی خاص دشواری اور تنگی نہیں، اور حج فرض ایک مرتبہ ادا کر لینے کے بعد اشہر حج میں خارج میقات کا سفر کرنے کی صورت میں واپسی کے وقت میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ واپس آتا ہے۔

سوال میں مذکور تنگی اور دشواری کی بنیاد پر مکی اور داخل میقات کے باشندوں کو تمتع وقران کی گنجائش نہیں۔

۵۔ آفاقی متمتع کے لئے افعال عمرہ سے فراغت کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے نفل عمرہ کرنا جائز ہے۔

لباب المناسک کی عبارت میں صراحۃً مذکور ہے کہ آفاقی متمتع کے لئے تکرار عمرہ جائز ہے، اس لئے کہ عمرہ طواف کی طرح مستقل عبادت ہے (لباب المناسک ر ۱۵۲)۔

۶۔ حج کے افعال ومناسک میں اصل یہی ہے کہ آدمی بذات خود ان کو بجالائے اور کسی کو نائب نہ بنائے، بنابریں تندرست اور چلنے پر قادر شخص کو بذات خود رمی کرنی چاہئے، بلا عذر کسی دوسرے سے رمی کرانا موجب دم ہے۔

معذور و عاجز کے لئے دوسرے سے رمی کرانا جائز ہے، کیونکہ بہ حالت عذر افعال حج میں نیابت جائز ہے، چنانچہ ایسا مریض و معذور کہ انتہاء وقت رمی تک اس کے مرض و عذر کے زائل ہونے کی بہ ظاہر امید نہ ہو، اسی طرح محبوس (قیدی) اور ایسا بوڑھا کمزور یا صرف کمزور کہ جو جمرات تک پیدل نہ چل سکتا ہو، یا چلنے میں نا قابل برداشت تکلیف ہو، نیز حاملہ عورت وغیرہ ایسے معذورین کے لئے کنکر مارنے کے لئے کسی کو وکیل بنا دینا اور اس سے رمی کرانا جائز ہے۔ ایک آدمی کسی ایک شخص یا چند اشخاص کی طرف سے وکیل بالرمی (کنکر مارنے کا وکیل) بن سکتا ہے، لیکن اس صورت میں وکیل بالرمی پر لازم ہے کہ وہ تینوں جمرات کی رمی خود کی طرف سے کرنے کے بعد اپنے موکل کی طرف سے رمی کرے یعنی کنکر مارے۔

جواز نیابت کا معیار

جمرات تک پیدل چلنے پر قدرت نہ ہونا یا چلنے سے نا قابل برداشت تکلیف کا ہونا یا قید ہونا وغیرہ ہے۔ سستی، آرام، سہولت پسندی اور صرف خوف ازدحام (بھیڑ کا خوف و اندیشہ) شرعاً عذر معتبر نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں دوسرے کسی سے رمی کرانے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ میں سے ہر ایک دن کی رمی کا وقت دوسرے دن کی طلوع صبح صادق تک رہتا ہے لہٰذا رات کو گیارہ بارہ بجے دیر سے کنکر مارنے میں بھیڑ کا خوف و خطرہ خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے، البتہ ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک رہتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔

۷۔ احصار کے لغوی معنی روک دینا، منع کرنا ہے اور احصار کے شرعی معنی حنفیہ کے نزدیک "محرم کو حج کے دونوں رکن (وقوف عرفہ اور طواف زیارت) کی ادائیگی اور بجا آوری سے روک دینا" ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک محرم کو تمام راستوں سے حج یا عمرہ کی تکمیل سے روک دینا، حنفیہ کے نزدیک احصار، دشمن کے روک دینے کے ساتھ مخصوص نہیں، چنانچہ دشمن، بیماری، قید، ہڈی وغیرہ ٹوٹ جانا، لولا لنگڑا اور اپاہج ہو جانا وغیرہ عوارض و موانع ہیں جن کی بنا پر محرم اپنے احرام کے مقتضیٰ (حج یا عمرہ) کی تکمیل سے عاجز ہو، اس سے احصار متحقق ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک احصار، دشمن کے روک دینے کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے نزدیک مذکورہ بالا اعذار میں سے کسی عذر کی بنا پر تحلل (احرام سے حلال ہو جانا۔ احرام کھولدینا) جائز نہیں، محصر کو احصار کی بنا پر تحلل جائز ہے۔

محصر کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ کہ ہدی (دم احصار) ذبح کئے بغیر حلال نہ ہو سکے، دوسرا محصر کہ ہدی کا جانور (دم احصار) ذبح کئے بغیر اس کے لئے حلال ہونا جائز ہو۔

ہر وہ احصار کہ جو حق اللہ کی بنا پر متحقق ہو اس سے حلال ہونے کے لئے ہدی کا ذبح کرنا لازم ہے۔ نیز ہر وہ احصار کہ جو حق العبد کی بنیاد پر پیش آئے اس سے حلال ہونے کے لئے ہدی کا ذبح کرنا لازم اور ضروری نہیں۔

سعودی عربیہ میں رہنے والے کسی غیر ملکی نے حج کا احرام یا عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہونے کے بعد گرفتار کر کے واپس کر دیا گیا اور وہ وقوف بہ عرفہ اور طواف زیارت دونوں کی ادائیگی سے عاجز ہو تو ایسا شخص محصر ہے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک رکن کی ادائیگی پر قادر ہو تو وہ محصر کے حکم میں نہیں۔

محصر کا حکم

اگر اس شخص نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے تو ایک قربانی کی قیمت بھیج دے اور اگر قران یعنی حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو دو قربانیوں کی قیمت بھیج دے اور دن مقرر کر دے کہ فلاں دن فلاں وقت یہ قربانی میری طرف سے حرم میں ذبح کر دی جائے، یہ ضروری نہیں کہ یہ قربانی ایام نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲/ ذی الحجہ) میں ہی کی جائے، بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں بھی کی جا سکتی ہے، جب مقررہ وقت و دن گذر جائے تو احرام کھول دے، سر منڈانا ضروری نہیں مستحب ہے، بعض نے صرف حرم میں احصار پیش آنے کی صورت میں سر منڈانا واجب قرار دیا ہے، قول وجوب احوط و عدم وجوب ارجح ہے، پھر آئندہ سال قضا واجب ہے، اگر صرف عمرہ کا احرام تھا تو صرف عمرہ کی قضا

واجب ہے اور صرف حج (اِفراد) کا احرام باندھا تھا تو حج وعمرہ دونوں واجب ہیں، اگر حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا یعنی قران کیا تھا تو ایک حج اور دو عمرے بہ طور قضا واجب ہوں گے (دیکھئے ردالمحتار ۲/۵۹۳)۔

۸۔ متمتع وقارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب صاحبینؒ اور دیگر ائمہؒ کے نزدیک مسنون ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔

صاحبینؒ وغیرہ کا استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا گیا ایسے شخص کے بارے میں جس نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "اذبح ولا حرج: ذبح کرلو اور کوئی حرج نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ترتیب واجب ہوتی تو اس کے ترک میں حرج واقع ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ ان کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لاحرج میں حرج کی نفی ہے کفارہ کی نفی نہیں اور گناہ کی نفی کفارہ کی نفی کو مستلزم نہیں، چنانچہ جو شخص سر میں تکلیف کی بنا پر حلق کرائے یا خطاءً حلق کرائے تو اس پر گناہ نہیں مگر کفارہ واجب ہے، بہر حال متمتع وقارن کے لئے بہ قول امام ابوحنیفہؒ (جو مفتی بہ ہے) ترتیب لازم ہے اور اس کا ترک موجب دم ہے۔

لیکن آج کل بے پناہ ہجوم وازدحام، موسم کی شدت، قیامگاہ اور مذبح میں کافی دوری اور سواری نہ ملنا وغیرہ اعذار ودشواریوں کی بنا پر اگر حجاج ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

۹۔ حج بدل کا اصلی حکم تو یہی ہے کہ مامور بالحج اِفراد کرے، لیکن آمر یا وصی کی اجازت سے قران اور تمتع کرنا بھی جائز ہے۔ میت پر حج فرض ہو یا نہ ہو اور میت نے حج بدل کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ان تمام صورتوں میں آمر یا وصی کی اجازت سے مامور کو تمتع کرنا جائز ہے۔

آج کل عام طور پر حج تمتع معروف ومعتاد ومتعارف ہے، لہذا حج بدل میں مطلق امر بالحج حج تمتع کی اجازت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن احوط وانسب یہی ہے کہ آمر سے صراحت ووضاحت کرالی جائے اور حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ)۔

آمر کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے تمتع یا قران کرنے کی صورت میں دم تمتع اور دم قران مامور پر خود کے مال میں سے واجب ہوگا، نیز اگر مامور بالحج سے موجب دم کوئی جنایت صادر ہو جائے تو دم جنایت بھی مامور پر خود کے مال میں سے واجب ہوگا، آمر کے مال میں سے واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر آمر کی جانب سے دم تمتع وقران اور دم جنایت کی اجازت (صراحۃً یا دلالۃً) ہو تو مال آمر میں سے ادا کیا جانا جائز ہے (ردالمحتار)۔

۱۰۔ حالت حیض میں طواف زیارت

بہ حالت حیض طواف زیارت کرنا (جو حج کا رکن اعظم ہے) بہت سنگین گناہ ہے، لہذا پاک ہونے کے بعد ہی طواف زیارت کرکے واپسی کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنا اس کے ذمہ لازم اور ضروری ہے۔

لیکن اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوسکے اور دوبارہ وطن واپسی بھی مشکل ہو اور وہ عورت بہ حالت حیض طواف زیارت کرلے تو وہ بیشک سخت گناہ گار ہوگی، مگر اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا اور وہ اپنے احرام سے پورے طور پر حلال ہو جائے گی، لیکن بہ حالت حیض طواف زیارت کرنے کی وجہ سے بہ طور دم جنایت ایک بدنہ یعنی بڑے جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کو ذبح کرنا اس کے ذمہ واجب ہوگا، نیز اس بڑے جانور کو حدود حرم میں ذبح کرنا واجب ہے کیونکہ یہ دم جنایت ہے اور دم جنایت کا ذبح حدود حرم کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا اور کسی جگہ خارج حرم ذبح کرنا معتبر نہ ہوگا۔

اگر وہ عورت مذکورہ بالا دم جنایت (بڑا جانور) ذبح کئے جانے سے پہلے کسی وقت بھی طواف زیارت کا اعادہ کرلے تو یہ دم جنایت اس سے ساقط ہو جائے گا۔

۱۱۔ سفر حج کے دوران معتدہ کا حکم

عمرہ یا حج کے سفر کے دوران عورت پر عدت واجب ہو جائے تو عدت میں حج یا عمرہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ عورت پر وجوب حج کی مخصوص شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کی عدت میں نہ ہو کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: ''ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين الخ...'' (سورہ طلاق) یعنی معتدہ عورتوں کو ان کے گھر سے مت نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو سفر حج یا عمرہ میں عدت لازم آجائے، پس اگر خاوند نے طلاق رجعی دی ہے تو خاوند کو دوران سفر اس سے جدا نہ ہونا چاہئے کیونکہ طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی جبکہ اس سے رجعت کرلینا بہتر ہے اور اگر طلاق بائن یا وفات کی عدت لازم ہوئی ہے تو اس کے حکم کی تفصیل درج ذیل ہے:

جائے وفات وطلاق اور اس عورت کے وطن کے درمیان مدت سفر شرعی سے کم مسافت ہے اور اس جگہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مدت سفر کی مسافت ہے تو وہ اپنے گھر واپس لوٹ جائے۔

اگر اس جگہ سے مکہ معظمہ کی طرف مسافت سفر شرعی سے کم ہو تو مکہ معظمہ چلی جائے اور اگر دونوں طرف مسافت سفر شرعی سے کم ہو تو اس کو اختیار ہے کہ وطن واپس چلی جائے یا مکہ معظمہ چلی جائے۔ اگر دونوں جانب مسافت سفر کا فاصلہ ہے، پس اگر وہ عورت شہر میں ہے تو وہاں سے اختتام عدت تک نکلنا محرم میسر ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ محرم میسر ہو تو وہاں سے نکلنا جائز ہے اور اگر محرم میسر نہ ہو تو بالاتفاق وہاں سے نکلنا جائز نہیں۔

دونوں جانب مسافت سفر کا فاصلہ ہونے کی حالت میں اگر وہ عورت جنگل یا ایسے دیہات میں ہے جہاں اس کو جان و مال کا خطرہ لاحق ہے تو اس غیر محفوظ جگہ سے مامون ومحفوظ جگہ سفر کر کے منتقل ہوجانا اس کے لئے جائز ہے (بدائع ۲/ ۱۲۴)۔

۱۲۔ آج کل مکہ معظمہ کی آبادی کے پھیلاؤ اور منیٰ تک پہنچ جانے کی وجہ سے اگر منیٰ کو داخل شہر یا فناء شہر مان بھی لیا جائے پھر بھی مزدلفہ اور عرفات تو یقیناً مکہ معظمہ سے الگ خارج شہر جگہ ہے اسے تو فناء شہر نہیں کہا جاسکتا اور ہر حاجی ایک رات یقیناً مزدلفہ میں گذارتا ہے، لہذا مسئلہ کا حکم جو توسیع سے پہلے تھا وہی برقرار رہے گا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی (بدائع ۱/ ۹۸)۔

۱۳۔ رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے جانے والے، نیز سعودی عربیہ میں مقیم حنفی المسلک لوگ اپنی وتر کی نماز رمضان المبارک میں الگ سے منفرداً تین رکعت بہ یک سلام (بلا فصل) پڑھیں، امام کے ساتھ وتر کی نماز باجماعت بہ دو سلام (فصل کے ساتھ) نہ پڑھیں۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی [1]

۱۔ صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کے دلائل نقلیہ وعقلیہ دونوں ہی بہت مضبوط واقوی ہیں، لہذا یہی قابل ترجیح ہے (بدائع الصنائع ۲ / ۱۶۴، فتح القدیر ۲ / ۳۳۵)۔

الا یہ کہ صرف تجارت کے لئے روزانہ آمد ورفت کرنی پڑتی ہے تو اس مجبوری کے تحت صرف ان تجار کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے، واللہ اعلم۔

۲۔ صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں پر احرام اور اس کی پابندی لازم کرنے میں تمام اوقات ان کو محرم رہنا پڑے گا جس میں حرج عظیم ہے، بنابریں ایسے لوگوں کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کرنا جائز ہے، ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بغیر احرام حدود حرم میں داخل ہو "لأن الحرج مرفوع شرعاً" تو امام شافعی کے قول پر عمل کرنا جائز ہے چونکہ سنت رسول اللہ اور عمل سلف اسی کے مؤید ہیں۔

۳۔ اور مفتی عبدالرحیم صاحب حفظہ اللہ نے تمتع کی بھی گنجائش نکالی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ اگر تمتع کرلیا تو حج میں خرابی نہ آئے گی یعنی فاسد نہ ہوگا البتہ دم دینا پڑے گا (فتاویٰ رحیمیہ ۵ / ۲۲۱)۔

اس مسئلہ میں مکی کے لئے قران کی بھی گنجائش ہے یعنی مکی کیلئے اولیٰ وافضل تو حج افراد ہی کرنا ہے لیکن قران اور تمتع کی بھی گنجائش ہے کہ قران وتمتع کرنے پر حج فاسد نہ ہوگا، البتہ دم دینا پڑے گا جو دم جبر ہوگا۔

۴۔ اپنی مختلف ضرورتوں اور تجارتی اغراض سے روزمرہ آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام باندھنے میں حرج ومشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعیؒ کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے، یہی ان کے لئے شرعی حل ہے

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے، لیکن پانچ ایام یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۶: الف۔ رمی میں کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے اس کی اجازت سے وحکم سے نیابت کرسکتا ہے۔

ب۔ رمی میں نیابت صرف معذور یا مریض ہی کے لئے ہے ہر شخص کے لئے نہیں ہے، معذوری کی حد یہ ہے کہ کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا دشوار ہو، لیکن خوف ازدحام کی وجہ سے نائب بنانا درست نہیں ہے۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے بعض غیر ملکی حکومت کی اجازت کے بغیر حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں تو ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہیں، ان کا احرام ذبح اور حلق اور بال کتروانے کے ذریعہ ختم ہوگا اور آئندہ ان کو حج کی قضا لازم ہوگی۔

۸۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر حنفیہ کے قول مرجوح اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے جب کہ حنفیہ میں صاحبین کے نزدیک بھی ترتیب سنت ہے، اس کے ترک پر دم لازم نہیں ہے، آج کل حجاج ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

۹۔ حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا عرفاً حج تمتع کرنے کی صورت ہے، کہ کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں

---

[1] جامعہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

واجبات حج کی پابندیاں مشکل نظر آئیں تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ یہ آزادی نہیں ہے کہ طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں۔

الف۔ حج بدل کا اصل حکم تو یہی ہے کہ مامور افراد کرے، لیکن آمر یا وصی تمتع کی اجازت دیدے تو تمتع بھی درست ہے، البتہ دم تمتع مامور اپنے مال سے ادا کرے گا الا یہ کہ آمر دم تمتع ادا کرنے کی بھی اپنے مال سے اجازت دیدے، خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

ب۔ حج بدل کرنے والا آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج تمتع نہیں کر سکتا، کیوں کہ آمر کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

ج۔ اجازت کے ظن غالب پر حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے۔

"ودم القران و دم الجناية على المأمور لأنه الجاني وصورة دم القران أن يأمره أحد بالقران أو يأمره إثنان أحدهما بالحج والآخر بالعمرة وأذنا له بالقران و أما إذا فعل ذلك بغير إذن فقد صار مخالفاً فيضمن النفقة و إنما كان دم القران على المأمور لأنه وجب شكراً لما وفقه الله تعالى عن الجمع بين النسكين وهو مختص به" (۱۱۱،۱...)۔

د۔ بإذن الآمر یا بدون إذن الآمر ہر دو صورتوں میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر لازم ہوگا۔

ھ۔ حج بدل کرنے والے کے لئے آمر کی اجازت سے تمتع کی گنجائش ہے اور سوال میں مذکور دشواری کا شرعی حل یہی ہے کہ اس کے لئے تمتع کی گنجائش بنادی جائے،

و۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حج عن المیت کی صورت میں قانونی دشواریوں کے پیش نظر تمتع کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ الف۔ حائضہ یا نفساء عورت کو مذکورہ اعذار اور مجبوریوں کے پیش نظر ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کی اجازت ہے اور طواف صحیح ہو جائے گا اور حلال ہو جائے گی۔

ب۔ عورت کا ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کر لینے سے طواف صحیح ہو جائے گا اور رکن ادا ہو جائے گا لیکن دم لازم ہوگا۔

ج۔ بدنہ ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہ ہوگا۔

د۔ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ اور حرم مکہ میں ہی ضروری ہے اور حرم مکہ سے باہر اور اپنے مقام جو حرم مکہ سے خارج ہو وہاں ادا نہیں کیا جاسکتا، اور اس ذبح کے لئے منیٰ شرط نہیں ہے بلکہ حدود حرم کافی ہے۔

۱۱۔ صورت مسئولہ میں ایسی عورت کے لئے تو اصل مسئلہ محصر ہو جانے کا ہے اور حلال ہو کر آئندہ حج کرنے کا ہے لیکن ناقابل برداشت دشواریوں و مجبوریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر آئندہ حج کی استطاعت ہوگی کہ نہیں، لہذا امام احمد کے قول کے مطابق ایسی عورت ایام عدت میں صرف حج فرض ادا کر سکتی ہے اور مفتی عبدالرحیم حفظہ اللہ کے فتوے سے بھی یہی مترشح ہے، لہذا ایسی عورت کے لئے حج فرض کرنے کی گنجائش ہوگی اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ایام عدت میں حج فرض ادا کرے یہی اولیٰ و بہتر ہے۔

۱۲۔ حج کا سفر کرنے والا یعنی ۷۔۸ رذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ پہنچا ہے کہ مکہ میں پندرہ یوم سے قبل ہی ایام حج شروع ہو جاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی رہے گا اگرچہ مکہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی سے متصل ہو گیا ہے کیوں کہ وہ اس کے باوجود دونوں مستقل شہر ہیں کہ مکہ کے نام سے نہیں جانا جاتا ہے نہ مکہ کا کوئی محلہ ہی ہے۔

۱۳۔ سعودیہ میں مقیم حنفیہ کو رمضان میں نماز وتر وہاں کے امام کی اقتدا میں ادا کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ اپنے مذہب کی رعایت میں تنہا پڑھنے سے یہ اولیٰ ہے کہ جماعت سے ادا کی جائے، اور تنہا پڑھنا بالکل مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

مسائل حج وعمرہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی[1]

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس شخص کے لئے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے احرام کا باندھنا ضروری ہے خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کے بجائے تجارت وملازمت ہی کی ہو، لیکن امام شافعی کے نزدیک صرف حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والے پر بحالت احرام مکہ میں داخل ہونا ضروری ہے، تجارت وملازمت وغیرہ ضرورت کے لئے بحالت احرام مکہ میں داخل ہونا ضروری نہیں۔

چنانچہ ہدایہ کتاب الحج میں ہے: ''ثم الآفاقی إذا انتھی إلیھا علی قصد دخول مکة علیه أن یحرم قصد الحج أو العمرة أو لم یقصد عندنا لقوله علیه السلام لا یجاوز أحد المیقات إلا محرما ولأن وجوب الإحرام لتعظیم ھذه البقعة الشریفة فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرھما'' (ہدایہ ۱.۲۱۴)۔

اور شامی میں ہے: ''والمواقیت أی المواضع التی لا یجاوزھا مرید مکة أی ولو لغیر نسك کتجارة ونحوھا کما یأتی'' (۲،۱۵۴)۔

امام شافعیؒ کی دلیل نقلی تو نہیں ملی لیکن عقلی دلیل ہدایہ کے حاشیہ پر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احرام کی مشروعیت حج وعمرہ کے لئے ہوئی ہے، لہٰذا اگر حج یا عمرہ کی نیت کرے تو احرام واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

''لأن الإحرام شرع لأحدھما فإذا نوی ذلك یجب وإلا فلا'' (حاشیہ ہدایہ ۱.۲۱۵ کتاب الحج)۔

دلیل کے اعتبار سے چونکہ حدیث ''لا یجاوز أحد المیقات إلا محرما'' عام ہے، لہٰذا امام صاحب کا مذہب راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مدینہ طیبہ ودیگر قریبی شہروں کے رہنے والے جن کو روزانہ تجارتی حاجات وغیرہ کی بنا پر مکہ مکرمہ ایک بار یا کئی بار آنا جانا پڑتا ہے، ان حضرات کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے: ''ومن کان داخل المیقات له أن یدخل مکة بغیر إحرام لحاجته لأنه یکثر دخوله وفی إیجاب الإحرام فی کل مرة حرج بیّن فصار کأھل مکة حیث یباح لھم الخروج منھا ثم دخولھا بغیر إحرام لحاجتھم بخلاف ما إذا قصد أداء النسك لأنه یتحقق أحیانا فلا حرج'' (۱.۲۱۴)۔

اور شامی میں ہے: ''وحل لأھل داخلھا یعنی لکل من وجد فی داخل المواقیت دخول مکة غیر محرم ما لم یرد نسکا للحرج'' (شامی مع درمختار ۲،۱۵۵)۔

۳۔ مکی اور جو لوگ ان کے حکم میں ہیں، ان کے لئے قران وتمتع جائز مع الکراہۃ ہے۔

چنانچہ درمختار مع الشامی میں ہے: ''والمکی ومن فی حکمه یفرد فقط ولو قرن وتمتع جاز وأساء وعلیه دم جبر وأساء أی صح مع الکراھة للنھی عنه'' (۲،۱۹۷)۔

اور علامہ شامی اپنی کتاب میں درمختار کی مذکورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

[1] مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ۔

"وعلى هذا فقول المتون لا تمتع ولا قران لمكي معناه نفي المشروعية والحل" (شامی ۲.۱۹۸)۔
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی کے لئے قران وتمتع جائز ہی نہیں۔

اور ہدایہ میں ہے: "لأن الجمع بينهما في حق المكي غير مشروع" (هدايه ۱.۲۷۰)۔

۴۔ اہل مکہ کو چونکہ مختلف ضرورتوں کی وجہ سے اشہر حج میں میقات کے باہر جانا پڑتا ہے، لہٰذا جو مکی حج کرنا چاہتا ہو تو چونکہ اس کے لئے مجبوری ہے، لہٰذا شرعاً مکی کو احرام کی پابندی سے مستثنیٰ کیا جانا چاہئے جب کہ حج یا عمرہ کے علاوہ کسی ضرورت سے میقات کے باہر جا کر مکہ میں آنا چاہئے۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مزید عمرے کر سکتا ہے لیکن وہ احرام اہل مکہ کی میقات سے باندھے، کیونکہ ایک عمرہ کرنے کے بعد وہ مکی کے حکم میں ہو گیا، لہٰذا مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر سکتا ہے، اگر چہ کثرت طواف کو فقہاء نے کثرت عمرہ پر ترجیح دی ہے۔

۶: الف۔ عمل رمی میں نیابت جائز ہے۔

ب۔ صرف معذور ومریض کے لئے نیابت چل سکتی ہے، ہر شخص کے لئے نہیں، معذوری کی حد یہ ہے کہ کوئی آدمی اتنا کمزور ہو کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا مشکل ہو تو دوسرا آدمی اس کی طرف سے رمی نیابتاً کر سکتا ہے۔ لیکن محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں۔

۷۔ احصار حقیقتاً تو اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ دشمن یا کسی مرض کی وجہ سے رک جائے، لیکن سعودیہ عربیہ میں غیر ملکیوں کے بلا اجازت حکومت حج کرنے کی صورت میں جب کہ حکومت ان کو پکڑ کر حج سے روک دے، ان کو بھی احصار کے حکم میں داخل ہونا چاہئے، اور ان کے حلال ہونے کی صورت یہ ہے کہ ہدی روانہ کر دیں تا کہ حرم میں ذبح کی جائے:

"والممنوع لو بمكة عن الركنين محصر على الأصح والقادر على أحدهما لا أما على الوقوف فلتمام حجه به وأما على الطواف فلتحلله به كما مر" (درمختار مع الشامي ۲.۲۲۵؛ باب الإحصار. طبع نعمانيه)۔

البتہ یہ امر قابل غور ضرور ہے کہ قانونی پابندی کی خلاف ورزی اس انداز کی عبادات میں درست ہے یا نہیں؟ اس پر شرکاء کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہ وامام مالکؒ کے نزدیک رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے اس کے فوت ہونے سے دم واجب ہے، لیکن امام شافعی واحمدؒ کے نزدیک ترتیب مسنون ہے، چنانچہ مشکوۃ (۱، ۲۳۳) کے حاشیہ پر ہے: "واختلفوا في أن هذا الترتيب سنة أو واجب فذهب جماعة ومنهم أبو حنيفة ومالك إلى الوجوب"۔

اور حدیث میں آپ علیہ السلام سے جو سوال کیا گیا کہ اگر کوئی ذبح سے پہلے حلق کرالے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا حرج" اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں کوئی گناہ نہ ہو گا باقی دم واجب ہے: "والمراد بنفي الحرج نفي الإثم للجهل والنسيان لكن الدم واجب" (حاشیه مشكوة نقلا عن اللمعات)۔

"والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق" (شامی ۲.۱۲۹)۔

۹۔ حجاج کرام کے بارے میں جو حالات ذکر کئے گئے ہیں کہ جن سے ترتیب کی رعایت مشکل ہے، بنابریں فقہ حنفی کے قول مرجوح کو اختیار کئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔

الف۔ حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنے میں جب تک آمر قران وتمتع کی صراحت نہ کرے وہ یعنی حج بدل کرنے والا حج افراد کرے گا، محض عرف کی وجہ سے اس صورت میں حج تمتع تصور نہیں کیا جائے گا۔

ب۔ آمر کی صریح اجازت کے بغیر حج بدل کرنے والا حج تمتع تو کر سکتا ہے کیوں کہ صراحتاً اذن ضروری نہیں ہے، لیکن صراحتاً اجازت لینا بہتر ہے۔

ج۔ جب ظن غالب ہے کہ آمر حج تمتع کی اجازت دیدیتا ہے تو حج بدل کرنے والا حج تمتع کر سکتا ہے۔ احسن الفتاوی (۴/ ۵۲۳) میں ہے: "حج بدل کرنے

والے کو حج اِفراد کرنا چاہئے، آمر کی اجازت سے قران وتمتع بھی کر سکتا ہے، اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحتاً اذن ضروری نہیں، مع ہذا صراحتاً اذن حاصل کرنا بہتر ہے''۔

د۔ آمر کی اجازت اور بغیر اجازت آمر دونوں صورتوں میں تمتع کرنے کی صورت میں دم تمتع حج بدل کرنے والے پر واجب ہوگا، چنانچہ درمختار مع الشامی میں ہے:

''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج أى المأمور إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن'' (شامی ۲،۲۴۷، ھدایہ ۱،۲۷۸)۔

ھ۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا ہے لیکن اگر آمر صراحتاً تمتع کی نفی کر دے تب ایسی صورت میں مامور کے لئے تمتع کی گنجائش نہیں بصورت تمتع ضمان لازم ہوگا۔

و۔ میت کی جانب سے حج بدل کرنا جب کہ میت نے وصیت کی ہو یا حکم دیا ہو، حج بدل ہوجائے گا اور یہ جائز ہے، البتہ اگر میت کا وارث میت کی وصیت کے بغیر حج بدل کرادے تو بھی میت کا حج فرض ادا ہونے کی امید ہے، رہی یہ بات کہ میت کی طرف سے حج تمتع کرنا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر میت نے حج اِفراد کا حکم دیا ہو تو مامور کا حج بدل میں تمتع وقران کرنا جائز نہیں اور دریں صورت میت کا حج ادا نہیں ہوگا۔

۱۰۔ جب کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض یا نفاس شروع ہوگیا اور وہ عورت دوبارہ مکہ مکرمہ نہیں آسکتی ہو اور ویزا نہیں بڑھ پا رہا ہو تو مذکورہ صورت میں عورت بحالت حیض ونفاس طواف زیارت کرلے اور اس پر بطور جنایت بدنہ واجب ہوگا، لیکن اس کا طواف زیارت صحیح ہوجائے گا اور وہ حلال ہوجائے گی۔

الف۔ ناپاکی کی حالت میں اس کے لئے طواف زیارت جائز ہے۔

چنانچہ شامی میں ہے: ''لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة'' (شامی ۲:۱۸۴، ھدایہ ۱،۲۵۲، ۲۵۳)۔

د۔ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ ہی میں ضروری ہے اپنے مکان پر نہیں دے سکتی، ''وإن لم يعد وبعث بدنة أجزأه لما بيّنا'' (ھدایہ ۱،۲۵۳)۔

۱۱۔ اگر سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو وہ عورت ایام عدت میں حج یا عمرہ نہیں کر سکتی، ''منها العدة فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم'' (شامی ۲،۳۲۰)۔

معلم الحجاج میں ہے کہ عدت خواہ طلاق کی ہو یا وفات کی سب کا حکم ایک ہے۔

۱۲۔ مذکورہ صورت میں جبکہ حاجی اتنے دن قبل پہنچا ہے کہ پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہوجاتے ہیں تو وہ شخص مسافر رہے گا۔

''فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته (أى الإقامة) لأن يخرج إلى منى وعرفة فيقتصر إن نوىٰ فيه لكن بموضعين مستقلين كمكة ومنى'' (درمختار مع الشامی ۱،۵۲۸)۔

مکہ منیٰ الگ الگ دو مستقل جگہیں ہیں اور کسی ایک شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت سے وہ مقیم ہوگا (ہدایہ ۱/۱۴۶)، البتہ بڑھتی ہوئی آبادی کے تحت حضرات اہل علم کو غور کرنا چاہئے کہ موجودہ صورت حال میں منیٰ کو مکہ کے مضافات میں داخل کیا جائے یا نہیں؟

۱۳۔ مسئلہ کے اعتبار سے تو کسی حنفی مقتدی کا ایسے امام کی اقتداء کرنا وتر میں جو دو سلام سے وتر پڑھتا ہو صحیح نہیں ہے۔

لیکن اگر مجمع وجماعت کی رعایت میں وتر کی جماعت میں شامل ہوجائے اور دو رکعت پر امام سلام نہ پھیرے اور جب امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو یہ مقتدی حنفی بھی نیت سابقہ کے ساتھ کھڑا ہو کر تیسری رکعت میں شامل ہوجائے اور امام کے ساتھ سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل کرے تو حنفی مقتدی کی وتر کی نماز درست ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند اہم مسائل

مفتی شکیل احمد سیتاپوری[1]

۱،۲۔ ''عن جابر أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام'' (رواہ مسلم والنسائی)۔

''وعن أنس أن النبی ﷺ دخل مکة عام الفتح وعلی رأسه المغفر، قال مالك ولم یکن رسول اللہ ﷺ یومئذ محرماً'' (رواہ احمد والبخاری)۔

(نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے سال اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر خود یعنی لوہے کی ٹوپی تھی، امام مالک فرماتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ محرم نہیں تھے)۔

یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں حرب کے لئے بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قتال کا جواز تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواز قتال کا اختصاص تسلیم ہے، لیکن دخول بلا احرام کا جواز تو مختص نہیں تھا کیونکہ اس اختصاص پر کوئی نص وارد نہیں، لہذا یہ جواز امت کے لئے بھی ثابت ہوگا، علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''والحدیثان تدلان علی جواز دخول مکة للحرب بغیر إحرام. وقد اعترض علیه بأن القتال فی مکة خاص بالنبی ﷺ، ویجاب بأن غایة ما فی هذا الحدیث اختصاص القتال به ﷺ وأما جواز المجاوزة فلا'' (نیل الأوطار ۴؍۲۰۰)۔

آگے چل کر امام شوکانی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمان مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے آتے جاتے رہتے تھے اور کہیں منقول نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو احرام باندھے رہنے کا حکم دیا ہو، جیسے حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ انہوں نے میقات کے اندر نیل گائے کا شکار کیا اور وہ بغیر احرام کے تھے اور حج سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک مقصد کے تحت بھیجا تھا چنانچہ انہوں نے میقات کو بغیر احرام کے پار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، نیز جب تک دلیل نہ قائم ہو براءت اصلیہ کے استصحاب کی رو سے عدم وجوب احرام برقرار رہے گا (دیکھئے: نیل الاوطار ۴؍۳۰۱)۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کی ہے: ''لا یدخل أحد مکة بغیر إحرام إلا الحطابین والعمالین وأصحاب منافعها'' یعنی احرام کے حکم سے مزدور پیشہ لوگ اور جن کو مکہ مکرمہ معیشت کے لئے بار بار آنا پڑتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں، نیز امام مالک مؤطا میں لائے ہیں: ''إن ابن عمر جاوز المیقات غیر محرم'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میقات سے بغیر احرام کے گذرے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ''من کان یتکرر دخوله کالحطاب والحشاش والصیاد والسقاء والبرید ونحوهم، یجوز دخوله بغیر نسك لما روی ابن عباس ''لا یدخل أحد مکة إلا محرما ورخص للحطابین'' ولأن فی إیجاب الإحرام علی هؤلاء مشقة'' (۳؍۷۳)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں قتال مباح کے لئے یا کسی خوف کی بنا پر یا حاجت مکررہ کی وجہ سے، جیسے گھسیارے، لکڑ ہارے اور اناج اور سبزی لانے والے یا وہ جن کا ایسا پیشہ ہے جس کی وجہ سے انہیں بار بار آنا جانا پڑتا ہے، یہ لوگ اگر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو ان کے ذمہ احرام نہیں ہے، اس لئے کہ

[1] دار العلوم اسلامیہ، بستی۔

نبی ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں حلال ہونے کی صورت میں داخل ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر خود تھا، اسی طرح آپ کے اصحاب میں سے کوئی احرام میں نہیں تھا، ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر ان کے ذمہ احرام لازم کردیا جائے جنہیں بار بار آنا پڑتا ہے تو وہ زندگی بھر احرام ہی میں رہیں گے، اس لئے حرج کی بنا پر احرام ساقط ہوجائے گا، امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں'' (المغنی ۳/۲۶۸)۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، حافظ ابن کثیر نے امام ابن جریر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ مکی کے لئے تمتع نہیں ہے۔

البتہ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مکی کے لئے یہ حیلہ نکالا تھا کہ وہ باہر چلا جائے اور حرم سے کافی دور جاکر عمرہ کا احرام باندھ لے لیکن ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ جس کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں وہ چاہے مسافرت کی مسافت طے کرلے مکی ہی رہے گا، اور "أهله حاضري المسجد الحرام" میں شمار ہوگا اور اس کو تمتع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

امام ثعالبی نے بھی "ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام" میں ذلک کا مشار الیہ رخصت تمتع کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ لمن کا لفظ اور خاص کر لام مکسور رخصت ہی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے (الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن للثعالبی)۔

۴۔ سوال دوم کے جواب میں اس کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ احرام کی پابندی اسی کے لئے ہے جو حج اور عمرہ کے ارادہ سے آرہا ہے، جو حج اور عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا وہ بغیر احرام کے آسکتا ہے، اس پر احرام واجب نہیں ہے، سوال چہارم میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی اشہر حج میں میقات سے باہر گیا اور وہ اس سال حج کا ارادہ بھی رکھتا ہے وہ واپسی میں میقات پر پہنچ کر کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر احرام کے مکہ آجائے، پھر جب حج کے لئے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اسی میقات پر جاکر احرام باندھے، اگر وہ ایسا کرلے گا تو اس پر دم نہیں آئے گا۔

''لو جاوز الشخص ميقاتاً من المواقيت الخمسة يريد الحج أو العمرة بغير إحرام ثم عاد قبل أن يحرم وأحرم من الميقات وجاوزه محرماً لا يجب عليه دم بالإجماع لأنه لما عاد إلى الميقات قبل أن يحرم وأحرم التحقت تلك المجاوزة بالعدم وصار هذا ابتداء إحرام منه'' (الفقه الإسلامي وأدلته ۳۰۷۶)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے دوسرا عمرہ کرسکتا ہے، حنفیہ ایام تشریق کے سوا ہر تاریخ میں اور ہر روز عمرہ کی اجازت دیتے ہیں، امام شوکانی نے باب باندھا ہے، ''جواز العمرة في جميع السنة'' اس کے تحت روایت لائے ہیں۔ ''عن علي رضي الله عنه قال: في كل شهر عمرة'' (رواه الشافعي)۔

باب اور اس کے تحت روایت کا حاصل یہ ہے کہ عمرہ پورے سال اور ہر مہینہ میں ہوسکتا ہے، ''حیاۃ القلوب فی زیارۃ المحبوب'' جو فارسی زبان میں حنفیہ کے نزدیک مناسک پر عمدہ ترین کتاب ہے اور جس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اہتمام میں شائع کروایا تھا، اس میں ہے: ''وقت جواز عمرہ ایام سال تمام است إلا آنکہ مکروہ است تحریماً إنشاء إحرام عمرہ در ایام خمسہ أعنی روز عرفہ روز عید نحر وأیام تشریق ثلاثہ بعد از عید نحر واما اگر ادا کرد عمرہ در ایں ایام خمسہ ب إحرام سابق مکروہ نباشد کذا فی البحر العمیق'' (ص ۲۳۰)۔

لیکن بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ طواف کعبہ عمرہ سے افضل ہے (حوالہ سابق)۔

۶۔ حیاۃ القلوب فی زیارۃ المحبوب (ص ۲۱۳) میں ہے: ''چہارم آنکہ رمی نماید بنفس خود پس جائز نباشد در وے نیابت باوجود قدرت وجائز است در وقت عجز پس مغمی علیہ ومریض کہ استطاعت رمی ندارند جائز است رمی دیگرے برائے ایشان بطریق نیابت''۔

یعنی رمی کی چوتھی شرط یہ ہے کہ بذات خود رمی کرے، لہذا قدرت کے باوجود اس میں نیابت جائز نہیں ہے، عدم قدرت کے وقت جائز ہے، لہذا بے ہوش اور وہ بیمار جو رمی کی استطاعت نہیں رکھتا، ان کے حق میں جائز ہے کہ کوئی دوسرا ان کی طرف سے نائب ہوکر رمی کردے'' وتجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس أو كبر سن أو حمل المرأة'' (الفقه الإسلامي وأدلته ۳/۱۹۳)، جو بذات خود رمی سے قاصر ہو وہ نائب بنا سکتا ہے مثلاً بیمار، قیدی، کبیر السن اور حاملہ عورت۔

''إذا كان الرجل مريضاً أو محبوساً أو له عذر جاز أن يستنيب من يرمى عنه'' (المغنی ۲۹۰٫۳)۔
(بیمار اور قیدی اور معذور کے لئے نائب بنانا جائز ہے)۔

جمرات پر ازدحام کثیر دیکھنے کے بعد یہ بات دل میں آتی ہے کہ ''أو له عذر'' کی فہرست میں وہ شخص بھی آجاتا ہے جو نہایت ناتواں ہے، اگر چہ سن رسیدہ نہیں ہے اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ میں بھیڑ کی دھکا مکی کا تحمل نہ کرسکوں گا اور مجمع کے پیروں تلے روندا جاؤں گا، یا وہ شخص جو انتہائی ضعیف القلب اور مجمع کثیر سے گریزاں طبیعت کا حامل ہے اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ وہ غیر معمولی اختلاج میں مبتلا ہو جائے گا۔

لیکن کسل اور آرام پسندی کی بنا پر استنابت ہرگز جائز نہیں ہے، بیمار اور معذور کے حق میں بھی بعض مالکیہ کا قول ہے کہ وہ نائب مقرر کرنے کی صورت میں دم ادا کریں۔

۷۔ سعودیہ عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کو سرکاری اجازت نہ لینے کی وجہ سے اگر حالت احرام میں گرفتار کرلیا جائے تو وہ محصر ہیں، ان کے لئے حکم یہ ہے کہ حرم میں اونٹ یا گائے یا بکری کی ہدی ذبح کریں اور خود نہ ذبح کرسکیں تو کسی کو نائب بنا کر ذبح کرنے کی تاریخ اور وقت مقرر کرلیں، اس وقت کے گذر جانے کے بعد حلق کروائیں اور حلال ہو جائیں اور آئندہ عمرہ اور حج کی قضا کریں، ''فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله''۔

۸۔ موطا امام محمد (ص ۲۲۹) میں ''باب من قدم نسكاً قبل نسك'' کے تحت وارد ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی خاطر حجۃ الوداع میں ایک جگہ ٹھہر گئے تا کہ لوگ آکر مسائل دریافت کرلیں تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نہیں جان سکا اور میں نے رمی سے پہلے ذبح کر دیا تو آپ نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں اب رمی کرلو، دوسرے نے کہا اے اللہ کے رسول میں نہیں سمجھ سکا میں نے ذبح کرنے سے پہلے حلق کروالیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اب ذبح کرلو، اس دن کسی شئی کی بھی تقدیم وتاخیر کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں اب کرلو۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کو ہم لیتے ہیں کہ اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس تقدیم وتاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ اس میں کوئی کفارہ یا دم ہے، لیکن ایک صورت ہے کہ متمتع اور قارن جب ذبح کرنے سے پہلے حلق کروالیں تو ان کے نزدیک اس پر دم عائد ہوتا ہے، لیکن ہم اس پر کسی چیز کو عائد نہیں کرتے''۔

موطا کے محشی عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ''نحن'' یعنی ہم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: أنا وأبو يوسف وغيرهما۔

یعنی ترتیب کے عدم وجوب کے قائل صرف صاحبین ہی نہیں اور دیگر ائمہ حنفیہ بھی ہیں، امام شوکانی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور قائلین وجوب ترتیب کے ایک ایک جز کا معقول جواب دیا ہے، عجیب اتفاق ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ یکہ وتنہا کھڑے ہیں، کوئی مسلک ان کا ہمنوا نہیں حتی کہ صاحبین اور دیگر ائمہ حنفیہ بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں (نیل الاوطار ۵/ ۷۳۔ ۷۴)۔

امام ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ رمی، حلق، ذبح، طواف اور سعی میں جس کو چاہیں آپ مقدم کردیں اور جس کو چاہیں مؤخر کردیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے (المحلی ۵/ ۱۹۱)۔

۹۔ حج بدل کرنے والے کو اگر مستنیب نے کسی خاص قسم کے ساتھ پابند نہیں کیا ہے تو وہ المعروف کالمذکور کے تحت تمتع پر محمول ہوگا اور حج بدل آج کل اسی طرح مروج ہے، دم تمتع اور اگر مستنیب نے قران کا حکم دیا ہے تو دم قران آمر کے مال میں لازم ہوگا، نائب کے مال میں نہیں، ہاں اگر آمر نے صراحۃ تمتع یا قران سے منع کردیا ہے تو دم نائب کے مال سے دیا جائے گا:

''ودم المتعة والقران إن أذن له في ذلك على المستنيب لأنه إذن في سببهما وإن لم يؤذن له فعليه'' (المغنی ۲۲۳٫۳)۔

میت کی طرف سے حج تمتع کیا جاسکتا ہے: ''متى توفي من وجب عليه الحج ولم يحج وجب أن يخرج عنه من جميع ماله

مايحج به عنه و يعتمر'' (المغنی ۳،۲۴۲)۔

۱۰۔ عورت نے طواف زیارت نہیں کیا اور وہ حائضہ یا نفساء ہوگئی اور انتظار کی گنجائش نہیں ہے تو وہ غسل کرے اور پائجامہ کے نیچے لنگوٹ باندھے، پھر طواف کرے اور سعی بین الصفا والمروہ کرے اور بدنہ ذبح کرے یعنی پانچ سال کا اونٹ یا دو سال کی گائے۔

''وإذا اضطرت المرأة اضطراراً شديداً لمغادرة مكة قبل انتهاء مدة الحيض أو النفاس ولم تكن قد طافت طواف الإفاضة فتغتسل وتشد الحفاظ الموضوع في أسفل البطن شداً محكماً ثم تطوف بالبيت سبعاً طواف الإفاضة ثم تسعى بين الصفا والمروة سبعاً وعليها ذبح بدنة (وهي ما أتم خمس سنين من الإبل أو أتم سنتين من البقر) وذلك تقليداً للحنفية الذين يقولون بصحة الطواف حينئذ مع الحرمة ووجوب إهداء البدنة'' (الفقه الإسلامي وأدلته ۳،۱۶۳)۔

۱۱۔ عورت کے شوہر کا سفر حج میں اگر انتقال ہوجائے تو اگر وہ اپنے گھر سے قریب ہے تو واپس آجائے اور اگر بعید ہے اور مکہ مکرمہ سے قریب ہے تو پہلے حج کرے، پھر عدت گذارے، شوہر کی وفات ادائیگی حج سے مانع نہیں ہوگی۔

''وإذا خرجت للحج فتوفي زوجها وهي قريبة رجعت لتعتد في منزلها وإن تباعدت مضت في سفرها'' (المغني ۳،۲۴۱)

بیوی اگر اعتکاف منذور میں ہو اور شوہر کا انتقال ہوجائے تو امام مالک اور ربیعۃ الرای کے نزدیک وہ اپنا اعتکاف پورا کرے، اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد عدت گذارے اس لئے کہ اعتکاف منذور بھی واجب ہے، اور شوہر کے گھر عدت گذارنا بھی واجب ہے اور صورت یہ ہے کہ وہ اعتکاف شوہر کے مکان کے سوا کسی دوسرے مکان میں کئے ہوئے ہے، یہاں دو واجب متعارض ہوگئے لہذا جو پہلے واجب ہوا وہ پہلے ادا کیا جائے گا، اسی طرح حج کا مسئلہ ہے، حج پہلے واجب ہوا، عدت بعد میں واجب ہوئی، لہذا حج پہلے ادا کیا جائے گا (المغنی ۳/۲۰۷)۔

☆☆☆

مسائل حج وعمرہ کا حل

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی[1]

عصر حاضر میں حجاز مقدس کی تجارتی اہمیت، حج بیت اللہ کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ کی قانونی پابندیوں کی دشواریوں سے بچنے کے لئے فقہی مسائل کا حل اس طرح ہوسکتا ہے:

۱۔ حج وعمرہ کی نیت کے بغیر صرف تجارت یا کاروباری مقصد یا کسی سے ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں احرام باندھ کر ہی آنا شرط نہیں ہے۔

۲۔ اہل مکہ کا حدود سے نکل کر بار بار آنے والے طریقہ پر احرام کی پابندی لگانا ٹھیک نہیں، انہیں مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۴۔ حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو اشہر حج میں میقات سے باہر جانے کی اجازت ہوگی مگر احتیاطاً ایک دم دیدے۔

۵۔ حج کے احرام سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے۔

۶: الف۔ عمل رمی میں نیابت ہوسکتی ہے۔

ب۔ ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست ہوسکتا ہے، اس لئے کہ ازدحام سے کسی خطرہ کا خوف لاحق رہتا ہے۔

۷۔ سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکی اجازت کے بغیر حج کرتے ہوئے پکڑے جائیں تو وہ محصر کے حکم ہوں گے، یہ قربانی دے کر احرام ختم کرسکتے ہیں جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا تھا۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب تو ہے مگر حکومت کے مجاز اداروں کی ذمہ داری اختیار کی جاسکتی ہے۔

۹: الف۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت سے حج تمتع کرسکتا ہے۔

ب۔ صریح اجازت کے بغیر تمتع نہیں کرسکتا ہے۔

ج۔ اگر ظن غالب پر تمتع کرلے تو حج بدل کرنے والے کے مال سے دم دینا لازم ہوجائے گا۔

ھ۔ آمر کی اجازت نہ ہو اور حج سے پہلے سفر ہوگیا ہے، طویل عرصہ تک احرام کی پابندی مشکل ہے، حج کے ایام تک اپنے مال سے دم دینے کی اگر قوت ہو تو حج بدل کا احرام دوبارہ باندھ سکتا ہے۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں دم دینے کی خود میں ہمت ہو تو تمتع کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

۱۰۔ ایسی عورت کو ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرکے گھر دم دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۱۱۔ سفر حج یا عمرہ میں شوہر کے انتقال پر ایام عدت میں حج یا عمرہ کرسکتی ہے۔

۱۲۔ مکہ میں ۱۵ / دن سے زیادہ ہونے سے وہ مقیم ہوگا، منیٰ میں قصر کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳۔ حنفی امام حرم کی اقتداء میں فصل کے ساتھ وتر ادا کرے ورنہ جماعت کے ثواب سے محروم ہوجائے گا۔

☆☆☆

[1] دار العلوم صدیقیہ، عربک کالج، میسور کرناٹک۔

حج وعمرہ کے مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی [1]

۱۔ حرم مکی میں داخل ہونے کے لئے مطلق احرام کی شرط چاہے حج یا عمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو، صرف حضرات حنفیہ کے یہاں ہے: ''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد'' (هدايه ۱/۲۱۴، رشيديه دهلی)۔

دیگر ائمہ بالخصوص امام شافعیؒ کے نزدیک میقات کے اندر داخل ہونے کے لئے احرام کی شرط صرف اس کے لئے ہے جس کا حج یا عمرہ کا ارادہ ہو اور جس کی اس کی نیت نہ ہو احرام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے:

''الشافعي عنده إنما يجب الإحرام عند الميقات إذا دخل مكة بحجة أو عمرة لأن الإحرام شرع لأحدهما فإذا نوى ذلك يجب وإلا فلا'' (هدايه ۱/۲۱۵ على الهامش)۔

بدایہ میں یہ تفصیل نام لئے بغیر ہے: ''وقال قوم: لا يلزم الإحرام إلا لمريد الحج أو العمرة الخ'' (بداية المجتهد ۲/۲۲۵)۔

اسی موقع پر امام مالک کے اس مسلک کی وضاحت بھی ہے کہ لکڑی فروش وغیرہ جنہیں کثرت سے حدود حرم میں آنا جانا پڑتا ہو ان کے لئے بھی احرام کی ضرورت نہیں ہے:

''ولا خلاف أنه يلزم الإحرام من مرّ بهذه المواقيت ممن أراد الحج أو العمرة و أما من لم يردهما ومرّ بهما فقال قوم كل من مر بهما يلزم الإحرام إلا من يكثر ترداده مثل الحطابين وشبههم. وبه قال مالك'' (بدایہ حوالہ سابق)۔

امام ابوحنیفہ کے مسلک کی جو تفصیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایہ اور دیگر حنفی مراجع میں دخول حرم کے لئے مطلق احرام کی شرط کی جو بات کہی گئی ہے دراصل وہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ حدود حرم میں بار بار آنے جانے کی ضرورت کے لئے امام صاحب کے یہاں بھی رخصت ہے اور اس کے لئے احرام ضروری نہیں ہے۔

''(النوع الثالث) المكلف الذى يدخل... ولا حاجة متكررة فلا يجوز له تجاوز الميقات غير محرم. وبه قال أبوحنيفة وبعض أصحاب الشافعي'' (مغنی ۳/۲۶۹)۔

جبکہ دوسروں کے یہاں بھی ڈھیل معروف ہے: ''وقال بعضهم: لا يجب الإحرام عليه و عن أحمد ما يدل على ذلك الخ'' (مغنی حوالہ سابق)۔

اس تفصیل کی روشنی میں بار بار کی ضرورت والوں کے لئے تو فقہ حنفی میں بھی احرام کی شرط متفقہ نہیں رہ جاتی ہے، باقی تینوں ائمہ کی رائے پہلے ہی سے اس کے حق میں ہے، تجارت یا ملاقات کی اتفاقیہ ضرورت کے سلسلہ میں بھی امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کی رائے پر ہی عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے یہاں احرام کی شرط حج اور عمرہ کے ساتھ ہی ہے، مسئلہ کی دیگر تفصیلات سے اگرچہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی تجارت یا ملاقات کی ضرورت اس نوعیت کی نہ ہو کہ انہیں بار بار اور انتہائی کثرت سے مکہ آنا جانا پڑتا ہو، ان کے لئے احرام کی پابندی ہی زیادہ اولیٰ اور انسب ہے، لیکن اسے اولیٰ اور انسب کی حد تک ہی رکھنا بہتر ہے، واجب قرار دینا مناسب نہیں ہے، بالخصوص فی زمانہ دینداری میں جو اضمحلال ہے اس کے پیش نظر آسانی اور رخصت کا مسلک ہی بہتر اور مناسب ہے، مزید آمد ورفت کی کثرت وعدم کثرت کو متعلق فرد کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے، اس کا فیصلہ وہ خود کرے کہ اس کے مطابق احرام کی مذکورہ رخصت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

[1] ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی دودھ پور، علی گڈھ۔

۲۔ تفصیل بالا کے مدنظر مکہ کے اندر یا باہر کے جن لوگوں کا مختلف اغراض سے بار بار مکہ آنا جانا ہو اور ان کی حج یا عمرہ کی نیت نہ ہو، ائمہ ثلاثہ کی ان کے لئے رخصت واضح ہے کہ اندریں صورت انہیں احرام باندھنے کی حاجت نہیں ہے، فقہ حنفی جس کی معروف رائے اس کے برعکس ہے اس میں بھی امام ابوحنیفہؒ کی اس رائے کے مطابق جس میں بار بار کی ضرورت کی صورت میں احرام سے رخصت کی گنجائش نکلتی ہے (مغنی ۳/۲۶۹)، اس مسلک میں بھی اس کی گنجائش پیدا ہوتی ہے، اگرچہ دینداری کے موجودہ اضمحلال کے پیش نظر جس کا اشارہ اوپر گذرا، ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے کہ بار بار کی ضرورت سے قطع نظر حج یا عمرہ نہ کرنے کی صورت میں ملاقات یا تجارت وغیرہ کی مطلق ضرورت سے بھی احرام کی عدم پابندی کی دیگر ائمہ کی رائے پر عمل زیادہ بہتر اور قرین حالات ہے، دریں حالیکہ میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے پریشانی اور زحمت سے بچانے کے مقصد سے اہل مکہ کی طرح انہیں بھی مکہ میں بلا احرام داخل ہونے کی اجازت فقہ حنفی میں پہلے سے موجود ہے:

''ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجة لأنه يكثر دخوله مكة وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بيّن فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج لحاجة منها ثم دخولها بغير إحرام حاجتهم الخ'' (هدايه ۱.۲۱۴)۔

آج کے دور میں بالکل یہی زحمت آفاقی کے لئے ہے، پس اس رخصت کو اس کے لئے بھی عام کردینا مناسب ہے۔

۳۔ جمہور علماء کے اتفاق سے مکی کے لئے تمتع یا قران جائز نہیں:

''واتفق العلماء على أن من لم يكن من حاضري المسجد الحرام فهو متمتع'' (بداية المجتهد ۱.۲۲۲)۔

یہی رائے امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے، البتہ امام مالکؒ کے یہاں یہ صرف مکروہ ہے:

''وأبوحنيفة يقول: إن حاضري المسجد الحرام لا يقع منهم التمتع، وكره ذلك مالك'' (بداية ۱.۲۲۲)۔

یہی حکم قران کا بھی ہے: ''والقارن الذي يلزمه هدي المتمتع هو عند الجمهور من غير حاضري المسجد الحرام'' (هدايه ۱.۳۲۵)۔

۴۔ اوپر کی گفتگو کی روشنی میں اس کا جواب واضح ہے، مکہ میں مقیم جن حضرات کے کام کی نوعیت ایسی ہو کہ سال کے تمام دنوں میں انہیں بار بار مکہ آنا اور جانا پڑتا ہے، فقہ حنفی سے ہٹ کر ان کے لئے رخصت معلوم ہے کہ ان کے لئے احرام کی پابندی ضروری نہیں ہے، اسی طرح حج یا عمرہ نہ کرنے کی نیت کی صورت میں بھی فقہ شافعی و دیگر کی رائے صاف ہے کہ اندریں صورت احرام واجب نہیں ہے، البتہ اسی کی بنیاد پر اہل مکہ کی تقسیم کرنے کی ضرورت ہے، کاروبار اور ملاقات وغیرہ کے لئے ہر ایک کی ضرورت لازماً بار بار آنے جانے کی نہیں ہوتی ہے، حج کا عرصہ، شوال، ذی قعدہ اور معروف قول کے مطابق دسویں ذی الحجہ کل دو ماہ دس دن ہے، جو بہت زیادہ نہیں ہے کہ آدمی کے لئے اس میں اپنے شہر سے نکلے بغیر چارہ نہ ہو، پس جو لوگ ایسا کرسکیں انہیں احتیاط کرنی چاہئے، البتہ ڈرائیور، سبزی فروش اور دیگر کاروباری جو سال کے باقی دنوں کی طرح ان ایام میں بھی ایسے ہی بار بار مکہ سے باہر اور پھر واپس آنے کے لئے مجبور ہوں، ان کے لئے ان فقہاء کے مسلک پر عمل کی اجازت دینا اولیٰ ہے جن کے ہاں ایسے ضرورت مندوں کے لئے احرام کی شرط نہیں ہے، کاروبار اور ملاقات وغیرہ کی اس سے ہٹ کر صورت کے لئے معاملہ کو متعلق فرد یا افراد کی صوابدید پر چھوڑنا چاہئے، حج اور عمرہ کی نیت نہ ہونے کی صورت کا معاملہ پہلے سے ہی واضح ہے کہ اس کے لئے احرام کی ضرورت نہیں ہے، پس اہل مکہ میں اسے اسی سال حج کا ارادہ کرنے والا دو ماہ دس دن مکہ سے باہر نہ آئے جائے، الا یہ کہ وہ بار بار کی ضرورت والے لوگوں کی صف میں آتا ہو، سو اس کی رخصت معلوم ہے، مکی کے لئے ایک رائے تمتع اور قران کے جواز کی بھی ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۲-۳۳۵) اور اس صورت میں اس کے لئے دم نہیں ہے (بدایہ ۱/۳۳۲) مخصوص حالات میں مکی کے لئے اس رخصت سے بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہونی چاہئے، جہاں تک ممکن ہو دم سے بچانے کی راہ نکلنی چاہئے۔

۵۔ ایک ہی سال میں ایک سے زائد بار عمرے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف معلوم ہے، حضرت امام مالکؒ کے یہاں سال میں مستحب ایک ہی عمرہ ہے، ایک ہی سال میں دو یا تین کو وہ مکروہ کہتے ہیں، البتہ امام شافعیؒ اور حضرت امام اعظمؒ کے یہاں اس میں کراہیت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

''واختلفوا فی تکریرها فی السنة الواحدة مراراً فکان مالك یستحب عمرة فی کل سنة ویکره وقوع عمر تین عنده أو ثلاثاً فی السنة الواحدة، وقال الشافعی و أبو حنیفة لا کراهیة فی ذلك'' (هدایة ۱،۲۲۶)۔

اس کے لحاظ سے تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرسکتا ہے، الا یہ کہ موجودہ دور کے غیر معمولی ازدحام کے پیش نظر منتظمین حج کی طرف سے اس سے بچنے کی سفارش ہو تو اندریں صورت لوگوں کو زحمت سے بچانے کے مقصد سے ایک عمرہ پر اکتفاء کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۶: الف۔ رمی کے عمل میں ایک شخص دوسرے کی نیابت کرسکتا ہے۔

ب۔ نیابت کے جواز کے لئے مریض اور معذور کے ساتھ محبوس کا بھی ذکر ہے، یعنی یہ کہ جو شخص کسی شدید مجبوری سے رمی جمرہ کے لئے نہ جاسکے، لیکن مناسب ہے کہ اسے بہت عام نہ کیا جائے، محض ازدحام کے ڈر سے نائب بنانا درست نہیں ہے۔

''إذا کان الرجل مریضا أو محبوساً أو له عذر جاز أن یستنیب من یرمی عنه'' (المغنی ۳،۴۹۰)۔

البتہ بیماری اور عذر کی صورت میں بھی بہتر ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نائب کے ہاتھ میں کنکری اپنے ہاتھ سے رکھے جس سے کہ اس عمل میں اس کی بھی یک گونہ شرکت ہوجائے، قاضی ابویعلیٰ کی رائے کے الفاظ ہیں:

''قال القاضی: المستحب أن یضع الحصی فی ید النائب لیکون له عمل فی الرمی الخ'' (حوالہ سابق)۔

۷۔ ہاں ایسا شخص ''محصر'' کے حکم میں ہوگا، وہ دم احصار کے طور پر قربانی کا جانور یا اس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے جس سے اس کی طرف سے حرم میں قربانی کردی جائے، اس وقت تک اس کے لئے احرام سے تحلل جائز نہ ہوگا، لیکن کسی وجہ سے وہ اس کے لئے اس سے پہلے مجبور کردیا جائے تو ساتھ ہی وہ دم جنایت بھی ادا کرے، دونوں ہی صورتوں میں آئندہ حج یا عمرہ وہ اس وقت کرے جبکہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ اس کو اس کی اجازت مل جائے، اصحاب امر کی معروف میں اطاعت واجب ہے، اور موجودہ دور کے حالات ومصالح کے مدنظر حکومت کا یہ حکم معروف میں داخل ہے اور ہر مسلمان کے لئے اس کی پیروی لازم ہے۔

۸۔ صورت مسئولہ میں رمی، ذبح حلق کے درمیان ترتیب قائم نہ رہنے پر دم لازم نہیں ہوگا، حالات مندرجہ کے پیش نظر فقہ حنفی کے قول مرجوح اور دیگر ائمہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، ترتیب کے عدم قائلین میں صرف امام شافعی کے علاوہ عطاء، ابو یوسف اور ابوثور رہیں (المغنی لابن قدامہ ۳/۴۳۶) اور موجودہ حالات میں ان کی رائے پر ہی عمل کیا جانا مناسب ہے (نیز ملاحظہ ہو: مغنی ۳/۴۵۲)۔

۹۔ شریعت میں عرف کا دخل ہے، اس لئے اس وقت مطلق حج سے اگر حج تمتع، مفہوم ہوتا ہے تو حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا حج تمتع ہی سمجھا جائے گا، ہاں بہتر ہوگا کہ روانگی سے قبل اس کی صراحت ہوجائے جس سے کہ شبہ زائل ہوجائے۔

باقی شقوں کا جواب اس طرح ہے:

الف۔ ہاں! کرسکتا ہے۔

ب۔ عرفاً حج تمتع مفہوم ہونے کی صورت میں کرسکتا ہے، لیکن بہتر ہے کہ صراحت پیشگی کرالی جائے۔

ج۔ ہاں! تمتع کرسکتا ہے۔

د۔ آمر کی طرف سے صریح طور پر تمتع کی ممانعت نہ کی گئی ہو تو دم تمتع آمر کے ہی مال میں لازم ہوگا۔

''ودم المتعة والقران إن أذن له فی ذلك علی المستنیب'' (مغنی ۳،۲۳۲-۲۳۳)۔

ھ۔ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کی گنجائش ہے، اس لئے صورت مسئلہ میں قران کی طویل عرصہ کی پابندی اس کو جھیلنے کی ضرورت نہیں ہے، اشہر حج شروع ہونے سے قبل جانے کی صورت میں پہنچنے کے ساتھ ایک عمرہ کرلے، بعد ازاں حج کے ساتھ عمرہ کرکے تمتع کی صورت پیدا

کرلے، سال میں ایک سے زیادہ عمرے کی گنجائش ہے، اس کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، تفصیل پہلے آچکی ہے۔

و۔ اصولی طور پر زندہ اور مردہ کے حج بدل میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے (مغنی ۳؍۲۳۲، بدایۃ المجتہد ۱؍۳۲۰)، اس لئے حج عن المیت کی صورت میں تمتع کی گنجائش نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۰۔ صورت مسئولہ میں چونکہ اضطرار ہے اس لئے:

الف۔ ایسی عورت ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرکے اپنا حج مکمل کرلے۔

ب۔ بوجہ اضطرار اس کا رکن ادا ہوجائے گا اور اس پر دم لازم نہ ہوگا۔

ج۔ دم لازم ہی نہیں تو بدنہ اور بکرا کا سوال ہی نہیں۔

د۔ یہ شق بھی اپنے آپ زائل ہوجاتی ہے۔

۱۱۔ مکی ہونے کی صورت میں وہ اپنے کو محصر کے حکم میں سمجھے اور اگلے سال اپنے حج رعمرہ کی تکمیل کرے، آفاقی ہونے کی صورت میں وہ ایام عدت میں حج اور عمرہ کرلے، بنابریں کہ وہ اضطرار کی شکار ہے اور دوسرے سال آکر حج اور عمرہ کی تکمیل اس کے لئے بوجوہ دشواریوں کی باعث ہے۔

۱۲۔ منیٰ کی آبادی کے مکہ سے متصل ہوجانے پر دونوں ایک ہی مقام تصور ہوں گے، اور دونوں میں ملاکر ۱۵؍دن پورا ہونے پر ہی وہ شخص مقیم سمجھا جائے گا۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں مسجد اور حرمین میں وتر جس طرح ادا کی جاتی ہے ویسے ہی ادا کرے اپنے مسلک کی پیروی کی خاطر مسجد اور حرمین سے الگ ہوکر علیحدہ وتر ادا نہ کرے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے مسائل

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی[1]

زمان ومکان کے تغیرات نے اسلام کے جس رکن سے متعلق سب سے زیادہ مسائل پیدا کئے ہیں، وہ غالباً حج کا رکن ہے، اس سے متعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء متبعین نے جو مسائل مستنبط کئے اور جو رائیں اپنائیں وہ اپنے وقت کے حالات کے پیش نظر تھیں جبکہ تعداد حجاج چند لاکھ مشکل سے پہنچتی تھی، نہ چاہ زمزم زمین دوز کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، نہ مسعی ومرمی کو دو منزلہ بنانے کی حاجت تھی اور نہ ہی ان کی ایسی توسیع ہوئی تھی، مگر ان کوششوں کے باوجود مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا جس کے نتیجہ میں اکثر ایام حج میں، اللہ محفوظ رکھے، کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے مسائل کا صحیح اندازہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ فقہاء نے یہ تک بتا دیا تھا کہ ''کنکری کہاں سے کھڑے ہو کر کیسے پکڑ کر ماریں اور کہاں گرے یہ دیکھ لیں''، آج یہ حال ہے کہ آدمی جمرات کے راستہ میں کھڑا ہو جائے اور ریلا خود بخود اسے وہاں پہنچا دے گا اور بس اپنے کو سنبھالتے ہوئے کسی طرح رمی کی سنت ادا کرلے، اسلامک فقہ اکیڈمی مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے اس مسئلہ کو بھی اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے، پیش کردہ سوالات کو حل کرنے کے لئے نصوص قرآنی اور احادیث وآثار کے علاوہ شریعت کے مزاج اور مقاصد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے اور مشکلات کے حل میں کوئی حرج نہیں کہ دوسرے فقہی مسالک کی رایوں کو بھی سامنے رکھا جائے، کیونکہ کسی مشکل کو حل کرنے کے لئے کوئی نئی رائے بنانے کے مقابلہ میں یہ کہیں بہتر ہے کہ مسلمہ مسالک کی کوئی رائے جو گرہ کشا ہو اپنا لیا جائے کہ انہیں بھی ہم برحق سمجھتے ہیں اور انہوں نے بھی مسائل کے حل میں بنیادی مآخذ کا سہارا لیا ہے، اس مختصر تمہید کے بعد نمبر وار سوالات کے جواب درج ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میقات کی تعیین کے وقت فرمایا تھا:

''فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة'' (صحیح مسلم وغیرہ)۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مواقیت ان کے لئے ہیں جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہے، ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ ان مواقیت سے بغیر احرام کے نہ گذرے، اب اگر کہیں کسی نے مطلق بھی احرام باندھ کر گذرنے کی بات کہی ہو تو اس حدیث سے اس کی تخصیص ہو جائے گی۔

۲۔ مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ایسے لوگوں کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا جو حج یا عمرہ کی نیت کے بجائے تجارت وملازمت یا اپنے کسی کام سے مکہ میں آمد ورفت رکھتے ہیں، اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ سے بھی ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے وقت جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج یا عمرہ کی نیت سے نہیں تشریف لا رہے تھے اس وقت احرام نہیں پہنا، مکہ مکرمہ کے اندر آنے والے ہر شخص کو احرام کا پابند کرنا ایسی مشقتوں کا باعث ہوگا جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، پابندی کی شکل میں یا تو آدمی آئے نہیں یا آئے تو احرام باندھ کر عمرہ یا حج بھی کرے، اس طرح ہم اس پر ایسی چیز لازم کریں گے جو شریعت نے نہیں کیا ہے۔

۳۔ مکی کے لئے تمتع یا قران کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اثبات یا نفی کا دارومدار آیت حج تمتع:

''فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام'' (سورة البقرہ) کے سمجھنے پر ہے، تعجب ہے کہ اتنے اہم حکم سے متعلق احادیث خاموش ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد رائیں ہیں مثلاً:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل مکہ کے لئے تمتع نہیں ہے۔

۲۔ امام مالکؒ نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔

[1] لکچرار کنگ فیصل یونیورسٹی جدہ، سعودی عربیہ۔

۳۔ حضرت ابن زبیرؓ نے تمتع سے مراد محصر کا تمتع لیا ہے۔

۴۔ کچھ دوسرے ائمہ نے اہل مکہ کے لئے تمتع جائز قرار دیا ہے لیکن ان پر ہدی نہیں ہے۔

اختلاف کی وجہ آیت کے آخری حصہ "ذلک لمن لم یکن الخ" کے تعلق کی تعیین پر ہے، یعنی جن لوگوں نے اسے حکم تمتع سے جوڑا ہے وہ اہل مکہ کے لئے تمتع جائز نہیں سمجھتے اور جن لوگوں نے اسے ہدی اور صیام کے حکم سے متعلق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مکی تمتع تو کرسکتا ہے البتہ اس پر ہدی نہیں ہے، چونکہ آیت میں دونوں ہی معانی کا احتمال ہے اور افراد کے جواز میں کوئی اختلاف اور شبہ نہیں اس لئے ناچیز کی رائے میں مکی کے لئے اولیٰ افراد ہے، لیکن تمتع کی واضح ممانعت مروی نہ ہونے کی وجہ سے بکراہیت جواز ہوسکتا ہے، مگر جو چیز آیت میں اس وقت زیادہ غور کی مستحق ہے وہ "من لم یکن أھلہ حاضري المسجد الحرام میں "أھلہ" کالفظ ہے، آیت میں یہ نہیں ہے کہ من لم یکن حاضر المسجد الحرام اس فرق کا کوئی فائدہ ہوسکتا ہے تو یہ کہ باہر سے مقیم لوگوں کے لئے (جن کے اہل وعیال میقات سے باہر ہوں) تمتع کی ممانعت یا ہدی کی چھوٹ (باختلاف اقوال) نہ ہو، یا وہ لوگ جو خود مکہ سے ہجرت کر گئے ہوں یا اپنے کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں میقات سے باہر رہتے ہوں لیکن ان کے اہل وعیال ابھی حاضری المسجد الحرام ہوں تو ان پر بھی تمتع منع ہو یا ہدی کی چھوٹ ہو۔

۴۔ میقات کے باہر سے مکہ آنے والے کے لئے، جیسا کہ اوپر (۱) میں تحریر کیا، صرف اس شکل میں احرام لازم ہے جبکہ وہ عمرہ یا حج کی نیت سے آرہا ہو:

"ممن أراد الحج والعمرۃ"۔

خاص طور سے مکی جس کا گھر ہی وہاں ہے اور اسے باہر آنا جانا رہتا ہے احرام کی پابندی عائد کر کے ہم مزید کئی پیچیدگیاں پیدا کریں گے۔

۵۔ کرسکتا ہے، کیونکہ اس کی ممانعت نہیں آئی ہے، البتہ "کثرت عمرۃ" کے مقابلہ میں "کثرت طواف" زیادہ فضیلت رکھتا ہے کہ "عمرہ کی کثرت" مسنون نہیں ہے۔

۶: الف۔ عمل رمی میں بچوں کی طرف سے رمی کی نیابت کا ذکر حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے:

"حججنا مع رسول اللہ ﷺ ومعنا النساء والصبیان فلبینا عن الصبیان ورمینا عنھم" (ابن ماجہ) اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل میں نیابت ہوسکتی ہے۔

ب۔ مریض ومعذور کے علاوہ عورتوں کو بھی اجازت دی جاسکتی ہے اگر انہیں کوئی رمی کا ایسا وقت نہ مل سکے جس میں وہ مردوں کے ریلے سے بچ کر رمی کرسکیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ضعفاء ومرضیٰ ونساء کی خاص رعایت کی ہے لیکن بہتر ہے کہ وہ خود رمی کریں اور اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کریں جس میں نسبۃً بھیڑ کم ہو خواہ وہ وقت غیر افضل ہی کیوں نہ ہو، صرف ازدحام کے خوف سے ہر شخص کو نائب بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۷۔ جو لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں ایسے لوگ بھی محصر کے حکم میں ہوں گے اور ان پر وہی حکم لاگو ہونا چاہئے جو دیگر محصرین کے ہیں یعنی اس پاداش میں اپنا ہدی (یا اس کی رقم) مکہ بھجوائیں اور جب وہاں انجام پا جائے تب احرام کھولیں اور پھر جب کھلے بند انہیں حکومت سے اجازت ملے تب اس کی قضا کریں (یاد رہے کہ حکومت سعودی عرب ازدحام کو کم کرنے اور دور سے آنے والے حجاج کو سہولتیں فراہم کرنے کے لئے مقیمین کے نفلی حج پر پانچ سال کے لئے پابندی لگائی ہے)۔

۸۔ دیدہ ودانستہ اور بلا عذر ترتیب کی خلاف ورزی صحیح نہیں ہے، لیکن مجبوری یا عدم علم کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو حجۃ الوداع میں بے ترتیبی کے متعدد واقعات کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان "افعلوا ولا حرج" (صحیح مسلم) کو اپناتے ہوئے فقہ حنفی کے قول مرجوح اور دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے سوالنامہ کے مذکورہ احوال کے سلسلہ میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۹۔ حج بدل کرنے والا آمر کا نائب ومامور ہوتا ہے اب یا تو آمر شروع ہی میں جس طرح کا حج چاہتا ہے بتادے ورنہ حج بدل کرنے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ جس کو وہ افضل سمجھتا ہے یا جس کو وہ بخوبی انجام دے سکتا ہے وہ حج کرے۔

الف۔ کرسکتا ہے، نہ کرسکنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

ب۔ اگر آمر نے منع نہیں کیا ہے اور نہ یہ خیال ہو کہ اس کو اعتراض ہوگا تو کرسکتا ہے۔

ج۔ کرسکتا ہے۔

د۔ دونوں شکل میں ثواب تو آمر کو پہنچنا ہے اس لئے اس کے مال سے دم تمتع ہوگا، اگر اس کو کوئی اعتراض ہے تو پہلے ہی منع کردے۔

ھ۔ اس کی دشواری کا یہ حل ہے کہ وہ حج بدل کے لئے جائے ہی نہیں، شریعت نے اسے حج بدل پر جانے کے لئے مجبور نہیں کیا ہے۔

و۔ شریعت کے بنیادی مآخذ میں تو کوئی تفصیل ملی نہیں اس لئے معاملہ تخییر پر چھوڑ دینا چاہئے، ہم پابندیاں کیوں بڑھائیں۔

۱۰: الف۔ طواف کے لئے نماز کی طرح پاکی کو شرط قرار دیا گیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابیات کو "حتی تطهري" کہہ کر پاک ہونے تک طواف زیارت سے روک دیا، اس لئے اس حالت میں طواف زیارت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب۔ مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں رکن ادا نہیں ہونا چاہئے اور دم دے۔

ج۔ چونکہ طواف زیارت حج کے ارکان میں سے ہے اس لئے بدنہ ذبح کرے، اگر موقع مل سکے تو مکہ مکرمہ ہی میں دم دے، ورنہ اپنے مقام پر پہنچ کر کرے۔

نوٹ۔ یہاں دم کی ادائیگی اطمینان قلب کے لئے ہے ورنہ طواف زیارت کے ترک میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے: "هذا شئ كتبه الله على بنات آدم" اور سوالنامہ میں جو حالات لکھے ہیں وہ بھی اس کے بس سے باہر ہیں "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها" انسان سے اس کی استطاعت بھر ہی تقویٰ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

''فاتقوا الله ما استطعتم...'' ''وما جعل عليكم في الدين من حرج''۔

۱۱۔ "احصار عدت" اور "اتمام حج" دونوں ہی فرمان خداوندی ہیں اور دونوں کے اسباب مہیا ہیں، چونکہ حج کا سبب پہلے سے موجود ہے، اس لئے "وأتموا الحج والعمرة لله" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایام عدت میں حج وعمرہ کی تکمیل کرے۔

۱۲۔ اگر پندرہ دن سے کم ایک مقام پر قیام رہتا ہے تو مسافر ہی رہے گا، آبادیوں کے مل جانے کا اعتبار کرنے کے بجائے ان کے علیحدہ تشخص اور احکام (انتظامی یا شرعی) کا اعتبار ہونا چاہئے، منیٰ کا جو حکم ہے وہ مکہ کا نہیں ہوسکتا، حرم وغیر حرم کی سرحدیں بھی ملی ہوتی ہیں، لیکن احکام جدا ہیں، جہاں تک آبادیوں کے بڑھ کر ایک دوسرے سے مل جانے کا تعلق ہے بعید نہیں کہ وہ دن بھی آجائے جب مسافرت کی مقدار رکھنے والے بعض شہر بھی ایک دوسرے سے مل جائیں۔

۱۳۔ اگر آدمی حرم کے اندر ہی وتر ادا کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ مجمع وجماعت کے ساتھ امام مسجد کی اقتداء کرے ورنہ اپنے مسلک کے حساب سے اپنے گھر پڑھے، اس طرح کے اختلافی مسائل جو کہ اختلاف روایات پر مبنی ہیں، ان میں ایک کی تردید اور ایک کا اثبات کے بجائے تخییر وترجیح کا حکم ہونا چاہئے۔

☆☆☆

بعض مسائل حج وعمرہ

مفتی عزیز الرحمن صاحب [1]

دخول مکہ بلا احرام

احرام حج وعمرہ کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ، لیکن بلا حج اور عمرہ کی نیت سے کسی دوسری ضرورت سے مکہ معظمہ میں بلا احرام کے داخلہ میں ہمارے اور دیگر ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، دونوں فریق کا استدلال احادیث سے ہے، ہمارے نزدیک حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

''لا تجاوزوا الميقات بغير إحرام'' (بلا احرام کے میقات سے تجاوز نہ کرو)۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے جبکہ حضرات شوافع نے حضرت انسؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں مذکور ہے:

''إن النبی ﷺ دخل مكة يوم الفتح وعلى رأسه المغفر''

(نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود موجود تھا)۔

''قال الطيبي دل على جواز الدخول بغير إحرام لمن لا يريد النسك وهذا أصح قول الشافعي'' (مرقاۃ ۵٫۸)۔

(طیبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے جس کا مناسک ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو بغیر احرام کے (مکہ میں) دخول کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور یہ امام شافعی کا صحیح قول ہے)۔

علماء حنفیہ نے اس بارے میں ایک حیلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی آفاقی داخل میقات بستان بنی عامر میں کسی کام سے جائے اور اس کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو تو وہ مکہ معظمہ میں کسی دوسری ضرورت سے بلا احرام کے داخل ہو سکتا ہے، اس حیلہ کو درمختار میں اور ہدایہ میں اور مناسک ملا علی قاری میں بھی نقل کیا گیا ہے، لیکن اس حیلہ کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، امام یوسف نے پندرہ دن کے قیام کی قید لگائی ہے:

''امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر اس نے پندرہ دن قیام کرنے کی نیت کر لی تو پھر جواب وہی ہوگا جو اوپر ذکر کیا گیا، یعنی اگر اس نے مکہ میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کر لی تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہو جائے اس لئے کہ مکہ اس کے لئے اب بحیثیت وطن ہو گیا''۔

لیکن دوسرے حضرات نے اس قید کا انکار کیا ہے:

''سواء نوى الإقامة خمسة عشر يوماً أو لم ينو'' (البناية، ۱۵۸۲، مطبوعہ نولکشور)۔

اس سے حیلہ جواز اور رخصت کا پہلو نمایاں ہو رہا ہے اور موجودہ زمانہ میں ضرورت اور حرج کی وجہ سے اسی کو اصولاً ترجیح دیا جائے۔

''وقال أبو عمر لا أعلم خلافاً بين فقهاء الأمصار في الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لا يؤمرون بذلك لما عليه فيه من المشقة'' (فتح الملهم ۳٫۲۱۲)۔

(ابو عمر کہتے ہیں کہ لکڑیاں جمع کرنے والے اور جو مکہ ہمیشہ اور کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں ان کے سلسلہ میں اس زمانہ کے فقہاء کے درمیان کسی اختلاف کا مجھے علم نہیں ہے)۔

علامہ ابو عمر بن عبد البر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حج اور عمرہ کے علاوہ دوسری ضروریات سے آفاقی حضرات جو بار بار آتے جاتے رہتے ہیں بر بنائے مشقت ان

[1] بجنور، یوپی۔

پر احرام نہیں ہے، لیکن ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ الہندؒ بر بنائے علت تعظیم بقعہ مبارکہ اس صورت میں بھی احرام کو کہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بہر صورت احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں داخل ہونا چاہئے خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

''قال محمد فى الأصل أما إذا أراد الآفاقى وفى الخانية ومن كان خارج الميقات، دخول مكة فينبغى له أن يحرم من الميقات بحج أو عمرة سواء دخل مكة مريداً للنسك أو دخلها الحاجة من الحوائج'' (التاتارخانية ۲،۴۷۵)۔

(امام محمد سے کتاب الاصل میں منقول ہے کہ جب آفاقی نے ارادہ کیا، اور خانیہ میں ہے کہ وہ شخص جو میقات سے باہر ہے اور وہ مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ میقات سے ہی حج یا عمرہ کا احرام باندھے خواہ وہ مکہ میں مناسک ادا کرنے کے ارادہ سے داخل ہو یا اپنی کسی ضرورت کے لئے داخل ہو)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس پر احرام باندھنا لازم ہے، لیکن اگر کسی دوسرے کام کا ارادہ ہو تو پھر احرام لازم نہیں ہے، اور جس کے گھر والے میقات کے پاس یا میقات کے اندر ہوں تو اس کے لئے کسی ضرورت کی خاطر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اور اسی طرح اہل مکہ میں سے کوئی اپنی ضرورت کے لئے مکہ سے باہر نکلے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پھر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو جائے (۴۷۵/۲)۔

میرے نزدیک امام محمد کے قول میں ینبغی کی قید اور درمختار اور ہدایہ میں حیلہ بستان بنی عامر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ علامہ ابن عبد البر نے علت مشقت کو جو ملحوظ رکھا ہے اس کی بنا پر بلا احرام کے داخلہ کو رات و دن کی آمد و رفت میں دیگر ضروریات کے لئے ترجیح حاصل ہونا چاہئے۔

۲- مکی جبکہ حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا میقات حرم ہی ہے، اپنے میقات سے باہر جائے گا اور آئے گا کہ حج کا ارادہ اس نے ساقط نہ کیا ہو گا تو اس کو دم ادا ہی کرنا پڑے گا جیسا کہ سوال کی عبارت میں ہے، اگر یہ دم سے بچنا چاہتے ہیں تو باہر سے باہر احرام باندھ کر عرفات چلے جائیں۔

اہل مکہ میں سے جو حنفی ہے اس پر یہ ہے کہ وہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے ورنہ بغیر احرام کے میقات کو پار کرنے کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا اور اگر ان لوگوں نے مکہ میں احرام باندھا جیسا کہ عام طور پر وہ کرتے ہیں اور عرفہ چلے گئے تو ان کے تلبیہ کرتے ہوئے حل میں پہنچنے کے بعد دم تجاوز کا فدیہ ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ عمل احرام اور تلبیہ کے ساتھ میقات کی طرف ان کا لوٹنا ہے اور یہ چیز دم تجاوز کو ساقط کر دیتی ہے (ارشاد الساری ۱/ ۵۸)۔

۳- ترتیب افعال یوم النحر

''اعلم أن الترتيب بين الرمى والذبح والحلق للقارن والمتمتع واجب عند أبى حنيفة وسنة عندهما وكذا تخصيص الذبح بأيام النحر. وأما تخصيص الذبح بالحرم فإنه شرط''۔

(جاننا چاہئے کہ قارن اور متمتع کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، اسی طرح ذبح کو ایام النحر کے ساتھ خاص کرنا بھی ہے، لیکن ذبح کو حرم کے ساتھ خاص کرنا تو شرط ہے)۔

حلق اور طواف کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے اور اسی طرح رمی اور طواف کے درمیان بھی، لیکن یہ جو کہا گیا ہے کہ رمی، حلق اور طواف کے درمیان ترتیب واجب ہے صحیح نہیں ہے (مرقاۃ ۵/ ۳۶۳)۔

اس باب میں متعدد احادیث ہیں اور شراح احادیث نے اس مسئلہ پر بہت طویل کلام کیا ہے۔

''حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس نے کسی کو کسی پر مقدم کر دیا تو اس پر دم ہے، سعید بن جبیر بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن امام شافعی، صاحبین، جمہور علماء سلف اور محدثین فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ وظائف کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے'' (فتح الملہم ۳/ ۳۴۱)۔

امام ابوحنیفہ کا مستدل یہ آیت مبارک ہے: ''ويذكروا اسم الله فى أيام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق''۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نص سے ترتیب واجب ہے جبکہ حضرات صاحبین اس آیت اور دوسری احادیث سے ترتیب کو مسنون قرار دیتے ہیں،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طویل حدیث جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے بارے میں ہے ذکر فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''پھر اللہ تعالی نے محمد ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ "اتبع ملة إبراهيم حنيفا" تو محمد ﷺ نے ملت ابراہیمی کی اتباع کی جیسا کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حکم دیا، لہٰذا آپ ﷺ نے مناسک حج اسی کے مطابق ادا کئے جیسا ابراہیمؑ نے ادا کیا تھا اور فرمایا: "خذوا عني مناسككم" تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرلو اور فرمایا: یہی تمہارے مشاعر ہیں جو تمہیں تمہارے باپ ابراہیم سے وراثت میں ملے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''ملة أبيكم إبراهيم'' اور یہ تمام چیزیں ان دونوں نبیوں کی اتباع کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

بہر حال حنفیہ ہی کے یہاں مسئلہ مختلف فیہ ہے، حضرات صاحبین سنیت کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ وجوب کے، اس لئے ضرورت کے وقت اشخاص اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم دینا چاہئے یعنی دم اور عدم دم کا۔

حج میں نیابت

حج چونکہ ایک مرکب عبادت ہے جو مال اور بدن دونوں سے ادا کی جاتی ہے، اس لئے حضرات حنفیہ کے نزدیک اس میں نیابت جائز ہے۔

اس باب میں دو حدیث ہیں ایک "امرأة من خشعم" والی اور دوسری "أتى رجل النبي ﷺ" والی، ان دونوں کو مشکوۃ شریف نے روایت کیا ہے، ان دونوں احادیث سے حضرات فقہاء نے متعدد احکامات استنباط کئے ہیں مثلاً حج بدل جس کی طرف سے کیا جارہا ہے وہ قریبی رشتہ دار یعنی لڑکا ہے یا غیر ہے، مرنے والے نے وصیت کی ہے یا نہیں، یا اگر آمر ہے تو وہ کون سے حج کا امر کررہا ہے۔ اس باب میں حج بدل کرنے والا مامور اور کرانے والا آمر کہلاتا ہے، ظاہر ہے اس بارے میں حج بدل کرنے والے کا اپنا اختیار نہیں ہے، وہ ویسا ہی کرسکتا ہے جیسا کہ اس کو حکم دیا گیا ہے، اگر اس کے خلاف کرے گا تو مال کا ضامن ہوگا۔

حج کے اقسام میں تین قسم کے حج ہیں، افراد، تمتع اور قران، پہلے اور تیسرے حج میں احرام اور اس کی پابندیاں مسلسل چلتی ہیں جبکہ تمتع میں درمیان میں احرام سے باہر آنے کا موقع ملتا ہے، فائدہ اس میں یہ ہے کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں ادا کئے جاتے ہیں، آمر چونکہ عام طور سے مطلقاً حج کو بھیجتا ہے اس کو قید نہیں کرتا، مامور اپنی سہولت کے لئے یا فضیلت کے لئے تمتع یا قران کرتے ہیں اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے:

الف۔ اگر کسی اور نے اس کو افراد حج یا عمرہ کا حکم دیا اور اس نے قران کرلیا تو وہ خلاف ورزی کرنے والا قرار پائے گا اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ضامن ہوگا، امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ حکم دینے والے کی طرف سے استحساناً عمل کافی ہوجائے گا۔

ب۔ اور اگر اس کو حکم دیا تھا حج کا اور اس نے عمرہ کرلیا پھر مکہ سے حج کیا تو سب کے نزدیک خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، اور خانیہ میں ہے کہ ذاتی فریضہ حج کی صورت میں یہ جائز نہ ہوگا (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۵۴۶)۔

ج۔ ''يصير مخالفاً للقران أو التمتع'' (در مختار ۲٫۲۴۸)۔ (قران یا تمتع کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا)۔

درمختار میں قران کے بارے میں استحسان کی قید کو ملحوظ نہیں رکھا، جبکہ استحساناً قران جائز ہے کیونکہ اس میں حج ادا ہوجاتا ہے اگرچہ دم قران مامور پر ہی ہوتا ہے۔

حج تمتع کے بارے میں ملا علی قاری نے المناسک میں بیان کیا ہے کہ اگر حج تمتع آمر کی اجازت سے بھی کیا ہے تب بھی حج ادا نہ ہوگا اگرچہ ضمان مامور پر نہ ہوگا، ہمارے مشائخ میں سے مولانا گنگوہی اور مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی عدم جواز ہی کو کہا ہے (ارشاد الساری ملخصاً ۱/۲۸۷-۲۹۰)۔

ہمارے مشائخ نے تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر حال میں عدم جواز کا حکم دیا ہے۔ رہا دشواریوں کا پیش آنا اس کے کوئی معنی نہیں ہیں، اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ مسئلہ مذکورہ میں جب اصل کی اجازت ہی سے کچھ نہیں بنتا تو وارث وغیرہ کی اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

طواف زیارت اور حائضہ

الف۔ طواف زیارت حج کا رکن ہے بغیر اس کے حج مکمل نہیں ہوتا، اگرچہ وقوف عرفات جو حج کا رکن اول ہے اس کے مقابلہ میں طواف زیارت کم اہم ہے۔

''طواف الزيارة وهو ركن لا يتم الحج إلا به لكنه دون الركن الأعظم وهو الوقوف بعرفة لفوات الحج بدونه بخلاف الطواف فإنه مستدرك بأدائه في وقته الموسع إلى آخر عمره أو يلزم بدنة بفوته عند موته إن أوصى

باتمام الحج'' (مناسك ملاعلی قاری ۹۱)۔

ب۔ اس کے بعد معلوم ہے کہ طواف البیت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الطواف بمنزلة الصلاة إلا أن الله أباح فيه النطق فمن نطق فلا ينطق إلا بخير'' رواه الحاكم في المستدرك والطبراني وفي رواية ''الطواف بالبيت صلوة إلا أن الله أباح فيه الكلام''۔

(طواف نماز کے درجہ میں ہے، مگر اللہ نے اس میں گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے، تو جو کوئی گفتگو کرے تو بھلی بات کرے)۔

ج۔ ملا علی قاری نے واجبات طواف میں ذکر کیا ہے:

''وہ افعال جن کے بغیر طواف درست ہے اور ان کے ترک کی وجہ سے دم کے ذریعہ تلافی کی جائے گی، سات ہیں: پہلا حدث اکبر واصغر سے طہارت ہے، یعنی ان دونوں میں کفارہ اور اثم کے اعتبار سے تفریق کی صورت...... میں الی قولہ۔ جبکہ طواف تمام شرائط کے اعتبار سے نماز کی طرح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استثنائی عمل کے ساتھ یعنی ترک استقبال اور جواز مشی وغیرہ، پھر جب ثابت ہو گیا کہ نجاست حکمیہ سے پاکی ضروری ہے تو اگر اس نے نجاست حکمیہ سے طاہر نہ ہونے کی حالت میں طواف کیا تو ہمارے نزدیک درست ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کے لئے یہ جائز نہیں اور وہ گنہگار ہوگا اور اس پر اعادہ واجب ہے، اعادہ نہ کرنے کی صورت میں جزا یہی حکم ہر اس واجب کا ہے جسے ترک کر دیا گیا ہو'' (مناسک ۳)۔

د۔ محرمات طواف کے سلسلہ میں ایک فصل جنس طواف حالت جنابت یا حالت حیض ونفاس میں سخت حرام ہے......(مناسک ۱۱۲)۔

ہ۔ ''روى عنه أن عليه صدقة فلو أنه لم يعد الطواف حتى رجع إلى أهله فعليه إن كان جنبا بدنة وإن كان محدثا فعليه شاة'' (التاتارخانيه)۔

(ان سے روایت ہے کہ اس کے ذمہ صدقہ ہے، تو اگر اس نے طواف کا اعادہ نہیں کیا اور اپنے گھر واپس چلا گیا تو جنبی ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ ایک بدنہ ہے اور محدث ہونے کی صورت میں بکری)۔

و۔ اگر حائضہ کا خون دوا کے ذریعہ یا بغیر دوا کے رک گیا یا بالکلیہ نہیں رکا، پھر اس نے غسل کیا یا نہ کیا اور طواف کر لیا، پھر اس کے معمول کے دنوں میں اس کا خون عود کر آیا تو ایسی صورت میں طواف درست ہوگا اور اس پر بدنہ لازم ہوگا اور وہ دو وجوہ سے گنہگار ہوگی: ایک تو دخول مسجد کی وجہ سے اور دوسرے نفس طواف کی وجہ سے، اس پر لازم ہے کہ دونوں حدثوں سے پاک حالت میں طواف کا اعادہ کرے، تو اگر اس نے اعادہ کر لیا تو واجب شدہ بدنہ ساقط ہو جائے گا، اور اس پر معصیت سے توبہ لازم ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے طواف زیارت کی رکنیت اور اس کے ترک پر یا حالت جنابت یا حیض میں کرنے کی برائی اور معصیت اور جرمانہ ثابت ہے کہ طواف دوبارہ کرنا ہوگا یا بدنہ ادا کرنا ہوگا، اس کے بغیر چھٹکارا نہیں، اگر ممکن نہ ہو تو اس کے اہتمام کی وصیت کرنی لازم ہے، بہرصورت ادائیگی ضروری ہے، آسان صورت یہی ہے کہ ان ایام میں یا تو انتظار کرنا چاہئے یا انجکشن کے ذریعہ خون بند کر لینا چاہئے، انتظار کی صورت میں سعودی انتظامیہ اور ہندوستانی سفارت خانہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا راشد حسین ندوی [1]

۱۔ جو لوگ حج وعمرہ کے بجائے تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد کے لئے حرم مکی میں داخل ہونا چاہیں ان کے لئے میقات سے احرام باندھنا واجب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر علماء کے تین مسلک ہیں:

الف۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے (ہدایہ، مدونہ ۱/ ۳۰۳)۔

ب۔ شوافع اور حنابلہ کا مفتی بہ قول مطلقاً عدم وجوب کا ہے۔

ج۔ انہیں حضرات کا دوسرا قول یہ ہے کہ خائف، مجاہد اور متکرر الدخول کے لئے واجب نہیں، بقیہ پر واجب ہے (مغنی ۳/ ۲۱۸۔ ۲۱۹، شرح مسلم ۱/ ۳۴۴)۔

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

الف۔ صحاح میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول روایت کا مفہوم مخالف:

''فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة'' (بخاری و مسلم ۱.۳۷۴)۔

(یہ میقاتیں ان لوگوں کے ہیں جو وہاں رہتے ہیں نیز وہاں نہ رہنے والے جو گذریں ان کے لئے ہیں جبکہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو) اور یہ حضرات مفہوم مخالف سے استدلال کرنے کے قائل ہیں۔

ب۔ ''عن أنس أن النبی ﷺ دخل یوم الفتح وعلی رأسه المغفر'' (مسلم و بخاری مع فتح الباری ۴.۷۱)۔

(حضور ﷺ فتح کے دن مکہ کے اندر اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا)۔

ج۔ ''عن جابر بن عبد الله أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مكة وعلیه عمامة سوداء'' (مسلم ۱.۴۳۹)۔

(فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ کے اندر اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر کالا عمامہ تھا)۔ جبکہ حنفیہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

الف۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول حضرت ابن عباسؓ کی روایت: ''إن النبی علیه السلام قال: لا تجاوزوا الوقت إلا بإحرام''۔

(میقات سے آگے احرام کے بغیر نہ جاؤ)۔

ب۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مسند شافعی اور مسند اسحاق ابن راہویہ میں منقول حضرت ابن عباس کے آثار ''إنه یرد من جاوز المیقات غیر محرم'' (بحوالہ نصب الرایہ ۳.۱۵)۔ (جو شخص میقات سے آگے بغیر احرام جائے واپس کردیا جائے گا)۔

ج۔ صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل بھی دی ہے کہ احرام تعظیم بقعہ کے لئے ہے اور اس میں سب لوگ برابر ہیں (۲/ ۳۴۴ مع الفتح)۔

فریق اول کا جواب اس طرح دیا ہے کہ پہلی دلیل ہمارے اصول کے اعتبار سے لائق استدلال نہیں، پھر ہمارے دلائل صریح اور منصوص ہیں وہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی (فتح)۔

دوسری اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس روز کے لئے نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص تھا، لا تحل لأحد... الحدیث سے اس کا اشارہ ملتا

[1] مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، یوپی۔

ہے(مرقاۃ)، لیکن پہلے فریق کے دلائل انصاف کی بات ہے کہ دل کو زیادہ لگتے ہیں، اس لئے کہ مسلم میں ابن عباسؓ اور ابن شریح کی روایت میں "لم یحل القتال" کا لفظ صراحۃً ہے اور مسند اسحاق کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا جو اثر منقول ہے، اس میں محشی کا مفعول مقدر سیاق کے مطابق "فوات الحج" ہے، اس طرح ان آثار کا اطلاق حج وعمرہ پر جانے والوں کے لئے ہوگا۔ رہا "لاتجاوزوا" تو اس کے حکم عام سے علت حرج کی بنیاد پر داخل میقات کے باشندے مخصوص کر لئے گئے، تو اسی علت نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے دوسرے بھی مخصوص ہو سکتے ہیں، پھر یہ احادیث پہلے فریق کی احادیث کے مقابلہ میں کمزور ہیں، مثلاً خصیف ضعیف ہیں (تقریب، کتاب الضعفاء وغیرہ) اور "لا تجاوزوا" کو عام مخصوص عنہ البعض مان لیں تو تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔

۲۔ کیا جاسکتا ہے اور اس کے دو طریقے ہوں گے:

(۱) جس علت حرج کی بنیاد پر داخل میقات کے باشندوں کو وجوب احرام کے حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا، باوجودیکہ ان کی بھی اپنی میقات ہے، اسی علت کا تعدیہ کر کے ان لوگوں کو ان پر قیاس کیا جائے۔

(۲) امام محمد کے موطا میں درج قول کی مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے اس کی اجازت دی جائے، وہ قول یہ ہے: لاینبغی لأحد أن یجاوزھا إذا أراد حجا أو عمرۃ إلا محرما" (۲۲۴۔۲۔۲۳۶)۔ (کسی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو تو بغیر احرام ان سے آگے جائے)۔

واضح رہے کہ عبارات فقہاء میں مفہوم مخالف معتبر ہے (علم اصول الفقہ للخلاف)۔

۳:الف۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک درست ہے۔

ب۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک درست نہیں۔

پھر حنفیہ کے یہاں عدم جواز کی روایت کے دو مفہوم بیان کئے جاتے ہیں: (۱) نفی وجود (۲) نفی حل۔ صاحب بدائع اور ابن الہمامؒ نے احتمال اول کو اور اکثر مشائخ نے احتمال ثانی کو ترجیح دی ہے، علامہ شامی نے قران کے لئے دوسرے احتمال کو اور تمتع کے لئے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے، اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ صحت تمتع کے لئے عدم المام شرط ہے اور مکی کبھی اس سے خالی نہیں ہو سکتا، اسی لئے کافی وغیرہ میں صراحت ہے کہ وہ کوفہ چلا جائے تو قران صحیح ہو جائے گا، لیکن تمتع صحیح نہیں ہوگا (۱۹۸/۲)۔

مجھے یہ قول راجح معلوم ہو رہا ہے اور اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مکی قران کرے تو ہو جائے گا اور دم جبر لازم ہوگا، تمتع صحیح ہی نہیں ہوگا۔

۴۔ قران وتمتع کے سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک مجھے کتاب وسنت سے بھی راجح معلوم ہوتا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس کے لحاظ سے تمتع کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے احقر سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ نمبر (۱) میں بیان کردہ تخریج یا ترجیح کی شکل اپنائی جائے۔

۵۔ امام شافعی اور امام احمد کے یہاں کر سکتا ہے (مغنی)، امام مالک کے یہاں نہیں کر سکتا (مدونہ)، حنفیہ کے یہاں جواز کا بھی قول ملتا ہے اور عدم جواز کا بھی، عدم جواز کے قائلین کا استدلال فتح القدیر کی اس عبارت سے ہے جس میں مکی کو ایام حج میں عمرہ مفردہ سے بھی منع کیا گیا ہے، لیکن راجح قول پہلا ہے، اس لئے کہ تمام معتبرات میں باستثناء ایام خمسہ پورے سال کو عمرہ کا وقت بتایا گیا اور تکرار کی اجازت بھی دی گئی ہے (شامی، ہندیہ) اور اکثر مشائخ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے صاحب فتح کی تردید کی ہے، اور مکی کو بھی ایام حج میں عمرہ مفردہ کرنے کی اجازت دی ہے (نہایہ، مبسوط، بحر، قاضی زادہ، منحہ وغیرہ)۔

۶۔الف۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک کر سکتا ہے (ہدایہ ۳۳۶/۱، مغنی ۵۱۹/۳)۔

ب۔ ازدحام کے خوف سے نیابت درست نہیں، یہ سہولت ان اصحاب اعذار کے لئے ہے جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں اور سواری پر بھی وہاں نہ جاسکتے ہوں "مریض لایستطیع الرمی" (ھندیہ) کا یہی مفہوم ہے۔

۷۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شخص مفرد کے حکم میں ہوگا، اگر مفرد ہے تو ایک ہدی، قارن ہے تو دو ہدی یا ان کی قیمت حرم بھیجے اور قربانی کا وقت متعین کرالے، اس کے بعد حلال ہو جائے گا، حلق یا تقصیر ضروری نہیں ہے (ہندیہ، شامی، خانیہ)، اس کے بعد آئندہ قارن کو ایک حج دو عمرے، اور مفرد کو ایک حج اور ایک عمرہ کرنا پڑے گا (شامی، خانیہ) اور اگر چاہے تو حالت احرام میں باقی رہے، بعد میں موقع ملے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔

۸۔ امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، صاحبین اور جمہور کے نزدیک ترتیب مسنون ہے (مغنی)۔

(۲) امام ابوحنیفہ، حضرت قتادہ وغیرہم کے نزدیک ترتیب واجب ہے۔

(۳) امام مالک کے نزدیک رمی کے بعد حلق کرنا واجب ہے، بقیہ چیزوں میں ترتیب مسنون ہے (مدونہ)۔

جمہور کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں خلاف ترتیب یہ اعمال کرنے پر ''لاحرج'' فرمایا گیا، اور امام صاحب کا استدلال حضرت ابن عباس کے اس اثر سے ہے ''من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دما''، اسی طرح ''فمن كان منكم مريضاً'' کی دلالت سے بھی ان کا استدلال ہے، اور لاحرج کا مطلب ان کے نزدیک نفی اثم ہے نہ کہ نفی فدیہ۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دفع حرج ومشقت کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرلینے کی گنجائش ہے (مقدمہ شرح الوقایہ، اشباہ)۔

۹۔ جی ہاں اگر عرف یہی ہے تو حج تمتع ہی تصور کیا جائے ''لأن الثابت بالعرف كالثابت بدليل شرعي'' (رسائل ابن عابدین)۔

الف۔ مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق کرسکتا ہے، جامع صغیر، خانیہ، شامی، بحر کی عبارات سے صاف طور سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ موجودہ عرف کے تحت اجازت ہونی چاہئے۔

ج۔ موجودہ عرف کی وجہ سے کرسکتا ہے۔

د۔ دم تمتع تمام شکلوں میں مامور کے ذمہ ہوگا (ہندیہ، خانیہ، جامع صغیر)۔

ھ۔ اس طرح کی دشواری پیش ہی نہیں آئے گی۔

و۔ موصی خود صراحۃً یا عرفاً اجازت دے تو گنجائش ہے۔

''الحاج عن الميت إذا كان مأموراً بالقران، كان دم القران على الحاج'' (فتاوی خانیہ علی الهامش ۱/۳۱۱)۔

وأراد بالقران دم الجمع بين النسكين، قرانا كان أو تمتعاً كما صرح به في غاية البيان (بحر ۳/۶۶)۔

۱۰: الف۔ صورت مسئولہ میں اہون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے اجازت ہوگی، اس کی اجازت شامی کی عبارت ''لوهم الركب ... وإن دخلت وطفت الخ'' سے سمجھ میں آرہی ہے (۲/۱۸۴)۔

ب، ج۔ رکن ادا ہوجائے گا، لیکن اس پر دم میں بدنہ لازم ہوگا، ''إذ لا شك في وقوع الأول معتداً به'' (بحر ۳/۱۸، وكذا في الهنديه والخانيه)۔

د۔ دم کی ادائیگی کے لئے حرم مکی شرط ہے (بحر، ہدایہ، فتح)۔

۱۱۔ اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مکہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہو (شامی ۲/۶۲۲) ''وخروج ... المتوفى عنها زوجها ما دون السفر مباح'' (فتح)، یا اس کا گھر اور مکہ دونوں مسافت سفر پر ہوں لیکن وہ جگہ ویران ہو، قیام کے لائق نہ ہو اور وہاں سے مکہ تک کوئی بستی بھی ایسی نہ ہو (شامی، فتح، ہندیہ)، لیکن اگر موضع وفات سے اس کا گھر مسافت سفر سے کم پر واقع ہو تو جانے کی اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح موضع وفات سے اس کا وطن اور مکہ دونوں مسافت سفر پر ہوں، لیکن وہ جگہ لائق قیام ہے، یا وہ جگہ تو ایسی نہیں ہے لیکن آگے کوئی ایسی جگہ ہے، تو امام صاحب کے نزدیک وہ حج کے لئے نہ جائے، صاحبین کے نزدیک دوسرا محرم موجود ہو تو جاسکتی ہے، امام صاحب کا بھی قول اول یہی ہے (شامی، فتح، ہندیہ)۔

لہٰذا ضرورت پڑنے پر اس کے مطابق فتوی دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ فرنگی محل نے شرح الوقایہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

۱۲۔ اگر دونوں آبادیاں بالکل متصل ہوگئی ہیں تو اب منی کی حیثیت مکہ کے ایک محلہ جیسی ہوگی اور مذکورہ شخص مقیم کے حکم میں ہوگا (شامی، ہندیہ اور بحر کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے)۔

۱۳۔ اس مسئلہ پر امام رازی کا قول جواز کا ہے، لہٰذا صحاح کی احادیث نیز حرم میں ترک جماعت سے ہونے والی بے توفیقی اور محرومی کا خیال کرتے ہوئے ان کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ملتی ہے کہ مختلف مسلک رکھتے تھے، لیکن ان اختلافات اور اجتہادی مسائل کی بنیاد پر کسی امام کی اقتداء ترک کرنا ان سے ثابت نہیں ہے۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے چند حل طلب مسائل

مولانا عبدالقیوم پالنپوری[1]

۱، ۲۔ حدود حرم سے باہر رہنے والے جولوگ حج وعمرہ کی نیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم مکی کی حدود میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کی مشہور روایت اور امام مالکؒ کے صحیح قول میں ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں۔

اسی طرح جو اہل مکہ اور حدود حرم یا حل میں رہنے والے کسی ضرورت سے میقات سے باہر جائیں تو ان کے لئے بھی واپسی پر میقات سے احرام باندھ کر ہی آگے بڑھنا ضروری ہے، البتہ امام شافعیؒ کے ایک قول اور امام مالکؒ کی ایک روایت میں اور امام زہریؒ، حسن بصری اور ابن وہب اور اصحاب ظواہر کے نزدیک میقات سے بلا احرام گذرنا جائز ہے۔

فتح الملہم (۳/۲۱۱، ۲۱۲) کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احرام اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ کا آنا جانا رکھے، اس پر احرام لازم نہیں ہے اور اس بابت علماء کا اختلاف ہے، زہری، حسن بصری، امام شافعی (ایک قول کے مطابق)، امام مالک (ایک روایت کے مطابق) اور ابن وہب نیز داؤد بن علی اور ان کے اصحاب ظواہر، ان سب کا مذہب یہ ہے کہ حرم کے اندر بغیر احرام داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، عطاء، لیث بن سعد، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالکؒ (قول صحیح کے مطابق)، امام شافعی (مشہور قول کے مطابق)، امام احمد وابوثور اور حسن بن حی، ان سب کا مذہب یہ ہے کہ جو لوگ میقات سے باہر رہتے ہیں، ان کے لئے بغیر احرام حرم کا داخلہ درست نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو امام شافعی وابوثور کے نزدیک برا تو کیا مگر اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص پر حج یا عمرہ لازم ہے۔

جو لوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں، اسی طرح وہ اہل مکہ جو بغرض تجارت یا کسی مجبوری میں حدود میقات سے باہر بار بار آتے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ جب بھی یہ لوگ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت سے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر حج یا عمرہ کا احرام لازم ہے، لیکن ڈرائیور اور تجارتی اغراض سے روزمرہ اور بکثرت آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام میں حرج ومشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعیؒ کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے (تجویز ۲ چھٹا فقہی اجتماع دیوبند)۔

۳۔ مکی اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اشہر حج شروع ہونے کے بعد اس کے لئے عمرہ کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا شیر محمد سندھیؒ نے تحریر فرمایا: "مکی اشہر حج میں جمع نہ کرے، بصورت تمتع اگر چہ تمتع منعقد نہ ہو، البتہ انعقاد کی صورت میں دم جبر بھی ہوگا اور ممانعت ہر صورت میں باقی۔۔۔ پس جاننا چاہئے کہ مکی اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر حج کرلے یہ تو سب کے نزدیک ممنوع ہے، یہ بھی ان علماء کے نزدیک جو مکی کے عمرہ (سے تمتع) کے منعقد ہونے کے قائل ہیں، وہ اس پر دم جبر لازم کہتے ہیں اور جو منعقد ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ دم جبر کا حکم نہیں فرماتے...... عدم انعقاد کو جواز لازم نہیں...... اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ مکی کو اشہر حج میں عمرہ نہ کرنا چاہئے اور عمرہ کرے تو حج نہ کرے اور اشہر حج کو عمرہ سے خالی رکھے" (زبدۃ المناسک ۲/۲۱، ۲۲، ۲۳)۔

حضرت مفتی لاجپوری صاحب کی رائے بھی یہی ہے (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۵/۲۲۲)۔

۴۔ مکی اشہر حج میں کسی ضرورت سے میقات سے باہر جائے اور اسی سال حج کا ارادہ رکھتا ہے تو اگر اس سے ممکن ہو تو میقات سے حج کا ہی احرام باندھے، یا میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے اور حج کے ارادہ کو ختم کردے اور اگر اس نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور اسی سال حج بھی ادا کیا تو اکثر حنفیہ کے نزدیک

[1] جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

تمتع منعقد ہوجانے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا،لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ تمتع منعقد نہیں ہوگا،لہذا دم جنایت بھی واجب نہ ہوگا، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مکی کوفہ کا سفر کرے اور قران کرے تو بغیر کراہت درست ہے،اس لئے کہ اس کا عمرہ اور اس کا حج اس صورت میں میقاتی ہوگا تو وہ آفاقی کے درجہ میں ہوجائے گا مجبوبی کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کوفہ کا سفر ایام حج سے پہلے کرے اور اگر اس کے بعد سفر کرے گا تو اس کو قران سے منع کیا جائے گا......اور محبوبی کا قول ہی صحیح ہے،اس کو شیخ شلبی نے کرمانی سے نقل کیا ہے اور قران کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر یہی مکی اشہر حج میں اسی سال عمرہ کرے تو وہ متمتع نہیں ہوگا،اس لئے کہ وہ حج وعمرہ دونوں عبادتوں کے درمیان اپنے گھر میں اور گھر والوں میں رہے گا،اس حال میں کہ وہ حلال (غیر محرم) ہوگا،خواہ قربانی کا جانور اس نے حاصل کرلیا ہو یا نہ کیا ہو،نہایہ میں مبسوط سے ایسا ہی نقل کیا ہے،اور اس سے یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور جو لوگ ان کے حکم میں ہوتے ہیں، ان کے حق میں تمتع ممکن نہیں ہے،ہاں قران ہوسکتا ہے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ،اس لئے کہ اس کی طرف سے ایک احرام کی میقات کے حق میں خلل ضرور ہوگا، بعد میں ''حاکم'' کی کتاب 'الکافی' میں بھی مجھ کو یہی بات ملی،ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر مکی کسی کام سے کوفہ جائے اور پھر اسی سال عمرہ کرے اور حج بھی تو متمتع نہیں ہوگا اور کوفہ سے قران کرے تو وہ قارن ہوگا (یعنی اس کا قران کرنا صحیح ہے)'' (ردالمحتار ۲/ ۲۷۰، ۲۷۲)۔

صاحب عمدۃ الفقہ لکھتے ہیں: اس تیسری روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مکی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا طواف کرلیا، پھر اسی سال حج کیا یعنی تمتع کیا اور عمرہ وحج کے افعال ادا کیے،اس کا تمتع باطل ہوجائے گا یعنی وہ شرعاً متمتع نہ ہوگا بلکہ اس کا عمرہ بھی مفرد ہوگا اور اس پر کوئی جزاء واجب نہ ہوگی (عمدۃ الفقہ: مولانا زوار حسینؒ ۴/ ۲۸۰)۔

۵۔ راجح یہ ہے کہ تمتع کرنے والے آفاقی کے لئے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کرنا جائز ہے (کذا فی فتاوی محمودیہ)، فتاویٰ رحیمیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''مسئلہ اختلافی ہے، دونوں طرف دلائل ہیں،مگر معلم الحجاج میں جس قول کو اختیار کیا ہے وہ راجح معلوم ہوتا ہے،لہذا اگر اس پر عمل کرے تو قابل مؤاخذہ نہ ہونا چاہئے،خصوصاً اس زمانہ میں،معلم الحجاج کے حاشیہ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے لکھا ہے:

''لباب میں ہے کہ حج سے پہلے عمرہ نہ کرے،ملا علی قاری شرح میں کہتے ہیں: یہ اس لئے کہ مکی کو تنہا عمرہ سے بھی منع کیا گیا ہے اور گذر چکا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو تمتع اور قران سے منع کیا گیا ہے اور ہر متمتع آفاقی ہے جس کے لئے عمرہ منع نہیں ہے،لہذا اس کے لئے عمرہ کی تکرار بھی جائز ہے، کیوں کہ عمرہ طواف کی مانند ایک مستقل عبادت ہے'' (معلم الحجاج بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۹۷، ۳۹۸)۔

۶۔ جو مرد یا عورت اتنے معذور یا مریض ہوں کہ جمرات تک پیدل یا سواری سے نہ جاسکتے ہوں تو ان کی طرف سے ان کے امر سے دوسرا شخص نیابۃً رمی کرلے تو صحیح ہے، بغیر عذر محض کسل، آرام پسندی یا ازدحام کے خوف کی وجہ سے مرد یا عورت کا کسی دوسرے کو نیابۃً رمی کے لئے بھیجنا درست نہیں ہے، ان پر ترک رمی کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے: ''رمی جمار بوجہ مرض وضعف شدید کہ کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا دشوار ہو تو دوسرا آدمی اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے (معلم الحجاج/ ۲۰۱)، لیکن ازدحام کی وجہ سے دوسرا رمی نہیں کرسکتا ہے، خود کنکری مارے، نہ مار سکے تو دم واجب ہوگا، رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا...... معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے رات کو رمی بلا کراہت درست ہے (۵/ ۲۳۵، ۲۳۶)۔

۷۔ جن لوگوں کو حالت احرام میں پکڑ کر حکومت ان کو ان کی جائے ملازمت یا اقامت واپس بھیج دیتی ہے، یہ لوگ بھی محصر کے حکم میں ہیں، چنانچہ عمدۃ الفقہ میں اسباب احصار میں سے تیسرا سبب قید ہونا یا بادشاہ کا منع کرنا (اگرچہ اس کا منع کرنا احرام باندھ لینے کے بعد ہو) بتایا ہے، لہذا یہ لوگ بھی محصر ہی ہیں، دوسرے محصر کی طرح ان کا احرام بھی ختم کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھولے بغیر اپنی جائے ملازمت یا اقامت میں رہیں یہاں تک کہ وہ مانع زائل ہوجائے پھر مانع دور ہوجانے کے بعد اگر حج ان کو مل سکے تو بہت اچھا، پس وہ افعال حج ادا کرکے حقیقی طور پر احرام سے باہر (حلال) ہوجائیں اور اگر ان کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہوجانے والے شخص کی طرح عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کرکے اور حلق کراکر حکمی طور پر حلال ہوجائیں، اور ان پر ہدی واجب نہیں ہے، یہ حکم محصر بالحج کا ہے، اگر عمرہ کے احرام کی حالت میں محصر ہوئے ہیں تو عمرہ پر قدرت حاصل ہوتے ہی ان کا احصار زائل ہوجائے گا۔

اگر زوال احصار کے انتظار میں دقت ہو اور ہدی کے ساتھ جلد حلال ہونا چاہتے ہیں یا جلد احصار زائل ہونے کی کوئی امید نہیں تو ہدی کے ذریعہ حلال

ہوجائیں، پس اگر صرف حج یا عمرہ کا احرام باندھا تھا تو کسی شخص کو ایک ہدی یا اس کی قیمت دے کر حرم میں بھیجے تاکہ وہ اس قیمت سے وہاں پر ہدی خریدے اور اس کو امر کرے کہ اس کی طرف سے حدود حرم میں ہدی ذبح کرلے، اور اگر قران کا احرام باندھا ہے تو دو ہدی بھیج کر حدود حرم میں ذبح کرائے، امام صاحبؒ کے نزدیک قربانی کے دن سے پہلے محصر بالحج کی ہدی کو بھی ذبح کرنا جائز ہے، اور وہ محصر حدود حرم میں نہیں ہے تو ہدی کے ذبح کرنے کے بعد احرام سے باہر ہونے کے لئے حلق یا قصر شرط نہیں ہے، محض ہدی کے ذبح ہوتے ہی محصر کا احرام کھل جائے گا اور اگر محصر مکہ یا حدود حرم میں ہے تو اس پر ذبح ہدی کے ساتھ حلق یا قصر کرنا بھی بالاتفاق ضروری ہے اور ہدی سے حلال ہونے کی صورت میں محصر بالحج پر ایک حج اور ایک عمرہ کی قضا واجب ہے اور قارن محصر پر دو عمرہ اور ایک حج اور محصر بالعمرہ پر ایک عمرہ کی قضا واجب ہے (عمدۃ الفقہ ۴/۶۱۳۔ ۶۲۴ بحذف وتغییر)۔

۸۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر جو مفتیٰ بہ ہے، متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوجاتا ہے اور امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے، اس کے ترک پر دم واجب نہیں اور ضرورت شدیدہ کے تحقق ہونے کے وقت اپنے مذہب کے غیر راجح قول یا دوسرے مسلک پر فتویٰ دینا اور عمل جائز ہے، لہذا جن لوگوں کو ان واجبات میں ترتیب قائم رکھنا سخت دشوار ہو ان کے لئے صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے، محض سہولت کی بنا پر صاحبینؒ کے قول پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔

۹: الف، ب، ج۔ حج بدل کرنے والا جہاں تک ممکن ہو حج إفراد کرے یا قران کرے، تمتع نہ کرے، لیکن اگر آمر کی اجازت سے خواہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو تمتع بھی درست ہے، آمر کی دلالۃً یا صراحۃً اجازت کے بغیر تمتع درست نہیں ہے، اس زمانہ میں عموماً تمتع ہی لوگ کرتے ہیں اور آمر کی طرف سے بھی کوئی پابندی نہیں ہوتی ہے، لہذا تمتع کی دلالۃً اجازت سمجھی جائے گی، إلا یہ کہ کوئی آمر صراحۃً ممانعت کردے تو تمتع درست نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ صراحۃً آمر سے تمتع کی اجازت لے لے۔

د۔ب إذن آمر یا بدون إذن آمر مامور کے تمتع کرنے کی صورتوں میں دم تمتع حج بدل کرنے والے ہی پر واجب ہوگا، البتہ آمر اگر بخوشی دم شکر کی قیمت ادا کردے تو درست اور جائز ہے، مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

و۔ حج بدل عن المیت کی صورت میں بھیجنے والے یا وصی یا ورثاء کی اجازت سے مامور تمتع کرسکتا ہے اور اس صورت میں بھی دم تمتع حج بدل کرنے والے کو اپنے پیسوں سے ادا کرنا ہوگا، إلا یہ کہ بھیجنے والا یا ورثاء بخوشی دم تمتع کی قیمت دیدیں تو جائز ہے۔

۱۰: الف۔ اگر طواف زیارت سے پہلے کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہو، جیسے ٹکٹ اور ویزا کی تاریخ بڑھانا یا حج کمیٹی سے روانگی کو موخر کرانا وغیرہ اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوسکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اس کا رکن یعنی طواف زیارت ادا ہوجائے گا، شرعاً اس حالت میں اسے طواف زیارت کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے گنہگار ہوگی، لیکن طواف زیارت ادا ہوجانے کی وجہ سے پوری طرح حلال ہوجائے گی اور اس پر ایک بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی اور اس دم جنایت کی قربانی بھی حدود حرم میں کرنی ضروری ہوگی، شامی میں لکھا ہے:

''بعض محشیین نے ابن امیر حاج کی مناسک سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ واپسی کا ارادہ کرے اور عورت پاک نہ ہوسکے اور فتویٰ حاصل کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور اگر تو داخل ہوکر طواف کرے تو گناہ ہوگا مگر طواف ہوجائے گا، تیرے اوپر ایک بڑے جانور کا ذبح کرنا لازم ہوگا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے جس میں عورتیں پریشانی کا سامنا کرتی ہیں''۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اور انتقال کی جگہ سے مکہ مکرمہ مسافت سفر یا اس سے زیادہ پر ہے (اور وہاں قیام ہوسکتا ہے) تو وہ عورت محصرہ ہے، اس کو وہاں عدت گذارنا ممکن ہو تو وہاں گذارے، ورنہ وطن واپس لوٹ جائے اور حرم میں ہدی کی قیمت بھیج کر ہدی ذبح کرائے اور ہدی کے ذبح ہونے کے بعد اس کا احرام کھل جائے گا۔

''لو مات الزوج أو محرمها في الطريق فلا تتحلل إلا بالهدي'' (شامی ۲.۲۵۳)۔

اس صورت میں عمرہ کا احرام ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ وہ عورت محصرہ ہے اور اگر عمرہ کے سفر میں عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اور مکہ مکرمہ مسافت سفر سے کم پر ہے یا مکہ مکرمہ میں شوہر کا انتقال ہوجائے تو یہ عورت محصرہ نہیں ہے، عمرہ کے افعال مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ادا کرنا صحیح ہیں، لہذا عمرہ ادا کرلے اور اگر حج

کے سفر میں عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اور مکہ مکرمہ مسافت سفر سے کم پر ہے یا مکہ مکرمہ ہی میں قبل الحج شوہر کا انتقال ہوجائے تو یہ عورت محصرہ نہیں ہے، لیکن حج کے ارکان کی ادائیگی کے لئے عدت میں سفر ہونے کی وجہ سے عرفات جانے کی اجازت شرعاً نہیں ہے، لہٰذا وہ وقوف عرفہ کے وقت کے گذر جانے کے بعد بغیر ہدی حلال ہوجائے اور مکہ مکرمہ میں قیام ہونے کی صورت میں عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے تو اس کی بھی اجازت ہے، ان صورتوں میں (خواہ عورت محصرہ ہو یا محصرہ نہ ہو لیکن عرفات جانے کی اجازت نہ ہو) اگر عورت نے حج کے ارکان وافعال ادا کر لئے تو حج صحیح ہوجائے گا، عمدة الفقہ (۵۸/۴) میں لکھا ہے:

باوجود عدت کے اگر (عرفات) جا کر حج کر لیا تو جائز ہوجائے گا، لیکن گنہگار ہوگی۔

زبدة المناسک کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق، وكانت عاصية والعدة أقوى في منع الخروج من عدم المحرم حتى منعت ما دون السفر فإن لزمتها في السفر'' (غنية ۱۰۲۲)۔

عمدة الفقہ میں مولانا زوار حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''محصرہ بعدت طلاق اور محصرہ بعدت وفات میں یہی فرق معلوم ہوتا ہے کہ عدت طلاق کی صورت میں مکہ معظمہ سے مسافت سفر پر ہونا نہ ہونا برابر ہے اور عدت موت کی صورت میں مکہ معظمہ سے مسافت سفر پر ہے تو محصرہ ہے ورنہ نہیں'' (عمدة الفقہ ۵۹/۴)۔

''ثم هذا إذا كان بينها وبين مكة مسيرة سفر وبلدها أقل منه أو أكثر لكن يمكنها المقام في موضعها. وإلا فلا إحصار فيما يظهر'' (رد المحتار ۲۵۲/۲)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب تحریر فرماتے ہیں: بحالت موجودہ محرم کے ساتھ بھی حج کے لئے عرفات جانے کی شرعاً اجازت نہیں۔

''ومنها العدة. فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة ولو مقيمة أو مسافرة معها محرم'' (شامی ۲۲۰/۲)۔

ممکن ہو تو ایک سال رہ کر حج کر کے آئے یا آئندہ سال حج کیلئے واپس جائے، عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، یہ اصل مسئلہ ہے، مگر چونکہ حکومت کی جانب سے قانون سخت ہوگئے ہیں اور ناقابل برداشت دشواریوں کا سامنا ہے، اس لئے کتاب زبدة المناسک میں لکھا ہے:

''اگرچہ مکہ معظمہ ہی میں ہو تو عرفات پر نہ جائے، بلکہ عمرہ کے افعال بجالا کر حلال ہو، اور چاہے تو فوت ہونے وقت وقوف عرفہ کے حلال ہوجائے، اس مسئلہ میں بہت ہی مشکل پیش آئے گی...... إلی قولہ...... تو یہ بھی معذور سمجھی جائے، جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ چلے جانے کا جواز ہے، تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہو سکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کی قضا کرنی ہوگی، پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا، کسی کتاب معتبر میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذری تھی، لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی، غالباً کبیری میں کہیں عبارت تھی (زبدة ۲۴-۲۵، فتاویٰ رحیمیہ ۲۳۸/۵-۲۳۹)۔

۱۲- حج کے لئے جانے والا اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچا ہے کہ ۱۴ یوم مکہ مکرمہ میں قیام کرنا ہے اور پندرہویں دن ۸ ر ذی الحجہ کو منیٰ جانا ہے تو وہ مقیم باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جواب یہ ہے کہ اگر حکومت سعودیہ نے منیٰ کی آبادی کو مکہ مکرمہ کے ساتھ لاحق کر دیا ہے اور مکہ مکرمہ کی بلدیت (کارپوریشن یا میونسپلٹی) کے ساتھ ملا دیا ہے تو منیٰ کی آبادی بھی مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار ہوگی، اور یہ شخص مقیم رہے گا، اگر حکومت کے اعتبار سے اس کا انتظام مکہ مکرمہ سے علیحدہ ہے اور اس کا انتظام مکہ مکرمہ کے ساتھ ملحق نہیں تو یہ شخص مقیم نہیں ہوگا، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے:

''وطن اصلی یا وطن اقامت کی آبادی سے باہر ہوجانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگرچہ متصل ہو مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں، حکومت اور کارپوریشن (میونسپلٹی، نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کی حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں شمار ہوں گی اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو وہ آبادی شہر کا محلہ ہے اور وہ محلہ شہر کا جز ہے، لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے (فتاویٰ رحیمیہ ۳۶۴/۶، شامی ۷۳۲/۱)۔

۱۳- حرم مکی میں جبکہ غیر حنفی امام وتر کی تین رکعت فصل کے ساتھ ادا کرتا ہے تو مقتدی حنفی کو جماعت چھوڑ کر تنہا وتر کی نماز ادا کرنی چاہئے، فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے:
الجواب: صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتداء نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے (۴۱۵/۶)۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

''وأن لا يقطع وتره بسلام على الصحيح'' (ص ۲۱۰، باب الوتر)۔

☆☆☆

مسائل حج وعمرہ

مولانا عبداللطیف مظاہری[1]

۱۔ جو لوگ حج یا عمرہ کی نیت نہیں رکھتے، بلکہ تجارت، ملاقات یا کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ یا حرم محترم میں داخل ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، بغیر احرام کے میقات سے تجاوز جائز نہیں ہے، یہی ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک ہے، البتہ امام مالک و شافعیؒ سے جواز کی روایت ہے، لیکن امام شافعیؒ سے عدم جواز کی روایت مشہور ہے۔ امام شافعی اپنی کتاب ''الأم'' میں فرماتے ہیں: ''اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ اللہ کا حکم اس کے بندوں کی بابت یہ ہے کہ بندے حرم کے اندر حالت احرام میں ہی داخل ہوں، اس لئے کہ ہم نے علماء سے یہ سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اس بات کی نذر مانے کہ وہ بیت اللہ کا سفر کرے گا تو اس کو حج یا عمرہ کے احرام کے ساتھ سفر کرنا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ بات اسی وجہ سے کہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے حرم کے داخلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''لقد صدق الله ورسوله...''، اس سے عبادت کے لئے اور امن کے حال میں داخلہ کا حکم اور جنگ کی حالت میں اور اس حال میں عذر کے حکم کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ تجارتی اغراض کی سہولت کی خاطر جمہور کے مسلک سے عدول جائز نہیں ہے، ہاں اگر اہل مکہ تجارتی اغراض اور دیگر ضرورتوں سے ان شہروں میں جائیں جو حدود حل میں داخل ہیں مثلاً جدہ، تو مکہ مکرمہ واپسی کے لئے احرام لازم نہ ہوگا جب تک کہ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔

۳، ۴۔ مکی کے لئے قران کی گنجائش نہیں ہے، رہا تمتع تو یہ مکی سے متصور ہی نہیں ہوسکتا، لہذا مکی اشہر حج میں عمرہ کرے یا میقات سے باہر جائے اور عمرہ کا احرام باندھ کر واپس آئے اور عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے پھر اسی سال حج بھی کرے تو شرعاً وہ متمتع نہیں ہوگا، کیونکہ مکی عمرہ کر کے اپنے اہل وعیال میں حلال ہو کر رہتا ہے جو کہ المام صحیح ہے اور تمتع کے صحیح ہونے کے لئے حج اور عمرہ کے درمیان المام صحیح کا نہ ہونا شرط ہے، لہذا مکی سے تمتع کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا عمرہ بھی مفرد ہوگا اور حج بھی مفرد ہوگا اور اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا (شامی ۲/۱۹۸، عمدۃ الفقہ ۴/۲۸۰)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی شخص عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے۔

''قال فی اللباب ...هذا المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة فجاز له تکرارها لأنها عبادة مستقلة کالطواف'' (معلم الحجاج ۲۱۴)

۶: الف، ب۔ رمی جمرات میں صرف مریض یا معذور کی نیابت ہوسکتی ہے، ہر شخص کی نیابت نہیں ہوسکتی اور رمی کے بارے میں وہ شخص مریض یا معذور سمجھا جائے گا کہ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو، اگر سوار ہو کر جمرات تک آسکتا ہے اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے، ہاں! اگر سواری یا کوئی شخص اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (احسن الفتاوی ۴/۵۳۴، عمدۃ الفقہ ۴/۲۳۸، معلم الحجاج/۱۸۱)۔

۷۔ جو لوگ حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جاتے ہیں یہ لوگ محصر کے حکم میں ہیں، اور ان کا احرام کھلنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو وہ احصار کے زوال کا انتظار کریں اور احصار کے زوال کے بعد اگر حج مل سکے تو بہت اچھا ہے پس وہ افعال حج ادا کر کے حقیقی طور پر احرام سے حلال ہو جائیں، اگر اس کو حج نہ مل سکے تو حج فوت ہو جانے والے شخص کی طرح عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کر کے اور حلق کرا کر حکمی طور پر حلال ہو جائے اور اس پر ہدی واجب نہیں ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ حج کے احرام کی حالت میں محصر ہوا ہو، اگر عمرہ کے احرام کی حالت میں محصر ہوا ہو تو عمرہ پر قدرت حاصل ہوتے ہی اس کا احصار زائل ہو جائے گا اور اگر زوال احصار کے انتظار میں دقت ہو اور ہدی کے ساتھ جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے تاکہ احرام میں زیادہ عرصہ تک رہنے کی تکلیف دور ہو جائے (عمدۃ الفقہ ۴/۶۰۷-۶۱۱)۔

[1] جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

۸۔ ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة وكذا إذا أخر طواف الزيارة وقالا لا شئ عليه في الوجهين وكذا الخلاف في تأخير الرمي و في تقديم نسك على نسك كالحلق قبل الرمي و نحر القارن قبل الرمي والحلق قبل الذبح (هدايه ۱،۲۷۶)۔

ہدایہ (۱/۲۷۶) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب چھوڑنے پر امام صاحبؒ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، ہمارے فقہاء متقدمین ومتاخرین اور ماضی قریب کے ارباب افتاء نے امام صاحبؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے جب کہ سوال میں مذکورہ اعذار ہر زمانہ میں رہے ہیں اور ہمارے زمانہ میں اگر ان اعذار میں اضافہ ہوا ہے تو اسی کے مناسب حکومت کی طرف سے سہولتیں بھی مہیا کی گئیں ہیں۔لہذا عام حجاج کے لئے محض سہولت کی خاطر ان اداروں میں رقم جمع کروانا جو ترتیب کا خیال نہیں رکھتے جائز نہیں ہے، ہاں! وہ معذورین جو دوسروں کے ذریعہ بھی اپنی قربانی نہیں کرواسکتے اور ان کے حق میں واقعۃً ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو ان کے لئے صاحبینؒ کے قول پر عدم وجوب دم کا فتوی دیا جاسکتا ہے۔

۹: الف، ب، ج۔ حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت کے بغیر بالاتفاق تمتع نہیں کرسکتا اور آمر کی اجازت سے تمتع کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان آمر کی اجازت کے باوجود حج افراد ہی کرلے، لیکن اگر احرام کے لمبا ہونے کی وجہ سے پابندیاں نبھانا دشوار ہو تو آمر کی اجازت سے تمتع بھی کرسکتا ہے، اجازت بھی صراحۃً ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ دلالۃً بھی کافی ہے، لہذا اگر کسی میت نے مطلقاً حج بدل کی وصیت کی ہو اور صراحۃً تمتع کی اجازت نہ دی ہو تو بھی ہمارے زمانہ میں دلالۃً اجازت کے دیئے جانے کی وجہ سے تمتع کرسکتا ہے جب کہ احرام کے لمبا ہونے کی وجہ سے پابندیاں نبھانا دشوار ہو اور اگر وارث اپنی طرف سے تبرعاً کسی کو حج بدل کے لئے بھیجے تو وارث کی اجازت کا اعتبار ہوگا۔

د۔ تمتع باذن آمر ہو یا بدون اذن آمر بہر صورت دم تمتع مامور کے مال میں لازم ہوگا الا یہ کہ آمر اپنے مال میں سے دم تمتع کی اجازت دے تو آمر کے مال میں سے جائز ہے (جواہر الفقہ ۱/۵۱۶، احسن الفتاوی ۴/۵۱۳)۔

ھ۔ آمر کی اجازت سے گنجائش ہے۔ و۔ اوپر تفصیل آ گئی ہے۔

۱۰: الف، ب، ج۔ سوال میں مذکورہ اعذار کی بنا پر حائضہ عورت سے طواف زیارت کے لئے وجوب طہارت کا حکم ساقط نہیں ہوسکتا کیونکہ آج کل جہازوں میں بعد کی تاریخوں میں نشست تبدیل کرائی جاسکتی ہے، حالت حیض میں طواف زیارت کرکے دم دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر کوئی عورت حالت حیض میں طواف زیارت کرلے تو وہ پوری طرح حلال ہوجائے گی اور اس کے ذمہ بدنہ (اونٹ یا گائے) کا ذبح کرنا واجب ہوگا اور کفارہ دینے کے باوجود اس گناہ سے توبہ کرنا بھی لازم ہوگا (شامی ۲/۱۸۴، عمدۃ الفقہ ۴/۵۲۷)۔

د۔ دم کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہی ضروری ہے۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو عدت کی حالت میں اسے حج وعمرہ ادا نہیں کرنا چاہئے بلکہ محصر کی طرح دم دے کر حلال ہوجائے، پھر حج وعمرہ کی قضا کرے، لیکن اگر عدت کی حالت میں حج کرلیا تو حج ادا ہوجائے گا لیکن گنہگار ہوگی۔

"ومع عدم عدة عليها مطلقاً أية عدة كانت ابن ملك (قوله أية عدة كانت) أي سواء كانت عدة وفات أو طلاق بائن أو رجعي" (شامي ۲،۱۴۶، عمدة الفقه ۴،۵۸، معلم الحجاج ۸۸)۔

۱۲۔ ایک آدمی ایسے وقت مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ آٹھ ذی الحجہ تک ۱۴ دن ہوتے ہیں اور آٹھویں ذی الحجہ کو پندرہواں دن ہے جس میں وہ منی جاتا ہے تو یہ آدمی مقیم ہے، کیونکہ منی کی آبادی اب مکہ مکرمہ سے متصل ہے لیکن اگر آٹھ ذی الحجہ تک ۱۳ دن ہوتے ہیں اور پندرھویں دن وہ عرفات جاتا ہے تو یہ آدمی مسافر ہوگا کیونکہ عرفات مکہ مکرمہ سے الگ ہے نیز وہاں آبادی نہیں ہے۔

۱۳۔ حرم مکی جس میں وتر کی نماز دو سلام سے ادا کی جاتی ہے، حنفی کے لئے وتر کی جماعت میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے، حنفی وتر کی نماز تنہا ادا کرے۔

"وصح الاقتداء فيه (أي الوتر) بشافعي مثلا لم يفصله بسلام لا إن فصله على الأصح" (در مختار على الشامي ۱،۴۴۸، فتاوی رحیمیه ۶،۳۱۵)۔

حج وعمرہ کے مسائل

مفتی عبدالرحیم قاسمی [1]

۱۔ تجارت، ملاقات یا کسی اور غرض سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا قصد کرنے والے آفاقیوں کے متعلق امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ آفاقی میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔

''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا لقوله عليه السلام لا يجاوز أحد الميقات إلا محرما'' (ہدایہ ۱؍۲۳۵)۔

امام شافعی کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے جو عبادت حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کررہا ہے، تجارت یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور سے جانے والے پر احرام باندھ کر جانے اور کم از کم عمرہ ادا کرنے کی پابندی نہیں ہے (جواہر الفقہ ۱؍۴۶۸)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے کہ جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں خواہ اس کا حج وعمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیاحت وتجارت وغیرہ کا ارادہ ہو، اگر گذر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر آکر احرام باندھے ورنہ اس پر دم واجب ہوگا، اگر کسی کا قصد اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لئے جائے تو اس کے لئے احرام لازم نہیں بلا احرام حل میں جاسکتا ہے، پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہوسکتا ہے بشرطیکہ اداء نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر اداء نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو، اگر میقات پر گذرتے وقت قصد اول تو اداء نسک ہو یا دخول مکہ ہو لیکن مرور فی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام گذرنا جائز نہیں (فتاوی محمودیہ ۹؍۱۶۴ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: مبسوط للسرخسی ۴؍۱۶۷، رد المحتار ۲؍۲۲۹)۔

۲۔ زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک میں ہے کہ موٹر ڈرائیوروں کو تو بہت وسعت ہے کیونکہ ان کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہے مکہ مکرمہ سے آتے جاتے پہلے جدہ میں جانا پڑتا ہے، پھر وہاں سے حکم نامہ لے کر جہاں کو جانا ہوجاتے ہیں اور ڈرائیوروں کا مبادلہ بھی ہوتا ہے پس وہ لوگ مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت جدہ ہی میں جانے کی نیت کرلیں جب جدہ سے پھر مکہ مکرمہ کا حکم ہو تو اس کی تعمیل کی غرض سے بغیر احرام کے جاسکتے ہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۲؍۴۲۱)۔

بعض کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹر بھی جدہ میں ہیں اور جن کے نہ ہوں ان کا مطالبہ کرکے ہیڈ کوارٹر جدہ وغیرہ ایسی جگہ قائم کرانا چاہئے کہ ہر مسلک کے مطابق آسانی سے عمل ہوسکے۔

۳۔ مکہ والوں کو اور جو مکہ والوں کے حکم میں ہیں یعنی داخل میقات رہنے والے یا عین میقات رہنے والے اور جو اشہر حج کے پہلے مکہ میں مقیم ہیں جیسے آفاقی اشہر حج کے پہلے حلال ہوکر مکہ میں رہا ہو پھر اس پر اشہر حج آگئے ہوں ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہیں اور اگر اس سال حج نہ کریں تو عمرہ ان سب کو اشہر حج میں کرنا مکروہ نہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱؍۲۸۱)۔

تمتع اور قران مکی کے لئے ممنوع ہے

علامہ شامی نے فرمایا: ''اور اسی بنیاد پر متون کے قول ''اور تمتع وقران مکی کے لئے نہیں ہے'' کا مطلب مشروعیت اور حلت کی نفی ہے۔ ان دونوں میں سے

[1] جامعہ خیر العلوم نور محل روڈ بھوپال، ایم پی۔

ایک میں دوسرے کے بغیر عدم تصور کے منافی نہیں ہے اور اس پر قرینہ ان کا صراحت اس کے بعد تمتع کے باطل ہونے کا صحیح طور پر مائل ہونے کی وجہ سے ان صورتوں میں کہ اگر متمتع اپنے وطن کو لوٹے اور ان کی صراحت افاضہ احرام کے باب میں، بایں طور کہ وہ جب قران کرلے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو ختم نہ کرے تو اس کو کافی ہوجائے گا'' (ردالمحتار ۲/۱۹۸)۔

مکہ مکرمہ کے رہنے والوں اور میقات پر یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران اور تمتع کرنا جائز نہیں (زبدۃ/۳۰۵)۔

۴۔ باہر نکلنے والے اہل مکہ میں سے جن حضرات کا اسی سال حج کا ارادہ ہے وہ مکہ واپسی کے وقت حج کا احرام باندھ کر اندر داخل ہوں اور حج کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں صرف عمرہ کی ادائیگی کافی ہوگی۔

''لأن عمرته وحجته ميقاتيان فصار بمنزلة الآفاقي''۔ (اس لئے کہ اس کا عمرہ اور حج دونوں میقاتی ہیں تو وہ آفاقی کے حکم میں ہوگیا)۔

۵۔ جو متمتع عمرہ کرنے کے بعد حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ کو چلا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وطن اصلی جائے بغیر اس کا سفر واحد ہی رہتا ہے، اس لئے اس کو مفرد حج کا احرام باندھ کر آنا چاہئے اور صاحبین کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہوگیا اب عمرہ کا احرام باندھ کر جائے تو از سر نو متمتع ہوگا اور حج میں زیادہ دن ہوں تو عمرہ کا احرام باندھ کر جانے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی کوئی حرج نہیں، البتہ تمتع کے عمرہ سے فارغ ہوکر مکہ میں رہتے ہوئے حج سے پہلے مزید عمرہ نہ کرے اس میں احتیاط ہے، ملا علی قاری نے جو فرمایا ہے اس کے موافق اور کسی کتاب میں منقول نہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۲/۳۱۸)۔

۶۔ سرخسی نے کہا: ''اور اگر رمی کیا اس کی جانب سے تو اس کو کافی ہوجائے گا اس شخص کے درجہ میں جس پر بے ہوشی طاری ہو، اس لئے کہ نیابت حج وعمرہ میں جاری ہوتی ہے جیسا کہ ذبح میں'' (مبسوط ۴/۶۹)۔

''غنیۃ میں ہے: ظاہر ہوگیا ان چیزوں کی وجہ سے جس کو ہم نے مقدم کیا کہ ان لوگوں نے ازدحام کے خوف کو عذر قرار دیا عورت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جس کو بیماری یا کمزوری ہو سورج طلوع ہونے سے پہلے رمی کے مقدم کرنے اور اس کے رات تک مؤخر کرنے میں، نہ کہ ان کی جانب سے ضرورت نہ ہونے کے باوجود نیابت کے جائز ہونے میں تو اگر وہ لوگ بذات خود ازدحام کے خوف سے رمی نہ کرسکیں تو ان پر فدیہ لازم ہوگا'' (غنیۃ/۱۰۰ بحوالہ زبدۃ المناسک/۱۸۴)۔

جو شخص کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہوکر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے، اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تب بھی معذور ہے، اگر آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف نہ ہو تو اس کو خود آکر رمی کرنا ضروری ہے، دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، ہاں اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے (اللباب/۱۶۶، غنیۃ/۱۰۰ بحوالہ زبدہ مع عمدۃ/۱۸۶)۔

معذور کی طرف سے جو اور کوئی نیابۃً رمی کرے اس کے جائز ہونے کے لئے معذور کا امر کرنا شرط ہے، مگر بے ہوش، چھوٹے بچے، بے سمجھ اور مجنوں کی طرف سے بغیر امر کے جائز ہے (لباب بحوالہ زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک/۱۸۷)۔

ازدحام کے خوف سے خواتین اور مریضوں اور کمزوروں کے لئے رمی کو طلوع شمس سے مقدم کرنے اور رات تک مؤخر کرنے کی گنجائش ہے، نائب بنانے کی اجازت صرف مذکورہ سخت مجبوری کی حالت میں ہے۔

۷۔ سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکی حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیں اور حالت احرام میں پکڑ کر واپس بھیج دیئے جائیں تو وہ محصر کے حکم میں ہیں، زبدۃ میں ہے کہ جدہ یا کامران وغیرہ سے حکام نے جہازوں کو روک دیا بلکہ واپس کردیا تو اغنیاء وہاں جہاز ہی میں سے اگر مل سکا تو جانور لے کر ذبح کرسکتے ہیں یا واپس ہوکر وطن وغیرہ میں کرلیں گے، مگر مساکین کس طرح کریں تو اس کا حیلہ یہ لکھتے ہیں کہ جب حج کو جانا ہو تو احرام باندھنے کے وقت یہ شرط کرلے کہ اگر میں محصر ہوجاؤں تو حلال ہوجاؤں گا تو محصر ہونے کے وقت ہدی بغیر ذبح کئے بھی حلال ہونے کی گنجائش ہوگی، البتہ مشہور مذہب وہی ہے کہ بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا (زبدہ مع عمدہ/ص ۴۳۲)۔

''ونقل الكرماني والسروجي عن محمد أنه إن اشترط الإحلال عند الإحرام إذا أحصر جاز له التحلل بغير هدي'' (شامی ۲/۲۲۳)۔

احصار حل میں ہو اور حرم تک ہدی پہنچانے یا اس کی قیمت ادا کر کے ذبح کرانے کے ذرائع میسر نہ ہوں تو صاحب عین الہدایہ کی رائے کے مطابق حل میں بھی ذبح کرنا احرام کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے، ہمارے نزدیک تو ضرورت اور تنگی کی وجہ سے جواز کی گنجائش نکلی اور امام شافعی کے مذہب میں تو مطلق جواز ہے، پس اس توافق سے بھی وسعت ہوئی (زبدہ مع عمدہ ۴۳۱)۔

۸۔ قارن اور متمتع کو پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا اس کے بعد ذبح یہ ترتیب واجب ہے اور مفرد کو رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے (زبدۃ المناسک مع عمدہ ۱۹۳)۔

''سرخسی نے فرمایا کہ جب منیٰ پہنچ جائے تو جمرہ عقبہ کی رمی کرے، پھر ذبح کرے اگر وہ قارن یا متمتع ہے، پھر حلق کرائے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج ہمارے حج کے افعال میں سے پہلا یہ ہے کہ ہم رمی کریں پھر ذبح کریں پھر حلق کرائیں'' اس حدیث کی وجہ سے، اور اس لئے کہ ذبح اور حلق حلال ہونے کے اسباب میں سے ہیں، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ اگر محصر ذبح کے ذریعہ حلال ہو جائے تو ان دونوں پر رمی کو مقدم کیا جاتا ہے، پھر ذبح حلال ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ حلق، کیونکہ حلق احرام کو روکنے والا ہے تو ذبح حلق پر مقدم ہو گیا'' (مبسوط للسرخسی ۴؍ ۶۴)۔

جو معذور قربان گاہ تک نہ پہنچ سکیں وہ ایسے اداروں کو ذبح کا مختار بنائیں جن کی نظر میں ترتیب واجب ہے جیسے مدرسہ صولتیہ وغیرہ تو ذبح کے متعین کردہ وقت کے بعد حلق کرانے کی اجازت ہوگی۔

۹۔ اگرچہ من حیث الدلیل آمر کی اجازت سے حج بدل میں قران اور تمتع دونوں کے جواز کا رجحان معلوم ہوتا ہے اور فقہاء متاخرین میں سے صاحب لباب اور اس کے محشی صاحب حباب وغیرہ اسی کو اختیار کرتے ہیں، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی کا فتویٰ اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز نہیں کہتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کرنا چاہئے لیکن اس زمانہ میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جا سکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے (جواہر الفقہ ۱؍ ۵۱۶)۔

''لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف كذا في الحباب'' (ارشاد الساری، ص ۳۰۴، بحوالہ جواہر الفقہ ۱، ۵۱۲)۔ (اس لئے کہ اگر میت نے اس کو تمتع کا حکم دیا پھر مامور نے تمتع کیا تو صحیح ہے اور وہ مخالف نہیں ہوگا ائمہ اسلاف کے درمیان بغیر اختلاف کے، جیسا کہ حباب میں ہے)۔

مذکورہ شرائط کے ساتھ الف، ب، ج، تینوں صورتوں میں تمتع کی گنجائش ہوگی۔

د۔ بلا اجازت کیا تو تمتع کے دم کا سارا خرچہ مامور واپس کر دے اور اجازت سے کیا تو خرچ کا مامور پر ضمان لازم نہ ہوگا۔

و۔ حج عن المیت کرنے والے کو خود میت نے امر نہیں کیا، ورثاء پہنچا رہے ہوں تو وہ حج کر کے میت کو ثواب پہنچا سکتا ہے اس صورت میں بھی تمتع کرنے کی گنجائش ہے (غنیۃ حاشیۃ زبدہ ۴۶۲)۔

۱۰۔ حیض کی حالت میں مسجد میں جانا سخت منع ہے، حج کے عظیم رکن طواف زیارت کو حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، لہذا روانگی کی تاریخ بڑھوا کر پاک ہونے تک رکی رہے اور پاکی کے ساتھ طواف زیارت کر کے حج پورا کرنا چاہئے، شرعاً حائضہ کو طواف کرنے کا حکم یا فتویٰ نہ دیا جائے کسی نے لاعلمی میں حیض کے وقت طواف زیارت کر لیا تو اس پر بدنہ ذبح کرنا ضروری ہے (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱؍ ۲۰۶)۔

''قال الكاساني: فإن لم يعد إلى مكة لكنه بعث بدنة جاز لما ذكرنا أن البدنة تجبر النقص بالجناية'' (بدائع ۲، ۱۳۳)۔ (کاسانی نے کہا کہ اگر وہ مکہ نہ لوٹے لیکن اس نے (بدنہ) اونٹ یا گائے بھیج دیا تو جائز ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا کیونکہ بدنہ جنایت کی کمی کو پورا کر دیتا ہے)۔

''قال السرخسي وعلى هذا لو طافت المرأة للزيارة حائضا فهذا والطواف جنبا سواء'' (مبسوط ۴، ۳۹)۔

(سرخسی نے کہا اور اسی بنیاد پر اگر عورت نے حالت حیض میں طواف زیارت کرلیا تو یہ اور حالت جنابت میں طواف برابر ہے)۔

''بعض محشین نے منسک ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس میں کوئی عورت پاک نہ ہو تو اس نے پوچھا کہ کیا وہ طواف کرے گی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے مسجد میں داخل ہونا حلال نہیں ہے اور اگر داخل ہوگئی اور طواف کرلیا تو گنہگار ہوگی اور تمہارا طواف صحیح ہے، لیکن تم پر بدنہ کا ذبح کرنا واجب ہے'' (ردالمحتار ۲؍۱۸۴)۔

مذکورہ عبارات سے مجبوری کے وقت طواف زیارت کرنے والی حائضہ پر مکہ میں بدنہ ذبح کرنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۔ زبدہ میں ہے: اور عدت موت میں اگر مکہ معظمہ تین منزل کے راستہ پر ہے اور محرم بھی ساتھ نہیں تو بھی محصرہ ہے اور اگر مکہ معظمہ تین منزل سے کم پر ہے تو محصرہ نہیں (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱؍۳۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲؍۱۲۴)۔

زبدۃ المناسک میں ہے: جبکہ عورت کا زوج اس کو طلاق دیدے اور مکہ مکرمہ میں ہی ہو تو عرفات پر نہ جائے، اس صورت میں دوسرے سال تک وہاں رہنا اور اگر گھر واپس آئے تو پھر واپس جاکر حج کرنا اور وہاں رہنے کی صورت میں سال بھر کا نفقہ موجود ہونا اور واپسی کے وقت رفاقت کا ہونا وغیرہ بہت سی مشکلات پیش آئیں گی تو یہ بھی اسی طرح معذور سمجھی جائے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ کو چلے جانے کا جواز ہے، اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جائے تو عذر ہوسکتا ہے ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی، اگر افعال عمرہ بجالاکر حلال ہوگی تو پھر حج کے لئے قضا کرنا لازم ہوجائے گا، پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱؍۳۶)۔

۱۲۔ جو حاجی مسافر مکہ مکرمہ میں ایسے وقت آئے کہ آٹھویں تاریخ تک پندرہ روز سے کم ہیں اور وہ مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا زیادہ اقامت کی نیت کرے تو اس کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی وہ مسافر رہے گا، کیونکہ آٹھویں تاریخ کو وہ منیٰ اور نویں تاریخ کو عرفات ضرورت جائے گا، اس لئے ایسے شخص کو قصر کرنا چاہئے (معلم الحجاج ر ۱۵۷)۔

۱۳۔ شامی نے کہا: ''اور وہ بات جس کی طرف دل مائل ہوتا ہے مخالف کی اقتداء کا مکروہ نہ ہونا ہے جب وہ فرائض میں رعایت کرنے والا ہو'' (شامی ۱؍۳۷۹)۔

علامہ شامی نے مزید فرمایا: ''اور کونہ لم یخرج بسلامہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سلام اس کے وتر کو فاسد نہیں کرے گا کیونکہ جو چیزیں اس کے بعد ہیں اس کا شمار وتر میں سے ہے تو گویا وہ اس سے نہیں نکلا'' (شامی ۱؍۴۴۹)۔

خلافیات کی رعایت کرنے والے مخالف مسلک امام کی اقتداء کی جائے اور امام کے ایک رکعت پر سلام پھیر دینے کے بعد مقتدی اپنی دو رکعت پوری کرلے اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن اکمل جماعت کے انتظار اور ہم مسلک امام کی اقتداء، جماعت سے اعراض نہیں، لہذا امام حنفی میسر ہو تو اس کے پیچھے تین رکعت وتر کی جماعت میں شامل ہونا چاہئے۔

☆☆☆

حج اور عمرہ کے چند حل طلب مسائل

محمد ایوب ندوی شافعی[1]

۱۔ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے حدود حرم میں داخل ہوا سے حالت احرام میں داخل ہونا ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں ہے، یہ مسلک امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ فتح مکہ کے موقع پر بلا حالت احرام داخل ہوئے تھے، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

۳۔ جو شخص مکہ میں رمضان سے مقیم ہو وہ اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے یعنی وہ تمتع یا قران کر سکتا ہے لیکن اسے دم تمتع نہیں دینا ہوگا۔

۴۔ مسلک امام شافعی اور امام احمد پر عمل کرنا بہتر ہے۔

۵۔ کر سکتا ہے۔

٦۔ اکثر شوافع علماء نے اس بات کی صراحت کی کہ اگر وہ شخص رمی جمار کے آخری دن وقت جواز تک خود رمی نہ کر سکتا ہو تو وہ دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے۔ آج کل چوتھے دن بعد عصر منیٰ بالکل خالی ہو جاتا ہے اور تقریباً ہر بوڑھا و بچہ رمی جمار کر سکتا ہے لہٰذا محض ازدحام کے خوف سے نائب بنانا درست نہیں۔

۷۔ ایسے لوگ محصر کے حکم میں ہوں گے، وہ ایک بکری ذبح کریں گے اور اس سے تحلل کی نیت کریں گے (کتاب الایضاح فی المناسک)۔

۸۔ شوافع کے نزدیک رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے، لہٰذا آج کل کی دشواری کی وجہ سے مسلک شوافع پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ حج تمتع آمر کی اجازت سے ہوگا۔

۱۰۔ حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کسی طرح درست نہیں، اگر اسے کسی وجہ سے جانا پڑے تو وہ دوبارہ آ کر طواف زیارت کرے گی۔

۱۱۔ ادا کر سکتی ہے۔

۱۲۔ وہ مقیم نہیں ہوگا۔

۱۳۔ مجمع اور جماعت کی رعایت کرے، امام مسجد کی اقتداء کرنا بہتر ہے۔

☆☆☆

[1] بھٹکل

حج اور عمرہ کے چند اہم گوشے

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی [1]

دور حاضر میں حجاز مقدس کی تجارتی اہمیت، حجاج کی بے پناہ کثرت، ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی قانونی پابندیوں نے مختلف مسائل پیدا کردیئے ہیں، آج ہم انہی مسائل کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اللہ ہی سے درستگی کے امیدوار ہیں اور اللہ ہی بہترین مدد کرنے والا ہے۔

۱- اہل حِل کا بغیر احرام مکۃ المکرمہ میں داخل ہوتے رہنا

حدود حرم سے باہر حدود میقات کے اندر رہنے والے کو اہل حل کہا جاتا ہے، یہ لوگ اگر حج و... کے ارادہ کے بغیر کسی اور مقصد کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں تو احرام باندھ کر داخل ہونا لازم نہیں، بلکہ بغیر احرام داخل ہونا جائز ہے (ایضاح المناسک بحوالہ تاتارخانیہ ۲/۱۷۵)۔

لہٰذا جدہ وغیرہ میں رہنے والوں کے لئے بغیر احرام اپنی ضروریات کے لئے بار بار مکہ میں جاتے رہنا جائز ہوگا، کیونکہ اگر ہر بار آمدورفت کی بنا پر احرام کی پابندی عائد کردی جائے تو مشقت کو دعوت دینا ہوا جبکہ شریعت تو مشقت کے وقت تیسیر کی راہ بتلاتی ہے۔

''الحرج شرعا مدفوع ومن فروعه ما قرروه من أنه إذا ضاق الأمر اتسع'' (اصول الفقه ۲۰۹، عبد الوهاب خلاف)۔

۲- بار بار میقات سے باہر کاروبار کے لئے جانے والے مکی

جب اہل مکہ اور حدود حرم کا رہنے والا میقات سے باہر تجاوز کرے گا تو واپسی میں اگر ڈائرکٹ حرم میں داخل ہونے کا ارادہ ہے اور حدود حل میں رکنے کا ارادہ نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھ کر جانا واجب ہے ورنہ ایک دم واجب ہوگا، چاہے وہ بار بار کا آنا جانا کیوں نہ ہو (شامی ۴/۴۷۸)، لیکن امام شافعی کے نزدیک اگر اس نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں کیا تو اس پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے (تاتارخانیہ ۲/۴۷۵، بدائع ۲/۱۶۴)۔

لیکن اگر اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنی تجارت اور کاروبار کی غرض سے بار بار میقات سے باہر آنا جانا پڑتا ہے اور ہر بار احرام باندھنے میں مشقت اور دشواری میں مبتلا ہوجانا واضح بات ہے، تو ایسی صورتوں میں تیسیر کی راہ اپناتے ہوئے اور مشقت سے بچتے ہوئے اور ضابطہ شرعیہ ''المشقة تجلب التيسير'' کے تحت امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شدید حاجت اور مشقت کی وجہ سے کسی بھی مسئلہ میں علماء کے مشورہ سے اپنے مذہب سے عدول کرکے غیر کے مذہب کو اختیار کرلینا جائز ہوجاتا ہے، حضرت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ/۴۵ میں اس کی صراحت فرمائی ہے، اسی طرح ایضاح المسالک (ص/۱۶۰) میں بھی ہے۔

چھٹا فقہی اجتماع ادارہ مباحث فقہیہ جمعیت علماء ہند۔ منعقدہ دیوبند ۱۶/۱۷/۱۸/ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶/۲۷/۲۸/مارچ ۱۹۹۷ء نے بھی رفع حرج کے پیش نظر بغیر احرام داخل ہونے کی گنجائش بتلائی ہے (بحث ونظر شمارہ ۳۲ جلد ۸) جو اس طرح ہے:

جولوگ حدود میقات سے باہر رہتے ہیں، اسی طرح وہ اہل مکہ (زادہا اللہ شرفا) جو بغرض تجارت یا ملازمت کسی مجبوری میں حدود میقات سے باہر بار بار آتے جاتے ہوں، تو ایسے لوگوں کا اصل حکم تو یہی ہے کہ جب بھی یہ لوگ حدود میقات سے مکہ مکرمہ مین داخل ہونے کی نیت سے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر حج یا عمرہ کا احرام لازم ہے، لیکن ڈرائیور اور تجارتی اغراض سے روزمرہ آنے جانے والوں کے لئے ہر بار احرام میں حرج ومشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے امام شافعی کے قول کے مطابق بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

۳- اہل مکہ کا اشہر حج میں عمرہ کرنا

[1] جامعہ اشاعت العلوم اکل کنواں، مہاراشٹر۔

اہل مکہ کے لئے اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے اور پورے سال میں صرف پانچ دن عمرہ کرنا مکروہ ہے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک اور ان پانچ دن کے علاوہ باقی سال کے تمام ایام میں مکی اور غیر مکی سب کے لئے بلا تفریق جائز اور درست ہے۔ ''لأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي'' (ایضاح المناسک ۱۱۷، بحوالہ غنیۃ الناسک ص۱۱۵) یعنی مکی کے لئے اسی طرح غیر مکی کے لئے تمتع اور قران کی گنجائش ہے۔

۴۔ حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کا حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر جانا

جو حضرات ائمہ مکی کے لئے تمتع وقران کو جائز نہیں کہتے اور اسی کے ساتھ ساتھ میقات کے باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے ہر شخص کے لئے (خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا لازم قرار دیتے ہیں ان کے مسلک کے اعتبار سے یہ دشواری پیش آتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے اشہر حرم میں حدود میقات سے باہر گئے، پھر مکہ مکرمہ میں واپس ہونے لگے، اگر وہ احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہوئے تو انہیں بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے دم دینا پڑے گا، اور اگر احرام کے ساتھ میقات میں داخل ہوئے تو احرام سے حلال ہونے کے لئے انہیں ارکان عمرہ ادا کرنے ہوں گے، اسی سال حج کرنے کی صورت میں تمتع کرنے کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا اور ایک ممنوع صورت کا ارتکاب ہوگا۔

''لأن الجمع بينهما في حق المكي غير مشروع'' (بدایہ ۲،۲۹۰)۔

لہٰذا اس صورت حال سے بچنے کے لئے حج کا ارادہ رکھنے والے اہل مکہ کو پابند کرنا کہ اشہر حج شروع ہونے کے بعد میقات سے باہر نہ جائیں تنگی اور دشواری کی بات ہے کیونکہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہے اور اہل مکہ مختلف ضرورتوں کی بنا پر میقات کے باہر جانے پر مجبور ہوتے ہیں، ایسی صورت میں امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کرنے کی رفع حرج اور دفع مشقت کے پیش نظر گنجائش ملتی ہے۔

''المشقة تجلب التيسير''، ''الحرج شرعاً مدفوع'' ومن فروعه ''إذا ضاق الأمر اتسع'' (اصول الفقہ عبد الوہاب خلاف ۲۰۹)۔

۵۔ آفاقی کا احرام حج باندھنے سے پہلے بار بار عمرہ کرنا

صرف پانچ دنوں میں یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک عمرہ مکروہ ہے، باقی دنوں میں بلا تفریق مکی وآفاقی ہر ایک کے لئے بلا کراہت درست ہے۔

''لأن العمرة جائزة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق بين ذلك بين المكي والآفاقي'' (غنیہ الناسک ۱۱۵)۔

۶۔ رمی جمرات میں نیابت

قدرت ہوتے ہوئے نیابت درست نہیں ہے اور جب ایسا عذر لاحق ہو کہ جو عذر رمی جمرات سے مانع ہو تو ایسی صورت میں نیابت جائز اور درست ہے، لہٰذا ایسے مریض، کمزور، بوڑھے اور اپاہج کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے جو از خود جمرات تک پہنچ کر رمی کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور رمی کرنے والا نائب ان کی طرف سے بوقت رمی، رمی کی نیت کرے گا، البتہ اپنی طرف سے رمی پہلے کرلے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے کرے۔

''أن يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة فيه عند القدرة وتجوز عند العذر فلو رمى عن مريض أو بغيره عند عجزه عن الرمي بنفسه كالمريض'' (بدائع ۲،۱۳۷، غنیۃ الناسک ۱۰۰، ایضاح المناسک ۱۵۸)۔

ضابطہ شرعیہ ''المشقة تجلب التيسير'' کے فروعات میں وہ تمام رخص شرعیہ آتے ہیں جن سے شارع کا مقصود مکلف کے لئے تخفیف وترفیہ اور رافت و رحمت ہوتی ہے اور جن اسباب کے وقوع سے تخفیفات کے احکام جاری ہوتے ہیں من جملہ ان میں ایک مرض بھی ہے، لہٰذا اس اصول اور ضابطہ کی روشنی میں بھی مریض ومعذورین کے لئے رمی جمرات کی نیابت کی اجازت ثابت ہوتی ہے (اصول الفقہ عبد الوہاب خلاف ۲۰۹)۔

۷۔ زائرین حرم کے لئے احرام کے بعد موانع اور رکاوٹیں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حجاج اور زائرین حرمین شریفین احرام باندھنے کے بعد رکاوٹوں اور موانع اور اعذار کے پیش آنے کی وجہ سے زیارت حرم سے محروم ہو

جاتے ہیں، یہ موانع کبھی مرض وغیرہ کے سبب ہوا کرتے ہیں اور کبھی دوسروں کے بیجا مداخلت کے نتیجے میں، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کو کفار نے مذہبی عناد کے باعث عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اس احصار و مانع کے پیش آنے کے بعد احرام کو ختم اس طرح کیا کہ جو ہدی اپنے ہمراہ لے گئے تھے ذبح فرمایا اور ذبح کرنے کا حکم فرمایا اور اس طرح حلال ہوئے ا۔ آئندہ سال عمرۃ القضا کیا۔ احصار کے بارے میں حجاج ابن عمرو انصاری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من كسر أو عرّج فقد حل وعليه الحج من قابل انہی سے دوسری روایت میں "أو مرض" کے اضافہ کے ساتھ ہے۔

علامہ عینی نے حصر کی حقیقت پر روشنی اس طرح ڈالی ہے:

''اختلف العلماء في الحصر بأي شئ يكون و بأي معنى يكون فقال قوم يكون الحصر بكل حابس من مرض أو عدو وكسر و ذهاب نفقة ونحوها مما يحصره و يمنعه عن المضي إلى البيت وهو قول أبي حنيفة وأصحابه وروى ذلك عن ابن عباس وابن مسعود و زيد بن ثابت وقال آخرون. وهم الليث بن سعد ومالك وأحمد وإسحاق لا يكون الإحصار إلا بالعدو فقط ولا يكون بالمرض'' (عینی شرح بخاری حاشیہ ابو داؤد ۱،۲۵۷)۔

اس وضاحت کے بعد یہ واضح رہے کہ ان دنوں جو سعودی عربیہ میں رہنے والے غیر ملکیوں کے لئے بھی حج کرنے کے لئے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ جو حکومت کی اجازت کے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہیں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجے میں حکومت کی پکڑ کی زد میں آجاتے ہیں اور واپس بھیج دیئے جاتے ہیں، محصر شمار کئے جائیں گے اور حلال ہونے کے لئے ہدی ارسال کرنا ہوگی اور آئندہ حکومت کی اجازت ملنے پر حج یا عمرہ کا اعادہ لازم ہوگا، مذکورہ صورت میں محصر ہونا حضرات حنفیہ کے یہاں ہے، دوسرے مسالک کے علماء صرف ایک صورت کے پائے جانے پر محصر ہونا بتلاتے ہیں یعنی دشمن کا خوف خطر اور بیجا مداخلت، لہٰذا ان کے یہاں مذکورہ صورت میں گرفتار شدہ لوگ محصر نہیں ہوں گے، لیکن موجودہ صورت حال میں مالکیہ اور حنابلہ علماء کو بھی حنفیہ کے قول کے اختیار کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے جس کی وجہ ظاہر ہے۔

۸۔ رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب

حج کے ۲۲ واجبات ایسے ہیں جن کے ترک سے دم لازم ہوتا ہے ان میں رمی، ذبح اور حلق بھی ہیں جن میں ترتیب کو حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق واجب بتلایا گیا ہے، یعنی رمی اولاً، ثانیاً ذبح، ثالثاً حلق (شامی ۲/۴۶۷، فتح القدیر ۳/۶۵)، لہٰذا ان میں اگر ترتیب کو باقی نہیں رکھا گیا تو دم دینا ضروری ہوگا لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک ترتیب کے ترک سے دم لازم نہ ہوگا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں سنت ہے (اور سنت کے ترک سے دم واجب نہیں ہوتا بلکہ واجب کے ترک سے ہوتا ہے) (درمختار ۲/۴۷)۔

دور حاضر میں اس ترتیب کی رعایت میں دشواری یہ ہے کہ حجاج کے بے پناہ ازدحام، موسم کی شدت، قیام گاہ اور مذبح میں کافی دوری ہونے اور سواری نہ ملنے کی وجہ سے حجاج کے لئے خصوصاً ضعیف و معذور حجاج کے لئے خود مذبح جا کر قربانی کرنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے، اس لئے حجاج عام طور سے قربانی کی رقم ان اداروں کے حوالہ کر کے فارغ ہوجاتے ہیں جو حجاج کی طرف سے نیابۃً قربانی کا نظم کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے اس کے مجاز ہیں، قربانی کا نظم کرنے والے ان ذمہ داروں کے مسلک میں ترتیب واجب نہیں، اس لئے ترتیب کا اہتمام بھی نہیں کرتے۔ اس لئے مزاج شریعت کے مطابق یسر و سہولت کا پہلو اختیار کرتے ہوئے اور حرج سے بچنے کی خاطر ان پریشان کن اعذار کے پیش نظر ضابطہ شرعیہ "المشقة تجلب التيسير" (اصول الفقه عبد الوهاب خلاف ۲۰۰) کے مطابق ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو دوسرے ائمہ کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ملتی ہے، اسی طرح صاحبین کے قول یعنی حنفیہ کے قول مرجوح پر عمل کی گنجائش ہے۔

چھٹا فقہی اجتماع کے تجویز نمبر ۳ کی عبارت بھی اسی طرح ہے:

''آج کل حجاج کے ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے'' (بحث ونظر شمارہ ۳۳۔ جلد ۸ صفحہ ۱۰۵)۔

۹۔حج بدل میں تمتع یا قران

حج بدل میں صرف حج اِفراد کرنے کی اجازت ہوتی ہے، البتہ اگر آمر اجازت دیدے تو حج تمتع یا حج قران بھی کرسکتا ہے (ایضاح المناسک ر ۱۷۲ بحوالہ جواہر الفقہ ۱ ر ۵۱۳، ۵۱۴) اور دم شکر حج کرنے والے مامور کے مال میں سے لازم ہوگا، لیکن آمر اپنی خوشی سے اگر دم شکر کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے اور اس زمانہ میں عرف یہی ہے کہ دم شکر آمر کی طرف سے دینے کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے صراحۃً اجازت کی ضرورت نہیں، پھر بھی بہتر یہی ہے کہ صراحت سے اجازت حاصل کرلی جائے (ایضاح المناسک ر ۱۷۲ بحوالہ احسن الفتاوی ۴ ر ۵۲۳)۔

باقی اگر تحقیق سے آمر کے حال کا علم ہوجائے کہ ان کی طرف سے اجازت تمتع کی نہیں ہے تو مامور ہی پر دم تمتع لازم ہوگا اور رہا حج عن المیت کی صورت میں تمتع کا مسئلہ تو عرفاً اجازت عن المیت سمجھی جائے گی اور بہتر یہی ہے کہ مامور خود ادا کرے۔

۱۰۔حالت حیض میں طواف زیارت

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ سے واپس ہوسکے، جیسے ٹکٹ یا ویزا کی تاریخ بڑھانا، یا حج کمیٹی سے روانگی کو موخر کرانا وغیرہ اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوسکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اگرچہ وہ گنہگار ہوگی لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوجائے گا اور وہ پوری طرح حلال ہوجائے گی مگر اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کرلے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہوجائے گا (چھٹا فقہی اجتماع دیوبند تجویز نمبر ۵، بحث ونظر صفحہ ۱۰۵، شمارہ ۳۲ جلد ۸) جنایت میں جو قربانی لازم ہوگی اس کا حرم مکہ میں ذبح کرنا ضروری ہوگا، پھر یہ کہ ایام نحر کے اندر قربانی ضروری ہے، اگر ایام نحر کے باہر کیا تو دوہری جنایت ہوئی، لہذا دوہری قربانی کرنی ہوگی (ایضاح المناسک ر ۱۶۴ بحوالہ شرح نقایہ ۱ ر ۲۱۴، مرقات ۵ ر ۳۲۳) اور جنایت کے نتیجہ میں جو بدنہ (یعنی ایک بڑا جانور گائے، بھینس یا اونٹ) ہوتا ہے اس کے لئے حد حرم تو ضروری ہے لیکن موسم حج کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی زمانہ میں اس کی قربانی کی جاسکتی ہے (ایضاح المناسک ر ۱۰۶ بحوالہ شامی ۲ ر ۵۱۹، معارف السنن ۶ ر ۳۵۸)۔

۱۱۔سفر حج وعمرہ میں رکاوٹ...... سفر حج یا عمرہ میں کسی خاتون کے شوہر یا محرم کا انتقال ہوجائے تو وہ محصر سمجھی جائے گی، ایسی حالت میں یعنی بلا محرم یا شوہر کے حج یا عمرہ ادا نہیں کرسکتی اور محصر کے جو احکام ہیں تفصیلاً نمبر ۷ میں مذکور ہوئے۔

۱۲۔حج کا سفر کرنے والا مکہ میں پندرہ یوم قیام سے قبل منیٰ میں

منیٰ وادی محسر سے جمرہ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے اور یہ میدان مسجد حرام سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے (ایضاح المناسک ر ۴۵)، یعنی مکۃ المکرمہ اور منیٰ کے درمیان مسافت سفر نہیں ہے اور ان دنوں تو دونوں کی آبادی متصل ہوگئی ہے، یا کہا جائے کہ مکہ شہر پھیلتے ہوئے منیٰ کی آبادی کے متصل ہوگیا ہے، گویا اب دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔

لہذا حج کا سفر کرنے والا جو ایام حج یعنی ۷ / ۸ رذی الحجہ سے اتنی مدت قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ۱۵ یوم قیام سے پہلے ہی ایام حج شروع ہوجاتے ہیں اور وہ منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مقیم ہوگا جبکہ اس نے پندرہ یوم مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت کی ہو اور قیام مکہ و منیٰ کا مجموعہ پندرہ یوم یا زیادہ ہوجاتے ہوں۔

☆☆☆

حج وعمرہ کے مسائل

مولانا محمد ارشاد القاسمی[1]

۱۔ جو لوگ حرم مکہ میں داخل ہو رہے ہوں خواہ ان کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو بلکہ تجارت وملاقات یا اور کسی مقصد سے جانا ہو رہا ہو، ان پر بھی عند الاحناف احرام کی پابندی لازم ہے، اس کے خلاف کی صورت میں ان پر دم لازم آئے گا۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے یہاں وہ بلا احرام کے داخل ہو سکتے ہیں ان پر دم نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ''ثم الآفاقي إذا انتهى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج والعمرة أو لم يقصد عندنا'' (بنایہ ۲۵۴،۳)۔

فتح القدیر میں ہے: ''من أتى ميقاتاً منها لقصد مكة وجب عليه الإحرام'' (۴۲۶،۲)۔

''ولزوم الدم بالتاخير أي بتأخر الإحرام عنها'' (شرح اللباب ۵۵)۔

۲۔ وہ حضرات جو حج وعمرہ کی نیت سے نہیں آرہے ہوں اور ان کو کثرت سے حرم مکی میں آمد ورفت کی ضرورت پڑتی ہو، ان میں متعدد بار آتے جاتے رہتے ہوں، جیسے ڈرائیور، ایجنٹ وغیرہ، وہ اس احرام کے قاعدہ سے مستثنیٰ کئے جاسکتے ہیں۔

''كذا في عمدة القاري، قال أبو عمر لا أعلم خلافاً بين الأمصار في الحطابين ومن يدمن الإختلاف إلى مكة و يكثره في اليوم والليلة لا يؤمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة'' (۸،۲۹۰)۔

الہدی الساری حاشیہ فیض الباری میں ہے: ''ولمعارض الأدلة اختلف قول العلماء والاحتياط للإحرام إلا من كثر دخوله فيرتفع المشقة'' (۳،۱۳۹)۔

۳۔ مقیم مکہ جو حج کا ارادہ رکھتے ہوں، اشہر حج کے بعد ان کے لئے عمرہ کرنا اور تمتع وقران کی گنجائش ہے۔

''والمكي يعتمر في أشهر الحج لا يكره له ذلك، ولكن لا يدرك فضيلة التمتع'' (حاشية إرشاد الساري ۱۸۳)۔

''وقد بينا أن المكي إذا خرج من الميقات ثم قرن حجة وعمرة كان قارناً'' (ص ۱۸۵۔ أيضاً)۔

ابن نجیم لکھتے ہیں: ''وبهذا عرف أنه يتصور الجمع بين العمرة والحج في حق المكي لكن لا على وجه التمتع والقران (أي المسنون)'' (منحة الخالق ۲،۳۹۳)۔

۴۔ مقیم مکہ جو اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ کسی ضرورت سے اشہر حرم میں میقات سے باہر گئے تو وہ عمرہ کے احرام سے میقات میں داخل ہو کر حرم مکی میں آسکتے ہیں اور حج کی وجہ سے ان پر دم جنایت لازم نہیں۔ کذا فی شرح اللباب:

''إن المكي إذا خرج إلى بعض الآفاق لحاجة ثم رجع وأحرم بالعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه لم يلزمه الدم باتفاق الأربعة (ص ۱۹۱)۔

۵۔ تمتع کرنے والا آفاقی عمرہ سے فارغ ہو کر احرام حج سے قبل مزید عمرے بلا کراہت کر سکتا ہے۔

علامہ شامی حاشیہ البحر الرائق میں ذکر کرتے ہیں: ''وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة

[1] مدرسہ ریاض العلوم جونپور، یوپی۔

مستقلة أيضاً كالطواف'' (منحة الخالق حاشيه البحر الرائق ۲،۳۹۳)۔

۶: الف۔ عمل رمی میں دوسرا شخص شرطوں کے ساتھ رمی کرسکتا ہے۔

ب۔ مریض اور معذور کے لئے کوئی نائب بن کر رمی کرسکتا ہے اور معذوری کی حد یہ ہے کہ وہ چلنے اور جمرات تک جانے کی صلاحیت وطاقت نہ رکھتا ہو، حاملہ عورت جو حمل کی وجہ سے، نیز ہر ضعیف جو جمرات تک نہ جاسکتے ہوں، اسی طرح محبوس قیدی کی جانب سے بھی نیابت ہوسکتی ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: ''تجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس أو كبر سن وللمحبوس و كبير سن والحمل أن يوكل عنه من يرمي عنه الجمرات كلها'' (ص ۱۹۳)۔

ازدحام کی وجہ سے نیابت نہیں ہوسکتی، ازدحام کوئی معقول عذر نہیں، کمافی الفتاویٰ الرحیمیہ۔ ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کرسکتا (۲۳۶/۵)۔

۷۔ جسے حکومت پکڑے اور گرفتار کرے یا واپس کردے وہ محصر ہوجائے گا۔

ان کا احرام اس طرح ختم ہوگا کہ وہ حرم میں قربانی کے لئے بکرا یا اس کی قیمت بھیج دیں اور آئندہ عمرہ کی صورت میں عمرہ یا حج کی صورت میں عمرہ وحج کی قضا کرنا ہوگی۔

۸۔ متمتع اور قارن کے لئے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس کے خلاف پر دم واجب ہے، صاحبین کے نزدیک ترتیب مسنون ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء مجتہدین کے نزدیک مسنون اور اس کے خلاف پر دم نہیں ہے، مصالح ناس وزمانہ ودفع حرج اور دقت کی رعایت کرتے ہوئے صاحبین کے قول پر فتویٰ کی گنجائش ہے، چونکہ حنفیہ کے مسلک میں حضرات صاحبین کا قول عدم وجوب کا ہے، اسی طرح دیگر جماہیر بھی اسی کے قائل ہیں اس لئے مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر اس قول کو لیا جاسکتا ہے۔ ابن نجیم لکھتے ہیں:

''وعندهما لا يلزم شئ بتقديم نسك على نسك'' (البحر الرائق ۳،۲۶)۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے: ''وعندهما لا يلزم بالتأخير في المناسك شئ'' (۱،۵۲۵)۔

ابن ہمام لکھتے ہیں احتمال ہے کہ صاحبین کا مسلک سنیت ترتیب کا ہو:

''وإن ذلك الترتيب مسنون لا واجب والحق أنه يحتمل أن يكون كذلك'' (فتح القدير ۳،۶۲)۔

لہذا: ''لو أفتى مفت بشئ من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً'' (شامی ۱،۲۴)۔

اسی طرح: ''المفتي إنما يفتي بما يقع عنده من المصلحة'' (عمدة الرعاية ۱۴)۔

۹۔ آج کل کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنا عرفاً حج تمتع تصور کیا جائے گا جبکہ یہی رائج ہے اور شرعاً آمر کی اجازت سے مشروع بھی ہے کہ افراد کی صورت میں طول احرام کا برداشت کرنا مشکل ہے۔

الف۔ آمر کی اجازت سے تمتع کرسکتا ہے، قاضی خاں میں ہے:

''فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة'' (علی حاشیۃ عالمگیری ۱،۳۰۷)۔

جواہر الفقہ میں ہے: آمر اجازت دیدے تو قران وتمتع دونوں جائز ہونا چاہئے (۱،۵۱۳)۔

ب۔ صریح اجازت کے علاوہ دلالۃً وعرفاً اگر اجازت متصور ہو تو تمتع کرسکتا ہے۔

ج۔ تعلقات یا ایسے احوال ہوں جن کی بنیاد پر ظن غالب ہو کہ اس کی اجازت بلاشبہ ہوجائے گی تو تمتع کی اجازت ہے۔

د۔ بہر صورت مامور کے ذمہ ہوگا، آمر تبرعاً دیدے تو فبہا ورنہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔

ھ۔ تمتع کی گنجائش ہے اس لئے کوئی پریشانی نہیں۔

و۔ حج عن المیت کی صورت میں میت کی اجازت ہو تو تمتع کرسکتا ہے۔

ب،ج۔ احسن الفتاویٰ میں ہے: اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران ودم شکر کا اذن ثابت ہے، اس لئے صراحۃً اذن ضروری نہیں۔ مع ہذا صراحۃً اذن حاصل کرلینا بہتر ہے (۴؍۱۳ ن) یا عام اجازت لے لے تو تمتع کی گنجائش نکل آئے گی، کما فی شرح اللباب:

''قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل إذا أمره غیره أن یحج عنه ینبغی أن یفوض الأمر إلی المأمور'' (ص ۳۰۴)۔

د۔ شرح لباب میں ہے: ''حتی لو أمره بالقران أو التمتع فالدم علی المأمور'' (ص ۳۰۵) (اگر آمر اس کو قران یا تمتع کا حکم کرے تو دم مامور (حج کرنے والے) پر ہوگا)۔

اور رد المحتار میں ہے: ''ودم التمتع والقران علی الحاج'' (۲٫۶۱۱)۔

و۔ افراد کے حکم کی صورت میں قران وتمتع درست نہ ہوگا، ''فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للمیت لم یقع عنه''۔

اور اجازت سے ہوجائے گا: ''لأن المیت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا یکون مخالفا'' (ارشاد الساری ص ۳۰۴)

۱۰۔ اگر کوئی عورت طواف زیارت نہ کرسکی کہ حیض یا نفاس شروع ہوگیا، ادھر مدت اقامت کی تاریخ ختم ہوگئی کہ رک نہیں سکتی، پاکی کے انتظار تک رہنا اس کے اختیار میں نہیں، دوبارہ آکر اس فریضہ کو ادا کرنا استطاعت سے باہر ہو، تو ایسی عورت اسی حالت میں گناہ سمجھتے ہوئے غسل کرکے مضبوطی سے کپڑا باندھ کر طواف کرکے حلال ہوجائے۔

الف۔ ہاں صورت مذکورہ میں ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

''لو همّ الرکب علی القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا. قالوا یقال لها لا یحل لك دخول المسجد وإن دخلتِ وطفت اثمتِ وصح طوافك'' (شامی ۲٫۵۱۹)۔

ب۔ ہاں رکن ادا ہوجائے گا اور دم لازم ہوگا۔ ''کما فی الشامی: وصح طوافك وعلیك ذبح بدنة'' (۵۱۹/۲)۔

ج۔ بدنہ یعنی گائے اونٹ ذبح کرنا ہوگا، بکرا کافی نہ ہوگا۔ ''والشاة تجوز فی کل شئ إلا فی طواف الرکن جنبا'' (البحر الرائق ۳٫۲۶)۔

د۔ قربانی کی ادائیگی مکہ میں ہی ہوگی۔ احکام القرآن میں ہے: ''ذبحه فی الحرم بالاتفاق سواء وجب شکراً أو جبراً'' (۲٫۶۶۷)۔

درمختار میں ہے: ''ویتعین الحرم لا منی'' (۲٫۶۱۶)۔

۱۱۔ سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور مکہ مکرمہ قریب ہے، سفر شرعی کی مسافت میں نہیں ہے تو یہ عورت حج کرسکتی ہے۔

حاشیہ شرح لباب میں ہے: ''أو مات عنها فإن کان إلی منزلها أقل من مدة السفر وإلی مکة فإنه یجب أن تعود إلی منزلها وإن کانت إلی مکة مضت إلی مکة'' (ص ۴۰، هکذا فی الشامیة ۱٫۵۳۸)۔

''وإن حجت وهی فی العدة جاز حجها وکانت عاصیة'' (ارشاد الساری إلی مناسك ملاعلی قاری ص ۳۹)۔

۱۲۔ منیٰ کی آبادی کے اتصال سے اس وقت توابع شہر اور فناء شہر میں داخل ہوکر مقیم ہوگا جبکہ اتصال سے وہاں عرفاً اور حکومت وسرکاری امور میں بھی اسے شہر مکہ کے تابع سمجھا جانے لگے، مطلق اتصال موثر نہیں، کذا فی جواہر الفقہ، جن کے نام اور احکام اور تمام کاروبار جدا ہوں ایک جگہ متصور نہ ہوں گے (۴؍۲۹۱)۔

۱۳۔ احناف وتر میں شوافع کی اقتداء اس وقت نہیں کرسکتے جبکہ وہ فصل سے پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن نجیم بحر میں ذکر کرتے ہیں: ''فظهر بهذا أن المذهب الصحیح صحة الاقتداء بالشافعی فی الوتر إن لم یسلم علی رأس الرکعتین وعدمها إن سلم'' (۱٫۴۲، هکذا فی فتح القدیر ۱٫۳۸۱، الشامی ۲٫۸)۔

☆☆☆

مناقشہ

حج وعمرہ۔ موجودہ حالات کے پس منظر میں

یہ رجحان پیدا ہونا سہولت پسندی کا باعث بن جائے گی اور سارے لوگ اپنے خیموں میں بیٹھ کر آرام کریں گے اور ذبح قربانی جس کے لئے یہ بھی ہے کہ بھئی اپنے سامنے کھڑے ہوکر خود اپنے ہاتھ سے کرو اور اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کو دیکھو کہ تمہارے سامنے قربانی کی جا رہی ہے، یہ صورتحال ہے خطرناک، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ حج کے مسائل پر غور کرتے وقت آپ سب سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ ان چیزوں پر غور بھی کیجئے، نہ وہ سہوت جو مہلک ہے اور نہ وہ سہولت پسندی جو عبادت کی روح کو ختم کر دیتی ہے، ان کو سامنے رکھ کر واقعات وحقائق اور مشکلات کو سامنے رکھ کر احکام شرع کی گنجائشوں کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کریں اور اگر مناسب سمجھیں تو جتنا میں نے عرض کیا ہے اس کو تمہید کے طور پر ضرور ان تجاویز کے ساتھ ملحق کیا جائے اگر آپ کو اتفاق ہوتو.........

اس سلسلہ میں ایک بات اور میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم مسائل حج پر بحث کرنے بیٹھے ہیں تو اتفاق سے یہ سوال تو آپ نے طے کیا تھا ایک سال پہلے، موضوعات کو اتفاق سے یہ مسئلہ ادارہ المباحث الفقہیہ جو جمعیۃ علماء ہند کے تحت ہے، وہاں بھی زیر بحث آیا ہے اور ہمارے علماء نے کچھ فیصلے کئے ہیں، میں نے قصداً ان فیصلوں کو بحث ونظر کے صفحات میں محفوظ کر دیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ فیصلہ کرتے وقت ہمیں ان فیصلوں کو بھی سامنے رکھنا چاہئے، اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے نکات میں شاید آپ کا ان سے، ان فیصلوں سے اتفاق ہوگا، بہتر ہے کہ ہم علماء کی زبانیں مختلف نہ رہیں آپ دیکھ لیجئے جہاں کہیں ناگزیر ہے اختلاف تو دوسری بات ہے، لیکن اگر عام حالات میں اس فتوی سے آپ حضرات کو بھی اتفاق ہوتو ہمیں اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔

اس کے بعد عرض پیش کیا گیا۔

جولوگ مکہ کے اصلا رہنے والے ہیں، یا وہاں مقیم ہیں، اصلا ان کے لئے تمتع نہیں ہے، اس لئے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں میقات سے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز۔۔۔قاضی صاحب بار بار کیا اشہر حج میں جانا ہے اس کو......ارے بھئی، ایک ہی بار جانا ہے تو عمرہ تو کرنا پڑے گا اس کو...... اگر عام طور پر وہ جائے تو عمرہ کرے گا ورنہ اگر حج کا ارادہ ہے تو عمرہ نہ کرے، میری بات سنئے اگر کسی شخص پر حج فرض ہے اور وہ اس سال اس کو ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کو...... حج میں باہر نہیں جانا چاہئے، لیکن اگر اس کی تجارتی، پیشہ ورانہ اور دفتری مجبوریوں کے تحت اس کو باہر جانا پڑتا ہے تو وہ جائے لیکن نمبرا...... دے چکے ہیں اس کے تحت وہ احرام نہیں باندھے گا، بلکہ بغیر احرام کے داخل ہو جائے گا اور وہ عمرہ نہیں کرے گا اور حج کر لے......کیا بار بار نمبر ا تو لکھا ہوا ہے نہ اس میں نمبر ا میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ موجودہ حالات میں جب کہ حجاج، دفاتر میں کام کرنے والے...... ٹیکسی چلانے والے دیگر کام کرنے والے، کبھی ہر روز کبھی ہر دوسرے تیسرے روز جاتے ہیں تو بار بار کا مسئلہ تو عذر سے متعلق ہے۔ یہاں تو عذر دوسرا ہے، ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل نہ ہو چاہے مکی ہی کیوں نہ ہو، اور دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ تمتع کر ہی نہیں سکتا، تو اب مصیبت یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتا ہے، اس کا آفس ریاض میں ہے، اس کو جانا ہے، کسی تجارتی کام کے لئے اس کو مدینہ جانا ہے، جانے دیجئے، مکہ مدینہ، ریاض تو دور ہے، اس کو طائف جانا ہے، اس کی دفتری اور پیشہ ورانہ ضرورتیں اس کی متقاضی ہیں کہ جائے اب یا تو ہم اس کو حکم دیں کہ جاؤ ہی مت چاہے کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، چاہے نوکری کیوں نہ چھوڑنی پڑے یا ہم اس کو یہ اجازت دیں کہ اچھا بھئی تم عمرہ

کرو اور تمتع کرلو یا ہم کہیں کہ صاحب تم پر عمرہ نہیں ہے، تم احرام باندھ کے مت آؤ، تم عمرہ مت کرو، تو سیدھے حج کرنا، یہ خلاصہ ہے...... یہاں تو بحث دوسری ہے۔

تمتع کرلے وہ تمتع کرلے...... مکہ ہی کا ہے وہ...... بہر حال اس وقت...... مولانا...... ایک منٹ مسئلہ درپیش یہ ہے کہ ہمارے نقطۂ نظر سے کوئی بھی شخص مکہ میں رہتا ہی ہو یا اصل باشندہ ہو...... وہاں سے باہر آتا ہے تو اس کو مکہ میں جانا ہے احرام باندھ کر اور عمرہ کرنا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکی تمتع نہیں کرسکتا، مشکل یہ آپڑی ہے کہ اگر وہ مکی ہے، اور وہ...... جس پر حج نفلی ہے، اس کو تو ہم نے چھوڑ دیا، اس پر حج فرض بھی اور حج کی فرضیت علی الفور ہوتی ہے، اب اگر وہ باہر ضرورت کے لئے نہ جائے تو یہ بھی مشکل اور اگر جائے تو دوسری مشکل کہ حج نہیں کرسکتا، اس سال اور بغیر احرام نہیں آسکتا۔ ان شرائط کے ساتھ کہ جس پر حج فرض ہوا اور اس سال وہ حج کرنا چاہ رہا ہو اور وہ اپنی کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت اس کو اشہر حج میں حرم سے باہر جانا پڑا، تو وہ احرام کے ساتھ آنے کے بجائے پہلی رعایت سے فائدہ اٹھائے بغیر احرام آئے اور اس سال حج ادا کرلے یہ ہے خلاصہ اس پوری بحث کا...... ضرور لکھ کر دیجئے جزاکم اللہ...... اور بھی کوئی...... ہے کیا حل نکالا ہمارے دوست نے واہ! مولانا شیر علی صاحب کا فرمانا یہ ہے کہ اگر وہ شخص اپنی ضرورت کے تحت میقات سے باہر چلا گیا اشہر حج میں اور وہ واپس آیا تو اس کو مکی شمار کرنے کے بجائے آفاقی شمار کیا جائے گا، جیسے آفاقی کے لئے تمتع ہے ویسے ہی اس کے لئے بھی تمتع ہوگا، یہ فرمارہے ہیں، نہ؟ آپ کی وکالت صحیح کی میں نے، اچھی بات ہے، بات بہت اچھی کہی انہوں نے...... مسئلہ کا حل ہے راستہ ہے، بہر حال اب...... دیکھئے اس میں ایک ہی نقطۂ نظر ہے جو ایک مفید چیز بن سکتی ہے وہ الہام صحیح...... اگر اس اصطلاح کی صحیح تشریح ہم لوگ سمجھ سکیں اور کرسکیں تو مسئلہ میں شاید زیادہ سہولت ہو ورنہ جو تجویز ہے کہ دو مصیبتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے باہر جانے کے بعد آنے...... اس کو عمرہ کرنا ہے اور تمتع کر نہیں سکتا، اپنی دوسروں کو سناتے ہو، دوسروں کی سنتے ہی نہیں ہو، چلئے، اس میں ایک لفظ ہمارے مولانا مفتی نسیم صاحب نے لکھا ہے کہ فقہ شافعی کا حوالہ دیا گیا ہے، مگر خود فقہ حنفی میں بھی ضرورتاً روزمرہ آنے جانے والوں کے لئے اجازت ہے، تو کیوں نہیں اس عبارت میں یہ لکھا جائے کہ...... سیاسی اغراض سے یا وغیرہ وغیرہ روزمرہ جانے والوں کے لئے ہر بار حدود حرم میں داخل ہوتے وقت احرام باندھنے میں حرج ومشقت ہے، اس لئے دفع حرج اور رفع مشقت کے لئے ان لوگوں کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخل ہونے کی گنجائش ہوگی۔

مولانا آپ سے میری یہ درخواست ہے ہم لوگ پہلے اس کام کو ختم کرلیتے ہیں، افسوس ہے کہ میری آپ سے بات نہیں ہوسکی، ہم اور آپ بیٹھ کر فراغت کے بعد بات کرلیں اگر ہماری اور آپ کی گفتگو اور مولانا بھی رہیں گے اور اس کے بعد بھی ضرورت اگر آپ کے کسی اختلافی نوٹ کی ہے تو آپ تحریر فرمادیں گے تو پوری امانت داری کے ساتھ اس کو عرض تجویز کے ساتھ لگا دیا جائے گا۔

مولانا محی الدین صاحب...... رمی کے بارے میں نیابت کے سلسلہ میں جواز دحام کی بات آئی ہے کہ ازدحام کو عذر قرار دیا جائے تو ٹھیک ہے، ازدحام عذر ہوسکتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ قید رکھی جائے کہ اگر رات تک بھی رمی کرنا ناممکن ہو اور اسے کمزور لوگ مشکل سے نہیں کرسکتے تو پھر نائب بنائیں، ایک واقعہ سناؤں، میں حج میں گیا دو سال پہلے، ہمارے کچھ ساتھی تھے، اور وہ ساتھی ایسے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حج کرلیا تھا، اس وقت انہوں نے نیابت کرلی اور اس کے بعد رمی جمرہ عقبہ میں انہوں نے نیابت کرلی، اب دوسرے دن میرے سامنے بات آئی تو میں نے کہا کہ بھئی نیابت تو نہیں ہوگی، انہوں نے کہا کہ آپ کیوں انکار کرتے ہیں میں نے...... علماء سے پوچھا وہ کہتے ہیں جائز ہے، اب وہ ہٹے کٹے آدمی بالکل صرف اتنا کہ جانے میں دشواری تھی اور سخت گرمی کا مسئلہ تھا، بہر حال...... یوں...... ہوا کہ لوگ گیارہ بارہ تاریخ کو...... میرے ساتھ آئے اور انہوں نے...... تو جیسے قاضی صاحب نے پہلے ہی توجہ دلائی ہے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف مزدلفہ کو تو مشروع قرار دیا، لیکن عورتوں بچوں اور کمزوروں کے لئے ازدحام کی بنیاد پر وقوف مزدلفہ بھی چھڑوایا، لیکن رمی کے متعلق نیابت کے بارے میں نہیں کہا کہ تم نائب بنالو، اس لئے اس سے رمی کی اہمیت سامنے آتی ہے کہ ایک اچھا...... بڑا منصب ہے تو اس لئے مطلقاً یہ ازدحام والی بات نہ رکھی جائے بلکہ یہ قید لگائی جائے کہ رات تک بھی کوئی رمی نہ کرسکے اور اتنا ازدحام ہو کہ پہنچ نہ سکے تو اپنی طرف سے نائب بنالے، یہ ایک چیز ہونی چاہئے، مولانا محی الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ مولانا زبیر صاحب نے وقوع ازدحام کی وجہ سے گنجائش کا ذکر کیا ہے، رمی میں نیابت کے لئے فرماتے ہیں، کہ اس میں یہ قید ہونی چاہئے کہ ازدحام اتنا زیادہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ یعنی غروب آفتاب کے بعد بھی ممکن نہ ہو اور آدمی اپنے حالات کے اعتبار سے انتہائی ضعف کا شکار ہو، تب گنجائش دی جانی چاہئے ورنہ نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

اولاً تو ابھی مولانا محی الدین صاحب نے جو تجویز پیش فرمائی کہ اگر ازدحام غروب آفتاب کے بعد تک باقی رہے تب ہی اسے عذر تسلیم کرنا چاہئے رمی میں نیابت کے لئے، میرے خیال میں یہ بہت معقول بات ہے، اور اگر وقت کا تھوڑا سا لوگ اہتمام کرلیں تو رات کے وقت رمی کرنے میں دقت نہیں ہوتی ہے، خواتین اور مریض لوگ ہی رمی کر سکتے ہیں...... دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو سوال آیا تھا کہ جدہ وغیرہ کے جن لوگوں کو سعودی قانون کے تحت حج میں جانے سے روک دیا جاتا ہے، ان کے لئے بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی ہے، تو میں نے اپنی تحریر میں ایک بات پیش کی تھی...... ہمارے فقہاء کے یہاں احرام کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب آدمی تلبیہ کہے تو جن حضرات کو یہ اندیشہ ہو کہ پولیس چوکی پر چیک پوسٹ سے ان کو واپس کر دیا جائے گا، اگر وہ احرام کے کپڑے پہن لیں اور تلبیہ اس وقت تک نہ کہیں جب تک چیک پوسٹ سے آگے نہ بڑھ جائیں تو نہ احصار کا تحقق ہوگا نہ ان پر دم واجب ہوگا اور نہ ان کو کوئی دقت پیش آئے گی۔ تو اگر یہ صورتحال لوگوں کو بتائی جائے کہ تلبیہ سے اپنے آپ کو روکے رکھیں، جب تک کہ چیک پوسٹ سے نہ نکل جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کی دقت کا بہت آسان حل ہوگا۔

میقات سے آگے ہونے کے بعد نہیں جو لوگ کم سے کم حدود حل کے اندر رہتے ہوں یعنی میقات کے قریب رہتے ہوں، ان کے لئے تو کم سے کم اس کی گنجائش ہو جاتی ہے، سہولت ہوگی، مولانا خالد صاحب فرما رہے ہیں کہ حکومت کی طرف سے پابندی کا جو مسئلہ آیا ہے اور اس کی وجہ سے احصار کا تو اس میں ایک صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ سفر کریں وہ احرام جب باندھیں تو ہمارے یہاں یعنی عند الحنفیۃ انعقاد احرام کے لئے تلبیہ کی شرط ہے، تو جب تک چیک پوسٹ جہاں سے واپس کرنے کے امکانات ہوتے ہیں، وہاں نہ پہنچیں، اس وقت تک تلبیہ کو مؤخر کر دیں، اور اس کے بعد تلبیہ کہیں، اور پھر ان کے احرام کا انعقاد ہوگا...... لیکن معاملہ یہ ہے کہ جو لوگ جدہ میں رہتے ہیں یا اس کے آگے رہتے ہیں، اس طرح ان کے لئے بھی یہ چیز سوچی جا سکتی ہے...... لیکن یہ قانون پوری مملکت کا ہے، اور حج کے زمانہ میں غالباً صرف ایسا نہیں ہے کہ حرم کے آس پاس کے جو چیک پوسٹ ہیں وہیں روک لگی ہوتی ہو بلکہ اور جہاں جہاں بھی ایسے مواقع ہیں وہاں بھی روک ٹوک ہوتی ہے، بہر حال میری ایک (خالد صاحب) تجویز یہ ہے کہ جن لوگوں کے لئے ایسا ممکن ہو اس مسئلہ میں بھی خود حنفیہ کے یہاں ایک قول کے مطابق گنجائش ہے، دوسرے حضرات کے یہاں تو ہے ہی، اس سے اور یہ گویا کتابوں میں مذکور ہے، فقہاء کے یہاں آیا ہے، احرام کے ساتھ شرط لگانے کا مسئلہ، ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب

مفتی انور علی صاحب نے جو عرض پیش کیا ہے کہ متمتع مزید عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں، انہوں نے ساری توجہ اور سارے دلائل تکرار عمرہ کے بیان میں پیش کئے ہیں، اس مسئلہ میں مجھے یہ اطلاع تو نہیں ہے کہ حج کے بعد مزید عمرہ کر سکتا ہے...... بات یہ ہے کہ کیا حج کے پہلے دوسرا عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ کا کوئی جزئیہ اگر کسی کے پاس ہو تو برائے مہربانی بیان کرے۔

قاضی صاحب

عمرہ جو سال میں پانچ دن ممنوع ہے، باقی ایام میں جائز ہے، اور کوئی وجہ نہیں کہ متمتع کو عمرہ سے روکا جائے، اس لئے صاحب ...... کی عبارت کو لوگوں نے مفصل نقل کیا ہے، پوری بحث ارشاد الساری میں پڑھیں آپ انشاء اللہ بہت ساری چیزیں آپ کو ملیں گی، قاضی صاحب پہلی بات یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ جب حکومت سعودیہ ان کو منع کرتی ہے انتظامات کی سہولت کے لئے، اگر عدد حجاج پر کنٹرول کیا جا رہا ہے اور یہ بالکل مصالح کے مطابق ہے، ایسی حالت میں کیا ایسے لوگوں کے لئے جو ان ممالک میں رہتے ہیں، ہر سال حج کرنا اور حکومت سعودیہ کے اس امر کی مخالفت کرنا کیا صحیح ہے؟ اس لئے پہلی بات کہ اگر حکومت سعودیہ اذن نہیں دیتی تو خدا کے واسطے وہ نہ جائیں اور اگر جائیں تو پھر تجاوز میقات جیسا کہ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ جو مسئلہ ہے احرام کا اور حکومت کی طرف سے پابندی کا، اس میں پہلی بات یہ غور کرنے کی ہے اور طے کرنے کی ہے کہ حکومت سعودیہ جو اس سلسلہ میں پابندی لگا رہی ہے اور محض انتظامات کی وجہ سے جو واقعات پیش آتے ہیں، ان کے پیش نظر تو حکومت کی طرف سے اس پابندی کے بعد آیا وہاں کے لوگوں کے لئے سفر کا اقدام حج یا عمرہ کے لئے درست ہے یا نہیں؟

مولانا ارشاد صاحب

ایسا ہے حرام تو نہیں کہا جا سکتا، خلاف اولی کہا جائے گا، لاتلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ ،مگر احرام باندھ لے گا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا، قاضی صاحب فرماتے ہیں، ویسے صاحب آمر کی بات ماننا ضروری ہے غالباً آج کل کے لئے......یا أیہا الذین آمنوا أطیعو کے تحت۔

اگر اس کو لازم نہیں قرار دیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جملہ انتظامات برباد ہو جائیں گے اور کوئی تنظیم ہماری عبادت میں باقی نہیں رہے گی، اور بے پناہ لوگ جائیں گے اور انتظام کیا گیا ہے سولوگوں کا اور آپ جائیں گے ایک ہزار آدمی، سارا انتظام برباد ہوگا، حجاج کو دقت ہوگی، یہ امر بالمعروف ہے، یہ امر بالمنکر نہیں ہے، اور اگر امیر یا انتظامیہ امر بالمعروف کرتی ہے تو اس کی اطاعت واجب ہونی چاہئے اگر کوئی کہتا ہے کہ اس کی کوئی نظیر ہے تو ٹھیک ہے۔

اس کے خلاف ایک نظیر یہ ہے کہ اگر غلام کو آقا یا بیوی کو شوہر کے اور اس کے اندر بھی اس کے نزدیک کوئی حکمت یا مصلحت ہو اور اس کے باوجود وہ احرام باندھ لے تو احرام کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح احرام کے احکام اس پر عائد ہوں گے یا نہیں، یہاں تو بحث ہے کہ اگر مخالفت کر کے بھی احرام باندھ لیا تو کیا حکم ہوگا؟ گناہ ہونہ ہو یہ تو بعد کی بات ہے......قاضی صاحب، میں نے عرض کیا کہ لوگوں کو یہ بتانا چاہئے کہ جو سعودی عرب میں رہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ حکومت کے طے کردہ انتظام کے مطابق وہ عمل کریں، اگر وہ منع کرتی ہے کہ حج کے لئے نہ جائیں تو یہ حکم استطلاح پر مبنی ہے، یہ حکم امر بالمعروف ہے، اس کی اطاعت ضروری ہے، اس کے باوجود اگر کوئی چلا گیا تو پھر آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ عرض یہ کرنا ہے کہ جو لوگ فارم پر جھوٹ بھر کر جاتے ہیں، جو قانون ہے اس کے مطابق وہ فارم بھرتے ہیں کہ انہوں نے پانچ سال سے حج نہیں کیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ یہ کار خیر ان کا کار خیر باقی رہے گا، إذا کان کذبا فکیف یکون لہ، ارشاد صاحب......اصل مسئلہ یہ ہے کہ احرام کے بعد اسے دم دینا پڑے گا، اسی وجہ سے پریشانی پیش آرہی ہے۔

سب سے بہتر حل یہ ہے کہ وہ اشتراط کو پہلے سے محفوظ رکھے چونکہ امام صاحب کے نزدیک أن الاشتراط......اگر وہ شرط لگا دے گا تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا اور تمام پریشانیوں سے بچ جائے گا، زیادہ اہم شکل یہ ہے کہ وہ احرام کو اشتراط کے ساتھ مقید کر دے، یہ ہماری رائے ہے، مولانا ارشاد صاحب کہہ رہے ہیں کہ اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی آدمی سفر کرتا ہے، تو کیا ہوگا، تو ایک قول اشتراط کا آیا ہے، احرام کے وقت شرط لگا دی جائے، مولانا انور علی صاحب......وتر والے مسئلہ میں پوری وضاحت نہیں آسکی، جیسے یہ سوال ہے کہ کوئی حنفی حرم میں رمضان کے زمانے میں وتر پڑھنا چاہے۔ اس میں ایک بات تو آئی کہ وہ تین رکعت پڑھ لے گا، لیکن سلام نہیں، تو عرض پیش کیا کہ قاضی صاحب......سلامہ لا یخرجہ من صلاتہ. اگر شافعی مسلک کے مطابق وتر پڑھتا ہے اور دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہے اور پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوتا ہے، سلامہ لا یخرجہ من صلاتہ یہ ابوبکر رازی کی عبارت موجود ہے، الا یہ کہ اگر وہ کوئی عمل منافی صلاۃ کر لے، دوسری اور تیسری رکعت کے بیچ تو پھر بے شک ہم اس میں ان کی اقتدا نہیں کریں گے، لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، لہذا اگر سلام کر کے وہ کھڑا ہو گیا حنفی سلام نہ پھیر کر ساتھ کھڑا ہو جائے، نماز پوری کر لے اس طرح......لیکن اصول حنفی کے اعتبار سے ابوبکر رازیؒ کے قول پر فتوی دینا بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ علامہ شامیؒ نے بھی تصریح کر دی ہے، ابن نجیم نے بھی بیان کیا ہے کہ أن المذہب الصحیح......اس کو مذہب صحیح قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے ایک بہت بڑی بات کہہ دی ہے امام ابوبکر جصاص رازی کے بارے میں اور مقابلہ میں ابن نجیم کا قول نقل کیا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ زمین وآسمان کا فرق ہے، امام ابوبکر جصاص رازی کا مقام کیا ہے، اور علامہ ابن نجیم کی ساری عظمت کے ساتھ ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے اس پر آپ ضرور توجہ رکھیں۔

اس سلسلہ میں صرف جصاص رازی تنہا نہیں ہیں، فقہاء احناف میں فتح القدیر میں دوسرے بعض ممتاز فقہاء ابن ہمام کے بعض مشائخ سے بھی یہ بات نقل کی گئی ہے، اور یہ کہ ان کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ سے متقدمین یعنی فقہاء احناف میں سے کسی سے فساد صلاۃ کا حکم نقل نہیں کیا گیا ہے، یہ بات بحر میں بھی آئی ہے۔

قاضی صاحب

کیوں وجہ بتائیے، کیوں جارہا ہے، حج نفل کر کے آپ دوسروں کی جان کے لئے مصیبت بنتے ہیں، اور جو انتظام کرنے والا ہے اس کے انتظام کی ساری سہولتوں کو آپ ختم کردیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہزارہا کی تعداد میں یہ لوگ مارے شوق کے اور وہ بھی حج فرض نہیں بلکہ نفلی حجوں کے لئے ہر سال دوڑتے ہیں، اور سارا انتظام درہم برہم ہوتا ہے، کوئی بھی حکومت ہو یا کوئی بھی انتظام کرنے والا ادارہ ہو اس کے بہر حال وسائل محدود ہوتے ہیں، اس نے مان لیجئے دس لاکھ لوگوں کا انتظام کیا ہے، اور آپ وہاں بارہ لاکھ پہنچ جاتے ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے وہ تمام لوگ جو سعودیہ میں ہیں اگر ان پر قانونی پابندی ہے کہ آپ حج کو ہر سال نہیں جاسکتے ان کا چوری کر کے حج کو جانا چھپ کر حج کو جانا اور پھر جناب وہاں جا کر چیک پوسٹ پر پکڑوانا، یہ کوئی اچھی بات ہے کیا، حکومت کا سوال نہیں ہے، مولانا یہ اس لئے کہ ہم نے اسلام کے نظام کو سمجھنے کی صحیح طور پر کوشش نہیں کی، حج جو ہے ایک اجتماعی عبادت ہے، اجتماعی عبادت کے لفظ کی برقراری کے لئے اور حج ہوتا ہے ایک امام کے ماتحت ایک امیر کے ماتحت اگر وہ انتظامی امور کو درست رکھنا چاہتا ہے اس کا مقصد حکومت کو فائدہ پہنچانا نہیں ہے، بلکہ حجاج کو فائدہ پہنچانا ہے، اگر وہ اس طرح کوکوئی روک لگاتی ہے کہ آپ ہر سال حج نہ کریں یا پانچ سال پر حج کریں تو آپ کا کیا خیال ہے وہاں کے لوگوں کو اس کی پابندی کرنی چاہئے یا قانون توڑنا چاہئے، اس میں جو تبدیلی کرنا ہے کر لیجئے تھوڑا بہت، لیکن قانون کی پابندی میرے خیال میں ضروری ہے، آپ ان مصیبتوں کا تصور نہیں کرسکتے ہیں جن میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور دیگر حجاج مبتلا ہوتے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ اگر وہاں حکومت کا قانون بنا ہوا ہے کہ آپ پانچ سال سے پہلے بیچ میں حج کو نہ جائیں اور ہمیں بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے لیکن آج ہمارا تقوی اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم فارم تو بھر دیتے ہیں ڈیکلیریشن جو حج کا ہوتا ہے کہ پچھلے پانچ سال میں ہم نے حج نہیں کیا ہے، کیا اس عمل کو جائز کہا جائے گا، حج ہو جانا ایک الگ بات ہے، لیکن ہمارا یہ عمل گناہ نہیں ہوگا؟ کہ ہم ڈکلیریشن کرتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں اتنی بات تو پہلے ہم کو ضرور ان لوگوں کو کہنا چاہئے مولانا شاہد صاحب نے کہا کہ صاحب آپ اس قانون کی پابندی کریں، اور اس کی خلاف ورزی کر کے اس نظم وضبط کو نہ توڑیں جو ہاں کے لئے ضروری طور پر بنایا گیا ہے، اس کے بعد بھی اگر کوئی چلا گیا اور جا کر کے چلا آیا، اب اگر راستہ میں پکڑا گیا تب اس کا حکم آگے شاید لکھا ہوگا۔

ہر سال حج کرنے کا جو شوق ہے وہ زیادہ تر ہندوستانی یا پاکستانی حجاج کو ہے، اور یہ جو چیک پوسٹ سے زیادہ تر لوگ ہوتے ہیں وہ ہمارے ہی لوگ ہیں، ان کے تصورات میں یہ بات ہے کہ حج ایک کار خیر ہے، اور صحیح ہے تو کیسے بھی ہو چاہے چوری چماری کے ذریعہ یا چھپ چھپا کر یہاں تک گاڑیاں پہاڑیوں کے وادیوں سے گھما گھما کر نامانوس راستوں تک سے چلے جاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ شرعی حیثیت سے، ہمیں ان لوگوں کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے کہ حج منضبط کرنے کے جو نظم وضابطے اور جو قوانین وہاں کی حکومت نے عائد کئے ہیں، ان کی پابندی کی جانی چاہئے، یہ بات ہم کو صاف کہہ دینا چاہئے، اس کے بعد بھی اگر کوئی گڑبڑ کرتا ہے اور مصیبت میں پھنستا ہے تو اس کا حل بتادیا آپ نے یہ کہنا چاہئے مولانا پوری ایمانداری کے ساتھ کہ اس نظم کی پابندی ہو، اور یہ جو آپ کہہ رہے ہیں...... جی ہاں ہوگا خوب ہوگا، آپ اپنے کو اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں، آپ اس تجویز کو بھیجئے، انشاء اللہ وہاں یہ تقسیم بھی ہو جائے گی اور اس پر ...... اگر آپ بتائیں کہ شرعی نقطہ نظر سے ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، لوگوں کو نظم وضبط کی پابندی کرنی چاہئے، تو ان شاء اللہ اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا، یہ میرے خیال میں بہت ضروری چیز ہے، بہر حال...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو اصلا سعودی ہیں، وہ ہم سے زیادہ قانون کے پابند ہیں، جو احکام ہوتے ہیں، ان کی وہ پابندی کرتے ہیں...... وہ لوگ اس میں زیادہ مبتلا نہیں ہوتے ہیں، یعنی آپ کے خیال میں جو احکام وقوانین سعودی حکومت کی طرف سے حج کے انتظام کے لئے کئے جائیں، ان کی پابندی وہاں کے رہنے والے مسلمانوں پر لازم نہیں ہے، یہی آپ چاہتے ہیں یہ نہیں تو آپ جو چاہتے ہیں لکھ کر دیجئے گا، مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگ حج کا فارم بھر کر نہیں جاتے وہ انٹرنیشنل پاسپورٹ پر جاتے ہیں جس کی اجازت ہے، اس لئے یہ کوئی پرابلم نہیں ہے، الفاظ کے سلسلہ میں ہیں تو اس کو خود لکھ دوں گا میں کہ نظم وضبط کے سلسلہ میں حجاج کے جو انتظامی احکام ہیں ان احکام کی پابندی کی جانی چاہئے اور اس کی خلاف ورزی نہ ہو: اب خود اگر گورنمنٹ وہاں کی انٹرنیشنل پاسپورٹ پر اجازت دیتی ہے تو جو لوگ انٹرنیشنل پر جارہے ہیں، صحیح جارہے ہیں، اچھا اچھی بات ہے چلئے، یہ تو صرف اتنا وہاں کے نظم وضبط کے لئے، آگے بڑھئے یہ تو تجویز آپ کی ہے، یہاں آکے بحث کرتے ہیں۔

☆☆☆

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ
جدید فقہی مباحث

رمی جمار کے اوقات

تحقیقاتِ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

دارالاشاعت

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

پیش لفظ

اسلام کا ایک اہم ترین رکن "حج بیت اللہ" ہے، یہ عبادت کئی جہتوں سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے، بعض عبادتیں وہ ہیں جن میں انسان کے جسم کا استعمال ہے، ان کو "بدنی" کہا جاتا ہے، بعض عبادتوں کا تعلق مالی انفاق سے ہے، حج ایسی عبادت ہے جس میں جسمانی مشقت بھی ہے، مالی اخراجات بھی ہیں اور اچھے خاصے وقت کا بھی صرفہ ہوتا ہے، گویا بارگاہ خداوندی میں بندہ جان و مال اور وقت تینوں قسم کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر بعض عبادتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کا مظہر ہیں، جیسے نماز، گویا ایک لرزاں و ترساں غلام ہے، جو سر جھکائے اور ہاتھ باندھے اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہے، زکوۃ بھی شوکت سلطانی کا اعتراف ہے، گویا ایک محکوم ہے جو حاکم کے سامنے اپنی محکومی کے اعتراف کے طور پر خراج پیش کر رہا ہے، روزہ اور حج اللہ سے محبت اور جذبہ وارفتگی کا مظہر ہے، اگر روزہ اظہار محبت کی ابتدائی کیفیت ہے کہ محب اپنے محبوب کی خاطر بھوکا پیاسا ہے تو حج اس جذبہ کی تکمیل ہے، ایک ایسی عاشقانہ کیفیت ہے کہ جسم پر کفن کی دو چادریں ہیں، خوشبو اور زیبائش و آرائش کی چیزوں سے دور کا بھی تعلق نہیں، بال بکھرے ہوئے، سر کھلے ہوئے، پاؤں میں جوتا نہ موزہ، کبھی مکہ سے منیٰ، کبھی منیٰ سے عرفات، اور کبھی عرفات سے مزدلفہ، کبھی اللہ کے گھر کے پھیرے، گویا ایک وارفتہ حال عاشق صادق ہے کہ اپنے محبوب کی خوشنودی کی تلاش میں ہر طرح کے سامان عیش و عشرت سے بے نیاز در در کی خاک چھانتا ہے۔

عشق و محبت کا راستہ پھولوں کا سیج نہیں ہوتا، بلکہ مشقتوں، ابتلاؤں اور آزمائشوں سے پر ہوتا ہے، اسی لئے حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں مشقتیں رکھی گئی ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج بہترین جہاد ہے، اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ یہ سفر محبت تفریح کا سفر بن جائے، اس راہ میں تو ایک گونہ مشقت ہی مطلوب ہے، اور یہ اس عبادت کی روح اور اس کے مقصد کے عین مطابق ہے، لیکن موجودہ حالات میں بڑھتا ہوا اژدہام اور تعداد کی کثرت ایک ایسی نئی صورت حال ہے جس سے گذشتہ ادوار میں لوگ دو چار نہیں تھے اور جس نے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں حج سے متعلق مسائل پر اکیڈمی کا ایک مستقل سمینار ممبئی میں منعقد ہو چکا ہے، جو ایک زمانہ میں پورے ہندوستان کے حجاج کے لئے پہلی منزل ہوا کرتی تھی۔

اکیڈمی کے سترہویں سمینار مورخہ ۳۰/ مارچ تا ۲/ اپریل ۲۰۰۷ء منعقدہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ میں بھی حج سے متعلق دو مسائل پر غور کیا گیا، ایک مسئلہ رمی جمار کے اوقات کا ہے، رمی کے اوقات مستحب، مباح اور مکروہ حصوں پر مشتمل ہیں، موجودہ حالات میں کیا اژدہام کی وجہ سے کراہت ساقط ہو سکتی ہے؟ بنیادی طور پر یہی نکتہ اہل علم کے درمیان تبادلہ خیال کا موضوع رہا۔ دوسرا مسئلہ منیٰ میں شب گذاری سے متعلق تھا، یہ اس لئے اہم ہے کہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے اب یہ بات ممکن نہیں رہی کہ تمام عازمین حدود منیٰ میں قیام کر سکیں، اس لئے اب مزدلفہ میں بھی خیمے لگائے جاتے ہیں اور منیٰ کی جانب مکہ کی آخری حد جو آج کل حی العزیزیہ کہلاتا ہے، میں بھی بہت سے حجاج قیام کرتے ہیں، اس صورت حال میں منیٰ میں رات گزارنے کا کیا حکم ہوگا؟

سمینار میں ان دونوں مسائل پر علماء، ارباب افتاء نے اپنے اپنے نقاط نظر پیش کئے، اور کافی بحث و مناقشہ کے بعد وہ تجاویز منظور ہوئیں جو اس مجموعہ میں شریک اشاعت ہیں، تجاویز کے علاوہ ان موضوعات پر آنے والے علماء و ارباب افتاء کے مقالات بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں، امید ہے کہ اکیڈمی کی دوسری مطبوعات کی طرح یہ بھی اہل دانش اور اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی، اس مجموعہ کی ایڈیٹنگ کے لئے محب عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی مدظلہ رفیق شعبہ علمی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی توجہ کے ساتھ اس علمی خدمت کو انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے، اور اس مجموعہ کو عند اللہ و عند الناس قبول عام و تام حاصل ہو۔

خالد سیف اللہ رحمانی / (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۱۷/ ذو قعدہ ۱۴۲۸ھ / ۲۸/ نومبر ۲۰۰۷ء

خطبۂ صدارت

علماء کرام ومفتیان عظام!

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سال بھر کے بعد فقہ اکیڈمی کا یہ سولھواں اجلاس منعقد ہو رہا ہے اور یوپی کے سب سے مشہور ضلع اعظم گڈھ میں ہو رہا ہے۔ یہ درس وتدریس، علم وعمل، رشد وہدایت میں ممتاز حیثیت کا حامل سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی، کیونکہ یہ سرزمین علم وفن کا گہوارہ اور علماء وفضلاء اور ارباب بصیرت کا مسکن ہے، یہاں نہ مدارس اسلامیہ کی کمی ہے اور نہ دانش وران قوم وملت کا فقدان، نہ اشاعت قرآن وسنت کے مراکز کی قلت ہے اور نہ ہی حاملین دین وشریعت کی کمیابی، کوئی ایسی آبادی نہیں ہے جہاں اعلی درجہ کے مدارس نہ ہوں، پھر ان مدارس میں علم حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے، آسام، بنگال، بہار اور مشرقی اضلاع کے نوجوان اس سرزمین کا رخ کرتے ہیں اور علم دین کے سرچشمہ صافی سے سیراب ہو کر اپنے وطن واپس جاتے ہیں، اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں، یہاں ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسے قابل ذکر علماء کرام اور رہبران ملت پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، اگر دنیا ان کارناموں کو فراموش کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی ہے، اللہ تعالی ان حضرات کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور دوسرے لوگوں کے لئے نشان راہ بنائے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کو فخر حاصل ہے کہ آج اس کا سالانہ اجلاس اسی سرزمین پر ہو رہا ہے، اور مولانا حبیب اللہ قاسمی صاحب لائق صد مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنے مدرسہ میں بلا کر دور حاضر کے چنیدہ اصحاب علم وفن کی میزبانی فرمائی، اور اپنی علم دوستی اور جذبہ خدمت دین کا ثبوت دیا۔ اسی طرح وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں جو ملک کے گوشے گوشے سے تشریف لائے ہیں اور جنہوں نے اپنے قیمتی مقالات روانہ کئے، ان مقالات کا خلاصہ جلد ہی آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا جن پر بحث ومباحثے ہوں گے اور اس میں حصہ لینے کا حق سب کو حاصل ہوگا۔

یہاں پہنچ کر بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جو از ہر ہند دار العلوم دیوبند کے سپوتوں میں تھے، کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ انہوں نے اس زریں سلسلہ کا آغاز فرمایا اور پورے ملک بلکہ بیرونی ممالک کے علماء کرام کو بھی اس مبارک اور باوقار اسٹیج پر جمع کر کے دور جدید کے نئے مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد فرمائی۔ اسی عملی کوشش کی بنیاد پر ملت کے وہ نوجوان علماء جو اپنی صلاحیتوں سے بے خبر تھے خواب غفلت سے بیدار ہوئے، ان کی استعداد نے کروٹ لی اور لوگوں کو اندازہ ہوا کہ الحمد للہ یہاں اہل علم کی کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالی قاضی صاحب کو بہترین جزائے خیر سے نوازے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

ہمیں اس بات کے اظہار پر خوشی ہو رہی ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اکیڈمی کے لئے جس طریقۂ ومنہاج اور اصول وضوابط کی تشکیل فرمائی تھی یہ اکیڈمی اب تک انہیں خطوط پر گامزن ہے اور امت مسلمہ کی نئی ضرورتوں اور نئے تقاضوں کی تکمیل کر رہی ہے، اس ادارہ کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی کہ ان نو دریافت مسائل کا حل تلاش کریں جو آج اسلام کے دروازہ پر چیلنج بن کر کھڑا ہے، ارباب علم اس چیلنج کو قبول کر کے شریعت اسلامی کی روشنی میں جواب دیں۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اکیڈمی اپنے یوم تاسیس سے ہی اس مقصد میں کامیاب رہی ہے۔ حالات کی تبدیلی اور انسانوں کے اخلاق وکردار میں فساد وبگاڑ پیدا ہونے نیز اس دور کی سائنسی ایجادات اور انکشافات کے پس منظر میں موضوعات کا انتخاب کر کے ملک کے مقتدر علماء کرام کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بحث ومباحثہ کے بعد شرعی سمت متعین کی جاتی

ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو درپیش مسائل اور مشکلات کا حل ہوتا ہے وہیں دوسری طرف اصحاب علم اور ارباب افتاء کی فکری رہنمائی ہوتی ہے، اکیڈمی نے اب تک مختلف موضوعات پر تقریباً پچاس سے زائد مسائل کا کامیاب حل تلاش کیا ہے، اور ان موضوعات پر لکھے گئے بہترین مقالات ومضامین کا مجموعہ تیار کر کے شائع کیا ہے، اور ہر شخص اس سے استفادہ کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے کہ جن کی افادیت طویل زمانہ تک محسوس کی جائے گی۔

اللہ تعالی سے دعا کریں کہ اسی طرح خدمات جلیلہ کے ساتھ یہ اکیڈمی زندہ اور متحرک رہے، وہ زمانہ بھی ہمیں یاد ہے جب قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا اور لوگ اکیڈمی کے انتظام وانصرام کے حوالہ سے کافی متفکر تھے۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ انہوں نے اس کام کے لئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو کھڑا کر دیا جو اس کی ترقی وارتقاء میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اپنے تمام کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود اکیڈمی کو باقی رکھنے اور اس کے فروغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی (کویت) بھی اکیڈمی کو ترقی دینے میں ہمیشہ کوشاں رہے، اور اس کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں دل وجان سے متوجہ رہے، مولانا رضوان صاحب تو اللہ کو پیارے ہو گئے اور حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی اور حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی ایک قابل ذکر سرپرست کی حیثیت سے باحیات ہیں، اللہ تعالی ان کی عمر کو دراز سے دراز تر کرے۔ اکیڈمی کی علمی ترقی اور انتظامی استحکام کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی اور حضرت مولانا عتیق احمد بستوی نیز محترم جناب امین عثمانی صاحب کی خدمات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

اخیر میں پھر ان حضرات کی خدمت میں تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں جو یہاں تشریف لائے ہیں، ہمیں اعتراف ہے کہ ساری کدوکاوش کے باوجود آپ کی جیسی خدمت کرنی چاہئے نہیں کر سکے، اللہ تعالی حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب اور ان کے رفقاء مدرسہ کو جزاء خیر دے جنہوں نے ہماری میزبانی قبول فرمائی۔ اللہ تعالی ان کے مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے، اور ساتھ ہی اکیڈمی کے اولین سرپرستوں بالخصوص حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ اور حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، اور حضرت مولانا ابو السعود صاحبؒ کو اللہ تعالی اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، آمین ثم آمین، جنہوں نے ابتداء میں قاضی صاحب کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کی افادیت ظاہر کرتے رہے جو اکیڈمی کے کاموں میں فروغ کا باعث بنا۔ مفتیان کرام کے ہم شکر گذار ہیں جو فقہ اکیڈمی کی دعوت کو قبول کر کے اس کے اجلاس میں آتے رہے اور ہر سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، ہم ان تمام حضرات کا شکر ادا کرتے ہیں جو اکیڈمی کے سمینار میں دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لائے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے ہر طرح کامیاب بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(حضرت مولانا) مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

(صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

پہلا باب تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ

رمی جمار کے اوقات

[اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا سولہواں فقہی سمینار مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ کی دعوت پر جامعہ ہذا کے احاطہ میں ۳۰/مارچ تا ۲/اپریل ۲۰۰۷ء کو منعقد ہوا، سمینار میں پورے ملک سے تقریباً ۲۰۰ علماء، ارباب افتاء اور ماہرین نے شرکت کی، نیز ڈاکٹر عمر حسن کاسولے پروفیسر برونائی یونیورسٹی اور مولانا عبد القادر عارفی استاذ دار العلوم زاہدان (ایران) بھی شریک ہوئے، اور شیخ الازہر سید محمد طنطاوی (مصر) قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک عالمی کانفرنس کی وجہ سے شریک تو نہیں ہوسکے، لیکن انہوں نے اس سمینار کے لئے پیغام بھیجا اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

سمینار میں حجاج کرام کے بڑھتے ہوئے ازدحام کے پس منظر میں حج سے متعلق دو مسائل رمی جمار کے اوقات اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ میں شب گذارنے کے شرعی احکام پر گفتگو ہوئی، جدید میڈیکل مسائل میں موت کی حقیقت (Brain Death) کی حیثیت، ''مریض سے مصنوعی آلۂ تنفس کی علاحدگی'' اور ''یوتھنیزیا'' یعنی قتل بہ جذبۂ رحم کے موضوع پر غور وخوض کیا گیا، ان کے علاوہ تیزی سے رواج پانے والی ''ملٹی لیول مارکٹنگ'' پر بھی بحث ہوئی۔ ان میں سے دو موضوعات ''رمی جمار کے اوقات، اور قیام منیٰ کے حدود'' سے متعلق جو فیصلے کئے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں]

۱۔ حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے، اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے اگر رمی کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲۔ ۱۰/ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لئے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳۔ ۱۰/ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا۔

۴۔ ۱۱، ۱۲/ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کرلی تو امام ابوحنیفہ کے ایک قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶۔ ۱۲ ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں رکے رہنے سے ۱۳ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منیٰ میں ۱۳ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوجائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی واجب ہوجائے گی۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ایام منیٰ میں حجاج کے لئے منیٰ میں ہی رات گذارنا مسنون ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ یہ راتیں منیٰ میں گذاریں اور بلاضرورت محض راحت وآرام کے لئے منیٰ سے باہر قیام کرکے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۲۔ البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منیٰ کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسرے مسائل نے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا ہے حتیٰ کہ عبادات بھی اس سے خالی نہیں، اس لئے آج اہل علم ایسے مسائل کو بھی اپنی تحقیقات وترجیحات کا موضوع بنانے پر مجبور ہیں جن کا تعلق عبادات سے ہے۔ ایسے مسائل میں حج سے متعلق بھی بعض امور ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا حج وعمرہ کے مسائل کے لئے ایک سمینار پہلے بھی کر چکی ہے، مگر بعض مسائل نے پھر اکیڈمی کو اس طرف توجہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس پس منظر میں فی الحال دو مسائل پیش خدمت ہیں:

الف۔ رمی جمار کے اوقات:

جمرات کی رمی حج کے معروف اعمال میں ہے، دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور رات کے آخر تک باقی رہتا ہے، گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہو کر اگلی صبح تک مانا گیا ہے، البتہ ان تینوں دنوں کی رمی کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء نے جائز، مستحب اور مکروہ اوقات کی تقسیم بھی کی ہے، تیرہ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام اور رمی لازمی نہیں ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کے وقت اگر وقت مسنون ومستحب سے رمی کو مقدم یا مؤخر کیا جائے تو کراہت نہیں ہوتی ہے۔

آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی تعداد کے پیش نظر رمی جمار کے موقع پر مجمع کثیر اکٹھا ہو جاتا ہے، جو تمام تر انتظامات کے باوجود سنگین حادثات کا سبب بن جاتا ہے، پچھلے برسوں میں متعدد ایسے حادثات رونما ہوئے جن میں مرنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، اس صورت حال پر سعودی حکومت اور وہاں کے علماء کے علاوہ عالمی سطح پر پوری امت مسلمہ رنجیدہ وفکر مند ہے اور یہ سوال بڑی شدت کے ساتھ سامنے آرہا ہے کہ رمی جمار کے اوقات کے سلسلہ میں معروف ائمہ امت (حضرات صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین) کے اقوال کی روشنی میں جو وسعت ہو سکتی ہے، ان کو اختیار کر کے ان حادثات پر قابو پانے کی کہاں تک گنجائش ہو سکتی ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ کیا گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

۳۔ کیا ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

۴۔ اگر ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

۵۔ کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جا سکتی ہے؟

ب۔ منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

آج حجاج کی کثرت کی وجہ سے یہ بھی ایک مسئلہ بن چکا ہے کہ حجاج کی ایک تعداد کے خیمے ۸ تا ۱۲؍ذی الحجہ کے قیام کے لئے مزدلفہ میں لگتے ہیں اور بعض لوگ منیٰ سے متصل مکہ کی آخری آبادی "حی العزیزیہ" میں قیام کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے حجاج تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ:

۱۔ ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

۳۔ کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کر سکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کر سکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

رمی جمار کے اوقات

مفتی امتیاز احمد قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں فقہی سمینار کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع "رمی جمرات کے اوقات" ہے، حج کے اس رکن میں پیش آنے والی دشواریوں کو سامنے رکھ کر مختلف سوالات قائم کئے گئے ہیں، اس موضوع پر ابھی تک اہل علم اور فقہاء کرام کے کل ۴۲ مقالات موصول ہوئے ہیں، ہم ان مقالات میں پیش کردہ آراء اور ان کے دلائل کی تلخیص کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس موضوع پر پہلا سوال یہ ہے:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل، صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں بیش تر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، یہ رمی معتبر ہوگی، البتہ عام لوگوں کے لئے کراہت کے ساتھ جائز ہے جب کہ عورتیں، کمزور افراد اور معذورین و بیمار حجاج بلا کراہت ان اوقات میں رمی کر سکتے ہیں۔

ان میں بعض حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

۱۔ "عن ابن عباس قال: كنت فيمن بعث به النبي ﷺ يوم النحر فرمينا الجمرة مع الفجر" (شرح معانی الآثار ۱/۴۲۶)۔

۲۔ "قال سالم: وكان عبد الله بن عمر ﷺ يقدم ضعفة أهله... منهم من يقدم منى لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلك، فإذا قدموا رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئك رسول الله ﷺ" (صحيح بخاری كتاب الحج حديث: ۱۶۷۶، صحيح مسلم حديث: ۱۲۹۵)۔

۳۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: "کاش سودہ کی طرح میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے ہوتی تو منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے جمرہ کی رمی کرتی" (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث: ۱۲۹۰)۔

جب کہ ان میں سے باقی دوسرے حضرات نے درج ذیل فقہی جزئیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

۱۔ "فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه..." (المبسوط للسرخسی ۲/۶۸)۔

۲۔ "وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر، فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً" (رد المحتار ۲/۱۸۱)۔

۳۔ "(ووقته) أي وقت جوازه أداء من الفجر أي فجر النحر إلى فجر اليوم الثاني" (حوالہ سابق)۔

۴۔ "أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني من يوم النحر فلا يجوز قبل طلوعه..." (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

۵۔ بعض مقالہ نگار نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ دیگر اعذار (ضعف، کمزوری، عورت ہونا، مرض وغیرہ) کی طرح ازدحام اور روز بروز حجاج کی کثرت اور بھیڑ بھی ایک عذر ہے، بلکہ آج کے حالات میں یہ ایک بڑا عذر بن گیا ہے، لہذا جس طرح دیگر اعذار کی وجہ سے اوقات مکروہ میں رمی کرنے کی بلا کراہت اجازت

ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی معذورین کے ساتھ عام لوگوں کے لئے بھی صبح صادق سے رمی کرنا بلا کراہت جائز ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابرار خان ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد عارف باللہ قاسمی وغیرہ)۔

۶۔ بعض حضرات نے فقہی قاعدہ ''الضرورات تبیح المحظورات''، ''الضرر یزال'' اور ''المشقة تجلب التیسیر'' کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

۷۔ مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا عبدالقادر کیرالہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر کثرت ازدحام اور دیگر اعذار شدیدہ کی وجہ سے دوسرے ائمہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے صبح صادق سے دسویں ذی الحجہ کی رمی کی جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔ ماضی قریب کے علماء نے بھی بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کی رائے کو اختیار کر کے اپنے کو حرج و تنگی سے نکالا ہے۔

صرف دو مقالہ نگار مولانا ذکاء اللہ شبلی اور سید شکیل احمد صاحبان کی رائے یہ ہے کہ طلوع شمس سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی جائز نہیں ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان کسی بھی حصہ میں واجب ہے، ترک واجب کی صورت میں دم واجب ہوتا ہے، اور صبح صادق سے قبل مزدلفہ سے نکل جانے کی صورت میں اس وجوب پر عمل نہیں ہو پائے گا۔

اس موضوع پر مقالہ لکھنے والے تقریباً تمام حضرات نے اوقات رمی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ وقت مستحب و مسنون: طلوع شمس سے زوال شمس تک

۲۔ وقت اختیار: زوال شمس سے غروب شمس تک

۳۔ وقت مکروہ: طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے دوسرے دن کی فجر تک

۴۔ وقت جواز: آخری ایام تشریق تک

اوقات کی یہ تقسیم حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے، دیگر ائمہ کے مسالک کے اعتبار سے بھی مقالہ نگار نے ان اوقات کی تقسیم کی ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ممتاز خان ندوی اور مولانا عبدالقادر صاحبان نے اپنے مقالے میں دیگر ائمہ کے مذاہب بھی ذکر کئے ہیں اور رمی جمرات کے سلسلہ میں ان کے یہاں جو تفصیلات ہیں ان سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ ان حضرات کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہے:

''تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی کا افضل اور مسنون وقت طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے، البتہ وقت جواز اور وقت مکروہ میں اختلاف ہے، جمہور ائمہ کے یہاں دسویں ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، جب کہ امام شافعی اور امام احمد، طاؤس، شعبی اور عطاء، ابن ابی لیلی، عکرمہ بن خالد کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب کے بعد سے کی جاسکتی ہے''۔

جمہور کے دلائل مختصراً یہ ہیں:

۱۔ ''عن جابر قال: رمی رسول اللہ ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی...'' (صحیح مسلم ۱/۴۲۰، ابوداؤد، نسائی ۲/۴۹)۔

۲۔ ''عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ بعثه فی الثقل وقال: لا ترموا الجمار حتی تصبحوا'' (شرح معانی الآثار ۱/۴۳۶)۔

جمہور کے علاوہ کے دلائل اختصار کے ساتھ یہ ہیں:

۱۔ ''عن عائشة قالت: أرسل رسول اللہ ﷺ بأم سلمة لیلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت''
(سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب التعجیل من جمع)۔

۲۔ ''عن ابن جریج قال: حدثنی عبد اللہ مولی أسماء أنها نزلت لیلة جمع عند المزدلفة. فقامت تصلی فصلت ساعة

ثم قالت: يا بني ! هل غاب القمر؟ قلت: لا. فصلت ساعة، ثم قالت: يا بني ! هل غاب القمر؟ قلت: نعم. قالت: فارتحلوا، فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها. قلت لها: يا هنتاه! ما أرانا إلا قد غلسنا. قالت: يا بني !إن رسول الله ﷺ أذن للظعن'' (صحیح بخاری حدیث:۱۵۶۷، صحیح مسلم حدیث:۲۲۷۳، شرح معانی الآثار ۱/۴۲۶)۔

وقت غیر مسنونہ یعنی زوال کے بعد رمی کرنے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی نے زوال سے قبل رمی نہیں کی تو وہ اس کے بعد دوسرے دن کے طلوع فجر سے قبل تک رمی کرسکتا ہے، یہ جائز ہے اور اس پر کوئی دم لازم نہیں ہوگا، لیکن اگر دوسرے دن کا فجر طلوع ہوگیا تو دم دینا ہوگا اور قضا بھی لازم ہوگی (بدائع الصنائع ۳/۱۲۱، بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے غروب شمس کے بعد رات میں رمی کی تو اسے قضا کے ساتھ دم دینا ہوگا (الشرح الکبیر ۲/۴۸)، جب کہ امام شافعی اور حنفیہ میں امام ابویوسف اور امام محمد کے یہاں وقت میں اتنی وسعت ہے کہ دوسرے دن کے طلوع فجر تک بھی رمی نہیں کرسکا تو گیارہ کی رمی کے ساتھ اس رمی کو بھی ادا کرسکتا ہے یعنی دونوں دن کی رمی ایک ساتھ ادا کرلے اور اس پر اس تاخیر کی وجہ سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶، بدائع الصنائع ۲/۳۲۶)۔

حنابلہ کے نزدیک غروب شمس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے (المغنی مع الشرح الکبیر ۳/۴۴۳)۔

۲۔ کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ مشہور روایت کے مطابق جمہور علماء کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے زوال شمس سے قبل رمی کرلی تو زوال کے بعد اس کا اعادہ واجب ہے، ورنہ دم دینا لازم ہوگا، اس مسئلہ میں ایک سے زائد احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱۔ ''عن جابر قال: رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى. ورمى بعد يوم النحر إذا زالت الشمس'' (سنن ابی داؤد ۱/۲۷)۔

۲۔ ''عن وبرة قال: سألت ابن عمرؓ متى أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامك فارم. فأعدت عليه المسئلة فقال: كنا نتحين زوال الشمس فإذا زالت الشمس رمينا'' (حوالہ مذکور)۔

ہر مقالہ نگار نے متداول فقہی کتابوں سے فقہاء کرام کی تصریحات نقل کی ہیں، ہم یہاں صرف ایک فقہی عبارت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

۳۔ ''وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز أي الرمي قبله أي قبل الزوال فيهما في المشهورة أي عند الجمهور . . .'' (شرح اللباب ۱۶۱، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۳۲۴، البحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ)

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ)، مفتی ظہیر احمد، مفتی شبیر علی گجراتی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا محمد اعظمی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ائمہ اربعہ متبوعین میں سے کسی کا بھی قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا نہیں ملتا، بلکہ اگر کسی نے کرلیا تو زوال کے بعد اعادہ کرنا ہوگا، نیز کتب حدیث میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، لہذا زوال سے پہلے کسی بھی وقت میں رمی کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ خود اس دن کی رمی کے اوقات میں اتنی وسعت ہے کہ دوسرے اوقات غیر منصوصہ میں رمی کی ضرورت نہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کو جو اگرچہ غیر مشہور ہے خاص طور سے ایسے موقع پر جب حجاج کی کثرت اور روز بروز بڑھتے ازدحام کی صورت میں ہونے والے حادثات کی وجہ سے ہر سال سیکڑوں انسانی جانیں جارہی ہیں اختیار کرنا چاہئے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی ہے، حالانکہ زوال سے قبل رمی کرنے کی رائے میں امام ابوحنیفہ تنہا نہیں ہیں، امام احمد، امام ابوجعفر، طاؤس اور عطاء رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (دیکھئے: فتح الباری ۳/۵۸۰، شرح النووی ۹/۴۸، بدائع الصنائع ۲/۳۲۴، فتح القدیر ۲/۳۲۴، المغنی ۳/۴۸۴، بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۸)۔

صاحب بدائع نے اس روایت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پہلے دن زوال سے قبل رمی کا وقت ہے، تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوگا، اس لئے کہ ہر دن

ایام نحر ہے (بدائع ۳/ ۱۱۲۲)۔

اوجز المسالک کے حوالہ سے مفتی عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زوال کے بعد رمی ثابت ہے تو اس کو افضل پر محمول کیا جائے (۳/ ۶۶۲)۔

اس سلسلہ میں مولانا تنظیم عالم قاسمی نے الموسوعۃ الفقہیہ کی یہ عبارت ذکر کی ہے: ''الأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعت إليه الحاجة لا سيما في زماننا'' اور حاشیہ میں ہے: ''قال في البحر العميق: ''فهو قول مختار يعمل به بلا ريب وعليه عمل الناس'' (۲۳،۱۵۸)۔

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں: لیکن اس پر عمومی طور سے فتوی دینا اور اعلان کرنا کہ ان دونوں ایام میں رمی کے وقت زوال آفتاب سے قبل صبح صادق سے ہی شروع ہو جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، صحابہ کرام کا تعامل اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں رمی کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اس کے خلاف عمل کی اجازت شدید ضرورت کی صورت میں تو دی جاسکتی ہے، لیکن ہر فرد کے ساتھ یہ ضرورت پائی جارہی ہو یہ متحقق نہیں۔

مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی لکھتے ہیں: مگر یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ عموماً عمر میں ایک بار حج فرض کرنے کا موقع ملتا ہے تو ایسے عمل سے جو محل اختلاف ہو، بچنا چاہئے، اس لئے کم از کم حج فرض میں تو اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

۳۔ کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

اس کے جواب میں بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ۱۱۔ ۱۲ رذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس سے غروب شمس تک ہے، اور انہی اوقات میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، تاہم اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کر سکے تو اس کے لئے طلوع فجر سے قبل تک رمی کی اجازت ہے۔ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي'' (بدائع الصنائع ۲،۲۲۴)۔

۲۔ ''إلا أنه إذا رمى بالليل لم يغرم شيئاً لأن رسول الله ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً، ولأن اليوم لما كان وقتاً للرمي فالليل يتبعه في ذلك'' (المبسوط للسرخسی ۴،۶۴)۔

۳۔ ''وإن أخر إلى الليل رماه ولا شئ عليه لحديث الرعاة'' (ھدایہ ۲،۲۵۳) (مزید دلائل کے لئے دیکھئے مقالہ: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی وغیرہ)۔

ان کے علاوہ تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ غروب شمس سے طلوع فجر تک کا وقت مکروہ ہے، اس لئے ان اوقات میں بلا کسی عذر کے رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ''فلو رمى ليلاً صح وكره كذا في المحيط'' (البحر الرائق ۲،۲۲۸)۔

۲۔ ''...ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (رد المحتار ۲،۵۲۲)۔

البتہ ان حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ ازدحام، جانی ہلاکت کا اندیشہ، عورتوں، بوڑھوں اور کمزوروں کے لئے آج کل متعین اوقات میں رمی کرنا نہایت مشکل اور دشوار ہے، اس لئے ان صورتوں میں مذکورہ کراہت ختم ہو جائے گی اور رات میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہوگا۔ اس کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے:

۱۔ ''أنه لا شئ فيه سوى ثبوت الإساءة إن لم يكن بعذر'' (فتح القدیر ۲،۳۹۵)۔

۲۔ ومن جملة الأعذار عندهم الزحام'' (فتح الباری ۳،۵۲۹)۔

۴۔ اگر ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں چند مقالہ نگاروں کو چھوڑ کر تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حجاج کے لئے سب سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کر کے مکہ مکرمہ واپس ہوں، تاہم ان کا اتفاق ہے کہ ۱۲ ذی الحجہ کی رمی ادا کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپس ہونا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فمن تعجل فی یومین فلا إثم علیه و من تأخر فلا إثم علیه لمن اتقی'' (سورہ بقرہ: ۲۰۳)۔

غروب آفتاب تک ٹھہرے رہنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ غروب آفتاب ہو جانے کے بعد بھی کوچ کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، گویا جس نے ایسا کیا اس نے برا کیا، لیکن اس پر ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، یہ رخصت صبح صادق سے قبل تک ہے، طلوع فجر کے بعد کوچ کرنا درست نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پر ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی، اگر بغیر رمی کئے مکہ مکرمہ واپس ہو گیا تو اس کو دم دینا ہوگا۔

حنفیہ کی طرف سے بیش تر مقالہ نگاروں نے یہ دلائل ذکر کئے ہیں:

۱۔ ''إذا أراد أن یتعجل نفر إلی مکة قبل غروب الشمس وإن أقام إلی الغروب کره و لیس علیه شئ وإن طلع الفجر وهو بمنی فی الرابع لزمه الرمی'' (نور الایضاح، ۱۷۵، ہدایہ ۱،۲۲۲)۔

۲۔ ''فإن لم ینفر حتی غربت الشمس یکره له أن ینفر حتی یرمی فی الرابع ولو نفر من اللیل قبل الرابع لا شئ علیه وقد أساء'' (رد المحتار ۲،۵۴۳، شرح اللباب، ۱۶۳، بدائع الصنائع ۲،۲۲۵)۔

۳۔ مولانا محمد ممتاز خان ندوی نے اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ نقل کی ہے کہ چونکہ رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے، ''عن ابن عباس: لا ترموا الجمرة حتی تطلع الشمس'' (ابو داؤد کتاب الحج)، اس لئے اس سے پہلے پہلے تک کوچ کرنا درست ہے اور اس لئے کہ اگلا دن ابھی داخل نہیں ہوا ہے، لہذا اس دن کی رمی اس پر لازم نہیں آئے گی (المغنی ۳،۴۰۵)۔

جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر منیٰ میں اس کی موجودگی میں ۱۲ ذی الحجہ کا سورج غروب ہو گیا تو اب اس کے لئے کوچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ اس پر ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم و واجب ہوگی (المغنی ۳/۴۷۹، فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۱۴۰)۔

ائمہ ثلاثہ کی رائے پر یہ دلائل دیئے گئے ہیں:

۱۔ عن عمرؓ قال: ''من أدرکه المساء فی الیوم الثانی فلیتم إلی الغد'' (اعلاء السنن ۱۸۱،۱۰)۔

۲۔ ارشاد باری ہے: ''فمن تعجل فی یومین فلا إثم علیه و من تأخر فلا إثم علیه لمن اتقی''۔

مقالہ نگار حضرات نے دونوں طرح کی رایوں کو نقل کرنے کے بعد اپنی یہ رائے دی ہے کہ آج کل ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے کوشش کے باوجود بھی حاجی وقت سے پہلے نہیں نکل پاتا ہے، بعض دفعہ راستہ میں حاجی رہتا ہے اور سورج غروب ہو جاتا ہے، نیز مکہ اور منیٰ کے حدود اس طرح مل گئے ہیں کہ بعض اوقات فرق کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، لہذا ایسی صورت میں حنفیہ کی رائے پر عمل کرنا جن کے نزدیک عذر ازدحام کی وجہ سے کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے، زیادہ بہتر ہوگا، اور حالات وحادثات پر قابو پانے میں اس رائے پر عمل کرنا موثر ثابت ہوگا۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ارشد مدنی جامعہ ابن تیمیہ، سید شکیل احمد اور مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم کے نزدیک ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرنے سے ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم ہو جاتی ہے، نیز منیٰ میں ٹھہرنا ہی حاجی کے لئے افضل ہے۔

۵۔ کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین، نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے ۱۰ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

اس کے جواب میں بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ۱۰ ذی الحجہ کی رمی کا وقت چونکہ صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی کرنے سے رمی ادا نہیں ہوتی ہے بلکہ اعادہ واجب ہوتا ہے، اس لئے معذور وصحت مند ہر دو کے لئے نصف شب سے رمی کرنا درست نہیں ہے، اس رائے

کے حامل مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی سلمان منصور پوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی شبیر علی گجراتی، مولانا عطاء اللہ قاسمی وغیرہ ہیں۔

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ''قال رسول اللہ ﷺ: لاترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين'' (نصب الرایہ ۳، ۸۶)۔ استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے ضعیف اور کمزور لوگوں کو رات کے وقت مزدلفہ بھیج تو دیا لیکن ان کو ہدایت بھی دی کہ صبح سے پہلے رمی نہ کرنا (بدائع الصنائع ۲، ۱۳۷)۔

۲۔ ''ولو رمى قبل طلوع فجر يوم النحر لم يصح اتفاقاً'' (البحر الرائق ۲، ۶۰۲)۔

۳۔ جہاں تک ام سلمہؓ والی حدیث کا تعلق ہے جس سے نصف لیل سے جواز ثابت ہوتا ہے تو وہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند و متن میں اختلاف اور اضطراب ہے (دیکھئے: ارواء الغلیل ۴ / ۲۷۷، تہذیب سنن ابی داؤد ۲ / ۴۰۵، اعلاء السنن ۱۰ / ۱۴۴)۔

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں: ۱۰ / ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۱ / کی صبح صادق سے قبل تک ۲۴ گھنٹے کا وقت ملتا ہے، جس میں اطمینان کے ساتھ سب لوگ رمی کر سکتے ہیں، اس لئے کوئی ایسی شرعی ضرورت نہیں پائی جارہی ہے جس کی وجہ سے نصف شب سے ہی رمی کی اجازت دے دی جائے۔

مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا نعیم اختر قاسمی کا مشورہ یہ ہے: بہتر یہ ہے کہ شوافع و حنابلہ کے ضعفاء اور بوقت ضرورت غیر معذور حجاج اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصف شب سے رمی شروع کردیں جس کی ان کے یہاں پوری گنجائش ہے، اور احناف وغیرہ کے معذورین طلوع صبح صادق سے اور صحت مند مسنون اوقات میں، تو ازدحام اور حالات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں:...... البتہ اگر معذورین کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کے بعد ہجوم کی وجہ سے رمی نہ کر سکیں گے تو مناسب ہے کہ وہ رمی کے لئے اپنا نائب مقرر کریں اور خود رمی کے لئے نہ جائیں اور نہ نصف شب کے بعد رمی کریں، کیونکہ نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے مقالہ نگار کی رائے میں چونکہ دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے (شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نصف لیل سے اور حنفیہ و مالکیہ کے یہاں بعد طلوع فجر)، اور آج کل حجاج کی کثرت کی وجہ سے شدید ازدحام ہوتا ہے جس میں عام صحت مند افراد کے لئے بھی ان اوقات میں حج مشکل ہو گیا ہے، لہذا ایسے شدید ازدحام کی صورت میں معذور، بوڑھے، بیمار، کمزور، خواتین اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی گنجائش ہے، ایسی صورت میں کراہت بھی نہیں ہوگی، اس رائے کے حاملین میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی شاہد علی قاسمی وغیرہ ہیں۔ ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ ''عن عائشة قالت: أرسل رسول الله ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر'' (ابو داؤد باب التعجیل من جمع)۔

۲۔ ''عن أم سلمة قالت: قدمني رسول الله ﷺ فيمن قدم من أهله ليلة المزدلفة، قالت: فرميت بليل، ثم مضيت إلى مكة فصليت بالصبح ثم رجعت إلى منى'' (زاد المعاد ۲، ۱۵۰-۱۵۱)۔

۳۔ ''يجوز الرمي للضعفاء والشيوخ والمرضى من الليل'' (رد المحتار ۲، ۵۶۷)۔

۴۔ ''وهذا عند عدم العذر بلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح'' (رد المحتار ۲، ۱۹۶)۔

مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا محمد اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحبان نے صرف دلائل کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اپنی کوئی واضح رائے ذکر نہیں کی ہے۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد سراج الدین قاسمی

۱۔ حج کے دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگار حضرات نے دنوں کی تاریخ کے اعتبار سے قیام منیٰ کے حکم کے سلسلہ میں فرق کیا ہے، چنانچہ مولانا شوکت ثنا قاسمی اور مفتی عارف باللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ جمہور علماء امت کے نزدیک ۸ رذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''المستحب أن یخرج محرما من مکة یوم الترویة فیصلی الظهر بمنیٰ، ثم یقیم حتی یصلی بها الصلوات الخمس ویبیت بها وهذا قول سفیان، ومالك، والشافعي، وإسحاق و أصحاب الرأي ولا نعلم فیه مخالفا ولیس ذلك واجبا في قولهم جمیعا'' (المغنی ۳، ۲۲۲)۔

مولانا اقبال صاحب علامہ ابن قدامہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن زبیرؓ نے منیٰ میں قیام کے بجائے یوم الترویہ کو فجر کی نماز مکہ میں ادا کی تھی۔

البتہ ایام تشریق کے ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ میں قیام منیٰ کی حیثیت کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

چنانچہ حضرت عروہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک ان دنوں میں منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے، یہی قول حضرت عمرؓ کی طرف بھی منسوب ہے (مقالہ سلطان احمد اصلاحی)۔

اس کے برخلاف حنفیہ اور امام احمد کی ایک روایت اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے (تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی یہی رائے ہے)۔

فریقین کے دلائل تقریباً یکساں ہیں اور یہاں اختلاف درحقیقت فہم نصوص کا ہے، اس لئے پہلے ان احادیث وآثار پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے: ''أما رسول الله ﷺ فبات بمنیٰ و ظل'' (نصب الرایہ ۳، ۸۷)۔
(حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں رات گذاری)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''لا یبیتن أحدکم من وراء العقبة لیلا بمنیٰ أیام التشریق'' (حوالہ بالا)۔ (ایام منیٰ میں منیٰ سے باہر عقبہ کے پیچھے کوئی شخص ہرگز رات نہ گذارے)۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے: ''أنه کره أن ینام أحد أیام منیٰ بمکة'' (حوالہ بالا)۔

۴۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے: ''کان عمر یؤدب علی ترك القیام بها'' (ہدایہ ۱، ۲۵۳)۔
(منیٰ میں قیام نہ کرنے پر حضرت عمرؓ لوگوں کی سرزنش کرتے تھے)۔

۵۔ ابن ماجہ میں ہے: ''لم یرخص النبي ﷺ لأحد یبیت بمکة إلا العباس من أجل سقایته''۔

۶۔ ''استأذن العباس رسول الله ﷺ أن یبیت بمکة لیالي منیٰ لأجل سقایته فأذن له'' (نصب الرایہ ۳، ۶۷)۔

(حضرت عباسؓ نے (جن سے متعلق حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں رات گذارنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی)۔

یہ وہ آثار و روایات ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے منیٰ میں رات گذارنے کو واجب قرار دیا ہے، البتہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اعذار کو اس سلسلے میں رخصت دی ہے، اس لئے صاحب عذر سے اس کا وجوب ساقط ہوجائے گا۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عباسؓ کو خصوصی عذر کے سبب خصوصی طور سے رخصت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رخصت دوسروں کے لئے نہیں ہوگی (المغنی ۳؍۴۷۴) (دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

اس کے برخلاف حنفیہ نے انہیں احادیث کی بنیاد پر منیٰ میں رات گزارنے کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، اور واجب نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں کو منیٰ میں رات گزارنے سے متعلق رخصت دی ہے (ابوداؤد)۔

دیگر یہ کہ اگر قیام منیٰ واجب ہوتا تو نہ حضرت عباس سقایہ کے سبب واجب ترک کرتے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کی اجازت دیتے، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دونوں دلیلوں کے درمیان تطبیق دینے کے لئے سنت پر محمول کیا جائے گا (بدائع الصنائع ۳؍۲۶۳) (مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ: ''إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (مغنی ۳،۴۴۹)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی حنفیہ کے مسلک کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب حاجی حج سے حلال ہوگیا تو اب اس کے لئے کسی متعین جگہ پر رات گزارنا ضروری نہیں، جیسا کہ تشریق کے بعد کے دنوں کی راتوں میں وہ اس کے لئے آزاد ہوتا ہے (مغنی ۳؍۴۴۹)۔

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک عام حالات میں قیام واجب ہے، اور ترک قیام سے جزا واجب ہوگی، لیکن اس حکم سے چرواہا مستثنیٰ ہے، اور علامہ ابن قیم نے ان لوگوں پر رخصت کا دائرہ وسیع کیا ہے جن کو مال ضائع ہونے یا کسی چیز کے فوت ہوجانے کا خوف ہو، یا کسی مریض کی تیمارداری کرنی ہو (زاد المعاد) (مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب دونوں فریقوں کے دلائل ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن القیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: سنت کے لحاظ سے دونوں آراء کے قائلین کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ تمام لوگوں نے اہل اعذار کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی اجازت دی ہے۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے منیٰ میں رات نہ گذارنا خلاف سنت اور مکروہ ہوگا، اور مولانا ارشد مدنی کے نزدیک ایسی صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ تمام مقالہ نگار کے نزدیک صاحب عذر کے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ منیٰ میں رات نہ گذار کر کسی اور جگہ رات گذارے۔

چنانچہ مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی صاحب لکھتے ہیں: ایک طرف منیٰ و مکہ کے حدود منصوص ہیں، دوسری طرف حکومتی سطح پر انتظام وانصرام کے تحت ان کی تعیین ہے، اگر انتظاماً بلدیہ کی طرف سے دونوں کو ایک کردیا گیا ہو تو بھی قیام منیٰ ہی کی سنت باقی رہنی چاہئے، حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے، اس کی بنیاد پر گنجائش ملنی چاہئے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب لکھتے ہیں: ۸؍تا ۱۲؍ذی الحجہ کے ایام میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت مسنون ہونا ہے، اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ قیام کیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس ترک قیام کی وجہ سے کچھ نہ واجب ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ حاجی حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کرے لیکن رات منیٰ ہی میں گزارے۔

مولانا ارشد مدنی لکھتے ہیں: ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کو صحیح قول کی روشنی میں منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے، اور ترک قیام پر دم واجب ہوگا۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب لکھتے ہیں: حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام واجب نہیں ہے، البتہ سنت مؤکدہ ہے، جس کے ترک کی اجازت بدون عذر قوی نہ ہوگی۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں: چرواہوں کے علاوہ عذر والوں جیسے بیمار اور دیگر لوگوں کو آسانی کی غرض سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے، لہذا یہ معنی جہاں بھی پایا جائے گا ان کو اس حکم کے ساتھ ملانا واجب ہوگا۔

مفتی عبدالرشید قاسمی صاحب لکھتے ہیں: بلا کسی عذر کے قیام منیٰ کے زمانے میں منیٰ کے علاوہ کہیں اور قیام کرنا خلاف سنت ہوگا، اور منیٰ کو مکہ کی میونسپلٹی میں داخل کرلینے سے دونوں کے اندر تداخل نہ ہوگا، کیونکہ جگہوں کے حدود کی تعیین توقیفی ہے۔

۳۔ کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ عذر کی حالت میں حاجی منیٰ کے حدود کے باہر حدود حرم میں مکہ مکرمہ شہر کے اندر یا مضافات ومزدلفہ میں قیام کرسکتا ہے، البتہ کوشش ہونی چاہئے کہ قیام منیٰ کے اندر ہی ہو۔

(دیکھئے: مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی انور علی اعظمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

مفتی عارف باللہ قاسمی لکھتے ہیں: موجودہ حالات میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے درپیش مسائل یقیناً قابل غور اعذار ہیں، اور حاجی کے جان ومال کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس لئے ان اعذار کی وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے۔

مولانا اقبال صاحب لکھتے ہیں: سعودی حکومت کی جانب سے انتظامی سہولت کی خاطر بنائے جانے والے قانون کی وجہ سے اگر حاجی حدود منیٰ میں جگہ نہیں پاتا ہے تو جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔

''إذا ضاق الأمر اتسع''۔

مولانا نذر توحید صاحب لکھتے ہیں: حدود حرم میں حاجی کسی بھی جگہ قیام کرسکتا ہے، البتہ وادی محسر میں قیام نہ کرے، کیونکہ اس میں قیام کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

رمی جمار کے اوقات

مولانا راشد حسین ندوی

راقم کو "رمی جمار کے اوقات" کے موضوع پر آئے ہوئے مقالات اور آراء کے متعلق عرض مسئلہ کا حکم دیا گیا ہے، اس مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کو کل ۳۴ مقالات موصول ہوئے ہیں، جن میں موضوع سے متعلق معین مختلف سوالات کو حل کیا گیا ہے۔

ان میں سے پہلا سوال یہ تھا کہ ۱۰/ذی الحجہ کو رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے دو طرح کی رایوں کا اظہار کیا ہے:

پہلی رائے:

کچھ حضرات کے نزدیک طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم صاحب، مفتی انور علی اعظمی صاحب، جناب سید شکیل انور صاحب۔

ان حضرات میں سے سید شکیل انور صاحب نے عدم جواز کے موقف پر یہ دلیل دی ہے کہ اس سے قیام مزدلفہ مختصر ہوجائے گا۔

بقیہ دو حضرات کا استدلال ابوداؤد کی اس روایت سے ہے: "لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس"۔

مفتی انور علی صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے، "كان النبي ﷺ يرمي يوم النحر ضحى" (ترمذی)۔

دوسری رائے:

بقیہ حضرات کی رائے جواز کی ہے، لیکن اکثر حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ بغیر عذر ایسا کرنا مکروہ ہوگا، البتہ کوئی عذر ہو تو کراہیت نہیں ہوگی، جب کہ مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عطاء اللہ قاسمی نے کراہت سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

اکثر حضرات نے مندرجہ ذیل فقہی عبارات کو اپنا مستدل بنایا ہے:

۱۔ "فالأول ۔ أي وقت الجواز ۔ ابتداءه من طلوع الفجر يوم النحر ...الخ" (البحر الرائق ۲/۳۷۲)۔

۲۔ "وكذا يكره قبل طلوع الشمس وهذا عند عدم العذر، فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً" (شامی ۳/۵۳۴)۔

۳۔ "أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني" (بدائع ۲/۱۳۷)۔

۴۔ نیز اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی مبسوط، فتح القدیر، المغنی نیز زاد المعاد اور مجمع الانہر کی عبارات۔

جب کہ مولانا محمد اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا اے ایم عبداللہ صاحب اور مفتی عارف باللہ قاسمی نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱۔ "عن عائشة قالت: نزلنا بالمزدلفة، فاستأذنت النبي ﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس، وكانت امرأة بطيئة فأذن لها" (بخاری)۔

۲۔ ''عن أم سلمة أن النبي ﷺ بعث بها من جمع بليل'' (مسلم)۔

۳۔ اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عمرؓ کی بخاری و مسلم کی احادیث۔

۴۔ ''لاترموا الجمرة حتى تصبحوا'' (طحاوی)۔

۵۔ ''وأن لا يرموا الجمرة إلا مصبحين'' (بیہقی)۔

۲۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء سامنے آئی ہیں:

پہلی رائے:

ان میں سے پہلی رائے یہ ہے کہ اس کی گنجائش نہیں ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا خورشید احمد اعظمی مئو، مفتی حبیب اللہ قاسمی، راقم سطور راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مفتی شیر علی گجراتی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی انور علی اعظمی اور مفتی محمد سلمان منصور پوری۔

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم صاحب کی رائے بھی غالباً یہی ہے، اس لئے کہ موصوف کے نزدیک حالیہ توسیع کے بعد یہ سوال غیر مناسب ہے۔

دلائل:

۱۔ ''ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال. فإن رمى قبل الزوال أعاد نص عليه. وروي ذلك عن ابن عمر. وبه قال مالك والثوري والشافعي وإسحاق وأصحاب الرأي، وروي عن الحسن وعطاء'' (المغنی ۳، ۴۷۴)، عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ مسلک ائمہ اربعہ بلکہ جمہور کا ہے۔

۲۔ ''وأشار بقوله ''بعد الزوال'' إلى أول وقته في ثاني الفجر وثالثه حتى لو رمى قبل الزوال لا يجوز'' (البحر الرائق ۲، ۳۴۱)۔

۳۔ ''وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق. وهو اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي فبعد الزوال'' (بدائع ۲، ۳۷۶)۔

۴۔ ''ووقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور'' (شامی ۲، ۱۸۵)۔

۵۔ ''من رماها قبل الزوال أعاد رميها بعد الزوال'' (بداية المجتهد ۱، ۲۵۸)۔

جب کہ مفتی حبیب اللہ قاسمی، راقم سطور راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور صاحب اعظمی اور مفتی انور علی صاحب نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱۔ ''إن النبي ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحى ورمى في بقية الأيام بعد الزوال'' (الحديث)۔

۲۔ ''كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا'' (صحيح مسلم، كتاب الحج)۔

۳۔ ''رمى رسول الله ﷺ الجمار حين زالت الشمس'' (احمد، ابن ماجه، ترمذی)۔

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ موجودہ ازدحام اور حادثات کی سنگینی کے پیش نظر اس کی اجازت ہوگی، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اختر امام عادل، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، سید شکیل احمد انور، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ممتاز ندوی، مولانا ابرار خان ندوی، مفتی نیاز احمد بنارسی۔

مولانا محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا اے ایم عبداللہ صاحب (غالباً مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ اس سوال کے جواب میں ان کے تمہیدی کلمات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن حتمی رائے والے صفحہ کا عکس دستیاب نہ ہوسکنے کے سبب یقین سے کہنا مشکل ہے) ان حضرات کا بنیادی استدلال اس غیر ظاہر الروایہ سے ہے جو عام طور پر کتب فقہ میں نقل کی گئی ہے:

۱۔ ''قال فی اللباب: وقت رمی الجمار الثلاث فی الیوم الثانی والثالث من أیام النحر بعد الزوال فلا یجوز قبله وقیل یجوز'' (رد المحتار ۲،۲۰)۔

۲۔ ''وروی عن أبی حنیفة أن الأفضل أن یرمی فی الیوم الثانی والثالث بعد الزوال فإن رمی قبله جاز'' (بدائع الصنائع ۲،۱۳۷)۔

۳۔ مولانا تنظیم عالم قاسمی اور مولانا ابرار خان ندوی صاحب نے الموسوعہ الفقہیہ کی اس عبارت کو بھی نقل کیا ہے: ''الأخذ بهذا مناسب لمن خشی الزحام ودعته إلیه الحاجة لا سیما فی زماننا'' (۲۳،۱۵۸)۔

یہ رائے ۱۲؍ذی الحجہ کے بارے میں ہے، گیارہ کو بھی اسی پر قیاس کیا گیا ہے، نیز موسوعہ کے حاشیہ میں ہے: ''قال فی البحر العمیق: فهو قول مختار یعمل به بلا ریب وعلیه عمل الناس وبه جزم بعض الشافعیة حتی زعم الأسنوی أنه المذهب'' (کذا فی ارشاد الساری إلی مناسك ملا علی القاری)۔

۴۔ مولانا ممتاز ندوی نے ضرورت کے وقت ضعیف روایت پر عمل کی اجازت پر رسائل ابن عابدین کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

''أما لو عمل بالضعیف فی بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلك فلا یمنع منه'' (ص۴۹)۔

۵۔ مولانا عارف باللہ قاسمی نے حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کو بطور استدلال پیش کیا ہے: ''إذا انتفخ النهار من آخر أیام التشریق جاز الرمی'' (بیہقی الکبری ۵،۱۵۲)۔

۶۔ جہاں تک حضور ﷺ کے عمل کا تعلق ہے اس کے بارے میں مفتی عبدالرحیم قاسمی فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار افضل پر محمول کیا جائے گا۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ کمزوروں، بوڑھوں اور خواتین کو اجازت ہوسکتی ہے، یہ رائے مولانا عبدالجلیل قاسمی اور مولانا محمد اعظمی صاحبان کی ہے، مولانا عبدالجلیل صاحب نے مذکورہ بالا فقہی روایت سے استدلال کیا ہے، جب کہ مولانا محمد اعظمی صاحب نے اس رخصت کو یوم النحر کے معذورین کی رخصت پر قیاس کرکے مستنبط کیا ہے۔

۳۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ ۱۱۔۱۲؍ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

پہلی رائے:

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ حجاج کی کثرت، ازدحام اور حادثات کی سنگینی کے پیش نظر غروب کے بعد بلاکراہت رمی درست ہوگی، ان حضرات نے عام طور سے مندرجہ ذیل فقہی عبارات سے استدلال فرمایا ہے:

۱۔ ''والليل وقت الجواز مع الإساءة فلا بد أن يكون محل ثبوت الإساءة عدم العذر'' (فتح القدير ۲/۴۹۴)۔

۲۔ ''ولا شئ عليه سوى الإساءة ما لم يكن بعذر'' (شامی ۲/۵۲۱، نیز غنیة قدیم ۹۷)۔

۳۔ ''قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة من به علة أو ضعف فی تقديم الرمی قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل'' (بغية الناسك ۱۰۰)۔

دوسری رائے:

جب کہ کئی مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ یہ رخصت کراہت کے بغیر صرف خواتین اور معذورین کے لئے مخصوص ہوگی، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

ان حضرات کا استدلال بھی مندرجہ بالا فقہی عبارات سے ہے۔

سید شکیل احمد انور صاحب کی رائے یہ ہے کہ مردوں کے لئے مکروہ ہے، جبکہ مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم صاحب کے نزدیک حالیہ توسیع اور تعمیر کے بعد اس سوال کو حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مفتی شیر علی صاحب گجراتی نے اس کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے، ان کا مستدل شامی کی عبارت ہے: ''ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (۲/۵۴۳)۔

۴۔ اگر ۱۲ ؍ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳ ؍ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے عدم لزوم کی رائے اختیار کی ہے۔

البتہ سید شکیل انور صاحب اور مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم کے نزدیک رمی لازم ہوجائے گی، ان حضرات نے کوئی دلیل نہیں دی ہے، البتہ مولانا ابوالقاسم صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے سستی کی ہے لہذا انجام بھگتنا چاہئے۔

جبکہ مولانا محمد اعظمی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اثر ''ولا ينفرن حتى يرمى الجمار من الغد'' (مؤطا) کی دلیل سے عام علماء کے نزدیک ۱۳ ؍ کی رمی واجب ہوجاتی ہے، لیکن وجوب کے لئے یہ اثر ناکافی ہے، اس لئے اس کے ترک پر قضا نہیں ہے۔

اور مولانا ابوسفیان مفتاحی کے نزدیک اس صورت میں تیرہ کی رمی لازم ہوجائے گی، لیکن اگر صبح صادق سے پہلے چلا جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں، مولانا موصوف نے استدلال شامی، جوہرہ اور البحر کی انہیں عبارات سے کیا ہے، جن سے پہلی رائے اختیار کرنے والے مقالہ نگاروں نے استدلال کیا ہے۔

پہلی رائے اختیار کرنے والے حضرات کے دلائل:

۱۔ ''ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لا شئ عليه وقد أساء'' (ردالمحتار ۵/۵۴۳)۔

۲۔ ''ويسقط بنفره قبل طلوع فجر الرابع، ولو نفر من الليل قبل طلوعه لا شئ عليه فی ظاهر الرواية عن الإمام وقد أساء'' (غنية قديم ۹۸)۔

۳۔ اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی ہدایہ، بدائع، نورالایضاح، زبدۃ المناسک، المغنی اور الفقہ الاسلامی وادلتہ کی عبارات۔

۵۔ پانچواں سوال یہ تھا کہ کیا بوڑھے معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے ۱۰ ؍ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں نے دو طرح کی آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے:

اس میں پہلی رائے عدم جواز کی ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات نے ظاہر کی ہے:

مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا نیاز احمد بناری، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، راقم السطور راشد حسین ندوی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی شیر علی صاحب گجراتی، مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

ان حضرات کا استدلال ان فقہی عبارات سے ہے:

۱۔ ''أما یوم النحر فأول وقت الرمی منه ما بعد طلوع الثانی، فلا یجوز قبل طلوعه'' (بدائع ۲؍۱۱۲۰)۔

۲۔ ''فوقت الجواز أداء من طلوع الفجر فلا یصح قبله'' (غنیة قدیم ۹۱)۔

۳۔ ''ولو رمی قبل طلوع الفجر لم یصح اتفاقاً'' (هندیه ۱؍۲۵۲)۔

۴۔ اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی مبسوط، ہدایہ اور دوسری کتابوں کی عبارتیں۔

جب کہ مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل صاحب اور راقم سطور راشد حسین ندوی نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱۔ ''لا ترموا الجمرة حتی تصبحوا'' (طحاوی ۲؍۲۱۷)۔

۲۔ ''وأن لا یرموا الجمرة إلا مصبحین'' (بیہقی)۔

اور مفتی انور علی اعظمی اور مولانا نیاز احمد بناری نے مندرجہ ذیل حدیث کو مستدل بنایا ہے:

''کان رسول اللہ ﷺ یقدم ضعفاء أهله بغلس ویأمرهم یعنی لا یرمون الجمرة حتی تطلع الشمس'' (ابو داؤد ۲؍۲۶۸)

جہاں تک شافعیہ کے مستدلات کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں کئی حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایات ضعیف ہیں، مزید یہ کہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں قبل الفجر سے قبل صلاۃ الفجر کا بھی احتمال ہے اور تطبیق کے لئے یہی احتمال راجح ہوگا۔

دوسری رائے:

یہ کہ صرف معذورین کے لئے جائز ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا ابرار خان ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی۔

تیسری رائے:

ان حضرات کی ہے جنہوں نے اس سوال کے جواب میں ضرورت کے تحت معذور کی قید لگائے بغیر اجازت دی ہے، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا اے ایم عبد القادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد اعظمی، سید شکیل انور صاحب، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا عبد الرشید صاحب، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شاہد علی قاسمی۔

ان میں سے اکثر حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱۔ مولانا محمد اعظمی صاحب نے بخاری و مسلم کی کئی احادیث درج کی ہیں، مثلاً ''نزلنا بالمزدلفة فاستأذن النبی ﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس وکانت امرأة بطیئة فأذن لها فدفعت قبل حطمة الناس'' (بخاری۔ مسلم)۔

۲۔ حضرت اسماء کی حدیث: ''حتی رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح فی منزلها'' (بخاری مسلم)۔

۳۔ مولانا اے ایم عبدالقادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا سلطان احمد اصلاحی نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ''عن عائشة أنها قالت: أرسل رسول اللہ ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (ابو داؤد: کتاب المناسك، باب التعجيل من جمع)۔

۲۔ ''أن النبی ﷺ رخص للرعاء أن يرموا ليلاً'' (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

۳۔ ''عن أم حبيبة قالت: كنا نفعله على عهد رسول اللہ ﷺ بغلس من مزدلفة'' (مسلم ۱،۴۱۸)۔

۴۔ ''عن ابن عباس ؓ قال: بعثني رسول اللہ ﷺ فی الثقل أو قال فی الضعفة من جمع بليل'' (مسلم ۱،۴۱۸)۔

کئی حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں ضرورت کے تحت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے (مولانا اے ایم عبدالقادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی وغیرہ) اور مولانا اے ایم عبدالقادر نے امام شافعی کا مسلک ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

''فی الإیضاح لابن حجر الهیثمی: ''السنة أن يقدم الضعفة من النساء وغيرهن قبل طلوع الفجر إلى منى، ليرموا جمرة العقبة قبل زحمة الناس، ويكون تقديمهم بعد نصف الليل'' (ص ۳۴۵)۔

مولانا ابرار خان ندوی اور بعض دوسرے حضرات نے اشباہ کے حوالہ سے دو قواعد بھی تحریر کئے ہیں:

''الضرر يزال''، ''الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف''۔

جب کہ مولانا ابوسفیان مفتاحی نے شامی کی اس عبارت کو اپنا مستدل بنایا ہے:

''فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً'' (شامی ۲،۵۳۲)۔

اور مولانا عبدالرشید قاسمی فرماتے ہیں کہ ضعفاء وغیرہ کو اجازت دینے سے رات، طلوع فجر اور طلوع شمس پر دلالت کرنے والی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا ابوسفیان مفتاحی[1]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں فقہی سمینار کے متعدد موضوعات میں سے ایک موضوع "رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام" کے دوسرے جزء "منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام" سے متعلق مقالات کے عرض مسئلہ کی ذمہ داری، راقم الحروف کے سپرد کی گئی ہے۔

اکیڈمی نے اس موضوع سے متعلق تین سوالات: (۱) ایام حج میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت کیا ہے؟ (۲) اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم ہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟ (۳) کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟ قائم کئے ہیں، جن پر ۲۸ مقالہ نگاروں کی آراء اکیڈمی کو موصول ہوئیں، بعد میں پانچ مقالہ نگاروں کی آراء موصول ہوئیں، اب سب کی تعداد ۳۳ ہو جاتی ہے۔

ان مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفتی عبدالرحیم قاسمی، سید شکیل احمد، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، ڈاکٹر بہاؤالدین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اختر امام عادل، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا محمد سلمان منصور پوری، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی محمد شاہد علی قاسمی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی شبیر علی گجراتی، مفتی محمد عارف باللہ، مولانا عبدالقادر، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم۔

ان میں چوبیس مقالہ نگاروں نے قیام منیٰ کی حیثیت "سنت" بتایا ہے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا خورشید انور، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا بہاء الدین ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر، مفتی عبدالرشید قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد سلمان منصور پوری، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام مئو، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا محمد شاہد علی قاسمی اور مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور راقم الحروف ابوسفیان مفتاحی۔

ان حضرات نے حضرت عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: "استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منى لأجل سقايته فأذن له" (نصب الرایہ ۳؍۸۷)، اور ہدایہ ۱؍۲۵۳ میں ہے: "ولو بات في غيرها متعمداً لا يلزمه شئ"۔ اور شامی ۴۷۹/۳ میں ہے: "يبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات لغيرها كره ولا يلزمه شئ وكذا في كتب أخرى"۔ اور مولانا محمد اعظمی نے اپنی طرف سے کوئی رجحان قائم نہیں کیا، صرف یہ نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، البتہ مزید یہ لکھا ہے: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معذوروں، ضعیفوں اور ضرورت مندوں سے اس کا وجوب یا سنت ساقط ہے، اس سقوط ورخصت کی بنیاد نصوص شرعیہ پر ہے۔

سید شکیل احمد انور نے جائز لکھا ہے اور علت ازدحام حجاج بیان کی ہے، اور مولانا نعیم اختر لکھتے ہیں: واجب نہیں (شامی)، امام شافعی کے نزدیک واجب ہے

[1] صدر مدرس، جامعہ مفتاح العلوم مئو

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ) لہذا شوافع کی بھی رعایت ہونی چاہئے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ موصوف نے رعایت کی شکل نہیں بتائی۔

ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ عذر کے سبب بلا کراہت جائز ہے، بغیر عذر عمداً مکروہ ہوگا، تاکہ ترک سنت سے احتراز ہو سکے اور عمل بالسنہ ہو سکے۔ اور دورات کے قیام میں دشواری ہو تو کم از کم ایک رات ضرور منیٰ میں قیام کرنے کی سعادت حاصل کی جائے (مغنی، زاد المعاد، ہدایہ)۔

زاد المعاد میں ہے: ''وإذا كان النبی ﷺ قد رخص لأهل السقاية وللرعاء في البيتوتة فمن له مال يخاف ضياعه أو مريض يخاف من تخلفه عنه أو كان مريضا لا تمكنه البيتوتة سقطت عنه تبنية النص على هؤلاء'' (۲٫۲۹۰)۔

جن حضرات کے مقالات عرض مسئلہ تیار کرنے کے بعد موصول ہوئے ان کی رائیں اخیر میں عرض کی جارہی ہیں، مفتی شبیر علی گجرات، اور مفتی محمد عارف باللہ حیدرآباد اور مولانا عبد القادر کیرالا اور مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی نے ''سنت ہے'' کہا ہے، پھر یہ حضرات کچھ نقاط میں مختلف ہیں، مثلاً مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی کہتے ہیں: اس کے قصداً ترک سے بھی حج کی صحت پر فرق نہیں پڑے گا، البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے (شامی)، مولانا عبد القادر صاحب مزید لکھتے ہیں: حنفیہ کی رائے میں سنت ہے، اگر اس سنت پر عمل نہیں کیا تو صرف اساءت ہے لیکن کچھ لازم نہیں آئے گا، اور جمہور فقہاء امام مالک وغیرہ کے نزدیک واجب ہے، اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دم لازم ہوگا، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی نے کہا ہے کہ ۸ر ذی الحجہ کو قیام منیٰ بالاتفاق سنت ہے، ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو قیام منیٰ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، اور احناف کے نزدیک سنت ہے، بلا عذر چھوڑنا مکروہ ہے، اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم مئوی کوئی رائے نہ قائم کر کے تنقیدی انداز میں کہتے ہیں: پہلے اعراب غلطی یا سستی سے حدود منیٰ کے باہر قیام کر لیتے تو ان کو ہانک کر منیٰ میں لایا جاتا تھا، اب لوگ کاہلی اور آسائش کے لئے حدود منیٰ کے باہر محلہ عزیزیہ وغیرہ میں قیام کر لیتے ہیں تو ان کے لئے گنجائش تلاش کی جاتی ہے۔

سوال نمبر ۲: اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں نے مختلف آراء قائم کی ہیں، مثلاً مفتی جمیل احمد نذیری نے مطلقاً درست لکھا ہے اور حدیث عباس اور حدیث ترخیص للرعاء سے استدلال کیا ہے اور حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مولانا خورشید انور اور مولانا بہاؤ الدین ندوی نے درست بلا کراہت کہا ہے اور حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور علت: ازدحام بیان کی ہے۔ مولانا محمد ممتاز خان اور مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی نے درست مع الکراہہ لکھا ہے، اور فتح القدیر ۲ر ۳۹۵ سے استدلال کیا ہے: ''قال: ويكره أن يقدم الرجل ثقله إلى مكة ويقيم حتى يرمي''، اور لکھتے ہیں کہ اگر حدود مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہو تو ازدحام کی وجہ سے بڑی دشواری ہوگی جب کہ حدود مکہ میں قیام سے آسانی ہوگی، اس لئے مسلک حنفی پر عمل کرنے میں عافیت وسکون ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی نے صحیح اور مولانا اختر امام عادل قاسمی نے بلا عذر مکروہ اور بسبب عذر مکروہ کہا ہے (شامی وغیرہ)، ان دونوں کے نزدیک حج پر کراہت کا اثر پڑے گا، نیز مولانا راشد حسین ندوی نے بکراہت درست کہا ہے اور راقم الحروف ابو سفیان مفتاحی کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اور جوہرہ سے استدلال کیا ہے۔

نیز مفتی عبد الرحیم قاسمی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی اور مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا نعیم اختر قاسمی نے مطلقاً درست کہا ہے۔ اور حج پر کوئی اثر نہ پڑنے کی صراحت مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی، مولانا راشد حسین ندوی، راقم الحروف ابو سفیان مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی اور مولانا شاہد علی قاسمی نے کی ہے، لیکن مفتی عبد الرحیم قاسمی نے حج پر اثر پڑنے کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے، مولانا رحمت اللہ ندوی نے خلاف سنت کہا ہے، مفتی عبد الرشید قاسمی کہتے ہیں کہ خلاف سنت اور خلاف قانون ہوگا اس لئے حج کے ثواب میں فرق پڑے گا، مفتی حبیب اللہ قاسمی نے حدود مکہ میں منیٰ کے علاوہ قیام کو مکروہ کہا ہے (ہندیہ)، مولانا محمد سلمان منصور پوری نے کہا ہے کہ حدود مکہ میں یا منیٰ کے کسی محلہ میں یا مزدلفہ میں قیام سے کوئی جنایت لازم نہیں ہوگی (غنیۃ)، قاضی عبد الجلیل قاسمی نے جائز کہا ہے اور حج پر اثر پڑنے کے بارے میں کچھ صراحت نہیں کی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی فرماتے ہیں کہ کثرت حجاج کی وجہ سے اگر سعودی حکومت کی جانب سے انتظامی سہولت کی خاطر بنائے جانے والے قانون کی رعایت میں حدود منیٰ میں جگہ نہیں ملتی تو مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں بلا کراہت قیام کر سکتا ہے، لیکن بلا وجہ قیام منیٰ کے ترک سے تارک سنت ہوگا، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی نے اس پر کچھ اظہار نہیں فرمایا، ڈاکٹر ظفر الاسلام مئو لکھتے ہیں کہ حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے، لہذا منیٰ کے علاوہ حدود حرم میں قیام کی گنجائش ملنی چاہئے لیکن صرف بھیڑ بھاڑ سے بچنے کی غرض سے ہو تو ترک قیام منیٰ کی توسع نہیں ملنی چاہئے، مفتی انور علی مئو اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے کہا ہے کہ اگر حاجی بلا کسی مجبوری کے منیٰ میں قیام نہیں کرتا مکہ میں رہتا ہے اور وہیں سے رمی کو جاتا ہے تو یہ عمل خلاف سنت ہے، اس سے حج میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا لیکن سنت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

مولانا محمد اعظمی نے لکھا ہے کہ عذر و ضرورت کی بنا پر کوئی حرج نہیں اور بلا عذر باعث نقص ہے، رائے یہ دی ہے کہ جمرات کی رمی کرنے کی جگہوں کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے، اور حج پر اثر پڑنے کے بیان سے خاموش رہے، سید شکیل احمد انور نے خلاف سنت کہا ہے اور بلا عذر منیٰ میں قیام نہ کرنا ترک واجب ہوگا، لہذا قربانی لازم ہوگی، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، راقم الحروف کہتا ہے کہ موصوف نے پہلے سوال کے جواب میں قیام منیٰ کی حیثیت کو جائز کہا ہے بنابریں یہ تضاد ہے۔

عرض مسئلہ تیار ہونے کے بعد ان مقالہ نگاروں کی آراء موصول ہوئیں اس لئے بعد میں عرض ہے:

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی کہتے ہیں: بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مفتی محمد عارف باللہ لکھتے ہیں کہ حدود حرم میں رہتے ہوئے رمی وغیرہ کے لئے جانا درست ہے اور اس کی وجہ سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مولانا عبد القادر صاحب کا کہنا ہے کہ منیٰ اور مزدلفہ کا قیام معذورین سے ساقط ہے، نیز چرواہے اور اہل سقایہ سے بھی ساقط ہے (حدیث عباس)، مفتی شیر علی نے کہا: اگر منیٰ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے حاجی نے ایسا کیا تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بلا ضرورت ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔

مولانا ابو القاسم عبد العظیم مؤتنقیدی انداز میں کہتے ہیں کہ جو رخصت اہل اعذار کو دی گئی ہے، غیر اہل اعذار کا اس میں داخل ہونا غیر حیلہ شرعی ہوگا۔ ماضی میں اہل عذر حضرات بھی یہ رخصت قبول کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور اب غیر اہل اعذار ایسی رخصتوں کے لئے حیلہ تلاش کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳- کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کر سکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کر سکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیس مقالہ نگاروں کی آراء متفق ہیں، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا خورشید انور بنارس، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد ممتاز خان، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا بہاؤ الدین ندوی، مولانا محمد اعظمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا راشد حسین ندوی، راقم الحروف ابو سفیان مفتاحی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی اور مولانا محمد شاہد علی قاسمی۔ ان سب نے درست بلا کراہت کہا ہے۔ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی اور مولانا محمد اقبال ٹنکاروی نے کہا ہے کہ بلا عذر مکروہ ہے، مولانا محمد اعظمی نے رائے دی ہے کہ نئے سرے سے منیٰ کی حد بندی کی جائے، مفتی عبد الرحیم قاسمی نے بغیر عذر مکروہ تنزیہی کہا ہے، مولانا تنظیم عالم قاسمی نے بغیر عذر خلاف سنت کہا ہے، سید شکیل احمد انور اور مفتی عبد الرحیم قاسمی نے بھی بغیر عذر خلاف سنت کہا ہے، مولانا رحمت اللہ ندوی نے کہا ہے کہ منیٰ کے علاوہ حدود حرم میں قیام خلاف سنت ہے لیکن انہوں نے عذر و بلا عذر کی تفصیل نہیں کی ہے، ابو سفیان مفتاحی نے لکھا کہ ازدحام کے سبب حدود حرم میں کہیں بھی قیام کر لے لیکن رات منیٰ میں گذارنا مسنون ہے، مولانا محمد شاہد علی قاسمی نے کہا ہے کہ بلا وجہ منیٰ کے علاوہ قیام موجب اساءت ہوگا جس سے کراہت ہوگی۔ سید شکیل احمد انور نے کہا ہے کہ بغیر عذر شرعی کے ممنوع ہے، لہذا اس کو ایک دم دینا ہوگا، مولانا محمد سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا یا منیٰ کے کسی محلہ یا مزدلفہ میں ٹھہر رہا تو کوئی جنایت لازم نہیں ہوگی (غنیۃ)، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی کہتے ہیں کہ ترک سنت کی وجہ سے مسیئ ہوگا، ڈاکٹر ظفر الاسلام کہتے ہیں کہ حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے لہذا منیٰ کے علاوہ حدود حرم میں قیام کی گنجائش ملنی چاہئے، لیکن صرف بھیڑ بھاڑ سے بچنے کی غرض سے ہو تو ترک قیام منیٰ کی توسع نہیں ملنی چاہئے، مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی کہتے ہیں کہ حدود حرم میں قیام کرنا اور بلا کسی مجبوری کے قیام منیٰ کو ترک کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے، اس لئے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے۔

مفتی شیر علی گجرات، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ حیدر آباد اور مولانا عبد القادر کیرالا سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ حدود حرم میں کسی جگہ بھی ضرورت و اعذار کے سبب قیام کیا جا سکتا ہے، البتہ مولانا ثناء الہدیٰ صاحب کہتے ہیں: حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام سے حج پر فرق نہیں پڑے گا لیکن حتی الامکان منیٰ میں قیام کی کوشش کرنی چاہئے، منیٰ سے متصل مزدلفہ کے جن علاقوں میں منیٰ الجدید کے نام سے خیمے لگتے ہیں وہاں بھی قیام کرنا منیٰ کے ہی قیام کے حکم میں ہوگا۔ مولانا ابو القاسم عبد العظیم نے یہاں بھی وہی تنقیدی انداز اختیار کیا ہے جو سوال ۲ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب

علماء اور ارباب افتاء کی تحریریں

تفصیلی مقالات:

رمی جمار کے اوقات

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی[1]

(الف)۱۔ دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے وقت رمی شروع ہونے کا ذکر تو سوالنامہ میں موجود ہے تو پھر اس بابت سوال ہی کیوں؟

جواب ظاہر ہے کہ صبح صادق کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی حاجی کرسکتا ہے۔

۲۔ ۱۱ / ۱۲ ذی الحجہ کو ظہر کے وقت سے پہلے رمی کرنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں، لیکن امام اعظم کی طرف ایک قولِ غیر مشہور جواز رمی کا بھی منسوب ملتا ہے۔ بدائع الصنائع (۱۳۷/۲) میں ہے: ''وأما وقت الرمي من... اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي فبعد الزوال حتى لايجوز الرمي قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة، وروى عن أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبله جاز''۔

مگر یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ عمر میں ایک بار حج کرنے کا موقعہ عموماً ملتا ہے (فرض تو ایک بار ہی ہے) تو ایسے عمل سے جو محل اختلاف ہو بچنا چاہئے، وہ بھی واجب عمل میں، اس لیے کم از کم حج فرض میں تو اس کی اجازت نہ دی جانی چاہئے، اس لیے اور بھی کہ تمام ائمہ میں صرف امام اعظم سے ہی جواز کی ایک غیر مشہور روایت کی گئی ہے، بقیہ تمام ائمہ (حتی کہ امام کے دونوں ممتاز شاگرد بھی) عدم جواز کے قائل ہیں۔

۳۔ جائز ہے، عذر کے ساتھ بغیر کراہت کے، مگر بغیر عذر کے کراہت ہے۔

۴۔ حنفیہ کے یہاں لازم نہیں۔

۵۔ حنفیہ کے یہاں کی جاسکتی ہے۔

(ب):۱۔ حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام واجب نہیں، نہ دن کا نہ رات کا، البتہ سنت مؤکدہ ہے جس کے ترک کی اجازت بدون عذر قوی نہ ہوگی۔

۲۔ کراہت ہوگی بلا عذر ایسا کرنے پر۔

۳۔ بلا عذر ایسا کرنے پر کراہت ہوگی۔

☆☆☆

[1] استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

رمی جمرات اور قیام منیٰ کی حیثیت

مولانا راشد حسین ندوی[1]

۱۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر کو چاشت کے وقت رمی کی تھی، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں حضرت جابرؓ کی صریح حدیث میں ہے:

''رأيت رسول الله ﷺ يرمي بالجمرة ضحى يوم النحر وحده'' (مسلم: كتاب الحج؛ باب بيان وقت استحباب الرمي، بخاری: كتاب الحج؛ باب برمي الجمار)۔ (میں نے نبی اکرم ﷺ کو صرف نحر کے روز چاشت کے وقت رمی کرتے ہوئے دیکھا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (ترمذي، ابواب الحج، باب ماجاء في تقديم الضعفة من جمع بليل) (جب تک طلوع شمس نہ ہوجائے رمی جمرہ کا عمل نہ کرو)۔

انہیں احادیث کے پیش نظر اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو رمی کا افضل وقت طلوع شمس کے بعد سے ہے، علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

''وكان رميها بعد طلوع الشمس يجزئ بالاجماع وكان أولى'' (المغني ۳،۴۴۹)۔
(طلوع شمس کے بعد بالاجماع رمی درست ہوگی، اور یہ افضل ہوگا)۔

وقت جواز کے بارے میں علماء کے مسالک:

پھر وقت جواز کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

۱۔ جواز کا وقت نصف شب سے ہے، یہ قول حضرت عطاء، ابن ابویعلی، عکرمہ بن خالد، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔

۲۔ جواز کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، یہ احناف، مالکیہ اور اسحاق بن المنذر کا قول ہے، امام احمد کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

۳۔ وقت جواز طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے، یہ قول حضرت مجاہد، امام ثوری اور نخعی رحمہم اللہ کا ہے (المغنی ۳/۴۴۹)۔

اور مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

''فالاول - أي وقت الجواز - ابتداءه من طلوع الفجر يوم النحر وانتهاءه إذا طلع الفجر من اليوم الثاني''۔
(وقت جواز یوم النحر کو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن طلوع فجر ہونے پر ختم ہوتا ہے)۔

جمہور کے نزدیک صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے:

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، یہ نہ صرف احناف بلکہ جمہور کا مسلک ہے، البتہ بلا عذر اس وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔

۲۔ گیارہ اور بارہ کی رمی زوال سے پہلے ناجائز ہے:

[1] مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

جہاں تک ۱۱ / ۱۲ ر کی رمی کے اوقات کا تعلق ہے تو جمہور کے نزدیک اس کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، البتہ امام صاحب سے ایک قول میں جو غیر ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ اگر ۱۲ ر کو مکہ کوچ کر جانے کا ارادہ ہو تو زوال سے قبل بھی رمی کر سکتا ہے، علامہ ابن قدامہ فقہاء کے مسالک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کریگا، اگر زوال سے پہلے رمی کر لی تو اعادہ کرے، اس پر تصریح موجود ہے، یہ مسلک ابن عمرؓ سے مروی ہے، اور یہی قول امام مالک، ثوری شافعی، اسحاق اور اصحاب الرای کا بھی ہے، اور حضرت عطا اور حسن سے بھی مروی ہے، البتہ اسحاق اور اصحاب الرای نے ''نفر'' کے دن زوال سے پہلے رمی کرنے کی رخصت دی ہے، اور ''نفر'' زوال کے بعد ہی کریگا، امام احمد سے بھی اسی کی روایت کی گئی ہے، اس میں حضرت عکرمہ نے بھی رخصت دی ہے، اور طاؤس کہتے ہیں: زوال سے پہلے رمی کرے گا اور زوال سے پہلے کوچ بھی کر جائے گا'' (المغنی ۳ / ۴۷۷)۔

اور صاحب ''البحر الرائق'' مسلک احناف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصنف نے اپنے قول ''بعد زوال'' سے ۱۲ ر اور ۱۳ ر تاریخ کو رمی کے اول وقت کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اگر زوال سے پہلے رمی کی تو جائز نہیں ہوگا (آگے فرماتے ہیں) اور فتاوی ظہیریہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ایام تشریق کا دوسرا دن پہلے دن کی طرح ہے، اور اگر اس دن ''نفر'' کا ارادہ ہو تو اس کے لیے زوال سے پہلے رمی کی اجازت ہوگی، اور زوال سے پہلے رمی تو ناجائز اس کے لیے ہے جس کا ارادہ نفر کا نہ ہو..... تو یہ غیر ظاہر الروایہ پر محمول ہے، اس لیے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ان دونوں میں رمی کا وقت مطلقاً زوال کے بعد ہی داخل ہوگا'' (البحر الرائق ۲ / ۳۴۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق ماقبل زوال رمی نہ ۱۲ ر کی کر سکتا ہے نہ ۱۱ ر کی، ہاں صرف غیر ظاہر الروایہ کے مطابق جب ۱۲ ر کو کوچ کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کر سکتا ہے، اس روایت میں بھی ۱۱ ر کی رمی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ظاہر الروایہ تمام کتب متداولہ میں اسی تفصیل کے ساتھ ہے، البتہ غیر ظاہر الروایہ ''ہدایہ، فتح القدیر، شامی اور بدائع الصنائع'' میں دوسرے الفاظ سے ہے، چنانچہ صاحب فتح القدیر ہدایہ کی عبارت ''وفي المشهور من الرواية'' پر تعلیق کرتے ہوئے صراحت سے فرماتے ہیں:

''احتراز عما عن أبي حنيفة قال: أحب إلي أن لا يرمي في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزأه'' (فتح القدير ۲،۳۹۳)۔

(یہ امام صاحب سے منقول روایت سے احتراز ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: مجھے پسند یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن زوال شمس سے پہلے رمی نہ کرے، لیکن اگر رمی کر لی تو کفایت کرے گی)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: ''قال في اللباب: وقت رمي الجمار بالثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال، فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز'' (رد المحتار ۲،۲۰۱)۔

(''اللباب'' میں فرماتے ہیں: ایام نحر کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، تو قول مشہور میں اس سے پہلے رمی ناجائز ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ جائز ہے)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''وروی عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز'' (بدائع الصنائع ۲،۳۲۴)۔ (امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن زوال کے بعد رمی افضل ہے، اور اگر اس سے پہلے رمی کرے تو جائز ہے)۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل تفصیلات معلوم ہوئیں:

۱۔ جمہور کے نزدیک ۱۱ / ۱۲ ر ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ احناف کی ظاہر الروایہ جمہور کے مطابق ہے اور فتویٰ اسی پر ہے، لیکن غیر ظاہر الروایہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

پھر غیر ظاہر الروایہ میں بظاہر کچھ اختلاف ہے، چنانچہ:

(الف) ردالمحتار، فتح القدیر اور بدائع کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۱/۱۲ر دونوں کو زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہے۔

(ب) اور البحر الرائق کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ۱۲ر کو ''نفر'' کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کر سکتا ہے، اس میں ۱۱ر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمی کا وقت:

مسئلہ پر اس اعتبار سے بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام یا سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ۱۱/۱۲ر کو زوال سے پہلے رمی کا ثبوت نہیں ہے، چنانچہ مسلم کی روایت ہے:

''عن جابر ﷺ قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى، وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (مسلم، كتاب الحج باب بيان وقت استحباب الرمي)۔ (حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو چاشت کے وقت جمرہ کی رمی فرمائی، اور رہے بعد کے ایام تو جب زوال شمس ہو گیا تب رمی فرمائی)۔

اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''كنا نتحين، فإذا زلت الشمس رمينا'' (بخاری، كتاب الحج، باب رمي بالجمار)۔
(ہم منتظر رہتے تھے اور جب زوال شمس ہو جاتا تھا تو رمی کرتے تھے)۔

بہر حال عسر و مشقت کے پیش نظر غیر ظاہر الروایہ اور قول ضعیف پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے، صرف اسی بات کو پیش نظر رکھا جائے تو اس مسئلہ میں بہر حال عسر و مشقت میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس روایت پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لیکن جب اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ اس مسئلہ میں احناف سمیت جمہور ایک طرف ہیں، دوسری طرف احناف کی صرف ایک ضعیف روایت ہے (جو روایات کے بجائے قیاس سے ثابت ہے) اور بقول علامہ کاسانی اس باب میں حجت صرف توقیف ہے نہ کہ قیاس ''وہذا باب یعرف بالقیاس بل بالتوقیف'' (بدائع ۲،۳۲۴)۔

پھر اس روایت میں بھی دو طرح کی باتیں کی گئی ہیں جیسا کہ ابھی اوپر عرض کیا گیا۔ علاوہ ازیں مشقت و دشواری کا یہ حل پیش کیا جا سکتا ہے کہ رمی رات میں اس وقت کی جائے جب ازدحام کم ہو جائے، تو عدول عن ظاہر الروایہ کی ہمت نہیں ہوتی۔

بہر حال راقم کی رائے میں ابھی اتنی شدید ضرورت نہیں ہے کہ جمہور کے مسلک کو چھوڑ کر زوال سے پہلے رمی کی اجازت دیجائے، ہاں اگر صورت حال ایسی ہو جائے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو احناف کے اصولوں کے مطابق اس کی اجازت ہو سکتی ہے۔

۳۔ غروب شمس کے بعد ۱۱/۱۲ر ذی الحجہ کی رمی:

۱۱/۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے لے کر اگلے دن کے طلوع شمس تک رہتا ہے، لیکن ان دنوں میں وقت مسنون زوال سے لے کر غروب شمس تک ہے، اور غروب شمس سے اگلے دن کے طلوع شمس تک کا وقت مکروہ ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

''والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس. ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (رد المحتار ۲،۲۰۱، وكذا في البحر ۲،۳۴۹، وغيره)۔ (ان دونوں دنوں میں مسنون وقت زوال سے غروب شمس تک ہے، اور غروب سے طلوع تک وقت مکروہ ہے)۔

لیکن رات میں رمی کی کراہت کا یہ حکم بغیر عذر تاخیر کرنے پر ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

اگر یوم النحر یا دوسرے یا تیسرے دن رمی نہیں کی تو گزشتہ دنوں کی رمی آنے والی رات کو کرلے اور اس پر گناہ کے علاوہ کچھ لازم نہ ہوگا جب عذر سے تاخیر نہ ہوئی ہو (ردالمحتار ۲/۲۰۱)۔

صاف بات ہے کہ تاخیر عذر سے ہو تو گناہ بھی نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ازدحام کی وجہ سے جان جانے یا زخمی ہونے کا خطرہ قوی ترین اعذار میں سے ہے، لہٰذا اس اندیشہ کے پیش نظر اگر غروب کے بعد رمی کرے گا تو ان شاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی، چنانچہ مشہور محقق عالم مولانا رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

”رمی اور قربانی میں اتنی جلدی کرنا کہ ازدحام کی وجہ سے اپنے کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو حرام ہے، غروب سے کچھ قبل اطمینان سے رمی کریں، اگر اس وقت بھی سخت ازدحام ہو تو غروب کے بعد رمی کریں، ایسی حالت میں غروب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں“ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۶۸)۔

۴۔ ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کا مسئلہ:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عازم حج اگر چاہے تو بارہ کی رمی کر کے واپس جائے، لیکن افضل یہ ہے کہ رک کر تیرہ کی رمی بھی کرے، اس کے بعد کوچ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه و من تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى“ (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

(پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں، اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے)۔

لیکن پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر غروب تک واپس نہ جاسکا تو کیا حکم ہوگا، اس کے متعلق فقہاء کے مسالک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

تو جو شخص نفر اول میں جلدی کرنا چاہے وہ غروب شمس سے پہلے نکل جائے اور اگر منیٰ سے نکلنے سے پہلے سورج ڈوب جائے تو نفر نہ کرے، خواہ نکل چکا ہو یا اپنی قیام گاہ میں مقیم ہو اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا، یہ قول حضرت عمر، جابر بن زید، عطا، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، امام مالک، ثوری، شافعی اور اسحاق بن المنذر کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جب تک تیسرے دن کا طلوع فجر نہ ہو جائے وہ کوچ کرسکتا ہے، اس لیے کہ دوسرا دن داخل نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس کے لیے اسی طرح نفر جائز ہے جیسے غروب سے پہلے (جائز تھا) (المغنی ۳/ ۴۷۹)۔

اور علامہ مرغینانی مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب تک چوتھے دن کا طلوع فجر نہ ہو جائے وہ نفر کرسکتا ہے، پھر جب طلوع فجر ہو جائے وہ نفر نہیں کرسکتا ہے، اس لیے کہ رمی کا وقت داخل ہو گیا ہے، اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک جب تیسرے دن کا سورج ڈوب جائے تو اس کو منیٰ سے پہلے نفر کی اجازت نہیں ہوگی، فرماتے ہیں: اس لیے کہ دن میں خیار ہونا منصوص علیہ ہے، اور دن کا امتداد غروب تک ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں: رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے، لہٰذا تیسرے دن کے غروب سے پہلے کی طرح نفر میں اس کا خیار باقی رہے گا، اس لیے کہ اس دن اسے نفر کا خیار دیا گیا ہے، اس لیے کہ چوتھے دن کی رمی کا وقت داخل نہیں ہوا ہے، اور یہ چیز اس کی رات کے بارے میں بھی ثابت ہے (ہدایہ مع الفتح ۲/ ۳۹۳، نیز دیکھئے: رد المحتار ۲/ ۲۰۱)۔

مندرجہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور کئی دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غروب کے بعد نفر کی اجازت نہیں ہے جبکہ احناف کے نزدیک غروب سے طلوع فجر تک کراہت کے ساتھ نفر جائز ہے، نفر کرنے پر گناہ ہوگا لیکن کچھ لازم نہ ہوگا۔

دلائل دونوں طرف ہیں، لیکن موجودہ زمانہ کے ازدحام، نیز ٹرانسپورٹ کے مسائل کے پیش نظر سہولت اور وسعت مسلک احناف میں ہے، اس لیے کہ بسا اوقات کوشش کے باوجود ٹریفک وغیرہ کے مسائل کے سبب غروب سے پہلے حدود منیٰ کو پار کر جانا اپنے بس میں نہیں ہوتا، تو اگر غروب ہو جانے پر لزوم رمی کا قول اختیار کیا جائے تو ان لوگوں کو واپسی میں خاصی مشقت ہوگی جو غروب سے پہلے نکلے تو ہوں لیکن ٹریفک میں پھنس جانے کے سبب غروب سے پہلے حدود منیٰ پار نہ کرسکے ہوں۔

لہٰذا راقم کے نزدیک صورت مسئولہ میں ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، البتہ بلا عذر غروب کے بعد نفر کریگا تو کراہت ہوگی، کسی خاص عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کا مسئلہ: ......سوال نمبر (۱) کا جواب دیتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ احناف وغیرہم کے نزدیک اس رمی کا وقت طلوع فجر سے ہے، البتہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک اس کا وقت نصف شب سے ہے۔

امام شافعی وغیرہ کے دلائل:

نصف شب سے اجازت دینے والوں کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عن عائشة أن النبي ﷺ أمر أم سلمة ليلة النحر فرمت جمرة العقبة قبل الفجر، ثم مضت فأفاضت'' (أبوداؤد كتاب الحج، باب التعجيل من جمع)۔ (حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو نحر کی رات کو حکم دیا، تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر چلی گئیں اور افاضہ کیا)۔

۲۔ عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ رخص للرعاء أن يرموا ليلاً'' (رواه الطبراني وابن ابي شيبه، كذا في نصب الرايه ۸۵،۸۶/۳)۔ (حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی)۔

۳۔ بالکل اسی معنی کی روایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (دارقطنی ۲/۲۷۹، نیز نصب الرایہ ۸۶/۳) اور حضرت ابن عمرؓ (رواہ البزار فی مسندہ، نیز نصب الرایہ ۸۶/۳) سے بھی مروی ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

اور حنفیہ اپنے مسلک کو مندرجہ ذیل روایات سے ثابت کرتے ہیں:

۱۔ ''عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قدم ضعفة أهله وقال: ''لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (ترمذی: ابواب الحج؛ باب ماجاء في تقديم الضعفه من جمع بليل)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گھرانہ کے کمزوروں کو پہلے بھیج دیا اور فرمایا: سورج نکلنے سے پہلے رمی جمرہ مت کرنا)۔

احناف کہتے ہیں کہ اس روایت میں وقت مسنون کا ذکر ہے، جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ان کا استدلال طحاوی میں اس روایت سے ہے:

۲۔ ''عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ بعثه في الثقل وقال: لاترموا الجمار حتى تصبحوا'' (طحاوی، باب وقت رمی الجمرة ۱،۳۵۰)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو ساز و سامان کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: صبح ہونے سے پہلے رمی جمار مت کرنا)۔

اور امام شافعی کے دلائل میں سے پہلی حدیث کا جواب (بقول صاحب بذل الجہود) احناف یہ دیتے ہیں کہ: اس میں اس کا احتمال ہے کہ معنی یہ ہوں کہ فجر کی نماز سے پہلے رمی کی، لہٰذا یہ حدیث وقت فجر سے پہلے پر صریح نہیں ہے، پھر حدیث میں حضور ﷺ کی اجازت کا بھی ذکر نہیں ہے (بذل الجہود ۳/۱۷۰، کتاب الحج، باب التعجیل من جمع)۔

بقیہ روایات کا ایک جواب صاحب نصب الرایہ نے یہ دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں (نصب الرایہ ۳/۸۵، ۸۹)،

اور دوسرا جواب صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر (ہدایہ مع فتح القدیر ۲/۳۹۴) نے یہ دیا ہے کہ احناف کی ذکر کردہ احادیث سے تطبیق دینے کے لیے لیل سے گزشتہ رات کے بجائے آنے والی رات مراد لی جائے گی، صاحب فتح القدیر نے اس پر خاصی طویل بحث کی ہے۔

بہرحال دلائل دونوں طرف ہیں، لیکن اگر جواز کا قول اختیار کرنا ہے تو مسلک احناف میں اس کی گنجائش نہیں ہے، امام شافعی کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔

اور اس مسلک کو اختیار کرنے کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکے گا جب کمزوروں کے ساتھ ان کے متعلقین کو بھی اجازت دی جائے، اس لیے کہ عورتوں اور کمزوروں کو اگر تنہا جانے کو کہا جائے تو عملاً یہ ممکن نہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے متعلقین پہلے رات کو جا کر ان کی رمی کرادیں پھر دوبارہ وقت پر اپنی رمی کرنے جائیں تو اس میں بھی شدید مشقت ہوگی، اس طرح رخصت کا دائرہ خاصہ وسیع ہو جائے گا، اس لیے کہ خاصی بڑی تعداد کے ساتھ ضعفاء اور عورتیں ہوتی ہیں۔

ان امور کے پیش نظر راقم کے خیال میں بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں مسلک احناف کو نہ چھوڑا جائے اور نصف شب سے رمی کی اجازت نہ دی جائے، البتہ

اگر دن میں رمی کرنے میں مشقت ہو تو یہ لوگ اگلی رات میں رمی کرلیں، انشاء اللہ اس میں عذر کے سبب کراہت بھی نہ ہوگی۔

ب۔ قیام منیٰ کی حیثیت:

ا۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام منیٰ کے دوران منیٰ میں قیام فرمایا تھا، لیکن اس قیام کی کیا حیثیت ہے، اس کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں:

ا۔ امام مالک، امام شافعی، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور چند دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ منیٰ کا قیام واجب ہے۔

۲۔ احناف اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ قیام منیٰ سنت ہے، چنانچہ کوئی شخص منیٰ میں قیام کرنے کے بجائے اگر مکہ یا مزدلفہ وغیرہ میں قیام کرے اور منیٰ آکر رمی جمرات کر جائے تو ان حضرات کے نزدیک کوئی جزا لازم نہیں ہوگی البتہ اس میں کراہت ہوگی (المغنی ۳؍۴۷۴)۔

اور علامہ شامی مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(قوله: فيبيت بها للرمي) اى ليالى أيام الرمي وهو السنة، فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ. اللباب'' (ایام رمی کی راتوں میں وہیں رات گزارے گا، سنت یہی ہے، تو اگر الگ رات گزارے تو مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا) (ردالمحتار ۲،۲۰۰. كذا في البحر ۲،۳۴۸، الهداية مع الفتح ۲،۳۹۵، بدائع الصنائع ۲،۳۶۳)۔

اور امام محمدؒ ''کتاب الاصل'' میں فرماتے ہیں: ''وإن كان أيام منى بمكة غير أنه كان يأتي منى فيرمي الجمار قال: قد أساء وليس عليه شئ'' (كتاب الاصل للإمام محمد ۲،۴۲۸)۔ (اگر ایام منیٰ میں مکہ میں رہا البتہ منیٰ آتا تھا اور رمی جمار کرتا تھا، فرمایا: اس کو گناہ ہوا، لیکن اس پر کچھ لازم نہیں ہے)۔

پہلے گروہ کے دلائل:

امام مالک اور امام شافعیؒ اپنے مسلک پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

ا۔ ''عن ابن عمر ﷺ أن العباس ﷺ استأذن النبي ﷺ ليبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له'' (بخاری: کتاب الحج، باب اهل بيت اهل السقاية أو غيرهم بمكة ليالى منى، مسلم في الحج، باب حجة النبي ﷺ)۔ (حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے سقایہ کے کام کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صاحب ''المغنی'' فرماتے ہیں:

''حضرت عباسؓ کو ان کے عذر کے سبب خصوصی طور سے رخصت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رخصت دوسروں کے لیے نہیں ہوگی'' (المغنی ۳؍۴۷۴)۔

۲۔ ''عن ابن عباس قال: ''لم يرخص النبي ﷺ لاحد يبيت بمكة الا العباس من أجل سقايته'' (ابن ماجه، باب البيتوتة بمكة ليالى منى)۔ (حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مکہ میں رات گزارنے کی اجازت نہیں دی، سوائے حضرت عباس کو سقایہ کے سبب)۔

۳۔ علامہ ابن قدامہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کے آثار بھی استدلال میں ذکر کئے ہیں (المغنی ۳؍۴۷۴)۔

دوسرے گروہ کے دلائل:

جب کہ احناف وغیرہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ صاحب بدائع حضرت عباس کو اجازت دینے سے متعلق مسلم و بخاری کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اگر قیام واجب ہوتا تو نہ حضرت عباس سقایہ کے سبب واجب ترک کرتے، اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کی اجازت دیتے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دونوں دلیلوں میں تطبیق دینے کے لیے سنت پر محمول کیا جائے گا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۶۳، فتح القدیر ۲/ ۳۹۵)۔

۲۔ ''أن رسول اللہ ﷺ رخص لرعاء الإبل في البيتوتة'' (ابوداؤد: کتاب الحج. باب فی رمی الجمار)۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں کو رات گزارنے سے متعلق رخصت دی)۔

۳۔ صاحب المغنی نے حضرت ابن عباس کا ایک اثر بھی نقل کیا ہے: ''إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (المغنی ۳/ ۴۷۳) (جب رمی جمرہ کرلو تو جہاں چاہو رات گزارو)۔

بہر حال مندرجہ بالا بحث سے بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ احناف کے نزدیک قیام منیٰ صرف سنت ہے اور اس کے ترک سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔

اور جمہور کے نزدیک عام حالات میں قیام واجب ہے اور ترک قیام پر جزا بھی واجب ہوگی، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چرواہے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور شوافع ان لوگوں پر بھی رخصت کا دائرہ وسیع کرتے ہیں جن کو مال ضائع ہونے یا کسی چیز کے فوت ہوجانے کا خوف ہو یا کسی مریض کی تیمارداری کرنی ہو۔

بہر حال مندرجہ بالا دلائل کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ:

۱۔ ان ایام میں حاجی کا قیام منیٰ سنت ہے، اور قیام ترک کرنے پر کوئی جزا واجب نہیں ہے لہٰذا عازم حج کو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ قیام وہیں رہے، بلاوجہ قیام ترک کریگا تو ترک سنت کے سبب گناہ ہوگا، البتہ کسی مجبوری (مثلاً منیٰ میں جگہ نہ ملنے یا منیٰ کے حدود کے باہر خیمہ ملنے وغیرہ) کے سبب قیام ترک کیا تو ان شاء اللہ گناہ بھی نہیں ہوگا۔

۲۔ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں کہ کوئی اثر نہیں پڑیگا، نہ جزا لازم ہوگی، البتہ بلاوجہ ایسا کرنے پر گناہ ہوگا۔

۳۔ اصل مسئلہ جیسا کہ گزر چکا حدود منیٰ میں قیام کے واجب یا سنت ہونے کا ہے، لہٰذا جب سنت ترک کردی، تو مکہ، مضافات مکہ یا مزدلفہ جہاں بھی ٹھہرے گا ایک ہی ہوگا (جو کہ جواب نمبر ا میں گزر چکا ہے) اس لیے کہ اوپر جو دلائل مذکور ہوئے ہیں وہ عام ہیں، چنانچہ رد المحتار میں ہے: ''ولو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (۲/ ۲۰۰)۔

ظاہر ہے کہ "بات بغیرھا" کے عموم میں یہ سب مقامات آجاتے ہیں۔

☆☆☆

حج میں رمی جمار کے اوقات۔ ایک شرعی جائزہ

مولانا اختر امام عادل [1]

شریعت نے رمی کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے، رمی کے لیے چار یوم مقرر ہے، ۱۰/۱۱/۱۲/۱۳ ذی الحجہ، پہلے دن کو یوم النحر اور بقیہ تین کو ایام تشریق کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

''واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون'' (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

(اور اللہ کا ذکر کرو (بعد رمی) مخصوص دنوں میں جو پہلے دو دنوں میں جلدی کر کے چلا جائے تو کوئی گناہ نہیں اور جو دیر سے جائے تو کوئی گناہ نہیں اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کرے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے)۔

البتہ ان تمام دنوں کے وظائف میں فرق ہے اور اس سلسلہ میں احادیث کے مضامین متنوع وارد ہوئے ہیں جن کی بنا پر فقہاء کے درمیان بھی بعض چیزوں میں اختلاف رائے واقع ہوا ہے جس کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

رمی بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ:

۱۰ ذی الحجہ کو باتفاق فقہاء صرف جمرۂ عقبہ (بڑے جمرہ) کی رمی واجب ہے، اس کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ صبح صادق ہی سے اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور دوسرے دن کی صبح صادق تک اس کا وقت جواز باقی رہتا ہے، البتہ وقت مسنون طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، زوال کے بعد سے غروب تک وقت جواز ہے کوئی کراہت نہیں، اور غروب آفتاب کے بعد سے گیارہ کی صبح صادق تک یا دس کی صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت بھی وقت جواز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں (ہدایہ مع الفتح لابن ہمام ۲/۵۱۱، ردالمحتار ۳/۴۷)۔

مگر وقت جواز میں یہ کراہت غیر معذورین کے لیے ہے، اگر کوئی شخص عذر (مرض، کمزوری، ازدحام وغیرہ) کی بنا پر غیر مسنون اوقات میں رمی کرے تو کچھ کراہت نہیں۔

علامہ شامی نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بنا پر ہو تو اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہے، البتہ اگر کسی عذر کی بنا پر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب ہو مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اس پر تاوان ہے، اور اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر عذر کے فجر سے قبل رمی کر لے تو اس نے برا کیا، مگر اس پر کچھ نہیں ہے، مذہب حنفی کے اکثر فقہاء کا مذہب اسی طرح ہے (ردالمحتار لابن عابدین ۲/۴۶۹)۔

حضرت امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ رمی کا وقت پہلے دن زوال تک ہی ہے اس کے بعد قضا ہو جاتی ہے، کیونکہ بعد کے تینوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور نصف آخر میں اس کا وقت رہتا ہے تو پہلے دن رمی کا وقت زوال تک رہنا چاہئے تا کہ نصف اول میں اس کی ادائیگی ہو (المبسوط ۴/۶۴، بدائع الصنائع ۲/۳۲۳-۳۲۴)۔

اگر کوئی شخص گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک رمی نہ کرے تو حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قضا کے ساتھ دم بھی واجب ہوگا، قضا کا وقت پورے ایام تشریق ہیں۔

صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، حضرت امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے، دراصل صاحبین کے نزدیک رمی کوئی موقت عمل نہیں ہے (بدائع

[1] ناظم جامعہ ربانی منورہ شریف، سمستی پور بہار

۳۲۶/۲)۔

مالکیہ کی رائے آغاز وقت کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کی ہے یعنی ۱۰ رتاریخ کی صبح صادق سے رمی کا وقت جواز شروع ہوجاتا ہے، ایک روایت میں امام احمد کی رائے بھی یہی ہے مگر ان کا مشہور مسلک اس کے خلاف ہے، البتہ انتہائے وقت کے سلسلہ میں ان کی رائے مختلف ہے، ان کے نزدیک غروب آفتاب پر رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد قضا کے ساتھ دم بھی ادا کرنا ہوگا (الشرح الکبیر ۴۸/۲، شرح الرسالہ بحاشیۃ العدوی ۴۷۷/۱، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ)۔

شافعیہ کے نزدیک یوم النحر کی نصف شب ہی سے رمی کا وقت جواز شروع ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس سے قبل وہ وقوف عرفہ کرچکا ہو، ان کے نزدیک وقت کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ افضل وقت: طلوع آفتاب سے زوال تک۔

۲۔ وقت اختیار: زوال سے غروب آفتاب تک۔

۳۔ وقت جواز: آخری ایام تشریق تک (المجموع للنووی ۱۶۲/۲، فتح الباری ۵۲۸/۳)۔

حنابلہ نے وقت کی صرف دو قسمیں کی ہیں، ان کے نزدیک بھی رمی کا وقت نصف شب سے شروع ہوجاتا ہے۔

۱۔ مگر افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے۔

۲۔ وقت جواز زوال سے غروب تک ہے، غروب کے بعد وقت ختم ہوجاتا ہے (المغنی مع الشرح الکبیر ۴۴۳/۳، ۴۴۹، المقنع ۴۵۶/۱، زاد المعاد لابن قیم ۲۵۸/۲، ۲۵۹)۔

متعلقہ روایات پر ایک نظر:

اس سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں آئی ہیں اور جن کو ائمہ کرام نے اپنے پیش نظر رکھا ہے ایک نظر ان پر بھی ڈال لینا مناسب ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم لوگ جب مزدلفہ پہنچے تو حضرت سودہ نے اپنے جسم کے بھاری پن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہوجائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی اور وہ راتوں رات منیٰ پہنچ گئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ ہی میں مقیم رہے، صبح جب تمام لوگوں کے ساتھ حضرت عائشہ منیٰ پہنچیں اور وہاں انسانوں کا ہجوم دیکھا تو فرماتی تھیں کہ کاش سودہ کی طرح میں بھی رات ہی چلی آتی تو مجھے بے پناہ خوشی ہوتی (بخاری، حدیث نمبر: ۱۶۸۰، مسلم ۷، حدیث نمبر ۱۲۹۰)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدلفہ سے منیٰ راتوں رات آنے کی اجازت ہے، مگر اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت سودہ نے منیٰ آکر رمی بھی رات ہی میں کرلی تھی روایت خاموش ہے، ممکن ہے کہ صبح صادق کے بعد ہی رمی کی ہو جیسا کہ دوسری روایت سے سمجھ میں آتا ہے، اور پہلے اس لیے پہنچیں تا کہ پہلے مرحلے میں فارغ ہوجائیں، اگر ایسا ہے تو حنفیہ کے نقطہ نظر سے بھی کچھ حرج نہیں، اس لیے کہ صبح صادق کے بعد وقت جواز شروع ہوجاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو اور سارا ساز وسامان رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا، ان سامانوں کے ساتھ حضرت ابن عباس بھی تھے مگر آپ نے چلتے وقت حکم فرمایا:

''لا ترموا الجمرة حتى تصبحوا'' (شرح معاني الآثار للطحاوي ٢،٢١٧)۔ (صبح سے قبل رمی نہ کرنا)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات میں منیٰ پہنچ جانے کے بعد بھی ان کو حکم دیا گیا کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے، اس روایت سے پہلی روایت کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ پہنچ کر نماز میں مشغول ہوگئیں تھوڑی دیر کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ بیٹے دیکھو! چاند غائب ہوگیا؟ غلام نے کہا: نہیں، وہ پھر نماز میں مشغول ہوگئیں، تھوڑی دیر کے بعد پھر دریافت کیا کہ چاند غائب ہوگیا، غلام نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: تو پھر یہاں سے کوچ کرو، وہاں سے وہ منیٰ پہنچیں اور منیٰ پہنچنے کے بعد پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور رمی کے بعد اپنے قیام گاہ پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی۔ غلام نے حضرت اسماء سے کہا کہ شاید ہم نے اندھیرے ہی میں رمی کرلی ہے، انہوں نے کہا: بیٹا! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (ابوداؤد ۲۸۱/۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند ڈوبنے کے بعد حضرت اسماء منیٰ کے لیے روانہ ہوئیں اور منیٰ پہنچنے تک صبح صادق کا آغاز ہو رہا تھا مگر بہت اندھیرا تھا، انہوں نے نماز سے قبل رمی کر لی، اس لیے کہ صرف ایک جمرہ کی رمی کرنی تھی اور پھر اپنی قیامگاہ پہنچ کر نماز ادا کی۔ رمی اور نماز فجر میں کوئی زیادہ وقفہ نہیں تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رمی صبح صادق کے بعد ہوئی تھی۔ ان کے غلام کو شبہ اس بنا پر ہوا کہ سویرا کھلا نہیں تھا، اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا تھا، اور اوپر کی روایت میں آچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے تو حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ عورتوں کے لیے اس حد تک اجازت ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوئی ہے کہ حضرت اسماء نے کوچ کی تیاری چاند ڈوبنے کے بعد کی اور دسویں رات کا چاند کم از کم آٹھ گھنٹے سے قبل نہیں ڈوبتا، اس لحاظ سے اندازہ یہ ہے کہ چاند کم از کم رات کے قریب تین بجے غروب ہوا ہوگا اس کے بعد تیاری میں کچھ وقت صرف ہوا ہوگا پھر سفر کا مرحلہ طے ہوا ہوگا، اس طرح کم از کم چار بجے سے قبل منیٰ نہیں پہنچ سکی ہوں گی اور چار بجے صبح صادق ہونا مستبعد نہیں، اور اس طرح راتوں رات سفر کرنا اور بالکل اندھیرے میں رمی کرنے کی اجازت خواتین اور معذورین کے لیے ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ اس کی توجیہ خود حضرت اسماء نے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے یعنی عورتیں ازدحام کے خوف سے اگر تنگی محسوس کریں تو مزدلفہ کا وقوف ترک کر کے راتوں رات منیٰ جا سکتی ہیں اور صبح کو ہجوم کا اندیشہ ہو تو اندھیرے ہی میں رمی کر سکتی ہیں، اور یہ حکم صرف عورتوں ہی کے لیے نہیں بلکہ بیماروں، کمزوروں اور دیگر معذوروں کے لیے بھی ہے۔ فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی اس کی گنجائش عذر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ اس میں بوقت رمی کی بھیڑ بھی شامل ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی رات ہی میں روانہ ہو جائے تا کہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل رمی کر سکے تو اس پر کچھ عائد نہیں ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ رمی کے وقت کی بھیڑ ہو یا راستے کی، ہمارے دور میں یہ لازماً ہوتی ہے، تب تو وقوف مزدلفہ کا حکم سب ہی کے لیے ساقط ہو جانا چاہئے، اس لیے بہتر ہے کہ اس میں عورتوں کی قید لگائی جائے کہ بھیڑ کا خوف عورتوں کے لیے عذر ہے مردوں کے لیے نہیں، الا یہ کہ بیمار ہو یا بہت زیادہ کمزور ہو یا اور کوئی شدید عذر ہو، اور اس کی وجہ سے وہ رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ آجائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت آتی ہے کہ وہ اپنے گھر کے کمزور لوگوں (عورتوں اور بچوں) کو آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے اور باقی لوگ رات کو مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور جب چاہتے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر وہ امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے قبل روانہ ہو جاتے تو کچھ لوگ منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچتے اور کچھ نماز کے بعد اور جو جس وقت پہنچتا اسی وقت جمرہ پر کنکریاں مار لیتا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ اجازت دی ہے (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۸۱۷، بحوالہ رمی جمار کے وقت میں توسیع ص ۲۶، ڈاکٹر صلاح الدین سلطان)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح صادق کے بعد بھی رمی کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی شخص ہجوم کے ڈر سے ایسا کرے تو اس کے لیے اس وقت میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں: ''أن رسول اللہ ﷺ رمی الجمرة یوم النحر ضحیً ورمیٰ فی بقیة الأیام بعد الزوال'' (بخاری: باب رمی الجمار ۳،۵۷۹، مسلم: باب بیان استحباب الرمی ۱۳۰۰، ترمذی: باب الرمی یوم النحر ضحی، حدیث نمبر ۸۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ذی الحجہ کو چاشت کے وقت (طلوع آفتاب کے بعد) رمی فرمائی اور اس کے بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

یہ وقت مسنون ہے اور باتفاق فقہاء سب سے افضل وقت ہے، مگر مضبوط اور توانا اور صاحب توفیق بندوں کے علاوہ عام لوگوں کے لیے اس فضیلت کو حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان بنی عبدالمطلب کے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

''ابینی لاترموا الجمرة حتی تطلع الشمس'' (بیٹے! جمرہ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل مت کرو) (سنن کبریٰ للبیہقی ۵،۳۲، سنن دار قطنی ۲،۲۷۳، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۰۲۵، المجتبیٰ من السنن للنسائی، باب النہی عن رمی جمرۃ العقبۃ قبل طلوع الشمس ۵،۲۷۰، ۲،۲۷۲)۔

اس حدیث میں تلقین کی گئی ہے کہ ممکن طور پر وقت افضل میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مخاطب آپ ہی کے خاندان کے نوجوان لڑکے ہیں جو مضبوط بھی تھے اور خاندانی شرافت کا تقاضا بھی تھا کہ وقت افضل کو وہ ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں دن میں رمی نہ کر سکا اور شام ہونے کے بعد رمی کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کچھ حرج نہیں (بخاری مع الفتح ۳/۵۶۸، باب إذا رمی بعد ما أمسی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد رمی کا وقت باقی رہتا ہے اور جو لوگ کسی وجہ سے دن میں رمی نہ کر پائیں تو ان کے لیے شام کے بعد رات میں بھی رمی کرنے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ ایک دوسری روایت بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے: ''أن النبي ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً'' (نبی کریم ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے) (مجمع الزوائد ۳/۲۶۰، الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۱۳۷۰، مسند بزار حدیث نمبر: ۱۱۳۰)۔

ان روایات سے مجموعی طور پر جو تاثر ابھرتا ہے کہ رمی کا اصل وقت جواز صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔

مگر حنفیہ کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں آپ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی (طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۱۳۷۹؛ مسند بزار: رقم ۱۱۲۹)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ چرواہوں کے ساتھ رعایت کسی عذر کی بنا پر نہیں تھی، اس لیے کہ عذر کی صورت میں نائب بنانے کی اجازت ہے، اگر فی الواقع وقت نہیں رہتا تو ان کو نائب بنانے کا حکم دیا جاتا لیکن مغرب کے بعد اجازت دینا وقت میں گنجائش کو ظاہر کرتا ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۲۴)۔

حنفیہ کی رائے توسع و اعتدال کی حامل ہے:

اسی طرح حنفیہ کے یہاں بڑی حد تک توسع اور اعتدال ملتا ہے۔ آخری دن (۱۳ / ذی الحجہ) کی رمی میں بھی جمہور علماء کے مقابلے میں حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں بہت توسع ہے، ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک آخری دن بھی زوال سے قبل رمی کی اجازت نہیں ہے، جبکہ سب اس پر متفق ہیں کہ غروب آفتاب سے رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور قضا کی بھی مدت باقی نہیں رہ جاتی ہے یعنی ہر شخص کو زوال سے غروب ہی تک کے دوران رمی کر لینی ہے ورنہ رمی فوت ہو جائے گی اور دم واجب ہوگا (سابقہ حوالہ جات)۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ آخری اور روانگی کا دن ہے، اگر کوئی شخص غروب کے بعد منیٰ سے روانہ ہو تو راستہ میں اس کے لیے دشواریاں پیش آسکتی ہیں، اس لیے چاہے تو زوال سے قبل ہی رمی کر کے فارغ ہو جائے (بدائع ۲/۳۲۶)۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی گئی ہے (الموسوعہ ۲۳/۱۵۸)۔

شامی نے زوال سے قبل رمی کو کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے (رد المحتار ۲/۴۸۰)۔ مگر بعض متاخرین حنفیہ نے حج کے موقع پر انسانی ہجوم اور وقت کی تنگ دامانی کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے اس قول کو زیادہ لائق ترجیح قرار دیا ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں (البحر العمیق، ارشاد الساری اور کتاب المناسک لملا علی قاری ۱/۱۶۱ وغیرہ کے حوالوں سے) یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

''فهو قول مختار يعمل به بلاريب وعليه عمل الناس وبه جزم بعض الشافعية حتى زعم الأسنوي أنه المذهب'' (۲۳.۱۵۸)۔ (یہی قول مختار ہے، بلاشبہ اسی پر عمل کیا جائے گا اور لوگوں کا عمل اسی پر ہے، اور بعض شوافع نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسنوی تو اس کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں)۔

موسوعہ فقہیہ کے مرتب نے اپنے خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زماننا'' (۲۳.۱۵۸)۔

(جس شخص کو بھیڑ کا اندیشہ ہو اور کوئی حاجت درپیش ہو اس کے لیے اسی قول کو اختیار کرنا مناسب ہے بالخصوص ہمارے دور میں)۔

زیادہ قابل قبول مسلک:

علماء نے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت کسی بھی مذہب فقہی پر عمل و فتویٰ کی گنجائش ہے جس کے لیے کچھ حدود اور ضوابط مقرر کئے گئے لیکن بحیثیت مجموعی ائمہ اربعہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک اس باب میں زیادہ محتاط، معتدل اور توسع کا حامل ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں آراء کی تشریح کے دوران اس کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۱۰ ذی الحجہ کو صبح صادق سے دوسرے دن کے صبح صادق تک رمی کا وقت ہے جو کافی وسیع وقت ہے۔

حضرت امام شافعی نے نصف شب ہی سے مانا ہے اور مزید توسع دی ہے، مگر اس میں ایک طرف وقوف مزدلفہ کا حکم متاثر ہوتا ہے، دوسرے کوئی مضبوط اور واضح دلیل اس موقف کے لیے نہیں ہے اور کام صبح صادق کے وقت کو مان کر بھی چل سکتا ہے، اس لیے احتیاط یہ ہے کہ نصف شب سے رمی کا آغاز نہ کیا جائے کہ ممکن ہے اللہ کے نزدیک یہ قبل از وقت رمی قرار پائے۔

۱۱ / ۱۲ / ۱۳ ذی الحجہ کی تواریخ میں بھی حضرت امام ابوحنیفہ صبح صادق ہی سے رمی کا وقت مانتے ہیں اور رات کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں جس سے بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔

دوسرے فقہاء زوال سے قبل رمی کا وقت نہیں مانتے ہیں۔ مالکیہ نے وقت رمی کو اور بھی زیادہ مختصر کر دیا ہے اور اس کو صرف غروب تک محدود کیا ہے۔

سوالات کے جوابات:

اس لحاظ سے حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب آسان اور دین کے مزاج اور زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ ہے، اس روشنی میں:

۱۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

۲۔ ۱۱ / ۱۲ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے۔

۳۔ ۱۱ / ۱۲ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بلا کراہت جائز ہے۔

۴۔ ۱۳ کی صبح صادق سے قبل منیٰ سے نکل جائے تو حرج نہیں لیکن صبح صادق کے بعد رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے اس لیے اس پر رمی لازم ہوجائے گی، اگر رمی نہ کرے گا تو دم لازم ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ جس نے ۱۳ کو نہ کیا ہو وہ ۱۲ کے غروب آفتاب سے قبل منیٰ چھوڑ دے، غروب کے بعد نکلنا مکروہ ہے، مگر تاوان واجب نہیں ہوگا، اور اگر تاخیر ہجوم کی وجہ سے ہوئی ہو تو کراہت نہیں ہوگی، البتہ رمی زوال سے قبل بھی کرسکتا ہے، شامی نے اسے مکروہ لکھا ہے (ردالمحتار ۳/ ۴۸۱)۔

مگر بعض متاخرین حنفیہ نے آج کے حالات میں اسی کو قابل ترجیح کہا ہے۔

۵۔ بہت زیادہ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کے لیے احتیاط یہ ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو صبح صادق میں اندھیرے میں ہی رمی کریں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لیے کہ وقت میں بہت گنجائش ہے، البتہ اگر معذورین کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کے بعد ہجوم کی وجہ سے رمی نہ کرسکیں گے، تو مناسب یہ ہے کہ وہ رمی کے لیے اپنا نائب مقرر کریں اور خود رمی کے لیے نہ جائیں اور نہ نصف شب کے بعد رمی کریں، کیونکہ نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے اس لیے رمی کو قبل از وقت کے خطرہ میں ڈالنا بہتر نہیں۔

منیٰ میں حجاج کے قیام کی شرعی حیثیت:

(۱، ۲، ۳) رمی کے درمیان حاجیوں کو منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے واجب نہیں، اس لیے منیٰ کے حدود میں قیام کرنا اگر کسی عذر کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو دوسری جگہ قیام کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ بلا عذر منیٰ کے حدود سے باہر قیام کرنا مکروہ ہے (ردالمحتار ۳/ ۴۷۰)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کا قیام

مولانا عابد احمد مجیبی [1]

اسلام میں حج ایک اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا قصد کرنا اور مکہ مکرمہ جاکر حج ادا کرنا ضروری ہے۔ حج کے اعمال میں وقوف عرفات، طواف زیارت، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، مزدلفہ میں رات گذارنا، منیٰ میں قیام کرنا وغیرہ ہیں۔ اسی طرح ایک اہم کام منیٰ میں شیطان کو کنکری مارنا بھی ہے۔ جس کو عربی میں رمی جمار کہتے ہیں۔

حج کے موقع پر رمی جمار چار روز مشروع ہے۔ جمرات تین ہیں۔ جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطی اور جمرہ عقبہ۔ ۱۰رذی الحجہ تا ۱۳رذی الحجہ تک۔ پہلے روز (دس ذی الحجہ کو) صرف جمرہ عقبہ پر رمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات پر رمی ہوتی ہے۔ اگر بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوجائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں رہتی۔

رمی جمرات کے اوقات:

۱۔ پہلے روز یعنی دس ذی الحجہ کو ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جمرہ عقبہ پر رمی کا اول وقت صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ صبح صادق سے قبل رمی جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے صبح صادق سے قبل رمی کی تو اس کو اعادہ کرنا ہوگا۔

احناف کے نزدیک اس روز طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس تک رمی کا وقت مسنون ہے۔ زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک رمی بلا کراہت جائز ہے۔ غروب شمس کے بعد سے آخر رات تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے۔ البتہ معذور لوگوں کے لیے رات میں بھی بلا کراہت رمی جائز ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

اس سلسلے میں دلائل حضرت رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع کے اعمال ہیں۔ احادیث کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ۱۰رذی الحجہ کو حضور ﷺ نے مزدلفہ سے واپس تشریف لانے کے بعد چاشت کے وقت رمی فرمائی تھی۔

''عن جابر ؓ قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (صحیح مسلم ۱/۴۲۰، أبوداؤد ۲۷۱، نسائی ۱/۴۹، صحیح ابن حبان ۱۰۵۹)۔ لیکن بعض لوگوں کو (جن میں خواتین اور بچے تھے) آپ نے مزدلفہ سے صبح سویرے روانہ کردیا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ صبح ہونے کے بعد رمی کریں۔

''عن ابن عباس ؓ أن النبي ﷺ كان يأمر نساءه وثقله صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد ولا يرموا الجمرة الا مصبحين'' (شرح معانی الآثار للطحاوي ۱/۴۳۶)۔

''عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ بعثه في الثقل وقال: لا ترموا الجمار حتى تصبحوا'' (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۴۳۶)، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کریں۔

''عن ابن عباس قال: قدّمنا رسول الله ﷺ ليلة المزدلفة أغيلمة بني عبد المطلب على جمرات فجعل يلطح أفخاذنا ويقول: أبيني! لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (أبوداؤد ۲۶۸، نسائی ۲/۴۹)۔

ان احادیث کے پیش نظر احناف کہتے ہیں کہ ۱۰رذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد رمی کا مسنون وقت ہے (دیکھئے: بدائع ۲/۳۲۳، عنایہ ۲/۳۹۴، کفایہ ۲/۳۹۵)۔

---

[1] استاذ، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو رمی جمار کا وقت نصف رات سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ امام نووی شافعی فرماتے ہیں:

''وهذا المذكور في جمرة العقبة يوم النحر سنة باتفاقهم، عندنا يجوز تقديمه من نصف ليلة النحر'' (شرح مسلم للنووی ۱،۴۲۰)۔

شوافع کے نزدیک نصف لیل سے ہی یوم النحر کی رمی کا وقت شروع ہو جانے کی دلیل ام المؤمنین حضرت ام سلمہ اور حضرت اسماءؓ سے مروی یہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رات میں رمی کی تھی۔

''عن عائشه أنها قالت: أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (أبوداؤد: كتاب المناسك؛ باب التعجيل من جمع)۔

''عن ابن جريج قال: حدثني عبدالله مولى أسماء عن أسماء أنها نزلت جمع عند المزدلفة، فقامت تصلي فصلت ساعة، ثم قالت: يابني ! هل غاب القمر؟ قلت: لا، فصلت ساعة ثم قالت: يابني اهل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: فارتحلوا، فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة، ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها، فقلت لها: يا هنتاه ! ما أرانا إلا قد غلسنا، قالت: يابني أن رسول الله ﷺ أذن للظعن'' (بخاری حدیث: ۱۵۹۷، باب من قدم ضعفه أهله بليل۔ مسلم حديث: ۲۲۷۴، باب استحباب تقديم الضعفة من النساء وغيرهن، شرح معاني الآثار للطحاوي ۱،۴۲۶، باب وقت رمی جمرة العقبة للضعفاء)۔

۲۔ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو رمی جمار کا وقت جمہور فقہاء کے نزدیک زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور رات تک جاری رہتا ہے، زوال کے بعد سے غروب شمس سے قبل تک مسنون وقت ہے۔ غروب آفتاب کے بعد سے آخر رات تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ البتہ معذور لوگوں اور عورتوں کے لیے اس وقت بھی بلا کراہت رمی جائز ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۸)۔

زوال شمس سے رمی کا وقت شروع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ۱۱/ ۱۲/ ۱۳ ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمرات پر رمی فرمائی تھی۔ صحابہ کرام بھی زوال شمس کے بعد ہی رمی کرتے تھے اور لوگوں کو اسی کا حکم دیتے تھے۔

''عن جابر قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى، ورمى بعد يوم النحر إذا زالت الشمس'' (ابوداؤد ۲۷۱)

''عن وبرة قال: سألت ابن عمر متى أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامك فارم، فأعدت عليه المسألة فقال: كنا نتحين زوال الشمس فإذا زالت الشمس رمينا'' (ابوداؤد ۲۷۱)۔

''مالك عن نافع أن عبدالله بن عمر ﷺ كان يقول: لاترمى الجمار في الأيام الثلاثة حتى تزول الشمس'' (موطا امام مالك ۱۵۸)۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ بھی کتابوں میں مروی ہے کہ دس ذی الحجہ کی طرح گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی رمی جمار کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے غروب سے قبل تک ہے (دیکھئے: البدائع ۲/ ۳۲۴، تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۱، فتح القدیر ۲/ ۳۹۳، شرح اللباب / ۱۶۱)۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک تیسرا قول مروی ہے کہ گیارہ ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو جن لوگوں کو منیٰ سے واپس مکہ جانا ہے، رات میں منیٰ میں قیام نہیں کرنا ہے صرف ان کے لیے یہ اجازت ہے کہ وہ بارہ ذی الحجہ کو زوال سے قبل ہی رمی کر کے مکہ جا سکتے ہیں۔

''وفي التجريد عن أبي حنيفة: لو أراد أن ينفر في اليوم الثالث فله أن يرمي قبل الزوال۔ وفي السغناقي: وإن رمى بعد الزوال فهو أفضل وإنما لايجوز الرمي قبل الزوال لمن لا يريد السفر به'' (تاتارخانیہ ۲،۴۶۱، نیز شرح اللباب ۱۶۱)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مشہور اور معتمد قول یہی ہے کہ زوال سے قبل ۱۱ ذی الحجہ کو رمی کا وقت نہیں ہے، زوال کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔

۳۔ ۱۳ رذی الحجہ کو ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک، نیز احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک زوال شمس کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ زوال شمس سے قبل رمی جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۳ رذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے اور غروب شمس تک رہتا ہے۔ زوال سے قبل بھی رمی جائز ہے، البتہ رمی کا مسنون وقت زوال آفتاب کے بعد ہے (شرح مسلم للنووی ار ۴۲۰، درمختار ار......، بدائع ۲ر۳۲۵)۔

۴۔ ۱۳ رذی الحجہ کی رمی نہ کرنے اور ۱۲ رذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ واپسی کا ارادہ ہو تو اس کا بہتر اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ ۱۲ رذی الحجہ کو رمی کر کے غروب آفتاب سے قبل حدود منیٰ سے نکل جائے اور مکہ چلا جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں اس کی موجودگی میں ہی آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اب وہ منیٰ سے بغیر ۱۳ رکی رمی کئے نہیں جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس طرح مروی ہے۔ اگر غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے جاتا ہے تو ایک دم لازم ہو جائے گا (شرح اللباب ر ۱۶۳)۔

لیکن احناف کے نزدیک ظاہر الروایۃ اور راجح قول یہ ہے کہ اگر غروب شمس کے بعد تک منیٰ میں رہ گیا تو پھر رات میں نکلنا مکروہ ہے۔ لیکن اس پر ۱۳ رذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوئی ہے۔ اب کثرت ازدحام کی وجہ سے یہ کراہت باقی نہیں رہی۔ اس لیے رات میں کسی وقت بھی اگلے روز کی صبح صادق سے قبل تک منیٰ سے مکہ مکرمہ جایا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے اور ۱۳ رکی رمی بھی واجب نہیں ہوگی۔ البتہ منیٰ میں ۱۳ رذی الحجہ کی صبح صادق ہو جائے تو ۱۳ رکی رمی واجب ہو جاتی ہے۔ ۱۳ رکو صبح صادق کے بعد بغیر رمی کئے مکہ چلے جانے پر دم لازم ہو جائے گا (شرح اللباب ر ۱۶۳)۔

۵۔ ۱۰ رذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت جمہور کے نزدیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل رمی کرنے سے اعادہ لازم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس تاریخ کی نصف رات سے ہی رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل حضرت ام سلمہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

لیکن جمہور نے ان روایات کو اس طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس میں تاویل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سلسلے میں صریح ہے کہ انہیں عورتوں اور بچوں کے ساتھ رات میں ہی مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا گیا تھا اور صبح ہونے سے قبل رمی کرنے سے منع فرمادیا گیا تھا۔ حدیث اوپر پیش کی جاچکی ہے۔ اس لیے جمہور فقہاء معذور افراد اور خواتین کے لیے بھی صبح صادق سے قبل رمی کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔

۱۰ رذی الحجہ کو رمی کے لیے بہت کافی وقت ملتا ہے۔ ۱۰ رکی صبح صادق سے لے کر گیارہ کی صبح صادق سے قبل تک ۲۴ رگھنٹے کا وقت ملتا ہے۔ جس میں اطمینان کے ساتھ سب لوگ رمی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کوئی ایسی شرعی ضرورت نہیں پائی جارہی ہے جس کی وجہ سے آدھی رات سے ہی رمی کرنے کی اجازت دیدی جائے۔

حج کی راتوں میں حدود منیٰ کے باہر قیام:

حجاج کرام جن اوقات میں منیٰ میں قیام کرتے ہیں، وہ ۸ رذی الحجہ تا ۱۲ رذی الحجہ کی تاریخیں ہیں۔ ان میں سے ۹ رذی الحجہ کو حجاج عرفات چلے جاتے ہیں۔ رات میں مزدلفہ میں قیام ہوتا ہے۔ ۱۰ رذی الحجہ کو صبح میں منیٰ واپسی ہوتی ہے۔ ۱۰ ر سے ۱۲ ر یا ۱۳ رذی الحجہ تک منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ اس زمانہ قیام میں تین راتیں ایسی ہیں جن میں حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ شب نو، شب گیارہ اور شب بارہ ذی الحجہ، اور جو حجاج تیرہ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے لیے منیٰ میں ٹھہرتے ہیں وہ شب تیرہ ذی الحجہ کو بھی قیام کرتے ہیں۔ ان راتوں کو "لیالی منیٰ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس زمانے میں حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ میں جگہ باقی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے حجاج کی ایک تعداد کے خیمے مزدلفہ میں لگتے ہیں۔ بعض لوگ منیٰ متصل مکہ مکرمہ کی آخری آبادی "حی العزیزیہ" میں قیام کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ان سوالات کے جواب درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت ہے:

ان اوقات میں حجاج کرام طواف زیارت کے لیے اور دوسرے کاموں کے لیے مکہ مکرمہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے دن میں کہیں بھی آجاسکتے ہیں۔ البتہ ان ایام کی راتیں منیٰ میں گزارنے کا حکم ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں منیٰ میں ہی قیام فرمایا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ منیٰ سے باہر رات گزارنے سے لوگوں کو منع فرمایا کرتے تھے۔ جمرہ عقبہ (جو مکہ کی جانب منیٰ کی آخری حد ہے) کے باہر قیام کرنے والوں کو منیٰ کے اندر قیام کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی منیٰ میں ہی شب گزارنے کا حکم دیتے تھے۔

''مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر أن عمر بن الخطاب قال لا يبيتن أحد من الحاج ليالي منىٰ من وراء العقبة'' (مؤطا إمام مالك ۱۵۸)۔

''عبدالرحمن بن فروخ يسأل ابن عمر قال: إنا كنا نتبايع بأموال الناس فيأتي أحدنا بمكة فيبيت على المال. فقال: أما رسول الله ﷺ فبات بمنىٰ وظل'' (أبوداؤد: مناسك، باب يبيت بمكة اليالى منىٰ)۔

ان راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک واجب ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اگر ان راتوں میں منیٰ میں قیام نہیں کیا جائے تو دم لازم ہوجائے گا۔ شوافع کے نزدیک بھی غیر معذور کے لیے قیام منیٰ کا ترک جائز نہیں ہے۔ ایک یا دو راتوں میں قیام ترک کرنے پر صدقہ لازم ہوگا۔

احناف کے نزدیک ان راتوں میں یا ان کے اکثر حصے میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے۔ عذر کے بغیر منیٰ سے باہر کسی دوسری جگہ (خواہ وہ منیٰ سے قریب ہی کیوں نہ ہو) رات گزارنا مکروہ ہے۔ البتہ اس قیام کے ترک پر کوئی جزا لازم نہیں ہوتی (دیکھئے: ہدایہ ۱/ ۲۵۳، فتح القدیر ۲/ ۳۹۵، شرح لباب المناسک / ۱۵۷)۔

اگر کوئی عذر کی بنا پر منیٰ میں رات کو قیام نہ کرے تو اس میں کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ میں جگہ باقی نہ ہو تو ایسے حجاج جن کو منیٰ میں جگہ نہ مل سکی ہو وہ منیٰ کا قیام ترک کرسکتے ہیں۔ یہ ان کے لیے عذر ہے، وہ منیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جیسے مکہ مکرمہ وغیرہ قیام کرسکتے ہیں اور حدود منیٰ سے باہر رات گزارنا ان کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

۲۔ حدود مکہ میں رہتے ہوئے رمی وغیرہ کے لئے جانا:

اگر بغیر کسی عذر کے کوئی حاجی منیٰ میں ان راتوں میں قیام نہ کرے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے، وہیں سے رمی کے وقت رمی کے لیے منیٰ آجایا کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر دم لازم ہوجائے گا۔ احناف کے نزدیک اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ اس پر کوئی دم لازم ہوگا۔ البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کررہا ہے تو اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہوگی کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو عذر کی وجہ سے مکہ میں قیام کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے چرواہوں کو ان کی حاجت کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی اجازت دیدی تھی۔

''عن ابن عمر قال استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالى منى من أجل سقايته فأذن له'' (أبوداؤد: مناسك، باب يبيت بمكة ليالى منى)۔

''عن أبي البداح بن عاصم بن عدي عن أبيه أن رسول الله ﷺ رخص للرعاة في البيتوتة الخ'' (نسائي: مناسك الحج، باب رمي الرعاة ابوداؤد مناسك، باب رمي الجمار)۔

۳۔ خارج منیٰ قیام کے حدود:

اگر بعض حجاج کو یہ مجبوری پیش آجائے کہ ان کو منیٰ میں قیام کی جگہ نہیں مل سکی تو وہ منیٰ کے قیام کو ترک کرسکتے ہیں اور حرم کے حدود کے اندر کہیں بھی قیام کرسکتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں، منیٰ سے باہر مزدلفہ میں، منیٰ سے متصل جمرہ عقبہ سے خارج، یا محلہ عزیزیہ میں کہیں بھی قیام پذیر ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں رات میں منیٰ کا قیام ترک کرنے پر کسی قسم کی کراہت نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی جزا لازم ہوگی۔

لیکن جن حجاج کے لیے منیٰ میں قیام گاہ موجود ہے اور وہ بلا کسی عذر کے رات میں منیٰ کے قیام کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ اپنی رہائش میں آجائیں یا منیٰ کے حدود سے باہر کسی جگہ رات میں قیام کریں تو اس میں ترک سنت کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

''فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه'' (رد المحتار ۲/ ۵۴۰)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی [۱]

رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: ''فأما یوم النحر فأول وقت الرمی فیه من وقت طلوع الفجر'' (ہدایہ ۱/۲۳۲، رشیدیہ دہلی)۔

(رہا قربانی کا دن (یعنی کہ دسویں ذی الحجہ) تو اس میں رمی کا وقت طلوع فجر کے وقت سے شروع ہوجاتا ہے)۔

ایک قول کے مطابق یہی مسلک امام شافعی کا ہے: ''فإن رماها قبل الفجر أعادها ... وقال الشافعي لا بأس به وإن كان المستحب هو بعد طلوع الشمس'' (بداية المجتهد ۱، ۳۵۰)۔ (تو اگر کوئی شخص فجر سے پہلے رمی کرلے تو وہ اس کو دہرائے گا۔۔۔۔۔ لیکن امام شافعی '' کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ مستحب یہ ہے کہ یہ طلوع شمس کے بعد ہو۔ یعنی کہ رمی سورج نکلنے کے بعد کی جائے)۔

مغنی ابن قدامہ میں اس کی مزید تفصیل ہے جس کے مطابق حضرات حنفیہ کے علاوہ امام احمد اور دیگر ائمہ کی رائے بھی اس کے حق میں ہے۔ صاحب مغنی علامہ حافظ ابن قدامہ اور مقدسی نے اس سلسلے میں دس ذی الحجہ کی رمی جمار کے دو اوقات بتائے ہیں۔ افضل وقت اور وقت جواز۔ جہاں تک افضل وقت کا سوال ہے تو اس جمرہ کی رمی کے دو وقت ہیں: ایک وقت فضیلت اور استحباب کا ہے، اور دوسرا جواز اور گنجائش کا، تو جہاں تک فضیلت اور استحباب کے وقت کا سوال ہے تو یہ سورج نکلنے کے بعد کا وقت ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸)۔

اس کے بعد جواز کے وقت کا بیان ہے، اس کے سلسلے میں ایک دوسری رائے کے بیان کے بعد آگے فرماتے ہیں:

''وعن أحمد أنه يجزئ بعد الفجر قبل طلوع الشمس، وهو قول مالك وأصحاب الرأي وإسحاق وابن المنذر'' (المغنی ۳، ۴۲۹)۔ (امام احمد سے روایت ہے کہ فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اور یہی قول امام مالک اور حضرات حنفیہ کا ہے۔ اور امام اسحاق اور ابن منذر بھی اسی کے قائل ہیں)۔

اس کے حق میں دلیل حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ '' کو اس کی اجازت دی تھی کہ وہ قربانی کی رات یعنی کہ دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی فجر سے پہلے کرسکیں (حوالہ سابق)۔

علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) اس سلسلے کی تمام روایات کے استقصاء کے بعد اس کے متعلق جو رائے قائم کرتے ہیں وہ بھی اسی کے حق میں ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''وهذا الذي دلت عليه السنة جواز الرمي قبل طلوع الشمس للعذر بمرض أو كبر يشق عليه مزاحمة الناس لأجله وأما القادر الصحيح فلا يجوز له ذلك'' (زاد المعاد ۲، ۲۵۲)۔

(اور یہ جو سنت سے ثابت ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی جائز ہے تو یہ عذر کی وجہ سے ہے، جیسے کہ کوئی بیماری ہو یا بڑھاپا ہو جس کی وجہ سے آدمی لوگوں سے دھکم پیل نہ کرسکے۔ لیکن جہاں تک تندرست و توانا کا سوال ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے)۔

---

[۱] ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔ اگر چہ اس پر علماء کا اجماع نقل کیا گیا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد تشریق کے باقی تینوں دن ۱۱/ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ یہ زوال کے بعد ہو۔ اس کے برخلاف زوال سے قبل رمی کرنے کی صورت میں جمہور علماء کے نزدیک زوال کے بعد اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۳)۔

لیکن اسی سے متصل امام ابوجعفر محمد بن علی کی رائے نقل کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک وسعت ہے اور ان ایام میں رمی جمار طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کی جاسکتی ہے: وروی عن أبي جعفر محمد بن علی أنه قال رمی الجمار من طلوع الشمس إلى غروبها (حوالہ سابق)۔

حضرات حنفیہ کے علاوہ اس کے حق میں ایک رائے امام اسحاق کی بھی ہے کہ تشریق کے دنوں میں آدمی جس دن رمی کے بعد وہاں سے نکلنا چاہے وہ زوال سے قبل رمی کر سکتا ہے، البتہ وہ نکلے گا زوال کے بعد ہی، اس کے حق میں ایک رائے امام احمد کی بھی ہے، اور عکرمہ بھی اسی رخصت کے قائل ہیں، لیکن امام طاؤس اس سے آگے زوال سے قبل رمی کی رخصت کے علاوہ اس سے قبل وہاں سے کوچ کے بھی جواز کے قائل ہیں (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۵۲)۔

او پر اس سلسلے میں صاحب بدایۃ المجتہد نے جس اجماع کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل صاحب مغنی کے یہاں اس طرح ہے:

تشریق کے دنوں (یعنی ۱۱/ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ) میں رمی زوال کے بعد ہی کی جاسکتی ہے۔ تو اگر کوئی شخص زوال سے قبل رمی کرتا ہے تو وہ اس کا اعادہ کرے گا۔ فقہ حنبلی کا یہ منصوص مسئلہ ہے، اسی کی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے، اور اس کے قائل امام مالک، ثوری، شافعی، اسحاق اور حضرات حنفیہ ہیں۔ اور اسی کی روایت حسن بصری اور عطاء سے ہے (حوالہ سابق)۔

اس موقع پر حضرات حنفیہ (اصحاب الرائے) کے جس مسلک کا حوالہ ہے وہ ائمہ احناف میں صاحبین یعنی کہ امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے کے مطابق ہے، جیسا کہ ہدایہ میں اس کا تذکرہ ہے:

"وإذا كان من الغد رمی الجمار الثلاث بعد الزوال" (ہدایہ ۱/ ۲۳۲) (۱۰ ذی الحجہ کے بعد جب دوسرا دن ہو تو تینوں رمی کو زوال کے بعد کرے)۔

اس سے اوپر حضرات حنفیہ کی جس رخصت کا بیان ہے وہ چوتھے دن کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے ہے، اور یہ بر بنائے استحسان ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں آگے ہے:

"وإن قدم الرمي في هذا اليوم يعني اليوم الرابع قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند أبي حنيفة هذا استحسان" (حوالہ سابق)۔

(اس دن یعنی کہ چوتھے دن (۱۳ ذی الحجہ تشریق کا چوتھا دن) میں اگر وہ رمی کو پہلے کرلے یعنی کہ زوال سے پہلے فجر کے بعد تو رمی کرنا جائز ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور یہ بر بنائے استحسان ہے)۔

چوتھے دن کے سلسلے میں امام اعظم ابوحنیفہ کی یہ جو رائے ہے اس کی عقلی دلیل کے علاوہ جس کی تفصیل اس موقع پر ہے، اس کے حق میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ہے (حوالہ سابق)۔

او پر امام اسحاق سے اس سلسلے میں جو دونوں رائے ہے تو اس کی توجیہ ظاہر ہے کہ فضیلت کا وقت ان کے نزدیک زوال کے بعد کا ہے لیکن جواز اور رخصت زوال سے قبل بھی ہے جس میں زیر نظر سوال صبح صادق بھی شامل ہے۔ آج کے دور از دحام میں اس رخصت سے کسی کراہت کے بغیر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۳۔ امام ابوجعفر محمد بن علی کی او پر ذکر کردہ رائے کے مطابق جس میں تشریق کے دنوں میں رمی جمار کا وقت طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کہا گیا ہے: "رمی الجمار من طلوع الشمس إلى غروبها" (بداية المجتهد ۱، ۳۵۳)۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بلاکراہت جائز ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں اس رخصت کا بیان مطلق کسی کراہت کے تذکرے کے بغیر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں (رعاة

الابل") کو دس ذی الحجہ کی جمرۂ عقبہ کی رمی کے سلسلے میں ان کی ضرورت کی رعایت سے جو دس ذی الحجہ کی رات (یعنی کہ ۹ ر ذی الحجہ کا دن ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والی دسویں ذی الحجہ کی رات) میں رمی کی رخصت دی تھی (بدایۃ المجتہد ا/۳۵۱) جس کی بنیاد پر امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی اس رائے کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص دس ذی الحجہ کی پہلی رمی/رمی جمرۂ عقبہ کو اس دن کی رات (یعنی کہ دسویں تاریخ کے ختم ہونے کے بعد گیارہویں کی رات) یا اگلے دن کے لئے موخر کردے تو اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہوگا، اسی رائے کے قائل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ "قال ابوحنیفه: أن رمی من اللیل فلاشئ علیه" (حوالہ سابق)۔

اونٹ کے چرواہوں کو دسویں تاریخ کی پہلی رمی کے سلسلے میں حاصل ہونے والی اس رخصت کے حوالہ سے امام ابن قیمؒ بعد کی ایام تشریق کی دوسری رمیوں ۱۱/ ۱۲ ر ذی الحجہ) کے سلسلے میں بھی دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس کو اسی طرح ممتد مانتے ہیں، جس میں وہ اس دوسری رخصت کا اضافہ بھی کرتے ہیں کہ دو دن کی رمی ایک ساتھ بھی کی جاسکتی ہے۔

"وأما الرمی فإنهم لایترکونه بل لهم أن یوخروه إلی اللیل فیرمون فیه. ولهم أن یجمعوا رمی یومین في یوم" (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲۹۰.۲، بیروت)۔

۴۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ ۱۲ ر ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو اگلے دن یعنی ۱۳ ر ذی الحجہ کی رمی بھی اگر اسی دن مکمل کرلی جائے تو ۱۳ ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔ دو دن کی رمیوں کو ایک دن میں مکمل کرلینے کے جواز کی رائے کا ذکر اوپر زاد المعاد کے حوالہ میں ہے، بدایۃ المجتہد میں اس کی مزید تفصیل ہے۔ اس کے مطابق اونٹ کے چرواہوں (رعاۃ الابل) کو دسویں ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں جو رخصت دی گئی تھی، یہ رخصت اسی طرح تشریق کے دن یعنی کہ ۱۲ ر ذی الحجہ کی لئے اس معنیٰ میں موثر تھی کہ وہ چاہیں تو اسی دن یعنی کہ ۱۲ ر ذی الحجہ کو اس سے اگلے دن ۱۳ ر ذی الحجہ کی بھی رمی کر کے اسی دن وہاں سے کوچ کر جائیں اور اس طرح حج سے فارغ ہو جائیں (بدایۃ المجتہد ا/۲۵۰، نیز زاد المعاد ۲/۲۸۹)۔

اس سے متصل اس کی مزید وضاحت ہے کہ اس رخصت میں جمع تاخیر کے ساتھ جمع تقدیم بھی شامل ہے۔ یعنی کہ جس طرح ۱۲ ر ذی الحجہ کو ایک ساتھ ۱۱/ اور ۱۲ ر کی رمی کی جاسکتی ہے، اسی طرح ۱۲ ر کو اس کے ساتھ ہی ۱۳ ر کی رمی بھی مکمل کی جاسکتی ہے اور جمع تاخیر کی صورت میں اس پر قضاء کا اطلاق ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ا/۲۵۲ ـ ۲۵۳)۔

۱۰ ر ذی الحجہ کی جمرۂ عقبہ کی پہلی رمی کے بعد ایام تشریق کی باقی تینوں رمیوں ۱۱/ ۱۲/ ۱۳ ر ذی الحجہ کے سلسلے میں افضل تو یہی ہے کہ تینوں دن منیٰ میں ٹھہر کر یہ رمی علیحدہ علیحدہ مکمل کی جائے لیکن اس کی گنجائش ہے کہ ۱۲ ر ذی الحجہ ہی کو ۱۳ ر ذی الحجہ کی رمی بھی پوری کرلی جائے۔ اس کا تذکرہ دوسری جگہ بھی ہے:

"ثم یرمی في الیوم الثاني من أیام منیٰ مثل ما رمی في الأول. ثم إن شاء رمی في الیوم الثالث. وهو الأفضل. وإن شاء تعجل في الثاني بنفسه قبل غروب الشمس، کما قال تعالیٰ (فمن تعجل في یومین فلا أثم علیه) (فتاویٰ ابن تیمیه ۲۶.۱۴۰ـ ۱۴۱، طبع جدید سعودی عرب)۔

(منیٰ کے دنوں میں دوسرے دن (یعنی کہ ۱۲ ر ذی الحجہ کو) بھی وہ اسی طرح رمی کرے گا جس طرح کہ پہلے دن (یعنی کہ ۱۱ ر ذی الحجہ) رمی کیا۔ پھر اگر وہ چاہے تو تیسرے دن (یعنی کہ ۱۳ ر ذی الحجہ کو) بھی وہ رمی کرلے اور یہی افضل ہے، اور اگر چاہے تو دوسرے دن ۱۲ ر ذی الحجہ کو) سورج ڈوبنے سے پہلے وہاں سے جلد نکل جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تو جو دو دن میں ہی وہاں سے جانکلنا چاہے تو اس کی وجہ سے اس کے اوپر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے)۔

تفسیر میں بھی اس رخصت اور رعایت کا تذکرہ اسی طرح ہے، اوپر کی سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ر ۲۰۳ کے تحت علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"وقال ابن عباس والحسن وعکرمة ومجاهد وقتادة والنخعي من رمی في الیوم الثاني من الأیام المعدودات فلا حرج. ومن تأخر في الثالث فلا حرج فمعنی الآیة کل ذلك مباح" (تفسیر فتح القدیر للشوکانی ۱.۲۰۵، دار المعرفه بیروت)۔

(اور عبد اللہ بن عباسؓ، حسن، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور نخعی کا کہنا ہے کہ گنتی کے دنوں (تشریق کے دنوں) میں جو شخص دوسرے دن (۱۲ ر ذی الحجہ کو) رمی کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور جو تاخیر کر کے تیسرے دن (۱۳ ر ذی الحجہ کو) ایسا کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب

ہے کہ یہ سب جائز ہے)۔

علامہ ابن تیمیہ کے اوپر کے حوالہ میں ۱۲ رذی الحجہ کو رمی مکمل کرنے کی صورت میں واپسی کا وقت سورج ڈوبنے سے قبل ضرور لکھا گیا ہے اور اعلام امت کی اکثریت کی رائے بھی یہی ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ ۱۲ رذی الحجہ کو اگر منیٰ میں اس کا قیام غروب آفتاب کے بعد تک رہ جائے تو پھر اسے وہاں ٹھہر کر تیسرے دن یعنی ۱۳ رذی الحجہ کا رمی کرنا لازم ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۴، ۴۰۵)۔

اس تفصیل کی روشنی میں جیسا کہ جواب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا آدمی اگر تینوں رمی مکمل کرلے تو اگر وہ ۱۲ رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد بھی منیٰ میں ٹھہرا رہ جائے تو اس کے اوپر ۱۳ رذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان جیسے دوسرے لوگ دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس تاریخ کو رمی کا افضل وقت سورج نکلنے کے بعد کا ہی ہے جیسا کہ جواب نمبر ۱ میں اس کی تفصیل گزرچکی ہے، لیکن جواز کا وقت نصف شب سے شروع ہوجاتا ہے جیسا کہ مغنی میں اس کی صراحت ہے:

''وأما وقت الجواز، فأوله نصف الليل من ليلة النحر'' (المغنی لابن قدامہ ۳.۴۲۸)۔

(جہاں تک جواز کے وقت کا سوال ہے تو یہ قربانی کی رات (یعنی کہ ۹ رذی الحجہ کا دن گزرجانے کے بعد والی رات کو) نصف شب سے شروع ہوجاتا ہے)۔

ائمہ میں یہ قول عطاء، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد اور حضرت امام شافعیؒ کا ہے (مغنی، حوالہ بالا)۔ اس کے حق میں حضرت اسماءؓ کی یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ انہوں نے ۱۰ رذی الحجہ کی رمی رات میں کی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وہ معمولاً ایسا کیا کرتی تھیں:

''وحديث أسماء أنها رمت الجمرة بليل وقالت: إنا كنا نصنعه على عهد رسول الله ﷺ'' (بداية المجتهد ۱.۲۵۱)۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے عمل سے بھی اس کے حق میں ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی روایت کے الفاظ ہیں:

''قالت: قدمني رسول الله ﷺ فيمن قدم من أهله ليلة المزدلفة. قالت: فرميت بليل، ثم مضيت إلى مكة، فصليت الصبح ثم رجعت إلى منى'' (زاد المعاد فی هدی خیر العباد ۲.۲۵۰۔۲۵۱)۔

(فرماتی ہیں کہ اپنے اہل خانہ میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو پہلے جانے کی اجازت دی تھی مزدلفہ کی رات میں (یعنی ۹ رذی الحجہ کو) تو ان میں میں بھی شامل تھی۔ چنانچہ میں نے (۹ ر کے بعد کی) رات میں رمی کرلی۔ پھر میں مکہ گئی اور وہاں میں نے فجر کی نماز پڑھی، پھر منیٰ لوٹ آئی)۔

اس روایت کی روشنی میں نصف شب سے پہلے بھی اگر معذورین ۱۰ رذی الحجہ کی رمی کرنا چاہیں تو اس کے لئے گنجائش نکلتی ہے۔ اوپر اونٹ کے چرواہوں کی روایت میں بھی ان کو رات میں رمی کی اجازت مطلق ہے۔ علامہ ابن قیم کی رائے کے مطابق اس معاملے میں قادر، غیر قادر، اور معذور، غیر معذور کا بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کے مختلف اوقات کے بیان میں وہ اس کی صراحت کرتے ہیں، اور اس رائے کے قائلین میں حضرت امام شافعی اور امام احمد کو شامل کرتے ہیں:

''وفي المسئلة ثلاثة مذاهب أحدها الجواز بعد نصف الليل مطلقاً للقادر والعاجز كقول الشافعي وأحمد رحمهما الله'' (زاد المعاد ۲.۲۵۲)۔

(اس مسئلے میں تین رائیں ہیں ایک یہ کہ نصف شب کے بعد یہ قادر اور درماندہ ہر ایک کے لئے مطلق جائز ہے، جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کا یہی کہنا ہے)۔

اہم بات وہ ہے جو وہ آگے کہتے ہیں: ''والذي دلت عليه السنة، إنما هو التعجيل بعد غيبوبة القمر، لا نصف الليل وليس مع من حده بالنصف دليل والله أعلم'' (زاد المعاد فی هدی خیر العباد ۲.۲۵۲)۔

(سنت سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ کہ (نویں ذی الحجہ کا دن کے گذرنے کے بعد کی رات میں) جو شخص رمی سے جلد فارغ ہونا چاہے تو چاند کے ڈوبنے کے

بعد سے ہی اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔اس کے لئے نصف شب کا انتظار ضروری نہیں ہے، اور جن لوگوں نے اس کے لئے اس کو ضروری قرار دیا ہے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ دسویں ذی الحجہ کی رمی کے بعد تشریق کے باقی دنوں ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں قیام فرمایا:

''ثم رجع إلى منى فمكث بها ليالي أيام التشريق'' (المغنی لابن قدامه ۳۰۴۴۹)۔

(پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ لوٹ آئے اور تشریق کے تمام دنوں کی راتوں (۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا)۔

اس کی بنیاد پر جمہور علماء کے نزدیک ان رمیوں کے لئے منیٰ کا قیام واجب ہے۔ دوسری رائے کے مطابق یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ حضرات حنفیہ کے علاوہ اس کے حق میں ایک قول امام شافعی کا اور ایک روایت امام احمد سے ہے (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/ ۲۸۹) مختصر خرقی کے متن کے ظاہر کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ واجب ہے: ''وظاهر كلام الخرقي أن المبيت بمنى ليالي منى واجب'' (المغنی ۳، ۴۴۹)۔

(خرقی کے کلام کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے)۔

اس کی ایک روایت امام احمد سے ہے اور یہی قول عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء کا ہے، حضرت عمر بن الخطاب سے بھی اسی کی روایت کی گئی ہے۔ اور یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے (مغنی حوالہ سابق)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ قیام واجب نہیں ہے، والثاني ليس بواجب (حوالہ مذکور) اس کے حق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت بھی ہے:

''إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (حوالہ سابق)۔ (یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کو جب تم جمرہ عقبہ سے فارغ ہوجاؤ تو جہاں چاہے قیام کرو)۔

اس کی عقلی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ: ''ولأنه قد حل من حجه فلم يجب عليه المبيت بموضع معين، كليلة الحصبة'' (حوالہ مذکور)۔

(نیز اس لیے کہ وہ حج سے حلال ہوگیا تو اب اس کے لئے کسی متعین جگہ پر رات گزارنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ تشریق کے بعد کے دنوں کی راتوں میں وہ اس کے لئے آزاد ہوتا ہے)۔ آخر میں اس کا بیان ہے کہ اگر منیٰ میں کوئی قیام نہ کرے تو اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

''فإن ترك المبيت بمنى فعن أحمد لا شيء عليه وقد أساء وهو قول أصحاب الرأي'' (المغنی ۳، ۴۴۹۔ ۴۵۰)۔

(تو اگر وہ منیٰ میں نہ ٹھہرے تو امام احمد سے روایت ہے کہ اس کے اوپر کچھ نہیں ہے لیکن اس نے اچھا نہیں کیا، اور یہی رائے حضرات حنفیہ کی ہے)۔

اس کے حق میں ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ان کے سقایہ پانی پلانے کے منصب کی وجہ سے اس کی رعایت دی تھی کہ وہ منیٰ کی راتوں میں مکہ میں قیام کرسکیں (مغنی ۳/ ۴۴۹، نیز زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/ ۲۸۹)، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں (رعاء الابل) کو بھی اس کی اجازت دی تھی کہ وہ ان راتوں میں منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس قیام کرسکیں (زاد المعاد ۲/ ۲۸۹)، اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن قیم آگے فرماتے ہیں:

''فيجوز للطائفتين بالسنة ترك المبيت بمنى'' (زاد المعاد ۲، ۲۹۰)۔

(سنت کے لحاظ سے دونوں رایوں کے قائلین کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی گنجائش ہے)۔

اوپر کے دونوں واقعات کی بنیاد پر آگے اسی طرح کے دیگر اہل اعذار کے لئے بھی وہ اس رخصت کو اسی طرح دراز مانتے ہیں:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سقایہ کے منصب داروں (حضرت عباسؓ) اور (اونٹ کے) چرواہوں کے لئے منیٰ میں رات گزارنے کے معاملے میں رخصت مرحمت فرمائی تو اسی طرح جس شخص کے پاس کوئی مال ہو جس کے ضائع جانے کا اندیشہ ہو یا اس کا کوئی مریض ہو جس سے اس کے دور رہنے میں اس کے نقصان

کا اندیشہ ہو، یا وہ خود مریض ہو اور منیٰ میں قیام اس کے لئے ممکن نہ ہو تو نص کا تقاضا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کے لئے منیٰ میں قیام ضروری باقی نہ رہے (حوالہ سابق)۔

ہدایہ میں اس پوری بحث کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے: ''ویکره أن لایبیت بمنی لیالی الرمی لأن النبي ﷺ بات بها وعمر ﷺ كان يؤدب على ترك القيام بها'' (هدایه ۱،۲۳۳)۔

(اور مکروہ ہے کہ رمی کی راتوں میں آدمی منیٰ میں رات نہ گزارے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے یہ راتیں وہیں گزاری ہیں، اور حضرت عمرؓ لوگوں کو ایسا نہ کرنے پر تنبیہ کرتے تھے)۔

آگے اس پر کوئی کفارہ نہ ہونے کا بیان ہے: ''ولو بات في غيرها متعمدا لايلزمه شئ عندنا خلافاً للشافعي لأنه وجب ليسهل عليه الرمي في أيامه فلم يكن من أفعال الحج فتركه لايوجب الجابر'' (حوالہ سابق)۔

(اگر کوئی شخص جان بوجھ کر منیٰ میں قیام نہ کرے تو ہمارے نزدیک اس کے اوپر کچھ لازم نہ ہوگا۔ امام شافعی کی رائے اس سے مختلف ہے، اس لئے کہ اس کا وجوب اس وجہ سے ہے تاکہ آدمی کے لئے رمی میں آسانی ہو، تو یہ حج کے افعال میں سے نہیں ہے تو اس کے ترک سے اس کی تلافی واجب نہ ہوگی)۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر بھی جان بوجھ کر ان ایام میں منیٰ میں قیام نہ کرے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ لیکن نبی عربی ﷺ نے ان رمیوں کے لئے منیٰ میں قیام فرمایا ہے تو بہتر ہے کہ کوئی عذر نہ ہو تو ترک سنت سے احتراز کیا جائے، اور دو رات کے قیام میں دشواری ہو تو کم از کم ایک رات ضرور منیٰ میں قیام کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

۲۔ اوپر کی تفصیل سے صاف ہے کہ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور رمی جمرہ کے لئے وہیں سے جائے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ اسی تفصیل سے یہ بھی صاف ہے کہ مکہ یا اس کے مضافات حدود حرم میں حاجی کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔ اس کے لئے منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں شب گزاری کا مسئلہ

مولانا نورالحق رحمانی[☆]

دس ذی الحجہ کو یعنی پہلے دن کی رمی صبح سے لے کر شام تک ہوسکتی ہے، اور اکثر فقہاء کے نزدیک سورج غروب ہونے کے بعد گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے، صرف امام مالک کے نزدیک غروب تک وقت رہتا ہے اس کے بعد نہیں، اس طرح جمہور فقہاء کے نزدیک دس ذی الحجہ کے طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک بھی رمی جمار جائز ہے، بلکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کی رو سے نصف شب سے ہی رمی کی جاسکتی ہے، اس طرح دس ذی الحجہ کو رمی کی لیے تقریباً ۲۴ رگھنٹے کا وقت مل جاتا ہے، اور آخری دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہے، اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کو رمی کر کے مکہ چلا جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی ان سے ساقط ہوجائے گی، رمی جمار کے سلسلے میں سورہ بقرہ میں فرمایا گیا:

''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه'' (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

(تو جو شخص دو دنوں میں (یعنی گیارہ بارہ اور بارہ ذی الحجہ کے بعد) جلدی کرے (اور منیٰ سے چلا جائے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

اصل مسئلہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا ہے، جس میں جمہور ائمہ کے راجح قول کی رو سے رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب تک سب کے نزدیک وقت باقی رہتا ہے۔

اور امام مالکؒ کے نزدیک غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، امام شافعیؒ کے مشہور اور اصح قول کی رو سے بھی غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اس قول کی بنیاد پر ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کی بعد سے غروب تک ہے، اور زوال سے غروب تک جاڑے کے دنوں میں تقریباً پانچ گھنٹوں کا وقت ہوتا ہے، اس موقع پر قابل غور بات یہی ہے کہ کیا پانچ گھنٹوں میں تیس سے چالیس لاکھ تک حجاج کرام کی رمی ہوسکتی ہے، بعض اہل علم نے تحقیق اور اعداد وشمار کے ذریعہ یہ رپورٹ پیش کی ہے کہ اتنی بڑی تعداد کا اتنے محدود وقت میں رمی کرنا ممکن ہی نہیں، ایک گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ دو سے تین لاکھ افراد رمی کرسکتے ہیں، اس طرح پانچ گھنٹوں میں رمی کرنے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ لاکھ ہوسکتی ہے، اس طرح آدھے سے زیادہ لوگ رمی سے رہ جائیں گے، یا پھر ایک دوسرے سے مسابقت اور ازدحام کے نتیجے میں حادثات پیش آئیں گے، اور پچھلے برسوں کی طرح معصوم جانیں ضائع ہوں گی۔ اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ امت کے علماء سلف اور ائمہ وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں امت کو اس مشکل اور تنگی سے نکالا جائے اور حادثات پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ تتبع رخص کی نیت سے ضعیف اور مرجوح اقوال کو اختیار کرنا غلط ہے لیکن امت کو واقعی پریشانی اور تنگی سے نکالنے کے لیے مرجوح اور ضعیف قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف عدول کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثال موجود ہے کہ خود علماء حنفیہ نے بوقت ضرورت فقہ حنفی سے عدول کر کے بعض دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے۔

بہرحال جمہور فقہاء کے قول کی رو سے گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے، ان کے نزدیک ان دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے بعد ہی رمی کی ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کی

[☆] استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پٹنہ۔

روسے جو ظاہر الروایت نہیں ہے، اسی طرح بعض حنابلہ کے قول کی روسے ان دونوں دنوں میں صبح سے رمی کرنے کی گنجائش ہے، اور موجودہ حالات میں رفع حرج اور دفع ضرر کی خاطر، اور امت کو تنگی اور پریشانی سے بچانے اور لوگوں کی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اس قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، اور اس کے جواز کی دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ایام تشریق (١١/ ١٢/ ١٣/ ذی الحجہ) کو یوم النحر (١٠/ ذی الحجہ) پر قیاس کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام ایام قربانی کے ہیں، اس لیے جس طرح پہلے دن زوال سے قبل جائز ہے اسی طرح اس کے بعد والے دنوں میں بھی زوال سے قبل رمی جائز ہوگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ آپ نے ان دنوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے اسے افضلیت اور سنت پر محمول کیا جائے گا، جس طرح دسویں ذی الحجہ کو بھی آپ نے سورج طلوع ہونے کے بعد چاشت کے وقت رمی کی ہے حالانکہ دس ذی الحجہ کو صبح صادق سے رمی کرنا تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ افضل اور سنت طلوع آفتاب کے بعد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو دن کے بجائے رات میں رمی کرنے کی اجازت دی حالانکہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے مشہور قول کی رو سے رمی کا وقت غروب تک ہی ہے اور غروب کے بعد وقت ختم ہوجاتا ہے، تو جب شریعت میں چرواہوں کی ضرورت ملحوظ رکھی گئی اور ان کی مصلحت کی رعایت کی گئی تو جہاں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو جان کے تحفظ کی خاطر اس قول کو کیوں نہیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔

شامی میں ہے: ''وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز'' (حاشیہ رد المحتار مع الدر ٢.٥٢٢)۔

(قربانی کے دنوں میں سے دوسرے اور تیسرے دن (یعنی ١١/ اور ١٢/ ذی الحجہ کو) تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، لہٰذا مشہور قول کی رو سے زوال سے قبل رمی جائز نہیں، اور ایک قول کی رو سے جائز ہے)۔

''بخلاف اليوم الأول والثاني حيث لا يجوز الرمي فيهما إلاّ بعد الزوال في المشهور من الرواية'' (الہدایہ: کتاب الحج ١.٢٥٢) (بخلاف (ایام تشریق کے) پہلے اور دوسرے دن کے کہ ان دونوں دنوں میں مشہور قول کی رو سے زوال کے بعد ہی رمی کرنا جائز ہے)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: ''وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث أي من أيام النحر بعد الزوال فإن رمى قبله جاز وهو قول بعض الحنابلة'' (الموسوعة الفقهيه ٢٣.١٥٨)۔

(امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ ایام نحر کے دوسرے اور تیسرے دن (یعنی ١١/ ١٢/ ذی الحجہ کو) زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، لیکن اگر اس سے قبل رمی کرلی تو جائز ہے، بعض حنابلہ کا بھی یہی قول ہے)۔

اور اس جواز کی دلیل یہ ذکر کی گئی ہے: ''واستدل للرواية بجواز الرمي قبل الزوال بقياس أيام التشريق على يوم النحر. لأن الكل أيام النحر. ويكون فعله محمولاً على السنية'' (حوالہ سابق)۔

(اور جس روایت کی رو سے زوال سے قبل رمی جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایام تشریق کو یوم النحر پر قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ سب ایام قربانی کے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سنیت پر محمول کیا جائے گا)۔

''ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال أعاد'' (المغنی ٣.٤٥٢)۔

(ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کرے گا، اگر زوال سے قبل رمی کرلے تو دوبارہ رمی کرے گا)۔

اس تمہید کی روشنی میں سوالات کے جواب حسب ذیل ہیں:

١۔ حنفیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی جمار کا افضل اور مسنون وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے۔ اور زوال سے لے کر غروب تک وقت جواز بلا کراہت ہے، اور غروب آفتاب سے لے کر ١١/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل تک کراہت کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ١٠/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے، اور یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ وقت مسنون یا وقت جواز بلا کراہت میں رمی کرنے کی صورت میں کوئی عذر نہ ہو لیکن عذر کی وجہ سے کراہت نہیں رہتی، مثلاً ضعیف و ناتواں اور عورتوں اور چرواہوں وغیرہ کے لیے ان

اوقات میں بلا کراہت رمی جائز ہے۔ اسی طرح اگر ہجوم کی کثرت وغیرہ کی وجہ سے ان اوقات میں رمی کی جائے تو بھی کراہت باقی نہیں رہے گی (دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الحج ۳/ ۵۳۴)۔

مالکیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی کا کل وقت طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے، جس میں افضل وقت حنفیہ کی طرح طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، اور زوال سے غروب تک وقت جواز ہے، اسی طرح یوم النحر کو طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک بھی وقت جواز ہے، اور غروب آفتاب کے بعد وقت ادا فوت ہوجاتا ہے (دیکھئے: عقد الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ، کتاب الحج ۱/ ۴۱۱)۔

شوافع کے نزدیک دسویں تاریخ کو رمی کا مسنون وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، اور زوال سے لے کر غروب تک بھی وقت مختار ہے، اسی طرح یوم النحر کی رات میں نصف شب سے لے کر طلوع آفتاب تک بھی ان کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے حنابلہ کے نزدیک وقت جواز ہے، اور کیا غروب کے بعد گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک اس رمی کا وقت ممتد ہوتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں ان کے دو اقوال ہیں، اصح قول کی رو سے غروب کے بعد فجر تک اس کا وقت ممتد نہیں ہوتا ہے، اور دوسرے قول کی رو سے ایام تشریق (۱۳ / ذی الحجہ) کے اخیر تک وقت اداء اور وقت جواز ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۸/ ۱۶۲)۔

''وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أول وقت جواز الرمي يوم النحر إذا انتصفت ليلة يوم النحر لمن وقف بعرفة قبله... وهذا الوقت ثلاثة أقسام: وقت فضيلة إلى الزوال، ووقت اختيار إلى الغروب، ووقت جواز إلى آخر أيام التشريق'' (الموسوعة الفقهيه ۲۳،۱۵۷)۔

(اور شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کو رمی کے جائز ہونے کا اول وقت آدھی رات سے ہے اس شخص کے لیے جو اس سے قبل وقوف عرفہ کر چکا ہو...... اور اس وقت کی تین قسمیں ہیں: افضل وقت اور وہ زوال تک ہے، اور مختار وقت اور وہ غروب تک ہے، اور جواز کا وقت اور وہ ایام تشریق کے اخیر تک ہے)۔

حنابلہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے۔ اور وقت جواز ایک قول کی رو سے دس ذی الحجہ کی نصف شب سے طلوع آفتاب تک اور دوسرے قول کی رو سے طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک ہے، اور آخری وقت ۱۳ / ذی الحجہ کے غروب تک ہے (دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، بلا عذر ہو تو کراہت کے ساتھ اور عذر کی وجہ سے بلا کراہت رمی کی جاسکتی ہے۔

۲۔ جمہور فقہاء کے مذہب کے مطابق ۱۱ / اور ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے نہیں کی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ایک قول اور بعض حنابلہ کے قول کی رو سے ان دونوں دنوں میں صبح سے رمی کی جاسکتی ہے۔ اور موجودہ حالات میں اسی قول کو اختیار کرنا مناسب ہے جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل ذکر کی گئی۔

۳۔ ۱۱ / اور ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی اگر ازدحام یا دیگر اعذار کی بنا پر کی جائے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اس سے قبل صراحت گذری، وہذا عند عدم العذر (شامی) یعنی کراہت عذر نہ ہونے کی صورت میں ہے، اگر عذر کی بنا پر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

۴۔ اگر ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو حنفیہ کے مذہب کی رو سے ۱۳ / ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک ۱۳ / ذی الحجہ کی رمی اس وقت لازم ہوگی جبکہ منیٰ میں رہتے ہوئے ۱۳ / ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوجائے لہٰذا اس مذہب کی رو سے بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے تیرہ ذی الحجہ کی شب میں رمی کرنے کے بعد صبح صادق سے قبل منیٰ سے کوچ کر جانے کی گنجائش ہے، اور اگر ایسا عذر کی بنا پر کر رہا ہے تو کراہت بھی نہیں ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہوجائے تو ان حضرات کے

نزدیک تیرہ کی رمی واجب ہو جاتی ہے، اور غروب کے بعد منیٰ سے نکلنا بغیر رمی کے جائز نہیں ہے۔

''وإن لم يقم أي لم يرد الإقامة نفر قبل الغروب أي من يومه فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له الخروج في تلك الليلة عندنا ولا يجوز عند الشافعي أن ينفر حتى يرمى الرابع'' (شرح اللباب ۱۶۳)۔

(اگر اقامت نہ کرے یعنی اگر تیرہ کو اقامت کی نیت نہ ہو تو غروب سے قبل چلا جائے یعنی اسی دن کے غروب سے قبل، اگر منیٰ سے نہ نکلا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا تو ہمارے نزدیک اس رات اس کے لیے نکلنا مکروہ ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک نکلنا جائز ہی نہیں جب تک کہ تیرہ ذی الحجہ کی رمی نہ کر لے)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے امام شافعی اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جا سکتی ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہے:

''أن النبي ﷺ أرسل بأم سلمة ليلة النحر. فرمت قبل الفجر. ثم مضت فأفاضت'' (الموسوعہ ۱۵۷، ۱۳)۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو دس ذی الحجہ کی رات میں (منیٰ) بھیجا، انہوں نے فجر سے قبل دس ذی الحجہ کی شب میں رمی کی)۔

لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک طلوع صبح صادق سے ایسے معذور افراد کے لیے رمی کرنے کی گنجائش ہے، نصف شب سے نہیں۔ اور چونکہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت وسیع یعنی پورے چوبیس گھنٹہ فجر سے فجر تک ہے، اس لیے اس میں نصف شب سے رمی کے جواز کا عمومی فتویٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہب کے مطابق عمل ممکن ہے۔

منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ایام منیٰ میں منیٰ کے اندر قیام خصوصاً گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی شب میں قیام حنفیہ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک مسنون ہے، فرض یا واجب نہیں ہے۔ لیکن امام مالک اور ایک قول کی رو سے امام شافعیؒ اور مشہور قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان راتوں میں منیٰ کے اندر رات گذارنا واجب ہے اور اس کے ترک پر دم واجب ہے۔ شامی میں ہے:

''ثم أتى منىٰ فيبيت بها للرمي (أي ليالى أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولايلزمه شئ لباب'' (حاشية رد المحتار مع الدر ۲، ۵۴۰. كتاب الحج)۔ (پھر مکہ سے منیٰ آئے گا اور رمی کے لیے وہاں رات گذارے گا یعنی رمی کی راتوں میں اور یہ سنت ہے، لہٰذا اگر منیٰ کے باہر رات گذارے تو مکروہ ہے لیکن اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہے)۔

''والمبيت بمزدلفة ليلة العيد وبمنىٰ ثلاث ليال بعده، نسك، فأما الثلاث فيجب بتركه فيها الدم وكذلك في واحدة منها'' (عقد الجواهر الثمينه ۱، ۴۰۹)۔ (عید الاضحیٰ کی رات مزدلفہ میں رات گذارنا اور منیٰ میں اس کے بعد تین راتیں گذارنا واجب ہے، تین راتوں میں اگر منیٰ میں قیام نہ کرے تو اس پر دم لازم ہوگا، اسی طرح کسی ایک رات میں بھی وہاں رات نہ گذارے تو دم واجب ہوگا)۔

اور رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارے گا، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے، اور کیا ایسا کرنا واجب ہے یا مستحب؟ تو اس سلسلے میں دو قول ہیں: (ایک) یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، اس لیے کہ یہ رات گذارنا ہے لہٰذا واجب نہ ہوگا جیسا کہ عرفہ کی رات میں رات گذارنا، اور (دوسرا قول) یہ ہے کہ یہ واجب ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو پانی پلانے کی ذمہ داری کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گذارنے کی رخصت دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے آدمی کے لیے اس کا ترک جائز نہیں ہے، پس اگر ہم یہ کہیں کہ یہ مستحب ہے تو اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا، اور اگر واجب کہیں تو پھر اس کے ترک سے دم واجب ہوگا (المہذب مع المجموع ۸/ ۲۴۸)۔

''أو ترك المبيت بمنىٰ في لياليها فالصحيح من المذهب أن عليه دما وعليه أكثر الأصحاب... وعنه لاشئ عليه

واختاره أبو بكر وهي مبنية على أن المبيت ليس بواجب" (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام المبجل أحمد بن حنبل ۴/۴۵)۔ (یا اگر منیٰ میں رات گذارنا منیٰ کی راتوں میں چھوڑ دیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہوگا، اکثر اصحاب اسی کے قائل ہیں، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے، ابوبکر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ رات گذارنا منیٰ میں واجب نہیں ہے)۔

خرقی کے ظاہر کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے، امام احمد سے ایک روایت یہی ہے، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ منیٰ کی گھاٹی سے باہر کوئی شخص رات نہ گذارے، یہ عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء کا قول ہے، اور یہ حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے، یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے، اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، یہ حسن سے مروی ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تم جمرۂ عقبہ کی رمی کر لو تو جہاں چاہو رات گذارو، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے حج کے احرام سے نکل چکا ہے لہٰذا اس پر کسی معین جگہ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے...... پہلی روایت اصح ہے، اور اس لیے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو منیٰ کی راتوں میں مکہ معظمہ میں رات گذارنے کی رخصت دی پانی پلانے کی وجہ سے اور حضرت عباس کو ان کے عذر کی بنا پر رخصت کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کے لیے یہ رخصت نہیں ہے...... پس اگر کوئی حاجی منیٰ میں رات نہ گذارے تو امام احمدؒ سے اس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے، لیکن اس نے برا کیا، یہی قول اصحاب رائے کا ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں شریعت میں کچھ وارد نہیں ہے (المغنی ۳/۴۵۰)۔

بہر حال اوپر کے اقتباسات سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے، ایک قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی اس کے موافق ہے، اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ شریعت میں اس کے وجوب کے سلسلے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے اور بغیر دلیل کے وجوب کا ثبوت نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے محض اس کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، اور دوسری دلیل یہ ذکر کی گئی کہ دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کر لینے کے بعد وہ حج کے احرام سے بالکلیہ نکل گیا اور احرام کی کوئی پابندی اب باقی نہیں رہی لہٰذا اب وہ کہیں بھی رات گذار سکتا ہے، کسی متعین مقام میں رات گذارنا اس پر واجب نہیں ہے، حضرت حسن سے یہی مروی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے وجوب اور عدم وجوب دونوں کا قول مروی ہے، عدم وجوب کا جو قول مروی ہے اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ جب تم نے (دس ذی الحجہ کو) جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی تو اب اس کے بعد جہاں چاہو رات گذارو، اور وجوب کا قول ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء سے مروی ہے، اور واجب ہونے کی دلیل یہ دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو مکہ میں پانی پلانے کی ذمہ داری کی بنا پر مکہ میں رات گذارنے کی رخصت اور اجازت دی تھی معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اس طرح کا عذر نہ ہو ان کے لیے یہ رخصت نہیں ہے۔ بہر حال اس اختلاف کی وجہ سے اتنی بات تو ضرور ہے کہ اس مسئلہ میں وہ شدت نہیں رہی، اس لیے دونوں قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

اب اگر صورت حال یہ ہو کہ حجاج کرام کی تعداد کی کثرت کی بنیاد پر منیٰ کے حدود میں تمام لوگوں کے قیام کی گنجائش نہیں رہی تو عدم وجوب والے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر صورت حال ایسی نہ ہو بلکہ منیٰ کے حدود ہی میں تمام حجاج کے قیام پذیر ہونے کی گنجائش اور امکان ہو تو پھر حکومت کو منیٰ کے حدود ہی کے اندر خیمے لگوا کر تمام حجاج کے قیام کا انتظام کرنا چاہئے، کیونکہ منیٰ میں رات گذارنے کے مسنون ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ترک بلا عذر صحیح نہیں ہے، اور وجوب والے قول کی رو سے اس کے ترک پر دم واجب ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر شدید ضرورت کے اسے ترک نہ کیا جائے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا خورشید احمد اعظمی [۱]

۱۔ دس ذی الحجہ یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت تمام ائمہ متبوعین کے نزدیک وقت جواز ہے، اس لیے اگر کسی نے اس دن طلوع شمس سے پہلے اور صبح صادق کے بعد رمی کر لیا تو اس کی رمی وقت کے اندر ہوگی اور اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں اس وقت کو وقت جواز سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بلا عذر اس وقت میں رمی کرنے کو مکروہ کہا گیا ہے:

''وله أوقات أربعة: وقت الجواز، ووقت الإستحباب، ووقت الإباحة، ووقت الكراهة. فالأول ابتداؤه من طلوع الفجر يوم النحر وانتهاءه إذا طلع الفجر من اليوم الثاني... والرابع قبل طلوع الشمس وبعد الغروب'' (البحر الرائق ۲/۶۰۴)۔ (اور اس کے لیے چار اوقات ہیں: وقت جواز، وقت استحباب، وقت اباحت، وقت کراہت۔ لہٰذا پہلا وقت (یعنی وقت جواز) اس کی شروعات یوم نحر کے دن طلوع صبح صادق سے ہے اور اس کی انتہا جبکہ دوسرے دن کی صبح صادق ہو جائے......اور چوتھا وقت (یعنی وقت کراہت) طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس کے بعد ہے)۔

''(ووقته) اى وقت جوازه أداء من الفجر اي فجر النحر إلى فجر اليوم الثاني'' (ردالمحتار ۳/۵۳۴) (اور اس کا وقت یعنی ادا کے لحاظ سے اس کے جائز ہونے کا وقت یوم نحر کی صبح صادق سے دوسرے دن کی صبح صادق تک ہے)۔

اور فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' میں مذکور ہے: اور بہر حال وقت جواز تو اس کی ابتداء یوم النحر کی رات کے نصف سے ہے۔ اور یہی قول عطاء، ابن ابی لیلیٰ عکرمہ بن خالد اور امام شافعیؒ کا ہے، اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ (رمی) کافی ہوگی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے، اور یہی قول امام مالک اور اصحاب رائے کا ہے (المغنی ۵/۲۹۵)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد رمی کا وقت امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی ہو جاتا ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو نصف رات سے ہی اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور شوافع کے ساتھ حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب ''الروض المربع'' میں بھی اس کا وقت نصف لیل سے ہی لکھا ہے: ''ويجزئ رميها بعد نصف الليل من ليلة النحر'' اور جمرہ عقبہ کی رمی یوم نحر کی نصف رات کے بعد کافی ہوگی (الروض المربع ۱/۵۲۴)۔

لہٰذا اگر کسی حاجی نے دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع شمس سے پہلے صبح صادق کے بعد کر لیا تو اس کی رمی درست ہوگی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ بلا عذر اس وقت میں رمی کرنا کراہت پر مشتمل ہوگا، اس لیے کہ اس کا افضل اور مسنون وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے، اور اگر کمزوری، بیماری یا کسی دیگر عذر معتبر کی وجہ سے یا عورتیں اور بچے ازدحام کے خوف سے طلوع صبح صادق اور طلوع شمس کے مابین ہی رمی کر لیں یا آنے والی رات میں غروب آفتاب کے بعد رمی کریں تو وقت مکروہ میں ہونے کے باوجود ان کی رمی بلا کراہت صحیح ہوگی (دیکھئے: ردالمحتار ۳/۵۳۴)۔

زبدۃ المناسک میں حضرت گنگوہی لکھتے ہیں: اور قبل طلوع آفتاب دسویں کو بعد فجر ہونے کے بھی مکروہ ہے۔ مگر ضعفاء اور مریض (خصوصاً) عورتیں کہ بسبب ازدحام کے سویرے آکر (یا تاخیر کر کے غروب کے بعد) کر لیں تو مکروہ نہیں، اگر توانا مرد سوائے عذر کے ایسا کریگا تو ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہوگا (زبدۃ المناسک ۱۸۴)۔

لہٰذا جس کے پاس کوئی عذر معتبر نہ ہو تو انہیں طلوع شمس سے پہلے رمی نہ کرنے میں احتیاط ہے، انہیں مسنون افضل وقت میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، اب اگر کثرت ازدحام کے سبب وقت مسنون میں رمی نہ کر سکیں تو ان کے لیے زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہوگی،

[۱] استاذ حدیث جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو۔

وقت مسنون میں کوشش سے پہلے ہی قبل طلوع شمس ایسے لوگوں کے لیے رمی کرنا جائز مع الکراہت ہے۔

طلوع شمس سے قبل صبح صادق سے رمی کا وقت ہو جانے پر نیز معذورین اور کمزوروں اور عورتوں کے لیے اس وقت میں رمی بلا کراہت درست ہونے پر عبداللہ بن عمر اور حضرت اسماءؓ کے عمل سے استدلال کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ اپنے اہل کے کمزور لوگوں کو آگے روانہ کر دیتے تھے۔

''فمنهم من يقدم منى لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلك، فإذا قدموا رموا الجمرة وكان ابن عمر ﷺ يقول: أرخص في أولئك رسول الله ﷺ'' (صحيح بخاری مع فتح الباری ۳،۵۲۶، صحيح مسلم مع نووی ۹،۴۱)۔

(تو ان میں سے کچھ منیٰ میں نماز فجر کے وقت پہنچتے، اور کچھ اس کے بعد پہنچتے، اور جب پہنچتے تو رمی جمرہ کر لیتے، اور ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اجازت (چھوٹ) دی ہے)۔

اور حضرت اسماءؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مزدلفہ کی رات (دسویں) کو نماز پڑھتی رہیں اور اپنے خادم سے معلوم کرتی رہیں کہ کیا چاند غروب ہو گیا؟ چنانچہ جب انہیں چاند غروب ہونے کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے خادم سے کہا کہ چلو، چنانچہ ہم لوگ چلے، یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی، پھر واپس ہوئیں، اور فجر کی نماز اپنے ٹھکانے پر پڑھیں، خادم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا میری آقا! ہمارا خیال ہے کہ ہم نے وقت مشروع سے پہلے ہی رمی کر لیا، تو انہوں نے فرمایا: بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اجازت دی ہے (صحیح بخاری مع الفتح ۳/۵۲۶، صحیح مسلم ۹/۳۹)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ ائمہ اربعہ متبوعین میں سے کسی کا بھی قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا نہیں ملتا بلکہ اگر کسی نے کر لیا تو زوال کے بعد اعادہ کا حکم فقہی کتب میں مذکور ہے، نیز کتب حدیث میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا جبکہ ان ایام میں ازدحام عمل بھی نہیں ہے لہٰذا ان ایام میں رمی زوال سے پہلے کسی بھی وقت میں کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اس کا وقت زوال سے دوسرے دن طلوع شمس تک ہے، اس لیے اگر کوئی اس دن رمی نہ کر سکا تو اس دن کی رمی دوسرے دن کے طلوع شمس سے پہلے رات میں کر لے گا تو ادا ہو جائے گی۔

البحر الرائق میں مذکور ہے: (صاحب کنز) نے اپنے قول ''بعد الزوال'' سے نحر کے دوسرے دن رمی کی ابتدائے وقت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہاں تک کہ اگر زوال سے پہلے رمی کر لیا تو جائز نہیں ہوگی، اور اس کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا اور وہ دوسرے دن طلوع شمس تک ممتد ہے، لہٰذا اگر رات میں رمی کیا تو صحیح ہوگی اور مکروہ ہوگی، (آگے لکھتے ہیں) اس لیے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ دونوں دنوں میں رمی کا وقت داخل نہیں ہوتا مگر زوال کے بعد علی الاطلاق (البحر الرائق ۲/۶۱۰)۔

شامی میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کو مشہور قول کے مطابق ناجائز کہا ہے، ''وقیل یجوز'' ضعیف قول جواز کا بھی ہے، آگے لکھتے ہیں:

اور اگر یوم نحر کے دن یا اس کے دوسرے یا تیسرے دن رمی نہیں کیا تو آنے والی رات میں گزرے ہوئے دنوں کی رمی کرے گا، اور اس پر کچھ (دم یا کفارہ) واجب نہیں سوائے کراہت کے، جب تک کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو، اور اگر گیارہویں یا اس کے علاوہ راتوں میں (آنے والے) کل کی رمی کیا تو صحیح نہیں ہوگی، اس لیے کہ حج میں راتیں گزرے ہوئے دنوں کی ہوتی ہیں نہ کہ آنے والے دن کی (ردالمحتار ۳/۵۴۲)۔

بدایۃ المجتہد میں ایام تشریق میں زوال کے بعد رمی کے وقت مسنون پر اتفاق و اجماع کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اور اختلاف کیا ہے جبکہ جمرات کی رمی ایام تشریق میں زوال کے بعد کیا، تو جمہور علماء نے کہا کہ جس نے بھی زوال سے پہلے رمی کر لیا زوال کے بعد رمی کا اعادہ کرے گا، اور ابو جعفر محمد بن علی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جمرات کی رمی طلوع شمس سے غروب شمس تک ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۴۳۲)۔

فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے: ''ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال أعاد نص عليه أحمد ...'' (المغنی ۵،۳۲۸)۔ (اور ایام تشریق میں رمی نہیں کرے گا مگر زوال کے بعد ہی، اور اگر زوال سے پہلے رمی کر لیا تو اعادہ کرے گا، امام احمدؒ نے اسی کی صراحت کی ہے (اور اسی کو امام مالک، شافعی، اسحاق، حسن بصری، عطاء رحمہم اللہ کا قول لکھا ہے)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ''رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (صحيح مسلم مع نووی ۹،۴۷)۔ (رسول اللہ ﷺ نے جمرہ (عقبہ) کی رمی یوم نحر کو چاشت کے وقت میں کیا، اور اس کے بعد جبکہ سورج ڈھل گیا)۔

اس کی تشریح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں: رہے ایام تشریق، تو ہمارا مذہب اور امام مالک و احمد اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایام تشریق کے تینوں دنوں میں

رمی کرنا جائز نہیں ہے مگر زوال کے بعد ہی، اس صحیح حدیث کی وجہ سے (حوالہ سابق)۔

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بخاری میں مذکور ہے جس میں ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ: ''متی أرمی الجمار. قال: إذا رمی إمامك فارمه، فأعدت علیه المسألة، قال: کنا نتحین فإذا زالت الشمس رمینا'' (صحیح بخاری مع الفتح)۔

(میں جمرات کی رمی کب کروں؟ انہوں نے کہا کہ جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو، میں نے سوال دہرایا، تو انہوں نے کہا: ہم وقت کا انتظار کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے)۔

ان کے اس قول سے کہ جب امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو، یہ استنباط کرنا کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور زوال سے پہلے جواز کا پہلو نکلتا ہے، مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ دیا ہو کہ رمی کرنے میں امام سے پہل نہ کرو اگرچہ وہ تاخیر کرے کہ اس میں فتنہ یا ضرر کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک دوسری سند سے مروی اسی حدیث کے اندر مذکورہ اس اضافی جملہ "فقلت له أرأیت إن أخر إمامی" (یہ بتلائیے کہ اگر ہمارا امام تاخیر کرے تب) سے اسی احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے، اگرچہ طاؤس اور عطاء کا قول قبل الزوال رمی کے جواز کا ذکر کیا گیا ہے مگر ائمہ اربعہ متبوعین کے نزدیک قبل الزوال رمی جائز نہیں، اور یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ائمہ اربعہ کے قول سے خروج کیا جائے۔

اس لیے گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے تو کیا؟ طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے بھی درست نہیں ہوگی، اگر کسی نے کرلیا تو اعادہ کرنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص زوال کے بعد وقت مسنون میں ان ایام میں رمی نہیں کر سکا تو دوسرے دن طلوع شمس تک ادائیگی کا وقت ہے، نیز بارہویں تاریخ کو طلوع شمس سے پہلے تک تو گیارہویں تاریخ کی رمی کا وقت ہے لہذا بارہویں کی رمی کا وقت کیسے ہوسکتا ہے؟

۳۔ ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن طلوع شمس تک رہتا ہے، اس طویل وقفہ میں افضل اور مسنون زوال کے بعد رمی میں جلدی کرنا ہے، چنانچہ الروض المربع ۱؍۵۱۷ میں مذکور ہے:

''والأفضل الرمی قبل صلاة الظهر'' (اور افضل ظہر کی نماز سے پہلے (زوال کے بعد) رمی کرنا ہے)۔

شامی میں ان ایام میں رمی کا مسنون وقت زوال سے غروب شمس تک مذکور ہے، اور غروب سے طلوع شمس تک مکروہ لکھا ہے:

''والوقت المسنون فیما یمتد من الزوال إلی غروب الشمس، ومن الغروب إلی الطلوع وقت مکروه'' (رد المحتار ۲؍۵۴۲)۔ (اور وقت مسنون اس وقت میں ہے جو کہ پھیلا ہوا ہے زوال سے غروب شمس تک اور غروب شمس سے طلوع شمس تک (رات) کا وقت مکروہ ہے)۔

اور البحر الرائق (۲؍۶۱۰) میں مذکور ہے: ''ولم یذکر آخره وهو ممتد إلی طلوع الشمس من الغد، فلو رمی لیلا صح وکره'' (اور (ان ایام میں رمی کا) آخری وقت ذکر نہیں کیا، اور وہ ممتد ہے دوسرے دن طلوع شمس تک، لہذا اگر رات میں رمی کیا صحیح ہوجائے گی اور مکروہ ہوگی)۔

اور فقہ حنبلی کی کتاب المغنی (۵؍۳۲۹) میں بھی کچھ ایسا ہی مذکور ہے: ''وأی وقت رمی بعد الزوال أجزأه. إلا أن المستحب المبادرة إلیها حین الزوال'' (اور زوال کے بعد جب بھی رمی کرے گا، اس کے لئے کافی ہوگی مگر مستحب زوال کے بعد اس میں جلدی کرنا ہے)۔

اور الروض المربع (۱؍۵۱۷) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک سقاۃ ورعاۃ کے علاوہ لوگوں کے لئے رات میں رمی صحیح نہیں، عبارت یہ ہے:

''... فی کل یوم من ایام التشریق بعد الزوال ولا یجزئ قبله ولا لیلا لغیر سقاة و رعاة'' ((اور رمی جمار) ایام تشریق کے ہر دن میں زوال کے بعد ہے، لہذا اس سے پہلے کافی نہیں ہوگی، اور نہ رات میں سقاۃ ورعاۃ کے علاوہ کے لئے)۔

ان فقہی عبارات مذکورہ کے پیش نظر ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد کا وقت، وقت مکروہ ہے، مگر معذورین، کمزور، اور مریض افراد کے لئے یا عورتوں کے لئے، اس وقت مکروہ میں رمی کرنا بلا کراہت صحیح ہوگا، جیسا کہ دوسرے سوال کے جواب میں مذکور شامی ۳؍۵۴۲ کی عبارت ''لا شئ علیه سوی الإساءة مالم یکن لعذر'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عذر سے رات میں رمی کیا تو اساءت وکراہت بھی نہیں ہے، اور غالباً ازدحام حنفیہ کے نزدیک عذر ہے (کما قال الحافظ فی فتح الباری ۳؍۵۲۹: "ومن جملة الأعذار عندهم الزحام")۔

لہٰذا اگر صحتمند و توانا جو بظاہر معذورین میں نہیں آتا اسے بھی کثرت ازدحام سے کسی مشقت شدیدہ کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے بھی رات میں رمی بلا کراہت صحیح ہو جائے گی۔

۴۔ دسویں ذی الحجہ کے بعد جمرات ثلاثہ کی رمی کے لیے منیٰ کے تین دن ہیں، لیکن اگر کوئی جلدی نکلنا چاہے تو دو دن رمی کر کے بھی نکل سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: ''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه'' (تو جو جلدی کر لے دو ہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

نیز فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: ''أيام منى ثلاثة فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه'' (سنن أبي داؤد ۲،۱۹۶، سنن ابن ماجه ۲،۱۰۰۲) کی وجہ سے فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، مگر جو شخص تیسرے دن رکنا نہیں چاہتا اس کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ دوسرے دن یعنی ۱۲ر ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے قبل ہی منیٰ سے نکل لے، اس لیے کہ احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا۔ المغنی میں ہے:

جو شخص کوچ کے پہلے دن جلدی کو پسند کرے تو نکل لے غروب شمس سے پہلے، اور اگر اس کے منیٰ سے نکلنے سے پہلے سورج غروب ہو گیا تو کوچ نہ کرے خواہ وہ چل پڑا ہو یا اپنے خیمے میں ابھی مقیم ہو، اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے (المغنی ۵ر۲۳۲)۔

اور اسی کو امام مالک، شافعی، ثوری، عطاء، طاؤس اور مجاہد وغیرہم کا قول لکھا ہے، مگر فقہائے احناف کے نزدیک اس امر میں وسعت ہے کہ ۱۳ر ذی الحجہ کی طلوع فجر سے پہلے کبھی بھی نکل سکتا ہے، اس پر کچھ دم یا کفارہ نہیں، اور نہ غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ہونے کی وجہ سے اس کے لیے تیسرے دن کی رمی ہی واجب ہوگی، لیکن پھر بھی غروب آفتاب کے بعد نکلنے کو مکروہ لکھا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۳ر ۵۴۳)۔

مگر آج کل جب کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے بیشتر حجاج کے لیے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ کی حدود سے نکلنا انتہائی مشکل اور اپنے بس سے باہر ہو چکا ہے۔ طلوع فجر سے پہلے کسی بھی وقت میں منیٰ کی حدود سے نکل لینے میں کراہت نہیں۔ اور نہ ہی تیسرے دن کی رمی واجب ہوگی جب تک کہ منیٰ میں رہتے ہوئے طلوع فجر نہ ہو جائے۔

۵۔ پہلے سوال کے جواب میں مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی جمرۂ عقبہ کا وقت شوافع اور حنابلہ کے نزدیک دسویں شب کے نصف کے بعد شروع ہو جاتا ہے، مگر احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس کا وقت طلوع صبح صادق سے ہوتا ہے، اور اس سے پہلے رمی کرنا ان دونوں مذاہب میں درست نہیں، شامی میں ہے:

''ولو رمى قبل طلوع فجر النحر لم يصح اتفاقا'' (ردالمحتار ۳،۵۴۴)۔

(اور اگر یوم نحر دسویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رمی کیا تو باتفاق ائمہ احناف وہ رمی صحیح نہیں)۔

بدایۃ المجتہد میں ہے: اور اختلاف کیا اس شخص کے بارے میں جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع فجر سے پہلے کر لیا تو امام مالکؒ نے فرمایا ہم تک نہیں پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو رخصت دیا ہو کہ وہ طلوع فجر سے پہلے رمی کر لے اور وہ جائز نہیں، لہٰذا اگر صبح صادق سے پہلے رمی کر لیا تو اعادہ کر لے، اور اسی کے مطابق کہا ہے ابوحنیفہ، سفیان ثوری، احمد رحمہم اللہ بھی، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں (بدایۃ المجتہد ۱ر۴۲۹)۔

اور چونکہ وہ احادیث جو نصف شب کے بعد وقت رمی کے لیے ذکر کی جاتی ہیں صحیح یا صریح نہیں ہیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث:

''أرسل النبي صلى الله عليه وسلم بأم سلمة رضي الله عنها ليلة النحر، فرمت الجمرة قبل الفجر...'' کو ضعیف کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں ایک ضعیف راوی بھی ہیں، نیز اس کی سندوں اور متن میں اختلاف واضطراب بھی ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل ۴ر۲۷۷، تہذیب سنن أبی داود لابن القیم ۲ر۴۰۵)۔

اور حدیث اسماءؓ جس میں مذکور ہے کہ وہ غروب قمر کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہو گئیں، اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے طلوع فجر سے پہلے رمی کیا۔

اس لیے جمرۂ عقبہ کی رمی دسویں شب کے نصف کے بعد طلوع فجر سے پہلے، معذور، غیر معذور کسی کے لیے بھی درست نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے، اس لیے کہ وہ وقت سے پہلے ہوگی جو صحیح نہیں۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ان ایام میں حاجی کا منیٰ میں قیام کرنا، اور رات گزارنا مسنون ہے، صاحب بحر علامہ ابن نجیم "ثم رح یوم الترویة إلی منیٰ" کے تحت لکھتے ہیں:

''والبیتوتة بها سنة والإقامة بها مندوبة کذا في المحیط ولو لم یخرج من مکة إلا یوم عرفة أجزأه أیضاً ولکنه أساء لترك السنة'' (البحر الرائق ۲.۵۸۸)۔ (اور منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے، اور وہاں قیام کرنا مستحب ہے، ''محیط'' میں ایسا ہی مذکور ہے، اور اگر مکہ سے نکلا ہی نہیں مگر صرف عرفہ کے دن تو بھی اس کے لیے کافی ہے لیکن اس نے ترک سنت کے ارتکاب سے بُرا کیا)۔

پھر آگے "ثم إلی منی فارم الجمار الثلاث" کے تحت لکھتے ہیں: "ولم یذکر البیتوتة بمنیٰ لأنها لیست بواجبة لأن المقصود الرمي لکن هي سنة"۔ (اور منیٰ میں رات گزارنے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ یہ واجب نہیں ہے، کیونکہ مقصد رمی کرنا ہے، بلکہ یہ سنت ہے)۔

لہٰذا منیٰ میں قیام کرنا مندوب و مستحب اور رات گزارنا سنت ہے۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کا یہ عمل بغیر عذر کے ہے تو خلاف سنت ہوگا اور حج صحیح ہو جائے گا، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا جیسا کہ آج کل کثرت ازدحام کی وجہ سے خیمے منیٰ کے باہر لگا دئے جاتے ہیں تو کراہت بھی نہیں ہے۔

۳۔ حاجی حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کرے اور منیٰ کے حدود سے باہر کہیں بھی رہے اس کا حج صحیح ہو جائے گا، بلا عذر کرنے کی وجہ سے خلاف سنت کرنے کا مرتکب ہوگا۔

سیدنا حضرت عباسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزارنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی تھی، یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

اگر مبیت منیٰ ایسا رکن و عمل ہوتا کہ اس کے ترک سے صحت حج پر اثر پڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ فرماتے۔

حنابلہ کے نزدیک یہ مبیت واجب کہی گئی ہے بلکہ امام احمدؒ سے دونوں ہی روایات مذکور ہیں۔

''وظاهر کلام الخرقي أن المبیت بمنیٰ لیالي منیٰ واجب وهو إحدی الروایتین عن أحمد (المغنی ۵.۳۲۴). فإن ترك المبیت بمنیٰ فعن أحمد لا شيء علیه وقد أساء'' (المغنی ۵.۳۲۵)۔

(اور خرقی کے کلام سے ظاہر ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں ہونا واجب ہے، اور یہ امام احمدؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ اور اگر منیٰ میں رات نہ گزاری تو امام احمد سے مروی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن اس نے بُرا کیا، یعنی کراہت ہے)۔

☆☆☆

رمی جمار اور مبیت منیٰ کے احکام

مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی [1]

۱۔ دس ذی الحجہ کو رمی جمار کا وقت:

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، ہر ایک کا مذہب اور دلائل پیش خدمت ہیں:

پہلا مسلک:

فقہاء احناف نے دس ذی الحجہ کی رمی کے لیے چار وقتوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ وقت استحباب: یہ وقت ۱۰ ذی الحجہ کے طلوع آفتاب سے لے کر زوال شمس تک رہتا ہے۔

۲۔ وقت مباح: بغیر کسی کراہت کے زوال شمس سے لے کر غروب تک۔

۳۔ وقت کراہت: دس ذی الحجہ کے غروب شمس کے بعد سے گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک۔

۴۔ وقت جواز: ۱۰ ذی الحجہ کے صبح صادق سے ۱۱ ذی الحجہ کے صبح صادق تک رہتا ہے (البحر الرائق ۲/ ۳۴۵، غنیۃ الناسک)۔

امام طحاویؒ رقم طراز ہیں: حاجیوں کے لیے طلوع شمس سے پہلے رمی کرنا مناسب نہیں ہے، اگر ان لوگوں نے اس سے پہلے رمی کرلیا تو کافی ہوجائے گا اور ایسا کرنا برا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد کا مسلک ہے (شرح معانی الآثار ۱/ ۴۱۲)۔

طلوع شمس کے پہلے رمی کے جواز پر اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

''عن ابن عمر أنه كان يقدم ضعفة أهله ، فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بليل، فيذكرون الله عزوجل ما بدا لهم، ثم يرجعون قبل أن يقف الإمام وقبل أن يدفع، فمنهم من يقدم منى لصلاة الفجر. ومنهم من يقدم بعد ذلك فإذا قدم رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئك رسول الله ﷺ'' (رواه البخاری)۔ (حضرت ابن عمر اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو منیٰ بھیج دیا کرتے تھے، وہ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے پھر جتنا ان کا جی چاہتا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، پھر لوٹ جاتے امام کے وقوف اور واپسی سے پہلے، ان میں سے کچھ لوگ صبح نماز کے وقت منیٰ پہنچ جاتے اور بعض لوگ اس کے بعد پہنچتے، پھر جب منیٰ پہنچتے تو کنکریاں مارتے، اور حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے واسطے اجازت دی ہے)۔

علامہ کاسانیؒ نے صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے رمی کے جواز پر مندرجہ ذیل روایتوں سے استدلال کیا ہے:

''روى عن النبي ﷺ أنه قدم ضعفة أهله ليلة المزدلفة وقال: لاترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين'' (البدائع ۲/ ۳۲۲)۔

''وروى عن النبي ﷺ كان يليح أفخاذ أغيلمة بني عبد المطلب وكان يقول لهم: لاترموا الجمرة حتى تكونوا مصبحين'' (رواہ احمد، ابوداؤد)۔

یہی امام مالک کا مشہور قول ہے اور امام احمد بن حنبل کی بھی یہی ایک روایت ہے (المغنی ۳/ ۴۵۹، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۸۲)۔

[1] مفتی جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، مادنا پیٹ، حیدرآباد۔

دوسرا مسلک:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت یہ ہے کہ ۱۰ ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت دسویں شب کے نصف سے شروع ہوتا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے: ''قالت أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر، فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وكان ذلك اليوم اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ يعني عندها'' (رواہ ابوداؤد)۔

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ کو قربانی کی رات روانہ کیا پھر انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر انہوں نے طواف زیارت کیا، اس دن رسول اللہ ﷺ کی باری ان کے پاس تھی)۔

دوسری روایت حضرت عبداللہ مولی حضرت اسماء کی ہے، وہ حضرت اسماءؓ کے بارے میں کہتے ہیں:

> اسماء مزدلفہ کی رات میں مزدلفہ کے پاس اتریں اور کھڑی ہو کر ایک گھڑی تک نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: اے بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، تب تھوڑی دیر اور نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں، تو فرمایا: کوچ کرو، تو ہم نے کوچ کیا اور چلتے یہاں تک کہ منیٰ پہنچ کر جمرہ پر کنکریاں ماریں، اس کے بعد لوٹ گئیں اور صبح کی نماز اپنی قیام گاہ پر پڑھیں، میں نے ان سے عرض کیا: ہم سمجھتے ہیں کہ (وقت سے پہلے) تاریکی میں کوچ کر گئے تو انہوں نے کہا: اے بیٹے! رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (بخاری)۔

اور ابوداؤد کی روایت میں صراحت ہے: ''إنا رمينا الجمرة بليل وغلسنا''۔

ان دونوں روایتوں سے ان دونوں اماموں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ۱۰ ر ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے پہلے نصف شب سے کی جاسکتی ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی طلوع شمس کے بعد رمی کرنا بہتر و مستحب ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ۱۰ ر ذی الحجہ کو صبح صادق سے رمی کرنا جائز اور درست ہے، البتہ باتفاق ائمہ ۱۰ ر ذی الحجہ کی رمی کا مستحب و بہتر وقت طلوع شمس کے بعد زوال تک رہتا ہے۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے دن رمی کا وقت:

جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک ۱۱ ر ۱۲ ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی کے قائل امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ کی صحیح اور مشہور روایت بھی یہی ہے (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲ ر ۸۳، المجموع شرح المہذب ۸ ر ۱۴۱، المغنی ۵ ر ۴۵۹، البدائع ۲ ر ۳۲۴، شامی ۳ ر ۴۸۰)۔

ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: ''عن جابر قال رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (أخرجه الجماعة نيل الأوطار ۵، ۶۸)۔ (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت کیا، اور رہا اس کے بعد تو زوال شمس کے بعد کیا)۔

وروى نافع أن عبد الله بن عمر كان يقول لا نرمي في الأيام الثلاثة حتى تزول الشمس (البیہقی الموطا لامام محمد ۲۲۹)۔ (حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ہم لوگ ایام تشریق کے تین دنوں میں زوال شمس سے پہلے رمی نہیں کیا کرتے تھے)۔

البتہ فقہاء میں حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت طاؤس نے زوال سے پہلے ان دنوں میں رمی کی اجازت دی ہے (فتح الباری ۳ ر ۵۸۰، النووی شرح مسلم

۹/ ۴۸)۔

اور ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو اگر زوال سے پہلے رمی کرلی جائے تو درست ہے۔

علامہ کاسانی اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن اور یہ ایام رمی کا دوسرا اور تیسرا دن ہے، رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، اس لیے ان ایام میں زوال سے پہلے امام ابوحنیفہ کی مشہور روایت کے مطابق رمی درست نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان ایام میں زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، اگر زوال سے پہلے رمی کرلیا تو جائز ہے، اور اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ یوم نحر میں رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے، اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی ہوگا، کیوں کہ یہ تمام ایام نحر ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۴)۔

''عن أبي حنيفة قال أحب إلى أن لا يرمى في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزأه وحمل ماروى من قوله عليه السلام أنه رمى بعد الزوال على اختيار الأفضل'' (فتح القدير ۳/۱۸۵)۔

(امام ابوحنیفہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرے اور تیسرے دن زوال شمس کے بعد رمی کرنا بہتر ہے، پس اگر اس سے پہلے رمی کرلیا تو کافی ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کو کہ آپ نے زوال کے بعد رمی کیا، استحباب پر محمول کیا ہے)۔

ان دونوں حضرات کی عبارتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی زوال شمس سے پہلے کی جاسکتی ہے اور جن روایتوں سے آپ ﷺ کا زوال کے بعد رمی کا ثبوت ملتا ہے وہ استحباب وفضیلت پر محمول ہے۔ اگر چہ کہ احناف کے نزدیک اس قول پر فتویٰ نہیں ہے اور مشہور و مفتیٰ بہ قول زوال سے پہلے رمی کے عدم جواز کا ہے لیکن اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ضرورت وحاجت کے وقت ضعیف قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے رسم المفتی میں اس کی مکمل وضاحت فرمائی ہے (شرح عقود رسم المفتی)۔

لہٰذا حجاج کی کثرت اور رمی کے وقت ہونے والے حادثات کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کی سہولت وآسانی کے لیے اگر اس کو اختیار کرلیا جائے تو مناسب وبہتر ہوگا۔

۳۔ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا:

احناف اور شوافع کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا مستحب وقت زوال شمس کے بعد سے غروب آفتاب تک رہتا ہے، اور وقت جواز زوال شمس سے طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، صبح صادق کے طلوع کے بعد ادا کا وقت فوت ہوجاتا ہے اور قضا کا وقت ایام تشریق کے آخری دن سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔ بغیر کسی عذر کے وقت استحباب سے رمی کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہے مثلاً ازدحام وغیرہ تو اس صورت میں کراہت بھی باقی نہیں رہے گی (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۸۱، شرح المہذب ۸/ ۱۷۸)۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت ان دنوں کے غروب شمس تک رہتا ہے (حاشیۃ الصاوی ۱/ ۲۸۱، کشاف القناع ۱/ ۶۲۲)۔

اس تمہید کے بعد سوالنامہ میں دریافت کردہ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر زوال شمس سے غروب آفتاب تک رمی کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو تو بلا ضرورت رات تک رمی کو مؤخر کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، اور اگر ازدحام وغیرہ کی وجہ سے ہو جیسا کہ آجکل عام طور سے ایسا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اگر وقت استحباب میں رمی کرنے میں جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں رات میں ہی رمی کرنا زیادہ بہتر ہوگا، اور ان شاء اللہ یہی وقت اس کے لیے وقت استحباب ہوگا۔

۴۔ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک ٹھہرنے سے ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کا لزوم:

تقریباً ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہے، ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپسی درست ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فمن تعجل في يومين فلا أثم عليه ومن تأخر فلا أثم عليه'' (سورۂ بقرہ/ ۲۰۳)۔

(جو جلدی کر کے دو دنوں میں چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں)۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص ۱۲ ذی الحجہ کو غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرا رہے تو کیا ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی؟ تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی۔ حنبلی مکتب فکر کے ترجمان علامہ ابن قدامہ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو شخص نفر اول میں عجلت چاہے تو غروب آفتاب سے پہلے نکل جائے، اگر سورج غروب ہو گیا تو پھر منیٰ سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ یہی حضرت عمر، جابر بن زید، عطا، طاؤس، مجاہد، امام مالک، امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے۔

ان حضرات نے مذکورہ بالا آیت سے استدلال کیا ہے:

نیز ابن ماجہ کی یہ روایت بھی ان کا مستدل ہے۔ ''أيام منى ثلاثة ، فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه و من تأخر فلا إثم عليه''۔ (ایام منیٰ تین ہیں، جو کوئی دو دنوں میں عجلت کرلیں تو کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے)۔

علامہ ابن قدامہ ان نصوص سے استدلال کی نوعیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یوم کہتے ہیں نہار شرعی کو جو صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، پس جو شخص ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے نہیں نکلا تو وہ نص میں موجود لفظ یوم کے مصداق میں شامل نہیں ہوگا، اور نص میں ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کے سقوط کے لیے ۱۲ ذی الحجہ کے نہار شرعی میں منیٰ سے نکل جانا ہے، لیکن اگر کوئی شخص منیٰ سے نہیں نکلا کہ ۱۲ تاریخ کا سورج غروب ہو گیا اور چونکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی نہار شرعی ختم ہو گیا، اس لئے اب اس شخص کے لیے ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کے بغیر منیٰ سے نکلنا درست نہیں ہوگا (المغنی ۳/۴۸۷)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے بعد ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کے لیے وہیں قیام کرنا بہتر ہے، لیکن ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد واپس جانا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر یہ واپسی غروب شمس سے پہلے ہو تو بہتر ہے اور غروب شمس کے بعد طلوع صبح صادق تک واپسی مکروہ ہے۔ اور اس کی وجہ سے نہ اس پر کوئی کفارہ لازم ہوگا اور نہ ہی ۱۳ ذی الحجہ کی رمی (ردالمحتار ۳/۴۸۱، البدائع ۲/۲۵۰)۔

اس مسئلہ میں حالات وضروریات کے مدنظر احناف کا مسلک زیادہ راجح ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ اگر ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد بھی وہیں ٹھہر رہا جائے تب بھی ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے وہاں سے نکل جایا جائے۔

۵۔ معذور وخواتین کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے جیسا کہ وضاحت گذر چکی، اس لیے ان دونوں حضرات کے نزدیک بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے میں کوئی قباحت نہیں، البتہ امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، اس لیے اگر کسی نے اس سے پہلے رمی کرلیا تو کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کا اعادہ لازم وضروری ہے۔

لیکن آج کل حجاج کی غیر معمولی تعداد اور رمی جمار کے موقع پر ہونے والے حادثات واموات کے پیش نظر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت دینی چاہئے، کیونکہ بقول ان دونوں مسالک کے ترجمان یہ اجازت حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

جمہور علمائے امت کے نزدیک ۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے لیکن بلا ضرورت اس کو ترک کرنا غیر مناسب ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ مکہ سے یوم الترویہ کو احرام باندھ کر نکلے اور منیٰ میں ظہر کی نماز ادا کرے، اور وہیں پر قیام کرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز ادا کرے، یہی مسلک سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام اسحاق اور اصحاب رائے کی ہے، اور ہمیں اس کے بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، اور یہ ان فقہاء میں سے

کسی کے نزدیک واجب نہیں (المغنی ۳؍ ۴۳۲، البحر الرائق ۲؍ ۳۴۴، حاشیہ ابن عابدین ۳؍ ۴۵۹)۔

مزید لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن زبیر نے منیٰ میں قیام کے بجائے یوم الترویہ کو فجر کی نماز مکہ میں ہی ادا کی تھی (المغنی ۳؍ ۴۳۲)۔

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ۸؍ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا واجب وضروری نہیں ہے بلکہ بہتر ومستحب ہے۔

البتہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنے کے بارے میں علماء وفقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔

پہلا مسلک:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو حاجی کے لیے منیٰ میں قیام سنت ہے۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارنے کی اجازت دی تھی (بخاری، مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب جمرہ عقبہ کی رمی کر چکو تو جہاں چاہو رات گذارو (ابن ابی شیبہ، المغنی ۳؍ ۴۸۲)۔

البتہ فقہاء احناف نے بھی صراحت کی ہے کہ بلا کسی عذر کے قیام منیٰ ترک کرنا مکروہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں: فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغيرها كره ولايلزمه شئ (حاشیہ ابن عابدین ۲،۴۷۹، نیز ھدایہ ۱،۲۲۳، البدائع ۲،۳۶۳، البحر الرائق ۲،۳۴۸)۔

ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرے، اور یہ سنت ہے، پس اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ رات گذارے تو مکروہ ہے اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

دوسرا مسلک:

تقریباً ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے اور بلا کسی عذر کے ترک قیام درست نہیں ہے اور ترک کی صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ کچھ اعذار کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی قیام ساقط ہوجاتا ہے مثلاً اونٹ کے چرواہے، اہل سقایہ، اسی طرح وہ شخص جس کو منیٰ میں قیام کی وجہ سے اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا ایسا مرض لاحق ہو جس کے ساتھ قیام دشوار ومشکل ہو، یا کوئی دوسرا شخص اس کی تیمارداری کا محتاج ہو وغیرہ۔

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گذارنا احناف کے نزدیک سنت ہے، بلا عذر ترک کرنا مکروہ ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ کراہت بھی نہیں رہے گی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگرچہ ان راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے لیکن اعذار کی فہرست بھی کافی طویل ہے، اور میری ناقص سمجھ کے مطابق موجودہ دور میں حجاج کی غیر معمولی تعداد وکثرت اور منیٰ میں منیٰ کی وسعت کے باوجود جگہ کی تنگی بھی ایک معقول عذر ہونی چاہئے جس کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی ان راتوں میں قیام واجب نہ ہو، بلکہ حسب استطاعت سنت ومستحب ہو۔ لہٰذا میرے خیال میں حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ کے شہر اندر ہو یا مضافات شہر یا مزدلفہ کے میدان میں ہو۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں وسعت۔ وقت کی اہم ضرورت

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی[1]

رمی جمار کے اوقات فقہاء کے نزدیک:

رمی جمار کے وقت جواز کے سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں اور اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ کیا دسویں ذی الحجہ کو فجر سے قبل رات میں تنہا رمی کی جاسکتی ہے یا فجر کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے قبل یا طلوع ہونے کے بعد، اور یہ کہ رمی کا وقت کب تک باقی رہتا ہے؟ زوال تک یا مغرب تک یا رات میں بھی؟ یا تمام ایام تشریق میں؟ اس سلسلے میں فقہی مذاہب پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مذہب حنفی:

جمرۂ عقبہ کی رمی شروع کرنے کا افضل وقت دسویں ذی الحجہ کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، ''أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الشمس قبل الزوال وهذا عندنا'' (بدائع الصنائع ۲٫۲۲۳)، اور منیٰ میں یہ حج سے متعلق پہلی عبادت ہے جیسا کہ مبسوط سرخسیؒ میں مذکور ہے، اور رمی کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے (مبسوط السرخسی ۴؍۶۴)۔

لیکن اگر رات میں رمی کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی رخصت عطا فرمائی تھی، نیز جب پورا دن رمی کا وقت ہے تو رات بھی دن کے تابع ہوگی جیسا کہ وقوف کے حکم میں نحر کی رات کو یوم عرفہ کے تابع قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ مبسوط السرخسی ((۴؍۶۵) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے دن زوال تک باقی رہتا ہے اور اس کے بعد قضا ہوتی ہے، اس لیے کہ بعد کے تینوں دنوں کی رمی کا وقت نصف دن ہے، اس طرح پہلے دن بھی رمی کی ادائیگی نصف دن میں ہوگی۔

احناف کے نزدیک دوسرے فقہاء کی طرح تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے لیکن آخری دن تیرہ ذی الحجہ کو فجر کے بعد بھی رمی جائز ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ قربانی کے دنوں میں گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کا وقت بعد زوال ہے، لہٰذا مشہور قول کی رو سے اس سے قبل جائز نہیں ہے، اور ایک قول کے مطابق جائز ہے، اور وقت مسنون زوال سے لے کر غروب تک ممتد ہے، اور غروب سے لے کر طلوع تک وقت مکروہ ہے، اور جب چوتھے دن کی فجر طلوع ہوجائے تو اب ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا، اور ایام تشریق کے آخر تک وقت قضا رہتا ہے (شامی ۲؍۵۲۱)۔

اور اگر عید کے دن یا دوسرے اور تیسرے دن میں سے کسی دن رمی نہ کرسکے تو آنے والی رات میں یعنی عید کے چوتھے دن تک (تیرہ ذی الحجہ تک) کسی اگلے دن رمی کرے، اور اس پر کوئی چیز نہیں ہے مگر اس نے برا کیا اگر بغیر عذر کے کیا ہے (شامی ۲؍۵۲۱)۔

اور اگر تمام ایام کی رمی کو مؤخر کیا تو سب کی قضا کرے گا، اور اس پر تاوان ہے، اور اگر قضا بھی نہیں کی یہاں تک کہ چوتھے دن کا سورج بھی غروب ہوگیا تو اب قضا کا وقت بھی فوت ہوگیا، اور وہ فرماتے ہیں کہ چوتھے دن کی فجر کے بعد چوتھے دن کی رمی کا وقت ادا ہے، اور دیگر گزرے ہوئے ایام کی رمی کا وقت قضا ہے، اور دلیل حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ جب دن شروع ہوجائے تو رمی کرو (المبسوط للسرخسی ۴؍۶۵، نیز شامی ۲؍۵۲۱۔۵۲۲)۔

اور جس طرح پہلے دن میں زوال شمس سے قبل رمی کرنا جائز ہے اسی طرح آخری دن میں بھی قبل زوال شمس رمی کرنا جائز ہے، اور یہ اس لیے کہ چوتھے دن میں رمی کو بالکلیہ ترک کرنا جائز ہے، پس اس لحاظ سے اس دن کی رمی نوافل کے مشابہ ہوگئی اور نوافل میں توقیت عزیمت نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس میں زوال سے پہلے

---

[1] مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

رمی کو جائز قرار دیا تا کہ حاجی رات سے پہلے مکہ پہنچ جائے (دیکھئے: المبسوط ۴/۶۹)۔

مذہب مالکی:

امام مالکؒ نے امام نافعؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر روایت فرماتے تھے کہ تینوں دنوں میں زوال آفتاب سے قبل رمی نہیں کی جائے گی جیسا کہ مؤطا امام مالک میں یہ روایت مذکور ہے: "عن نافع أن عبد الله بن عمر كان يقول لا ترمى الجمار الثلاثة حتى تزول الشمس" اور ایک قول کے مطابق قبل زوال شمس رمی کرنا سنت ہے، جیسا کہ اوجز المسالک (۱۸/۵۷) میں ہے:

"لیکن اگر کوئی شخص زوال سے قبل رمی کرلے تو جمہور علماء کے نزدیک بعد زوال رمی کا اعادہ ضروری ہے، یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، اصحاب الرائے اور اسحاق کا قول ہے (اوجز المسالک ۸/۵۷)۔

امام مالکؒ کے یہاں یوم النحر کو رمی کا وقت طلوع فجر سے داخل ہوجاتا ہے اور غروب تک وقت ادا باقی رہتا ہے، پھر ایام تشریق کے آخر تک وقت قضا باقی رہتا ہے، اور افضل وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے (ہدایۃ السالک ۲/۱۰۹۴)۔

مذہب شافعی:

امام شافعیؒ کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی فجر سے قبل رات میں جائز ہے، اور حضرت ام سلمہ کی حدیث کی بنا پر رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے داخل ہوتا ہے اور غروب شمس تک باقی رہتا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد اور زوال سے پہلے رمی کی جائے (ہدایۃ السالک ۲/۱۰۹۴)۔

ووقت رميها الفاضل عند الشافعية بعد ارتفاع الشمس قدر رمح وقبل الزوال (هداية السالك ۳/۱۰۹۶)۔

خلاصہ یہ کہ شوافع کے یہاں رمی کے اوقات تین قسم پر ہیں: (۱) افضل وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے، (۲) وقت اختیار: زوال سے لے کر غروب تک ہے، (۳) وقت جواز: ایام تشریق کے آخر تک ہے۔

مذہب حنبلی:

حنابلہ کے یہاں رمی کا افضل وقت آفتاب طلوع ہونے کے بعد سے لے کر زوال تک ہے، اور وقت جواز نصف شب سے ایام تشریق کے آخر تک ہے، لیکن ایام تشریق کی راتوں میں رمی نہیں کرے گا، اور اگر کوئی رمی کو مؤخر کرے تو وہ تشریق میں زوال کے بعد کریگا اور اس پر کوئی دم نہیں ہوگا، خلاصہ یہ کہ عند الحنابلہ رمی کے اوقات دو قسم پر ہیں:

(۱) وقت افضل آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، (۲) وقت جواز اس کی ابتداء دسویں تاریخ کی نصف شب سے ہوتی ہے (ہدایۃ السالک ۳/۱۰۹۷، کتاب الفقہ ۱/۶۰۲)۔

مذکورہ بالا تمام فقہی مذاہب اور آراء سے متعلق جو شرعی نصوص ہیں ان کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ ان شرعی نصوص کا گہرائی سے مطالعہ اور غور وفکر کر کے صحیح و درست نتیجہ پر پہنچ سکیں، وہ شرعی نصوص یہ ہیں:

۱۔ ''واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون'' (سورۂ بقرہ/۲۰۳)۔ (اور اللہ کو یاد کرو مقررہ دنوں میں پھر جو شخص جلدی کر کے (دو دن میں منیٰ سے) چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے)۔

جمہور مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ایام معدودات سے مراد یوم النحر کے علاوہ ایام تشریق (یعنی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں ذی الحجہ) ہیں، اور ایام تشریق مراد ہونا آیت کریمہ کے بعد والے ٹکڑے "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه" سے ہے۔ نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: أيام منى ثلاثة فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، کہ منیٰ کے ایام تین ہیں پس جو شخص دو دنوں میں جلدی کر کے (منیٰ سے کوچ کر جائے) اس پر کوئی حرج نہیں ہے (احکام القرآن لابن العربی ۱/۱۹۹)۔

مذکورہ آیت کو یہ اپنے نص سے اور سنت نبوی سے اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایام تشریق تینوں جمرات کی رمی کا وقت ہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت پر آئندہ آنے والی صحیح حدیث دلالت کرتی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری میں باب رمی الجمار کے تحت اور صحیح مسلم میں باب بیان وقت استحباب الرمی کے تحت حضرت جابرؓ کی یہ روایت مذکور ہے: "رمی النبی ﷺ یوم النحر ضحی ورمی بعد ذلك بعد الزوال" (آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو چاشت کے وقت کی اور اس کے بعد والے ایام میں زوال آفتاب کے بعد کرتے تھے)۔

۳۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے: "عن عائشة قالت: نزلنا المزدلفة فاستأذنت النبي ﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس وكانت امرأة بطيئة فأذن لها. فدفعت قبل حطمة الناس وأقمنا حتى أصبحنا نحن ثم دفعنا بدفعه فلأن أكون استأذنت رسول الله ﷺ كما استأذنت سودة أحب إلي من مفروح به"۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ لوگوں کے ازدحام سے پہلے منیٰ روانہ ہوجائیں، وہ سست رفتار عورت تھیں، تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی، تو وہ لوگوں کے ازدحام سے قبل منیٰ چلی آئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ میں مقیم رہے، اگر میں حضرت سودہ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرلیتی تو مجھ کو خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا)۔

جمرۂ عقبہ کے پاس حضرت عائشہ بھیڑ دیکھ کر تمنا کررہی ہیں کہ کاش میں بھی حضرت سودہؓ کی طرح مزدلفہ سے پہلے چلنے کی اجازت حاصل کرلیتی۔

۴۔ باب إذا رمى بعد ما أمسى کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے: "عن ابن عباس ﷺ قال كان النبي ﷺ يسأل يوم النحر بمنى فيقول: "لاحرج"، فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح قال: "اذبح ولا حرج"، قال: رميت بعد ما أمسيت فقال: "لاحرج"۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں حج کے مسائل آپ ﷺ سے دریافت کئے جاتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا، آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی کرلو کچھ حرج نہیں، اور اس نے عرض کیا کہ میں نے شام ہوجانے کے بعد رمی کی، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں)۔

۵۔ باب رمی الجمار کے ماتحت امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے: "عن وبرة قال: سألت عن ابن عمر ﷺ متى أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامك فارمه فأعدت عليه المسئلة قال كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا"۔

(حضرت ابن عمر سے حضرت وبرہؒ نے سوال کیا کہ میں رمی جمار کب کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارے امام رمی کریں تو تم بھی رمی کرو، میں نے ان سے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا: ہم لوگ انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو ہم لوگ رمی کرتے تھے)۔

اس روایت میں دلیل ہے اس بات پر کہ عید کے دن کے ماسوا ایام میں رمی جمار زوال کے بعد سنت ہے۔

۶۔ "عن أسماء أنها نزلت ليلة جمع عند المزدلفة فقامت تصلي فصلت ساعة ثم قالت: يا بني هل غاب القمر؟ قلت: لا. فصلت ساعة. ثم قالت: هل غاب القمر؟ قلت: نعم. قالت: فارتحلوا فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها. فقلت لها: يا هنتاه ما أرانا إلا قد غلسنا. قالت: يا بني أن رسول الله ﷺ أذن للظعن"۔ (حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ وہ جمع بین الصلوٰتین کی رات مزدلفہ میں اتریں، پھر نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئیں تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر (اپنے غلام عبداللہ) سے دریافت کیا: اے میرے بیٹے! کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے پھر تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر دریافت کیا: کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر تو کوچ کرو، تو ہم لوگوں نے کوچ کیا اور ہم چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی پھر واپس ہوئیں اور اپنی منزل پر صبح کی نماز ادا کی، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہمارا خیال ہے کہ ہم نے تاریکی میں وقت سے پہلے کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے)۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فجر سے قبل سویرے عورتوں کے لیے رمی کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے، اس طرح غلام کے "غلسنا" کا اپنے اس قول سے جواب دیا ہے جو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے: "لقد كنا نفعل ذلك مع من هو خير منك تعني النبي ﷺ" کہ یہ کام ہم ان کے ساتھ کرتے تھے جو تم سے بہتر ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فتح الباری ۴ / ۳۴۴)۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: "إنا كنا نصنع هذا على عهد رسول الله ﷺ" ہم یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کرتے تھے (فتح الباری ۴، ۳۴۴)۔

۷۔ امام بخاریؒ نے باب من قدم ضعفة أهله بليل کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے: "أنا ممن قدم النبي ﷺ ليلة المزدلفة في ضعفة أهله" کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو مزدلفہ کی رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ آگے (منیٰ میں) بھیج دیا تھا۔

۸۔ امام مالکؒ نے باب تاخیر رمی الجمارة من علة أو من غير علة کے تحت یہ روایت نقل فرمائی ہے: "عن رسول الله ﷺ أنه رخص لرعاء الإبل في البيتوتة. يرمون يوم النحر ثم يرمون من الغد، أو من بعد الغد ليومين ثم يرمون يوم النفر"۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں کو (منیٰ سے باہر) رات گذارنے کی اجازت دی، وہ یوم النحر کو رمی کرتے تھے، پھر اس کے بعد کل یا پرسوں دونوں کی رمی کرتے تھے، پھر منیٰ سے کوچ کرنے کے دن رمی کرتے تھے) (مؤطا امام مالکؒ ۴ / ت ۴۰)۔

اور ممکن ہے کہ مذکورہ حدیث میں "يرمون يوم النحر" سے مراد یہ ہو کہ یوم النحر کی رمی اس کی رات میں کی جائے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں اور دن میں جس وقت چاہے رمی کرنے کی اجازت عطا فرمائی (ہامش مؤطا امام مالک ۲ / ۴۰۸)۔

۹۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ قال لغلمان بني عبد المطلب: لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (اخرجه أبوداؤد والنسائي والطحاوي وابن حبان من طريق الحسن العرني) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عبد المطلب کے بچوں سے فرمایا کہ تم جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے (فتح الباری ۴ / ۳۴۴)۔

ان شرعی و فقہی نصوص کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

۱۔ یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی میں افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے اور ایام تشریق میں افضل وقت زوال کے بعد سے غروب تک ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

۲۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمزور عورتوں اور بچوں کے لیے طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت دی ہے، البتہ فجر سے قبل رمی کی تھی یا اس کے بعد اس میں اختلاف ہے، احتمال دونوں طرح کا ہے۔

۳۔ یہاں اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جس شخص کی ایک دن کی رمی چھوٹ جائے تو وہ دوسرے دن اول فرصت میں رمی کرے گا جو اسے حاصل ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ ۱۳ ذی الحجہ کی شام کو رمی ختم ہو جائے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی فوت ہو جائے تو زوال کے بعد رمی کرے گا یا کسی وقت بھی؟ اسی طرح اگر تینوں جمرات کی رمی کسی دن فوت ہو جائے تو وہ اس کی قضا زوال سے لے کر غروب تک کرے گا یا کسی وقت بھی رمی کی قضا کرنا صحیح ہے؟

۴۔ یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے کہ ہمارے فقہاء نے خاص حالات والوں کے لیے یا بھیڑ یا مرض کو ایسے اعذار میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے ان کے لیے دوسرے وقت میں یا دوسرے دن رمی کرنا جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا شرعی نصوص سے بھی واضح ہوتا ہے۔

اور ان جیسے حالات کی بنیاد پر فقہ حنفی میں بھی یوم النحر کی رمی میں رخصت دیئے جانے کا تذکرہ ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "لكن لو تركه بعذر كزحمة لمزدلفة لا شئ عليه" (شامی ۲، ۵۱۱) اگر کوئی شخص ازدحام اور بھیڑ کے خطرہ کی بنیاد پر مزدلفہ میں رات گزارنا چھوڑ دے اور طلوع آفتاب سے قبل رمی کر لے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

اور مبسوط سرخسی میں ہے: "فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه" (المبسوط

للسرخسی ۶۸/۴) اگر کسی نے یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے کرلی تو کافی ہوجائے گا۔

اور احناف سے دوسرے اور تیسرے دن کی رمی کے سلسلے میں ایک غیر مشہور روایت یہ بھی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن میں افضل یہی ہے کہ زوال کے بعد رمی کی جائے لیکن اگر زوال سے پہلے بھی کرلی تو جائز ہے کیونکہ یوم النحر کو رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے تو دوسرے اور تیسرے دن میں بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ تینوں ایام یوم النحر ہی ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۴)۔

امام الحسن، امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا ارادہ نفر اول (منیٰ سے مکہ کی طرف کوچ کرنے) میں تعجیل ہے تو وہ تیسرے دن قبل زوال رمی کرلے اس پر کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بعد زوال رمی کی تو وہ افضل ہے، اور اگر اس کا قصد تعجیل نہیں ہے تو زوال کے بعد رمی کرے گا کیونکہ جب حاجی کا ارادہ تعجیل کا ہے تو زوال کے بعد تک رمی کو مؤخر کرنے میں بسا اوقات حرج لاحق ہوتا ہے کہ وہ مکہ رات میں پہنچے گا، تو وہ زوال سے پہلے رمی کرنے کا محتاج ہے تاکہ مکہ دن میں پہنچے اور اپنے پڑاؤ کی جگہ معلوم کرلے تو اس کو اس کی (قبل زوال رمی کرنے کی) رخصت ضرور دی جائے گی لیکن افضل ان حالات میں بھی بعد زوال ہی ہے (المبسوط ۴/ ۶۸)۔

مذکورہ نصوص شرعی وفقہی کو سامنے رکھتے ہوئے رمی جمار کے اوقات میں بقدر ضرورت جب تک یہ نازک حالات برقرار رہیں اس طرح کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۱۔ وقت افضل:...... یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک رہے گا، آپ ﷺ کی اتباع میں یہی افضل ہوگا، اور گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے اور اس پر وہ تمام حضرات عمل کریں گے جو جسمانی طاقت رکھتے ہوں اور پریشان کن مرض یا ضیاع جان کا خطرہ نہ ہو۔

۲۔ وقت جواز:...... یہ ہر اس شخص کے لیے وقت رخصت ہے جو وقت افضل میں رمی کرنے پر قادر ہو، ایسا شخص جمرۂ عقبہ کی رمی عید کے دن طلوع فجر سے قبل شروع کردے جیسا کہ آپ ﷺ نے کمزور عورتوں اور بچوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح حضرت اسماءؓ نے بھی رمی کی ہے اور یہ وقت اگلے دن کی فجر تک ہے یعنی گیارہویں کی صبح تک باقی رہتا ہے، اور یہ قول زمانہ کے حالات کے زیادہ مناسب ہے خاص طور پر جانوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے، اور تینوں جمرات کی رمی فجر سے شروع ہوکر اگلے دن کی فجر تک اس کا وقت باقی رہے گا، البتہ آخری دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کو غروب تک باقی رہتا ہے۔

۳۔ وقت قضاء:...... ایام تشریق اور رمی کے تمام ایام ہیں۔ لہٰذا جو شخص یوم النحر کو اول وقت میں جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرسکے یا بعد کے دنوں میں کسی بھی جمرہ کی رمی نہ کرسکے یا عذر کی بنیاد پر مکمل رمی چھوڑ دے تو وہ ایام تشریق میں اس کی قضا کرے، اور اس کے لیے وقت قضا گیارہ ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی مغرب تک ہے جیسا کہ ماسبق میں ذکر کردہ مبسوط کی عبارت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

نبی رحمت ﷺ کی احادیث اور فقہائے امت کی تصریحات، ان کے مستنبط کردہ قواعد کی روشنی میں یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے لے کر مغرب تک ہے، لیکن فقہائے امت میں سے کسی نے بھی ضرورت کی بنیاد پر دیگر اوقات میں رمی کو ممنوع نہیں کیا ہے اور ازدحام شدید تمام ضروریات سے بڑھ کر ضرورت ہے کیونکہ اس بات کا گویا یقین ہے کہ منیٰ میں ہر سال محض بھیڑ کی وجہ سے بہت سے افراد کی جانیں جاتی ہیں۔

یہ ضرورت اس بات کو لازم کرتی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک رمی کے وقت میں توسیع کی جائے اور بقیہ دنوں کی رمی میں اس دن کی فجر سے لے کر اگلے دن کی فجر تک، یہاں تک کہ تیرہ ذی الحجہ کا آفتاب غروب ہوجائے۔

پھر بھیڑ کا عام طور پر بہت سے احکام میں اعتبار کیا گیا ہے مثلاً طواف اور سعی میں مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ مزاحمت نہ کرنے کے سلسلے میں، یا حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلے میں اور کمزوروں کو سویرے رمی کی اجازت دینے کے سلسلے میں، تو پھر حاجیوں کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے حقیقی خطرہ لاحق ہو تو پھر اس مسئلہ میں توسیع کا راستہ اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی۔

شرعی وسعت:

جس کو بھیڑ کا خطرہ ہو اور مزدلفہ میں رات گزارے بغیر عرفات سے سیدھا منیٰ چلا جائے اور قبل طلوع شمس رمی کرے تو اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا جیسا کہ ماسبق میں ذکر کردہ شامی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، اسی طرح مبسوط میں ہے:

فإن رمى جمرة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه. کہ اگر یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع فجر کے بعد طلوع شمس سے قبل کی تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو اگر کوئی قبل زوال رمی کرے تو جائز ہے جیسا کہ سرخسی اور بدائع کی عبارتیں گزریں۔

جو لوگ وقت افضل اور وقت مسنون میں رمی کرنے پر قادر نہ ہوں وہ لوگ بغیر کراہت کے بعد غروب بھی رمی کر سکتے ہیں۔ بوڑھے، بیمار، معذورین اور خواتین وغیرہ رات سے منیٰ پہنچ جائیں اور صبح صادق ہوتے ہی یہ حضرات رمی کر سکتے ہیں۔

مذکورہ وسعتیں عذر کی بنیاد پر دی جارہی ہیں، اور جب تک یہ عذر باقی رہے گا ان وسعتوں پر مع شرائط ماسبق عمل کرنے کی گنجائش باقی رہے گی، اور جیسے ہی یہ اعذار ختم ہو جائیں گے یہ رخصتیں پھر باقی نہیں رہیں گے، قاعدہ ہے: "ما جاز لعذر بطل بزواله" کہ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہو عذر کے زوال سے اس کا جواز باطل ہو جائے گا۔

تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کب لازم ہوگی:

رمی جمار کے لیے چار دن مقرر ہیں، قربانی کا پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے تین دن، پہلا دن یعنی یوم النحر کو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی واجب ہے اور اسکے بعد دو دن جو ایام قربانی بھی ہیں اور ایام تشریق بھی ہیں یعنی گیارہویں ذی الحجہ جس کو یوم القر بھی کہتے ہیں یعنی ٹھہرنے کا دن، اور بارہویں ذی الحجہ جس کو یوم النفر الاول یعنی روانگی کا پہلا دن کہتے ہیں، ان دونوں میں تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اور چوتھا دن تشریق کا خاص دن ہے اور وہ تیرہویں ذی الحجہ ہے جس کو یوم النفر الثاني یعنی روانگی کا دوسرا دن کہتے ہیں، اس روز کی رمی کب واجب ہوتی ہے اس سلسلے میں فقہاء کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام مالکؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نقل فرمائی ہے: "إن عبدالله بن عمر كان يقول: من غربت له الشمس من أوسط أيام التشريق وهو بمنى فلا ينفرن حتى يرمي الجمار من الغد" (مؤطا إمام مالك باب من غربت له الشمس وهو في النفر الأول وهو بمنى) کہ جو شخص منیٰ میں ہے اور ایام تشریق کے اوسط (بارہوی ذی الحجہ) کو سورج غروب ہو گیا تو وہ روانہ نہ ہو یہاں تک کہ جمرات کی رمی کرلے آئندہ کل (ایام تشریق کے تیسرے دن میں)۔

موفق فرماتے ہیں کہ حاجی کے منیٰ سے خروج کرنے سے پہلے سورج غروب ہو گیا تو وہ روانہ نہ ہو، چاہے وہ کوچ کر چکا ہو یا اپنی جگہ پر مقیم ہو اس کے لیے منیٰ سے نکلنا جائز نہیں ہے، اور یہی قول حضرت عمرؓ، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، مالک، ثوری، شافعی، اسحاق اور ابن منذر کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تیرہویں کی فجر طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کے لیے روانگی جائز ہے، کیونکہ دوسرا دن داخل نہیں ہوا ہے لہذا اس کے لیے روانگی جائز ہوگی (أوجز المسالک ۸/۴۶)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حاجی کے لیے منیٰ سے (طلوع فجر سے قبل نہ کہ اس کے بعد) روانہ ہونا جائز ہے رمی کا وقت داخل ہونے کی وجہ سے، لیکن وہ غروب شمس سے پہلے روانہ ہو جائے یعنی تیرہویں کو، لیکن پھر بھی روانہ نہیں ہوا غروب شمس تک تو اس کے لیے روانہ ہونا مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ تیرہویں کی رمی کرلے، اور اگر تیرہویں کی فجر سے پہلے رات ہی کو روانہ ہو گیا تو اس پر کوئی دم نہیں لیکن اس نے برا کیا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بعد غروب روانہ ہونا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص فجر طلوع ہو جانے کے بعد رمی کئے بغیر روانہ ہو تو بالاتفاق اس پر دم واجب ہے (شامی ۲/ ۵۲۳)۔

اور ہدایہ میں ہے کہ حاجی کے لیے چوتھے دن (تیرہویں ذی الحجہ) کی فجر سے پہلے (منیٰ سے) روانہ ہونا جائز ہے، پھر جب چوتھے دن کی فجر طلوع ہو جائے تو اس کے لیے روانگی جائز نہیں، کیونکہ رمی کا وقت داخل ہو چکا ہے، اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک جب بارہویں کا سورج غروب ہو جائے تو روانگی جائز نہیں ہے، اور یہی فرماتے ہیں امام مالکؒ اور امام احمدؒ، اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے حضرت عمرؓ کی روایت کی وجہ سے کہ جس

میں یہ الفاظ ہیں: ''أدركه المساء'' (أوجز المسالك ۸/۲۷)۔

لیکن چونکہ رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے کیونکہ تیرہویں کی رات بارہویں ذی الحجہ کے دن کے ساتھ ملحق ہے، یہی وجہ ہے کہ بارہویں کی رمی کو ترک کردیا اور اسی رات میں یہ رمی ادا کی تو جائز ہے۔ اور حضرت عمرؓ والی روایت ثابت ہوجائے تو وہ افضلیت پر محمول ہوگی کہ بعد غروب افضل یہ ہے کہ روانہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے تو حنفیہ بعد غروب نکلنے کو مکروہ کہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا شامی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

سرخسی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے تیسرے دن (بارہویں ذی الحجہ کو) رمی کرلی تو اس کو روانگی اور چوتھے دن کی رمی کرنے تک ٹھہرنے کے بارے میں اختیار ہے آیت کریمہ: ''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه'' کی وجہ سے، اور یہ اختیار چوتھے دن (تیرہویں) کی فجر تک ممتد ہوگا عندالاحناف، اور شوافع کے نزدیک تیسرے دن (بارہویں) کے غروب شمس تک ممتد ہوگا کیونکہ خیار میں منصوص علیہ 'یوم' ہے اور یوم غروب شمس تک ممتد ہوتا ہے، اور ہمارے (احناف کے) یہاں تیسرے دن کی رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے لہٰذا یہ اختیار قبل غروب شمس باقی رہے گا۔ بخلاف چوتھے دن کے کہ فجر کے طلوع کے بعد کا وقت چوتھے دن کی رمی کا وقت ہے لہٰذا اس کے بعد اختیار باقی رہے گا، اور یہاں تو راتیں اگلے دن کے تابع ہیں تو جس طرح اس کا اختیار تیسرے دن میں تھا اسی طرح بعد والی رات میں بھی باقی رہے گا (المبسوط ۴/۶۸)۔

خلاصۂ بحث:...... بارہویں ذی الحجہ کو حجاج کرام رمی جمار کے بعد قبل غروب منیٰ سے خروج کی فکر میں ہوتے ہیں اور ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر منیٰ میں اقامت کے دوران سورج غروب ہوگیا تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی بھی ہوجائے گی حالانکہ مغرب کے بعد منیٰ سے خروج کرنے کی زیادہ سے زیادہ کراہت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا فقہی نصوص اس پر دال ہیں، اگر غروب کے بعد بھی کوئی انسان نکلے گا تو اس پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، لہٰذا کوئی شخص بعد غروب بھی نکلے گا تو اس پر تیرہویں کو رکنا لازم نہیں ہے اور نہ ہی رمی کرنا واجب ہوگا، تیرہویں کا قیام اور پھر رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ تیرہ ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے تک مقیم رہا ہو۔

مبیت منیٰ کا حکم:

آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گزارنا بالاتفاق سنت ہے (یعنی نویں ذی الحجہ کی رات)۔

البتہ ایام تشریق کی راتیں (گیارہویں اور بارہویں رات متعجل کے لیے اور تیرہویں رات غیر متعجل کے لیے) منیٰ میں گزارنے کے بارے میں دو رائیں ہیں: (۱) مبیت منیٰ سنت ہے، (۲) مبیت منیٰ واجب ہے۔

پہلی رائے احناف کی ہے، آٹھویں ذی الحجہ کو مبیت منیٰ سنت ہے اور اسی طرح گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو بھی مبیت منیٰ سنت ہے، اگر کوئی ٹھہرا رہے تو یہ افضل ہے اور اگر ترک کردیا تو اس پر کوئی سزا نہیں، البتہ ترک سنت کی بنیاد پر مسیئ ہوگا، اور یہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت دی تھی۔

دوسری رائے جمہور کی ہے کہ تشریق کی دونوں راتیں اور غیر متعجل کے لیے تیسری رات بھی منیٰ میں گزارنا واجب ہے، اور جو شخص مبیت منیٰ کو ترک کردے اس پر دم واجب ہوگا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۳/۲۰۴)۔

اسی طرح اوجز المسالک (۸/۲۵) میں ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ منیٰ کی راتیں کوئی شخص منیٰ سے باہر نہ گذارے، اور مبیت منیٰ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اور احمد کی ایک روایت کے مطابق سنت ہے اور عدم وجوب پر دلیل حضرت عباسؓ سے مروی بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی پلانے کی غرض سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی، اگر یہ واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت عطا نہ فرماتے۔

اور شرح لباب میں ہے کہ نہ وہ مکہ میں رات گزارے اور نہ راستہ میں، اس لیے کہ منیٰ کی راتوں میں رات گزارنا ہمارے نزدیک سنت ہے، اور اگر رات کا اکثر حصہ غیر منیٰ میں گزارے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور ہمارے نزدیک ایسے شخص پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اور ماسبق میں گزر چکا ہے کہ ایک قول امام شافعیؒ کا اور ایک روایت امام احمد کی ہے کہ وہ سنت ہے اور اس کو روایت کیا گیا ہے حسن سے، اور امام محمدؒ نے باب کے ختم پر کہا کہ ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ کسی حاجی کو

حج کی راتوں میں منیٰ کے علاوہ میں رات گزارنا مناسب نہیں ہے، اگر ایسا کیا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ کا اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے (أوجز المسالک ۸/۲۷)۔

اسی طرح مبسوط سرخسی (۴/۶۷) میں ہے کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے ایام میں مکہ میں ٹھہرا رہا اور وہ روزانہ منیٰ میں آتا ہے اور رمی جمار کرتا ہے تو اس نے برا کیا اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے سنت چھوڑ دی ہے اور وہ ہے منیٰ میں منیٰ کی راتیں گزارنا، اور ہم نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ نے پانی پلانے کے واسطے اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرمائی، یہ دلالت کرتا ہے کہ مبیت منیٰ واجب نہیں ہے۔

اور یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گزارنے سے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔ ''قوله ومكث بها إلى فجر عرفة أفاد طلب المبيت بها فإنه سنة كما في المحيط'' (شامی ۲/۵۰۳)۔

اور مبسوط (۴/۵۲) میں ہے کہ حاجی کے لیے مستحب ہے یوم الترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کو منیٰ میں ظہر پڑھنا اور عرفہ کی صبح تک منیٰ میں قیام کرنا۔

نویں ذی الحجہ گزرنے پر مزدلفہ میں رات گزارنا:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں فجر تک رات گزارنا سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں ہے (شامی ۲/۵۱۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی الفقہ الاسلامی ۳/۱۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "والسنة أن يبيت ليلة الفجر بمزدلفة والبيتوتة ليست بواجبة" کہ نحر کی رات مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے اور مبیت مزدلفہ واجب نہیں ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مبیت مزدلفہ سنت ہے۔ "والمبيت بمزدلفة سنة" (فتاوی عالمگیری ۱/۲۱۹)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارتوں کی روشنی میں قیام منیٰ ومزدلفہ کی حیثیت:

۱۔ آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں فجر تک رات گزارنا (اس رات کو نہ مکہ میں رہے اور نہ عرفات میں) سنت ہے۔

۲۔ ایام تشریق کی راتوں کو منیٰ میں رہنا یعنی گیارہویں اور بارہویں کی رات میں، اور جو شخص تیرہویں کی رمی کرنا چاہے تو اس کو تیرہویں کی رات میں بھی منیٰ میں رہنا سنت ہے، اور یہاں راتوں سے مراد ان دنوں کے بعد آنے والی راتیں ہیں نہ کہ ان دنوں سے پہلے کی راتیں۔

۳۔ نویں ذی الحجہ گزرنے پر عرفات سے واپس ہوتے وقت مزدلفہ میں ساری رات گزارنا سنت ہے۔

اگر کوئی حاجی وادی محسّر اور جمرۂ عقبہ کے درمیانی حصہ میں کہیں بھی قیام کرے گا تو قیام منیٰ حاصل ہو جائے گا، اور ان حدود سے باہر قیام کرے گا تو قیام صحیح نہ ہوگا۔

حدود منیٰ میں آئے دن حجاج کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تنگی پیدا ہو رہی ہے (یہی وجہ ہے کہ حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ میں بھی اور حی العزیزیہ میں خیمے لگائے جاتے ہیں) ایسے حالات میں حاجی اگر حدود منیٰ میں جگہ نہیں پاتا ہے تو وہ مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں لگنے والے خیموں میں بلا کراہت قیام کر سکتا ہے، لیکن جن حجاج کو حدود منیٰ میں خیمے ملتے ہیں وہ لوگ وہیں پر قیام کریں تاکہ مبیت منیٰ کی سنت پر عمل ہو جائے اور تارک سنت کا بلا وجہ مرتکب نہ ہو۔

جن لوگوں کو حدود منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مبیت منیٰ اور قیام منیٰ حاصل نہ ہو سکے وہ لوگ حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں یا مکۃ المکرمہ میں یا مضافات مکہ میں جہاں بھی قیام کرنا چاہیں کر سکتے ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پلانے کی غرض سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ترک مبیت کی اجازت عطا فرمائی تھی۔

کیونکہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے تو کہیں بھی قیام کر سکتا ہے إذا ضاق الأمر اتسع. لہٰذا مزدلفہ وغیرہ میں لگے ہوئے خیموں میں بھی قیام کرنا جائز ہوگا مگر مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہیں ہوگی، البتہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ترک سنت کی بنیاد پر مسیٔ نہیں کہلائے گا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا عبدالرشید قاسمی [1]

طلوع شمس سے پہلے صبح صادق سے دس ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ کسی عذر کی وجہ سے مثلاً مرض یا عورت کو بھیڑ کا خطرہ ہو تو مزدلفہ سے منیٰ آنے میں عجلت کرنا اور رات میں منیٰ آ جانا جائز ہے، اور حدیث پیش فرماتے ہیں جس میں آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں میں سے کمزور لوگوں کو پہلے ہی رات میں مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا تھا لیکن اگر کوئی شخص بغیر عذر ایسا کرے تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور رمی کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے، اور اگر رات ہی میں رمی کرلے تو اس پر کچھ واجب نہیں (المبسوط ۶۸/۴، نیز شامی ۵۲۹/۳)۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھیڑیں تو مزدلفہ، رمی جمار اور وقوف عرفہ میں ہر جگہ ہوتی ہے تو کیا عرفات سے بھی غروب شمس سے پہلے کوچ کر جائے، اس پر علامہ شامی نے کافی تفصیل اور دلچسپ بحث کی ہے، یہاں پر ہم صرف جواب کے حصے کو نقل کررہے ہیں:

عجز اور مرض وغیرہ یہاں پر جو عذر مانا گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: "قدم ضعفة أهله بليل" کی وجہ سے، اور عرفات میں اس کو عذر نہیں مانا گیا، مزید یہ کہ بعد طلوع شمس کوچ کرنے میں مشرکین کی مخالفت بھی ہے اس لیے کہ وہ لوگ عرفات سے قبل غروب ہی کوچ کر جاتے تھے۔

اس کے بعد علامہ شامی ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بنا پر ہو تو اس کے ترک پر کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کیا تو اس کا حکم الگ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

لہٰذا اگر عذر کی وجہ سے کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کیا مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اس پر تاوان ہے، اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے فجر سے پہلے رمی کرلے تو اس نے برا کیا لیکن اس پر کچھ واجب نہ ہوگا (دیکھئے: شامی ۵۲۹/۳)۔

اس مسئلے میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے:

ازدحام کے مسئلہ میں مرد و عورت کا حکم برابر ہے، علامہ شامی نے اس سلسلہ میں جو طویل بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مزدلفہ سے کوچ کے عموم میں راستوں میں کافی بھیڑ ہو جائے گی اور وقوف مزدلفہ بھی ترک ہوگا، اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ صرف عورتوں کو حکم دیا جائے، مرد اس حکم میں شامل نہ ہوں، اور محیط میں جہاں مطلق ذکر کیا گیا ہے یعنی ہجوم کو عورتوں کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا وہاں مراد صرف عورتیں ہی ہوں مرد نہ ہوں، اس لیے اعذار کا عورتوں کے ساتھ ہونا واضح ہے بخلاف مردوں کے، یا محیط کے اطلاق میں مردوں کو بھی شامل کیا جائے لیکن وہ مرد جو بیمار یا ضعیف ہوں جیسا کہ سراج میں اس کی صراحت بھی ہے کہ حکم صرف عورتوں کو ہے الا یہ کہ مردوں کو ضعف یا مرض لاحق ہو تو وہ رات میں کوچ کر سکتے ہیں (شامی ۵۲۹/۳)۔

خلاصہ یہ کہ ہجوم کے مسئلے میں مرد و عورت برابر ہیں، رہی وہ حدیث جس میں فرمایا گیا کہ "لا ترجموا حتى تطلع الشمس" یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی نہ کرنا تو یہ وقت مستحب پر محمول ہوگا تاکہ دونوں روایتوں "قدم ضعفة أهله بليل اور حتى تطلع الشمس" پر تطبیق ہو جائے جیسا کہ علامہ کاسانی نے بدائع میں (۳۲۳/۲) میں بیان کیا ہے۔

ورنہ یہ عجیب بات ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھیڑ سے بچنے کے لیے ضعفاء کو مزدلفہ سے کوچ کرنے کو کہیں اور رمی سے منع کردیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ انتظار وقت کی وجہ ہی جمرات کے پاس مزید ہجوم ہو جائے گا جبکہ مزدلفہ کے مقابلہ میں یہاں جگہ کی وسعت کم ہے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ منع کرنے کا مقصد

[1] مدرسہ جامع العلوم، جامع مسجد پٹکاپور، کانپور۔

وقت مستحب کو بیان کرنا ہے۔

اور یہ کہنا کہ آپ علیہ السلام نے عورتوں اور ضعفاء کو اجازت دی لہٰذا تندرست اس سے خارج ہو جائیں گے بیشک درست ہے لیکن اب نوعیت بدل چکی ہے، کسی تندرست کا ایک بار کمزوروں اور عورتوں کو رمی کرانے کے لیے لے جانا اور پھر دوبارہ اپنی رمی کے لیے جانا بہت مشکل ہے، لہٰذا جو تندرست ان کو رمی کرانے جائے گا اس کو بھی رمی کی گنجائش ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ حالات میں مذکورہ دلائل کی روشنی میں دسویں ذی الحجہ کو قبل طلوع شمس رمی درست ہوگی۔

۲۔ ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی، حدود اور گنجائش:

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت ۱۱ / ۱۲ / ۱۳ / ذی الحجہ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے، پھر بیان جواز کے وقت میں اختلاف ہے کہ کیا اس میں اس سے زیادہ کی گنجائش ہے یا نہیں، چنانچہ احناف کے یہاں دوسرے فقہاء کی طرح (تینوں جمرات کی رمی کا) افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے، لیکن ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی فجر کے بعد بھی قول غیر مشہور کی رو سے جائز ہے، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

قربانی کے دنوں میں (یعنی ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کو) تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، لہٰذا مشہور قول کی رو سے اس سے قبل جائز نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے، اور مسنون زوال سے لے کر غروب تک ہے، اور غروب سے لے کر فجر تک وقت مکروہ ہے، اور جب چوتھے دن فجر طلوع ہو جائے تو ادائیگی کا وقت فوت ہو گیا، اور قضا کا وقت ایام تشریق کے آخر تک باقی رہتا ہے (شامی ۳ / ۵۴۲)۔

علامہ کاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں اسی بات کو مزید وضاحت اور دلائل سے فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں:

بہر حال رمی کا وقت ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن جوری کے اعتبار سے دوسرا اور تیسرا دن ہے تو وہ زوال کے بعد ہے، زوال سے پہلے اگر کسی نے رمی کی تو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق رمی جائز نہ ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ افضل وقت رمی جمار کا دوسرے اور تیسرے دن تو وہ زوال کے بعد ہے، لیکن اگر کسی نے زوال سے پہلے رمی کر لی تو یہ بھی جائز ہے، اس قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں:

''وجه هذه الرواية أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر'' (بدائع ۲،۳۲۴)۔

یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے لہٰذا دوسرے اور تیسرے دن بھی زوال سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ یوم النحر ہونے میں تینوں دن برابر ہیں۔

آج کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے جبکہ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں رمی جمار کے وقت سیکڑوں لوگوں کی جانیں نہ جاتی ہوں، اگر امام ابوحنیفہؒ کے غیر مشہور قول کو اپنا لیا جائے تو اس کی گنجائش ہونا چاہئے۔

۳۔ ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی کا حکم غروب آفتاب کے بعد:

رمی کے وقت میں تین حیثیتیں ہیں، افضل، مباح اور مکروہ۔ چنانچہ پہلے دن طلوع شمس سے زوال تک اور ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کو زوال سے لے کر غروب تک بالاتفاق افضل وقت ہے، اور دس ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے غروب تک مباح وقت ہے، اور رات کو رمی کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

''والحاصل لو أخر الرمي في غير اليوم الرابع ليرمي في الليل التي تلي ذلك اليوم أخر رميه وكان أداء لأنها تابعة له وكره لتركه السنة'' (شامی ۳،۵۴۲)۔

یعنی اگر چوتھے دن کے علاوہ (۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی) رمی کو مؤخر کرے تو پھر اس رات میں کرے جو رات اس دن سے ملی ہے اور یہ راتیں دن کے تابع ہیں، لیکن رات میں رمی کرنا ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ظاہر ہے یہ مسئلہ یہاں بلا قید کے ذکر ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کراہت ان لوگوں کے لئے ہے جو معذور نہیں ہیں، اور جو لوگ معذور ہوں ان

کے لئے کراہت نہ رہے گی۔ لہٰذا ضعفاء دن کی رمی رات کو بغیر کسی کراہت کے کر سکتے ہیں، جبکہ علامہ کاسانی تو مطلق جواز کو فرما رہے ہیں:

اگر پہلے دن رمی نہیں کی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، پھر اس نے یوم ثانی کے فجر سے پہلے پہلے رمی کر لی تو یہ رمی اس کے لئے کافی ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں ہے، ہمارے احناف کا یہی قول ہے، جبکہ امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق غروب شمس سے وقت ختم ہو جائے گا اور اس پر فدیہ ہوگا، جبکہ دوسرے قول کے مطابق وقت فوت نہیں ہوگا۔

لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہمارے اصحاب (احناف) نے فرمائی حضور ﷺ کی حدیث کی وجہ سے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی، پھر فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہا جائے کہ ان کو کسی عذر کی بنا پر رخصت دی گئی کیونکہ حقیقتاً وہاں کوئی عذر تھا ہی نہیں اور عذر اس لئے نہ تھا کہ چرواہوں کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ باری باری جانور چراتے اور باری باری آ کر دن میں رمی کرتے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اباحت بغیر کسی عذر کے ہے، اور حدیث مطلقاً (رات میں رمی کرنے کے لئے) جواز پر دلالت کرتی ہے تو دم بھی واجب نہ ہوگا (بدائع ۲/ ۳۲۴)۔

نوٹ: ہم نے متن کی عبارت "أن الإباحة كانت لعذر" کو "أن الاباحة كانت لغير عذر" مان کر ترجمہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر سیاق وسباق میں ربط نہیں رہتا، واللہ اعلم۔

اور جب پہلے دن رات میں رمی کی اجازت ہے جبکہ پہلے دن وقت میں زیادہ وسعت ہے صبح سے ہی وقت شروع ہو جاتا ہے تو بقیہ دنوں میں رات میں رمی کی اجازت بطریق اولیٰ ہوگی، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''فإن أخر الرمي فيهما (اى يوم الثاني والثالث) إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه لأن الليل وقت الرمي في ايام الرمي لما روينا من الحديث (أذن للرعاة أن يرموا بالليل)'' (بدائع ۲/ ۲۲۴)۔

حاصل یہ کہ اگر عذر کی وجہ سے رات میں رمی کی جائے تو کراہت بھی نہ رہے گی، جس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک وقت عزیمت ہے اور ایک وقت رخصت، عزیمت تو وہ وقت افضل ہے جو قدرت والوں کے لئے ہے، اور رات کا وقت ضعفاء کے لئے وقت رخصت ہے۔ اس وقت علماء کرام یہی فتویٰ دے رہے ہیں لہٰذا ہم اس بحث کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

۴۔ ۱۲/ ذی الحجہ کی رات تک رکنے میں ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

علماء احناف کے اس سلسلے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اگر ۱۲/ ذی الحجہ کو غروب تک رک گئے تو اس پر چوتھے دن کی رمی واجب ہو جائے گی، دوسرا قول ہے کہ طلوع الفجر من الیوم الرابع تک اگر رکا رہے تو چوتھے دن کی رمی ہے ورنہ نہیں، اور یہی ظاہر مذہب ہے (اس سلسلے میں دیکھئے: شامی ۲/ ۵۴۱-۵۴۳)۔

یہ مسئلہ عام حالتوں میں ہے، لیکن اگر اسے عذر کی وجہ سے رکنا پڑا اور وہ اس طرح کہ اس کا ارادہ تو تھا کہ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کر کے مکہ روانہ ہو جائے لیکن ہجوم کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا اور مجبوراً اسے رات میں رکنا پڑا تو اب طلوع فجر سے پہلے پہلے مکہ روانہ ہو سکتا ہے، اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ ایسی صورت میں اس کے لئے کراہت باقی نہ رہے گی، پھر چونکہ ۱۳/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے ہی شروع ہو جاتا ہے، رمی کے لئے اس کو زوال تک انتظار نہ کرنا پڑے گا، لہٰذا افضل ان کے لئے یہی ہے کہ ۱۳/ کی رمی کر کے مکہ کے لئے روانہ ہو، اور اب عموماً مفتیان کرام یہی فتویٰ دے رہے ہیں۔

۵۔ معذور اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دسویں شب کے نصف سے دس ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

یہ بات اوپر آ چکی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ضعفاء اور عورتوں کو اس کی اجازت دی "قدم أهله بليل". اور فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ اگر طلوع فجر سے پہلے رات ہی میں مزدلفہ سے روانہ ہو جائے تو کمزوروں کے لئے اس کی اجازت ہے اور ترک وقوف مزدلفہ سے ان پر دم بھی واجب نہ ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲/ ۵۲۹)۔

اس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان میں تطبیق اس وقت ممکن ہے جبکہ صبح صادق اور بعد طلوع شمس والی روایتوں کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے بھیڑ سے بچنے کے لئے مزدلفہ سے کوچ کی اجازت دی، اب اگر یہ کہا جائے کہ کوچ تو کر لیں لیکن رمی کے لئے طلوع شمس یا طلوع فجر کا انتظار کریں یا ضعفاء اور عورتیں رمی کر لیں اور ان کو لے کر جانے والے تندرست طلوع کا انتظار کریں تو اس سے قلب موضوع لازم آئے گا کہ

ایک جگہ تو آپ علیہ السلام ہجوم سے بچنے کے لئے روانہ ہونے کا حکم دیں اور دوسری جگہ جو مزدلفہ کے مقابلہ میں تنگ ہے رات میں رمی کی اجازت نہ دیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں کی بھیڑ وہاں جمع ہوجائے گی۔ اور جب کمزوروں اور عورتوں کو اجازت ہے تو جو لوگ ان سے جڑے ہوں گے ان کو بھی اجازت ہوگی، اور ان کے لئے بھی (۱) ترک وقوف مزدلفہ (۲) اس کی وجہ سے عدم وجوب دم اور (۳) رات میں رمی درست ہوگی۔ کیونکہ ایک شوہر کے لئے تنہا بیوی کو بھیجنا اور ایک بیٹے کے لئے تنہا اپنے بوڑھے باپ کو رمی کے لئے بھیجنا یا ان کو رمی کرادینا اور اپنے کو وقت استحباب تک روکے رکھنا آج کے اس دور میں تقریباً ناممکن ہے، اب ہم اس سلسلے میں علامہ شامی کی آخری رائے نقل کر رہے ہیں:

مزدلفہ روانہ ہونے کی اجازت دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رمی کے وقت بھیڑ ہوجائے گی، لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر رات میں جائے تاکہ لوگوں کے کوچ کرنے اور ان کے ہجوم سے پہلے (رات ہی میں) رمی کرے تو اس کی اجازت ہوگی، نیز وقوف مزدلفہ چھوٹ جانے کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اس سلسلے میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔ اور آج کے دور میں یہی حکم ان سے جڑے ہوئے لوگوں کا ہوگا کیونکہ بغیر کسی تندرست کے کمزوروں اور عورتوں کو جانا ممکن نہ ہوگا (شامی ۳/۵۲۹)۔

مذکورہ بالا دلائل سے چار چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱) رات میں روانہ ہونے سے ترک وقوف مزدلفہ، (۲) عدم وجوب دم، (۳) رات ہی میں رمی کرنے کی اجازت، (۴) کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے بھی رخصت۔ لہٰذا معذورین، خواتین نیز ان سے جڑے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کو نصف شب سے رمی کرنا جائز ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بعد نصف لیل قبل طلوع فجر قادر اور معذور دونوں کے لئے رمی جائز ہے۔ اگر احناف کے یہاں اس کی گنجائش نہ بھی ہو تو مسئلہ مفقود الخبر کی طرح یہاں بھی ایسے نازک مرحلہ میں امام شافعیؒ کے مذہب کو اپنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ امام نووی شافعیؒ نے بڑی تفصیل سے اس کی وضاحت کی ہے کہ احادیث صحیحہ دونوں طرف ہیں اور تطبیق کی شکل یہی ہے، بعد طلوع الفجر والی روایتوں کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے، اس سلسلے میں جو روایتیں ہیں وہ یہ ہیں:

امام شافعی اور اصحاب السنہ فرماتے ہیں کہ ضعفاء کا (خواہ مرد ہوں یا عورت) آدھی رات کے بعد طلوع فجر سے پہلے منیٰ آنا تاکہ وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں، یہ عمل حضرت عائشہؓ کی حدیث کی وجہ سے جائز ہوگا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سودہؓ نے مزدلفہ کی رات میں اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ وہ آپ علیہ السلام سے پہلے منیٰ چلی جائیں اور لوگوں کے ہجوم سے پہلے رمی کرلیں اور وہ ضعیف تھیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو اجازت دیدی، اس کو روایت کیا ہے بخاری اور مسلم نے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات پہلے روانہ کردیا تھا۔ پھر کچھ لوگ تو منیٰ میں فجر کی نماز کے لئے رک گئے، اور کچھ لوگ آگے روانہ ہوگئے اور جو پہلے آگئے انہوں نے جمرہ کی رمی کی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو رخصت دی تھی (بخاری و مسلم، بحوالہ کتاب المجموع للنووی ۸/۱۵۶)۔

حضرت عبد اللہ جو حضرت اسماء کے غلام ہیں ان سے مروی ہے کہ حضرت اسماء مزدلفہ میں اتریں اور نماز پڑھنا شروع کردیں، تھوڑی دیر نماز پڑھ کر پوچھا کہ اے بیٹے کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا نہیں، پھر نماز شروع کردی تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا: بیٹے کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو فرمایا کہ چلو کوچ کرو، چنانچہ ہم لوگ روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر انہوں نے رمی کی پھر واپس ہوئیں اور صبح کی نماز اپنے مقام پر پڑھی، میں نے ان سے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ رات ہی میں چل پڑے تھے، تو فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفاء کے لیے اس کی اجازت دی ہے (حوالہ سابق)۔

اور جب آپ منیٰ تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کی رمی کی اور یہ واجبات حج میں سے ہے جیسا کہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے رمی کی اور فرمایا کہ حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو، مستحب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی طلوع شمس کے بعد کرے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل میں سے ضعفاء کو روانہ کیا اور فرمایا کہ طلوع شمس سے پہلے رمی مت کرنا لیکن اگر طلوع فجر سے پہلے نصف لیل کے بعد رمی کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہوگا حضرت عائشہؓ کی روایت کی وجہ سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یوم النحر کو حضرت ام سلمہ کو روانہ کیا، چنانچہ انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی (کتاب المجموع ۸/۱۶۴)۔

اس کے بعد امام نووی ائمہ کے مذاہب اور روایتوں میں تطبیق بیان فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی آدھی رات کے بعد جائز ہے، اور افضل یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کی جائے، اور یہی قول حضرت عطاء اور احمد کا ہے، اور اسماء بنت ابی بکر، ابن ابی ملیکہ اور عکرمہ بن خالد کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اسحاق فرماتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد ہی رمی درست ہوگی۔ ان حضرات کا مستدل حضرت ابن عباس کی وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ طلوع شمس کے بعد رمی کرنا، اور یہ حدیث صحیح ہے، اور حضرت شوافع کی دلیل حضرت ام سلمہ وغیرہا کی احادیث ہیں، یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں، نیز مزدلفہ سے منیٰ آنے میں تعجیل اور رات میں رمی کرنے کے سلسلے میں بے غبار ہیں، اور جملہ احادیث کے درمیان تطبیق اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ حضرت ابن عباس والی حدیث کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے، ورنہ بیان استحباب پر محمول نہ کرنے کی صورت میں رات والی احادیث متروک ہوجائیں گی (کتاب المجموع ۸ر۱۷۷)۔

دوسری عبادتوں کے ماسوا صرف حج میں آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "خذوا عنی مناسککم" اور "افعل ولا حرج" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء حج کے مسائل میں زیادہ سے زیادہ امت پر آسانی پیدا کرنا تھا۔

بہرکیف مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دسویں شب کے نصف سے ضعفاء اور ان سے جڑے لوگوں کے لئے اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

رمی جمار کے وقت میں توسیع سے متعلق مزید دلائل:

فقہی قواعد اس کے مؤید ہیں: "المشقة تجلب التيسير"، "إذا ضاق الأمر اتسع"، "لاضرر ولا ضرار"، "الضرورات تبيح المحظورات" وغیرہ۔

نمازوں کے اوقات کے سلسلے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول وقت اور آخر وقت کی تعلیم فرمائی لیکن حج آپ علیہ السلام نے صرف ایک ہی کیا ہے، لہٰذا یہ رمی وقت افضل پر ہوگی، اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ ۱۱ر ۱۲ ر ذی الحجہ کو قبل زوال رمی درست نہ ہو۔

یہاں ضرورت متحقق ہوچکی ہے اور ضرورتیں پانچ ہیں: دین، نفس، عقل، نسل، اور مال، لہٰذا جان بچانے کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، اور یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ عدم توسیع کی صورت میں ہر سال سیکڑوں جانیں جاتی ہیں یا حجاج سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں، لوگ ایک دوسرے کو پیروں تلے روندتے ہیں جس سے توہین انسانیت ہوتی ہے اور اغیار کو ہنسنے اور اعتراض کرنے کا موقع بھی ہاتھ آتا ہے۔

پوری دنیا سے جتنے حجاج آتے ہیں ان کا وقت محدود میں رمی کرنا عقلاً بھی بے پناہ مشکل ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے اپنی کتاب "رمی جمار کے وقت میں توسیع" ص ۵۹، میں حجاج کی تعداد کو رمی جمار کے وقت اور مکان میں تقسیم کرکے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ وقت استحباب میں اتنے حاجیوں کا رمی کرنا تقریباً ناممکن ہے، وہ اس طرح کہ حاجیوں کی تعداد، مکان کی تنگی اور ایک حاجی جتنی دیر رمی میں صرف کرتا ہے اور جمرات کے پاس ٹھہرتا ہے ان چیزوں کو آپس میں جوڑنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اس طرح ہے:

"حساب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی گذرنے والے دن میں چالیس ہزار سے زیادہ حجاج کی رمی دو منزل میں ہر منٹ میں محال ہے، ورنہ تو یہ متوقع ہے کہ کچھ لوگوں کی موت واقع ہو" (ص ر ۵۹)۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"پس جبکہ ابھی بیس لاکھ افراد حج کرتے ہیں تو رمی کو زوال سے غروب تک یعنی صرف چھ گھنٹوں تک محدود رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر منٹ میں چالیس ہزار یا اس سے زائد افراد رمی کریں، اور یہ عقلی طور پر بھی محال ہے" (ص ۹۴)۔

آپ نے افضل وقت میں رمی فرمائی لیکن عورتوں، کمزوروں، چرواہوں کو رات میں اور دس ذی الحجہ کو قبل طلوع اجازت دی یہ بیان جواز کے لئے تھا۔ یہ تو اس زمانے کی بات تھی جب ہجوم بہت کم تھا، اور اب اس سے سوگنا زیادہ بھیڑ بڑھ گئی ہے تو کیا اس کی اجازت نہ ہوگی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام اونٹ کے چرواہوں کو اپنے اونٹوں کی حفاظت کی خاطر رات میں رمی کرنے کی اجازت دیں اور مسلمانوں کی خاطر جس میں کمزور لوگ، عورتیں اور بچے ہوں انہیں فجر سے لے کر دوسرے دن فجر تک رمی کی اجازت نہ دیں۔

چوتھے دن کا فجر اس شخص کی رمی کا وقت ہے جو زوال سے قبل منیٰ سے کوچ کرنا چاہے (المبسوط ۴ر۶۸-۶۹)۔

دس ذی الحجہ کو جب اس کی اجازت ہے کہ طلوع فجر سے لے کر پورا دن اور پوری رات رمی کرسکتا ہے جبکہ مجمع بٹا ہوا ہوتا ہے، کچھ مزدلفہ میں کچھ جمرات کے پاس، کچھ طواف کے لئے مکہ چلے جاتے ہیں اور اس دن صرف ایک جمرہ یعنی جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے تو یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ۱۱ر ۱۲ ر ذی الحجہ کو بھی قبل زوال

اجازت ہو، کیونکہ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کا اصل عمل یہی ہے، اور مجمع بھی جمرات کے پاس کثیر ہوتا ہے، مزید یہ کہ ان دنوں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔

حج کے دوسرے ارکان اور رمی جمرات میں فرق ہے، طواف، سعی، اور وقوف عرفہ جو حج کے ارکان ہیں ان کی جگہیں کشادہ ہیں اور ان کے اوقات میں بھی وسعت ہے، لیکن رمی جمار کا وقت اور اس کی جگہ ان کے مقابلہ بہت تنگ ہے اور چھوٹ جانے پر دم واجب ہوتا ہے، اور کنکری حوض خاص میں گرنا چاہئے۔

۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی قبل زوال سے متعلق احسن الفتاویٰ ۴ر ۵۳۳ میں ایک سوال وجواب ہے جس میں سائل نے یہ سوال کیا ہے کہ ۱۱ر ۱۲ر کو قبل زوال ضعفاء رمی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جمہور کے قول کے مطابق مشہور مذہب تو یہی ہے کہ ان دنوں رمی زوال کے بعد کرنی چاہئے لیکن بعض اکابر علماء جن میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ لوگ زحمت اور ہجوم سے بچنے کے لئے ۱۱ر ۱۲ر کی رمی اگر قبل زوال کرلیں تو کوئی حرج نہیں...... بعض لوگ کہتے ہیں ان حضرات نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔"

اس پر مفتی رشید احمد صاحب جواب تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان دنوں قبل زوال رمی کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے، اور مفتی شفیع صاحب نے رجوع فرمالیا تھا، اور ممکن ہے کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کی طرف نسبت خود ساختہ ہو" (احسن الفتاویٰ ۴ر ۵۳۳)۔

لیکن مفتی رشید احمد صاحب کا یہ فتویٰ ۱۲ر ذی قعدہ ۹۲ھ کا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فتویٰ کو کم از کم ۳۵ر سال گذر گئے۔ ۳۵ر سال قبل لوگ پانی کے جہاز سے حج کے لیے جاتے تھے اور منیٰ ومزدلفہ میں مجمع آج کی بنسبت عشر عشیر بھی نہ تھا، حادثات کا تناسب بھی تقریباً صفر تھا۔ اس کے باوجود ان حضرات اکابر نے اس کی ضرورت محسوس کی اور امام صاحب کے قول غیر مشہور پر فتویٰ دیا، اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے رجوع فرمالیا (جبکہ دوسرے علماء سے رجوع کی صراحت نہیں ہے) تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مفتی صاحب نے اور دوسرے علماء نے ضرورت محسوس کی اور اسی وجہ سے اس طرح کا فتویٰ دیا تھا، تو آج جبکہ سیکڑوں جانیں ہر سال بالیقین جاتی ہیں کیا اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ امام صاحب کے قول غیر مشہور پر فتویٰ دیا جائے۔ کبھی کبھار رونما ہونے والے واقعات "زوجہ مفقود الخبر" میں ایک عورت پر ترس کھا کر امام مالکؒ کے مذہب کو اپنایا گیا تو ہر سال بالیقین سیکڑوں جانوں پر ترس کھاتے ہوئے کیا اپنے ہی مذہب کے امام، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کو (گو کہ وہ غیر مشہور ہے) اپنانا درست نہ ہوگا۔ کتب فقہ میں اس طرح کے مسائل بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں کہ تغیر زمانہ کی وجہ سے صاحبین نے امام صاحب سے مخالفت کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل معذورین اور ان سے بڑے لوگوں کے لئے جائز ہوگی۔

۲۔ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہوگی۔ خصوصاً جب کہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول اسی کے یعنی قبل زوال کے مطابق ہے۔

۳۔ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے میں موجودہ صورت حال کے اعتبار سے کراہت نہ ہوگی۔

۴۔ اگر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ٹھہر جائے تو ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، البتہ اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ علی الصباح رمی کر کے مکہ روانہ ہو۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگ ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کی نصف سے کر سکتے ہیں۔

ا۔ حاجی کے لئے قیام منیٰ کی حیثیت:

''مكث بها إلى يوم عرفة أفاد طلب المبيت بها فإنه سنة كما في المحيط'' (شامی ۲/۵۱۸)۔

''فيبيت بها للرمي اي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شيء'' (شامی ۲/۵۲۰)۔

علماء احناف کے نزدیک مبیت منیٰ سنت ہے جبکہ شوافع کے نزدیک مبیت منیٰ واجب ہے۔ لہٰذا بلا کسی عذر مبیت منیٰ ترک کرنا مکروہ ہوگا، اور عذر کے ساتھ انشاء اللہ کراہت نہ رہے گی، لیکن یہاں خود ساختہ اور خود ایجاد کردہ اعذار کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ اعذار مراد ہوں گے جن میں اس کا کوئی بس نہ چلے، لہٰذا اگر کسی شخص کا

خیمہ ہی مزدلفہ میں واقع ہے تو اب اس کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ اپنا خیمہ چھوڑ کر منیٰ میں مقیم ہو ورنہ اس طرح حکومت کی طرف سے کیا گیا سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا، اور اس کے لئے اس سنت پر عمل کا لالچ دوسری ممنوعات کے ارتکاب کا ذریعہ بنے گا۔ لہٰذا وہ قیام وہیں کرے جہاں حکومت کی طرف سے اس کو جگہ دی گئی ہے، اور اس شکل میں اسی کو قیام منیٰ کی سنت کا پورا اجر ملے گا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حجر اسود کا بوسہ نہ دے کر دور سے استلام کر لینا، کیوں کہ بوسہ دینے میں خود کو یا دوسروں کو اذیت میں ڈالنا ہے، جو جائز نہیں۔

۲۔ قیام منیٰ کے زمانے میں حدود منیٰ میں رہنا اور اس کی حیثیت:

جن دنوں قیام منیٰ سنت ہے ان دنوں منیٰ کے علاوہ بغیر کسی عذر کہیں اور رات گذارنا خواہ وہ حدود مکہ میں ہو تصریح فقہاء کے مطابق خلاف سنت ہوگا، البتہ اگر اس کا خیمہ منیٰ کے علاوہ کہیں اور ہو تو ایسی صورت میں اسے اپنے خیمے میں قیام کرنا لازم ہوگا۔

لہٰذا بلا عذر سنت کی خلاف ورزی یا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سے حج کے ثواب میں فرق پڑے گا۔

۳۔ قیام منیٰ کی مدت میں منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام اور اس کی شرعی حیثیت:

احادیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ حدود متعین کی ہیں کہ کہاں کب وقوف واجب ہے اور کہاں کب قیام سنت ہے۔ اس لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون سی جگہ حدود حرم میں داخل ہے اور کون سی جگہ حدود حرم سے خارج ہے۔ لہٰذا بلا کسی عذر کے قیام منیٰ کے زمانے میں منیٰ کے علاوہ کہیں اور قیام کرنا فقہاء کی تصریح کے مطابق خلاف سنت ہوگا (البدائع ۲/ ۳۶۳)۔

”فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ لباب“ (شامی ۳.۵۴۰)۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ منیٰ کو مکہ کی میونسپلٹی میں داخل کر لیا گیا لہٰذا اب قیام کے لیے دونوں کا حکم ایک ہوگا، چاہے وہ مکہ میں رات گذارے یا منیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ شبہ اس لیے نہ ہونا چاہئے کہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ ان سب کی حدود متعین ہیں اور یہ سب توقیفی ہیں، ان میں کمی زیادتی اور تداخل نہیں ہو سکتا، اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مکہ کی میونسپلٹی نے منیٰ کو مکہ میں داخل کر لیا ہے لہٰذا منیٰ و مکہ دونوں کے مسائل حج کے باب یکساں ہوں گے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ وہ احکام جو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہیں ہیں جیسے مدت سفر میں نمازوں کا قصر کرنا، اس طرح کے مسائل میں آبادی کے ربط وفصل سے احکام تبدیل ہو سکتے ہیں، لیکن حج کے وہ مخصوص مسائل جو مخصوص امکنہ کے ساتھ خاص ہیں وہاں اس طرح کوئی ترمیم حج کے مخصوص مسائل پر اثر انداز نہ ہوگی۔

لہٰذا بلا عذر منیٰ کے علاوہ کہیں اور ٹھہرنے سے قیام منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام حدیث وفقہ کی روشنی میں

مولانا محمد ابوبکر قاسمی[1]

دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

ائمہ اربعہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کی رمی کا افضل واولی اور مستحب وقت طلوع آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے، رہا طلوع آفتاب سے قبل مگر صبح صادق کے بعد رمی کرنا تو سوائے امام شافعی کے ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد) کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف سب کے لیے مکروہ ہے، اور دوسری روایت کے اعتبار سے کمزور کے لیے بلا کراہت جائز ہے، اور تندرست کے لیے کراہت کے ساتھ مگر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہوگا، البتہ امام شافعی، عطاء، شعبی، طاؤس، سوید بن جبیر وغیرہ کے نزدیک ضعفاء کے لیے بلا کراہت جائز ہے، دلائل کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ یوم النحر کو رمی جمار کے سلسلہ میں کتب حدیث میں کئی حدیثیں مروی ہیں، ایک حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس سے امام ترمذی وغیرہ نے نقل کی ہے:

۱۔ ''عن ابن عباس أن النبي ﷺ قدم ضعفة أهله وقال: لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس. أخرجه الترمذي وقال حديث حسن صحيح'' (ترمذی. باب ماجاء في تقديم الضعفة جلد اول)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو (منیٰ) پہلے ہی بھیج دیا، ساتھ ہی یہ ہدایت فرمادی کہ جمرہ کی رمی نہ کروگے یہاں تک کہ سورج نکل آئے، امام ترمذی کے بقول یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

۲۔ دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے امام بخاریؒ نے نقل کی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر والوں میں سے کمزور لوگوں کو (عورتوں اور بچوں کو) پہلے ہی منیٰ روانہ کردیتے تھے وہ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے پھر جب تک ان کے دل میں آتا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے پھر لوٹ جاتے امام کے ٹھہرنے اور اور لوٹنے سے پہلے، پھر ان میں سے بعض تو منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچ جاتے، اور بعضے ان کے بعد، جب منیٰ میں پہنچتے تو کنکریاں مارتے، اور عبداللہ بن عمر کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے واسطے یہ اجازت دی ہے (بخاری، باب من قدم ضعفة اہلہ ۱/ ۲۲۷)۔

۳۔ تیسری روایت حضرت اسماءؓ کی ہے جسے مختلف محدثین نے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر مزدلفہ میں رات کو اتریں اور کھڑی ہوکر ایک گھڑی تک نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: بیٹا کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا کہ نہیں، تب تھوڑی دیر اور نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: تو کوچ کرو، ہم نے کوچ کیا اور چلے منیٰ میں پہنچ کر انہوں نے کنکریاں ماریں اور لوٹ کر صبح کی نماز اپنے ٹھکانے میں پڑھی، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے تاریکی میں (وقت سے پہلے) کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: بیٹا! آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (حوالہ سابق)۔

پہلی روایت کو حضرات فقہاء نے رمی کے مستحب وقت پر محمول کیا ہے، دوسری روایت کو ائمہ ثلاثہ نے ابتدائے وقت پر، اور تیسری روایت سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے، امام شافعی کا صریح متدل ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "إنا رمينا الجمرة بليل وغلسنا" لیکن ابوداؤد کی روایت میں ایک راوی مجہول ہے، اس لیے محدثین کے اصول کے مطابق وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں حضرت اسماء کی حدیث سے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

[1] استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھرواڑہ ضلع دربھنگہ بہار۔

حضرت اسماءؓ کی مذکورہ حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی ہے، کیونکہ فجر کے بعد والے وقت کو بھی غلس کہا جاتا ہے لہٰذا اس روایت کو فجر کے وقت رمی ہی پر محمول کیا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت اسماء نے اسی وقت رمی کی اور نماز کو قدرے مؤخر کیا اور اپنی قیامگاہ پر پہنچ کر نماز ادا کی، اور اگر اس حدیث میں فجر سے پہلے رمی کی صراحت بھی وارد ہو تب بھی آدھی رات کے بعد رمی کے جواز پر اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا (الجوہر النقی ار ۳۴۵ بحوالہ اعلاء السنن ۱۰ / ۱۴۵)۔

اور حضرت ابن عباس والی پہلی حدیث کے وقت مستحب پر محمول ہونے کی دلیل خود حضرت ابن عباس کی دوسری روایت ہے جسے امام طحاوی علیہ الرحمہ نے خود انہیں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''بعثني النبي ﷺ مع أهله وأمرني أن أرمي مع الفجر اھ (رواه الطحاوي ا)۔
(حضور پاک ﷺ نے مجھے اپنی اہلیہ کے ساتھ بھیجا اور مجھے نماز فجر کے ساتھ رمی کرنے کی تاکید فرمائی)۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ والی حدیث کے ذیل میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اعلاء السنن میں لکھا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورج نکلنے سے پہلے کمزور وضعیف لوگوں کا رمی کر لینا جائز ہے اور جب طلوع شمس سے قبل کمزور لوگوں کے لیے رمی کر لینا جائز ہے تو تندرست لوگوں کے لیے بھی سورج نکلنے سے پہلے رمی کر لینا درست ہے اگر چہ کراہت کے ساتھ ہو، کیونکہ وقت سے پہلے کسی کام کو کر لینا شرعاً کمزور لوگوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے، ہاں سورج نکلنے سے قبل کمزور لوگوں کے رمی کر لینے میں شرعاً کوئی کراہت نہیں ہے (اعلاء السنن ۱۰ / ۱۴۵)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد کمزور لوگوں کا رمی کر لینا تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ کمزور لوگوں کے لیے صراحت کے ساتھ صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کر لینے کی حدیث نبوی کی رو سے اجازت ہے، البتہ تندرست لوگوں کے حق میں طلوع شمس سے قبل رمی کر لینے کی شرعاً کراہت باقی رہے گی، واللہ اعلم۔

رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کا شرعی حکم:

صبح صادق سے قبل رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری کے نزدیک نہ صحیح وتندرست آدمی کے لیے جائز ہے اور نہ ہی کمزور وضعیف شخص کے لیے جائز ہے، اگر کسی نے کر لیا تو سورج نکلنے کے بعد اس کا اعادہ کرنا لازم ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کیا تو جرمانہ میں قربانی واجب ہوگی، البتہ امام شافعی، عطاء، طاؤس، امام شعبی وغیرہ کے نزدیک معذورین کے لیے طلوع فجر سے قبل رات میں بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے (انوار مناسک از مفتی شبیر احمد ار ۴۷۴)۔

اعلاء السنن میں ہے: اگر کسی نے طلوع فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کیا تو جائز ہے، اور اگر طلوع فجر سے پہلے رمی کیا تو اس کا اعادہ کرے۔ امام احمد، امام اسحاق اور جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی، عطاء، طاؤس، شعبی طلوع فجر سے قبل رمی کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ کی مستدل حدیث حضرت اسماء والی روایت پر کلام اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔

جمرۂ عقبہ کی رمی میں تاخیر کا حکم:

دسویں ذی الحجہ کو زوال سے قبل ہی جمرۂ عقبہ کی رمی افضل ومستحب ہے اور زوال کے بعد غروب سے پہلے پہلے تک تاخیر کی جائے تب بھی بلا کراہت جائز ہے، البتہ بلا عذر زوال تک تاخیر خلاف سنت ہے، اور غروب ہو جانے کے بعد تاخیر کرنا تمام ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر جرمانہ میں دم کب واجب ہوگا اس میں علماء کے تین مذاہب ہیں:

۱۔ حضرت امام مالک، امام سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اگر غروب شمس تک تاخیر کی ہے اور غروب کے بعد رمی کی ہے تو تاخیر کی وجہ سے کراہت کے ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک قربانی بھی واجب ہوگی۔

۲۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سورج غروب ہو جانے کے بعد رمی کرنا مکروہ تو ہے لیکن اگر گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے رمی کر لیتا ہے تو دم واجب نہیں ہے، اور اگر صبح صادق ہو جانے کے بعد رمی کرتا ہے تو کراہت کے ساتھ ساتھ ایک دم بھی واجب ہوگا، اور یہ سلسلہ یوم ثالث کے

غروب تک رہے گا، اس کے بعد رمی جائز نہ ہوگی بلکہ صرف دم دینا لازم ہوگا۔

۳۔ حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام طحاوی وغیرہ کے نزدیک گیارہویں کی صبح صادق کے بعد رمی کرنا مکروہ تو ہے مگر کوئی دم یا جرمانہ واجب نہیں ہے، اور عدم وجوب دم کا سلسلہ تیرہویں ذی الحجہ کے غروب تک رہے گا، اور تیرہویں کے غروب شمس کے بعد رمی کی قضا جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ محل رمی اب بالکل ختم ہوگیا ہے، اور فوت رمی یعنی فوات واجب کی وجہ سے صرف ایک قربانی جرمانہ میں واجب ہوگی، لیکن حنفی مسلک کا مفتیٰ بہ قول و عمل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق ہے کہ گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک تاخیر کرنے سے قضا اور دم دونوں لازم ہوں گے (مستفاد از معلم الحجاج ر ۱۸۲ بحوالہ انوار مناسک ر ۷۶ ۴ و ۷۷ ۴)۔

غنیۃ میں ہے: ''فوقت الجواز أداءً من طلوع الفجر فلا يصح قبله إلى طلوع الفجر من غد فإذا طلع فات وقت الأداء ولزمه الدم والقضاء'' (غنية ۹۱)۔ (رمی کی ادائیگی کا جائز وقت طلوع فجر سے ہے لہٰذا اس سے قبل رمی جائز نہیں ہے دوسرے دن کے طلوع فجر تک، اور جب گیارہویں ذی الحجہ کو طلوع فجر ہوگیا تو رمی کی ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا، اور اب رمی کی قضا اور دم دونوں واجب ہوگا)۔

دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز:

دسویں تاریخ کی رمی کے ابتدائی وقت اور آخری وقت کے سلسلہ میں اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت چوبیس گھنٹہ تک رہتا ہے، یعنی اس دن کی رمی یوم النحر یعنی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے لے کر پورے دن پھر غروب کے بعد سے پوری رات گیارہویں کی صبح صادق سے قبل تک کرنی جائز ہے (غنیۃ المناسک ر ۱۸۱)۔

لہٰذا چوبیس گھنٹے کے درمیان ہر طرح کے اور ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی سہولت کے پیش نظر نہایت ہی آرام سے کر سکتے ہیں، اور کمزور ضعیف لوگوں کو بھیڑ میں جا کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور ہر سال کا مشاہدہ ہے کہ دسویں کو غروب شمس تک جمرہ عقبہ پر کوئی بھیڑ نہیں رہتی، اور عشاء کے بعد تک تو تقریباً رمی کی جگہ بالکل خالی ہوجاتی ہے، اس کے باوجود اس دن کی رمی کے وقت میں مزید وسعت کی بات کرنا نہایت ہی غیر موزوں اور غیر مناسب ہے۔

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

گیارہویں اور بارہویں تاریخوں میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن کی صبح تک رہتا ہے، مگر زوال شمس سے غروب شمس تک رمی کا مسنون وقت ہے، اور غروب شمس سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے، اور بارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع کے بعد سے گیارہویں تاریخ کی رمی کے لیے وقت قضا شروع ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اگر گیارہویں کی رمی کو بارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد تک مؤخر کردیا تو قضا اور دم دونوں لازم ہوجائیں گے، اسی طرح بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو اگر اتنا مؤخر کردیا کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی، تو قضا اور کفارہ دونوں الگ الگ واجب ہوں گے، اور رمی کی قضا کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب تک رہتا ہے اس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا مؤخر کرنے کی صورت میں قضا جائز نہ ہوگی صرف دم دینا لازم ہوگا (غنیۃ المناسک ر ۹۷)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ تیرہویں کی رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جب تیرہویں تاریخ کو منیٰ ہی میں رک جائے ورنہ نہیں، اور تیرہویں کی رمی سے زوال آفتاب کے بعد سے غروب شمس کے درمیان تک فارغ ہوجانا لازم ہے۔

گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو زوال شمس کے بعد رمی کرنے کا حکم:

گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو اگر زوال شمس سے قبل رمی کرے گا تو قول راجح کے مطابق وہ رمی صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا اس رمی کا اعادہ لازم و واجب ہوگا، اسی طرح اگر تیرہویں تاریخ کو رک گیا تو اس کی رمی بھی زوال شمس سے قبل جائز نہ ہوگی، اگر زوال شمس سے قبل کرے گا تو اس رمی کا اعادہ لازم ہوگا (مستفاد از فتاویٰ تاتار خانیہ ۲ ر ۶۰ ۴)۔

دن طلوع ہونے سے پہلے رات میں رمی کرنا:

حج کرنے والے لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں ذی الحجہ کی رمی گیارہویں تاریخ کے دن کے آنے سے پہلے رات ہی میں کر لیتے ہیں، اسی طرح بارہویں کی رمی بھی دن کے طلوع ہونے سے پہلے رات ہی میں کر لیتے ہیں لیکن ایسا کرنے والے شخص کے ذمہ رمی باقی رہ جاتی ہے، لہٰذا دن طلوع ہوجانے کے بعد دوبارہ رمی کرنا ان پر واجب ہے ورنہ ترک رمی اور ترک واجب کا دم دینا ان پر لازم ہوگا، اس لیے کہ مسائل حج اور احکام حج میں رات اپنے بعد والے دن کے تابع نہیں ہوتی ہے بلکہ پہلے دن کے تابع ہوتی ہے، غنیۃ الناسک میں ہے:

''لأن الليالي في الحج في حكم الأيام الماضية'' (ص ۱۸۲) حج کے باب میں رات گذشتہ دنوں کے حکم میں اور اس کے تابع ہوتی ہے۔

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت جواز:

گیارہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز زوال شمس سے لے کر بارہویں کی صبح صادق تک ہے، گویا تقریباً سترہ اٹھارہ گھنٹے کے درمیان کسی بھی وقت رمی کرنا جائز ہے، اور ضعیف و کمزور لوگوں کو رات میں رمی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جب پوری رات رمی کرنا جائز ہے تو زوال شمس سے پہلے رمی کے جواز کے لیے سہولت تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

نیز بارہویں ذی الحجہ کو غروب شمس کے بعد منیٰ سے روانہ ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ غروب شمس سے قبل چین وسکون اور سہولت کے ساتھ رمی کر کے منیٰ سے نکلنے پر قادر ہو پھر بھی اس نے غروب شمس سے قبل رمی کر کے کوچ نہ کیا بلکہ سستی و کاہلی اور غفلت کے سبب رمی میں تاخیر کی اور غروب شمس کے بعد منیٰ سے کوچ کیا تو یہ صورت کراہت کی ہے، لیکن اگر لوگوں کی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے رمی میں تاخیر کیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا پھر سورج ڈوبنے کے بعد رمی کر کے رات میں منیٰ سے کوچ کیا تو بلاشبہ یہ صورت جائز ہے۔ اور جہاں کراہت کی بات کہی گئی ہے وہاں پر بھیڑ نہ ہونے کی صورت مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لئے رات کو رمی کرنے کو حضرات فقہاء نے افضل لکھا ہے (دیکھئے: غنیۃ الناسک ر ۱۸۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بھیڑ کے عذر کی وجہ سے رمی میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے، ہاں بلا عذر وقت مستحب سے تاخیر مکروہ ہے، نیز غنیۃ الناسک میں یہ مسئلہ بھی مذکور ہے کہ:

''ولو نفر من الليل قبيل طلوعه لاشئ عليه في الظاهر عند الإمام'' (غنیہ ۱۸۴)۔

(اگر کوئی شخص بارہویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رات کو منیٰ سے کوچ کرے تو امام ابوحنیفہ کی ظاہر روایت کے مطابق اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

اگر کسی نے تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کراہت تنزیہی کے ساتھ رمی کرنا صحیح ہے، اور یہی قول حضرت عکرمہ، طاؤس اور اسحاق بن راہویہ کا ہے، اور یہ بر بنائے استحسان ہے کیونکہ جب تیرہویں کی رمی کا بالکل ترک کر دینا (پہلے کوچ کر کے) جائز ہے اور اس سلسلہ میں شریعت نے تخفیف کا لحاظ کیا ہے، تو اس تخفیف کا تقاضا ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی میں عام دنوں کے مقابلہ میں تقدیم بھی جائز ہو (غنیۃ ر ۱۸۴)۔

اور حضرت صاحبین کے نزدیک تیرہویں کی رمی کا وقت صرف زوال کے بعد سے لے کر غروب شمس تک ہے، لہٰذا تیرہویں تاریخ کو رمی کا جائز وقت زوال کے بعد تو تمام ائمہ کے نزدیک ہے اور زوال سے قبل میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ زوال سے قبل رمی کو کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز کہتے ہیں، اور صاحبین اور جمہور علماء بالکل جائز نہیں کہتے، وقالا لايصح اعتباراً بسائر الأيام وعليه الجمهور (غنیہ ۱۸۴)۔

چونکہ تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں، اس دن بھیڑ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے وقت مستحب میں رمی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، دوسرے اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے زوال سے پہلے رمی کر لیتا ہے تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے۔

مندرجہ تفصیلات کی روشنی میں فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالات بابت رمی جمار کے اوقات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے بھی رمی کرنا جائز ہے، البتہ معذور و کمزور لوگوں کے لیے بلا کراہت اور تندرست لوگوں کے لیے کراہت کے ساتھ۔

۲۔ ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال شمس کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے، لہٰذا اس سے قبل طلوع صبح صادق ہی سے اگر کوئی شخص رمی کرنا شروع کردے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس کا اعادہ لازم ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: وأما في اليوم الثاني والثالث وقت الرمي ما بعد الزوال ولو رمى قبل الزوال لا يجزيه (فتاویٰ تاتار خانیہ ۲؍۲۶۱)۔

(گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، اگر کسی نے زوال سے پہلے رمی کیا تو جائز نہیں ہے)۔

۳۔ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو غروب شمس کے بعد اگر کسی نے عذر کی وجہ سے رمی کیا تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر بلا عذر غروب شمس کے بعد رمی کیا تو شرعاً مکروہ ہے (مستفاد از غنیۃ ۱۸۸)۔

۴۔ بارہویں کی رمی کے لیے اگر کوئی شخص غروب شمس کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا تو اس سے تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، ہاں اگر تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو تیرہویں کی رمی لازم ہوگی، چنانچہ غنیۃ میں ہے: ''فإن لم ينفر حتى طلع الفجر من اليوم الرابع وجب عليه الرمي في يومه ذلك فيرمي الجمار الثلاث بعد الزوال'' (غنیہ ۱۸۴)۔ (اگر کوئی شخص بارہویں کی رمی کے بعد منیٰ سے کوچ نہیں کیا بلکہ وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ تیرہویں کو صبح صادق طلوع ہوگیا تو اس پر تیرہویں کی رمی لازم ہے، زوال کے بعد تینوں جمروں کی رمی کرے)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، خواتین، اسی طرح معذور حضرات نیز خواتین کے ساتھ حج میں آئے ہوئے اشخاص کے لیے دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل طلوع صبح صادق کے بعد سے رمی کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک گنجائش ہے اس سے پہلے نہیں، صرف سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ اور امام شعبی وطاؤس وغیرہ بعض فقہاء کے نزدیک طلوع فجر سے قبل نصف شب ہی سے معذوروں کے لیے رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن دلائل کی رو سے امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک کمزور ہے، ان کے دلائل میں اضطراب وضعف پایا جاتا ہے چونکہ شریعت میں عبادات کے اندر احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے، اس لیے جمہور ائمہ کا قول ہی مفتیٰ بہ اور لائق عمل ہے، غنیۃ الناسک میں ہے: ''ويكره من الغروب إلى الفجر وكذا قبل طلوع الشمس وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس'' (غنية الناسك ۱۷۰)۔

(غروب شمس سے لے کر طلوع فجر تک رمی کرنا مکروہ ہے، اسی طرح طلوع شمس سے پہلے بھی جبکہ کوئی عذر نہ ہو، لہٰذا معذور وضعیف حضرات کے لیے طلوع شمس سے پہلے بلا کراہت رمی کرنا جائز ہے)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا حکم:

۱۔ آٹھویں ذی الحجہ کے بعد والی رات، پھر دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کے بعد والی دو راتیں لیالی منیٰ کہلاتی ہیں، ان راتوں کو منیٰ میں گذارنا مسنون ہے، ان راتوں کو بلا عذر دوسری جگہ قیام کرنا مکروہ ہے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

''ويكره أن لا يبيت بمنى ليالي الرمي ولو بات في غيره متعمدا لا يلزمه شئ عندنا'' (فتاویٰ تاتار خانیہ ۲؍۴۶۲)۔

(رمی کے ایام میں راتوں کو منیٰ میں نہ ٹھہرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے جان بوجھ کر بھی دوسری جگہ رات گذاری تو ہمارے علماء کے نزدیک اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

البتہ اگر عذر کی وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے منیٰ میں قیام نہ کرسکے تو کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ ماء زمزم پلانے والوں کو اسی طرح چرواہوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبیت منیٰ کے مسنون عمل سے مستثنیٰ قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: مسلم شریف ۱؍۴۲۳، نسائی شریف ۲؍۴۰)۔

۲۔ حدود مکہ میں رہ کر رمی کے لیے منیٰ جانے کا حکم:

اگر کوئی حاجی منیٰ میں قیام نہ کرکے بلا عذر حدود مکہ ہی میں مقیم رہا اور صرف رمی وغیرہ کے لیے منیٰ گیا تو شرعاً عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ مکروہ عمل ہے لیکن اس سے حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور نہ ہی کوئی دم دینا واجب ہوگا، ہدایہ میں ہے:

''ويكره ألا يبيت بمنى ليالي الرمي ولو بات في غيرها متعمداً لا يلزمه شئ عندنا خلافاً للشافعي''۔

(رمی کے ایام میں منیٰ میں رات نہ گذارنا مکروہ ہے، اگر جان بوجھ کر دوسری جگہ رات گذارا تو ہمارے فقہائے حنفیہ کے نزدیک کچھ واجب نہ ہوگا، امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بلاعذر منیٰ میں قیام نہ کرنے سے دم واجب ہوگا، اور امام شافعی وامام احمد کی ایک روایت میں بھی وجوب دم کا حکم ہے (اوجز المسالک ۳ / ۶۴۴)۔

۳۔ حدود منیٰ کے تنگ ہونے کی صورت میں حجاج کہاں قیام کریں؟

اگر کوئی عذر نہ ہو تو حدود منیٰ سے ہٹ کر مزدلفہ، یا عزیزیہ یا مکہ مکرمہ میں یا اپنی قیام گاہ میں یا حرم کے آس پاس کی جگہوں میں یا مکہ مکرمہ میں رات گذارنا مکروہ عمل ہے، البتہ عذر ہونے کی صورت میں یا حدود منیٰ کے حاجی کے لیے تنگ ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص منیٰ سے ہٹ کر مذکورہ جگہوں میں رات گذارلے تو شرعاً اجازت ہے، چنانچہ بعض لوگوں کو عذر کی وجہ سے خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام منیٰ یا مبیت منیٰ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاجیوں کو (زمزم کا) پانی پلانے کی غرض سے منیٰ کی راتوں میں مکہ ٹھہرنے اور وہیں رات گذارنے کے متعلق اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت دیدی (مسلم ۱ / ۴۲۳)۔

اسی طرح عذر کی وجہ سے آپ نے چرواہوں کو بھی مبیت منیٰ کے حکم سے مستثنیٰ فرمادیا تھا (ملاحظہ ہو: نسائی شریف ۲ / ۴۰)۔

لہٰذا دور حاضر میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے خود سعودی حکومت جو ایام منیٰ یا لیالی منیٰ میں قیام کے لیے حدود منیٰ سے ہٹ کر مزدلفہ کے بڑے حصہ میں کبریٰ ملک فیصل تک خیمہ نصب کراتی ہے، اسی طرح حرم کی طرف جمرۂ عقبہ کے بعد بھی پہاڑ کے دامنوں میں خیمہ نصب کیا جاتا ہے، ان خیموں میں قیام پذیر ہونے سے اگرچہ قیام منیٰ کی سنت ادا نہ ہوگی، تاہم مجبوری کی وجہ سے ان خیموں میں قیام کرنا بھی شرعاً ناجائز نہ ہوگا۔ کیونکہ منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں کہیں بھی قیام کرلینا شرعاً ناجائز نہیں ہے (مستفاد از انوار مناسک ۵۰۱)۔

☆☆☆

الف۔ رمی جمار کے اوقات

مولانا محمد ممتاز خان ندوی[1]

۱۔ جمہور بشمول امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک نحر کے دن رمی کا وقت طلوع شمس کے بعد سے شروع ہوتا ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۳۵۰، نیز بدائع الصنائع ۲/۳۳۲، المغنی ۳/۴۶۶)۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک نحر کی رات ہی سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ بدائع میں ہے: إذا انتصف ليلة النحر دخل وقت الجمار فإذا طلعت الشمس وجب'' (بدائع الصنائع ۲،۳۲۲، أيضاً الأم ۲،۲۱۲)۔

جمہور کے دلائل:

۱۔ ''قال عليه السلام: لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (رواه النسائي: مناسك الحج، باب النهي عن رمي جمرة العقبة قبل طلوع الشمس، احمد ۱،۲۳۰)۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ رمی جمار نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔

۲۔ ''عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحىً ورمى في بقية الأيام بعد الزوال'' (رواه البخاري: كتاب الحج؛ باب رمي جمار)۔ (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی جمار چاشت کے وقت کی، اور بقیہ دنوں میں زوال کے بعد کی)۔

امام شافعیؒ کے دلائل:

امام شافعیؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''أذن للرعاء أن يرموا بالليل'' (رواه الطبراني في الكبير ۱۱۳۷۹)۔ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں رمی کی اجازت دی)۔

۲۔ ''أن عائشة رضي الله عنها قالت: أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة فرمت الجمرة قبل الفجر ومضت وأفاضت'' (رواه ابوداؤد المناسك باب التعجيل من جمع)۔

واضح ہو کہ امام شافعیؒ کی پہلی حدیث دلیل کے اعتبار سے کمزور ہے، کیونکہ طبرانی میں ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی اسحاق بن عبداللہ ابی فروۃ ہیں، اور اسحاق بن عبداللہ ابی فروۃ ضعیف راوی ہیں (بدائع الصنائع ۲/۳۲۴)، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ بھی ان کے متعلق فرماتے ہیں: إسحاق بن عبد الله أبي فروة وهو متروك (تقريب التهذيب ۱۰۲)۔

اور بزار میں ہے کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد زنجی ہیں، وفي سنده مسلم بن خالد الزنجي (بزار ۱۱۳۹)۔

اور مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ وقال البخاري: منكر الحديث (تهذيب التهذيب ۱۰،۱۱۶)۔

لیکن اس بابت احقر کی رائے یہ ہے کہ یوم النحر میں رمی جمار طلوع شمس کے بعد جو کہ جمہور کا مسلک ہے انجام دینے میں اگر حاجی حضرات کو دشواری اور وقت کا سامنا ہو تو ضرورۃً امام مالک کے مسلک رمی جمار قبل طلوع الشمس پر عمل کرلیا جائے تو بہتر ہے، تاکہ حاجی حضرات حرج اور دقت سے محفوظ رہ سکیں، حرج اور دشواری کے وقت دوسرے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

۲۔ جمہور جن میں امام مالک، امام شافعی، صحابہ کرام میں حضرت ابن عمر، تابعین میں ثوری، اسحاق، حسن، عطاء اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایام تشریق میں رمی جمار زوال کے بعد ہوگی، مگر اسحاق اور احناف کے یہاں یہ تفصیل بھی ہے کہ نفر کے دن زوال سے قبل رمی جائز ہے، اور اگر نفر نہیں ہے تو زوال کے بعد رمی ہوگی۔ امام احمد ابن حنبلؒ کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے اور عکرمہ اور طاؤس وغیرہ بھی یہی خیال رکھتے ہیں (دیکھئے: المغنی ۳؍ ۴۷۷، نیز معارف السنن ۶؍ ۲۳۴)۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایام تشریق میں تیسرے دن زوال سے قبل رمی جمار جائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے: ''روی الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أنه كان من قصده أن يتعجل في النفر الأول فلابأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال، إن بعده فهو أفضل'' (فتح القدير ۲،۲۹۳)۔

جمہور کے دلائل:

ا۔ ''عن جابر رضي الله عنه أنه قال: رأيت رسول الله ﷺ يرمي الجمرة ضحیٰ يوم النحر ورمی بعد ذلك زوال الشمس'' (رواه البخاري: كتاب الحج، باب رمي الجمار)۔ (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ چاشت کے وقت رمی کررہے ہیں، اور اس کے بعد آپ نے زوال کے بعد رمی کی)۔

ا۔ ''عن عائشة رضي الله عنها: يرمي الجمرة إذا زالت الشمس'' (اعلاء السنن ۱۰،۱۲۸، أيضاً رواه ابوداؤد كتاب المناسك باب رمي الجمار)۔ (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ رمی جمار کرتے جب سورج زائل ہوجاتا)۔

۲۔ ''قال ابن عمر رضي الله عنه كنا نتحين إذا زالت الشمس رمينا'' (رواه البخاري: كتاب الحج؛ باب رمي الجمار)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی درج ذیل روایت ہے:

ا۔ ''عن ابن عباس رضي الله عنه إذا انتفخ النهار من يوم النفر فقد حل الرمي والصدر'' (رواه البيهقي: باب من غربت له الشمس يوم النفر الاول بمن أقام حتى يرمي الجمار اليوم الثالث بعد الزوال ۵،۱۵۲)۔

مگر امام صاحب کی مذکورہ دلیل کو امام بیہقیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث کے ایک راوی طلحہ بن عمرو مکی ہیں جو کہ ضعیف ہیں (السنن الکبریٰ ۵؍ ۱۵۲)۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ طلحہ بن عمرو مکی متروک ہیں (تقریب التہذیب ر ۳۸۳)۔

واضح رہے کہ ایام تشریق میں جمہور کا مسلک دلائل کے اعتبار سے مضبوط ہے اور عام صحابہ اور تابعین کا عمل بھی جمہور کے مسلک کے مطابق ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ایام تشریق میں بعد زوال الشمس جو کہ جمہور کا مسلک ہے اور دلائل کے اعتبار سے مضبوط ہے اس کے اختیار کرنے سے حاجی حضرات کو تنگی اور دشواری ہے اس وجہ سے ضرورۃً رمی جمار قبل زوال الشمس جو کہ ضعیف قول ہے اس کو اختیار کرلیا جائے تو بہتر ہے، تاکہ حاجی حضرات رمی کو انجام دینے میں حرج اور تنگی نہ پڑیں (تفصیل: رسائل ابن عابدین ر ۴۹ میں ہے)۔

۳۔ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کی رات کو بغیر عذر رمی مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

فتح القدیر میں ہے: ''والليل وقت الجواز مع الإساءة فلابد أن يكون محمل ثبوت الإساءة عدم العذر'' (فتح القدير ۲،۲۹۴)۔

بحر الرائق میں ہے: ''فلو رمى ليلاً صح وكره كذا في المحيط'' (بحر الرائق ۲،۳۲۸)۔

حضرت عباسؓ کی اس روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ رات میں عذر کی وجہ سے رمی کرسکتے ہیں: ''أذن للرعاء أن يرموا بالليل'' (نصب الرايه ۳،۸۶)۔ (اللہ کے رسول ﷺ نے چرواہوں کو رات میں عذر کی وجہ سے رمی کرنے کی اجازت دی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی حاجی رات میں رمی کرتا ہے تو اس کے لیے مکروہ بھی نہیں ہے، اور اگر بغیر عذر کے رمی کرتا ہے تو مکروہ ہے۔

۴۔ جمہور علماء جن میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن عمر، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، اسحاق، ابن منذر وغیرہ شامل ہیں، ان حضرات کے نزدیک اگر حاجی بارہ ذی الحجہ کے غروب تک منیٰ میں ٹھہرتا ہے تو پھر تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی (المغنی ۳/ ۴۷۹، نیز فتح القدیر ۲/ ۳۹۳)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر حاجی بارہ ذی الحجہ کے دن رمی کے بعد منیٰ میں طلوع فجر کے بعد تک ٹھہرا رہتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی، اور اگر وہ طلوع فجر سے قبل مکہ مکرمہ چلا جاتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب نہیں ہوگی (المغنی ۳/ ۴۷۸، نیز بدائع الصنائع ۲/ ۳۶۳)۔

جمہور کے دلائل:

جمہور علماء کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه'' (سورہ بقرہ: ۲۰۳)۔

(تو جس نے دونوں دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

دوسری دلیل حضرت عمرؓ کی روایت ہے: ''عن عمر ﷺ قال: من أدركه المساء في اليوم الثاني فليتم إلى الغد'' (إعلاء السنن ۱۰/ ۱۸۱)۔ (حضرت عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: جس نے دوسرے دن میں شام کو پالیا تو وہ اگلے دن تک ٹھہرا رہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس (رواه أبوداود، كتاب الحج، باب ماجاء في تقديم الضعفة من جمع)۔ (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ رمی جمار نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے)۔

''قال رسول الله ﷺ: لا ترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين'' (نصب الرايہ ۳/ ۱۶)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جمرۂ عقبہ نہ کرو یہاں تک کہ تم لوگ صبح کرلو)۔

زیر بحث مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر کوئی حاجی بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ٹھہرا رہتا ہے بشرطیکہ طلوع فجر سے قبل مکہ مکرمہ چلا جائے، اور جمہور کے نزدیک جن میں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں، حاجی اگر منیٰ میں ٹھہرا رہتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی۔

۵۔ بوڑھے، معذور، نیز خواتین کے لیے دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا جائز ہے، صاحب فقہ السنۃ علامہ سید سابقؒ نے مذکورہ لوگوں کے لیے یوم النحر کی دسویں شب کے نصف سے رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔

''ولا يجوز لأحد أن يرمي قبل نصف الليل الأخير بالاجماع ويرخص للنساء والصبيان وذوي الأعذار ورعاة الابل أن يرموا العقبة من نصف ليلة النحر'' (فقہ السنہ ۱/ ۴۷۶)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے چرواہوں کو عذر کی وجہ سے رات میں رمی کرنے کی اجازت دی (نصب الرایہ ۳/ ۸۶)۔

مذکورہ حضرات کو بھی عذر کی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

ب۔ منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

۱۔ بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا، حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: ''أفاض رسول الله ﷺ من آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع إلى منى فمكث بها ليالي أيام التشريق'' (رواه ابوداؤد: كتاب المناسك: باب رمي الجمار)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے طواف افاضہ فرمایا اپنے آخری دن میں جبکہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ منیٰ واپس ہوئے تو وہاں آپ نے

ایام تشریق کی راتیں گذاریں)۔

قیام منیٰ کے حکم میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ عمر بنؓ خطاب، عروہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، وغیرہم منیٰ میں وجوب قیام کے قائل ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ منیٰ میں وجوب قیام کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک منیٰ میں قیام سنت ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: حاجی میں سے کوئی بھی منیٰ کے علاوہ کہیں رات نہ گذارے (نصب الرایہ ۳/۸۸)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا، اور آپ نے مناسک حج کے تعلق سے فرمایا: ''لتأخذوا عني مناسككم فإني لاأدري لعلي أحج بعد حجتي هذه'' (رواه أبوداؤد: كتاب المناسك؛ باب رمی الجمار. أيضاً اعلاء السنن: ۱۸۶. ۱۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل:

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی درج ذیل روایت ہے:

''عن ابن عمر رضی اللہ عنہ رخص النبي ﷺ للعباس بن عبد المطلب أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته'' (رواه البخاري. باب هل يبيت أصحاب السقاية أوغيرهم بمكه ليالي منى)۔ (حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب کو رخصت دی کہ وہ منیٰ کی راتیں سقایہ کی وجہ سے مکہ میں گذاریں)۔

دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی درج ذیل روایت ہے: ''روى ابن عباس رضی اللہ عنہ إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (المغني ۳.۴۷۹)۔ (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب تم رمی جمار کرلو تو تم جہاں چاہو رات گذارو)۔

حاجی حضرات کی تعداد ماشاء اللہ پچیس لاکھ سے زائد تک پہنچ جاتی ہے، اگر اتنی بڑی تعداد کا قیام صرف منیٰ میں ہو تو دشواری اور دقت کا سامنا ہوگا اور مناسک حج کی ادائیگی میں دشواری بھی پیش آئے گی، اس وجہ سے حاجی حضرات کو حرج اور تنگی سے بچانے کے لیے مسلک حنفی کو اختیار کرلیا جائے تو بہتر ہے، اور عذر ہی کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح پچیس لاکھ سے زائد حاجیوں کا منیٰ میں قیام ایک عذر ہے، اس وجہ سے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں قیام واجب نہیں ہونا چاہئے۔

شوافع کے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں قیام واجب نہیں:

واضح رہے کہ شوافع کے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں وجوب قیام ضروری نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے مجمع کا منیٰ میں قیام دشوار ہے اس وجہ سے ایسے عذر کی صورت میں شوافع کے یہاں بھی حاجیوں کے لیے منیٰ کا قیام واجب نہیں ہونا چاہئے (فتح الباری ۳/۵۷۹)۔

۲۔ احناف کے یہاں حدود مکہ میں قیام:

احناف کے یہاں حدود مکہ میں قیام کراہیت کے ساتھ درست ہے۔

فتح القدیر میں ہے: ''قال ويكره أن يقدم الرجل ثقله إلى مكة ويقيم حتى يرمي'' (فتح القدير ۲.۳۹۵)۔

حدود مکہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حدود مکہ میں قیام درست نہیں ہے، فقہ السنہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی صراحت اس طرح ہے: البيات بمنى واجب في الليالي الثلاثة أو ليلتي الحادي عشر والثاني عشر عند الأئمة الثلاثة'' (فقه السنه ۱.۶۶۴)۔

احناف کے دلائل:

احناف کے دلائل درج ذیل ہیں: ''عن ابن عمر ﷺ أنه كره أن ينام أيام منىٰ بمكة'' (فتح القدير ۲،۳۹۶)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مکروہ ہے کہ کوئی حاجی منیٰ کے ایام میں مکہ مکرمہ میں رات گذارے)۔

''روى أن عمر ﷺ كان يمنع منه ويؤدب عليه'' (حوالہ بالا)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں: ''عن ابن عمر ﷺ قال لا يبيتن أحد من الحاج إلا بمنىٰ'' (نصب الرایہ ۳،۸۸)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی حاجی منیٰ کے علاوہ کہیں رات نہ گزارے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''خذوا عني مناسككم فإني لا أدري لعلي أحج بعد حجتي هذه'' (رواہ ابوداؤد: کتاب المناسك، باب في رمي الجمار)۔

واضح رہے کہ حاجیوں کے اتنے بڑے مجمع کو اگر حدود مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی تو کثرت ازدحام کی وجہ سے حاجی حضرات کو بڑی دقت اور دشواری کا سامنا کرنا ہوگا جبکہ حدود مکہ میں قیام سے حاجی حضرات کو بڑی سہولت ہوگی اور مناسک حج کی ادائیگی بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں ،اس وجہ سے مسلک حنفی پر اگر عمل کر لیا جائے تو اس میں حاجی حضرات کے لیے عافیت اور سکون ہے۔

۳۔ احناف کے یہاں چونکہ منیٰ میں قیام واجب نہیں ہے اس وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کیا جاسکتا ہے، اور مزدلفہ بھی چونکہ حدود حرم میں ہے اس وجہ سے مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے، جبکہ شوافع کے یہاں منیٰ میں قیام واجب ہے اس وجہ سے حدود حرم میں قیام درست نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۶۳)۔

☆☆☆

رمی جمار اور قیام منیٰ سے متعلق چند مسائل

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی [1]

آج کل حج کے موقعہ پر غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے ہر سال کچھ نہ کچھ حادثات واقع ہوجاتے ہیں، زیادہ تر حادثات رمی جمار کے موقعہ پر اور منیٰ میں قیام کے دوران پیش آتے ہیں، اس لیے ان دو موضوعات سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے سولہویں فقہی سمینار کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(الف) رمی جمار کے اوقات

۱۔ دسویں ذی الحجہ کی رمی:

دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے یہاں تو آدھی رات سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۴)، اور حنفیہ کے نزدیک بھی صبح صادق سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے، البتہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا مستحب ہے، ملک العلماء علاؤ الدین کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) نے وضاحت کی ہے:

"بہرحال دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے، صبح صادق سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اور رمی کا مستحب وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک ہے، یہ ہمارے نزدیک ہے، امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی آدھی رات سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے......سفیان ثوری کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے مزدلفہ کی رات اپنے خاندان کے ضعیف افراد کو پہلے (منیٰ) بھیج دیا، اور فرمایا "جب تک صبح نہ ہوجائے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے قبل رمی سے منع فرمادیا......اگر کہا جائے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تک سورج طلوع نہ ہوجائے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو"، یہ سفیان ثوریؒ کی دلیل ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان مستحب وقت پر محمول ہے، تاکہ بقدر امکان دونوں روایات میں تطبیق پیدا ہوجائے، اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

۲۔ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی:

اس سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی زوال آفتاب کے بعد کی جائے گی، زوال آفتاب سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۵، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۲)، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیرہویں ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے بھی جائز ہے (حوالہ سابق)۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت میں زوال سے قبل رمی کی اجازت ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن کی رمی زوال کے بعد کرنا افضل ہے، اگر زوال سے پہلے کی جائے تو جائز ہے، اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ (قربانی کے دن) کو زوال سے پہلے رمی کا وقت ہے، اسی طرح گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو بھی ہو، کیونکہ یہ سب قربانی کے ایام ہیں" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)۔

البتہ علامہ ابن الہمامؒ نے زوال سے پہلے رمی کو مکروہ قرار دیا ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۹۹)۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرنے کی حدیث میں ممانعت نہیں کی گئی ہے، جیسا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے رمی کی

[1] رفیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

ممانعت کی گئی ہے۔

لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس (مسند أحمد ۱،۲۳۴)۔

جمہور علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ''رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد ذلك فإذا زالت الشمس'' (رواہ مسلم حدیث نمبر ۳۱۴) سے استدلال کرتے ہوئے زوال سے پہلے رمی کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو افضل وقت پر محمول کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو دسویں ذی الحجہ کی رمی پر قیاس کیا ہے (دیکھئے بدائع الصنائع ۳/۷ ۱۳- ۱۳۸)، نیز تیرہویں ذی الحجہ کی رمی سے متعلق سیدنا ابن عباسؓ کے قول پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

''إذا افتتح النهار من آخر آيام التشريق جاز الرمي''

(ایام تشریق کے آخری دن جب دن شروع ہوجائے تو رمی جائز ہے) (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳، ۱۹۵، بدائع الصنائع ۳، ۱۳۸)۔

لیکن سید سابق نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۲)۔

لہٰذا حج کے موقع پر غیر معمولی بھیڑ اور حادثات سے حفاظت کے پیش نظر زوال سے پہلے رمی کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۳۔ غروب آفتاب کی بعد رمی:

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب سے لے کر دوسرے دن کی صبح صادق سے قبل تک کرنا بلا عذر مکروہ ہے، چنانچہ سید سابق لکھتے ہیں:

''جب دن میں رمی کرنے میں کوئی عذر ہو تو رات تک تاخیر کرنا جائز ہے، کیونکہ امام مالک نے نافع سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ کی بیوی صفیہؓ کی بیٹی کو مزدلفہ میں نفاس آگیا، وہ اور صفیہ پیچھے رہ گئیں، یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منیٰ پہنچیں، اسی وقت ابن عمرؓ نے ان کو رمی کرنے کا حکم دیا، اور ان پر کوئی چیز لازم نہیں سمجھا'' (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۵۰۱)۔

لیکن آج کل غیر معمولی ازدحام بجائے خود ایک عذر ہے، لہٰذا گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد سے لے کر دوسرے دن کی صبح صادق سے پہلے تک رمی کرنا مکروہ بھی نہیں ہوگا، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے عدم کراہت ذکر کیا ہے:

''وقال الحنفية إن أخر الرمي إلى الليل، ورمى قبل طلوع الفجر جاز، ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي''۔

''حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا جائے اور طلوع فجر سے پہلے رمی کی جائے تو جائز ہے، اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ رمی کے دنوں میں رات بھی رمی کا وقت ہے'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۵)۔

اور علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: اگر رمی نہیں کی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، تو دوسرے دن کی صبح صادق سے پہلے رمی کرلی تو یہ کافی ہوجائے گا، اور ہمارے اصحاب کے قول کے مطابق اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا...... اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو عذر کی بنا پر اجازت دی، ہم کہتے ہیں کہ ان کو عذر نہیں تھا، کیونکہ ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ باری باری آکر دن میں رمی کرلیتے، تو یہ ثابت ہوگیا کہ اجازت کسی دوسری مجبوری کی بنا پر تھی، جو مطلق جواز کی دلیل ہے'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۸)۔

۴۔ ۱۲ / ذی الحجہ کے بعد منیٰ میں ٹھہرنا:

اگر ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳ / ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، لیکن اگر ۱۳ / ذی الحجہ کو صبح صادق تک منیٰ میں ٹھہرا رہے تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی، علامہ کاسانیؒ کا بیان ہے:

''و إنما يجوز له النفر في اليوم الثاني والثالث مالم يطلع الفجر من اليوم الثالث. فإذا طلع الفجر لم يجز النفر'' (بدائع الصنائع ۱۳۸، ۳)۔

"بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ واپس ہونا جائز ہے، جب تک کہ تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی ہو، جب فجر طلوع ہو جائے تو (بغیر رمی کئے) واپس ہونا جائز نہیں ہے"۔

اور سید سابق لکھتے ہیں: "احناف کے نزدیک جب تک تیرہویں ذی الحجہ کی فجر طلوع نہیں ہوئی ہو، مکہ واپس ہونا جائز ہے، لیکن خلاف سنت ہونے کی وجہ سے غروب آفتاب کے بعد واپس ہونا مکروہ ہے، اور اس بنا پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی" (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)۔

۵۔ ضعیف افراد کا حکم:

بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لیے دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے کی جاسکتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک تو تمام افراد کے لیے نصف شب سے رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۴، بدائع الصنائع ۳/ ۱۳۷)۔ علامہ سید سابق احادیث کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں:

"لایجوز لأحد أن یرمی قبل نصف اللیل الأخیر بالإجماع۔ ویرخص للنساء، والصبیان، والضعفة، وذوی الأعذار، ورعاة الإبل أن یرموا جمرة العقبة من نصف لیلة النحر" (فقه السنة ۱.۶۶۰)۔

(کسی کے لیے نصف آخر شب سے پہلے رمی کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے، البتہ عورتوں، بچوں، کم زور افراد، معذورین اور اونٹ چرانے والوں کے لیے رخصت ہے کہ وہ عید الاضحیٰ کی نصف شب کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کریں)۔

اس بارے میں مذکورہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے:

۱۔ "عن عائشة رضی اللہ عنہا أن النبی ﷺ أرسل أم سلمة لیلة النحر فرمت قبل الفجر ثم أفاضت"۔

"سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی رات حضرت ام سلمہؓ کو بھیجا، انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی، پھر طواف افاضہ کیا" (رواہ ابوداؤد والبیہقی وقال اسنادہ صحیح لاغبار علیہ، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

۲۔ "وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ رخص لرعاة الأبل أن یرموا... باللیل"۔

"سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کے لیے رات میں رمی کرنے کی اجازت دی" (رواہ البزار وفیہ مسلم بن خالد الزنجی وھو ضعیف، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

۳۔ "وعن عطاء قال أخبرنی مخبر عن أسماء أنها رمت الجمرة، قلت: إنا رمینا الجمرة بلیل، قالت: إنا کنا نصنع هذا علی عهد رسول الله ﷺ"۔

"عطاءؒ کہتے ہیں کہ مجھے سیدہ اسماءؓ کے بارے میں کسی نے خبر دی کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی، میں نے کہا ہم نے رات میں جمرہ کی رمی کی، تو حضرت اسماءؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے" (رواہ ابوداؤد بحوالہ فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ منیٰ میں قیام کی حیثیت:

نویں ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنا بالاتفاق سنت ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۲۰۴)، اور ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

"البیات بمنیٰ واجب فی اللیالی الثلاثة، أو لیلتی الحادی عشر والثانی عشر عند الأئمة الثلاثة۔ ویری الأحناف أن البیات سنة" (فقه السنه ۱.۶۶۴)۔

''ایام تشریق کی تین راتوں میں یا گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی دو راتوں میں منیٰ میں شب گزاری کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، احناف کی رائے ہے کہ شب گزاری سنت ہے''۔

۲۔ منیٰ سے باہر قیام:

ایام تشریق کی راتوں میں بلا عذر منیٰ سے باہر قیام کرنا مناسب نہیں ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: ''فإن أقام بمنى لأجل الرمي فعل الأفضل، وإن تركه لا شئ عليه، ويكون مسيئاً'' (الفقه الاسلامی وادلته ۳،۲۰۴)۔

''رمی کی خاطر منیٰ میں قیام کرنا افضل ہے، اگر کسی نے چھوڑ دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا لیکن وہ گنہ گار رہوگا''۔

البتہ عذر کی بنا پر منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام کرنے کی اجازت ہوگی، سید سابق لکھتے ہیں: ''واتفقوا على أنه يسقط عن ذوى الأعذار. كالسقاة ورعاة الإبل، فلا يلزمهم بتركه شئ'' (فقه السنه ۱،۶۶۴)۔ ''تمام ائمہ متفق ہیں کہ منیٰ میں قیام معذورین سے ساقط ہوجاتا ہے جیسے پانی پلانے والے اور اونٹ چرانے والے، ترک قیام سے ان پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی''۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں رخصت منقول ہے: ''عن عاصم بن عدي أنه ﷺ رخص للرعاة أن يتركه المبيت بمنى'' (رواه اصحاب السنن وصححه الترمذی. فقه السنة ۱،۶۶۴)۔ ''سیدنا عاصم بن عدیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو منیٰ میں قیام ترک کرنے کی رخصت دی''۔

۳۔ مکہ اور مزدلفہ میں قیام:

عذر کی بنا پر شہر مکہ مکرمہ، اس کے مضافات اور مزدلفہ میں قیام کرنا جائز ہوگا، چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث و آثار موجود ہیں:

۱۔ ''استأذن العباس النبي ﷺ أن يبيت بمكة ليالى منى من أجل سقايته. فأذن له'' (بخاری ومسلم. مشکوۃ ۱،۲۳۴)۔ ''سیدنا عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مانگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی''۔

۲۔ ''وقال ابن عباس ﷺ إذا رميت الجمار فبت حيث شئت'' (رواه ابن ابی شيبه. فقه السنة ۱،۶۶۴)۔

''سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تم نے جمرات کی رمی کرلی تو جہاں چاہو رات گزارو''۔

۳۔ ''وعن مجاهد لابأس بأن يكون أول الليل بمكة وآخره بمنى، أو أول الليل بمنى وآخره بمكة'' (فقه السنه ۱،۶۶۴)۔

''مجاہدؒ سے مروی ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ شروع رات مکہ میں رہو اور آخر رات منیٰ میں، یا شروع رات منیٰ میں اور آخر رات مکہ میں رہو''۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور خارج منیٰ قیام کرنے کی شرعی حیثیت

مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری[1]

۱۔ ''عن جابر قال: رمی رسول اللہ ﷺ الجمرۃ یوم النحر ضحی ورمی بعد یوم النحر إذا زالت الشمس'' (نسائی ۲،۴۹، کتاب المناسک، باب وقت رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر، ابوداؤد ۱،۲۷۱، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی دسویں ذی الحجہ کو آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد رمی جمار کیا اور بعد میں گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ کو آفتاب ڈھلنے کے بعد رمی جمار کیا)۔

۲۔ ''عن ابن عباس بعثنا رسول اللہ ﷺ أغیلمۃ بنی عبد المطلب علی جمرات یلطخ أفخاذنا ویقول: ابینی لا ترموا جمرۃ العقبۃ حتی تطلع الشمس'' (نسائی ۲،۴۹، کتاب المناسک، باب النہی عن رمی الجمرۃ الخ، ابوداؤد ۱،۲۶۸، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عبدالمطلب کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (گدھوں پر سوار کرکے) روانہ کیا اور اپنے دست مبارک سے ہمارے رانوں کو تھپتھپاتے تھے اور کہتے تھے: اے میرے بیٹو! جمرۂ عقبہ کی رمی اس وقت کرو گے جب آفتاب طلوع ہوجائے۔

۳۔ ''عن ابن عباس أن النبی ﷺ قدم أھلہ وأمرھم أن لا یرموا الجمرۃ حتی تطلع الشمس'' (حوالہ بالا)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھر کے لوگوں کو آگے بھیج دیا اور ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی اس وقت کریں جب آفتاب طلوع ہوجائے۔

یہ احادیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کی مؤید ہیں۔

چاروں اماموں کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کرنا افضل اور اولیٰ ہے، طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف سب کے لیے مکروہ ہے مگر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے (ایضاح الطحاوی ۳/ ۵۲۴، عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۸، المغنی ۳/ ۴۲۹)۔

لیکن غنیۃ الناسک میں حضرات حنفیہ کا ایک دوسرا قول بھی منقول ہے کہ آفتاب طلوع ہونے سے قبل صبح صادق کے بعد یوم النحر میں رمی کرنا غیر معذور، صحیح تندرست کے لیے مکروہ ہے، اور معذورین کے لیے مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہت جائز ہے (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۶۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۰۶، عمدۃ القاری ۷/ ۲۷۸)۔

حضرت امام شافعیؒ، حضرت عطاء، حضرت عامر شعبیؒ، حضرت طاؤس بن کیسانی، سعید بن جبیرؒ وغیرہم کے نزدیک ضعفاء کے لیے بلا کراہت جائز ہے (ردالمحتار ۲/ ۱۹۶، مکتبہ قادریہ کوئٹہ، انوار مناسک ۲۴۲)۔

صبح صادق سے قبل رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، اگر کریں گے تو سورج طلوع ہونے کے بعد اعادہ کرنا واجب ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کریں گے تو جرمانہ

[1] مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواڑہ ضلع دربھنگہ بہار۔

میں ایک قربانی واجب ہوجائے گی (اعلاء السنن ۱۰/۱۶۳، ۱۶۱، الیضاح الطحاوی ۳/۵۲۴، ۵۲۴، بحوالہ انوار مناسک ۳/۴۷۳، ۴۷۴)۔

ائمہ اربعہ، جمہور فقہاء عظام، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین عظام کے اقوال ومسالک کی روشنی میں میری ذاتی رائے یہی ہے کہ عذر اور اضطراری حالت میں ہی دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کرنے کی شرعاً جائز وگنجائش ہے (دیکھئے: المبسوط ۱/۶۱)۔

۲۔ گیارہویں اور بارہویں کی رمی جمار کا وقت:

گیارہویں اور بارہویں میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے، اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن صبح صادق تک رہتا ہے۔ مگر زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے، اور غروب سے صبح صادق تک وقت مکروہ ہے، اور صبح صادق کے بعد وقت قضا شروع ہوجاتا ہے (تاتار خانیہ ۲/۴۶۰)۔

لہٰذا گیارہویں کی رمی اگر بارہویں کی صبح صادق ہوجانے کے بعد تک مؤخر کردی ہے تو قضا اور دم دونوں لازم ہوجائیں گے۔ اسی طرح بارہویں کی رمی کو اتنا مؤخر کردیا ہے کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی تو قضا اور کفارہ دونوں الگ الگ واجب ہوجائیں گے (معلم الحجاج ر ۱۸۲)۔

اور رمی کی قضا کا وقت تیرہویں کے غروب تک رہتا ہے، اس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اور مؤخر کرنے کی صورت میں قضا جائز نہ ہوگی، صرف دم دینا لازم ہوگا (غنیۃ الناسک ر ۹۷، بہ حوالہ انوار مناسک ر ۴۷۷، ایضاح المناسک ر ۱۵۳)۔

اور تیرہویں کو اگر رک جائے تو اس کی رمی بھی واجب ہوجاتی ہے، اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے۔

گیارہویں اور بارہویں کی رمی زوال سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے بلکہ زوال کے بعد کرنا واجب ہے، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک متفقہ طور پر زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قول ضعیف ہے، اس کے مطابق جائز ہے، اور اس قول پر آج تک کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ دوسرا قول مشہور اور ظاہر الروایہ ہے، اور یہی راجح اور مفتیٰ بہ قول ہے، جو جمہور کے موافق عدم جواز کا ہے کہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں زوال سے پہلے رمی کرے گا تو وقت کے اندر اندر اس کا اعادہ کرنا واجب ہے، اور اگر اس کا اعادہ نہیں کیا ہے تو ترک واجب کی وجہ سے دم دینا لازم ہوجائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۵۷ تا ۱۵۹، انوار المناسک ر ۴۸۷ تا ۴۹۲)۔

علامہ شمس الدین سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر اس کا ارادہ جلد از جلد مکہ جانے کا ہو کہ اگر رمی زوال کے بعد کرے گا تو اس کو حرج ہوگا اور مکہ رات میں پہنچے گا تو ایسا آدمی ضرورت مند ہے کہ وہ رمی جمار زوال سے پہلے ہی کرلے تاکہ دن میں ہی مکہ پہنچ جائے اور اپنے قیام گاہ کی شناخت کرلے، ایسے نازک لمحہ کے لیے اس کو اس بات کی اجازت دی جائے گی (المبسوط ۴/۶۸)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ضعیف قول اور حضرت شمس الدین سرخسیؒ کے اس جزئیہ کے مطابق جو اوپر ذکر ہوچکا ہے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ میری ذاتی رائے ان تمام فقہاء عظام کی آراء کی روشنی میں یہی ہے کہ جمہور کے مطابق فتویٰ دیا جائے، اگر واقعی اضطرابی حالت ہے تو گنجائش ہے۔

۳۔ ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے کی گنجائش ہے:

کوئی حاجی اگر عذر شدید یا بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرے تو بلاشبہ بلاکراہت جائز ہے، بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لیے رات کی رمی کو فقہاء نے افضل لکھا ہے (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک ر ۱۸۸، بہ حوالہ انوار مناسک ر ۴۸۰، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۳۶ تا ۱۳۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ردالمحتار ۲/۱۹۹، فقہ السنہ ۱/۵۳۱، ۵۳۲)۔

"عن عائشہ بنت طلحۃ عن خالتھا عائشۃ أم المؤمنین أن رسول اللہ ﷺ أمر إحدی نسائہ أن تنفر من جمع لیلۃ جمع فتأتی جمرۃ العقبۃ فترمیھا وتصبح فی منزلھا وکان عطاء یفعلہ حتی مات" (نسائی ۳۰۴۹، کتاب المناسک، باب الرخصۃ فی ذلک للنساء)۔ (عائشہ بنت طلحہؒ اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو حکم کیا کہ مزدلفہ سے مزدلفہ کی رات ہی میں منیٰ چلی آئے، پھر رات ہی میں جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اپنے گھر میں آکر صبح کرے، اور حضرت عطاء بھی مرتے دم

تک ایسا ہی عمل کرتے رہے)۔

''عن أم حبیبة قالت: کنا نغلس علی عهد رسول الله ﷺ من المزدلفة إلی منیٰ'' (نسائی ۲،۴٦)۔

(ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مزدلفہ سے اندھیرے منہ منیٰ چلی آتی تھیں)۔

''عن عائشة ؓ قالت إنما أذن النبي ﷺ لسودة في الإفاضة قبل الصبح من جمع لأنها کانت أمرأةً ثبطة'' (نسائی ۲،۴٦، کتاب المناسك، باب الرخصة للنساء فی الافاضة من جمع قبل الصبح)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو مزدلفہ سے فجر سے پہلے ہی لوٹنے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ وہ موٹی عورت تھیں۔

عذر کی بنا پر ہی آپ ﷺ نے حضرت ام المؤمنین سودہؓ کو مزدلفہ سے منیٰ آنے کی اجازت دی تاکہ آسانی کے ساتھ یہاں آکر فجر پڑھ کر کے فوراً لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے رمی جمار سے فارغ ہو جائیں۔

قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں بلاشبہ بلا کراہت ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے کی گنجائش ہے۔ یہی میری ذاتی رائے بھی ہے۔

۴۔ بارہویں ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے کی بنا پر تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، نیز بارہویں ذی الحجہ کو غروب کے بعد منیٰ سے روانہ ہونا اس وقت مکروہ ہوتا ہے جب کہ غروب سے قبل آرام وسہولت سے رمی کر کے منیٰ سے نکلنے کی سہولیات کے باوجود غروب سے قبل رمی کر کے کوچ نہ کیا ہو، پھر اپنی غفلت سے تاخیر کر کے غروب کے بعد منیٰ سے کوچ کیا جائے اور اگر بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے غروب کے بعد تک تاخیر کر کے رمی کی جائے اور پھر غروب کے بعد رات میں منیٰ سے کوچ کیا جائے تو بلا شبہ جائز ہے۔ لہٰذا بارہویں کو بھیڑ کی وجہ سے دن میں رمی نہیں کی اور پھر رات میں رمی کر کے منیٰ سے نکل جائے تو بلا کراہت جائز ہوگا۔ اور جہاں کراہت کی بات کہی گئی وہاں پر بھیڑ نہ ہونے کی صورت مراد ہے۔ یہی علت ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لیے رات کی رمی کو فقہاء نے افضل لکھا ہے (انوار مناسک ر ۴۸۰)۔

خلاصہ یہ کہ بارہویں ذی الحجہ کی رمی جمار کرنے کی وجہ سے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو ایسے شخص پر تیرہویں ذی الحجہ کی رمی جمار کا وجوب نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رک جائے تو ایسے شخص پر اس دن کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے، اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے (دیکھئے: انوار مناسک ر ۴۸۰-۴۸۱)۔

۵۔ رات میں رمی جمار کرنا:

''عن عائشة أنها قالت: أرسل النبي ﷺ بأم سلمة لیلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وکان ذلك الیوم الیوم الذي یکون رسول الله ﷺ تعني عندها'' (أبوداؤد ۱،۲٦۸، کتاب المناسك، باب التعجیل من جمع)۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو دسویں ذی الحجہ کی رات میں منیٰ کی طرف روانہ کر دیا، انہوں نے فجر سے پہلے ہی جمرہ عقبہ کی رمی بھی کر لیا، اور مکہ پہنچ کر طواف زیارت کر لیا کیونکہ یہ دن اتفاق سے وہ دن تھا جس دن میں رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں قیام پذیر تھے۔

''عن أسماء أنها رمت الجمرة، قالت: إنا رمینا الجمرة بلیل، قالت: إنا کنا نصنع هذا علی عهد رسول الله ﷺ'' (أبوداؤد ۱،۲٦۸، کتاب المناسك، باب التعجیل من جمع)۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رمی جمار کیا، مزید تصریح کیساتھ فرماتی ہیں کہ ہم نے رات میں ہی جمرہ عقبہ کی رمی کر لی ہے، اور مزید کہا کہ بیشک ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ دونوں حدیثیں حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل ہیں جو رمی جمار کو نصف شب کے بعد سے درست مانتے ہیں، اس سے یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آخری آدھی رات سے رمی جمار کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

شیخ سید سابقؒ تحریر فرماتے ہیں: جب کوئی عذر دن میں رمی کرنے سے مانع بن جائے تو بلاشبہ اس صورت میں رمی کو تاخیر کر کے رات میں کرنا جائز ودرست ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ السنہ ۱/۵۳۱)۔

عورتوں کے علاوہ ضعیف، مریض اور معذور افراد کے لیے بھی بھیڑ اور مزاحمت سے بچنے کے لیے رات کو رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کمزوروں کو رمی جمار کی غرض سے مزدلفہ سے رات میں منیٰ آنے کی اجازت دی ہے (فتاویٰ امارت شرعیہ ۳/۲۴۰، نسائی ۲/۴۶، کتاب المناسک، باب تقدیم النساء والصبیان إلی منازلھم بمزدلفہ)۔

اگر دن میں زبردست ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے جمرات تک پہنچنا دشوار ہو جائے تو رات میں رمی کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ اس میں عورت اور کمزور مرد دونوں داخل ہیں، اور دسویں، گیارہویں کی رمی بھیڑ کی وجہ سے رات میں کرنا جائز ہے، اسی طرح بارہویں کی رمی بھی بھیڑ کی وجہ سے غروب کے بعد کر کے کوچ کرنا بلا کراہت جائز ہوگا، ہاں البتہ اگر بھیڑ وغیرہ کی مشقت نہ ہو تو غروب کے بعد مکروہ ہے (معلم الحجاج ۱۸۷، غنیۃ المناسک جدید ۱۸۵)۔

البتہ اگر کوئی طاقت ور مرد ازدحام میں داخل ہونے میں شدید مشقت کا شکار نہیں ہوتا ہے تو ایسے طاقت ور کے لیے رمی کو رات تک مؤخر کرنا مکروہ ہے (معلم الحجاج ۱۸۷، بحوالہ انوار مناسک ۵۰۴)۔

اور اگر اس کو بھی سخت مشقت کا خطرہ ہو تو مؤخر کرنا اس کے لیے مکروہ نہ ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد معذورین کے لیے رمی جمار کرنا مکروہ نہیں بلکہ بلا کراہت جائز ہے، تو بلاشبہ یہاں بھی دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف آخر کے بعد بلا کراہت جائز ہوگی کیوں کہ یہاں بھی عذر ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مذہب ومسلک کے مطابق بھی بلا کراہت جائز ہے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کی شرعی حیثیت

۱۔ ایام منیٰ میں حاجی کے لئے منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے۔ تین راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے۔ (۱) آٹھویں اور نویں ذی الحجہ کی درمیانی شب، (۲) دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب، (۳) گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے (اوجز المسالک ۳/۶۴۵)۔

اور اس سے بھی زیادہ افضل یہ ہے کہ بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب بھی منیٰ میں گذار کر تیرہویں کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کر کے منیٰ سے کوچ کیا جائے (غنیۃ المناسک ۱۸۴، بحوالہ انوار مناسک ۴۹۷)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی سنت کی حیثیت ہے، اور ان راتوں کو بلا عذر دوسری جگہ گذارنا مکروہ ہے۔ اسی لئے ہر حاجی کے لئے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح حج کیا ہے اس کے مطابق حج کرنے کی سعی بلیغ کریں، اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آپ ﷺ کی کوئی سنت حج کے درمیان نہ چھوٹے۔

عذر کی وجہ سے منیٰ کی شب گذاری ترک کردینا:

اگر کسی عذر کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گذار سکے تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کوئی ضعیف آدمی یوم النحر میں طواف وسعی کے بعد رات تک منیٰ پہنچنے کی ہمت نہیں رکھتا تو ایسا شخص جہاں سہولت ہو وہاں رات گذار سکتا ہے، اسی طرح ازدحام اور بھیڑ میں نکل کر منیٰ پہنچتے پہنچتے صبح ہو جاے تو ایسے اعذار میں مبیت منیٰ چھوٹ جانے سے کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے چرواہوں کے لئے اجازت دے دی تھی کہ وہ لوگ جہاں چاہیں رات گذار سکتے ہیں (اوجز المسالک ۳/۶۴۵)۔

بلا عذر مبیت منیٰ ترک کردینا:

بلا کسی عذر کے منیٰ میں رات نہیں گذارتا ہے، مکہ مکرمہ یا کسی دوست کے یہاں رات گذار دیتا ہے، تو ترک سنت کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امر مکروہ کا مرتکب اور گنہگار ہوگا، مگر اس امر مکروہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس پر کوئی جرمانہ لازم نہ ہوگا (ہدایہ ۱/۱۳۳، اوجز المسالک ۳/۶۴۵)۔

رات کا اکثر حصہ منیٰ میں نہ گذارنا:

مبیت منیٰ کلی طور پر ترک نہیں کیا بلکہ رات کا نصف حصہ یا اکثر حصہ دوسری جگہ بلا عذر گذار دیا ہے، مثلاً کسی دوست کے یہاں گذار دیا ہے تو یہ عمل مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت ہے اور کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا (اوجز المسالک ۶۴۵/۳، بہ حوالہ انوار المسالک ۴۹۸)۔

عذر کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں سے مبیت منیٰ ساقط فرمادیا ہے: ''عن أبي البداح بن عدي عن أبيه أن النبي ﷺ رخص للرعاء أن يرموا يوما ويدعوا يوما'' (نسائی ۴۹/۲، كتاب المناسك، باب رمي الرعاء مختار اینڈ کمپنی، دیوبند)۔

(حضرت ابوالبداح بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی چھوڑ دیں)۔

''عن عدی أن النبي ﷺ رخص للرعاء في البيتوتة يرمون يوم النحر واليومين اللذين بعده يجمعونهما في أحدهما'' (نسائی ۴۹/۲، کتاب المناسک، باب رمی الرعاء، مختار اینڈ کمپنی دیوبند)۔

(حضرت عدی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو رات گذارنے کے بارے میں رخصت دی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی کریں اور اس کے بعد کے دونوں دنوں کی رمی ان میں سے ایک میں کریں)۔

۲۔ حاجی کا حدود مکہ میں ہی مقیم رہ کر وہاں سے رمی جمار کرنے کے لئے جانا:

اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی قیام کرے اور وہیں سے رمی جمار وغیرہ کے لئے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا، علامہ شمس الدین سرخسی علیہ الرحمہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

اگر کوئی حاجی منیٰ کے دنوں میں مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے ہر روز منیٰ اتر کر رمی جمار کرتا رہے تو گویا اس نے برا کام کیا، اور اس کی وجہ سے اس کے اوپر کوئی جرمانہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے صرف سنت کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ہے رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا، اور فی الواقع اس کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ واقعی حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ایام منیٰ کی راتیں مکہ ہی میں جا کر گذاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی، کہا گیا ہے کہ بیشک وہ (منیٰ میں رات گذارنا) واجب نہیں ہے (المبسوط ۶۷/۴ تا ۶۸، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء، اوجز المسالک ۶۴۵/۳، ہدایہ ۲۴۳/۱، تاتارخانیہ ۴۶۶/۱)۔

''عن نافع عن ابن عمر قال استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالی منیٰ من أجل سقايته فأذن له'' (ابوداؤد ۲۷۰/۱، كتاب المناسك، باب يبيت بمكة ليالی منیٰ)۔

(حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ایام منیٰ کی راتیں مکہ ہی میں جا کر گذاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی)۔

اگر کوئی حاجی عذر معقول کی وجہ سے مکہ ہی میں مقیم رہ کر وہاں سے منیٰ آ کر رمی جمار کر لیتا ہے تو ان کے حج پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ عذر معقول کی بنا پر قیام منیٰ اور مبیت منیٰ ترک کر دینا بلا کراہت جائز ہوگا، نہ اس کے اوپر کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی جرمانہ لازم ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری کی بنا پر بھی رات گزارنا بلا کراہت جائز ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کا حج فاسد نہیں ہوگا بلکہ اس معذور حاجی کا حج درست و جائز ہوگا۔

حج کے زمانہ میں سعودی حکومت ہر سال مزدلفہ کا بڑا حصہ کبری ملک فیصل تک حاجیوں کے لئے منیٰ میں قیام کرنے کے لئے اسی طرح تسلسل کے ساتھ خیمے نصب کر دیتی ہے جس طرح حدود منیٰ میں ہیں، اسی طرح حرم کی طرف جمرۂ عقبہ کے بعد بھی پہاڑ کے دامنوں پر خیمے نصب کر دیتی ہے ان خیموں میں قیام کرنے کی وجہ سے قیام منیٰ کی سنت ادا نہیں ہوگی، اور وہاں قیام کرنا ناجائز بھی نہ ہوگا اس لئے کہ منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں کہیں بھی قیام کرنا جائز ہے لہٰذا وہاں بھی قیام کرنا جائز ہو جائے گا مگر مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی (اس کی تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: الیضاح المناسک ۱۵۵ تا ۱۵۷، نسائی ۴۹/۲، کتاب المناسک باب رمی الرعاء، ابوداؤد ۲۷۱/۱، کتاب المناسک باب رمی الجمار، بخاری ۲۲۱/۱، کتاب المناسک، باب سقایۃ الحاج، مسلم ج ۱/ ۴۲۳، کتاب الحج، باب وجوب المبیت بمنی لیالی ایام

التشریق والترخیص فی ترکہ لاجل السقایہ)۔

۳۔عذر کی بنا پر حاجی حدود میقات میں جہاں چاہے قیام کرسکتا ہے:

حدود حرم: اتر میں تنعیم ہے، مکہ سے ۶ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دکھن میں اِضاءۃ لبن ہے، مکہ سے ۲۳ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ پورب میں جعرانہ ہے، مکہ سے ۲۴ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ پچھم میں حدیبیہ ہے مکہ سے ۲۲ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اب اس کو شمیسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اتر پورب میں وادی نخلہ ہے، مکہ سے ۱۴ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

آٹھ سو چالیس مربع کلومیٹر کی زمین حرم کہلاتی ہے، حدود میقات کا پورا رقبہ حدود حرم کو لے کر دو لاکھ اسی ہزار آٹھ سو انسٹھ (۲۸۰۸۵۹) مربع میٹر ہے (حدود حرم کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مفید الانام ونور الظلام فی تحریر الاحکام لحج بیت اللہ الحرام ۲۱۷/۱، ریاض سعودی عرب، طبع سوم ۱۹۹۲ء ۱۴۱۲ھ، فقہ السنۃ ۵۰۲/۱، نئی دہلی، حج اور تجلیات مکہ ومدینہ جلد اول ۵۲/ تا ۵۴۔ ۸۲)۔

حاجی عذر کی بنا پر دو لاکھ اسی ہزار آٹھ سو انسٹھ مربع میٹر کی زمین پر جہاں چاہے قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ شہر کے اندر یا مضافات مکہ میں عرفات، مزدلفہ، جبل قزح، حی العزیزیہ، کبری ملک فیصل، وادیٔ عرنہ، وادیٔ نخلہ، تنعیم، اضاءۃ لبن، جعرانہ، حدیبیہ وغیرہ میں بھی قیام کرسکتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی قباحت وشناعت نہیں ہے، مگر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو کوئی حاجی یہ سمجھ لے کہ میں نے حدود حرم وحدود میقات میں ہی قیام کیا ہے تو مجھ کو قیام منیٰ کا ثواب ملے گا اور تدارک قیام منیٰ بھی میرے حق میں صحیح ہوجائے گا تو ایسا سمجھنا بالکل لغو اور باطل خیال ہے، کیوں کہ حدود منیٰ منصوص ہے اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی حدود متعین فرمادی ہیں، اور آپ کی متعین شدہ حدود میں کسی بھی شخص کو تا قیامت ترمیم وتبدیل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا حدود منیٰ سے باہر عذر کی بنا پر رات گذارنا بلا کراہت جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور نہ کوئی جرمانہ لازم ہوگا، لیکن منیٰ اور مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی (مسلم ۴۲۳/۱، ابوداؤد ۲۷۰/۱، المبسوط ۶۷/۴ تا ۶۸)۔

حدود منیٰ: حدود منیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ سے منصوص ہے، اور اس کی حدود یوں ہے کہ مزدلفہ کی طرف سے وادیٔ محسّر ہے جہاں اصحاب فیل تباہ ہوگئے تھے، آخری حد ہے۔ اور حرم شریف کی طرف سے جمرۂ عقبہ آخری حد ہے اور دونوں طرف کے پہاڑوں کی چوٹیوں تک ہے۔ لہٰذا وادیٔ محسّر سے جمرۂ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان کا حصہ منیٰ ہے (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک ۱۶۹/، بہ حوالہ انوار مناسک ۴۶۹۔ ۴۹۹)۔

اور اس حدود کے دائرہ میں کہیں بھی قیام کرے گا تو قیام منیٰ صحیح ہوجائے گا اور اس حدود سے باہر قیام کرے گا تو قیام منیٰ صحیح نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر حدود منیٰ میں کہیں بھی جگہ نہ ملے تو قیام منیٰ اور مبیت منیٰ ترک کردینا بلا کراہت جائز ہوگا، نہ اس پر کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی جرمانہ لازم ہوگا۔ بلکہ ایسی تنگی کے عذر کی وجہ سے کہیں بھی رات گذارنا بلا کراہت جائز ہوجائے گا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور
منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی

رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی کے وقت کو فقہاء احناف نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

''اس کے چار اوقات ہیں: (۱) وقت جواز (۲) وقت استحباب (۳) وقت اباحت (۴) وقت کراہت، اول کی ابتداء یوم النحر کی فجر کے طلوع سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب کہ دوسرے دن صبح صادق ہو جائے، ...... اور دوسرا وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے، تیسرا وقت زوال سے غروب تک ہے، اور چوتھا غروب کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک ہے'' (البحر الرائق، باب الاحرام)۔

علامہ ابن نجیمؒ کی اس تصریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت استحباب، وقت اباحت اور وقت کراہت کی تفصیل کے ساتھ دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور کمزور لوگوں کو یوم النحر کی رات میں رمی کے لیے روانہ کر دیا اور یہ تاکید کر دی کہ: "لایرمو الجمرة إلا مصبحین" (بیہقی، باب الوقت المختار للرمی) (صبح ہونے کے بعد ہی وہ لوگ رمی کریں)۔

اس لیے احناف، مالکیہ (بدایۃ المجتہد ۱/۴۰۷) ایک روایت کے مطابق حنابلہ (الانصاف ۴/۳۷) کے نزدیک صبح صادق سے رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے بھی پہلے نصف شب سے ہی شروع ہو جاتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

''أحب أن لا یرمی أحد حتی تطلع الشمس ولا بأس علیه أن یرمی قبل طلوع الشمس وقبل الفجر إذا رمی بعد نصف اللیل'' (الام ۲،۲۳۰)۔

''مجھے یہ پسند ہے کہ کوئی شخص جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو رمی نہ کرے، اور اگر اس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے، اسی طرح صبح صادق سے پہلے رمی کر لیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے بشرطیکہ اس نے نصف شب کے بعد رمی کی ہو''۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتدائی وقت میں اگر چہ اختلاف ہے، لیکن صبح صادق کے بعد رمی جمار کرنا سب کے نزدیک درست ہے، اس لیے اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے پہلے صبح صادق کے بعد دس ذی الحجہ کی رمی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل بالاتفاق درست ہے، بلکہ موجودہ حالات کے اعتبار سے بہتر بھی ہے، اس لیے کہ وقت استحباب کی تلاش میں بسا اوقات کئی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں، مزید یہ کہ اس سے حجاج کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور کئی حادثات کے پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں، حالات کے اعتبار سے بسا اوقات جائز کام بہتر ہو جاتا ہے اور وقت ادا، افضل وقت بن جاتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص موجودہ حالات کے پس منظر میں ایسا کرتا ہے تو اس کا یہی عمل انشاء اللہ بہتر ہوگا۔

۲۔ ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ یعنی ایام تشریق کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، حضرت جابرؓ طویل روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

''کان النبي ﷺ یرمي یوم النحر ضحی وأما بعد ذلك فبعد زوال الشمس'' (ترمذی باب ماجاء في رمی یوم النحر ضحی)

''نبی ﷺ یوم النحر کی رمی چاشت کے وقت کرتے تھے اور اس کے بعد کی رمی زوال شمس کے بعد کرتے تھے''۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

''کنا نتحین فإذا زالت الشمس رمینا'' (بخاری باب رمی الجمار)۔

''ہم لوگ انتظار کرتے یہاں تک کہ جب زوال شمس ہو جاتا تو ہم رمی کرتے''۔

ان روایتوں کے پیش نظر ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس لیے اس سے قبل صبح صادق سے رمی کرنا درست نہیں ہے، بلکہ کسی نے اگر اس سے قبل رمی کر لی تو اس پر زوال کے بعد اعادہ لازم ہے، صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

''بہر حال ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن رمی کا وقت اور وہ رمی کا دوسرا اور تیسرا دن ہے تو وہ زوال کے بعد ہے اس لیے ان دونوں دنوں میں زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے'' (بدائع ۲/۳۲۴)۔

اسی طرح ''المجموع شرح المہذب'' میں یہ تصریح ہے:

''ولا یجوز الرمي في هذه الأیام الثلاثة إلا بعد الزوال'' (المجموع شرح المهذب، باب صفة الحج والعمرة)۔

''ان تین دنوں میں رمی کرنا زوال کے بعد ہی جائز ہے''۔ اسی طرح ''المدونۃ الکبریٰ'' میں امام لک کا یہ قول منقول ہے:

''من رمی الجمار في الأیام الثلاثة قبل زوال الشمس فلیعد الرمی ولا رمی إلا بعد الزوال في أیام التشریق کلها'' (المدونہ الکبری۵۸۶)۔

''جس نے ان تین دنوں میں زوال شمس سے پہلے رمی جمار کر لیا تو اسے چاہئے کہ دوبارہ رمی کرے، اور رمی پورے ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی ہے''۔

اسی طرح المغنی میں منقول ہے: ''ولا یرمی في أیام التشریق إلا بعد الزوال فإن رمی قبل الزوال أعاد'' (المغنی لابن قدامہ۵.۲۲۸)۔ ''ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کرے اور اگر زوال سے پہلے رمی کر لیا تو اعادہ کرے گا''۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے صبح صادق سے کرنا درست نہیں ہے، اور ایسا کرنے کی صورت میں زوال کے بعد اعادہ لازم ہے۔

لیکن ان واضح اور مشہور نصوص کے برخلاف بعض نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے بھی اگر کسی نے کر لیا تو اس کے لیے یہ رمی کافی ہو جائے گی، اس کا اعادہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ایک روایت میں اس کی گنجائش ہے، علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ دوسرے دن اور تیسرے دن رمی نہ کرے یہاں تک کہ زوال شمس ہو جائے، لیکن اگر اس سے پہلے رمی کر لی تو یہ رمی کافی ہو جائے گی، اور رسول اللہ ﷺ سے جو مروی ہے کہ آپ نے زوال کے بعد رمی کی تو اسے افضل کو اختیار کرنے پر محمول کیا جائے گا'' (فتح القدیر ۳/۱۸۵)۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور حضرت عکرمہؒ وغیرہ سے بھی یہ اجازت منقول ہے (المغنی ۳/۴۸۴)۔

بالخصوص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے حوالہ سے منقول روایت میں بھی اس کی اجازت ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''إذا انتفخ النهار من آخر أيام التشريق جاز الرمي'' (بیہقی الکبری ۵،۱۵۲)۔

''ایام تشریق کے دوسرے دن جب دن چڑھ جائے تو رمی جائز ہوجاتی ہے''۔

اس لیے موجودہ حالات کے پیش نظر ان حضرات کے قول کے مطابق زوال سے قبل رمی کی ''مشروط اجازت'' دینے کی بھی گنجائش ہے۔ بالخصوص ان کمزور لوگوں کے لیے جن کا زوال کے بعد کے مجمع کثیر میں اس عمل کو انجام دینا بہت دشوار اور پر خطر ہوتا ہے۔

۳۔ احناف وشوافع کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد سے طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، جس میں سے غروب شمس تک وقت مستحب ہے اور بعد کا وقت، وقت جواز مع الکراہت ہے۔ یعنی بلا عذر غروب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً ازدحام کثیر ہو، یا کوئی ایسا عذر ہو جس سے وہ وقت مستحب میں رمی نہ کرسکتا ہو تو اس کے لیے غروب کے بعد رمی کرنے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى الغروب ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (رد المحتار ۲،۵۴۲)۔ ''مسنون وقت زوال سے غروب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ ہے''۔

اس لیے اگر کوئی عذر نہ ہو تو بلا ضرورت رات میں رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا، اور اگر کوئی عذر ہو جیسا کہ آج کل کثیر مجمع کی وجہ سے مشکلات درپیش رہتے ہیں اور جان ومال کا خطرہ رہتا ہے تو ایسی صورت میں رمی کرنا بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔

۴۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپس ہوجانا جائز ہے، اس لیے کہ ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه'' (سورۂ بقرہ: ۲۰۳)۔

(جو جلدی کرکے دو دن میں چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو رہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

بارہ ذی الحجہ کی رمی سے فراغت کے بعد گرچہ واپسی جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد ہی واپسی ہو۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

''الأفضل أن لا يتعجل بل يتأخر إلى آخر أيام التشريق وهو اليوم الثالث منها فيستوفي الرمي كلها ثم ينفر'' (بدائع ۲،۳۲۵)۔ ''بہتر یہ ہے کہ جلدی نہ کرے بلکہ اپنی روانگی کو ایام تشریق کے آخری دن تک موخر کرے اور وہ ایام تشریق کا تیسرا دن ہے، اور مکمل رمی کرلے پھر واپس ہو''۔

لیکن اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے بعد واپس ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ غروب شمس سے قبل واپس ہوجائے، اگر وہ وہاں سے واپس نہ ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کے لیے اب ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی سے قبل واپسی مکروہ ہے، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء'' (رد المحتار ۲،۵۴۳)۔ ''اگر وہ نہ لوٹا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کے لیے چوتھے دن کی رمی سے قبل نکلنا مکروہ ہے، اور اگر چوتھے دن کی صبح صادق سے پہلے رات ہی میں واپس ہوگیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، البتہ اس نے برا کیا''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب شمس کے بعد واپسی اگرچہ مکروہ ہے مگر طلوع فجر سے قبل واپسی کی گنجائش ہے، لیکن اگر واپسی میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ صبح صادق ہوگئی تو اب رمی کئے بغیر واپسی جائز نہیں ہے اور اس صورت میں واپسی پر دم لازم ہے۔

رد المحتار میں ہے: ''ولو نفر بعد طلوع الفجر قبل الرمي لزمه الدم اتفاقا'' (رد المحتار ۲،۵۴۳)۔

''اور اگر صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے واپس ہوگیا تو اس پر بالاتفاق دم لازم ہے''۔

اس لیے اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرنے کی ضرورت درپیش ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی

کر کے ہی واپس ہو، لیکن طلوع فجر سے قبل یہ رمی لازم نہیں ہوگی، ہاں اگر ۱۳ر ذی الحجہ کی طلوع فجر تک منیٰ میں قیام رہا تو پھر یہ رمی لازم ہوگی۔

۵۔ یوالنحر کی رمی کے سلسلے میں مروی روایات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور کمزور لوگوں کو طلوع فجر سے قبل رات ہی میں رمی کی اجازت دی، جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

''أرسل النبي ﷺ بأم سلمة يوم النحر فرمت الجمرة قبل الفجر'' (سنن أبي داؤد باب التعجيل من جمع)۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو یوم النحر کو بھیجا تو انہوں نے صبح صادق سے پہلے رمی کی''۔

چنانچہ اس روایت کی بنیاد پر امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے نصف شب کے بعد رمی کی اجازت دی ہے۔ اس کے برخلاف عبداللہ بن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت نہیں دی، بلکہ آپ نے تاکید کی کہ: لا يرموا الجمرة إلا مصبحين (بيهقي الكبرىٰ، باب الوقت المختار لرمي جمرة العقبة)۔ ''جب تک صبح نہ ہو جائے وہ لوگ رمی نہ کریں''۔

چنانچہ اسی روایت کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ رمی کا مستحب وقت تمام حضرات کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور کمزور لوگوں کو ازدحام کے پیش نظر اس وقت مستحب سے پہلے روانہ کر دیا اور رمی کرنے کا حکم دیا، اس پس منظر میں آج کے حالات کے اعتبار سے امام شافعیؒ اور امام احمد کے اجتہاد سے استفادہ کرتے ہوئے کمزور لوگوں اور عورتوں کو اور ان کی خدمت اور نگرانی میں مصروف لوگوں کو نصف شب کے بعد رمی کی اجازت دینا درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حالات کے اعتبار سے کئی مسائل میں علماء نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔ موجودہ حالات میں رمی کی دشواریاں اور بالخصوص عورتوں کے لیے اس عمل کو انجام دینے میں جتنی مشکلیں ہیں، وہ سب اسی کا تقاضہ کرتی ہیں۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ۸ر ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا تمام فقہاء کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں ہے، اور اسے بلاضرورت ترک کرنا نامناسب ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

''مستحب ہے کہ وہ محرم بن کر مکہ سے یوم الترویہ کو نکلے اور منیٰ میں ظہر پڑھے، پھر وہیں مقیم ہو جائے یہاں تک کہ پانچوں نمازیں وہیں پڑھے اور وہیں رات گزارے، یہی سفیان ثوری، مالک، شافعی اور اصحاب الرائی کا قول ہے، اس مسئلہ میں ہم کسی مخالف کو نہیں جانتے، اور یہ ان تمام کے نزدیک واجب نہیں ہے'' (المغنی ۳ر ۲۴۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲ر ۳۴۴، رد المحتار ۳ر ۵۱۸)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۸ر ذی الحجہ کی شب میں منیٰ میں قیام کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے، اس لیے جگہ کی قلت یا کسی عذر کی وجہ سے دوسری جگہ قیام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی ایک قول کے مطابق سنت ہی ہے۔

ایام تشریق میں منیٰ میں ٹھہرنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجب ہے...... اور حنفیہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق ایام تشریق میں منیٰ میں ٹھہرنا سنت ہے واجب نہیں ہے (الموسوعة الفقهية: أيام التشريق)۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں: ''فيبيت بها للرمي ليالي أيام الرمي وهو السنة فلو بات بغيرها يكره ولا يلزمه شيئ'' (ردالمحتار ۳، ۵۴۰)۔ ''رمی کے لیے ایام رمی میں منیٰ میں مقیم رہے اور یہ سنت ہے، پس اگر اس کے علاوہ کسی اور جگہ رات گذاری تو یہ مکروہ ہے

اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے''۔

سنت کہنے والوں کی تائید حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

''إستاذن العباس بن عبد المطلب رسول اللّٰہ أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له'' (بخاری باب سقايه الحاج)۔ ''عباس بن عبدالمطلبؓ نے اپنے سقایہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی''۔

یعنی اگر ایام تشریق میں منیٰ میں قیام کرنا واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو ان دنوں مکہ میں قیام کی اجازت نہ دیتے، نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اگرچہ منیٰ میں قیام واجب ہے، لیکن یہ حضرات بھی دم کو اس صورت ہی میں واجب قرار دیتے ہیں جب کہ کوئی شخص بلا عذر ان ایام میں منیٰ میں قیام نہ کرے، لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے ان دنوں منیٰ میں قیام نہ کر سکے تو اس پر دم واجب نہیں ہے۔

بہر حال ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مبیت واجب ہے اور اس کو چھوڑنا موجب دم ہے، لیکن عذر کی حالت میں مبیت نہ کرنے پر دم واجب نہیں ہوتا، اور احناف کے نزدیک سنت ہے، جسے بلا عذر چھوڑنا مکروہ ہے، لیکن عذر کی حالت میں کراہیت بھی باقی نہیں رہتی۔

۲۔ موجودہ حالات میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے درپیش مسائل یقیناً قابل غور عذر ہیں، کیونکہ ان حالات میں جگہ کی تنگی بھی رہتی ہے اور ایک مقام پر اتنی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے سے کئی خطرات کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور حاجی کی جان و مال خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اس لیے ان اعذار کی وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کر سکتا ہے، چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، اس طرح منیٰ کے بجائے مزدلفہ میں بھی قیام کر سکتا ہے، کیونکہ مزدلفہ بھی آبادی کی وسعت کی وجہ سے حدود حرم میں داخل ہے۔ اور منیٰ کے علاوہ کسی بھی جگہ قیام کرنا بالاتفاق جائز بلا کراہت ہوگا، اور اس پر دم بھی واجب نہیں ہوگا، کیونکہ عذر کی حالت میں احناف کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عذر کی حالت میں قیام منیٰ ساقط ہو جاتا ہے۔

۳۔ ان حالات میں اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس درپیش مجبوری کی بنا پر ملی رخصت کی وجہ سے اس کے حج پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا، یعنی اس کا حج بالکل درست ہوگا اور دم وغیرہ بھی واجب نہ ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

اے ایم عبدالقادر (کیرالہ)

رمی کے اوقات کی بابت جن اندیشوں کا اظہار کیا گیا ہے وہ بجا ہیں۔ آئے سال جس طرح وہاں لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہوتی جارہی ہے اس سے بہت سارے نت نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ جس جامعیت کی حامل ہے اس سے یہ ضرور توقع کی جاسکتی ہے کہ ان مسائل کا بھی حل موجود ہے۔

قبل اس کے کہ سوالنامے میں درج سوالات پر گفتگو کی جائے ایک سرسری نظر رمی کے اوقات مستحبہ پر ڈالی جائے۔

(الف) جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک لیلۃ النحر (دسویں کی رات) ہی سے داخل ہوجاتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ رمی بعد طلوع شمس ہو۔

ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے: ''أن النبي ﷺ أمر أم سلمة ليلة النحر، فرمت جمرة العقبة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (رواہ ابوداؤد)۔

احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس رمی کا وقت روز عید کے طلوع شمس کے بعد سے ہے۔

دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے: ''لاترموا حتى تطلع الشمس'' (رواه أصحاب السنن الأربعة)۔

(ب) ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت بالاتفاق ہر دن زوال شمس کے بعد (بعد ظہر) شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت عبداللہؓ نے روایت کیا:

''رمى رسول الله ﷺ الجمار حين زالت الشمس'' (رواه أحمد وابن ماجة والترمذي) (نيل الأوطار ۵۰/۷۹)۔

تو رمی قبل زوال جائز نہیں اور اس کا وقت غروب تک رہتا ہے۔

اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا تو مالکیہ کے نزدیک قضا ہوجائے گی، اب تاخیر کے لیے دم ضروری ہوگا۔ احناف نے فرمایا کہ اگر رات تک مؤخر کیا اور طلوع فجر سے پہلے پہلے رمی کرلی تو جائز ہے اور اس پر کچھ نہیں ہے۔ ایام تشریق کے تیسرے دن قبل زوال بھی جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک صرف دن میں وہ بھی زوال کے بعد ضروری ہے۔ ہاں ساقیوں اور چرواہوں (جن کے پاس عذر معقول ہو) کے لیے رخصت ہے کہ دن رات جب بھی وقت ملے رمی کرلیں۔ شافعی حضرات کے یہاں ان تین دنوں کی رمی کا وقت زوال شمس سے غروب آفتاب تک ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی دن رمی نہیں کرسکا تو باقی ایام میں اس کی بھی رمی کریگا۔ اور ادا ہی ہوگی قضا نہیں، چرواہوں اور ساقیوں کے لیے وقت مختار سے تاخیر کی ہمیشہ گنجائش ہے۔

ایام تشریق کے دوسرے دن بعد زوال رمی کرنے کے بعد اگر کوئی منیٰ سے مکہ لوٹنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ نفر اول اسی کو کہتے ہیں، جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه" ہے، آیت کا ماحصل یہ ہے کہ تیسرے دن رمی ترک کرکے اگر کوئی عجلت سے کام لینا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جلدی نہ کرے اور ایام تشریق کے آخر تک تاخیر کرے۔ پھر اس دن کی رمی پوری کرے اور لوٹے۔ "ومن تأخر فلا إثم عليه" سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "فمن تعجل في يومين غفرله ومن تأخر غفرله"۔ اسی طرح ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔

جمہور کے نزدیک ایام تشریق کے دوسرے دن تعجیل قبل غروب شمس ہے اس کے بعد تعجیل صحیح نہیں، کیونکہ آیت میں یوم کا لفظ آیا ہے اور یوم نہار کو کہتے ہیں۔

احناف کے یہاں چوتھے دن کے فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے تک واپس ہوسکتا ہے، اگر فجر کا وقت ہوگیا تو بغیر رمی کے نفر جائز نہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ وسعت ہے، مختلف مسائل میں ائمہ کرام کا اختلاف بظاہر غیر مناسب لگتا ہے لیکن یہی اختلافات بہ وقت ضرورت بہ شکل رحمت ظہور پذیر ہوتے ہیں اس میں کوئی دورائے نہیں۔ بہ وقت ضرورت فقہاء نے بھی دوسرے امام کی تقلید جائز قرار دی ہے۔ مس مرأة سے مذہب شافعی اور حنبلی کے مطابق وضو ختم ہوجاتا ہے لیکن آج کل بہ وقت طواف بلا استثناء مذہب ہر کوئی مذہب حنفی پر عمل کرتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس وقت اگر مس مرأة کو ناقض وضو مانا جائے تو حرج عظیم لازم آئے گا، دوسرے مسائل میں بھی اگر بہ وقت ضرورت ایسا کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ رمی جمار کے مسائل میں بھی جہاں جہاں ضرورت کا تحقق ہوگا اپنے مذہب کو چھوڑ کر دیگر مذہب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور انشاء اللہ اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

اب ہم تمام سوالات پر قدرے تفصیلی نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل بغیر عذر مکروہ ہے، اگر کسی طرح کا کوئی عذر ہو تو کوئی کراہت نہیں۔ حادثات اور ناگہانیوں سے بچنے کی کوشش یقیناً عذر معقول ہے لہٰذا فجر کے وقت ہی سے رمی کرسکتا ہے، اس کے بارے میں دونوں طرح کی حدیثیں مروی ہیں:

ا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ''كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفة أهله بغلس ويأمرهم أن لا يرموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (رواه أصحاب السنن الأربعة) بزاز نے فضیل بن عباس سے اسی معنیٰ میں روایت کیا ہے۔

ب۔ قبل طلوع شمس رمی کا ثبوت بھی ابن عباسؓ سے مروی ہے جو امام طحاوی نے روایت کیا ہے: ''أن رسول الله ﷺ كان يأمر نسائه وثقله صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد ولا يرموا الجمرة إلا مصبحين''۔ اس معنی میں ایک اور حدیث ان ہی سے مروی ہے: ''أن رسول الله ﷺ بعثه في الثقل وقال لا ترموا الجمار حتى تصبحوا''۔

صاحب فتح القدیر ان احادیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''فاثبتنا الجواز بهذين والفضيلة بما قبله'' (فتح القدير ۲، ۵۰۰)۔

مگر قبل طلوع شمس بعد فجر اساءت اسی وقت ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، عذر کے تحقیق پر اساءت بھی نہیں ہے (فتح القدیر ۲/ ۵۰۱)۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک، جیسا کہ مذکور ہوچکا دسویں کے رات ہی سے وقت شروع ہوجاتا ہے، تو عام حالات میں بھی طلوع شمس سے پہلے مکروہ نہیں۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اور یہ وقت صبح تک ممتد ہے۔ مگر آفتاب غروب ہونے کے بعد مکروہ ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق صبح صادق سے اس رمی کے انجام دینے کی گنجائش نہیں ہے (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۳۳)۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: گیارہویں اور بارہویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں (بہار شریعت ۶/ ۱۱۱)۔ البتہ خلاف ظاہر الروایہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ ۱۱ر اور ۱۲ر کی رمی صبح صادق سے کی جائے۔ شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے بنایہ میں حاکم سے روایت کیا:

''أنه كان أبو حنيفة يقول: الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال جاز'' (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲، ۲۰۸، نیز الفتاوی الرضویہ ۴، ۶۶۸)۔

ان ساری عبارتوں میں اگرچہ صراحۃً موجود نہیں ہے کہ صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے یا نہیں، لیکن مطلقاً قبل زوال کہا گیا ہے اور مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھتے ہوئے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

۳۔ ۱۱/اور ۱۲/ کی رمی کا وقت جیسا کہ ذکر کر چکے آفتاب ڈھلنے سے صبح تک ہے مگر رات میں بھی غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔ یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب کہ عذر نہ ہو۔ اگر عذر معقول ہو (مثلاً حادثات وغیرہ) تو کراہت بھی نہیں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۰۸، ردالمحتار ۲/۵۲۱)۔

مولانا امجد علی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: پہلی تین تاریخوں (۱۰/۱۱/۱۲) کی رمی دن میں نہ کی ہو تو رات میں کرے۔ پھر اگر بغیر عذر ہے تو کراہت ہے ورنہ کچھ نہیں (بہار شریعت ۶/۱۱۰)۔

تمہید میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ شافعیہ کے یہاں غروب آفتاب کے بعد رمی میں کوئی خرابی نہیں۔ ہاں مالکیہ کے نزدیک قضا ہو جائے گی اور حنابلہ کے نزدیک صرف دن میں، وہ بھی زوال کے بعد ضروری ہے۔

۴۔ بارہویں کی رمی کر کے غروب آفتاب سے پہلے پہلے مکہ معظمہ روانہ ہو جانے کا اختیار ہے مگر بعد غروب معیوب ہے، اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرہویں کو بدستور دو پہر ڈھلے رمی کر کے مکہ جانا ہوگا۔ یہی افضل ہے۔ اور اگر تیرہویں کی صبح ہو گئی تو اب بغیر رمی جانا جائز نہیں ہوگا۔ جائے گا تو دم واجب ہوگا، ''فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى'' سے اشارہ اسی طرف ہے۔

غروب آفتاب کے بعد صبح صادق سے پہلے پہلے روانہ ہو گیا تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۰۹، ردالمحتار ۲/۵۲۲)۔

غروب آفتاب کے بعد نفر پر دم لازم ہونے کا انکار کرتے ہوئے علامہ قاضی خاں رقم طراز ہیں: ''وإن نفر قبل طلوع الفجر من اليوم الرابع لا يلزمه الدم'' (قاضی خاں علی ہامش الفتاوی الهندیہ ۱/۲۹۷)۔

۵۔ اصل مذہب حنفی کے مطابق بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ پریشانیوں سے بچنے کی خاطر دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف ہی سے کریں۔ ہاں بعد فجر قبل طلوع شمس اگر چاہیں تو رمی کر لیں۔ (اس کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے)۔

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے: ''ولو رمى قبل طلوع الفجر لم يصح اتفاقا كذا في البحر الرائق'' (۱/۲۳۳، نیز بدائع الصنائع ۲/۲۰۷)۔

امام شافعی کے یہاں نصف لیل ہی سے وقت شروع ہو جاتا ہے، اور ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ ضرورت کے تحقق کے وقت اپنے امام کی تقلید ترک کر کے دوسرے ائمہ کی تقلید روا ہے، اور سوال میں مذکور افراد بلا شبہ ضرورت مند ہیں لہٰذا نصف لیل ہی سے رمی کی اجازت ہوگی۔

امام ابو داؤد کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: ''أن النبي ﷺ أمر أم سلمة ليلة النحر... الخ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی وقوف مزدلفہ کی سنتیں شمار کراتے ہوئے آٹھویں نمبر پر تحریر کرتے ہیں:

''تقديم الضعفة من النساء وغيرهن قبل طلوع الفجر إلى منى ليرموا جمرة العقبة قبل زحمة الناس، ويكون تقديمهم بعد نصف الليل وهذه هي السنة عند الشافعية'' (الفقه الإسلامي وادلته ۳/۱۹۱، نیز الایضاح ۳۳۵)۔

ب۔ منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

آٹھویں ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنا بالاتفاق سنت ہے۔ لیکن تشریق کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنے کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ واجب ہے (دیکھئے: فتح القدیر، شرح الصغیر، مغنی المحتاج، اللباب وغیرہ)۔

پہلی رائے احناف کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آٹھ ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام سنت ہے۔ اسی طرح ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کی رات بھی سنت ہی ہوگا۔ اگر منیٰ میں رمی کے واسطے قیام کیا تو افضل پر عمل کیا، اور اگر قیام نہیں کیا تو بھی صرف اساءت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو پانی پلانے کے واسطے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت دی (رواہ الشیخان)۔

دوسری رائے جمہور فقہاء کی ہے، وہ یہ کہ لیالی تشریق میں منیٰ میں قیام واجب ہے۔ اگر قیام نہ کیا تو امام مالک، امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔ ہر مذہب کی قدرے تفصیل ہے۔

امام مالک نے فرمایا: ۱۲ر ذی الحجہ کی راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے، لیکن اونٹ کے چرواہوں کو رخصت ہے کہ قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد چراگاہ چلا جائے اور ان دونوں راتوں میں قیام نہ کرے، ایام نحر کے تیسرے دن آکے پھر دونوں دن کے لیے رمی کرے، پھر اگر مرضی ہو تو ایام رمی کے تیسرے دن کی رمی کے لیے بھی ٹھہرے، اسی طرح امام مالک کے یہاں صاحب سقایہ کے لیے رات میں نہ ٹھہرنے کی اجازت ہے مگر دن میں آکر رمی کرنا لازمی ہے۔

شافعی حضرات نے کہا: تشریق کی دونوں راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے۔ کیونکہ اس میں سنت کی اتباع ہے، ساتھ ہی حدیث میں بھی آیا ہے۔ اور واجب یہ ہے کہ رات کا زیادہ حصہ منیٰ میں گزارے مزدلفہ میں رات گزارنے کے برخلاف، اس لیے کہ وہاں رات کے نصف ثانی میں ایک ساعت کا قیام کافی ہے۔ تو اگر کسی نے منیٰ میں رات نہ گزاری تو اس پر دم لازم ہوگیا۔

اور منیٰ ومزدلفہ کا قیام معذورین اور چرواہے اور اہل سقایہ سے ساقط ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو منیٰ میں قیام نہ کرنے کی اجازت دی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مرحمت فرمائی (کما مر)۔

منیٰ اور مزدلفہ کا قیام ان لوگوں سے بھی ساقط ہوجاتا ہے جن کے پاس کوئی دوسرا عذر ہو جیسے کسی کے ساتھ مال ہو اور وہ خوفزدہ ہو کہ اگر قیام میں مشغول ہوگیا تو ضائع ہوجائے گا، یا اس کو خود اپنی جان پر کسی طرح کا خوف ہو، یا اس کے ساتھ کوئی مریض ہو جس کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہ ہو، یا خود ہی بیمار ہو جس کی وجہ سے قیام دشوار ہو۔

اور حنبلی حضرات نے کہا: سنت یہ ہے کہ جو یوم النحر میں افاضہ کرے وہ منیٰ لوٹ آئے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ہی کے دن افاضہ کیا پھر آپ منیٰ واپس ہوئے اور وہیں ظہر کی نماز پڑھی (متفق علیہ)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''أفاض رسول الله ﷺ آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع إلى منىٰ فمكث بها ليالي أيام التشريق'' (رواہ ابوداؤد)۔

''والمبيت بمنىٰ ليالي منىٰ واجب لكن إن ترك المبيت بمنىٰ فلاشئ عليه كما قال الحنفية لأن الشرع لم يرد فيه بشئ وروى عن أحمد أيضا في الليالي الثلاث دم لقول ابن عباس من ترك من نسكه شيئاً أو نسيه فليهرق دما''۔

''ففي الجملة فيه توسع للناس'' ضرورت کے تحت منیٰ کے باہر بھی قیام کرسکتا ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود

ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی [1]

اولاً چند احادیث مبارکہ پیش ہیں جن سے عورتوں اور بچوں کو رات میں ہی جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت کا ثبوت ہوتا ہے:

''عن عائشة أنها قالت: استأذنت سودة رسول الله ﷺ ليلة المزدلفة تدفع قبله وقبل حطمة الناس وكانت أمرأة ثبطة، يقول القاسم: الثبطة الثقيلة، قال: فأذن لها فخرجت قبل دفعه وحبسنا حتى أصبحنا فدفعنا بدفعه ولأن أكون استأذنت رسول الله ﷺ كما استأذنته سودة فاكون أدفع بإذنه أحب إلي من مفروح به'' (مسلم ۱،۴۱۷)۔

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہو جائیں وہ سست رفتار عورت تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دیدی، چنانچہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ چلی آئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ میں مقیم رہے، اگر میں حضرت سودہؓ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا)۔

''حدثني عبدالله مولیٰ أسماء بنت أبي بكر الصديق ﷺ أن أسماء قالت له بالمزدلفة: هل غاب القمر؟ قلت: لا، فصلت ساعة ثم قالت: يا بني هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: ارحل بي، فارتحلنا حتى رمت الجمرة ثم صلت في منزلها فقلت لها: يا هنتاه لقد غلسنا قالت: كلا إن رسول الله ﷺ أذن للظعن'' (المحلی لابن حزم ۷،۲۳۲)۔

(حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ وہ جمع بین الصلاتین کی رات مزدلفہ میں اتریں پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہوئیں تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے کہا: اے میرے بیٹے کیا چاند غائب ہو گیا؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے پھر تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر دریافت کیا: کیا چاند غائب ہو گیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر تو کوچ کرو، تو ہم لوگوں نے کوچ کیا اور چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر لوٹیں اور اپنی قیام گاہ میں صبح کی نماز پڑھیں، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہم سمجھتے ہیں ہم نے تاریکی میں وقت سے پہلے کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی تھی)۔

''إن سالم بن عبدالله أخبره أن عبد الله بن عمر كان يقدم ضعفة أهله فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بالليل... وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئك رسول الله ﷺ'' (بخاری ۱،۲۲۷، مسلم ۱،۴۱۸)۔

عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے۔

''عبيدالله بن أبي يزيد قال سمعت أنه سمع من ابن عباس يقول: أنا ممن قدم رسول الله ﷺ ضعفة أهله'' (مسلم ۱،۴۱۸)۔ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ آگے منیٰ بھیج دیا تھا)۔

[1] شیخ الحدیث و پرنسپل جامعہ دار العلوم مئو۔

''عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ يسئل يوم النحر بمنى فيقول: لاحرج فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح، فقال: اذبح ولاحرج، قال: رميت بعد ما أمسيت فقال: لاحرج'' (بخاری ١،٢٣٤)۔

بعض صحابۂ کرام نے رمی کو شام تک مؤخر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح چرواہوں کو بھی احادیث سے رات میں رمی کرنے کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔

''عن أبي البداح بن عدي عن أبيه أن النبي ﷺ رخص لرعاء الابل في البيتوتة'' (ابوداؤد ٢،٢٧١، نسائی ٢،٤٩، ابن ماجہ ٢١٨، ترمذي ١،١١٥) ''عن أبي البداح عن عاصم بن عدي أن النبي ﷺ أرخص للرعاء أن يتعاقبوا فيرموا يوم النحر ثم يدعوا يوما وليلة ثم يرموا الغد'' (مسند أحمد ٥،٤٥٠)۔

اس کے بعد ائمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں۔ امام شافعی، طاؤس، شعبی، عطاء کے نزدیک جمرۃ العقبہ کی رمی فجر سے قبل رات میں جائز ہے، مگر طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ کی مقدار بلندی کے بعد افضل ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی افضل وقت آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل ہے، اس میں رمی کافی ہو جائے گا۔ عطاء بن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد وغیرہ کی رائے بھی یہی ہے (المغنی والشرح الکبیر ۳؍۴۴۳)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب رد المحتار علی الدر (۲؍۵۱۱) میں بھی کمزور و ضعفاء کے لئے وقت جواز ہی کی گنجائش ملتی ہے۔

اسی طرح اگر مرد بھی ناتوانی اور ضعف کا شکار ہے اور اسے بھی بھیڑ میں کچل جانے یا کسی گزند کا خوف ہے تو اسے بھی گنجائش ملتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے اس پر ایک قاعدہ کلیہ بھی بیان فرمایا ہے: ''وكذا كل واجب إذا تركه بعذر لاشئ عليه'' (رد المحتار علی الدر ۲،۵۱۲) (ہر وہ واجب جس کو عذر کے باعث چھوڑ دیا گیا ہو اس کے ترک پر کچھ بھی نہیں)۔

اسی طرح تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت تو بعد زوال ہے لیکن اس میں بھی فقہاء کی عبارتوں سے گنجائش کا ثبوت ملتا ہے (دیکھئے: رد المحتار علی الدر ۲؍۵۲۱)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی جمہور کی طرح جمرات کی رمی کا افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے۔ رملی نے اس کا نام وقت مختار رکھا ہے...... لیکن وقت جواز ایام تشریق کے آخری دن تک ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ بھی زوال سے قبل رمی کرنے کو منع فرماتے ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت الامام سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے دنوں میں سے کسی دن شام تک کسی جمرہ کی رمی کرنا بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اسے رات یا دن میں جس وقت بھی یاد آئے اس کی رمی کر لے، علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک بھی پانی پلانے والوں و چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت ہے (المحلی لابن حزم ۷؍۱۸۴، مسئلہ نمبر ۸۴۶)۔

مذکورہ تمام فقہاء کے اقوال اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعفاء، عورتوں، بچوں اور کچھ مخصوص لوگوں کے لئے رمی کے وقت میں توسیع ہے جسے فقہاء امت وقت جواز یا رخصت سے تعبیر کرتے ہیں۔ رخصت کی تعریف پر امام شامی تحریر فرماتے ہیں: ''رخصت مکلف کے عذر کی وجہ سے حکم کو سختی سے آسانی کی طرف پھیرنا ہے (بحث ونظر)۔ تیسیر التحریر میں بعض احناف سے یہ تعریف موجود ہے: وہ احکام جس میں دشواری کو آسانی سے بدل دیا گیا ہو (بحث ونظر)۔

بہر حال جو توانا و تندرست ہو اور اپنے اندر قوت و استعداد رکھتا ہو کہ بھیڑ کے باوجود حتی الوسع کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر رمی افضل وقت میں کر سکتا ہے تو اس کو افضل پر ہی عمل کرنا چاہئے، اور ان اصولوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے جسے حاجیوں کی آسانی کے لئے ماہرین نے بتلا رکھے ہیں:

۱۔ ان جمرات کے راستہ پر اگر کوئی بڑی جماعت ایک ساتھ آ رہی ہے تو کنارے ہٹ جائیں۔

۲۔ اگر کسی وجہ سے جمرات کا راستہ کچھ وقت کے لئے روک دیا جائے تو دھیرے دھیرے راستہ سے اپنے آپ کو کنارے کی طرف لگانے کی کوشش کریں کیوں کہ دوبارہ راستہ کھلنے پر پیچھے کی طرف سے لوگوں کا ہجوم اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہے کہ لوگ دھکے کھا کھا کر گرنے لگتے ہیں اور پھر اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۳۔ کنکری مارنے کے لئے کئی منزلہ پل پر راستے کے دونوں جانب جگہ جگہ ایمرجنسی گیٹ لگے ہوئے ہیں، اگر ایک حاجی کسی خطرناک حالت سے دوچار ہو تو فوراً کنارے کی طرف بڑھ کر ان راستوں سے نیچے اتر جائے اور اپنے آپ کو پریشانی اور ہلاکت سے بچالے۔

اب جوابات بالترتیب پیش ہیں:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح سے کی جاسکتی ہے اور رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہو جسے شرعی رخصتیں دی گئی ہیں۔

۲۔ اگر غیر معذور عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر عمل کر رہا ہے تو کراہت ہوگی ورنہ نہیں۔

۳۔ تیسرے سوال کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر دو میں گذرا ہے۔

۴۔ تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس وقت اس پر لازم ہوگی جبکہ تیرہویں کی فجر تک منیٰ میں رہا، اگر بارہویں کے غروب کے بعد تک رہا اور تیرہویں کی فجر سے قبل منیٰ سے کوچ کر گیا تو یہ بکراہت جائز ہے اور تیرہویں کی رمی اس پر لازم نہیں (زبدۃ المناسک از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رص ۲۱۳)۔

۵۔ معذورین دس ذی الحجہ کی رمی دسویں کی نصف شب سے کر سکتے ہیں۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ حاجی کا منیٰ میں قیام ان دنوں کے اندر سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔

''وبات علیه السلام بمنیٰ ولم یأمر بالمبیت بها فالمبیت بها سنة ولیس فرضا'' (المحلی لابن حزم ۷٫۱۸۴)۔

۲۔ ایک طرف منیٰ ومکہ کے حدود منصوص ہیں، دوسری طرف حکومتی سطح پر انتظام وانصرام کے تحت ان کی تعیین ہے، اگر انتظامًا بلدیہ کی طرف سے دونوں کو ایک کر دیا گیا ہو تو بھی قیام منیٰ کی سنیت باقی رہنی چاہئے، صورت مسئولہ میں حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے اس کی بنیاد پر گنجائش ملنی چاہئے، سوال میں حجاج کی کثرت کا ذکر ہے، اگر واقعی حجاج کی کثرت سے منیٰ تنگ ہو گیا ہو تب بھی گنجائش نکلے گی، اور اگر صرف بھیڑ بھاڑ سے بچنے کی غرض سے منیٰ کا قیام ترک کر دیا گیا ہو تب حجاج کو یہ توسع نہیں ملنا چاہئے۔

۳۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو جواب نمبر ۲ میں گذر چکا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا رحمت اللہ ندوی[1]

رمی جمرات کے اوقات:

رمی جمرات کے اوقات کے سلسلہ میں بدایۃ المجتہد کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں:

اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یوم النحر یعنی ۱۰؍ ذی الحجہ کو رمی کا وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، لیکن طلوع فجر سے قبل جمرۃ العقبہ کی رمی میں اختلاف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اگر قبل فجر رمی کرلی تو اعادہ کرے گا، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سلسلہ میں کوئی خبر نہیں پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت اور رخصت دی ہے۔

اس رائے کے حامل امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام احمد ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں، طلوع فجر سے قبل رمی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ مستحب طلوع شمس کے بعد رمی کرنا ہے۔

مانعین کی دلیل ''خذوا عني مناسككم'' اور ابن عباس کی روایت ''أن رسول الله ﷺ قدم ضعفة أهله وقال لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' ہے۔

مجوزین کا مستدل حضرت ام سلمہؓ کی وہ روایت ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد وغیرہ نے کی ہے: ''أن عائشة ؓ قالت أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة يوم النحر، فرمت الجمرة قبل الفجر ومضت فأفاضت، وكان ذلك اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ عندها''۔ اسی طرح حدیث اسماء: ''أنها رمت الجمرة بليل، وقالت إنا كنا نصنعه على عهد رسول الله ﷺ'' ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا مستحب وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے (ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد ۱؍۳۵۰-۳۵۱)۔

امام مالک کے یہاں جمرہ عقبہ کی رمی طلوع شمس سے زوال تک ہے، لیکن کوئی یہ رمی بھول جائے یہاں تک کہ شام ہوجائے تو اس کے لیے بدی مستحب ہے واجب نہیں۔

اگر کوئی یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی بھول گیا اور یہ رمی ایام تشریق میں کی تو ایک اونٹ ذبح کرے گا، اور اگر جمرہ کی کنکری بھول جائے اور ایام رمی گذر جائے تو ایک بکری واجب ہے، اگر پورے جمرہ کی ہی رمی کرنا بھول جائے تو ایک گائے یا ایک اونٹ واجب ہے۔

ایام منیٰ میں رمی کا وقت زوال شمس سے غروب تک ہے، اگر کوئی ایام منیٰ میں سے کسی دن کی رمی بھول گیا یا رات تک مؤخر کردیا تو رات میں ہی رمی کرے گا اور اس پر کچھ واجب نہیں (کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی ۱؍۳۵۵)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں: بارہ ذی الحجہ کو اگر منیٰ میں آفتاب غروب ہوگیا تو ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک تیرہویں تاریخ کا قیام اور رمی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد نکل سکتے ہیں، البتہ غروب آفتاب کے بعد نکلنا مکروہ ہے، ہاں اگر تیرہ کی صبح منیٰ میں طلوع ہوگئی تو اب تیرہ تاریخ کو بھی رمی واجب ہوجائے گی اور رمی کئے بغیر نکل جائے تو دم واجب ہوگا......

لیکن تیسرے دن (۱۲؍ ذی الحجہ) کے غروب آفتاب سے پہلے ہی اسے نکل جانا چاہئے، اگر آفتاب غروب ہوگیا تو چوتھے دن (یعنی ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی

[1] مدرسہ فلاح المسلمین، امین نگر، تیندوہ، رائے بریلی۔

سے پہلے نکلنا مکروہ ہے، اگر چوتھے دن کی صبح سے پہلے شب میں منیٰ سے نکلا تو اس پر کچھ واجب تو نہ ہوا مگر اس نے بہتر نہیں کیا، اگر چوتھے دن طلوع صبح کے بعد اور رمی سے پہلے منیٰ سے نکل گیا تو بالاتفاق دم واجب ہوگا، اس مسئلہ میں مکی اور آفاقی کے درمیان کوئی فرق نہیں (ملاحظہ ہو: جدید فقہی مسائل ۱/۲۶۱-۲۶۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے فتح القدیر جلد دوم کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کا ایک قول ۱۱، ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے قبل رمی کے جواز کا بھی نقل کیا ہے (ایضاً ۱/۲۶۳)۔

مکۃ المکرمہ سے شائع ہونے والا ہفت روزہ ''اخبار العالم الاسلامی'' میں سال گذشتہ وہاں کی فقہ اکیڈمی کا متفقہ فیصلہ قبل زوال وبعد زوال رمی کے جواز پر شائع ہو چکا ہے۔

المغنی لابن قدامہ میں مذکور ہے: رمی جمرہ کے دو اوقات ہیں: وقت مستحب اور وقت جواز۔ مستحب وقت طلوع شمس کے بعد ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں: علماء مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ کی رمی اس دن چاشت کے وقت فرمائی ہے۔

وقت جواز کا ابتدائی وقت لیلۃ النحر کا نصف شب ہے، اسی کے قائل عطاء، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد اور امام شافعی ہیں۔

امام احمد سے مروی ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد یہ رمی کافی ہوگی، یہی امام مالک، اصحاب الرائے، اسحاق اور ابن منذر کا قول ہے۔

مجاہد، ثوری اور نخعی فرماتے ہیں: طلوع شمس کے بعد ہی یہ رمی کرے گا (المغنی لابن قدامہ ۳/۴۲۸-۴۲۹)۔

اسی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے: اگر رمی دن کے آخر تک کے لئے مؤخر کر دے تو جائز ہے۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رمی جمرہ یوم النحر کو غروب سے پہلے کرے تو اس نے وقت پر رمی کی اگر چہ یہ اس کے مستحب وقت میں نہیں ہوا (حوالہ سابق)۔

درمختار مع شامی میں تحریر ہے: ''ووقته من الفجر إلى الفجر ويسن من طلوع ذكاء لزوالها ومباح لغروبها. ويكره للفجر'' (درمختار ۲/۵۱۵)۔ (رمی کا وقت طلوع فجر سے طلوع فجر تک ہے، مسنون وقت طلوع شمس سے زوال تک، اور غروب تک مباح اور فجر تک مکروہ ہے)۔

ردالمحتار میں اس کی تشریح یوں آئی ہے: ''ويكره للفجر أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس، وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً'' (رد المحتار باب فی الرمی ۲/۵۱۵)۔

(غروب سے فجر تک رمی کا مکروہ وقت ہے، اسی طرح طلوع شمس سے پہلے مکروہ ہے۔ اور عدم عذر کے وقت ہے، ضعفاء کے لئے طلوع شمس سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی رعاۃ کے لئے رات میں کوئی مضائقہ ہے)۔

مزدلفہ میں شب گزاری اور منیٰ میں قیام کا حکم:

مزدلفہ میں شب گزارنے کے متعلق سلف میں اختلاف ہے، ابن خزیمہ اور ابن بنت الشافعی کے نزدیک ''فاذكروا الله عند المشعر الحرام'' کی وجہ سے مبیت بالمزدلفہ رکن ہے، علقمہ، نخعی، شعبی اور حسن کا کہنا ہے: ''من ترك المبيت بالمزدلفة فقد فاته الحج''۔

لیکن امام مالک وشافعی کے نزدیک یہ سنت ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام احمد، اسحاق، ثوری، عطاء، زہری، مجاہد وغیرہم کے نزدیک مبیت بالمزدلفہ واجب ہے، بلاعذر ترک کرنے پر دم لازم ہے، ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ اگر ازدحام وغیرہ کے عذر سے چلا آیا تو دم واجب نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تنظیم الاشتات ۲/۹۰)۔

شامی میں ہے: ''هذا الوقوف واجب عندنا لاسنة والبيتوتة بمزدلفة سنة مؤكدة إلى الفجر لاواجبة خلافاً للشافعي الخ (ردالمحتار، مطلب فی الوقوف بمزدلفہ ۲/۵۱۱)۔ (مزدلفہ میں وقوف ہمارے یہاں واجب ہے سنت نہیں، اور مزدلفہ میں شب گزارنا طلوع فجر تک سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں، برخلاف امام شافعی کے)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ جگہ کی تنگی کے باعث مزدلفہ وغیرہ میں قیام کیا جاسکتا ہے، منیٰ میں شب گذارنا مسنون ہے (ملاحظہ ہو: جدید فقہی مسائل ۱/۲۳۰)

''والمبیت بالمزدلفة من واجبات الحج عند الفقهاء ويرى الحنفية أنه سنة''۔
(مزدلفہ میں شب گزارنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجبات حج میں سے ہے اور حنفیہ کی رائے میں سنت ہے)۔

''ويفيض الحجاج من عرفات ليصلوا إلى المزدلفة ليلاً والمبيت بها يستحب''۔
(حجاج عرفات سے روانہ ہوں گے تاکہ رات میں مزدلفہ پہنچ جائیں، وہاں شب گزارنا مستحب ہے)۔

المغنی میں مذکور ہے کہ مزدلفہ میں شب گزارنا واجب ہے، ترک کی صورت میں دم لازم ہے، یہی عطاء، زہری، قتادہ، ثوری، شافعی، اسحاق، ابوثور، اصحاب رائے کا قول ہے۔ علقمہ نخعی اور شعبی کا قول ہے: ''من فاته جمع فاته الحج''۔

حنابلہ کے یہاں منجملہ واجبات حج کے ایک واجب ایام تشریق کی راتوں کو منیٰ میں گزارنا بھی ہے، لیکن اس حکم سے سقاۃ اور رعاۃ مستثنیٰ ہیں۔

مالکیہ کے یہاں طواف افاضہ کے بعد منیٰ میں رات گزارنے کے لئے واپس آنا واجب ہے، منیٰ میں تین راتین واجبی طور پر گزارے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایام تشریق کی اکثر راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔

لیکن حنفیہ کے یہاں منیٰ میں شب گزارنا مسنون ہے (مستفاد از الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۶۶۶، تا ۶۶۸)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے ۱۰/ ۱۱ ذی الحجہ کی درمیانی شب منیٰ کے باہر گزارنے کی بابت پوچھا گیا تو جواب دیا:

''منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، اس لئے اس نے خلاف سنت کیا جس نے وہاں رات نہ گذاری، مگر اس کے ذمہ دم وغیرہ واجب نہیں'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/ ۱۲۲)۔

اسی طرح ایک اور استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''منیٰ کی حدود سے باہر رہنے کی صورت میں منیٰ میں رات گذارنے کی سنت ادا نہیں ہوگی حج ادا ہوگیا'' (ایضا)۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات حسب ذیل ہوں گے:

الف۔ رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے بلا کراہت رمی کی جاسکتی ہے، اور اگر ضرورت ہو تو نصف شب سے بھی رمی کا عمل جائز ہوگا۔

۲۔ ۱۱/ ۱۲ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے دسویں ذی الحجہ کی طرح رمی کرنے کی گنجائش ہے۔

۳۔ ۱۱/ ۱۲ ذی الحجہ کو رمی غروب آفتاب سے پہلے کرنے کی کوشش کی جائے، بہتر تو یہی ہے، لیکن اگر غروب آفتاب کے بعد رمی کی جائے تو کوئی کراہت نہ ہوگی۔

۴۔ ۱۲ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب سے پہلے کرلینا چاہئے، اگر اس رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، البتہ بلا عذر غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے نکلنا بہتر نہیں ہے۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت ہے۔

(ب) خارج منیٰ میں قیام:

۱۔ ایام تشریق میں منیٰ میں قیام مسنون ہے۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ حاجی کو انتظامیہ حج کمیٹی نے جہاں ٹھہرا دیا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، حدود منیٰ میں ہو یا مزدلفہ میں، اس پر اس نظم کو باقی رکھنا لازم ہے، البتہ اپنی کوشش حدود منیٰ میں ٹھہرنے کی ہونی چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر قیام کی نوعیت

مولانا خورشید انور اعظمی[1]

اعمال حج میں رمی جمار واجب ہے، جس کا کرنا ضروری ہوتا ہے، اور نہ کرنے کی صورت میں حاجی پر دم واجب ہوتا ہے، رمی جمار کے چار ایام ہیں، یوم نحر اور اس کے تین یوم، ان میں اس کے لیے مقررہ اوقات ہیں جن کے اندر اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اس سے پہلے یا بعد میں کرنے کی صورت میں ایک واجب کی ادائیگی باقی رہ جاتی ہے۔

آج کثرت ازدحام سے رمی کرنے میں بیحد دشواریاں پیش آتی ہیں اور بعض دفعہ صورت اس درجہ سنگین ہوجاتی ہے کہ اس موقع سے بہت سی معصوم جانیں ضائع ہوجاتی ہیں، اس لیے ازحد ضروری ہے کہ حج کے مبارک سفر کو جانے والے تمام حضرات اس کے اوقات سے پورے طور پر واقف ہوں تا کہ رمی کرنے میں سہولت ہو اور امکانی حد تک نا گہانی حادثات سے بچا جاسکے۔

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق پر ختم ہوتا ہے، یہ پورا وقت، وقت جواز ہے کہ اس میں رمی کرنے کی اجازت ہے۔ در مختار میں ہے: ''وقته من الفجر إلى الفجر'' (ردالمحتار ۵۳۴)۔

البتہ طلوع شمس سے زوال شمس تک مسنون و مستحب وقت ہے، زوال سے غروب تک مباح وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک اور طلوع شمس سے پہلے کا وقت مکروہ ہے، جیسا کہ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (۱،۲۰۸) میں ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا اس روز کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، جیسا کہ علامہ سرخسی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''المبسوط'' میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

''فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه'' (المبسوط للسرخسی ۴،۶۷)۔

اسی طرح کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ میں ہے: ''عن أبي حنيفة قال: لاينبغي رمي الجمرة يوم النحر حتى تطلع الشمس ومن رمى قبل طلوع الشمس وبعد طلوع الفجر أجزأه ذلك وقد أساء'' (کتاب الحجہ علی اہل المدینہ ۲،۲۲۱)۔

یہ عام حالات کی بات ہے جبکہ کوئی عذر در پیش نہ ہو، اور اگر عذر ہو تو یہ ''إساءت'' بھی ختم ہوجاتی ہے، اور اصحاب عذر کے لیے ان تمام اوقات میں رمی کرنے کی بلا کراہت اجازت ہوجاتی ہے (ردالمحتار ۳/ ۵۳۴، نیز دیکھئے: معلم الحجاج /۱۷۰)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل رہا ہے۔

''قال جابر رضي الله عنه: رمى النبي صلى الله عليه وسلم يوم النحر ضحى ورمى بعد ذلك بعد الزوال'' (صحيح البخاری مع عمدة القاري ۲،۲۶۵)

[1] جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

اسی طرح علامہ سرخسیؒ "المبسوط" میں تحریر فرماتے ہیں: "وإن رماها في اليوم الثاني من أيام النحر قبل الزوال لم يجز لأن وقت الرمي في هذا اليوم بعد الزوال عرف بفعل رسول اللہ ﷺ فلا يجزئه قبله" (المبسوط للسرخسی ۲،۶۰، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲،۲۲۲، ردالمحتار ۳،۵۴۲)۔

البتہ ۱۲؍ذی الحجہ کو اگر منیٰ سے مکہ جانے کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرنے کی اجازت ہے لیکن افضل زوال کے بعد ہی رمی کرنا ہے، اور اگر منیٰ سے مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرنا درست نہ ہوگا (دیکھئے: المبسوط ۴؍۶۷)۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جاسکتی ہے:

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا مسنون وقت زوال شمس سے غروب شمس تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک مکروہ وقت ہے (ردالمحتار ۳؍۵۴۲)، تاہم اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کرسکے تو اس کے لیے طلوع صادق سے قبل تک رمی کرنے کی اجازت ہے، بدائع الصنائع میں ہے:

"فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشيء عليه لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي" (بدائع الصنائع ۲،۲۲۲)۔

۴۔ بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرنے سے تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی:

اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ جانا چاہے تو رمی کرنے کے بعد جاسکتا ہے، غروب آفتاب سے پہلے چلا جائے تو بہتر ہے، اور اگر غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرتا ہے تو مکروہ ہے تاہم جائز ہے، اور اس کے لیے گنجائش ہے کہ تیرہ ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل منیٰ سے نکل جائے، ایسی صورت میں اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے: "فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشيء عليه وقد أساء" (ردالمحتار ۳،۵۴۳، نیز دیکھئے: ہدایہ ۱،۲۲۲، نور الایضاح ۱۷۵)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرتا ہے تو اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اور آج جبکہ کثرت ازدحام کے سبب غروب شمس سے پہلے رمی کرنا بسا اوقات دشوار ہوجاتا ہے، لہٰذا اس کے لیے ایسا کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔

۵۔ بوڑھے، بیمار اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے درست نہیں ہے:

فقہائے احناف کے یہاں دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے گیارہ ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک ہے، گو کہ اس میں طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب کے بعد کا وقت مکروہ ہے مگر معذورین کے لیے ان تمام اوقات میں رمی کرنے کی بلا کراہت اجازت ہے۔ یہ وقت کم نہیں ہے کہ اس میں مزید توسع کی فکر کی جائے اور بوڑھے، بیمار، اور خواتین کے لیے نصف شب سے رمی کرنے کی رخصت پیدا کی جائے، اس لیے کہ طلوع صبح صادق سے قبل وقت رمی ہی نہیں ہے کہ اس میں رخصت کی بات کی جائے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

"قال مالك: لم يبلغنا أن رسول اللہ ﷺ رخص لأحد يرمي قبل أن يطلع الفجر ولا يجوز رميها قبل الفجر وإن رماها قبل الفجر أعادها" (تفسیر قرطبی ۳،۸)۔

پھر اگر طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کا وقت مان لیا جائے تو رمی اور وقوف مزدلفہ ایک وقت میں جمع ہو جائیں گے جبکہ رمی کا وقت، وقت وقوف کے بعد ہے، دوسرے یہ کہ رمی اور قربانی کا وقت ایک ہے، لہٰذا قربانی کی طرح رمی کا وقت بھی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ علامہ

سرخسی نے ''المبسوط'' (۴؍۲۲) میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

رہی حدیث عائشہ ''عن عائشة ﷺ قالت: أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وكان ذلك اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ عندها'' (رواه أبوداؤد ۱،۲٦۸) جس کی بنیاد پر معذورین کے لیے نصف شب سے رمی کی گنجائش نکلتی ہے تو اس میں سنداً ومتناً اضطراب ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰؍۱۴٦)، اور بقول علامہ ابن القیم حدیث منکر ہے (زاد المعاد ۱؍۲۲٦)، نیز روایت کے لفظ ''فرمت قبل الفجر'' میں نماز فجر کا بھی احتمال ہے، جس کی بنا پر طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کرنے پر استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا (دیکھئے: بذل المجهود ۳؍۱۷۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کرنے کی کسی بھی حالت میں اجازت نہیں ہے، لہٰذا معذورین کے لیے بھی نصف شب سے رمی کی گنجائش بنانا درست نہ ہوگا، اور یہی بہتر بھی ہے کہ شوافع وغیرہ کے ضعفاء نصف شب سے رمی شروع کردیں اور احناف وغیرہ کے معذورین طلوع صبح صادق سے، اور صحت مند وطاقتور افراد مسنون ومستحب اوقات میں رمی کرلیں، عورتیں رک رک کر رات میں کرلیا کریں کہ ان کے لیے رات میں رمی کرنا افضل ہے، اس طرح بھیڑ بٹ جائے گی اور ہر شخص کو بسہولت رمی کرنے کا موقع مل جائے گا۔

ب۔ منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا مسئلہ

۱۔ ایام رمی میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت:

حجاج کے لیے ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا فقہائے احناف کے یہاں مسنون ہے۔ علامہ ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' (۲؍۳۹۵) میں اس کی تفصیل بیان کی ہے، (نیز دیکھئے: المبسوط ۴؍۶۷، رد المحتار ۳؍۵۴۰، مجمع الانہر ۱؍۲۸۲، البحر الرائق ۲؍۳۵۴)۔

اسی طرح ایک قول میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بھی ان ایام میں مبیت منیٰ کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے:

''وفي قول للشافعي ورواية عن أحمد وهو مذهب الحنفية أنه سنة'' (فتح الباری ۳،۷۰٦)۔

۲۔ حاجی کا حدود مکہ میں قیام کرتے ہوئے رمی کے لئے جانے سے حج پر اس کا اثر:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان ایام میں مبیت منیٰ مسنون ہے، تو سنت پر عمل کرتے ہوئے حجاج کو ان ایام میں منیٰ ہی میں قیام کرنا چاہئے، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

''فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي وهو سنة'' (رد المحتار ۱،۲۸۲)۔

اسی طرح اوجز المسالک میں ہے: ''وفي شرح اللباب: ولا يبيت بمكة ولا في الطريق لأن البيتوتة لياليها سنة عندنا'' (اوجز المسالك ۸،۲۹٦)۔

اور اگر کوئی شخص بلا عذر منیٰ کے باہر قیام کرتا ہے تو مکروہ ہے، عالمگیری میں ہے:

''ويكره أن يبيت في غير منى في أيام منى كذا في شرح الطحاوي'' (عالمگیری ۱،۲۳۲، نیز ہدایہ ۱،۲۳۳)۔

تاہم اگر کوئی شخص ان ایام میں منیٰ کے باہر قیام کرتا ہے اور رمی کے لئے آجاتا ہے تو اس کا حج ہوجائے گا، البتہ ترک سنت کے سبب ایسا کرنا بہتر نہ ہوگا (المبسوط ۴؍۶۷)۔

یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اور اگر کسی عذر کی بنا پر ترک مبیت ہو تو ایسا کرنا بلا کراہت درست ہوگا، اور آج جبکہ کثرت ازدحام کے سبب قیام منیٰ میں بہت ساری مشکلات پیش آرہی ہیں، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، اور نہ اس کی وجہ سے کراہت کا مسئلہ پیدا ہوگا۔

۳۔ حاجی ان ایام میں حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرسکتا ہے:

اگر حاجی کو ان ایام میں کسی عذر کی بنا پر منیٰ کے باہر قیام کرنا پڑے تو وہ حدود حرم کے اندر کسی بھی جگہ قیام کرسکتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ کو ان ایام میں سقایہ کے سبب مکہ میں رات گذارنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صحیح بخاری ہے:

"عن ابن عمر رضي الله عنه أن العباس رضي الله عنه استأذن النبي ﷺ ليبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقاية فأذن له" (صحيح البخاري مع الفتح ۳،۷۰۵)۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب "مرقاة المفاتیح" میں تحریر فرمایا ہے: "قال بعض علمائنا يجوز لمن هو مشغول بالاستقاء من سقاية العباس لأجل الناس أن يترك المبيت بمنىٰ ليالي منىٰ و يبيت بمكة ولمن له عذر شديد أيضا اه فأشار إلى أنه لا يجوز ترك السنة إلا لعذر و مع العذر ترتفع عنه الإساءة" (مرقاة المفاتيح ۵،۳۶۸)۔

امام شافعی گو کہ اپنے اصح قول میں منیٰ میں اکثر لیل گذارنے کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے بھی عذر کی بنا پر ان ایام میں ترک مبیت کی اجازت دی ہے۔ فتح الباری میں ہے: "وجزم الشافعية بالحاق من له مال يخاف ضياعه أو أمر يخاف فوته أو مريض يتعاهده بأهل السقاية" (فتح الباری ۳،۷۰۶)۔

اسی طرح مالکیہ نے بھی ان ایام میں ترک مبیت پر دم اسوقت واجب کیا ہے جبکہ بغیر عذر کے ہو۔ فتح الباری میں ہے:

"قالوا من ترك المبيت بغير عذر وجب عليه دم عن كل ليلة" (فتح الباری ۳،۷۰۶)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کثرت ازدحام کے سبب منیٰ کے قیام میں دشواریاں پیدا ہورہی ہوں تو حاجی حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرسکتا ہے اور عذر کی بنا پر ترک مبیت کی وجہ سے مرتکب اساءۃ بھی نہیں ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور اس سے متعلق شرعی احکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی [1]

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے اور گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

''أما یوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني فلا یجوز قبل طلوعه'' (البدائع ۲/۱۳۷)۔

(۱۰ ذی الحجہ کو رمی کا وقت طلوع فجر ثانی سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہوگا)۔

ردالمحتار میں ہے: ''وقت رمي الجمار الثلاث في الیوم الثاني والثالث من أیام النحر بعد الزوال فلا یجوز قبله في المشهور''۔ (قربانی کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمار کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اس لیے اس کے قبل مشہور روایت کے مطابق جائز نہیں)۔

ہدایہ میں ہے: ''لا یجوز له الرمي فیهما إلا بعد الزوال في المشهور من الروایة'' (۱/۲۵۳)۔

(مشہور روایت کے مطابق رمی جائز نہیں ہے مگر زوال آفتاب کے بعد)۔

فقہاء کی ان عبارتوں سے رمی کا اول وقت تینوں دن کا متعین ہوگیا۔ اور ''لا یجوز'' کی صراحت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اول وقت میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے، یعنی پہلے دن طلوع فجر ثانی سے قبل اور دوسرے تیسرے روز زوال آفتاب سے قبل رمی کرنا درست نہیں ہوگا، اور اگر کسی نے طلوع فجر سے قبل رمی کرلیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اور اس کا اعادہ کرنا ہوگا، یہی قول ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا ہے، صرف امام شافعی کا قول ''لابأس به'' کا ہے۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:

فقہاء کی آراء مختلف ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے طلوع فجر سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی، حضرت امام مالک نے فرمایا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو طلوع فجر سے قبل رمی کرنے کی رخصت دی ہو، یہ جائز نہیں ہے، اس لیے اگر کسی نے فجر کے طلوع ہونے سے قبل رمی کرلیا تو اس کا اعادہ کرے گا، یہی قول امام ابوحنیفہ، سفیان اور امام احمد کا ہے، امام شافعی نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں (۱/۲۵۶)۔

اسی طرح بعد کے دنوں میں اگر کسی نے زوال سے قبل رمی کرلیا تو جمہور علماء کے نزدیک زوال کے بعد اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔

''فقال جمهور العلماء من رماها قبل الزوال أعاد رمیها بعد الزوال'' (بدایة المجتهد ۱/۲۵۸)۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ جس نے زوال سے قبل رمی کیا تو وہ زوال کے بعد رمی کا اعادہ کرے۔

علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت مستحب طلوع شمس سے زوال آفتاب تک ہے، اور اگر سورج غروب ہونے سے پہلے دس ذی الحجہ کی رمی کرلی گئی تو یہ کافی ہوگا اور کوئی تاوان نہیں دینا ہوگا، البتہ امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے دم دینا مستحب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی غروب شمس سے قبل رمی کرلینے سے لازمی طور پر کوئی تاوان نہیں ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۶)۔

اب اگر کسی شخص نے رمی نہیں کی اور سورج غروب ہوگیا تو کیا اسے رات میں رمی کی اجازت ہوگی اور وقت میں توسیع ہوگی؟ امام ابوحنیفہ کے

[1] نائب ناظم امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ۔

یہاں اس کے لیے رات میں رمی کرنا دوسرے دن کے طلوع فجر سے قبل تک جائز ہوگا اور اسے دم نہیں دینا ہوگا۔ بدائع میں ہے:

''فإن لم يرم حتى غربت الشمس فيرمى قبل طلوع الفجر من اليوم الثاني أجزأه ولا شئ عليه في قول أصحابنا'' (البدائع ۱۱۲۱، ۲)۔ (اگر رمی نہیں کیا اور سورج غروب ہوگیا پھر اس نے دوسرے دن کی طلوع فجر سے قبل رمی کرلیا تو کافی ہوگا، اور احناف کے قول کے مطابق اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا)۔

ہدایہ میں ہے: ''وإن أخر إلى الليل رماه لاشئ عليه لحديث الرعاء'' (۱،۲۵۳)۔

(اور اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا اور پھر رمی کرلیا تو اس پر حدیث رعا کے مطابق کچھ بھی لازم نہ ہوگا)۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر رات میں رمی کیا تو اسے دم دینا ہوگا، اس کا مطلب ہے کہ وہ پہلے دن کی رمی میں وقت کو رات تک ممتد نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی نے رمی نہیں کیا اور دوسرے دن کا فجر طلوع ہوگیا تو دم دینا ہوگا، البتہ امام ابویوسف، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں وقت میں اتنی وسعت ہے کہ رات میں بھی نہیں رمی کرسکا تو اگلے دن دونوں دن کی رمی کرلے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۶)۔

دوسرے اور تیسرے دن کی رمی کے اول وقت اور افضل وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی ایک غیر مشہور روایت یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن اگر زوال سے قبل رمی کرلے تو یہ جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ سارے ایام 'ایام نحر'' ہیں۔ لہٰذا جس طرح پہلے دن زوال سے قبل وقت رمی ہے اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اسی لیے فقہاء نے روی اور قیل کے لفظ سے ذکر کیا ہے (بدائع ۳/ ۱۱۲۲)۔

جہاں تک دوسرے اور تیسرے دن میں رمی کے آخر وقت کا سوال ہے تو اس میں پہلے دن کی طرح ہی وسعت ہے، اگر رات میں طلوع فجر سے قبل کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کچھ لازم ہوگا۔

''فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشئ عليه لأن الليل وقت الرمي أيام الرمي'' (بدائع ۱۱۲۲، ۳)۔ اگر آخر کے دونوں میں رمی کو رات تک مؤخر کردیا اور طلوع فجر سے قبل رمی کیا تو جائز ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ رات ایام رمی میں وقت رمی ہے۔

ان ساری تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ:

(الف): ۱۔ ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، کیونکہ پہلے دن رمی کا وقت طلوع فجر ثانی سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ مستحب وقت طلوع شمس سے زوال آفتاب کے قبل تک ہے۔ ''أول وقته المستحب ما بعد طلوع الشمس قبل الزوال'' (بدائع ۲، ۱۱۲۰)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں ایام میں رمی کا وقت بعد زوال آفتاب شروع ہوتا ہے۔

''من رماها قبل الزوال اعاد رميها بعد الزوال'' (بداية المجتهد ۱،۲۵۸)۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۴۔ رمی کے ایام میں راتیں گذشتہ دن کے حکم میں ہوتی ہیں، تاریخیں اسلامی کلنڈر کے اعتبار سے بدل جاتی ہیں، لیکن عمل رمی کے لیے وہ اگلے دن کے طلوع فجر سے قبل تک پہلے دن کے ہی حکم میں ہے، لہٰذا ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا اور ۱۳/ ذی الحجہ

کی طلوع فجر سے قبل رخت سفر باندھ لیا تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔ البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے: ''وله أن ينفر ما لم يطلع الفجر من اليوم الرابع'' (۱؍۲۵۲) (اور اس کے لئے جائز ہے رخت سفر باندھنا جب تک چوتھے دن کا فجر طلوع نہ ہوا ہو)۔

ردالمحتار میں ہے: ''ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء'' (۱؍۱۸۵) (اور اگر چوتھے دن کی فجر سے قبل کوچ کر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، البتہ اس نے برا کیا)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ۱۰ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے دن رمی کا وقت طلوع فجر صادق سے شروع ہوتا ہے۔

''أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني فلا يجوز قبل طلوعه'' (البدائع ۱۱۲۰)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا حکم:

اس مسئلہ میں علماء امت کا اجماع ہے کہ منیٰ کا قیام سنت ہے اور اس کے قصداً ترک سے بھی حج کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

''ویکرہ أن لايبيت بمنى ليالي الرمي لأن النبي ﷺ بات بها وعمر كان يؤدب على ترك المقام بها ولو بات في غيرها متعمداً لا يلزمه شئ عندنا'' (هدايه ۱؍۲۰۳)۔

(اور رمی کی راتیں منیٰ میں نہ گذارنا مکروہ ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے وہاں رات گذاری ہے، اور حضرت عمر قیام منیٰ کے چھوڑنے پر تنبیہ کیا کرتے تھے، (اس کے باوجود) اگر کسی نے قصداً دوسری جگہ رات گذاری تو اس پر ہمارے نزدیک کچھ لازم نہیں ہوگا)۔

ردالمحتار میں ہے: ''فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (۱؍۱۸۳)۔

(ایام رمی کی راتیں منیٰ میں گذارے گا، یہ سنت ہے۔ اگر دوسری جگہ گذارا تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا)۔

موجودہ حالات میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خیموں کا سلسلہ منیٰ سے مسلسل مزدلفہ یا حی العزیزیہ تک رہتا ہے، یہ اسی طرح کا سلسلہ ہے جس طرح کا مسجد حرام ہے کہ باہر دور تک جماعت کی نماز میں صفیں لگ جاتی ہیں، گو یہ صفیں مسجد حرام سے بہت دور محلوں تک پہنچی ہوتی ہیں مگر حکماً یہ مسجد حرام کی ہی نماز کہلاتی ہے، اسی طرح گو یہ خیمے منیٰ سے باہر دور تک لگ گئے ہیں لیکن انہیں حکماً قیام منیٰ سے ہی تعبیر کیا جائے گا جیسا کہ حکومت نے منیٰ الجدید کا نام دے کر اسے منیٰ قرار دیا ہے اور وہاں قیام بلا کراہت درست ہوگا۔ اس تفصیل کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ:

۱۔ ۸ ؍ سے ۱۲ ؍ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام حاجیوں کے لیے سنت ہے۔

۲۔ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ حدود حرم میں کسی جگہ بھی قیام سے حج پر فرق نہیں پڑے گا لیکن حتی الامکان منیٰ میں قیام کی کوشش کرنی چاہئے، منیٰ سے متصل مزدلفہ کے جن علاقوں میں منیٰ الجدید کے نام سے خیمے لگتے ہیں، وہاں بھی قیام کرنا منیٰ میں ہی قیام کرنے کے حکم میں ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا ابوسفیان مفتاحی[1]

۱۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، علماء وفقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ حضرت اسماءؓ کی روایت ہے:

''عن ابن جريج حدثني عبدالله مولى أسماء قال: قالت لي أسماء وهي عند دار المزدلفة: هل غاب القمر. قلت لا. فصلت ساعة ثم قالت: يابني هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: ارحل بي فارتحلنا حتى رمت الجمرة ثم صلت في منزلها فقلت لها: أي هنتاه لقد غلسنا؟ قالت: كلا أي بني أن النبي ﷺ أذن للظعن'' (رواه مسلم)۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم (۳؍۳۳۳) میں اس حدیث کی شرح تفصیل سے کی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کرنا جائز ہے۔

صاحب بحر علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''وله أوقات أربعة: وقت الجواز ووقت الاستحباب ووقت الاباحة ووقت الكراهة، فالأول ابتدائه من طلوع الفجر يوم النحر'' (البحر الرائق ۲؍۳۴۵)۔

یعنی ۱۰ ذی الحجہ یوم نحر میں رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے رمی کرنا جائز ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''وفي حاشية المدني عن حاشية شيخه بعد عزوه ما ذكره المؤلف إلى المبسوط والمحيط الرضوي قال لكن في الهداية والزيلعي والعيني والبدائع والكافي والكرماني وغيرها إن وقته من طلوع الفجر إلى غروب الشمس وقال في مبسوط الرخس ففي ظاهر المذهب وقته إلى غروب الشمس ولكنه لورمى بالليل لايلزمه شئ''۔

یعنی ۱۰ ذی الحجہ میں اگر کسی نے رات میں رمی کرلی تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا (منحۃ الخالق ۲؍۴۵، نیز دیکھئے: المغنی ۳؍۴۲۸۔۴۲۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کی رمی صبح صادق سے اور رات سے کی جاسکتی ہے، لہٰذا آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی تعداد کے پیش نظر سنگین حادثات سے حفاظت کے لیے بھی حنفیہ کے نزدیک بھی قاعدہ ''الضرورات تبيح المحذورات'' کے تحت رمی صبح صادق سے اور رات سے کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت مسنون زوال کے بعد سے غروب تک ہے، یہی رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، اور یہی حضرات صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا قول وعمل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ)۔

اور کتاب الکافی میں ہے: والرمي في هذه الأيام الثلاثة بعد الزوال في كل يوم منها ومن رمى فيها قبل الزوال أعاد الرمي (۱؍۳۷۶)۔

اور کتاب الاقناع میں ہے: ''يدخل رمي كل يوم من أيام التشريق بزوال الشمس ويخرج وقت اختياره بغروبها'' (۱؍۵۷۱)

اور جوہرہ میں ہے: ''وفي اليوم الثاني والثالث من طلوع الشمس إلى الزوال لايجوز ما بعده إلى الغروب مسنون

---

[1] استاذ حدیث جامعہ مفتاح العلوم، مئو۔

ومن بعد الغروب إلى طلوع الفجر مكروه'' (۱/ ۲۳۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۳۴۸)۔

اور شامی میں ہے: ''قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز، والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (۲/۲۰۱)۔

حدیث واقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ ۱۱/اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے ناجائز ہے، البتہ علامہ شامیؒ کے ایک قول جس کو ''قیل'' تعبیر کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زوال سے پہلے جائز ہے، اور اس قول ضعیف سے ۱۱/ و ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کو اختیار کر کے گنجائش نکالی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

۳۔ ۱۱/ و ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی، پس اگر طلوع صبح صادق سے پہلے رات میں کرلے تو جائز ہے اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، چنانچہ جوہرہ میں ہے:

''وفي اليوم الثاني والثالث من بعد الغروب إلى طلوع الفجر مكروه فإن رمى بالليل قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه'' (۱/ ۲۳۳-۲۳۴، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۳۴۸)۔

اور شامی میں ہے: ''ولو لم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة اى الآتية لكل من الأيام الماضية ولا شئ عليه سوى الإساءة ما لم يكن بعذر'' (۲/ ۲۰۱)۔

اور مغنی ابن قدامہ میں ہے: إن أيام التشريق وقت للرمي فإذا أخره من أول وقته إلى آخره لم يلزمه شئ (۳/ ۴۵۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱/ و ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو کراہت کے ساتھ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

۴۔ اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم ہو جائے گی، اور اگر رات کے کسی حصہ میں ۱۳/ ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے پہلے لوٹ جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن ایسا کرنے والے نے برا کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ غروب کے بعد لوٹنا جائز نہیں، پس اگر لوٹ جائے تو اس کو دم دینا لازم ہوگا، اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے لوٹے تو اس کو باتفاق دم دینا لازم ہوگا (شامی ۲/ ۲۰۱)۔

اور البحر الرائق میں ہے: ۱۲/ ذی الحجہ کو لوٹ جانے اور ٹھہرے رہنے میں ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے اختیار ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع میں ٹھہرنا افضل ہے، اور ۱۳/ ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق کے لیے ٹھہرنا ۱۳/ ذی الحجہ کے دن میں رمی کو واجب کرنے والا ہے۔ اور اس میں مکی اور باہری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (۲/ ۳۴۹)۔

اور جوہرہ میں ہے: ۱۲/ ذی الحجہ میں ۱۳/ ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے پہلے لوٹ جانا جائز ہے، اور جب طلوع صبح صادق ہو جائے تو اس پر ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی متعین ہو جاتی ہے (۱/ ۲۳۴، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲/ ۲۰۱، البحر الرائق ۲/ ۳۴۹، الجوہرہ ۱/ ۲۳۴، المغنی ۳/ ۴۵۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے سے ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم ہو جاتی ہے، اور منیٰ میں ٹھہرنا ہی افضل ہے، واللہ اعلم۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے، اور ان کے لیے اس کی اجازت ہے (دیکھئے: شامی ۲/ ۱۹۶، المغنی ۳/ ۴۸۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے

کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ۸ رتا ۱۲ رذی الحجہ کے ایام میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت مسنون ہونا ہے، پس اگر منیٰ کے علاوہ قیام کرے اور رات گذارے تو یہ مکروہ ہے، اور اس کو کچھ لازم نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

چنانچہ شامی میں ہے: ''ثم أتى منى فيبيت بها للرمي إى ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (۲،۲۰۰)۔

اور البحر الرائق میں ہے: ''ولم يذكر البيتوتة بمنى لأنها ليست بواجبة لأن المقصود الرمي لكن هي سنة حتى قال الاسبيجابي ولا يبيت بمكة ولا بالطريق ويكره أن يبيت في غير أيام منى'' (۲،۳۴۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۸ رتا ۱۲ رذی الحجہ کے ایام میں حاجی کا قیام منیٰ میں سنت ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا ایسا جس سے دم لازم آئے، ہاں کراہت تنزیہی ہوگی جو کہ خلاف اولیٰ ہے، اور اس کے مرتکب ہونے سے دم کا لزوم نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور شامی میں ہے: ''فلوبات بغيرها كره ولا يلزمه شئ لباب'' (۲/۲۰۰، نیز دیکھئے: الجوہرہ ۱/۲۳۴)۔

اور مغنی ابن قدامہ میں ہے: ''فإن ترك المبيت بمنى فعن أحمد لاشئ عليه وقد أساء وهو قول أصحاب الرأى لأن الشرع لم يرد فيه شئ'' (۳،۴۴۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حاجی کے حدود مکہ ہی میں رہ کر رمی وغیرہ کے لیے جانے سے صرف کراہت تنزیہی ہوگی اور کچھ لازم نہ ہوگا اور صحت حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ واللہ اعلم

۳۔ آج کل حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ کا میدان اپنی وسعت کے باوجود ناکافی ہوجاتا ہے اور بہت سے خیمے وادیٔ محسّر میں نصب کردیئے جاتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں ٹھہرنے کو پسند نہیں فرمایا، معمول مبارک تھا کہ چلتے ہوئے یہاں سے تیز گذر جاتے، اس لیے وادیٔ محسّر میں قیام کرنا مناسب نہیں، ایسا کیا جاسکتا ہے کہ مزدلفہ یا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حجاج قیام کرسکتے ہیں چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، لیکن چونکہ منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے اس لیے رات کے وقت منیٰ آجایا کریں۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، اور مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے، اور رات کے وقت منیٰ آجائیں کیونکہ منیٰ میں رات گذارنا مسنون ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کی شرعی حیثیت

مولانا تنظیم عالم قاسمی ؎

حضرات فقہاء کی صراحت کے مطابق رمی کے چار دن ہیں جن میں رمی کرنا واجب ہے، اس تفصیل کے ساتھ کہ تین دن رمی کے بعد ۱۲ رذی الحجہ کو زوال کے بعد رمی کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی کرنے کے بعد آئے، اگر تیرہویں کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہوجائے گی، اگر بلا رمی کئے آئے گا تو دم واجب ہوگا۔

دسویں ذی الحجہ کی رمی:

نویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد حجاج کرام کو عرفات سے مزدلفہ آنا ہوتا ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے، صبح صادق تک یہاں ٹھہرنے کے بعد فجر کی نماز اول ساعتوں میں ادا کی جاتی ہے۔

اور اب رمی کے لئے منیٰ جانا ہوتا ہے جہاں طلوع شمس کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے جو شرعاً واجب ہے، حنفیہ کے یہاں اس کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے دوسرے دن یعنی ۱۱ رذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، البتہ مسنون وقت سورج نکلنے سے زوال تک ہے، زوال سے غروب تک وقت مباح ہے، غروب کے بعد مکروہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع شمس کے بعد رمی کی ہے، اور صحتمند، غیر معذور کو اسی وقت رمی کرنے کی ترغیب بھی دی ہے، البتہ عورتوں، بوڑھوں اور کمزور لوگوں کو صبح صادق سے ہی رمی کرنے کی اجازت دے دی تھی تا کہ ازدحام کی وجہ سے رمی کے عمل میں ان لوگوں کو مشقت نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ضعیف اور ناتواں لوگوں کے ساتھ رات ہی میں منیٰ بھیج دیا اور فرمایا: ''لا ترموا الجمرة حتی تصبحوا'' (طحاوی ۲،۲۱۶) (صبح سے پہلے رمی مت کرنا)، اس سے جہاں کمزور لوگوں کے لئے صبح سے ہی رمی کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ صبح صادق سے پہلے رمی درست نہیں ہے۔

اسی حدیث کو دوسری سند کے ساتھ ذرا تفصیل سے امام طحاویؒ کے ساتھ امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے: ''عن ابن عباس أن النبي ﷺ كان يأمر نساءه وثقله من صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد وأن لا يرموا الجمرة إلا مصبحين'' (ابحاث ہیئۃ کبار العلماء ۲۹۸ طبع ریاض)۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکر کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے غلس (صبح صادق کے بعد) میں رمی کرلی، ان کے مولیٰ حضرت عبداللہ کا خیال تھا کہ رمی کا وقت سورج طلوع ہونے کے بعد ہے، اسی لیے انہوں نے اس عمل پر اعتراض کیا تو حضرت اسماءؓ نے جواب دیا کہ بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں (اسی طرح تمام ضعیف اور کمزور لوگوں) کو اس کی اجازت دی ہے (صحیح بخاری ۱/ ۲۲۸، باب من قدم ضعفة أهله بليل، مسلم ۱/ ۴۱۸)۔

علامہ ابن القیم اس باب کی مختلف احادیث جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لاتعارض بين هذه الأحاديث فإنه أمر الصبيان ألا يرموا الجمرة حتى تطلع الشمس فإنه لا عذر لهم في تقديم الرمي أما من قدمه من النساء فرمين قبل طلوع الشمس للعذر والخوف عليهن من مزاحمة الناس وحطمهم وهذا الذي دلت عليه السنة جواز الرمي قبل طلوع الشمس للعذر بمرض أو كبر يشق معه مزاحمة الناس لأجله وأما القادر الصحيح فلا يجوز له ذلك'' (زاد المعاد ۱،۲۷۱)۔

؎ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد۔

موجودہ دور میں حاجیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے حادثات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے جو بجائے خود ایک عذر ہے، اس لئے ان حادثات پر قابو پانے کے لئے بہتر یہ ہے کہ حجاج کرام وقت مسنون کا انتظار کئے بغیر طلوع صبح صادق سے غروب تک رمی کرتے رہیں، اگر غروب کے بعد بھی رمی کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ بھی درست ہے، البتہ مغرب بعد کسی بھی دن رمی کو مکروہ قرار دیا ہے مگر ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ حجۃ الوداع میں ایک صحابی نے سوال کے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''رميت بعد ما أمسيت'' (میں نے شام کے وقت رمی کی)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاحرج'' (کوئی حرج نہیں ہے)، یہاں مساء سے مراد مغرب کے بعد کا وقت ہے (دیکھئے: أضواء البیان ۲۸۱/۵ بحوالہ أبحاث ہیئۃ کبار العلماء ۳۰۳/۱)۔

مشہور فقیہ علامہ شامیؒ اوقات رمی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ویكره للفجر أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح'' (شامی ۳/۵۳۳، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)۔

ازدحام اور پھر پے در پے حادثات کا وقوع ایک مستقل عذر ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے اور مغرب تا فجر نہ صرف عورتوں، بوڑھوں اور ضعیفوں کے لئے رمی جائز ہے بلکہ تمام صحتمند لوگوں کے لئے بلا کراہت درست ہوگی تاکہ وقت میں وسعت ہو اور حادثات پر قابو پایا جاسکے، اس لئے کہ جان ایک عظیم نعمت ہے جس کی حفاظت انسان پر بہر حال لازم ہے، اسی جان کے تحفظ کے غرض سے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے معذورین کے لئے مغرب بعد رات میں رمی کو مستحب قرار دیا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۳۱/۲)۔

خلاصہ بحث یہ کہ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، اس میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں، صبح صادق سے پہلے کرنے کی معذور کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ دسویں کی صبح سے گیارہویں کی صبح صادق تک کافی وقت ہے، اس میں رمی اطمینان سے کی جاسکتی ہے، اس لئے بلا ضرورت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے شوافع کے مسلک کی طرف عدول درست نہ ہوگا۔

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی:

ان دونوں تاریخوں میں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے: ''وعن جابر رضی اللہ عنہ قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم رمى الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد ذلك فإذا زالت الشمس'' (صحیح مسلم ۲/۹۴۵)۔

''وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا'' (صحیح بخاری) کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں صراحت سے معذور یا غیر معذور کے لئے قبل الزوال کی گنجائش دی گئی ہو، اسی وجہ سے ارباب فقہ وافتاء نے ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کو ناجائز کہا ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۵۸)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں: ''صرف دس ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے ہے، ۱۱/ ۱۲/ کی رمی زوال کے بعد ہی ہوسکتی ہے، اگر زوال سے پہلے کرلی تو وہ رمی ادا نہیں ہوگی، اس صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کر کے جانا جائز ہے'' (آپ کے مسائل ۱۳۴/۴)۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان دودنوں میں رمی زوال کے بعد افضل ہے لیکن اگر زوال سے قبل کرلی جائے تو درست ہے، یہی بعض حنابلہ کا بھی خیال ہے، خاص طور پر ۱۲/ ذی الحجہ کو جو منیٰ سے جلدی نکلنا چاہتے ہیں اور مکہ پہنچتے پہنچتے رات ہوجانے کا خوف ہو تو اس عذر کے سبب اس کے لئے زوال سے قبل رمی کی اجازت امام حسنؒ کے توسط سے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵۸/۲۳)۔

حرج میں مبتلا ہونے کے سبب ۱۲/ ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی درست ہے، اور ظاہر ہے کہ ازدحام اور کثرت حادثات کا وقوع رات سے بڑھ کر عذر ہے اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان دونوں ایام میں زوال سے قبل رمی درست ہوگی، خاص طور پر اس لئے بھی کہ جس طرح دس ذی الحجہ یوم نحر ہے اسی طرح ۱۱/ ۱۲/ بھی یوم نحر ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر'' (بدائع الصنائع ۲/۲۲۴)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں حادثات کے سبب ۱۲؍ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ ''والآخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زمننا'' (۲۳.۱۵۸)۔

اسی کے حاشیہ میں ہے:''قال في البحر العميق فهو قول مختار يعمل به بلاريب وعليه عمل الناس'' (۲۳.۱۵۸)۔

۱۲؍اور ۱۱؍ میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا، یعنی قبل الزوال رمی درست ہوگی، البتہ یہ وقت زوال تک وقتِ جواز ہوگا، اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت مسنون، پھر طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ۔

تیرہویں ذی الحجہ کی رمی:...... ۱۲؍ذی الحجہ کو رمی کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ تیرہویں کو رمی کے بعد آئے ...... خیال رہے کہ بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو غروب سے پہلے ہی منیٰ سے نکل جائے، غروب کے بعد تیرہویں کو رمی کئے بغیر جانا مکروہ ہے، اگر چہ تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی لیکن تیرہویں کی صبح صادق اگر منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی بھی واجب ہوجائے گی، اگر بلا رمی کئے مکہ آ گیا تو دم واجب ہوگا (معلم الحجاج ر ۱۸۲، نیز دیکھئے: شامی ۳ر ۵۴۳)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے یہاں سنت ہے، واجب یا رکن نہیں، اس لئے حجاج کرام کے خیمے منیٰ میں ہی لگانے کی ضرورت نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ جن راتوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے ان میں انہیں سبیل زمزم کی خدمت کے لیے مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اجازت دے دی (بخاری ومسلم)۔

اکثر علماء کے نزدیک قیام منیٰ واجب ہے مگر حدیث مذکور کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ نے اس کو سنت قرار دیا ہے، اور یہی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ایک قول ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر منیٰ میں قیام واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو ان راتوں میں مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتے (ارشاد الساری ۳ر ۲۵۴)۔

جب منیٰ میں قیام کے سلسلہ میں شریعت نے گنجائش دی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور خواہ مخواہ منیٰ میں خیمے نصب کر کے حادثات کا باعث نہیں بننا چاہئے، اس لئے ان ایام میں مزدلفہ، جی العزیزیہ یا کہیں حدود حرم میں قیام کیا جاسکتا ہے، کم از کم حنفیہ اس پر عمل کریں تو تقریباً نصف سے زائد ازدحام کم ہوجائے گا اور حادثات واقع نہیں ہوں گے، چونکہ دیگر ائمہ کے یہاں واجب ہے، اس لیے ان کے لئے وہاں قیام ایک مجبوری ہے، حنفی المسلک حجاج کے لئے کوئی مجبوری نہیں، اس لئے ان کو چاہئے کہ منیٰ میں ان ایام میں قیام نہ کریں، محض ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے نقصان عظیم کا سبب بننا ہوتا ہے جو کسی بھی حال میں مناسب نہیں، جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنا یا سبب بننا منع ہے ''ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة''۔ اگر اس طرح کا خطرہ یقینی لگتا ہو تو افضل ومسنون کو چھوڑ کر مباح بلکہ مکروہ تک کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ یہاں تک کہ ترک واجب کی بھی گنجائش ہے۔

''لكنه لو تركه بعذر كزحمة مزدلفة لاشئ عليه'' (درمختار ۲.۱۹۳)۔

☆☆☆

۱۰/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت

مولانا محمد ابرار خاں ندوی[1]

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے (دیکھئے: منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲/ ۶۰۴)، البتہ غروب کے بعد سے دوسرے دن کے طلوع فجر تک مکروہ وقت ہے (دیکھئے: رد المحتار ۲/ ۱۸۱)، لہٰذا اگر کوئی غروب آفتاب کے بعد رمی کرتا ہے تو کراہیت کے ساتھ گنجائش ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: ''ففي ظاهر المذهب وقته إلى غروب الشمس ولكنه لو رمى بالليل لايلزمه شئ'' (دیکھئے: المبسوط ۲، ۶۴، باب رمی الجمار، دار المعرفہ بیروت)۔

ظاہر مذہب کے مطابق اس کا وقت غروب آفتاب تک ہے لیکن اگر رات میں رمی کرے تو اس پر کوئی (تاوان) لازم نہیں ہوگا۔

وقت کے سلسلہ میں اختلاف صرف افضل وغیر افضل، جائز اور مکروہ کا ہے، اس لحاظ سے دس ذی الحجہ کی رمی کے اوقات کی چار قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ وقت جواز مع الإساءۃ: دس تاریخ کو طلوع فجر سے دوسرے دن کے طلوع فجر تک۔

۲۔ مستحب وقت: طلوع آفتاب سے زوال شمس تک۔

۳۔ جائز وقت (بلا اساءت): زوال شمس سے غروب شمس تک۔

۴۔ مکروہ وقت: طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب شمس کے بعد (دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۶۰۴-۶۰۵، نیز الموسوعۃ الفقہیہ (کویت) ۲۳/ ۱۵۶)۔

دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنے کا حکم:

دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے ہی رمی کرنے کی اجازت ہے، البتہ افضل و بہتر طلوع آفتاب کے بعد ہی ہے، علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

''فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه... والأفضل أن يرميها بعد طلوع الشمس'' (دیکھئے: المبسوط ۲، ۶۸)۔

یوم النحر کو طلوع فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو درست ہے، البتہ افضل ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے۔

اور فقہاء احناف میں جن حضرات نے طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے کو مکروہ کہا ہے وہ عام حالات میں ہے، مریض، کمزور، بوڑھا، عورت، اور دیگر معذورین اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لیے بلا کراہت اجازت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: ''وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر. وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلا'' (رد المحتار ۲، ۱۸۱)۔

طلوع آفتاب سے پہلے رمی مکروہ ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب عذر نہ ہو، البتہ ضعیفوں کے لیے طلوع آفتاب سے پہلے اور چرواہوں کے لیے رات میں رمی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعیفوں، کمزوروں اور عورتوں اور معذورین کو طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے کی رخصت عطا فرمائی ہے۔

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے اہل وعیال میں کمزوروں کو آگے بڑھا دیتے تھے، تو وہ مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس رات میں قیام

[1] استاذ جامعۃ الہدایہ، جے پور۔

کرتے تھے، اور جتنا ہوسکتا اللہ کا ذکر کرتے اور امام کے وقوف کرنے اور بھیڑ جمع ہونے سے پہلے لوٹ جاتے، ان میں سے بعض نماز فجر کے لیے منیٰ آتے اور بعض اس کے بعد آتے، لیکن جب آتے جمرہ عقبہ میں رمی کرتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو رخصت عطا کی ہے (صحیح البخاری ۲/ ۶۰۳، رقم الحدیث: ۱۵۹۲، باب من قدم ضعفة أہلہ بلیل)۔

گیارہ و بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنا:

گیارہ و بارہ ذی الحجہ کی رمی کا افضل وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس تک رہتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے: ''عن وبرة قال سألت ابن عمر ﷺ متى أرمي الجمار ؟ قال إذا رمى إمامك فارمه. فأعدتُ عليه المسئلة قال كنا نتحين، فإذا زالت الشمس رمينا'' (حوالہ سابق)۔

حضرت وبرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں رمی جمرات کب کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو، تو میں نے دوبارہ یہی مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا کہ ہم وقت کا انتظار کرتے تھے، پھر جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے۔

حجاج کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے صبح صادق کی اجازت ہوگی ورنہ اہل توحید کے اس جم غفیر میں محدود وقت کے اندر رمی کرنے کی صورت میں بے شمار انسانی جانوں کی ہلاکت ہوگی، امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی ایک روایت کے مطابق اس کے قائل ہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز'' (بدائع الصنائع ۲، ۱۳۷)۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن افضل زوال کے بعد رمی ہے، اگر اس سے پہلے رمی کرلے تو بھی جائز ہے۔

بعض متاخرین احناف نے اس روایت کو قوی قرار دیا ہے۔

''والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زماننا'' (الموسوعة الفقهية ۲۳، ۱۵۸)۔

گیارہ و بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا:

گیارہ و بارہ ذی الحجہ کو بلا عذر اور بغیر کسی سبب اور دشواری کے غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے (فقہ السنۃ ۱/ ۶۷۸)۔

البتہ یہ تاخیر کسی مجبوری کے تحت ہو مثلاً بیمار ہے، یا بوڑھا ہے یا بھیڑ میں جسم کو ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو یا نفس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو بلا کسی کراہت کے غروب آفتاب سے طلوع فجر کے درمیان کسی بھی وقت رمی کر سکتے ہیں۔

علامہ کاسانی رقم طراز ہیں: ''فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز، ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي'' (بدائع الصنائع ۲، ۱۳۸)۔

اگر دوسرے اور تیسرے دن رات تک رمی کو موخر کردے پھر طلوع فجر سے پہلے رمی کرے تو جائز ہے اور اس پر کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے کہ رمی کے دنوں میں رات رمی کا ہی وقت ہے۔

دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا:

دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی بابت فقہاء کے مابین اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل و امام شافعی مطلق جواز کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی رائے مطلق عدم جواز کی ہے، جبکہ بعض فقہاء نے معذورین کے لیے اجازت فرمائی ہے اور بلا عذر ممانعت کا حکم صادر فرمایا ہے (سبل السلام شرح بلوغ المرام ۲/ ۲۰۸، از محمد اسماعیل الکحلانی، دار الفکر بیروت)۔

لیکن فقہاء کی آراء، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عام حالات میں تو نہیں البتہ معذورین، بیماروں، ضعیفوں، دل کے امراض میں مبتلا اشخاص اور عورتوں کے لیے نصف رات کے بعد رمی کرنے کی اجازت ہے، خود اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو دسویں شب کو رمی کے لیے بھیجا ہے اور انہوں نے طلوع فجر سے پہلے رمی کی ہے، اور جن احادیث سے طلوع فجر کے بعد رمی کا پتہ چلتا ہے وہ حکم عام حالات کا ہے۔

امام محمد اسماعیل الکحلانی نقل فرماتے ہیں: ''عن عائشة رضي الله عنها قالت أرسل النبي صلى الله عليه وسلم بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت، رواه أبوداؤد وإسناده على شرط مسلم ''(دیکھئے: سبل السلام شرح بلوغ المرام ۲،۲۰۸، دار الفکر بیروت)۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو دسویں شب کو بھیجا تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ میں رمی کی پھر چلی گئیں اور پھر اس کے بعد طواف افاضہ کیا۔

مزید آگے لکھتے ہیں: ''الحديث دليل على جواز الرمي قبل الفجر'' (حوالہ سابق)۔

یعنی یہ حدیث فجر سے قبل رمی کے جواز کی (واضح) دلیل ہے۔

نیز حضرت اسماءؓ کا رات میں رمی کرنا ثابت ہے، اس سلسلہ میں سید سابق نے مفصل و مدلل گفتگو فرمائی ہے:

بالاتفاق یہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نصف اخیر رات سے پہلے رمی کرے، البتہ خواتین، بچوں، ضعیفوں، معذورین اور اونٹ چرانے والوں (اونٹوں کی نگہبانی کرنے والوں) کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ لیلۃ النحر (یعنی دسویں شب) کے نصف کے بعد سے جمرہ عقبہ کی رمی کر سکتے ہیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی رات یعنی دسویں شب کو حضرت ام سلمہؓ کو بھیجا، تو انہوں نے فجر سے قبل رمی کی پھر طواف افاضہ کیا...... اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کی نگہبانی کرنے والوں (چرواہوں) کو رات میں رمی کرنے کی رخصت فرمائی ہے...... حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے حضرت اسماء کے بارے میں بیان کیا کہ انہوں نے جمرہ عقبہ میں رمی کی تو میں نے (یعنی اس مخبر نے حضرت اسماء سے) کہا کہ ہم نے جمرہ عقبہ میں رات کی رمی کی، تو حضرت اسماءؓ نے کہا کہ ہم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سید سابق یہ تفصیل تحریر کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''والذي دل عليه الحديث أن من كان ذا عذر جاز أن يتقدم ليلاً ويرمي ليلاً'' (فقه السنة ۱،۲۴۰، عنوان الترخيص للضعفة وذوى الأعذار بالرمي بعد منتصف ليلة النحر)۔

شریعت میں اعذار کی رعایت کی گئی ہے، اور حج میں رمی کے دوران بھیڑ کی وجہ سے انسانی جانوں کی ہلاکت، ایذاء مسلم، یہ ایک عذر قوی ہے، پس اس بنیاد پر طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت بلا کراہت دینا عقل و شرع اور انسانی تقاضہ ہے، البتہ صحت مند و توانا اور قوی افراد جو بآسانی بلا کسی اندیشہ کے افضل وقت میں رمی کر سکتے ہیں وہ افضل وقت میں ہی رمی کریں، ہاں اگر بھیڑ میں ان کو بھی اپنی جان کے ضیاع کا ڈر ہو تو یہ رعایت ان کو بھی حاصل ہوگی۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود

مفتی حبیب اللہ قاسمی [1]

اس میں شک نہیں کہ آبادی کی کثرت کی وجہ سے حجاج کرام کی زیادتی کے ساتھ طبائع کی عجلت پسندی اور فکری و مسلکی آزادی نے بہت سے مسائل کھڑے کردیئے ہیں۔ حضرات علماء کرام وارباب افتاء کو ہر دور کے پیدا شدہ نئے مسائل وحالات کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر قرآن وحدیث واقوال فقہاء وتعامل سلف کی روشنی میں حل تلاش کرنا ہوگا۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ کسی بھی مسئلہ کے حل کے لیے جو حدود متعین کئے گئے ہیں اس میں وسعت اتنی پیدا کی جاسکتی ہے جو منشاء شارع اور روح شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر روح نکل گئی تو پھر صرف قالب کا کوئی فائدہ نہیں۔

آج کل جمرات پر رونما ہونے والے حوادث کا تعلق ازدحام سے زیادہ طبائع کی عجلت پسندی، جذباتیت، لاشعوری، کم فہمی، فکری آزادی سے ہے۔ اگر لوگ صبر وتحمل کے ساتھ نظم ونسق کو برقرار رکھیں تو اس طرح کے حوادث کی نوبت ہی نہ آئے لیکن بارہا کا مشاہدہ ہے کہ جذبات سے بھرپور حجاج کاریلا نظم کی رسیوں کو اس طرح توڑتا ہوا آگے بڑھتا ہے کہ منتظمین کو اپنی جان بچانی مشکل ہوتی ہے۔

اس طرح کی صورت حال پر کنٹرول توسیع وقت سے ممکن نہیں بلکہ حجاج کرام کو صبر وتحمل اور نظم ونسق کا پابند بنانے سے ہی ممکن ہے، اور اس کے لیے ہر ملک کے علماء اور دینی قائدین کو اپنے اپنے مقام پر محنت کرنی ہوگی۔

بہرحال اس مختصری تمہید کے بعد سوالات کے جوابات سپرد قلم کئے جارہے ہیں۔

رمی جمار کے اوقات کی توسیع میں گنجائش سے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اس پر غور کرلینا ضروری ہے کہ ازدحام مطلقاً عذر ہے یا کسی مخصوص طبقہ کے لیے عذر ہے، تو اس سلسلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

۱۔ ازدحام صرف عورتوں کے لیے عذر ہے۔

۲۔ بعض فقہاء نے اس کو عام رکھتے ہوئے فرمایا کہ ازدحام عورت اور مرد دونوں کے لیے عذر ہے۔

۳۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بیمار، مریض، کمزور اور ناتواں لوگوں کے لیے ازدحام عذر ہے۔

ان تینوں آراء کی وضاحت شامی کی اس عبارت سے ہوتی ہے جہاں انھوں نے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے کوچ کرنے کے بارے میں تقدیم وتاخیر، وقوف اور عدم وقوف پر بحث کی ہے، اور جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ازدحام حضرات فقہاء کے یہاں عذر ہے (شامی ۲/۱۷۸)۔

(الف) رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوکر اگلی صبح صادق تک ختم ہوتا ہے، البتہ زوال سے غروب شمس تک وقت مباح اور مسنون ہے اور غروب سے اگلی صبح صادق تک وقت مکروہ ہے (شامی ۲/۱۸۱، مطلب فی رمی جمرۃ العقبہ)۔

۲۔ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوکر ۱۳ر کی صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ وقت مسنون زوال شمس سے غروب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح تک وقت مکروہ ہے (شامی ۲/۱۸۵، مطلب فی رمی جمرات الثلاث)۔

[1] بانی ومہتمم دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے ''کما فی الشامی: وقت جوازہ أداء من الفجر'' (۱۸۱/۲)۔
صاحب فتاوٰی تاتارخانیہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور فقہاء نے تمام احادیث پر عمل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ طلوع فجر کے بعد رمی کرنا جائز ہے (۴۶۰/۲)۔

۲۔ ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

''کما روی في الروایة المشهورة عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ رمى الجمرة یوم النحر ضحى ورمى في بقیة الأیام بعد الزوال'' (الحدیث)۔

اسی حدیث کو مستدل بنا کر صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے کہ ان دونوں دنوں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔

''وأما وقت الرمي من الیوم الأول والثاني من أیام التشریق وهو الیوم الثاني والثالث من ایام الرمی فبعد الزوال حتی لا یجوز الرمی فیهما قبل الزوال في الروایة المشهورة عن أبي حنیفة'' (بدائع ۲،۱۳۷ کراچی)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ ازدحام کو عذر بنا کر دخول وقت سے قبل رمی کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ خود اس کے وقت کے اندر اخیر رات تک کی گنجائش ہے، اگر عذر (ازدحام) کی وجہ سے وقت مسنون میں رمی نہ کرسکتا ہو تو رات میں رمی کرلے۔

علامہ شامی نے بھی زوال سے پہلے رمی کو ناجائز لکھا ہے۔

''قال فی اللباب وقت رمی الجمار الثلاث فی الیوم الثانی والثالث من أیام النحر بعد الزوال فلا یجوز قبله فی المشهور'' (شامی ۲،۱۸۵)۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔

''کما فی البدائع فإن امر الرمی فیهما الی اللیل فرمی قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ علیه لان اللیل وقت الرمی فی ایام الرمی'' (بدائع ۲،۱۳۷)۔

البتہ علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ جائز ہے لیکن ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے (شامی ۱۸۵/۲)، لیکن بغیۃ المناسک اور معلم الحجاج میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ازدحام عذر ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے اوقات مکروہ میں رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں (بغیۃ المناسک/ ص ۱۰۰)۔

معلم الحجاج میں یہ لکھا ہے کہ اگر عورت دسویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں اور بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے تو مکروہ نہیں ہے اسی طرح ضعیف اور کمزور کا حکم ہے، ان کے علاوہ کے لیے مکروہ ہے (ص/ ۱۸۶۔۱۸۷)۔

۴۔ اگر ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی بشرطیکہ ۱۳ ذی الحجہ کو فجر سے پہلے وہاں چلا جائے، اور اگر ۱۳ کی طلوع فجر تک ٹھہرا رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے تو پھر ۱۳ کی رمی لازم ہوجائے گی (نور الایضاح/ ۱۷۸)۔

صاحب ہدایہ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ چوتھے دن یعنی ۱۳ کی فجر سے پہلے حاجی منیٰ سے چلا جائے، اگر طلوع فجر تک نہیں گیا تو پھر بغیر رمی کئے ہوئے جانے کی اجازت نہیں کیونکہ اب ۱۳ کی رمی کا وقت داخل ہوچکا ہے (ہدایہ اول/ ۲۵۲)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کے لیے ۱۰ ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا وقت شارع نے جو بتلایا ہے وہ صبح صادق کے بعد کا ہے۔

صاحب بدائع الصنائع نے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے ضعیفوں کو مزدلفہ کی شب میں ہی منیٰ کے لیے روانہ کردیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم لوگ پہلے جا تو رہے ہو لیکن جمرۃ العقبہ کی رمی صبح ہونے سے پہلے مت کرنا (بدائع ۱۳۷/۲)۔

صاحب ہدایہ نے بھی نہی کی علت اس حدیث کو قرار دیا ہے، نیز چونکہ ۱۰ ذی الحجہ کی شب وقوف مزدلفہ کی رات ہے رمی کی رات نہیں، وقوف کا وقت ختم

ہونے کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ رمی رات میں نہ ہو بلکہ صبح صادق سے ہو (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ایام حج میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے اور ایسا صرف اس لیے ہے کہ جمعیت قلب کے ساتھ رمی کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو سکے، بصورت بُعد مکانی آمد ورفت کی وجہ سے قلبی انتشار ہوگا جس کی وجہ سے جمعیت قلب مفقود ہو جائے گی۔

شامی میں ہے: ''ثم الى منى فيبيت بها للرمي. أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (شامی ۲/ ۱۸۴، کراچی)۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، حج ہو جائے گا۔

صاحب فتاویٰ عالمگیری نے مختلف کتابوں کی عبارت نقل کی ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ جان بوجھ کر بھی قیام کرلے تب بھی حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ مطلوب منیٰ میں قیام ہے، لیکن اگر عذر ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں (فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۳۲)۔

۳۔ حاجی حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ شہر ہو یا مضافات، البتہ وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ نہ چھوڑے، اور ان کے وقوف میں جن جگہوں کے استثناء کے ساتھ منع کیا گیا ہے اس سے بچے اور منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔ منیٰ میں قیام کرنے کو اس لیے کہا گیا ہے تاکہ رمی جمار میں سہولت ہو، منیٰ میں قیام صرف سنت ہے، ازدحام کے پیش نظر منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں خیمے لگا کر قیام کیا جاسکتا ہے (دیکھئے: ہدایہ اول ر ۲۵۳)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ رمی کے اوقات جو ذکر کئے گئے ہیں انہی اوقات میں رمی کی اجازت ہوگی، ازدحام کو عذر بنا کر وقت شروع ہونے سے پہلے رمی کرنا درست نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد وقت مکروہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ اس میں تمام حجاج بسہولت رمی سے فارغ ہو سکتے ہیں، البتہ جو لوگ مسنون اوقات میں رمی پر قادر ہوں ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ سنت کو ترک نہ کریں اور بلا وجہ ازدحام کو اپنے لیے عذر بنا کر اوقات مکروہہ میں رمی کرنے سے گریز کریں۔ اسی طرح وہ حضرات جو ان مذکورہ جگہوں کے وقوف میں ازدحام کے باوجود مسنون طریقہ پر وقوف اور مبیت کر سکتے ہوں تو وہ ان مسنون جگہوں میں وقوف کو چھوڑ کر دیگر جگہوں پر قیام کرنے سے گریز کریں۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی [1]

۱۔ حنفیہ اس پر متفق ہیں کہ یوم النحر کو صبح صادق سے پہلے رمی کرلی تو بالاتفاق صحیح نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اول وقت کی ابتدا یوم النحر کے طلوع فجر سے ہے اور اس کی انتہاء دوسرے دن کی طلوع فجر تک ہے، اگر رمی کو مؤخر کردیا یہاں تک کہ دوسرے دن کی فجر طلوع ہوگئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم لازم ہوگا برخلاف صاحبین کے، اور اگر یوم النحر کے طلوع فجر سے پہلے رمی کرلی تو بالاتفاق صحیح نہ ہوگی (البحر الرائق ۲ / ۶۰۴)۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ یوم النحر کی رمی کا اول وقت یوم النحر کی فجر ثانی کے طلوع سے شروع ہے تو اس کے طلوع سے پہلے جائز نہیں، اور اس کا اول مستحب وقت طلوع شمس کے بعد سے زوال سے پہلے تک ہے، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے کہا: نحر کی رات جب آدھی ہوجائے تو رمی جمار کا وقت داخل ہوجائے گا، اور ہمارا قول صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات اپنے اہل خاندان کے کمزوروں کو پہلے روانہ فرمادیا اور حکم فرمایا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا یہاں تک کہ صبح ہوجائے، صبح ہونے سے پہلے رمی کرنے سے منع فرمادیا (بدائع الصنائع ۲ / ۱۳۷)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے: ''ووقته أي وقت جوازه أداءً من الفجر أي فجر النحر إلى فجر اليوم الثاني'' (اس کا وقت جواز یوم النحر کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک ہے) (شامی ۲ / ۱۸۱)۔

معارف السنن شرح ترمذی میں ہے: ''ولا يجوز للضعفة قبل طلوع الفجر عند أبي حنيفة ويجوز عند بعض الأئمة مطلقاً'' (کمزوروں کے لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے رمی جائز نہیں، اور بعض ائمہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے (معارف السنن ۶ / ۲۳۴)۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

۲۔ اوجز میں ہے: کہا گیا کہ ان دونوں دنوں میں زوال سے پہلے رمی جائز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ افضل یہ ہے کہ ان دونوں دنوں میں زوال کے بعد رمی کرے، اگر اس سے پہلے رمی کرلی تو جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رمی کرنے کی روایت کو اختیار افضل پر محمول کیا ہے جیسا کہ صاحب منتقی اور صاحب بدائع وغیرہما نے ذکر کیا ہے (أوجز المسالک ۳ / ۶۶۲)۔

اور علامہ کاسانی نے لکھا ہے: ''روى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبله جاز. ووجه هذه الرواية أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر'' (بدائع الصنائع ۲،۱۳۷)۔

(امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ دوسرے تیسرے دن زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، اگر اس سے پہلے رمی کرلی تب بھی جائز ہے، اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ زوال سے پہلے یوم النحر میں بھی رمی کا وقت ہے لہٰذا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے پہلے کرنے کی گنجائش ہے) (بدائع الصنائع ۲ / ۱۳۷)۔

۳۔ علامہ سرخسی نے فرمایا: ''إلا إنه إذا رمى بالليل لم يغرم شيئاً لأن رسول الله ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً ولأن اليوم لما كان وقتاً للرمي فالليل يتبعه في ذلك''۔

(مگر یہ کہ جب رات میں رمی کرلی تو تاوان نہیں لگایا جائے گا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے، اور

[1] ناظم جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بھوپال۔

اس وجہ سے کہ جب دن رمی کا وقت ہے تو رات بھی اس کے تابع ہے) (المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۴)۔

ہدایہ میں ہے: ''وإن أخر إلى الليل رماه ولاشئ عليه لحديث الرعاء'' (اگر رات تک رمی کو مؤخر کر دیا تو رمی کر لے، اس پر کچھ تاوان نہیں چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دینے والی حدیث کی وجہ سے) (ہدایہ ۲/ ۲۵۳)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ رات میں رمی کرنا جائز ہے۔

۴۔ ''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى رمى في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء'' (اگر منیٰ سے روانہ نہیں ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس کے لیے اب روانہ ہونا مکروہ ہے یہاں تک کہ چوتھے دن رمی کر لے، اور اگر چوتھے دن کی فجر سے پہلے روانہ ہو گیا تو اس پر کچھ نہیں البتہ برا کیا) (شامی ۲/ ۱۸۵)۔

زبدۃ المناسک میں ہے: بارہویں کا آفتاب غروب ہونے کے بعد تیرہویں کی فجر ہونے کے پہلے منیٰ سے مکہ کو چلا جائے تو بکراہت جائز ہے، اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوئی مگر جو تیرہویں کی فجر منیٰ میں ہو گئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہو گئی (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۲۱۳)۔

۵۔ صاحب درمختار نے لکھا ہے: ''لو تركه بعذر كزحمة لاشئ عليه'' (اگر بھیڑ جیسے عذر کی بنا پر وقوف مزدلفہ کو چھوڑ دے تو اس پر کچھ نہیں)۔ اس کے ذیل میں علامہ شامی نے لکھا ہے: ''وقد يجاب بأن الزحام لنحو عجز ومرض إنما جعلوه عذرا هنا لحديث أنه ﷺ قدم ضعفة أهله بليل ولم يجعل عذراً في عرفات لما فيه من اظهار مخالفة المشركين فإنهم كانوا يدفعون قبل الغروب'' (عاجزی اور بیماری جیسی چیزوں کی وجہ سے بھیڑ کے خوف کو وقوف مزدلفہ چھوڑنے کا عذر مان لیا گیا حدیث کی بنا پر کہ حضور ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو رات میں مزدلفہ سے روانہ فرما دیا، اور عرفات سے جلدی روانہ ہونے کے لیے اس کو عذر نہیں مانا گیا کیونکہ کفار عرفات سے غروب سے پہلے روانہ ہو جاتے تھے، تو وہاں کافروں کی مخالفت کا اظہار مقصود ہے (شامی ۲/ ۱۷۹)۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ حضور ﷺ سے اجازت لے کر مزدلفہ سے رات میں روانہ ہو گئیں، ''فأذن لها فخرجت قبل دفعه'' (صحیح مسلم ۱.۴۱۷)، حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہم مزدلفہ سے رات میں ہی روانہ ہو جاتے تھے۔ ''عن أم حبيبة قالت كنا نفعله على عهد النبي ﷺ نغلس من مزدلفة'' (صحیح مسلم ۱.۴۱۸)۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھروں کے کمزوروں کے ساتھ آگے منیٰ بھیج دیا تھا، ''عن ابن عباس قال بعثني رسول الله ﷺ في الثقل أو قال في الضعفة من جمع بليل'' (صحیح مسلم ۱.۴۱۸)۔

قیام منیٰ:

۱۔ درمختار میں ہے: ''ثم أتى منى فيبيت بها للرمي قال الشامي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولايلزمه شئ'' (شامی ۲.۱۸۴)۔

(پھر منیٰ آئے اور اسی میں رات گذاری، شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، اگر اس کے علاوہ دوسری جگہ کسی نے رات گذاری تو مکروہ ہے اور کچھ لازم نہیں) (شامی ۲/ ۱۸۴)۔

۲۔ ''ولا يبيت بمكة ولا في الطريق هو السنة. لأن النبي ﷺ هكذا فعل ويكره أن يبيت في غير منى في أيام منى فإن فعل لاشئ عليه ويكون مسيئاً لأن البيتوتة بها ليست بواجبة بل هي السنة'' (بدائع الصنائع ۲.۱۵۹)۔

(مکہ میں رات گذارے اور راستہ میں بھی رات نہ گذارے، یہی سنت ہے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے، اور منیٰ کے دنوں میں منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ رات گذارنا مکروہ ہے، اگر ایسا کیا تو اس پر کچھ نہیں، بس برا کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے)۔

اسی طرح سرخسی فرماتے ہیں:

اگر کوئی حاجی منیٰ کے دنوں میں حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے آ کر رمی جمار کرے تو اس نے برا کیا اور اس پر کچھ نہیں، کیونکہ اس نے صرف سنت کو ہی چھوڑا ہے، اور وہ رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا ہے، اور ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے سقایہ کی وجہ سے مکہ میں مقیم رہنے کی اجازت لی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں (مبسوط ۴/۶۷-۶۸)۔

۳- چرواہوں کے علاوہ عذر والوں جیسے بیمار اور جس کو اپنے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور ان جیسے دوسروں پر تنبیہ کرنے کے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخصت دی ہے، یا ہم کہیں گے کہ ایسے معنی کی وجہ سے ان پر نص فرمائی ہے جو دوسروں میں بھی پائے جارہے ہیں تو اس حکم کو ان کے ساتھ ملانا واجب ہے (اوجز المسالک ۳/ ۶۶۴)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے:

''قد عرفت فيما سبق أن المبيت بمنىٰ سنة عندنا و لو بات أكثر ليلها في غير منىٰ كره تنزيهاً فضلاً للعذر''۔

(منیٰ میں رات گذارنا ہمارے نزدیک سنت ہے، اگر اکثر راتیں منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ گذاریں تو مکروہ تنزیہی ہے، چہ جائیکہ عذر کی وجہ سے ہو یعنی عذر کی وجہ سے کراہت بھی نہیں ہوگی) (اوجز المسالک ۳/ ۶۶۴)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا نعیم اختر قاسمی [1]

رمی جمار کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۰ رذی الحجہ: طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب کے بعد پوری رات تک۔

اس پورے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ مسنون و مستحب طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک۔

۲۔ مباح زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک۔

۳۔ مکروہ (الف) طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک۔

(ب) غروب آفتاب سے طلوع فجر تک پوری رات۔

''ووقته من الفجر إلى الفجر وليس من طلوع ذكاء لزوالها ويباح لغروبها ويكره للفجر، أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس'' (درمختار مع رد المحتار ۲،۱۹۶)۔

(رمی کا وقت ۱۰ رذی الحجہ کی فجر سے اگلی فجر تک ہے۔ البتہ طلوع آفتاب سے زوال تک مسنون، غروب تک مباح، اور فجر تک مکروہ ہے۔ نیز طلوع آفتاب سے قبل بھی مکروہ ہے)۔

۱۱ / ۱۲ رذی الحجہ زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک مسنون، اور غروب سے پوری رات تک مکروہ ہے۔

''والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (درمختار مع رد المحتار ۲،۲۰۱)۔

(ان دونوں دنوں میں وقت مسنون زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے اور غروب آفتاب سے طلوع فجر تک مکروہ وقت ہے)۔

کسی عذر کی بنا پر مکروہ اوقات کی کراہت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

''ولو لم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة أي الآتية لكل يوم من الأيام الماضية ولا شئ عليه سوى الإساءة ما لم يكن بعذر'' (حوالہ سابق)۔

(اگر کسی روز دن کے وقت میں رمی نہ کرسکے تو آنے والی رات میں رمی کرلے، مگر بلا عذر ایسا کرنا برا ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کی ایک غیر مشہور روایت کے مطابق زوال سے پہلے بھی رمی کی جاسکتی ہے۔

''وفي رواية غير مشهورة عن أبي حنيفة قال: أحب إلي أن لا يرمي في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزأه'' (مرقاة المفاتيح ۵،۵۱۳)۔ (ایک غیر مشہور روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ گیارہ اور بارہ کی رمی زوال کے بعد ہی کی جائے لیکن اگر اس سے پہلے کرلیا تو بھی کافی ہے)۔

[1] مدرسہ عربیہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو۔

شافعیہ:

۱۰ ذی الحجہ کو رمی کا (الف) وقت مسنون طلوع شمس سے زوال تک ہے۔

(ب) وقت جواز نصف لیل سے پورے دن اور پھر پوری رات تک ہے۔

''قال الشافعي أحب أن لایرمی أحد حتی تطلع الشمس ولابأس علیه أن یرمی قبل طلوع الشمس وقبل الفجر إذا رمی بعد نصف اللیل'' (کتاب الام ۲/۱۸۰)۔ (امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے کوئی رمی نہ کرے لیکن اگر آفتاب طلوع ہونے سے پہلے بلکہ طلوع فجر سے پہلے بھی رمی کر لی تو حرج نہیں بشرطیکہ نصف لیل گزر چکی ہو)۔

۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو رمی کا (الف) وقت مسنون زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے۔

(ب) وقت جواز پوری رات تک ہے۔

''ولایرمی الجمار في شئ من أیام منی غیر یوم النحر إلا بعد الزوال ومن رماها قبل الزوال أعاد'' (حوالہ سابق)۔

(۱۰ ذی الحجہ کو چھوڑ کر بقیہ دنوں میں رمی زوال کے بعد ہی کرے گا۔ زوال سے پہلے کسی نے رمی کی تو اس کا اعادہ کرے گا)۔

''واختلفوا فیمن لم یرمها حتی غابت الشمس فرماها من اللیل أو من الغد... قال أبو یوسف ومحمد والشافعي لاشئ علیه إن أخرها إلی اللیل أو إلی الغد'' (بدایة المجتهد ۱/۳۶۵)۔ (آفتاب غروب ہونے کے بعد رات میں یا دوسرے دن کسی نے رمی کی تو اس میں اختلاف ہے...... امام ابو یوسف، محمد اور شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے)۔

حنابلہ:

ان کا مسلک بھی مثل شوافع کے ہے۔ علامہ جزیریؒ نے ان کا مسلک بیان کیا ہے:

''ووقته من نصف لیلة النحر لمن وقف قبله بعرفة ولا یصح الرمي في أیام التشریق إلا بعد الزوال'' (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ۱/۶۶۷)۔ (رمی کا وقت دسویں کی نصف شب کے بعد سے شروع ہوجاتا ہے اس کے لیے جس نے وقوف عرفہ کر لیا ہو۔ بقیہ دنوں کی رمی زوال کے بعد ہی جائز ہے)۔

۱۰ ذی الحجہ کو نصف لیل سے رمی کا وقت شروع ہوجانے سے متعلق بعض احادیث بھی ملتی ہیں، ابوداؤد میں ہے:

''عن عائشة قالت: أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة یوم النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ومضت فأفاضت'' (ابوداؤد ۱/۱۶۸)۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو دس ذی الحجہ کے دن بھیجا تو انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی پھر طواف زیارت کیا)۔

حضرت اسماءؓ سے متعلق حدیث میں ہے: ''أنها رمت الجمرة بلیل وقالت: إنا کنا نصنعه علی عهد رسول الله ﷺ'' (حوالہ سابق)۔ (انہوں نے رات ہی میں رمی جمرہ کیا اور فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے)۔

مالکیہ:

۱۰ ذی الحجہ: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک۔

۱۱/۱۲ ذی الحجہ: زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۶۶۸، بدایۃ المجتہد ۱/۳۶۵)۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوالنامہ کے جواب کی شکل یوں بنے گی۔

۱، ۵۔ دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک یہ وقت مکروہ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں ایسا

زبردست ازدحام جس میں خطیر رقم پر مشتمل سارے انتظامات کے باوجود ہر سال حجاج کرام کی ایک بڑی تعداد کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، یہ خود بڑا عذر ہے لہٰذا کسی قسم کی کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ چونکہ احناف کے نزدیک صبح صادق سے پہلے رمی کا وقت شروع نہیں ہوتا اس لئے بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لئے دسویں کی نصف شب کے بعد رمی درست نہ ہوگی، ایسے لوگوں کا انتظام دس ذی الحجہ کا دن گزار کر آنے والی رات کے کسی حصہ میں کرایا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہ ہوگی کیونکہ عذر موجود ہے۔

البتہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک چونکہ یہ جائز ہے اس لئے انتظام میں سہولت کے پیش نظر مذکورہ مسالک کے حجاج کرام میں معذور وغیرہ لوگوں کے واسطہ اور بوقت ضرورت غیر معذورین حجاج کے لئے بھی اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی پوری گنجائش موجود ہے۔

۲، ۳۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی جمہور علماء کے قول کے مطابق زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں زوال کے بعد سے پوری رات تک اس کا وقت مباح ہوگا، رمی کسی بھی حصہ میں کی جائے کوئی کراہت نہ ہوگی۔

۴۔ عام حالات میں اگر کوئی شخص ۱۲؍تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو پھر ۱۳؍تاریخ کی رمی کے بغیر اس کی روانگی کراہت سے خالی نہیں (رد المحتار ۲/ ۲۰۱)، لیکن اگر انتظامی مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر منیٰ میں قیام فرمایا تھا شاید اس وجہ سے تاکہ رمی جمار میں سہولت رہے، ہدایہ میں ہے:

''لأنه وجب (أي ثبت) ليسهل عليه الرمي في أيامه فلم يكن من أفعال الحج'' (هدايه ۱٫۲۵۳)۔

(منیٰ میں قیام کی وجہ یہ ہے تاکہ رمی میں سہولت رہے لہٰذا اس کا افعال حج سے تعلق نہیں)۔

اسی لئے حنفیہ کے نزدیک منیٰ میں قیام مسنون ہے واجب نہیں۔

''فيبيت بها للرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (درمختار مع الرد ۲٫۲۰۰)۔

(منیٰ میں رات کو قیام کرے گا تاکہ رمی کرے، یہ سنت ہے۔ اگر کسی دوسری جگہ قیام کیا تو مکروہ ہے مگر کچھ لازم نہ ہوگا)، لہٰذا اگر دوسری سہولت اور انتظامی مصلحت کے پیش نظر ہو تو حدود حرم میں کہیں بھی قیام کی گنجائش ہونی چاہئے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک منیٰ میں قیام واجب ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۱/ ۶۶۷)۔

اس لئے ان کے اہل مسلک کی بھی رعایت ہونی چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور ان سے متعلق مسائل

مفتی شاہد علی قاسمی [1]

حج کے واجبات میں سے ایک رمی جمار ہے، جس کا وقت مقرر ہے، ان اوقات میں بعض مستحب وقت ہے، بعض مباح اور بعض مکروہ۔

موجودہ حالات متقاضی ہیں کہ رمی جمار کے اوقات میں جہاں تک وسعت ہوسکے اسے اختیار کیا جائے، تاکہ بے پناہ ازدحام کی وجہ سے جو حادثات ہورہے ہیں ان میں کمی ہوسکے اور انسانی جان کی حفاظت ہوسکے۔

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی کا مستحب وقت طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس سے پہلے تک ہے (بدائع ۲ر ۲۳۲ - ۲۳۳)۔

تاہم طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان اوقات میں رمی کی گنجائش ہے گوکہ فقہاء نے اس وقت رمی کو "إساءة" سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں:

"حاصله أن مابعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى طلوع الشمس وقت الجواز مع الإساءة" (عناية على هامش الهداية مع الفتح ٢.٣٩٣)۔

بے پناہ ازدحام کی وجہ سے وقت اساءت کو اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ موجودہ ازدحام بجائے خود ایک عذر ہے، اور عذر کی حالت میں اس طرح کی گنجائش نکالنے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ اعمال حج کی ادائیگی میں عذر کی بنیاد پر جا بجا شریعت نے سہولت دی ہے، لہٰذا پہلے دن طلوع فجر سے رمی کرنے کی اجازت ہوگی۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی جمہور فقہاء کے نزدیک زوال شمس کے بعد ہی کی جاسکتی ہے، اس سے پہلے نہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ زوال شمس سے پہلے رمی کرلی جائے تو درست ہوجائے گی، چنانچہ علامہ کاسانی نقل فرماتے ہیں:

"وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبله جاز" (بدائع ٢.٢٢٤)۔

جمہور فقہاء کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں دن زوال کے بعد ہی رمی فرمائی، اور چونکہ اس طرح کے امور غیر قیاسی ہوتے ہیں، اس لیے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا ہے، تاہم بعض فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل سنت پر محمول ہے، کیونکہ رمی کے اوقات ایام النحر ہیں، جب پہلے دن رمی طلوع فجر سے کی جاسکتی ہے تو باقی ایام میں بھی طلوع فجر سے رمی کی جاسکتی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وجه هذه الرواية إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث. لأن الكل أيام النحر" (بدائع الصنائع ٢.٢٢٤)۔

نیز بعض ایسی بھی صراحتیں ہیں کہ بعض اعذار کی بنا پر رمی میں تقدیم و تاخیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ حسن بن زیاد امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ۱۲/ تاریخ کو رمی کرکے مکہ کوچ کر جانا چاہتا ہو (جسے نفر اول کہتے ہیں) تو اس کے لیے زوال سے پہلے بھی رمی کر لینے کی گنجائش ہے تاکہ جلد مکہ روانہ ہوسکے اور رات ہونے سے پہلے وہاں پہنچ سکے تاکہ ٹھہرنے کی جگہ مہیا کرنے میں آسانی ہو (عنایہ علی ہامش الہدایہ ۲ر ۳۹۳)۔

غور کیا جائے کہ اس روایت میں محض اس بنیاد پر زوال سے پہلے رمی کی اجازت ہے تاکہ مکۃ المکرمہ کی طرف جلد کوچ کرسکے اور وہاں رات ہونے سے

[1] استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

پہلے پہنچ سکے اور قیام گاہ تلاش کر سکے۔ موجودہ حالات میں اس سے کہیں زیادہ مجبوری ہے کہ حادثات کی کثرت کو کم سے کم کرنے کے لیے زوال سے پہلے بھی رمی کی اجازت دے دی جائے، اس لیے راقم الحروف کی رائے ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی طلوع صبح صادق سے رمی کی اجازت ہوگی، البتہ بہتر ہے کہ زوال کے بعد کیا جائے۔

۳۔ اصولی طور پر ۱۱/ ۱۲ رذی الحجہ کی رمی غروب شمس کے بعد کراہت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بغیر عذر کے غروب شمس کے بعد رمی کرنا ''إساءۃ'' سے خالی نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''والیلل وقت الجواز مع الإساءۃ'' (فتح القدیر ۲۰۲۹۴)۔

لیکن موجودہ حالات میں جب کہ بے پناہ ازدحام کی وجہ سے رمی جمار کرتے ہوئے زیادہ حادثات پیش آتے ہیں، اس لیے یہ بجائے خود عذر ہے، ان حالات میں راقم الحروف کی ناقص رائے ہے کہ اب غروب شمس کے بعد رمی کرنے میں کراہت نہیں ہوگی، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''أنه لاشئ فيه سوى ثبوت الاساءۃ إن لم یکن بعذر'' (فتح القدیر ۲۰۲۹۵)۔

۴۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ۱۲ رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد ٹھہرنے سے ۱۳ رذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی ہے جب تک کہ ۱۳ رذی الحجہ کی فجر طلوع نہ ہو جائے، اس لیے ۱۲ رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد ٹھہرنے سے ۱۲ رذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

''إنما یجوز له النفر في الیوم الثاني والثالث مالم یطلع الفجر من الیوم الثاني فإذا طلع الفجر لم یجز له النفر'' (بدائع ۲۰۲۲۵)۔

۵۔ عام طور سے فقہاء احناف نے طلوع فجر سے پہلے دس ذی الحجہ کی رمی کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور کہا ہے کہ رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''فأما یوم النحر فأول وقت الرمي فیه من وقت طلوع الفجر'' (ہدایہ مع الفتح ۲۰۲۹۴)۔

اس سلسلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو بھی وقوف عرفہ نصف رات سے پہلے کر کے فارغ ہو چکا ہے وہ یوم النحر کی نصف شب سے رمی کر سکتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵۶/۲۳)۔

اس سلسلہ میں ابوداؤد کی ایک حدیث ہے: ''أن النبي ﷺ أرسل بأم سلمة لیلة النحر فرمت قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (أبوداؤد، کتاب المناسك، باب التعجیل من جمع: ۲۶۸)۔

نیز ابن ہمامؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ سے ایک اور حدیث نقل کی ہے: ''أن النبي ﷺ رخص للرعاء أن یرموا لیلاً'' (مصنف ابن ابی شیبه، باب (۲۱۷) ۳۰۲۶۰، رقم الحدیث: ۱۴۱۰۹، فتح القدیر ۲۰۲۹۴)۔

حنفیہ نے اس طرح کی احادیث میں تاویل کی ہے، اور کہا ہے کہ اس میں لیلۃ النحر سے مراد ۱۰ رتاریخ گذر کر آنے والی رات ہے کیونکہ ان ایام میں تمام راتیں گذرے ہوئے دنوں کی تابع ہیں (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

لیکن شافعیہ وحنابلہ نے لیلۃ النحر سے ۹ رتاریخ کے بعد آنے والی رات مراد لیا ہے، اس لیے راقم الحروف کی رائے ہے کہ عام لوگوں کو تو اس وقت رمی کی کھلی اجازت نہ دی جائے، لیکن جو لوگ معذور ہیں، بوڑھے ہیں، مریض ہیں، یا خواتین ہیں، انہیں دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ لیلۃ النحر سے اسی شب کو مراد لینا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ۹ رذی الحجہ اور ۱۰/ ۱۱/ ۱۲ رذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا عام حالات میں مسنون ہے (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۲۹۷/۱)۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو بلا عذر ایسا کرنا ''اساءۃ'' سے خالی نہیں ہے یعنی اس میں کچھ کراہت

ضرور ہے، کیونکہ یہ سنت نبوی کے خلاف ہوگا، تاہم حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ قاضی خاں نے تحریر کیا کہ ان راتوں میں قیام میدان منیٰ میں کیا جائے، نہ کہ مکہ مکرمہ میں، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی ہو (فتاویٰ قاضی خاں ۱ / ۲۹۷)، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر کوئی منیٰ میں قیام نہ کرے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

اس وقت بے پناہ ازدحام کی وجہ سے حجاج کو جو مشکلات پیش آرہی ہیں، ان حالات میں منیٰ کے علاوہ دوسرے حدود مکہ میں قیام "اساءت" کا بھی باعث نہیں ہوگا کیونکہ عذر کی وجہ سے بعض واجب کا ترک بھی موجب دم نہیں ہوتا ہے۔ جیسے عذر کی وجہ سے طواف وداع کا چھوٹنا یا مزدلفہ میں وقوف نہ کر پانا وغیرہ۔

۳۔ عام حالات میں منیٰ میں قیام مسنون ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"أي ليالي أيام الرمي وهو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ" (ردالمحتار ۲، ۵۴۰)۔

لیکن اگر کسی وجہ سے منیٰ میں قیام نہیں کر پایا تو جو حکم مکہ میں قیام کا ہے وہی حکم مکہ کے علاوہ حدود حرم کی دوسری جگہوں کا ہوگا، خواہ وہ مضافات مکہ ہو یا مزدلفہ، یعنی عذر کی بنیاد پر حدود حرم میں کسی جگہ قیام موجب گناہ، یا موجب دم یا موجب "اساءت" نہیں ہوگا، اور بلا وجہ منیٰ میں قیام نہ کرنا موجب "اساءت" ہوگا، یعنی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کراہت کا باعث ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد اعظمی

۱، ۵۔ دسویں ذی الحجہ کی رمی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، چرواہوں، معذوروں اور اہل حاجات کے لیے نصف شب کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کرنا جائز ہے، اس کے جواز پر متعدد نصوص شرعیہ شاہد ہیں:

۱۔ ''عن عائشه قالت نزلنا بالمزدلفة فأستأذنت النبيﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس، وكانت امرأة بطيئة فأذن لها فدفعت قبل حطمة الناس'' (بخاری، الحج: ۱۶۸۱ مسلم، الحج ۱۲۹۰)۔

(حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ روانہ ہوجائیں، وہ سست رفتار عورت تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ چلی گئیں)۔

۲۔ ''عن ابن جريج أن ابن شوال أخبره أنه دخل على أم حبيبة فأخبرته أن النبي ﷺ بعث بها من جمع بليل'' (مسلم، الحج ۱۲۹۲)۔ (ابن جریج سے روایت ہے کہ ابن شوال نے ان سے بیان کیا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو بتایا کہ نبی ﷺ نے ان کو رات میں مزدلفہ سے منیٰ بھیجا)۔

۳۔ ''قال سالم وكان عبدالله بن عمر يقدم ضعفة أهله ... فمنهم من يقدم منى لصلاة الفجر. ومنهم من يقدم بعد ذلك، فإذا قدموا رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول أرخص في أولئك رسول الله ﷺ (بخاری: الحج ۱۶۷۶، مسلم: الحج ۱۲۹۵)۔ (عبداللہ بن عمر اپنے اہل خانہ کے ضعیفوں کو منیٰ پہلے بھیج دیا کرتے تھے ۔۔۔۔ ان میں بعض لوگ نماز فجر کے وقت منیٰ میں پہنچ جاتے، اور بعض اس کے بعد پہنچتے، یہ سب لوگ جب منیٰ پہنچ جاتے تو جمرہ کو کنکریاں مارتے، اور حضرت ابن عمر فرماتے: رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں اجازت دی ہے)۔

۴۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بارے میں روایت ہے کہ وہ دسویں ذی الحجہ کی نصف شب کے بعد مزدلفہ سے منیٰ میں پہنچیں ''حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها... قالت: يا بنى إن رسول الله ﷺ أذن للظعن'' (بخاری، الحج ۱۶۷۹، مسلم، الحج ۱۲۹۱)۔

یعنی منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ کو کنکری ماری، پھر واپس ہوکر اپنی قیام گاہ میں نماز فجر پڑھی ...... اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

۵۔ ''عن عائشه قالت وددت أني استأذنت رسول اللهﷺ كما استأذنت سودة. فأصلى الصبح بمنى فأرمى الجمرة قبل أن يأتي الناس'' (مسلم: الحج ۱۲۹۰)۔ (حضرت عائشہ کہتی ہیں کاش سودہ کی طرح میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے ہوتی تو میں منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے جمرہ کی رمی کرتی)۔

اس معنی کی اور بھی احادیث ہیں جو اصحاب اعذار وحاجات کے لیے نصف شب کے بعد قبل طلوع شمس جمرہ کی رمی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں،

اس میں صبح صادق کی رمی بھی شامل ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر کی روایتوں میں اس کی صراحت ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ صبح صادق میں پہلے نماز پڑھی جائے اس کے بعد رمی کی جائے، احادیث وآثار کے علاوہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے بھی مذکورہ رخصت کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ معذوروں اور مجبوروں میں وہ لوگ بھی شامل کئے جاسکتے ہیں جو لوگوں کے شدید ازدحام اور بے پناہ ہجوم میں رمی کے دوران اپنے کو سنبھال نہ سکیں، اور جانی نقصان سے دو چار ہونے کا خطرہ غالب ہو، جیسا کہ موجودہ دور میں ہر سال اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، تو ایسی صورت حال میں رمی جمرہ یا جمار کی تقدیم یا تاخیر جائز ہوگی، حضرت عائشہ کی مذکورہ بالا روایت میں "قبل حطمة الناس" کا لفظ اس کے جواز پر اشارۃً دلالت کرتا ہے، علاوہ ازیں مذکورہ رخصت واجازت کا اثبات قاعدہ فقہیہ "الضرورات تبیح المحذورات" یا "عمل بأهون البلیتین" سے بھی ہوتا ہے۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کے بارے میں اتنی گنجائش ہے کہ صرف دوسرے دن کی صبح طلوع آفتاب تک رمی کی جاسکتی ہے، کیونکہ ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے دوسرے دن کی صبح طلوع آفتاب تک ممتد ہوتا ہے، میرے نزدیک یوم النحر کی رمی جمرہ میں معذورین کی رخصت کے حوالے سے ان دونوں دنوں میں بھی معذورین کے لئے زوال سے پہلے رمی جمار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن غیر معذوروں کے حق میں یہ رخصت محتاج دلیل ہے، میرے علم میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے، سوائے زمانہ حال کے ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان قاہرہ کے، ان کے نزدیک تمام اوقات برابر ہیں یعنی موجودہ زمانہ میں۔

۳۔ ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی رمی جمار کا مشروع وقت زوال آفتاب سے غروب تک ہے، ان دونوں دنوں میں بلا عذر رات تک رمی کو مؤخر کرنا مکروہ ہے بصورت تاخیر رات میں صبح طلوع تک رمی کرنی درست ہے، ائمہ مذاہب کے درمیان یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف تیسرے روز (۱۳ / ذوالحجہ کو) طلوع آفتاب کے بعد قبل زوال رمی جائز ہے، چنانچہ سید سابق لکھتے ہیں:

"فإن أخر الرمي إلى الليل كره له ذلك، ورمى في الليل إلى طلوع شمس الغد. وهذا متفق عليه بين أئمة المذاهب، سوى أبي حنيفة، فإنه أجاز الرمي في اليوم الثالث قبل الزوال" (فقه السنة ۱۰۶۶۳)۔

۴۔ ۱۲ / ذی الحجہ کو منیٰ میں مغرب بعد تک قیام کی صورت میں عام علماء وفقہاء کے نزدیک ۱۳ / ذی الحجہ کی رمی لازم یا واجب ہے، اس پر عبداللہ بن عمرؓ کے حسب ذیل قول سے استدلال کیا جاتا ہے:

"لاینفرن حتی یرمی الجمار من الغد" (موطأ)۔

ہمارے نزدیک اصولی اعتبار سے اثر مذکور رمی مسؤل عنہ کے لزوم یا وجوب کے لیے ناکافی ہے، غالباً اسی لیے علماء وفقہاء کے نزدیک اس کے ترک پر نہ قضا ہے اور نہ کوئی اور شئ، جب کہ ماقبل ایام کی رمی ترک ہونے پر اکثر اہل علم وفقہ قضا کے قائل ہیں۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ۱۱ / ۱۲ / ۱۳ / یا ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کی راتیں حجاج کو منیٰ میں گذارنا واجب ہے، ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، احناف کے نزدیک مبیت منی سنت ہے، البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ معذوروں، ضعیفوں اور ضرورت مندوں سے اس کا وجوب یا سنیت ساقط ہے، اس سقوط اور رخصت کی بنیاد منصوص شرعیہ پر ہے، ان میں سے بعض کا ذکر رمی جمار کے اوقات کے بیان میں ہو چکا ہے۔

۲۔ منیٰ سے باہر حدود مکہ وغیرہ میں مقیم رہنے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جانے کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ قیام منیٰ ایک مستقل منسک حج ہے، اور رمی، قربانی اور حلق وغیرہ دوسرے جداگانہ مناسک ہیں، اگر کوئی حاجی کسی عذر کے سبب منیٰ سے باہر مقیم ہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بلا عذر ایسا کرتا ہے تو وہ ایک منسک (منیٰ میں قیام) کا تارک ہوگا، جو اس کے حج میں نقص کا باعث ہے۔

۳۔ پہلے دونوں سوالوں کے مذکورہ بالا جواب سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حاجی کو منیٰ سے باہر قیام کی شرعی اجازت اس صورت میں ہے جب کوئی عذر یا سبب پایا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

''أستأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقاية فأذن له'' (بخاری. الحج ۱۶۳۴. مسلم. الحج ۱۳۱۵) (حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایام منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارنے کی اجازت طلب کی، کیونکہ وہ حاجیوں کو پانی پلانے کے مہتمم تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی)۔

عاصم بن عدوی سے روایت ہے: ''أن رسول الله ﷺ رخص للرعاء أن يتركوا المبيت بمنى'' (احمد ۵،۴۵۰، ابوداؤد ۱۹۷۵، ترمذی، الحج ۹۵۵)۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ بکریاں چرانے والوں کو منیٰ سے باہر رات گذارنے کی اجازت دی ہے)۔

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عذر اور ضرورت کے تحت منیٰ کے باہر قیام کرنا جائز ہے، پس حجاج کی کثرت کی وجہ سے اگر منیٰ میں کوشش کے باوجود قیام کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی منیٰ سے باہر قیام کرنے کا سبب اور ضرورت ہے، اس کی وجہ سے منیٰ کے باہر حدود حرم یا حدود مکہ میں کہیں بھی رات گذارنا جائز ہوگا، لیکن محض سہولت پسندی کی وجہ سے حدود منیٰ سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے، واللہ اعلم۔

☆☆☆

رمی جمرات کے اوقات

مفتی نعمت اللہ قاسمی [1]

جمرۂ عقبیٰ کی رمی کا وقت ادا:

اس رمی کا وقت ۱۰ر ذی الحجہ طلوع صبح صادق سے ۱۱ر ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک ہے، لیکن وقت مسنون طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے، جبکہ زوال شمس سے غروب شمس تک وقت مباح ہے، اور غروب شمس کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے وقت مکروہ ہے۔

جمرۂ عقبیٰ کی رمی کا وقت قضا:

واضح رہے کہ ۱۰ر ذی الحجہ طلوع صبح صادق سے ۱۱ر ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک رمی کا یہ وقت وقت ادا ہے، اور ۱۳ر ذی الحجہ غروب شمس تک قضا کر لینے کا وقت ہے، لیکن قضا کے ساتھ دم بھی لازم ہوگا، ۱۳ر ذی الحجہ غروب شمس کے ساتھ ہی ادا و قضا دونوں کا وقت نکل گیا، اب سوائے دم، قضا کی بھی کوئی صورت نہیں ہے (دیکھئے: درمختار ۲/۵۴۲)۔

۱۰ر ذی الحجہ کو طواف زیارت کے بعد رمی کے لیے ۱۱ / ۱۲ر کو منیٰ میں مستقل قیام مسنون ہے واجب نہیں:

۱۰ر ذی الحجہ کو طواف زیارت کے بعد مسنون تو یہی ہے کہ حجاج مکہ سے منیٰ آجائیں اور تمام جمرات کی رمی تک یہیں قیام کریں، لیکن اگر کسی حاجی نے ایسا نہیں کیا اور منیٰ میں قیام کے بجائے حدود حرم میں کہیں بھی قیام کر لیا اور وقت پر آکر تینوں جمرات کی رمی کی تو منیٰ میں ترک قیام کے سبب بھی کوئی دم لازم نہیں ہوگا (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳/۵۴۰)۔

۱۰ / ۱۱ر کی رمی واجب ہے لیکن ۱۳ر کی رمی کا وجوب مشروط ہے:

۱۰ / ۱۱ / ۱۲ر کی رمی تو بہر صورت واجب ہے لیکن ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی اس صورت میں واجب ہے جبکہ حاجی ۱۳ر ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک منیٰ میں ہو، اگر طلوع صبح صادق سے پہلے کوچ کر لیا تو رمی واجب نہیں ہے، لیکن ان تینوں دنوں کی رمی کے اوقات میں تھوڑا فرق ہے۔ ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے ۱۱ر کے طلوع صبح صادق تک ہے، جبکہ ۱۱ر کی رمی کا وقت زوال شمس سے ۱۲ر کے طلوع صبح صادق تک، اور ۱۲ر کی رمی کا وقت زوال شمس سے ۱۳ر کی صبح صادق تک ہے، اور ۱۳ر کی رمی کا وقت صبح صادق سے غروب شمس تک ہے، پھر ان میں وقت مسنون، وقت مباح اور مکروہ کی تفصیل ہے، اس طور پر کہ ۱۰ر کو طلوع شمس سے زوال شمس تک وقت مسنون ہے، اور غروب تک وقت مباح ہے۔ اور طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس کے بعد کا وقت وقت مکروہ ہے، جبکہ ۱۱ / ۱۲ر کو زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے اور غروب سے صبح صادق تک مکروہ ہے، اور ۱۳ر کو زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے، اور زوال سے پہلے وقت مکروہ ہے۔

افعال حج کے دوران حاجی حدود حرم میں کہیں بھی قیام کر سکتا ہے، خاص منیٰ یا مزدلفہ یا عرفات میں قیام فرض و واجب نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ اوقات معینہ میں ادا فرض و واجب کرتا چلا جائے۔ اس طرح منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں قیام کئے بغیر بھی حج اپنے فرائض و واجبات کے ساتھ ادا ہو جائے گا لیکن حج کے برکات جن کے حصول میں اداء سنن کو خاصا دخل ہے، ان سے محرومی ہوگی۔

[1] مہتمم دار العلوم مابیا، ضلع کھگڑیا، بہار۔

اب دوسرا مسئلہ ہے جمرۂ عقبہ کی رمی کا کہ ۱۰ رذی الحجہ صبح صادق سے قبل نصف شب سے ہی اس کی رمی ہو سکتی ہے یا نہیں، اور یہ کہ جمرات کی رمی کے تعلق سے اوقات مسنونہ، مکروہہ اور مباحہ کی تقسیم کا تعلق کن حالات سے ہے؟ تو اس سلسلہ میں اولاً یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جمرات کی رمی فرض نہیں واجب ہے، ثانیاً یہ کہ شریعت نے افعال حج کے علاوہ دوسرے اعمال میں بھی اوقات ادا و قضاء کی تحدید و تعیین کی ہے، اور یہ تحدید و تعیین منصوص ہے مستنبط اور قیاسی نہیں ہے۔

اوقات کی تحدید و تعیین کی شرعی حیثیت اور اعمال پر اس کے اثرات:

یہ تحدید و تعیین ایسی ہے کہ اس سے پیشتر ان اعمال کی ادائیگی معتبر نہیں، اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی معتبر نہیں، خود اسی مسئلہ حج میں آپ ﷺ نے اپنے ان افراد خاندان کو جو بھیڑ بھاڑ کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے تھے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ روانہ فرمادیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رمی صبح ہونے کے بعد ہی کیجئے گا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے اعمال کی ادائیگی معتبر نہیں، اور اگر وقت گذر جائے تو قضا بھی اوقات معینہ کے اندر ہی معتبر ہے اس کے بعد نہیں، اس کے بعد حسب مراتب مال سے تلافی کا حکم ہے۔

مسئلہ رمی جمار پر غور:

مسئلہ رمی جمار میں ظاہر ہے کہ بھیڑ بھاڑ کے سبب خطرات کی صورت پیدا ہوتی ہے وہ کسی انسانی تخویف وتہدید کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوتی ہے، اس لیے اس بھیڑ بھاڑ کے سبب پیدا شدہ خطرات کو بھی عذر سماوی اور عذر من جانب الخالق ہی کہا جائے گا اور ترک رمی جمار کے جواز کی صورت پیدا ہو جائے گی، اور ترک رمی جمار سے کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

اور علی سبیل التنزل بھیڑ بھاڑ کے اس عذر شرعی کے باوجود ترک رمی جمار کا جواز ثابت نہ ہو تو کم از کم ۱۳ رذی الحجہ تک یا خطرات کم ہو جانے تک تاخیر کا جواز تو ثابت ہو ہی جائے گا، اس طرح ۱۰ رکی رمی ۱۱ رتک اور ۱۱ رکی رمی ۱۲ رتک اور ۱۲ رکی رمی ۱۳ رتک یا تمام رمی کو ۱۳ رتک مؤخر کرنے سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر اس جواز تاخیر سے بھی قلب مطمئن نہ ہو اور دم دینے کو جی چاہتا ہو تو عذر کے بغیر بھی اگر تمام جمرات کی رمی ۱۳ رتک مؤخر ہو جائے تو ایک ہی دم لازم ہوگا، شریعت کی طرف سے ان سہولتوں کے باوجود بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی جمار کے وقت کو مقدم کرنے میں تلاش کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

پھر یہ کہ اگر حجاج کو یہ بتایا جائے کہ رمی کا وقت نصف شب سے ہی شروع ہو جاتا ہے تو کیا اس وقت بھیڑ کی صورت پیدا نہیں ہوگی؟ انسان اپنی فطرت سے عجلت پسند واقع ہوا ہے، اگر انہیں معلوم ہو کہ نصف شب سے رمی کا وقت شروع ہو چکا ہے تو جو بھیڑ کی صورت صبح کے وقت پیدا ہوتی ہے نصف شب کے وقت بھی پیدا ہو جائے گی، اس لئے احقر کی ناقص رائے میں بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی کی تاخیر یا ترک کی صورت میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ رمی کو وقت سے مقدم کرنے کی صورت میں۔

اگر حجاج کو ذہن نشیں کر دیا جائے کہ خطرات سے بچنے کے لیے ۱۳ رتک یا سہولت کے وقت تک رمی کی گنجائش ہے کوئی دم لازم نہیں ہوگا، اور اگر دم دینا ہی چاہیں تو دم دینے میں مسئلہ کے اعتبار سے مذکورہ بالا سہولتیں حاصل ہیں، تو پھر حجاج بھیڑ کی صورت اختیار نہیں کریں گے۔

اور اگر ان سب کے باوجود حجاج عجلت پسندی سے کام لیں اور بھیڑ بھاڑ کی صورت اختیار کریں تو یہ امر محمود نہیں امر مذموم ہے، اور امر مذموم کو عذر قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے رمی کے مقدم کرنے کا جواز ثابت ہو سکے گا اور نہ ہی یہ مقدم کرنا مسئلہ کا حل ہے۔

رہی یہ بات کہ فقہ شافعی کے مطابق رمی کا وقت نصف شب سے شروع ہو جاتا ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرات شوافع کو اس فقہ کے مطابق عمل کا موقعہ فراہم کیا جائے تاکہ احناف کے لیے بھیڑ میں کمی کی صورت پیدا ہو جائے، اس طرح اگر فقہ شافعی صرف حضرات شوافع کے لیے رہے تو یہ فقہ مسئلہ کے حل میں اور بھیڑ بھاڑ کے خطرات کو کم کرنے میں معاون ثابت ہوگی، اور اگر یہ فقہ سب کے لیے مسلک قرار پا جائے تو پھر

تو مسائل اور خطرات اپنی جگہ برقرار رہیں گے اور امت اپنے ائمہ کے اختلاف کی رحمت سے محروم ہو جائے گی۔

رمی جمار کی مسئلہ پر اس طرح بھی غور فرمایا جائے کہ وقت سے پہلے عبادات کی ادائیگی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک معتبر نہیں ہے، اور تاخیر میں بہت کچھ گنجائش ہے، قضا کی گنجائش ہے، اور مال سے تلافی کی گنجائش ہے، پس جس امر کو یعنی رمی کی تقدیم کو ہم نے بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج سمجھا، اگر ہم اس میں مصیب نہیں ہوئے تو رمی کا ترک اس حال میں لازم آئے گا کہ اس کا کوئی بدل تجویز نہیں ہے، اور اگر بدل بھی تجویز کر دیا جائے تو ادا، اداء ناقص ہوگی، اور اگر ہم نے بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی کی تاخیر میں تلاش کیا اور ہم مصیب نہیں ہوئے تو ۱۳ر تک اداء ناقص ہوگی، اور اگر دم کا لزوم بھی تجویز کر دیا جائے تو نقص کی تلافی ہو کر اداء، ادائے کامل ہو جائے گی، البتہ ترک کی صورت میں دم کا لزوم تجویز کرنے سے بھی اداء ادائے ناقص رہ جائے گی، پس اس جہت سے غور کرنے میں بہتر صورت یہ بنتی ہے کہ خطرات سے بچنے کا علاج تاخیر کی شکل میں تجویز کیا جائے اور احتیاطاً دم بھی لازم قرار دیا جائے تا کہ ادائے کامل بے خوف وخطر ہو جائے۔

رہ گیا مسئلہ اوقات مسنونہ، مکروہہ اور مباحہ کی تقسیم کا کہ اس تقسیم کا تعلق کن حالات سے ہے اور یہ کہ اوقات معینہ کی رعایت کئے بغیر رمی کرنے سے خلاف سنت اور مکروہ تو نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ عذر کی بنا پر جب ترک واجبات کی گنجائش ہے تو ترک سنن کی گنجائش بدرجہ اولیٰ ہوگی، اور ترک درحقیقت ترک نہیں بلکہ اسقاط ہے کہ شریعت نے ایسے حالات میں اس کی سنیت کو ساقط کر دیا، پس اوقات کی اس تقسیم کا تعلق درحقیقت حالت اعتدال سے ہے کہ اگر حالات معتدل ہوں تو ایسی صورت میں مسنون یہ ہے کہ فلاں معین وقت میں رمی کی جائے ورنہ رمی کراہت کے ساتھ ادا ہوگی یا کم از کم سنیت سے خالی مباح ہوگی۔

☆☆☆

تیسرا باب مختصر تحریریں

رمی جمار اور منیٰ کا قیام

مفتی محبوب علی وجیہی[1]

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ سے بچنے کے لئے عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے آخری رات میں روانہ فرمادیا تھا، مگر یہ تاکید فرمادی تھی کہ صبح صادق کے بعد تم لوگ رمی کرنا، اس حدیث سے صبح صادق کے بعد رمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ''الدین یسر'' اور قرآن کریم میں ہے: ''لیس علیکم في الدین من حرج'' (الاشباہ والنظائر)۔

دیگر کتاب میں ہے: ''المشقة تجلب التیسیر''۔

۲۔ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ۱۱۔ ۱۲ رذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، زوال کے بعد سے کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ ۱۱۔ ۱۲ رذی الحجہ کی رمی اگر بھیڑ کی وجہ سے نہ کرسکے تو غروب آفتاب کے بعد بھی کرسکتا ہے۔

۴۔ اگر ۱۲ رتاریخ کی رمی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے نہیں کرسکتا تو غروب آفتاب کے بعد رمی کر کے مکہ مکرمہ جاسکتا ہے، ۱۳ رذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ اگر صبح صادق کے بعد رمی کرنے سے بوجہ بھیڑ معذور ہوں تو نصف شب کے بعد بھی وہ رمی کرسکتے ہیں، کما قال بعض الائمة۔

☆☆☆

[1] نزد ذوالفقار اسکول، انگوری باغ، رامپور۔

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی[1]

رمی جمار کے موقع پر جو حادثات پیش آتے ہیں، ان کا سبب صرف رمی کے اوقات میں تنگی ہے، بلکہ سب سے اہم سبب جہالت وناواقفیت ہے۔ ایسی بات بھی نہیں ہے کہ وہ صرف مستحب وقت میں رمی کے لئے جاتے ہوں بلکہ جہالت کا حال یہ ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ رمی کرنا ہے بس وہ نکل جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں کو جب منع کیا جاتا ہے کہ ابھی بھیڑ ہوگی نہ جائیں پھر بھی چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جہاں یہ واقعہ ہے کہ رمی کے اول وقت میں بھیڑ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ جاں بحق ہوجاتے ہیں وہیں یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مغرب کے وقت اتنے کم لوگ ہوتے ہیں کہ عورتیں بھی نہایت آسانی کے ساتھ بغیر زحمت کے رمی کرلیتی ہیں۔ اس لیے رمی کے اوقات میں وسعت کے بجائے لوگوں کو سمجھانے کا انتظام کرنا زیادہ ضروری ہے۔

دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔ پورا دن پوری رات تک رہتا ہے، رات ختم ہونے سے قبل قبل تک رمی کی جاسکتی ہے۔ رات میں رمی کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ البتہ بعض فقہاء نے رات میں رمی کو مکروہ کہا ہے۔ لیکن آج کل بھیڑ کی وجہ سے اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کرکے رات میں کرے تو کراہت نہ ہوگی (دیکھئے: ۳/۱۱۲۱)۔

صاحب فتح القدیر نے شیخ الاسلام کی مبسوط سے ان کی عبارت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کو طلوع فجر کے بعد رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک مسنون وقت ہے، زوال کے بعد غروب تک بلا کراہت جائز ہے اور رات میں کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ کوئی عذر نہ ہو، اس لئے اگر کمزور لوگ طلوع آفتاب سے قبل رمی کرلیں یا چرواہے رات میں رمی کرلیں تو کراہت نہ ہوگی، اور جب اس کی رخصت دی گئی ہے تو کراہت ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رات کی رمی کو قضا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر عذر نہ ہو تو مکروہ کہہ سکتے ہیں (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۵۰۰-۵۰۱)۔

علامہ شامی نے بھی نقل کیا ہے کہ غروب آفتاب سے فجر تک اسی طرح طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنا مکروہ ہے۔ پھر فتح القدیر کی عبارت نقل کی ہے کہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ کوئی عذر نہ ہو۔ ورنہ کراہت نہ ہوگی، ''هذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلا كما في الفتح'' (ردالمحتار ۲/۱۵۱)۔

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور پوری رات رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی زوال سے قبل رمی کرلینا جائز ہے۔ ان کی طرف سے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یوم نحر میں زوال سے قبل رمی کا وقت ہے۔ لہٰذا اسی طرح گیارہ اور بارہ کو بھی ہوگا، اس لیے کہ یہ سب ایام نحر ہیں۔

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے مسئلہ وقت کی تنگی کا نہیں ہے۔ اس لیے کہ مشاہدہ ہے کہ مغرب کے وقت بھیڑ اتنی کم ہوجاتی ہے کہ عورتوں کے لئے بھی اس وقت رمی کرنا نہایت آسان ہوجاتا ہے۔

عام حالات میں فقہاء نے رات میں رمی کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ لیکن بہت زیادہ بھیڑ کی وجہ سے اگر رات میں رمی کی جائے تو کراہت نہ ہوگی جیسا کہ اوپر واضح ہوگیا۔

البتہ عورتوں، کمزوروں، بیماروں اور بوڑھوں کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق گنجائش ہوسکتی ہے، جن لوگوں کو اس طرح کا عذر نہ ہو ان کو بہر حال زوال سے قبل رمی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ ان کو زوال کے بعد بھیڑ کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر اس انتظار میں رات ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[1] قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

ان کورات میں رمی کر لینی چاہیے (دیکھئے: ہدایہ ۱/ ۱۵۲، ردالمحتار ۱/ ۱۸۵، بدائع الصنائع ۳/ ۱۱۲۲)۔

۱۰ ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر قبل تک مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص بلا عذر وقوف مزدلفہ کو ترک کر دے گا تو دم (قربانی) دینا واجب ہوگا۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیمار، کمزور یا عورت ہو اور بھیڑ کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے جائز ہوگا کہ صبح صادق سے قبل ہی مزدلفہ سے روانہ ہو جائے اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے رمی کر لے (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۳۱)۔

رمی کے ایام میں منیٰ میں رات کو رہنا سنت ہے، اگر بلا عذر منیٰ میں رات نہ گذارے تو مکروہ ہوگا۔ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ منیٰ کے باہر کہیں بھی رات گذارے یکساں حکم ہوگا۔ یعنی بلا عذر ہو تو مکروہ ہوگا۔

''ثم یعود إلی منی فیقیم لأن النبي ﷺ رجع إلیها... ولأنه بقي علیه الرمي وموضعه بمنیٰ'' (هدایه ۱/ ۲۵۱)۔

''ویکره أن لایبیت بمنیٰ لیالی الرمي لأن النبي ﷺ بات بها وعمر ؓ کان یؤدب علی ترك المقام بها ونوبات في غیرها متعمدا لایلزمه شئ عندنا'' (هدایه ۱/ ۲۵۲)۔

''فیبیت بها للرمي اي لیالي أیام الرمي هو السنة فلو بات بغیرها کره ولایلزمه شئ'' (ردالمحتار ۱/ ۱۸۴)۔

اگر وہ ۱۲ ذی الحجہ کو رمی کے بعد منیٰ چھوڑ کر جانا چاہے تو جا سکتا ہے، البتہ اس کو غروب آفتاب سے قبل جانا چاہئے۔ اگر بلا عذر غروب آفتاب کے بعد جائے گا تو مکروہ ہوگا۔ صبح صادق سے قبل منیٰ چھوڑ دینا ہوگا۔ اگر صبح صادق سے قبل منیٰ سے نہیں نکل سکا تو اب ۱۳ ذی الحجہ کو رمی کرنا واجب ہو جائے گا (ردالمحتار ۱/ ۱۸۵)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

الف۔ رمی جمار کی اوقات:

۱۔ معذور شخص دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے قبل کر سکتا ہے۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت عام لوگوں کے لئے زوال آفتاب کے بعد ہے۔ ان ایام میں بھی اگر معذور شخص زوال سے قبل رمی کرلے تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق گنجائش ہو سکتی ہے۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد اگر عذر کے بغیر ہو تو کراہت ہوگی ورنہ نہیں۔ آج کل بھیڑ کی وجہ سے اگر مغرب کے بعد کی جائے تو کراہت نہ ہوگی۔

۴۔ ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے لیکن صبح سے قبل منیٰ چھوڑ دے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کو دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق کے بعد کرنا چاہئے، البتہ اس کے لیے وہ وقوف مزدلفہ کو چھوڑ کر وہاں سے رات ہی میں روانہ ہو جائیں اور صبح صادق ہوتے ہی بھیڑ سے قبل رمی کر لیں۔

ب۔ منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ رمی کے ایام میں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے۔

۲، ۳۔ اگر حاجی منیٰ سے باہر رات گذارے خواہ مکہ میں یا مزدلفہ میں یا حدود حرم میں کسی دوسری جگہ رات گذارے اور منیٰ میں آکر رمی کرے، تو اگر یہ بلا عذر ہو تو مکروہ ہوگا، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی جمیل احمد نذیری[1]

۱۔ ۱۰ رذی الحجہ کی رمی، طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے کیونکہ رمی کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے، یہ اگرچہ مکروہ وقت ہے لیکن حادثات کے عذر کی وجہ سے مکروہ بھی نہ ہوگا۔

''(قوله ويكره للفجر) أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح'' (رد المحتار ۲.۱۹۶)۔

(غروب سے طلوع صبح صادق تک رمی مکروہ ہے، ایسے ہی سورج نکلنے سے پہلے بھی رمی مکروہ ہے، بحر، اور یہ عذر نہ ہونے کے وقت ہے، پس ضعفاء کے لیے سورج نکلنے سے پہلے رمی میں کوئی کراہت نہیں اور نہ چرواہوں کے لیے رات میں)۔

۲۔ جی ہاں! حادثات کی موجودہ سنگین صورت حال کے پیش نظر اس کی گنجائش رہے گی، اور یہ گنجائش درج ذیل عبارات فقہیہ کی روشنی میں ہوگی:

''وأما في الثاني والثالث فمن بعد الزوال لطلوع ذكاء'' (الدر المختار ۲.۲۰۱)۔

(دوسرے اور تیسرے دن رمی کا وقت زوال سے اگلے دن کی طلوع صبح صادق تک ہے) (یہ ترجمہ شارح ومحشی کی تشریح کی روشنی میں کیا گیا ہے)۔

''قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز. والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه الخ'' (رد المحتار ۲.۲۰۱)۔

(لباب میں ہے کہ ایام نحر کی ۱۱ر ۱۲ر تاریخ کی رمی جمرات کا وقت زوال کے بعد سے ہے، لہٰذا مشہور روایت کے مطابق اس سے پہلے جائز نہیں، اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے، اور وقت مسنون ان دونوں میں زوال سے غروب آفتاب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ ہے)۔

۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی صبح صادق سے رمی کی گنجائش امام ابوحنیفہؒ کی غیر مشہور روایت کے مطابق ہے، جس کا اوپر کی عبارت میں ''قیل'' کے ذریعہ بیان ہوا۔

اس غیر مشہور روایت کی وجہ صاحب بدائع الصنائع کے الفاظ میں یہ ہے: ''إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر'' (بدائع الصنائع ۲.۲۲۴)۔

(۱۰ رذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کا وقت ہے، ایسے ہی ۱۱ر ۱۲ر کو بھی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ سارے دن ایام نحر ہیں)۔

یعنی جب ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر تینوں ایام، ایام نحر ہیں تو آغاز رمی میں فرق کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتی جبکہ آخری وقت تینوں میں دوسرے دن کی طلوع صبح صادق ہے، لہٰذا آغاز میں بھی تینوں ایک جیسے ہونے چاہئیں۔

اور اگر طلوع صبح صادق سے زوال تک رمی جائز ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی کے لیے وقت جواز کوئی نہیں، صرف دو وقت ہیں، وقت مسنون اور وقت مکروہ۔

۳۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق یہ وقت مکروہ ہے، لیکن موجودہ تناظر میں حادثات کی سنگینی کے پیش نظر ارتفاع کراہت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

[1] مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نواده، مبارکپور۔

۴۔ اگر ۱۲ ذی الحجہ کو رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا رہے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی۔

اور اگر تیرہویں کو صبح صادق کے بعد رک جائے تو زوال تک رک کر تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اور نہ کرنے پر دم واجب ہوگا۔

معلم الحجاج میں ہے: اگر بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو غروب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے، غروب کے بعد تیرہویں کو بلا رمی کئے جانا مکروہ ہے، گو تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر تیرہویں کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہو جائے گی، اگر بلا رمی کئے آئے گا تو دم واجب ہوگا (ص ۱۸۲)۔

۵۔ نہیں کی جاسکتی۔ جواز کی روایت ضعیف ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰/ ۱۴۴، مرقات المفاتیح ۳/ ۳۴۱، بذل المجہود ۳/ ۱۷۰، زاد المعاد ۱/ ۲۲۶)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ منیٰ میں رمی کے لیے رات گزارنا سنت ہے۔

''ثم أتى بمنى فيبيت بها للرمي در مختار قوله فيبيت بها للرمي، وهو السنة أي ليالي أيام الرمي وهو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ۔ لباب'' (رد المحتار ۲۰۰/۲)۔ (پھر منیٰ آئے، وہاں رمی کے لیے رات گزارے یہ سنت ہے، یعنی ایام رمی کی رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے، تو اگر منیٰ کے علاوہ (کسی جگہ) رات گزارے تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہیں ہے)۔

۲، ۳۔ اگر منیٰ میں قیام کی جگہ نہ ملے یا ضعف و کمزوری یا ازدحام کی وجہ سے طواف وسعی کے بعد رات تک منیٰ پہنچنے کی ہمت نہ ہو تو حدود منیٰ کے باہر مزدلفہ، عزیزیہ، یا مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ یا حرم کے آس پاس یا مکہ مکرمہ میں کسی بھی جگہ رات گزار سکتا ہے، حدود منیٰ کے متصل رات گزارنا ضروری نہیں ہے۔

عذر کی وجہ سے منیٰ میں رات گزارنے کا حکم ساقط ہو جانا حدیث سے ثابت ہے:

''عن ابن عمر أن العباس بن عبد المطلب استأذن رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له'' (مسلم ۴۲۳/۱)۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ ایام منیٰ کی راتیں وہ مکہ مکرمہ میں گزاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی)۔

''عن أبي البداح بن عدي عن أبيه أن النبي ﷺ رخص للرعاء في البيتوتة الخ'' (نسائی ۴۹/۲)۔ (حضرت ابو بداح بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو اس بات کی رخصت دی کہ وہ (منیٰ میں) رات نہ گزاریں)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی شیر علی گجراتی فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات۔

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت یوم النحر کے طلوع فجر سے گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک ہے، دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد غیر معذورین کے لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر غیر معذورین نے صبح صادق کے بعد رمی کرلی تو اس سے کچھ لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ رمی وقت میں ہوئی، شامی میں ہے:

''وکذا یکره قبل طلوع الشمس۔ بحر۔ وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح'' (کتاب الحج ۳،۵۴۳)۔

(اور اسی طرح طلوع شمس سے پہلے رمی مکروہ ہے (بحر) اور یہ کراہت عذر نہ ہونے کے وقت ہے، چنانچہ ضعفاء سورج نکلنے سے پہلے رمی کرلیں اور چرواہے رات میں رمی کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اسی طرح فتح القدیر میں ہے)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے لہٰذا وقت سے پہلے کرنا جائز نہیں، شامی میں ہے: ''قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال، فلا يجوز قبله في المشهور'' (۳،۵۴۲)۔ (لباب میں لکھا ہے کہ قربانی کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ لہٰذا مشہور قول کے مطابق زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہوگی)۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔ شامی میں ہے: ''والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس، ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (۳،۵۴۲)۔

(گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت مسنون زوال سے غروب آفتاب تک ہے، اور غروب سے طلوع تک وقت مکروہ ہے)۔

۴۔ اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اور بغیر رمی کئے آجائے تو اس پر کچھ لازم بھی نہیں ہوگا۔ شامی میں ہے: ''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء'' (۳،۵۴۳)۔ (پس اگر اس نے بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ نہیں کیا یہاں تک کہ تیرہ ذی الحجہ کا آفتاب غروب ہوگیا تو اب اس کے لئے منیٰ سے کوچ کرنا مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ تیرہ کی رمی کرے، لیکن اگر اس نے تیرہ کی صبح صادق سے پہلے رات ہی میں کوچ کرلی تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا لیکن اس نے برا کیا)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین صبح صادق کے بعد رمی کرسکتے ہیں، شامی میں ہے: ''وکذا یکره قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر، فلا اساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلا كما في الفتح'' (کتاب الحج ۳،۵۴۴)۔

(اور اسی طرح طلوع آفتاب سے پہلے رمی مکروہ ہے (بحر)، اور یہ کراہت عذر نہ ہونے کے وقت ہے، چنانچہ اگر ضعفاء طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرلیں اور چرواہے رات میں رمی کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح فتح القدیر میں ہے)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام: ۱۔ ان دنوں میں حاجی کے لیے قیام منیٰ سنت ہے۔

۲۔ اگر منیٰ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے حاجی نے ایسا کیا تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن بلا ضرورت ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ شامی میں ہے:

''فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ لباب'' (شامی ۲،۵۴۰)۔ (لباب حاجی رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گزارے یہ سنت ہے، لیکن اگر اس نے منیٰ کے علاوہ کسی دوسری جگہ رات گزاری تو یہ مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا)۔

۳۔ منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔

☆☆☆

الف ۔ رمی جمرات کے اوقات

مفتی انور علی الاعظمی مفتی دارالعلوم مئو۔

۱۔ ۱۰ رذی الحجہ کی رمی کا وقت مالکیہ اور حنفیہ کے یہاں طلوع شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لیلۃ النحر کی نصف کے بعد وقت رمی توشروع ہوجاتا ہے لیکن ان کے نزدیک بھی افضل وقت طلوع شمس کے بعد ہی ہے۔

یہ حضرات ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو سنن ابی داؤد میں موجود ہے: عن عائشه أنها قالت: أرسل النبي ﷺ أم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت (أبوداؤد ۲۶۸/۲)، لیکن اس روایت کو ابن قیم نے مضطرب کہا ہے، احناف اور مالکیہ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے جو سنن اربعہ میں موجود ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اہل میں سے کمزور لوگوں کو رات ہی میں منیٰ روانہ کردیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت کی: "لا ترموا حتى تطلع الشمس" (حوالہ بالا)۔

خود اللہ کے رسول ﷺ نے ۱۰ رذی الحجہ کو چاشت کے وقت رمی کی جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے:

"عن جابر قال: كان النبي ﷺ يرمي يوم النحر ضحىً" (۱۰۹/۱)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا عمل اور آپ کی واضح ہدایت کی روشنی میں یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یوم النحر کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کی جائے۔

۲۔ ۱۱ راور ۱۲ رذی الحجہ کی رمی کے اول وقت میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے یعنی ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، دلیل ابن عباس کی روایت ہے: رمى رسول الله ﷺ الجمار حين زالتِ الشمس (رواه أحمد و ابن ماجه والترمذى) البتہ آخری وقت مالکیہ کے نزدیک غروب تک ہے، اگر اس سے تاخیر کردیا تو دم واجب ہوگا، اور احناف کے یہاں صبح صادق تک ہے۔ اس لیے کہ ایام رمی میں بعد کی رات دن کے تابع ہے۔

۳۔ ۱۱ راور ۱۲ رذی الحجہ کی رمی اس دور میں غروب آفتاب کے بعد کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ ازدحام کثیر کی وجہ سے بعض اوقات دن کے وقت رمی کرنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، جس زمانہ میں بھیڑ کم ہوتی تھی، حاجی اپنی سستی کی وجہ سے تاخیر کرتے تھے، فقہاء احناف نے اس تاخیر کو مکروہ قرار دیا تھا لیکن آج کل تاخیر مجبوری کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، حاجی عجلت کی خواہش کے باوجود دن میں جمرات تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، اس تاخیر میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

۴۔ اگر ۱۲ رذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے، تو اتنے سے احناف کے نزدیک ۱۳ رذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر ۱۳ رتاریخ کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو اس دن کی رمی لازم ہوجائے گی (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۹۶/۳)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰ رذی الحجہ کی رمی دسویں شب کی نصف سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کمزور لوگوں کو آگے بھیجنے کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت کی تھی کہ وہ طلوع شمس کے بعد ہی رمی کریں۔

كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفاء أهله بغلس ويأمرهم لا يرمون الجمرة حتى تطلع الشمس (أبوداؤد ۲۶۸/۲)۔

ب ۔ قیام منیٰ کے حدود:

۱۔ ایام حج میں منیٰ کا قیام سنت ہے حتی الامکان اس سنت پر حاجی کو عمل کرنا چاہئے، اگر حکومت سارے حجاج کے خیمے منیٰ میں لگاسکتی ہے تو ان سے حجاج کرام کا مطالبہ قیام منیٰ ایک امر معقول ہوگا، اگر سرکاری طور پر کچھ حاجیوں کے خیمے مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں نصب کردئے گئے ہیں تو اس سے حاجی کے حج میں کوئی نقصان نہیں آتا۔

۲۔ اگر حاجی بلا کسی مجبوری کے منیٰ میں قیام نہیں کرتا، مکہ مکرمہ ہی میں رہتا ہے اور وہیں سے رمی کے لیے جایا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ اس سے حج میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا لیکن ایک سنت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

۳۔ حدود حرم کے اندر قیام کرنا اور بلا کسی مجبوری کے قیام منیٰ کو ترک کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے، اس لیے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے۔ ☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا ابوالعاص وحیدی [1]

رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دس ذی الحجہ کو رمی جمرہ طلوع آفتاب سے قبل نہیں کی جاسکتی، طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی جمرہ کی جائے، اور بہتر یہ ہے کہ حجاج کرام اس رمی سے زوال سے قبل فارغ ہوجائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو زوال کے بعد کرنا جائز ہے، چاہے رات ہوجائے، جیسا کہ جامع صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

''كان النبيﷺ يسأل يوم النحر بمنى فيقول: لا حرج. فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح. فقال: اذبح ولا حرج. قال: رميت بعد ما أمسيت. فقال: لا حرج'' (الجامع الصحيح للبخاري: كتاب الحج. باب إذا رمى بعد ما أمسى)۔

رسول اللہ ﷺ سے منیٰ میں یوم النحر میں پوچھا جاتا تو آپ جواب دیتے: کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرلیا تو آپ نے کہا: ذبح کرو کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے کہا کہ میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی تو آپ نے کہا: کوئی حرج نہیں۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو رمی جمرات زوال شمس کے بعد ہی کی جائے گی، طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کے بارے میں اتنی گنجائش ہے کہ جو لوگ معذور ہیں ان کے لیے رخصت ہے، اور ان کے لیے دو یوم کی رمی کو ایک ہی دن میں جمع کرلینا بھی جائز ہے (مالک، ترمذی، نسائی)۔ اسی طرح معذورین کے لیے رات میں رمی کرنا جائز ہے (بیہقی، بزار)۔ رمی جمرات کے بارے میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ معذور، کمزور، بچے اور عورتوں کی طرف سے رمی میں نیابت جائز ہے، جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ اپنی رمی کے ساتھ ساتھ ہر جمرے کو ان کی طرف سے رمی کرتے جائیں (جامع صحیح بخاری)۔

۴۔ اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی (موطا مالک)۔

اس دن بھی رمی زوال کے بعد ہی کی جائے گی (بخاری ومسلم)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے نہیں کی جاسکتی، طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی جمرہ کی جائے گی (صحیح مسلم)۔

البتہ دس ذی الحجہ کو رمی جمرہ میں تاخیر ہوسکتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ایام منیٰ میں حجاج کرام کو راتیں منیٰ ہی میں گذارنا چاہئے، البتہ انتظامی امور سے متعلق لوگوں اور معذور وغیرہ کے لیے رخصت ہے، جیسا کہ جامع صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حج کے موقع پر عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ منیٰ کی راتیں مکہ میں گذاریں، چونکہ انہیں پانی پلانے کا انتظام دیکھنا تھا تو آپ نے انہیں اجازت دیدی (الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الحج، باب ہل یبیت اہل السقایہ الخ)۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ قیام منیٰ کی حیثیت وقوف عرفہ کی طرح نہیں ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ چھوٹ جائے تو حج متاثر ہوجائے۔

---

[1] جامعہ عربیہ قاسم العلوم، گلرہا، بلرامپور یوپی۔

اس سلسلہ میں سعودی عرب کے مفتی شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ ملاحظہ ہو، ان سے ایک مستفتی نے دریافت کیا کہ اگر حاجی کو منیٰ میں رات گذارنے کے لیے جگہ نہ ملے تو کیا کرے؟ اگر وہ منیٰ کے باہر رات گذارتا ہے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

شیخ ابن بازؒ نے جواب دیا: اگر پوری کوشش کرنے کے باوجود حاجی کو منیٰ میں رات گذارنے کی جگہ نہیں ملی تو منیٰ سے باہر رات گذارنے میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فاتقوا الله ما استطعتم" (سورۂ تغابن/۱۶) (اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرو)۔ اور منیٰ میں رات نہ گذارنے کی وجہ سے اس پر کوئی دم نہیں، اس لیے کہ یہ چیز اس کی قدرت سے باہر ہوگئی (فتاویٰ شیخ ابن بازؒ)۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم ہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مگر حجاج کرام کو بہرحال رات کا کچھ حصہ منیٰ میں گذارنا چاہئے، اور یہ کہ واقعی معنوں میں انہیں جگہ نہ ملے تب تو وہ معذور قرار دئے جائیں گے۔

۳۔ چونکہ مبیت منیٰ کی حیثیت وقوف عرفہ کی طرح نہیں ہے اس لئے اگر حجاج کرام کو کوئی معذوری و مجبوری ہو تو وہ حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کر سکتے ہیں، خواہ شہر مکہ کے اندر ہو یا مضافات میں یا مزدلفہ میں، مگر حتی الامکان رات کا کچھ حصہ حجاج کرام کو منیٰ میں گذارنا چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی محمد سلمان منصور پوری[1]

۱۔ دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت حنفیہ کے نزدیک گو کہ مکروہ ہے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے مثلاً خواتین یا کمزور لوگ مزدلفہ سے جلدی آکر اس درمیان رمی کر لیں تو وہ رمی معتبر ہوگی اور ایسے لوگوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

''أمّا الرمي في اليوم الأول فلأداء وقت الجواز من الفجر إلى الفجر، ووقت مسنون من طلوع الشمس إلى الزوال، ووقت مباح من الزوال إلى الغروب، ووقت مكروه قبل طلوع الشمس وبعد الغروب وإن كان بعذر لا كراهة'' (غنیہ ۹۶، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/۲۳۳، البحر الرائق ۲/۶۰۴)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس لئے ان دونوں میں زوال سے پہلے رمی کرنے کی گنجائش نہیں۔

''أما وقت الجواز في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر فمن الزوال إلى طلوع الفجر من الغد فلايجوز قبل الزوال في ظاهر الرواية۔ وعليه الجمهور'' (غنیہ ۹۶، ۹۷، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/۲۳۳، بدائع ۲/۳۲۴)۔

۳۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا بلا عذر مکروہ ہے، لیکن اگر کسی عذر (مثلاً شدید ازدحام یا طبعی کمزوری وغیرہ) کی وجہ سے اس وقت رمی کی تو کوئی کراہت نہیں۔

''والوقت المسنون في اليومين من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى طلوع الفجر وقت مكروه'' (غنیہ ۹۷)۔

''ولو لم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة ولاشئ عليه سوى الإساءة إن لم يكن بعذر'' (غنیہ ۹۷)۔

۴۔ اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی پھر بھی تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر منیٰ کے حدود میں رہتے ہوئے صبح صادق ہو جائے تو اب تیرہویں کی رمی واجب ہے۔

''ويسقط بنفره قبل طلوع فجر الرابع ولو نفر من الليل قبل طلوعه لاشئ عليه في ظاهر الرواية عن الإمام. وقد أساء فإن لم ينفر حتى طلع الفجر من اليوم الرابع وجب عليه الرمي في يومه ذلك فيرمي الجمار الثلاث بعد الزوال'' (غنیہ ۹۸)۔

۵۔ بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لئے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے، یہ وقت پہلے ہی سے وسیع ہے، اس میں مزید وسعت دینے کی ضرورت نہیں۔

''فوقت الجواز أدائً من طلوع الفجر فلا يصح قبله'' (غنیہ ۹۱)۔

[1] مفتی دار الافتاء، جامعہ قاسمیہ شاہی، مراد آباد۔

''ولو رمی قبل طلوع فجر یوم النحر لم یصح اتفاقاً'' (البحر الرائق ۲،۶۰۴، فتاوی عالمگیری ۱،۲۳۳)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ عام حالات میں ایام تشریق میں حدود منیٰ میں رات گزارنا حاجی کے لئے سنت مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس سنت کو ترک کرے یعنی منیٰ میں ٹھہرنے کا انتظام ہونے کے باوجود وہاں نہ ٹھہرے تو وہ کراہت تحریمی کا مرتکب ہوکر گنہ گار ہوگا، لیکن اگر منیٰ میں قیام کا انتظام نہ ہوسکے جیسا کہ آج کل حکومتی پابندیوں کی وجہ سے کثرت سے یہ صورت پیش آتی ہے تو اس ترک سنت کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا، اور اس کے حج میں بھی کوئی خرابی نہ آئے گی، اور چونکہ بالقصد اس نے ترک سنت نہیں کی ہے اس لئے امید ہے کہ وہ گنہگار بھی نہ ہو۔

''ویسنّ أن یبیت بمنیٰ لیالي أیام الرمي، فلو بات بغیرها متعمداً کره ولا شئ علیه عندنا'' (غنیه ۹۵)۔

۲، ۳۔ اگر کوئی شخص ایام منیٰ میں منیٰ کی حدود میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا یا منیٰ کے قریب کسی محلہ میں یا مزدلفہ میں ٹھہرا رہا، اور رمی کے لئے مقررہ اوقات میں آتا جاتا رہا تو بھی اس کا حج درست ہو جائے گا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہ ہوگی (حوالہ سابق)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد یعقوب قاسمی [1]

۱۔ دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے رمی جائز نہیں، اگر کرے گا تو رمی صحیح نہ ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع صبح صادق سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرلی تو اس کی رمی صحیح نہ ہوگی، فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے (شامی ۲/۱۸۱)۔

دسویں تاریخ کی رمی کا مسنون وقت سورج نکلنے سے زوال تک ہے، زوال آفتاب سے غروب تک رمی مباح ہے، غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے، اور دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے بھی مکروہ ہے (حوالہ بالا)۔

دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک مکروہ ہے، اسی طرح دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے پہلے بھی رمی کرنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت عذر کے نہ ہونے کے وقت ہے۔

البتہ اگر عورت اور مریض اور کمزور لوگ ہجوم کے خوف سے طلوع آفتاب سے پہلے سویرے آکر رمی کرلیں تو ان کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر کمزور مرد یا عورت یا مریض لوگ ہجوم اور بھیڑ کے خوف سے آفتاب طلوع ہونے سے قبل رمی کرلیں تو اس پر کچھ برائی نہیں یعنی اس پر اس عمل کی وجہ سے کوئی چیز شرعاً واجب نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح اونٹ اور بکری وغیرہ کے چرواہے اگر رات کے وقت رمی کرلیں تو ان پر کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ان کو رمی کی اجازت دی ہے (شامی ۲/۱۸۱)۔

۲۔ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک بلا کراہت جائز ہے، اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

ابن عابدین نے ردالمحتار میں لباب سے نقل کیا ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا وقت گیارہ اور بارہ ذی الحجہ میں زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، پس زوال آفتاب سے پہلے ان دنوں میں رمی کرنا قول مشہور میں جائز نہیں۔ اور فقہاء کے ایک قول کے مطابق جائز ہے۔ رمی کا وقت مسنون ان دونوں دنوں میں زوال آفتاب سے غروب تک دراز رہتا ہے، اور غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک رمی کا وقت مکروہ ہے (شامی ۲/۱۸۵)۔

اگر ہجوم یا کسی اور عذر کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے رمی نہ کر سکے تو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

نیز اگر کسی شخص نے طلوع صبح صادق یا زوال سے قبل رمی کرلی تو وہ رمی ادا نہ ہوگی اور اس صورت میں اس پر دم واجب ہوگا (بحوالہ شامی)۔

۳۔ ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی کرنا غروب آفتاب سے صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے، مگر آج کل ہجوم کی وجہ سے غروب سے قبل رمی نہ کر سکے تو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه (شامی ۱۸۵، ۲)۔

غروب سے طلوع آفتاب تک رمی کا وقت مکروہ ہے اور شرعی عذر کراہت کو ختم کر دیتا ہے۔ علامہ ابن عابدین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص واجب کو بھی کسی عذر کی بنا پر ترک کردے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی (شامی ۲/۱۷۹)۔

۴۔ بارہویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے کے بعد منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں ۱۳ رویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی بشرطیکہ صبح صادق سے

[1] استاذ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی۔

پہلے منیٰ سے نکل جائے، اور اگر منیٰ میں ۱۳رویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوگئی تو اب ۱۳رویں ذی الحجہ کی رمی واجب ہوجائے گی، اب اگر رمی کے بغیر منیٰ سے جائے گا تو دم دینا شرعاً واجب ہوجائے گا (شرح وقایہ ۱/۲۴۷)۔

اگر حاجی منیٰ میں ٹھہرا یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہوگئی تو اس پر رمی کرنا واجب ہے (شامی ۲/۱۸۵)۔

ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے ۱۲رویں ذی الحجہ کی رمی کے بعد منیٰ سے کوچ نہیں کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو اس کے لیے تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کرنے سے پہلے منیٰ سے کوچ کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع ہونے سے قبل رات کے وقت منیٰ سے کوچ کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں لیکن اس نے کوچ کرکے برا کیا، ایک قول میں یہ بھی ہے کہ غروب کے بعد منیٰ سے کوچ کرنا درست نہیں، اگر کوچ کیا تو اس کے ذمہ دم دینا لازم ہوگا، اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے ہی کوچ کرلیا تو اس کے ذمہ بالاتفاق دم دینا لازم ہوگا۔

۵۔ دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے رمی کرنا شرعاً جائز نہیں، اگر رمی کرے گا تو اس کی رمی صحیح نہ ہوگی اور اس پر اعادۂ رمی لازم ہوگا۔

البتہ اگر بوڑھے و بیمار، معذور اور خواتین اور ان سے جڑے ہوئے معاون لوگ ہجوم اور بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے طلوع آفتاب سے قبل رمی کرلیں تو اس پر کچھ برائی نہیں۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو اگر کمزور، بیمار و معذور خواتین طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرلیں تو ان پر کوئی برائی نہیں یعنی کچھ واجب نہیں، اسی طرح چرواہے رات کے وقت رمی کرلیں تو ان پر کچھ لازم نہیں (شامی ۲/۱۷۹)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ رمی کے ایام میں منیٰ کے اندر حاجی کے لیے رات گذارنا سنت ہے، اور منیٰ کے حدود کے باہر رات گذارنا مکروہ ہے، اور غیر منیٰ میں رات گذارنے سے دم واجب نہیں ہوتا (شامی ۲/۱۸۴)۔

پس حاجی منیٰ میں رات گذارے جمرات کی رمی کرنے کے واسطے اور منیٰ میں اس کا رات گذارنا سنت ہے، اور اگر غیر منیٰ میں رات گذارا تو اس کے لیے مکروہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

۲۔ جو شخص منیٰ کے باہر رات گذارے اور پھر وہاں سے آکر رمی کرلیا کرے تو اس کی بھی رمی شرعاً صحیح و درست ہوگی، منیٰ کے باہر قیام مکروہ ہے، اور منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، حدود مکہ میں قیام کرنے کی وجہ سے اس کے حج پر کوئی غلط اثر نہ پڑے گا۔

۳۔ حاجی کے لیے منیٰ میں رمی جمرہ کے واسطے قیام کرنا اور رات گذارنا سنت ہے، حدود حرم مکہ مکرمہ شہر کے اندر یا مضافات یا مزدلفہ میں بھی حاجی رات گذار سکتا ہے لیکن اس کا یہ فعل خلاف سنت و مکروہ ہوگا، جہاں تک ممکن ہو منیٰ ہی میں رات گذارے تاکہ رمی جمرات میں اس کے لیے آسانی ہو۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا عطاء اللہ قاسمی[1]

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت مسنون طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

موفق کہتے ہیں: جمرۂ عقبہ کی رمی کا دو وقت ہے، ایک وقت فضیلت، دوسرے وقت جواز جو طلوع آفتاب کے بعد ہے، علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: علماء اسلام کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن طلوع آفتاب کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی فرمائی ہے (حجۃ الوداع ۱۱۸)۔

لیکن طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے بھی رمی کی جاسکتی ہے۔

''عن ابن عباس قال: كنت فيمن بعث به النبيﷺ يوم النحر فرمينا الجمرة مع الفجر'' (شرح معانی الآثار ۱،۲۳۶)۔(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے یوم نحر کو طلوع فجر کے ساتھ ہی جمرہ کی رمی کی)۔

۲۔ مذہب مشہور اور مفتی بہ یہی ہے کہ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت بعد زوال شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا صبح صادق سے رمی کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، جب عورتوں، مریضوں اور ضعیفوں کے لیے بوقت شب رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے تو رمی قبل الزوال کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

۱۱ ر اور ۱۲ ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر اگلے دن طلوع آفتاب تک رہتا ہے اس لیے ان دونوں میں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں (فتاویٰ ہندیہ ۱ر ۲۳۳)۔

۳۔ ۱۱ ر اور ۱۲ ر ذوالحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بغیر عذر مکروہ تنزیہی ہے اور عذر کی بنا پر بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا ارات میں نسبتاً ازدحام کم ہونے کی وجہ سے ضعیفوں، عورتوں اور مریضوں کے لیے رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ علامہ ابن الہمام حنفیؒ (المتوفی ۶۸۱ھ) نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے:

کراہت کا ثبوت عدم عذر پر محمول کرنا ضروری ہے، چنانچہ کمزوروں کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور چرواہوں کی رمی رات میں مکروہ نہیں ہے (فتح القدیر ۲ر ۵۱۳)۔

۴۔ ۱۳ ر ذوالحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس دن کی رمی کے وجوب کے لیے صبح صادق کے وقت منیٰ میں موجودگی ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ۱۲ ر کی رمی کے لیے بعد الغروب منیٰ میں مقیم رہا اور صبح صادق سے پہلے کوچ کر جائے تو ۱۳ ر کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

''وله أن ينفر مالم يطلع الفجر من اليوم الرابع فإذا طلع الفجر لم يكن له أن ينفر لدخول وقت الرمي'' (هدايه ۱،۲۵۲)۔

۱۳ ر کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ چھوڑ دینا جائز ہے، طلوع فجر کے بعد نہیں، کیونکہ رمی کا وقت ہو چکا ہے۔

۵۔ ۱۰ ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے وقوف مزدلفہ کا وقت ہے، لہٰذا نصف شب سے رمی کرنا جائز نہیں۔

''فأما يوم النحر فأول وقت الرمي فيه من وقت طلوع الفجر'' (هدايه ۱،۲۵۲)۔(یوم نحر کی رمی کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے)۔

علامہ ابن رشد القرطبیؒ (۵۲۰۔۵۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یوم نحر کی رمی صبح صادق سے پہلے ممنوع ہے۔ اگر رمی کرلیا تو اس کا اعادہ واجب

[1] جامعہ عربیہ امداد العلوم، کوپا گنج، مئو۔

ہے (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۶۴)۔

ولو رمی قبل طلوع الفجر لم یصح اتفاقاً (ھندیہ ۱،۲۳۳)۔ (صبح صادق سے پہلے کی رمی بالاتفاق درست نہیں)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۰ رتا ۱۲ رذی الحجہ حاجیوں کو منیٰ میں قیام کرنا ہے، ابن عمرؓ نے ان تین دنوں کو ایام منیٰ کہا ہے، حدیث شریف میں ہے:

''أما رسول اللہ ﷺ فبات بمنیٰ وظل'' (نصب الرایہ ۳، ۸۷) حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے رات منیٰ میں گذاری ہے اور دن بھی صحابہ کرامؓ کے اقوال اور طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام منیٰ میں منیٰ کو آباد رکھنا بھی مطلوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''لایبیتن أحدکم من وراء العقبة لیلاً بمنی أیام التشریق'' (نصب الرایہ ۳،۸۷)۔

(ایام تشریق میں منیٰ سے باہر عقبہ کے پیچھے کوئی شخص ہرگز رات نہ گذارے)۔

ابن عمرؓ سے منقول ہے: ''عن ابن عمر أنه کرہ أن ینام أحد أیام منیٰ بمکة'' (نصب الرایہ ۳،۸۷)۔

(ایام منیٰ میں رات مکہ میں گذارنا مکروہ ہے)۔

مزاج شریعت کے رمز شناس حضرت عمرؓ کے بارے میں روایتوں میں آتا ہے: ''کان عمر یؤدب علی ترك القیام بها'' (ھدایہ ۱، ۲۵۳)۔ (منیٰ میں قیام نہ کرنے پر حضرت عمرؓ لوگوں کی سرزنش کرتے تھے)۔

ان آثار صحابہ کرامؓ سے ثابت ہوتا ہے کہ (الف) ایام منیٰ میں منیٰ کو آباد رکھنا چاہئے، (ب) ایام منیٰ میں دن کہیں گذر جائے لیکن رات بہر حال منیٰ میں گذارنی بہتر ہے تاکہ رمی جمرات میں سہولت رہے۔ منیٰ میں رات گذارنی واجب نہیں مسنون ہے، کیونکہ حدیث شریف ہے:

''إستأذن العباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ أن یبیت بمکة لیالی منیٰ لأجل سقایته فأذن له'' (نصب الرایہ ۳،۸۷)۔

حضرت عباسؓ نے (جن سے متعلق حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تھی) رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں رات گذارنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

اس جیسی دوسری روایتوں کی بنا پر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قیام منیٰ افعال حج میں نہیں ہے مسنون ہے۔ شیخ زکریا صاحبؒ مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے (حجۃ الوداع ۱۷۷)۔

علامہ ابن الہمام (وفات ۶۸۱ھ) فرماتے ہیں: منیٰ میں قیام نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے (فتح القدیر ۲/ ۵۱۴)۔

صاحب ہدایہ نے اور وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے: ''ولو بات في غیرها متعمداً لایلزمه شئ'' (ھدایہ ۱،۲۵۳)۔

قیام منیٰ قصداً چھوڑ دینے سے دم یا صدقہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اس تمہید کی روشنی میں بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ آج حجاج کرام کی کثرت ایک بڑا اہم مسئلہ ہے، ہر حاجی کے لیے منیٰ کی حدود میں قیام کی گنجائش کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے منیٰ کے باہر حدود حرم میں کسی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے اور وہیں سے رمی جمرات اور قربانی کے لیے جایا کرے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

☆☆☆

جمرات ثلاثہ

مولانا نیاز احمد بناری [1]

جمرات ثلاثہ کی رمی یعنی ۱۱ / ۱۲ رذی الحجہ میں رمی کا افضل وقت زوال شمس سے غروب آفتاب تک ہے، الہٰذا زوال شمس سے قبل رمی درست نہ ہوگی، یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر زوال سے قبل رمی ہوئی تو درست ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲ / ۱۳۷)۔

اور ۱۳ رذی الحجہ کی رمی امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زوال شمس سے قبل درست نہیں ہے (حوالہ بالا ۲ / ۱۳۸)۔

اور اگر ۱۱ / ۱۲ رذی الحجہ کی رمی رات تک مؤخر کردی جائے اور طلوع فجر صادق سے قبل رمی کرلی جائے تو یہ بھی درست ہے، اور اس صورت میں اس پر دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا۔

''فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشئ عليه'' (کاسانی ۲،۱۳۸)۔

البتہ جمہور کے نزدیک ایام تشریق ۱۱ / ۱۲- ۱۳ رکی رمی زوال شمس کے بعد ہی درست ہے، حضرت عطاء اور طاؤس کے نزدیک قبل الزوال بھی درست ہے۔ ابن قدامہ کی رائے یہ ہے کہ ایک دن کی رمی دوسرے دن تک مؤخر کردی یا تمام رمی کو ایام تشریق کے آخری دن تک مؤخر کردیا تو گویا اس نے سنت کو ترک کردیا الہٰذا اس پر دم لازم نہ ہوگا، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر ایک یا دو یا تین کنکری دوسرے دن تک مؤخر کردی جائے تو دوسرے دن رمی کرلے اور ہر ایک کنکری کے عوض نصف صاع، اور اگر چار کنکری دوسرے یوم تک مؤخر کردی جائے تو دوسرے دن کنکری مارے اور ایک دم اس پر لازم ہوگا (عمدۃ القاری ۱۰ / ۸۶)۔

جمہور ائمہ احناف کے مسلک کی تشریح کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جمرات ثلاثہ میں اگرچہ افضل بعد الزوال ہے لیکن دوسری روایت سے قبل الزوال رمی کا درست ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز غروب آفتاب کے بعد طلوع فجر صادق سے قبل کی بھی اجازت دی ہے جس سے خود امام ابوحنیفہ کے مسلک کے تناظر میں اوقات رمی میں توسع ثابت ہوجاتا ہے کہ قبل زوال شمس سے رات صبح صادق سے قبل تک جمرات ثلاثہ کی رمی ہوسکتی ہے۔

موجودہ حالات میں جبکہ رمی جمار میں موت کا ہونا نیز بڑی مشکلات سے حجاج کرام کا نبرد آزما ہونا جیسے حالات کے تناظر میں رمی جمار کے افضل اوقات میں تقدم وتاخر کی گنجائش مسلک احناف سے صاف ظاہر ہے، الہٰذا مذکورہ بالا روایات کے پیش نظر حجاج کرام افضل وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں رمی کرسکتے ہیں، اور اگر ایسے حالات نہیں ہیں تو افضل وقت میں رمی اولی ہوگی۔

رمی جمرہ عقبہ:

رمی جمار اصطلاح شریعت میں حج کے واجبات میں سے ہے، رمی کے ایام چار دن ہیں، پہلی دس ذی الحجہ کی رمی اور پھر تین دن ایام تشریق میں رمی ہوتی ہے، جمرہ عقبہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد سے غروب شمس تک ہے، البتہ طلوع شمس کے بعد سے زوال تک وقت مستحب ہے، اور طلوع فجر صادق سے قبل طلوع شمس تک وقت مکروہ ہے، اور زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک وقت جواز ہے (دیکھئے: عینی شرح کنز ۱ / ۲۴۶)۔

رمی کا انتہاء وقت تو غروب شمس ہے لیکن اگر کسی نے تاخیر کی اور رات میں رمی کرلی تو یہ درست ہے، اس پر دم لازم نہیں ہے، یہ مسلک صاحبین کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم لازم ہوگا (المبسوط ۴ / ۶۴)۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی کا اول وقت یوم النحر کی نصف رات سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ افضل وقت طلوع شمس کے

[1] مفتی جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

بعد سے شروع ہوتا ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ ؓ کو یوم النحر کی رات میں رمی کا حکم فرمایا اور ام سلمہ نے جمرہ عقبہ کی رمی فجر سے پہلے کی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ر ۲۲۵۴)۔

امام ابوحنیفہ وامام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ طلوع شمس سے پہلے جمرہ (عقبہ) کی رمی نہ کرو، اسی طرح آپ ﷺ کا عمل بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ضحیٰ کے وقت رمی کی۔

۱۔ ''رمی رسول اللہ ﷺ ضحیٰ'' (متفق علیہ)۔

۲۔ ''عن ابن عباس عن النبي ﷺ لا ترموا حتی تطلع الشمس'' (رواه أبوداؤد وصححه الترمذي ۲۲۶، عینی شرح کنز بکذا رواه الخمسة. بحواله الفقه الإسلامي ۲۲۵۴)۔

۳۔ ''لاترموا جمرة العقبة إلا مصبحين'' (هدایه ۲۳۲)۔

موجودہ دور میں شریعت کے مسائل سے ناواقفیت اور سہولت پسندی کے پیش نظر رمی جمرات کے دوران حجاج کرام کی کثرت ازدحام کے باعث حادثات کا ہونا، کثیر تعداد میں مسلمانوں کی موت ہوجانا مستقل ایک ضرر ہے جس کی تلافی اور اس ضرر سے امت کو محفوظ کرلینا دین کی اہم ذمہ داری ہے، ایسے حالات کے تناظر میں یہ تجویز کہ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی کا وقت اس دن نصف شب کے بعد سے دوسرے دن کی صبح صادق تک باتفاق رائے مقرر کردیا جانا چاہئے یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ فقہ حنفی کی رو سے، جمرہ عقبہ کی رمی طلوع فجر صادق کے بعد کراہت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہ کراہت "الضرر یزال" کے ضابطہ سے منقطع ہوجاتی ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کی جان کی حفاظت کراہت عمل کے بالمقابل اہم ہے، اور اگر دس ذی الحجہ کی رمی ازدحام وبھیڑ کی وجہ سے نہ ہوسکی یا وقت مستحب میں کرلینے سے جان کا خطرہ لاحق ہے تو دس ذی الحجہ کے بعد ۱۱ ذی الحجہ کی شب میں جمرۃ عقبہ کی رمی کی اجازت بکراہت ثابت ہے، اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم لازم ہے لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول عدم لزوم دم کو ترجیح دی جائے گی۔
ان تمام صورتوں کی تنقیح فقہی جزئیات متعلقہ توسیع وقت رمی جمرہ عقبہ کے پیش نظر دس ذی الحجہ کی نصف شب کے بعد دوسرے دن کی صبح تک وقت میں توسیع اور رمی کی اجازت درست نہ ہوگی بلکہ حالات کے اعتبار سے وقت جواز، وقت کراہت، وقت مستحب میں سے کسی بھی وقت رمی کرلینے کی اجازت دیدی جائے، البتہ ایسے حالات رونما ہوجائیں کہ دس ذی الحجہ کی نصف شب میں ہی رمی ہوسکتی ہے ورنہ ترک لازم آئے گا تو حالت اضطرار فرض کرکے کرلینے میں کوئی حرج نہیں سمجھ میں آتا، البتہ کسی خبر واحد کی بنیاد پر رسول پاک ﷺ اور صحابہ کرام کے عام قول وعمل کا ترک درست نہیں ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد ارشد المدنی[1]

(الف) رمی جمار کے اوقات:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد اور غروب سے قبل کی تھی۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث ہے:

''رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى، وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (رواہ مسلم ۱۲۹۹)۔

اور یہی افضل ہے۔ مگر کسی وجہ سے اگر کوئی شخص اس دن صبح صادق سے قبل کنکریاں مار لے تو صحیح ہے۔

۲۔ جمہور اہل علم کے نزدیک گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال آفتاب سے قبل کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی بھی ظاہری روایت یہی ہے۔ ہاں البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک دوسری روایت مروی ہے جس میں زوال آفتاب سے قبل رمی کرنے کی اجازت ہے۔ ہمارے نزدیک جمہور اہل علم کا مسلک راجح ہے۔

۳۔ سنت یہ ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی بھی رمی غروب آفتاب سے قبل کی جائے۔ البتہ غروب کے بعد رمی کرنے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایام تشریق میں دن و رات میں کسی بھی وقت رمی کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

۴۔ اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو وہ تیسری رات بھی منیٰ میں گذارے اور تیسرے دن بھی جمرات کو کنکری مارے تو ایسا کرنا سب سے افضل اور ثواب میں سب سے زیادہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى'' (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

یعنی ان چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو، جو شخص منیٰ میں دو دن قیام کر کے واپسی کی جلدی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، نہ اس شخص پر کوئی گناہ ہے جو تاخیر کر کے جائے، یہ اللہ سے ڈرنے والے کے لیے ہے۔

تاخیر کرنا اور تیسرے دن بھی کنکری مارنا اس لیے بھی افضل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعجیل کرنے کا حکم تو دیا لیکن آپ نے خود تعجیل نہیں کی بلکہ منیٰ میں ٹھہر گئے، ۱۳ تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد جمرات کی کنکری ماری پھر ظہر پڑھنے سے پہلے آپ وہاں سے کوچ کر گئے۔

۵۔ سنت یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی زوال کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل کی جائے، مگر بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں (محرم مرد، ڈرائیور اور دوسرے طاقتور افراد) کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے، علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح بچہ یا بچی حج کرے تو اس کی طرف سے اس کا ولی کنکری مار سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ ''ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، ہمارے ساتھ خواتین اور بچے بھی تھے، ہم نے بچوں کی طرف سے لبیک بھی پکارا اور رمی کی'' (ابن ماجہ: ۳۰۳۸)، اسی طرح بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اگر خود رمی نہ کر سکیں تو افضل وقت یعنی طلوع آفتاب کے بعد غروب شمس سے پہلے تک کسی کو وکیل مقرر کر کے اپنی طرف سے رمی کرا سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

[1] نائب رئیس جامعہ امام ابن تیمیہ مدینۃ السلام، مشرقی چمپارن، بہار۔

"فاتقوا اللہ ما استطعتم" (سورۂ تغابن/۱۶)۔

یعنی جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور یہ لوگ جمرات کے پاس لوگوں کی بھیڑ برداشت نہیں کر سکتے اور رمی کا وقت فوت ہو جائے گا جس کی قضا مشروع نہیں، اس لیے ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا کسی کو وکیل مقرر کر دیں، دوسرے مناسک کے برخلاف جن کی ادائیگی کے لیے نیابت جائز نہیں، خواہ اس کا نفلی ہی حج کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جس نے حج اور عمرہ کا احرام باندھ لیا خواہ وہ نفلی ہو لیکن ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وأتموا الحج والعمرة لله" (سورۂ بقرہ/۱۹۷)۔ یعنی اور حج وعمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

اور طواف وسعی کا زمانہ فوت نہیں ہوتا، برخلاف رمی کے، اس کا وقت فوت ہو جاتا ہے، وقوف عرفہ اور مزدلفہ اور منیٰ میں رات گذارنے کا وقت بھی فوت ہو سکتا ہے، اور معذور آدمی تکلیف اٹھا کر ان جگہوں میں بروقت پہنچ سکتا ہے، اور معذور آدمی خود سے رمی نہیں کر سکتا، نیز معذور کے لیے رمی میں نائب بنانا سلف صالح سے ثابت ہے، دوسرے مناسک کے لیے ثابت نہیں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: حج وعمرہ اور زیارت، شیخ ابن باز ۶۱-۶۲)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتیں صحیح قول کی روشنی میں منیٰ میں گذارنی واجب ہے۔ اہل تحقیق علماء کرام نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی شخص بغیر عذر منیٰ میں رات نہ گذارے تو اس پر دم واجب ہوگا۔ بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد کنکریاں مارنے کے بعد حاجی منیٰ سے روانہ ہو سکتا ہے، لیکن تیرہویں تاریخ کی رمی کے لیے منیٰ میں رک جانا افضل ہے۔

۲۔ اگر کوئی حاجی منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، گرچہ ایام تشریق (ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں منیٰ میں رات گذارنی واجب ہے، مگر جیسا کہ گذرا کہ اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص بغیر معقول عذر کے منیٰ میں رات نہ گذارے بلکہ اس کے باہر حدود مکہ وغیرہ میں گذارے اور روزانہ منیٰ جا کر رمی کرے تو اس پر دم واجب ہوگا۔

۳۔ اگر پوری کوشش کے باوجود حاجی کو منیٰ میں جگہ نہیں ملتی، تو خارج از منیٰ حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کر سکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، نیز مزدلفہ میں بھی قیام کر سکتا ہے جو حدود حرم میں داخل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فاتقوا اللہ ما استطعتم" (سورۂ تغابن/۱۶)۔

یعنی اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرو۔ اور منیٰ میں قیام نہ کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ یہ چیز اس کی قوت سے باہر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کے حدود

مفتی ظہیر احمد صاحب کانپور

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ منیٰ انہی اوقات میں بہتر ہوگی جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے رمی فرمائی، چنانچہ ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک جمرہ عقبہ کی رمی کرنا، گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک تینوں جمرات کی رمی کرنا افضل ہے، باقی اعذار کی بنا پر دوسرے اوقات میں بھی یقیناً اجازت دی جائے گی، خصوصاً موجودہ دور میں بھیڑ بھاڑ کی بنا پر پیش آنے والے حادثات کی بنا پر۔

الف: رمی جمار کے اوقات:

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت سودہؓ کو مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت بھیڑ کی وجہ سے مرحمت فرمائی تھی (فتح الباری ۳/ ۵۳۰، بحوالہ رمی جمار کے وقت میں توسیع از ڈاکٹر صلاح الدین ۲۴)۔

اور امام سرخسی نے بھی عذر کی وجہ سے مثلاً مرض، بھیڑ وغیرہ کا خطرہ ہو تو مزدلفہ سے منیٰ آنے میں عجلت کرنے اور رات ہی کو منیٰ آجانے کو جائز قرار دیا ہے۔

یہی بات علامہ شامی نے بھی تحریر کی ہے (ابن عابدین الشامی ۲/ ۵۱۱-۵۱۲)۔

۲۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے رمی کرنا جائز ہے جیسا کہ صاحب بدائع الصنائع (۲/ ۳۲۴) نے تحریر فرمایا ہے: ''وروی عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمى في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبله جاز (یعنی امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ افضل وقت دوسرے اور تیسری دن رمی جمار کے لیے زوال کے بعد ہے لیکن اگر کسی نے اس سے پہلے رمی کرلی تو جائز ہے)۔

گو کہ امام صاحب کا یہ غیر مشہور قول ہے مگر عذر کی صورت میں بلاشبہ اس پر عمل درست ہوگا۔

۳۔ ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد اگر کسی عذر کی بنا پر کرتا ہے تو بلا کراہت درست ہوگی، جیسا کہ موجودہ حالات میں بھیڑ بھاڑ زیادہ رہتی ہے اس وجہ سے اس نے غروب آفتاب کے بعد رمی کی تو بلا کراہت رمی جائز ہوگی (بدائع ۲/ ۳۲۴)۔

۴۔ اگر غروب آفتاب کے بعد تک ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ میں ٹھہرا رہا تو ابھی ۱۳ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب نہیں ہوئی، البتہ اگر وہ بغیر رمی کے طلوع فجر (۱۳ ذی الحجہ) سے پہلے منیٰ سے مکہ چلا جاتا ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ تاہم اس پر کچھ دم وغیرہ واجب نہیں (ردالمحتار ۳/ ۵۴۳)۔

لیکن اگر وہ ۱۳ ذی الحجہ کی طلوع فجر تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو پھر اس پر ۱۳ ذی الحجہ کی رمی واجب ہوجائے گی (دیکھئے: حوالہ بالا)۔

۵۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رمی کی دسویں شب کے نصف سے بعض حضرات کے لئے شرعاً اجازت ہوگی جیسا کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں گذرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو اجازت عطا فرمائی، اسی طرح کتاب المجموع للنووی (۸/ ۱۶۴) میں بھی مذکور ہے۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۔ ان دنوں میں منیٰ میں قیام کرنا حاجی کے لیے عند الاحناف سنت ہے (ردالمحتار ۳/ ۵۱۸)۔

بلا عذر منیٰ سے باہر قیام مکروہ ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے کہا ہے: ''فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (ردالمحتار ۳،۵۴۰)۔

''ويكره أن يبيت في غير منى في أيام منى فإن فعل ذلك لاشئ عليه'' (بدائع الصنائع ۲،۳۶۳)۔

۲۔ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ گزرا لیکن اگر وہ معذور ہے کہ حکومت ہی نے اس کا قیام حدود حرم میں رکھا کسی وجہ سے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا اور نہ اس کے حج پر کوئی اثر پڑے گا۔

۳۔ ان دنوں میں منیٰ کے علاوہ (خواہ شہر مکہ میں یا مضافات مکہ یا مزدلفہ میں) بلا عذر قیام کرنا مکروہ ہے، اور معقول عذر کی صورت میں بلا کراہت درست ہوگا جیسا کہ اوپر شامی اور بدائع میں گذرا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی

۱۔ دس ذی الحجہ کی رمی قبل صبح صادق جائز نہیں۔

اس لئے کہ وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان کے کسی حصہ میں واجب ہوتا ہے، اور قبل صبح صادق مزدلفہ سے نکل جانے پر وجوب پر عمل نہیں ہو پائے گا۔

۲۔ گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے جائز نہیں (معلم الحجاج)۔

۳۔ ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد ازدحام اور کثرت حجاج کی بنا پر میرے نزدیک بلا کراہت درست ہے۔

۴۔ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے سے ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ حج کے دنوں کی راتیں عام راتوں کے برعکس دن کے بعد آتی ہیں۔

۵۔ دس ذی الحجہ کی رمی کسی کے لئے بھی نصف شب سے درست نہیں۔

منیٰ کے باہر قیام:

۱۔ منیٰ کے قیام کی حیثیت زیادہ سے زیادہ سنت کی ہے۔

۲۔ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے کسی عذر کی بنا پر رمی جمار کو جائے تو بکراہت درست ہوگا۔

۳۔ شرعی عذر کی بنا پر جائز ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کی حدود

مفتی نذر توحید مظاہری[1]

۱۔ ۱۰ ارذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز طلوع فجر سے طلوع فجر تک ہے، وقت مسنون طلوع شمس سے زوال تک ہے۔ وقت مباح زوال سے غروب شمس تک ہے۔ وقت مکروہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور غروب شمس سے طلوع فجر تک ہے۔

مریض، ضعفاء، بوڑھے اور عورتیں کثرت ازدحام ودیگر اعذار کی وجہ سے اوقات مکروہہ میں رمی کریں تو کراہت باقی نہ رہے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷، ردالمحتار ۲/ ۱۹۶، البحر الرائق ۲/ ۳۴۵، اعلاء السنن ۱۰/ ۱۷۹)۔

۲، ۳۔ ۱۱/ ۱۲ ارذی الحجہ کی رمی کا وقت جواز زوال سے طلوع فجر تک ہے، وقت مستحب ومسنون زوال سے غروب آفتاب تک ہے، وقت مکروہ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک ہے۔

۱۱/ ۱۲ ارذی الحجہ کو طلوع فجر صادق سے رمی کرنے کی گنجائش نہیں ہے، غروب آفتاب کے بعد مریض، ضعفاء، بوڑھے وعورتیں کثرت ازدحام کی وجہ سے رمی کریں تو کراہت باقی نہ رہے گی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۸، شامی ۲/ ۲۰۱، البحر الرائق ۲/ ۳۴۸، اعلاء السنن ۱۰/ ۱۸۰، فتح الباری ۳/ ۳۱۷)۔

۴۔ ۱۲ ارذی الحجہ کو منیٰ سے غروب آفتاب سے قبل نکلنا جائز ہے۔

اگر غروب آفتاب تک منیٰ سے نہ نکل سکا تو ۱۳ ارذی الحجہ کی رمی کئے بغیر نکلنا مکروہ ہے، اگر منیٰ میں صبح صادق ہوجائے تو ۱۳ ارذی الحجہ کی رمی واجب ہوگی، اب ۱۳ کی رمی کئے بغیر نکلنا جائز نہیں ہے، اگر بغیر رمی کے نکل جائے تو دم واجب ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۲۰۱، البحر الرائق ۲/ ۳۰۴، اعلاء السنن ۱۰/ ۱۸۸)۔

۵۔ بوڑھے، بیمار، معذور وخواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ ایام حج میں راتیں گذشتہ دنوں کے تابع ہوتی ہیں، تو اس اعتبار سے ابھی ۹ رذی الحجہ ہی ہے۔ رمی کرنا ہے ۱۰ ارذی الحجہ کو تو یہ رمی وقت سے قبل ہوگا جو درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس شب کے طلوع فجر صادق تک ۹ رذی الحجہ ہے، طلوع فجر صادق کے بعد تاریخ بدل جائے گی۔

شوال المکرم ۲۷ ھ میں اخبارات میں رمی جمرات کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ جمرات کی توسیع کی گئی ہے جہاں اب پانچ گھنٹہ میں بارہ لاکھ افراد رمی کرسکیں گے جبکہ ابھی دو منزل کی تعمیر اور باقی ہے تو انشاء اللہ مزید افراد رمی کرسکیں گے۔ اس لیے وقت میں توسیع کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی اور قبل الزوال کی رمی پر کوئی نص نہیں ہے، اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ قبل زوال رمی جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

[1] جامعہ رشید العلوم چترا۔

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

ڈاکٹر محمد بہاء الدین ندوی (کیرالہ)

(الف) رمی جمار کے اوقات میں توسیع کا مسئلہ:

۱۔ ''يجوز الرمي قبل طلوع الشمس بعد طلوع الفجر ولكن لايجوز قبله كما في الكتب الفقهية'' (البحر الرائق ۲۰۴۲-۲۰۵، الفتاوى الهنديه ۱،۲۳۳)۔

۲۔ ''لايجوز الرمي من طلوع الفجر من اليوم الثاني والثالث من أيام النحر'' (البحر الرائق ۲،۶۹۰، المبسوط للسرخسي ۴،۶۸)۔

۳۔ ''يكره الرمي بعد غروب الشمس في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر'' (الفتاوىٰ الهنديه ۱،۲۳۳، الدرالمختار ۲،۵۶۷)۔

۴۔ ''لايلزم الرمي لأنه يجوز النفر إلى قبل طلوع الفجر وإن مكث حتى طلع الفجر يلزم عليه الرمي لليوم الرابع من أيام النحر'' (الدر المختار ۲،۵۷۴، البحر الرائق ۲،۶۱۲)۔

۵۔ ''يجوز الرمي للضعفاء وللشيوخ والمرضى من الليل'' (حاشيه رد المحتار ۲،۵۶۷)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا مسئلہ:

۱۔ ''قيام الحجاج الكرام في هذه الأيام سنة'' (البحر الرائق ۲،۶۱۰، المبسوط ۲،۶۷-۶۸)۔

۲۔ ''يصح الحج بغير كراهة ولكن قال أصحابنا فقد أساء ولا شئ عليه'' (البنايه ۲،۱۳۶- المبسوط ۴،۶۸)۔

۳۔ ''يجوز القيام في مكة المكرمة وغيرها من الأمكنة مطلقاً لأن القيام بمنىٰ في هذه الأيام ليس بواجب بل هو سنة'' والله أعلم بالصواب۔

☆☆☆

رمی جمرات کے اوقات

مولانا محمد شاہ نجم[1]

۱۔ دس ذی الحجہ کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی کا اول وقت صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اگر کسی نے کرلی تو اس کو اعادہ کرنا ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

شوافع کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو نصف شب سے ہی رمی جمار کا وقت شروع ہوجاتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں امام نووی رقمطراز ہیں:

''وهذا المذكور في جمرة العقبة يوم النحر سنة باتفاقهم وعندنا يجوز تقديم من نصف ليلة النهار'' (شرح مسلم للنووي ۱/۴۲۰)۔

حضرات شوافع اپنا مستدل حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کو بناتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماء نے رات میں رمی کی تھی (ابوداؤد ۱/۲۶۸، بخاری ۱/۲۲۷)۔

احناف کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت مسنون طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس تک ہے اور بعد زوال شمس تا غروب شمس رمی بلا کراہت جائز ہے، غروب شمس کے بعد سے اخیر رات تک رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، البتہ معذور لوگوں کے لیے رات میں بلا کراہت رمی جائز ہے (دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰/۱۷۹، بدائع الصنائع ۲/۳۲۳، عنایہ ۲/۳۹۴)۔

اس سلسلہ میں حضرات احناف درج ذیل احادیث پیش کرتے ہیں:

''عن ابن عباس قال قدمنا رسول الله ﷺ ليلة المزدلفة أغليمة بني عبد المطلب على جمرات فجعل يلطح أفخاذنا ويقول: ابيني ! لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (أبوداؤد ۱/۲۶۸)۔

''عن جابرؓ فقال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (مسلم شريف ۱/۴۲۰)۔

مذکورہ بالا احادیث کے پیش نظر احناف کے یہاں ۱۰/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ وقت مسنون طلوع آفتاب کے بعد ہے، لہٰذا ۱۰/ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے۔

۲۔ جہاں تک ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اور رات تک رہتا ہے۔

''وأجمع على أن من سنة رمي الجمار الثلاث في أيام التشريق أن يكون بعد الزوال'' (بداية المجتهد ۱/۲۵۸)

خود حدیث شریف سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمرات پر رمی فرمائی تھی، نیز صحابہ کرامؓ کا بھی عمل زوال شمس کے بعد ہی رمی کرنے کا تھا اور لوگوں کو بھی زوال شمس کے بعد ہی رمی کرنے کا حکم دیتے تھے۔

''عن جابرؓ قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ورمى بعد يوم النحر إذا زالت الشمس'' (مسلم شريف

[1] المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

۱. ۴۲۰، أبو داؤد ۱،۲۶۸)۔

لیکن احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ مذکورہ ایام میں رمی جمار کا مسنون وقت زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک رہتا ہے، اور غروب شمس کے بعد سے آخر رات تک رمی کا مکروہ وقت ہے، البتہ معذور لوگوں اور عورتوں کے لیے اس وقت بھی بلا کراہت رمی جائز ہے۔

جمہور فقہاء اور احناف کا مشہور و معتمد قول یہی ہے کہ زوال شمس سے قبل ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کو رمی کا وقت نہیں ہے، زوال شمس کے بعد ہی رمی کا وقت شروع ہوتا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲؍۲۴۴، شرح لباب؍۱۶۱)۔

لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر چونکہ حجاج کی کثیر تعداد رمی جمار کے موقعہ پر اکٹھا ہو جاتی ہے، مکمل نظم و نسق کے باوجود رمی جمار کے وقت ہزاروں کی تعداد میں حجاج کرام جاں بحق ہو جاتے ہیں، اس لیے اقوال ائمہ کی روشنی میں وسعت کو اختیار کرتے ہوئے ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ملتی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ملتی ہے جس میں صبح صادق سے رمی کی گنجائش ثابت ہوتی ہے، اگرچہ یہ غیر مشہور روایت ہے اور ظاہر الروایت کے خلاف بھی ہے مگر شدید ضرورت کے پیش نظر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس پر عمومی فتویٰ اور اعلان کرنے سے گریز کرنا چاہئے چونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تعامل صحابہ و مجتہدین کے خلاف ہے (بدائع الصنائع ۲؍۳۲۴)۔

۳۔ احناف کے نزدیک غیر معذور شخص کے لیے ۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد سے اگلے روز کی صبح صادق سے قبل تک کرنا مکروہ ہے، البتہ رمی کی ادائیگی ہو جائے گی اور کوئی جزا واجب نہیں ہوگا، لیکن ضعیف افراد، عورتوں اور بچوں کے لیے اس وقت رمی کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اسی طرح اگر شدید ازدحام کی وجہ سے اگر کوئی غیر معذور شخص دن میں رمی نہ کر سکا تو ایسے شخص کے لیے رات میں رمی کرنے میں کوئی کراہت نہ ہوگی، کیونکہ شدید ازدحام بھی عذر ہے، اور ایسا شخص معذور افراد میں شمار ہوگا (شرح لباب؍۱۶۱، بدائع الصنائع ۲؍۲۲۴)۔

۴۔ اگر کسی شخص کو ۱۲؍ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ واپس ہونے اور ۱۳؍ذی الحجہ کو رمی نہ کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لیے بہتر اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ ۱۲؍ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے نکل کر مکہ چلا جائے، اور اگر ۱۲؍ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں رک جاتا ہے تو اس کے لیے رات میں نکلنا مکروہ ہے، لیکن ازدحام کی وجہ سے یہ کراہت ختم ہو گئی، اور اس پر ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی بھی واجب نہیں ہوگی، اس لیے اب یہ شخص رات میں کسی وقت بھی اگلے روز صبح صادق سے قبل منیٰ سے مکہ مکرمہ جا سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی بھی واجب نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ۱۳؍ذی الحجہ کی صبح صادق ہو جائے تو اب ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی واجب ہوگی، بغیر رمی کئے مکہ جانے پر دم واجب ہوگا۔

احناف کے نزدیک ظاہر الروایۃ اور راجح قول یہی ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں رہتے ہوئے آفتاب غروب ہو جائے تو اب بغیر ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی کئے ہوئے جانے پر دم واجب ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲؍۳۲۴، شرح لباب؍۱۶۳)۔

۵۔ دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۱؍ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل تک چوبیس گھنٹے کا وقت ملتا ہے جس میں اطمینان و سکون کے ساتھ تمام حجاج کرام رمی کر سکتے ہیں، اس لیے کوئی شرعی ضرورت درکار نہیں ہے جس کی وجہ سے نصف شب سے ہی رمی کی اجازت دے دی جائے، البتہ اگر کوئی شرعی ضرورت پائی جاتی ہو یا چوبیس گھنٹے کے اندر اندر رمی کرنا ناممکن ہو اور ازدحام کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں نصف شب سے رمی کی اجازت دی جا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی کے یہاں دس تاریخ کی نصف شب سے ہی رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس لیے ضرورت کے پیش نظر اس قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

رمی جمار اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا سید قمر الدین محمود

۱، ۲، ۳۔ رمی جمار کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہے دسویں تاریخ یوم النحر کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کا، اور دوسرا مسئلہ ہے گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ کے روز تینوں جمرات کی رمی کا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے اعتبار سے یوم النحر کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت طلوع آفتاب کے بعد افضل وقت ہے اور طلوع صبح صادق کے بعد جائز ہے، نیز گیارہویں، بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد وقت شروع ہوتا ہے جو غروب تک افضل ہے۔ غروب کے بعد بغیر عذر کے تاخیر مکروہ ہے۔ تیرہویں تاریخ کو رمی جمار زوال کے بعد افضل ہے لیکن تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر کے بعد بھی رمی جائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دسویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی کی ہے البتہ کمزور، عورتوں اور بچوں کو عید کی رات میں مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت دی، اس سے معلوم ہوا کہ کمزور، عورتوں، بچوں وغیرہ کے لیے طلوع فجر سے پہلے یا طلوع فجر کے بعد رمی جمرۂ عقبہ کی گنجائش ہے۔ لیکن جو رمی پر قادر ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں ان کو طلوع آفتاب کے بعد ہی کرنی چاہئے۔ نیز حج کے ایام میں دن گذرنے کے بعد والی رات کو گذرے ہوئے دن کی رات شمار کیا گیا ہے اور وقت میں کافی توسیع ہے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے غروب تک رمی نہ بھی کرسکے تو رات میں کسی وقت بھی کرسکتا ہے اور عذر کی وجہ سے تاخیر ہو تو کراہت بھی نہیں رہے گی، اس بنا پر دسویں تاریخ کی جمرۂ عقبہ کی رمی کو نصف رات کے بعد کرنے کی اجازت محل نظر ہے۔

اسی طرح گیارہویں، بارہویں تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے بعد رمی فرمائی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج ہے، اگر زوال سے قبل رمی شروع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی فرما کر امت کو یہ بتادیتے کہ زوال سے قبل بھی رمی کی اجازت ہے۔ اور پھر جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ رمی کے وقت میں کافی توسیع ہے، ہجوم اور رش بھی ایک عذر ہے، اور عذر کی حالت میں رمی کو غروب کے بعد تک بلکہ رات تک مؤخر کرنے میں کراہت بھی نہیں ہے، لہٰذا زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت بھی محل نظر ہے۔

ہجوم اور رش کی بنا پر جانوں کی ہلاکت یا نقصان کو جو لوگ رمی جمار میں قبل زوال اجازت دینے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان سے عرض ہے کہ انسان کی فطرت میں عجلت پسندی ہے اور رمی کا وقت شروع ہوتے ہی یعنی زوال کے بعد فوراً ہی لوگ رمی جمار کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں اس کی وجہ سے جانوں کی ہلاکت یا نقصان ہوتا ہے جبکہ وقت میں اتنا توسیع ہے کہ غروب تک رمی کرسکتے ہیں اور عذر کی حالت میں غروب کے بعد سے اگلے روز کی صبح صادق طلوع ہونے سے قبل تک کرسکتے ہیں، لہٰذا یہ عذر کہ جانوں کا اتلاف ہوتا ہے اس لیے زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں کو رمی کی اجازت ہونی چاہئے اور عید کے نصف شب کے بعد سے اجازت ہونی چاہئے یہ عذر قابل قبول نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر زوال سے قبل رمی جمار کی اجازت دیدی جائے تو صبح کا وقت ٹھنڈا ہونے کی بنا پر وہی ہجوم اور رش ہوگا اور وہی مفسدہ پیش آئے گا، لہٰذا زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت دینا محل نظر ہے، بظاہر اس کا جواز معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح عید کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت قبل طلوع صبح صادق محل نظر ہے، البتہ کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے لیے تو اجازت ہے ہی۔

بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے اس روز کی رمی جس روز واجب تھی نہ کرسکا تو دوسرے دن رمی کرلے، اسی طرح تیرہویں تاریخ کے غروب تک چھوٹی ہوئی رمی کرسکتا ہے، لہٰذا ہجوم اور رش کے عذر کی بنا پر قبل زوال گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔ اگر ۱۲ ذی الحجہ کو ہجوم کی وجہ سے غروب تک رمی نہیں کی جاسکی اور مغرب کے بعد یا رات میں رمی کر کے مکہ مکرمہ چلا جائے تو ۱۳ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵۔ بوڑھے، ضعیف، بیمار، معذور، خواتین اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دسویں تاریخ کی رمی دسویں شب کی نصف سے کرنے کی اجازت ہوگی۔

منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور وہ عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے اور عام طور پر لوگ ایک ہی مرتبہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ اہتمام اس بات کا ہونا چاہئے کہ اس فریضہ کی ادائیگی سنت کے مطابق ہو حتیٰ الامکان واجبات، مستحبات اور افضل کی رعایت ارکان وافعال کی ادائیگی میں کی جائے۔

حج کے ایام میں مزدلفہ والی رات کو چھوڑ کر بقیہ راتیں منیٰ میں ٹھہرنا اور گذارنا سنت ہے لہٰذا حتی الامکان اس کی رعایت ضروری ہے۔ آج کل بے پناہ ہجوم اور رش کی وجہ سے منیٰ کی ایک محدود جگہ حجاج کرام کے لیے کافی نہیں ہوتی اس بنا پر خیمے مزدلفہ کی حدود میں بھی لگائے جاتے ہیں، اس صورت میں وہ حجاج کرام جن کے خیمے منیٰ کی حد سے باہر مزدلفہ میں ہوتے ہیں ان کو وہاں قیام کرنا ہوتا ہے اس طرح ان کے قیام منیٰ کی سنت چھوٹ جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک مجبوری کی صورت ہے حاجی اس سے خوش نہیں ہوتا بلکہ دل میں کڑھن محسوس کرتا ہے مگر انتظام حکومت کی وجہ سے مجبور ہے تو اس صورت میں منیٰ کے قیام کی سنت چھوٹ جانے کی وجہ سے ان کے ذمہ مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ ویسے بھی یہ سنت ہے۔ اور عذر کی حالت میں سنت کو چھوڑنے کی اجازت ہے اور اس سے حج میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حکومت تمام حجاج کے لیے خیموں کا انتظام کرتی ہے لہٰذا جو لوگ حی العزیزیہ میں قیام کر کے یا مکہ مکرمہ میں قیام کر کے رمی کے لیے منیٰ میں جاتے ہیں وہ تارک سنت ہوں گے۔ اگر چہ حج تو ادا ہو جائے گا مگر سنت کے مطابق نہ ہوگا۔

☆☆☆

فقہی تحقیقات

تیسرا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ سے باہر حدودِ حرم میں قیام

[اس مناقشہ کو مولانا احمد نادر القاسمی نے کیسٹ سے نوٹ کیا اور مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اسے ایڈٹ کیا ہے]

مولانا سید قمر الدین محمود: ...... ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کی اجازت اس لئے بھی نہیں دینی چاہئے کہ اس کے وقت میں توسع ہے، زوال سے لے کر اگلی تاریخ کی صبح صادق تک اس میں گنجائش ہے، اور یہ مشاہدہ ہے کہ انسان عام طور پر اپنے کام میں جلدی کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے: "إن الإنسان خلق هلوعا" (سورۂ معارج: ۱۹) (انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے)، اس لئے ایک مسئلہ یہ بھی ہے اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ زوال کے بعد لوگ رمی کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، اسی وجہ سے جو حادثات ہوتے ہیں وہ زوال سے لے کر عصر کی نماز تک، اس کے بعد یہ حادثات نہیں ہوتے، الحمد للہ گذشتہ سالوں سے میں حج پر جا رہا ہوں، اور میرا خود تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا بھی کہ عصر کی نماز کے بعد اپنے ساتھ قافلہ کو لے گیا اس میں کچھ بزرگ بھی تھے اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے الحمد للہ بہت اطمینان کے ساتھ ہم لوگوں نے رمی کی، یہ پانچ سال تسلسل کے ساتھ ہوا، اور اس سے پہلے بھی ہوا اور ہوتا رہا ہے، تو بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وقت کے اندر اتنی زیادہ گنجائش ہے کہ اس وقت کے علاوہ میں رمی کی اجازت دینے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا، اس کے علاوہ اگر عذر کی وجہ سے کوئی واجب چھوٹ جاتا ہے تو اس میں گنجائش ہے، اجازت ہے، اگر ازدحام کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے آپ رمی نہیں کر سکے اور غروب کے بعد بھی آپ رمی کرتے ہیں تو اس میں بھی عذر کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں ہوگی اور طلوع صبح صادق تک اس میں گنجائش ہے، اس لئے عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عصر بعد سے لے کر رات دیر تک لوگ رمی کرتے رہتے ہیں اور کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، ساری دقت اس لئے ہوتی ہے کہ زوال کے بعد فوراً رمی کر کے بارہویں تاریخ کو طواف کے لئے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی گنجائش نہیں رہنی چاہئے اور جو اوقات کی تحدید کی گئی ہے اس کے مطابق ہی ہونا چاہئے، رہا یہ کہ اس سے پہلے رات کے وقت میں جو کمزور حضرات اور عورتیں ہیں ان کے لئے گنجائش نکلتی ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے کہا کہ آج کے دن کی رمی نہیں ہو سکی ہے کسی وجہ سے تو اگلے دن رمی کر لے، اور اگلے دن رمی کرے گا تو اس کے اوپر دم بھی واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں گنجائش ہے کہ آج کی رمی کل تک کے لئے بھی کسی عذر کی بنا پر موخر کر سکتے ہیں، جیسا کہ متاخرین نے اور مولانا خالد سیف اللہ نے فرمایا کہ علامہ شامیؒ نے ازدہام کو عذر قرار دیا ہے، تو اسی عذر کی وجہ سے اگر رمی میں تاخیر ہو رہی ہے اور اسے دوسرے دن کسی وجہ سے کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک گنجائش نکلتی ہے، اسی طرح اگر ازدحام اور عذر کی وجہ سے بارہ تاریخ کو غروب کے بعد رمی کر کے وہ مکہ مکرمہ جاتا ہے تو اس میں اجازت ہے، تیرہویں تاریخ کی رمی اس کے اوپر لازم نہیں ہوتی، یہ میری رائے ہے اور دلائل آپ کے سامنے آ ہی چکے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... جزاکم اللہ: جیسا کہ مولانا قمر الدین صاحب نے فرمایا واقعی اس مسئلہ میں حنفیہ کے یہاں جو وسعت ہے اور بالخصوص صاحبین کی اس رائے کو اس کے ساتھ ملا لیا جائے کہ رمی کی قضا اگر ایام تشریق کے اندر اندر کر لی جائے تو دم واجب نہیں ہوگا تو اس کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر دے۔

مولانا سید قمر الدین محمود:

اگر جمرہ عقبہ کی رمی کی اجازت طلوع صبح صادق سے پہلے دی جاتی ہے تو وقوف مزدلفہ جو واجب ہے وہ چھوٹ جائے گا، البتہ جو معذور ہیں وہ عذر کی وجہ سے وقوف مزدلفہ کو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن بغیر عذر کے اس واجب کو نہیں چھوڑا جا سکتا، اس لئے عام لوگوں کے لئے طلوع صبح صادق سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی کی اجازت نہیں ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

پہلے جمرات ستون کی شکل میں تھے اب وہ تقریباً تیس پینتس فٹ کے بنا دیئے گئے ہیں، یعنی یوں کہئے کہ شیطان اب تھوڑا بڑا ہو گیا ہے، اس لئے رمی میں سہولت بھی ہوگئی ہے، اب یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، وہاں سعودی عرب میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے، میں مولانا کا شکر گزار ہوں۔

مولانا ارشد فاروقی:

سب سے پہلے یہ بات عرض کرنی ہے کہ غالباً ہمارے اس سمینار کی اور اس سمینار میں اور مناقشہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی آہٹ سعودی حکومت نے محسوس کرلی ہے اور انہوں نے ایسا نیا نظم کرنا شروع کر دیا ہے، لیکن فقہ تقدیری کے ہم قائل نہیں، اس لئے طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کی اجازت دینے کی کوئی صورت ان احادیث کو سامنے رکھ کر نظر نہیں آرہی ہے، جو رمی جمرات کے اوقات کی تعیین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، بقیہ باتیں آ گئی ہیں، اس لئے ان کو مکرر ذکر کرنا مناسب نہیں ہے، شکریہ۔

مولانا ابرار خاں ندوی:......

ہمارے یہاں ضعفاء اور معذورین کو جو اجازت ہے کہ مستحب اوقات کے علاوہ میں ان کے لئے رمی کی گنجائش ہے، اور اجازت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، وہ کمزور ہیں، ازدہام میں ان کو رمی کرتے ہوئے دشواری ہوگی، لیکن سوال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ نوجوان اور تندرست حجاج کی تعداد میں اضافہ ہو تو ان کو ازدہام کی وجہ سے اجازت ہوگی یا نہیں؟

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے بیماروں اور کمزوروں کے لئے جو گنجائش اور سہولت دی ہے، ان گنجائشوں اور سہولتوں سے لوگ واقف نہیں ہیں، انہوں نے جو مسائل سن لئے، یا پڑھ لئے ہیں کہ فلاں وقت میں رمی کرنی ہے، تو اسی لحاظ سے وہ عمل کرتے ہیں، ان مسائل کی باضابطہ ان کو ٹریننگ نہیں ہوتی، اور مزاج بنایا نہیں جاتا، اس لئے حوادث پیش آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ علماء کرام کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ حج میں جانے والوں کی تربیت کے نظام کو قائم کریں اور جس مسئلہ کی جو حیثیت ہے اس کو واضح کریں کہ حج کے کون سے ارکان ہیں، کون واجبات ہیں، کون مستحبات ہیں۔ تاکہ مان لیجئے کہ اگر کسی مستحب پر عمل نہیں کر پا رہے ہیں اور ان سے عمل کی صورت میں جان کی ضیاع کا اندیشہ ہے، یا غیر معمولی مشقت میں پڑنے کا خطرہ ہے تو اس کا لحاظ ضرور کیا کریں، میں سمجھتا ہوں کہ مختلف روایتوں کی بنیاد پر جو گنجائشیں فقہ اسلامی میں ہیں ان گنجائشوں کا استعمال کرتے ہوئے ہم اس کا خیال کریں کہ جو قول جمہور کا ہو، مفتی بہ اور راجح قول ہو اس پر قائم رہیں، جیسے زوال سے پہلے رمی کی بات ہے تو زوال سے پہلے رمی کی بھی ایک روایت امام ابوحنیفہ سے معروف ہے، یعنی غیر مشہور روایت امام صاحب کی ہے، مفتی بہ تو وہی روایت ہے کہ زوال سے پہلے گیارہ بارہ کو رمی نہیں ہے، لیکن جیسا کہ مولانا نے فرمایا کہ کافی وقت ہوتا ہے، اگر لوگ زوال کے بعد فوراً رمی نہ کریں اور فوراً نکلنے کا نہ سوچیں، بلکہ تھوڑا سا رک جائیں تو رکنے کی صورت میں خطرہ بہت حد تک کم ہو جاتا ہے اور گنجائش ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے خطرات پیش نہیں آتے۔

اصحاب اعذار کے لئے ان مسائل میں گنجائشیں موجود ہیں، لیکن رجحان یہی بنانا چاہئے کہ جو مستحب اوقات اور افضل اوقات ہیں ان کو ہی اختیار کریں، اس وقت انتظام میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان تبدیلیوں کی وجہ سے یہ دشواریاں انشاء اللہ خود بخود ختم ہو جائیں گی، میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات بقیہ موضوعات پر گفتگو فرمائیں گے۔

مفتی شعیب صاحب:...... حج کے دوران رمی جمار، منیٰ اور مزدلفہ میں جو ازدہام ہوتا ہے حکومت بھی اس کے انتظام میں پریشان ہوجاتی ہے، حالانکہ حکومت نے اپنے نظم ونسق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، بعض لوگ تو سورج نکلنے کے بعد منیٰ پہنچتے ہیں، اس لئے صبح صادق سے قبل رمی کی گنجائش دینا مناسب نہیں ہے، البتہ مخصوص حضرات مثلاً معذورین، مریض اور کمزور افراد کے لئے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس لئے کہ متعینہ وقت کے اندر خود ہی اتنی گنجائش ہے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد رمی کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی، اس سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں تو مزید توسع ہے، اسی طرح ۱۲ر تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ جلدی سے رمی کرلے اور دوسرے کا خیال نہیں کیا جاتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... مولانا شعیب صاحب کا نقطۂ نظر آپ کے سامنے آیا اور آپ نے سن لیا کہ اصل مسئلہ صحیح وقت کے انتخاب کا ہے، وقت میں بہت وسعت ہے، لوگ جلد بازی سے کام نہ لیں اور صحیح وقت کا انتخاب کریں تو وقت کے اندر ہی رمی کرسکتے ہیں، بہت سے لوگ جو وہاں گئے ہیں، انہیں اس کا اندازہ ہوگا، میری والدہ مرحومہ جن کی عمر ساٹھ ستر برس کی تھی ان سے بھی میں نے رمی کرائی اور مجھے کسی طرح کی دقت پیش نہیں آئی، اگر آدمی صحیح وقت میں یعنی عصر کے بعد جائے تو آسانی سے رمی کرسکتا ہے، اسی پہلو کو ہمیں ملحوظ رکھنا چاہئے، میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ حضرات جنہوں نے اس مسئلہ پر مقالات لکھے ہیں وہ بھی اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کریں۔

مفتی جمیل احمد نذیری:...... یہ وقت اگرچہ مکروہ ہے، لیکن حادثات کی وجہ سے کراہت کے حکم میں بھی نہیں رہتا، اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ معذور، بیمار اور کمزور افراد کے لئے دس ذی الحجہ کے اوقات رمی میں گنجائش کی جو بات کی جارہی ہے، احقر کا خیال یہ ہے کہ اس میں گنجائش نہیں دی جاسکتی ہے، ماہنامہ فرقان لکھنؤ کی طرف سے احقر کو ایک استفتاء موصول ہوا تھا، اس کے جواب میں ہم نے ۲۰۰۱ء کے شمارے کے لئے ایک تفصیلی مقالہ لکھا تھا، اور اس سلسلہ میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، اس کی تفصیل اعلاء السنن، فتح الباری، مرقاۃ المفاتیح وغیرہ میں موجود ہے، جیسا کہ کچھ حضرات کی رائے یہ آئی کہ بیمار، معذور اور عورتوں کے لئے جلدی سے جلدی رمی کی اجازت دی جائے، ازدہام کی بنیاد پر یا کسی امام کے قول کی بنیاد پر تو اس کے بارے میں احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اس کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کا حل موجود ہے کہ گیارہ کی رمی بارہ تاریخ کرلے۔

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی:...... رمی کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں جو دن اور اوقات کا ذکر کیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت توسع ہے، اور اس میں رمی کی گنجائش ہے، اور اصل مسئلہ یہ ہے کہ وقت کا انتخاب کرنے میں احتیاط برتیں تو حادثے بہت کم ہوجائیں گے اور جو اوقات ذکر کئے گئے ہیں وہ کافی ہیں، اس میں مزید توسع کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... اس پہلو پر بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت امام صاحبؒ کا جو قول غیر مشہور ذکر کیا گیا ہے، موجودہ حالات میں اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم کیا ہوگا؟

مفتی نذیر احمد کشمیری:...... طلوع آفتاب سے پہلے رمی کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... ہمارے مفتی نذیر صاحب نے عملی اور تجرباتی پہلو کی طرف متوجہ کیا ہے، لیکن جہاں تک میرے علم میں ہے صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان رمی کی گنجائش ہے، گویہ کہ اس کا وقت مکروہ ہے، مگر حنفیہ کے یہاں اس کی گنجائش ہے۔

مفتی انور علی اعظمی:

دسویں تاریخ کو صبح صادق سے رمی کی عام اجازت دی جاتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ کی اہمیت لوگوں کی نگاہ میں کم ہوجائے گی اور بہت سارے لوگ صبح صادق کے بعد رمی کرنے کے لئے پہلے ہی سے مزدلفہ کو چھوڑ کر رمی کے لئے چل دیں گے، جبکہ صبح صادق کے بعد وقوف مزدلفہ کا وقت ہے، وقوف مزدلفہ جو ہمارے یہاں واجب ہے اور اس کے چھوڑنے پر دم کے وجوب کے بھی اقوال موجود ہیں، اس کا اہتمام نہ کرنا، یا اس کو چھوڑ دینا، یہ حج کا بڑا نقصان ہے۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ گیارہ اور بارہ کو زوال سے پہلے رمی کا جو قول امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، وہ نوادر کی روایت ہے، اور فتاویٰ کے لئے

سب سے پہلے نصوص دیکھی جاتی ہیں، اور نصوص کے بعد فقہی روایات میں سب سے پہلے ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے فقہاء کے یہاں گیارہ اور بارہ کے بارے میں واضح نص موجود ہے اور ظاہر الروایہ سے اس کی بہت ہی واضح اور صریح تائید ملتی ہے، اس کو نظر انداز کر کے گیارہ اور بارہ کا زوال سے پہلے رمی کرنے کے قول کو اختیار کرنا، ایک تو یہ کہ حنفیہ کے مفتی بہ قول کو چھوڑنا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ گویا پہلے سے بہت ہی مشہور قول چلا آرہا ہے اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے، اس سے انحراف کرنا ہے، یہ خود حنفیہ کے درمیان ایک طرح سے انتشار پیدا کرنا ہوگا، اس لئے ہمیں بہر حال مفتی بہ اقوال کی رعایت کرنی چاہئے اور اس کے خلاف بہت ہی مجبوری اور مشقت اور ضرورت شدیدہ ہو تو عمل کرنا چاہئے، تھوڑی موڑی آسانی یا تھوڑی پریشانی کی بنا پر اس کو چھوڑنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے اور جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ حج کے ایام میں رات دن کے تابع ہوتی ہے، لہٰذا زوال سے پہلے والی گنجائش نہ دے کر لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ زوال کے بعد، عصر کے بعد، مغرب کے بعد جو گنجائشیں دی گئیں ہیں، ان گنجائشوں پر عمل کریں تو کام وقت کے اندر ہوگا اور بالآخر ہمارا آپ کا عمل سنت کے مطابق ہو جائے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... جزاکم اللہ، حضرت مفتی صاحب نے اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں، جہاں تک گیارہ اور بارہ کو زوال شمس کے بعد رمی کے سلسلہ میں نصوص کا تعلق ہے تو وہ غالباً احادیث فعلیہ ہیں، جس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے بعد رمی کی، ان میں بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم زوال کا انتظار کرتے تھے اور جب زوال ہو جاتا تھا تب رمی کرتے تھے، اسی لئے حنفیہ نے ان مسائل کو استحباب پر محمول کیا ہے، غالباً کوئی ایسی حدیث قولی نہیں ہے جس میں زوال آفتاب سے پہلے رمی کی ممانعت پائی جاتی ہو۔

مولانا ذکاء اللہ شبلی: آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... آپ نے مولانا ذکاء اللہ صاحب کے نقطہ نظر کو سنا، ہو سکتا ہے کہ امسال معلمین نے اس کا حکم دیا ہوگا، لیکن آپ حضرات نے دیکھا ہوگا کہ مزدلفہ سے نصف شب کے بعد ہی بڑی تعداد میں لوگ نکلتے ہیں، اس سال ہم لوگوں کے ساتھ ایک عرب عالم تھے وہ بھی چاہتے تھے کہ رات میں ہی ہم لوگوں کو وہ منیٰ پہنچادیں، پھر ہم لوگوں نے بہت اصرار کیا یہاں تک ہم لوگ گاڑی سے اتر گئے، اور کہا کہ اگر آپ جانا بھی چاہیں گے تو ہم اس وقت نہیں جائیں گے تب جا کر انہوں نے توقف کیا، تو اس میں سب سے بڑا مسئلہ ہے وقوف مزدلفہ کا، کیونکہ ہمارے یہاں طلوع صبح صادق کے بعد سے اشراق تک یعنی طلوع شمس سے بقدر دو رکعت پہلے تک ہے، اسی درمیان کا وقوف واجب ہے، صبح صادق سے اگر دس تاریخ کو رمی کی جائے تو یہ ایک اہم واجب جو اس تاریخ کا ہے وہ چھوٹ جاتا ہے، اسے کیسے ادا کیا جائے، بہر حال میں کسی رائے کا اظہار نہیں کرتا جو آپ حضرات نے نقل فرمایا ہے اسی کا ذکر کر رہا ہوں۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی:...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:...... گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کی بات چل رہی ہے، اس میں دو چیزوں پر لوگوں کو غور کرنا چاہئے اور اس کی تحقیق کرنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمارے سامنے روایات کی روشنی میں ہے، اور آثار صحابہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ایک عمل عہد نبوی سے اور عہد صحابہ میں مسلسل ہوا ہے، اور اس کے خلاف نہیں ہوا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ بیان جواز کے لئے کم سے کم اگر کوئی چیز غیر افضل ہے تو اس کو اختیار فرمالیا کرتے تھے، یا آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز ہوتی تو اجازت دے دیا کرتے تھے، تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا روایات میں یا احادیث وآثار میں ایسی کوئی مثال ہمیں ملتی ہے کہ عہد نبوی میں یا عہد صحابہ میں گیارہ اور بارہ کو زوال سے پہلے کبھی رمی کی گئی ہے، اگر کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے تو اس میں گنجائش پیدا کرنے کی اور کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایسا کوئی سخت مسئلہ بھی نہیں ہے کہ گنجائش نہیں ہے، یہ سوال میں اس لئے اٹھا رہا ہوں کہ ہمارے علماء میں اصحاب تدریس ہیں، وہ کتب حدیث سے اور کتب آثار سے نکال کر لائیں گے، کہ عہد نبوی میں، عہد صحابہ میں اور خیر القرون میں کیا زوال سے پہلے رمی کرنے کا عمل کچھ حضرات کا ثابت ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ممانعت موجود ہے تب تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن اب تک کی جو گفتگو ہماری آپ کی آئی ہے اس سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی ممانعت کی بات نہیں ہے، اگر کسی کے پاس ممانعت کی بات ہو یا اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کو اس موقع پر پیش کیا جائے تا کہ اس پر ہم لوگ غور کر سکیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:...... آپ حضرات اس سے زیادہ واقف ہیں اور اصول افتاء پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں کہ جہاں دشواری ہو وہاں پر امام

کے قول مرجوح کو اختیار کیا جاسکتا ہے، یہ دیکھنا ہوگا کہ دوسرے مسائل جو مولانا نے ہمارے سامنے ذکر فرمایا ان کی ضرورت کس درجہ کی ہے، کیا اس کی ضرورت بھی اسی درجہ کی ہے، دوسرا مسئلہ مثل اور مثلین والا ہے وہ منصوص ہے اور یہ بھی کہ امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کی رائے کی طرف رجوع کرلیا تھا، اسی لئے فقہاء حنفیہ میں بھی بعض محدثین صاحبین کی رائے کی طرف گئے ہیں، جہاں تک مسئلہ رمی قبل الزوال کا ہے تو یہ مسئلہ بہرحال ایک مجتہد فیہ ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عموماً زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، اور عبارات میں اوقات اور مقادیر، یہ سب تعبدی ہوتے ہیں، زیادہ تر اس کی بنیاد نصوص پر ہوتی ہے، اس لئے اس میں زیادہ نصوص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بہرحال ایک اہم پہلو کی طرف ہمارے مولانا اقبال صاحب نے توجہ دلائی، اللہ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... اصل میں زیادہ تر حادثات دس اور بارہ کو ہی ہوتے ہیں، دس تاریخ کو اس لئے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد رمی کرلیں تاکہ احرام کھول سکیں، اور بارہ تاریخ کو اس لئے حادثات پیش آتے ہیں کہ لوگ رمی کر کے مکہ واپس جانا چاہتے ہیں، اور ان کے ذہن میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر دیر ہوجائے اور غروب تک منیٰ میں رہ گئے تو منیٰ کا وقوف واجب ہوجائے گا، اس لئے اگر امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے قبل زوال بھی رمی کی گنجائش ہو تو ازدحام پر کسی درجہ میں کنٹرول ہوسکتا ہے اور اس کا تجربہ بھی اس سال ہوا، اس لئے کہ اس سال وہاں کی گورنمنٹ اس کا بار بار اعلان کرتی رہی، اس کی وجہ سے اتنا زیادہ ازدحام دیکھنے میں نہیں آیا۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے، ایک طلوع صادق سے پہلے رمی کا مسئلہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ گذشتہ ادوار میں ازدہام کے کم ہونے کی وجہ سے آدمی کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ صبح صادق کے بعد ابتدائی وقت میں وہ مزدلفہ میں وقوف کر کے طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وہ منیٰ پہنچ جائے اور وہاں رمی کرلے، لیکن موجودہ حالات میں عملی طور پر یہ بات، بہت دشوار معلوم ہوتی ہے کہ آدمی وقوف مزدلفہ جو کہ واجب ہے اس کو بھی ادا کرلے اور طلوع شمس سے پہلے وہ رمی بھی کرلے، اس لئے کہ سب سے زیادہ ازدحام دسویں تاریخ کو اسی وقت ہوتا ہے، یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ عبادات سے متعلق اوقات اور مقادیر بنیادی طور پر تعبدی ہوتے ہیں، لیکن ابھی آپ نے ایک عبارت سنی جو مولانا مفتی شوکت صاحب نے گیارہ تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کرنے کے بارے میں پیش کی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور دوسرے فقہاء کا بھی ہے اور ہماری کتابوں میں کثرت سے نقل ہوتا آیا ہے کہ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ نص اور آثار کے بغیر ہی رائے اختیار کی گئی ہوگی، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ثبوت کے دائرے سے باہر تصور نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی عبدالاحد ازہری: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... حضرت! ہمارا انتظام بھی مسئلہ کے تابع ہوگا نا، اس لئے آپ کو رہنمائی کرنی ہوگی کہ انتظام شریعت اور فقہ کے دائرے میں ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام: ...... آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر ہمارے احباب جو اظہار خیال کرنا چاہتے تھے وہ کرچکے، اور کافی چیزیں سامنے آچکی ہیں، جب تجاویز مرتب ہوں گی تو ان کو سامنے رکھا جائے گا۔

مفتی انور علی اعظمی: ...... گیارہ، بارہ اور اس کے بعد کی تاریخ میں رمی کرنے کے سلسلہ میں ایک بات تو بڑی اچھی آگئی کہ یہ حادثہ اور بدنظمی صرف جلد بازی

کی وجہ سے یا نظم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اگر اجازت ہو جائے اور سب لوگ اسی وقت رمی کرنے جائیں گے جب بھی وہی پریشانی پیش آئے گی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:......ایسی بات نہیں ہے، جس وقت کی نشاندہی کی جارہی ہے اس میں پورے دن کا وقت رہتا ہے، اور اصل میں بارہ تاریخ کو یہ صورت حال پیش آتی ہے، جب ظہر کے بعد معلمین خیمہ اکھاڑنا شروع کر دیتے ہیں اور بہت سی جگہ تو خیمے خالی ہو جاتے ہیں، لوگوں کا وہاں رکنا بھی دشوار ہو جاتا ہے، تو پوری تاکید کی گئی ہے اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ بہت مجبوری اور دشواری کے وقت میں اس کی گنجائش ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:......یہ بات واضح ہو کہ یہ سلسلہ وہاں شروع ہو گیا ہے، اب وہاں گیارہ اور بارہ کو صبح سے رمی ہو رہی ہے، اور حکومت انتظام کر رہی ہے، وہ اجازت دے رہی ہے اور وہاں کے علماء بھی اجازت دے رہے ہیں، تو ایسی صورت میں قطعی پابندی لگا دینے پر جو مسئلہ دم کا پیدا ہوگا کیا اس چیز کو اختیار کریں گے، جبکہ بڑی تعداد میں حجاج نوجوان ہوتے ہیں وہ سب کے ساتھ چلے جاتے ہیں، یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی:......حضرات علماء کرام، بزرگان محترم اور حاضرین!

رمی جمرات کے موضوع پر اتنی گفتگو ہو چکی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب مزید اس میں گنجائش باقی نہیں رہی، اور شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو، جیسا کہ دوران بحث یہ بات سامنے آئی کہ رمی جمار کا مسئلہ اصلاً شعور کا مسئلہ ہے، یا انتظام کا مسئلہ ہے، میں اللہ کے فضل و کرم سے ایک سے زائد بار منیٰ میں حج کے موقع پر حاضر رہ چکا ہوں، وہاں جو عملی مشکل سامنے آئی اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ اس میں دو محرک ہوتے ہیں: ایک محرک تو یہ کہ انسان کی فطرت میں عجلت پسندی ہے اور اس کا اظہار بارہ تاریخ کو زیادہ ہوتا ہے، گیارہ کو بالکل نہیں ہوتا، اگر وہ اس تاریخ کو حج کا طواف جو فرض ہے وہ کر چکا ہے تو کوئی کام نہیں ہوتا سوائے گیارہ کی رمی کے، اور انہیں بارہ تک تو یقیناً رہنا ہے تو اس دن یہ عام طور پر پیش نہیں آتا، اس لئے کہ لوگ مطمئن ہوتے ہیں کہ کبھی بھی کرلیں گے، رمی کا وقت مغرب تک تو سب کے یہاں بلا کراہت ہے، جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ہے کہ فقہ حنفی میں اتنی گنجائش دی گئی اور خاص کر حج کے سلسلہ میں غالباً کسی اور فقہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے، اصل مسئلہ بارہ کو پیش آتا ہے، بارہ کو دو محرک ہوتے ہیں: جس سال میں وہاں گیا تھا اس سال لوگوں نے کہا کہ حجاج کو یہاں سے وہاں لے جانے کے لئے بسوں کا انتظام حکومت کے ذمہ ہے، ہوسکتا ہے اس کے بعد کے سالوں میں بھی ہو، تو بسوں کے ڈرائیور مجبور کراتے تھے کہ جلدی سے رمی کرکے آؤ تاکہ ہم چلیں، اگر تم لوگوں نے دیر لگائی تو ہم بسیں لے کر چلے جائیں گے اور تم کو سامان کے ساتھ پیدل جانا پڑے گا، ہر ایک کے لئے سامان کے ساتھ اتنی لمبی مسافت پیدل طے کرنا ممکن نہیں، کچھ لوگ شاید پیدل چلے جائیں، تو اس بنا پر لوگ سامان لے کر بھی آتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ بس نکل جائے، اس لئے رمی میں جلدی کرنے کی کوشش کرتے تھے، دوسرا مسئلہ فقہی ہے، لوگوں کے ذہن میں پہلے ہی سے یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بارہ کو غروب آفتاب کے بعد بھی اگر کوئی وہاں رہتا ہے تو اس کے لئے تیرہ تاریخ کو رکنا ضروری ہو جائے گا، ساری دقت یہی ہے، یہی محرکات ہوتے تھے جو لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ کتنی جلدی ہو رمی کرکے پیچھا چھوڑ الیں اور منیٰ کے حدود سے باہر نکل جائیں، تو اس لئے جیسا کہ ذکر آیا اور بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا کہ مسئلہ کی تشہیر کی ضرورت ہے اگر بارہ تاریخ کو سورج غروب ہو گیا تو تیرہ تاریخ کا وقوف وہاں ضروری ہو جائے گا، کم از کم حنفیہ کے یہاں ایسا بالکل ضروری نہیں ہوتا ہے، بلکہ باقی دوسری فقہ میں بارہ تاریخ گذرنے کے بعد صبح صادق ہو جائے تب تیرہ تاریخ کا وقوف ضروری ہوتا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ فقہ حنفی میں تیرہ تاریخ کو زوال سے پہلے رمی، بلا کراہت جائز ہے، مفتی بہ قول یہی ہے، بارہ کے بارے میں مفتی بہ کوئی قول نہیں ہے۔

لیکن یہ امام صاحب کی بہت شاذ و نادر روایت میں سے ہے اور سب ائمہ کا متفق علیہ مذہب یہ ہے کہ گیارہ کو اور بارہ کو ظہر سے پہلے رمی کا وقت شروع نہیں ہوتا، تو اس لئے خروج عن الاختلاف بھی اہمیت رکھتا ہے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ خروج الاختلاف کی رعایت بھی ضروری ہے، اور پھر امام صاحب کی روایت بھی ایسی ہے جو نوادر میں شمار کی جاتی ہے، تو اس لئے حوصلہ افزائی تو یقیناً نہ کی جائے اس بات کی کہ بارہ کو کوئی شخص زوال سے پہلے یا گیارہ کو زوال سے پہلے رمی کرے، بلکہ گیارہ کو تو بالکل اجازت نہ دی جائے، اس تاریخ میں کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، زحمت وغیرہ بالکل نہیں ہوتی، کوئی اور مشاغل اختیار کرنے کے لئے جلدی کرے تو کرے، ورنہ گیارہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے، البتہ فقہ حنفی کی رو سے بارہ کو ہوسکتا ہے، جیسا کہ بتایا، دو باتیں ذہن میں تھیں، دوبارہ اس کا ذکر کرتا ہوں، ایک تو مسئلہ کی بات لوگوں کو سمجھائی جائے کہ بارہ تاریخ کا اگر سورج غروب ہو گیا اور وہ منیٰ کے حدود سے باہر نہیں نکل سکے تو بھی اس پر تیرہ کا وقوف ضروری نہیں ہوگا، رات میں کسی وقت میں جاسکتا ہے، اور جیسا کہ قاضی عبد الاحد صاحب نے بتایا کہ عصر کے بعد کا وقت بہت ہی فارغ وقت ہوتا ہے، خود میں نے محسوس بھی کیا ہے، الحمد للہ دس تاریخ کی رمی دس بارہ بجے کے آس پاس کرلی، کوئی دقت نہیں ہوئی، اسی طرح بارہ اور گیارہ کی رمی بھی عصر کے بعد اتنے اطمینان

سے کرلی کہ کوئی پتہ نہیں چلا اور اس مرتبہ تو عجیب اتفاق ہوا غالباوہ گیارہ اور بارہ کی درمیانی شب تھی، حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تو رات کے دو بجے ہم لوگوں نے رمی کی تھی تو وہاں ڈھونڈنے سے بھی کوئی نہیں ملا بمشکل تین چار آدمی تھے، تو اگر یہ مسئلہ بتایا جائے کہ وقت میں بہت توسع ہے، اور آپ حضرات علماء جانتے ہیں کہ یہ وقت ہے معیار نہیں ہے، صرف اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں، وقت اور معیار، معیار میں تو ظرف اور مظروف دونوں برابر ہوتے ہیں اور وقت کے اندر مظروف بڑا ہوتا ہے، ظرف چھوٹا ہوتا ہے، وقت موسع ہے جس وقت چاہے رمی کرلے، یہ مسئلہ میرے خیال سے فقہی تحقیق سے زیادہ عملی ضرورت کا ہے، لوگوں کو افہام وتفہیم کرنے کا ہے، تو امام صاحب کے اس قول پر عمل کرنے کی گیارہ کو بالکل اجازت نہ دی جائے، اس لئے کہ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرے، بارہ کو بھی دیکھا جائے اور بہت غور وفکر کر کے کوئی رائے اختیار کی جائے۔

ایک بات اور عرض کروں جیسا کہ یہاں سننے میں بھی آیا کہ حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہوتا ہے اور اکثر لوگ ایک ہی بار کرتے ہیں تو ایک مرتبہ کا حج بھی ہم مشکوک بنالیں کہ بلا کسی شدید ضرورت کے مکروہ اور نامناسب وقت میں اس کے ارکان ادا کریں یہ بہت عجیب وغریب بات ہے، آدمی حج کے اندر وقت بھی بہت خرچ کرتا ہے، مال بھی بہت خرچ کرتا ہے اور اس کو مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور اس میں ذرا سی سہولت پسندی کی خاطر اور سہولت پسندی بھی ذہنی زیادہ ہے عملی کم ہے اس کے خاطر آدمی اپنے حج کو مختلف فیہ بنالے یہ کیسی بات ہے۔

میں پندرہ سال پہلے کا ایک واقعہ سناؤں جب وہاں بینک اسلامی کے تحت مذبح قائم ہوا تو یہ بات ہوئی کہ وہاں لوگ پیسے جمع کرائیں اور بینک قربانی کردے گا، اس کے دو فائدے بتائے گئے: ایک تو حاجیوں کو سہولت ہوجائے گی، مذبح اور منحر تک جانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، کئی کئی گھنٹے لگتے تھے اور اس کا بڑا نقصان یہ تھا کہ قربانی کرنے کے بعد اکثر لوگ جانور کو وہیں چھوڑ آتے تھے اس سے گوشت بھی ضائع ہوجاتا تھا، بعد میں حکومت اس کو جلانے کے لئے اور اس کی رطوبت کو ختم کرنے کے لئے کروڑوں ریال خرچ کرتی تھی، اسی لئے آج سے پندرہ بیس سال پہلے وہاں مذبح قائم ہوا، پھر اس میں یہ مسئلہ آیا کہ ایام تشریق کے اندر تین کاموں میں ترتیب واجب ہے، پہلے تو رمی ہو، اس کے بعد ذبح ہو اگر وہ قارن اور متمتع ہے اور اس کے بعد وہ سر منڈائے، یہ تین کام ہیں جن میں ترتیب واجب ہے، اگر اس میں کوئی ترتیب بدل گئی اور کوئی آگے پیچھے کرلے تو دم واجب ہوتا ہے، حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے، اگرچہ صاحبین کا نہیں ہے، تو جب یہ ہر طرف سے بات ہوئی اور غور ہوا، تب اس پر علماء کا اجتماع کیا گیا اور اس میں حنفی علماء کو بھی جمع کیا گیا، ہندوستان میں ہی تھا غالبا اور پاکستان کے کئی علماء تھے، مفتی فیاض الدین صاحب بڑے اچھے عالم تھے دار العلوم کے بہت قدیم فضلاء میں وہ بھی تھے اور بعض بریلی مکتب فکر کے علماء تھے، مصر سے بھی آئے تھے اور ساؤتھ افریقہ وغیرہ سب جگہ سے علماء آئے تو مسئلہ پر بحث ہوئی کہ ترتیب کا قائم رکھنا اور قربانی کرنے والے کو بتانا عملاً ممکن نہیں ہے، اور اس میں زور دیا گیا کہ فقہ حنفی میں بھی بہت گنجائش ہے، اس لئے صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے، میں نے عربی میں بہت تفصیلی مقالہ لکھا تھا جو اردو میں بھی چھپا، اس وقت یہ بات سامنے آئی کہ فقہ حنفی کے اندر صاحبین کے قول میں گنجائش ہے، تو سوچنے کی بات ہے کہ ترتیب کے سنت ہونے کا کوئی انکار نہیں کرتا تو کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ زندگی میں جو یہ سعادت ایک بار حاصل کرتا ہے، وہ ایسے قول پر متفق ہوجائے اور یہ سوچ کر اس پر عمل کرے کہ زیادہ سے زیادہ یہ خلاف سنت ہے جس پر دم بھی واجب نہیں ہے، لیکن وہ سنت کے ترک کا تو مرتکب ہوا، تو اس سلسلہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر بالفرض امام صاحب کا قول ہے تو اس طرح اس پر عمل کر کے اپنے حج کو خطرے میں ڈالنا اور ایک طرح سے ذہن میں بار بار اس کا گذرنا کہ یہ خلاف سنت ہے، کیا یہ مناسب ہے۔

یہ مسئلہ فقہی سے زیادہ انتظامی اور شعوری ہے، یہاں پر سب حضرات شریک ہیں، میری اپنی رائے ہے ان میں سے اکثریت کا یہی رجحان ہے اگرچہ الفاظ میں یہ بات مختلف انداز میں عرض کی گئی ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ تجویز پاس ہو تو اس رجحان کی آئینہ دار ہو، فقہی ٹکسالی قسم کی نہ ہو، مگر اس میں یہ بھی ہو کہ اکثریت کے ہونے پر ہے، اختلافی نہیں ہے، اور حضرت مولانا نے بار بار یہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں عملی حدیثیں ہیں، تو اوقات کے سلسلہ میں تو عام طور پر عملی حدیثیں ہیں، نماز کے اوقات میں جو حدیث جبرئیل ہے وہ عملی ہے، اس کے علاوہ بھی حدیث اعرابی ہے وہ عملی ہے، توقیت کے سلسلہ میں اکثر حدیثیں عملی ہیں، ہوسکتا ہے ایک آدھ کوئی نکل آئے قولی مگر مدار اسی پر ہے، اس کی تاویل کرنا اور اس کی اہمیت کو کم کرنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے، میں نے کوئی لمبی چوڑی بات کہی نہیں ہے، اس پر بہت بات ہوچکی ہے، بحمد اللہ میں نے استفادہ کیا، اللہ اس سے فائدہ پہنچائے ہمیں بھی اور حاضرین کو بھی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ...... جولوگ اس میں توسیع کے قائل ہیں وہ اس کو سنت تو بہر حال مانتے ہیں، اس لئے اس کو رہنے دیجئے۔

منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی:

ہمارے اس سمینار کی یہ دوسری مذاکراتی نشست ہے، اس کی صدارت انشاء اللہ شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم، ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر فرمائیں گے، وہ تشریف فرما ہیں۔

اس سمینار سے متعلق جاری کردہ سوالنامہ میں دو موضوعات حج سے متعلق ہیں، پچھلی نشست میں ایک موضوع پر مذاکرہ سے ہم فارغ ہو چکے ہیں، یہ دوسری نشست ہے، اس میں مذاکرے کا موضوع ہے ''ایام منیٰ کے اندر اس کی حدود میں قیام کی حیثیت'' اور حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ اور مکہ مکرمہ وغیرہ میں قیام کرنا اس کی کیا حیثیت ہے، ابھی پہلی نشست میں جو گفتگو رہی ہے رمی جمار کے اوقات سے متعلق اس میں یہ بات آئی کہ یہ مسئلہ کچھ انتظامی ہے، واقعہ یہ ہے کہ بعض مسائل اپنی شرعی حیثیت میں متفق علیہ ہوتے ہیں، مختلف فیہ نہیں ہوتے، لیکن انتظامی نوعیت سے فرق پڑ جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے زحمتیں اور دقتیں بھی ہوتی ہیں، اور مذاکرات کی بھی نوبت آتی ہے، یہ دونوں مسئلے جو موضوع بنے ہیں وہ اسی بنا پر ہیں، رمی جمار سے متعلق کافی گفتگو ہوگئی اور اس ضمن میں یہ بات آ گئی کہ روزانہ کا وقت خود ہی بڑا موسع ہے۔ اس کے بعد اہمیت کچھ انتظام کی، کچھ حجاج کرام کے ذہن ومزاج کی ہے، جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، انتظام کا تعلق جگہ سے نہیں ہے، انتظام کا تعلق تو اس سرزمین کے ارباب حکومت سے ہے، اور یہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ بہر حال وہ اپنی وسعت بھر ہر چیز کو سامنے رکھ کر نظم کو اچھا اور بہتر بنانے کی سعی کرتے رہتے ہیں، جو حضرات حج کو تشریف لے گئے، انہوں نے نئے انتظام میں جو اس وقت زیر تعمیر ہے اس میں بہر حال سابق سال گذشتہ اور اس کے پیش تر کی نسبت سے بڑی آسانی اور راحت محسوس کی اور بڑی سہولت کے ساتھ کام انجام ہوا، اور ظاہر ہے کہ ان شکلوں کے پائے جانے کے بعد پھر اس قسم کے غور وفکر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، تاہم اس وجہ سے یہ سوال اور دوسرا سوال جو زیر بحث آئے گا، موضوع بنا کہ حج کرنے جو حضرات جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں انفرادی اعمال جو اپنے بس کے ہیں اس میں تو آدمی اپنے بل پر کچھ بھی سوچیں، لیکن جو اجتماعی اعمال ہیں جن کا تعلق وہاں کے انتظام سے ہے، حجاج جن چیزوں سے دوچار ہوتے ہیں وہ آپ کے سامنے آئی ہیں، اور بظاہر ہمارے یہاں جو معروف مسئلہ ہے، اس سے کچھ مختلف ہوتی ہیں تو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں، سوالات ہوتے ہیں، اس لئے اس قسم کے الجھنوں کا دور کرنا اور اس کا ازالہ بھی مقصود ہوتا ہے، رمی جمار کے مسئلہ میں جیسے حکومت کا نظم یہاں تک آ گیا کہ انہوں نے گیارہ بارہ کو صبح سے رمی کرنے کی اجازت دے دی، اگر چہ وہاں کے ارباب افتاء نے ابھی تک فتویٰ نہیں دیا، مسئلہ زیر بحث ہے لیکن حکومت نے اس کی اجازت دے دی۔

اسی طرح منیٰ کا قیام ہے اس کا جو نظم وانتظام ہے، خیمے وغیرہ جو لگائے جاتے ہیں، ادھر چند سالوں سے حجاج کے کچھ خیمے حدود منیٰ سے باہر اور مزدلفہ کے حصے میں پڑ جاتے ہیں، اور منیٰ کے قیام کے دنوں میں وہاں حجاج کو قیام کرنا پڑتا ہے، جو لوگ کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ لحاظ کرتے ہیں، اور حج جیسی مہتم بالشان عبادت جو زندگی میں کبھی کبھار ہی آتی ہے، کم ہی ایسے لوگ ہیں کہ جنہیں یہ شرف ہر سال حاصل ہو اور کثرت سے حاصل ہو، بڑی تعداد ایک مرتبہ یا کبھی کبھی یہ شرف حاصل کر پاتی ہے تو ان کی یہ خواہش اور جذبہ ہوتا ہے کہ شریعت کی جو ہدایات ہیں جو چیزیں از روئے سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور حج کے اعمال کی نسبت سے ہمارے سامنے ہیں، ہم سے مطلوب ہیں ان کے مطابق ہمارا بھی حج ہو، بہر حال اس وقت اس مجلس کے مذاکرے کا موضوع ایام منیٰ ۸، ۹ کو تو ظاہر ہے حاجی عرفات چلا جاتا ہے، دس گیارہ بارہ ان دنوں میں جو منیٰ کے قیام کا نظام ہے، منیٰ کی حدود میں رہنا، اس کی کیا حیثیت ہے، اس سے باہر رہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، یہ موضوع ہے، اس بابت جو اکیڈمی کا نظام ہے جس سے آپ متعارف ہو چکے ہیں، اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عرض مسئلہ کو توجہ کے ساتھ سنا جائے اور جہاں کہیں بھی کوئی اشکال ہو تو اسے نوٹ کر لیں اور اس عرض مسئلہ سے فراغت کے بعد اپنے اسمائے گرامی اسٹیج تک پہنچا دیں، انشاء اللہ حسب موقع جیسے پچھلی نشستوں میں مذاکرہ ہوا اسی طرح اس موضوع سے متعلق بھی مذاکرہ ہوگا۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ عرض مسئلہ پیش کریں۔

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی: ...... مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب سے موضوع سے متعلق عرض سماعت فرمایا، تین سوالات تھے، مقالہ نگار حضرات نے جن

خیالات کا اظہار کیا وہ آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ ایک صورت تو یہ ہوگی کہ آدمی اپنے اختیار سے منیٰ میں قیام سے بچے اور دوسری شکلیں اختیار کرے، جس کے پیچھے یقیناً راحت ہی ملحوظ ہوتی ہے، یہاں خصوصیت سے جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ نظم وانتظام میں جو مشکل ہو رہی ہے کہ آیا یہ کوئی نادرست چیز ہے، جس کا اثر لیا جائے اور جس سے فکرمند حضرات بہرحال متاثر ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں، ایک تو وہاں کے انتظام کے تحت کچھ خیمے مزدلفہ میں اور منیٰ سے باہر لگتے ہیں، اس کی بنا پر قیام کرنا پڑتا ہے، وہ ایک اپنا اختیار ہے، ظاہر ہے کہ اپنے اختیار سے تو اس قسم کی شکل اختیار کرنا بہرحال پسند نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل اور اسوہ ہے اور صحابہ کرام کا جو عمل ہے وہ منیٰ میں ہی رہنے کا اور پانچ دن مستقل وہاں پر قیام کا ہے، غیر اختیاری شکل ہو تو یہ دوسری ہو جاتی ہے، بہرحال عرض تو آپ نے سماعت فرمایا جو چیزیں سامنے آئیں ہیں مختلف مسائل کی نسبت سے اس کے کسی پہلو پر اگر کوئی بات آئی ہو تو اپنا نام بتائیں تاکہ مذاکرہ کیا جاسکے اور آگے تجویز کے مرتب کرنے میں ساری چیزیں معین ومفید ہو سکیں۔

مولانا سید قمر الدین محمود: ...... جو مسئلہ عارض صاحب نے ذکر کیا ہے وہ مبیت منیٰ کا ہے، اصل میں جیسا کہ مقالہ نگار حضرات نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا، یہ ہے کہ ایام رمی کے درمیان منیٰ کا قیام سنت ہے اور بلاوجہ سنت کو اگر چھوڑا جائے گا تو اس کی وجہ سے حج میں خلاف سنت عمل کرنے کا جو ایک اثر ہوتا ہے وہ اس میں ہوگا، لیکن اگر مجبوری ہے اور معذور ہے تو بات دوسری ہے، اس لئے کہ جو منیٰ کے حدود ہیں وہ مختصر ہیں، دونوں جانب پہاڑ ہیں اور درمیان میں جو جگہ ہے، اتنی ہی جگہ منیٰ میں قیام کے لئے نکالی جاسکتی ہے، اس لئے سعودی حکومت مجبور ہے، اب سے پہلے حجاج کرام کی تعداد کم ہوا کرتی تھی تب ہم نے دیکھا کہ مزدلفہ کی حد میں کبھی بھی خیمہ نہیں لگایا گیا، اور اب جبکہ حجاج کی تعداد بہت زیادہ ہونے لگی تو حکومت سعودی مجبور ہوگئی، اس لئے مجبوراً مزدلفہ کے اندر خیمے لگائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ سعودی حکومت کے زیر غور مسئلہ یہ بھی ہے کہ منیٰ میں عمارتیں پانچ منزلہ، دس منزلہ بنائی جائیں بجائے اس کے کہ خیموں کے اندر قیام ہوتا ہے، تو اس میں حجاج آسانی سے رہ سکیں گے اور اس میں مزدلفہ میں قیام کی نوبت نہیں آئے گی تو بہرحال اس وقت جو مسئلہ ہے کہ منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا، لیکن اگر مجبوری کی وجہ سے منیٰ کا قیام کوئی چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لئے گنجائش اور اجازت ہونی چاہئے۔ اگر کوئی قصداً اور جان بوجھ کر راحت اور آسائش کی خاطر مکہ مکرمہ میں ٹھہرتا ہے یا حج ٹور والے اپنی آسانی کی خاطر عزیزیہ میں حجاج کو ٹھہراتے ہیں اور وہ بس یہی کہتے ہیں کہ یہیں سے جاکر رمی کرلو تو یہ صورت غیر مناسب ہے، اس کی وجہ سے زیادہ تر جو اثر مرتب ہونا چاہئے وہ ہو رہا ہے، اس لئے کہ حکومت تمام حجاج کے لئے خیموں کا انتظام کرتی ہے چاہے وہ منیٰ کے حدود میں ہو یا مزدلفہ کے حدود میں، جہاں جہاں خیمے ہیں ان جگہوں پر جاکر قیام کرنا چاہئے، اور جان بوجھ کر عزیزیہ وغیرہ میں قیام کرکے سنت کو ترک نہیں کرنا چاہئے، بہرحال اس میں مجبوری کی صورت میں گنجائش ہے۔

مفتی اقبال صاحب:

مبیت منیٰ میں وسعت ہے، حدود منیٰ توقیفی ہے، منیٰ میں قیام کی جگہ نہ مل سکنے کی صورت میں ایک تو مشکل یہ ہے کہ پھر کہیں بھی قیام کرلے، عزیزیہ میں یا مکہ مکرمہ میں یا مزدلفہ کی جانب میں اور ایک مشکل یہ ہے کہ منیٰ سے متصل ہی قیام کی جگہ اگر دستیاب ہو وہیں قیام کرے، دونوں کا حکم ایک نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح مسجد میں اگر مسجد بھر جائے تو مسجد سے متصل اگر صفیں بنائی جائیں تو مسجد کا ثواب مل جاتا ہے، اس طرح سے احقر کا خیال یہ ہے کہ منیٰ سے متصل جو مزدلفہ ہے اس میں قیام کو ترجیح دی جائے اگر وہاں قیام ممکن ہو، اس میں منیٰ کی اصل سنت تو ادا نہیں ہوگی لیکن ثواب میں کمی نہیں آئے گی۔

منیٰ میں قیام کی جگہ نہ ملنے کی صورت میں یہ آزادی نہ دی جائے کہ جو جہاں چاہے قیام کرے۔

مفتی عبدالرشید قاسمی: ...... ایسا بھی لکھا ہے کہ اگر منیٰ میں خیمے نہیں ہیں، اور مزدلفہ میں خیمے ہیں، حتی کہ انہوں نے یہاں تک اجازت دے دی ہے کہ مکہ کے اندر اپنے حجرے میں بھی قیام کریں اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، صاحب عین نے، لیکن مناسب نہیں ہے، آدمی استطاعت میں جتنا ہو اتنا تو کرنا چاہئے، حکومت کی طرف سے اگر مزدلفہ میں انتظام نہیں ہے تو ہم اپنی طرف سے وہاں تک جانے کی کوشش کریں گے، اگر اس کو یہ کہیں کہ وہاں پر منیٰ کے حدود میں خیمہ نہیں ہے، ہمارا خیمہ باہر آجائے گا، اس لئے ہم باہر قیام کریں گے تو سنت کے خلاف ہے۔

مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری:

قیام منیٰ کے تعلق سے حنفیہ کے نزدیک قیام سنت ہے، یہ تو مسلم ہے اور شرعی اعذار کی وجہ سے اگر منیٰ کے باہر قیام کیا جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں

ہے، اس پر کافی بحث ہو چکی ہے، اصل مسئلہ ازدہام کا لایا جا رہا ہے، تو منیٰ کے اندر ازدہام ہوتا ہے، حجاج کرام کی کثرت ہوتی ہے، وہ صرف ایک دن ہوتی ہے، کیونکہ میرا ابھی جانا ہوتا ہے، میں بھی آٹھ دس سال سے جا رہا ہوں تو جس دن ازدہام ہوتا ہے وہ دن آٹھ ذی الحجہ کا ہوتا ہے، آٹھ ذی الحجہ کے دن اور رات میں تھوڑی بہت دقت ہوتی ہے، اس کے بعد لوگ نو ذی الحجہ کو عرفات چلے جاتے ہیں اور واپسی میں جب دس ذی الحجہ کو آتے ہیں تو ازدہام کم ہو جاتا ہے، بہت سے حضرات رمی جمار کے لئے چلے جاتے ہیں، کچھ لوگ زیارت کے لئے چلے جاتے ہیں اور اس طرح خیمہ کے اندر گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

میرے نزدیک تو یہ ہے کہ منیٰ کے اندر قیام رکھنا چاہئے اور ازدہام کی وجہ سے عزیزیہ کے اندر قیام کرنا مکروہ ہوگا، البتہ جو ٹور والے حجاج کرام کو لے کر جاتے ہیں یا حکومت کی طرف سے ان کو قیام کرنے کی اجازت ہوتی ہے وہیں ان کو قیام کرنا پڑتا ہے، اس لئے ان کے لئے تو کوئی کراہت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ مجبور ہیں، بہر حال جن کو منیٰ کے اندر خیمے مل رہے ہیں حکومت کی طرف سے اور وہ لوگ بھی اس کے اندر سستی اور کاہلی برتیں اور قیام نہ کریں تو یہ میرے نزدیک کراہت پر مبنی ہوگا۔

اور دوسری بات یہ کہ جو لوگ مزدلفہ کے اندر قیام کرتے ہیں انہیں نو ذی الحجہ کی رات میں وہاں قیام کرنے پر جو سنت ہے مزدلفہ کا قیام اس میں کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے اور اس کو جائز قرار دینا چاہئے، کیونکہ مزدلفہ کے اندر رات میں بڑا ازدہام ہوتا ہے اور وہاں پر تو نماز بھی پڑھنا مشکل ہوتا ہے، خاص طور پر جو بزرگ ہیں، مستورات ہیں ان کو خاص طور پر مزدلفہ کے اندر قیام کرنے میں بہت دقت محسوس ہوتی ہے، حتی کہ نوجوان حضرات بھی وہاں پر پریشان ہو جاتے ہیں تو جن حضرات کو مزدلفہ کے اندر خیمے ملیں وہ عرفات میں سیدھے اپنے خیمے کے اندر ہی اپنی نماز ادا کرلیں اور وہیں قیام کرلیں تو اس میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

مفتی انور علی اعظمی: ...... حج ایک عظیم الشان عبادت ہے اور عام طور پر لوگوں کو اس عبادت کا اتفاق بھی ایک ہی بار ہوتا ہے، اس لئے حتی الامکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن کی اتباع عبادت کے اندر انتہائی ضروری ہے اور اسی کی ہم لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں جو چیزیں ملتی ہیں ان سے یہ خوب واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات تاریخ کو اونٹوں کو پانی پلانے کا حکم دیا، آٹھ تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود منیٰ تشریف لے گئے اور اپنے لوگوں کو منیٰ جانے کا حکم فرمایا، اس لئے حتی الامکان جہاں تک گنجائش ہے، ہم آٹھ تاریخ کو منیٰ ہی میں رہیں، رہا مسئلہ جگہ کی تنگی کا اور حکومت کی طرف سے مزدلفہ میں خیمے لگائے جانے کا اگر ہمارے خیمے یا حجاج کے خیمے مزدلفہ میں لگا دیئے گئے تو حاجی کے لئے یہ بہت بڑی مجبوری کی بات ہے، حاجی اپنی طرف سے اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ ذمہ دار لوگ، فقہ اکیڈمی کے لوگ اور مقتدر علماء یا موقر لوگ سعودی حکومت سے اس بات کا مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے یا حاجیوں کے لئے منیٰ میں قیام کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کرے، جہاں تک مسئلہ ہے اپنے اختیار سے منیٰ کے قیام کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں رہنے کا تو یہ انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے، ان ایام میں تو مکہ مکرمہ آنا جانا ہوتا ہی ہے، منیٰ ہی میں رات گذارنے کی تاکید حج سے متعلق کتابوں میں موجود ہے، اور تقریباً تمام علماء کی یہی رائے ہے، اس لئے حتی الامکان کوشش اسی بات کی ہو کہ ہمارا قیام ان ایام میں منیٰ میں اور مجبوری کی شکل میں یعنی حاجی جب مجبور ہو تو اس کے اوپر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، اور انشاء اللہ اللہ کے یہاں وہ مواخذہ سے بھی بچے گا، لیکن شرط یہی ہے کہ وہ استطاعت اور اپنی کوشش بھر منیٰ میں ٹھہرنے کی کوشش کرے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اس وقت جو مسئلہ زیر بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بارے میں اختلاف رائے تقریباً نہیں ہے، اس سے پہلے کی نشست میں جو مسئلہ تھا رمی جمرات کے اوقات میں توسع کا تو واقعی دو رائے تھی اور دونوں نقاط نظر سامنے آئے لیکن اس مسئلہ کے بارے میں جو تلخیص کی گئی آراء کی اور جو عرض پیش کیا گیا ہے اور جو نقاط نظر پیش کئے گئے ہیں، ایک تو اس میں اتفاق نظر آتا ہے، سب اس پر متفق ہیں کہ حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام یعنی رات گذارنا سنت ہے، حنفیہ نے اس کو واجب نہیں قرار دیا ہے، اگر چہ دوسرے ائمہ میں امام شافعیؒ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت ہے، ان حضرات کے نزدیک منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے، اس لئے ایک بات تو طے شدہ ہے کہ منیٰ میں رات گذارنا چاہے واجب ہو یا سنت یا سنت موکدہ محض آسانی کی خاطر، سہولت پسندی کے لئے اور آرام پسندی کے جذبہ کے تحت جبکہ منیٰ میں گنجائش ہے اور کوئی تنگی نہیں ہے، مبیت منیٰ کو ترک کرنا اور کہیں اور قیام کرنا یہ ایک ایسا عمل ہے جو ناپسندیدہ ہے، خلاف سنت ہے یا خلاف واجب ہے، اس کا ارتکاب کرنے والوں کی مذمت ہونی چاہئے، اور احساس دلانا چاہئے کہ محض سہولت پسندی کی خاطر جو لوگ مکہ میں قیام کرتے ہیں ہوٹلوں میں اور منیٰ میں قیام کی گنجائش کے باوجود وہاں نہیں جاتے ہیں یہ ان کے لئے بہت ثواب سے محرومی کی بات ہے، دوسری بات اصول کی روشنی میں

ہمارے درمیان متفق علیہ ہے کہ جب مجبوری ہو، منیٰ میں گنجائش نہیں ہے، مجبوراً حکومت اور وہاں کی انتظامیہ منیٰ کے حدود سے باہر لوگوں کو ٹھہراتی ہے، اور یہاں پر خلاف سنت ہو رہا ہے تو یہ ترک سنت عمداً نہیں ہے، مجبوری کی بنیاد پر ہے، اس میں کسی گناہ کا یا کسی معصیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے، اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، جو حضرات منیٰ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو ہٹا کر آپ کو جگہ دی جائے، اس سے بڑی زیادتی کیا ہوگی، ان کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے ہیں اور وہ رہ بھی رہے ہیں۔

ایک بات اور جو کہی گئی ہے کہ منیٰ میں جگہ نہیں ہے، مزدلفہ میں خیمے لگے ہوئے ہیں اس کے مقابلہ میں کچھ مکہ میں قیام کر لیتے ہیں، اگر منی قیام اور رات رہنے کی جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ جہاں پر لوگ پہنچے ہوئے ہیں منیٰ کے باہر وہیں پر آپ کا قیام ہو جائے یا یہ بہتر ہے کہ آپ مکہ میں ہوٹل میں رہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات بھی اچھی نہیں ہوگی، حاجیوں کے لئے منیٰ کے باہر تک جہاں خیمے لگے ہوئے ہوں وہاں پر گنجائش ہوتی ہے، وہاں قیام کرے، اس کو ترک کر کے کہیں اور چلے جانا یہ فاسقانہ عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی پیروی اور ہر عمل کا کرنا مطلوب ہے، اس میں تھوڑے سے آرام کی خاطر اور سہولت کی خاطر ہوٹل میں قیام کرنا، اور کہیں قیام کرنا یہ صحیح نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو یا معذوری ہو تو معذورین کے احکام علاحدہ ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جو گفتگو اب تک ہوئی یہ متفق علیہ ہے اور اس میں بہت زیادہ گفتگو کا موقع نہیں ہے۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی: ......اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حنفیہ کے یہاں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، لیکن بلا وجہ سنت کو ترک کر دینا مناسب نہیں ہے، صبح سے بات چل رہی ہے، اگر کوئی مجبوری کی صورت میں منیٰ سے باہر قیام کرتا ہے تو ترک سنت کی وجہ سے جو خرابی آتی ہے وہ خرابی اس کے حق میں انشاء اللہ نہیں آئے گی، اسکے عذر کے بغیر اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری: ......مبیت منیٰ کے سلسلہ میں مجھے صرف یہ بات عرض کرنی تھی کہ بہت سے لوگوں کا رجحان یہ بھی ہو گیا کہ جو آٹھ تاریخ کو منیٰ کے قیام کا دن ہے وہ آج ہی کی شب میں وہاں سے نکل کر عرفہ پہنچ جاتے ہیں، اس لئے تجویز مرتب کرتے وقت اس نقطہ کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اگلے دن عرفہ جانے میں جو دیر ہوتی ہے، کبھی کسی حاجی کو عصر کے وقت اور عصر کے بعد پہنچنا پڑتا ہے تو اس سے بچنے کے لئے وہاں سے آدھی رات میں نکلنا شروع ہو جاتے ہیں، تا کہ وہ عرفہ جلد پہنچ جائیں تو کیا اس طرح سے نکلنے سے مبیت منیٰ کی سنت متاثر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں ترک سنت کا ارتکاب ہوتا یا نہیں تجویز مرتب کرتے وقت اس پر ضرور غور کیا جانا چاہئے، میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں ترک سنت نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے نصف یا نصف سے زائد رات گذار لی ہے اور اب اگر وہ جا رہا ہے تو اس میں ممانعت نہیں ہے، نیز مبیت منیٰ کے سلسلہ میں کوئی وقت کی تحدید نہیں ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک پوری رات گذارنا ضروری ہے ورنہ سنت ادا نہیں ہوگی، اگر تھوڑی دیر بھی وہاں قیام کرتا ہے یعنی آدھی شب تو سنت ادا ہو جائے گی۔

مولانا شعیب صاحب: ......اس سلسلہ میں جتنی آراء آئی ہیں وہ تقریباً ایک کتاب کی حد تک ہیں، قیام کی حالت میں ازدحام کی صورت میں یا منیٰ میں قیام کے حدود خیمے سے بھر جانے کی صورت میں قریب ہی جگہ کا انتخاب ہونا چاہئے تا کہ واضح طور پر سنت کے مطابق حج ہو جائے، سنت مناسک حج کے ارکان بے شک نہیں، لیکن محض سنت قرار دینے سے لوگ اس کی اہمیت کو بھول جاتے ہیں، مناسک حج میں سے جو منسک ہے اس کی ادائیگی اسی انداز سے ہونی چاہئے تا کہ حاجی محسوس کرے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے، مجبوری اور معذوری اور ازدحام کی وجہ سے اگر حاجی حدود منیٰ سے باہر قیام کر رہا ہے تب بھی بہر حال اس کو سنت کا ثواب ملے گا اور سنت کی ادائیگی مانی جائے گی۔

مولانا ارشد قاسمی: ......مبیت کے سلسلہ میں ابھی جو بات سامنے آئی لغوی اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو "بات اللیل" سے استدلال یہ ہے کہ پوری رات وہاں گذاری جائے، اس میں لغوی معنی کے ساتھ شرعی اصطلاح کو بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔

مفتی عبدالناصر: ......آواز صاف نہیں ہے۔

مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری:

یوں تو سارے ہی اعمال شریعت باعث محبت ہیں اور عبادت میں مقصود بھی عبادت کے ذریعہ معبود سے تعلق اور محبت پیدا کرنا ہے، لیکن حج ایسی عبادت

ہے جس پر عاشقانہ شان غالب ہے اور جس قدر عاشقانہ شان غالب ہوگی اسی قدر سختیوں کا تذکرہ ان کی زبان پر کم آئے گا، اسی لئے کہا جاتا ہے: "المحبۃ والمعاش نظرۃ" اور یوں کہیں کہ محبت سے تلخیاں بھی شریں ہوجاتی ہیں، جہاں تک مبیت منیٰ کا مسئلہ ہے جس پر حضرات علماء کرام کی آراء بھی آ گئیں اور تقریباً اتفاقی ہیں، وہ استدلال اور دلیل کے درجہ میں سنیت اور وجوب کی بحث فقہاء کا کام ہے، لیکن اس پر عمل یقیناً باعث محبت ہے، خواہ وہ مسنون ہو، خواہ وہ واجب ہو، اس لئے کہ محبت کے تقاضے میں یہ ساری تفصیلات رہی ہیں، جو محبوب نے کردیا ہے اس کے کرنے کی کوشش کرے، جو نہ کرسکے معذرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، ورنہ اگر ہم لوگ اسی محبت والے عنصر کو سامنے ہٹا کر استدلال کے زمرے میں سارے مسائل کررکھ دیں تو وہ ساری مشکلات کھڑی ہوجائیں گی، اس لئے حج جو پوری زندگی میں ایک بار فرض ہے اور عام طور سے لوگ ایک بار کرتے ہیں، اس کے اندر تسہیل طلبی کا خود سے ارادہ رکھنا مناسب نہیں، جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا رسول کے فرمان سے اور دربار سے ملی ہے اس کے لئے کوشش کرتے رہنا اور جدوجہد کرتے رہنا ہی اس کا تقاضا ہے، جو مکمل سنت کی ادائیگی کا ارادہ کرتے ہیں، ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ جب سنت کے مطابق کام میں لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بڑی تسہیل فرماتے ہیں، اتنی تسہیل ہوتی ہے اس میں کہ پتہ ہی نہیں چلتا اور اگر پہلے ہی سوچ لیں کہ بہت پریشانی ہے تو پھر مشکلات سامنے آہی جاتی ہیں، محبوب اس قدر کامل ہے کہ اس کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس لئے میرے دوستوں ہر عمل کی اتباع اور نقش قدم جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ رکھنا اور خصوصاً حج میں اس کو زندہ کرنے کی نیت سے جانا ہی ہر مسلمان کا ارادہ ہونا چاہئے، حقیقت میں اس کی تبلیغ اور جانے والے پہلے ہی حضرات علماء سے مسائل اور وظائف سیکھ کر جائیں تو ساری مشکلات خود بخود ختم ہوجائیں اور ختم ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو دیار آخرت میں اعلیٰ ہمتی نصیب فرمائے اور دنیا میں تو بڑی بلند ہمتی کا ثبوت دے رہا ہے اور کوئی ضرورت نہیں کہ پیچھے رہے، یقیناً مسلمان ساری دنیا کی قیادت کے لئے آرہا ہے اور اس کو ہر میدان میں قیادت ہی کرنی چاہئے، لیکن امور دین میں تو یہ بے چارہ تیار نہیں، راضی نہیں، امور آخرت میں تساہل اور سستی کو سوچتا ہے کہ گنجائش نکل جائے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ فقہاء کرام نے جو تصریحات کی ہیں اور اس وقت یہ مسئلہ بالکل اتفاقی ہے، اس لئے سبھی لوگوں کو اس کی نیت بھی کرنی چاہئے اور اس کی ادائیگی اور نقش قدم پر اپنے آپ کو تیار رکھنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے، بقول ہمارے حکیم اختر صاحب:

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

یہ سنت کے راستے اصل میں اللہ تک پہنچنے کے راستے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی اہمیت اور عظمت عطا فرمائے، اس کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆